حُجّۃُ اللہ البالِغہ

اُردو





مؤلّف

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم

مولانا خلیل احمد بن مولانا سراج احمد رحمہما اللہ

مکتبہ رحمانیہ



آیَاتُ اللّٰہِ الْکَامِلَۃ

اُردو ترجمہ

حُجّۃُ اللّٰہِ البَالِغہ

مؤلّفہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدِّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ

مترجم

مولانا خلیل احمد بن مولانا سراج احمد رحمہما اللہ

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اُردو بازار۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب — حجۃ اللہ البالغہ

مؤلفہ — حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم — مولانا خلیل احمد بن مولانا سراج احمد رحمہما اللہ

مطبع — علی اعجاز پرنٹرز

ناشر — مکتبہ رحمانیہ

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

حُجَّةُ اللهِ البالِغة

فہرست مضامین

دیباچہ

﴿ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴾

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ نَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ : قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَ قْرٌ وَّ هُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ)).

''اے پیغمبر ﷺ کہہ دے کہ جولوگ ایمان رکھتے ہیں ان کے لیے تو یہ قرآن ہدایت شفا ہے اور جولوگ ایمان نہیں رکھتے اُن کے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ اُن کے حق میں نابینائی ہے یہ لوگ بڑی دُور سے پکارے جاتے ہیں۔ اللہ جل جلالہٗ اس آیت شریفہ میں قرآن مجید کو ایمان والوں کے واسطے ہدایت اور شفا فرماتے ہیں اور جولوگ ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں کے واسطے اس کو بوجھ اور ان کی آنکھوں کے واسطے اس کو نابینائی قرار دیا ہے۔''

یہ ایک نہایت واضح بات ہے کہ ہر ایک انسان کی مدت زندگی ایک ایسے سفر کی مدت ہے جس کی حد اُس کی موت اور پہلی منزل قبر ہے اور اس سفر کے اختیار کرنے والوں کے واسطے راستے میں طرح طرح کا سامان کھانے' پینے' پہننے' پھرنے' سونے' اُٹھنے' بیٹھنے کے واسطے مہیا کیا گیا ہے۔ اس مہیا شدہ سامان میں سے صرف اس قدر حصہ جو ہر ایک مسافر کو اپنی ذات میں دیا گیا ہے اور سورج۔ چاند۔ پانی۔ ہوا۔ آگ۔ زمین اور ان کی تاثیرات اور تغیرات وتبدلات کو تدبر وتفکر والی نظر کے سوا ایک معمولی نظر کا آدمی بھی کسی قدر غور کے ساتھ دیکھے گا تو اس کو قبول کرنا پڑے گا کہ ان چیزوں کا مہیا کرنے والا کوئی بڑا ہی اعلیٰ طاقت والا وسیع علم والا اور غیر محدود قدرت والا ہے اُس کے ساتھ مدبر اور حکیم بھی بڑا اور غالب اور زبردست بھی بڑا ہے اور یہ بھی اُس کو ضرور ماننا پڑے گا کہ ایسا عظیم الشان سامان بیکار اور بے فائدہ نہیں۔ بلکہ یہ انتظام کسی شئے کے واسطے کیا گیا ہے اور وہ شئے بڑی ہی عظمت والی ہے اور نیز اس شئے سے جس کے واسطے اتنا کچھ کیا گیا ہے اتنا کچھ کرنے والے نے کوئی کام اور خدمت بھی بڑی بھاری لینی ہے۔

اس سفر میں پڑنے والے مسافروں کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جس کی نظر کی غائت اُس کا اپنا ذاتی مشاہدہ اور تجربہ ہے اور اس مشاہدہ اور تجربہ کی بناء پر وہ اس تمام عظیم الشان سامان کے وجود کا موجد اسی سامان ہی کو سمجھتے ہیں اور کسی کو اس کا مستقل متصرف اور حاکم نہیں مانتے اسی وجہ سے اس سامان کی اشیاء کے جو خواص اور ان کی پیدائش کے جو طریق ان کے مشاہدے میں آئے ہیں۔ ان میں سے کسی قسم کے تغیر وتبدل یا خلاف کو تقسیم نہیں کرتے۔ بعض ایسے ہیں جو اس قدر تو مانتے ہیں کہ اس سامان کا پیدا کرنے والا کوئی ہے لیکن پیدا کرنے کے بعد اس میں کسی قسم کے تغیر وتبدل کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ موجود اور مشاہد اشیاء کو جو خواص اور طبیعتیں

اُس نے عطا کر دی ہیں اُن کو وہ نہیں بدلتا اور ساتھ ہی اس کو ﴿عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ بھی مانتے ہیں۔ اور نیز اُن کے نزدیک ان کی اور اس سامان کی پیدائش کی غرض اور غائت یہیں تک ہے کہ سفر کا سارا وقت اور ساری قوتیں اسی سامان کے حاصل کرنے اور عیش وعشرت کرنے کے واسطے کیونکہ سفر کے ختم ہونے کے بعد پھر کچھ بھی نہیں آیت مندرجہ عنوان میں خداوند انہی دو فریقوں کی نسبت فرماتے ہیں کہ جو لوگ اس سفر میں پڑ کر اللہ جل جلالہٗ کی ہستی کا اُس کی تمام صفتوں کے ساتھ یقین اور اقرار کرتے ہیں وہ یعنی قرآن ان کے واسطے ہدایت یعنی ایک نہایت ہمدرد اور شفیق رہبر ہے جو ان کی تدبیر اور فکر کے نتیجے کی تصدیق اور آگے بڑھنے کے واسطے دستگیری کرتا ہے اور اثناءِ سفر میں تقاضائے بشری کی غفلتوں اور نسیانوں کے باعث جو کبھی کبھی تھوڑے بہت چھوٹے بڑے اوہام باطلہ وخیالاتِ فاسدہ کے امراض عارض ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے واسطے شفا ہے ایسے خوش اقبال مسافروں کی مثال اس حکیم حاذق کی سی ہے جو بدنی امراض اور ان کی زائل کرنے والی ادویات اور مفرحات قلب اور مقویاتِ دماغ اور اعصاب و دیگر اعضائے جسم سے بخوبی واقف ہو یا اس باخبر اور تجربہ کار سپاہی کی سی جو اپنے دشمنوں کے مکائد سے بخوبی واقف اور ان کے دفعیہ کا کافی سامان موجود رکھتا ہو۔ قرآن مجید ان مبارک مسافروں کو ایک ایسے بے نظیر سامان کے ذخیرے کا مالک اور وارث بناتا ہے جو مدت سفر کے اندر بیماری کی حالت میں عاجل الشفا دوا مصیبت کے وقت میں زبردست حامی۔ تنہائی کی وحشت میں شفیق مونس غرض ہر ایک پیش آنے والی حالت کے واسطے حکمی صائب تدبیر بتانے والا اور اطمینان دینے والا ہے۔ یہ عاشق صفت معشوق اپنے طالبوں کی دلربائی اور دلبری کے واسطے اپنے اندر ایسی ایسی ادائیں، ایسی ایسی رعنائیاں اور ایسی ایسی دلفریب زینتیں اور زیبائشیں رکھتا ہے کہ دنیا کے دوسرے معشوقوں میں ان کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔ جن لوگوں پر اس کے دیدار کا حقیقی پرتو ایک دفعہ بھی پڑ جاتا ہے۔ اس کے واسطے وہ کچھ ایسے دلچسپی کے سامان تیار کرتا ہے جن سے دوسری دلچسپیوں کا خیال ان کے دلوں سے معدوم ہو جاتا ہے اور دلوں میں عجیب قسم کی ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جرأت اور قوت ایسی کہ نہ خونخوار درندوں سے خوف ہوتا ہے اور نہ سفاک اور جلاد آدمیوں سے استغنا اور بے پرواہی ایسی کہ ڈھیروں سونا چاندی اگر سامنے لایا جائے تو اس کی طرف نظر بھی نہیں جاتی۔ راہِ سفر میں جس قدر زینت اور آرائش کے سامان ہیں وہ ان کو منغص اور مکدر کرنے والے ان کی آنکھیں اور ان کے دماغ اس ہمیشہ بہار والے باغ کے قسم قسم کی نظر فریب اور خوشبودار پھولوں کی رنگ آمیزی اور خوشبو سے معطر اُن کے کان اس محبوب کی لطف اور شفقت آمیز آوازوں کے ایسے دلدادہ ہیں کہ دوسرے کسی آواز کے سننے کی ان کو حاجت اور خواہش ہی نہیں۔

دُوسرا گروہ جس کے ادراک اور فہم کا منبع اُس کا مشاہدہ ہے اور اسی واسطے وہ اس عزیز اور قدیر احکم الحاکمین کی ہستی کو بالکل یا اس کی صفات کاملہ کے ساتھ نہیں مانتا۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے واسطے وہ یعنی۔ قرآن مجید اس کے کانوں کا بوجھ اور اس کی آنکھوں کے واسطے نابینائی ہے یعنی جب اس کے سامنے قرآن مجید کی آیتیں پڑھی جائیں تو جیسے کسی دلکش آواز یا خوشخبری کی بات کا اثر کانوں کے راستے دل تک پہنچتا ہے اور دل اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اسی طرح ان آیات کی دلفریبیاں اور دلربائیاں اُن کے دلوں تک نہیں پہنچتیں۔ بلکہ ان آیات کے پڑھنے کی آواز ان کے کانوں کے واسطے ایک بوجھ ہو جاتی ہے جو دوسری آوازوں کی طرح جہاں اسے پہنچنا چاہیے نہیں پہنچتی۔ اسی طرح جب قرآن شریف اپنے دلوں کو مسخر اور پابند کرنے والی دواؤں کو ظاہر کرتا ہے۔ تو وہ

ان کونہیں دکھائی دیتیں یعنی ان کی نظروں میں اس سفری سامان کا حسن اور خوبی اس درجے تک بھا گئی ہے کہ قرآن شریف کی خوبیاں اس کی بانکیں ادائیں اور ملک دل پر قابض ہو جانے والی سج دھج ان کو نظر نہیں آتی ان کی مثال قرآن کی خوبیوں کو دیکھنے کی نسبت ایسی ہے جیسے کسی شخص کو کوئی دُور سے بلاتا ہو۔ اور وہ یا تو اس تک آواز ہی نہیں پہنچتی یا آواز تو پہنچتی ہے لیکن آواز دینے والا جو کچھ اس کو کہنا چاہتا ہے اس کو بالکل نہیں سنتا' اسی واسطے ایسے مسافر قرآن شریف کی بڑی بڑی اور خاص خاص خوبیوں کے دیکھنے اور سننے سے جو اس کے سوا موجود اور مشاہد اشیاء میں سے کسی میں بھی نہیں پائی جاتیں محروم رہتے ہیں۔ اور وہ اثر جوان خوبیوں کے ساتھ لازم اور وابستہ ہے اس سے اُن کے دل متاثر نہیں ہوتے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس عزیز قدیر عظیم الشان عالی جاہ شہنشاہ کی اس قدر عظمت۔ عزت۔ ہیبت اور جلال کا حقیقی جلوہ اور مکمل پرتو ان کے دلوں پر نہیں پڑتا۔ اور جب دل اس عجیب قسم کی راحت اور ٹھنڈک والی روشنی سے بے نصیب ہوئے تو زبان ہاتھ اور دیگر اعضاء پر جو دل کے ہر وقت کمر بستہ ملازم ہیں کیا اثر کی اُمید ہوسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان کو ان کی زندگی میں ایسا موقعہ کبھی نہیں ملتا کہ قرآن کی ان خاص خوبیوں کو معرض نطق میں لاوے اور نہ ہی اُس قلم کو جو اس کے بے نصیب ہاتھوں میں ہے کبھی خیال گزرا ہے کہ ایک آدھ گھنٹہ کتاب یا کتاب کا ایک آدھ صفحہ یا صفحے کی ایک آدھ سطر یا سطر میں ایک آدھ لفظ اس بارے میں لکھ دے بلکہ برخلاف اس کے وہ ہلاکت میں پڑنے والے ہاتھوں کا توڑ دینے لائق قلم اور کاٹی جانے والی زبان بجائے اس کے کہ ان سے ایسے دل کے علم اور فہم کا قصور سرزد ہو قرآن شریف کی ان خاص خوبیوں کے مٹانے پر مستعد رہتی ہے اور مٹانے کے سامان بعینہ اس باطل خیال والے شخص جیسے جو آفتاب کی روشنی اپنے منہ کی پھونکوں سے زائل کرنے کا ارادہ اور کوشش کرے یہ سب سے زیادہ اپنی ذات کے لئے بخیل اپنی ہی نامرادی پر بس نہیں کرتے بلکہ چاہتے ہیں کہ دوسرے مسافر بھی اس روشنی سے ان کی طرح بے نصیب اور محروم ہوں۔ اور سفر کے اختتام پر انہی کے ہم بستر اور ہم خانہ ہوں۔ **اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا نَعُوْذُبِكَ مِنْ تَفِيْضَ الشَّيْطَانَ وَ نَعُوْذُبِكَ بِئْسَ الْقَرِيْن** ۔ اس اپنی ذات پر ظلم کرنے والی جماعت کے مقابل وہ دوسرے کریم النفس اپنے اور اپنے بنی نوع کی دلی خیر خواہ اور شفقت اور رحمت مجسم جماعت ہے کہ جب سے اس نے اس آبِ حیات اور آبِ زلال کا ذائقہ اٹھایا ہے۔ اسی وقت سے اپنی ہر ایک طاقت کے ذریعہ اس کوشش میں سرگرم ہے اپنے دوسرے ہمسفروں کو بھی اس کی چاشنی چکھائے ان کے مبارک اور کریم ہاتھوں کے مبارک قلموں نے اس دلارام کی خاص اور عام خوبیوں کا لکھنا اور اُن کی متبرک زبانوں نے انہی کا وظیفہ ہر دم جاری رکھنا اپنے اس سفر کا اعلیٰ مقصود سمجھ رکھا ہے۔ ان کی سب سے عزیز خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس محبوب کی وہ خاص خوبیاں لوگوں کے دلوں میں بٹھائیں تاکہ وہ اس سے مل کر ایسے بڑے سامان اور اپنے اس سفر کے دستور العمل اور اس کی غایت سے بخوبی واقف ہو جائیں ایسے مسافروں کا وجود نہ صرف ان کے ہمعصر بلکہ ان کے بعد آنے والے مسافروں کی جماعت کے واسطے بھی خداوند تعالیٰ کی خاص رحمت اور راحت کا باعث ہوتا ہے۔ اس متبرک جماعت میں سے ایک بزرگ مخدومنا مکرمنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم ہیں۔ جن کو اُن کے طریق کی ہم عصر اور بعد میں آنے والے مسافروں کی جماعت نے حکیم امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کا ہزاروں جانوں سے بھی بڑھ کر خطاب دیا۔ اور اس خطاب کی وجہ انسان کی روحانی بیماریوں اور اُن کے مناسب علاج کی مکمل تشریحات کا تیار کرنا ہے۔ آپ کا سفر کا زمانہ اس محبوب کی خوبیوں کے لکھنے اور بیان کرنے میں ختم ہوا

ہے۔ چنانچہ آپ کی منجملہ بہت سی تصنیفات کے ایک کتاب حجۃ اللہ البالغہ ہے جس میں اس ہدایت اور شفا یعنی قرآن مجید کے احکام کے اسرار اور مصالح کو وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ کتاب آپ نے عربی میں لکھی ہے اور عربی زبان کے جاننے والے خصوصاً اس زمانے میں بہت ہی کم لوگ رہ گئے ہیں۔ لیکن زمانے کے استدلال پسند ہونے کی وجہ سے ایسی کتاب کی اشاعت نہایت ضروریات سے تھی اس واسطے میں نے اس کا اُردو ترجمہ کرا کر محنت اور کوشش سے توکلا علی اللہ چھاپ دیا ہے اور اس چشمۂ ہدایت کو جو بہت سے لوگوں کی نظروں سے حجاب میں تھا عام کر دیا ہے۔ ایسے صاحبوں سے جن کو مذہب اسلام کے ساتھ دلچسپی ہے۔ قوی امید ہے کہ وہ اس کتاب کے فوائد سے محروم نہیں رہیں گے: **وَاٰخِرُ دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین و علیہ التوکل والتکلان ھو المولٰی والنصیر نعم المولٰی و نعم النصیر۔**

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

نام و نسب و ولادت:

ان کا نام ولی اللہ اور ان کے والد کا نام شیخ ابوالفیض عبدالرحیم تھا جو دہلی کے مشاہیر مشائخ سے گزرے ہیں ان کا سلسلہ نسب باپ کی طرف سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی سے جا ملتا ہے اور ماں کی طرف سے امام موسیٰ کاظم رضا سے اس صورت میں شاہ ولی اللہ صاحب عربی نسل اور خاندان فاروقی کے ایک معزز رکن ہوئے۔

یہ معلوم نہیں کہ ان کے آباؤ اجداد کس زمانہ میں عربستان سے نکل کر پہلے ملک عجم اور پھر دہلی میں وارد ہوئے مگر ان کی چھبیسویں پشت میں ایک شخص کا نام ہمایوں ہونے سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ عرصہ دراز سے عربستان چھوڑ چکے تھے سلسلہ نسب اس طرح پر ہے۔ ولی اللہ بن عبدالرحیم بن وجیہہ الدین الشہید بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قواذن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہا بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین المفتی بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن الوالفتح ملک بن عمر الحاکم مالک بن عادل ملک بن قارون بن خبیر حسین بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن خطاب۔ اُن کی ولادت شوال کی چوتھی تاریخ یوم چارشنبہ ۱۱۱۴ھ ہجری ایک ہزار چودہ سو ہجری کو دہلی میں ہوئی۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی مرحوم کی بشارت سے جو ان کے والد کو خواب میں ہوئی تھی ان کا نام قطب الدین رکھا گیا مگر عجب اتفاق ہے کہ اس نام کو شہرت نہیں ہوئی عام و خاص کی زبان پر شاہ ولی اللہ مشہور ہو گیا۔

تحصیل علم اور سلسلہ تدریس:

ان کی عمر ابھی پانچ برس کی تھی کہ والد بزرگوار نے بسم اللہ شروع کرا دی ساتویں سال قرآن مجید ختم ہوا۔ اور پھر کتب فارسی پڑھانے کے بعد عربی پر متوجہ کیا۔ چنانچہ دسویں سال شرح ملا تک پہنچ گئے اور تھوڑے ہی دنوں میں اس قدر ترقی کی کہ پندرہویں سال تفسیر بیضاوی کا درس ان کو ملنے لگا۔ غرض فقہ۔ حدیث۔ تفسیر معانی بیان اصول۔ عقائد۔ تصوف۔ منطق۔ کلام۔ فلسفہ کی درسی

کتابیں اور طب۔ ہیئت۔ حساب کے چند مختصر رسالے اپنے والد سے بخوبی پڑھے۔اور سترہویں سال اُن کے انتقال کے بعد کتب منقول اور معقول کے پڑھانے میں مصروف ہوئے اور بارہ برس تک اس کام کو بخوبی سرانجام کیا۔ان کے تحصیل علوم کی سند اپنے والد کے ذریعہ زائد بن اسلم ہروی کے طریق پر محقق دوّانی تک پہنچتی ہے۔کتب حدیث کو انہوں نے دومرتبہ پڑھا پہلی مرتبہ ہندوستان میں مولانا محمد افضل معروف بحاجی سیالکوٹی سے اور پھر ۱۱۴۳ ہجری میں مدینہ شریف پہنچ کر ابوطاہر مدنی سے جو اپنے وقت کا بڑا مشہور محدث تھا۔تجدید اجازت کی۔اللہ تعالیٰ نے طبع سلیم اور ذہن رسا اس درجہ کا عطا کیا تھا کہ ابوطاہر مدنی ان پر فخر کیا کرتے تھے۔اور کہتے کہ ولی اللہ لفظ کی سند مجھ سے لیتا ہے اور میں معنیٰ کی سند اس سے حاصل کرتا ہوں۔ایک برس سے کچھ زائد عرصہ حرمین میں رہ کر اور حج کعبۃ اللہ سے مشرف ہو کر شروع ۱۱۴۵ھ میں ہندوستان کو واپس ہوئے اور چودھویں رجب کو بخیر و عافیت وطن مالوف میں پہنچے۔

بیعت :

شیخ عبدالرحیم صاحب ان کے والد بزرگوار جیسے علوم ظاہری سے باخبر تھے ویسے ہی اللہ تعالیٰ نے علوم باطنی کا شرف ان کو عطا کر رکھا تھا۔شاہ ولی اللہ کی عمر جب ۱۴ برس کو پہنچ گئی۔اور علوم دینیہ سے بخوبی واقف ہو گئے تو والد نے پندرھویں سال ان کو یہ شرف عطا کرنا چاہا' چنانچہ انہوں نے والد سے بیعت کی اور اشغال صوفیہ خصوصاً نقشبندیہ میں اپنا بیش قیمت وقت صرف کرنا شروع کیا۔ والد کے پاک انفاس اور اپنے تقویٰ وطہارت سے اس کمال میں اس قدر ترقی کی کہ ان کی زندگی میں دو تین برس کے اندر عرفان کے اعلیٰ مدارج طے کر لئے اور والد نے سترھویں سال بیعت وارشاد کی اجازت ان کو دے دی۔پھر ۱۱۴۳ ہجری میں جب حجاز کو گئے اور ایک سال تک حرمین شریفین کی مجاورت اور ابوطاہر مدنی کی روایت حدیث سے مشرف ہوئے تو ان کے خرقہ سے جو تمام فرقہ ہائے صوفیہ کا حادی تھا آرائش حاصل کی۔

قرآن اور حدیث کی اشاعت

ہندوستان میں اس وقت تک فقہ' تصوف اور معقولات کا بہت رواج تھا اور قرآن وحدیث کا چرچا کم۔گیارھویں صدی ہجری میں صرف شیخ عبدالحق محدث دہلوی ایک ایسے بزرگ گزرے تھے جنہوں نے حدیث کی اشاعت درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ کی اور ان کی کتابیں بھی ایسی مقبول ہوئیں کہ اب تک نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔مگر ان کے بعد اس سلسلہ میں کچھ ترقی نہ ہوئی۔عام وخاص پیر پرستی اور مادہ تقلید میں مقید اور صدہا قسم کے توہمات میں گرفتار تھے کہ اس اثنا میں اللہ تعالیٰ نے شرک و بدعت کی تردید اور سنت نبوی کی ترویج کے واسطے شاہ ولی اللہ کو آمادہ کیا انہوں نے قرآن اور حدیث کی اشاعت میں خوب کوشش کی۔قرآن مجید کے مطالب کا سمجھنا اب تک تفاسیر پر منحصر تھا۔اور علماء اس کو اپنا حصہ سمجھ بیٹھے تھے اس کا ترجمہ فارسی میں کیا اور لفظوں کی رعایت سے ایسا مطلب خیز ترجمہ کیا کہ عام لوگوں کو کلام الٰہی کا سمجھنا آسان ہو گیا۔باوجودیکہ اس ترجمہ کی عمر ڈیڑھ سو برس

سے زائد ہوگئی تھی اور اشاعت علوم وفنون خصوصاً ترجمہ کا دریا ترقی کی لہریں مار رہا ہے۔ مگر اس ترجمہ پر کبھی کسی کو دم مارنے کی طاقت نہیں ہوئی یہ ترجمہ قرآن مجید کی بین السطور میں تحریر ہو کر مرات وکرات ہندوستان کے متعدد مطابع میں چھپ چکا ہے اور راس کماری سے لے کر کوہِ ہمالیہ تک مقبول خلائق ہے۔ علوم خمسہ قرآنیہ تاویل مقطعات اور رموز قصص انبیاء ہیں۔ فوز الکبیر شرقاً غرباً فتح الخبیر اور تاویل الاحادیث ایسے عمدہ اور مختصر رسالے لکھے کہ بڑی بڑی تفاسیر کے مطالعہ سے شائقین کو مستغنی کر دیا۔ مسائل فقیہہ مذاہب اربعہ یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کی تحقیقات مذہب صحابہ وتابعین اور اقوال جماعہ فقہا محدثین سے کرا کر فقہ حدیث کی بنیاد از سرنو قائم کی اور اسرار حدیث ومصالح احکام کو ایسی عمدگی اور خوش اسلوبی سے بیان کیا کہ ان کے پیشتر کے مصنفین کو یہ بات کمتر حاصل ہوئی ہے۔ کتاب حجۃ اللہ البالغہ ان کے اس کمال پر شاہد بین ہے۔ رسالہ انصاف فی بیان سبب الاختلاف اور عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید میں اس امر کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ تامہ کی موجودگی میں اقوال فقہا مقشفین اور استبداد مقلدین کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ اسی طرح عقائد تصوف اور سلوک میں محققانہ تقریریں کی ہیں اور خیالاتِ عالیہ کو طلباء کی سہولت اور مسائل کی تبیین میں عباراتِ مختصرہ اور اشاراتِ لطیفہ کے ذریعہ اس طرح ادا کیا ہے کہ ان کے زمانہ میں دوسرے مصنف کو کم میسر ہوا۔ ان بے نظیر تصنیفات کے باعث نواب صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے: ''اگر وجود در صدر اوّل و زمانہ ماضی بود امام الائمہ و تاج المجتہدین شمردہ میشود۔'' ہندوستان میں شرک و بدعت کی تردید اور سنت نبوی کی ترویج میں ان کے پوتے مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید کا نام خصوصیت سے لیا جاتا ہے اور بلاشبہ وہ اس تعریف کے مستحق ہیں لیکن جن لوگوں نے دونوں بزرگوں کی تصانیف کو دیکھا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے تمام اصول اپنے دادا کی تحریرات سے ماخوذ ہیں' فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے مناسب حال نرم گفتاری سے کام لیتے تھے۔ اور یہ مثل شمشیر برہنہ کے میدان میں نکل کر اپنی چمک دکھاتے تھے۔

حجة الله البالغه هزاری:

یہ کتاب تو فقہ حدیث پر مشتمل ہے کہ اس میں فقہ' حدیث' اخلاق' تصوف اور فلسفہ پانچوں مضمون کا مذاق پایا جاتا ہے۔ پہلا باکمال جس نے اسرار علوم دین کے بیان کرنے میں اپنے جوہر قابلیت دکھائے اور مضامین خمسہ کو بنایا وہ امام غزالی ہیں اور احیاء العلوم اُن کی عظیم الشان یادگار جو سات سو برس سے لوگوں کے افتخار کا باعث ہو رہی ہے۔ دوسرے بزرگوار جنہوں نے مدت دراز کے بعد اپنے زمانہ کے مناسب حال اس فن کی تہذیب کی وہ شاہ ولی اللہ ہیں۔ اور حجۃ اللہ البالغہ ان کی بے نظیر کتاب ہمارے ہاتھوں میں ہے جس سے فقیہہ مسئلہ فقہی کا اور محدث مطابقت حدیث کو اور فلسفی اس کی دلیل اور برہان کو نکالتا ہے اور اس غور اور خوض میں ساتھ کے ساتھ اخلاق اور تصوف کا ذائقہ بھی اس کو حاصل ہوتا رہتا ہے۔ یہ کتاب اگرچہ احیاء العلوم کے مقابلہ میں مختصر ہے مگر تنقید احادیث میں اس سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب نے اس کی نسبت اپنی رائے اس طرح ظاہر کی ہے۔

''ایں کتاب اگرچہ در علم حدیث نیست اما شرح احادیث بسیار درآں کردہ وحکم اسرار آں بیان نمودہ۔ تا آنکہ درفن خود غیر مسبوق الیہ واقع شدہ ومثل آں دریں دوازدہ صد سال ہجرت ہیچ یکے از علمائے عرب وعجم تصنیفے موجود نیامدہ ومجملہ تصانیف مؤلفش مرضی بودہ است وفی الواقع بیش ازاں است کہ وصفش تواں نوشت۔

تفصیل تصانیف

شاہ ولی اللہ صاحب نے اکثر فنون میں کتابیں تصنیف کی ہیں جو سب کی سب مفید اور منفعت بخش ہیں اور بعض ان میں سے عدیم النظیر غیر مسبوق ہیں۔ کتب مشہورہ کی تصنیف قسم وار ہے۔

① **متعلق قرآن مجید** ☆ فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن۔ فوز الکبیر فی اصول التفسیر۔ فتح الخبیر تفسیر الماثور۔ تاویل الاحادیث۔

② **متعلق حدیث** ☆ مصفی شرح (فارسی) مؤطا۔ مسویٰ شرح (عربی) مؤطا۔

③ **متعلق فقه الحدیث** ☆ حجۃ اللہ البالغہ۔ انصاف فی بیان سبب الاختلاف۔ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید۔

④ **متعلق خلافت صحابہ** ☆ ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین۔

⑤ **متعلق تصوف و سلوک** ☆ فیوض الحرمین۔ انسان العین۔ قول الجمیل ہمعات الطاف القدس۔ لمعات۔ سطعات۔ انفاس العارفین، خیر کثیر۔ شفا القلوب۔ بدور البازغہ۔ زہراوین۔ رسائل تفہیمات انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ۔ ورّ الثمین۔

⑥ **متفرقات** ☆ عقیدۃ الحسنہ۔ المقدمۃ السنیہ فی انتصا الفرقۃ السنیہ۔ سرور المحزون۔ رسالہ دانشمندی۔ ارشاد الی مہمات الاسناد۔ القالۃ الوضیۃ فی نصیحۃ الوصیۃ۔ ازالۃ الخفا کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصنف کو حدیث تفسیر اور تاریخ پر کس قدر عبور اور استخراج مسائل میں کتنا تبحر تھا۔ یہ کتاب بلحاظ جامعیت روایات کے عجیب وغریب ہے اور مصفی میں حدیث کی تحقیقات اس عمدگی سے کی ہے کہ درجہ اجتہاد اس سے نمایاں ہوتا ہے۔

وفات و اولاد:

شاہ ولی اللہ صاحب ۱۱۷۶ ہجری میں فوت ہوئے اس وقت ان کی عمر ۶۳ برس کو پہنچ چکی تھی۔ ان کی قبر پرانی دہلی میں شاہجہان آباد کی جنوبی جانب میں ہے۔ تاریخ وفات اس مصرع سے نکلتی ہے۔ ع او بود امام اعظم دین ان کے بعد ان کے چار بیٹے مشہور گزرے ہیں۔ شاہ عبد العزیزؒ شاہ عبد القادر، شاہ رفیع الدین، شاہ عبد الغنی، یہ چاروں بزرگوار اپنے زمانہ میں علم اور عمل وفہم وقوت تقریر وفصاحت تحریر وتقویٰ ودیانت وامانت ومراتب ولایت میں فرید دہر اور وحید عصر تھے ان میں شاہ عبد العزیز بالخصوص زیادہ نامور مانے گئے ہیں۔ ہندوستان میں اس وقت جس قدر محدث ہیں ان سب کا سلسلہ روایت حدیث شاہ عبد العزیز کے ذریعہ شاہ ولی اللہ پر منتہی ہوتا ہے۔

تشریح الاصطلاحات

ناظرین باتمکین کو واضح ہو کہ جب پہلی بار یہ کتاب چھپی اور میں نے اُس کا مطالعہ کیا تو بعض اصطلاحاتِ علمی ایسی پائیں کہ جن کو سوائے خاص کے عام سمجھنے سے قاصر ہیں۔ میں نے اپنے نسخہ پر جابجا ان کی مختصر سی تشریح کر دی۔ میرے دوست مکرم مولوی کرم بخش صاحب جنہوں نے میرے کہنے سے اس کتاب کا ترجمہ کرایا تھا' اس تشریح کو بہت پسند کیا اور طبع ثانی کے وقت مجھ سے اُس کے داخل کتاب کرنے کی اجازت چاہی۔ میں نے فائدہ خاص و عام کے لیے خوشی سے اجازت دے دی۔ التماس ہے کہ جو صاحب اس کو پڑھ کر فائدہ اٹھائیں وہ میرے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ کیونکہ امیدوار بود آدمی بخیر کساں۔ احمد بابا مخدومی ۱۳ر اپریل ۱۹۰۹ء۔

① **تلازم** ☆ اگر ایک امر دُوسرے امر سے ایسے طور پر تعلق رکھتا ہو کہ پہلے کے وجود پر دوسرے کا وجود ضرورۃً مترتب ہو۔ یا یوں کہو کہ دوسرا پہلے سے غیر منفک ہو تو دوسرے کو ملزوم کہا کرتے ہیں۔ ملزوم اپنے لازم کے لیے علت ہوتا ہے اور لازم معلول۔

② **ملکات نفسانی** ☆ نفس انسانی پر جو کیفیات وارد ہوتی ہیں وہ دو قسم کی ہوتی ہیں' اوّل تو وہ جن کا اثر فوری ہوتا ہے یعنی جو سریع الزوال ہوتی ہیں۔ ایسی کیفیات کو اصطلاح میں حال کہتے ہیں' اور جو کیفیات پائدار ہو کر نفس انسانی میں راسخ ہو جاتی ہیں وہ ملکہ کہلاتی ہیں اس لئے ملکاتِ نفسانی سے وہ کیفیات مراد ہیں جو نفس انسانی میں ہمیشہ کے لئے ثابت اور مستقل ہو جاتی ہیں' اس کو کبھی یوں بھی بیان کر دیا کرتے ہیں کہ ملکہ نفس انسانی کی اس حالتِ کلیہ کا نام ہے جو کسی فعل کے بلا تکلیف سرزد ہونے کا باعث ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی بڑا سخی ہو تو اس کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ اس کو ملکہ سخاوت حاصل ہے علیٰ ہذا اور تمام کیفیات نفسانیہ کی نسبت بھی ایسا ہی خیال کر سکتے ہیں۔

③ **عدم مطلق** ☆ یہ میٹافزکس یعنی علم مابعد الطبیعات کی اصطلاح ہے۔ پہلے وجود کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے۔ عدم کی حقیقت سمجھنا کچھ مشکل نہیں وحدت وجود والوں کے ہاں تو عدم کسی حقیقت کا نام ہی نہیں بلکہ اُن کے ہاں حقیقت اصلیہ صرف وجود ہی ہے۔ اب عدم مطلق کو یوں سمجھنا چاہیے کہ جب کسی شئے کی تمام جہات وجود یہ منفی ہوں تو وہ معدوم مطلق ہے لیکن اس پر بھی اعتراض ضرور وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ لفظ شئے کے مفہوم میں پہلے اس کا وجود ضمناً تسلیم کیا جاتا ہے۔

④ **مجہول مطلق** ☆ ایسے امر کو بولتے ہیں جس کی نسبت ہمیں تمام ممکنہ جہات سے علم حاصل نہ ہو۔ یعنی اس کی ذات یا وصف یا کسی اور جہت سے جو کسی چیز کے علم کا ذریعہ ہو سکے ہمیں اس کا علم نہ ہو یا یوں کہو کہ جس کا ہمیں کچھ بھی علم نہیں۔ مثلاً کوئی خاص گاؤں جو ملک چین میں ہو اور جس کو میں اب سے پہلے نہیں جانتا اس کے جاننے کے وقت وہ میرے لیے مجہول مطلق ہے پھر جب اس کو جانوں گا تو پہلے اس کی حقیقت وجود کا مجھے علم حاصل ہوگا' پھر اس کے دوسرے متعلقہ امور کا' اب جس جس امر کے لحاظ سے مجھے اس کا علم حاصل ہوگا اس امر کے لحاظ سے وہ گاؤں میرے لئے امر معلوم کی حیثیت حاصل کرے گا لیکن کوئی چیز معلوم مطلق نہیں ہو سکتی

کیونکہ اشیاء اور حقائق کے تمام لوازم و خصائص پر ہم حاوی نہیں ہو سکتے۔ پس جب تک کوئی چیز ذات۔ وجود وصف وغیرہ تمام اعتبارات کے رُو سے میرے علم سے خارج ہے تو وہ مجہول مطلق ہے پس جب جس جہت سے مجھے اس کا علم حاصل ہوگا تب اسی جہت سے وہ میرے ذہن میں معلومیت کا درجہ حاصل کرے گی۔

⑤ **امر بسیط** ☆ عربی فلسفے والے بسیط کے چار معنی لیا کرتے ہیں اس جگہ امر بسیط کے معنی لکھے جاتے ہیں بسیط اصطلاح میں ایسے امر کو بولتے ہیں جو اجزا نہ رکھتا ہو اور اس لئے وہ قابل تقسیم بھی نہ ہو۔ بسیط خارجی اور بسیط ذہنی علیحدہ علیحدہ دو امر ہیں مادی کائنات صرف عناصر اربعہ بخیال اہل یونان بسائط کہلاتے ہیں اور بسیط ذہنی ایسی کیفیات نفسانیہ سے مراد ہے جن کی تقسیم کا سلسلہ آگے نہیں چل سکتا' مثلاً زائدٌ قـائمٌ خیال مرکب ہے۔ لیکن صرف زیدٌ۔ یا صرف قائمٌ یعنی بغیر ان دونوں کے باہمی ربط دینے کے خیال بسیط ہیں۔

کبھی کبھی بسیط کو مادی چیز کے متضاد معنوں میں لیا کرتے ہیں۔ مثلاً روح۔ خدا۔ بسیط ہیں کیونکہ ظلمت مادّہ سے پاک ہیں۔

بسیط کے یہ معنی بھی ہیں کہ وہ چیز تعریف منطقی قبول نہیں کرتی یعنی جس طرح ہم انسان کی تعریف میں کہا کرتے ہیں کہ حیوان ناطق کا نام ہے تو ظاہر ہے کہ انسان ایک مفہوم مرکب کا نام ہے کیونکہ اس کے دو جزو ہیں حیوان اور ناطق مگر فرض کرو کہ ایسی چیز بھی ہے جس کی ہم منطقی تعریف (یعنی جنس و فصل جو ذاتیات ہوتے ہیں) تجویز نہیں کر سکتے تو وہ بسیط ہے۔ مثلاً خدا یا بعض کے نزدیک حقیقتِ وجود یا نقطۂ وحدت وغیرہ ایسے مفہوم ہیں جو نا قابلِ تعریف ہیں۔

⑥ **مفہوم نظری** ☆ ہمارا علم دو قسم پر منقسم ہے بدیہی اور نظری اگر ہمیں کسی چیز کا علم حاصل کرنے میں قوتِ فکر یہ کو عمل میں لانا نہ پڑے اور منطقی طور پر ترتیبِ مقدمات سے نتیجہ نکالنا نہ پڑے بلکہ دفعتہً نفس انسانی اس کو اخذ کرلے تو ایسا علم' علم بدیہی کہلاتا ہے مثلاً علم اس امر کا کہ آگ جلایا کرتے ہیں یا ایک اور دو ہوتے ہیں یا دو متضاد جمع نہیں ہو سکتے۔

بعض کا خیال ہے کہ کوئی چیز دنیا میں بدیہی نہیں اور بعض لکھتے ہیں کہ کوئی چیز نظری نہیں لیکن حق یہ ہے کہ کسی چیز کا بدیہی یا نظری ہونا امر اضافی ہے ممکن ہے کہ جو امر میری نسبت بدیہی ہو وہ کسی دوسرے کے لیے نظری ہو۔ اور نیز بالعکس۔ پس نظری وہ چیز ہوگی جس کا علم بغیر عمل ادراک ہم حاصل کرتے ہیں۔ مفہوم کسی ذہنی صورت کا نام ہے۔

⑦ **اسمائے توفیقی** ☆ خدا کے ان ناموں سے مراد ہے جو قرآن میں مذکور نہیں ہوئے مثلاً۔ ستار۔ غفار۔ سمیع۔ بصیر۔ رحمٰن۔ رحیم وغیرا اسماء آئے ہیں اس لئے ان کا استعمال و اطلاق ہمارے لئے کوئی محذور شرعی عائد نہیں کرتا۔ بعض ایسے اسماء ہیں جو قرآن مجید میں وارد نہیں ہوئے مثلاً مریدٌ۔ گو اَرَادَ۔ یُرِیْدُ (اُس نے ارادہ کیا۔ وہ ارادہ کرتا ہے) کے الفاظ آئے ہیں۔ مگر بصیغہ اسم فاعل وارد نہیں ہوا۔ تو یہ نام توفیقی ہے۔ علماء کو ایسے ناموں کے اطلاق اور استعمال میں باہم اختلاف ہے یعنی آیا ایسے ناموں کا اطلاق ذاتِ باری کے لئے جائز ہے یا ناجائز۔ توقیف کا لفظ وقوف سے مشتق ہے گویا ایسے اسماء کا اطلاق شارع علیہ السلام سے مروی ہونے پر موقوف رکھا جاتا ہے۔

⑧ **استحالہ** ☆اس کے لغوی معنے ہیں پھر جانا۔ پلٹ جانا علم طبیعات کی اصطلاح میں کون وفساد سے مراد لی جاتی ہے یعنی ایک عنصر کا پہلی صورت چھوڑ کر دوسری صورت میں آنا جیسے پانی کا بخار کی صورت میں تبدیل ہو جانا یا بالعکس۔

⑨ **صورت نوعیہ** ☆ اس اصطلاح سے مراد ایسا جوہر ہے کہ جب وہ جسم کو لاحق ہوتا ہے تو اس کو دوسرے انواع سے ممتاز کر دیتا ہے۔ مثلاً انسان کی صورتِ نوعیہ سے وہ جوہر مراد ہے جو دیگر اقسام اجسام سے اس کو تمیز دیتا ہے۔ حکماء اسی جوہر کو مبداء آثار وافعال مختلفہ قرار دیتے ہیں۔ یعنی کسی جسم کی صورتِ نوعیہ۔ علت ہے۔ اس چیز کے خاص مختصہ آثار وافعال کی گویا صورتِ نوعیہ اجسام کو اسی طرح علیحدہ علیحدہ کرتی ہے جس طرح فصل جنس سے مل کر ایک نوع علیحدہ قائم کرتی ہے۔ حیوان سے اگر ناطق ملا دیں تو انسان بن جائے گا۔ اگر ناہق یا صاہل ملا دیں تو حمار یا فرس۔

اسی طرح خارجی طور پر مادہ کو جو بجائے جنس کے ہے جب صورتِ نوعیہ لاحق ہوتی ہے تو کسی جسم کا مادہ دیگر اجسام کے مادہ سے بالکل متمیز ہو جاتا ہے جیسا کہ انسان کی صورت نوعیہ انسان کو دیگر حیوانات کی صورت سے تمیز دیتی ہے۔

⑩ **صورت ترکیبی** ☆ جب مختلف اجزاء مل کر ایک خاص ہیئت مرکبہ پیدا کرتے ہیں تو وہ صورت ترکیبی کہلاتی ہے مثلاً کسی میز کی لکڑی کے علیحدہ علیحدہ اجزاء جب بحالت انفصال پڑے ہوتے ہیں تو میز کی صورت ترکیبی سے جو بصورتِ ترکیب اجزاء مترتب ہوگی ہم بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔ اگر ان کو ملا دیا جائے تو ان کی ترکیب سے میز کی جو صورت یا ہیئت پیدا ہوگی وہ اس میز کی صورت ترکیبی کہلائے گی۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیاتُ اللہِ الکامِلہ

ترجمہ

حُجَّۃُ اللہ البالِغہ

اللہ کے واسطے تمام خوبیاں ہیں جس نے تمام لوگوں کو مذہب اسلام اور اسلام کی ہدایت پر پیدا کیا اور ان کی پیدائش اُس خالص کشادہ اور سلیس روشن مذہب پر کی ہے اور جب لوگوں پر جہالت چھا گئی اور نہایت پست درجہ کے نشیب میں اُس نے اُن کو گرا دیا اور بدبختی نے ان کو گھیر لیا تو خدا نے اُن پر رحم کیا اور اُن کے حال پر مہربانی کی کہ انبیاء کو اُن کی طرف مبعوث کیا تا کہ اُن کے ذریعے سے لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور تنگی سے کشادہ میدان کی طرف باہر نکال لائے۔ (خدا نے) اپنی فرمانبرداری کو اُن کی فرمانبرداری پر موقوف کیا۔ اِس بزرگی اور مرتبہ کا کیا ٹھکانہ ہے۔ بعد انبیاء کے اُن کی پیروی کرنے والوں میں (خدا نے) جن کو چاہا۔ اس کی توفیق دی کہ انبیاء کے علموں کو کوشش سے حاصل کریں۔ اور ان کی شریعتوں کے اسرار معلوم کریں' اس لئے وہ انعام خداوندی سے اسرارِ انبیاء کے جامع اور ان کے انوارِ نبوت سے کامیاب ہو گئے' ایسے لوگوں میں سے خدا نے ایک ایک کو ہزار ہزار عابدوں پر فضیلت دی ہے اور عالم ملکوت میں اُن کا نام عظماء (بڑے مرتبہ والے) رکھا گیا ہے۔ اُن کی ایسی حالت ہے کہ تمام مخلوق الٰہی حتیٰ کہ پانی کے اندر مچھلیاں بھی اُن کے لئے دعا کرتی ہیں۔ بار خدایا تو اُن پر اور اُن کے وارثوں پر جب تک آسمان اور زمین قائم ہے رحمت نازل کرتا رہ۔ اور اُن کو سلامت رکھ۔ اور اُن سب میں سے سیدنا محمد ﷺ کو (جن کو کشادہ اور روشن نشانیوں سے مدد دی گئی ہے) افضل ترین رحمت اور بزرگ ترین تحفہ اور پسندیدہ ترین قبولیت کے ساتھ خاص کر اور آپؐ کی اولاد و اصحاب پر اپنی خوشنودی کا مینہ برسا۔ اور اُن کو عمدہ جزا عطا کر۔

اس کے بعد بندہ خدائے کریم کی رحمت کا محتاج احمد مشہور ولی اللہ ابن عبدالرحیم (عاملهما الله تعالىٰ بفضله العظيم وجعل مآلهما النعيم المقيم) کہتا ہے کہ تمام یقینی علوم سے زیادہ عمدہ اور بمنزلہ بیخ کے اور مذہبی فنون کی بنیاد علم حدیث ہے۔ جس میں اُن اقوال اور افعال اور بیانات کا ذکر کیا جاتا ہے جو کہ افضل المرسلین ﷺ سے نکلے ہیں۔ اس لیے وہ اقوال وغیرہ تاریکی میں چراغ اور ہدایت کے نشانات اور گویا چودھویں رات کے تابناک چاند ہیں۔ جس نے اُن کی پیروی کی اور اُن کو محفوظ کر لیا وہ راہِ راست پر ہے اُس کو بڑے درجہ کی خوبی عطا کی گئی ہے اور جس نے اُن کو نہیں مانا وہ راہِ راست سے بہک گیا اور پستی میں گرا اور اپنے لئے بجز نقصان کے اور کچھ زیادہ نہیں کیا۔ آنحضرت ﷺ نے (رزائل سے منع کیا اور خوبیوں کا) حکم دیا ہے (درکات سے) ڈرایا ہے۔ اور (درجات کی) بشارت دی ہے۔ (بات بات کی) مثالیں بیان کی ہیں' اور لوگوں کو نصیحتیں کی ہیں۔ وہ نصیحتیں شمار میں قرآن کے برابر ہیں بلکہ زیادہ۔

علم حدیث کے مختلف طبقے ہیں اس لئے باہم اہل حدیث کے درجے مختلف ہیں اور اس علم میں بعض حصے بمنزلہ پوست کے ہیں جن کے اندر مغز بھرا ہوا ہے اور بعض بمنزلہ سیپیوں کے ہیں جن کے اندر موتی ہیں۔

اور اکثر ابواب کے متعلق علمائے رحمہم اللہ کی ایسی تصانیف ہیں کہ جن سے وحشی مضامین کا شکار کیا جاتا ہے اور سخت سے سخت مطالب بھی اُن کے ذریعہ سے رام ہو سکتے ہیں۔ اور فنونِ حدیث میں سے سب سے زیادہ ظاہری وہ فن ہے جس سے احادیث کی صحت۔ ضعف۔ شہرت اور غرابت کا حال معلوم ہوتا ہے۔ محدثین میں سے نقادانِ فن اور علمائے مقدمین سے حفاظِ حدیث نے اس فن کا بڑا اہتمام کیا ہے اس کے بعد اس فن کا درجہ ہے کہ جس میں غریب احادیث کے معانی اور مشکل احادیث کا پورا انضباط ہو۔ اس کا اہتمام فنونِ ادبیہ کے اماموں اور علمائے عربیہ کے پختہ مغز لوگوں نے کیا ہے، پھر اُس فن کا درجہ ہے کہ جس میں احادیث کے شرعی معنی بیان کئے جاتے ہیں۔ اور فرعی احکام اُن سے نکالے جاتے ہیں۔ اور احکام منصوص کی عبارت یا اشارہ اور رمز پر اور احکام کا قیاس کیا جاتا ہے۔ منسوخ اور محکم احکام سمجھے جائیں۔ اور ضعیف اور قوی کا علم حاصل کیا جائے۔ عام علماء کے نزدیک یہی فن بمنزلہ مغز اور موتی کے ہے۔ فقہاء محققین نے اس فن کی طرف نہایت توجہ کی ہے۔

لیکن میری دانست میں تمام علوم حدیث میں سے زیادہ دقیق فن جس کی جڑ نہایت عمیق ہے اور اُس کا منار نہایت بلند ہے اور میری نظر میں جو تمام علوم شرعیہ سے زیادہ بلند مرتبہ اور عالی قدر ہے وہ اسرارِ دین کا علم ہے۔ جس میں تمام احکام دین کی حکمت اور لِم اور ایک ایک عمل کے راز اور نکات بیان کئے ہیں۔ باللہ وہ تمام علموں میں سے سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ جس سے بن پڑے اپنے نفیس وقتوں کو اُس میں صرف کیا کرے۔ اور مفروضہ طاعتوں کے بعد معاد کے لیے اُس کو ذخیرہ کرے اس لئے کہ شریعت کے احکام میں اُسی کے ذریعہ سے بصیرت پیدا ہوتی ہے اور اس فن کے عالم کو اخبارِ شریعت سے وہی تعلق ہوا کرتا ہے جو عروض کے عالم کو اشعار کے دیوانوں سے اور منطقی کو حکماء کے دلائل سے اور نحوی کو فصحاءِ عرب کے کلام سے اور اصول فقہ کے عالم کو فقہاء کی تعریفوں سے ہوتا ہے۔

اسی علم کے ذریعہ سے ایسی حیرانی سے حفاظت رہتی ہے جو کسی شخص کو رات کے وقت لکڑیاں جمع کرنے میں پیش آتی ہے (کہ خشک وتر میں وہ امتیاز نہیں کرسکتا) یا پانی کی رَو میں غوطہ لگانے والے کو اور وہ اس سے امن میں رہتا ہے کہ اُس اونٹنی کی طرح پاؤں مارے جس کو اپنے سامنے کی کوئی چیز نظر نہ آتی ہو یا کسی نابینا اونٹنی پر سوار ہو۔

ایسے شخص کی حالت اُس آدمی کی سی نہیں ہوسکتی۔ جس نے کسی طبیب کو کھانے کے لیے سیب بتاتے ہوئے سنا ہو اور ہم شکل ہونے کی وجہ سے اندراین (حنظل کا) اس پر قیاس کر لیا ہو۔

اس علم کی وجہ سے آدمی اپنے پروردگار کی جانب سے ایک صاف دلیل پر اُس شخص کی طرح ہو جاتا ہے کہ جس کو کسی معتبر آدمی نے یہ بتا دیا ہو کہ زہر مار ڈالا کرتا ہے اور اس نے اس کے فرمانے کی تصدیق کی ہو اور پھر قرائن سے معلوم کیا ہو کہ واقعی زہر کی حرارت اور خشکی پرلے درجہ کی ہوتی ہے اور یہ دونوں کیفیتیں انسانی مزاج کے بالکل مخالف ہیں۔ تو جس بات پر اُس نے پہلے یقین کر لیا تھا۔ اب اس پر ایک درجہ یقین کا اور زیادہ ہو گیا۔

اگرچہ احادیث نبویؐ نے اسرارِ دین کے اصول وفروغ کو ثابت کر دیا ہے اور آثار صحابہ وتابعین نے اس کی اجمال وتفصیل کو صاف صاف بیان کر دیا ہے۔ اور اُن مصلحتوں کے دریافت کرنے میں جو شریعت کے ہر ہر باب میں ملحوظ رکھی گئی ہیں مجتہدین کا غور نظر بھی انتہاء کو پہنچ گیا ہے اور اُن کی پیروی کرنے والوں نے بھی بڑے بڑے نکتے ظاہر کیے ہیں اور اُن کے گروہوں میں دقیق نظر علماء نے بڑے عمدہ مضامین پیدا کئے ہیں۔

اس لئے یہ علم اس حالت سے نکل گیا ہے کہ اس میں کلام اجماع امت کے خلاف سمجھا جائے یا کسی حیرت یا ابہام میں پڑنے کا باعث ہو۔ لیکن تاہم ایسے لوگ کم گزرے ہیں کہ جنہوں نے اس میں کوئی تصنیف کی ہو۔ اس کی بنیادوں کے استحکام میں غور کیا ہو اور اُس کے اصول وفروغ کو مرتب کیا ہو یا کوئی چیز سیری کے قابل بلکہ اس قدر بھی کہ خواہش کی گرسنگی کو دفع کر سکے بیان کی ہو۔ اس فن کے راز اُسی شخص پر ظاہر ہو سکتے ہیں جس کو تمام علوم شریعت میں پورا ملکہ ہو وہ تمام فنون دین میں یگانہ ہو اس علم کا چشمہ اُسی شخص کے لیے صاف ہوتا ہے جس کا دل خدا نے علم لدنی سے کھول دیا ہو اور اسرار وہبی سے لبریز کر دیا ہو اور اُس کے ساتھ ہی نہایت روشن ضمیر بھی ہو اور اُس کی طبیعت میں انتقال بھی ہو۔ اور تحریر وتقریر میں فرزانہ ہو ہر بات کی تصویر کھینچے اور اس کو خوشنما پیرایہ میں ظاہر کرنے میں فوقیت رکھتا ہو۔ اس سے خوب واقف ہو کہ اصول کو کیسے باہم ملاتے ہیں اور فروع کو اُن پر کس طرح قائم کرتے ہیں اور یہ جانتا ہو کہ قاعدوں سے پہلے کیسے تمہید لایا کرتے ہیں اور قاعدوں کے لیے عقلی اور نقلی دلائل کیسے بیان کرتے ہیں۔

خدا کا مجھ پر یہ بڑا انعام ہے کہ اسرارِ دین کے علم سے اُس نے مجھے بہرہ مند کیا اور ایک حصہ اس علم کا بھی عطا کیا۔ اس پر میں کچھ ناز نہیں کرتا ہوں بلکہ اپنے قصور کا معترف ہوں اور اپنے نفس کے تزکیہ کا کچھ دعویٰ نہیں کرتا وہ برائی کا ہمیشہ حکم کرتا رہتا ہے۔

ایک روز میں بعد عصر کے متوجہاً الی اللہ بیٹھا ہوا تھا۔ دفعتہً آنحضرت ﷺ کی روح نے ظہور فرمایا اور اُس نے مجھ کو اُوپر کی جانب سے ایسا ڈھانپ لیا کہ گویا کسی نے مجھ پر کوئی کپڑا ڈال دیا ہو۔ اُس حالت میں مجھ پر القا کیا گیا کہ یہ کسی امر دینی کے بیان کی طرف اشارہ ہے۔ اُس وقت میں نے اپنے سینہ میں ایک نور پایا جس میں وقتاً فوقتاً ہمیشہ اور کشادگی بڑھتی رہی۔ پھر چند روز کے بعد الہام ہوا کہ اس صاف اور روشن امر کے لئے میرا آمادہ ہونا تقدیر الٰہی میں قرار پا چکا ہے۔ اور مجھ کو یہی معلوم ہوا کہ اپنے پروردگار کے انوار سے تمام زمین منور ہو گئی۔ غروب کے وقت روشنی نے اپنا عکس زمین پر ڈالا ہے اور شریعت مصطفوی اس زمانہ میں بدیں وجہ کہ دلائل کے وسیع ومکمل لباس میں ظہور فرما ہونے کو ہے سراپا نور ہو گئی۔ اور اس کے بعد میں ایک زمانہ میں مکہ معظمہ میں وارد تھا۔ وہیں میں نے جناب امام حسن وحسین علیہما السلام کو خواب میں دیکھا کہ ان دونوں نے مجھ کو ایک قلم عطا فرما کر کہا کہ یہ قلم ہمارے نانا رسول اللہ ﷺ کا ہے اور میں اکثر اس فکر میں رہتا رہا کہ کوئی کتاب ایسی مدوّن کروں کہ جو مبتدی کے لیے بینائی کا باعث اور منتہی کے لیے قابل تذکرہ ہو اور شہری اور بدوی سب اُس سے فیض حاصل کر سکیں اور مجمعوں میں اس کے تذکرے رہیں۔

لیکن مجھ کو اس قصد میں یہ بات دامنگیر ہوتی تھی کہ میں اپنے قریب کسی ایسے انصاف پسند معتبر عالم نہیں پاتا تھا کہ مشتبہ مسئلوں میں اُس کی طرف رجوع کیا کرتا اور نیز علوم نقلی میں جو کہ برگزیدہ عہدوں میں مدوّن ہوئے ہیں میری دستگاہ کافی نہ تھی اور اس نے مجھ کو اور بھی بزدل کر دیا تھا کہ میں نے ایسا زمانہ پایا کہ جس میں جہالت۔ تعصب۔ خواہشوں کی پیروی اور اپنی ناقص رایوں

پر ناز کرنا شائع تھا۔ اور ہم عصر ہونا باہمی نفرت کی جڑ ہوا کرتا ہے اور جو تصنیف کیا کرتا ہے ملامت کا ہدف بنا کرتا ہے' میں اس شش و پنج میں تھا کبھی ایک قدم آگے بڑھتا تھا اور پھر پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ اور ایک بار چکر لگا کر پھر مجبوراً واپس آتا تھا۔

اسی اثناء میں میرے بزرگ بھائی اور گرامی دوست مولانا محمد عاشق (خدا اُن کو حوادث سے محفوظ رکھے) نے اس علم کے مرتبہ اور فضیلت کو خوب طرح سمجھا۔ اُن کو الہام ہوا کہ جب تک اس علم کے دقائق اور برتر نکتوں کی کافی تلاش نہ کی جائے گی پوری طرح پر سعادت حاصل نہ ہوگی۔ انہوں نے خوب طرح اندازہ کر لیا تھا کہ جب تک شکوک اور شبہات کی تکالیف نہ برداشت کی جائیں اور اختلاف اور مخالفتوں کی سختی نہ جھیلی جائے گی۔ اس علم تک پہنچنا آسان نہیں ہے۔ اُس میں پورا خوض وہی شخص کر سکتا ہے جو سب سے پہلے اس دروازہ کو کھولے اور اس کے پکارتے ہی وحشی اور مشکل مضامین حاضر ہو جائیں اس کے لیے وہ حتی الامکان شہر شہر پھرے اور جس شخص کو عمدہ اور نیک پایا اُس سے تفتیش کیا اور ہر ایک ادنیٰ و اعلیٰ ناقص و کامل کی جستجو کی لیکن کسی کو نہ پایا کہ کوئی کار آمد بات کہتا یا کوئی روشن بیان ظاہر کرتا۔ یہ دیکھ کر وہ مجھ سے مصر ہوئے۔ اور چمٹ گئے اور میرا دامن پکڑ لیا۔ جتنی میں معذوری ظاہر کرتا تھا وہ مجھ کو یہ حدیث یاد دلاتے تھے کہ جو کوئی شخص علم کو سیکھ کر چھپائے گا قیامت کے روز آگ کی لگام اُس کے دہن میں چڑھائی جائے گی۔ یہاں تک کہ انہوں نے مجھ کو بالکل خاموش کر دیا۔ سب راستے تنگ ہو گئے اور پھر کوئی عذر نہ چل سکا اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ یہ ایک نہایت اہم کام ہے اور پچھلے الہام کی ایک صورت تقدیر الٰہی میں ایسا ہی مقدر ہو چکا ہے اور ہر سمت سے اُس نے مجھ کو گھیر لیا ہے۔ لہٰذا میں نے خدا کی طرف متوجہ ہو کر استخارہ کیا اور ہمہ تن مشغول ہو کر ہر امر میں اُس کی مدد کا خواہاں ہوا اور اپنی قوت سے بالکل جدا ہو گیا اور ایسا مجبور ہو گیا کہ جیسے بے اختیاری حرکتوں میں غسال کے ہاتھ میں مردہ ہوتا ہے۔ تب میں نے ان کی درخواست کو شروع کیا اور نہایت عاجزانہ طور پر خدا سے دعا کی کہ تمام لہو و لعب کی باتوں سے میرا دل پھیر دے اور ٹھیک ٹھیک ہر چیز کی حقیقت مجھ کو بتا دے اور جو وسوسہ میرے دل میں فکر پیدا کرے اس کے دُور کرنے میں میرا معاون ہو میرے دل کو توانا اور زبان کو گویا کر دے اور جس مبحث میں مَیں داخل ہوں اس میں لغزشوں سے مجھ کو محفوظ رکھے اور ہر حالت میں راست بیانی کی توفیق دے میں نے اُن کے سامنے پیش کر دیا تھا کہ بیان کے موقع میں مَیں ایک محض خاموش آدمی ہوں اور گھوڑ دوڑ کے گھوڑوں میں کج اعضاء ہوں میرا سرمایہ بالکل ناقص ہے اوراق کی تلاش میں نہ مجھ سے غور کیا جاتا ہے اس لیے کہ میرا دل ایک ایسے امر میں مصروف ہے کہ جس پر زیادتی ممکن نہیں اور نہ میں منقولات کے حفظ کرنے میں انتہا درجہ کی کوشش کر سکتا ہوں کہ ہر آنے اور جانے والے کے سامنے اس کو بیان کرتا رہوں اور میں اپنی جان سے صرف تنہا ہوں اپنی ہی گرد کو جمع کرنے والا ہوں۔ اپنے وقت کا بندہ اور اپنے بخت کا تلمیذ ہوں اور اپنے ہی خیال بندی کا مقید ہوں اور اپنے ہی ناقص متاع کو غنیمت سمجھنے والا ہوں۔ جو اس کو پسند کر کے اسی پر بس کرنا چاہے وہ بس کرے نہیں تو وہ مختار ہے جو چاہے سو کرے۔ اور چونکہ آیت ﴿وَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ میں تکلیف شرائع اور جزاء اعمال کے راز اور احکام منزل من اللہ کے اسرار کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ کتاب بھی انہیں کی ایک بالیدہ شاخ ہے۔ اور اسی کے کنارہ سے چودھویں رات کے چاند نکلے ہیں' اس لیے اس کا نام حجۃ اللہ البالغہ رکھا گیا۔ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ وَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

مُقدّمہ

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ شریعت کے احکام میں کوئی مصلحت نہیں ہوا کرتی اور اعمال اور اُن کی جزا میں جو منجانب اللہ مقرر ہے کوئی مناسبت نہیں ہے اور احکام شریعت سے تکلیف کرنا بعینہ ایسا ہے کہ جیسے کوئی آقا اپنے ملازم کی فرمانبرداری کی آزمائش کرنے کو کسی پتھر کے اٹھانے یا کسی درخت کے چھونے کا حکم دے جس میں بجز آزمائش کے اور کوئی فائدہ نہیں پس اگر اس کی اطاعت کرے جزا پائے اور سرکشی کرے تو سزا دی جائے۔

یہ گمان بالکل فاسد ہے۔ حدیث اور اُن زمانوں کے اجماع جن کی خوبی اور برکت پر خود شرع نے شہادت دی ہے اس خیال کی تکذیب کرتے ہیں۔ جو شخص اُمورِ ذیل کو نہ سمجھ سکے اس کی واقفیت اُس سوزن کی نمی سے کیا زیادہ ہو سکتی ہے۔ جس کو دریا میں غوطہ دیا ہو۔ کہ اعمال کا اثر نیتوں پر اور اُن نفسانی حالتوں پر موقوف ہے جن سے اعمال سرزد ہوتے ہیں جیسا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) اعمال کا ثواب نیتوں پر موقوف ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ﴾ اللہ سے نہیں نزدیک کرتے ہیں۔ قربانیوں کے گوشت اور نہ خون لیکن تمہاری پرہیزگاری اُس سے نزدیک کر دیتی ہے۔ اور نماز خدا کی یاد اور اُس کے حضور میں عاجزی کرنے کے لیے مشروع کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ میری یاد کرنے کو نماز پڑھ اور نماز سے یہ بھی مقصود ہے کہ اُس کی طفیل سے آخرت میں دیدارِ الٰہی نصیب ہو جائے۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ((سترون ربكم كما ترون هذا القمر لا تضامون في رؤية فان استطعتم ان لا تغلبوا على صلوة قبل طلوع الشمس و صلوة قبل غروبها فافعلوا)) ''بے شک تم اپنے پروردگار کو ایسا ہی دیکھو گے جیسا کہ اس چاند کو دیکھتے ہو اُس کے دیدار میں کچھ شک وشبہ تم کو نہ ہوگا۔ پس اگر تم سے اس کا اہتمام ہو سکے کہ سورج نکلنے اور غروب ہونے سے پہلے کوئی چیز تم کو نماز سے باز نہ رکھے تو ایسا ہی کرو۔

اور زکوٰۃ کا حکم شریعت میں اس لیے دیا گیا ہے کہ اُس سے بخل کی کمینہ عادت جاتی رہے اور حاجت مندوں کی کاربرآری ہوتی رہے جیسا کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾.

''وہ لوگ جو اُن نعمتوں میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے اپنے فضل سے اُن کو دی ہیں یہ ہرگز خیال نہ کریں کہ یہ اُن کے حق میں اچھا ہے بلکہ برا ہے۔ قیامت کے روز یہ چیزیں جس کا انہوں نے بخل کیا اُن کے گلے کا طوق ہوں گی۔''

اور جیسا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے :

((فاخبرهم ان الله تعالٰی فرض علیهم صدقة توخذ من اغنیاء هم فترد علی فقراء هم))

''آنحضرت ﷺ نے اُن کو بتایا کہ اللہ نے اُن لوگوں پر صدقہ دینا فرض کیا ہے مالداروں سے لیا جائے اور غریبوں کو دیا جائے۔''

اور روزہ نفس کے مطیع کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔فرمایا اللہ تعالیٰ نے : ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ اس لیے کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔اور فرمایا آنحضرت ﷺ نے : فان الصوم له وجاء کہ روزہ نفس کی خواہش کو روک دیتا ہے۔

اور حج اس لیے کہ اُس سے اللہ کی نشانیوں کی عظمت ظاہر کی جائے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ..... الآية﴾ ''بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا وہ گھر ہے جو مکہ میں ہے'' اور فرمایا: ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ ''صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔''

اور قصاص کشت وخون کو باز رکھنے کے لیے قرار دیا گیا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ ''اے عقلمندو تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے''۔

حدود اور کفارے اس لئے قرار دیئے گئے ہیں کہ گناہوں پر زجر وتوبیخ ہوتی رہے: کقوله ﴿ لِيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ﴾ تا کہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔

جہاد میں مصلحت یہ ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور فتنہ وفساد کا استیصال ہو جائے فرمایا اللہ تعالیٰ نے: ﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ اور کافروں سے لڑتے رہو تا کہ کوئی فتنہ پیدا نہ ہو اور اللہ کے ہی تمام مذہب ہو جائیں۔

اور باہمی معاملات اور نکاح کے اصول میں یہ خوبی ہے کہ لوگوں میں باہم عدل وانصاف قائم رہے علاوہ ازیں اور اُمور بھی ہیں جن کی تشریح احادیث سے ہوتی ہے اور ہر زمانہ کے بعض بعض علماء بھی ان کو بیان کرتے رہے ہیں جو شخص ان امور سے ناواقف ہو اس کو بجائے اس کے کہ اپنے قول کو شمار میں لائے یہ بہتر ہے کہ اپنے حالِ زار پر افسوس کرے پھر آنحضرت ﷺ نے بعض بعض موقعوں پر اوقات معین کرنے کے اسرار بھی بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ظہر کی چار رکعتوں کے متعلق آپ ؐ نے فرمایا ہے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ کوئی نیک عمل میرا بھی آسمان کی طرف بلند ہو۔روزۂ عاشورہ کی نسبت آپ ؐ نے فرمایا کہ یہ روزہ اس لئے شروع ہوا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ہاتھ سے اُسی دن نجات پائی تھی۔اور ہمارے واسطے اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کے طریقے کی پیروی ہو مشروع ہوا ہے۔اس کے علاوہ بھی اور بعض بعض احکام کے اسرار بیان کئے ہیں۔

جاگنے والے کے لئے فرمایا کہ کچھ اس کو خبر نہیں رہتی کہ کہاں اس کا ہاتھ جا پڑا ہو اور بینی صاف کرنے کے لئے فرمایا کہ شیطان اُس کی ناک کے نتھنے پر سوتا ہے اور خواب کی نسبت فرمایا کہ سونے سے بدن کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔رمی جمار کے لئے فرمایا کہ یہ اللہ کی یاد بڑھانے کو ہے اور فرمایا کہ اندر آنے کے لیے اجازت لینا اس لئے ہے کہ کہیں نظر نہ پڑ جائے۔بلی کی نسبت ارشاد فرمایا کہ وہ تمہارے مکانوں میں اکثر پھرتی پھراتی رہتی ہے اس لئے اس میں کچھ نجاست نہیں ہے اور بار ہا فرمایا کہ یہ کام کسی

خرابی کے دُور کرنے کے لئے ہے۔ شیر خوارگی کے زمانہ میں عورتوں سے اختلاط کرنے کے متعلق فرمایا کہ اس سے بچے کو ضرر پہنچتا ہے۔ بعض امور کے متعلق فرمایا کہ اس سے کافروں کے فعل کی مخالفت مقصود ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ آفتاب صبح کو شیطان کے دو سینگوں کے بیچ میں سے طلوع ہوتا ہے اور اس وقت کافر اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ کہیں تحریف سے روکنا مصلحت قرار دیا۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے جو نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھتا تھا کہا کہ اگلے لوگ ایسے ہی ایسے کاموں سے ہلاک ہو گئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ تیری رائے درست ہے۔ اور کبھی کسی حرج کی وجہ سے بھی بعض مسائل مشروع ہوتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((اولکلکم ثوبان)) کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو ہی کپڑے ہوا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ ﴾ اللہ جانتا تھا کہ تم اپنے نفسوں کی خیانت کیا کرتے ہو اس لیے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہارا قصور معاف کر دیا۔ بعض موقعوں میں آنحضرت ﷺ نے رغبت اور خوف دلانے کے اسرار بیان فرمائے ہیں۔ اور بعض مشتبہ موقعوں پر صحابہؓ نے آپ سے رجوع کیا ہے اور اُن کے شبہ رفع کرنے کو اس امر کے متعلق اپنی اصلی بات بتا دی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ مکان پر یا بازار میں نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب ۲۵ درجہ زیادہ ہے اس لئے کہ جب کوئی تم میں سے وضو کرتا ہے اور بخوبی اُس کے آداب بجالاتا ہے اور پھر مسجد میں داخل ہوتا ہے تو اُس کے دل میں صرف نماز ہی کا خیال ہوا کرتا ہے اور فرمایا کہ تمہاری شرمگاہ میں بھی ایک قسم کا ثواب ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم میں سے جب کوئی اپنی نفسانی خواہش کو پورا کرتا ہے اُس میں بھی ثواب پاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اگر وہ حرام میں اُس کو بے جا استعمال کرتا تو اُس پر بار گناہ ہوتا یا نہیں۔ ایسا ہی جب اُس نے حلال میں استعمال کیا اُس کو ثواب ملے گا۔

اور فرمایا کہ جب دو مسلمان باہم تلوار سے لڑیں وہ دونوں دوزخی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ قاتل تو خیر مقتول کیوں دوزخی ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ مقتول بھی تو اپنے مقابل کے قتل کا از بس خواہاں تھا اس کے علاوہ اور بے شمار مواقع ہیں۔ حضرت عباسؓ نے جمعہ کے روز غسل مسنون ہونے کی وجہ بیان کی۔ حضرت زید بن ثابت نے درختوں کے پھل ظاہر ہونے سے پہلے بہار فروخت کرنے کی ممانعت کا سبب بیان کیا اور عبداللہ ابن عمرؓ نے اس کی وجہ بیان کی کہ بیت اللہ کے چار رکنوں میں صرف دو ہی کو بوسہ کیوں دیا جاتا ہے۔

ان کے بعد تابعین اور تابعین کے بعد ائمہ مجتہدین ہمیشہ مصلحتوں کو احکام کے علل بیان کرتے رہے مصلحتوں کے اغراض بخوبی سمجھتے رہے۔ منصوص احکام کے ایسے ایسے مناسب اسباب بیان کرتے رہے جن کو کسی منفعت کے حاصل ہونے یا کسی مضرت کے دفع کرنے سے کچھ نہ کچھ تعلق تھا اُن کی کتابوں اور مذہب میں یہ سب امور بتفصیل مذکور ہیں۔ ان طبقوں کے بعد امام غزالی اور علامہ خطابی اور امام عزالدین ابن عبدالسلام وغیرہ (شکر اللہ مساعیہم) نے لطیف لطیف نکتوں اور بلند ترین تحقیقات کو ظاہر کر دیا۔

ہاں جیسے کہ مذہب اسلام نے اس مصلحت اندیشی کو ضروری قرار دیا ہے اور اُس پر گویا اجماع ہو گیا ہے ایسے ہی یہ بھی ضرور ہے کہ ان مصلحتوں سے قطع نظر کر کے خود کسی چیز کا واجب کسی چیز کا حرام قرار دینا ہے فرمانبردار کے ثواب پانے اور نافرمانی کرنے والے کے عذاب کا ذاتی سبب ہے اور محض بے اصل ہے جو خیال کیا جاتا ہے کہ اعمال کا حسن وقبح یعنی کام کرنے والے کا مستحق ثواب

یا عذاب ہونا محض عقلی ہے۔ شریعت اپنی جانب سے نہ کسی چیز کو واجب کرتی ہے نہ حرام۔ اُس کا کام یہ ہے کہ اعمال کی خاصیتوں کو ٹھیک ٹھیک بتلا دے جیسے کہ کوئی طبیب دواؤں کی خاصیتیں بیماریوں کی اقسام بیان کر دیتا ہے۔ یہ گمان فاسد ہے حدیث علانیہ طور پر اس کی تردید کرتی ہے۔

یہ کیسے ہوسکتا ہے آنحضرت ﷺ تو رمضان میں تراویح کی نسبت فرماتے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ فرض نہ ہو جائیں اور فرمایا وہ بڑا گنہگار مسلمان ہے جو ایسی ایسی چیزیں دریافت کرے جو ابھی تک حرام نہ تھیں۔ لیکن اُس کے سوال کرنے ہی سے حرام کر دی گئیں۔ اُن کے علاوہ اور کئی حدیثیں اسی مضمون کی وارد ہوئی ہیں۔ بھلا اگر ایسا ہی ہوتا تو اُس مقیم کو جو سختی سے بسر کرتا ہے روزہ کا افطار کرنا درست ہوا کرتا ہے جیسا کہ مسافر کو سختی کی وجہ سے افطار درست ہے۔ وہی تنگی وسختی جس پر رخصتوں کا مدار ہے یہاں بھی (مقیم کی حالت میں) موجود ہے اور ایسا ہی خوشحال مسافر کو افطار کرنا درست نہ ہوتا۔ تمام حدود شرعی کا یہی حال ہے۔

ایسے ہی علم حدیث نے یہ بھی لازم کر دیا ہے کہ جب کوئی حکم شرع بروایت صحیح ثابت ہو جائے تو اُس کی تعمیل کو مصلحت کے معلوم ہونے پر موقوف نہ رکھے۔ اکثر عقلیں عموماً مصلحتوں کو اپنے بل پر معلوم نہیں کرسکتیں۔ اور نیز ہم کو اپنی عقلوں پر اتنا اعتماد نہیں ہے جتنا کہ آنحضرت ﷺ پر ہے اسی لیے اُن لوگوں پر اس علم کا اظہار نہیں کیا گیا جو اس کے اہل نہیں تھے۔ اس علم کی بھی وہ شرائط ہیں جو کتاب الٰہی کی تفسیر کی ہیں۔ بغیر سند حدیث کے محض اپنی رائے سے اُس میں خوض کرنا حرام ہے۔

مذکورہ بالا تقریر سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ احکام شرعی کے مقرر کرنے کی ٹھیک مثال یہ ہے کہ کسی آقا کے غلام بیمار ہوں اور یہ آقا ان کی دوا پلانے کو ایک خاص آدمی متعین کر دے اس صورت میں اگر یہ غلام علاج کرانے میں اُس طبیب کی فرمانبرداری کریں گے تو گویا اپنے آقا کی فرمانبرداری کریں گے اُن کا آقا خوش ہوگا اور بھلائی سے اُن کے ساتھ پیش آئے گا۔ اور اُن کو بھی بیماری سے نجات مل جائے گی۔ اور اگر انہوں نے اُس طبیب کا کہنا نہ مانا تو گویا اپنے آقا ہی سے سرتابی کی۔ اُس کے غصہ میں مبتلا ہوئے اور نہایت سخت سزا ان کو ملی اور مرض نے اُن کا کام تمام کر دیا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اُس حدیث میں جو فرشتوں کی طرف سے روایت کی ہے اشارہ فرمایا کہ اس کا حال ایسا ہے کہ جیسے کسی شخص نے ایک گھر تعمیر کر کے اُس میں کھانا تیار کیا اور ایک بلانے والے کو بھیج دیا کہ لوگوں کو بلا لائے۔ اب جس نے بلانے والے کی بات مان لی۔ اُس نے گھر میں داخل ہو کر کھانا کھایا اور جس نے اُس کے کہنے کی پرواہ نہ کی وہ نہ گھر میں داخل ہوا۔ نہ اُس نے کھانا کھایا۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ میرا اور اُن احکام کا حال جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بھیجا ہے ایسا ہے جیسا کہ کسی آدمی نے کسی قوم کے پاس جا کر کہا کہ لوگو! میں نے اپنی آنکھ سے لشکر دیکھا ہے تم کو برملا آگاہ کرتا ہوں کہ اپنے بچنے کی فکر کرو۔ اپنے آپ کو بچاؤ جنہوں نے اُس کا کہنا مان لیا اور شروع رات سے سفر کا سامان کر کے چل دیئے وہ محفوظ رہے اور جس فریق نے اُس کو سچا نہ جانا وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا' یہاں تک کہ صبح کے وقت لشکر نے اُن کو آلیا اور بیخ وبُن سے برباد کر دیا۔ اور آنحضرت ﷺ نے اپنے پروردگار کی طرف سے فرمایا کہ وہ تمہارے اعمال ہیں جو تم پر اترتے ہیں۔

ہماری اس تقریر سے کہ حالت احکام کی بین بین ہے یعنی اعمال کو اور چیزوں کے واجب اور حرام مقرر کرنے کو دونوں کو ثواب اور عذاب کے مستحق ہونے میں دخل ہے اُن مختلف دلیلوں میں بھی اتفاق ہوگیا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کو اُن کے اعمال پر عذاب

دیا جائے گا یا نہیں۔

اور بعض لوگ یہ تو کسی قدر جانتے ہیں کہ احکام کے لیے مصلحتیں علت ہیں اور اعمال پر جزا اُن نفسانی حالتوں کی ہی وجہ سے مرتب ہوتی ہے کہ جن سے نفس عمدہ ہو جاتا ہے یا بگڑ جاتا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بدن میں ایک بوٹی ہے اس کی درستی سے سارا بدن درست رہتا ہے اور اُس کے بگڑنے سے سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ سنو کہ وہ دل ہے' لیکن یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس فن کا مدوّن کرنا اُس کے اصول وفروع کا مرتب کرنا عقلاً تو اس واسطے منع ہے کہ اُس کے مسائل نہایت مشکل ہیں اور شرعاً اس لیے ناممکن ہے کہ سلف نے اُس کو جمع نہیں کیا حالانکہ اُن کا زمانہ آنحضرت ﷺ سے قریب تھا۔ اور اُن کے علوم بہت وسیع تھے تو گویا اُس کے ترک پر سب کا اتفاق سا ہو گیا ہے یا یوں کہہ اٹھتے ہیں کہ اس علم کے مرتب کرنے میں کوئی معتد بہ فائدہ نہیں ہے کیونکہ شریعت پر عمل کرنا کچھ احکام کی مصلحتوں سے واقف ہونے پر موقوف نہیں یہ سب گمان فاسد ہیں اس لئے اس قول کے کہ (اس کے مسائل مشکل ہیں) اگر یہ معنی ہیں کہ اس صورت میں اس علم کا جمع کرنا بالکل ہی ناممکن ہے تو مسائل کے مشکل ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی دیکھو توحید وصفات کے مسائل کیسے کیسے مشکل ہیں اُن کا پورا پورا دریافت کرنا کیسا دشوار ہے تاہم اللہ جس کے لیے چاہتا ہے اُن کو آسان کر دیتا ہے ہر ایک علم کا یہی حال ہے ظاہر نظر میں معلوم ہوا کرتا ہے کہ اُس میں بحث کرنا دشوار ہوگا اور اس کا پورا پورا دریافت کرنا تقریباً ناممکن ہوگا لیکن جب اُس کے متعلقات میں کوشش کی جاتی ہے اور آہستہ آہستہ اُس کے مقدمات اور مبادی سمجھے جاتے ہیں تو اُس میں قدرت بڑھتی جاتی ہے اور اُس کی بنیادیں مستحکم ہوتی جاتی ہیں اور اس کی فروعات اور متعلقات کا نکالنا آسان ہوتا جاتا ہے۔

اور اگر یہ معنی ہیں کہ اُس میں کسی قدر دشواری ہے اس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن دشواری ہی سے تو بعض عالموں کی فضیلت بعض پر ظاہر ہوا کرتی ہے جب تک کہ مشقتیں اور شدائد نہ جھیلے جائیں تمنائیں پوری نہیں ہوتیں۔ علوم میں ملکات جبھی حاصل ہوتے ہیں کہ عقلی تکالیف برداشت کی جائیں اور ہر ہر بات کے سمجھنے میں نہایت خوض اور غور کیا جائے۔

اور یہ کہنا کہ سلف نے اس کو مدوّن نہیں کیا ہے ہم کو سلف کے مدوّن کرنے کی کیا پرواہ ہے جب رسول اللہ ﷺ نے اُس کے اصول کو قائم کر دیا ہے اور اُس کے فروع کو مرتب فرما دیا ہے۔ حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ' حضرت زیدؓ' حضرت عبداللہ ابن عباس' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ جیسے فقہاء صحابہؓ نے اُس میں گفتگوئیں کی ہیں اور اُس کی وجوہ کو روشن بیانی سے ظاہر کر دیا ہے اور اُن کے بعد علمائے دین اور ہر دوان طریقہ یقین اُن ضروری امور کو جن کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں ذخیرہ کیا تھا ظاہر کرتے رہے ہیں جب اُن کو کسی ایسے شخص سے مناظرہ کی ضرورت آپڑتی تھی تو شک اور شبہ سے فتنہ پردازی کرنا چاہتا تھا تو وہ مستعدانہ بحث کی شمشیر کو میان سے نکال لیتے تھے اپنے ارادوں کو مصمم کر کے جرأت اور دلیری سے بدعتیوں کے لشکر کو ہزیمت دیتے تھے۔

میں نے خوب سمجھ لیا کہ ایک ایسی کتاب کا مدوّن کرنا جس میں اس فن کے اصول کو قواعد کا ایک معقول حصہ ہو نہایت کارآمد اور پُرمنفعت ہوگا۔

متقدمین کو اس فن کی اس لئے ضرورت نہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت سے اُن کے عقیدے بالکل صاف

تھے۔آپؐ کے زمانہ سے وہ قریب تھے۔اُن میں اختلافات کم تھے۔اُن کے دل مطمئن تھے اُن امور کی تفتیش کی اُن کو کچھ ضرورت نہ تھی جو آنحضرتؐ سے ثابت ہو چکے تھے منقول کو معقول سے مطابق کرنے کا اُن کو کچھ خیال نہ تھا ثقات سے اکثر مسئلوں کا دریافت کر لینا ممکن تھا۔

علیٰ ہذاالقیاس اسی وجہ سے کہ اُن کا زمانہ قرآن اوّل کے متصل تھا رجال حدیث اُن کے پیش نظر تھے اپنے کانوں سے وہ ان کا کلام سنتے تھے۔ ہر ایک بات کو علمائے ثقات سے دریافت کر سکتے تھے۔اختلافاتِ مذہبی اُن میں کم تھے فنونِ حدیث کی کچھ ضرورت اُن کو نہیں تھی۔غریب حدیثوں کے شرح اسماء رجال کے تحقیقات اُن کی عدالت کے درجے بیان کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ایسے ہی مشکل احادیث کی تفسیر حدیث کے اصول مختلف حدیثوں کا بیان۔احادیث کے راز۔ضعیف کو صحیح سے تمیز دینا موضوع کو معتبر سے جدا کرنا یہ سب غیر ضروری تھا۔

فنون بالا میں سے ہر فن کی تدوین اُن کے اصول وفروع کی ترتیب مدت دراز کے بعد ہوئی جب اُس کی ضرورت کا وقت آیا پھر ایک زمانہ کے بعد فقہا میں اس بنا پر اختلاف ہوا کہ احکام کی کیا کیا علتیں ہیں اور اُن علتوں کے متعلق ایسی بحثیں چھڑیں کہ اُن سے وہ مصلحتیں کیسے حاصل ہو سکتی ہیں جو شرح میں معتبر ہیں اب اکثر مذہبی مسائل میں اکثر اپنی رائے کو دخل دیا جانے لگا اور اعتقادی اور عملی مسئلوں میں شکوک اور شبہات پیدا ہونے لگے اور ایسا وقت آ پہنچا کہ نقلی نصوص پر عقلی دلائل کا قائم کرنا اور منقول کو معقول سے مطابق کرنا دین کی کامل مدد کا باعث ہوا اور مسلمانوں کی پراگندگی دُور کرنے میں ایسی ایسی کوششوں سے عمدہ آثار ثابت ہوئے۔ یہ عبادت سب عبادتوں سے افضل اور تمام بندگیوں کی اصل اصول قرار پائے۔

یہ کہنا کہ اس فن یعنی اسرار دین کی تدوین بے فائدہ ہے۔بالکل بے اصل ہے بلکہ اس میں بڑے بڑے فائدے ہیں۔

اولاً: اس کے ذریعہ سے آنحضرت ﷺ کے معجزات میں سے ایک بہت بڑے معجزہ کا اظہار ہوتا ہے آنحضرت ﷺ نے لوگوں کے سامنے قرآن عظیم کو پیش کیا جس نے تمام بلغاءِ زمانہ کو تھکا مارا کسی ایک سے بھی بن نہ پڑا کہ ویسی ایک سورت بنا سکتا۔لیکن جب زمانہ قرنِ اوّل کا گزر گیا اور اُس کی معجز نما وجہیں لوگوں پر مخفی ہو گئیں تو علماء امت نے اپنی ہمت سے ان وجوہ کو ظاہر و باہر کر دیا تا کہ جو لوگ اُن کے ہم مرتبہ نہ ہوں وہ قرآن کے اعجاز کو بخوبی سمجھ سکیں۔ایسے ہی اللہ کی جانب سے آپؐ نے ایسی شریعت کو عام نظروں کے سامنے پیش کیا جو تمام شرائع سے زیادہ مکمل ہے اُس میں ایسی ایسی مصلحتیں ملحوظ ہیں جن کا اندازہ طاقتِ بشری نہیں کر سکتی۔آپؐ کے زمانہ کے لوگوں نے احکام الٰہیہ کی عظمت کو خوب معلوم کر لیا تھا اپنی زبانوں سے انہوں نے اس کا اظہار کیا ہے اور اپنے خطبوں اور تقریروں میں اس کو صاف صاف بیان کیا ہے لیکن ان کا زمانہ گزر جانے کے بعد یہ ضرورت پیش آئی کہ امت محمدیہ میں کوئی ایسا شخص ہو جو اس قسم کے اعجاز کی وجھوں کو لوگوں پر ظاہر کر دے اُن اسباب کی تشریح کر دے جن سے عیاں ہو جائے کہ شریعت محمدیہ تمام شرائع سے زیادہ کامل ہے آنحضرت ﷺ جیسے شخص سے اس پایہ کی چیز کا ظاہر ہونا ایک پُر عظمت معجزہ ہے۔

ثانیاً: ایمان لانے کے بعد اس علم سے دلی اطمینان زیادہ بڑھ جاتا ہے۔جیسے کہ آنحضرتؑ ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا لیکن تا کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔

ثالثاً: جب دلائل باہم ایک دوسرے کے موید ہوتے ہیں اور کوئی شئے جب مختلف طریقوں سے ثابت کی جاتی ہے تو اُس سے سینہ میں ایک قسم کی راحت پیدا ہو کر اضطراب دُور ہو جاتا ہے۔

رابعاً: خالصاً اللہ کی عبادت کرنے والا جب اللہ کی عبادت میں کوشش کرتا ہے اور اس پر وہ عبادتوں کے مشروع ہونے کی وجہ سے واقف ہوتا ہے اور عبادت کے ارواح اور انوار کی دل سے محافظت کرتا ہے تو تھوڑی عبادت بھی اس کو بہت نفع دیتی ہے اور وہ اندھا دُھند کسی کام کو نہیں کرتا اس لیے امام غزالیؒ نے سلوک کی کتابوں میں عبادت کے اسرار جا بجا بیان کیے ہیں۔

خامساً: فقہاء نے اکثر فقہ کے فروعی مسئلوں میں اسی بنا پر کہ احکام کی علتیں کون سی مناسب اور کون سی نامناسب ہیں بڑا اختلاف کیا ہے اور پوری تحقیق بدون اس کے کہ مصلحتوں کے متعلق ایک مستقل گفتگو کی جائے ناتمام رہتی ہے۔

سادساً: بدعتی لوگ اکثر اس قسم کے شبہے اسلامی مسئلوں میں ظاہر کیا کرتے ہیں کہ یہ عقل کے خلاف ہیں اور جو چیز عقل کے خلاف ہو اُس کو رَد کر دینا چاہیے یا کسی تاویل سے درست کر دینا چاہیے چنانچہ وہ عذاب قبر میں کہا کرتے ہیں کہ یہ کیفیتیں بداہت اور عقل کے بالکل خلاف ہیں۔ ایسے ہی حساب اعمال۔ پل صراط۔ میزان کے متعلق تقریر کرتے ہیں اور اُن میں دُور از کار تاویلیں گھڑا کرتے ہیں۔ اور فرقہ اسمٰعیلیہ نے یہ کہہ کر بڑا فتنہ برپا کیا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ رمضان کے پہلے دن کا روزہ تو واجب ہو اور شوال کے پہلے دن کا روزہ حرام ہو اور ایسی ہی گفتگوئیں اور بھی ہوتی ہیں۔ ایک فرقہ یہ خیال کر کے کہ رغبت اور خوف دلانے کی چیزیں صرف طبیعتوں کے ابھارنے کے لیے ہیں۔ واقعہ میں اُن کی کوئی پائیدار اصل نہیں۔ ترغیب اور ترہیب کے مضامین کا مذاق اڑاتے ہیں۔

ایسے ایسے مفسدوں کے دفع کرنے کی یہی صورت ہے کہ ہر ہر امر کی مصلحتیں بیان کی جائیں اُن کے قاعدے خوب پختہ کیے جائیں۔ یہود۔ نصاریٰ۔ دہریوں کے مقابلہ میں بھی ایسا ہی کیا گیا ہے اور اس علم کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ فقہا میں ایک فرقہ اُس کا قائل ہے کہ جو حدیث قیاس کے بالکل مخالف ہو وہ نہیں ماننی چاہیے۔ اس سے اکثر صحیح حدیثوں میں بڑی خرابی پڑ گئی مثلاً حدیث مصراۃ اور قلتین اس لیے اہلحدیث کو ضرور ہوا کہ اُن کے الزام حجت کے لیے بتائیں کہ یہ سب حدیثیں شرعی مسئلوں کے بالکل موافق ہیں اور علاوہ مذکورہ بالا فائدوں کے اور بے شمار فائدے ہیں۔ اور جب مجھ پر بیان کا جوش غالب ہوگا اور قاعدوں کی تمہید بیان کرنے میں مجھ کو نہایت غور کرنا پڑے گا تو بمقتضائے کلام میری قلم سے وہ باتیں نکل جائیں گی کہ مناظر متکلمین سے کم لوگ اس کے قائل ہوئے ہوں گے۔ مثلاً اس کا قائل ہونا کہ اللہ تعالیٰ آخرت کے موقعوں پر شکل و صورت میں تجلی فرمائے گا اور ایک ایسے عالم کو ثابت کرنا جس کی ترکیب عنصری نہیں ہے اس میں اعمال اور مخفی چیزیں ایسے ایسے قالبوں میں جو صفت میں اُن اعمال وغیرہ کے مناسب ہوتے ہیں مجسم ہو کر ظاہر ہوتی ہیں اور قبل اس کے کہ زمین پر حوادث پیدا ہوں وہ پہلے ہی سے اس بیچ گون عالم میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔

اور اس بات کا قائل ہونا کہ اعمال کو نفس کی حالتوں سے ایک خاص تعلق ہے اور دنیا اور آخرت میں جزا پانے کا حقیقتاً وہی باعث ہوتے ہیں اور قضا و قدر کا قائل ہونا جن کا اثر لازمی ہے۔ اور علی ہٰذا القیاس۔

اور یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ میں نے ایسے ایسے اقوال پر جرأت جبھی کی ہے کہ آیتوں اور حدیثوں اور صحابہؓ اور تابعینؒ کے آثار کو ان کے موید پا لیا ہے اہل سنت میں خاص درجہ کے لوگ جو علم لدنی کی وجہ سے سب سے ممتاز ہوئے ہیں اُن مسئلوں کے قائل ہو

چکے تھے انہوں نے اپنے اصول اُن اقوال کے موافق قائم کیے تھے۔

اہل سنت حقیقتاً علم کلام کے کسی خاص فرقہ کا نام نہیں ہے بلکہ اہل قبلہ نے ضروریاتِ دین کے ماننے کے بعد جن مسئلوں میں اختلاف کیا ہے اور باہمی اختلاف سے ان کے فرقے جدا بن گئے ہیں وہ دو قسم کے ہیں بعض تو ایسے ہیں کہ قرآن کی آیتوں یا صحیح حدیثوں میں اُن کا بیان ہوا ہے۔ سلف یعنی صحابہؓ و تابعین اُن کو مانتے رہے ایک زمانہ کے بعد جب اپنی رائے کا پسند کرنا ہر صاحب رائے کا شیوہ ہو گیا اور مسلمانوں کے باہم فرقے بننے لگے تو ایسے وقت میں ایک فرقہ نے تو اُنہیں امور کو اختیار کیا جو صاف صاف قرآن اور حدیث سے ثابت تھے سلف کے عقیدوں پر وہ مضبوطی سے جم گئے اس کی کچھ پروا نہ کی کہ عقلی قاعدوں کے مخالف ہوں یا موافق اگر فن معقول کی کوئی بات بیان بھی کی تو مخالفین کے الزام دینے کو یا دلی اطمینان بڑھانے کو راویوں سے کوئی فائدہ حاصل کرنا اُن کو مقصود نہیں تھا اُن کا نام اہل سنت ہے' اور ایک فرقہ نے اپنا یہ شیوہ اختیار کیا کہ جہاں جہاں اپنے زعم میں اسلام کی کوئی بات انہیں عقلی اصول کے خلاف معلوم ہوئی تو اُس کی تاویل کر کے ظاہری معنیٰ سے پھیر دیا اور ہر مسئلہ میں علم معقول کے قاعدوں کے موافق کلام کیا۔ جیسے سوال قبر۔ وزن اعمال۔ اللہ کا دیدار۔ اولیاء کی کرامتیں۔ یہ سب امور کا قرآن وحدیث سے برملا ثابت ہیں۔ سلف نے اُن پر اتفاق کیا ہے لیکن بعض لوگوں کی نظر میں یہاں معقول کا قافیہ تنگ ہے۔ اسی واسطے ایسے ایسے امور کا یا تو وہ صاف صاف انکار کر دیتے ہیں یا پھیر پھار کے معنی کچھ کے کچھ لیا کرتے ہیں اور ایک فریق قائل ہے کہ ہمارا ان امور پر ایمان ہے اگرچہ اُن کی اصلی حقیقت ہم کو معلوم نہ ہو اُن پر معقول کی کافی شہادت ہمارے خیال کے موافق نہ ہو۔

اور ہم کہتے ہیں کہ ہمارا سب امور پر ایمان ہے اور اللہ کی جانب سے صاف صاف دلائل اس کی حقانیت کے ہمارے پاس موجود ہیں اور ہماری رائے میں عقلی شہادتوں سے ان کا کافی ثبوت ہوتا ہے۔ اور امور دینی میں سے ایک حصہ ایسا ہے کہ قرآن میں اُن کا ذکر نہیں ہے اور احادیث میں اُن کی شہرت نہیں ہوئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ان کے متعلق کچھ بیان نہیں کیا۔ اس لیے اس حصہ پر ایک پردہ سا پڑا رہا لیکن آئندہ دور کے علماء میں اُس کا چرچا ہوا اور وہ ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو گئے' علماء نے اس حصہ کو دو طرح پر خوض کیا۔ یا تو اُن مسئلوں کو محض نقلی دلائل سے ثابت کیا جیسا کہ انبیاء کا فرشتوں سے افضل ہونا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت یا علماء نے ان امور کو جزاء دین قرار نہیں دیا بلکہ امور دینی کا سمجھنا اُن پر موقوف سمجھا۔

چنانچہ امور عامہ کے مسئلے جو ہر وعرض کے مباحث اس لیے عالم کا حادث ہونا جب ہی ثابت ہو سکتا ہے کہ ہیولیٰ باطل اور جزلا یتجزی ثابت کر دیا جائے اور یہ امر کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو بلا وساطت دوسرے کے پیدا کیا ہے۔ جب ہی پایہ ثبوت کو پہنچ سکتا ہے کہ اس مشہور قول کی تردید ہو جائے کہ ایک چیز سے ہمیشہ ایک ہی چیز پیدا ہو سکتی ہے اور جب تک کہ اسباب اور اُن کے مسببات میں لزوم عقلی باطل نہ ہو جائے معجزات کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ معاد جسمانی کا مسئلہ جب ہی طے ہو سکتا کہ ایک معدوم چیز کا دوبارہ لوٹ آنا ممکن ہو وعلیٰ ہذا القیاس۔

اُن باقی امور کو سمجھنا چاہیے جو بالتفصیل کتابوں میں مندرج ہیں۔

اور ایک تیسری نحو اختلاف کی یہ ہے کہ ایک اصلی امر پر تو اتفاق ہو جو قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے لیکن اس کی تفصیل

اور تفسیر کرنے میں علماء نے اختلاف کیا ہو چنانچہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ خدا میں سمع۔ بصر کی دو صفتیں ہیں۔اب اس میں اختلاف ہے کہ اُس کے سمیع۔ بصیر ہونے کے کیا معنی ہیں ایک فرقہ قائل ہے کہ اُن دونوں کا حاصل یہ ہے کہ خدا اُن چیزوں کو اپنے علم سے جانتا ہے جو سننے یا دیکھنے کے لائق ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ دونوں بالکل علیحدہ صفتیں ہیں۔

علیٰ ہٰذا اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ حیّ ہے علیم ہے۔ ارادہ کرنے والا ہر چیز پر قادر ہے کلام کرتا ہے لیکن بعض کا قول ہے کہ ان صفتوں سے یہی معنی جو ان سے مفہوم ہوتے ہیں مراد نہیں ہیں بلکہ ان صفتوں کے اثر اور کام مراد ہیں اور اسی لحاظ سے صفات مذکور اور صفت رحمت۔ غضب۔ جود میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ احادیث نے اُن میں کچھ فرق ثابت کیا ہے۔

اور بعض قائل ہیں کہ نہیں بلکہ اللہ کی ذات واجب ہی میں یہ سب امور موجود اور قدیم ہیں اور علی ہٰذا۔ سب متفق ہیں کہ خدا میں استواء وجہ ہونے کی ضحک کی صفت ثابت ہے۔ لیکن بعض کا قول ہے کہ ان صفات سے وہ معنی مراد ہیں جو اُن کے مناسب ہوں۔ مثلاً عرش پر ٹھہرنے سے اُس پر غالب آنا مراد ہے وجہ سے ذات مراد ہے۔ اور ایک فریق نے ان امور کو بحالِ خود چھوڑ دیا ہے اور صاف کہہ دیا کہ ان لفظوں کی مراد کو ہم کچھ نہیں سمجھتے۔

میری دانست میں اس حصہ کے لحاظ سے جس میں کوئی حکم شرعی صاف اور منصوص نہ ہو بلحاظ سُنی ہونے کے کسی فریق کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔

اس لیے کہ اگر خالص سنیت پر نظر کی جائے تو اس کا مقتضا یہی ہے کہ سلف کی طرح سے کسی مذہبی مسئلہ میں چون و چرانہ کی جائے اور جب ایسے ایسے امور میں زیادہ گفتگو کرنے کی ضرورت آ پڑے تو ان اُمور میں ان کا پیرو بننا کچھ ضروری نہیں ہے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ جو کچھ انہوں نے قرآن و حدیث سے مستنبط کیا ہو وہ سراپا راست ہو اور اُسی کا پلہ گراں ہو یا اپنی دانست میں انہوں نے کسی بات کو کسی امر پر موقوف خیال کیا ہو تو کیا ضرور ہے کہ یہ توقف تسلیم کرنے کے قابل ہی ہو۔ یا جس امر کو انہوں نے قابل الرد خیال کیا ہو وہ حقیقت میں رد کے قابل ہی ہو یہ کیا ضرور ہے کہ انہوں نے ایک امر دشوار سمجھ کر خوض نہ کیا ہو تو وہ حقیقت میں ایسا ہی دشوار ہو کچھ اُن کے بیان اور تفسیر کو اُس کا کوئی ذاتی استحقاق نہیں ہے۔ کہ اوروں کی تفاسیر سے حقانیت کے لحاظ سے گراں مرتبہ ہوں اور اس لیے کہ سنی ہونے کا مدار پہلے حصہ پر ہے نہ دوسرے پر تم دیکھو گے کہ دوسرے حصہ کے اکثر مسائل میں جا بجا علمائے سنت نے باہم اختلاف کیا ہے اشاعرہ اور ماتریدیہ کو دیکھ لو اُن کے علاوہ ہر زمانہ کے حاذق علماء کبھی اُن دقائق کے اظہار میں توقف نہیں کرتے جو حدیث کے مخالف نہ ہوں اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے کہ متقدمین میں سے کوئی اُس کا قائل ہوا ہے یا نہیں جہاں میں علما کے فرقے اور مذہب مختلف پاتا ہوں تو میں ایک صاف اور روشن راستہ اختیار کر لیتا ہوں۔ کناروں کی طرف نہیں مڑتا معتدل طریقہ پسند کر کے پختگی سے اس پر تفریعات کرتا ہوں۔

یہ معلوم رکھنا چاہیے کہ ہر فن کا ایک خاصہ ہوا کرتا ہے اور ہر مقام کا مقتضا جدا ہوتا ہے جس کو حدیث کی غرابت سے بحث ہے اس کو حدیث کی صحت اور ضعف سے کچھ غرض رکھنا نہ چاہیے۔ ایسے ہی حافظ حدیث کو فقہی فروعات میں کلام کرنا اور ایک مسئلہ کو دوسرے پر ترجیح دینا زیبا نہیں ہوتا ایسے ہی ان مذکورہ بالا مباحث میں پڑنا اُس شخص کا منصب نہیں جو اسرارِ دین کے مباحث میں

مصروف ہے اُس کی غایت ہمت اور مطمع نظر صرف اُس راز کا ظاہر کرنا ہے جس کا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے کلام میں قصد فرمایا ہے خواہ وہ حکم قائم رہا ہو خواہ منسوخ ہو گیا ہو یا اُس کی معارض کوئی دوسری دلیل آ گئی ہو اور اس معارضہ نے فقیہ کی نظر میں اُس حکم کو مرجوع کر دیا ہو۔ ہاں یہ امر لابدی ہے کہ ہر فن کے خوض کرنے والے کو وہی بات اختیار کرنی چاہیے جو اُس فن کے لحاظ سے زیادہ اچھی اور موزوں ہو۔ حدیثیں شہروں میں مدوّن ہو کر اقوال فقہاء سے موید ہونے کے بعد اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ پیروی کے قابل کون کون سی ہیں اور حدیثوں سے ممیز ہو گئی ہیں۔ جن میں یہ اوصاف نہیں ہیں اور ایسے ہی وہ حدیثیں جو کثرت اور قوت روایت کی وجہ سے اولیٰ درجہ کی حدیثوں سے خالص قرار پا چکی ہیں تاہم اگر اسی قسم کا کوئی امر تبعاً مذکور ہو تو کیا مضائقہ ہے۔ مسائل اجتہاد میں بحث کرنا اس کی طرف میلان کرنا جو حق سے قریب ہو اہل علم سے کوئی نئی بات نہیں ہے اور ائمہ کی کسر شان میں کوئی طعن باعث نہیں ہے۔

اور سن لو کہ میں ایسی گفتگو سے بالکل بری ہوں جو کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی کے مخالف ہو یا اجماع امت کے خلاف ہو جس کی خوبی اور بہتری پر شہادت ہو چکی ہے یا کسی ایسے مسئلے کے خلاف ہو جس کو جمہور مجتہدین نے اختیار کیا ہو یا مسلمانوں کی جماعت کثیر نے اُس کو مقبول کر لیا ہو اگر مجھ سے کہیں اس قسم کی کوئی بات سرزد ہوئی ہو تو اُس کو بالکل خطا سمجھنا چاہیے جو شخص مجھ کو خواب غفلت سے بیدار کرے اللہ تعالیٰ کی اس پر رحمت ہو ہم کو ایسے لوگوں کی ہر بات سے اتفاق کرنا کچھ ضروری نہیں ہے جو متقدمین کے کلام سے مسئلے مستنبط کرتے رہتے ہیں اور جھگڑے اور مناظرے کرنا اُن کا منصب ہوتا ہے ہم بھی آدمی ہیں وہ بھی آدمی تھے کبھی وہ کامیاب ہوتے ہیں کبھی ہم۔

میں نے اس کتاب کے دو حصے کئے ہیں پہلے حصہ میں وہ کلی قاعدے ہیں جن پر شرائع کی مصلحتوں اور اغراض کا مدار ہے اس قسم کے اکثر مسئلے ایسے ہیں جو کہ آنحضرت ﷺ کے عہد کے موجودہ مذہبوں میں مسلم ہو چکے تھے باہم اُن اہل مذہب میں اُن امور کے متعلق کچھ ایسا اختلاف نہ تھا آنحضرت ﷺ نے تنبیہاً ان کا ذکر فرمایا ہے جیسے کہ فروع باتوں کے بتانے کے وقت اُن اصول کو بتا دیا کرتے ہیں جن پر کہ وہ فروع مبنی ہوتی ہیں اس طرح پر کہ فروع کو اصول کی طرف پھیر دینے پر وہ قادر ہو گئے وہ پہلے ہی اُن کے نظائر دیکھ دیکھ کر جو ملت اسماعیلی کے پیرو عرب اور یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں میں پائے جاتے تھے مشاق ہو گئے تھے مجھ کو معلوم ہوا کہ اگر تمام شرائع کو تفصیلاً دیکھا جائے تو اُن کی انتہا دو قاعدوں پر ہوتی ہے اولاً نیکی اور گناہ کے مباحث۔ دوسرے سیاست مذہبی کے مباحث۔ لیکن نیکی اور گناہ کی پوری حقیقت بدون اس کے ناتمام رہتی ہے کہ اُس سے قبل جزائے اعمال پر کافی بحث نہ کی جائے نفع اٹھانے کے وسائل کا پورا بیان نہ ہو نوع انسانی کے کمالات اور سعادت کے درجے نہ بیان کئے جائیں لیکن یہ مباحث بھی اور اور مسئلوں پر مبنی پائے گئے جو اس علم میں صرف تسلیم کر لئے گئے ہیں اُن کی کچھ حقیقت یہاں نہیں بیان کی گئی۔ عام شہرت کی وجہ سے اُن کی یہاں تصدیق کر لی گئی ہے یا اس لئے مان لیا ہے کہ اُن کی تعلیم دینے والے کے ساتھ حسن عقیدت تھی یا اُن دلائل پر اعتماد کیا گیا ہے جو ان امور کے اثبات کے لئے ایک دوسرے بلند مرتبہ علم میں لائے جائیں۔

اور نفس کے مباحث چونکہ عام فرقوں کی کتابوں میں طے ہو چکے اس لئے میں نے نفس کی حقیقت اُس کی بقا اور بدنی مفارقت

کے بعد آرام ورنج پانے کے متعلق زیادہ گفتگو نہیں کی البتہ ایسے بعض بعض مسائل کا ذکر اُن موقعوں پر کر دیا ہے کہ کتابیں اُس کے بیان میں خاموش تھیں۔ کہیں کہیں ترتیب اور تفریع کر دی گئی ہے جس کو اللہ کی توفیق سے میں نے ایجاد کیا ہے۔ مسلم مسائل میں سے صرف وہی بیان کر دیئے ہیں کہ اوائل میں سے کوئی اُن کے درپے نہ ہوا تھا۔ نقلی دلائل بیان کرنے کا بھی میں نے کچھ اہتمام نہیں کیا اس لیے میں اس حصے میں صرف وہی مسائل بیان کروں گا جن کی بغیر دریافت کیت کے یہاں صرف تصدیق کر لینی چاہیے۔ اس کے بعد دنیا اور آخرت میں اعمال کے جزا پانے پر بحث کی جائے گی پھر منفعتوں کے وہ وہ مسائل بیان کئے جائیں گے جو عام لوگوں میں پیدائشی اور فطری ہیں اور اپنی اپنی رائے کے موافق عرب اور عجم میں کوئی اُن کو فروگذاشت نہیں کرتا۔ اس کے بعد انسان کی نوعی سعادت اور بدبختی کا بیان ہے اور اُس کا یہی ذکر ہے کہ آخرت میں ان دونوں کے نتائج کیونکر ظہور پذیر ہوں گے پھر نیکی اور گناہ کے اصول ذکر کیے جائیں گے جن پر تمام اہل مذاہب کا نسلاً بعد نسل اتفاق ہوتا رہا ہے۔ پھر اس کا بیان ہے کہ جب کسی قوم پر مذہبی حکمرانی کی جاتی ہے تو حدود اور شرائع کا تقرر کیونکر ہوتا ہے۔ پھر اس کا تذکرہ ہے کہ کلام نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے احکام شرعی کیونکر مستنبط کئے جاتے ہیں۔ دوسرے حصہ میں اُن اسرار کی تفصیل ہے جو ابواب ذیل سے علاقہ رکھتے ہیں۔ ① ابوابِ ایمان۔ ② ابواب طہارت۔ ③ ابوابِ نماز۔ ④ ابوابِ زکوٰۃ۔ ⑤ ابوابِ روزہ۔ ⑥ ابوابِ حج۔ ⑦ ابوابِ احسان۔ ⑧ ابوابِ معاملات۔ ⑨ ابواب تربیت منزل۔ ⑩ ابوابِ سیاستِ مدن۔ ⑪ ابوابِ معیشت۔ ⑫ چند ابوابِ مختلف۔

اب مقاصد شروع کرنے کا وقت آپہنچا **الحمدللہ اولاً و آخراً۔**

قسم اوّل ☆ اُن قواعد کلیہ کے بیان میں جن سے وہ شرعی مصلحتیں نکلتی ہیں جن کا شریعت کے احکام میں لحاظ کیا گیا ہے اس میں سات مباحث ستر بابوں میں ہیں۔

مبحث اوّل	تکلیف اور جزا و سزا دینے کے بیان میں۔

باب ۱

خدا کی صفت ابداع۔ خلق۔ تدبیر کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ ایجادِ عالم کے لحاظ سے اللہ کی بہ ترتیب تین صفتیں ہیں اوّلاً ابداع: ابداع کہتے ہیں عدم محض سے کسی چیز کو پیدا کرنا اس طرح بغیر کسی مادہ کے کوئی چیز پردۂ عدم سے وجود میں آتی ہے رسول اللہ ﷺ سے اس امر کے آغاز سے سوال کیا گیا آپؐ نے فرمایا کہ پہلے صرف خدا ہی تھا اُس سے پہلے کوئی چیز موجود نہ تھی۔

دوسری صفت خلق کی ہے خلق کہتے ہیں کسی مادہ سے کسی چیز کو پیدا کرنا جیسے کہ خدا نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور جن

کو خالص بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا۔ عقل اور نقل سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے عالم کی نوعیں اور جنسیں علیحدہ علیحدہ پیدا کی ہیں اور ہر ایک نوع اور جنس کی خاصیتیں جدا جدا کر دی ہیں مثلاً نوع انسان کی خاصیت بولنا۔ جلد کا کھلا ہوا ہونا۔ قد کا سیدھا ہونا گفتگو کا سمجھ لینا ہے۔ گھوڑے کی نوع کی خاصیت ہے ہنہنانا۔ اس کی جلد کا بالوں سے ڈھکا ہونا۔ قد کا کج ہونا گفتگو نہ سمجھنا۔ زہر کی خاصیت ہے زہر کھانے والے آدمی کو ہلاک کرنا۔ سونٹھ کی خاصیت گرم خشک ہے۔ کافور کی خاصیت سرد ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تمام معدنی۔ نباتی حیوانی نوعوں کی یہی کیفیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ جو خاصیت جس چیز میں پیدا کر دی ہے وہ اُس سے کبھی جدا نہیں ہو سکتی۔

ان خاصیتوں کے درجوں میں جو خاصیتیں کہ خاص افراد کی ہیں وہ سب سے خاص ہیں خاصیتوں میں جو کسی قدر عموم اور احتمال تھا وہ اُن کی وجہ سے معین ہو جاتا ہے ایسے ہی نوعوں کے درجہ میں جو خاصیتیں ہوتی ہیں اُن سے جنس کی خاصیتوں میں ایک خصوص پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ خاصیتیں ترتیب وار بعض عام بعض خاص مثلاً جسم۔ نامی۔ حیوان۔ انسان خاص شخص میں باہم مخلوط معلوم ہوتی ہیں لیکن عقل اُن کا فرق معلوم کر کے ہر ایک خاصیت کو اس کی طرف منسوب کر دیتی ہے جس کی وہ خاصیت ہے آنحضرت ﷺ نے اکثر چیزوں کے خواص بیان فرمائے ہیں اور اُن کے اثروں کو اُن چیزوں کی طرف منسوب کیا ہے۔

فرمایا کہ تلبینہ (ایک قسم کا حریرہ ہوتا ہے جو آٹے کا بنایا جاتا ہے کبھی کبھی اس میں شہد بھی ڈالتے ہیں دودھ کے ہمرنگ ہوتا ہے) مریض کے شکم کو آرام دیتا ہے۔ کلونجی کو فرمایا کہ وہ موت کے سوا ہر مرض کے لئے شفا ہے۔

اونٹوں کے پیشاب اور دودھ کی نسبت فرمایا کہ وہ ان کو آرام دیتا ہے جن کو کھانا ہضم نہ ہوتا ہو۔ اور اُن کے معدہ میں غذا رکتی ہو۔ شبرم کو فرمایا کہ وہ گرمی پیدا کرتا ہے۔

تیسری صفت اللہ تعالیٰ کی عالم موالید کی تدبیر کرنا ہے اس تدبیر کا مآل یہ ہے کہ تمام موالید میں جو چیزیں حادث ہوتی ہیں وہ سب ایک ایسے انتظام کے موافق ہوں جو اس کے علم وحکمت میں پسندیدہ ہے۔ سب سے وہ مصلحت حاصل ہو جو فیض الٰہی کا مقتضا ہے۔ جیسے کہ ابر سے مینہ نازل کرتا ہے اُس سے لوگوں اور حیوانات کے لیے زمین میں سے ہر قسم کے درخت بوٹیاں پیدا کرتا ہے تا کہ مدت معلوم تک ان کی زندگی کا باعث ہوں۔ اور جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں پھینکے گئے تو خدا نے اُن کے زندہ رکھنے کے لیے آگ کو خنک اور باعث سلامتی کر دیا اور حضرت ایوبؑ کے بدن میں بیماری کا مادہ پیدا ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا چشمہ پیدا کر دیا جس سے اُن کی بیماری کو آرام ہو گیا' اور اللہ تعالیٰ نے اہل زمین پر نظر ڈالی وہ تمام عرب اور عجم سے ناخوش ہوا اس لیے آنحضرت ﷺ کو وحی بھیجی کہ اُن کو ڈرائیں اور جہاد کریں تا کہ جس کو چاہے تاریکیوں سے نور کی طرف نکالے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو قوتیں موالید میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور اُن سے کبھی جدا نہیں ہوتیں وہ جب آپس میں ایک دوسرے سے مزاحمت کرتی ہیں تو حکمت الٰہی کا یہ تقاضا ہے کہ اُن سے مختلف اثر پیدا ہو جائیں بعض جوہر ہوں بعض عرض اور جو اعراض ہوں وہ افعال ہوں یا ارادے ذی عقل سے ہوں یا غیر ذی عقل سے۔

اب ان امروں میں اس لحاظ سے تو کوئی شرنہیں ہے کہ جو اُس کے سبب کا تقاضا تھا وہ صادر نہ ہوا یا وہ چیز صادر ہوئی جو اس کے مقتضائے سبب کے خلاف تھی اور قاعدہ ہے کہ اگر کسی چیز کے وجود کو اُس کے سبب کے لحاظ سے دیکھیں کہ جو اُس کے پیدا ہونے کا

باعث ہوتا ہے اُس میں خوبی ہوا کرتی ہے۔ جیسے کہ کانٹے کی صفت کو اس لحاظ سے دیکھیں کہ لوہے کا جوہر اس کا باعث ہے اگر چہ وہ اس لحاظ سے برا ہے کہ اُس سے بنیاد انسانی فوت ہو جاتی ہے اُن آثار میں شر کی بات یہی ہے کہ اُن سے ایک ایسی چیز پیدا ہوتی ہے کہ اس کے علاوہ ایک دوسرے میں مصلحت زیادہ ہے۔ اثروں کے اعتبار سے کوئی ایسی چیز پیدا نہیں ہوتی ہے جس کے عمدہ اثر ہوں جب اس قسم کے شر کے آثار مہیا ہونے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت عام کا جو اپنے بندوں پر ہے اور اُس کی قدرت شاملہ اور محیط علم کا یہ اقتضا ہوتا ہے کہ ان قوتوں میں اور قوت والی چیزوں میں مختلف طور پر تصرف کرے قبض سے یا بسط سے احالہ اور الہام سے تا کہ اُن سے امر مطلوب حاصل ہو جائے۔ قبض کی مثال یہ ہے کہ دجال مسلمان بندہ کے قتل کا دوسری مرتبہ ارادہ کرے گا لیکن باوجودیکہ قتل کے اسباب درست ہوں گے اس کے اوزار مہیا ہوں گے لیکن اللہ اس کو قدرت نہ دے گا۔

بسط کی مثال یہ ہے کہ حضرت ایوبؑ نے زمین کو رگڑا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے چشمہ جاری کر دیا۔ حالانکہ عادتاً ایسا نہیں ہوا کرتا کہ پاؤں رگڑنے سے پانی پھوٹ جایا کرے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بعض مخلصین کو جہاد میں ایسی طاقت عطا کرتا ہے کہ عقلاً اس قسم کے بدنوں سے بلکہ اُس کے دو چند سہ چند سے بھی اس قسم کی طاقت خیال میں نہیں آسکتی اور احالہ جیسے حضرت ابراہیمؑ کی آگ کو پاکیزہ ہوا کر دیا۔

اور الہام کی صورت یہ ہے جیسے کشتی کو پھاڑ دینا اور دیوار کو درست کر دینا اور غلام کو قتل کرنا' کتابوں اور شریعتوں کا نازل کرنا۔ اور الہام کبھی تو اُسی شخص کو ہوتا ہے جس کے لیے اُس کی ضرورت ہو اور کبھی اُسی کی وجہ سے دوسرے کو بھی ہو جاتا ہے۔ قرآنِ عظیم نے تدبیر کے انواع کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

باب ۲

عالم مثال کے ذکر میں

جاننا چاہیے کہ اکثر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسا عالم موجود ہے جس کی ترکیب عناصر سے نہیں ہے اُس میں ہر ایک جسمانی چیز کی مناسب صفت اور حالت میں وہ چیزیں جو معنوی ہیں صورت پکڑتی ہیں اور قبل اس کے کہ چیزیں زمین پر ظاہر ہوں پہلے اُس عالم میں موجود ہو جایا کرتی ہیں اور موجود ہونے کے بعد ہُو بہُو انہیں معانی کے اندازہ کی ہوتی ہیں اور اکثر ایسی چیزیں جن کا کہ عام نظر میں کسی قسم کا جسم نہیں ہوا کرتا وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ میں منتقل ہوتی ہیں نازل ہوتی ہیں لیکن عام لوگوں کو نظر نہیں آتیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب رحم کو پیدا کیا اور وہ درست ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اُس شخص کا مقام ہے جو قطع تعلق سے تیری پناہ میں آئے اور فرمایا کہ سورۂ بقرہ اور آل عمران قیامت کے روز دو ابروں کی صورت میں یا صف بستہ پرندوں کی جماعتوں میں آئیں گی اور اپنے پڑھنے والوں کے لیے حجتیں کریں گی اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قیامت کے روز تمام اعمال حاضر ہوں گے پہلے نماز حاضر ہوگی پھر صدقہ اُس کے بعد روزہ۔ الحدیث۔ اور فرمایا کہ بھلا کام اور برا کام دونوں مخلوق ہو کر

قیامت کے روز لوگوں کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے۔ نیکی تو نیک لوگوں کو مژدہ دے گی اور برائی کہے گی ہٹو ہٹو۔ لیکن وہ اس کو چمٹ ہی جائیں گے اور فرمایا کہ خدا قیامت کے روز دنوں کو اپنی اپنی صورت میں پیدا کرے گا جمعہ کی صورت شگفتہ تاب ناک ہوگی اور فرمایا کہ دنیا قیامت کے روز ایک بڑھیا کی صورت میں ظاہر کی جائے گی۔ جس کے بال کڑ بڑے ہوں گے اس کی آنکھیں نیلگوں ہوں گی منہ اس کا پھیلا ہوا ہوگا اور فرمایا کہ کیا تم وہ چیزیں دیکھتے ہو جن کو میں دیکھتا ہوں میں تمہارے مکانوں کی پشتوں پر فتنوں کی بوچھاڑ دیکھتا ہوں' شب معراج کی حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ مجھ کو چار نہریں نظر آئیں دو اندر کی جانب کو دو ظاہر۔ میں نے کہا اے جبریلؑ یہ دونوں کیا ہیں جبریلؑ نے کہا دو اندر کی تو جنت میں ہیں اور یہ دونوں ظاہر نیل اور فرات ہیں۔

نماز کسوف کی حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ جنت و دوزخ نے میرے سامنے صورت پکڑی دوسرے لفظ میں ہے کہ میرے اور قبلہ کی دیوار کے بیچ میں جنت و دوزخ کی صورت میں نے دیکھی اور اس میں ہے کہ آپؐ نے جنت کا خوشہ توڑنے کو اپنا ہاتھ پھیلایا اور دوزخ کی آگ سے آپؐ پیچھے کو ہٹے۔ اور اُس کی گرمی سے پھونک ماری اور دوزخ میں آپؐ نے حاجیوں کے مال چرانے والے کو دیکھا اور دوزخ میں آپؐ نے اس عورت کو دیکھا جس نے بلی کو باندھ رکھا تھا یہاں تک کہ وہ مرگئی اور آپؐ نے جنت میں ایک عورت زانیہ کو دیکھا جس نے کتے کو پانی پلایا تھا۔

یہ امر تو معلوم ہے کہ جنت و دوزخ کا بدن جو عام خیال میں ہے اتنی مسافت قلیل میں نہیں آ سکتا ہے اور آپؐ نے فرمایا کہ جنت ناگواریوں سے بھری ہوئی ہے اور دوزخ خواہشوں سے۔ پھر حضرت جبریلؑ کو حکم فرمایا کہ جنت و دوزخ کا معائنہ کریں اور فرمایا کہ بلا نازل ہوتی تو دعا اُس کو دفع کرتی ہے' اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کر کے فرمایا کہ سامنے ہو وہ سامنے ہوئی اور فرمایا کہ پیٹھ پھیر اُس نے پیٹھ پھیر لی اور فرمایا کہ پروردگار عالم کی طرف سے یہ دو کتابیں ہیں۔ الحدیث۔ اور فرمایا کہ موت ایک مینڈھے کی صورت میں لائی جائے گی اور جنت و دوزخ کے مابین اس کو ذبح کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس کے پاس اپنی رُوح کو بھیجا اور وہ مریمؑ کے سامنے ایک درست آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا اور حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت جبریلؑ آنحضرت ﷺ کے سامنے ظاہر ہوا کرتے تھے آپ اُن کو دیکھتے اُن سے گفتگو کرتے لیکن اور لوگوں کو وہ نظر نہیں آتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ قبر ستر در ستر گز پھیل کر ایسی چمٹ جاتی ہے کہ قبر والے کی پسلیاں الگ ہو جاتی ہیں اور فرشتے قبر والے کے پاس آ کر اُس سے سوال کرتے ہیں اور قبر والے کے اعمال اس کے سامنے صورت پکڑ کر آتے ہیں اور قریب المرگ کے پاس فرشتے آتے ہیں اور اُن کے ہاتھوں پر حریر یا روئی کا کپڑا ہوتا ہے اور فرشتے قبر والے کو ہتھوڑے سے مارتے ہیں اور وہ ایسا چیختا ہے کہ اُس کو وہ چیزیں سنتی ہیں جو مشرق اور مغرب کے بیچ میں ہیں۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خدا کافر پر اس کی قبر میں تنین کی قسم کے سانپ مقرر کرتا ہے وہ ان کو قیامت کے قائم ہونے تک نوچتے ہیں کاٹتے ہیں اور فرمایا کہ جب مردہ قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اُس کے سامنے آفتاب ڈوبتی حالت میں ہوتا ہے۔ وہ بیٹھ کر اپنی آنکھیں ملنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو چھوڑ دو تا کہ میں نماز پڑھ لوں۔ اور حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عرفات میں کھڑے ہونے والے کے سامنے اللہ تعالیٰ مختلف صورتوں میں تجلی فرماتا ہے اور یہ کہ آنحضرتؐ اللہ کے حضور میں جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی کرسی پر ہوتا تھا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ آدمی سے ذو بدو

کلام کرتا ہے اور اس کے علاوہ اور بے شمار مثالیں ہیں۔

① جو لوگ اس قسم کی حدیثوں میں غور کرتے ہیں ان کی تین حالتوں میں سے کوئی نہ کوئی حالت ہوا کرتی ہے یا وہ ان حدیثوں سے ظاہری معنی کا اقرار کرتے ہیں تو لامحالہ وہ ایک ایسے عالم کے ثابت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا اور اسی کو اہل حدیث کا قاعدہ مقتضی ہے۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تنبیہ کی ہے میں بھی اس کا قائل ہوں۔ اور یہی میرا مذہب ہے۔

② یا اس کے قائل ہوتے ہیں کہ اگرچہ جس سے خارج میں یہ واقعات موجود نہ ہوں لیکن دیکھنے والے کی نظر کے سامنے وہ متمثل ہوتے ہیں۔ اسی قسم کی تقریر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اللہ تعالیٰ کے اُس قول میں کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ایک ظاہر دھواں ظاہر کرتا ہے۔

کہ اُن کے زمانہ میں قحط پڑا تھا جب اُن میں سے کوئی شخص آسمان کی طرف نظر اٹھاتا تھا تو اُس کو گرسنگی کی وجہ سے دھوئیں کی صورت معلوم ہوتی تھی۔ اور امام ابن ماجشوں سے نقل کیا جاتا ہے کہ قیامت میں خدا کے منتقل ہونے یا دیکھنے کے متعلق جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں اُن کے یہ معنی ہیں کہ اللہ اپنی مخلوق کی بینائیوں کو بالکل بدل دے گا تب وہ خدا کو تجلی کرتے ہوئے دیکھیں گے اور خدا اُن سے گفتگو کرے گا۔ لیکن حقیقتاً اللہ کی عظمت میں کوئی تغیر نہ آئے گا نہ وہ منتقل ہوگا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

③ یا وہ یہ کہیں گے کہ ان اقوال سے کچھ اور معنی مراد ہیں' اُن کے سمجھنے کے لیے یہ امور مثال کے طور پر لائے گئے ہیں لیکن جو شخص ان حدیثوں کی نسبت تیسرے ہی معنی اختیار کرتا ہے وہ میرے نزدیک اہل حق میں سے نہیں ہے امام غزالیؒ نے عذاب قبر میں ان تینوں مقامات کو بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی اخبار کے ظاہری معنی درست ہیں اور ان میں مخفی راز ہیں۔ لیکن ارباب بصیرت کے نزدیک وہ کھلی ہوئی باتیں ہیں جب تک کہ اُن کی حقیقتیں پوری منکشف نہ ہو جائیں ان کے ظاہری معنی سے انکار کرنا مناسب نہیں ادنیٰ درجہ کا ایمان یہ ہے کہ اُن کو مانے اور یقین کرے۔

اگر کوئی شبہ کرے کہ ہم مدت تک کافر کو قبر میں پڑا ہوا دیکھتے ہیں اُس کا خیال رکھتے ہیں۔ لیکن ایسے ایسے امور میں سے کوئی بات بھی نہیں دیکھتے پس جو امر مشاہدہ کے خلاف ہو اس پر کیسے یقین کیا جائے اس لئے جاننا چاہیے کہ ایسے امور کی تصدیق کرنے کی تین حالتیں ہیں۔ ایک حالت تو یہ ہے اور یہی ظاہر اور درست ہے اور زیادہ محفوظ ہے کہ یہ سب امور موجود ہیں مردہ کو وہ کاٹتے ہیں لیکن تجھ کو اس لیے نظر نہیں آتے کہ تیری آنکھ ان ملکوتی امور کے مطالعہ کے قابل نہیں ہے جو امور کہ عالم آخرت کے متعلق ہیں وہ سب عالم ملکوت سے ہیں کیا تو صحابہ کرامؓ کے حالات کو نہیں دیکھتا اُن کو حضرت جبریلؑ کے آنے کا کیسا یقین تھا اور انہوں نے کبھی ان کو آنکھ سے نہیں دیکھا حالانکہ اُن کو یقین تھا کہ آنحضرتؐ ان کو دیکھتے ہیں۔ اگر تیرا اُس پر ایمان نہیں ہے تو پہلے فرشتوں اور وحی پر ایمان لانے کو درست کرنا تجھ کو بہت ضرور ہے اور اگر تجھ کو اس کا یقین ہے اور تجویز کر سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں جن کو ان کی امت نہ دیکھ سکے تو مردہ کی حالت میں اُس کو کیوں تجویز نہیں کرتا اور جیسے کہ فرشتہ کو آدمیوں اور حیوانات سے کچھ مشابہت نہیں ہے ایسے ہی سانپ اور بچھو بھی جو کہ قبر میں کاٹتے ہیں ہمارے دنیا کے سانپوں کی جنس سے نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کی اور ہی جنس ہے اور ایک دوسری قسم کی حس کرنے والی قوت سے وہ معلوم ہوتے ہیں۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ تم کو سونے والے کی حالت خیال کرنی چاہیے وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ اُس کو سانپ کاٹ رہے ہیں وہ اس سے تکلیف اٹھا رہا ہے حتیٰ کہ تم کبھی کبھی دیکھو گے کہ وہ چلا اٹھتا ہے اُس کی پیشانی پر پسینہ آ جاتا ہے اپنی جگہ سے کبھی اُچھل پڑتا ہے ان سب امور کو وہ اپنے دل سے معلوم کرتا ہے وہ اس سے بیدار آدمی کی طرح اذیت اٹھاتا ہے وہ آنکھ سے ان امور کو دیکھتا ہوتا ہے اور تم اُس کو ظاہر میں بالکل چپ چاپ پاتے ہو اس کے آس پاس نہ سانپ ہوتے ہیں نہ بچھو حالانکہ اُس کے حق میں بچھو موجود ہوتے ہیں اور اس کو تکلیف ہوا کرتی ہے لیکن تمہارے میں موجود نہیں ہوتے جب کاٹنے کا اثر تکلیف ہے تو برابر ہے کہ سانپ خیالی ہو یا نظر کے سامنے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ تم یہ جانتے ہو کہ خود سانپ تکلیف نہیں دیتا ہے بلکہ اُس کی زہر کی تکلیف سے تمہاری یہ حالت ہو جاتی ہے اور خود زہر بھی کوئی تکلیف کی چیز نہیں ہے بلکہ تم کو اس اثر کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے جو زہر سے تمہارے اندر پیدا ہوتا ہے تو اگر بغیر زہر کے بھی ایسا ہی اثر پیدا ہو جائے تو یقیناً اُس کی تکلیف بہت زیادہ ہوگی اور اُس کا اندازہ صرف اسی طرح ہو سکے گا کہ اس کو ایسے سبب کی طرف منسوب کریں جس سے عادۃً ایسے اثر پیدا کرتے ہیں۔

مثلاً اگر کسی شخص میں بغیر مباشرت صورۃ جماع کے جماع کی لذت پیدا ہو جائے تو اس کو اسی طرح بتا سکیں گے کہ اُس لذت کو مباشرت کی طرف منسوب کریں تا کہ اس نسبت کرنے سے تعریف یا نسبت ہو جائے اور سبب کا ثمرہ بدوں اس کے کہ صورت سبب کی موجود ہو حاصل ہو جائے اور کوئی سبب ہو وہ خود مطلوب نہیں ہوا کرتا بلکہ اپنے ثمرہ کی وجہ سے مطلوب ہوا کرتا ہے یہ تمام مہلک صفتیں موت کے وقت نفس میں ایذا رساں اور تکلیف دہ ہو جایا کرتی ہیں۔ اُن کی تکالیف سانپوں کے کاٹنے کی سی تکالیف ہوتی ہیں حالانکہ سانپ حقیقتاً نہیں ہوا کرتے۔

باب ۳

ملاءِ اعلیٰ کے ذکر میں

فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ عرش اور اُن چیزوں کو جو اُس کے آس پاس میں اٹھائے ہوئے ہیں اللہ کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے ہیں اُس پر یقین رکھتے ہیں مسلمانوں کے لیے مغفرت چاہتے ہیں کہ اے پروردگار تیری رحمت تیرا علم ہر چیز پر پھیلا ہوا ہے پس اُن لوگوں کی مغفرت کر جنہوں نے گناہوں سے توبہ کی۔ اور تیری کی اور دوزخ کے عذاب سے اُن کو نجات دے اور اے پروردگار اُن کو اور اُن کے باپ دادوں بیویوں اولاد میں سے اُن کو جو نیک ہوں جنتوں میں داخل کر جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے بے شک تو غالب حکمت والا ہے اور اُن کو برائیوں سے محفوظ رکھ اُس روز جس کو تو نے برائیوں سے محفوظ رکھا۔ بے شک اُس پر تو نے بڑا رحم کیا اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی حکم کو پورا کرنا چاہتا ہے تو فرشتے اللہ کے قول کی فرمانبرداری کے سبب سے اپنے پر مارتے ہیں اور اللہ کا قول ایسا ہوتا ہے جیسے کہ چکنے پتھر پر صفوان (ایسی آواز جس کا بجنا کانوں کو اولاً محسوس ہوتا ہے اور اس کو قرار نہیں ہوتا یہاں تک کہ بعد کو وہ سمجھ میں آ جاتی ہے) جب اُن کے دلوں پر سے خوف دُور ہو جاتا ہے تو باہم وہ کہتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا کہا وہ جواب دیتے ہیں حق بات کہی ہے وہ بڑا اور برتر ہے۔

اور ایک روایت میں ہے جب کسی حکم کو پورا کرتا ہے تو حاملینِ عرش فرشتے تسبیح کرتے ہیں ان کے بعد جو فرشتے آسمان پر ان کے قریب ہیں اللہ کی تسبیح کرتے ہیں شدہ شدہ وہ تسبیح کی خبر اُن فرشتوں تک پہنچتی ہے جو ورے آسمان پر ہیں' اُس کے بعد جو فرشتے حاملین عرش کے قریب ہوتے ہیں حاملین سے دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا کہا وہ اس مقولہ کی ان کو خبر دیتے ہیں۔ علیٰ ہذا ایک آسمان کے فرشتے دوسرے آسمان کے فرشتوں سے پوچھتے جاتے ہیں حتیٰ کہ اس اخیر آسمان کے رہنے والوں کو خبر پہنچ جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے شب کو اٹھ کر وضو کیا نماز پڑھی جتنی میرے لیے مقدر تھی نماز پڑھتے پڑھتے مجھ کو خواب آ گئی جب خواب خوب گراں ہوگئی تو میں نے ایک نہایت عمدہ صورت میں اپنے پروردگار کو پایا اُس نے فرمایا اے محمدؐ! میں نے کہا لبیک میرے پروردگار! فرمایا کہ ملاء اعلیٰ میں کس بات پر نزاع ہوتا ہے؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں ایسے ہی تین بار فرمایا اس کے بعد میں دیکھتا ہوں کہ اس نے اپنا ہاتھ میرے شانوں کے بیچ میں رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کی انگلیوں کی خنکی کا اثر اپنے دو پستانوں کے بیچ میں پایا۔ اس وقت سب چیزیں مجھ پر ظاہر ہوگئیں اور میں نے اس کا جواب بھی معلوم کر لیا' اُس نے فرمایا اے محمدؐ! میں نے عرض کیا لبیک میرے پروردگار! فرمایا کہ ملاء اعلیٰ میں کس بات پر نزاع ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا کفارات پر فرمایا کفارات کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا پیادہ پا نماز کی جماعتوں کے شوق میں چلنا نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھا رہنا۔ ناگوار حالتوں میں وضو کو پورا کرنا۔ پھر فرمایا اور کس چیز میں؟ میں نے عرض کیا درجات میں۔ فرمایا درجات کیا ہیں؟ میں نے کہا کھانا کھلانا نرم کلامی شب کی نماز کو اُس وقت میں کہ سب لوگ سو رہے ہوں ادا کرنا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ اپنے کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو جبریلؑ کو بلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اُس کو دوست رکھ۔ جبریلؑ بھی اس کو دوست رکھنے لگتے ہیں اور آسمان پر ندا کرتے ہیں کہ اللہ فلاں شخص کو دوست رکھتا ہے تم بھی اس سے محبت رکھو اس لیے آسمان والے سب اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین پر بھی وہ مقبول ہو جاتا ہے اور ایسے ہی جب کسی بندہ کو وہ برا جانتا ہے تو جبریلؑ کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص سے بغض رکھتا ہوں تو بھی اس سے بغض رکھ حضرت جبریلؑ بھی اس سے بغض کرنے لگتے ہیں اور آسمان پر ندا کرتے ہیں کہ فلاں شخص سے خدا بغض کرتا ہے تم بھی اُس سے بغض رکھو سب اُس سے بغض کرنے لگتے ہیں اور زمین پر اس سے بغض پھیل جاتا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تم میں سے کوئی اس جگہ رہتا ہے جہاں نماز پڑھی تھی فرشتے تم پر اُس وقت تک برابر درود بھیجتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں بار الہا اس پر رحمت کر اس کی مغفرت کر اس کی توبہ قبول کر **مالم یوذفیه مالم یحدث فیه.**

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی روز ایسا نہیں ہے جس میں بندے صبح کرتے ہیں مگر یہ کہ ہمیشہ دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اُن میں سے ایک یہ کہتا ہے بار خدایا فیاض کو عوض جلد عطا کر اور ممسک آدمی کا اجر کھو دے۔

جاننا چاہیے کہ شرع سے یہ ثابت ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے بزرگ فرشتے بھی ہیں جو بارگاہِ خداوندی میں مقرب ہیں جو شخص اپنے نفس کی اصلاح کرتا ہے اور اُس کو مہذب کر لیتا ہے لوگوں کی اصلاح میں کوشش کرتا رہتا ہے تو فرشتے ہمیشہ اس کے لیے دعا مانگتے ہیں۔ جس کے اثر سے ان لوگوں پر برکتیں نازل ہوتی ہیں۔

ایسے ہی جو اللہ کی نافرمانی کر کے فساد ڈالنے میں کوشش کرتا رہتا ہے اس پر فرشتے لعنت کرتے ہیں اُس لعنت کے اثر سے اس مفسد کے دل میں ندامت اور افسوس پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی لعنت کے اثر سے ملاءِ سافل کے دلوں پر اس کا الہام ہوتا ہے کہ اس بدکار سے تعلق نہ رکھیں اور دنیا میں یا بعد مرنے کے اُس کو برائی پہنچائیں اور فرشتوں کے لیے بہت سی خدمتیں مفوض ہیں اُن کی یہ بھی خدمت ہے کہ اللہ اور بندوں کے بیچ میں ایلچی ہوتے ہیں لوگوں کے دلوں میں نیک الہام ڈالتے رہتے ہیں یعنی کسی نہ کسی وجہ سے نیک خطرات لوگوں کے دلوں میں اُن سے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور جس طرح اللہ کو منظور ہوتا ہے اور جہاں منظور ہوتا ہے اللہ اُن کو جمع کرتا ہے اس اعتبار سے اُن کو رفیق اعلیٰ اور مجلس اعلیٰ اور ملاءِ اعلیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور آدمیوں سے بھی بعض جن کی روحیں بہت بزرگ ہیں فرشتوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور انہی میں مل جاتی ہیں جیسے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مطمئن روح تو اپنے پروردگار کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ اور میرے بندوں میں داخل ہو میری جنت میں آ جا۔

سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں نے جعفر ابن ابی طالب کو دیکھا کہ وہ فرشتہ کی صورت میں معہ دو پروں کے فرشتوں کے ساتھ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں۔ اور وہیں ملاءِ اعلیٰ میں احکام الٰہی کا نزول بھی ہوتا ہے اور جس امر کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: ''کہ اُس میں سب مضبوط کام جدا کیے جاتے ہیں''۔ وہ وہیں قرار پاتا ہے۔ اور کسی نہ کسی وجہ سے تمام شرائع کا تقرر بھی وہیں ہوتا ہے۔

اور جاننا چاہیے کہ ملاءِ اعلیٰ کی تین قسمیں ہیں ایک قسم ایسی ہے کہ اللہ نے یہ جان کر کہ نیکی کا انتظام ان پر موقوف ہے ایسے نورانی اجسام پیدا کیے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آگ کی مانند ہیں پھر اُن جسموں میں بزرگ رُوحیں پھونک دیں ایک قسم ایسی ہے کہ کبھی کبھی عناصر سے لطیف بخارات صعود کرتے ہیں۔ اور اُن سے ایسا مزاج پیدا ہو جاتا ہے جو اس کے قابل ہوتا ہے کہ اُن پر ایسے بلند نفوس کا فیضان کیا جائے جن میں بہیمی میل و چرک کے ترک کرنے کا بڑا ملکہ ہوتا ہے اور ایک قسم نفوس انسان میں سے ہوتی ہے جن کو ملاءِ اعلیٰ سے قرب ہو جاتا ہے وہ ہمیشہ نجات وہ اعمال کو عمل میں لاتے ہیں حتیٰ کہ اُن میں ہی شامل ہو جاتے ہیں۔ اپنے بدنوں کی چادریں اتار کر انہیں میں منسلک ہو جاتے ہیں۔ اور منجملہ ان کے شمار کیے جاتے ہیں اور ملاءِ اعلیٰ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ نہایت خوض و محویت سے وہ اپنے پروردگار کی طرف متوجہ رہتے ہیں کسی چیز کا میلان ان کو اس توجہ سے نہیں روک سکتا ہے اور یہی معنی ہیں اس قول خداوندی کے کہ وہ اپنے پروردگار کی حمد سے اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ پر یقین رکھتے ہیں۔

ان کے دلوں میں اپنے پروردگار کی طرف سے یہ ڈالا جاتا ہے کہ فلاں عمدہ انتظار پسندیدہ ہے اوراس کے مخالف ناپسندیدہ ہے اس کی وجہ سے جودالٰہی کا ظہور ہوتا ہے اور یہی مراد ہے اس خدا کے قول سے کہ وہ ایمان والوں کے لیے مغفرت کے خواستگار رہتے ہیں اور ملاء اعلیٰ میں جونہایت مرتبہ والے ہیں ان کے انوار کبھی یکجا جمع ہوجاتے ہیں اور ایک دوسرے میں اس رُوح کی صورت میں داخل ہوجاتے ہیں جس کا کہ آنحضرت ﷺ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس کی منہ اور زبانیں بکثرت ہوتی ہیں اُس وقت وہ سب مل ملا کر گویا ایک شئے ہوجاتے ہیں اور اُسی کا نام خطیرۃ القدس ہے۔ اور بارہا خطیرۃ القدس میں اس پر اتفاق کیا جاتا ہے کہ معاش اور معاد کے صدموں سے لوگوں کونجات دینے کا کوئی ذریعہ اس طرح قائم کرنا چاہیے کہ مخلوق الٰہی میں اس شخص کو جو اُس زمانہ میں نہایت ذکی النفس ہو مضبوط کرنا چاہیے اس کے حکم کو لوگوں میں جاری کرنا چاہیے اس اتفاق کا یہ اثر ہوتا ہے کہ منور لوگوں کے دل میں اس کا الہام کیا جاتا ہے کہ اس شخص کے اتباع پر کمربستہ ہوں اور ایسے گروہ بنیں جو لوگوں کی رہبری اور نفع رسانی کے لیے باہر نکلیں۔

اسی اتفاق کے اثر سے ایسے ایسے علوم لوگوں کے دلوں میں منقش ہوتے ہیں جن میں اقوام کی درستی اور سراسر اُن کی ہدایت ہوتی ہے۔ یہ الہام کبھی بذریعہ وحی ہوتا ہے کبھی خواب میں کبھی ہاتف غیب کے ذریعہ سے اُس کی ذکی النفس کے سامنے وہ خطیرۃ القدس والے فرشتے کبھی کبھی سامنے ظاہر ہوکر گفتگو بھی کرتے ہیں۔ اتفاق اس شخص کے احباب کی امداد کا باعث ہوتا ہے۔ ہر ایک ناکامی سے اُن کو قریب کردیتا ہے اور اللہ کے راستہ سے روکنے والوں پر لعنت ہوتی ہے۔ ہر قسم کے رنج و تکلیف میں وہ گرفتار کیے جاتے ہیں۔ یہی نبوت کے لیے اصل الاصول ہے۔

جب دائمی طور پر ان کا اتفاق ہوتا ہے تو تائید روح القدس اس کو کہتے ہیں یہ تائید ایسی ایسی برکتوں کا ثمرہ ہوتی ہے کہ عادۃً ویسی برکتیں ظہور میں نہیں آتیں۔ اسی کا نام معجزات ہے۔ اور ان ملاءِ اعلیٰ سے کم درجہ کے نفوس اور بھی ہوتے ہیں جن کے فیضان سے لطیف بخارات میں ایک ایسا معتدل مزاج پیدا ہوجاتا ہے کہ جو سعادت میں ملاءِ اعلیٰ تک نہیں پہنچتا ہے تاہم ان میں سے اتنی کمالیت ہوتی ہے کہ وہ فراغ کی حالت میں اس انتظار میں رہتے ہیں کہ اُوپر سے ان پر کیا مترشح ہوتا ہے جب ہی کہ قابل کی استعداد اور فاعل کی تاثیر کے اندازہ کے موافق کوئی بوچھار ان پر پڑتی ہے وہ اُن فوقانی امور کی طرف ایسی ہی آمادگی ظاہر کرتے ہیں جیسے کہ پرند اور چارپائے طبعی اسباب کی تحریک سے آمادگی ظاہر کرتے ہیں۔ وہ اس حالت میں اپنے تمام نفسانی امور سے علیحدہ اور فوقانی الہام میں ثابت اور قائم رہتے ہیں۔ لوگوں اور بہائم کے دلوں پر ان کا اثر ہوتا ہے ان کے ارادے اور نفسانی باتیں انہیں امور کی طرف پھر جاتے ہیں جو مقصود کے مناسب ہوں۔ بعض بعض اشیاء میں ان کا یہ اثر ہوتا ہے ان کی طبعی حرکات کو چند در چند کردیتے ہیں یا اُن میں تبدیلیاں پیدا کردیتے ہیں۔ جیسے کہ کوئی پتھر لڑکایا جائے تو اس وقت اُس پر فرشتہ اپنا اثر ڈالتا ہے اور زمین پر مافوق العادۃ وہ لڑھکتا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ صیاد نہر میں دام پھینکتا ہے اور فرشتوں کی فوجیں ایک مچھلی کے دل میں الہام کرتی ہیں کہ دریا کے اندر گھس جا اور دوسرے سے بھاگ جانے کا ایک کو رسی پکڑ لینے ایک کو رسی چھوڑ دینے کا۔ مچھلی کچھ نہیں جانتی کہ میں یہ کیا کرتی ہوں لیکن صرف الہام کی تابع رہتی ہے اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو فریق لڑتے ہوتے ہیں اس وقت فرشتے آکر ایک فریق کے دل میں گفتگو سے حسب مقام خیالات سے شجاعت کی خوبی پیدا کردیتے ہیں غلبہ کے ذریعوں کا الہام کرتے ہیں۔ تیراندازی وغیرہ میں اُن کی مدد کرتے ہیں اور

مخالفین میں ان امور کے خلاف کو پسندیدہ بنا دیتے ہیں۔ یہ تدبیر اس لیے ہوتی ہے کہ جس امر کا ہونا مقدر ہے وہ طے ہو جائے۔

کبھی اُن کے دل پر اس کا ترشح ہوتا ہے کہ کسی نفس کو آرام پہنچایا جائے' کسی کو تکلیف دی جائے اس میں وہ نہایت سرگرمی کرتے ہیں اور ہر ایک طریقہ سے اس کو پورا کرتے ہیں۔ اور ان ملاءِ اعلیٰ کے مقابلہ میں اور قسم کے وجود ہیں جن میں ہلکا پن بے چینی ہوتی ہے ایسی فکریں ان سے سرزد ہوتی ہیں جو نیکی کے بالکل خلاف ہوتی ہیں۔ وہ تاریک بخارات کے سڑ جانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ شاطین ہیں جن کی کوششیں ہمیشہ فرشتوں کی کوششوں کے خلاف ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم

باب ۴

اللہ کے اس طریقہ کے بیان میں جس کا اس قول الٰہی میں بیان ہوا ہے

﴿ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ﴾ ''اللہ کے طریقہ میں تو کوئی تبدیلی نہ پائے گا''

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض افعال اُن قوتوں کے ہونے پر کسی نہ کسی طریقہ سے مرتب ہوتے ہیں۔ جو کہ اس عالم میں ودیعت رکھی گئی ہیں۔ نقل اور عقل دونوں سے اس کی شہادت ملتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مشت خاک سے جس کو تمام زمین سے لیا تھا پیدا کیا۔ اس لئے آدمی اسی اندازہ زمین کی وجہ سے بعض سرخ رنگ بعض سفید رنگ بعض سیاہ رنگ اور ان رنگوں کے درمیان اور بعض نرم طبع بعض سنگدل بعض ناپاک سیرت بعض پاکیزہ نفس پیدا ہوتے ہیں۔

اور حضرت عبداللہ بن سلام نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ بچہ کو باپ یا ماں سے مشابہ ہونے کا کیا سبب ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ مرد کا پانی جب عورت کے پانی سے پہلے سبقت کرتا ہے تو وہ مرد کے شبیہ ہو جاتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی سے پہلے پہنچ جاتا ہے وہ عورت کے شبیہ ہو جاتا ہے۔

میں کسی کو نہیں دیکھتا کہ اس میں شبہ کرے کہ مر جانے کو تلوار مارنے یا زہر کھا لینے کی طرف منسوب کیا کرتے ہیں اور رحم میں بچہ کی پیدائش منی گرنے کے بعد ہوا کرتی ہے دانوں اور درختوں کی پیدائش تخم ریزی درخت لگانے آب رسانی کے بعد ہوا کرتی ہے۔

اسی استطاعت اور قدرت کی وجہ سے آدمی مکلف بنایا گیا ہے' مامور کیا گیا ہے اور برائیوں سے بچایا گیا ہے اپنے اعمال پر جزا سزا دیا جاتا ہے۔

یہ قوتیں جن پر خدا کے افعال جاری ہوتے ہیں مختلف قسم کی ہیں بعض ان میں سے عناصر کی خاصیتیں اور طبیعتیں ہیں اور بعض ان میں سے وہ احکام ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ہر ایک صورت نوعیہ کی فطرت میں ودیعت رکھا ہے بعض ان میں سے عالم مثال اور اس وجود کے حالات ہیں جن کا تقرر زمین میں آنے سے پہلے ہو چکتا ہے اور بعض ان میں سے ملاءِ اعلیٰ کی دعائیں یا بددعائیں ہیں۔ جن

کو وہ ان لوگوں کے لیے نہایت کوشش واہتمام سے مانگتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے نفس کو مہذب بنایا ہے اور اپنی قوتوں کی اصلاح میں بڑی کوشش کی ہے اور ان کے مخالفین پر ہوا کرتی ہیں۔

اور منجملہ ان کے احکام شریعت ہیں جو لوگوں پر مقرر کی گئی ہیں بعض امور واجب کیے گئے ہیں اور بعض حرام یہ احکام بھی بجا آوری کرنے کے لیے موجب ثواب ہیں اور نافرمانی کرنے والے کے لیے باعثِ عذاب اور ان میں سے ایک یہ امر بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کسی شئے کو مقرر کرتا ہے تو عادتِ الٰہی کے موافق یہ شئے دوسری چیز کو لازم ہوا کرتی ہے تو اس شئے کا اثر اس دوسری شئے تک پہنچتا ہے اس لیے کہ اس انتظام لزوم کا درہم برہم کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب خدا کسی بندہ کے لیے کسی جگہ مرنا مقدر کرتا ہے تو وہاں پہنچنے کی اس کے لیے کوئی نہ کوئی ضرورت پیدا کر دیتا ہے۔ یہ سب امور ایسے ہیں کہ اخبار سے معلوم ہوئے ہیں اور عقل کی ضرورت نے ان کو ضروری قرار دیا ہے۔

اور جاننا چاہیے کہ جب ایسے اسباب مختلف طور پر جمع ہوں جن پر کہ عادۂ حکم الٰہی مرتب ہوا کرتا ہے اور ان اسباب کے آثار تما مہا جمع نہ ہوں تو اس وقت مقتضائے حکمت یہ ہے کہ ایسے امر کا لحاظ کریں جو خیر محض سے زیادہ ملتا ہوا ہو۔ اسی کا نام اس قول رسالت میں میزان رکھا گیا ہے کہ خدا کے ہاتھ میں میزان ہے وہ کبھی اس کا پلہ اٹھا دیتا ہے کبھی جھکا دیتا ہے اور اللہ کے قول میں شان کے لفظ سے بھی مراد ہے کہ اللہ ہر روز ایک خاص شان میں ہوتا ہے۔ اور ترجیح کے وجوہ مختلف ہوتے ہیں کبھی اسباب کے لحاظ سے ہوا کرتی ہے کہ سب سببوں میں کون سا سبب زیادہ قوی ہے کبھی ان اثروں کے لحاظ سے ہوتی ہیں جو ان اسباب پر مرتب ہوا کرتی ہیں کہ ان سب میں زیادہ نفع کے قابل کون ہے؟ اور کبھی باب تدبیر پر باب خلق کے مقدم ہونے سے ہوتی ہے اور ایسے ہی ایسے وجوہ اور ہوا کرتے ہیں۔

بہر حال اگر چہ ہمارا علم یہ معلوم کرنے کے لیے کافی نہیں ہے کہ ہم سب اسباب کو احاطہ کرسکیں اور جب اسباب میں تعارض ہو تو یہ معلوم کرسکیں کہ ان میں سے زیادہ قابل استحقاق کون سا ہے لیکن تاہم یہ ہم کو قطعاً معلوم ہوا ہے کہ جو چیز موجود ہوتی ہے وہ موجود ہونے ہی کے لائق ہوتی ہے جو شخص ہمارے مذکورہ بالا تقریر کو پختگی سے سمجھ لے گا۔ وہ اکثر اشکالات کے الجھن سے نکل جائے گا۔

باقی رہیں وہ تاثیریں جو ستاروں کی ہیئتوں کے متعلق ہیں ان میں سے بعض تو ضروری ہیں جیسے گرمی وسردی کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا دن کا گھٹنا بڑھنا آفتاب کی حرکتوں کے اختلاف سے اور جیسے چاند کی حالتوں کی تبدیلی سے دریا میں جذر و مد کا ہونا۔

حدیث میں وارد ہے کہ جب ثریا طلوع کرے گا آفات برپا ہو جائیں گی یعنی بلحاظ عادت کے لیکن فقیری تونگری خشک سالی سرسبزی اور تمام انسانی حادثوں کا ستاروں کے حرکات سے پیدا ہونے کا ثبوت شرع سے کچھ نہیں ہے آنحضرت ﷺ نے ان امور میں خوض کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور فرمایا کہ جس نے نجوم کا کوئی حصہ سیکھا تو گویا اُس نے جادو کا حصہ سیکھا اور اُس عرب کے قول سے کہ ہم پر فلاں ستارہ سے بارش ہوئی آپؐ نے بہت تشدد فرمایا ہے میں کہتا ہوں کہ شریعت نے اس کی تصریح کی ہے کہ خدا نے ایسی تاثیریں اور خاصیتیں پیدا نہیں کی ہیں۔ جن سے اس عالم میں ہوا وغیرہ کے ذریعہ سے جو لوگوں کو گھیرے ہوئے ہے حوادث پیدا ہوں۔

تم کو خوب معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کہانت سے منع فرمایا ہے جس میں جنوں کی جانب سے خبر دی جاتی ہے اور فرمایا

ہے کہ جو کاہن کے پاس جا کر اس کو سچا جانے اس سے میں علیحدہ ہوں آپؐ سے کاہنوں کا حال دریافت کیا گیا تو خبر دی کہ فرشتے جو ہوا میں اتر کر ان امور کا ذکر کرتے ہیں۔ جن کا آسمان پر فیصلہ ہو چکتا ہے تو شیاطین اس میں سے کچھ چوری کر لیتے ہیں اور کاہنوں کو بتا دیتے ہیں وہ اس میں اور سو جھوٹی باتیں ملا دیا کرتے ہیں۔

اللہ فرماتا ہے اے ایمان والو! کافروں کی طرح سے مت ہو جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں۔ جب وہ سفر کرتے ہیں اور لڑتے ہوتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو کاہے کو مرتے یا قتل کیے جاتے۔

اور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا عمل کسی کو جنت میں داخل نہ کرے گا اور آپؐ نے فرمایا کہ تو رفیق ہے اور خدا طبیب ہے بہر حال منع فرمانا بہت سی مصلحتوں پر موقوف ہے۔ واللہ اعلم

باب ۵

رُوح کی حقیقت کے بیان میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾

''تجھ سے روح کا حال پوچھتے ہیں (یہودی) تو کہہ روح میرے پروردگار کے عالم امر کی چیز ہے اور تم کو صرف تھوڑا علم دیا گیا ہے''۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے اعمش نے وَمَا اُوْتُوْا مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا پڑھا ہے۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہودیوں سے خطاب ہے جنہوں نے روح کا حال دریافت کیا تھا۔ اس آیت میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ امت مرحومہ میں سے روح کا حال کوئی جانتا ہی نہیں ہے جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے اور یہ بھی ضرور نہیں ہے کہ شرع نے جس چیز کا کوئی حکم بیان نہ کیا ہو وہ معلوم ہی نہ ہو سکے بلکہ شرع میں اکثر اس وجہ سے سکوت کیا جاتا ہے کہ اشکال کی وجہ سے عام لوگ اس کے برتاؤ کے قابل نہیں ہوا کرتے اگرچہ بعض بعض اس کو سمجھ سکتے ہوں۔

جاننا چاہیے کہ رُوح کے متعلق اوّلاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیوان میں زندگی کا باعث ہوا کرتی ہے۔ جب حیوان میں روح ڈال دی جاتی ہے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے اور جب نکال لی جاتی ہے تو وہ مر جایا کرتا ہے۔

اس کے بعد غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں ایک لطیف بھاپ ہے جو اخلاط کے خلاصہ سے پیدا ہوتی ہے۔ حس کرنے کی حرکت کرنے کی اس میں وہ سب قوتیں ہوتی ہیں جو تدابیر غذا کے متعلق ہیں۔ طب کے احکام کو اس بھاپ سے بڑا تعلق ہے۔

تجربے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بھاپ کے رقیق ہونے کا اور غلیظ ہونے کا صاف اور مکدر ہونے کا بدنی قوتوں پر اور ان افعال پر جو ان قوتوں سے پیدا ہوتے ہیں بڑا اثر پڑتا ہے اگر اس عضو پر یا اس بھاپ کے پیدا ہونے پر جس کو عضو ہی سے تعلق ہے کوئی

آفت پہنچتی ہے تو وہ بھاپ بگڑ جاتی ہے اس کے کام مختل اور پریشان ہو جاتے ہیں اس بھاپ کی موجودگی سے زندگی باقی رہتی ہے اور اس کے تحلیل ہو جانے سے موت ہو جاتی ہے۔

بادی النظر میں روح اسی کا نام ہے لیکن غور رس نظر میں یہ روح کا ادنیٰ طبقہ ہے بدن میں اس کی ایسی مثال ہے جیسی گلاب میں پانی اور کوئلہ میں آگ۔

پھر جب زیادہ غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ رُوح' روح حقیقی کا مرکب ہے۔ اور روح حقیقی کے بدن سے متعلق ہونے کا مادہ ہے۔ اس لیے کہ ہم بچہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہوتا ہے بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کے بدنی اخلاط میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور جو روح ان اخلاط سے پیدا ہوتی ہے وہ ہزار درجہ پہلے کی نسبت زیادہ ہوتی ہے کسی حالت میں وہ لڑکا صغیر سن ہوتا ہے پھر وہ بڑا ہو جاتا ہے کبھی اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے کبھی گورا ہوتا ہے کبھی وہ جاہل ہوتا ہے پھر عالم ہو جاتا ہے اور ان کے علاوہ اس کے اکثر اوصاف میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے لیکن اس کے وجود میں کوئی تغیر نہیں ہوتا وہ وہی رہتا ہے جو پہلے تھا۔

اور اگر ان اوصاف کے تبدل اور عدم تبدل میں مناقشہ کیا جائے تو ہم ان تغیرات کو فرضی طور پر تسلیم کرتے ہیں تو اس وقت میں بھی لڑکا وہی رہے گا جو کہ پہلے تھا یا ہم یہ کہیں گے کہ ہم ان اوصاف کو اپنے حال پر باقی رہنے کا یقین نہیں کرتے اور لڑکے کا بعینہٖ باقی رہنے کا یقین کرتے ہیں اس لیے لڑکے کی ذات انؐ اوصاف کے خلاف ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ وہ چیز جس کی وجہ سے وہ لڑکا بعینہٖ وہی لڑکا باقی رہا یہ رُوح بخاری نہیں ہو سکتی اور نہ بدن اور وہ چیزیں ہو سکتی ہیں جو کہ اس کے شخص ہونے کی باعث ہیں' اور ظاہر نظر میں دیکھی جاتی ہیں بلکہ حقیقی روح ایک جداگانہ چیز ہے وہ ایک نورانی نقطہ ہے ان تمام متغیرات سے جن میں سے بعض جوہر ہیں بعض عرض اس کا ڈھنگ نرالا ہے وہ بچہ ہونے کی حالت میں بھی ویسی ہے جیسی بڑے ہونے کی حالت میں۔ جیسے کہ وہ سہ رنگی کی حالت میں ہے ایسے ہی سپیدی کی حالت میں ہے۔ ایسے ہی وہ تمام اضداد کی حالت یکساں ہے اس کو ابتداء روح ہوائی سے تعلق ہے اور ثانیاً بدن سے اس لیے کہ بدن روح ہوائی سے مرکب ہے وہ عالم قدس کا ایک روزن ہے جب روح ہوائی میں قابلیت اور استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو اس روح سماوی کا اس پر نزول ہوتا ہے۔

جن امور میں کہ تغیر پیدا ہوتا ہے وہ زمین کی مختلف استعدادوں کی وجہ سے ہے جیسے کہ دھوپ کپڑے کو سفید کر دیتی ہے اور دھوبی کو سیاہ اور ہم کو وجدان صحیح سے معلوم ہو گیا ہے کہ موت روح حیوانی کا بدن سے جدا ہونے کا نام ہے جس وقت کہ بدن میں رُوح ہوائی پیدا کرنے کی قوت نہیں رہتی۔ روح ہوائی سے روح قدسی کے جدا ہونے کا نام نہیں ہے جب مضعف امراض سے روح ہوائی تحلیل ہو جاتی ہے تو یہ حکمت الٰہی کا مقتضا ہے کہ روح ہوائی اس قدر باقی رہ جائے کہ روح الٰہی کا اس سے تعلق رہ سکے جیسے کہ تم شیشہ سے ہوا کہ چوس لیتے ہو تو حتی الامکان اس میں تخلخل پیدا ہو جاتا ہے پھر تم اس کے بعد ہوا کو نکال نہیں سکتے۔ یہاں تک کہ اخیر میں شیشہ ٹوٹ جاتا ہے یہ صرف اس راز کی وجہ سے ہے جو خدا نے ہوا کی طبیعت اور سرشت میں رکھا ہے ایسے ہی روح ہوائی ایک راز اور اندازہ ہے کہ اس سے تجاوز نہیں ہو سکتا۔

مرنے کے بعد روح ہوائی کو از سر نو زندگی ہوتی ہے اور روح الٰہی کے فیضان سے ان امور میں جو حس مشترک کے ذریعہ سے

اس میں باقی رہ گئے تھے ایک طاقت جدید پیدا ہوتی ہے اور عالم مثال ''یعنی اس قوت کے ذریعہ سے جو کہ مجرد اور محسوس کے مابین ہے اور افلاک میں پھیلی ہوئی ہے'' کی امداد سے وہ روح ہوائی ایک نورانی یا تاریک لباس پہن لیتی ہے اور اس طرح پر عالم برزخ کے عجائبات نمودار ہو جاتے ہیں پھر جب صورتوں میں روح ڈالی جائے گی ویسا ہی فیضان پھر ہو گا جیسے کہ ابتداء عالم میں ہوا تھا اور روحیں بدنوں میں ڈالی گئی تھیں اور عالم موالید کی بنیاد قائم کی گئی تھی تو اس وقت روح الٰہی کے فیضان سے روح ایک جسمانی لباس یا ایسا لباس جو عالم مثال اور جسم کے بین بین ہو گا پھر پہن لے گی۔ اور جو کچھ صادق مصدوق علیہ افضل الصلوات وایمن التحیات نے خبریں بیان کی ہیں سب کا حصول ہو گا اور جو کہ روح ہوائی ایک متوسط شئے روح الٰہی اور بدن آدمی کے بیچ میں ہے اس واسطے ضرور ہے کہ اس کا رُخ اس طرف بھی ہو اور اس طرف بھی اور جو اس کا رُخ عالم قدس کی جانب مائل ہے اس کا نام ملکی حالت ہے اور جو زمین کی جانب ہے اس کا نام بہیمیت ہے مناسب ہے کہ روح کی حقیقت کے متعلق انہی مقدمات پر اکتفا کیا جائے تا کہ اس علم میں اس کی تسلیم کے بعد تفریعات کی جائیں اور اس علم سے ایک زیادہ بلند مرتبہ علم میں اس کے چہرہ سے پردہ اٹھایا جائے۔ واللہ اعلم

باب ۶

سر التکلیف

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَ يَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾

''ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا انہوں نے اس کی برداشت کرنے سے انکار کیا اور اس سے خوف زدہ ہو گئے اور آدمی نے اس امانت کو برداشت کر لیا بے شک آدمی بڑا ظالم اور نادان ہے تا کہ خدا منافقوں اور منافق عورتوں کو اور مشرکوں کو اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے اور مسلمانوں اور مسلمان عورتوں کی توبہ قبول کرے خدا بخشنے والا اور مہربان ہے''۔

غزالی اور بیضاوی نے تنبیہ کی ہے کہ امانت سے مراد مکلف ہونے کی ذمہ داری ہے اس طرح پر کہ اطاعت اور نافرمانی احکام سے ثواب یا عذاب کا استحقاق ہو سکے اور آسمانوں اور زمین پر ان کے پیش کرنے کے یہ معنے ہیں کہ ان کی استعدادوں کا اندازہ کیا گیا کہ ایسے کاموں کے کرنے یا نہ کرنے کا مادہ ان میں ہے یا نہیں ہے اور ان کے انکار کرنے سے یہ غرض ہے کہ ان کی طبیعت میں اس کام کی لیاقت اور استعداد نہ تھی اور یہ جو فرمایا کہ آدمی نے اس امانت کو برداشت کر لیا اس سے مراد ہے کہ اس میں ان امور کے انجام کی ذاتی صلاحیت تھی۔ میں کہتا ہوں اس معنی کے لحاظ سے ﴿ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴾ گویا حکم سابق کی علت ہے

اس لیے کہ ظالم اسی کو کہتے ہیں کہ جس میں انصاف وعدل کرنے کی قابلیت ہو لیکن پھر بھی انصاف نہ کرے اور جہول اس کو کہتے ہیں کہ باوجود قابلیت کے ناواقف ہو اور علاوہ آدمی کے بعض چیزیں عالم اور عادل ہیں کہ ظلم اور جہل کا ان تک گزر نہیں ہے جیسے کہ فرشتے اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ نہ وہ عالم اور عادت ہیں اور نہ ان میں علم اور عدل کا مادہ ہے جیسے چہار پائے۔ مکلّف ہونے کے قابل وہی چیز ہو سکتی ہے جس کا کمال بالقوۃ ہو نہ بالفعل۔

اور لیعذب میں لام بمعنی عاقبت ہے یعنی اسی امانت کے متحمل ہونے کا انجام عذاب کرنا اور آرام دینا ہے اور حقیقۃ الامر کا پورا انکشاف فرشتوں کی حالت اور ان کے تجرد کے خیال کرنے سے ہوتا ہے ان کی حالت میں نہ وہ کیفیت مزاحمت کرتی ہے جو قوت بہیمیہ کی تفریط سے پیدا ہوتی ہے جیسے گرسنگی' پیاس' خوف' رنج اور نہ وہ جو اس قوت کے افراط سے پیدا ہوتی ہے جیسے مجامعت کی حرص' غصہ' تکبر' نہ ان کو تغذیہ' تمیہ کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ ہمیشہ وہ اس انتظار میں محو رہتے ہیں۔ کہ عالم بالا سے ان پر کیا وارد ہوتا ہے جب ہی کہ ان پر عالم بالا سے کوئی حکم مترشح ہوتا ہے خواہ وہ کسی انتظام مطلوب کا قائم کرنا ہو یا کسی چیز سے خوشنودی یا کسی سے ناگواری تو ان کے قویٰ اس سے لبریز ہو جاتے ہیں۔ ہمہ تن وہ اس کی اطاعت کرتے ہیں جو اس کا مقتضا ہوتا ہے اس کے لیے وہ آمادہ ہو جاتے ہیں۔ وہ ان امور کے اہتمام میں اپنے نفسانی ارادوں سے بے خود ہوتے ہیں اور عالم بالا کی مراد پر ثابت رہتے ہیں۔

اس کے بعد بہائم کی حالت کو خیال کرو کہ وہ رزیل ہیئتوں سے بلوث رہتے ہیں اپنی طبعی خواہشوں پر شیفتہ ہوتے ہیں انہی میں محو رہتے ہیں جب ان میں کوئی آمادگی ہوگی وہ ایسی ہی کوئی بہیمی آمادگی ہوگی جس کا مآل کوئی بدنی نفع ہوگا یا طبیعت کے موافق کسی چیز کا دفع کرنا۔

ان دونوں کے بعد معلوم کرنا چاہیے کہ خداتعالیٰ نے اپنی روشن حکمت کی وجہ سے آدمی میں دو قوتیں عطا کی ہیں ایک ملکی روح طبعی پر جو تمام بدن میں منتشر ہے جب روح انسانی کا فیضان ہوتا ہے تو یہ قوت پیدا ہوتی ہے روح طبعی اس فیضان کو قبول کر کے مغلوب ہو جاتی ہے۔ دوسری قوت بہیمی ہے جو کہ نفس حیوانی میں پیدا ہوتی ہے جو تمام حیوانوں میں یکساں پائی جاتی ہے۔

جو قوتیں کہ روح طبعی میں قائم ہیں وہ اس روح حیوانی میں منقش ہوتی ہیں روح طبعی خود مستقل طاقت رکھتی ہے اور روح انسانی اس کے احکام کو قبول کر لیتی ہے۔

اس کے بعد یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ دونوں قوتوں میں باہم مزاحمت ہے اور ہر ایک کی کشش مختلف ہے ملکی طاقت بلندی کی طرف کشش کرتی ہے اور بہیمی پستی کی طرف۔ جب بہیمی کا ظہور ہوتا ہے اور اس کی اثر پر زور ہو جاتے ہیں تو ملکی کے جذبات مخفی ہو جاتے ہیں اور ایسے ہی اس کے خلاف میں ہوتا ہے اور پروردگار جل شانہٗ کو انتظام عالم کے ساتھ توجہ خاص ہے ہر چیز کی استعداد ذاتی اور کسبی جس قسم کی درخواست کرتی ہے اسی کا خداوند کریم افاضہ فرماتا ہے جب کوئی بہیمی جذبات کو کسب کرتا ہے تو ویسے ہی اس کی مدد پہنچتی ہے اور جو امور اس کے مناسب ہوتے ہیں وہ ہی اسی کے لیے آسان ہو جاتے ہیں اور اگر ملکی جذبات کو کسب کرتا ہے تب بھی اسی قسم کی امداد اس کو پہنچتی ہے اور اسی کے موافق امور اس کے لیے آسان ہو جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی وَ اَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی

وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى﴾
''جو کوئی کچھ دے گا اور پرہیزگار بنے گا اور نیکی کی تصدیق کرے گا تو ہم سہولت کو اس کے لیے آسان کر دیں گے اور جو کوئی بخیلی کرے گا اور بے پرواہ ہو جائے گا اور نیکی کی تکذیب کرے گا' ہم دشواری کو اس کے لیے آسان کر دیں گے''۔

اور فرمایا: ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾ اور سب کو ہم مدد دیتے ہیں اور تیرے رب کی بخشش رو کی نہیں گئی ہے۔ ہر ایک قوۃ کے لیے جدا جدا تکلیف اور لذت ہے۔ لذت اپنی مناسب کیفیت کو ادراک کرنا ہے اور تکلیف اپنی حالت کے ناموافق کیفیت کا ادراک کرنا ہے آدمی کی حالت کو اس شخص کی حالت سے عجب مشابہت ہے جس نے کسی مخدر چیز کا استعمال کیا ہو وہ اس وقت میں آگ کی سوزش کا کچھ اثر اپنے اندر نہیں پاتا ہے یہاں تک کہ جب خدر کا اثر کم ہو جاتا ہے' اور مقتضائے طبیعت کی طرف وہ رجوع کرتا ہے تب کس شدت کی تکلیف اسے معلوم ہوتی ہے یا اس کو گلاب کی حالت کے مشابہ سمجھنا چاہیے اطبا نے بیان کیا ہے کہ گلاب میں تین قوتیں ہیں۔ ❶ قوت زمینی جو رگڑنے یا لیپ کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ ❷ مائی قوت جو کہ نچوڑنے یا پینے کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ ❸ ہوائی قوت جو کہ سونگھنے کی حالت میں ظاہر ہوتی ہے۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ آدمی کو مکلف کرنا اس کی نوع کا مقتضا ہے یقیناً آدمی اپنی زبان استعداد سے اپنے پروردگار سے خواستگار رہتا ہے کہ ان امور کو جو ملکیت کے مناسب ہوں اس پر واجب کر دے اور ان پر اس کو ثابت قدم رکھے اور بہیمی امور میں منہمک ہونے کو اس پر حرام کر دے اور اس پر ان کے ارتکاب سے دار و گیر کرے۔ واللہ اعلم

باب ۷

تکلیف کا تقدیر سے نکلنا

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں ایسی نشانیاں ہیں کہ اُن میں غور کرنے والا یہ معلوم کر سکتا ہے کہ اللہ نے جو اپنے بندوں کو شریعتوں کا مکلف کیا ہے تو اس کی اللہ کے پاس زبردست دلیل ہے درختوں اور ان کے پتوں اور شگوفوں اور پھلوں کو دیکھو اور جو جو کیفیتیں ان میں نظر آتی ہیں یا چکھ کر معلوم ہوتی ہیں وعلیٰ ہذا ان میں غور کرو کہ اللہ نے ہر ایک قسم کے لیے' پتے ایک خاص شکل کے اور شگوفے خاص رنگ کے اور خاص خاص مزہ کے پھل پیدا کیے ہیں جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ فلانے قسم کا ایک فرد ہے اور یہ سب امور صورت نوعیہ کے تابع ہوا کرتے ہیں اسی کے ساتھ لپٹے رہتے ہیں جیسا صورت نوعیہ کا ظہور ہوتا ہے ویسا ہی ان کا ظہور ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ یہ مادہ خرما کا ہونا چاہیے اس تفصیلی فرمان کے ساتھ لپٹا ہوا ہے کہ اس کا پھل ایسا ہو اور اس کا شگوفہ ایسا ہو۔ اور ہر ایک قسم کی خاصیتوں میں سے بعض تو ظاہر ہوتی ہیں ہر ایک عقلمند اس کو سمجھ سکتا ہے اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کو وہی شخص معلوم کر سکتا ہے جو زیرک اور فطین ہو۔

جیسے کہ یاقوت کی تاثیر ہے کہ وہ یاقوت رکھنے والے کے دل میں مادہ فرحت اور شجاعت پیدا کرتا ہے۔ اور نیز بعض خاصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جو کسی قسم کے ہر ہر فرد میں ہوتی ہیں اور بعض ایسی ہوتی ہیں کہ استعداد مادہ کے موافق صرف بعض افراد میں پائی جاتی

ہیں اور اسی قسم کے اور افراد میں نہیں ہوتیں مثلاً ہلیلہ کہ جو شخص اس کو اپنے ہاتھ میں تھامے رہے اس کے لیے دست آور ہے۔

اب تم کو یہ کہنے کا موقعہ نہیں ہے کہ خرما کا پھل اس صفت کا کیوں ہوتا ہے اس لیے کہ یہ سوال بے معنی ہے لوازم ذاتی کے ثابت ہونے کے لیے دلیل کی حاجت نہیں ہوا کرتی۔

اس کے بعد حیوانات کی ہر ایک قسم کو دیکھو ہر ایک کی شکل وصورت جدا جدا ہے جیسے کہ تم درختوں کی صورتیں جدا جدا پاتے ہو اور حیوانات میں ان اختلافات کے ساتھ مختارانہ حرکتیں اور ذاتی الہامات اور طبعی تدابیر بھی ہیں جن کی وجہ سے ہر ایک قسم دوسری سے بالکل ممتاز ہے۔ مثلاً چار پائے گھاس کو چرتے ہیں جگال کرتے ہیں اور گھوڑے گدھے خچر گھاس تو چرتے ہیں مگر جگال نہیں کرتے۔ درندے گوشت خور ہیں پرند ہوا میں اڑتے پھرتے ہیں مچھلیاں پانی میں تیرتی ہیں اور حیوانات میں ہر قسم کی آواز جدا جدا ہے ہر ایک کے لیے مجامعت کا طریقہ علیحدہ ہے اپنے بچوں کے پالنے کا طریقہ جو ایک کا ہے وہ دوسرے کا نہیں ہے جس کا بیان طول طویل ہے۔

ہر ایک قسم کے لیے اسی قسم کا الہام کیا گیا ہے جو اس کی طبیعت اور مزاج کے مناسب تھا اور جن سے اس نوع کی تکمیل اور درستی ممکن تھی اور یہ الہامات سب کے سب ان کے پروردگار کی جانب سے ان کی صورتِ نوعیہ کے روزن سے مترشح ہوتے ہیں اور ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ شگوفوں کے خطوط اور پھلوں کے مزے جو صورتِ نوعیہ کے اثر سے متعلق ہوتے ہیں۔

اور نوعی احکام بعض ہر ہر فرد بشر میں موجود ہوتے ہیں اور بعض مادہ کی قابلیت اور اسباب کے اتفاق سے صرف بعض افراد ہی میں ہوتے ہیں اگرچہ اصلی استعداد سب میں ہوا کرتی ہے۔ مثلاً شہد کی مکھیوں میں یعسوب اور جیسے طوطا کہ تعلیم اور مشاقی کے بعد لوگوں کی آوازوں کو بخوبی نقل کر لیتا ہے۔

ان امور کے بعد انسان کی نوع میں غور کرو جو امور کہ درختوں میں پاؤ گے انسان میں بھی پاؤ گے اور ان کے علاوہ حیوانی اقسام میں جو اوصاف ہیں وہ بھی اس میں ہیں مثلاً کھانسنا' خمیازہ' ڈکار' فضلات کا دفع کرنا' آغاز پیدائش میں دودھ پستان سے چوسنا اور ان کے علاوہ اور بہت سی ایسی خاصیتیں بھی ہیں جن کی وجہ سے وہ تمام حیوانات سے ممتاز ہے مثلاً گفتگو کرنا دوسرے کی گفتگو سمجھنا بدیہی مقدمات کی ترتیب سے یا تجربہ' استقرار' فراست سے کتسب علوم کو پیدا کرنا ان امور کا اہتمام کرنا جن کو وہ اگرچہ اپنی حس اور وہم سے نہیں معلوم کرتا ہے لیکن نظر عقل ان کو پسندیدہ سمجھتا ہے۔ جیسے نفس کو مہذب کرنا ولایتوں کو اپنے زیر حکم کرنا اور یہ امور چونکہ اس میں نوعی اور پیدائشی ہیں اس لیے سب فرقے حتیٰ کہ پہاڑوں کی بلندیوں کے باشندے بھی ان میں مشترک ہیں۔ اس کا راز وہی ہے جو اس کی صورت نوعیہ کا منشا ہے اور یہ راز بھی ہے کہ مزاج انسانی کا مقتضا یہی ہے کہ اس کی عقل دل پر غالب ہو اور دل نفس پر غالب ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر اور تربیت اور مہر کو دیکھنا چاہیے کہ جس کی مراعات ہر ایک قسم میں رکھی گئی ہے نباتات جن میں حس وحرکت کی قوت نہ تھی اس لیے اس کے لیے رگوں کو پیدا کیا' وہ اس مادہ کو چوستی رہتی ہے کہ جو پانی اور ہوا اور لطیف اجزائے ارضی سے جمع ہوتا ہے اور جمع کر کے اس کو تمام شاخوں میں اسی مناسب تقسیم سے پھیلا دیتی ہیں جس کا فیضان صورت نوعیہ کی جانب سے ہوتا ہے اور حیوان میں حس ہوتی ہے اپنے قصد سے وہ چلتا پھرتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایسی رگیں زمین سے مادہ

کے چوسنے والی پیدا نہیں کی ہیں۔ بلکہ اس کو الہام کیا کہ اپنے اپنے مواقعہ سے غلوں کو گھاس پانی کو تلاش کرے اور جتنی منفعتیں اس کو مطلوب تھیں ان سب کا اس کو الہام کیا۔

اور جو قسمیں زمین سے پیدا نہیں ہوتیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے خاص تدابیر رکھی ہیں کہ ان میں تناسل کی قوتیں جمع کی ہیں اور ان کے مادہ میں ایک خاص رطوبت پیدا کی ہے کہ جو بچہ کی تربیت میں خرچ کی جاتی ہے وہ خالص دودھ بن جاتی ہے اور بچہ کو الہام کیا کہ وہ پستان چوس کر دودھ کو نگل جائے۔ اور مرغی میں ایک ایسی رطوبت پیدا کی ہے جس سے انڈے پیدا ہوتے ہیں اور بعد انڈے دینے کے اس کے مزاج میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا پیٹ خالی ہو جاتا ہے جس سے اس میں ایک خاص قسم کی دیوانگی سی پیدا ہوتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے بنی نوع سے میل جول ترک کر دیتی ہے اور کسی چیز کی حفاظت کرنے کو خود بخود پسند کرتی ہے تا کہ اس سے اپنے شکم کو دبائے رکھے۔ اور کبوتروں کی طبیعت میں اس نے یہ پیدا کیا ہے کہ نر اور مادہ باہم مانوس رہیں اور مادہ کے شکم کو اوّل ہی خالی کیا تا کہ انڈوں کی حفاظت بخوبی اس سے ہو سکے پھر اس میں زائد رطوبت اس لیے پیدا کی کہ وہ بذریعہ قے کے باہر آ سکے اور اس کی طبیعت میں بچہ پر شفقت اور رحم کرنے کا مادہ پیدا کیا۔ اس لیے اس رطوبت زائد میں مہربانی کے جوش سے قے کی صورت میں نکلنے کا ذریعہ کیا اور اس ذریعہ سے دانہ اور پانی بچہ کو پہنچتا ہے اور باہم ملاپ کے سبب سے نر بھی مادہ کی تقلید کرتا ہے اور بچہ کا مرطوب مزاج پیدا کیا اس رطوبت سے اس کے پر بن جاتے ہیں جن سے وہ اڑنے لگتا ہے۔

اور انسان میں چونکہ حس کرنے اور حرکت کرنے کی قوت پیدا کی ہے اور پیدائشی الہامات کا اس کو قابل بنایا ہے اور بالطبع اس میں علوم کا مادہ رکھا ہے اس کو عقل عطا کی ہے اور اختیاری علوم کے پیدا کرنے کی قابلیت دی ہے اس لیے اس کو کھیتی کرنے درخت لگانے تجارت کرنے اور دیگر معاملات کا الہام کیا ہے۔

ان میں سے بعض لوگوں کو پیدائشی سردار بنایا ہے اور بعض کی طبیعت میں یا اتفاقی اسباب سے غلامی کی خصلت پیدا کی ہے بعض کو ان میں سے بادشاہ بنایا ہے بعض کو رعیت' بعض میں مادہ حکمت کا رکھا ہے کہ حکمت الٰہیہ کے مطابق گفتگو کرے بعض کو علوم طبعی میں خوض کرنے کی قوت دی ہے۔ بعض کو علوم ریاضی اور حکمت عملی کے مسائل حل کرنے کی' اور ایسے ہی بعض کو غبی پیدا کیا ہے کہ وہ بغیر تقلید دوسرے کے علوم بالا کو نہیں سمجھ سکتا ہے اور اس لیے تم لوگوں کے گروہوں کو بادیہ نشینوں اور شہریوں کے دیکھو گے کہ ان پر یہ امور وارد ہوتے رہتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ انسان کا حال حیوانات کا سا نہیں ہے بلکہ انسان کا ادراک حیوانات کے ادراک سے نہایت گراں بہا ہے منجملہ اس کے علوم کے جس پر کہ بجز ان لوگوں کے جن کا مادہ نوع کے احکام کو قبول نہیں کرتا سب کا اتفاق ہے اپنے پیدا کرنے والے اور تربیت کرنے والے کو تلاش کرنا اور مدبر عالم کو ثابت کرنا ہے۔ جس نے اس کو پیدا کیا ہے اس کو رزق دیا ہے وہ اپنے پروردگار کے حضور میں اپنی ہمت اور علم کے موافق گریہ وزاری کرتا ہے جیسے کہ وہ اور اس کے ابنائے جنس بزبان حال اس کے حضور میں خشوع وخضوع کرتے ہیں اور اس قول خداوندی کے یہی معنی ہیں کہ:

﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ

وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ﴾

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے لیے وہ چیزیں جو آسمانوں میں اور وہ چیزیں جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چار پائے اور بہت سے آدمی سجدہ کرتے ہیں اور بہت سوں پر عذاب ثابت ہوا''۔

کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ درخت کی شاخوں پتوں شگوفوں کا ہر ہر جز نفس بنانے کے سامنے جو درخت کی مدبر ہے ہمیشہ اور ہر آن اپنا ہاتھ پھیلائے ہوئے عاجزانہ درخواست کرتا رہتا ہے اگر اس کے ہر ایک حصہ میں عقل ہوتی تو وہ نفس نباتی کا بے نظر شکریہ ادا کرتے اور اگر اس کو فہم ہوتا تو بھی درخواست خالی اس کے علم اور ارادہ میں بھی منقش ہو جاتی۔

اور انسان کی خاصیتوں میں سے یہ بھی ہے کہ نوع انسان میں بعض ایسے لوگ بھی ہوں جن کو علوم عقلی کے چشمہ کی طرف خالص توجہ ہو وہ وحی کے ذریعہ سے یا فراست یا خواب کے ذریعہ سے ان علوم کو حاصل کریں اور باقی لوگ جو اس پایہ کے نہ ہوں اس شخص کو راہنمائی اور برکت کے آثار مشاہدہ کر کے اتباع کریں اور اس کے اوامر ومناہی کی پیروی کریں اور افراد انسانی میں کوئی فرد ایسا نہیں ہوتا کہ جس کو بذریعہ خواب کے جس کو وہ دیکھتا ہے اور اپنی رائے سے یا کسی ہاتف کے سننے سے یا بصیرت کی فطانت سے کچھ نہ کچھ غیب کی طرف توجہ نہ ہو۔ لیکن سب لوگ یکساں نہیں ہوتے ہیں بلکہ بعض ان میں باکمال ہوتے ہیں اور بعض ناقص اور ناقص کو کامل کی حاجت ہوا کرتی ہے اس کی صفات کا اندازہ بہائم کی صفات سے بالکل جدا ہوتا ہے اس میں فروتنی' پاکیزگی' انصاف' سماحۃ کے اوصاف ہوتے ہیں۔ عالم جبروت وملکوت کی روشنیاں اس سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں اس کی دعا مقبول ہوتی ہے تمام کرامات حالات اور مقامات کا اس سے ظہور ہوتا ہے۔

اگرچہ وہ امور جن کی وجہ سے آدمیوں کو اور حیوانات سے امتیاز حاصل ہوتا ہے بکثرت ہیں لیکن ان کا مدار دو خصلتوں پر ہے: قوت

❶ **قوتِ عقلی** ☆ کا بڑھنا اس کے دو شعبے ہیں ایک وہ شعبہ ہے کہ اس میں انتظام بشری کے متعلق مصلحتیں ملحوظ ہوتی ہیں اُن کے دقائق مستنبط کیے جاتے ہیں اور ایک شعبہ میں علوم غیبی کے حاصل کرنے کی استعداد ہوتی ہے جس کا فیضان وہبی طریقہ سے ہوتا ہے۔

❷ **قوتِ عملی** ☆ کی فوقیت ہے۔ اس کے بھی دو شعبے ہیں۔ اوّل یہ کہ اعمال کو اپنے قصد اور اختیار سے کرنا حیوانات کے افعال اختیاری ہوا کرتے ہیں ان کے افعال ان کی اصل طبیعتوں میں راسخ نہیں ہوا کرتے ان افعال کی روح سے ان کے نفوس رنگین نہیں ہوتے ان کو لگاؤ صرف ان قوتوں سے ہوتا ہے جو روح ہوائی میں قائم ہیں اس لگاؤ سے وہ بآسانی اپنے اپنے کام کرتے ہیں اور انسان جو جو فعل کرتا ہے تو بعد فراغ کے وہ افعال تو نابود ہو جاتے ہیں لیکن ان کی روحیں جدا ہو کر نفس میں بیٹھ جاتی ہیں' اس لیے ان کے بعد نفس میں ایک نور یا تاریکی باقی رہ جاتی ہے اور افعال پر مؤاخذہ کرنے کے لیے جو شارع کا قول شرط ہے وہ اسی طرح پر ہے کہ ان کو قصداً کرے۔ جیسے کہ زہر کی مضرت اور تریاق سے منتفع ہونے کے لیے طبیب کا قول اس طرح شرط ہے کہ ان دونوں کو آدمی اپنے حلق سے فرو کرے اور شکم میں داخل کرے۔

اور ہمارے اس قول کی کہ نفس انسانی میں اعمال کی روح راسخ ہو جاتی ہے یہ دلیل ہے کہ تمام آدمیوں کی جماعتیں ریاضتوں

اور عبادتوں پر متفق ہیں اپنے وجدان سے انہوں نے اس کے انوار معلوم کر لیے ہیں اور گناہوں اور منہیات سے سب احتراز کرتے ہیں اور اپنے وجدان سے ان کی سنگدلی انہوں نے معلوم کر لی ہے۔

اور ایک درجہ ایسا ہے جس میں بلند بلند حالات اور مقامات پیش آتے ہیں جیسے محبت الٰہی اللہ پر توکل وغیرہ اور اس قسم کے اوصاف حیوانات میں بالکل مفقود ہیں۔

اور جاننا چاہیے کہ مزاج انسانی میں ٹھیک اعتدال جس کو صورت نوعیہ عطا کرتی ہے بغیر چند علوم کے کامل نہیں ہو سکتا جس کو کہ ازکی الناس ہی معلوم کرتا ہے اور لوگ اس کا اتباع کرتے ہیں۔

اور بغیر شریعت کے جس میں علوم الٰہی اور منفعت کی تدابیر شامل ہوں اور وہ قواعد جن میں افعال اختیاری کی بحث اور پانچ قسموں واجب، مستحب، مباح، مکروہ، حرام کی تقسیم اور تفصیل ہو اور وہ مقدمات جن میں مرتبہ احسان کے درجات بیان کیے جائیں اس لیے حکمت و رحمتِ الٰہی میں ضروری ہوا کہ اپنے غیب مقدس میں قوت عقلی کے رزق کو مہیا کرے اور سب سے ازکی الناس کو اس عالم قدس سے علوم اخذ کرنے کے لیے خالص اور جدا کر دے جیسے کہ تم شہد کے چھتے میں یعسوب کو دیکھتے ہو کہ وہ تمام مکھیوں کی بذاتِ خود تدبیر کرتا ہے۔ اگر اس طرح پر علوم کو حاصل کرنا بواسطہ یا بلاواسطہ نہ ہوتا تو جو کمال نوع انسانی کے لیے قرار دیا گیا ہے وہ ہرگز مکمل نہ ہوتا کوئی شخص جب حیوانات میں سے کسی نوع کو دیکھتا ہے کہ بغیر گھاس کے اس کی زندگی بسر نہیں ہوتی تو سمجھ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے چراگاہیں تیار کر دی ہوں گی۔ جس میں بکثرت گھاس ہوگی ایسے ہی اللہ کی صنعت میں غور کرنے والے کو یقین ہوتا ہے کہ نوع انسان کے درجہ میں ایسے علوم بھی ہیں جن سے عقل انسانی اپنے نقصان اور خلل کو دور کر سکتی ہے اور اس سے عقل کا کمال نہایت کو پہنچتا ہے ان علوم میں سے ایک حصہ توحید و صفات کا علم ہے اس علم میں یہ ضروری ہے کہ اس کی تشریح ایسی صاف صاف ہو کہ بالطبع عقل انسانی اس کو حاصل کر سکے اس میں ایسی دقت ہرگز نہ ہو کہ اس کو شاذ و نادر ہی کوئی حاصل کر سکے۔ اس علم کی تشریح اس قول میں ہے کہ سبحان اللہ و بحمدہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے وہ صفتیں ثابت کیں جن کو ہر شخص جانتا ہے یعنی زندہ رہنا، سننا، دیکھنا، قدرت، ارادہ، کلام، غصہ، رحمت، مالک ہونا، غنا اور اس کے ساتھ ہی یہ ثابت کیا کہ **لیس کمثلہ شیٔ** (ان صفتوں میں اس کا ہمتا نہیں ہے) اس کی زندگی ہماری سی زندگی نہیں ہے اس کی بینائی ہماری بینائی نہیں ہے اس کی قدرت کو ہماری قدرت سے کوئی نسبت نہیں ہے اس کا ارادہ ہمارے ارادے سے الگ ہے اس کی کلام کرنے کی شان ہمارے کلام کی سی نہیں ہے۔ وعلیٰ ہذا

پھر اللہ تعالیٰ نے بے مثل ہونے کی تفسیر ایسے امور سے کی جو ہماری جنس میں بالکل مستبعد ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ وہ مینہ کے قطروں کی تعداد کو بیابانوں کی ریگ کی تعداد کو درختوں کے پتوں کی تعداد کو حیوانات کے سانس کی تعداد کو جانتا ہے شب تار میں چیونٹی کے چلنے کو دیکھتا ہے ان وسوسوں کو سن لیتا ہے جو مقفل دروازوں کے اندر لحافوں کے نیچے پیدا ہوتے ہیں۔

اور ایک حصہ عبادات کا علم ہے اور انہیں علوم میں سے منافع کا علم ہے اور ان میں سے مخاصمت کا علم یعنی جب ادنیٰ نفوس میں شبہات پیدا ہو جاتے ہیں جن سے حق کی مخالفت ہوتی ہے تو اس وقت ان کے دفع کرنے کا کیا طریقہ ہونا چاہیے اور ان میں سے اللہ کی نعمتوں اور اس کی مختلف عقوبتوں کو یاد دلانا ہے اور عالم برزخ اور قیامت کے واقعات کا بیان کرنا ہے اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ

نے نوع انسان کی استعداد کو جو تمام انسانوں میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی ہے اور اس کی قوت ملکیہ کو اور ان تدابیر اور علوم کو جن سے استعداد اور قابلیت کے موافق اس کی اصلاح ہوتی ہے دیکھا اور سب علوم غیب الغیب میں محدود طور پر اور محفوظانہ متمثل ہوگئی اسی تمثیل کو اشاعرہ کلام نفسی کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور یہ حالت علم' ارادہ' قدرت سے جدا ہے۔

اور جب تمام فرشتوں کی پیدائش کا وقت آیا تو حق تعالیٰ نے معلوم کیا کہ افراد انسانی کی مصلحت جبھی کامل ہوگی کہ بزرگ نفوس پیدا کیے جائیں کہ ان سے نوع انسانی کو ایسا ہی تعلق ہے جیسے کہ ہمارے عقلی قویٰ کو نفوس سے تعلق ہوتا ہے اس وجہ سے افراد انسانی پر اس نے محض عنایت فرمائی اور کلمہ کن سے ان کو ایجاد کیا ان کے دلوں میں ان علوم کا جو غیب الغیب میں محدود اور محفوظ ہو چکے تھے پرتو ڈالا اور وہ علوم روحانی صورت میں ان کے لیے متصور ہوگئے انہیں نفوس کی طرف اس قول میں اشارہ ہے: ﴿اَلَّذِیۡنَ یَحۡمِلُوۡنَ عَرۡشَ رَبِّکَ وَمَنۡ حَوۡلَہٗ﴾ جو کہ تیرے رب کا عرش اٹھاتے ہیں اور وہ کہ عرش کے آس پاس ہیں۔

اور جب ایک زمانہ ایسا آیا کہ اس میں دولتوں اور مذاہب کی تبدیلی مقرر تھی تو اس نے قرار دیا کہ وہ علوم روحانی وجود میں ظاہر ہوں اس لیے اس عہد کے موافق ان کی تشریح اور تفصیل کی گئی اسی کی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے قول میں: ﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ فِیۡہَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ﴾ ہم نے قرآن کو مبارک شب میں نازل کیا ہے' ہم ہی ڈرانے والے تھے اس شب میں سب مضبوط کام جدا جدا کیے جاتے ہیں۔

پھر حکمت اللہ نے ایک ذکی شخص کے موجود ہونے کا انتظار کیا جو وحی الٰہی کے قابل ہو اس کی بلندی مرتبہ اور برتری شان کا حکم دیا گیا یہاں تک کہ جب وہ موجود ہوگیا تو اس کو اپنے لیے خاص کرلیا۔ اور اپنے مقصود کے پورا ہونے کا اس کو ذریعہ بنایا اپنی کتاب اس پر نازل کی اور اپنے بندوں پر اس کی اطاعت واجب کردی یہی اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: وَاصۡطَنَعۡتُکَ لِنَفۡسِیۡ میں نے تجھ کو اپنے لیے بنایا۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان علوم کو غیب الغیب میں جس طرح پر معین فرمایا تو نوع انسانی پر محض اس کی عنایت وکرم تھا نوعی استعداد نے ہی حق تعالیٰ سے ملاء اعلیٰ کے نفوس کے فیضان کی خود درخواست کی تھی اور نوعی حالات نے ہی ان قرنوں میں خاص شریعت کے طلب کا اصرار کیا تھا۔

اگر کہا جائے کہ انسان پر نماز پڑھنا کہاں سے واجب ہوا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کس طرح واجب ہوئی زنا اور چوری کہاں سے حرام ہوئے تو کہا جائے گا کہ یہ اور وہ اسی طرح کہا گیا کہ جیسے بہائم پر گھاس کا کھانا واجب کیا گیا گوشت کا کھانا حرام کیا گیا درندوں پر گوشت کھانا ضروری قرار دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ گھاس نہ کھائیں۔ شہد کی مکھیوں کو حکم دیا گیا کہ یعسوب کا اتباع کریں۔ اتنا فرق ہے کہ حیوانات میں یہ علم جبلی ہیں اور انسان کسب سے' غور سے' وحی یا تقلید سے ان کو حاصل کرتا ہے۔



باب ۸

تکلیف کا جزا سزا کے لیے باعث ہونا

جاننا چاہیے کہ الناس مجزیون باعمالهم ان خیر فخیر وان شر فشر لوگوں کو اعمال کی جزا ملے گی اگر اعمال اچھے ہیں ان کی جزا بھی اچھی ہوگی اور اگر اعمال بد ہیں تو ایسے ہی ان کی جزا بھی بد ہوگی۔ اس جزا وسزا پانے کی چار صورتیں ہیں:

❶ اولاً یہ صورت نوعیہ کا مقتضا ہے جیسے کہ چار پایہ جب گھاس کو چرتا ہے اور درندہ جب گوشت کھاتا رہتا ہے تو ان کا مزاج سلیم رہتا ہے اور جب ہی چار پایہ نے بجائے گھاس کے گوشت کا استعمال کیا اور درندہ بجائے گوشت کے چارہ کا استعمال کرتا ہے تو ان کا اصل مزاج بگڑ جاتا ہے یہی حال آدمی کا بھی ہے کہ جب وہ ایسے اعمال کرتا ہے کہ جن کی روح بارگاہ حق تعالیٰ میں فروتنی اور نیازمندی ہوتی ہے ان میں پاکیزگی فیاضی عدالت ہوتی ہے تب اس کا ملکی مزاج درست رہتا ہے اور جب ایسے کام کرتا ہے کہ جن کی روح ان امور بالا کے خلاف ہوتی ہے تو اس کی ملکی حالت بگڑ جاتی ہے جب وہ بدن کی گرانی سے سبکسار ہوتا ہے اس وقت نفرت وانس کا اثر اپنے اندر ایسے ہی پاتا ہے جیسے کہ ہم جلنے کی تکلیف معلوم کرتے ہیں۔

❷ دوسری صورت جزا وسزا کی ملاء اعلیٰ کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے کہ ہمارے اندر دماغی قوتیں ہیں جن کی وجہ سے ہم چنگاری اور برف کا احساس کر لیتے ہیں جب کہ ان پر ہمارا قدم پڑتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے محض لطف وعنایت سے صورت انسانی کے لیے جو ملکوت میں مصور ہے فرشتوں کو خادم بنایا ہے اس لیے کہ جیسے بغیر قوئی ادراکیہ کے ہماری درستی نہیں ہوسکتی ایسے ہی انسان کی درستی بغیر فرشتوں کے نہیں ہوسکتی اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ جب آدمی کوئی کام نجات کے قابل کرتا ہے تو فرشتوں سے بہجۃ اور سرور کی شعائیں خارج ہوتی ہیں اور اگر کوئی مہلک کام کرتا ہے تو نفرت اور بغض کی شعائیں ان سے خارج ہوتی ہیں اور پھر وہی شعائیں اس شخص کے نفس میں حلول کرتی ہیں اور بہجۃ ونفرت کا مادہ اس میں پیدا کر دیتی ہے اور کبھی یہی مادہ بہجۃ ونفرت کا بعض فرشتوں یا لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے اس وقت الہامی ذریعہ سے اس شخص سے محبت رکھ کر احسان پہنچاتے ہیں یا اس سے متنفر ہو کر رنج میں ڈالتے ہیں۔

اس کو ایسے ہی خیال کرنا چاہیے کہ جب کسی کا قدم چنگاری پر پڑتا ہے تو اس کے قوائے ادراکیہ کو تکلیف سوزش کی معلوم ہوتی ہے پھر اس تکلیف کی شعائیں دل پر اثر کر کے اس کو غم آلودہ کر دیتی ہیں اور طبیعت پر مؤثر ہو کر اس کو گداختہ کر دیتی ہیں ان فرشتوں کا ہمارے اندر اثر پہنچانا ایسا ہی ہے جیسے کہ ہمارے ادراکات کا بدنوں میں اثر پہنچانا جیسے کہ ہم میں سے کسی شخص کو رنج یا ذلت کا خوف ہوتا ہے تو پسلیاں کانپنے لگتی ہیں رنگ زرد ہو جاتا ہے بدن ضعیف ہو جاتا ہے اکثر اشتہا جاتی رہتی ہے پیشاب سرخ ہو جاتا ہے اور اکثر خوف کی شدت سے پیشاب یا براز خطا بھی ہو جاتا ہے یہ سب امور اس لیے پیش آتے ہیں کہ قوائے ادراکیہ طبیعت میں اثر کرتی ہیں بذریعہ وحی کے ان کا فرمان طبیعت کو پہنچایا جاتا ہے ایسے ہی ان فرشتوں کے جو آدمیوں پر مؤکل ہیں آدمیوں پر اور سفلی فرشتوں پر

جبلی الہامات مترشح ہوتے ہیں اور آدمیوں کے افراد ان فرشتوں کے ایسے ہی تابع رہتے ہیں جیسے طبعی قوتیں قوائے ادراکیہ کے تابع رہتی ہیں اور جیسے کہ وہ شعاعیں سفل کی طرف گرتی ہیں ایسے ہی خطیرۃ القدس کی طرف صعود کر کے اس میں ایک حالت پیدا کر دیتی ہیں کہ جس کو رحمت و رضا غضب ولعن سے تعبیر کرتے ہیں یہ اثر ایسے ہی منتقل ہوتا ہے کہ جیسے آگ قرب کی وجہ سے پانی کو گرم کر دیتی ہے۔ اور قیاس کے مقدمات نتیجہ کو مہیا کر دیتے ہیں اور دعا پر قبولیت مرتب ہوتی ہے اسی وجہ سے عالم جبروت میں ایک نئی حالت پیدا ہوتی رہتی ہے اور ابھی غصہ کی حالت ہوتی ہے اس کے بعد ہی توبہ کی شان ہو جاتی ہے اور رحمت کے بعد ناخوشی ظاہر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَايُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾

آنحضرت ﷺ نے اکثر احادیث میں فرمایا ہے کہ فرشتے آدمیوں کے اعمال کو آسمان پر لے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا اور نیز فرمایا کہ دن کے اعمال شب کے اعمال سے پہلے آسمان پر جاتے ہیں اس میں آنحضرتؐ نے اس کی طرف تنبیہ فرمائی ہے کہ فرشتے آدمیوں اور اس نور الٰہی میں جو کہ خطیرۃ القدس میں قائم ہے ایک طرح پر واسطہ ہیں۔

❸ اور تیسری صورت جزا و سزا کی شریعت کا مقتضا ہوتا ہے جو لوگوں کے لیے قرار دی گئی ہے جس وقت ستاروں کی کوئی نظر ہوتی ہے تو ایک روحانیت کا حصول ہوتا ہے جس میں ستاروں کی قوتیں ملی ہوتی ہیں' اور فلک کے کسی حصے میں وہ مصور ہوتی ہے اور اس روحانیت کو جب چاند جو احکام فلکی کو منتقل کرنے والا ہے زمین کی طرف منتقل کرتا ہے تو اہل زمین کے ارادے اس روحانیت کے موافق پھر جاتے ہیں۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہے کہ جب ایک خاص وقت آئے گا جس کو شرع میں لیلہ مبارک کہتے ہیں اور اس میں سب مستحکم امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو عالم ملکوت میں ایک روحانیت کا ظہور ہوتا ہے جس میں نوع انسان کے احکامات شامل ہوتے ہیں اور بمقتضائے وقت وہاں سے سب لوگوں میں سے نہایت ذکی شخص پر الہامات برستے ہیں اور اسی کے واسطہ سے لوگوں کے نفوس پر جو ذکاوت میں اس سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اسی قسم کے علوم کا القا ہوتا ہے۔ پھر سب لوگوں پر ان الہامات کے تسلیم اور پسندیدگی کا الہام ہوتا ہے کہ ان کے فرمانبردار پر احسان کریں اور نافرمانی کرنے والے کو تکلیف پہنچائیں اور پھر ان کا اثر ملاء اعلیٰ اور خطیرۃ القدس کی جانب صعود کرتا ہے اور وہاں خوشنودی اور ناخوشی اس سے پیدا ہوتی ہے۔

❹ اور چوتھی صورت جزا و سزا کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آنحضرت ﷺ کی بعثت سے یہ غرض تھی کہ لوگوں پر مہربانی کرے اور نیکی سے ان کو قریب کرے اس واسطے لوگوں پر آپ کی اطاعت کو اس نے واجب کیا اس لیے وحی کے علوم آپؐ کے سامنے متشخص اور مصور ہو گئے وہ آپ کی ہمت اور دعا سے ممزوج ہو گئے خدا کا حکم ہوا کہ آپ کی امداد کی جائے تاکہ آپؐ کے مقاصد میں استحکام پیدا ہو۔

اب جو سزا و جزا کہ بمقتضائے صورت نوعیہ اور ملاء اعلیٰ کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتی ہے وہ تو فطرت الٰہی کا اثر ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا ہے: ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ اور تو اللہ کے طریقہ میں تبدیلی نہ پائے گا۔

اور دین اسی فطرت کا نام ہے جس میں زمانوں کے بدلنے سے کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور تمام انبیا کا اس پر اتفاق ہے جیسے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ اور آنحضرتؐ نے ارشاد کیا: ((الانبیاء بنو علات ابوهم واحد وامهاتهم شتى)) انبیاء علاتی بھائی ہیں ان کا باپ ایک ہے اور مائیں مختلف ہیں۔ اور اس پر مواخذہ ہمیشہ ہوتا ہے انبیاء کے بعثت سے پہلے بھی ہوتا ہے اور بعد کو بھی اس میں دونوں برابر ہیں اور جو جزا وسزا بمقتضائے شریعت ہوتی ہے اس میں زمانہ کی تبدیلی سے تبدیلی ہو جایا کرتی ہے اور پیغمبروں کی بعثت اسی لیے ہوا کرتی ہے اور آنحضرت ﷺ کے اسی قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

((انما مثلى ومثل ما بعثنى الله به كمثل رجل اتى قوما فقال يا قوم انى رايت الجيش بعينى و انى انا النذير العريان فالنجا النجا فاطاعة طائفة من قومه فادلجوا فانطلقوا على مهلهم فنجوا وكذبت طائفة منهم فاصبحوا مكانهم فصبحهم الجيش فاهلكهم واحتاهم فكذالك مثل من اطاعنى فاتبع ماجئت به مثل من عصانى وكذب ماجئت به من الحق))

’’تحقیق میری اور میری رسالت کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک شخص نے کسی قوم کے پاس آ کر کہا کہ میں نے اپنی آنکھ سے لشکر کو دیکھا ہے اور میں صاف صاف تم کو اس سے ڈراتا ہوں خبر دار ہو جاؤ اور اپنے آپ کو بچاؤ اس قوم میں سے بعض لوگوں نے اس کا کہا مان لیا اور تڑکے ہی سے وہ سامان سفر کر کے چل دیئے اور وہ بچ گئے اور بعض نے اس کے کہنے کو نہ مانا اور اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہے صبح کو لشکر نے ان کو آ لیا۔ اور بیخ و بن سے ان کا استیصال کر دیا ایسے ہی ان لوگوں کا حال ہے انہوں نے میری اطاعت کر کے ان احکام کا اتباع کیا جن کو میں لایا ہوں اور ان لوگوں کا جنہوں نے نافرمانی کی ان حق باتوں کی تکذیب کی جن کو میں لایا ہوں‘‘۔

اور جزا وسزا کا جو چوتھا طریقہ ہے وہ جب ہی ہوتا ہے کہ انبیاء کی بعثت ہو لوگوں کے شبہے دور ہو جائیں اور تبلیغ رسالت ٹھیک ٹھیک ہو جائے۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ. کہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہی ہلاک ہو اور جو زندہ بچے وہ دلیل سے ہی زندہ بچے۔



باب ۹

اس کے بیان میں کہ لوگ پیدائش میں مختلف ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے اخلاق ان کے اعمال ان کے کمال کے درجے اور مرتبے مختلف ہوتے ہیں

اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ:

((اذا سمعتم جبل زال عن مكانه فصدقوه واذا سمعتم برجل تغير عن خلقه فلا تصدقوا به فانه يصير على ماجبل عليه))

''اگر تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اس کا یقین کر لینا اور اگر کسی شخص کو سنو کہ اس کی جبلی عادت بدل گئی ہے تو اس کا یقین نہ کرنا وہ پھر پیدائشی عادت کی طرف منتقل ہو جائے گا''۔

اور آپ نے فرمایا:

((الا ان بنی آدم خلقوا على طبقات شتى فمنهم من يولد مومنا فذكر الحديث بطوله))

''لوگ مختلف درجوں کے پیدا کیے گئے ہیں بعض مسلمان پیدا کیے گئے ہیں''۔آخر حدیث تک

غصہ اور قرض کے تقاضے میں ان کے درجوں کا ذکر فرمایا اور فرمایا: **الناس معادن كمعادن الذهب والفضة** جیسی سونے چاندی کی کانیں ہیں ایسے ہی آدمیوں کی کانیں ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ﴾ یعنی اسی طریقے پر ہر شخص عمل کرتا ہے جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے اور اگر تم کو اس کا معلوم کرنا منظور ہے کہ اس بات میں مجھ پر اللہ نے کیا منکشف کیا ہے اور ان احادیث کے معنی مجھ کو کیا بتائے ہیں۔

تو سمجھو کہ ملکی قوت اللہ نے لوگوں میں دو طرح پیدا کی ہے۔ا۔اس طرح پر کہ ملاء اعلیٰ کی حالت سے اس کو مناسبت ہوتی ہے جن کی شان یہ ہے کہ اللہ کے اسماء اور صفت کے علوم سے وہ رنگین رہتے ہیں عالم جبروت کی باریکیوں سے واقف ہوتے ہیں محیط طور پر انتظامی امور کو حاصل کرتے رہتے ہیں اور ان امور کو وجود میں لانے کے لیے ہمت کو جمع کرتے ہیں۔

اور دوسری اس طرح پر ہوتی ہے کہ اس کو ملاء اسفل کے فرشتوں سے مناسبت ہوتی ہے جن کا یہ کام ہے کہ جس خواہش کا اوپر کی جانب سے حال معلوم ہوا فوراً اس کے لیے آمادہ ہو گئے نہ اس کا احاطہ کیا نہ وہاں ہمت جمع ہوتی ہے نہ ان کو اس سے پوری واقفیت ہوتی ہے وہ سراپا نور ہوتے ہیں بہیمی آلودگیوں سے بالکل پاک۔

اور علیٰ ہذا قوت بہیمی بھی ان میں دو ہی طرح سے پیدا ہوتی ہے بعض حالتوں میں بہیمیت کے نہایت شدت سے ان میں جمع ہوتے ہیں جیسے کہ مست اونٹ جو نہایت قوی ہو پیدائش ہی سے اس کو بہت سی غذا ملی ہو اور مناسب تدبیر سے اس کی تربیت ہوئی ہو اس لیے بڑا تناور اور مضبوط ہو گیا ہو۔ بلند آواز ہو سخت گیر ہو اس کے قصد میں کسی قسم کی روک نہ ہو اس میں بڑی اینٹھ ہو غصہ اور کینہ

اس میں بشدت شہوانی قوت زیادہ ہو ہر بات میں دوسرے پر غلبہ چاہتا ہو تو انا دل ہو۔

اور بعض میں بہیمیت کے اثر نہایت ضعیف ہوتے ہیں جیسا کہ کوئی حیوان خصی ناقص الخلقت جس کا نشو و نما خشک سالی میں ہونا مناسب تدبیروں سے اس کی تربیت ہو اس کا جسم کمزور ہو آواز رکیک نرم ہو بزدل کم ہمت ہو دوسروں کے مقابلے میں غلبہ اور فتح مندی کی اس کو پرواہ نہ ہو اور ان دونوں قوتوں کی ایک خاص جبلی حالت ہے جو کہ ان میں سے ایک خاص قوت کو ٹھہرا دیتی ہے اور اس کے بعد کسی اور اختیاری امور سے اس کو قوت اور مدد پہنچتی رہتی ہے۔

اور جب یہ دونوں قوتیں کسی میں جمع ہوتی ہیں تو اس کے جمع ہونے کے بھی دو طریقے ہیں کبھی تو باہمی مزاحمت کے بعد ان دونوں کا اجتماع ہو جاتا ہے اس طرح پر کہ ہر ایک قوت اپنی اپنی خواہشوں کی طلب میں سرگرم ہوتی ہے اپنی اپنی انتہائی اغراض میں کامیاب ہونے کے منتظر رہتی ہے اپنی اپنی ذاتی مسلک اور طریقوں کے حاصل کرنے کا قصد کرتے رہتے ہیں اس لیے ان میں باہم جذب اور کشش رہا کرتی ہے۔ اس کا غلبہ ہوا تو دوسری میں پژمردگی آ گئی اور علیٰ ہذا۔

اور کبھی باہم دونوں میں مصالحت ہو جاتی ہے اس طرح ملکی قوت اپنے خالص احکام کی طالب نہیں ہوتی بلکہ ان احکام پر بس کرتی ہے جو قریب قریب ہیں جیسے دانائی' نفس کی فیاضی' طبیعت کی پارسائی' اپنے نفع ذاتی پر عام منفعت کو پسند کرنا موجودہ خواہشوں پر اکتفاء نہ کرنا بلکہ آئندہ نتیجہ کا انتظار کرنا اپنے تعلق کی تمام چیزوں میں صفائی اور ستھرے پن کو محبوب سمجھنا اور ایسے ہی قوت بہیمی بھی اپنی خالص رغبتوں کا مطالبہ نہیں کرتی بلکہ جو امور ایک رائے کلی سے بالکل دور نہیں ہوئے۔ اور اس سے زیادہ مخالف نہیں ہوتے ان کو اپنا شیوہ کر لیتی ہے ان دونوں قوتوں میں باہم میل جول ہو کر ایک ایسا مزاج حاصل ہو جاتا ہے جس میں باہمی مخالفت کے اثر نہیں ہوتے۔

ملکیت اور بہیمیت اور ان کے باہمی میل کے دو دو کنارے ہیں اور ایک درجہ توسط کا ہے اور کچھ کنارے کے قریب ہیں اور بعض توسط کے قریب ہیں اس طرح پر بے نہایت درجہ ان میں ہو گئے ہیں لیکن اصلی اقسام جن کے احکام جدا جدا ہیں اور ان کے قسموں کے معلوم ہونے سے اور اقسام کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے آٹھ ہیں اس طرح پر کہ جب ان دونوں قوتوں میں باہمی کشش سے میل ہو جاتا ہے تو ان کی چار صورتیں ہوتی ہیں ملکیہ بلند و قوی بہیمیہ کی حالت قوی یا ضعیف ایسے ہی ملکیہ ضعیف اور اس کے ساتھ ملکیت قوی یا ضعیف۔

اور ایسے ہی چار قسمیں اس صورت میں ہیں کہ ان دونوں قوتوں میں باہمی میل و مصالحت ہو جائے۔ ہر ایک قسم کا حکم جدا ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی خدا نے جس کو ان کے احکام معلوم کرنے کی توفیق دی ہے اس کو اکثر پریشانیوں سے آرام مل جاتا ہے۔



باب ۱۰

ان ارادوں کے اسباب میں جو کاموں کے باعث ہوتے ہیں

معلوم کرو کہ آدمی جن ارادوں کو اپنے دل میں پاتا ہے اور انہیں ارادوں کے موافق اس کو کام کرنے کی آمادگی ہوتی ہے ضرورت ہے کہ ان ارادوں کے کچھ نہ کچھ اسباب ہوں گے۔ خدا کا طریقہ جیسے کہ اور نا پیدا شدہ اشیاء میں ہے ویسا ہی یہاں بھی ہوگا غور اور تجربہ سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ منجملہ ان اسباب کے سب سے بڑا سبب آدمی کی ذاتی پیدائش ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں ذکر فرمایا ہے، جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے: (**کل مولود یولد علی فطرة الاسلام**)

انہیں اسباب میں سے آدمی کا پیدائشی مزاج ہے جو خورد ونوش وغیرہ کی محیط تدابیر سے متغیر رہتا ہے۔ مثلاً گرسنہ کھانے کو طلب کرتا ہے اور تشنہ پانی کو اور خواہش نفسانی والا عورتوں کی جانب مائل ہوتا ہے اکثر لوگ مقوی باہ غذاؤں کا استعمال کرتے ہیں تو ان کو عورتوں کی طرف میلان ہو جاتا ہے ان کے دلوں میں ایسے خیالات اور وسوسے گزرتے ہیں جن کو عورتوں سے تعلق ہوتا ہے ایسی حالت سے اکثر کاموں کا جوش لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اکثر لوگ سخت غذاؤں کا استعمال کرتے ہیں ان سے وہ سنگدل ہو جاتے ہیں قتل کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ ایسے ایسے موقعوں پر غصہ ظاہر کرتے ہیں جہاں اوروں کو غصہ نہیں آتا۔ اور جب یہی لوگ روزہ نماز سے ریاضت نفس کرتے ہیں یا بڑے بوڑھے ہو جاتے ہیں یا کوئی سخت بیماری ان کو لاحق ہو جاتی ہے تو اکثر پہلی حالتیں بدل جاتی ہیں دل نرم ہو جاتے ہیں نفوس پاکیزہ ہو جاتے ہیں اس لیے تم بوڑھوں اور جوانوں کی حالت میں بڑا فرق دیکھتے ہو آنحضرت ﷺ نے روزہ کی حالت میں بوڑھے آدمیوں کو بوسہ کی اجازت دی ہے اور جوان کو اس کی اجازت نہیں دی۔

اور انہیں اسباب میں سے عادات اور مالوف چیزیں ہیں اس لیے کہ جس شخص کو جب کسی چیز سے تعلق ہو جاتا ہے اور اسی کی مناسب صورتیں اور شکلیں اس کے دل میں جم جاتی ہیں تو اکثر خواہشوں اور ارادوں کی جانب اس کا میلان ہو جاتا ہے۔

اور انہیں اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ بعض اوقات نفس ناطقہ قوت بہیمیہ کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور مقام ملاء اعلیٰ سے جیسا کہ اس کے لیے آسان ہو وہ ایک نورانی ہیئت کو اخذ کر لیتا ہے۔ کبھی یہ ہیئت انس وطمانیت کی قسم سے ہوتی ہے اور کبھی اس سے کسی کام کرنے کا عزم پیدا ہوتا ہے۔

اور انہیں اسباب میں سے یہ ہے کہ بعض دنی نفوس' شیاطین سے متاثر ہو جاتے ہیں ان کا بعض رنگ ان نفوس پر چڑھ جاتا ہے اور اکثر ارادے اور کام ایسی حالت اور ہیئۃ سے ہوتے ہیں۔ معلوم کرو کہ خوابوں کا حال بھی ارادوں ہی کا سا ہوتا ہے مگر یہ فرق ہے کہ تجرید نفس کی حالت میں ارادوں کی صورتیں نفس کے سامنے متمثل ہوا کرتی ہیں۔

محمد ابن سیرین نے فرمایا ہے کہ خواب تین قسم کے ہوتے ہیں: ① نفس کی بات ② شیاطین کا ڈرانا ③ اللہ کی جانب سے مژدہ۔ واللہ اعلم

باب ۱۱

اعمال کی نفس کے ساتھ چسپیدگی اور اعمال کی یاداشت نفس میں

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ وَكُلَّ اِنسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طَآئِرَهٗ فِىْ عُنُقِهٖ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴾

''ہر شخص کے عمل کو ہم نے اس کی گردن میں چپکا دیا ہے۔ قیامت کے روز ہم اس کے سامنے ایک کھلی ہوئی کتاب کو پیش کریں گے۔ جس سے وہ ملے گا اور کہیں گے اپنی کتاب کو پڑھ آج تیرا نفس ہی تیرا حساب کرنے کو کافی ہے''۔

آنحضرت ﷺ نے پروردگار تبارک وتعالیٰ کی نقل سے فرمایا ہے کہ بے شک یہ تمہارے اعمال ہیں ان کو میں تم پر شمار کرتا ہوں ان اعمال کو تمہارے لیے پورا کرتا ہوں جو شخص بھلائی پائے وہ خدا کا شکر کرے اور جو اس کے علاوہ کچھ اور پائے وہ اپنے ہی نفس کو ملامت کرے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا نفس آرزو اور خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کو سچا کر دیتی ہے یا اس کی تکذیب کر دیتی ہے۔

معلوم کرو کہ آدمی جن اعمال کا اہتمام سے قصد کرتا ہے اور جو اخلاق کہ اس میں جمے ہوئے ہیں وہ سب نفس ناطقہ کی جڑ سے نکلتے ہیں پھر اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نفس کے دامن کو چمٹ کر اس کو گھیر لیتے ہیں۔

نفس سے نکلنے کی یہ وجہ ہے کہ تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ قوت ملکی اور بہیمی اور ان دونوں کے جمع ہونے کی مختلف قسمیں ہیں اور ہر ایک قسم کا حکم جدا ہے اور مزاج طبعی کا غالب ہو جانا اور فرشتوں اور شیاطین سے رنگین ہونا اور ایسے اور اسباب کا غلبہ اسی انداز سے ہوتا ہے جو پیدائش انسانی کا عطیہ ہوتا ہے اور پیدائش سے اس کو مناسبت ہوتی ہے۔ اسی واسطے ان سب کا اصل نفس ہے بواسطہ یا بلا واسطہ۔

دیکھو مخنث کی پیدائش ابتداءً ایک رکیک مزاج پر ہوتی ہے پہچاننے والا اس مزاج سے معلوم کر لیتا ہے کہ اگر وہ اسی رکیک مزاج پر جوان ہو گیا تو عورتوں کی سی عادات اختیار کر لے گا۔ انہیں کے ہم لباس ہوگا اور انہیں کے رسم ورواج کا شوقین ہوگا۔ ایسے ہی طبیب معلوم کر لیتا ہے کہ کوئی لڑکا اگر اپنے اسی مزاج پر جوان ہوتا گیا اور کوئی ناگہان عارضہ پیش نہ آیا تو توانا اور تیز ہوگا یا ناتواں اور کند ہوگا۔

اور اخلاق کا نفس کی طرف عائد ہونا اس طرح پر ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام کو برابر کرتا رہتا ہے اور اس کو بکثرت کرتا ہے تو اس کا عادی ہو جاتا ہے پھر وہ بآسانی اس کو کر سکتا ہے۔ اور کچھ غور وفکر یا ارادہ کی محنت برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ نفس اس کام سے متاثر ہو جاتا ہے اس کا رنگ قبول کر لیتا ہے اور ان ایک جنس اعمال میں سے ہر ایک عمل کو اس تاثیر میں داخل ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ تاثیر باریک اور مخفی الارکان ہو۔ آنحضرت ﷺ کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ چٹائی کی طرح مرتبہ بمرتبہ فتنے دلوں کو احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ جس دل میں وہ فتنے بیٹھ جاتے ہیں اس میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے اور جو دل ان سے بیزار ہوتا ہے اس میں ایک سفید نقطہ پیدا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ فتنے دو دلوں پر منتقل ہوتے ہیں ایک سفید صاف پتھر کی

طرح جب تک کہ آسمان اور زمین میں کوئی فتنہ اس دل کو مضر نہیں ہوتا اور دوسرا دل سیاہ ہوتا ہے غبار آلود جیسے کہ کج کوزہ نہ کسی نیک کام کو پہچانتا ہے نہ برے کام کو وہاں صرف اس خواہش کو پہچانتا ہے جو اس میں بیٹھی ہوئی ہوتی ہے۔

اور اعمال کا نفس کے دامن کو پکڑنا اس طرح پر ہوتا ہے کہ نفس اوّل مرتبہ ہیولانیت کی حالت میں پیدا کیا جاتا ہے اور ان سب رنگوں سے خالی ہوتا ہے جو اس پر چڑھتی رہتی ہیں۔ اس کے بعد روز بروز ہمیشہ وہ قوت سے فعلیۃ کی طرف خارج ہوتا رہتا ہے اور جو حالت بعد کو حاصل ہوتی ہے وہ پہلی حالت کے لیے معد ہوتی ہے اور ان سب معدات کا ایک مرتب سلسلہ ہو جاتا ہے پچھلی کو پہلی پر تقدم نہیں ہوتا اور نفس کی ہیۃ میں وہ سب حالتیں مجموعی طور پر جمع ہوتی ہیں اور نفس میں بالفعل ہر ایک معدہ کا حکم موجود رہتا ہے اگر چہ خارجی امور کی مشغولی کی وجہ سے نفس پر ان کا تفصیلی وجوہ مخفی ہو جائے البتہ اگر وہ شئے ہی فنا ہو جائے جس میں وہ قوت موجود تھی جس سے اعمال کی آمادگی ہوتی تھی جیسے بوڑھا مریض تو وہ حالتیں بیشک مفقود ہو جاتی ہیں۔ یا آسمانی جانب سے کوئی ہیت ہجوم کرے جو ان حالتوں کے انتظام کو بالکل بدل دے جیسے بوڑھے اور مریض میں بدل دیا تھا تب بھی نفس میں سے حالتوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ ''نیکیاں بے شک برائیوں کو دور کر دیتی ہیں''۔ اور فرمایا: ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ ''بے شک اگر تو نے شرک کیا تو تیرے کام نابود ہو جائیں گے''۔

اور نفس کا اعمال کو یاد رکھنا اس کے راز کو میں نے اپنے ذوق سے اس طرح پایا ہے کہ عالم مثال میں ہر ایک آدمی کے لیے نظام فوقانی کے بخشش وعطا سے ایک خاص صورت ظاہر ہو جاتی ہے۔ میثاق کے قصہ میں جس کا ظہور ہوا وہ اسی کا شعبہ تھا۔

جب یہ شخص موجود ہوتا ہے تو وہی صورت اس پر منطبق ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔

یہ شخص جب کوئی کام کرتا ہے تو بے اختیار ایک قدرتی بشاشی اس صورت کو اس عمل سے ہوتی ہے اس وجہ سے عالم معاد میں ظاہر ہوتا ہے کہ نفس کے اعمال آسمانی جانب سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔ اعمال ناموں کے پڑھنے کے سے معنی ہیں اور وہیں یہ بھی اکثر ظاہر ہوتا ہے کہ اعمال نفسانی اعضاء کو چمٹے ہوئے ہیں۔ ہاتھ پاؤں کے گویا ہونے کے یہی معنی ہیں۔

اور یہ امر بھی ہے کہ ہر ایک عمل کی صورت سے اس عمل کے ثمرہ کا اظہار ہوتا ہے جو دنیا اور آخرت میں مقرر ہے اور فرشتے کبھی اس عمل کی کوئی صورت قرار دینے میں توقف کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **اکتبوا العمل کما ھو** کہ اس عمل کو جیسا کا تیسا لکھ لو۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ عالم کی ابتداء آفرینش سے اخیر تک جو کچھ خدا نے مقدر کیا ہے وہ سب ایک مخلوق الٰہی میں تحریر کیا گیا ہے۔ کبھی اس کو لوح سے تعبیر کرتے ہیں کبھی کتاب سے اور کبھی مبین سے جیسا کہ قرآن میں اس کے نام آئے ہیں پس جو کچھ عالم میں ہو چکا ہے یا ہوتا چلا جاتا ہے وہ اس میں نوشتہ اور منقوش ہے لیکن اس کے نقوش اس آنکھ سے نظر نہیں آتے۔

اور یہ گمان نہ کرنا کہ یہ لوح لکڑی یا لوہے یا ہڈی کی ہے اور وہ کتاب کاغذ یا پتے کی قسم سے ہے بلکہ تم کو قطعاً یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ کی لوح مخلوق کی لوح کے مشابہ نہیں ہے اور اللہ کی کتاب مخلوق کی کتاب کے ہمشکل نہیں ہے۔ اللہ کی ذات اور صفات بھی تو مخلوق کی ذات اور صفات سے مشابہت نہیں رکھتی۔

اگر تم اس کی کوئی مثال چاہتے ہو جس سے یہ بخوبی سمجھ میں آ جائے تو معلوم کر لو کہ لوح محفوظ میں امور کا جمنا ایسا ہے جیسا کہ حافظ قرآن کے دماغ اور دل میں قرآن کے حروف اور کلمات منقش ہوتے ہیں وہ اس کے دل و دماغ میں سب ایسے مندرج ہوتے ہیں گویا کہ وہ پڑھتے وقت ان کو دیکھتا ہے اور اگر اس کے دماغ کی تلاشی لو گے تو اس خط کا ایک حرف بھی اس کے دماغ میں نہ پاؤ گے۔ اسی انداز پر تم کو یہی سمجھنا مناسب ہے کہ تمام مقدرات الٰہی اس لوح میں منقش ہوتے ہیں امنہی اور نفس اکثر اپنے اعمال نیک اور بد کو یاد کرتا ہے ان کے جزاء و سزا کا متوقع رہتا ہے۔ اس سے اس کے عمل کے نفس سے جمنے اور قرار پانے کے منجملہ اور وجوہ کے ایک اور وجہ ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

باب ۱۲

اعمال کا ملکات نفسانی سے تعلق

معلوم کرو کہ اعمال کے ذریعہ سے نفسانی ملکات کا ظہور اور بیان ہوتا ہے یہ اعمال ان کے لیے بمنزلہ وام کے ہیں۔ عرف طبعی میں اعمال ان کے ساتھ متحد ہوا کرتے ہیں۔ یعنی قدرتی سبب کی وجہ سے جس کو صورت نوعیہ عطا کرتی ہے عام لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ ان ملکات کو اعمال سے تعبیر کیا کرتے ہیں یہ اس لیے ہے کہ خواہش اور ارادہ سے جب کسی کام کی آمادگی پیدا ہوتی ہے اور نفس اس کا کہا مان لیتا ہے تو اس ارادے میں انبساط اور فرحت ہوتی ہے اور اگر نفس نے اس کا کہانہ مانا تو اس میں انقباض اور افسردگی پیدا ہوتی ہے اب جب وہ عمل سرزد ہو جاتا ہے تو اس عمل کا چشمہ قوت ملکی یا بہیمی مضبوط اور مستقل اور اس کا مقابل کمزور ہو جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ نفس آرزو اور خواہش کرتا رہتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے تم کسی خلق کو نہ دیکھو گے کہ جس کے لیے خاص خاص اعمال اور صورتیں نہ ہوں کہ جن سے اس خلق کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے انہیں سے اس خلق کو تعبیر کرتے ہیں انہیں اعمال کی صورت سے اس خلق کا اظہار ہوتا ہے اگر کوئی شخص کسی کی شجاعت کا بیان کرے اور اس سے اس کی شجاعت کو دریافت کریں تو یہ اس کی سخت سخت جفاکشیوں کو ہی بیان کرے گا اور اگر سخاوت بیان کرے گا تو ان درہموں اور دیناروں کی کیفیت بیان کرے گا۔ جس کو کہ وہ فیاضی سے خرچ کرتا ہے اگر کوئی شخص ارادہ کرے کہ شجاعت اور سخاوت کی صورتیں اس کے سامنے پیش ہوں تو ان اعمال کی صورتوں کی ہی اس کو حاجت پڑے گی۔ ہاں اگر اس نے خدا کی فطرت کو جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے بدل دیا ہو گا وہ ایسا نہ کرے گا اگر کسی شخص میں کوئی خلق موجود نہ ہو اور وہ چاہے کہ وہ خلق مجھ میں پیدا ہو جائے تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ اس خلق کے موقعوں کا متلاشی ہو اور ان اعمال کی محنت برداشت کرے جن کا اس خلق سے تعلق ہو اور اس خلق کے توانا اور پرزور لوگوں کے واقعات کو یاد رکھے۔

اس کے بعد یہ ہے کہ اعمال منضبط امور ہوا کرتے ہیں جن کے لیے اوقات معین ہوا کرتے ہیں وہ سامنے نظر آتے ہیں نقل

کیے جاتے ہیں اوروں پران کا اثر ہوتا ہے وہ قدرت اور اختیار میں داخل ہوتے ہیں یہ ہوسکتا ہے کہ ان کے کرنے نہ کرنے پر دارو گیر کی جائے۔

اعمال اور ملکات کے حفظان میں نفوس سب برابر نہیں ہوا کرتے بعض نفوس تو بڑے دانا ہوتے ہیں کہ بہ نسبت اعمال کے ملکات زیادہ تر ان کے سامنے متمثل رہتے ہیں ان کا اصلی کمال صرف اخلاق ہوتے ہیں انہیں اخلاق کی وجہ سے اعمال کی صورتیں بھی اس لیے ان کے پیش نظر رہتے ہیں۔ کہ یہ اعمال ان ملکات کے لیے قالب اور ہیکل ہوا کرتی ہیں اس لیے وہ اعمال کی بھی محافظت کرتے ہیں لیکن یہ محافظت اخلاقی محافظت کی نسبت کم ہوتی ہے یہ محافظت اسی درجہ ہوتی ہے جیسے کہ خواب میں مقصود معانی کا متمثل ہونا مثلاً مونہوں اور شرمگاہوں پر مہر لگانا۔

اور بعض نفوس ضعیف ہوا کرتے ہیں۔ چونکہ نفسانی ملکات ان میں مستحکم طور پر نہیں ہوتے اس لیے وہ اعمال کو ہی اپنا عین کمال سمجھتے ہیں ان کے اعمال میں مضمحل طور پر ملکات کی صورتیں نمایاں ہوتی ہیں اس لیے وہ اعمال سے ملکات کو جمع کرتے رہتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ اکثر ہوا کرتے ہیں۔ انہیں کو تعین اوقات کی سخت حاجت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ نوامیس اور شرائع الٰہی نے اعمال کا نہایت اہتمام کیا ہے۔

بہت سے اعمال ایسے ہیں جن کا تقرر ملاء اعلیٰ میں ہو چکتا ہے۔ اور ان نفسانی ملکات سے قطع نظر کر کے کہ جن سے وہ اعمال سرزد ہوتے ہیں خود ان اعمال کی خوبی اور برائی ملاء اعلیٰ کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اس لیے کسی عمدہ عمل کا کرنا ایسا ہوتا ہے کہ گویا ملاء اعلیٰ کی جانب سے ادا کرنے والے نے الہام قبول کر لیا کہ اپنے آپ کو ان سے قریب کرے ان کے مشابہ ہو جائے ان کے انوار کو حاصل کرے اور برے کام کرنے سے ان کے مخالف اثر ہوتے ہیں۔

اعمال کا ملاء اعلیٰ میں اس طرح پر تقرر کئی طرح سے ہوتا ہے

کبھی اس طرح کہ ان کو اپنے پروردگار کی جانب سے معلوم ہو جاتا ہے کہ انسانی انتظام جب ہی منتظم ہوگا کہ خاص خاص اعمال ادا کیے جائیں اور بعض بعض اعمال سے باز رہیں اس لیے وہ اعمال ان کے سامنے متصور ہوتے ہیں اور پھر وہیں سے شریعتوں میں ان کا نزول ہوتا ہے۔

اور کبھی اس طرح پر ہوتا ہے کہ بزرگ نفوس جنہوں نے اعمال کی مشق کی ہوتی ہے اور ان کو ہمیشہ استعمال کیا جاتا ہے جب وہ ملاء اعلیٰ کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور ملاء اعلیٰ کی خوبی اور برائی ان کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اسی حالت میں مدتیں گزر جاتی ہیں تو اعمال ملاء اعلیٰ کے سامنے قرار پکڑ جاتی ہیں۔ تو اب اعمال ایسا ہی اثر کرتے ہیں جیسا کہ غریتوں اور منتروں کا اثر ہوتا ہے جن کی ہئیتیں اور صفات سلف سے نقل ہوتے چلے آتے ہیں۔ واللہ اعلم



باب ۱۳

جزاوسزا کے اسباب

معلوم کرو کہ جزاوسزا کے اسباب اگر چہ بہت ہیں لیکن ان کا مال دو قاعدوں کی طرف ہے۔اوّل یہ کہ نفس اپنی قوت ملکی کی وجہ سے کسی عمل اور خلق کو جن کا وہ اکتساب کرتا ہے یہ معلوم کرتا ہے کہ یہ قوت ملکی کے مناسب اور موافق نہیں ہے اس لیے اس میں ندامت اور حسرت وافسوس پیدا ہوتا ہے اور اکثر اسی کی وجہ سے خواب یا بیداری میں ایسے ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن میں تکلیف اہانت اور تہدید ہوا کرتی ہے اور اکثر نفوس میں اس الہام کی استعداد ہوتی ہے کہ فلاں عمل اور خلق مخالف ہے اور ملائکہ کے ذریعہ سے اس مخالفت کا ظہور ہو جاتا ہے نفس میں جیسے کہ اور علوم کی استعداد ہوتی ہے ایسے ہی اس قسم کی بھی استعداد ہوتی ہے۔اسی قاعدہ کی طرف اشارہ اس اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے: ﴿بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ہاں جو لوگ برے کام کریں ان کی خطا ان کو گھیر لے تو یہ لوگ جہنمی ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اور دوسرا سبب خطیرہ القدس کا لوگوں کی طرف متوجہ ہونا ہے اس لیے کہ ملاء اعلیٰ میں اکثر صورتیں اور اعمال واخلاق پسندیدہ اور باعث خوشنودی اور اکثر ناپسند اور باعث ناخوشی ہیں۔اسی وجہ سے وہ اپنے پروردگار سے اہتمام بلیغ سے درخواست کرتے ہیں کہ پسندیدہ اخلاق والوں کو آرام پہنچے اور بداعمال نکبت میں مبتلا ہوں ان کی دعا کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور ان فرشتوں کے ارادے لوگوں کا احاطہ کر لیتے ہیں اور علوم کی طرح خوشنودی یا لعنت کی صورت ان پر مترشح ہوتی ہے اس لیے ایسے ایسے واقعات متشکل ہوتے ہیں جن میں تکلیف یا مہربانی وانعام پایا جاتا ہے اور ملاء اعلیٰ کا مختلف صورتوں میں ظہور ہوتا ہے کبھی مہدوانہ صورت میں اور کبھی سرور وبہجت پیش کرتے ہوئے ملائکہ کی ناخوشی سے کبھی نفس پر برا اثر پڑتا ہے اور نفس میں غشی یا مرض جیسی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔

بلکہ خاص حق الامر یہ ہے کہ جب سے خداوند عالم نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے تب ہی سے ان لوگوں کے ساتھ ایک خاص توجہ ہے وہی توجہ اس کے باعث ہے کہ لوگوں کو بے مہار اور مہمل نہ چھوڑے ان کے اعمال پر ان سے مؤاخذہ کرے لیکن اس کے ادراک کرنے میں چونکہ دقت تھی اس لیے ہم نے ملائکہ کی دعا کو اس کا عنوان قرار دیا ہے۔واللہ اعلم اور اسی قاعدہ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴾

''جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر کی ہی حالت میں مر گئے ان پر اللہ اور تمام فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے وہ ہمیشہ اسی لعنت میں رہیں گے ان سے عذاب کم نہ کیا جائے گا اور نہ وہ رستگار ہوں گے''۔

اور یہ دونوں قاعدے باہم مل بھی جایا کرتے ہیں اور ان کے ملنے سے استعداد نفس اور اعمال کے لحاظ سے اکثر عجیب عجیب صورتیں

پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن پہلے قاعدے کو زیادہ قوت ان اعمال اور اخلاق میں ہوتی ہے جو اصلاح یا فساد نفس کے باعث ہیں اور اس وجہ کو وہ نفس زیادہ قبول کرتے ہیں۔ جو نہایت ذکی اور قوی ہوں اور دوسرے کو قوت ان اعمال و اخلاق میں ہوتی ہے جو مصالح عامہ کے مخالف ہوں اور اس انتظامی حالت کے منافی ہوں جن کا حال یہ ہے کہ لوگوں کے انتظامات درست ہو جائیں اس وجہ کو وہ نفوس قبول کرتے ہیں جو کہ خود کمزور اور قبیح ہوتے ہیں۔

ان اسباب میں سے ہر ایک کے لیے خاص خاص مواقع ہوتے ہیں جو اس سبب کے اثر سے ایک خاص وقت تک روکتے ہیں پہلے سبب سے قوت ملکی کا ضعف اور قوت بہیمی کا غلبہ مانع ہوتا ہے۔ بہیمیت بڑھتے بڑھتے نفس گویا بالکل بہیمی ہو جاتا ہے قوت ملکی تکلیف سے اس کو کوئی رنجش نہیں ہوتی لیکن جب بہیمی چادر سے نفس سبکدوش ہوتا ہے (مرنے کے بعد) اور بہیمیت سے اس کو مدد نہیں پہنچتی اور قوت ملکی کی بجلیاں اس پر چمکتی ہیں تب اس کو رنج و آرام رفتہ رفتہ محسوس ہوتا ہے اور دوسرے سبب سے یہ مانع ہوتا ہے کہ اس سبب کے حکم کے مخالف اسباب متفق ہو جائیں یہاں تک کہ جب مقدر موت کا وقت آتا ہے تو اس وقت جزا و سزا کی روانگی تیزی سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ ہر ایک قوم کا ایک وقت معین ہے۔ جب وہ وقت آ جاتا ہے تو ایک گھڑی کی دیر نہیں ہوتی اور نہ وہ اس سے اپنے آپ کو آگے کر سکتے ہیں۔

دوسرا مبحث

زندگی اور بعد موت کے جزاء و سزا کی کیفیت میں

باب ۱۴

دنیا میں اعمال کی سزا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ مَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَ يَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ﴾

''جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کی وجہ سے پہنچتی ہے اور وہ اکثر قصوروں کو معاف بھی کر دیتا ہے''۔

اور فرمایا:

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ﴾

''بے شک اگر وہ ٹھیک رکھتے توریت اور انجیل اور ان احکام کو جو ان کے پروردگار کی جانب سے ان پر نازل ہوئے تو وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پیروں کے نیچے سے کھاتے اور اللہ تعالیٰ نے باغ والوں کے حق میں جب انہوں نے صدقہ کو منع کیا تھا جو فرمایا ہے وہ معلوم ہے''۔

اور آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد الٰہی کی تفسیر میں کہ: ﴿اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ جو

تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اس کو ظاہر کرو یا مخفی رکھو اللہ اس کا حساب تم سے لے گا۔ اور اس ارشاد میں کہ ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءً يُّجْزَ بِهٖ﴾ جو برا کام کرے گا اس کی سزا اس کو دی جائے گی فرمایا ہے کہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے اس عتاب کا بیان ہے جو بندہ پر بخار اور مصیبت کے پہنچنے سے ہوا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ کوئی سامان اپنی قمیص میں رکھتا ہے اور اس کے کھو جانے سے گھبرا جاتا ہے ایسے حالات کی وجہ سے وہ بندہ گناہ سے ایسا صاف نکل جاتا ہے۔ جیسے لوہار کی بھٹی سے سرخ لوہا۔

معلوم کرو کہ ملکی حالت کبھی بہمیت میں پوشیدہ ہو کر پھر ظاہر ہو جاتی ہے وہ پہلی بہمیت سے پیوند پا کر پھر علیحدہ ہو جاتی ہے۔ یہ علیحدگی کبھی طبعی موت سے ہوتی ہے جب قوت بہمی کو غذا سے مدد نہیں پہنچتی اس کے مادے تحلیل ہو جاتے ہیں اور ان کو کچھ بدل نہیں پہنچتا اور عارضی حالات گرسنگی سیری غصہ وغیرہ کے نفس میں کوئی پہچان پیدا نہیں کرتے تو عالم قدس کا اس پر پرتو پڑتا ہے۔

اور کبھی اختیاری موت سے یہ صورت پیش آتی ہے۔ ہمیشہ آدمی ریاضت سے بہمی کو مغلوب کرتا رہتا ہے۔ اور اپنی توجہ ہمیشہ عالم قدس کی طرف رکھتا ہے اس واسطے اس پر ملکی طاقت کی بجلیاں درخشاں رہتی ہیں۔

اور یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ ہر چیز کو اپنے مناسب اعمال سے انبساط ہوتا ہے اور اپنے مخالف کاموں سے کشیدگی اور ناگواری ہوا کرتی ہے اور ہر ایک رنجیدگی اور لذت کی خاص شکل ہوتی ہے۔ اسی سے وہ مشکل ہوا کرتی ہے مثلاً حار اور تیز خلط کی صورت ایسی ہے جیسے کوئی سوزن چبھاتا ہے اور صفرا کی حرارت سے ایذا پانے کی صورت بے چینی اور بے قراری اور خواب میں آگ اور شعلوں کا نظر آنا ہے اور بلغم سے ایذاء اٹھانے کی صورت میں سردی کی تکلیف اور خواب میں پانیوں کا اور برف کا نظر آنا تو جب قوت ملکی ظاہر ہوتی ہے تو بیداری کی حالت میں یا خواب میں جس وقت کہ وہ پاکیزہ اور فروتنی و نیازمندی کا کام کرتا ہے ایک اندرونی انبساط پیدا ہوتا ہے اور جب ملکیت کے خلاف اس سے اعمال سرزد ہوتے ہیں تو ان کیفیات کی صورت میں جو اعتدال کے خلاف ہوتی ہیں یا ان واقعات کی صورت میں جن میں اہانت اور تہدید پائی جاتی ہے خوشحالی اور بشاشی کے مخالف امور صورت پذیر ہوتے ہیں۔ ایک گزندہ درندہ کی صورت میں غصہ ظاہر ہوتا ہے اور مار گزندہ کی صورت میں بخل کا ظہور ہوتا ہے بیرونی جزا و سزا کا کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ اسباب کی صورت میں اس کا ظہور ہوتا ہے جو شخص تمام اسباب اور اس انتظام کو معلوم کرے گا جو اسباب سے پیدا ہوتا ہے وہ خوب سمجھ لے گا کہ خدا کسی گنہگار کو بغیر دنیوی سزا کے نہیں چھوڑتا لیکن اس انتظام کا لحاظ رکھتا ہے جب بظاہر اسباب آرام اور تکلیف کے نہیں ہوتے تو ان اعمال صالحہ اور اعمال فاجرہ ہی کی وجہ سے آرام و رنج پہنچتا ہے اور جب کوئی بندہ نیک ہوتا ہے اور اسباب تکلیف کے مہیا ہوتے ہیں اور اس کی اصلی اصلاح کے وہ منافی نہیں ہوتے تو اس کے خود اعمال کسی بلا کے دفع ہونے یا بلا کی تخفیف کا باعث ہوا کرتے ہیں اور کسی فاسق کے لیے جب اسباب آرام کے جمع ہوتے ہیں۔ تو ان سے اس کی نعمت کا ازالہ ہوتا ہے۔ اور اگر اعمال کے مناسب ہی اسباب جمع ہوتے ہیں تو ان میں صاف صاف زیادتی ہو جایا کرتی ہے۔

اور اکثر نظام عالم کے اسباب اعمال کے حکم کی نسبت زیادہ اہم ہوا کرتے ہیں تو اس وقت بنظر ظاہر بدکار کو ڈھیل دے دی جایا کرتی ہے اور نیک بندہ پر تنگی کی جاتی ہے اور اس تنگی سے اس کی قوت بہمی کے مغلوب کرنے کا کام لیا جاتا ہے اس کو یہ امر سمجھا دیا جاتا ہے اور وہ اس کو اسی خوشی سے مان لیتا ہے جیسے کہ ہیں:

مثل المومن كمثل الخامة من الزرع تفيها الرياح تضرعها مرة و لقد لها اخرى حتى ياتيه اجله و مثل المنافق كمثل الارزة المجذية اللتى لا يصبها مثنى حتى يكون انجع مرة واحدة.

''مومن کا حال نرم تنا درخت کا سا ہے اس کو ہوائیں ادھر سے ادھر کو جھکاتی رہتی ہیں کبھی وہ اس کو ٹیک دیتی ہیں۔ کبھی اس کو سیدھا کر دیتی ہیں یہاں تک کہ اس کی موت آ جاتی ہے اور منافق ایسا ہے جیسے کہ سیدھا مضبوط تنا اس کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا یہاں تک کہ ایک ہی بار وہ اکھڑ کر جا پڑتا ہے''۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

((امامن مسلم يصيبه اذى من مرض فما سواه الاحط الله به سيئاته كما تحت الشجرة ورقها))

''کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے کہ مرض وغیرہ کی تکلیف اس کو پہنچے اور اس کے گناہ ایسے نہ جھڑ جائیں جیسے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں''۔

اکثر ملک ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں شیطان کی بندگی کا غلبہ ہوتا ہے اور وہاں کے لوگ بہائم کے سے نفوس رکھتے ہیں لیکن خاص مدت تک جزائے عمل کو ان سے موقوف رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا اَخَذْنَا اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَ نَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَايَشْعُرُوْنَ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾

''کسی گاؤں میں ہم نے نبی نہیں بھیجا کہ ہم نے خوشی اور نقصان میں ان کی پکڑ جکڑ نہ کی ہوتا کہ وہ نیاز مند ہو جائیں پھر ہم نے برائی کی جگہ بھلائی سے بدل دی یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ ہمارے باپ دادوں کو تکلیف پہنچی تھی تب ہم نے دفعۃً ان کو پکڑ لیا بے خبری میں اور اگر گاؤں کے باشندے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ان کے اعمال کی وجہ سے ہم نے ان کی پکڑ جکڑ کی''۔

اور حال یہ ہے کہ دنیا میں جزا و سزا حال آقا کا سا ہے دار و گیر کے لیے خوب طرح فارغ نہ ہوا اور جب قیامت کا دن آئے گا تو وہ پورے فراغ کے ساتھ اس کو پورا کرے گا۔ **﴿سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلَانِ﴾** اے آدمیوں اور جنو! میں تمہارے لیے فارغ ہوں گا۔ اس کی طرف اشارہ ہے اور جزا و سزا کا ظہور کسی بندہ کے نفس میں ہوتا ہے۔ اس طرح یہ کہ انبساط اور طمانیت اس میں پیدا ہو جائے یا انقباض اور بے قراری اور کبھی اس کا اثر اس کے بدن میں ہوتا ہے۔ کہ غم اور خوف کے ہجوم سے امراض اس پر طاری ہو جائیں۔

آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے جب شرمگاہ ظاہر ہوگئی تھی اور آپ بے ہوش ہو گئے تھے وہ جزائے بدنی اسی قسم کی تھی اور کبھی مال اور اہل وعیال میں اس کا ظہور ہوتا ہے اور اکثر لوگوں یا فرشتوں اور بہائم کو الہام ہوتا ہے کہ فلاں شخص کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں یا اس کو برائی پہنچائیں اور کبھی وہ شخص الہام اور تعبیرات کی وجہ سے خود بھلائی یا برائی کے قریب پہنچا دیا جاتا ہے۔

جو شخص مذکورہ بالا تقریر کو خوب سمجھ لے گا اور ہر ایک چیز کو اپنے اپنے موقع پر رکھے گا وہ بہت سی اشکالوں میں آرام میں ہو جائے گا۔ مثلاً ان احادیث کے اختلاف کو سمجھ جائے گا جو حدیثوں میں وارد ہے کہ نیکی سے رزق بڑھتا ہے اور بدکاری رزق کی کمی کا سبب ہے اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بدکاروں کو دنیا میں فوراً سزا مل جاتی ہے اور بلا میں گرفتار ہونے والے وہ ہیں جن کو زیادہ قرب اور فضیلت حاصل ہے اور ان کے بعد درجہ بدرجہ اور ایسی ہی اور حدیثیں۔ واللہ اعلم

باب ۱۵

موت کی حقیقت میں

معلوم کر کہ ہر ایک صورت معدنی اور نباتی اور حیوانی کا ایک خاص مرکب اور سواری ہے جو دوسرے کے لیے نہیں ہے اور ہر ایک اپنے کمالات ازلی میں دوسرے سے ممتاز ہے اگر بنظر ظاہر اس کے معلوم کرنے میں کچھ اشتباہ ہو تو سمجھ لو کہ جب عناصر چھوٹے چھوٹے ہو جاتے ہیں اور کمی وبیشی کی وجہ سے مختلف طریقوں سے ان کی باہمی آمیزش ہوتی ہے تو ان سے مرکبات ثنائی (جن میں دو دو عناصر سے ترکیب ہو) مثلاً بھاپ غبار دھواں' نرم مٹی' زمین کاشت کی ہوئی' لپٹ شعلہ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور کبھی مرکبات ثلاثی مثلاً خمیر کردہ مٹی' پانی کے اوپر کی سبزی اور مرکبات رباعی مذکورہ بالا کی طرح ہوتے ہیں۔

اب ان اشیاء میں سے ہر ایک کی خاصیتیں اپنی اپنی جدا جدا ہیں۔ جو صرف ان کے اجزاء کی خاصیتوں سے مل کر بنتی ہیں۔ ان خاصیتوں میں اور کوئی چیز اجزاء کی خاصیت کے علاوہ نہیں ہوتی ان اشیاء کا کائنات الجو نام ہے تو معدنی صورت معدنی مزاج پر اپنا تسلط کر لیتی ہے اس کو اپنا مرکب بناتی ہے اس میں اپنے نوعی خواص جدا ہوتے ہیں اور اس مزاج معدنی کی وہ محافظ رہتی ہے۔ اس کے بعد صورت نباتی محفوظ المزاج جسم کو اپنا مرکب بناتی ہے وہ ایسی طاقت ہوتی ہے کہ عناصر اور کائنات الجو کو اپنے مزاج کی طرف منتقل کرتی رہتی ہے تا کہ ان اجزاء کے لیے جو کمال ممکن اور متوقع ہے اس کو فعلیۃ میں لائے صورت حیوانی روح ہوائی کو جس میں تغذیہ اور تنمیہ کی قوتیں ہوتی ہیں اپنا مرکب بناتی ہے وہ صورت اور اس روح ہوائی کے اطراف وجوانب میں حس وارادہ کے تصرفات کو نافذ کرتی ہے اپنے مطالب کی اس میں آمادگی ہوتی ہے اور ان چیزوں سے وہ باز رہتی ہے جو گریز کرنے کے قابل ہیں۔

ان کے بعد صورت انسانی نسمہ کو جس کا بدن میں تصرف ہوتا ہے اپنا مرکب بناتی ہے اور ان اخلاق کو اپنا مقصد قرار دیتی ہے جو آمادگیوں اور نفرتوں کے لیے اصول ہیں وہ ان اخلاق کو مزین کرتی ہے عمدگی سے ان کا انتظام کرتی ہے اور آسمانی جانب سے جن

امور کا اس پر القاء ہوتا ہے ان کے لیے اخلاق کو جلوہ گاہ بناتی ہے۔

اوّل نظر میں اگر چہ کسی قدر اشتباہ معلوم ہوتا ہے لیکن غور نظر ان تمام اثروں کو اپنے اپنے چشموں سے ملحق کر دیتا ہے اور ہر ایک کو اپنے اپنے مرکب سے جدا کر دیتا ہے اور ہر ایک صورے کے لیے ایک مادہ کی ضرورت ہے جس میں وہ صورت قائم رہے ہر ایک صورت کا مادہ اس کے مناسب ہوا کرتا ہے صورت کا ایسا حال ہے جیسا کہ موم کے پیکر میں انسان کی صورت قائم ہوتی ہے۔ بغیر موم کے صورت کا قیام نہیں ہوسکتا وہ شخص حق گو نہیں ہے جو قائل ہے کہ موت کے وقت نفس ناطقہ مخصوص بہ آدمی مادہ کو کلیتہً ترک کر دیتا ہے البتہ آدمی کے دو مادے ہیں ایک بالذات وہ نسمہ ہے اور دوسرا بالعرض وہ یہ زمینی بدن ہے جب آدمی مرتا ہے تو اس مادہ زمینی کے زوال سے اس کو کوئی مضرت نہیں ہوتی وہ بدستور اپنے مادہ نسمیہ میں حلول کیے ہوئے رہتا ہے وہ پر جودت کاتب کی طرح رہتا ہے کہ جب اس کے دونوں ہاتھ قطع کر دیئے جائیں تب بھی وہ اپنی کتابت میں محو رہتا ہے اس میں کتابت کا ملکہ بحالہا قائم رہتا ہے یا جیسے کوئی چلنے کا شائق ہو اور اس کے دونوں پاؤں قطع کر دیئے جائیں یا سمیع اور بصیر جب وہ گنگ یا نابینا ہو جائے۔

اور یقین کرو کہ اعمال اور صورتیں بعض تو ایسی ہیں کہ آدمی ان کو دلی قصد اور ارادے سے کرتا ہے۔ اگر اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو تو وہ اس کے کرنے کا اقدام کرے گا اور ان کے مخالف اعمال سیخ بار رہے گا۔ اور بعض اعمال اور ہیئتیں ایسی ہیں کہ ان کو آدمی اپنے بھائی بندوں کی خاطر سے یا کسی خارجی عارض گرسنگی اور تشنگی کی وجہ سے کرتا ہے۔ جب وہ عارض دور ہو جاتا ہے تو اس کی خواہش بھی فرو ہو جاتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو کسی آدمی کے یا شعر یا اور کسی امر کی کوشش عاشقانہ ہوا کرتی ہے اور لباس وضع میں اپنی قوم کی موافقت کی اس کو ضرورت ہوا کرتی ہے لیکن جب اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں اور وہ اس لباس کو بدل ڈالے تو اس کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور بہت سے آدمی خود کسی خاص لباس کو پسند کرتے ہیں جب ان کو بحال خود چھوڑ دو تو اس لباس کے ترک کرنے کی ان کو جرات نہیں ہوتی۔

اور بعض آدمی بیدار بالطبع ہوتے ہیں وہ اکثر امور میں ایک جامع چیز کو خود سمجھ لیتے ہیں اور معلومات کو چھوڑ کر ان کا دل علت کو پکڑ لیتا ہے اور فعلوں سے نظر قطع کر کے ملکہ پر دل جم جاتا ہے اور بعض خوابیدہ طبع اور غافل ہوا کرتے ہیں وحدت کو ترک کر کے کثرت کی طرف مائل ہوتے ہیں اور ملکات سے ان کو بحث نہیں ہوتی صرف کام ان کو ملحوظ نظر رہتے ہیں اور اعمال کی ارواح سے ان کی صورتوں کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

معلوم کرو کہ مرنے کے بعد آدمی کا یہ زمینی بدن خراب ہو جاتا ہے اور اس کے نفس ناطقہ کا تعلق نسمہ سے باقی رہتا ہے جو چیزیں اس میں موجود ہوتی ہیں انہیں کے لیے نفس فارغ ہو جاتا ہے اور جو جو امور اس میں دنیوی زندگی کی وجہ سے بغیر اس کی دلی خواہش کے تھے ان کو وہ خدا حافظ کہتا ہے جن امور کو وہ اپنے اصل جوہر میں روک لیتا ہے وہ سب باقی رہتے ہیں اس وقت ملکی طاقت کا ظہور ہوتا ہے اور بہیمی قوت مخفی اور کمزور ہو جاتی ہے اور اس کو اس وقت میں آسمانی جانب سے خطیرۃ القدس اور ان امور کا یقین ہوتا ہے کہ جو وہاں اس کے لیے جمع کیے گئے ہیں اور اسی وجہ سے قوت ملکی کی خوشحالی یا بدحالی ہوتی ہے۔

معلوم کرو کہ قوت ملکی جب بہیمیت سے مل ملا کر اس میں ڈوب جاتی ہے تو کسی قدر اس کی مطیع ہو کر اس کے بعض بعض اثروں

سے متاثر ہو جاتی ہے لیکن ملکی طاقت کے لیے نہایت مضر یہ ہے کہ نہایت درجہ کے قابل نفرت امور اس میں جم جائیں اور اس کا سراپا نفع اس میں ہے کہ نہایت درجہ کی مناسب ہیئتیں اس میں متشکل ہوں نفرت کے قابل امور میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس کو مال اور اہل و عیال سے تعلق زیادہ ہو اس کو یقین ہو کہ ان دونوں امروں کے علاوہ کوئی اور مطلوب نہیں ہے نہایت دنی دنی صورتیں اس کے اصل جوہر میں سما گئی ہوں اور وہ امور جمع ہوں جو فیاض طبیعت کے بالکل خلاف ہیں۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ نجاستوں سے اس کو آلودگی رہتی ہو اللہ تعالیٰ کو نہ پہچان کر تکبر کرتا ہو کبھی اس کی حضوری میں نیازمندی سے پیش نہ آتا ہو اور علیٰ ہذا ایسے ایسے امور کا مرتکب ہو جو مرتبہ احساس کے مدمقابل ہیں۔

اور خطیرۃ القدس کی توجہ جو امداد حق میں اس کے حکم کی تعظیم انبیاء کی بعثت کے پسندیدہ انتظام کے قائم کرنے میں ہوا کرتی ہے اس کو یہ برہم کرتا ہو اور اس وجہ سے ان کی جانب سے بغض اور لعنت کا مستحق ہوتا ہے۔

اور زیبا امور میں سے ان اعمال کا کرنا ہے جن میں طہارت بارگاہ خداوندی میں نیاز ان اعمال کو کرنا جن سے ملائکہ کی یاد ہوتی ہو اور ایسے عقائد کا حاصل کرنا ہے جس سے زندگی دنیا کا اطمینان دل سے دور ہو جائے وہ شخص فیاض طبع اور نرم دل ہو اس کی جانب ملا اعلیٰ کی دعاؤں کا رخ ہو اور ان کی توجہات جو پسندیدہ انتظامات کے لیے ہوا کرتی ہیں۔ اس کی طرف مائل رہیں۔ واللہ اعلم

باب ۱۶

لوگوں کے حالات کا عالم برزخ میں مختلف ہونا

اس عالم دنیا میں لوگوں کے بے شمار و نہایت طبقے ہیں لیکن ان طبقات میں چار طبقے بمنزلہ اصول کے ہیں:

❶ قسم ان لوگوں کی ہے جو بالطبع بیدار دل پیدا کیے گئے ہیں ان کو صرف ان زیبا اور نازیبا اعمال ہی سے رنج و آرام حاصل ہوا کرتا ہے۔ اسی قسم کی طرف اشارہ ہے کہ ﴿أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتَىٰ عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّاخِرِينَ﴾ یہ ہے کہ (نفس کہے گا کہ ہائے افسوس اس پر جو میں نے اللہ کی نسبت کوتاہی کی بے شک میں استہزا کیا کرتا تھا) میں نے اہل اللہ کے ایک گروہ کو دیکھا کہ ان کے نفوس ایسے تھے جیسے تھمے ہوئے پانی سے لبریز حوضیں جن کو ہوائیں جنبشیں نہیں دیتی تھیں یکبارگی عین دوپہر کے وقت آفتاب کی روشنی ان پر پڑی اور وہ نورانی قطعہ ہو گئے یہ نور جوان لوگوں کے دلوں پر پڑا تھا پسندیدہ اعمال کا تھا یا نور یادداشت یا نور رحمت۔

❷ قسم ان کے حالات کی قریب قریب ہے۔ لیکن ان پر طبعی نیند طاری ہوتی ہے ایسے لوگوں کو خواب ہوتا رہتا ہے خواب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ علوم پیش ہو جائیں جو حس مشترک میں جمع ہیں۔ بیداری کی حالت ان میں استغراق رکھنے سے مانع ہوتی ہے اور ان کے خیالی ہونے سے غفلت نہیں ہوتی لیکن سوتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ صورتیں بعینہا وہی چیزیں ہیں جن کی یہ

صورتیں ہیں۔

صفراوی مزاج اکثر دیکھتا ہے کہ وہ گرمی کے دن ایک خشک نیستان میں ہے باد سموم چل رہی ہے اور یہ دیکھتے ہی دیکھتے ناگہاں چاروں جانب سے آگ نے اس کو گھیر لیا ہے وہ بھاگتا ہے لیکن موضع گریز کرنے کا نہیں ملتا اور آگ اس کو پھونک دیتی ہے اس وجہ سے اس کو سخت رنج و تکلیف پہنچتی ہے علیٰ ہذا بلغمی مزاج بھی خواب میں دیکھتا ہے۔ کہ سرما کی رات ہے سرد نہر جاری ہے بامہر پر چل رہی ہے موجوں نے اس کی کشتی کو لوٹ پوٹ کر ڈالا ہے وہ ہر چند بھاگنے کا قصد کرتا ہے لیکن کوئی موقعہ نہیں ملا ہے اور وہ دریا میں غرق ہو گیا ہے اس وجہ سے نہایت سخت تکلیف اس کو ہوئی ہے۔

اگر آدمیوں کی تم تفتیش کرو گے تو کسی کو ایسا نہ پاؤ گے جس نے اس کا تجربہ نہ کیا ہو کہ مجتمع حوادث کی صورتیں جوان کے اور دیکھنے والے کے نفس کے مناسب ہوں آرام و تکلیف کی ضمن میں نظر نہ آئی ہوں جو خواب میں مبتلا ہوتا ہے اس کی یہ حالت ہوا کرتی ہے لیکن یہ عالم برزخ کی خواب ایسی ہے کہ روز قیامت تک اس سے بیداری نہ ہوگی خواب والا اپنی حالت خواب میں یہ نہیں جانتا کہ یہ چیزیں خارج میں نہیں ہیں اور نہ یہ آرام و تکلیف عالم خارجی میں موجود نہیں ہے اگر بیداری نہ ہوتی تو یہ راز خارجی نہ ہونے کا اس کو معلوم نہ ہوتا عالم برزخ کا نام عالم رویا کی نسبت عالم خارجی ہونا زیادہ مناسب ہے۔

قوۃ سبعی جس کی غالب ہوتی ہے وہ اکثر دیکھا کرتا ہے کہ کوئی درندہ اس کو زخمی کر رہا ہے اور بخیل دیکھتا ہے کہ سانپ بچھو اس کو کاٹ رہے ہیں۔ علوم آسمانی کا زوال اکثر دو فرشتوں کی صورت میں نظر آتا ہے جو اس سے دریافت کرتے ہیں **من ربك من دينك وما قولك فى النبى صلى الله عليه وسلم**. (تیرا رب کون ہے تیرا دین کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے متعلق تیرا کیا قول ہے)

❸ قسم ان لوگوں کی ہے جن کی بہی اور ملکی دونوں قوتیں ضعیف ہوتی ہیں ان کو زمین کے ملائکہ سے اتصال ہو جاتا ہے اس کے اسباب کبھی پیدائشی طور پر ہوتے ہیں اس طرح پر کہ ان کی ملکی قوت بہیمیۃ میں نہیں ڈوبتی اس کی اطاعت نہیں کرتی اس کے اثروں سے متاثر نہیں ہوتی۔

اور کبھی اس کے اسباب کسبی ہوتے ہیں یہ لوگ دلی ارادہ سے پاکیزگیوں سے تعلق رکھتے ہیں اپنے نفسوں میں الہامات اور ملکیت کی روشنیوں کی قوت پیدا کر لیتے ہیں جیسے کہ بعض لوگ مردوں کی صورت پیدا ہوتے ہیں اور ان کے مزاج میں زنانہ پن اور عورتوں کی ہیتوں کی جانب میلان ہوتا ہے لیکن بچپن میں ان کی زنانہ پن کی خواہشیں مردوں کی خواہشوں سے متمیز نہیں ہوتیں اس زمانے میں بڑا اہتمام کھانے پینے اور لہو ولعب کی رغبت کا ہوتا ہے اس زمانے میں آدمیوں کی سی روش کا جیسا ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ پابند رہتے ہیں اور زنانہ وضع و انداز سے منع کرنے سے وہ باز رہتے ہیں۔ لیکن جوان ہوتے ہی اور بے باک طبیعت کی مقتضی طرف لوٹتے ہی مستقل طور پر وہ عورتوں کی وضع اختیار کر لیتے ہیں۔ انہیں عادات کے عادی ہو جاتے ہیں۔ انہیں کی رغبت ان کے مزاج پر غالب ہو جاتی ہے جو عورتوں کے کام ہیں وہی کرتے ہیں انہیں کی سی گفتگو کرتے ہیں ویسا ہی عورتوں کا سا اپنا نام رکھتے ہیں۔ اب وہ مردوں کے مرتبہ سے بالکل خارج ہو جاتے ہیں۔ علی ہذا آدمی بھی دنیوی زندگی میں کھانے پینے شہوت وغیرہ مقتضائے اور مراسم

طبیعت میں مشغول رہتا ہے۔لیکن ملا سافل کی حالت سے اس کو قرب ہوا کرتا ہے ان کی کوشش اس میں قوی ہوتی ہے اس لیے بعد مرنے کے تعلقات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے اصلی مزاج کی طرف عود کر آتا ہے اور ملائکہ سے اس کو اتصال ہو جاتا ہے اور انہیں میں مندرج ہو جاتا ہے ان کا ہی سا الہام اس کو بھی ہونے لگتا ہے اور انہیں کی مساعی میں سرگرم رہتا ہے حدیث میں وارد ہے کہ میں نے جعفر طیار کو فرشتہ کی صورت میں دیکھا وہ دو پروں سے فرشتوں کے ساتھ ساتھ پرواز کرتے تھے۔

اکثر وہ کلمۃ اللہ کے بلند کرنے میں اللہ کے گروہ کی امداد میں مصروف رہتے ہیں۔کبھی ان کو آدمیوں کے سلوک کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

اکثر ان کو بدنی صورت کا نہایت اشتیاق ہوتا ہے پیدائش اثر سے یہ اشتیاق پیدا ہوتا ہے اس سے عالم مثال میں کشائش پیدا ہوتی ہے عالم مثال کی طاقت نسمہ سے مل کر ایک نورانی جسم بن جاتا ہے بعض کو کھانا وغیرہ کی رغبت ہوتی ہے تب مرغوبات میں مدد دینے سے ان کا شوق پورا کر دیا جاتا ہے۔آیت ذیل میں اس کی طرف اشارہ ہے:

﴿ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما آتھم اللہ من فضلہ ﴾

''تم ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس سے وہ رزق پاتے ہیں جو مہربانی اللہ نے ان پر کی ہے اس سے وہ محظوظ رہتے ہیں''۔

ان کے مقابلہ میں ایک ایسا گروہ ہوتا ہے جن کو شیاطین سے زیادہ قرب ہوتا ہے۔یہ قرب کبھی پیدائشی طور پر ہوتا ہے کہ خود ان کا مزاج ہی فاسد ہوتا ہے ان کی نظر میں ایسی رائیں پسندیدہ ہوتی ہیں جو حق کے مخالف رائے کلی کے نامناسب پسندیدہ اخلاق سے دور کنارہ پر ہوتی ہیں اور کبھی یہ قرب شیطانی کی وجہ سے ہوتا ہے ان کو پوچ حالتوں اور فاسد خیالات سے تعلق رہا کرتا ہے شیطانی وسوسوں کی وہ بجا آوری کرتے ہیں اس لیے لعنت ان کو گھیر لیتی ہے مرنے کے بعد وہ شیاطین میں مل جاتے ہیں اور ایک تاریک لباس پہن لیتے ہیں بعض بعض خسیس الذات ان کے سامنے مصور ہوتی ہیں انہیں سے وہ کچھ کچھ اپنی کار برآری کر لیتے ہیں پہلے گروہ کو ذاتی خوشی سے آرام حاصل ہوتا ہے اور دوسرے کو تنگی اور غم سے تکلیف ہوتی ہے جیسے کہ مخنث یہ خوب جانتا ہے کہ زنانہ پن آدمی کے حالات میں نہایت بدترین حالت ہے لیکن مخنث اپنی طبیعت سے اس کو قلع قمع نہیں کر سکتا۔

❹ درجہ ان لوگوں کا ہے جن کی بہیمی قوت غالب اور قوی ہوتی ہے اور ملکی طاقت کمزور ہوتی ہے اکثر لوگوں کی حالت ایسی ہی ہوا کرتی ہے ان کے اکثر امور صورت حیوانی کے تابع رہا کرتے ہیں اس کی پیدائش میں یہی ہے کہ بدنی تصرفات میں محو ہے موت کے وقت ان لوگوں کے نفوس کلیہ بدن سے جدا نہیں ہوتے تدابیر بدن سے نفس کو علیحدگی ہو جاتی ہے لیکن بدن کے خیال اور وہم سے جدائی نہیں ہوتی ان نفوس کو اس امر کا یقین کامل ہوتا ہے کہ وہ اور بدن بعینہ شے واحد ہیں۔حتیٰ کہ اگر بدن کو پامال یا قطع کر دو تو ان نفوس کو یقین ہوتا ہے کہ ہمارے ساتھ ایسا کیا گیا ہے ایسے لوگوں کی علامت یہ ہے کہ گو وہ تقلید یا رسم کی وجہ سے اپنی زبانوں سے قائل نہ ہوں لیکن وہ خاص دلی حالت سے اس کے قائل ہوتے ہیں کہ ان کی روحیں اور بدن ایک ہی شے ہیں

یا روحیں ایک عارضی شے ہیں جو بدنوں پر طاری ہو جاتی ہیں ایسے لوگوں کا جب انتقال ہوتا ہے تو ایک خفیف سی روشنی ان پر چمکتی ہے اور جیسے کہ یہاں ریاضت کرنے والوں کو ضعیف سا خیال نظر آتا ہے ایسا ہی ان کو بھی نظر آتا ہے۔ کبھی خیالی صورتوں میں اموران کو نظر آتے ہیں اور کبھی دوسری خارجی مثالی شکلوں میں ان کا مصور ہونا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ریاضت کرنے والوں کے سامنے۔

اگر کسی شخص نے ملکی اعمال کیے تھے تو خوشنما صورت فرشتوں کی صورتوں میں جو ہاتھوں میں حریر لیے ہوتے ہیں ان اعمال کی عمدگی کا علم مندرج ہوتا ہے۔ لطیف لطیف خطابات اور صورتوں میں ان کا ظہور ہوتا ہے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ جس میں سے جنت کی مہک آتی ہے اور اگر ملائکہ کے قابل نفرت اور لعنت اعمال کیے ہوتے ہیں تو وہ اعمال کریہ منظر فرشتوں کی صورت میں اور سخت سخت گفتگو اور صورتوں میں نمایاں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ غصہ کی حالت میں درندوں کی صورت میں اور بزدگی کی حالت میں خرگوش کی صورت میں ظہور ہوتا ہے۔ اور عالم برزخ میں بعض نفوس ملکی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی استعداد باعث ہوتی ہے کہ وہ ایسے موقعوں پر ظاہر ہو کر آرام یا تکلیف پہنچائیں اس وقت وہ گرفتار حالت ان کو اپنی آنکھوں کے سامنے معائنہ کرتا ہے گو دنیا کے لوگ ان کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں معلوم کرو کہ عالم قبر اسی عالم دنیا کے متمم امور سے ہوا کرتا ہے ایک پردے کی آڑ میں وہ سب علوم نمایاں ہوتے ہیں اور فرادی فرادی نفوس کے احکام ظاہر ہوتے ہیں۔ عالم حشر میں ایسا نہیں ہوتا وہاں نفوس کے جزدی احکام مفقود ہو جاتے ہیں اور صورت انسان کے احکام نفوس میں باقی رہ جاتی ہیں۔ واللہ اعلم

باب ۱۷

واقعات حشر کے اسرار و رموز

واضح ہو کہ ارواح انسانی کا عالم مثال میں ایک مرجع اور خاص مقام ہے جس کی طرف روحیں اس طرح کھینچتی ہیں جیسے مقناطیس کی طرف لوہا کھینچتا ہے وہ مقام خطیرۃ القدس کہلاتا ہے اس جگہ تمام روحیں بدنوں سے جدا ہو کر اس روح اعظم سے جا ملتی ہیں۔ جس کی طرف تعریف نبی کریم ﷺ نے بہت سے مونہوں' بہت سی زبانوں اور بہت سی بولیوں کے وصف کے ساتھ بیان کی ہے اور یہ اجتماع گاہ روح اعظم عالم مثال یا عالم ذکر جو چاہے نام لیجیے اس میں صورت نوع انسانی کی شکل یا تصویر ہوتی ہے یہی وہ مقام ہے جہاں وہ احکام جو انفرادی خصوصیات سے پیدا ہوتے ہیں۔ فنا ہو جاتے ہیں اور وہ باتیں جو نوع سے پیدا ہوتی ہیں یا ان میں نوعی حالت غالب ہوتی ہے باقی رہ جاتی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام فرد انسانی میں بعض باتیں تو ایسی ہیں جن میں سب شریک ہیں اور وہ سب میں پائی جاتی ہیں۔ احکام نوع کہلائیں گی۔ انہیں فطرت بھی کہتے ہیں۔

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر بچہ فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی

بنالیتے ہیں پھر ہر نوع کے احکام مخصوصہ کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو ظاہری احکام کی ہوتی ہے جیسے پیدائش و بناوٹ یعنی رنگ' شکل مقدار اور آواز وغیرہ پس نوع کا جو فرد اسی ہیت اور شکل پر پایا جائے گا۔ جسے اس کی نوع چاہتی ہے تو اس میں یہ تمام ظاہری احکام پوری طرح ضرور پائے جائیں گے۔ بشرطیکہ اس کی ساخت کے مادہ میں کوئی کمی ونقص نہ ہو چنانچہ نوع انسانی کا ہر فرد راست قامت' ناطق اور صاف جلد ہوتا ہے۔ اور گھوڑے کی نوع کا ہر فرد کج قامت' ہنہنانے والا اور بال دار جلد کا ہوتا ہے ان کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ایسی ہیں جو کبھی فرد سے جدا نہیں ہوتیں بشرطیکہ ان کا مزاج صحیح سالم رہے دوسری قسم باطنی احکام کی ہوتی ہے جیسے قوت ادراک معاش کے لیے ہدایات حاصل کرنا اور اپنے مقصد کے حصول اور آنے والی مصیبت سے بچاؤ کے لیے مستعد ہونا غرض یہ کہ ہر نوع کا ایک جداگانہ طریقہ ہوتا ہے چنانچہ شہد کی مکھی کو دیکھئے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح وحی کی کہ وہ درختوں کو ڈھونڈ کر ان کے پھل کھائے اور اپنے ہم جنسوں کے لیے گھر بنائے اور پھر اس میں شہد جمع کرے اس طرح چڑیا کو یہ وحی کی کہ اس کا نر مادہ کی طرف راغب ہو' پھر دونوں مل کر گھونسلا بنائیں انڈے سیکیں اور بچے نکالیں اور جب اڑنے لگیں تو انہیں یہ سکھائیں کہ یہاں پانی اور وہاں دانہ ہے انہیں ان کا دوست دشمن بتلایا اور یہ بھی سکھا دیا کہ بلی اور شکاری وغیرہ دشمن سے بھاگ کر یوں اڑنا چاہیے اور اپنے ہم جنسوں سے منفعت اور دفع مضرت کے لیے یوں لڑنا چاہیے کہ کیا کوئی عقل سلیم والا کہتا ہے کہ یہ احکام نوع کے احکام نہیں ہیں واضح ہو کہ افراد کی سعادت یہی ہے کہ ان میں نوع کے احکام پورے پورے پائے جائیں اور ان کا مادہ ان سے گریز بھی نہ کرے اور نہ کوئی کمی چھوڑے کہ اس کے بعض نوعی خواص ظاہر نہ ہو سکیں اور اس لیے آپ افراد نوع کو سعادت وشقاوت میں مختلف الحال پاتے ہیں اور جب تک وہ افراد اپنی نوع کے مقتضاء کے مطابق رہتے ہیں۔ انہیں تکلیف نہیں پہنچتی۔ لیکن افراد کی فطرت کبھی عارضی اسباب کی وجہ سے متغیر ہو جاتی ہے جیسے ورام وغیرہ آنحضرت کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے۔ پھر اس بچہ کے ماں باپ اسے یہودی' نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ انسانی ارواح نوعی حیثیت سے خطیرہ القدس کی طرف کبھی تو بصیرت اور ہمت سے کھینچ کر جاتی ہیں اور کبھی اس وجہ سے کہ ثواب اور عذاب کے لیے وہاں کے آثار متشکل ہو چکے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کے انجذاب وکشش کا تو یہ حال ہے کہ جہاں کوئی شخص بھی نجاست سے پاک وصاف ہو جاتا ہے تو جھٹ وہاں پہنچ جاتا ہے اور وہاں کی کچھ نہ کچھ باتیں اس پر منکشف ہو جاتی ہیں چنانچہ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث میں اسی جانب اشارہ ہے کہ آدم اور موسیٰ اپنے اللہ کے پاس جمع ہوئے اور آنحضرتؐ سے متعدد طریق سے مروی ہے کہ صالح لوگوں کی ارواح روح اعظم کے پاس اکٹھی ہو جاتی ہیں اور جہاں تک دوسری قسم کے انجذاب وکشش کا تعلق ہے تو اس کی کوئی تشریح یوں ہے کہ جسموں کا قیامت کے دن دوبارہ اٹھنا اور پھر ان میں ارواح کا واپس آنا نئی زندگی نہیں ہے بلکہ یہ پہلی دنیاوی زندگی کا نقشہ ہے کہ جیسے بہت زیادہ کھانے کا تتمہ بدہضمی ہے کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو یہ لوگ پہلے لوگ نہ ہوتے بلکہ ان کے غیر ہوتے اور اپنے افعال پر ماخوذ نہ ہوتے واضح ہو کر بہت سی ایسی چیزیں جو خارج میں پائی جاتی ہیں۔ مناسب معنوا جسام میں متشکل ہو کر عالم بیداری میں اسی طرح پیش ہوتی ہیں جیسا کہ عالم خواب میں پیش ہوا کرتی ہیں مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے دو فرشتے مدعی اور مدعا علیہ کی صورت میں ظاہر ہوئے اور ایک جھگڑا فیصلہ کرانے آئے پس داؤد نے جان لیا کہ یہ وہ قصور ہے جو مجھ سے اوریا کی بیوی کے بارے میں سرزد ہوا ہے لہٰذا انہوں نے مغفرت

مانگی اور تائب ہوئے اور جیسے شب معراج میں نبی کریم ﷺ کے روبرو دو پیالے پیش کیے گئے ایک شراب کا اور ایک دودھ کا آپ نے دودھ کا پیالہ پسند فرمایا اس واقعہ میں فطرت اور شہوت دو پیالوں کی صورت میں آ کر آپ کی امت کے سامنے ظاہر ہوئی تھی اور آپ کا دودھ کو پسند فرمانا اہل رشد و ہدایت کا فطرت اسلامی کو اختیار کرنا ہے اور آنحضرتؐ اور ابوبکر و عمر کا ایک کنوئیں کی منڈیر پر مل کر بیٹھنا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جگہ نہ ہونے کی وجہ سے علیحدہ بیٹھنا اس امر کا تصور تھا کہ قبر میں یہ تینوں صاحب مجتمع رہیں گے اور یکجا دفن ہوں گے لیکن حضرت عثمانؓ ان سے علیحدہ دفن ہوں گے۔ چنانچہ سعید بن مسیب نے بھی اس معاملہ کی یہی تعبیر بیان فرمائی ہے حشر کے واقعات سمجھنے کے لیے یہ مثالیں کافی ہیں کیونکہ وہاں اکثر واقعات اسی طرح پیش ہوں گے۔

واضح ہو کر لوگوں کے نفوس ناطقہ کا نسمہ سے بہت گہرا تعلق ہوتا ہے اور وہ علوم بعیدہ کے سمجھنے میں ایسے ہوتے ہیں جیسے مادرزاد اندھا کہ وہ روشنی اور رنگ کا تخیل بھی نہیں کر سکتا اور نہ ان کے تخیل کی خواہش رکھتا ہے البتہ ایک ہمدرد از طویل زمانہ میں مختلف صورتوں اور مثالوں کو سمجھ کر وہ ان کا تخیل قائم کر سکتا ہے اسی طرح ان عالم لوگوں میں بصیرت پیدا کرنے کے لیے حشر میں کچھ واقعات ظہور پذیر ہوں گے چنانچہ جب اوّل اوّل نفوس ہوں گے تو ان سے آسان حساب یا مشکل حساب لے کر جزا دی جائے گی اور بعض کو پل صراط سے گزارا جائے گا کچھ تو اس پر سے سلامتی کے ساتھ گزر جائیں گے اور کچھ خراشیں اور چوٹیں کھا کر یا اس طرح ہوگا کہ ہر شخص اپنے مقتدا اور امام کے پیچھے جائے گا اور اس کی پیروی میں یا ہلاک ہوگا یا نجات پا جائے گا۔

یا اس طرح ہوگا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کلام کریں گے اور وہ نامہ اعمال کو پڑھے گا یا اس طرح ہوگا کہ اس کا بخل ظہور میں آئے گا اور وہ اسے پیٹھ پر اٹھائے گا یا اسے اسی سے داغ دیا جائے گا۔ المختصر یہ سب کچھ جو ظہور میں آئے گا تو اسی کے اعمال و ادراکات اپنی اپنی صورت نوعیہ کے موافق متشکل اور مجسم ہوں گے۔ اور ہر وہ انسان جس کا نفس پختہ اور وسیع اور روح ہوائی فراخ ہو گی تو یہ تمثیلات و تشکلاتِ حشر یہ اس کے حق میں خوب اور کامل طور پر ہوں گی۔

اس لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے میری امت کو اکثر عذاب قبر ہی میں ہوگا۔ حشر میں بہت سے ایسے امور بھی متشکل ہوں گے۔ جنہیں سب لوگ برابر دیکھیں گے جیسے آنحضرت ﷺ کی نبوت عامہ کی ہدایت حوض کوثر کی شکل میں اور نفوس انسانی کے محفوظ شدہ اعمال ترازو کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں ہوں گی اسی طرح نعمت الٰہی نہایت لذیذ کھانے شراب طہور لباس فاخرہ حور مہ جبین اور طہور دل نشین کی صورت میں ظاہر ہوں گی۔ اور ظلمات تخلیط سے نجات پا کر نعمت الٰہی کی طرف آنے کے بہت سے عجیب عجیب طرز ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس شخص کا طویل بیان فرمایا ہے جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا۔ نفوس کو نوعی تقاضے کے موافق خواہشات اور تقاضے شہوات ہوں گی اور ان کے موافق نعمت الٰہی متمثل ہوگی اس کے علاوہ اور بھی خواہشات ہوں گی جن کی وجہ ہے ایک شخص دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ جنت میں داخل ہوا تو ایک جوان لڑکی گندم گوں سرخ لب دکھائی دی میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون ہے تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے جعفر بن ابی طالب کی رغبت گندم گوں سرخ لب کی لڑکی کی طرف پائی تو اسی کے موافق یہ لڑکی پیدا کر دی ایک اور حدیث میں ہے کہ جب تو جنت میں جا کر یہ چاہے گا کہ یاقوت کے سرخ گھوڑے پر سوار ہو کر اسے ہر جگہ اڑاتا پھرے تو اسی

وقت یہ بات تجھے حاصل ہو جائے گی ایک اور جگہ ارشاد ہے ایک جبشی شخص اپنے پروردگار سے کاشتکاری کی اجازت چاہے گا اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کیا تجھے تیری خواہشات کے مواقف ہر چیز نہیں دی گئی۔ وہ عرض کرے گا ہاں بے شک دی تو گئی ہے لیکن میں کاشت کاری سے محبت کرتا ہوں تب وہ بوئے گا اور جیسے ہی پلٹ کر دیکھے گا تو کھیتی اگ آئے گی اور پک پکا کر کٹ بھی جائے گی اور پکے ہوئے اناج کے پہاڑوں جیسے ڈھیر لگ جائیں گے تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم تیرا پیٹ کسی چیز سے نہیں بھرتا۔ پھر ان سب چیزوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی تجلیات سے مشک کے ٹیلوں پر چڑھ کر فیضیاب ہوں گے۔ اس کے بعد اور بھی ہوگا جسے میں رسول اکرم ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے ذکر نہیں کرتا اور سکوت اختیار کرتا ہوں۔

تیسرا مبحث

تدابیر نافعہ کا بیان

باب ۱۸

تدابیر نافعہ کے حصول کی کیفیت

معلوم کرو کہ آدمی کھانے پینے، مجامعت، دھوپ اور بارش سے بچنے کے لیے سایہ میں رہنے موسم سرما میں گرمی کی تلاش میں اور ان کے علاوہ اور تمام ضرورتوں میں اپنے اور ہم جنسوں کے موافق ہے اللہ تعالیٰ کی آدمی کے حال پر یہ بڑی عنایت ہے۔ کہ اس کو طبعی الہامات سے بمقتضائے صورت نوعی یہ تعلیم دی گئی ہے کہ حوائج رفع کرنے کی دقتیں کیونکر دور ہو سکتیں ہیں تمام اس کے ہم جنس افراد اس الہام وتعلیم میں اس کے برابر ہیں۔ اگر کوئی ناقص الخلقت ہی ہو وہ اس کا مادہ ہی عاصی ہو تو یہ احکام اس میں نہ ہوں گے ورنہ سب میں عموماً وہ پائے جائیں گے۔ مثلاً خداوند عالم نے شہد کی مکھی کو الہام کیا ہے۔ کہ یوں پھلوں کی رطوبت کو چوسے اس طرح اپنا گھر بنائے تمام مکھیاں اس میں جمع ہوں اس طرح اپنے یعسوب کا اتباع کریں اور شہد کو جمع کریں چڑیا کہ الہام سے بتایا کہ اس طرح غذائی دانوں کو تلاش کرے یوں پانی پر پلائے اسی طرح بلی اور شکاری سے ریز کرے پھر جوڑے سے مل کر انڈوں کی پرورش کریں بچوں کو چگا دیں ایسے ہی خداوند عالم نے ہر ایک نوع کے لیے ایک شریعت قرار دی ہے جو صورت نوعی کے راہ سے اس نوع کے تمام افراد کے سینوں میں پھونک دی ہے ایسے ہی آدمی کو بھی الہام کیا ہے کہ ان ضرورتوں کے متعلق کیا کیا مفید تدابیر عمل میں آسکتی ہیں لیکن انسان تدابیر میں جن سے تدابیر کے علاوہ تین امر کا اور اضافہ ہو گیا ہے یہ تینوں امر بھی آدمی کی صورت نوعی کے اقتضا سے ہوتے ہیں جس کو تمام انواع پر فوقیت اور برتری ہے۔

① یہ کہ آدمی کسی رائے کلی اور جامع تحریک سے کسی چیز کو اپنا مقصود قرار دیتا ہے اور چار پائے صرف طبعی خواہش اور ارادہ سے کسی محسوس یا موہوم غرض کے لیے آمادہ ہو جایا کرتے ہیں۔ مثلاً گرسنگی کی خواہش سے یا تشنگی اور مجامعت کے شوق سے اور آدمی عقلی منفعت کی

وجہ سے اکثر آمادہ ہوتا ہے اس میں کوئی طبعی تحریک نہیں ہوا کرتی وہ بسا اوقات قصد کرتا ہے کہ تمدن کے متعلق کوئی پسندیدہ اور عمدہ انتظام قائم کرے یا اپنے اخلاق کو مکمل کرے اپنے نفس کو مہذب بنائے آخرت کے عذاب سے اپنے آپ کو رہائی دے اپنے وجاہت لوگوں کے دلوں میں راسخ کرے۔

② آدمی اپنی تدابیر میں لطافت اور آدمی علاوہ کار برآری کے یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ شے ظاہر النظر میں خوشنما ہو دلی لذائذ اور کیفیات اس میں زیادہ ہوں اس واسطے وہ جمیلہ بیوی لذیذ طعال فاخرہ لباس بلند بلند ایوانوں کا طالب رہتا ہے۔

③ آدمیوں میں بعض بعض دقیقہ شناس اور خردہ بین ایسے لوگ ہوتے ہیں جو مفید مفید تدابیر کو خود مستنبط کرتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے دلوں میں بھی عقلاً کی طرح تدابیر کی الجھن پیدا ہوتی ہے۔لیکن خود ان میں استنباط کی قوت نہیں ہوتی ہے جب وہ حکما کی تدابیر کو دیکھتے ہیں یا ان کی مستنبط باتوں کو سنتے ہیں تو فوراً دل سے ان کو قبول کر لیتے ہیں اور چونکہ ان امور کو وہ اپنے علم اجمالی کے موافق پاتے ہیں اس لیے خوب استحکام سے ان کو اختیار کر لیتے ہیں آدمی گرسنہ یا تشنہ ہوتا ہے اور کھانے پینے کی کوئی چیز اس کو نہیں ملتی ہے تو نہایت تکلیف کے بعد یہ چیزیں اس کو میسر تو ہو جاتی ہیں تاہم ان سے متمتع ہونے کا کوئی طریقہ نہیں سوجھتا اتنے ہی میں اس کو کوئی حکیم مل جاتا ہے جو اسی کی سی مصیبت میں گرفتار ہو چکا ہو اس نے خود غذائی اناجوں کو معلوم کر لیا ہو اس کے لیے تخم ریزی آب رسانی اور کاٹنے کے طریقے استنباط کیے ہوں ان کے کھودنے سے ہوا اور دانے اور وقت ضرر تک ان کی حفاظت کے طریقے نکالے کنویں کھودنے کا طریق ان موقعوں کے لیے ایجاد کیا جو چشموں اور نہروں سے دور تھے بڑی بڑی خم مشکیں بڑے بڑے پیالے بنائے اور ان امور سے فوائد حاصل کرنے کی راہیں نکالیں اس کے بعد وہ ناواقف شخص غلبہ کو بغیر اصلاح کے استعمال کرتا تھا۔اور وہ معدے میں غیر منہضم رہ جاتے تھے۔خام میووں کو کھاتا تھا اور ہضم نہ ہوتے تھے اس لیے اس کے قصد و ارادے میں آتا تھا کہ کوئی چیز ان کی اصلاح کے لیے ہوتی لیکن اس کو راہنمائی نہ ہوتی تھی اب اس کی ملاقات ایسے حکیم سے ہو جاتی ہے کہ جس نے پخت و پزدار بریان کرنے کے طریقے ایجاد کیے ہوتے ہیں۔تو اس سے ایک دوسرا متمتع ہونے کا مفتوح ہو جاتا ہے۔انہیں امور پر تمام حوائج انسانی کو قیاس کر لو۔

تامل کرنے والے کی نظر میں ایسے ایسے بہت سے مفید امور شہروں میں نئے نئے ایجاد ہوتے رہتے ہیں۔جن کا پہلے ذکر بھی نہ تھا اب وہ مدتوں سے رائج ہو گئے ہیں لوگ ہمیشہ ان کو استعمال میں لاتے ہیں حتیٰ کہ ان الہامی علوم کا جن کو کسب سے مدد پہنچتی رہتی ہے ایک مجموعہ مرتب ہو جاتا ہے لوگ پختگی سے ان اصول کے پابند رہتے ہیں انہیں پر ان کی زندگی اور موت کا مدار ہوتا ہے۔حاصل یہ ہے کہ ان ضروری الہامات کا ان تینوں اشیاء کے ساتھ مل کر تنفس کا سا حال ہے حرکت نبض کی طرح فی الحقیقت سانس لینا بھی ایک ضروری امر ہے۔ لیکن اپنے اختیار سے سانس کو چھوٹا اور بڑا کر سکتے ہیں اور چونکہ یہ تینوں امر سب لوگوں میں ایک سے نہیں ہوتے اس وجہ سے کہ لوگوں کے مزاج اور عقول میں جن کا مقتضا یہ ہے کہ رائے کلی کی آمادگی ہو لطافت پسندی ہو امور نافع کا استنباط ہو ان کی پیروی کی جائے بڑا اختلاف ہے اور علیٰ ہذا استدلال اور فکر و خوض کرنے میں سب ایک طرح فارغ دل نہیں ہوتے اور ایسے ہی اور اسباب کی وجہ سے تدابیر نافعہ کی دو

حدیں قرار پا گئی ہیں۔

❶ ایسے امور ہیں کہ ادنیٰ درجہ کی جماعتوں میں مثلاً بیابانوں پہاڑی چوٹیوں کے باشندوں عمدہ ولایتوں کے بعید اطراف میں رہنے والوں میں ان کا وجود ضروری قرار دیا گیا ہے ان کا تدابیر ادنیٰ نام ہے۔

❷ وہ تدابیر ہیں جو ان شہروں' معمور قصبوں اور عمدہ ولایتوں میں قرار دی جاتی ہیں جن کا مقتضایہ ہے کہ کامل الاخلاق لوگوں اور حکماء کی ان میں پیدائش ہو۔ ان آبادیوں میں جماعتوں کی کثرت ہوتی ہے بکثرت ان کو حاجتیں پیش آتی ہیں بہت سی آزمائشوں اور تجربوں کا موقع ملتا ہے اس لیے بڑے بڑے قوانین وضع کیے جاتے ہیں۔ اور استحکام کے ساتھ ان پر عملدرآمد ہوتا ہے۔ اس حد کا نہایت ذیشان حصہ شاہانہ عملدرآمد کا ہوتا ہے جو پورے عیش و آرام کے لوگ ہیں۔ مختلف فرقوں کے حکماء کی ان کے پاس آمد و رفت رہتی ہے۔ یہ سلاطین عمدہ عمدہ اصول کو اخذ کرتے رہتے ہیں ان کا نام تدابیر ثانی ہے اور جب تدابیر ثانی پایہ تکمیل کو پہنچ جاتے ہیں تو تدابیر ثالث کی اس طرح ان سے تولید ہوتی ہے کہ لوگوں میں معاملات باہمی کا دور رہتا ہے پھر ان میں معاملات کی وجہ سے بخل سستی' انکار' طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے اس لیے اختلافات نزاع فساد کی بنیاد لوگوں میں قائم ہو جاتی ہے اور نیز ایسے ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں جن پر ردی نفسانی خواہشیں غالب ہوتی ہیں بعض کی پیدائش میں قتل و غارت گری کی بے باک صفت ہوتی ہے اور نیز مشترک النفع تدابیر کا قائم کرنا ایک شخص کا کام بھی نہیں ہوتا ان کے حق میں ایسی تدابیر کا قائم کرنا نہ آسان ہوتا ہے اور نہ دلیری سے وہ اس کو انجام دے سکتے ہیں اس لیے مجبوراً ان کو ایک بادشاہ کے مقرر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے جو انصاف سے ان کی باہمی خصومتوں کا فیصلہ کرے۔ سرکشوں پر اپنا رعب قائم رکھے دلیروں سے مقابل ہو کر محصول تحصیل کرے اپنے اپنے موقعوں پر اس کو صرف کرے اور ایسے ہی یہ تدابیر سوم تدابیر چہارم کے منتج اور باعث ہوتے ہیں اس لیے کہ جب ہر ہر ملک کا مستقل بادشاہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس کو مال گذاری ادا کی جاتی ہے۔ دلیر طبع لوگ اس سے آملتے ہیں تب ان میں بخل حرص اور کینہ پیدا ہوتا رہتا ہے اور باہمی فساد بڑھتے بڑھتے جنگ و جدل کی نوبت آجاتی ہے اس لیے ان میں خلیفہ کے قائم کرنے یا ایسے شخص کی اطاعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کا عام تسلط خلافت کبریٰ کا سا ہو۔ خلیفہ سے میری مراد ایک ایسا شخص ہے۔ جس کو اتنی شوکت اور صولت حاصل ہو کہ دوسرے شخص کا اس کے ملک کو دبا لینا ناممکن سا ہو۔ اس کے ملک کا انتزاع جب ہی ہو سکے کہ بکثرت لوگوں کی جماعتیں اتفاق کر لیں کثرت سے یہ لوگ مال صرف کریں اور امر کا امکان مدتہائے دراز کے بعد ایک دو شخصوں کو ہوا کرتا ہے۔ خلفاء کی حالت لوگوں اور عادات ملکی کی وجہ سے مختلف ہوا کرتی ہے جن لوگوں کی طبیعت نہایت سخت اور تند ہوتی ہے ان کو بہ نسبت اور کمزور لوگوں کے سلاطین اور خلفاء کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اب ہم ان تدابیر نافعہ کے اصول اور ان کے ابواب کی فہرستیں مندرج کرتے ہیں ان کی ایسی پیراستہ جماعتوں کی عقلوں نے جانچ کی ہے جن کے عمدہ اخلاق تھے بلا اختلاف ادنیٰ اور اعلیٰ نے ان کو ایک مسلم طریقہ میں تسلیم کر لیا ہے آئندہ بیانات میں تم کو غور کرنا چاہیے۔



باب ۱۹

تدابیر اولیٰ کے بیان میں

انہیں تدابیر سے ایک لغت ہے جس سے دلی امور بیان کیے جاتے ہیں لغت کی یہی حقیقت ہے کہ اجسام کے افعال اور ہیئتوں کو کسی نہ کسی آواز سے کچھ تعلق ہوا کرتا ہے یہ آوازیں ان اشیاء سے ملی ہوئی ہوتی ہیں یا سبب وغیرہ کا ان دونوں میں علاقہ ہوتا ہے لغت سے اس آواز کو ہو بہو نقل کر دیا کرتے ہیں پھر معانی کے مقابلے میں مختلف صیغے بنا بنا کر اس میں تصرفات کیا کرتے ہیں اور جن امور کا نظروں کے سامنے اثر پڑتا ہے یا نفس کی وجدانی ہیئتوں سے وہ پیدا ہوتے ہیں وہ سب اسی قسم مذکور سے مشابہ کیے جاتے ہیں اور بتکلیف ویسی ہی آوازوں کے لیے بھی بنائے جاتے ہیں اور مشابہت کی وجہ سے یا کسی میل یا کسی علاقہ سے نقل کر لینے کی وجہ سے لغات میں مجازی طور پر وسعت ہو جاتی ہے لغات کے اور اصول بھی ہیں جن کو تم کہیں کہیں ہمارے کلام میں پا سکو گے انہیں تدابیر میں سے زراعت، درختوں کا بونا، کنوؤں کا کھودنا، پکانے اور نانخورش بنانے کی کیفیت بھی ہے اور انہیں میں سے برتنوں اور مشکوں کا بنانا ہے۔

انہیں میں سے بہائم کا مطیع کرنا ان کو اپنے قابو میں رکھنا بھی ہے کہ ان کی سواریوں گوشتوں پوستوں بالوں دودھوں بچوں سے امداد لی جائے۔

انہیں میں سے غار اور مکانات وغیرہ ہیں جو گرمی اور سردی سے لوگوں کو محفوظ رکھیں۔

انہیں میں سے بہائم کی پوست درختوں کے پتوں یا اپنے بنائے ہوئے کپڑوں کا لباس ہے جو کہ پرندوں کے پروں کے قائم مقام ہے۔

انہیں میں سے اپنی منکوحہ کا معین کرنا ہے کہ کوئی دوسرا اس میں مزاحمت نہ کر سکے اس سے نفس رانی کی جائے اپنی نسل اس کے ذریعہ سے بڑھائی جائے اور اپنی خانگی ضرورتوں میں اولاد کی نگرانی اور تربیت میں اس سے مدد لی جائے آدمی کے علاوہ اور حیوانات اپنے جوڑے کو متعین نہیں کر سکتے مگر محض اتفاقیہ طور پر یا اس لیے کہ وہ دونوں تواماں ہوں اور بلوغ تک ان میں رفاقت رہی ہو یا اور ایسے ہی اسباب سے۔

اور انہیں تدابیر سے صنعتوں کی راہنمائی ہے جن کے بغیر زراعت کرنا، درختوں کا لگانا، کنوؤں کا کھودنا بہائم سے کام لینا، ممکن نہیں ہے جیسے (دولاب) ڈول، ہل، رسیاں وغیرہ۔

اور انہیں میں سے باہمی مبادلوں کے بعض بعض امور میں باہمی ہمدردی کی راہنمائی ہے۔

اور انہیں میں سے یہ ہے کہ جس شخص کی رائے درست ہو اور اس کے مزاج میں سخت گیری ہو۔ وہ اوروں کو اپنا مسخر بنا کر ان پر ریاست کرے اور ان سے کسی نہ کسی طرح سے چونہ لے۔

اور انہیں سے یہ بھی ہے کہ ان میں مسلم قوانین ہوں جن سے مناقشوں کا فیصلہ ہو سکے اور ان سے ظالموں کی تعدی روکی جائے اس کی مدافعت کی جائے جو ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کرے۔ ہر قوم میں ایسے لوگوں کا وجود ضروری ہے وہ لوگوں کی مہتم بالشان امور میں تدابیر کے طریقے وضع کرتے ہیں اور لوگوں اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ بھی ضروری ہیں جو آراستگی پسند ہوں۔ کسی نہ کسی وجہ سے عیش و آرام اور تن آسانی کے خواہاں ہوں جو اپنے اوصاف شجاعت' فیاضی' خوش بیانی' زیرکی وغیرہ پر نازاں ہوں اور ان کی تمنا یہ ہو کہ ہماری شہرت دور دور پہنچ جائے ان کا مرتبہ بلند ہو۔ خدائے تعالیٰ نے کلام مجید میں بندوں پر اس کا بڑا احسان کیا ہے کہ ان تدابیر کے الہامی شعبوں کو بخوبی بتا دیا ہے اس کو معلوم تھا کہ عموماً ہر قسم کے لوگ احکام قرآنی سے مکلف ہوں گے۔ اور اسی قسم کی تدابیر ہیں جو ان سب میں پائی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم

باب ۲۰

آدابِ معیشت کے بیان میں

آداب معیشت حکمت کا ایک شعبہ ہے اس میں ان تدابیر کا بیان ہوتا ہے جو ان ضرورتوں کے متعلق ہیں جن کا بیان حد ثانی کے موافق پہلے گزر چکا ہے ان میں اصلی امر یہ ہے کہ تدابیر اولیٰ کو ہر باب میں صحیح تجربہ پر پیش کریں جو جو صورتیں ضرر سے بعید ہیں اور نفع سے قریب ہیں وہی اختیار کی جائیں اور ان آداب کا عمدہ اخلاق سے موازنہ کیا جائے جو کامل المزاج لوگوں کی پیدائش میں ہوا کرتے ہیں جو آداب ان اخلاق کے زیادہ مناسب ہوں وہی اختیار کیے جائیں اور ان کے ماسوا سب ترک کر دیے جائیں اور نیز ان آداب کا اندازہ حسن معاشرت اور لطف مشارکت سے کیا جائے ان میں وہ مقاصد ملحوظ رکھنے چاہئیں جو رائے کلی سے پیدا ہوں۔ معاش کے اہم مسائل یہ ہیں' کھانے پینے کے آداب' چلنے کے' نشست برخاست سونے کے' سفر کرنے کے' قضائے حاجت' ہمبستری' لباس' مکان' ستھرائی' پاکیزگی' آرائش' باہمی گفتگو کے طریقے' آفات کے وقت دواؤں منتروں کا استعمال' حوادث پیش آنے کے وقت پیش بینی' خوشی' ولادۃ' نکاح' عید' مسافروں کے آنے وغیرہ کی خوشی کے موقعوں میں اور ولیموں میں فرحت اور سرور کا اظہار' مصائب میں رنج و غم کا اظہار' مریضوں کی عیادت' مردوں کو دفن کرنا جو معمور شہروں کے باشندوں میں صحیح المزاج لوگ شمار کیے جاتے ہیں ان کا اتفاق ہے کہ ایسی چیزیں نہ کھائی جائیں جن میں پلیدی ہو مثلاً جو چیز اپنی موت سے مرگئی ہو یا متعفن ہو اور وہ جانور بھی استعمال نہ کیے جائیں جن کے مزاج میں اعتدال نہ ہو۔ ان کے اخلاق منتظم نہ ہوں یہ بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ برتنوں میں اور دستر خوانوں وغیرہ پر کھانا چنا جائے۔ کھانے کے وقت منہ اور ہاتھ پاک کیے جائیں ایسی حالتوں سے احتراز کیا جائے جو احمقانہ ہوں۔

ایسے امور کی احتیاط چاہیے جن سے اپنے شرکاء کی طبیعتوں میں تکدر پیدا ہو۔ بدبودار پانی نہ پیا جائے۔ بغیر ہاتھ لگائے

صرف منہ سے پاپیاپے بدحواسی میں بھی پانی نہ پیا جائے۔ اور نیز تمام عمدہ طبیعت کے لوگ اپنے بدن اور کپڑے اور مکان کو دو قسم کی پلیدیوں سے پاک صاف رکھنا پسند کرتے ہیں۔ اوّل ان چیزوں سے جن میں گندگی اور بوآتی ہو دوسری ان میل اور چرکوں سے جو قدرتی طور پر پیدا ہوتی ہیں۔ گندہ دہنی کو مسواک سے غالباً دور کرتے ہیں۔ بغل اور زیر ناف کے بالوں کو منڈواتے ہیں کپڑوں کا میلا ہونا اور مکان پر خس وخاشاک کا ہونا ناپسند کرتے ہیں۔ عموماً سب کا اتفاق ہے کہ سب لوگوں کے سامنے آدمی نہایت پاک صاف نظر آئیں۔ لباس درست ہو۔ سر اور داڑھی کے بال شانہ سے صاف رکھے جائیں۔ کوئی عورت جب کسی شخص کے نکاح میں ہو تو خضاب اور زیور سے آراستگی کرتی رہے۔ سب کی نظیر میں برہنگی بے شرمی کی بات ہے اور لباس رونق کی چیز ہے دونوں شرمگاہوں کا کھلا رہنا بھی بے شرمی خیال کی جاتی ہے پورا لباس وہی ہے جس سے تمام بدن چھپا رہے اور نیز مناسب ہے کہ شرمگاہ چھپانے کا لباس جدا ہو اور باقی بدن کا لباس جدا ہو اور یہ بھی اتفاقی امر ہے کہ خواب نجوم نیک فالی کہانت رمل وغیرہ سے آئندہ واقعات کی پیش بینی کی جائے جس شخص کا مزاج معتدل اور ذوق سلیم ہوا کرتا ہے وہ اپنی گفتگو میں ضرورۃً ایسے الفاظ کو استعمال کرتا ہے جن میں وحشت نہ ہو زبان پر وہ گراں معلوم نہ ہو ایسی ایسی تراکیب کو اپنی گفتگو میں وہ پسند کرتا ہے جن میں متانت اور سنجیدگی ہو ایسا طرز کلام اختیار کرتا ہے جس کو لوگ گوش دل سے متوجہ ہو کر سنیں ایسا شخص فصاحت اور خوش بیانی کی میزان ہوا کرتا ہے۔

بہر حال ہر ایک باب میں اجماعی مسائل قرار دیئے گئے ہیں جن کو تمام شہروں نے گو وہ ایک دوسرے سے دور دراز فاصلہ پر ہوں تسلیم کر لیا ہے اس کے بعد آدابِ معیشت کے قواعد مرتب کرنے میں لوگ مختلف ہیں۔ عالم طبیعت کا واقف طبی خوبیوں کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اور نجومی ستاروں کی خاصیتوں کا لحاظ رکھتا ہے۔ اور الہیات کا واقف اخلاص اور احسان کی رعایت کرتا ہے۔ یہ سب امور مذکورہ بالا تمام فرقوں کی تصانیف میں مفصل مذکور ہیں۔ مزاج اور عادات کے اختلاف سے ہر ایک قوم کا لباس اور اداب وغیرہ جدا جدا ہوتے ہیں انہیں سے ان میں باہم امتیاز ہوا کرتا ہے۔ واللہ اعلم

باب ۲۱

تدبیر منزل میں

تدبیر منزل حکمت کا وہ حصہ ہے جس میں ان روابط اور تعلقات کے محفوظ رکھنے کی کیفیت بیان کی جاتی ہے۔ جو تدابیر کے دوسری حد کے موافق ایک مکان کے رہنے والوں میں ہوا کرتے ہیں۔ اس حکمت کے چار حصے ہیں:

❶ ازدواج ❷ ولادت ❸ مالک ہونا ❹ باہمی صحبت' ان تعلقات کی اصل یہ ہے کہ ہمبستری کی ضرورت نے اولاد مرد اور عورت میں ایک تعلق اور رابطہ کو پیدا کیا پھر بچہ پر شفقت والدین باعث ہوئی کہ دونوں مل کر اس کی پرورش میں ایک دوسرے کی اعانت کریں مرد اور عورت کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں تربیت کی جانب عورت کو بہ نسبت مرد کے زیادہ راہنمائی ہوا کرتی ہے۔ نیز

عورت بہ نسبت مرد کے کم عقل ہوتی ہے محنت کے کاموں سے جان چراتی ہے عورت میں شرم کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ خانہ نشینی کی جانب زیادہ مائل رہتی ہے۔ ادنیٰ ادنیٰ اور حقیر کاموں کی کوشش میں زیادہ ہوشیاری اور ذہانت صرف کرتی ہے بہ نسبت مرد کے اس میں مادہ اطاعت کا بھی زیادہ ہوتا ہے مرد کی رائے میں سنجیدگی زائد ہوتی ہے۔ وہ ننگ و ناموس کے امور کی زیادہ روک تھام کرتا ہے' مشقتوں کے داخل ہونے میں بڑا جری اور دلیر ہوتا ہے' نخوت تسلط' غیرت مناقشہ وغیرہ اوصاف اس میں پورے ہوتے ہیں۔ اس واسطے عورت کی زندگی بغیر مرد کے نہیں ہو سکتی۔ اور مرد کے لیے عورت کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور چونکہ عورتوں کے باب میں مردوں کی مزاحمت کا اندیشہ ہوا کرتا ہے' اور عورتوں کے معاملات میں مردوں کو غیرت ہوا کرتی ہے اس واسطے ان دونوں کی اصلاح جب ہی ہو سکتی ہے کہ سب کے سامنے علیٰ رؤس الاشہاد مرد کی بیوی مرد کے لیے خاص ہو جائے اور چونکہ اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ مرد کو عورت کی جانب رغبت ہے اور عورت اپنے ولی کی نظر میں معزز ہے اس لیے مہر اور منگنی اور ولی کی طرف سے سربراہ کاری ضروری قرار دی گئی۔ اگر محارم میں اولیاء کی رغبت تجویز کی جاتی تو عورت کو اس سے بڑا ضرر پہنچ سکتا تھا ولی عورت کو اس شخص سے روک سکتا تھا۔ جو عورت کی نظر میں مرغوب ہوتا اور نیز عورت کے لیے کوئی ایسا شخص نہ ہوتا جس سے وہ حقوق زوجیت کا مطالبہ کرتی حالانکہ اس کو ان حقوق کی نہایت ضرورت ہے اور سوکنوں وغیرہ کے باہمی مناقشوں سے رحم کی حالت بھی خراب رہتی اور نیز سلامت مزاج کا یہ بھی اقتضا ہے کہ آدمی کو اس عورت کی جانب رغبت نہ ہو جس سے وہ خود پیدا ہوا ہے یا اس سے عورت پیدا ہوئی ہے یا وہ دونوں ایسے ہیں جیسے ایک باغ کی دو شاخیں جو کہ ہم بستری کی ضرورت کے ذکر کرنے میں حیا آیا کرتی ہے اس واسطے ضروری ہے کہ عروج (عورت کو اپنی طرف مائل کرنا) کے ضمن میں اس حاجت کا ذکر مخفی رہے جو کہ دونوں کے وجود سے مقصود ہے اور شہرت دینے اور عروج دینے کو مدار منزلی قرار دینے کے لیے اس کی ضرورت ہے کہ ولیمہ کیا جائے اور لوگوں کی اس میں دعوت کی جائے دف بجانے اور خوشی میں اس کا اظہار کیا جائے اور حاصل یہ ہے کہ بہت سی وجوہ سے جن میں سے بعض کو میں نے ذکر کیا ہے اور بعض کو لوگوں کے فہم پر اعتماد کر کے حذف کر دیا نکاح کی یہ حالت کذائی کہ غیر محارم سے نکاح کیا جائے لوگوں کے مجمع میں اس کی تقریب ہو اس سے پہلے مہر اور منگنی ہو کفو کا بھی لحاظ رکھا جائے اولیاء کی سربراہ کاری ہو ولیمہ کیا جائے لوگوں کا عورتوں پر قابو رہے لوگ ان کی معاش کے متکفل رہیں عورتیں خانگی خدمات میں مصروف رہیں اولاد کی تربیت کرنے میں اطاعت سے رہیں تمام لوگوں کی نظر میں لازمی طریقہ اور مسلم امر ہو گیا ہے اور امر فطری ہو گیا ہے۔ جس پر لوگوں کو خدا نے پیدا کیا ہے عرب عجم میں کوئی اس میں اختلاف نہیں کرتا اور نیز زن و شوہر میں باہم اعانت میں کامل سعی کہ دوسرے کی نصرت کو اپنی نصرت اور دوسرے کے نفع کو اپنا ہی نفع خیال کرے جب ہی ہو سکتی ہے کہ دونوں اپنے ذہن میں عزم مصمم کر لیں کہ نکاح کی ہی حالت میں زندگی بسر کریں گے اور جب ان دونوں میں نہ بنے اور ایک دوسرے سے سرکشی کریں تو کوئی ایسا طریقہ بھی ضرور ہونا چاہیے۔ جس سے ایک دوسرے کے پنجہ سے خلاصی پا سکیں اگرچہ یہ علیحدگی تمام مباح امور میں سے نہایت ہی درجہ مبغوض ہو اس لیے طلاق میں خاص خاص قیود اور عدت وغیرہ کا لحاظ ضروری قرار دیا گیا اور ایسی ہی خاوند کی وفات میں اس قسم کے لحاظات معتبر کیے گئے تاکہ دونوں میں نکاح کا ادب اور وقعت باقی رہے اور دوامی حقوق اور معاہدہ مصاحبت کی کسی قدر وفاداری ادا ہو سکے اور نسبوں میں اشتباہ بھی نہ ہونے پائے اور اولاد کو چونکہ آباء کی ضرورت ہوتی ہے اور بالطبع آباء کو اپنی

اولاد کی طرف کشش ہوا کرتی ہے اس واسطے ضرورت ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ایسے مفید امور کی مشاقی اور تربیت کرائیں جو فطرۃً ان کے لیے موزوں اور مفید ہیں اور ضرور ہوا کہ اولاد پر آباء کو تقدیم ہو وہ اس لیے بزرگ تسلیم کئے گئے ہیں کہ ان کے عقول اور تجربے مکمل ہوتے ہیں اور اخلاقی تندرستی کا بھی مقتضا یہی ہے کہ احسان کے مقابلے میں احسان کیا جائے اور اولاد کی تربیت میں وہ ایسے ایسے شدائد جھیلتے ہیں جو محتاج بیان نہیں ہیں اس لیے والدین کی خدمت گزاری بھی لازمی طریقہ قرار دیا گیا اور چونکہ لوگوں کی استعدادیں مختلف ہوا کرتی ہیں اس واسطے یہ بھی ضرور ہے کہ بعض لوگ بالطبع سروری کے قابل ہوں جن میں فراست اور بالطبع بیداری ہو امور معاش میں وہ مستقل ہوں۔ ان میں انتظام اور رفاہ عام کا پیدائشی مادہ ہو اور بعض لوگ قدرتی طور پر غلامی کی حالت پر پیدا ہوتے ہیں ان میں حماقت دوسرے کی تابعداری کا ہی مادہ ہوتا ہے جس طرف ان کو کھینچو وہ کھچے چلے جاتے ہیں لیکن ایسے دونوں شخصوں کی معاش بغیر ایک دوسرے کے مکمل نہیں ہو سکتی اور رنج و آرام میں باہمی ہمدردی آقا اور مملوک میں جب ہی ممکن ہوتی ہے کہ وہ دونوں اپنے اپنے دلوں میں ٹھان لیں کہ اس تعلق کو ہمیشہ قائم رکھیں گے اور نیز بعض اتفاقات ایسے واقع ہوتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کو قید کر لیتا ہے یہ حالت اسیری بھی لوگوں میں قابل لحاظ ہے اس سے بھی ایک قسم کا علاقہ مالکیت اور مملوکیت کا باہم مقید اور قید کرنے والے میں منتظم ہو جایا کرتا ہے اس کے لیے بھی وضع قانون کی ضرورت ہے کہ مالک و مملوک اس کے پابند ہیں اور اس کی فروگذاشت پر قابل نفرین سمجھے جائیں۔

اور اسیری کے بعد فی الجملہ کوئی طریقہ رہائی کا بھی مال یا بغیر مال کے ہونا ضروری ہے۔ نیز لوگوں کو اکثر مصائب اور ضرورتیں پیش آیا کرتی ہیں کبھی مرض لاحق ہو جاتا ہے کبھی پاشکستگی پیش ہوتی ہے کبھی کسی کا حق اس کے متعلق ہوتا ہے بہر حال ایسی ایسی ضرورتیں پیش آیا کرتی ہیں کہ بغیر اپنے ابنائے جنس کی دستگیری کے اپنی حالت کی اصلاح بدقت ہوتی ہے ایسے ایسے عوارض پیش آنے میں سب لوگوں کی حالت یکساں ہے اسی واسطے ضرورت پڑا کرتی ہے کہ لوگوں میں باہم اُلفت اور میل ہمیشہ قائم رہے اور لوگوں میں مظلوم کی دادرسی اور مصیبت زدہ کی امداد کا طریقہ مسلوک رہے کہ لوگ اس کے متقاضی ہوں اور اس کی فروگزاشت پر نفرین کی جائے اور ضرورتوں کے دو حصے ہوا کرتے ہیں۔ وہ حصہ کہ اس کی تکمیل جب ہی ہوتی ہے کہ ہر شخص دوسرے کے ضرر اور نفع کو اپنا ہی ضرر اور نفع سمجھے یہ امر جب ہی پورا ہو سکتا ہے کہ ہر شخص دوسرے کے خلوص و محبت میں پوری طاقت صرف کرے اس کے نفقہ کا اور وراثت کا التزام ہو' اکثر امور کی وجہ سے جانبین میں سے ہر شخص کو ایسی ایسی امداد کا التزام کرنا پڑتا ہے تاکہ نقصان کے عوض میں کسی قدر متمتع ہونے کا بھی موقعہ حاصل ہو سکے اس اندازے کے قابل رشتہ داروں کی حالت ہوا کرتی ہے ان کی باہمی محبت اور رفاقت قدرتی امر سا ہوتا ہے۔ ضرورتوں کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے کہ ضرورت بالا سے کسی قدر ان کا درجہ کم ہوتا ہے' اس لیے اہل مصائب کی ہمدردی اور مواسات لوگوں میں مسلم قانون بن گیا ہے اور ان سب میں صلہ رحم کا سب سے زیادہ مضبوطی سے اہتمام کیا جاتا ہے اس خانگی تدابیر کے مہتم بالشان مسائل یہ ہیں:

① ان اسباب کا دریافت کرنا جو ازواج یا ترکیب ازواج کے باعث ہوتے ہیں۔

② خاوند کے فرائض کہ جن سے معاشرت قائم رہے اور فواحش و ننگ و عار سے اہلیہ کا ناموس محفوظ رہے۔

③ اہلیہ کے فرائض پارسائی خاوند کی اطاعت خانہ داری کی مصلحتوں میں پوری طاقت صرف کرنا۔
④ جب باہم دونوں میں نفرت ہو جائے تو مصالحت کیسی کروائی جائے۔
⑤ طلاق کا طریقہ۔
⑥ خاوند کی وفات کے بعد ماتمی حالت میں بسر کرنا۔
⑦ اولاد کی تربیت۔
⑧ والدین کی خدمات۔
⑨ غلاموں کے انتظام اور نیز احسانات۔
⑩ غلاموں کی اپنے آقاؤں کی خدمت گزاری۔
⑪ آزادی کا طریقہ۔
⑫ رشتہ داروں اور ہمسایوں سے صلہ رحم کرنا۔
⑬ شہر کے حاجت مندوں کے ساتھ ہمدردی اور جو مصائب ان پر طاری ہوں ان کی مدافعت کی کوشش۔
⑭ خاندان کے نقیب کا ادب اور عزت۔
⑮ نقیب کا حالات خاندانی پر نظر رکھنا۔
⑯ ورثہ میں ترکے کی تقسیم۔
⑰ نسبی اور حسبی امور کی پاسداری' لوگوں میں سے کسی جماعت کو نہ پاؤ گے کہ ان ابواب کے اصول پر ان کو اعتقاد نہ ہو ان کے مذاہب میں اختلاف ہو ان کے وطن جدا جدا ہوں لیکن ان امور کے قائم کرنے میں سب کو سعی اور کوشش رہتی ہے۔ واللہ اعلم

باب ۲۲

معاملات کے فن میں

یہ حکمت کا وہ حصہ ہے جس میں باہمی مبادلوں کا ایک دوسرے کی دستگیری اور پیشوں کا بیان کیا جاتا ہے اس میں اصلی امر یہ ہے کہ جب ضرورتوں کی کثرت ہوئی اور سب ضرورتوں کا مہیا کرنا مطلوب ہوا اور یہ قصد کیا گیا کہ ایسی شائستگی سے یہ ضرورتیں سب مہیا کی جائیں کہ جن سے آنکھوں کو تازگی ہو اور دلوں کو لذیذ معلوم ہوں تو ہر شخص سے اس طرح پر ان کا سرانجام حسن رہا اور بعض لوگوں کے پاس غذا حاجت سے زیادہ ہوتی ہے لیکن اس کے پاس پانی نہیں ہوا کرتا بعض کے پاس پانی حاجت سے زیادہ ہوتا ہے لیکن غذا کافی نہیں ہوتی تو ان صورتوں میں بجز مبادلہ کے اور کوئی طریقہ ان کے حصول کا نہیں ہوتا اس لیے باہمی مبادے ضرورتوں کی

دقتیں رفع کرنے کے لیے قرار دیئے گئے اور ضرورۃً یہ قرار پایا گیا کہ ہر شخص ایک ایک ضرورت کے سرانجام کی طرف متوجہ ہو اس کو خوب مستحکم کرے اسی کے تمام وسائل کے مہیا کرنے کی کوشش کرے اور اپنی اور ضرورتوں کو مبادلوں کی وجہ سے اسی ذریعہ سے رفع کرے سب لوگوں کی نظر میں یہ ایک مسلم قانون ہو گیا ہے۔ اکثر لوگوں کو کسی خاص چیز کی رغبت ہوتی ہے یا کسی چیز سے بے رغبتی ہوتی ہے لیکن اس حالت میں ایسا کوئی شخص نہیں ملا کرتا جس سے معاملہ کیجیے اور جو کہ پہلے ہی سے ایسے امور کے سرانجام کی ضرورت پڑا کرتی ہے اس لیے سب لوگوں نے قرار دیا کہ معدنی جوہروں کو ان اغراض کے لیے معین کر لیں یہ جوہر زیادہ دیرپا ہیں۔ انہی سے داد و ستد کرنا سب کی نظر میں مسلم ہو گیا ہے اور ان معدنی جوہروں میں سے سونا اور چاندی زیادہ موزوں تھے اس لیے کہ ان کا حجم چھوٹا ہوتا ہے اور ان دونوں کے اقسام بھی یکساں ہوتے ہیں اور بدن انسانی کے لیے وہ نافع بھی بہت ہیں ان سے آرائش بھی ہوتی ہے تو گویا یہ دونوں قدرتی طور پر نقد تھے اور معدنی چیزیں قرار دینے سے نقد ہو جاتی ہیں۔

کسی کے اصول میں سے زراعت ہے اور چارپایوں کو چرانا اور بر و بحر کے مباح مالوں معدنیات نباتات حیوانات کا جمع کرنا ہے یا بخاری آہنگری بوریا بافی وغیرہ کی دستکاریاں ہیں جن کے ذریعہ سے قدرتی جوہروں کو اس قابل کر لیتے ہیں کہ وہ نفع حاصل کرنے اور اغراض میں استعمال کرنے کے لائق ہو جائیں ان کے بعد تجارت پیشہ ہو گیا پھر ملکی مصالح کا سرانجام دینا بھی پیشہ قرار دیا گیا اس کے بعد اور تمام انسانی ضرورتوں کا مہیا کرنا پیشہ ہو گیا۔ لوگ جتنی ترقی کرتے جاتے ہیں اور لذائذ اور عیش و آرام کو جتنا زیادہ بڑھاتے جاتے ہیں اسی قدر مطالب کے اطراف و جوانب اور متعلقات روز بروز پھیلتے جاتے ہیں ہر شخص کا کسی خاص پیشے سے تعلق دو وجہوں سے ہوا کرتا ہے۔

① قوتوں کی مناسبت سے مثلاً شجاع و دلیر آدمی فنون جنگ کے مناسب ہوتا ہے اور زیرک قوی الحافظہ حساب کتاب کے لیے اور نہایت توانا بار برداری کے لیے اور مشقت و محنت کے کاموں کے لیے۔

② موجودہ اتفاقات کی وجہ سے مثلاً آہنگر کے بیٹے اور ہمسائے کے لیے آہنگری کا پیشہ جیسا آسان ہو سکتا ہے دوسرے کے لیے نہیں ہو سکتا اور کنارہ دریا کے باشندوں کے لیے مچھلی کا شکار جیسا آسان ہو سکتا ہے۔ دوسرے کے لیے نہیں ہو سکتا۔ اکثر لوگ ایسے ہو سکتے ہیں کہ مطالب کے عمدہ طریقوں کا اختیار کرنا ان کو دشوار ہوتا ہے اس لیے وہ ایسے پیشے اختیار کر لیا کرتے ہیں جو ملک کے لیے ضرر رساں ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً چوری' قمار بازی' مبادلہ کی بھی صورتیں مختلف ہوا کرتی ہیں مبادلہ کبھی شئے کا شئے سے ہوتا ہے جیسے کہ خرید و فروخت اور کبھی کسی شئے کو دے کر اس کے بدلے میں منفعت حاصل کر لیا کرتے ہیں اس کو مزدوری کہتے ہیں اور چونکہ ملک کا انتظام بغیر اس کے نہیں ہو سکتا ہے کہ لوگوں میں باہم ہمدردی اور الفت پیدا ہو اور الفت کا مقتضا ہوتا ہے کہ ضروری چیزیں بغیر معاوضہ کے فیاضانہ طور پر دی جایا کریں اس لیے ہبہ اور رعایت کی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں اور ہمدردی کا مقتضا یہ بھی ہے کہ حاجتمندوں اور فقیروں کی کار برآری کی جائے اس لیے صدقہ اور خیرات کا طریقہ مقرر رہا ہے۔

سلسلہ اسباب کی وجہ سے سب لوگ یکساں حالت میں نہیں ہوتے بعض احمق ہوتے ہیں اور بعض کارگزار بعض مفلس اور بعض تونگر

بعضوں کو کچھ عار نہیں ہوتی بعض لوگوں پر ضرورتوں کا ہجوم ہوتا ہے اور بعض فارغ البال ہوتے ہیں اس لیے ہر ایک کی معاش کا پورا سامان جب ہی ہو سکتا ہے کہ دوسرے کی جانب سے اعانت ہو اور بغیر عقد اور شرائط کے اور بغیر اس کے کہ سب مل کر ایک طریقہ مقرر کرلیں اعانت ہو نہیں سکتی اس لیے مزارعت' مضاربت' شرکت وکیل مقرر کرنا قرار دیا گیا ہے۔ضرورتوں کی وجہ سے قرض لینا پڑتا ہے ودیعت رکھنی ہوتی ہے اور اس میں تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ خیانت' انکار' سستی کیا کرتے ہیں۔ اس لیے گواہوں' تحریر دستاویزات' رہن' کفالت حوالہ کی حاجت ہوا کرتی ہے اور لوگ جتنے خوشحال اور آسودہ ہوتے ہیں اتنے ہی اعانتوں کے اقسام پھیلتے جاتے ہیں لوگوں میں سے تم کوئی فرقہ ایسا نہ پاؤ گے جو ان معاملات کا برتاؤ نہ کرتے ہوں اور انصاف اور رحم میں تمیز نہ کرتے ہوں۔ واللہ اعلم

باب ۲۳

سیاستِ مدن کے بیان میں

سیاستِ مدن حکمت کے اس حصہ کا نام ہے جس میں ان تعلقات کے حفظان کی کیفیت بیان کی جاتی ہے جو باہم اہالیان شہر کے مابین ہوا کرتے ہیں۔ شہر سے وہ جماعتیں مراد ہیں جو قریب قریب آباد ہوں' ان میں باہم معاملات ہوتے رہیں اور جدا جدا مکانوں میں بود و باش رکھتے ہوں۔ سیاست مدن میں اصلی امر یہ ہے کہ تعلقات کی وجہ سے شہر گویا ایک شخص ہوا کرتا ہے جس کی ترکیب اجزاء اور مجموعی ہیئت سے ہوتی ہے ہر مرکب چیز میں ممکن ہے کہ اس کے مادہ یا صورت میں کوئی نقصان اور خرابی پیدا ہو جائے اس کو کوئی مرض ہو جائے یعنی اس میں ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ نوعی احکام کے لیے کوئی دوسری حالت زیادہ مناسب ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مرکب صحت کی حالت میں رہے یعنی وہ اپنی ذاتی رونقوں اور خوبیوں کی وجہ سے مکمل حالت میں ہو۔ چونکہ شہر میں بڑی بڑی جماعتوں کا مجمع ہوا کرتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ سب کے سب اس پر متفق الرائے ہو جائیں کہ راہ راست کی حفاظت میں مجموعی کوشش کریں اور بغیر کسی ممتاز منصب اور رتبے کے ایک دوسری کی روک ٹوک بھی نہیں کر سکتا اس سے جنگ وجدل کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے شہر کا پورا انتظام جب ہی ہو سکتا ہے کہ تمام اہل حل وعقد ایک شخص کو اپنا آقا قرار دیں وہ پر شوکت ہو اعوان و انصار کی ایک جماعت اس کے ہمراہ ہو جو لوگ نہایت تنگ دل تیز مزاج خونریزی اور غصہ میں بے باک ہوں گے ان کو سیاست کی ضرورت اوروں سے زیادہ ہو گی سیاست مدن میں بڑی خرابی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ بدذات لوگوں کی ایک جماعت جن کو قوت اور شوکت حاصل ہو نفسانی خواہشوں اور راہ راست کے ترک کرنے پر متفق ہو جائے ایسا اتفاق کئی طرح پر ہوتا ہے۔

1. لوگوں کے مال ومتاع کی طمع سے جیسے راہزن لوگ۔
2. لوگوں کو غصہ اور کینے کے سبب سے ضرر رسانی۔

③ ملک اور حکمرانی کی آرزو جس کی وجہ سے لوگوں کے جمع کرنے اور جنگ قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور ایسی خرابی کا باعث ظالم شخص کا کسی کو مار ڈالنا یا زخمی کرنا یا زدوکوب کرنا ہے یا کسی شخص کی اہلیہ میں مزاحمت کرنا اس کی بیٹیوں اور بہنوں کی ناحق طمع کرنا۔ یا کسی کا مال علانیہ غصب کرنا۔ یا چوری سے لے لینا یا کسی شخص کی بے آبروئی کرنا اس کو کسی قابل ملامت قبیح امر سے منسوب کرنا۔ یا سختی سے گفتگو کرنا اور نیز ان کاموں سے بھی خرابی ہوا کرتی ہے جو شہر کے لیے مخفی طور پر مضر ہوتی ہے۔ جیسے بے خبر زہر خورانی' لوگوں کو فساد کرنے کی ترغیب و تعلیم دینی' بادشاہ کے مقابلے میں رعیت کو اور آقا کی نسبت غلام کو اور شوہر کے حق میں اہلیہ کو مکر و فریب پر آمادہ کرنا اور نیز تمدن کے خلاف وہ خراب عادات ہیں جن سے اہم ملکی منفعتیں تلف ہو جاتی ہیں' جیسے کہ لواطت' نکاح بالید چار پایوں سے مجامعت کرنا یہ سب امور نکاح سے باز رکھتے ہیں یا وہ عادات ہیں جو فطرت سلیم کے مقتضا کے خلاف ہوتے ہیں جیسے مرد ہو کر زنانہ پن اختیار کرنا اور عورت کو مردانہ روش اختیار کرنی۔ یا ان عادات سے بڑے بڑے نزاع پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے کسی عورت سے کوئی خصوصیت نہ ہو اور چند لوگ اس سے تعلق پیدا کر کے ایک دوسرے کی مزاحمت اختیار کریں شراب کی کثرت بھی ایسی ہی مذموم عادت ہے اور بعض معاملات ایسے ہوا کرتے ہیں جن سے تمدن کو مضرت پہنچتی ہے۔ جیسے قمار' دونا دونا سود کھانا' رشوت لینا' پیمانہ اور وزن میں کمی کرنا' کسی جنس میں عیب کو مخفی رکھنا' تاجروں سے شہر کے باہر ہی باہر مال خرید لینا' غلہ کو بند کر رکھنا' خود خریداری کا قصد نہ ہو اور مال کی تعریف کر کر کے دوسرے کو دھوکہ دینے کو قیمت بڑھا دینا اور ایسے ہی باہمی مقدمات ہیں جن میں ہر ایک شخص مشتبہ دلیل پیش کرتا ہو اور ان کا صاف صاف حال معلوم نہ ہوتا ہو۔ اس وجہ سے دلائل' قسموں' دستاویزات' قرائن' واقعات' وغیرہ کی ضرورت پڑا کرتی ہے اور راہ راست پر ان کو لانا پڑتا ہے۔ ترجیح حق کی وجہ ظاہر کرنی پڑتی ہے۔ فریقین کے مکائد وغیرہ معلوم کیے جاتے ہیں۔

اور شہریت کے لیے یہ بھی مضر ہے کہ شہر کے رہنے والے بادیہ نشینی اختیار کر لیں یا کسی دوسرے شہر میں جا بسیں یا سب ایسے مکاسب پر جھک پڑیں جن سے تمدن کو نقصان پہنچے۔ مثلاً زراعت چھوڑ کر سب تجارت پیشہ ہو جائیں۔ یا اکثر لوگ لڑائی کا پیشہ اختیار کر لیں۔ مناسب یہی ہے کہ زراعت پیشہ لوگ بمنزلہ غذا کے قرار دیئے جائیں اور دستکار' تاجر' محافظین ملک بجائے نمک کے سمجھے جائیں' جن سے گویا غذا کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ مضر درندوں اور موذی پرندوں کا بھی پھلنا باعث ابتری ہوتا ہے ان کے فنا کرنے کی بھی کوشش ہونی چاہیے اور شہر کی پوری حفاظت ان عمارتوں کے بنانے سے ہوتی ہے جن میں سب کا مشترک نفع ہو' مثلاً شہر پناہیں' سرائیں' قلعہ جات' سرحدیں' بازار' پلیں وغیرہ اور ایسے ہی کنوؤں کا کھدوانا' چشموں کا نکالنا' کشتیوں کا دریا کے کنارے پر فراہم کرنا ہے اور نیز سوداگروں کو مانوس و مالوف کر کے اس پر آمادہ کرنا کہ باہر سے اجناس وغیرہ لائیں۔ شہر والوں کو سمجھا دینا کہ مسافروں سے خوش معاملگی کریں اس کی وجہ سے سوداگروں کی آمد و رفت زیادہ ہوتی ہے۔ زراعت پیشہ لوگوں کو اس پر آمادہ کرنا کہ کوئی زمین کاشت سے چھوٹی نہ رہے۔ دستکاریوں پر تاکید کرنا کہ چیزوں کو عمدہ اور خوب مضبوط بنائیں شہر والوں کو فضائل کے تحصیل پر آمادہ رکھنا۔ علم خط حساب تاریخ طب اور پیش بینی کے عمدہ عمدہ طریقوں کی تکمیل کروانا۔ اور یہ بھی ضرور ہے کہ شہر کے تمام حالات کی اطلاع ملتی رہے تاکہ مفسد اور خیر اندیش کا حال معلوم ہوتا رہے۔ اگر کسی محتاج کا حال معلوم ہو تو اعانت ہو سکے اگر کوئی عمدہ دستکار ہے تو اس

سے مدد لی جائے اور اس زمانے میں شہروں کی ویرانی کے دو بڑے باعث ہیں:

1. لوگوں پر بیت المال کو تنگ کر دینا۔ غازیوں اور ان علماء کی جن کا بیت المال میں حق ہے اور ان شعراء زہاد وغیرہ کی جن کے ساتھ سلاطین مسلوک ہوا کرتے ہیں یہ عادت ہو گئی ہے کہ انہوں نے اپنا طریق معاش بیت المال کو سمجھ رکھا ہے یہ لوگ کوئی خدمت نہیں کرتے ان کا گزارہ بیت المال سے ہوتا ہے۔ اس لیے یکے بعد دیگرے یہ لوگ بڑھتے جاتے ہیں اور باعث تنغص ہو کر شہر پر ایک بار سا ہو جاتے ہیں۔
2. وجہ مزارعین اور سوداگروں اور پیشہ وروں پر بڑے بڑے ٹیکس مقرر کرنا ویرانی کا بڑا باعث ہے اس کی وجہ سے فرمانبردار لوگوں کا استیصال ہو جاتا ہے اور جن لوگوں کو قوت ہوتی ہے وہ درپے بغاوت ہو جاتے ہیں۔ تمدن کی اصلاح خفیف لگان سے اور بقدر ضرورت محافظین ملک کے قائم کرنے سے ہوتی ہے اہل زمانہ کو اس نکتہ سے واقف رہنا چاہیے۔ واللہ اعلم

باب ۲۴

بادشاہوں کی سیرت میں

بادشاہ کے لیے ضروری ہے کہ پسندیدہ اخلاق سے موصوف ہو ورنہ وہ شہر پر بار ہو جائے گا اگر اس میں شجاعت نہ ہوگی تو وہ اپنے مخالفوں سے پورا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ رعیت اس کو ذلت کی آنکھ سے دیکھے گی۔ اگر اس میں علم کی صنعت نہ ہوگی تو وہ سطوت سے ان کو برباد کر دے گا۔ اگر حکیم نہ ہوگا تو مناسب تدابیر کو مستنبط نہ کر سکے گا بادشاہ کو چاہیے کہ عقلمند بالغ آزاد مرد ہو ذی عقل ہو۔ بینا شنوا اور گویا ہو لوگ اس کی اور اس کے خاندان کے اعزاز کو تسلیم کرتے ہوں اس کے آباؤ اجداد کے عمدہ فضائل کو لوگ دیکھ چکے ہیں اور خوب جانتے ہوں کہ بادشاہ مصالح ملکی کی پاسبانی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا۔ یہ سب امور عقل کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور تمام فرقوں نے اس پر اتفاق کیا ہے ان کے شہروں میں کیسا ہی بعد کیوں نہ ہو اور وہ کسی ہی مذہب کے کیوں نہ ہوں اس لیے کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ بادشاہ کے مقرر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر امور بالا کے مکمل نہیں ہو سکتی اگر بادشاہ ان امور میں فروگذاشت کرے گا تو لوگ اس کو خلاف مقصود جانیں گے اور اس سے بیزار ہو جائیں گے اور اگر خاموش بھی رہیں گے تو در پردہ ان کی طبیعتوں میں غصہ بھرا رہے گا۔ اور بادشاہ کو مناسب ہے کہ اپنی رعایا کے دلوں میں اپنے اعزاز کو پیدا کرے اور پھر اعزاز باقی رکھنے کا اہتمام کرے مناسب تدابیر سے ان امور کا تدارک کرتا رہے جو اس کی شان کے منافی ہوں اور اس سے سرزد ہوں جو بادشاہ اپنے جاہ مرتبے کو قائم رکھنا چاہے اس کو چاہیے کہ ان اعلیٰ ترین اخلاق سے اپنے آپ کو پیراستہ کرے جو اس کے مرتبہ ریاست کے شایان ہوں مثلاً شجاعت و حکمت سے فیاضی سے زیادتی کرنے کی حالت میں معافی عام منفعت کے اہتمام میں ان کرتبوں کا لحاظ رکھے جن کو کہ صیاد وحشی جانوروں کے صید کرنے میں کیا کرتا ہے۔ صیاد جب نیستان میں جاتا ہے تو آہوؤں کو دیکھ کر ان صورتوں کو

سوچتا ہے جو آہوؤں کی طبیعتوں اور عادتوں کے مناسب ہوا کرتے ہیں انہیں صورتوں کے لیے وہ آمادہ ہوتا ہے پھر دور سے ان کے سامنے ظاہر ہوتا ہے ان کی آنکھوں اور کانوں کی طرف سے نگاہ کو نیچا کر لیتا ہے آہوؤں کی جانب سے جب اس کو ذرا سا بھی کھٹکا معلوم ہوتا ہے تو فوراً جم کر ایسا کھڑا ہو جاتا ہے جیسے پتھر، ذرا بھی حرکت نہیں ہوتی اور جب اس کو کسی قدر غافل پاتا ہے تو نہایت نرمی اور آہستگی سے آگے کو بڑھتا ہے کبھی اس کو نغمہ سے خوش کرتا ہے کبھی اس کے سامنے ایسا چارہ ڈالتا ہے جس کو وہ بہت پسند کرتا ہو اور بادشاہ خود بھی بالطبع فیاض ہو فیاضی سے اس کی غرض لوگوں کا صید کرنا نہ ہو نعمتوں سے منعم کی محبت دلوں میں پیدا ہوتی ہے اور محبت کی زنجیر آہنی زنجیر سے زیادہ سخت ہوا کرتی ہے۔ ایسے ہی جو شخص اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے تو اس کو مناسب ہے کہ ایسا لباس، گفتگو، ادب اختیار کرے جس کی جانب لوگوں کے دلوں کو کشش ہو۔ اور آہستہ آہستہ ان سے قریب ہوتا جائے اور اخلاص و محبت کو بغیر لاف و گراف کے ان پر ظاہر کرے کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جس سے وہ سمجھ جائیں کہ یہ مہربانیاں صرف ان کے شکار کرنے کو ہیں اور خوب ان کی دل نشین کر دے کہ اس کا مثل ان کے حق میں ناممکن ہے اور جب تک لوگوں کے دلوں میں اس کی فضیلت اور فوقیت خوب بیٹھ نہ جائے برابر اسی کوشش میں اس کو رہنا چاہیے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ ان کے سینوں میں بادشاہی محبت اور تعظیم بھر گئی ہے ان کے اعضاء میں نیازمندی اور فروتنی سرایت کر گئی ہے اب بادشاہ کو ان سب امور کی نگرانی چاہیے۔ کوئی امر ایسا پیش نہ آئے جس کی وجہ سے ان کی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا ہو۔ اگر بالفرض کوئی کوتاہی پیش بھی آ جائے تو فوراً اس کا تدارک کر دے ان پر لطف و احسان کرے اور ظاہر کر دے کہ جو کچھ عمل میں آیا ہے بمقتضائے حکمت عملی آیا ہے۔ یہ ان کے فائدے کے لیے ہوا ہے نہ مضرت کے لیے اور ان سب امور کے بعد بادشاہ کو اپنی فرمانبرداری ثابت کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ سرکشوں سے انتقام لے جس شخص کا اس کو حال معلوم ہو کہ اس نے جنگ میں یا خراج وصول کرنے یا کسی اور تدبیر میں کوئی کارنمایاں کیا ہے تو اس پر زیادہ داد و دہش کرے اس کے مرتبہ کو بلند کرے اور کشادہ پیشانی کے ساتھ اس سے پیش آئے اور جس شخص کی خیانت تخلف نافرمانی بادشاہ کو معلوم ہو۔ اس کے وظیفہ کو گھٹا دینا چاہیے اس کے مرتبے کو کم کر دینا چاہیے اس سے ترش روئی کرنی چاہیے اور بادشاہ کو بہ نسبت عام لوگوں کے زیادہ تونگری کی بھی ضرورت ہے اور بادشاہ کو مناسب ہے کہ لوگوں کو زیادہ تنگ نہ کرے مردہ زمینوں کو زندہ کرنے پر ان کو مجبور نہ کرے اور دو جانب کی حمایت اور حفاظت نہ کرے۔ اور اگر کسی سے نہایت سخت گیری کرے تو پہلے اہل حل و عقد کو ثابت کر دے۔ کہ یہ اسی کا مستحق ہے مصلحت کلی اسی کی مقتضی ہے اور بادشاہ کو چاہیے کہ اس میں نہایت فراست کا مادہ ہو دلوں کے راز سمجھ سکتا ہو اس میں ایسی زیرکی ہو کہ اس کے گمان ایسے ٹھیک ہوں جیسا کہ کسی چیز کو دیکھ رہا ہے یا سن رہا ہے اور بادشاہ کے لیے ضرور ہے کہ ضروری امر کو کل پر نہ چھوڑے اور اگر رعیت میں سے کسی کو ایسا پائے کہ اس کے دل میں بادشاہ کی جانب سے عداوت ہو تو جب تک اس کو برہم نہ کر دے اور اس کی طاقت کو ضعیف نہ کر دے اس کو تسلی نہ ہو۔ واللہ اعلم



باب ۲۵

اپنے اعوان وانصار کی سیاست کے بیان میں

جب بادشاہ خود ان تمدن کی مصلحتوں کا کارپرداز نہیں ہوسکتا ہے اس لیے ضرور ہے کہ ہرایک کام کے لیے اس کے پاس معاون ہوں۔ معاونین میں یہ شرط ہے کہ ان میں امانت کی صفت ہو اور جو خدمت ان کے متعلق کی گئی ہے وہ اس کی بجاآوری کرسکیں اور بادشاہ کے ظاہروباطن میں فرمانبردار اور مخلص ہوں۔ جس معاون میں یہ صفت نہ ہوگی وہ معزول کرنے کے لائق ہے اگر بادشاہ اس کے معزول کرنے میں سستی کرے گا تو گویا وہ شہر کے ساتھ بددیانتی کرے گا اور اپنی حالت کو خراب کردے گا اور یہ بھی مناسب ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنا معاون نہ بنائے جن کا معزول کرنا دشوار ہو یا قرابت وغیرہ کے سبب سے وہ ملکی حق دار سمجھے جاتے ہوں۔ اس لیے کہ ایسے لوگوں کا معزول کرنا بھی نازیبا ہوا کرتا ہے اور بادشاہ اپنے مخلصین کی بخوبی تمیز رکھے بعض لوگ تو کسی بیم یا امید کے لیے اخلاص ظاہر کیا کرتے ہیں ایسے لوگوں کو کسی حیلہ اور ذریعے سے اپنی طرف مائل رکھنا چاہیے اور بعض بے غرضانہ بادشاہ کے مخلص ہوا کرتے ہیں بادشاہ کا نفع ان ہی کا نفع اور اس کا نقصان ان کا نقصان ہوا کرتا ہے ایسے لوگوں کی محبت صاف بے غل وغش ہوتی ہے۔ ہرشخص کی ایک خاص پیدائشی طبیعت اور ایک خاص عادت ہوتی ہے جس کا وہ عادی ہوا کرتا ہے اور بادشاہ کو یہ بھی مناسب ہے کہ ہرشخص کی حیثیت اور حالت سے زیادہ خدمت کی توقع نہ رکھے معاونین کی خدمتیں مختلف ہوا کرتی ہیں ان میں سے ایک حصہ مخالفین کی شر سے ملک کی پاسبانی کرتا ہے ان کی ایسی مثال ہے۔ جیسے کہ بدن انسانی میں ہاتھ ہتھیاروں کو تھامے ہوئے اور ایک حصہ شہر کی تدابیر کا منتظم رہتا ہے۔ جیسے بدن انسانی میں مدبرقوتیں اور ایک حصہ ملکی مشیروں کا ہوتا ہے جیسے آدمی کے لیے عقل اور حواس' بادشاہ کا فرض ہے کہ روزانہ معاونین کی حالت کو دریافت کرکے تمام واقعات اصلاح اور خرابی کو معلوم کرتا رہے اور چونکہ بادشاہ اور تمام کارکن شہر کی مفید خدمتوں میں مصروف رہتے ہیں اس لیے شہر کو ان مصارف کی کفالت کرنی چاہیے اور ضرور ہے کہ وہ ایک اور خراج جمع کرنے میں ایسا راہ راست اختیار کیا جائے جس میں لوگوں کو ضرر نہ پہنچے اور حوائج کے لیے کافی ہوجائے اور یہ مناسب نہیں ہے کہ ہرشخص اور ہرایک مال سے ٹیکس وصول کیا جائے اور تمام مشرقی اور مغربی قوموں کے سلاطین نے خاص لحاظ کرکے اتفاق کیا ہے کہ مال داروں اور پلوں سے محصول وصول کیا جائے اور ان مالوں سے جو ترقی پذیر ہیں جیسے نسل والے چارپائے اور زراعت وتجارت اگر کبھی زیادہ خراج لینے کی ضرورت ہوتی ہے تو پیشہ وروں سے وصول کیا جاتا ہے اور بادشاہ کا یہ بھی فرض ہے کہ لشکروں کی سیاست اس طرح کرے جیسے ایک ماہر شہسوار گھوڑے کی درستی کرتا ہے وہ ہرایک قسم کی چال پویہ دوڑ قدم سے واقف ہوتا ہے۔ گھوڑے کی تمام بری عادات توسنی وغیرہ کو بخوبی جانتا ہے چابک للکارنے مہمیز وغیرہ سے بخوبی تنبیہ کرنے کو سمجھتا ہے اور خوب ان امور کا لحاظ رکھتا ہے جب کوئی ناپسندیدہ حرکت وہ کرتا ہے یا پسندیدہ حرکت کو ترک کرتا ہے تو اس کو اس طرح تنبیہ کرتا ہے کہ اس کی طبیعت اس کو قبول کر لیتی ہے اور جس سے اس کی تندی فرو ہوجاتی ہے۔ اس تنبیہ میں شہسوار کو یہ لحاظ رہتا ہے کہ اس کی طبیعت پریشان نہ ہوجائے اور جس

وجہ سے اس کو مارا ہے۔ اس کو نہ سمجھ سکے اور جس امر کو وہ گھوڑے کے سامنے پیش کرتا ہے اس کی صورت گویا اس کے سامنے کھڑی کر دیتا ہے اور خوب اس کے دل میں بٹھا دیتا ہے اور اس کی طبیعت میں سزا کا خوف جما دیتا ہے اور جب غرض کے موافق اس سے بخوبی کام ہونے لگتے ہیں تو وہ اس کی مشاقی کو جب تک ترک نہیں کرتا کہ جب تک یہ نہیں دیکھ لیتا کہ اغراض مطلوبہ اس کی طبیعت اور عادت ہوگئی ہیں اور اس کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ اگر روک ٹوک نہ کی جائے گی تو خلاف اغراض کی طرف میلان نہ کرے گا ایسے ہی لشکروں کے منتظم پر بھی یہ ضرور ہے کہ مقصود طریقوں کو خوب پہچان سکے کہ کون کون سے امور کرنے کے قابل ہیں اور کون سے امور نہ کرنے کے لائق اور ان امور سے بھی واقفیت ہو کہ جن سے لشکریوں کو متنبہ کرتے ہیں اور منتظم کو چاہیے کہ ان امور کو کبھی ترک نہ کرے اور معاونین کی تعداد محدود نہیں ہے شہر کی جتنی ضرورتیں ہوتی ہیں ان ہی کے موافق معاونین کی تعداد ہوا کرتی ہے کبھی اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک کام کے لیے دو معاون ضروری ہوتے ہیں اور کبھی دو خدمتوں کے لیے ایک ہی معاون کافی ہوتا ہے لیکن اصلی معاون پانچ قسم کے ہوتے ہیں اوّل قاضی' قاضی میں یہ اوصاف ہونے چاہئیں کہ آزاد ہو' مرد بالغ اور عاقل ہو پوری طرح پر اپنی خدمت کو انجام دے سکے معاملات کے طریقوں سے اچھی طرح واقف ہو ان مکروں سے خوب واقف ہو کہ اثنائے خصومت میں مدعی مدعا علیہ کیا کرتے ہیں اس میں صفت سختی اور حلم کی ہو اور دونوں پر خوب غور کرے۔ اور دوسرا امیر لشکر' امیر لشکر کو چاہیے کہ سامان جنگ اور دلیر طبع اور شجاعت پیشہ لوگوں میں باہم الفت قائم رکھے اور خوب جانتا ہو کہ ہر شخص کو کہاں تک نفع پہنچ سکتا ہے لشکروں کی ترتیب جاسوسوں کے مقرر کرنے کی کیفیت اس کو خوب معلوم ہو اور مخالفین کی کیدوں سے بخوبی آگاہ ہو۔ اور تیسرا منتظم شہر' منتظم شہر کا تجربہ کار ہونا چاہیے جو شہر کی درستی اور خرابی کے طریقوں سے خوب واقف ہو۔ اس میں سختی کے ساتھ حلم بھی ہو اور ایسے خاندان کا ہو جو ناپسندیدہ امر کو دیکھ کر خاموش نہ رہ سکتے ہوں اور منتظم شہر کو یہ بھی مناسب ہے کہ ہر قوم کے لیے انہیں میں سے ایک نقیب مقرر کرے جو اس قوم کے حالات سے پورا واقف ہو اس نقیب کے ذریعہ سے اس قوم کے تمام حالات منتظم رہ سکتے ہیں اور اس قوم کی حالت کی دار و گیر اس نقیب کے ذریعہ سے کی جا سکتی ہے اور چوتھا عامل' عامل کو چاہیے کہ مالوں پر محصول لینے کی کیفیت سے واقف ہو اور یہ جانتا ہو کہ مستحق لوگوں پر اس آمدنی کو کیسے تقسیم کر سکتے ہیں اور پانچواں وکیل جو بادشاہ کے تمام ان امور کا متکفل ہو جو اس کے معاش کے متعلق ہیں اس لیے کہ بادشاہ احوال ملکی کی وجہ سے اپنی اصلاح معاش کی طرف توجہ نہیں کر سکتے۔



باب ۲۶

منافع چہارم کے بیان میں

یہ حکمت کا وہ حصہ ہے جس میں شہروں کے حکام اور بادشاہوں کی حکمرانی کا بیان کیا جاتا ہے اور ان تعلقات کے محفوظ رکھنے کی کیفیت بیان کی جاتی ہے جو مختلف اقالیم کے باشندوں کے مابین ہوا کرتے ہیں۔ جب ہر ایک بادشاہ اپنے اپنے شہر پر بالاستقلال حکومت کرتا ہے ہر ایک کو مالی حصہ ملتا ہے دلیر طبع لوگوں کی جماعتیں اس سے آملتی ہیں تو مزاجوں کے اختلاف اور استعدادوں کی یکساں حالت نہ ہونے سے ان میں جور و تعدی کا مادہ آجاتا ہے اور راہنمائی کے راستے کو ترک کر کے ایک دوسرے کے شہر چھین لینے کی طمع کرتے ہیں جزئی خیالات اس کے باعث ہوتے ہیں مثلاً کسی کو مالی خواہش ہوتی ہے کسی کو اراضی کے یا صرف رشک و حسد کے سبب سے ان میں باہمی رنجشیں پیدا ہو کر نوبت جنگ و جدال کی آیا کرتی ہے جب باہم بادشاہوں میں یہ خرخشے بڑھتے رہتے ہیں اس لیے ان امور کی اصلاح کے لیے خلیفہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ خلیفہ سے ایسا شخص مراد ہے جس کے قبضہ میں اتنے لشکر اور سامان ہوں کہ دوسرے شخص کا اس سے ملک لینا بمنزلہ ناممکن کے ہو ایسے شخص سے ملک کو لینا جب ہی ممکن ہوتا ہے کہ نہایت درجہ کوشش اور محنت کی جائے بہت سی جماعتیں متفق ہوں بکثرت مال صرف کیا جائے۔ ایسا اہتمام لوگوں سے نہیں بن پڑتا عادۃً ایسا ہونا ناممکن ہے۔ جب خلیفہ قرار پاجاتا ہے اور ملک میں اپنی عمدہ سیرت کا وہ عملدر آمد کرتا ہے اور تمام زبردست لوگ اور شاہ اس کے فرمان پذیر ہوتے ہیں تو خدا کی نعمت کامل ہو جاتی ہے شہروں اور لوگوں میں خاموشی پیدا ہو جاتی ہے ان مضرتوں کے دور کرنے کے لیے جو لوگوں کو درندہ طبیعتوں سے پہنچتے ہیں کہ ان کے مالوں کو وہ تاخت و تاراج کرتے ہیں ان کی اولادوں کو اسیر کر لیتے ہیں ان کے ننگ و ناموس کی پردہ دری کرتے ہیں خلیفہ کو جنگ کرنے کی ضرورت پڑا کرتی ہے اسی ضرورت کی وجہ سے بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا تھا: ﴿ابعث لنا ملكا نقاتل في سبيل الله﴾ (ہمارے لیے ایک بادشاہ کو بھیجو تا کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں) ابتداءً جب نفسانی خواہشوں یا درندوں کی سیرت پیدا کر لینے سے لوگوں کی حالت خراب ہو جاتی ہے اور وہ ملک میں خرابیاں پیدا کرتے ہیں۔ تو بالواسطہ یا انبیاء کے ذریعہ سے خدا سبحانہٗ الہام فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کا رعب داب اٹھادیا جائے۔ اور ان میں بھی جو بالکل قابل اصلاح نہ ہو وہ قتل کر دیا جائے اس قسم کے لوگ نوع انسانی میں ایسے ہوتے ہیں جیسے کوئی عضو اکلہ (گلنے) کی بیماری سے ماؤف ہو جائے: ﴿لولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع﴾ (اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعہ سے دفع نہ کرے تو تمام کلیسا اور عبادت خانے منہدم کر دیئے جائیں) میں اسی ضرورت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة﴾ (ان سے جب تک لڑو کہ کوئی فتنہ برپا نہ ہو) اور خلیفہ بغیر مالی طاقت اور لوگوں کی زبردست جماعتوں کے بادشاہوں سے مقابلہ کر کے ان کے رعب داب کو اٹھا نہیں سکتا ہے۔ اور ان امور کے لیے ضرور ہے کہ خلیفہ ان اسباب سے واقف ہو جو جنگ و صلح کے مقتضی ہوا کرتے ہیں خراج اور جزیہ لگانے کے طریقوں کو جانتا ہو اس کو اس

میں تامل کرنا چاہیے کہ مقابلے سے کیا مقصود ہے کسی ظلم کا دفع کرنا ہے یا ناپاک درندوں کی سی طبائع کا تباہ کرنا جن کی اصلاح سے بالکل مایوسی ہو یا ان لوگوں کے رعب وداب کو گھٹانا جو ناپاکی میں پہلوں کی نسبت کم درجے کی ہیں یا کسی قوم مفسد ملک کی قوت کو اس طرح توڑنا کہ ان کے مدبر سردار قتل کر دیئے جائیں یا ان کے مالوں اور اراضی کی ضبطی کی جائے یا رعیت کا رخ ان سے پھیر دیا جائے خلیفہ کو یہ زیبا نہیں ہے کہ کسی غرض کے حاصل کرنے کے لیے اس سے زیادہ سخت اور مشکل امر میں پھنس جائے مثلاً مالی فوائد کے لیے اپنے رفقا کی ایک عمدہ جماعت کو فنا کر دے خلیفہ کا فرض ہے کہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف پھیرے ہر ایک کی نفع رسانی کا اندازہ رکھے اور ہر شخص کی جو حالت ہے اس سے زیادہ کسی پر اعتماد نہ کرنے اور رؤسا اور دانشمند لوگوں کی بلندی مرتبہ کا خیال رکھے اور ترغیب اور تخویف سے ان کو لڑائی پر آمادہ کرتا رہے۔ اور ابتدائی حالت میں اس کا اہتمام رکھے کہ ماتحت بادشاہوں کی جماعت متفرق رہے ان کو غلبہ نہ ہونے پائے ان کے دل خائف رہیں حتیٰ کہ وہ سب کے سب حضوری میں دست بستہ رہیں۔ اور اپنے لیے کچھ منصوبہ نہ کر سکیں جب ایسا بنانے میں ان پر کامیابی ہو جائے تب لڑائی سے پہلے اپنے گمان سے خوب ان کا اندازہ کرے اگر اب بھی ان کو اندیشہ ہو کہ فساد سے باز نہ آئیں گے تو گراں گراں خراج ان پر لگاتا جائے سخت جزیے سے ان کو زیر بار کرتا رہے ان کے قلعوں کو مسمار کر دے ان کو ایسا عاجز کر دے کہ پھر ان سے ایسی حرکت نہ ہو سکے اور چونکہ خلیفہ ایک ایسے مزاج کا محافظ ہوتا ہے جو نہایت مخالف خلطوں سے حاصل ہوا کرتا ہے اس لیے بہت ضرور ہے کہ وہ خود بیدار طبع ہو اور ہر طرف جاسوسوں کو بھیجتا رہے اور ہمیشہ فراست اور دور بینی سے کام لیتا رہے جہاں کہیں دیکھے کسی لشکر کی ایک جماعت نے اتفاق کر لیا ہے تو فوراً ایک دوسری جماعت کو متعین کرے کہ ان سے نہ مل سکیں اور اگر کسی شخص کو دیکھے کہ خلافت کا خواہاں ہے تو اس کی جزا دینی اس کی شوکت اور عافیت کے زائل کرنے میں تامل نہ کرے اور سب لوگوں کے لیے یہ طریقہ قرار دے کہ سب اس کے حکم کو قبول کریں۔ اور اس کے اخلاص پر متفق رہیں یہ صرف زبانی ہی قبول نہ ہو بلکہ قبول کی ظاہری علامت ایسی ہو جس سے رعایا پر داروگیر کی جائے مثلاً اس کے لیے متفق ہو کر دعا مانگتے رہیں بڑے بڑے مجمعوں میں اس کی رفعت شان کا اظہار ہو اور جس لباس اور ہیئت کا خلیفہ حکم دے اس کو دل سے اختیار کریں جیسے فی زمانا خلیفہ کا اشرفیوں پر نام کندہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

باب ۲۷

اس بیان میں کہ اُصولِ منافع پر سب لوگوں کا اتفاق ہے

اقالیم معمورہ کے شہروں میں سے کسی شہر کی معتدل المزاج عمدہ اخلاق قوموں سے کوئی قوم حضرت آدم علیہ السلام کے عہد سے لے کر روز قیامت تک ان تدابیر منافع سے خالی نہیں رہی اور نہ رہ سکتی ہے ہر زمانے میں درجہ بدرجہ ان تدابیر کے اصول سب کے نزدیک مسلم رہتے آئے ہیں جو شخص ان تدبیر کی مخالفت کرتا ہے لوگ اس سے نہایت بیزاری ظاہر کرتے ہیں اور چونکہ وہ نہایت

مشہور ہوگئی ہیں اس لیے بدیہی امور کے درجہ میں سمجھی جاتی ہیں ان تدابیر کی صورتوں اور فروعات کے اختلاف سے بیان بالا کی تکذیب نہیں ہوتی اس لیے کہ مثلاً سب کا اتفاق ہے کہ مردوں کی عفونت دور کی جائے اور ان کی برائی ظاہر نہ ہو لیکن اس کی صورت میں لوگ مختلف ہیں بعض زمین میں دفن کرنا پسند کرتے ہیں بعض آگ میں جلانے کو اچھا خیال کرتے ہیں سب اس پر متفق ہیں کہ نکاح کی شہرت دی جائے تاکہ حاضرین کے سامنے اس میں اور زنا میں تمیز ہو جائے لیکن اس کے لیے مختلف صورتیں قرار دی گئی ہیں بعض نے گواہوں اور ایجاب وقبول اور ولیمہ کو بہتر سمجھا ہے اور بعض نے دف اور رنگ وراگ اور لباس فاخرہ کو جو کہ صرف بڑی بڑی دعوتوں میں ہی پہنا جاتا ہے سب اس پر متفق ہیں کہ زانیوں اور چوروں پر زجر اور توبیخ کی جائے بعض نے سنگساری اور ہاتھ کا قطع کرنا پسند کیا ہے بعض نے تکلیف دہ زدوکوب یا سخت قید یا سخت جرمانوں کی سزا اختیار کی ہے اور نیز دو قسم کے گروہوں کے ان اصولوں کے مخالف ہونے سے ہمارے قول کی تردید نہیں ہوتی۔

1. احمق لوگوں کی مخالفت جن کی حالت چار پایوں سے ملتی جلتی ہے عام لوگ یقیناً جانتے ہیں کہ ان کے مزاج ناقص اور ان کی عقلیں بے ہودہ ہوتی ہیں اور ان لوگوں کی بلاہت اس ہی سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان تدابیر نافع کے پابند نہیں ہوا کرتے۔
2. فاسق وفاجر اگر ان کا دل ٹٹولا جائے تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ تدابیر نافع کے معتقد ہیں ان پر نفسانی خواہشیں غالب ہو جاتی ہیں جو ان سے نافرمانیاں کرواتی ہیں وہ خود خوب سمجھتے ہیں کہ ہم گنہگار ہیں اور لوگوں کی بیٹیوں اور بہنوں سے زنا کرتے ہیں اور اگر کوئی ان کی بیوی یا بہن سے ایسی حرکت کرے تو غصے سے کانپنے لگیں وہ خوب جانتے ہیں کہ لوگوں پر ان برائیوں کا وہ ہی اثر ہوتا ہے جو ان پر ہوتا ہے اور ایسے ایسے اثروں اور امور کا ہونا انتظام مدن کے لیے مضر ہے لیکن خواہش ان کو اندھا کر دیتی ہے چوری اور غصب کا بھی یہی حال ہے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ لوگوں نے بلاوجہ ان تدابیر پر اتفاق کر لیا ہے اور سب کی تدابیر کا یکساں ہونا محض اتفاقی امر ہے جیسے کہ تمام اہل مشرق اور مغرب ایک ہی غذا اختیار کریں یہ خیال محض دھوکا ہے یہ نہیں ہے بلکہ سلیم فطرت فیصلہ کرتی ہے کہ سب لوگوں کا ان امور پر اتفاق کرنا حالانکہ ان کے مزاج مختلف ان کے شہر دور دراز ان کے مذہب جدا جدا ہیں صرف قدرتی مناسبت سے ہے جو نوعی صورت سے پیدا ہوئی ہے۔ تمام آدمیوں نے کثیر الوقوع ضرورتوں کی وجہ سے ان کو اختیار کیا ہے۔ اور صحت نوعی اس کی باعث ہوئی ہے جو لوگوں کے مزاجوں میں پڑی ہوئی ہے اگر کوئی شخص بیابان میں پیدا ہو جو اطراف آبادیوں سے دور ہو اور کسی سے وہ مراسم نہ سیکھے تو ضرور ہے کہ اس کو کھانے پینے تشنگی خواہش نفسانی کی حاجتیں عارض ہوں گی اور عورت کی رغبت بالطبع اس میں پیدا ہو گی اور جب مرد عورت کا مزاج صحیح ہوگا تو ان سے اولاد بھی پیدا ہوگی اور خاندان کی بنا پڑنے لگے گی اور پھر باہم معاملات ہونے لگیں گے اور تدابیر اولی منتظمانہ صورت میں ظاہر ہونے لگیں گی اور جب ان کی اور بھی کثرت ہوگی تو ضرور ہے کہ کامل الاخلاق لوگ بھی ان میں ہونے لگیں گے اور ایسے واقعات پیش آنے لگیں گے جن سے تمام تدابیر متحقق ہوتی جائیں گی۔ واللہ اعلم

باب ۲۸

ان رسموں کے بیان میں جولوگوں میں مشتہر ہوتی ہیں

معلوم کرنا چاہیے کہ رسمیں تدابیر کے لیے ایسی ہیں جیسے بدن انسان کے لیے دل مذاہب نے ان کا بالذات اور سب سے پہلے قصد کیا ہے اور شرائع الٰہیہ میں انہی کے مباحث اور اشارات ہوا کرتے ہیں رسموں کے پیدا ہونے کے بہت سے اسباب ہیں مثلاً حکما کا ان کو مستنبط کرنا ان دلوں پر اللہ کا الہام جن کو انوار ملکی سے اللہ نے مؤید کیا ہے رسموں کے مختلف اسباب ہوتے ہیں جن کے سبب سے وہ لوگوں میں پھیلتی ہیں کبھی کسی بڑے بادشاہ کا طریقہ ہوتا ہے جس کے سب لوگ مطیع ہوتے ہیں اور کبھی وہ ان امور کی تفصیل اور تشریح ہوتی ہیں جن کو لوگ اپنے دلوں میں موجود پاتے ہیں اور اپنی دلی شہادت سے ان کو قبول کر لیتے ہیں اور کبھی رسم کے چھوڑنے سے ان کو غیبی سزا ملنے کا تجربہ ہوتا ہے اس لیے وہ نہایت اہتمام سے اختیار کرتے ہیں یا ان کے ترک کرنے سے کوئی فساد پیدا ہوتا ہے یا رہنما عقلمندوں کے قائم کرنے سے وہ پیدا ہوتی ہیں ایسے لوگ ان رسموں کے ترک کرنے پر ملامت کیا کرتے ہیں اہل بصیرت کو طریقوں کے زندہ کرنے یا ان کو مردہ کرنے سے اکثر شہروں میں نظائر بالا سے تصدیق کرنے کی توفیق اکثر حاصل ہو جایا کرتی ہے۔

اور مستعمل طریقے اپنی اصلی حالت میں درست ہوتے ہیں اس لیے کہ ان سے عمدہ تدابیر کی حفاظت ہوتی ہے اور ان کے ذریعے سے افراد انسانی کو کمال نظری یا عملی حاصل ہوتا ہے اور ان کے نہ ہونے سے اکثر لوگ بہائم طبع ہو جاتے ہیں اکثر آدمی نکاح و معاملات مقصود طریقے کے موافق کرتے ہیں اور جب ان سے اس کا سبب پوچھا جائے کہ ان قیدوں میں وہ کیوں پھنسے ہوئے ہیں تو وہ یہ جواب دیں گے کہ ہم لوگوں کی موافقت سے ایسا کرتے ہیں ان کی نہایت کوشش کا نتیجہ ان امور کی پابندی کے متعلق ایک علم اجمالی ہوتا ہے کہ جس کو صاف طور پر ان کی زبان بیان نہیں کر سکتی تو اس کا کیا احتمال ہے کہ ان امور کی تدابیر کی وہ تمہید بیان کر سکیں ایسے لوگ اگر ان طریقوں کی ضروری پابندی نہ کریں تو تقریباً وہ بہائم صفت ہو جائیں گے لیکن ان رسموں میں کبھی کبھی باطل چیزیں بھی شامل ہو جاتی ہیں اور لوگوں کو ان کے عمدہ ہونے کا شبہ ہو جاتا ہے اس طرح پر کہ ایسے خاندان کو کبھی ریاست حاصل ہو جاتی ہے اور جن پر جزئی رائیں غالب ہوں تو وہ کلی مصلحتوں کا خیال نہ کریں اس لیے رہزنی اور غصب وغیرہ درندوں کے سے کام کرنے لگیں یا نفسانی خواہشوں کے موافق کام کریں جیسے لواطت اور مردوں کا زنانہ پن یا پرضرر پیشے اختیار کریں ربا خوری کریں اور وزن پیمانہ میں کمی کریں یا لباس اور ولیموں میں ایسی عادات اختیار کریں جن میں فضولی اور اسراف ہو اور ان اشیاء کے موجود و مہیا کرنے میں بڑے اہتمام کی ضرورت پڑے یا تفریح کے لیے اپنے شوق بڑھائیں جن کے سبب سے امور معاش و معاد معطل ہو جائیں جیسے مزامیر شطرنج شکار کبوتر بازی وغیرہ یا مسافروں پر پرمشقت محصول مقرر کریں اور رعیت سے ایسے خراج وصول کریں جس سے وہ تباہ ہو جائے یا باہم حرص و بغض زیادہ کر لیں ان کو یہ عمدہ معلوم ہوتا ہو کہ لوگوں سے ایسا برتاؤ کریں اور اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ اور لوگ ان سے ایسا معاملہ کریں ایسے لوگوں کے مرتبے اور شوکت کی وجہ سے کوئی شخص ان پر حرف گیری نہ کرتا ہو ان کے بعد اسی خاندان کے فاسق

اور فاجر لوگ ایسے اعمال کی پیروی کریں ان اعمال میں مدد دیں ان کے پھیلانے میں خوب کوشش کریں یا ایسے لوگ پیدا ہوں کہ جن کی طبیعتوں میں نہ اعمال صالحہ کا قوی میلان ہو نہ اعمال فاسد کا لیکن رؤسا کی ہی حالت دیکھ کر ان میں بھی ان ہی امور کی آمادگی پیدا ہو جائے یا عمدہ راستے ہی ان کو آسانی نہ مل سکیں اس واسطے وہ ایسے امور کو اختیار کرلیں ایسے خاندانوں کی اخیر حالت میں بھی ایسے لوگ باقی رہا کرتے ہیں جن کی فطرتیں درست ہوتی ہیں وہ ان سے میل جول نہیں رکھتے اور غصے کی حالت میں خاموش رہتے ہیں ایسی خاموشی سے بھی مذموم طریقے مستحکم ہوتے رہتے ہیں ایسی حالت میں کامل العقل لوگوں کا فرض ہے کہ حق کے پھیلانے و جاری کرنے میں باطل چیزوں کے نابود کرنے میں پوری کوشش کریں اکثر حق کی تائید کے لیے نزاعوں اور لڑائیوں کی نوبت بھی آتی ہے لیکن یہ نزاعیں تمام نیک کاموں میں سے افضل ہوا کرتی ہیں اور جب رہنمائی کے طریقے خوب منعقد ہو جاتے ہیں اور ہر زمانے میں لوگ ان کو تسلیم کرتے ہیں تو انہی پر ان کی موت زندگی ہوتی ہے اور دل اور خیالات ان طریقوں سے مملو ہوتے ہیں اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ طریقے اصل تدبیروں کے لیے لازم ہیں ایسی حالت میں ان کی نافرمانی ایسے ہی لوگ کرتے ہیں جن کی طبیعتوں میں بہت ہی بے باکی ہوتی ہے اور وہ سبک حرکات ہوتے ہیں اور ان کی نفسانی خواہشیں ان پر غالب ہوتی ہیں اور ہوا پرستی ان کی عادت ہو جاتی ہے اور وہ ایسی نافرمانیاں تو کرتے ہیں لیکن یہ خوب جانتے ہیں کہ ہم گنہگار ہیں مصلحت کلی میں اور ان میں ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے اور جب وہ کام بے باکانہ طور پر کرتے ہیں تو ان کی نفسانی مرض کی کیفیت صاف صاف معلوم ہوتی ہے اور ان کے ذہن میں رخنہ پڑ جاتا ہے اور جب خوب صاف صاف یہ باتیں دل میں قرار پا جاتی ہیں تو ملاء اعلیٰ کی دعائیں اور ان کی نیاز مندیاں اس طریقے کے موافقین کے لیے پابند ہوتی ہیں ان کے مخالفوں پر ان کی بددعا ہوتی ہے اور خطیرۃ القدس میں موافق کے لیے خوشنودی اور مخالف کے لیے ناخوشی ظاہر ہوتی ہے جب ان طریقوں کی یہ حالت ہوتی ہے تو وہ اس فطرت سے شمار کیے جاتے ہیں جن پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

چوتھا مبحث

سعادت کے بیان میں

باب ۲۹

سعادت کی حقیقت کے بیان میں

معلوم کرنا چاہیے کہ انسانی کمالات مختلف ہیں بعض باقتضائے صورت نوعی ہوتے ہیں اور بعض نوعی نہیں اور وہ بھی جنس قریب یا بعید کے اقتضا سے ہوتے ہیں لیکن سعادت کا وہ حصہ جن کے مفقود ہونے سے انسان کو مضرت ہوتی ہے اور درست عقل کے لوگ اس کا نہایت اہتمام اور قصد کرتے ہیں۔ وہ پہلا حصہ نوعی کمالات کا ہے اس لیے کہ عادۃً تعریف کے قابل کبھی ایسی صفات ہوتی ہیں کہ معدنی اجسام بھی اس میں شریک ہیں مثلاً درازی قد اور بزرگی قد اگر سعادت اسی کو قرار دیں تو پہاڑوں میں سعادت کی صفت پوری پوری ہونی چاہیے اور بعض صفات ایسے ہیں کہ وہ نباتات میں بھی ہوتے ہیں جیسے مناسب نشوونما دھاریاں تروتازہ صورتیں اگر اس کو

سعادت کہیں گے تو پھولوں میں کامل سعادت ہوگی اور بعض صفات ایسی ہیں جن میں حیوانات شریک ہیں جیسے زور آوری' بلند آوری' بلند آوازی' جفتی کی طاقت' زیادہ کھانا پینا' غضب اور کینہ کا زیادہ ہونا اگر اسی کا نام سعادت ہو تو گدھے میں سعادت زیادہ ہونی چاہیے اور بعض صفات ایسی ہیں کہ صرف انسان ہی کا وہ حصہ ہے جیسے مہذب اخلاق عمدہ تدابیر اعلیٰ قسم کی صفتیں بلندی رتبہ بادی الرائے میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہی امور کا نام سعادت ہے یہی وجہ ہے کہ تمام انسانی طبیعتوں میں کامل العقل اور درست رائے لوگ انہیں اوصاف کو حاصل کیا کرتے ہیں اور ان کے علاوہ اور اوصاف کو گویا وہ قابل تعریف ہی نہیں جانتے لیکن ابھی تک پوری تنقیح نہیں ہوئی اس لیے کہ تمام افراد حیوانی میں ان اوصاف کی اصل موجود ہے مثلاً شجاعت کی بنیاد ہے غصہ انتقام لینا شدائد میں ثابت قدمی مہلکات کی طرف اقدام اور یہ سب امور زورمند بہائم میں موجود ہیں لیکن ان کا شجاعت جب ہی نام رکھا جاتا ہے کہ نفس ناطقہ کے فیضان سے ان میں تہذیب آتی ہے اور مصلحت کلیہ کی اطاعت سے ان کا صدور ہوتا ہے عقلی خواہش ان کو پیدا کرتی ہے اور ایسے ہی اور صفتوں کی اصل بھی حیوانات میں موجود ہے چڑیا اپنے آشیانے کو بناتی ہے بلکہ اکثر صنعتیں ایسی ہیں کہ حیوانات بالطبع ان کو بناتے ہیں اور انسان بتکلیف بھی ویسی نہیں بنا سکتا تو اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ امور بھی اصلی سعادت نہیں ہو سکتے بلکہ ان کو بالغرض سعادت کہہ سکتے ہیں اور سعادت یہی ہے کہ بہیمی حالت نفس ناطقہ کے تابع ہو۔ خواہش عقل کے تابع ہو' خواہش پر عقل کی حکومت ہو باقی سب خصوصیات لغو ہیں معلوم کرو کہ حقیقی سعادت سے جن امور کو تعلق ہے وہ دو قسم کے ہیں ایک قسم ایسی ہے جس میں پیدائشی طور پر نفس ناطقہ کا فیضان امور معاش میں ہوتا ہے لیکن اس قسم سے خلق مطلوب کا پوری طرح پر حاصل ہونا ممکن نہیں ہے اس قسم کے مزین افعال کے لیے جزئی فکروں میں اکثر خوض کرنا پڑتا ہے اور ایسی حالت کمال مطلوب کے خلاف ناقص شخص کی ہوا کرتی ہے جیسے کہ کوئی شخص غصہ اور کشتی کے جوش دلانے سے شجاعت حاصل کرنا چاہے یا عرب کے اشعار اور خطبوں کی واقفیت سے فصیح بننا چاہے اس لیے کہ اخلاقی امور کا ظہور اپنے ہم جنسوں کی مزاحمتوں سے ہوتا ہے اور ضرورتوں کے پیش آنے سے منافع حاصل ہوا کرتے ہیں اور آلات مادہ سے صنعتوں کی تکمیل ہوا کرتی ہے اور یہ سب امور دنیوی زندگی کے ختم ہو جانے سے طے ہو جایا کرتے ہیں اگر وہ ناقص اسی حالت میں مرجائے گا اور ان کو ان امور سے کچھ بیزاری بھی ہوگی تب تو وہ صرف اصلی کمال سے ہی محروم رہے گا اور اگر ان تعلقات کی صورتیں نفس کو لپٹی ہوں گی تو نفع سے زیادہ اس کو مضرت ہوگی۔

اور دوسرا حصہ وہ ہے جس کی بہیمیت ملکیت کے تابع ہو کہ بہیمیت ملکیت کے اشارہ سے سب امور کی بجا آوری کرے اور اسی کے رنگ سے رنگین ہو جائے اور قوت ملکی ایسی ہو کہ بہیمیت کے ادنیٰ اثروں کو قبول نہ کر سکے اس کے کمینہ نقوش اس میں نہ جم سکیں جیسے موم میں انگشتری کے نقوش جم جاتے ہیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ملکی طاقت اپنی ذاتی خواہشوں کو بہیمیت کے سامنے پیش کر کے اس سے مطالبہ کرتی رہے اور بہیمیت اس کی اطاعت کرے کسی قسم کی بغاوت اس کی جانب سے نہ ہو ان کی تعمیل سے باز نہ رہے اور ایسے ہی ملکی طاقت اپنی خواہشوں کا بہیمیت سے امضا کرواتی رہے حتیٰ کہ وہ اس کی عادی ہو کر مشاق ہو جائے یہ سب ملکی خواہشیں جو ملکیت کے لیے ذاتی ہوں گی اور بہیمیت کو بمجبوری ان کی تعمیل کرنی ہوگی وہ سب اس قسم کی ہوں گی کہ ان میں ملکیت کو خوشی اور کشائش ہوگی اور بہیمیت کی تنگ دلی اس سے عالم الملکوت کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اور جبروت کی کیفیت نظر آنے لگتی ہے۔ یہ حالتیں قوت ملکی کا

خاصہ ہیں اور قوت بہیمی کو ان حالات سے نہایت بُعد ہوتا ہے۔ اور اسی قسم میں سے ہے کہ قوت بہیمی کی خواہشیں اور اس کے لذائذ اور وہ امور جن کا جوش بہیمیت میں زیادہ شوق ہوا کرتا ہے ترک کردی جائیں اس حصے کا نام عبادات اور ریاضات ہے یہ ان مقصود اخلاق کے حاصل کرنے کے لیے دام ہے جو موجود نہیں ہوتے اس لیے اس مقام کی تحقیق کا انجام یہ ہوا کہ بغیر عبادات کے اصلی اور حقیقی سعادت حاصل نہیں ہوسکتی اسی لیے صورتِ نوعیہ کے روشندان سے مصلحت کلی افراد انسانی کو ندا کرتی ہے اور نہایت تاکیدی حکم کرتی ہے کہ بقدر ضرورت ان صفات کی اصلاح کی جائے جو انسان کے لیے کمال ثانی ہیں اور غایت ہمت اور نہایت توجہ سے تہذیب نفس حاصل کی جائے۔ اور نفس ایسی ایسی ہیئتوں سے آراستہ و پیراستہ کیا جائے جن کی وجہ سے وہ ملاء اعلیٰ کے ہمرنگ ہو جائے اس میں ایسی استعداد پیدا ہو جائے کہ عالم جبروت وملکوت کے اثر اس میں پیدا ہوسکیں قوت بہیمی اس کے زیر فرمان رہے اور وہ ملکی احکام کا مظہر بن جائے افراد انسانی میں جب نوعی تندرستی ہوتی ہے اور ان کا مادہ احکام نوع کے پوری طرح پر ظاہر ہونے کے قابل ہوتا ہے تو ان میں اس سعادت کے حاصل کرنے کا شوق ہمیشہ رہتا ہے اور اس سعادت کی طرف ان کی کشش ایسی ہوتی ہے جیسے لوہے کی مقناطیس کی طرف یہ ایک جبلی فطری امر ہے جو اللہ نے لوگوں کی طبیعت میں پیدا کیا ہے اور اسی واسطے لوگوں میں سے معتدل المزاج کوئی ایسا فرد نہیں ہوا جس میں ایسا عظیم الشان حصہ موجود نہ ہو جو اس کو اس خلقی کمال کے حاصل کرنے کا اہتمام نہ ہو۔ اور اس کو اعلیٰ ترین سعادت تسلیم نہ کرتا ہو سلاطین اور حکماء اور ان سے پست درجہ کے لوگ جانتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو ان مقاصد پر کامیابی ہوتی ہے جن کا درجہ دنیوی سعادت سے برتر ہے یہ لوگ فرشتوں میں مل گئے ہیں ان ہی کی جماعت میں منسلک ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ سب لوگ ان سے برکت لیتے ہیں اور ان کے ہاتھ پاؤں پر بوسہ دیتے ہیں پس تمام عرب اور عجم کا اس پر متفق ہونا حالانکہ ان کے عادات اور مذاہب مختلف ہوتے ہیں اور ان کے وطن دور دراز ہوتے ہیں اور بوحدت نوعی سب کا ایک ہی حالت کا مقر ہونا پیدائشی اور فطری مناسبت کے سبب سے ہے یہ اتفاق کچھ بعید نہیں ہے اس لیے کہ معلوم ہو چکا ہے کہ قوت ملکی اصل فطرت انسانی میں موجود ہے اور سب لوگوں میں افضل اور اعلیٰ درجے کے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

باب ۳۰

اس بیان میں کہ لوگ اس سعادت انسانی کے حاصل کرنے میں مختلف ہوا کرتے ہیں

معلوم کرنا چاہیے کہ جیسے لوگ شجاعت اور تمام اخلاقی اوصاف میں مختلف ہوا کرتے ہیں۔ یعنی ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جن میں شجاعت کا وصف موجود نہیں ہوتا اور کسی ایسی مخالف حالت کی وجہ سے جو ان کی نفس طبیعت میں ہوتی ہے شجاعت کے حاصل ہونے کی امید ہی نہیں ہوتی جیسے کہ مخنث اور نہایت کمزور اور بعض لوگوں میں بالفعل شجاعت نہیں ہوتی لیکن شجاعت کے مناسب افعال اور اقوال اور مناسب ہیئتوں کی مشاقی کے بعد ان کے شجاع ہونے کی امید ہوسکتی ہے جب شجاع لوگوں سے وہ ان اقوال اور افعال کو

حاصل کرتے ہیں اور پیشوایاں شجاعت کے تذکرے اور واقعات کو یاد کرتے ہیں تو سختیوں میں ثابت قدمی بلا کی کے موقعوں پر ان سے اقدام ہونے لگتا ہے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اصلی خلق ان کی طبیعت میں پیدائشی ہوتا ہے ہمیشہ وہ اس کی لاف زنی کرتے ہیں اگر اس خلق سے ان کی طبیعت روکی جائے تو ان کو بہت تنگ دلی ہوتی ہے اور ناگواری سے وہ خاموش رہ سکتے ہیں اور اگر ان کی پیدائشی حالت کے مناسب کوئی حکم دیا جائے تو ان کی ایسی حالت ہو جاتی ہے جیسے گندھک شعلہ آتشین کے قریب پہنچتے ہی فوراً مشتعل ہو جائے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں نہایت کامل طور پر کسی خلق کی پیدائش ہوتی ہے وہ اس کے مناسب اس ہی کی خواہشوں کی طرف عجلت کرتے ہیں اگر ان کو بزدلی کی طرف بزور بلائیں تو وہ بالطبع اس کو قبول نہیں کرتے بغیر کسی رسم ورواج اور بغیر کسی دوسرے کی خواہش کے ان کو اس خلق کے سے کاموں اور ہیئتوں کا کرنا آسان ہوتا ہے ایسا آدمی اس خلق کا امام ہوا کرتا ہے اس کو کسی اور امام کی حاجت نہیں ہوا کرتی ہے اور جو لوگ اس خلق میں اس سے کم درجہ کے ہوتے ہیں ان میں ضرور ہوتا ہے کہ اس کے طریقے کو مضبوطی سے اختیار کریں اور اس کی حالتوں اور واقعات کو اہتمام سے یاد کرتے رہیں تاکہ ان کو وہ اخلاق کمال حاصل ہو سکے جس کی توقع ہو سکتی ہے ایسے ہی لوگ اس اس خلقی حالت پر مختلف ہوتے ہیں جس پر ان کی سعادت کا مدار ہے بعض میں وہ حالت ایسی مفقود ہوتی ہے جس کی درستی کی امید ہو ہی نہیں سکتی جس کو حضرت خضر نے مار ڈالا تھا وہ بالطبع کافر تھا۔ ﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ﴾ میں اسی ہی کی طرف اشارہ ہے اور بعض لوگوں میں اصلاح کی امید ہوتی ہے لیکن جب وہ سخت سخت ریاضتیں کریں اور اعمال پر مداومت کریں نفس ان اعمال سے متاثر ہوتا رہے اس کے لیے انبیاء کی جوش دہندہ دعوت اور ان کے منقول شدہ طریقوں کی ضرورت ہوتی ہے اس قسم کے لوگ اکثر ہوا کرتے ہیں بعثت انبیاء کے لیے بالذات یہی لوگ مقصود ہوا کرتے ہیں اور بعض لوگوں میں اجمالی طور پر خلق کی حالت موجود ہوتی ہے ان سے اس خلق کے اثر ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ لیکن وہ تفصیلی امور میں اور اس خلق کے مناسب اکثر ہیئتوں کے درست کرنے میں امام کے محتاج ہوتے ہیں ﴿يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ﴾ (قریب ہے کہ اس کا روغن روشن ہو جائے اگر چہ اس کو آگ بھی نہ لگے) میں اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ ان لوگوں کو سباق کہتے ہیں اور لوگوں میں ایک طبقہ انبیاء کا ہے وہ اس خلق کے کمالات کو مرتبہ فعلیہ میں لا سکتے ہیں اس کی مناسب ہیئتوں کو اختیار کرتے ہیں اس خلق کے حصہ میں جو کمی ہو اس کے حاصل کرنے کی اور جو موجود ہو اس کے باقی رکھنے کی کیفیت کو اختیار کرتے ہیں بغیر کسی رہبر اور امام اور کسی کی دعوت کے وہ ناقص کو پورا کرتے ہیں۔ وہ بمقتضائے فطرت جیسا جیسا کہ عمل کرتے رہتے ہیں تو ان کے اس عملدرآمد سے ایسے قانون منتظم طور پر مرتب ہو جاتے ہیں جو لوگوں میں یادگار رہتے ہیں ان کو لوگ اپنا دستور العمل کر لیتے ہیں جب آہنگری اور دروودگری وغیرہ عام لوگوں کو بغیر اس کے حاصل نہیں ہوتی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے منقول شدہ طریقوں کا استعمال کریں تو ان اعلیٰ مقاصد کی نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو جن کی رہنمائی صرف انہی لوگوں کو ہوتی ہے جن کو اللہ نے توفیق دی ہے اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے اور ان کے طریقوں کی پیروی کے لیے ان کے حالات واختیار کی طرف متوجہ ہونے کی کیسی شدید ضرورت ہے۔ واللہ اعلم

باب ۳۱

اس سعادت کے حاصل کرنے کی کیفیت لوگوں میں مختلف ہوتی ہے

معلوم کرو کہ یہ سعادت دو طرح پر حاصل ہوتی ہے ایک طریقہ ایسا ہے کہ گویا اس میں بہیمی طبیعت سے بالکل علیحدگی اور آزادگی کرنی پڑتی ہے ایسے حیلے اور ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں جن سے طبعی حکومت میں خاموشی پیدا ہو جاتی ہے ان کا جوش بجھ جائے ان کے علوم اور حالات بالکل پژمردہ ہو جائیں اور عالم جبروت کی طرف جو تمام جہتوں سے علیحدہ ہے اس کی کامل توجہ ہو جائے نفس ان علوم کو قبول کرنے لگے جو مکان اور زمانے سے بالکل علیحدہ اور جدا ہیں اور ان لذتوں کی خواہش اس میں پیدا ہو جائے جو مالوف لذتوں سے بالکل علیحدہ ہیں حتیٰ کہ لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا جائے ان کی مرغوبات سے بے رغبتی ہو ان کے خوف کرنے کی چیزوں سے بے خوفی ہو تمام لوگوں سے ایک دور کنارے پر علیحدگی ہو۔ حکمائے اشراقین کا یہی مدعا ہوتا ہے اور صوفیاء کرام میں سے مجذوبوں کی بھی یہی حالت ہوتی ہے ان میں سے بعض لوگ انتہائے غایت تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ بہت کم ہوا کرتے ہیں اور باقی لوگ اس غایت کے اشتیاق ہی میں رہتے ہیں اس کے منتظر ہوتے ہیں کہ اس میں بہیمیت کی اصلاح ہو جایا کرتی ہے اس کی کجی دور کر دی جاتی ہے۔ لیکن اس کی اصل حالت باقی رہتی ہے یہ اس طرح پر ہوتا ہے اور یہ کوشش کی جاتی ہے کہ نفس ناطقہ کے افعال اور ہیئتیں اور اذکار وغیرہ کی قوت بہیمی ایسی ہی نقل کرتی ہے جیسے گونگا آدمی لوگوں کے اقوال کی اپنے اشاروں سے نقل کرتا ہے اور کوئی مصور نفسانی حالات خوف اور شرمندگی وغیرہ کی ایسی ایسی صورتوں سے نقل کرتا ہے۔ جو ان حالات کے ساتھ ساتھ نظر آیا کرتی ہیں اور جس عورت کا بچہ مر جاتا ہے وہ اس کا غم ایسے کلموں اور دردمندی سے ظاہر کرتی ہے کہ اس کو جو سنتا ہے اس پر بھی غم طاری ہو جاتا ہے اور غم کی صورت اس کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے اور جو کہ تدبیر الٰہی کا مقتضا یہ ہے کہ پہلے بہت قریب اور سہل حالت اختیار کرنی چاہیے اور رفتہ رفتہ جو اس کے قریب ہو اور ان امور کی درستی ہو جائے جو تمام افراد انسان کے لیے موزوں ہو سکیں نہ صرف چند صورتوں کے لیے دارین کی مصلحتیں قائم کی جائیں ان دونوں میں سے کسی انتظام کی برہمی نہ ہو اسی لیے لطف و رحمت الٰہی کا مقتضا ہے کہ اس دوسرے طریقہ کے قائم کرنے اور اس کی طرف دعوت اور آمادہ کرنے کے لیے پیغمبروں کو مبعوث کیا وہ پہلے طریقے کی طرف بھی رہبری کرتے ہیں لیکن صرف ضروری اشارات اور ضمنی اظہارات سے۔ **وللہ الحجۃ البالغہ**

اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے حالات انہیں لوگوں سے بن پڑتے ہیں جن میں لاہوتی کشش زیادہ ہو اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں ان حالتوں کے لیے نہایت سخت ریاضتوں کی نہایت درجہ فراغ خاطر کی ضرورت ہوا کرتی ہے ان کے انجام دینے والوں کی تعداد کم ہوتی ہے ان حالتوں کے رہبر اور امام وہی لوگ ہوتے ہیں جنھوں نے امور معاش کو بالکل ترک کر دیا ہو دنیا میں دعوت دین کا ان کو منصب حاصل نہیں ہے اور نیز اس حصہ کی تکمیل بغیر اس کے نہیں ہوتی کہ دوسرے حصے کا معقول مجموعہ بھی پیش نظر رکھا جائے اور نیز اس حصہ سے ایک نہ ایک سعادت سے حرمان ہوگا یا دنیوی تدابیر کی اصلاح نہ ہوگی یا آخرت کے لیے نفس کی اصلاح نہ

ہوگی۔ اگر سب لوگ اسی حصہ کو اختیار کر لیں تو دنیا ویران ہو جائے گی اور اگر لوگوں کو ان احکام کی تکلیف دی جائے تو گویا تکلیف بالمحال ہوگی اس لیے کہ تدابیر نافعہ ایک فطری شئے ہو گئے ہیں جن کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں اور دوسرے طریقے کے رہنما اور امام ملہمین اور مصلحین ہوتے ہیں دین اور دنیا کی ریاست ان کو حاصل ہوتی ہے ان کی دعوت دینی کو لوگ قبول کرتے ہیں ان کے طریقے کا اتباع کیا جاتا ہے سابقین اور اصحاب الیمین کے کمالات اسی تعلیم میں منحصر ہوتے ہیں اور اسی قسم کے لوگ بھی کثرت سے موجود ہوا کرتے ہیں ذکی اور غبی اور مشغول اور بے کار بغیر جرح کے ان امور کو عمل میں لا سکتے ہیں اور نفس کی درستی اس کی کجی رفع کرنے کے لیے ان تکالیف سے بچنے کے لیے جن کا معاد میں اندیشہ ہے اسی قدر بندہ کے لیے کافی بھی ہے اس لیے کہ ہر نفس کے لیے ملکی افعال مقرر ہیں جن کے ہونے سے اس کو آخرت میں آرام ملتا ہے اور ان کے نہ ہونے سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اور تجرد کی حالت میں جب عالم قبر اور حشر پیش آئے گا تو ان کے احکام اس طرح ظاہر ہوں گے جن کا علم اس کو جبلی طور پر نہ ہوگا اگرچہ وہ ایک زمانہ کے بعد ہوں گے۔ شعر

ستبدی لک الایام ما کنت جاهلاً ویاتیک بالاخبار من لم تزود

''تجھ پر زمانہ وہ حالات ظاہر کر دے گا جن کی تجھ کو خبر بھی نہ تھی اور تیرے پاس خبروں کو وہ شخص لائے گا جن کے لیے تو نے توشہ تیار نہ کیا تھا''۔

یعنی وہ قاصد جس کو تو نے قاصدی کے لیے روانہ نہ کیا تھا۔ اور حاصل یہ ہے کہ خیر و سعادت کے لیے تمام طریقوں کو پوری طرح پر احاطہ کرنا قریب محال کے ہے۔ اور جہل بسیط اس سے مضر نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

باب ۳۲

ان اصول وقواعد کے بیان میں جو دوسرے طریقہ کے لیے مدار اور مرجع ہیں

معلوم کرنا چاہیے کہ دوسرے طریقے کے موافق سعادت کا حاصل کرنا بہت سی صورتوں سے ہوتا ہے لیکن اللہ نے اپنے فضل سے مجھ کو سمجھایا ہے کہ ان کی انتہا، چار خصلتوں پر ہوتی ہے کہ جب نفس ناطقہ کا قوت بہیمی پر فیضان ہوتا ہے اور نفس ناطقہ اس کو اپنی مناسب حالتوں پر مجبور کرتا ہے تو اس میں یہ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں انسان کے تمام حالات میں سے ان اوصاف کو ملاء اعلیٰ سے زیادہ ہمرنگی ہے انہیں اوصاف کی وجہ سے انسان اس برترین جماعت سے ملحق ہو جاتا ہے اور انہیں میں منسلک ہو جاتا ہے۔ اللہ نے مجھ کو سمجھایا ہے کہ انبیاء کی بعثت انہیں اوصاف کے لیے ہوئی ہے انہیں پر وہ لوگوں کو مستعد کرتے ہیں تمام شرعی امور انہیں کی تفصیل ہیں سب کی انتہا انہیں کی طرف ہوتی ہے ان میں سے ایک وصف طہارت اور پاکیزہ زندگی کا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب آدمی کی فطرت سلیم ہوتی ہے اس کا مزاج صحیح ہوتا ہے اس کا دل تمام طفلی مشاغل سے جو تدبیر کے مانع ہوتے ہیں خالی ہوتا ہے تو ایسی

حالت میں جب اس کو پلید چیزوں سے آلودگی ہو جاتی ہے اور اس کو بول و براز کی مثلاً ضرورت ہوتی ہے اور ان سے فراغ نہیں ہوتا یا وہ مجامعت اور اس کی دواعی سے قریب ہی فارغ ہوتا ہے۔ تو اس کا دل ایک انقباض کی حالت میں ہوتا ہے اس پر تنگی اور غم سا طاری ہوتا ہے اور اپنے آپ کو وہ نہایت گھٹن میں پاتا ہے اور جب دونوں قسم کی نجاستیں دور ہو جاتی ہیں اور اپنے بدن کو ملتا ہے اور غسل کرتا ہے اور اچھے کپڑے بدل کر خوشبو لگاتا ہے تب اس کا انقباض دور ہو جاتا ہے اور بجائے اس کے بہجت و خوشی معلوم ہوتی ہے۔ یہ لوگوں کی نمائش کے لیے یا ان کی رسموں کی پابندی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ صرف نفس ناطقہ کے اثر سے ہوتا ہے پہلی حالت کو حدیث کہتے ہیں دوسری کو طہارت' اور جو لوگ ذکی ہیں اور احکام نوعی میں ان سے سلامتی ظاہر ہوتی ہے اور ان کا مادہ صورت نوعیہ کے احکام کو قادرانہ طور پر عمل میں لا سکتا ہے ان کی نظر میں ہر ایک حالت دوسرے سے بخوبی متمیز ہوتی ہے وہ ایک کو بالطبع پسند کرتے ہیں اور دوسرے سے ناخوش رہتے ہیں۔ غبی لوگوں کا بھی یہ حال ہے کہ جب کسی قدر قوت بہیمی ان کی کم ہو جاتی اور پاکیزگی اور علیحدگی کا اثر ان پر پڑتا ہے اور ان دونوں کیفیتوں سے پہچاننے کی کسی قدر ان کو فرصت مل جاتی ہے تو وہ بھی ان دونوں کو پہچان سکتے ہیں اور ایک کو دوسرے سے تمیز کر لیتے ہیں۔ اور سب روحانی صورتوں میں سے ملاء اعلیٰ کی حالت سے مشابہت اس طہارت اور پاکیزگی کی صفت کو ہے ان کو تمام بہیمی آلودگیوں سے علیحدگی رہتی ہے اور ہمیشہ اپنی نورانی کیفیت سے ان میں بہجت رہتی ہے اسی طہارت کے سبب سے نفس میں قوت عملی کے کمالات کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور جب حدث کی کیفیت سے انسان میں جم جاتی ہے۔ اور چاروں طرف سے احاطہ کر لیتی ہے تو آدمی میں شیطانی وسوسوں کے قبول کرنے کا مادہ حاصل ہو جاتا ہے وہ شیاطین کو حس مشترک کے سامنے دیکھتا ہے اس کو پریشان خوابیں نظر آتی ہیں اور نفس ناطقہ کے قرب میں تاریکی سے ظاہر ہوتی اور ملعون اور کمینہ حیوانات کی صورتیں نظر پڑتی ہیں اور جب آدمی کو پاکیزگی کی پوری قدرت ہوتی ہے اور یہ کیفیت اس کو احاطہ کر لیتی ہے اس کے لیے وہ متنبہ رہتا ہے اور اس ہی کا میلان طبیعت میں ہوتا ہے تو اس میں فرشتوں کے الہامات قبول کرنے کی اور ان کے دیکھنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ عمدہ عمدہ خوابیں دیکھتا ہے انوار اس کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں اور نہایت پاکیزہ اور پر برکت اور بزرگ چیزیں اس کو نظر آتی ہیں۔ اور دوسری صفت اللہ کے حضور میں اپنی عاجزی اور نیاز ظاہر کرنا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کو اپنی سلامتی اور فراغ حال کے زمانے میں جب خدائے تعالیٰ کی نشانیاں اور صفتیں یاد دلائی جائیں اور وہ خوب طرح سے ان میں غور کرے تو نفس ناطقہ کو بیداری حاصل ہوتی ہے اور تمام حواس و بدن ان کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اور وہ حیرت زدہ سا ہو جاتا ہے اور عالم قدس کی جانب اپنا میلان پاتا ہے اور ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ جیسے بادشاہوں کے مقابلے میں اپنی عاجزی دیکھ کر اور ان کا استقلال بخشش اور منع کرنے میں معلوم کر کے رعیت کی حالت ہوتی ہے۔ یہ حالت بھی تمام روحانی حالتوں کی نسبت ملاء اعلیٰ سے نزدیک تر اور زیادہ مشابہ ہے وہ بھی اپنے خالق کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور اس کے جلال اور تقدس میں سراپا حیرت اور مستغرق ہوتے ہیں اسی وجہ سے یہ حالت نفس کو آمادہ کرتی ہے کہ اس کے کمالات علمی ظاہر ہوں یعنی ذہن میں اللہ کی معرفت منقش ہو جائے اور خاص طرح سے اس بارگاہ کے ساتھ اس کا اتصال ہو جائے اگرچہ عبارت سے اس اتصال کا پورا بیان نہیں ہو سکتا۔ اور تیسری صفت سماحت ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ نفس اس درجہ کو پہنچ جائے کہ قوت بہیمی کی خواہشوں کی اطاعت نہ کرے اس کے نقش اس میں نہ جم سکیں اور اس قوت کا چرک اس

سے نہ مل سکے۔ یہ کیفیت جب پیدا ہوتی ہے کہ جب نفس امور معاش میں مصروف ہوتا ہے عورتوں کی اس میں خواہش پیدا ہوتی ہے اور لذات کا عادی ہوتا ہے یا کسی غذا کا اس کو شوق ہوتا ہے تو ان اغراض کے حاصل کرنے میں اتنی کوشش کرتا ہے کہ اپنی حاجت کو پورا کرلے اور ایسے ہی جب وہ غصہ ہوتا ہے یا کسی چیز کی حرص کرتا ہے تو وہ اس کیفیت میں کسی قدر مستغرق ہو جاتا ہے دوسری چیز کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا پھر یہ حالت دور ہو جانے کے بعد اگر اس میں سماحت کی قوت ہوتی ہے تو وہ ان تنگیوں سے ایسا نکل جاتا ہے کہ گویا اس میں کبھی نہ تھیں اور اگر اس میں قوت سماحت کی نہیں ہوتی تو وہ کیفیتیں اس میں اپنا جال پھیلا دیتی ہیں اور جیسے موم میں انگشتری کے نقوش جم جاتے ہیں ایسے ہی وہ کیفیتیں بھی اس میں جم جاتی ہیں اور وہ کشادہ دل اور صاحب سماحت جب اپنے بدن سے جدا ہوتا ہے اور تمام تاریک اور مجتمع تعلقات سے اس کو سبکدوشی ہوتی ہے اور اپنی موجودہ حالت کی طرف رجوع کرتا ہے تو کوئی چیز ملکی قوت کی مخالف جو کہ دنیا میں تھیں نہیں پاتا۔ اسی واسطے اس کو ایک حالت انس واطمینان کی حاصل ہو جاتی ہے اور نہایت فراخ عیش ہوتا ہے۔ اور حریص طمع شخص میں ان تعلقات کے نقوش ایسے ہی جمے رہتے ہیں اس کی مثال ایسی سمجھ لو کہ جیسے کسی کا کوئی نفیس اور عمدہ مال چوری ہو جائے اگر وہ شخص سخی ہوتا ہے تو اس کو کچھ اس چوری کی پرواہ نہیں ہوتی اور اگر وہ تنگ دل ہوتا ہے تو دیوانہ سا ہو جاتا ہے اور اس مال کی صورت اس کے سامنے کھڑی رہتی ہے۔ اور سماحت اور حرص کی ان چیزوں کے لحاظ سے کہ جن میں وہ ہوا کرتی ہیں۔ بہت سے لقب ہیں اگر وہ مال میں ہوں تو سخاوت اور حرص ان کا نام ہے اور اگر شرمگاہ اور شکم کی خواہشوں میں ہوں تو پارسائی اور شرہ اس کا نام ہے اور اگر آرام کے اور مشقتوں کے دور رہنے میں ہوں تو اس کو صبر اور بے قراری کہتے ہیں اور جو گناہوں اور ممنوعات شرعی میں ہوں تو ان کا نام تقویٰ اور بدکاری ہے جب انسان میں سماحت کی صفت جم جاتی ہے تو نفس تمام دنیوی خواہشوں سے خالی ہو جاتا ہے اور بلند ترین اور مجردات کی لذتوں کے لیے مستعد ہوتا ہے اور سماحت ایسی صفت ہے جو انسان کو اس بات سے روکتی ہے کہ کمال مطلوب علمی اور عملی کے خلاف کوئی چیز اس میں جم سکے۔ اور چوتھی صفت عدالت ہے عدالت اس نفسانی ملکہ کا نام ہے جس کی وجہ سے نفس سے ایسے اعمال کیے جاتے ہیں جن سے ملکی اور قومی انتظامات بہ آسانی منتظم اور قیام پذیر ہوتے ہیں اور نفس اس قسم کے افعال پر گویا مجبور ہو جاتا ہے اس کا راز یہ ہے کہ ملائکہ اور نفوس مجردہ میں وہ مقاصد منقش ہوا کرتے ہیں جن کو اس نظام کی اصلاحات کے متعلق آفرینش عالم میں اللہ رہنما کرتا ہے۔ اس نظام کے مناسب تدابیر کی طرف ان کی مرضیات کا میلان رہتا ہے۔ روح مجرد کے لیے یہ طبعی امر ہے جب نفوس اپنے بدنوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اور ان میں عدالت کی صفت ہوتی ہے تو ان کو نہایت فرحت اور بہجت حاصل ہوتی ہے اور موقع ملتا ہے کہ اس لذت سے مسرور ہوں جو تمام دنی لذتوں سے جدا ہوتی ہے اور اگر بدنوں سے مفارقت کرنے کے بعد نفوس میں یہ صفت عدالت نہیں ہوا کرتی تو ان کا حال نہایت تنگ ہوتا ہے وہ متوحش اور ملول ہوتے ہیں جب خداوند تعالیٰ پیغمبر بھیجتا ہے تاکہ دین قائم کرے اور تاریکیوں میں سے لوگوں کو نورانیت کی طرف نکال لائے اور تمام لوگ متصف بہ عدالت ہو جائیں تو ایسے وقت میں جو شخص اس نور کے پھیلانے میں کوشش کرتا ہے لوگوں میں اس کی تمہید کرتا ہے وہ قابل رحمت ہو جاتا ہے۔ اور جو اس کے رد کرنے میں اس کے معدوم کرنے میں کوشش کرتا ہے وہ قابل لعنت وسنگساری ہوتا ہے جب عدالت کی صفت آدمی میں خوب جم جاتی ہے تو اس میں اور حاملین عرش اور نزدیکان بارگاہ فرشتوں میں شرکت ہو جاتی ہے جو جود الٰہی اور برکات

نازل ہونے کے ذریعہ ہیں اور اس میں اور ان ملائکہ میں فیضان کا دروازہ مفتوح ہو جاتا ہے ان کے اثر اس پر نازل ہوتے ہیں ان کے الہامات سے وہ مستفیض ہوتا ہے۔ اور انہیں الہامات کے موافق اس کو آمادگی ہوتی ہے اگر ان چاروں اوصاف اور خصائل کی تو حقیقت معلوم کرلے گا اور اس کیفیت کو سمجھ لے گا جس سے کمالات علمی اور عملی حاصل ہوتے ہیں اور یہ اوصاف کیونکر آدمی کو فرشتوں میں منسلک کر دیتے ہیں اور یہ بھی بخوبی سمجھ لے گا کہ ان اوصاف سے ہر زمانے میں نوامیس الٰہی کا کیونکر استخراج ہوتا ہے تو اس وقت تجھ کو نفع عظیم حاصل ہوگا۔ دین کا تو رازدان ہو جائے گا ان لوگوں سے تیرا شمار ہوگا جن کی بہتری اللہ کو منظور ہوتی ہے ان اوصاف کے مجموعہ سے جو حالت مرکب ہوتی ہے اس کو فطرت کہتے ہیں اور فطرت کے بہت سے اسباب انہیں اوصاف سے حاصل ہوتے ہیں بعض علمی ہیں۔ اور بعض عملی اور بعض اسباب ایسے ہوتے ہیں کہ انسان کو مقاصد فطری سے روکتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ فطرت کے حجابات کو زائل کر دیتے ہیں ہمارا قصد ہے کہ ان تمام امور پر لوگوں کو متنبہ کریں۔ اس لیے آئندہ بیانات پر کان لگا کر بتوفیق الٰہی غور کرو۔ واللہ اعلم

باب ۳۳

ان چاروں اوصاف کے حاصل ہونے کے طریقے میں اور اس بیان میں کہ ناقص اوصاف کی تکمیل اور فوت شدہ کی واپسی کیسی ہوسکتی ہے

❶ ان اوصاف کے حاصل ہونے کی دو تدبیریں ہیں: ① تدابیر علمی ② تدابیر عملی' تدبیر علمی کی اس واسطے ضرورت ہے کہ طبیعت علمی قوتوں کے تابع اور مطیع ہوا کرتی ہے نفس میں جب حیایا خوف کی کیفیت گزرتی ہے تو خواہش نفسانی اور مجامعت کی رغبت جاتی رہتی ہے ایسے ہی جب نفس میں وہ تمام علمی امور مملو ہوں جو فطرت کے مناسب ہیں تب فطرت نفس میں راسخ ہو جائے گی اس لیے اعتقاد کرنا چاہیے کہ ہمارا ایک پروردگار تمام بشری لوثوں سے منزہ اور پاک ہے زمین اور آسمان میں ذرہ برابر بھی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے اگر تین شخص مل کر کسی امر میں سرگوشی کریں تو وہ خداوند عالم ان میں چوتھا ہوتا ہے' اور اگر پانچ مل کر کریں تو وہ چھٹا ہوتا ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے اس کے حکم کا کوئی شخص لوٹ پھیر کرنے والا نہیں ہے۔ ہر چیز کو اپنے انعام سے موجود کرنے والا اور ان کو جسمانی اور نفسانی نعمتیں عطا کرنے والا ہے۔ اعمال کی وہ جزا دیتا ہے اگر اچھے ہوں۔ اور سزا دیتا ہے اگر وہ برے ہوں ایسا ہی اللہ کا ارشاد ہے کہ میرے بندے نے گناہ کر کے یقین کیا کہ میرا ایک پروردگار ہے جو گناہ کی مغفرت کرتا ہے اور اس پر مؤاخذہ کرتا ہے میں نے اپنے بندہ کی مغفرت کی اور حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نہایت مضبوط اور کامل اعتقاد کرنا چاہیے جس سے کمال خوف اور غائت اس کی تعظیم نفس میں راسخ ہو جائے۔ اور بقدر پرپشہ کے بھی دوسرے کی عاجزی اور خوف کی گنجائش نہ رہے اور خوب اعتقاد کر لے کہ انسان کا اصلی کمال یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو کر اس کی عبادت کرے اور آدمی کی سب سے

عمدہ حالت یہ ہے کہ فرشتوں کے مشابہ ہو جائے۔ اوران کی حالت سے اس کو قرب ہو یہی امور ہیں جن سے قرب ربانی حاصل ہوتا ہے اللہ نے ان ہی امور کولوگوں سے پسند کیا ہے یہ اللہ کا بندہ برحق ہے اس کے لیے اس کو وقت مقرر کرنا ضرور ہے اور حاصل یہ ہے کہ انسان کوخوب یقینی طور پر جس میں خلاف ونقیض کا احتمال نہ ہو جاننا چاہیے کہ انسانی سعادت ان ہی امور کے حاصل کرنے میں ہے اوران کے ترک کرنے میں اس کی بدبختی اور شقاوت ہے اور ضرور ہے کہ طاقت بہیمی کے متنبہ کرنے کو ایک تازیانہ ہو جواس کو بالکل برہم کردے۔ انبیاء کے طریقے اس علمی اور اعتقادی حالت کے پختہ کرنے کے لیے مختلف رہے ہیں سب سے عمدہ طریقہ وہ ہے جس کو خداوند کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل کیا کہ اللہ کی روشن نشانیوں کی یادآوری ہو اس کی برتر صفات اور تمام آفاقی اور نفسانی نعمتوں کو یاد رکھیں تا کہ بخوبی یہ امر محقق ہو جائے کہ اللہ کی شان اسی لائق ہے کہ تمام لذائذ کو اس کے لیے صرف کر دیں اس کے ذکر کو تمام ماسوائے الٰہی پر مقدم رکھیں نہایت درجہ کی اس سے محبت رکھیں اور انتہائی کوشش سے اس کی عبادت میں مصروف ہوں۔ ان امور کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں خدائے تعالیٰ نے تذکیر بایام اللہ کے مطالب کا اضافہ کر دیا۔ یعنی ان جزاؤں اور سزاؤں کو بیان کرنا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان پذیر اور نافرمان بندوں کو دی ہیں اس نے اپنی نعمتوں اور تکالیف کو کس طرح اول بدل رکھا ہے تا کہ لوگوں کے دلوں میں گناہوں کا خوف اور اللہ کی اطاعت کی کامل رغبت ذہن نشین ہو جائے اور ان علوم بالا کے ساتھ ہمارے کے ساتھ ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں حوادث قبر اور مابعد قبر کے خوف اور بشارت کا اضافہ کر دیا ان کے ذریعہ سے نیکی اور گناہ کے خواص بیان فرما دیئے گئے۔ ان امور کا صرف معلوم کر لینا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ ان کے تکرار کا دور رہنا چاہیے ہمیشہ ان کو ملاحظہ رکھنا چاہیے۔ حتیٰ کہ علمی طاقتیں ان کے اثروں سے لبریز ہو جائیں اور تمام اعضاء ان اثروں کی بجا آوری کریں۔ یہ تینوں علوم اور علم احکام جن میں واجب حرام وغیرہ کی تفصیل ہوتی ہے اور کفار کی مخاصمت کا علم یہ پانچوں علوم قرآن عظیم کے علوم میں سے چیدہ اور عمدہ ہیں۔

اور دوسری تدبیر سعادت انسانی کی تکمیل کے لیے عملی ہے اس لیے ایسی ہیئتیں اور افعال اور امور اختیار کرنے چاہئیں جن کی وجہ سے نفس میں مطلوب عادات واوصاف کی یاد پیدا ہو نفس کو وہ تنبیہ کرتے رہیں اس کو جوش دلا کر انہیں اوصاف کی آمادگی پیدا کرتے رہیں ان اعمال میں اوران اوصاف میں یا تو عادۃً تلازم ہوتا ہے یا مناسبت فطری کی وجہ سے ان اوصاف کے ہونے کا گمان غالب ہوتا ہے دیکھو جب کوئی شخص اپنے آپ کو غصہ پر آمادہ کرتا ہے۔ اور اپنے سامنے اس کی صورت پیش کرتا ہے تو اس شخص کی دشنام دہی کا خیال کرتا ہے جس پر غصہ کرنا منظور ہوتا ہے اور دشنام سے جو شرم و عار پیدا ہوتی ہے اس کو سوچتا ہے ایسے ہی کوئی رونے والی عورت جب اظہار غم اور بے قراری کرنی چاہے تو مردے کی خوبیوں کو ہی یاد کرتی جاتی ہے جو شخص ہم بستری کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی دواعی کو خیال میں لاتا ہے ایسے ہی اس بات کی نظیریں بکثرت ہیں جو شخص اس میں زیادہ بسط دے کر تقریر کرے تو اس کو تمام متعلقات کلام کا ذکر کرنا آسان ہے ان اوصاف مذکورہ میں ہر ایک وصف کے اسباب مقرر ہیں جن کے ذریعہ سے وہ اوصاف حاصل کیے جاسکتے ہیں ان امور کی بخوبی معرفت کے لیے ان لوگوں کے ذوق پر اعتماد کیا جاسکتا ہے جن کے ذوق سلیم ہیں۔ مثلاً حدث کے اسباب یہ ہیں: دل میں بہیمی خواہشوں کا مملو ہونا' عورتوں سے نفسانی رغبت کو پورا کرنا' حقانی امور کی مخالفت دل میں پوشیدہ ہونا' ملاء

اعلیٰ کی لعنت کا دل کو گھیر لینا بول و براز کی ضرورت کا پیش آنا' نیز بول و براز اور ریح سے ابھی فارغ ہونا یہ تینوں معدے کے فضلے ہیں۔ ایسے ہی بدن پر میل و چرک کا ہونا گندہ دہنی بینی میں آب بینی کا جمع ہونا زیر ناف یا بغل میں بالوں کا بڑھ جانا' ناپاکیوں سے کپڑے یا بدن کا آلودہ ہونا' حواس میں ایسی صورتوں کا مملو ہونا جن سے بہیمی حالتیں پیش نظر رہیں مثلاً قاذورات شرمگاہ کو دیکھنا حیوانوں کی جفتی اور مجامعت کو زیادہ غور سے دیکھتے رہنا فرشتوں اور نیک لوگوں کی شان میں طعن و تشنیع لوگوں کے ایذاء دینے میں کوشش کرنا اور پاکیزگی کے اسباب یہ ہیں کہ یہ تمام نجس اسباب دور کر دیئے جائیں ان کے مخالف اسباب حاصل کیے جائیں ان عادات کا برتاؤ کرنا جن کا بہ کمال پاکیزہ ہونا قرار پا چکا ہے جیسے غسل وضو عمدہ لباس کا پہننا خوشبو لگانا یہ امور نفس کو طہارت کے لیے تنبیہ کرتے ہیں۔ اور خاکساری اور نیازمندی کے اسباب میں سے ہے کہ تعظیمی حالتوں میں سے اعلیٰ قسم کی حالتوں کا اختیار کرنا سرنگوں ہو کر کھڑے رہنا سجدہ کرنا ایسے لفظوں کو ادا کرنا جن سے مناجات اپنی ذلت اپنی حاجت کا اللہ کے حضور میں اظہار ہو ان امور سے نفس کو عاجزی اور فروتنی کی کمال تنبیہ ہوتی ہے اور سماحت کے اسباب سخاوت داد و دہش ظالم کے قصور معاف کرنا ناگوار حالتوں میں صبر اختیار کرنا ہے اور عدالت کے اسباب میں تفصیلی طور پر تمام رہنمائی کے طریقوں کی محافظت ہے۔

باب ۳۴

حجابات کی تفصیل میں جو فطری امور کے ظاہر ہونے سے مانع ہوا کرتے ہیں

معلوم کرو کہ بڑے بڑے حجاب مانع فطرت تین ہیں: ❶ طبیعت کا حجاب ❷ رسم کا حجاب ❸ نافہمی کا حجاب۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آدمی میں کھانے پینے نکاح کی خواہشیں پیدا کی گئی ہیں اس کا دل طبعی حالات کے لیے سواری ہے کبھی وہ غمگین ہوتا کبھی خوش ہوتا ہے کبھی غصہ کرتا ہے اور خوف کرتا ہے وعلیٰ ہذا۔ ان حالتوں میں وہ مصروف رہتا ہے ہر حالت کے طاری ہونے سے پہلے نفس اس کے اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کے مناسب امور کے لیے قوتیں مطیع ہوتی ہیں اس طرح پر نفس اس میں مستغرق رہ کر اس کے علاوہ اور اہتماموں سے اس کو غفلت رہتی ہے ہر حالت کے بعد اس کی کیفیت اور رنگ باقی رہتی جاتی ہے شب و روز گزرتے جاتے ہیں اور وہ شخص اسی محویت میں رہتا ہے اس کو اور کمالات کے حاصل کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا اور بعض لوگوں کے قدم اس گاب میں ایسے پھنس جاتے ہیں کہ تمام عمران کو رستگاری نہیں ہوتی اور اکثر لوگوں پر طبیعت کے احکام اس طرح غالب آ جاتے ہیں کہ وہ تمام رسمی اور عقلی امور کو خیر باد کہہ دیتے ہیں اور ملامت کا بھی ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا اسی حجاب کو حجاب نفس کہتے ہیں لیکن بعض لوگوں کی عقل کامل ہوتی ہے ان میں بیداری کا کافی مادہ ہوتا ہے وہ اپنے اوقات میں فرصت اور موقع تلاش کرتے ہیں اور طبعی حالات میں خاموشی پیدا کر سکتے ہیں ان کے نفس میں ان حالات کے علاوہ بھی اور امور کی گنجائش ہوتی ہے اور طبعی مناسبات کے علاوہ اور علوم کے فیضان کی بھی وہ قابل ہوتے ہیں ان میں قوت علمی اور عملی کے لحاظ سے کمال نوعی کی طرف بھی گرویدگی ہوتی ہے جب وہ اپنی چشم بصیرت کو

کھولتے ہیں تو فوراً وہ اپنی قوم کی تدابیر لباس اور فخر و مباہات کا مطالعہ کرتے ہیں فصاحت مختلف صنائع کی خوبیاں ان میں دیکھتے ہیں ان کے دل پر ان امور کا بڑا اثر پڑتا ہے اور بہ عزم کامل اور قوی ہمت سے وہ ان کی طرف رخ پھیرتے ہیں اس کا نام حجاب رسم ہے اور اس کا نام دنیا ہے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ان ہی امور میں محو اور مستغرق ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ موت ان کو دبا لیتی ہے اور ان فضائل اور خوبیوں کا کمال چونکہ بدن کی بقاء اور ثبات پر موقوف ہوتا ہے اس لیے مرنے کے بعد وہ سب کے سب زائل اور مفقود ہو جاتے ہیں نفس اب بالکل فضائل سے عاری ہو جاتا ہے کوئی خوبی اس میں نہیں رہتی اس کا حال باغ والے کا سا ہوتا ہے جس کو آندھی نے ایسا ویرانہ کر دیا ہو جیسے گرد کو تیز ہوا اندھیالے دن میں اڑا لے جاتی ہے اور اگر اس شخص میں ہوشیاری اور بیداری کی چالاکی ہوتی ہے تو وہ کسی دلیل یقینی یا خطابی یا شریعت کی پیروی سے یقین کرتا ہے کہ اس کا کوئی پروردگار ہے تمام بندوں پر غالب ان کے تمام ساز و سامان کا مدبر تمام نعمتوں کی بخشش کرنے والا اس کے بعد اس کے دل میں اللہ کی جانب میلان اور محبت پیدا ہوتی ہے اس کے قرب کا وہ خواستگار ہوتا ہے اپنی حاجتوں کا اس سے طالب ہوتا ہے اس کو قبلہ مقاصد سمجھتا ہے۔ بعض ان میں سے ٹھیک راستے پر ہوتے ہیں اور بعض کو خطا ہوتی ہے خطا کے دو بڑے سبب ہیں۔

(۱) یہ خالق میں مخلوق کے اوصاف کا اعتقاد کر لے یا مخلوق میں صفات وحی کو ثابت کرنے لگے پہلی حالت کا نام تشبیہ ہے اس کا منشا ہوتا ہے غائب کی حالت کو کسی حاضر پر قیاس کر لینا اور دوسری خطا اللہ کی شان میں شرک کرنا ہے جب کوئی شخص مخلوقین میں خلاف عادت اثروں کو دیکھتا ہے تو اس کو گمان ہوتا ہے کہ ان کا تعلق انہیں کی ذات سے ہے یہ ان کے امور ذاتی ہیں تم تمام افراد انسانی کا تجسس کرو جیسے حالات بتائے گئے ہیں سب میں بلا تفاوت یہ پاؤ گے ہر ایک انسان کے لیے وہ کسی مشرب میں ہو طرور ایسے اوقات ہوا کرتے ہیں جن میں وہ تھوڑے بہت طبعی حجاب میں محو رہتا ہے اگرچہ وہ رسم کی عملی طور پر پابندی بھی کرتا ہو اور ایسے اوقات بھی ہوتے ہیں کہ وہ ان میں رسم کے پردے میں مستغرق رہتا ہے اور اہتمام کرتا ہے کہ عقلائے قوم کی گفتگو لباس اخلاق معاشرت میں مشابہت کرے۔

باب ۳۵

ان طریقوں کے بیان میں جس سے یہ حجاب دور ہو سکتے ہیں

حجاب طبع دور کرنے کے دو طریقہ ہیں: ❶ اس حجاب کے دور کرنے کا اس پر حکم کریں اس کو رغبت دلائیں اس میں آمادگی پیدا کی جائے کہ طبعی امور کو دفع کرے ❷ اُن امور پر زد و کوب کریں اور برضا یا بکراہ اس پر مؤاخذہ کیا جائے پہلا طریقہ ریاضتوں سے حاصل ہوتا ہے جن سے بہیمی قوت کمزور ہو جاتی ہے روزہ رکھا جائے بیداری اختیار کی جائے بعض لوگ ریاضتوں کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ ان سے قدرتی امور کی تبدیلی ہو جاتی ہے مثلاً آلات تناسل کو قطع کر دیتے ہیں اور عمدہ اعضاء مثلاً دست و پا کو خشک کر دیتے ہیں ایسے لوگ جاہل ہوتے ہیں توسط کی حالت بہت عمدہ ہوا کرتی ہے روزہ اور بیداری بھی ایک رسمی علاج ہے اس کو بھی بقدر ضرورت کرنا چاہیے۔

اور دوسرے طریقے کے۔ لیے اس شخص کو ملامت کرنا چاہیے جس نے طبیعت کا اتباع کر کے صحیح راستہ کو ترک کر دیا ہو اس کو یہ طریقہ بتانا چاہیے جس کی وجہ سے وہ غلبہ طبیعت کے پنجہ سے چھوٹ سکے۔ لیکن لوگوں کو نہایت تنگ نہ کرنا چاہیے اور سب حالتوں میں صرف زبانی انکار پر بھی اکتفا نہ کرنا چاہیے بلکہ بعض صورتوں میں سخت بدنی یا مالی سزا بھی دینی چاہیے اور جن زیادتیوں میں کہ متعدی ضرر ہوتا ہے مثلاً زنا یا قتل ایسے سزا دینا اور بھی زیادہ مناسب ہے اور حجاب رسم سے بچنے کے دو طریقے ہیں اولاً ہر تدبیر نافع کے ساتھ ذکر الٰہی کو مقرون کرنا چاہیے ان لفظوں کو محفوظ رکھنا چاہیے جو ذکر الٰہی کے لیے قرار دیئے گئے ہیں ان کی محافظت نہایت اہتمام اور تاکید سے کرنی چاہیے جو جاہ و منزلت کے لیے مرغوب ہوں ان دونوں تدبیروں سے رسمی کدورتیں دفع ہو جاتی ہیں عبادت الٰہی سے ان کو تائید ہوتی ہے اور حقانی امور کی طرف ان کا رخ ہو جاتا ہے اور دونوں قسم کے دو سببوں سے پیدا ہوتی ہے چونکہ پروردگار تمام بشری صفتوں سے بالکل منزہ ہے محسوسات اور محدثات میں سے اس میں کوئی اثر اور نشان نہیں ہے اس واسطے بخوبی معرفت الٰہی اور شناخت خداوندی لوگوں کو نہیں ہو سکتی اس کی تدبیر یہی ہے کہ لوگوں کو اللہ کی حقیقت اس عنوان سے سمجھانی چاہیے جو ان کے ذہن میں آ سکے اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی شئے ہو خواہ موجود ہو یا معدوم انسان اس کو دو طرح پر معلوم کیا کرتا ہے یا اس کی صورت کو اپنے سامنے پیش کرتا ہے یا کسی نہ کسی مشابہت اور قیاس سے ان کو جان لیتا ہے حتیٰ کہ عدم مطلق اور مجہول مطلق کو بھی اس طرح سمجھتا ہے کہ پہلے وجود کے معنے جانتا ہے خیال کرتا ہے کہ عدم وجود سے موصوف نہیں ہوا کرتا اور اولاً جہل سے صیغہ مشتق مفعول کے معنے سمجھتا ہے پھر مطلق کا مفہوم کرتا ہے پھر ان امور کو باہم ایک دوسرے سے ملا کر ایسی صورت ترکیبی درست کر لیتا ہے جس سے امر بسیط کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے جس کا خیال میں لانا مقصود ہوا کرتا ہے اور وہ نہ خارج میں ہوا کرتا ہے نہ ذہن میں ایسی ہے جب کسی مفہوم نظری کا معلوم کرنا چاہتا ہے تو پہلے ایک ایسے معنے کو سوچتا ہے جس کے جنس ہونے کا خیال ہو سکتا ہے اور پھر ایسے مفہوم کو سوچتا ہے جس کو فصل خیال کرتا ہے ان دونوں کو ملا کر ان سے صورت ترکیبی پیدا کر لیتا ہے جس سے وہ چیز معلوم ہو جاتی ہے جس کا تصور کرنا مقصود ہے اس طرح پر لوگوں کو بتانا چاہیے کہ اللہ موجود ہے زندہ ہے لیکن اس کا وجود اور زندہ ہونا ہمارا سا وجود اور ہمارا سا زندہ ہونا نہیں ہے بہر حال اللہ کی ذات میں ایسی صفتوں کا لحاظ کرنا چاہیے جو موجود اور محسوس اشیا میں باعث خوبی اور تعریف بھی جاتی ہیں۔ تین مفہوموں کا لحاظ رکھنا چاہیے جو ہماری نظر میں ہیں بعض چیزیں ہم ایسی دیکھتے ہیں کہ ان میں صفات مدح موجود ہیں اور ان میں ان صفات کے آثار بھی پیدا ہوتے ہیں اور بعض چیزوں میں نہ وہ صفات ہیں اور نہ ان کی شان سے ہیں کہ ان میں صفات پیدا ہوں اور بعض چیزوں میں صفات موجود تو نہیں ہیں لیکن وہ قابل صفات ہیں مثلاً زندہ اور مردہ اور جماد تو اس قسم کی صفات اللہ کو ثابت کرنا چاہئیں اثروں کے لحاظ سے پھر تشبیہ کا تدارک یوں کر دیا جائے کہ اللہ میں اور ان میں کوئی مشابہت نہیں ہے دوسری وجہ نافہمی اور سوء معرفت کی یہ ہے کہ نہایت مزین اور حسی صورتیں پیش نظر ہوتی ہیں نہایت خوش نما لذیذ چیزیں سامنے ہوتی ہیں یہ حسی صورتیں علم اور خیال میں بھری رہتی ہیں اس لیے اللہ کی جانب خالص توجہ نہیں ہوتی۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ ریاضتیں کی جائیں ایسے اعمال کی پابندی کرنی چاہیے جن سے آدمی میں تجلیات عالیہ کی استعداد پیدا ہو جائے اگرچہ اس کا ظہور عالم معاد میں ہی ہو۔ خلوتیں اور اعتکاف اختیار کرنا چاہیے بقدر امکان ان شغلوں کو دور کرنا چاہیے جیسے کہ آنحضرت ﷺ نے پردۂ نگارین کو پارہ کر دیا تھا اور ریشمی کپڑے کو دور کر دیا تھا جس میں بیل بوٹے تھے۔

پانچواں مبحث

مقدمہ

نیکی اور گناہ کی حقیقت میں

پہلے ہم جزا وسزا کے دلائل بیان کر چکے ہیں اس کے بعد فطری تدابیر نافع کا بیان کیا گیا کہ وہ لوگوں میں ہمیشہ بلا زوال قائم رہتی ہیں پھر سعادت اور اس کے حاصل کرنے کے طریقے بیان کیے گئے اب ہم نیکی اور گناہ کی تحقیق میں مشغول ہوتے ہیں۔ نیکی وہ عمل ہے جس کو آدمی ملاء اعلیٰ کی اطاعت سے یا الہام الٰہی کے قبول کرنے میں ہمہ تن محو ہو جانے سے یا مراد الٰہی میں فانی ہو جانے سے کرتا ہے یا ایسا عمل ہو جس کی جزا دنیا یا آخرت میں ملے یا ایسا عمل ہو جس سے تدابیر نافع کی اصلاح ہو جائے جن پر نظام انسانی کی بنا ہے' ایسا عمل ہو جس سے فرمان پذیری کا اظہار ہو اور حجابات دور کرنے کا ذریعہ ہو۔ اور گناہ وہ عمل ہے جو شیطانی تحریک اور اطاعت سے کیا جائے یا جس کی سزا دنیا یا آخرت میں حاصل ہو یا اس سے تدابیر نافع میں خرابی اور ابتری پیدا ہو یا متمردانہ ہو اور حجابات فطرت اس کے مستحکم ہو جائیں جیسے کہ نافع تدابیر کو آگاہ دل لوگوں نے مستنبط کیا ہے اور تمام لوگوں نے دلی شہادت سے ان کی پیروی کی ہے اور تمام روئے زمین کے رہنے والوں نے ان پر اتفاق کر لیا ہے ایسے ہی نیکی کے بھی طریقے ہیں جن کا الہام ان کے دلوں پر ہوا ہے جو ملکی روشنی سے مؤید کیے گئے ہیں ان پر حالت فطری غالب ہوتی ہے یہ الہامات ایسے ہی ہیں جیسے شہد کی مکھی کو ان امور کا الہام ہوتا ہے جو اصلاح کے لیے مفید ہیں اسی واسطے ان لوگوں نے ایسے الہامی امور اختیار کر کے اور لوگوں کو ان کی راہنمائی کی اور ان کی طبیعتوں میں آمادگی پیدا کی لوگوں نے ان کی پیروی کی اور تمام مذاہب کے لوگوں نے ان پر اتفاق کیا حالانکہ ان کے وطنوں میں بعد تھا ان کے مذہب مختلف تھے یہ اتفاق بہ مناسب فطری اور نوعی اقتضا سے ہوا ہے اور جب ان امور کے اصول سب کے نزدیک مسلم ہیں تو ان طریقوں کی صورتوں میں اختلاف کچھ مضر نہیں ہے۔ اور نہ کچھ اس سے مضرت ہوتی ہے کہ لوگوں کا ناقص طبقہ اس کی تعمیل سے باز رہے اصحاب بصیرت اگر ان لوگوں کی حالت پر غور کریں گے تو ان کو بھی شک نہ ہوگا کہ خود ان کا مادہ ہی احکام صورت نوعیہ کی بجا آوری سے عاصی ہوا کرتا ہے وہ لوگوں میں ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے انسانی بدن میں عضو زائد جس کا علیحدہ ہو جانا اس کے ہونے سے زیادہ زیبا ہوتا ہے ان سنن اور قوانین الٰہیہ کے شائع ہونے کے بڑے بڑے اسباب اور پختہ تدابیر ہوتے ہیں ان کو وہ لوگ مستحکم کرتے ہیں جو بہ وحی الٰہی مؤید ہوتے ہیں صلوات اللہ علیہم انہوں نے لوگوں کی گردنوں پر اپنا نہایت بڑا احسان کیا ہے۔ ہمارا قصد ہے کہ ان طریقوں کے اصول پر تنبیہ کریں جن پر عمدہ اقالیم کے باشندوں اور بڑی بڑی جماعتوں نے اتفاق کیا ہے ان جماعتوں میں سے ہر ایک حصہ حکمائے الہیین اور سلاطین اور روشن رائے حکمائے عرب اور عجم یہود و مجوس و ہنود کا شامل ہے ہم یہ بھی بیان کریں گے کہ نیکی طاقت جب ملکی طاقت کے مطیع ہو جاتی ہے تو یہ اصول کیونکر اس سے پیدا ہوتے ہیں اور یہی چند فوائد ذکر کریں گے جن کا ہم کو چند مرتبہ ذاتی تجربہ ہوا ہے اور عقل سلیم نے بھی ان کا فیصلہ کیا ہے۔ واللہ اعلم

باب ۳۷

توحید کے بیان میں

نیکی اور اقسام نیکی میں اصل الاصول اور نہایت عمدہ حصہ توحید ہے پروردگار عالم کی حضوری میں نیاز وانکسار کا حاصل ہونا اس کی توحید پر منحصر ہے اور یہ نیاز ہی سعادت جاذب اخلاق میں ایک بڑی چیز ہے یہ تدبیر علمی کی بنیاد ہے جو ان دونوں تدابیر مذکور میں زیادہ مفید ہے اسی کی وجہ سے آدمی کو غیب کی جانب کامل توجہ ہوتی ہے نہایت مقدس طریقے سے نفس میں غیب کے اتصال کی اسی کی وجہ سے استعداد حاصل ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی عظمت پر تنبیہ کی ہے اور اس کو تمام اقسام نیکی میں بمنزلہ دل کے قرار دیا ہے اگر وہ درست ہے تو سب نیکیاں درست ہیں اگر وہ فاسد ہے تو سب نیکیاں فاسد ہیں اور آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص مرے اور اللہ کے ساتھ کسی کو کسی امر میں شریک نہ کرتا ہو وہ بے شک جنت میں داخل ہوگا یا فرمایا ہے کہ اس پر دوزخ کی آگ حرام یا وہ جنت سے نہ روکا جائے گا اور ایسے ہی ایسی عبادتیں وارد ہوئی ہیں اور اللہ کی جانب سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھ سے ملے اور روئے زمین کے برابر اس کی خطائیں ہوں لیکن کسی امر میں اللہ کا شریک کسی کو نہ کرتا ہو تو میں اتنی ہی اس کی مغفرت کروں گا۔

معلوم کرنا چاہیے کہ توحید کے چار مرتبے ہیں: ❶ صرف اللہ تعالیٰ میں صفت وجوب وجود کی ثابت کرنا کوئی دوسرا بجز اس کے واجب نہ ہو۔ ❷ صرف اسی کی ذات کو عرش و کرسی آسمان و زمین اور تمام جوہروں کا خالق جاننا۔ کتب الٰہیہ نے ان دونوں مرتبوں سے کچھ بحث نہیں کی ہے مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ نے بھی اس توحید کی مخالفت نہیں کی قرآن عظیم میں صاف مذکور ہے کہ یہ دونوں مقدمات ان سب کو مسلم تھے۔ ❸ تیسرے آسمان و زمین اور تمام ان چیزوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں مدبر صرف ذات خداوندی کو سمجھنا۔ ❹ بجز اللہ کے کوئی اور عبادت کا مستحق نہیں ہے ان دونوں حصوں میں قدرتی تعلق و ربط ہے اس لیے ایک دوسرے کو لازم ہے اور انہیں میں فرقوں نے اختلاف بھی کیا ہے مخالفین میں تین فرقے بڑے ہیں۔ ❶ نجومی ان کا مذہب ہے کہ ستارے پرستش کے مستحق ہیں ان کی پرستش سے دنیاوی منفعت حاصل ہوتی ہے اپنی حاجتوں کو ان کے سامنے پیش کرنا بجا ہے وہ قائل ہیں کہ ہم کو خوب ثابت ہو گیا ہے کہ روزانہ حوادث میں ستاروں کا بڑا اثر ہے ان کو آدمی کی خوش نصیبی اور بدبختی تندرستی اور مرض میں بڑا دخل ہے ستاروں کے نفوس مجردہ اور ملاء عاقلہ ہیں وہی ان کو ان حرکتوں پر آمادہ کرتے ہیں وہ اپنے پجاریوں سے بے خبر نہیں ہیں اس لیے نجومیوں نے ستاروں کے نام پر مورتیں بنائی ہیں انہیں کو وہ پوجتے ہیں۔ اور مشرکوں کا وہ فرقہ مسلمانوں کے ساتھ اس امر میں تو موافق ہے کہ بڑے بڑے امور کی تدبیر اور قطعی حکم کرنے کا منصب تو اللہ ہی کو ہے اس نے کسی کو اختیار نہیں دیا ہے لیکن وہ باقی امور میں مسلمانوں کے موافق نہیں ہیں ان کا مذہب ہے کہ پہلے صلحاء نے جو اللہ کی خوب عبادت کی ہے اس سے وہ بارگاہ الٰہی میں مقرب ہو گئے ہیں اللہ نے الوہیت کا مرتبہ ان کو عطا کر دیا ہے اس واسطے وہ بہ نسبت اور مخلوقات کے پرستش کے مستحق ہو گئے ہیں جیسے

کہ کوئی شخص کسی شہنشاہ کی نہایت خدمت کرتا ہے تب شہنشاہ اس کو ملکی خلعت عطا کر کے کسی شہر کی حکومت اور انتظام اس کے متعلق کر دیتا ہے اس لیے وہ مستحق ہو جاتا ہے کہ اس شہر کے لوگ اس کی خدمت اور اطاعت کریں۔ مشرکین کا قول ہے کہ بغیر اس کی پرستش شامل کیے عبادت مقبول نہیں ہوتی بلکہ اللہ کا رتبہ نہایت بلند ہے اس کی عبادت سے تقرب الٰہی حاصل نہیں ہوتا البتہ ان لوگوں کی پرستش ضرور ہے تا کہ یہ قرب الٰہی کے لیے ذریعہ بن جائیں۔ مشرکین یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ سنتے ہیں دیکھتے ہیں اپنے پجاریوں کی شفاعت کرتے ہیں ان کے امور کا ساز و سامان کرتے ہیں ان کے معاون رہتے ہیں اسی لیے مشرکین نے ان کے نام کے پتھر تراش لیے ہیں جب وہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان پتھروں کو اپنی توجہ کا قبلہ کرتے ہیں۔ ان مشرکین کے بعد اور لوگ پیدا ہوئے انہوں نے ان پتھروں میں اور ان لوگوں میں جن کے لیے یہ پتھر تراش کیے گئے کوئی فرق نہیں کیا اور خود انہیں پتھروں کو اصلی معبود قرار دے دیا اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے رد میں تنبیہ فرمائی کہ حکومت اور قدرت صرف اللہ ہی کا خاصہ ہے اور کبھی بیان فرمایا کہ یہ محض جمادات ہیں: اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا (کیا ان کے پاؤں ہیں جن کے بل وہ چلتے ہیں یا ہاتھ ہیں جن سے وہ کچھ پکڑ سکتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکیں یا کان ہیں جن سے کچھ سن سکیں) اور فرقہ نصاریٰ کا مذہب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خداوند سے نہایت قرب ہے۔ اور تمام مخلوق سے ان کا رتبہ زیادہ ہے اس لیے مناسب نہیں ہے کہ ہم ان کو بندہ کہیں یہ ان کی شان میں سوء ادبی ہے اور اس قرب کا لحاظ ترک کر دینا ہے جو ان کو اللہ سے حاصل ہے اس لیے بعض نصاریٰ اس خصوصیت کے اظہار کے لیے ان کا نام ابن اللہ رکھتے ہیں چونکہ باپ بیٹے پر مہربانی کرتا ہے اور اپنی نظر کے سامنے اس کی تربیت کیا کرتا ہے اس کا درجہ غلام سے زیادہ ہوا کرتا ہے اس واسطے یہ ہی نام مناسب ہے۔ اور بعض نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام اللہ ہی رکھ دیا ہے اس خیال سے کہ اللہ نے ان میں حلول کیا ہے اس لیے ان سے ایسے ایسے آثار صادر ہوئے کہ آدمیوں سے وہ صادر نہیں ہوا کرتے مردوں کو انہوں نے زندہ کیا پرندوں کو پیدا کیا اس لیے حضرت کا کلام بعینہٖ کلام الٰہی ہے اور ان کی عبادت بالکل اللہ کی عبادت ہے اور نصاریٰ جب بعد کو پیدا ہوئے تو اس نام رکھنے کی وجہ کو انہوں نے کچھ نہ سمجھا اور وہ بیٹے کے لفظ سے حقیقی ہی معنی کے بیٹے سمجھے یا ان کو من جمیع الوجود واجب خیال کیا اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے کبھی ان کے اقوال کو اس طرح رد کیا کہ اللہ کے پاس بیوی نہیں اور کبھی اس طرح تردید فرمائی کہ:

﴿ اَللّٰهُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْن ﴾ (اللہ آسمانوں اور زمین کا از سر نو پیدا کرنے والا ہے اس کی شان ہے کہ جب وہ کسی شئے کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے) ان تینوں فرقوں کے بڑے لمبے چوڑے دعوے ہیں ان میں بکثرت خرافات اور بے ہودہ پن بھرا ہوا ہے متلاشی پر وہ مخفی نہیں ہے قرآن عظیم نے ان دونوں مرتبوں کو خوب بیان کیا ہے اور کافروں کے شبہات کا بالاستیعاب رد کیا ہے۔

باب ۳۸

حقیقتِ شرک کے بیان میں

معلوم کرنا چاہیے کہ عبادت کے معنی ہیں نہایت درجہ کی عاجزی جب کسی سے ایسے نہایت درجہ کی ذلت اور عاجزی ظاہر ہوگی تو اس کی دو صورتیں ہیں یا صوری مثلاً ایک شخص کا کھڑا ہونا ایک کا سجدہ کرنا یا قصد اور نیت سے ہوتی ہے مثلاً سجدہ سے بندوں کی اپنے مولیٰ کے لیے تعظیم کرنا اور قیام سے رعیت کی بادشاہوں کے لیے یا شاگردوں کی استاد کے لیے تعظیم کرنا اور کوئی تیسری صورت تعظیم کی نہیں ہے اور جب ثابت ہو چکا ہے کہ سجدہ سے فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعظیم کی تھی حالانکہ سجدہ سے زیادہ اور کوئی تعظیم نہیں ہے تو ضرور ہوا کہ نیت سے ہی فرق کیا جائے لیکن ابھی تک پوری تنقیح نہیں ہوئی ہے کہ مولا کے لفظ کے کئی معنی مستعمل ہوتے ہیں اور یہاں اس سے مراد معبود کی ذات ہے تو وہ گویا عبادت کی تعریف میں ماخوذ ہے پس اس کے متعلق یوں تنقیح کی جائے گی کہ ذلت وخواری کا اقتضائے ذلیل میں ناتوانی اور ضعف کا لحاظ کرنا اور دوسری میں قوت اور غلبہ کا خیال کرنا ذلیل کی حالت میں ذلت اور پستی اور دوسری میں شرف اور رفعت کو ملحوظ رکھنا اور آدمی جب مخلی بالطبع ہو جائے تو اس کو معلوم ہوگا کہ وہ قوتِ شرف مسخر کرنے وغیرہ امور کے لیے دو قسم پر اندازہ کرتا ہے ایک اپنی ذات کے لیے اور اس کے لیے جو ذاتی امور میں اس سے ملتا جلتا ہو اور ایک اور ذات کے لیے جو حدوث وامکان کے داغ سے بالکل پاک ہے دوسرے ان لوگوں کے لیے جن میں ایسی پلید ترین ذات کی بعض خصوصیتیں منتقل ہو آئی ہیں مثلاً وہ امور غیبیہ کے معلوم کرنے کے لیے دو درجے قرار دیتا ہے ایک وہ درجہ جو غور وفکر یا مقدمات کے ترتیب دینے یا بقوت حدث یا خواب یا ان چیزوں سے الہام کو اخذ کرنا جن کے مخالف اپنے آپ کو بالکلیہ نہیں پاتا ہے دوسرے ذاتی علم جو عالم کی ذات کا ہے مقتضا ہو دوسرے سے وہ اس کو حاصل نہ کرے اور تحصیل کی محنت کا بار نہ برداشت کرے ایسے ہی تاثیر تدبیر تسخیر کے لیے کوئی سا لفظ ہو دو درجے سمجھتا ہے ایک تو اعضاء اور قوا کا استعمال کرنا مزاجی کیفیات حرارت برودت وغیرہ سے اعانت لینا یا اور امور جن کی استعداد قریب یا بعید اس میں موجود ہے دوسری تاثیر کا درجہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بغیر کسی کیفیت جمانے اور بغیر کسی امر کے استعمال کیے کسی شئے کو پیدا کر دینا جس کو اللہ فرماتا ہے: ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (جب وہ کسی شئے کا ارادہ کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے ہو جا وہ ہو جاتی ہے) اور ایسے ہی وہ عزت اور شرف کے دو درجے قرار دیتا ہے ایک ایسی عظمت جیسے کہ بادشاہ کی رعیت کے مقابلے میں ہوتی ہے جس کی انتہا معاونین کی کثرت انعامات داد و دہش کا زیادہ ہونا ہے جیسے کسی بڑے توانا اور استاد کی عظمت دوسرے ضعیف القویٰ اور شاگرد کے مقابلے میں ہوتی ہے اور دوسرا درجہ عظمت کا وہ ہے کہ وہ صرف اس میں ہو جس کی رفعت وشان نہایت اعلیٰ درجے کی ہو اس راز کو مستعدی سے تلاش کرنا چاہیے تاکہ تجھ کو یقین ہو جائے کہ جو شخص اس کا معترف ہے کہ یہ تمام امکانی سلسلہ ذاتِ واجبی پر ختم ہو جاتا ہے دوسرے کی پھر کوئی حاجت نہیں رہتی اس کو ان صفات قابل مدح کے دو درجہ قرار دینے پڑیں گے ایک وہ درجہ ذات خداوندی کے

لائق ہو دوسرے جو اپنی حالت اور شان کے مناسب ہے۔

اور چونکہ الفاظ جو دونوں میں استعمال کیے جاتے ہیں باہم معنی کے لحاظ سے بہت قریب قریب ہوا کرتے ہیں اس لیے لوگ شرائع الٰہیہ کے لیے موقع معنی لگالیا کرتے ہیں اور اکثر بعض آدمیوں یا فرشتوں وغیرہ کے ایسے ایسے افعال آدمی کو معلوم ہوتے ہیں جن کا صادر ہونا ان کی ابنائے جنس سے مستبعد ہوا کرتا ہے اس لیے ان کی نظر میں حالت مشتبہ ہو جایا کرتی ہے اور ان کے لیے وہ قدسی مرتبہ اور الٰہی تاثیر ثابت کرتا ہے لوگ درجہ بلند کی شناخت میں برابر نہیں ہوتے بعض لوگ ان انوار کی قوتوں کا احاطہ کرلیا کرتے ہیں جن کے اثر تمام موالید پر غالب اور محیط ہوتے ہیں لیکن یہ شخص ان طاقتوں کو اپنی طاقت جیسے سمجھتے ہیں اور بعضوں کو ایسے احاطہ کرنے کی طاقت نہیں ہوا کرتی ہر انسان کو اس قدر تکلیف دی گئی ہے جتنی اس سے ممکن ہے اس حکایت کے یہی معنی ہیں جس کو کہ سراپا صداقت آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ نے اس شخص کو نجات دی تھی جس نے اپنے اہل کو حکم دیا تھا کہ مجھ کو جلا دینا اور میرے خاکستر کو ہوا میں اڑا دینا اس کو خوف تھا کہ مبادا اللہ مجھ کو پھر زندہ کرے اور مجھ پر قابو پالے اس شخص کو یہ یقین تھا کہ اللہ میں کامل درجے کی قدرت ہے لیکن اس کو قدرت ان ہی چیزوں میں ہے جو کہ ممکن ہیں ممتنع چیزوں پر اس کو قدرت نہیں ہے وہ جانتا تھا کہ اس خاکستر کا جمع کرنا ناممکن ہے جو پراگندہ ہو کر اس کا نصف حصہ خشکی میں ہو اور نصف دریا میں اس سے اللہ کی ذات میں نقص پیدا نہیں ہوا جتنا اس کا علم تھا اتنا ہی وہ ماخوذ ہوگا لیکن کافروں میں اس کا شمار نہ ہوگا تو تشبیہ اور ستاروں اور نیک بندوں کے ساتھ شرک کرنا جن سے خلاف عادت امور مانند مکاشفہ اور قبولیت دعا کے ظاہر ہوتے رہتے ہیں لوگوں میں موروثی ہو گیا ہے اور جو نبی اپنی قوم میں بھیجا جاتا ہے اس کو فرض ہے کہ لوگوں کو شرک کی حقیقت خوب سمجھا دے اور دونوں درجوں کی حقیقت ممیز کر کے مقدس درجہ کو صرف واجب تعالیٰ ہی میں مانے اگرچہ دونوں درجوں کے الفاظ قریب المعنی ہوں جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک طبیب سے فرمایا کہ تو صرف رفیق ہے اور طبیب حقیقت میں اللہ ہی ہے اور جیسے کہ آپؐ نے فرمایا کہ سردار صرف اللہ ہی ہے ان حدیثوں میں طبیب اور سردار کے خاص معنے لیے ہیں اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ کے حواری اور صحابہؓ اور ان کے حاملین دین کا زمانہ ختم ہو گیا ان کے بعد ایسے ناشدنے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کر دیا اور خواہشوں کی پیروی کی اور مستعمل اور مشتبہ الفاظ کے بے جا معنے بنالیے جیسے کہ محبوبیت اور شفاعت کو اللہ نے تمام شریعتوں میں بندگانِ خاص کے لیے ثابت کیا ہے لیکن لوگ اس کے بجا معنے مراد نہیں لیتے اور ایسے ہی خلافِ عادت اور مکاشفات سے وہ لوگ یہ مراد لیتے ہیں کہ علم الٰہی اور غلبہ الٰہی کی حالت اس شخص میں منتقل ہو آئی ہے جو ایسے ایسے کام کرتا ہے حالانکہ یہ امور ناسوتی یا روحانی طاقتوں سے تعلق رکھتے ہیں جن میں ایک خاص وجہ سے تدبیر الٰہی کے نازل ہونے کی استعداد آ جاتی ہے ان امور کو ایجاد الٰہی اور ان امور سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا جو واجب تعالیٰ کے لیے خاص ہیں اس مرض میں لوگ کئی طرح سے گرفتار ہوتے ہیں بعضے اللہ کی بزرگی کو بالکل بھول جاتے ہیں اور صرف شرکاء کی ہی عبادت کرتے ہیں اپنی حاجتوں کو انہیں سے مانگتے ہیں اللہ کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتے اگرچہ یقینی دلیل سے یقین کرتے ہیں کہ سلسلہ وجود اللہ پر ہی ختم ہوتا ہے اور بعض لوگوں کا اعتقاد ہوتا ہے کہ سردار اور مدبر تو اللہ ہی ہے لیکن وہ کبھی کبھی اپنے بندوں کو بزرگی اور معبودیت کا خلعت پہنا دیتا ہے اور بعض خاص کاموں کا ان کو اختیار مل جاتا ہے۔ وہ ان کی سفارش کو قبول کرتا ہے جیسے کوئی شہنشاہ کسی حصہ ملکی پر کسی بادشاہ کو بھیجتا ہے

اور وہ بجز بڑے بڑے کاموں کے اس ملک کی پوری تدبیر اس کے سپرد کر دیتا ہے اس وجہ سے ایسے شخص کے حق میں ان لوگوں کو بندگان اللہ کہنے کی جرأت نہیں ہوا کرتی کہ کہیں وہ اوروں کے برابر نہ ہو جائیں وہ بجائے اس نام کے ان کو ابن اللہ اور محبوب الٰہی کہتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کا غلام سمجھتے ہیں وہ اپنا نام عبدالمسیح یا عبدالعزیٰ رکھتے ہیں عام یہود اور نصاریٰ اور مشرکین کو یہ مرض ہوتا ہے اور فی زمانناً اسلام میں بھی بعض ایسے عالی منافق موجود ہیں اور چونکہ شریعت کی بنا اس پر ہوا کرتی ہے کہ مشبہ چیز کو بجائے اصل کے قرار دیں۔ اس لیے وہ محسوس امور جن میں شرک کا گمان تھا کفر شمار کیے گئے جیسے بتوں کو سجدہ کرنا ان کے لیے قربانی کرنا ان کے نام پر حلف کرنا اور ایسے ہی اور امور اوّل اوّل مجھ پر یہ علم اس طرح منکشف ہوا کہ میرے سامنے ایسی ایک قوم پیش کی گئی جو ایک چھوٹی سی زہریلی مگس کے لیے سجدہ کرتی تھی جو ہمیشہ اپنی دم اور ہاتھ پاؤں ہلاتی رہتی تھی تو میرے دل میں القا ہوا کہ کیا تو ان میں بھی شرک کی تاریکی پاتا ہے اور جیسی خطا اور بزہ کاری نے بت پرستوں کو گھیر لیا ہے ایسے ہی ان مگس پرستوں کو بھی گھیر لیا ہے میں نے کہا کہ ان لوگوں نے مکھی کو اپنا قبلہ قرار دیا ہے لیکن ذلت کے درجہ عزت کے درجہ کو سے نہیں ملایا ہے اس واسطے میں ان لوگوں میں شرک کی تاریکی نہیں پاتا مجھ سے کہا گیا کہ تجھے اصلی راز کی رہبری ہو گئی ہے اس روز سے میرا دل علم توحید سے لبریز ہو گیا اور اس میں مجھ کو بصیرت حاصل ہو گئی اور توحید و شرک اور ان چیزوں کی حقیقت جن کو شرع نے توحید و شرک کا موقع قرار دیا ہے بخوبی مجھ کو معلوم ہو گئی ہے اور تدبیر کے ساتھ عبادت کے تعلق کو میں خوب سمجھ گیا۔ واللہ اعلم

باب ۳۹

شرک کے اقسام میں

شرک کی حقیقت یہ ہے کہ ایک بڑے بزرگ شخص کی نسبت کسی کا یہ اعتقاد ہو کہ عجیب عجیب اثر اس سے صادر ہوتے ہیں وہ اسی لیے صادر ہوتے ہیں کہ اس میں ایسی کمالی صفت حاصل ہو گئی ہے جو اس کے ابنائے جنس میں معمولی طور پر نہیں ہو سکتی بلکہ صرف واجب تعالیٰ ہی میں پائی جا سکتی ہیں دوسرے کسی شخص میں اس کا جب ہی امکان ہے کہ اللہ تعالیٰ الوہیت کا خلعت اس کو پہنا دے اور اس کو اللہ اپنی ذات میں ملا لے یا ایسا ہی بیہودہ گمان کوئی اور ہو جس کا مشرکین اعتقاد کرتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ مشرکین تلبیہ (لبیک کہنا) اس طرح پر کیا کرتے تھے: **لا شریك لك الاشریكا هو لك تملكه و ما لك**. (ہم حاضر ہیں ہم حضور میں ہیں تیرا کوئی شریک نہیں ہے ہاں وہ شریک جس کا تو مالک ہے اور جس کی تمام ملکیت کا تو مالک ہے) اسی لیے اس شخص معبود کی نسبت کمال ذلت اور عاجزی کا اظہار کیا جاتا ہے اور اس سے ویسا ہی معاملہ کیا جاتا جیسا کہ کوئی بندہ اپنے اللہ کے ساتھ شرک کے قصد سے کرتا ہے اور اس قسم کے معاملات کی مختلف صورتیں اور قالب ہوا کرتے ہیں شریعت کو صرف انہیں صورتوں سے بحث ہوتی ہے جن کو لوگ عمل میں لاتے ہیں اور ان امور میں شرک کا احتمال ہوتا ہے اور عادت وہ شرک کو لازم ہوا کرتی ہے ایسے ہی شرع کی عادت اور

روش یہ ہے کہ بجائے مصالح اور مفاسد کے وہ ان کے اسباب وعلل کو قرار دیتی ہے ہم ان امور پر متنبہ کرتے ہیں جن کو شریعت محمدیہ نے (علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات) شرک کے مواقع بتا کر ان امور کو منع کیا ہے ان میں سے یہ ہے کہ مشرکین بتوں اور ستاروں کو سجدہ کیا کرتے تھے اسی لیے غیر اللہ کے سجدہ کو منع فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ﴾ (آفتاب اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ ان کے خالق کو سجدہ کرو) اور سجدہ کرنے میں شرک کرنے کو ضرور اور لازم ہے کہ تدبیر میں بھی شرک ہوگا۔ اس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں اور ایسا نہیں ہے جیسے متکلمین کا گمان ہے کہ توحید عبادت احکام الٰہیہ میں سے ایک حکم ہے اور یہ حکم مذہبوں کے اختلاف سے مختلف ہوا کرتا ہے اس کے لیے دلیل یقینی کی ضرورت نہیں ہے یہ تقریر درست نہیں اگر یہی ہوتا تو اللہ مشرکین کو الزام کیوں دیتا کہ وہ پیدا کرنے اور تدبیر کرنے میں یگانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ءَ آللّٰهُ خَیْرٌ﴾ (کہہ الحمد للہ اور مقبول لوگوں پر سلام ہے کیا اللہ بہتر ہے) اخیر پانچ آیتوں تک بلکہ یہی حق ہے کہ مشرکین مقر تھے کہ بڑے بڑے امور کی تدبیر اور خلق اللہ ہی کی صفت ہے اور یہ تسلیم کرتے تھے کہ عبادت ان دونوں صفتوں کو لازم ہے توحید کے معنی میں ہم اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کو الزام دیا وللہ الحجۃ الباقیۃ اور انہیں امور شرکیہ میں سے یہ تھا کہ مشرکین اپنے اغراض کے لیے غیر اللہ سے امداد طلب کیا کرتے تھے۔ بیمار کی شفا اور فقیروں کی تو انگری کو ان سے طلب کرتے تھے ان کے لیے نذریں مانتے تھے ان نذروں سے ان کو حل مطلب کی امید ہوا کرتی تھی۔ تبرکاً ان کے نام جپا کرتے تھے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر واجب کیا کہ نمازوں میں ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے یاوری کے خواہاں ہیں) پڑھا کریں اور اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ (اللہ کے ساتھ دوسرے کو مت پکارا کرو) اور دعا کے معنیٰ عبادت کے نہیں ہیں۔ جیسے بعض مفسرین کا قول ہے بلکہ استغاثہ کے ہیں اللہ دوسری جگہ فرماتا ہے: ﴿بَلْ اِیَّاهُ تَدْعُوْنَ فَیَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ﴾ (اللہ ہی سے مدد طلب کرو تا کہ وہ حاجت پوری ہو جائے جس میں تم مدد کے خواہاں ہو) انہیں امور سے یہ مشرکین بعض شرکاء سے الٰہی کا نام بنات اللہ یا ابناء اللہ رکھتے تھے۔ نہایت سخت درجہ کے تشدد سے وہ ایسے افعال سے روکے گئے پہلے ہم اس کا راز بیان کر چکے ہیں اور نیز امور شرکیہ میں سے یہ بھی تھا کہ انہوں نے اپنے علماء اور زاہدوں کو بجز اللہ کے اپنا حاکم اور پروردگار بنا رکھا تھا ان کا اعتقاد تھا کہ جس چیز کو یہ لوگ حلال قرار دیتے ہیں وہ حلال ہو جاتی ہے نفس الامر میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہوتا اور جس چیز کو وہ حرام کہہ دیتے ہیں وہ واقع میں مؤاخذے کے قابل ہوتی ہے۔ اور جب آیت ﴿اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (کافروں نے علماء اور زاہدوں کو دوسرا اللہ بنا رکھا ہے) نازل ہوئی تو عدیؓ بن حاتم نے آنحضرت ﷺ سے اس کے معنے دریافت کیے آپؐ نے فرمایا کہ جن چیزوں کو وہ حلال کر دیا کرتے تھے ان کو لوگ حلال سمجھنے لگتے تھے اور جن چیزوں کو حرام بناتے تھے ان کو لوگ حرام ہی سمجھتے تھے اس کا یہ راز ہے کہ تحلیل اور تحریم کا موجود کرنا ملکوت میں جاری ہوا کرتا ہے کہ فلاں شئے مؤاخذہ کے قابل ہے اور فلاں قابل مواخذہ نہیں ہے اس طرح پر موجود کرنا مؤاخذہ اور ترک مؤاخذہ کا سبب ہوا کرتا ہے اور یہ بجز اللہ کے کسی دوسرے کی صفت نہیں ہو سکتی تحلیل اور تحریم کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف اس واسطے کیا کرتے ہیں کہ آپ کا فرمانا قطعی قرینہ ہوتا کہ یہ اللہ ہی نے حرام یا حلال کیا اور

امتِ محمدیہ کے مجتہدین کی طرف ان کی اس واسطے نسبت کرتے ہیں کہ انہوں نے نص شارع سے اس کو نقل کر دیا ہے یا شارع کے کلام سے اس کو مستنبط کیا ہے۔ معلوم کرنا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کو مبعوث کرتا ہے اور اس کی رسالت معجزات سے ثابت ہو جاتی ہے اور اس کی زبان سے بعض امور کا حلال وحرام ہونا معلوم ہو جاتا ہے تاہم بعض لوگوں کو اس خیال سے کہ اس کے مذہب میں کوئی چیز حرام تھی اس کے کرنے میں کشیدگی سی رہا کرتی ہے یہ توقف دو طرح پر ہوتا ہے اگر اس کو اس شریعت کے ثبوت ہی میں کلام ہے تب تو وہ کافر ہے اور اگر اس کا یہ اعتقاد ہے کہ پہلی تحریم منسوخیت کے قابل ہی نہ تھی اللہ نے اپنے بندے کو الوہیت کا خلعت پہنا دیا تھا وہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ تھا کسی امر سے اس کا منع کرنا یا کسی امر کو اس کا مکروہ خیال کرنا مالی یا جانی نقصان کا باعث ہے ایسا شخص مشرک ہے وہ گویا اللہ کے لیے غصہ اور ناخوشی تحلیل اور تحریم الٰہی کا ثابت کرتا ہے اور غیر محدود حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اکثر صحابہؓ کے نام بدل دیئے تھے جن کا نام عبدالعزیٰ اور عبدالشمس تھا ان کا نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن وغیرہ رکھ دیا تھا یہ سب مذکورہ بالا امور شرک کے قالب تھے اس واسطے شارع علیہ السلام نے ان سب سے لوگوں کو روک دیا۔

باب ۴۰

اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان لانے کے بیان میں

نیکی کی تمام قسموں سے سب سے زیادہ پر عظمت قسم اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان لانا ان کے ساتھ اللہ کے متصف ہونے کا اعتقاد کرنا ہے اس کی وجہ سے بندے اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں تعلق کا دروازہ مفتوح ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور کبریائی کے منکشف ہونے کا ذریعہ نکل آتا ہے معلوم کرنا چاہیے کہ اللہ کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ کسی عقلی یا حسی چیز پر اس کو قیاس کر سکیں یا اس میں صفات ایسے حلول کریں جیسے اپنے اپنے محل میں اغراض حلول کرتے ہیں یا عام عقلیں ان کا اندازہ کر سکیں یا معمولی لفظ ان کو ادا کر سکیں لیکن لوگوں کو ان صفات کی رہبری بھی ضرور ہے تاکہ حتی الامکان وہ اپنے کمال کو پورا کر سکیں اس لیے ضرور ہے کہ صفات کا جب استعمال کیا جائے تو ان سے نتیجے اور غائتیں مراد لی جائیں نہ ان کی ابتدائی حالتیں مثلاً رحمت کے معنے سے نعمتوں کے ذریعہ سے فیض پہنچانا مراد ہو نہ دل کا میلان اور نرمی اور ایسے لفظ اوصاف کے بیان کرنے کے لیے مستعار لیے جائیں' جن سے اللہ کا مالک اور قابض ہونا معلوم ہو جیسے کہ بادشاہ اپنے شہر پر قابض ہوتا ہے اس لیے کہ تمام موجودات اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں اس غرض کے لیے کوئی اور عبادت زیادہ خوش ادا نہیں ہے۔ اور تشبیہات کا اس طرح استعمال ہو کہ ان کے اصلی معنی مراد نہ ہوں بلکہ ایسے معنے مقصود ہوں جو عرفاً اصلی معنے کے مناسب ہوں مثلاً ہاتھ کی کشائش سے جود وفیاضی مراد ہو اور تشبیہ کے بیان میں یہ لحاظ رہے کہ مخاطبین کو بھی آلودگیوں کا اللہ کی ذات میں ہونے کا صریح شبہ معلوم ہو اس میں مخاطبین کی حالت مختلف ہو جاتی ہے اس لیے یوں کہنا چاہیے کہ اللہ سنتا ہے دیکھتا ہے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ وہ چکھتا ہے یا چھوتا ہے اور چند معانی کا جب ایک ہی اثر ہو تو ان کی فیض رسانی کو ایک ہی نام

سے تعبیر کریں جیسے کہیں رزاق یا مصور اور ان اوصاف کی اللہ سے نفی کی جائے جو اس کی شان کے شایان نہ ہوں۔ خصوصاً وہ اوصاف جن کو کافر بیان کیا کرتے ہیں مثلاً اللہ کے کوئی فرزند نہیں اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔

تمام آسمانی مذاہب نے اتفاق کیا ہے کہ اللہ کی صفات اس طرح بیان کی جائیں ان عبارتوں کا استعمال ہو بہو رہے اور استعمال سے زیادہ ان کی بحث وتفتیش نہ کی جائے جن زمانوں کی خوبی اور بہتری کی شہادت دی گئی ہے وہ اسی حالت پر گزر گئے لیکن ان کے بعد مسلمانوں کے ایک فرقے نے ان مباحث اور تحقیق معانی میں زیادہ خوض کیا لیکن اس کے متعلق نہ کوئی نص تھی نہ دلیل قطعی آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے مخلوق میں غور کرو اور خالق میں مت غور کرو اور آنحضرت ﷺ نے آیت ﴿وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی﴾ میں فرمایا کہ پروردگار کی ذات میں غور کرنا بجا نہیں ہے اور صفات چونکہ مخلوق اور نا پیدا نہیں ہیں تو ان میں غور کرنے کے معنے یہی ہیں کہ اللہ میں یہ صفتیں کیونکر حاصل ہوگئیں تو گویا ان میں غور کرنا خالق ہی میں غور کرنا ہوگیا۔ ترمذی نے حدیث ﴿يد الله ملائی﴾ (اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے) کے متعلق بیان کیا ہے کہ ائمہ حدیث نے اس حدیث کی نسبت بیان کیا ہے کہ جس طرح یہ حدیث وارد ہے ویسے ہی ہم اس پر ایمان لاتے ہیں نہ اس کی ہم کچھ تفسیر کرتے ہیں نہ اس میں کسی اور امر کا خیال کرتے ہیں اکثر ائمہ کا قول یہی ہے ان میں حضرت سفیان ثوریؒ، مالک بن انسؒ، ابن عیینہؒ اور عبداللہ ابن مبارکؒ بھی ہیں یہ سب کہتے ہیں کہ یہ امور روایت سے ثابت ہیں ہمارا ان پر ایمان ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایسا کیوں کر ہے اور دوسرے موقع پر ترمذی ہی نے کہا ہے کہ ان صفات کو جیسا کا تیسا رکھنا تشبیہ نہیں ہے۔ تشبیہ جب ہی کہا جائے کہ اللہ کی صفت شنوائی اور بینائی ایسی ہو جیسی ہماری شنوائی اور بینائی۔ حافظ ابن حجر نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ یا کسی صحابی سے صحیح طریقہ سے کوئی ایسا امر منقول نہیں ہے کہ جس سے اس کی صاف توضیح ہو سکے کہ متشابہات میں تاویل کرنا ضروری ہے یا تاویل بیان کرنا بالکل منع ہے یہ امر محال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کی تبلیغ کا حکم دے جو اللہ کی جانب سے لوگوں پر نازل ہوئیں اور ﴿اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ بھی ان پر نازل ہوا پھر بھی متشابہات کا کچھ ذکر نہ کیا جائے اور اس کی کچھ تمیز نہ ہو کہ اللہ کی جانب کسی امر کو منسوب کر سکتے ہیں اور کس کو منسوب نہیں کر سکتے حالانکہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ لوگوں کو آمادہ کیا کرتے تھے کہ احادیث کو نقل کیا کرتے ہیں اور فرماتے رہے کہ حاضر شخص غائب کو سب حالات کی خبر دے دے حتیٰ کہ لوگوں نے آپؐ کے اقوال و افعال اور حالات کو اور ان امور کو جو آپؐ کے سامنے پیش آئے بہ خوبی نقل کر دیا پس معلوم ہوا کہ سب مسلمانوں کا اتفاق رہا کہ جو اللہ کی ان متشابہات سے مراد ہے اسی پر ایمان رکھنا چاہیے مخلوقات کے مشابہات سے اللہ تعالیٰ نے اس طرح تنزیہ ذکر کر دی ہے کہ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (اس کی مثل کوئی نہیں ہے) جس شخص نے ان کے بعد اس قول کی مخالفت کی تو گویا اسلامی طریقے کے مخالف کی انتہی میں کہتا ہوں کہ شنوائی' بینائی' قدرت' ضحاک' کلام' استواء' میں کوئی فرق نہیں اہل زبان کی نظر میں ان تمام اوصاف سے وہی معنی مفہوم ہوتے ہیں جو اللہ کی بارگاہ قدس کے لائق نہیں ہیں۔ ضحک میں اگر کوئی استحالہ ہے تو یہی ہے کہ اس کے لیے منہ چاہیے ایسے ہی صفت کلام کا حال ہے اور گرفت ونزول میں بھی یہی استحالہ ہے کہ بغیر ہاتھ پیروں کے نہیں ہو سکتے ایسے ہی یہ شنوائی اور بینائی کی صفت بھی گوش اور آنکھ کی خواہاں ہے۔ واللہ اعلم

ان خوض کرنے والوں نے اہل حدیث پر بڑی زبان درازی کی ہے۔ اور ان کا نام مجسمہ اور مشبہ رکھا ہے کہتے ہیں کہ یہ لوگ

(تجسیم) کو چھپاتے تھے مجھ کو خوب صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ ان کی زبان درازی محض بے معنی ہے اپنے قول میں انہوں نے اور دراصل خطا کی ہے۔ آئمہ ہدایت کی نسبت ان کا طعن بے جا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ متشابہات میں دو مقام ہیں: ❶ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو یہ صفات کس طرح ثابت ہوئے ہیں آیا یہ صفات ذات خداوندی پر زائد ہیں یا اس کی عین ذات ہیں اور شنوائی بینائی اور کلام وغیرہ کی حقیقت کیا ہے۔ بادی الرائے میں جو ان الفاظ سے معنے سمجھے جاتے ہیں وہ اللہ کی شان کے مناسب نہیں ہیں اس مرتبہ کے متعلق آنحضرت ﷺ نے کچھ ارشاد نہیں فرمایا ہے بلکہ اس میں بحث و گفتگو کرنے سے اپنی امت کو روک دیا ہے اس لیے کسی کی تاب نہیں ہے کہ جس چیز کو آپؐ نے منع فرما دیا ہے اس کا اقدام کرے اور دوسرا مقام یہ ہے کہ ایسی صفات کون سی ہیں جن کو ہم شرع کی اجازت سے اللہ کے لیے ثابت کر سکیں۔ اور ایسی کون سی ہیں جن کا اطلاق اللہ کے لیے درست نہیں ہے اس کے متعلق حق یہ ہے کہ اللہ کی صفات اور اسماء توقیفی ہیں اگرچہ ہم کو وہ قواعد معلوم ہیں جن کو شرع نے صفات الٰہی کے بیان کرنے کے لیے معیار قرار دیا ہے اس کو ہم کتاب کے شروع میں تحریر کر چکے ہیں لیکن اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر صفات میں خوض کرنے کی ان کو اجازت دے دی جائے تو وہ خود بھی گمراہ ہو جائیں اوروں کو بھی گمراہ کر دیں اور بہت سی صفات بھی ایسی ہیں کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو موصوف کرنا اصل میں جائز ہے لیکن کفار کے بعض فرقوں نے ان کا بے جا استعمال کیا ہے یہ استعمال ان میں شائع تھا اس لیے اس فساد کے دور کرنے کو شرع نے ان صفات کے استعمال سے منع کر دیا ہے۔ اور بعض صفات ایسے ہیں کہ اگر ان کو ظاہری معنی میں استعمال کریں تو خلاف مقصود کا وہم ہوا کرتا ہے۔ اس واسطے ان صفات کے استعمال سے بھی احتراز چاہیے اسی حکمت سے شرع نے اوصاف کو توقیفی قرار دیا ہے اور اپنی رائے سے ان میں خوض کرنے کو جائز ٹھہرایا ہے اور حاصل یہ ہے کہ ضحک فرحت بشاشی کا استعمال کرنا اللہ کی شان میں جائز ہے اور گریہ' خوف وغیرہ کا استعمال درست نہیں ہے' اگرچہ ان دونوں قسموں کا ماخذ قریب قریب ہے اور یہ مسئلہ جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق کر دی عقل اور نقل سے مؤید ہے اس کے آس پاس باطل کو گزر نہیں ہے لوگوں کے اقوال اور مذہب کے باطل کرنے کا یہ موقع بھی نہیں ہے بلکہ اور موقع میں ان کا ابطال کیا جاتا ہے اور ہم ان الفاظ متشابہ کی تفسیر اور دوسرے معنے سے بھی کر سکتے ہیں جو بہ نسبت ان علماء کے معنے کے زیادہ قریب الفہم اور مناسب ہوں جو معنی انہوں نے ذکر کیے ہیں۔ وہ ابھی تک بالکل متعین نہیں ہوئے ہیں دلیل عقلی ان پر ہم کو مجبور نہیں کرتی اور دوسرے معنی کے لحاظ سے کچھ ان کو ترجیح اور فضیلت بھی نہیں ہے نہ ان میں یہ حکم کیا جاتا ہے کہ یہی اقوال مراد الٰہی کے موافق ہیں نہ ان کے اعتقاد پر اجماع اور اتفاق ہو گیا ہے یہ بات ابھی بہت دور ہے اس لیے ہم کہتے ہیں مثلاً تمہارے سامنے تین قسم کی چیزیں ہیں زندہ' جماد' مردہ اور زندہ چونکہ دانا مخلوق میں مؤثر ہوتا ہے۔ اس واسطے زندہ کی حالت کو حضور خداوندی سے زیادہ مشابہ ہوتی ہے اس لیے ضرور ہے کہ ہم اللہ کا نام حی رکھیں اور ہمارے حق میں ''علم'' اشیاء کی ظاہر اور منکشف ہونے کا نام ہے اور اللہ پر بھی تمام اشیاء منکشف ہیں پہلے وہ سب اس کی ذات میں مندرج تھیں اس کے بعد ان کا وجود تفصیلی ہوا اس لیے ضرورۃً ہم اس کو علیم کہہ سکتے ہیں اور بینائی اور شنوائی سے نظر آنے والی اور سنی گئی چیزوں کا پورا انکشاف ہوا کرتا ہے اور اللہ کو یہ انکشاف نہایت کامل درجہ کا ہے اس لیے ہم اس کو سمیع اور علیم ضرورۃً کہیں گے اور جب ہم کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے یہ ارادہ کیا تو اس کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ کسی کام کے کرنے یا ترک کرنے کی خواہش اس میں ہوئی اور جب کسی کام کی شرائط منظور ہو

جاتی ہے یا عالم میں کوئی استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اکثر کاموں کو فعلیۃ میں لاتا ہے جو چیزیں پہلے ضرور نہ تھیں شرط اور استعداد ان کو ضروری ہے کر دیا کرتی ہے اور بہت دور کے حصوں میں اللہ کے حکم سے بکثرت اجتماع ہو جاتا ہے حالانکہ پہلے سے وہ اتفاق نہیں ہوا کرتا اس وجہ سے اللہ کو مرید کہا جاتا ہے اور نیز جب ارادۂ الٰہی جو اللہ کی ذاتی صفت ہے اور خواہش اس کے معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک مرتبہ تمام عالم سے وہ متعلق ہو چکا اور بعد کو وقتاً فوقتاً نئی چیزیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اس لیے یہی مناسب ہے کہ ایسی ہر چیز کی طرف اس کو منسوب کر کے کہیں کہ اللہ نے ایسا ارادہ کیا اور ویسا ارادہ کیا۔

اور جب ہم کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کو قدرت ہے تو اس کے یہی معنے ہوا کرتے ہیں کہ وہ کوئی کام کر سکتا ہے اور کوئی خارجی سبب اس کو نہیں روک سکتا اور دو مقدور چیزوں میں سے اگر قادر ایک ہی کو اختیار کر لے تو اس سے نفی قدرت نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ محض اپنی عنایت اور خواہش ذاتی سے بعض افعال کو پسند کرتا ہے اور ان افعال کے مخالف امروں کو ترک کر دیتا ہے اسی وجہ سے اس کا نام قادر ہے اور جب کلام کیا فلاں نے فلاں سے کہا جاتا ہے تو اس کے یہی معنی ہوا کرتے ہیں کہ اس نے اپنے مقصود معانی کو ان لفظوں سے ادا کر دیا جن سے وہ معانی معلوم ہوتے تھے اور اللہ بھی اکثر اپنے بندے کو علمی فیض پہنچایا کرتا ہے اور ان کے ساتھ ہی الفاظ کا بھی اضافہ کرتا ہے جن کی صورت اس بندے کے خیال میں منعقد ہو جاتی ہے وہی الفاظ ان معنی پر دلالت کیا کرتے ہیں اس کی وجہ سے تعلیم خوب صاف اور صریح ہوتی ہے اس وجہ سے اللہ کو متکلم کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾

''آدمی کا مرتبہ نہیں ہے کہ اللہ اس سے ہمکلام ہو ہاں وحی سے یا پردے کی آڑ میں وہ کلام کرتا ہے یا کسی پیغمبر کو بھیج دیتا ہے وہ اللہ کی اجازت سے جو چاہتا ہے وحی کرتا ہے بے شک اللہ بڑا اور حکمت والا ہے''۔

وحی نام ہے دل میں کسی چیز کا خواب کے ذریعے سے ڈال دینا یا جب غیب کی طرف توجہ ہو تو بدیہی طور پر علم پیدا کر دینا اور پردے کی آڑ کے معنے یہ ہیں کہ ایک منتظم گفتگو کو سنا دے سامع کسی گفتگو کرنے والے کو نہ دیکھتا ہو لیکن واقع میں اس کی آواز سن رہا ہو اللہ کسی پیغمبر کو بھیج دیتا ہے اور وہ اس کے سامنے صورت پکڑ کر ظاہر ہوتا ہے اور کبھی پیغمبر عالم غیب کی جانب متوجہ ہوتا ہے اس کے تمام حواس مغلوب ہوتے ہیں کہ دفعتہً وہ گھنٹہ کی سی جھنکار کو سنتا ہے جبکہ سرخ اور سیاہ رنگوں کے دیکھنے سے غشی طاری ہو جایا کرتی ہے چونکہ خطیرۃ القدس میں یہ مطلوب ہے کہ لوگوں میں نظام قائم کیا جائے اگر ان کے طبائع اس نظام کے موافق ہوتی ہیں تو وہ ملاء اعلیٰ میں شامل ہو کر تاریکیوں سے نور الٰہی میں آ جاتے ہیں ان کو نفسانی بشاشت حاصل ہوتی ہے فرشتوں اور لوگوں پر الہام ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں اور اگر ان کی طبائع اس نظام کے مخالف ہوتی ہیں تو ملاء اعلیٰ سے ان کی علیحدگی ہو جاتی ہے اور ملاء اعلیٰ کی بیزاری سے ان پر مصیبت ہوتی ہے اور جیسا پہلے ذکر ہوا ہے ان کو تکلیف و عذاب ہوتا ہے اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ اللہ خوشنود ہے شکر کی جزا دیتا ہے یا اللہ ناخوش ہوا اس کی لعنت ہوئی یہ امور اسی کے لیے ہوتے ہیں کہ بمقتضاء مصلحت عالم کے احکام جاری رہیں اور منجملہ نظام عالم کے اس امر کا پیدا کرنا بھی ہے جس کے لیے دعا مانگی گئی ہو اس لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے دعا قبول کر لی اور

ہمارے استعمال میں رویۃ کے معنی یہ ہیں کہ نظر آنے والی چیز پوری طرح پر ظاہر ہو جائے اور لوگوں کو جب اخروی وعدے حاصل ہوں گے تو ان کو تجلی حاصل ہوگی جس کا قیام عالم مثال کے وسط میں ہے تمام لوگ اس وقت اللہ کو برائے العین دیکھیں گے اس واسطے ضرور ہے کہ کیا چاہیے: **انکم سترونه کما ترون القمر لیلة البدر** (بے شک تم اللہ کو ایسا ہی دیکھو گے جیسا کہ شب بدر میں ماہ کو دیکھتے ہیں) واللہ اعلم

باب ۴۱

قدر پر ایمان لانے میں

قضاوقدر پر ایمان لانا بڑے اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے۔ اسی سے آدمی کو وہ یکساں تدبیر نظر آسکتی ہے۔ جو تمام عالم کو سمیٹے ہوئے ہے جس شخص کو اس تدبیر کا ٹھیک ٹھیک اعتقاد ہوگا وہ ان چیزوں پر نظر رکھے گا جو اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں دنیا اور مافیہا ان کا عکس اسے معلوم ہوگا لوگوں کے اختیارات کو قضائے الٰہی کے مقابلے میں ایسا سمجھے گا جیسے آئینہ میں صورۃ کا عکس ہوتا ہے اس سے اس شخص میں تدبیر یگانہ کا انکشاف ہوگا اگرچہ کامل انکشاف عالم معاد ہی میں ہوگا آنحضرت ﷺ نے نیکی کی تمام قسموں میں اس کا بلند رتبہ ہونا بتایا ہے کہ جس شخص کا قدر کی نیکی اور برائی پر ایمان نہ ہو تو میں اس سے جدا ہوں اور نیز آپ نے فرمایا ہے کہ کسی بندہ کا ایمان درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ قدر کی نیکی اور برائی پر ایمان نہ رکھے اور خوب یقین کرے کہ جو کوئی عمل درست ہو گیا اس میں خطا کا دخل نہ تھا اور جو اس نے خطا کی اس میں درستی کا احتمال نہ تھا۔

معلوم کرنا چاہیے کہ اللہ کا علم ازلی اور ذاتی تمام ان چیزوں کو محیط ہے جو موجود ہو چکیں یا آئندہ موجود ہوں گی یہ محال ہے کہ اللہ کے علم سے کوئی ایسی چیز موجود ہو جو اس کے علم میں نہ تھی اگر ایسا ہو تو وہ علم نہ ہوگا۔ بلکہ جہل ہوگا یہ مسئلہ تو شمول علم کا ہے قدر کا مسئلہ یہ نہیں ہے اس میں کسی اسلامی فرقہ نے مخالفت نہیں کی ہے جس قدر کا حال مشہور حدیثوں سے معلوم ہوا ہے اور سلف صالح کا وہی عقیدہ رہا اور محققین ہی کو اس کے سمجھنے کی توفیق ہوئی اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تکلیف کو دور کرتی ہے اور جب یہ حالت ہے تو عمل کرنے کے کیا معنی ہیں وہ قدر وہی ہے جو قبل موجود ہونے کے حادث اشیاء کے وجود کو ضروری قرار دیتی ہے اس کے لازم کرنے سے وہ شئے موجود ہوتی ہے نہ گریز کرنا اس کو دفع کر سکتا ہے نہ کوئی اور ذریعہ مفید ہے۔ اس قدر کے واقع ہونے کے پانچ مرتبے اور درجے ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں قرار دیا کہ عالم کو ایک عمدہ صورت میں پیدا کرے حتی الامکان اس میں سب خوبیاں ہوں تمام مصلحتوں کا لحاظ ہو اس کے موجود ہونے کے وقت تمام اضافی خوبیوں کے آثار ہوں اللہ کے علم کی نہایت اس پر ہوئی کہ ان کی تمام صورتوں میں سے خاص خاص صورتیں متعین کر دی گئیں اس طرح پر تمام حادث اشیاء کا ایک مرتب سلسلہ قائم ہو گیا جن سب کے وجود یکجا ہو گئے ان کے مصداق میں کثرت نہ تھی خداوند عالم کا جس پر کوئی امر پوشیدہ نہیں ہو سکتا یہ ارادہ کرنا کہ عالم کو موجود

کرے یہی معنی رکھتا ہے کہ اس نے وجود عالم کی صورت کو نہایت الامر خاص کر دیا دوسرا مرتبہ یہ کہ اس نے ہر چیز کی مقدار اور اندازہ کو مقدر کیا روایت کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی مقداروں کو پچاس ہزار برس پہلے آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے لکھ لیا تھا۔ یہ اس طرح ہوا کہ عرش کے وجود میں اللہ نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور ہر ایک کی صورت مقرر کر دی شرائع میں اسی مرتبہ کو ذکر سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً اس نے وہاں محمد الرسول اللہ ﷺ کی صورت موجود کی اور مقرر کر دیا کہ وہ فلاں وقت میں لوگوں کی طرف مبعوث ہوں گے لوگوں کو احکام الہیہ پر مطلع کریں گے ابولہب ان کا انکار کرے گا دنیا میں خطا اور گناہ اس کے دل کو احاطہ کرے گا اور آخرت میں آتش دوزخ سے اس پر عذاب ہوگا اسی صورت کی وجہ سے تمام حادث چیزوں کا ظہور اسی روش وطریقے سے ہوتا ہے کہ جیسے وہاں ان کا اندازہ ہو چکا تھا۔

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ نے جب آدم علیہ السلام کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ تمام آدمیوں کے باپ ہر نوع انسانی کے مبدا ہوں تب اس نے ان کی اولاد کی صورتیں عالم مثال میں پیدا کر دیں اور نور و تاریکی سے ان کی سعادت اور شقاوت کی صورت مقرر کر دی ان کی ایسی حالت بنا دی کہ احکام الہیہ سے مکلف ہونے کے قابل ہوں ان میں اپنی شناخت اور نیاز مندی کا مادہ پیدا کیا عہد قدیم کی جو لوگوں کی فطرت میں مخفی رکھا گیا ہے یہی اصل ہے اس کی وجہ سے مؤاخذہ کیا جاتا ہے اگر چہ وہ واقعہ ان کو یاد نہ رہا ہو جو لوگ زمین پر پیدا کیے گئے ہیں اور انہیں صورتوں کا عکس ہیں جو وہاں موجود ہو چکتے ہیں ان میں وہ ہی امور مضمر ہیں جو وہاں پیدا ہو چکے تھے۔

چوتھا درجہ اس وقت تقدیر اور اندازہ کا ہوتا ہے کہ جب جنین میں روح ڈالی جاتی ہے جب تخم خرما خاص وقت میں کسی زمین میں بویا جاتا ہے اور سب اس کی خاص خاص تدبیریں تربیت کے متعلق عمل میں آتی ہیں تو جس شخص کو اس درخت اور زمین و ہوا کی خاصیتیں معلوم ہوتی ہیں وہ جان جاتا ہے کہ یہ درخت اچھی طرح اُگے گا اس کی شان دیکھ کر بعض بعض امور کا پتہ لگا لیتا ہے ایسے ہی اس زمانے میں مدبر فرشتوں کو اس کی عمر اور رزق کی کیفیت ظاہر ہو جاتی ہے وہ معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ شخص ان لوگوں کے سے عمل کرے گا جن کی ملکی قوت بہیمی سے مغلوب ہوتی ہے اس کی سعادت اور شقاوت کے سے ڈھنگ ان کو معلوم ہو جاتے ہیں کسی واقعہ کے پیدا ہونے سے پہلے ہر چیز کا اندازہ کیا جاتا ہے خطیرۃ القدس سے زمین پر ہر ایک کا نزول ہوتا ہے ایک صورت پہلے مثالی زمین کی طرف منتقل ہوتی ہے پھر اس کے احکام یہاں پھیل جاتے ہیں اس کو میں نے اکثر مرتبہ مشاہدہ کیا ہے ایک بار لوگ باہم مناقشہ کر رہے تھے ان کا رنج بڑھتا جاتا تھا میں نے اللہ سے التجا کی کہ یہ مناقشہ ان میں سے دور ہو جائے اسی وقت ایک مثالی نورانی نقطہ خطیرۃ القدس سے زمین پر نازل ہوا وہ آہستہ آہستہ پھیلتا گیا جتنا وہ پھیلتا تھا اتنا ہی رنج ان کے دلوں سے دور ہو جاتا تھا ابھی ہم اپنی مجلس سے علیحدہ نہ ہوئے تھے کہ ان سب میں باہم ایسے ہی میل و محبت پیدا ہو گئے جیسے پہلے تھے۔ یہ میرے نزدیک اللہ تعالیٰ کی عجیب نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی ایسے ہی میرا ایک لڑکا بیمار پڑا تھا میرا دل اس طرف لگا ہوا تھا اتنے میں نماز ظہر پڑھ رہا تھا کہ اس کی موت کو میں نے نازل ہوتے ہوئے دیکھا تو اس کا اسی روز میں انتقال ہو گیا حدیث میں صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ زمین پر پیدا ہونے سے پہلے سب حوادث پیدا ہو جاتے ہیں ان کے بعد اس عالم میں اسی طرح پیدا ہو کر ظاہر ہوتے ہیں کہ جیسے پہلی مرتبہ پیدا ہو چکے تھے۔ یہ اللہ کا قانون اور طریقہ ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو چیزیں وہاں موجود ہو چکی تھیں وہ محو ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿یَمْحُو

اللّٰہُ مَایَشَآءُ وَ یُثْبِتُ وَ عِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَابِ ﴾ ''خدا جس چیز کو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس اُم الکتاب ہے''۔ مثلاً کبھی کسی بلا کی کچھ نہ کچھ پیدائش ہو جایا کرتی ہے وہ مصیبت زدہ پر نازل ہونے کو ہوتی ہے کہ دعا اس کو روک لیتی ہے اور کبھی موت کی پیدائش ہونے کو ہوتی ہے کہ کوئی نیکی اس کو روک لیتی ہے اس کا راز یہ ہے کہ یہ نازل ہونے والی شئے بھی معمولی اسباب میں سے ایک ایسا ہی سبب ہے۔ جیسے بقائے زندگی کے لیے کھانا اور پینا اور موت کے لیے زہر کھا لینا یا تلوار کا رنا۔ اکثر احادیث سے معلوم ہو گیا ہے کہ ایک عالم ایسا ہے جس میں تمام قائم بالغیر چیزیں مجسم ہوتی اور معانی اس میں منتقل ہوتے ہیں قبل اس کے کہ کوئی شئے زمین میں پیدا ہو جایا کرتی ہے جیسے رحم کا عرش میں معلق ہونا اور فتنے ایسے نازل ہوتے ہیں جیسے قطروں کی بوچھاڑ ہوتی ہے اور نیل و فرات پہلے سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں پیدا کیے گئے تھے پھر زمین پر ان کو اتار دیا ہے ایسے ہی سورۂ حدید اور انعام کا نازل کرنا۔ مجموعہ قرآن کا ورے آسمان پر اتارنا اور آنحضرت ﷺ اور دیوار مسجد کے بیچ میں جنت اور دوزخ کا آنحضرت ﷺ کے سامنے اس طرح ہو جانا کہ خوشہ انگور کو توڑ سکیں اور دوزخ کی حرارت کو محسوس کر سکیں اور دعا اور بلا کی باہم کشتی' ذریت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا' عقل کا پیدا کرنا' وہ سامنے ہوئے اور اس نے پیٹھ پھیر لی۔ سورہ بقر' آل عمران کا پرندوں کی دو صفوں کی صورت میں ظاہر ہونا' اعمال کا وزن' جنت کا ناگوار چیزوں سے اور دوزخ کا خواہشوں سے بھرا ہونا۔ ایسے ہی اور امور بھی ہیں۔ جس کو حدیث کا ادنیٰ علم بھی ہوگا وہ ان امور کو خوب سمجھ سکتا ہے اور اپنے مسببات کے لیے اسباب کے سبب ہونے کی تقدیر کچھ مزاحم نہیں ہے۔ اس کا تعلق اس سلسلے سے ہے جو مجموعی طور پر ایک ہی مرتبہ مرتب ہو گیا ہے جب آنحضرت ﷺ سے عرض کیا گیا کہ منتر اور دوا اور پرہیز تقدیر الٰہی سے بچا سکتے ہیں آپؐ نے فرمایا یہ بھی تقدیر الٰہی سے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سرغ (نام مقام) کے قصہ میں فرمایا کہ یہ امر نہیں ہے کہ اگر تم ناقہ کو سبزہ زار میں چراتے تو تقدیر سے ہی چراتے اور بندوں کو اپنے افعال کا اختیار ہے۔ لیکن اس اختیار میں ان کا کچھ اختیار نہیں ہے اس لیے کہ اس اختیار کے لیے ضرور ہے کہ مقصود کی صورت اس کا نفع اور خواہش اور عزم پیدا ہو جائے اور ان سب امور کا علم بھی نہیں ہوا کرتا پھر ان میں خود مختاری کیسی۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:

((ان القلوب بین اصبعین من اصابع اللّٰہ یقلبھا کیف یشاء))

''دل اللہ کی دو انگشتوں میں ہیں جس طرح چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے''۔ واللہ اعلم



باب ۴۲

اس پر ایمان لانا چاہیے کہ عبادت کرنا بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے اللہ بندوں پر انعام کرنے والا ہے اور بالقصد ان کو جزا دینے والا ہے

معلوم کرو کہ نیکیوں کے تمام اقسام میں سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی خالص دل سے اس طرح یقینی اعتقاد کرے کہ دوسرے کسی خلاف اعتقاد کا اس میں احتمال بھی نہ ہو کہ عبادت کرنا بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اللہ کی جانب سے عبادت کا بندوں سے ایسا ہی مطالبہ کیا جاتا ہے جیسے کہ اور حقدار اپنے حقوق کا مطالبہ کیا کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا ہے کہ اے معاذ رضی اللہ عنہ! تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسولؐ ہی کو یہ خوب معلوم ہے آپؐ نے فرمایا اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ اس کی خالص عبادت کریں کسی کو اللہ کا شریک نہ بنائیں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو بندہ مشرک نہ ہو اللہ اس کو عذاب نہ دے' اس لیے کہ جس شخص کا اس امر پر کہ عبادت اللہ کا حق ہے یقینی اعتقاد نہ ہوگا اور اس کی نظر میں یہ احتمال ہوگا کہ آدمی بالکل مہمل اور بے مہار ہے اس سے عبادت کا مطالبہ نہیں ہے اور پروردگار مرید ومختار کی طرف سے عبادت کا کچھ مؤاخذہ نہ ہوگا تو ایسا شخص دہریہ ہوگا' اگر اعضاء ظاہری سے اس نے عبادت کی بھی لیکن دلی حالت پر وہ کچھ مؤثر نہ ہوگی۔ اللہ کے اور اس کے درمیان کوئی دروازہ مفتوح نہ ہوگا۔ جیسے عادۃً وہ اور کام کرتا ہے ایسے ہی وہ عبادت بھی کرے گا۔ اس میں اصلی امر یہ ہے کہ عالم جبروت کے موقعوں میں ایک ایسا موقعہ ہے جہاں قصد وارادہ قرار پاتا ہے یعنی کسی کام کے کرنے کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور اس موقعہ کے لحاظ سے بس کام کو کرنا یا اس کو ترک کر دینا دونوں امر درست ہوا کرتے ہیں اگرچہ مصلحت فوقانی کے لحاظ سے کوئی امر متردد فیہ اور مشکوک نہیں رہا کرتا وہاں کوئی حالت منتظرہ نہیں ہوا کرتی یا کسی امر کا ہونا ضروری قرار پایا جاتا ہے یا اس کا نہ ہونا ان لوگوں کا کچھ اعتبار نہیں ہے جو اپنا نام حکماء کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ارادہ میں کسی شئے کے ہوئے یا نہ ہونے کا فیصلہ ہوا کرتا ہے ایسے لوگوں نے بعض چیزیں محفوظ رکھیں اور بہت سی چیزیں ان کی نظر سے غائب رہیں۔ وہ جبروت کے اس موقع کے مشاہدہ کرنے سے محجوب ہیں۔ اور آفاقی وانفسی دلائل ان پر قائم ہوسکتی ہیں۔ ان کے محجوب ہونے کی وجہ تو یہ ہے کہ ان کو اس مقام کی رہبری نہیں ہوئی جو تجلی اعظم اور ملاء اعلیٰ کے بین بین ہے۔ جیسے شعاع کے جوہر میں قائم ہوتی ہے۔ ایسے ہی اس مقام کی حالت ہے وللہ المثل الاعلیٰ اس مقام میں کسی امر کے ہونے کی صورت قرار پا جایا کرتی ہے ملاء اعلیٰ کے علوم اور ان کے حالات اس تقرر کے باعث ہوا کرتے ہیں لیکن اس شئے کا کرنا نہ کرنا ابھی تک امر اختیاری ہوا کرتا ہے اور ان حکماء کے مقابلے میں دلیل اس طرح پر قائم ہوسکتی ہے کہ ہر شخص اس کو بذات جانتا ہے کہ مثلاً ہاتھ بڑھا کر قلم لے لیا جایا کرتا ہے لیکن ابھی یہ شخص محض ایک شئے کا قصد کرنے والا ہی ہوا کرتا ہے اس قصد کے اعتبار سے اس شئے کا کرنا نہ کرنا یکساں ہوتا ہے اس قوت کے لحاظ سے جو اس شخص کے نفس میں ہے فعل یا ترک فعل میں کوئی ترجیح نہیں ہوا کرتی اگرچہ فوقانی مصلحت نے اس امر کا واجب الفعل یا واجب الترک ہونا طے

کر دیا ہو یہی حالت ان سب امور کی سمجھ لینی چاہیے کہ خاص خاص استعدادیں ان کے باعث ہوا کرتی ہیں اور مادے جیسی صورتوں کے لیے قابل اور مستعد ہوا کرتے ہیں ویسے ہی صورتیں خالق صور کی جانب سے ان پر نازل ہو جایا کرتی ہیں جیسے دعا کی جاتی ہے تو اس کے بعد قبولیت مرتب ہوتی ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ ایک جدید شئے کے پیدا ہونے میں دعا کو ایک قسم کا دخل ہے۔

اور اس تقریر میں اگر یہ شبہ ہو کہ اس حالت میں مصلحت فوقانی سے ناواقفیت معلوم ہوتی ہے کہ اس مصلحت نے کس چیز کو واجب کیا ہے تو یہ مقام حقانی اور نفس الامری کیونکر ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ حاشااللہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ علم ہے اور اس مقام کا حق پورا کرنا ہے۔ جہل جب ہوتا کہ یوں کہا جاتا کہ یہ شئے واجب نہیں ہے تمام شرائع الٰہیہ نے اس جہل کی نفی کی ہے اس لیے کہ انہوں نے ایمان بالقدر کو ثابت کیا ہے: **اصابك لم يكن ليخطئك و ما اخطاك لم يكن ليصيبك** (جو چیز تم کو پہنچی ہے اس میں چوک ہونے والی نہ تھی اور جس چیز میں چوک ہوگئی وہ تجھ کو پہنچنے والی نہ تھی) جب یہ کہا جائے گا کہ اس موقع کے لحاظ سے اس شئے کا کرنا یا نہ کرنا درست ہوتا ہے تو بھی علم حق ہے یقیناً جب تم شتر نر کو زینہ کام کرتے ہوئے اور اونٹنی کو مادینہ کام کرتے ہوئے دیکھو گے تو اس وقت اگر یہ حکم کرو گے کہ یہ کام مجبوری سے ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے پتھر دوسرے کے لڑھکانے سے لڑھکتا ہے تو تم خلاف واقعہ حکم کرو گے اور اگر یہ کہو گے کہ بلا سبب یہ کام صادر ہوتے ہیں نہ اونٹ کا مزاج ان کا باعث ہے نہ اونٹنی کا تب بھی تمہارا حکم خلاف واقعہ ہوگا اور اگر یہ کہو گے کہ ان کا ارادہ جو ان کی ذات اور طبیعت میں منقش ہے صرف فوقانی ضرورت کا ناقل ہے اس پر اس کا سہارا ہے خود ان میں کوئی ذاتی اور مستقل جوش اور ہیجان کسی امر کا نہیں ہوا کرتا اس فوقانی حالت کے علاوہ کوئی اور آماج گاہ نہیں ہے تب بھی یہ حکم خلاف واقعہ ہوگا بلکہ امر حق اور یقینی بین بین حالت ہے یعنی اختیار ایک امر معلول ہے جو اس کی علل و اسباب ہیں ان سے اس کو تخلف نہیں ہوا کرتا جو کام مقصود ہوا کرتا ہے اسی کے اسباب اسی کے باعث ہوا کرتے ہیں ان کے لحاظ سے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کام نہ ہو لیکن اس اختیار کی شان اور اس کی اپنی حالت کی وجہ سے اس میں بہجت اور سرور حاصل ہوا کرتا ہے۔ کسی فوقانی امر کا اس میں لحاظ نہیں ہوتا اب اگر تو اس مقام کا حق ادا کر کے کہے گا کہ میں اپنی ذات میں معلوم کرتا ہوں کہ کسی امر کا کرنا نہ کرنا میرے نزدیک برابر تھا اور میں نے اس کا کرنا اختیار کر لیا ہے اور یہ میرا اختیار ہی اس کام کی علت اور سبب ہے تو البتہ تو اپنے قول میں سچا ہو سکے گا شرائع الٰہیہ نے اسی ارادے کی خبر دی ہے جو اس مقام میں منقش ہوا کرتا ہے بہر حال یہ ثابت ہو گیا کہ ایک ایسے ارادے کا ثبوت ہے جو وقتاً فوقتاً متعلق ہوتا رہتا ہے اور اس کے لحاظ سے دنیا اور آخرت میں جزا ثابت اور مرتبہ ہوتی رہتی ہے اور یہ امر بھی ثابت ہے کہ مدبر عالم نے احکام شریعت کے واجب کرنے سے عالم میں تدابیر کو قائم کیا ہے کہ لوگ اس شریعت پر عمل کریں اور اس سے منفعت حاصل کریں تو گویا شریعت سے لوگوں کو مامور کرنا ایسا ہے جیسے کوئی آقا اپنے غلاموں سے کوئی خدمت لینا چاہتا ہے وہ اپنے ان غلاموں سے خوش ہوتا ہے جو اس کی خدمت کریں اور ان سے وہ ناخوش ہوتا ہے جو خدمت کرنے سے انکار کریں۔ اسی طرز و انداز پر شریعتوں کا نزول ہوا ہے ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ صفات الٰہیہ وغیرہ کا بیان شریعتوں میں ایسے طرز و عنوان سے ہوا کرتا ہے کہ ان کے بیان کے لیے کوئی اور عبارت خوش ادا اور حق کو زیادہ واضح طور پر بیان نہیں کر سکتی۔ شریعت کی تعبیر کبھی حقیقۃ لغوی کے طور پر ہوتی ہے اور کبھی متعارف مجاز کی صورت میں۔ شریعت نے اس امر کے دریافت کرنے پر کہ عبادت خداوند عالم کا حق ہے لوگوں کو تین مقدمات کی وجہ

سے قدرت دی ہے یہ تینوں اصول سب کے نزدیک مسلم ہیں اور بمنزلہ امور مشہور اور بدیہی کے ان کی نظر میں ہو گئے ہیں۔

① خداوند عالم منعم ہے اور منعم کا شکر یہ واجب ہوا کرتا ہے اور عبادت کرنا واجبی انعامات کا شکریہ ہے۔

② خداوند تعالیٰ بارگاہ احدیت سے اعراض کرنے والوں اور دنیا میں عبادت کے ترک کرنے والوں کو سخت سزا دیتا ہے۔

③ اللہ تعالیٰ آخر میں اطاعت اور نافرمانی کی جزا دے گا۔ ان مقامات سے تین قسم کے اور علوم کا اضافہ ہوتا ہے: ❶ انعامات الٰہی کا یاد دلانا ❷ انتقامات خداوندی کا یاد دلانا ❸ معاد کے حالات کا یاد دلانا۔

قرآن بزرگ میں انہیں علوم کی تشریح ہے۔ ان علوم کی تشریح کی جانب زیادہ تر توجہ اسی وجہ سے ہوئی ہے کہ انسان کی اصلی فطرت میں اللہ جل مجدہ کی جانب ذاتی میلان پیدا کیا گیا ہے یہ میلان ایک امر دقیق ہے اس کی صورت آدمی کی خلقت میں ہی منقش ہے۔ انسانی خلقت میں یہ مندرج ہے کہ خدا تمام لوگوں کا منعم ہے ان کے اعمال کی جزا دیتا ہے اس واسطے اس پر ایمان ہونا چاہیے کہ عبادت اسی کا حق ہے۔ وجدانِ صحیح سے یہ امر ثابت ہے پس جو شخص ارادے کا انکار کرے یا اس میں کلام ہو کہ بندوں پر اللہ کا کوئی حق نہیں ہے یا جزا سزا پر اس کو یقین نہ ہو تو وہ شخص دہریہ ہے اس کی فطرت سلیم نہیں اس نے میلان کو کھو دیا جو فطرۃً اس کی طبیعت میں ودیعت رکھا گیا تھا۔ ایسا ہی شخص دہریہ کا نائب اور خلیفہ اور اس کے قائم مقام مانا جاتا ہے۔

اور اگر اس میلان کی حقیقت معلوم کرنی چاہتے ہو تو سمجھو کہ روح انسانی میں ایک لطیفہ نورانی ہے جس کو بالطبع خداوند عالم کی جانب ایسی ہی کشش ہے جیسے لوہے کو مقناطیس کی طرف ہوتی ہے۔ وجدان سے یہ امر معلوم ہے جو شخص اپنے لطائف نفسانی کے آثار معلوم کرنے کا نہایت خوض سے متلاشی ہوگا اور ہر لطیفہ کی کیفیت کو وہ معلوم کرلے گا تب وہ اس لطیفہ نورانی کی کیفیت بھی معلوم کر سکے گا اور یقیناً معلوم کرلے گا کہ اس کو خداوند تعالیٰ کی جانب بالطبع میلان اور کشش ہے اہل وجدان کے نزدیک اس میلان کا نام محبت ذاتی ہے جب کہ اور وجدانی امور کے لیے دلائل کی حاجت نہیں ہے ایسے ہی اس کے لیے بھی نہیں ہے وہ ایسا ہے جیسا گرسنہ کی بھوک اور تشنہ کی تشنگی جب آدمی لطائف سفلی کے احکام کی وجہ سے پردہ اور تاریکی کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے اس نے اپنے بدن میں کسی مخدر چیز کا استعمال کیا ہو اور اس کی بالکل حس جاتی رہی ہو اس پر گرمی اور سردی کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ جب اس کے لطائف طفلی میں مزاحمت سے خاموشی اور سکون پیدا ہوتا ہے یہ خواہ اضطراری موت سے ہو جس سے نسمہ کے بہت سے اجزاء منتشر ہو جاتے ہیں اور نسمہ کی اکثر خاصیتیں گھٹ جایا کرتی ہیں یا اختیاری موت سے ہو کہ نفسانی و بدنی ریاضتوں کے ذرائع عجیب عجیب اس نے استعمال کیے ہوں۔ تب وہ بمنزلہ اس شخص کے ہوتا ہے کہ مخدر چیز کا اثر اس میں سے دور ہو گیا ہو اس وقت میں وہ اپنی ذاتی اثروں کو معلوم کر سکتا ہے جن کی پہلے اس کو خبر بھی نہ تھی۔ پس جب آدمی کی وفات ہوتی ہے اور بارگاہ ازلی کی طرف اس کو توجہ نہیں ہوا کرتی اس حالت میں اگر اس کا اعراض محض جہل بسیط اور سادہ لاعلمی سے ہوا کرتا ہے تو ایسا شخص کمال نوعی کے لحاظ سے شقی ہوا کرتا ہے بعد مرنے کے اس کو برزخ کے بعض حالات کا انکشاف تو ہوگا لیکن ذاتی استعداد کے نہ ہونے سے کامل انکشاف نہ ہوگا۔ اس لیے وہ حیران ہکا بکا رہ جائے گا اور اگر اس اعراض کے ساتھ اس کی علمی اور عملی قوتوں میں کوئی مخالف صورت توجہ الی اللہ کے قائم تھی تو وہاں باہم کشش ہوگی اور اس کا نفس ناطقہ جبروت کی طرف اور نسمہ مخالف صورت حاصل کرنے کی وجہ سے عالم سفل کی طرف

منجذب ہو جائے گا اس میں وحشت اور سرگردانی ہوگی جو نفس ناطقہ کے جوہر سے صعود کرے گی اور اس نسمہ کے جوہر پر پھیل جائے گی۔ اکثر توحش کے ہمرنگ اس کو واقعات بھی پیش آئیں گے جیسے صفراوی مزاج والے کو خواب میں آگ کے شعلے نظر آیا کرتے ہیں۔ یہ کلیہ معرفت کی حکمت سے پیدا اور معلوم ہوتا ہے اور نیز ملاء اعلیٰ کی جانب سے ایسے شخص پر غضبناک تند نظری بھی ہوتی ہے جس کی وجہ سے ملائکہ وغیرہ ذی اختیار نفوس کے دلوں پر الہامات ہوتے رہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو ایذا اور تکلیف پہنچائیں یہ قاعدہ ان ارادوں اور خواہشوں کے اسباب معلوم کرنے سے دریافت ہوتا ہے جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

بہرحال جبروت کی طرف میلان اور عمل کو واجب قرار دینا جس سے اس قید سے رہا ہو سکے جو لطائف سفلی کی مزاحمت سے پیدا ہوتی ہے اور اس واجب کردہ عمل کے ترک سے مؤاخذہ کرنا یہ صورت نوعیہ کے احکام اور اس کی قوتوں اور اثروں میں سے ہے جس کا خالق صور اور وجود کا فیضان عطا کرنے والے کی جانب سے افراد نوعی کے ہر فرد پر مصلحت کل کا لحاظ کر کے فیضان کیا گیا ہے۔ لوگوں کے ذاتی التزام یا رسم ورواج کی پابندی سے نہیں ہے اور یہ تمام اعمال حقیقۃً اس لطیفہ نورانی کا ہی فرض اور حق ہے جس کو اللہ کی جانب ذاتی کشش ہے ان اعمال سے اسے لطیفہ کی خواہش کا پورا کرنا اور اس کی ہی کمی کا درست کرنا ہے اور چونکہ یہ مضمون نہایت دقیق تھا اس کو ذات خداوندی کی طرف منسوب کرتے ہیں جس کی طرف اس کا میلان اور وہی اس کا قبلہ مقصود ہے اور اس میں نفسانی قوتوں میں سے خاص ایک قوت کو معین کر لیتا ہے جس کی وجہ سے میلان ہوا کرتا ہے تو گویا وہ مضمون ہمارے اس قول کا اختیار ہے کہ عبادت لطیفہ کا حق ہے اس وجہ سے کہ اس کو اللہ کی جانب میلان ہوا کرتا ہے شرائع الہیہ نے اس راز کو نہایت صاف عبارت سے ظاہر کر دیا ہے جس کو لوگ اپنی ذاتی اور فطری علوم سے سمجھ سکیں اللہ کا یہی طریقہ کہ وہ دقیق معانی کو ان مثالی صورتوں کے لباس میں نازل کیا کرتا ہے جو وجود مثالی کے مناسب ہوا کرتی ہیں جیسے کہ ہم کو خواب کے ضمن میں مجرد معانی کسی شئے کی ایسی صورت میں نظر آیا کرتے ہیں جو ان معانی کو عادۃً لازم یا اس کے ہمرنگ اور مشابہ ہوا کرتی ہے اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ عبادت بندوں پر اللہ تعالیٰ کو حق ہے اس طرح پر قرآن مجید کا حق اور پیغمبر کا' آقا کا' والدین کا رشتہ داروں کا' حق قیاس کر لینا چاہیے۔ حقیقت میں یہ سب نفس کے حقوق خود اپنے ہی ذمہ پر ہیں' انہیں سے نفس کو اپنے کمال کی تکمیل ہوا کرتی ہے۔ ان کی وجہ سے وہ جور وتعدی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ لیکن ان حقوق کی نسبت نفس کی طرف نہیں کیا کرتے بلکہ ان اشیاء کی طرف کیا کرتے ہیں جن سے حقوق کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اور ان سے ہی معاملہ پڑتا ہے۔ اس لیے تم کو ظاہری امور پر نہیں ٹھہرنا چاہیے بلکہ واقعہ امور کا تحقیق سے سراغ لگانا چاہیے۔

باب ۴۳

اللہ کے نشانات اور شعائر کی تعظیم کے بیان میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ (دلی تقویٰ میں سے اللہ کے نشانات کی تعظیم بھی ہے) معلوم کرو کہ شریعتوں کی بنا شعائر الٰہی کی تعظیم اور ان کے ذریعہ سے اللہ کے حضور میں تقرب حاصل کرنے پر ہے

اس کی وجہ وہ ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ جس طریقے کو اللہ نے مقرر کیا ہے وہ یہی ہے کہ جو امور قضاء تجرد میں ہیں ان کی نقل اس طرح کی جائے کہ قوت بہیمی انسانی سے ان کا استعمال کر سکے اور شعائر سے وہ ظاہری اور محسوس امور مراد ہیں جو اس لیے قرار دیئے ہیں کہ عبادت الٰہی کا وہ ذریعہ ہوں۔ اللہ کے ساتھ ان کو خصوصیت ہو لوگوں کے ذہن میں ان کی تعظیم گویا اللہ کی تعظیم سمجھی جاتی ہو اور ان میں کوتاہی بارگاہ خداوندی میں کوتاہی ہو یہ تعظیم لوگوں کے دلوں میں ایسی راسخ ہو گئی ہو کہ اگر ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں تو بھی یہ تعظیم ان کے دلوں سے نہ نکل سکے اور شعائر کا وجود قدرتی طور پر ہو جایا کرتا ہے جب اطمینان دلی سے لوگ کوئی عبادت اختیار کرتے ہیں اور وہ عبادت ان میں مشہور اور شائع ہو کر بمنزلہ بدیہی امور کے ہو جاتی ہے کوئی شک وشبہ اس میں باقی نہیں رہتا۔ تو انہیں امور کے ذریعہ سے جن کو ان کی طبیعتیں اور مشہور علوم ضروری قرار دیتے ہیں رحمت الٰہی کا ظہور ہوتا ہے وہ سب اس رحمت کو قبول کرتے ہیں اور ان کی حقیقت پر سے پردہ اٹھ جاتا ہے۔ برابر قریب وبعید اس کی طرف بلائے جاتے ہیں۔ اس وقت میں ان امور کی تعظیم لوگوں پر واجب قرار دی جاتی ہے اور ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے جیسے اللہ کے نام کی قسم کھانے والا اپنی قسم توڑنے سے اللہ کے حق میں گویا کمی اور کوتاہی دل میں رکھتا ہے۔ اس وجہ سے اسی اندرونی کمی پر ان سے مؤاخذہ کیا جاتا ہے ایسے ہی لوگوں میں بہت سے ایسے امور کی شہرت ہوتی ہے۔ لوگوں کے خیالات اور علوم میں ان کی عظمت ہوتی ہے ان کے خیالات کا مطیع ہونا اس کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ کی رحمت کا ظہور انہیں امور میں ہوتا ہے۔ جن کو وہ تسلیم کر رہے ہیں تدبیر کی بنا اس پر ہے کہ پہلے سب سے زیادہ آسان امر کیا جائے اس کے بعد اور آسان اور یہ بھی ضرور ہے کہ جو ان کی نظر میں نہایت درجہ تعظیم کی چیز ہے اسی سے لوگوں کی دار و گیر ہو لوگوں کا یہ ہی کمال ہے کہ اہتمام سے ان امور کی تعظیم کریں سستی اور اہمال اس میں نہ کریں اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے کوئی ایسی چیز قرار نہیں دی ہے جس کا فائدہ اللہ کو ملتا ہے اللہ کی شان اس سے برتر ہے۔ بلکہ جو کیا ہے انہیں کے فائدوں کے لیے کیا ہے۔ اور چونکہ ان کا ذاتی کمال یہ تھا کہ نہایت درجہ تعظیم ہو۔ اس واسطے جو امور ان کے نزدیک تعظیمی ہوں۔ انہیں کا مؤاخذہ کیا جائے اور ان کو حکم دیا جائے کہ اللہ کی شان میں کوتاہی نہ کریں اور شریعت کے امور میں زیادہ لحاظ تمام لوگوں کی جماعت کا ہوا کرتا ہے نہ ایک دو شخصوں کا۔ وللہ الحجۃ البالغہ

اللہ کے بڑے شعائر چار ہیں: ❶ قرآن ❷ کعبہ ❸ نبی ﷺ ❹ نماز۔ قرآن کا نشانِ الٰہی ہونا اس طرح پر ہے کہ لوگوں میں سلاطین کی طرف سے فرامین کا رعایا کی طرف بھیجنا رائج ہے سلاطین کی تعظیم کے تابع فرامین شاہی کی بھی تعظیم ہوتی ہے اور انبیاء کے صحیفے اور لوگوں کی تصانیف بھی شائع اور رائج ہو گئی تھیں۔ لوگوں کا ان کے مذہب کی پیروی کرنے کے ساتھ ہی ان کتابوں کی تعظیم کرنا۔ ان کا پڑھنا پڑھانا بھی تھا ان کے علوم کو ہمیشہ کے لیے قبول اور حاصل کرنا بغیر ایسی کتاب کے بادی الرائے میں محال بھی تھا جس کو وہ پڑھیں یا اس کی روایت کریں۔ اس واسطے لوگوں کا منشا ہوا کہ ایک کتاب کی صورت میں رحمت الٰہی کا ظہور ہو جو رب العالمین کی طرف سے نازل ہوئے اور اس کی تعظیم واجب ہو۔ تعظیم کی یہ صورت ہو کہ جب وہ کتاب پڑھی جائے تو سب لوگ خاموش ہو کر اس کو غور سے سنیں۔ اس کے فرامین کی فوراً تعمیل کریں۔ سجدۂ تلاوت کریں۔ جہاں تسبیح کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں تسبیح کریں۔ بغیر وضو کے قرآن کو ہاتھ نہ لگائیں اور کعبہ کا شعائر میں سے ہونا اس لیے قرار پایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں

لوگوں نے آفتاب اور ستاروں کے نام پر بکثرت عبادت خانے اور کنیسے بنائے تھے ان کی نظر میں کسی ذات مجرد غیر محسوس کی طرف متوجہ ہونا بغیر اس کے محال تھا کہ اس کے نام کی ہیکل بنائی جائے۔ اس میں جانا اور رہنا باعث تقرب کا ہو بادی الرائے میں ان کی عقلوں میں اور کوئی بات نہیں آتی تھی اس واسطے اس زمانہ کے لوگوں کے لیے ضرور ہوا کہ اللہ کی رحمت کا ظہور ایک گھر کے ذریعہ سے ہو لوگ اس کا طواف کریں اس کے ذریعہ سے اللہ سے تقرب حاصل کریں۔ اس لیے اللہ نے ان کو خانہ کعبہ کی طرف بلایا۔ اس کی تعظیم کا حکم دیا۔ اس کے بعد ایک زمانہ بعد زمانہ کے آتا رہا ہر زمانہ میں یہ حکم پیدا ہوتا رہا کہ خانہ کعبہ کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے اس میں کمی اللہ کی شان میں کمی ہے اس لیے خانہ کعبہ کا حج فرض ہو گیا اور اس کی تعظیم کا اس طرح حکم دیا گیا کہ بغیر صفائی اور طہارت کے اس کا طواف نہ کیا جائے۔ نماز میں اس کے سامنے کھڑے ہوں۔ ضرورت بشری کے وقت اس کے سامنے نہ ہو۔ نہ اس کی طرف پشت کریں اور پیغمبر صاحب کا شعائر الہیہ میں سے ہونا اس واسطے ہے کہ ان کا نام مرسل اسی واسطے رکھا گیا ہے کہ ان کو بادشاہوں کے ایلچیوں سے مشابہت دی گئی ہے جو رعایا کی طرف بھیجے جاتے ہیں۔ سلاطین کی امر و نہی کی ان کو اطلاع کرتے ہیں ایلچیوں کی تعظیم اس واسطے قرار دی گئی ہے کہ اس سے بھیجنے والے کی تعظیم کا اظہار ہو۔ پیغمبر کی تعظیم یہ ہے کہ ان کے حکم کی بجا آوری کی جائے اس پر درود بھیجا جائے گفتگو کرتے وقت آواز بلند نہ کی جائے اور نماز شعائر سے ہونا اس واسطے ہے کہ اس سے مقصود بندگان شاہی سے مشابہت کا ظہار ہے جب وہ حضور شاہی میں دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور عاجزانہ درخواست وہاں کی جاتی ہے اس لیے دعا کرنے سے پہلے تعریف کی جاتی ہے اور آدمی کو ایسی ایسی ہیئتیں اختیار کرنی پڑتی ہیں جو مناجات کے وقت سلاطین کے سامنے اختیار کی جاتی ہیں تمام ہاتھ پاؤں سمیٹ لیے جاتے ہیں۔ کسی قسم کی بے توجہی نہیں کی جاتی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو خداوند کریم اس کے منہ کے سامنے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

باب ۴۴

وضو اور غسل کے اسرار میں

کبھی کبھی آدمی طبعی تاریکیوں سے جدا ہو کر خطیرۃ القدس کی روشنیوں کو اخذ کر لیتا ہے یہ انوار اس پر غالب ہو جاتے ہیں وہ تھوڑے عرصہ کے لیے طبیعت کی حکومتوں سے علیحدہ ہو کر انہیں میں منسلک ہو جایا کرتا ہے اور تجرید نفس کی طرف متوجہ ہونے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہیں میں سے ہے اس کے بعد پھر اس کی وہی اصلی حالت ہو جاتی ہے اس وقت میں اسے پہلی حالت کے مناسب امور کا وہ مشتاق ہوتا ہے۔ اگر چہ وہ حالت نہیں ہوتی۔ لیکن وہ انہیں امور کو غنیمت جانتا ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ اس فوت شدہ حالت کو ان امور سے اپنے دام میں لے آئے اس صفت کی وجہ سے وہ اسی حالت کا سا لطف اور سرور و انبساط پاتا ہے یہ کیفیت اس کی بے ہودگی کے ترک کرنے اور پاکیزگیوں اور ستھرائیوں کے استعمال سے حاصل ہوتی ہے اس لیے وہ ان امور کا پختگی سے پابند

ہوتا ہے اور اس کے بعد اس شخص کا مرتبہ ہے کہ اس نے مخبر صادق کو یہ تعلیم دیتے ہوئے سنا کہ یہ حالت آدمی کے لیے موجب کمال ہے پروردگار ایسی حالت کو آدمی سے پسند کرتا ہے اور اس میں بے نہایت فائدے ہیں یہ سن کر اس نے دلی شہادت سے اس کو سچ جانا اور جیسا اس کو حکم دیا تھا ویسے ہی اس نے تعمیل کی۔ جتنا وہ اس پر کاربند ہوتا گیا اتنا ہی اس کی تمام خبروں کو حق پاتا گیا اور اس پر رحمت کے دروازے کھلتے گئے۔ اور فرشتوں کی سی حالت اس کی ہوتی گئی اس کے بعد اس شخص کا رتبہ ہے جو کہ خود اس حالت کو کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن انبیاء نے اس کو ایسی ہیئتوں کی طرف زبردستی کھینچا اور مجبور کیا۔ جو معاد میں آدمی کو فرشتوں کے ساتھ ملحق کر دیتی ہیں یہی لوگ وہ ہیں جو جنت کی طرف زنجیروں کے ذریعہ سے کھینچے جاتے ہیں۔ وہ ناپاک امور جن کا اثر ظاہر النفس پر ہوا کرتا ہے۔ پلیدی کا خیال ان میں زیادہ ہوا کرتا ہے اس لیے وہ عام لوگوں کے سمجھانے کے قابل ہوئے ہیں اور انہیں کا وقوع بھی زیادہ ہوتا ہے اگر وہ نہ بتائے جائیں تو لوگوں کو بڑا ضرر پہنچ سکتا ہے۔ تلاش سے دو قسموں میں منحصر ہیں: ① فضول شکم میں طبیعت کا مصروف رہنا۔ فضول معدی تین چیزیں ہیں: ❶ ریاح ❷ بول ❸ براز۔ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اپنی اس نفسانی کیفیت کو نہ جانتا ہو کہ جب شکم ریاح سے پر ہوتا ہے اور اس کو بول و براز کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کا دل کیسا بگڑا ہوا محبوس سا ہوتا ہے وہ متحیر اور منقبض سا ہو جاتا ہے اور اس کے اور بشاشی کے بیچ میں پردہ سا حائل معلوم ہوتا ہے جب ریاح خارج ہوتے ہوتے بول و براز سے فارغ ہونے کے بعد طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے اور غسل و وضو وغیرہ کا استعمال کرتا ہے۔ جس سے نفس کی پاکیزگی پر تنبیہ ہوتی ہے تو اس وقت وہ اپنے دل میں ایک شگفتگی اور فرحت پاتا ہے ایسا خوش ہوتا ہے کہ گویا کوئی گمشدہ شئے مل گئی۔ ② نفس کا خواہش مجامعت میں مشغول اور فروفتہ ہوتا اس کی وجہ سے نفس کا رخ ہمہ تن بہیمی طبیعت کی جانب پھر جاتا ہے۔ جب بہائم سے مقصود اداب کی مشق بڑھائی جاتی ہے۔ یا شکاری جانور بھوک اور جاگنے کے لیے مطیع کیے جاتے ہیں ان کو بتایا جاتا ہے کہ اپنے مالک کے پاس شکار پکڑ لائیں اور پرندوں کو آدمیوں کی بولیاں سکھائی جاتی ہیں بہرحال کوئی جانور ہو جب اس کی مقتضائے خواہش اور طبیعت کے کھو دینے کی بخوبی کوشش کی جاتی ہے۔ پھر یہ جانور آدمیوں میں رل مل کر اپنی خواہش ان سے پوری کرتا ہے اور چند روز انہیں لذائذ میں ڈوبا رہتا ہے تو سب سیکھے سکھائے امور بھول جاتا ہے تاریکی و گمراہی اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔

ان امور میں غور کرنے سے ضرور معلوم ہوتا ہے کہ نفس کی آلودگی میں جو اثر اس خواہش کے پورا کرنے سے ہوتا ہے کثرت کھانے وغیرہ اور ان تمام امور سے نہیں ہوتا جن سے نفس کو طبیعت بہیمی کی جانب کشش ہوتی ہے آدمی کو اس کا تجربہ اپنی نفسانی حالت سے ہی کر لینا چاہیے اور ان تدابیر کو یاد کرنا چاہیے۔ جن کا ذکر اطباء نے تارک دنیا راہبوں کی اصلاح اور نفس بہیمی کی طرف ان کی طبیعتوں کو پھیر دینے کے لیے کی ہیں اور طہارتیں جن کا اثر ظاہراً محسوس ہوتا ہے عام لوگوں کو وہ سمجھائی جا سکتی ہیں اور آباد ملکوں میں ان طہارتوں کا ذریعہ پانی وغیرہ بکثرت موجود ہے۔ لوگوں کے دلوں میں سب طہارتوں سے زیادہ ان کا وقوع ہوتا ہے اور علاوہ قدرتی طریقہ کے تمام لوگوں میں وہ مسلم اور مشہور بھی ہو گئی ہیں تلاش سے ان کی دو قسمیں پائی جاتی ہیں: ① طہارت صغریٰ ② طہارت کبریٰ۔

طہارت کبریٰ سے یہ مراد ہے کہ تمام بدن دھویا جائے اس لیے کہ پانی خود ایک پاک چیز ہے۔ سب نجاستوں کو دور کر دیتا ہے تمام طبیعتوں نے اس کے اثر کو تسلیم کر لیا ہے یہ نہایت عمدہ ذریعہ ہے کہ اس کی وجہ سے صفت طہارت پر نفس متنبہ کیا جائے اکثر لوگ

شراب کا استعمال کرتے ہیں نشہ میں چور ہو جاتے ہیں اسی مدہوشی میں وہ ناحق خون کر ڈالتے ہیں یا نہایت نفیس مال کو ضائع کر دیتے ہیں اس کے بعد دفعتہً وہ متنبہ ہو جاتے ہیں۔ اپنی ہوش میں آ کر نشہ کا اثر ان سے دور ہو جایا کرتا ہے اور اکثر ناتوان لوگوں کو نشست و برخاست کی طاقت نہیں ہوتی کوئی کام نہیں کر سکتے دفعتہً کوئی کا پیش آتا ہے اور ان کی طبیعت میں کوئی بڑی تنبیہ پیدا ہوتی ہے جس سے غلبہ یا حمیت یا دوسرے سے بڑھ جانے کا جوش پیدا ہوتا ہے۔ اس وقت بڑے کام سے بڑا کام وہ کر سکتے ہیں یا کوئی بڑی خونریزی کر بیٹھتے ہیں بہرحال نفس کی حالت بعض امور سے دفعتہً بدل جایا کرتی ہے اور ایک عادت سے دوسری عادت کے لیے بیداری اس میں آ جایا کرتی ہے۔ نفسانی علاجوں کے لیے اس قسم کی تبدیلیاں مفید اور عمدہ ہیں اس قسم کی بیداری اس چیز سے پیدا ہوتی ہے جس کا کامل طہارت ہونا طبیعتوں اور دلوں میں راسخ ہو گیا ہے اور ایسی چیز صرف پانی ہی ہے اور طہارت صغریٰ صرف ہاتھ، پاؤں، منہ کے دھونے سے حاصل ہوتی ہے تمام آباد ملکوں میں یہ معمول جاری ہے کہ یہ اعضاء قدرتی طور پر کھلے ہوئے رہتے ہیں لباس بدنی سے وہ جدا رہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے اس طرح پر بدن پر کپڑا پہننے سے کہ کوئی عضو بھی کھلا ہوا نہ رہے منع فرما کر اس کی طرف اشارہ کیا ہے تو ان اعضا کے کھلے رہنے سے ان کے دھونے میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی۔ اور اعضاء میں البتہ ہرج ہو سکتا ہے تمام شہر والوں کا معمول ہے کہ روزانہ اپنے ان اعضاء کو دھوتے رہتے ہیں جب سلاطین و امراء کے حضور میں جائیں یا عمدہ اور پاکیزہ کام کرنے کا قصد کریں گے تو ان اعضاء کو ضرور دھولیں گے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان اعضاء پر اکثر گرد و غبار چرک وغیرہ کا اثر جلد ہوتا رہتا ہے اور باہم ملاقات کے وقت بھی یہی اعضاء نظر پڑتے ہیں۔ اور تیز تجربہ سے شہادت ملتی ہے کہ ہاتھ پاؤں کے دھونے سے منہ اور سر پر پانی چھڑکنے سے نفس پر بڑا اثر ہوتا ہے خواب یا نہایت بے ہوشی اس سے دور ہو جاتی ہے اس تجربہ اور علم کی تصدیق اطباء کی تجویز سے بھی ہوتی ہے وہ اس شخص کے لیے جس کو غشی ہو یا اس کو زیادہ اسہال آتے ہوں یا کسی کی قصد زیادہ لی گئی ہو۔ یہی پانی چھڑکنا تجویز کرتے ہیں۔ تدابیر ثانیہ کے ابواب سے جن پر انسانی کمال کا مدار ہے اور لوگوں کے لیے وہ بمنزلہ فطرت کے ہو گئے ہیں طہارت بھی ایک باب ہے۔ اس کی وجہ سے فرشتوں کے ساتھ قرب و اتصال ہو جاتا ہے۔ شیاطین سے بعد ہوتا ہے اور عذاب قبر بھی اس سے دور ہو جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ پیشاب سے اپنے آپ کو پاک صاف رکھو۔ عام عذاب قبر اس سے ہوتا ہے۔ اور طہارت کو اس میں بڑا دخل ہے کہ اس کے ذریعہ سے نفس احسان کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴾ پاکیزہ رہنے والوں کو اللہ دوست رکھتا ہے جب طہارت کی کیفیت نفس میں خوب راسخ ہو جاتی ہے تو ہمیشہ کے لیے نور ملکی کا ایک شعبہ اس میں ٹھہر جاتا ہے۔ اور بہیمیت کی تاریکی کا حصہ مغلوب ہو جاتا ہے۔ نیکیوں کے لکھے جانے اور خطاؤں کے دور ہونے کے یہی معنی ہیں اور اگر رسمی طور پر بھی وہ عمل میں لائی جائے تاہم رسمی بلاؤں میں مفید ثابت ہوتی ہے۔ اور جب کوئی منزہ اور پاک آدمی ان ہیئتوں کی پابندی کرتا ہے جن کا لوگ سلاطین کے حضور میں لحاظ رکھا کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ کچھ اذکار روحانی بھی ہوں تو سوء معرفت میں وہ مفید ہوا کرتے ہیں۔ جب آدمی خوب سمجھ جاتا ہے کہ طہارت اس کا کمال ہے تو وہ بغیر کسی خواہش حسی کے وہ عقلی طور پر آداب طہارت سے نفس کو مؤدب کرتا ہے تو اس سے مشاق ہوتی ہے کہ طبیعت میں عقل کے اتباع کا مادہ بڑھتا رہتا ہے۔ واللہ اعلم

باب ۴۵

نماز کے اسرار میں

معلوم کرنا چاہیے کہ کبھی آدمی خطیرۃ القدس کی سی حالت کو اخذ کر لیتا ہے بارگاہِ خداوندی سے اس کو کمال اتصال وقرب ہو جایا کرتا ہے وہاں سے اس پر مقدس تجلیات کا نزول ہوتا ہے وہاں وہ ایسی حالت کو مشاہدہ کرتا ہے جس کو زبان نہیں بیان کر سکتی ہے۔ پھر جہاں تھا وہاں کا وہیں آ جاتا ہے اس وقت میں وہ بے قرار ہو کر کوشش کرتا ہے کہ سفلی حالتوں میں سے جو حالت اس سے قریب ہے اپنے اندر پیدا کرے۔ اس لیے اپنے پروردگار کی معرفت میں مستغرق ہو جاتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ جو حالت فوت ہوئی ہے وہ پھر واپس آ جائے۔ یہ حالت اللہ کی عظمت اور اپنی خاکساری کے اظہار سے ان افعال اور اقوال کے ذریعہ سے اللہ کے حضور میں مناجات کرنے سے جو مناجات کرنے کے لیے مقرر ہیں ہوا کرتی ہے۔ اس کے بعد اس شخص کا درجہ ہوتا ہے جس نے کسی احکام کے سچے حالات بیان کرنے والے کو سنا کہ وہ ایسی حالت کی طرف لوگوں کو بلاتا اور رغبت دلی دلاتا ہے پھر دلی شہادت سے اس سامع نے اس کی تصدیق کی اس کے احکام کی تعمیل کی اور اس کے تمام وعدوں کو اس نے سچا پایا۔ اور اپنی آرزو میں کامیاب ہو گیا اس کے بعد اس کا رتبہ ہے کہ انبیاء نے نمازوں پر اس کو مجبور کیا لیکن اس کو کوئی ذاتی علم ان کی خوبیوں کا نہ تھا اس کی مجبوری ایسی ہی تھی جیسے باپ اپنے بیٹے کو مفید صنعتوں کی تعلیم دے۔ اور وہ اس کو پسند نہ کرتا ہو۔ کبھی آدمی اپنے پروردگار سے مصیبت کے دفع ہونے یا کسی نعمت کے ملنے کی درخواست کرتا ہے اس وقت زیادہ مناسب یہی ہوتا ہے کہ وہ تعظیمی افعال اور اقوال میں مستغرق ہو جائے تا کہ اس کی ہمت کا جو درخواست کی روح ہے کچھ اثر پڑ سکے۔ نماز استسقاء اسی وجہ سے مسنون ہوئی ہے نماز میں اصلی امور تین ہیں: ❶ اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور جلال دیکھ کر دلی عاجزی ❷ اللہ کی عظمت اور اپنی خاکساری کو خوش بیانی سے ظاہر کرنا ❸ اس خاکساری کی حالت کے موافق اعضاء میں آداب کا استعمال' قائل بیان کرتا ہے: شعر

افادتکم النعماء منی ثلثة — یدی ولسانی والضمیر المحجبا

''تمہاری نعمتوں کا فائدہ تین چیزوں کو پہنچا میرے ہاتھ اور زبان اور پوشیدہ دل کو''۔

افعال تعظیمی میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ کے حضور میں کھڑا ہو کر مناجات کرے اور کھڑے ہونے سے بھی زیادہ تعظیم اس میں ہے کہ اپنی خاکساری اور پروردگار کی عزت و برتری کا خیال کر کے سرنگوں ہو جائے تمام لوگوں اور بہائم میں یہ فطری امر ہے کہ گردن کشی غرور اور تکبر کی علامت ہے۔ اور سرنگوں ہونا' نیاز مندی اور اور فروتنی کی علامت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ﴾ (ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک گئیں) اور اس سے بھی زیادہ تعظیم کی بات یہ ہے کہ اس کے حضور میں اپنے سر کو زمین پر رگڑ دے جو تمام اعضاء میں سے زیادہ بزرگ اور حواس انسانی کے جمع ہونے کی جگہ ہے یہی تینوں قسم کی تعظیمیں تمام لوگوں میں رائج ہیں وہ ہمیشہ اپنی نمازوں میں اپنے سلاطین اور امراء کی حضوری میں انہیں کو استعمال کرتے ہیں اور سب صورتوں میں نماز کی

وہ عمدہ صورت ہے جس میں یہ تینوں امر جمع ہوں اور اس کے ساتھ ہی ادنیٰ تعظیمی حالت سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہوتا کہ دم بدم نیاز مندی اور خاکساری کی حالت زیادہ ہوتی ہوئی معلوم ہو جو فائدہ اس ترقی کی حالت میں ہوسکتا ہے وہ تنہا اعلیٰ درجہ کی تعظیم میں یا اعلیٰ حالت سے ادنیٰ کی طرف منتقل ہونے میں معلوم نہیں ہوسکتا اور نماز میں یہ تقرب کے اعمال اصلی قرار دیئے گئے ہیں عظمت الٰہی میں صرف غور کر لینا یا ہمیشہ اللہ کا ذکر کرنا اس میں اصلی نہیں قرار دیا گیا اس لیے کہ اللہ کی عظمت کا صحیح خیال صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی طبیعتیں اعلیٰ درجہ کی ہوں اور ایسے لوگوں کے وجود کم ہوا کرتے ہیں ایسے لوگوں کے علاوہ اگر اور عام لوگ اللہ کی عظمت میں خوض کریں تو ان کا غور کام نہیں دیتا اور فائدہ کے تو کیا معنی وہ تو اپنے راس المال کو بھی کھو بیٹھتے ہیں اور محض ذکر ہی ذکر جس کی تشریح اور مدد کسی دوسری عملی تعظیم سے جو اعضاء کے ذریعہ سے ہر ایک عضو کے آداب کا لحاظ کر کے کی جاتی ہے نہ ہو تو وہ اکثر لوگوں کے حق میں بالکل بے فائدہ ہوا کرتا ہے۔ البتہ نماز ایک مرکب معجون ہے جس میں فکر و غور ہے اس کے ذریعہ سے اللہ کی جانب توجہ ہوتی ہے ہر شخص کو اس کا موقع مل سکتا ہے اور جس کو گرداب شہود میں خوض کرنے کی استعداد حاصل ہو اس کو بھی کوئی مانع نہیں ہے وہ بخوبی اس میں خوض کر سکتا ہے بلکہ نماز کی وجہ سے نفس کو اس قسم کی کامل توجہ کا بخوبی موقع مل سکتا ہے اور نیز نماز میں مختلف دعائیں بھی شامل ہوا کرتی ہیں۔ جن سے صاف صاف اظہار کیا جاتا ہے کہ اس کا عمل خالصاً اللہ ہی کے لیے ہے اس کا رُخ اسی کی جانب ہے ہر قسم کی اعانت کی خواستگاری صرف اسی سے ہے۔ اور ان کے علاوہ نماز میں بہت سے تعظیمی افعال بھی ہیں۔ سجدہ رکوع ہر ایک دوسرے کا معاون اور مکمل اور اس پر متنبہ کرنے والا ہے۔ اسی وجہ سے نماز کی منفعت عام اور خاص سب لوگوں کے لیے یکساں ہے ہر ایک شخص اپنے اپنے درجہ اور استعداد کے موافق اس سے نفع اٹھا سکتا ہے نماز ایمان والے کے لیے معراج ہے وہ اس کو اُخروی تجلیات کے لیے تیار کرتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ تم اپنے رب کو بے شک دیکھو گے اگر تم کو مشاغل نہ روک سکیں تو طلوع و غروب آفتاب سے پہلے وقتوں کی نماز کا اہتمام رکھو۔ اور اللہ کی محبت اور رحمت کا نماز بڑا سبب ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ سجدوں کی کثرت سے اپنے نفس کی مدد کرو اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کے احوال میں نقل کیا ہے ﴿وَلَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ﴾ (ہم نماز نہ پڑھا کرتے تھے) اور جب نماز کا شوق دل میں جم جاتا ہے۔ تو نور الٰہی میں نماز گزار محو ہو جاتا ہے۔ اور اس کی خطائیں دور ہو جاتی ہیں: ﴿اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں) معرفت الٰہی کے لیے کوئی چیز زیادہ مفید نماز سے نہیں ہے۔ خاصۃً جب نماز کے تمام افعال و اقوال حضور دل اور پاک نیت سے عمل میں لائے جائیں اور جب نماز رسم کے طور پر بھی ادا کی جاتی ہے تو بھی اکثر رسمی برائیوں میں اس کا بین نفع ہے وہ مسلمانوں کا شعار ہو گیا ہے۔ نماز سے ہی مسلمان اور کافر میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کافروں کے اور ہمارے درمیان نماز کا ذمہ ہے جو نماز کو ترک کرے گا وہ کافر ہے اور نماز سے زیادہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس سے طبیعت کو عقلی تدابیر کے تبع رہنے کی مشق کرائی جائے۔ واللہ اعلم

باب ۴۶

زکوٰۃ کے اسرار کے بیان میں

معلوم کرو کہ جب کسی مسکین کو کوئی حاجت پیش آتی ہے اور وہ زبان' قول یا حال سے اس کے لیے اللہ کے حضور میں گریہ و زاری کرتا ہے تو اس کا یہ عاجزی کرنا اللہ کی بخشش کے دروازہ کو کھول دیتا ہے اور اس وقت مقتضائے مصلحت اکثر یہ ہوتا ہے کہ کسی ذکی شخص کو الہام ہوتا ہے کہ اس کی حاجت رفع ہو جائے تب الہام اس پر چھا جاتا ہے اسی کے موافق اللہ کی خوشنودی پیدا ہوتی ہے اور اوپر سے' نیچے سے' دائیں بائیں سے برکتیں اس پر نازل ہوتی ہیں اور وہ قابل رحمت ہو جاتا ہے۔ ایک روز مجھ سے ایک مسکین نے اپنی حاجت ظاہر کی۔ وہ اس کی وجہ سے مضطر ہو رہا تھا تب میں نے اپنے دل میں الہام کی آہٹ پائی گویا وہ مجھ کو حکم دیتا ہے کہ میں اس کو کچھ دوں وہ الہام مجھ کو بشارت دیتا تھا کہ دنیا و آخرت میں اس کا بڑا اجر ملے گا۔ میں نے اس مسکین کی حاجت براری کرائی اور میں نے اپنے پروردگار کے وعدہ کو سچا دیکھ لیا۔ اس غریب کا جود الٰہی کے دروازہ کو کھٹکھٹانا۔ اور الہام کا پیدا ہو کر میرے دل کا اس کو اس روز اختیار کر لینا۔ اور اس کے بعد اجر کا ظاہر ہونا یہ سب امور آنکھ کے سامنے محسوس ہوئے۔ اکثر کسی موقع پر خرچ کرنا رحمت الٰہی کے نازل ہونے کا باعث ہوا کرتا ہے جب ملاء اعلیٰ کی خواہش کسی مذہب کے مشہور اور معزز کرنے کے لیے طے ہو جاتی ہے تو جو شخص اس کے کام چلانے کے درپے ہوتا ہے اس پر رحمت ہوتی ہے یہ اس طرح پر ہوتا ہے کہ تنگ حالی میں لڑائی کی ضرورت پڑے یا قحط سالی کا زمانہ ہو۔ اور کسی نہایت مفلس گروہ کا اللہ کو زندہ رکھنا مقصود ہو تب سچی خبر دینے والا (پیغمبر) ان موقعوں سے ایک قاعدہ کلیہ اخذ کر کے کہتا ہے کہ جو شخص ایسے ایسے تنگ حال پر یا فلاں فلاں حالت میں خیرات کرے گا تو اس کا عمل مقبول ہو جائے گا اور ان امور کو کوئی شخص سنتا ہے اور اپنی دلی شہادت سے اس کے حکم کو مان لیتا ہے اور ان سب وعدوں کو یہ سچا پاتا ہے۔ اور اکثر بعض لوگ یہ سمجھ جاتے ہیں کہ مال کی محبت بخیلی کرنے سے اس کے حق میں مضر ہو گی اس کو وہ مقصود راستہ سے باز رکھے گی۔ اس لیے اس کو اس خیال سے نہایت تکلیف ہوتی ہے اس تکلیف کو وہ اس طرح دفع کرتا کہ اپنی کسی نہایت محبوب چیزوں کے صرف کرنے کی مشق کرتا ہے اس وقت میں خرچ کرنا ہی اس کے حق میں بہت مفید ہوتا ہے اگر وہ صرف نہ کرتا تو محبت اور بخیلی ویسی کی ویسی ہی اس میں باقی رہ جاتی۔ اور عالم معاد میں وہ محبت گنجے سانپ کی صورت میں ہوتی یا وہ اموال مضر صورتوں میں اس کے سامنے متمثل ہوتے حدیث میں ہے:

((بطح لها بقاع قرقر)) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ ... اَلْخ ﴾

''جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے اور نہیں خرچ کرتے اسے راہ اللہ میں ان کو عذاب سخت کی خبر دے۔ قیامت کے روز ان کی پیشانیاں اور پہلو اسی سونے اور چاندی سے جہنم کی آگ میں تپا کر داغ دیئے جائیں گے''۔

اور اکثر کسی شخص کے مر جانے کا حکم عالم مثال میں قرار پا جاتا ہے اتنے میں وہ بہت سا مال صرف کرتا ہے اور وہ شخص اور قابل رحمت لوگ اللہ کے حضور میں گریہ وزاری کرتے ہیں۔ تو مال کے صرف سے اس کی خود ہلاکی محو ہو جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **لایرد القضاء الا دعا ولایزید فی العمر الاالبرا**۔ (قضا کو دعا ہی ہٹا دیتی ہے اور نیکی سے عمر بڑھتی ہے) اور آدمی اکثر طبیعت کے غلبہ سے کوئی برا کام کر لیتا ہے پھر اس کی برائی معلوم کر کے نہایت شرمندہ ہوتا ہے لیکن طبیعت پھر غالب آ جاتی ہے اور اسی کام کو پھر کرتا ہے ایسے نفس کا علاج یہی ہے کہ اپنے فعل کے تاوان کے لیے بہت سامان صرف کرے تا کہ یہ نقصان اس کے پیش نظر رہے اور پھر آئندہ ایسے قصد سے اس کو باز رکھے اور نیز اکثر خوش خلقی اور انتظام خاندانی کا حفظان اسی طرح سے ہوتا ہے کہ خوب کھانا کھلایا جائے' سلام میں تقدیم کی جائے اور طرح طرح ہمدردی کی جائے۔ ان امور کا حکم دیا جاتا ہے اور یہ امور صدقہ کیے جاتے ہیں اس سے برکت زیادہ ہوتی اس سے غضب الٰہی کی آگ بجھ جاتی ہے اور فیضانِ رحمت کو حاصل کر کے عذابِ آخرت اس سے دور ہو جایا کرتا ہے۔ ملاء اعلیٰ کی دعا اس کی طرف مصروف ہوتی ہے جو زمین میں مصلح اور مدبر ہیں۔

باب ۴۷

روزہ کے اسرار میں

معلوم کرو کہ اکثر آدمی اللہ کے الہام سے سمجھتا ہے کہ طبیعت بہیمی کا جوش اس کو کمالِ ذاتی سے باز رکھتا ہے وہی جوش بہیمیت کو ملکی قوت کے تابع ہونے نہیں دیتا۔ اس لیے بہیمی قوت سے اس میں نفرت اور بغض پیدا ہو جاتا ہے وہ کوشش کرتا ہے کہ اس کے جوش کو مار دے کوئی چیز اس کو اس کے تدارک کے لیے بجز اس کے نہیں ملتی کہ گرسنہ اور تشنہ رہے مجامعت ترک کر دے اپنی زبان' دل اور اعضاء کو روکے رہے انہیں امور سے وہ اپنی مرض جسمانی کا علاج کرتا ہے اس کے بعد اس شخص کی حالت ہے جس نے سچی خبر دینے والے سے ان تدابیر کو دلی شہادت سے اخذ کیا ہو اس کے بعد اس شخص کا حال ہے کہ شفقت اور مہربانی سے انبیاء کشاں کشاں اس میں یہ حالت پیدا کریں اس کو ان خوبیوں کا ذاتی علم نہ ہو۔ لیکن معاد میں اس کا فائدہ اس کو حاصل ہو۔ جب یہ جوش اس میں دب جائے اکثر آدمی کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا یہی کمال ہے کہ طبیعت عقل کے تابع رہے۔ لیکن طبیعت بغاوت کرتی ہے۔ کبھی آزادانہ رہنے کی کوشش کرتی ہے اور کبھی احکام عقلی کے تابع بھی ہو جاتی ہے۔ اس واسطے اس شخص کو مشاق کے لیے محنت کے کام روزہ جیسے اختیار کرنے پڑتے ہیں وہ اپنی طبیعت کو ایسے کاموں پر مجبور کرتا ہے اور طبیعت سے چاہتا ہے کہ اطاعت کے عہد کو پورا کرتی رہے وہ اس طرح انہیں امور کے اہتمام میں رہتا ہے حتیٰ کہ اس کا مقصود اصلی حاصل ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی کسی شخص سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ مدتوں تک روزے رکھے چلا جاتا ہے۔ جن میں کہ بہ نسبت گناہ کے زیادہ محنت اور جبر ہوتا ہے تا کہ دوبارہ ایسا کام اس سے نہ ہو اور نیز کبھی دل میں عورتوں کی رغبت پیدا ہوتی ہے لیکن اس کو مہر دینے کا مقدور نہیں ہوتا زنا کا خوف ہوتا ہے اس لیے وہ اپنی رغبت کو روزہ

سے مار دیتا ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:**فان الصوم له وجاء**. (جس شخص کو شادی کرنے کی طاقت نہ ہو تو روزہ اس کے لیے بمنزلہ خفتی ہونے کے ہے) روزہ اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے۔اس سے ملکی قوت بڑھتی ہے۔اور بہیمی طاقت کمزور ہو جاتی ہے روح کے چہرہ روشن کرنے کے لیے کوئی قلعی اس سے زیادہ نہیں ہے اور طبیعت کے مغلوب کرنے کی کوئی دوا اس سے زیادہ مفید نہیں ہے اسی واسطے اللہ نے فرمایا ہے:**الصوم لی وانا اجزی به** .(روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا) روزہ سے قوت بہیمی مضمحل اور کمزور ہوتی ہے اتنی ہی خطائیں دور ہوتی ہیں اور فرشتوں کی حالت سے مشابہت بڑھتی ہے۔ان کو روزہ دار سے انس ومحبت ہو جاتی ہے۔یہ محبت کا تعلق بہیمیت کے ضعیف ہونے کا اثر ہوتا ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے اگر روزہ رسمی طور پر ہوتا ہم رسمی امور کے لحاظ سے مفید ہے جب کوئی امت اس کی پابندی کرتی ہے تو ان کے شیاطین کے پاؤں میں زنجیر پڑ جاتی ہے ان کے لیے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

اور جب کوئی آدمی نفس کے مغلوب کرنے کا اہتمام کرتا ہے اس کے رذائل کو دور کرنا چاہتا ہے تو عالم مثال میں اس کے عمل کی ایک مقدس صورت پیدا ہو جاتی ہے اور عارفین باللہ میں ذکی القلب لوگ اس صورت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ عالم غیب سے ان کی علمی مدد کرتے ہیں۔اور تنزیہہ وتقدیس کے ذریعہ سے ذات واجبی سے اس شخص کو قرب حاصل ہو جاتا ہے:**الصوم لی و انا اجزیٰ به**. کے یہی معنی ہیں۔

کبھی آدمی اس خرابی کو معلوم کرتا ہے جو اس کی طبیعت میں امور معاش کی مصروفیت اور بیرونی اثروں کی خواہش میں بھر جانے سے پیدا ہوتی ہے اس کے لیے تنہا ہو کر کسی مسجد میں عبادت کرنا جو نماز کے لیے بنائی گئی ہو مفید ہوا کرتا ہے اور ہمیشہ کے لیے تو علیحدگی ممکن نہیں ہوتی:**مالا یدرك کله لایترك کله** .وہ شخص اپنے اوقات میں کسی قدر فرصت کو جدا کر کے جتنا میسر ہوتا ہے اعتکاف میں تنہائی سے اوقات بسر کرتا ہے اس کے بعد اس کی حالت ہے۔جس نے دلی شہادت سے مخبر صادق کے ذریعہ سے اعتکاف کی خوبی کو قبول کیا ہو پھر اس شخص کی حالت ہے کہ زبردستی اس کو اعتکاف کی تعلیم دی گئی ہو۔اکثر روزہ میں زبان کو پاک و صاف رکھنے کے لیے اعتکاف کی ضرورت پڑا کرتی ہے۔کبھی لیلۃ القدر کی اور اس میں فرشتوں کے اتصال کی اس کو خواہش ہوتی ہے یہ بھی بغیر اعتکاف کے میسر نہیں ہو سکتا۔لیلۃ القدر کے معنی آئندہ آئیں گے۔واللہ اعلم

باب ۴۸

حج کے اسرار میں

معلوم کرو کہ حج کی حقیقت یہ ہے کہ صلحاء کی ایک جماعت کثیر ایک وقت خاص میں جمع ہوں۔انبیاء اور صدیقین وشہداء اور صالحین کے حالات کو جن پر اللہ نے اپنا انعام کیا ہے۔وہ یاد کریں اور سب ایسے موقعہ پر جمع ہوں۔جہاں اللہ کی ظاہر نشانیاں موجود

ہوں۔ آئمہ دین کی جماعتیں وہاں کا قصد کرتی رہی ہوں وہاں وہ نہایت خاکساری اور رغبت سے اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتی رہی ہوں اللہ سے نیکی کی امید اور خطائیں معاف ہونے کی دعائیں اور التجائیں کرتی رہی ہوں جب اس کیفیت سے ہمتیں لوگوں کی جمع ہوتی ہیں تو لازمی طور پر اللہ کی رحمت اور مغفرت وہاں نازل ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شیطان جیسا کہ عرفہ کے روز نہایت ذلیل ومطرود وحقیر وغصہ ناک نظر آتا ہے ایسا کسی روز نہیں آتا ہر ایک امت میں حج کی اصل موجود ہے۔ ہر ایک کے لیے ایک خاص جگہ برکت لینے کی معین ہے اس میں انہوں نے اللہ کی نشانیوں اور اپنے بزرگوں کی عبادات اور آثار کو ظاہر ہوتے دیکھا ہے۔ اس سے مقرب لوگوں اور ان کے حالات کی یاد آتی ہے اس لیے وہ پابندی سے وہاں کا قصد کرتے ہیں لیکن بیت اللہ سب جگہوں سے زیادہ حج کے قابل ہے اس میں برملا نشانیاں موجود ہیں۔ حضرت ابراہیم صلوٰت اللہ علیہ وسلم نے جن کی نیکی اور خوبی کی شہادت اکثر امتوں کی زبان سے ظاہر ہے اللہ کے حکم اور وحی سے اس کی بنیاد قائم کی ہے پہلے اس کی زمین سخت چٹیل میدان تھی وہاں تک پہنچنا بھی مشکل تھا اور بیت اللہ کے علاوہ اور مقامات میں یا تو کچھ نہ کچھ شرک ہے یا بے اصل اس کی گھڑت کر لی گئی ہے طہارتِ نفسانی کے حصوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایسی جگہ رہنا اور ٹھہرنا اختیار کیا جائے۔ جس کی صلحاء ہمیشہ تعظیم کرتے رہے ہوں ذکر الٰہی سے اس کو معمور رکھا ہے۔

اس سے ملائکہ سفلی کی توجہ پیدا ہوتی ہے اور نیک لوگوں کے لیے ملاء اعلیٰ دعا کرتے ہیں۔ ایسی جگہ رہنے سے انہیں کے منور اثر نفس میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ میں نے بچشم ظاہر اس کو مشاہدہ کیا ہے اور ذکر الٰہی کے متعلق اللہ کے نشانات کو ملاحظہ کر کے ان کی تعظیم کرنا بھی داخل ہے جب ان پر نظر پڑتی ہے تو اللہ یاد آتا ہے جیسے ملزوم کے دیکھنے سے کوئی لازم چیز یاد آتی ہے۔ خاصیۂ جب تعظیمی حالتوں اور ان حدود کی پابندی کی جائے جن سے نفس کو کمال درجہ تنبیہ حاصل ہوتی ہے اکثر آدمی اپنے پروردگار کے شوق میں تڑپتا ہے اس وقت اس کو ضرورت ہوتی ہے کہ کسی طرح یہ اپنا شوق پورا کروں تو سوا حج کے اور کوئی ایسی چیز اس کو نہیں ملتی۔ اور جیسے کہ دولت اور سلطنت کو ہمیشہ ایک آزمائش اور امتحان کی ضرورت پڑتی ہے جس سے مخلص اور منافق میں تمیز ہو جائے۔ دولت کی شہرت ہو۔ اس کا کلمہ بلند ہو اور سب لوگوں میں باہم جان پہچان ہو جائے ایسے ہی مذہب کو حج کی ضرورت ہے تا کہ منافق کی بخوبی تمیز ہو جائے۔ اور دین الٰہی میں مختلف گروہوں کا داخل ہونا عیاں ہو جائے۔ ایک دوسرے سے ملیں جلیں اور ہر ایک دوسرے سے ان فوائد کو حاصل کر سکے جو اس کو حاصل نہیں ہیں۔ اس لیے کہ مقاصد باہمی مصاحبت اور ایک دوسرے کے ملنے ہی سے حاصل ہوا کرتے۔ اور رسمی حج بھی بہت سے رسمی فوائد کا اضافہ کرتا ہے۔ یقیناً آئمہ دین کی حالت یاد کرنے اور ان کے اختیار کرنے کی آمادگی کے لیے کوئی چیز حج سے زیادہ مفید نہیں ہے اور چونکہ حج میں دور دراز سفر کرنا پڑتا ہے وہ نہایت دشوار عمل ہے بڑی مشقت سے پورا ہوتا ہے اس لیے اس کی تکالیف کا برداشت کرنا اللہ کی خالص عبادت ہے جس سے خطائیں معاف ہوتی ہیں وہ پچھلے گناہوں کو ایسا دور کرتا ہے جیسا کہ ایمان۔



باب ۴۹

نیکی کی اقسام کے اسرار میں

نیکی کی اقسام میں سے ذکر الٰہی ہے۔ ذکر الٰہی اور اللہ کے بیچ میں آڑ اور پردہ نہیں ہے سو معرفت کی اصلاح کے لیے کوئی چیز ذکر سے زیادہ مفید نہیں ہے آنحضرت ﷺ کا قول ہے کیا تم کو سب اعمال میں افضل عمل نہ بتاؤں: **الا انبئکم بافضل اعمالکم**. نیز اللہ کی حضوری حاصل کرنے اور دل کی قساوت دور کرنے میں ذکر کا بڑا اثر ہوتا ہے خصوصاً اس شخص کے لیے جس کی قوت بہیمی فطری طور پر یا عملاً ضعیف ہوتی ہے اور اس شخص کے لیے بھی جو فطرۃً اپنے خیال میں محسوس چیزوں کا احکام مجرد میں خلط ملط کر دیتا ہے اور انہیں اقسام میں سے دعا بھی ہے اس سے حضوری کا بڑا دروازہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ پروردگار عالم کے حضور میں نہایت درجہ اطاعت اور احتیاج کو وہ پیش نظر کر دیتی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **الدعاء مخ العبادۃ** . کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ وہ مبداء کی جانب نفس کے متوجہ ہونے کی ظاہری صورت ہے جو درخواست کی صورت ظاہر ہوتی ہے اس کے حاصل ہونے کی جس کے لیے دعا مانگی گئی ہے روح ہے اور نیز بڑی نیکی تلاوت قرآن اور اس کی نصائح کو گوش دل سے سننا ہے۔ جو توجہ سے ان کو سنتا ہے اور دل میں وہ جگہ کر لیتی ہیں۔ بیم و امید کی حالتیں اللہ کی عظمت میں حیرانی اس کے احسانات میں استغراق ہو جاتا ہے طبیعت کا جوش بجھانے کے لیے نہایت ہی مفید ہے نفس کو قرآن کی تلاوت اس لیے تیار کرتی ہے کہ آسمانی اثر پیدا ہونے لگیں۔ اور عالم معاد میں وہ نہایت نافع ہے۔ فرشتہ قبر والے سے کہے گا: **لا دریت ولا تلیت** . (تو نے نہ حق کو جانا نہ قرآن کی تلاوت کی) قرآن سے دل تمام سفلی کیفیتوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے (ہر چیز کے لیے ایک خاص صیقل ہوتی ہے اور دل کی صیقل قرآن کا تلاوت کرنا ہے) اور نیز نیکیوں میں سے قرابت والوں اور ہمسایوں کے حقوق ادا کرنے ہیں۔ اپنے قرابتیوں اور ہم مذہبوں کے ساتھ حسن معاشرت کرنا چاہیے غلاموں کو آزادی دینا چاہیے۔ ان امور سے رحمت اور اطمینان نازل ہوتا ہے تدابیر دوم اور سوم کے انتظامات ان سے مکمل ہوتے ہیں۔ ملائکہ کی دعا کے یہ امور باعث ہوتے ہیں۔ نیز نیکیوں میں سے جہاد ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی فاسق پر لعنت کرتا ہے جس سے عام لوگوں کو مضرت پہنچتی ہے۔ اس کا نابود کرنا یا مصلحت کلی کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہوا کرتا ہے۔ اس لیے اللہ کسی ذکی القلب کے دل پر اس کے قتل کرنے کا الہام کرتا ہے اس کی طبیعت سے خود بخود بغیر کسی سبب طبعی کے غصہ شعلہ زن ہوتا ہے وہ اپنے تمام ذاتی امور سے اس کام کے لیے علیحدہ ہو کر اللہ کی مراد سے زندگی حاصل کر کے ہمہ تن متوجہ ہو کر اللہ کی رحمت اور نور میں غرق ہو جاتا ہے اس سے تمام آدمیوں اور شہروں کا کام بن جاتا ہے اسی کے قریب یہ حالت بھی ہے کہ اللہ ان ملکوں کی دولت اور حکومت کو تباہ کرنے کا حکم فرماتا ہے جو اللہ کی شان میں کفر کرتے ہیں ان کے چال چلن بگڑ جاتے ہیں اس لیے کسی نبی کو جہاد کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس کی قوم کے دل میں جہاد کی خواہش پیدا کی جاتی ہے تاکہ ایسی قوم ہوں جو لوگوں کی تکمیل کے لیے پیدا کی گئی ہو۔ اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ رائے کلی سے کسی قوم کو معلوم ہوتا ہے کہ مظلوموں سے درندہ خصلت لوگوں کی تعدی کو روکنا عمدہ

ہے۔ نافرمانوں پر تعزیرات قائم کرنی چاہئیں اور برائی سے ان کو روکنا چاہیے ان کوششوں سے لوگوں میں امن اور اطمینان پیدا ہو جاتا ہے اور اللہ ان قوموں کے مجاہدوں کو عمدہ جزا دیتا ہے اور کبھی مصائب امراض کے بلاقصد پیش آ جاتے ہیں۔ ان میں بھی کسی وجہ سے نیکی کا سامان ہو جاتا ہے کبھی اس طرح پر اللہ کی توجہ ہوتی ہے کہ کسی بندہ کے اعمال درست ہو جائیں اور اسباب عالم کا مقتضا ہوتا ہے کہ اس کی حالت تنگ ہو جائے تو وہی اسباب اس کی تکمیل نفس کے باعث ہو کر اس کی خطاؤں کو دور کر دیتے ہیں۔ اور اس کے لیے بجائے ان کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں جیسے کہ جب پانی کا منفذ بند ہو جاتا ہے تو پانی اوپر اور نیچے سے پھوٹ نکلتا ہے۔ یہ بہاؤ اس میں تنگی کی طرف منسوب ہوا کرتا ہے اس سے خیر اضافی کی حفاظت رہتی ہے اور کبھی اس طرح پر ان میں نیکی ہو جاتی ہے کہ مسلمان پر جب مصائب ٹوٹ پڑتے ہیں اور زمین اس پر تنگ ہو جاتی ہے تو اس وقت میں طبیعت اور رسم کا حجاب اٹھ جاتا ہے اور سب امور کو ترک کر کے اللہ ہی کی طرف وہ متوجہ ہو جاتا ہے اور کافر اس حالت میں اس گمشدہ چیز کی ہی یاد میں رہتا ہے اور اسی زندگی میں ڈوبا رہتا ہے حتیٰ کہ زمانہ مصیبت کا پہلی حالت سے بھی زیادہ خبیث ہو جاتا ہے اور کبھی وہ سختیاں نیکی کا باعث اسی لیے ہوتی ہیں کہ تمام روکنے والی برائیاں غلیظ اور کثیف قوت طبعی میں جمع ہوا کرتی ہیں۔ تو مریض اور ضعیف ہو جانے سے جتنا کہ بدن کو پہنچتا ہے اس سے زیادہ مادہ تحلیل ہو جاتا ہے تو وہ خود ظلمت بھی جو برائیوں کی حامل تھی تحلیل ہو جاتی ہے جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ مریض کی خواہش نفسانی غصہ وغیرہ سب دور ہو جاتے ہیں۔ اس کے اخلاق بدل جاتے ہیں اور وہ پچھلے امور کو ایسا بھول جاتا ہے کہ گویا اس میں وہ موجود ہی نہ تھے اور ایک صورت یہ ہے کہ جب مسلمان کی قوت بہیمی اس کی قوت ملکی سے آزاد ہوتی ہے تو دنیا ہی میں اکثر ان کے گناہوں پر مؤاخذہ ہوتا ہے حدیث میں ہے کہ دنیا کی محنت مسلمان کے لیے عذاب ہے۔ واللہ اعلم

باب ۵۰

گناہوں کے درجوں میں

معلوم کرو جیسے کہ بہت سے عمل اور طریقے ایسے ہیں جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ قوت بہیمی ملکی کے تابع ہے ایسے ہی ایسے بھی اعمال ہیں جن سے صاف نافرمانی معلوم ہوا کرتی ہے۔ ان سے قوائے بہیمی کی سرکشی پیدا ہوتی ہے انہیں امور کو گناہ کہتے ہیں اور گناہوں کے مختلف مرتبے ہیں: ❶ وہ گناہ ہیں جو انسانی کمال اور ترقی کا راستہ بالکل مسدود کر دیں ایسے بڑے گناہ دو قسم کے ہیں۔ اوّل وہ جن کا تعلق مبدا کی ذات سے ہے آدمی کو اپنے پروردگار سے ہی لاعلمی ہو۔ یا اس کا وہ علم رکھتا ہو لیکن مخلوقین کے اوصاف اس میں ثابت کرتا ہو یا اللہ کی صفات مخلوقین میں ثابت کرتا ہو۔ دوسری صورت تشبیہ کی ہے اور تیسری شرک کی نفس میں کبھی تقدیس نہیں پیدا ہو سکتی۔ جب تک کہ علوی تجرد اور تدبیر عام کا جو تمام عالم کو محیط ہو رہی ہے بصیرت کی آنکھ سے مطالعہ نہ کرتا رہے۔ جب اس قسم کا غور نہیں ہوا کرتا تو نفس اپنی ہی حالتوں میں مشغول رہا کرتا ہے۔ کبھی یگانگی کا پردہ نہیں ہوتا۔ اور بقدر سر سوزن بھی اس میں انکشاف

نہیں ہوتا یہ نہایت سخت بلا ہے اور دوسری قسم بڑے گناہ کی اس امر کا اعتقاد کرنا ہے کہ بجز اس بدنی زندگی کے اور کوئی زندگی نہیں ہے اور بدن کے لیے اور کوئی کمال دوسرا نہیں ہے جس کا طلب کرنا اس کو ضروری ہو۔ جب نفس میں یہ خیال جم جاتا ہے تو پھر اس کی نظر کبھی کمال کی طرف نہیں اٹھتی اور جو کہ علاوہ کمال بدن کے دوسرے کمال کا ثبوت عام لوگوں سے جب ہی ممکن ہے کہ موجودہ حالت کی بہمہ وجوہ مخالف حالت کا وہ تصور کر سکیں اگر یہ دونوں کمالات جدا جدا اس کے خیالات میں نہ آئیں تو کمال عقلی اور کمال حسی دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہوں اور وہ شخص کمال عقلی کو چھوڑ کر کمال حسی کی طرف مائل ہو جائے۔ اس لیے لقاء الٰہی اور روز آخرت پر ایمان لانا اس کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ﴾ (جو لوگ آخرت کا یقین نہیں کرتے ان کے دل منکر ہیں اور وہ متکبر ہیں) حال ہے کہ جب آدمی اس درجہ کے گناہ میں رہ کر مر جاتا ہے اور اس کی قوت بہیمی مضمحل ہو جاتی ہے تو نہایت درجہ کی نفرت آسمانی جانب سے اس کو لپٹتی ہے وہ کبھی اپنے آپ کو اس سے رستگار نہیں کر سکتا۔ اور دوسرا مرتبہ گناہ کا یہ ہے کہ قوت بہیمی کے غرور سے آدمی ان فضائل سے تکبر کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے اپنے کمالات تک پہنچنے کے لیے قرار دیئے ہیں۔ اور ملاء اعلیٰ نہایت اہتمام سے پیغمبروں اور شریعتوں کے ذریعہ سے ان کے شائع کرنے اور ان کی شان بلند کرنے کا قصد کرتے ہیں لیکن ایسا شخص ان امور کا انکار کر کے ان سے عداوت کرتا ہے اور جب یہ مر جاتا ہے تو ملاء اعلیٰ کی تمام ہیئتیں اس سے نفرت کرتی ہیں اور اس کو ایذا پہنچانے کی طرف مائل ہوتی ہیں اور خطا ہر جانب سے ایسا احاطہ کر لیتے ہیں کہ پھر اس سے نکلنے کا اس کو موقع نہیں ملتا اور چونکہ وہ اپنے کمال کو نہیں پہنچتا اور اگر پہنچتا بھی ہے تو وہ پہنچنا قابل اعتبار اور لحاظ نہیں ہوتا۔ اس واسطے یہ حالت اس سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ یہ مرتبہ آدمی کو مذاہب میں اپنے پیغمبر کے طریقہ سے باہر کر دیتا ہے اور تیسرا مرتبہ گناہ کا یہ ہے کہ آدمی نجات دہندہ افعال کو ترک کر دے اور ایسے ایسے کام کرے کہ جن کے کرنے والے پر عالم ذکر میں لعنت مقرر ہے یا تو ان کاموں کی وجہ سے زمین میں کسی بڑے فساد کا گمان غالب ہوتا ہے یا اس کی صورت تہذیب نفس کے بالکل خلاف ہوتی ہے اس کی چند صورتیں ہیں یا وہ شریعت کے احکام کی تعمیل نہ کرے جن سے بجا آوری کا مادہ پیدا ہوتا ہے یا بجا آوری کی کچھ نہ کچھ اس میں آمادگی پیدا ہو جاتی ہے شرائع کی تعمیل نفوس کے مختلف ہونے سے مختلف طرح پُر ہوتی ہے جو لوگ بہیمیت میں ڈوبے ہوئے ہوں اور یہ قوت ان میں کمزور ہو ان کو تو احکام شرعیہ کی کثرت کی ضرورت ہوتی ہے اور جن میں یہ قوت شدید اور غلیظ ہوتی ہے۔ ان کو اعمال شاقہ کی کثرت کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور انہیں اعمال میں سے بعض اعمال درندوں کے سے ہوتے ہیں جو بڑی لعنت کے مستحق ہوتے ہیں۔ مثلاً قتل اور بعض اعمال شہوانی ہوا کرتے ہیں۔ بعض پیشے ضرر رساں ہوتے ہیں جیسے قمار، ربوا، ان تمام مذکور امور سے نفس میں بڑا رخنہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ان امور سے ان امور پر اقدام ہوتا ہے جو لازمی طریقوں کے مخالف ہیں اور ان کو ملاء اعلیٰ کی جانب سے لعنت احاطہ کرتی ہے اس لیے ان دونوں کے ملنے سے عذاب حاصل ہوتا ہے یہ گناہ کبیرہ کا مرتبہ سب کبائر سے زیادہ ہے خطیرۃ القدس میں ان امور کا حرام ہونا ایسے گنہگاروں کا ملعون ہونا قرار پا چکا ہے۔ انبیاء ہمیشہ ان امور کو بیان فرماتے رہے ہیں جو وہاں قرار پا چکے ہیں ان میں سے اکثر تمام شرائع میں متفق علیہ ہیں۔ چوتھا مرتبہ ان شرائع اور طریقوں کی نافرمانی کرنی ہے جو کہ ہر ایک امت اور زمانہ کے لحاظ سے ہوتی رہی ہیں۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ پیغمبر کو کسی قوم کی طرف مبعوث کرتا

ہے تا کہ ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف پہنچائے' ان کی کجی کی اصلاح کرے عمدگی سے ان کی سیاست کرے تو ان کے مبعوث ہونے میں یہ بات داخل ہوتی ہے کہ نہایت اہم امور جن کے بغیر ان کی صلاح اور سیاست نہیں ہو سکتی واجب قرار پاتے ہیں اس لیے ہر ایک مقصد کی ایک معیار دائمی یا اکثری ضرور ہوتی ہے اس کے لحاظ سے ان سے مؤاخذہ اور خطاب کیا جاتا ہے ہر ایک امر کے لیے اوقات معین کرنے کے لیے ضروری قاعدے ہوا کرتے ہیں اکثر امور سے کوئی فساد یا مصلحت پیدا ہوتی ہے تو جیسے اس امر کی حالت ہوتی ہے ویسا ہی حکم اس کا مقرر کیا جاتا ہے اس لیے بعض امور تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا امر و نہی ضروری ہوتا ہے اور بعض کا مامور اور منہی عنہ ہونا بغیر اہتمام کے ہوتا ہے ایسے اکثر امور نبی کے اجتہاد سے بھی ثابت ہوا کرتے ہیں۔ پانچواں رتبہ یہ ہے کہ شارع نے اس کی کچھ تصریح نہیں کی نہ ملاء اعلیٰ میں کوئی حکم اس کے متعلق ہونے کا منعقد ہوا لیکن کوئی اللہ کا بندہ پوری بحث سے اللہ کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے قیاس سے یا تخریج وغیرہ سے ایک شئے کا مامور یا ممنوع ہونا معلوم کیا۔ جیسے عام لوگوں کو اپنے ناقص تجربہ سے یا حکیم حاذق کو علت کے پائے جانے سے کسی دوا کی تاثیر معلوم ہو جاتی ہے۔ عامی کو تاثیر کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی اور طبیب نے اس کی کوئی تصریح نہیں کی ہوتی پس ایسا شخص جب تک خود اپنی احتیاط اس امر میں نہ کرے گا وہ عہدہ برا نہیں ہو سکتا ور نہ ان کے گمان کی وجہ سے اس میں اور اللہ میں ایک پردہ سا ہو جائے گا اور وہ اس کی وجہ سے ماخوذ ہوگا۔ اس مرتبہ میں اصل خوشنودی کے قابل یہ ہے کہ اس مرتبہ کے حالات کو ترک کر کے ان کی طرف توجہ نہ کرے لیکن ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس مرتبے کے لائق ہیں۔ جس کے وہ قابل ہیں۔ خدائے جواد ان پر اسی کی کثرت کرتا ہے۔ اسی کو اللہ فرماتا ہے: **انا عند ظن عبدی بی** (بندہ کا جیسا میرے ساتھ گمان ہوتا ہے ویسے ہی میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں) اور فرماتا ہے: ﴿**وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ**﴾ (رہبانیت جس کو انہوں نے خود ایجاد کر لیا ہے ہم نے ان پر اس کو اس لیے واجب کیا تھا کہ اللہ کی رضامندی کی تلاش میں رہیں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ اللہ تم پر سختی کرے گا اور فرمایا گناہ وہ ہی ہے جو تیرے دل میں برا اثر پیدا کرے یہی حال اس حکم کی نافرمانی کا ہے جو کسی مجتہد کے اجتہاد سے ثابت ہوا ہو اور اسی مجتہد کا جس نے یہ حکم دیا ہے نافرمانی کرنے والا پیرو اور مقلد ہو۔ واللہ اعلم

باب ۵۱

گناہوں کی خرابیوں کے بیان میں

معلوم کرو کہ گناہ صغیرہ اور کبیرہ کا اطلاق دو لحاظ سے کیا جاتا ہے ❶ نیکی اور گناہ کی حکمت کے لحاظ سے ❷ شریعتوں اور طریقتوں کے لحاظ سے۔ جو ہر ایک زمانہ سے مخصوص ہوتے ہیں نیکی اور گناہ کی حکمت کی نظر سے گناہ کبیرہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسا گناہ ہے جس کے سبب سے قبر یا قیامت میں عذاب ضرور دیا جائے۔ اس کی وجہ سے تدابیر نافع میں کوئی بڑی خرابی برپا ہو۔ فطرت کے

کاموں سے وہ بالکل علیحدہ ہو اور گناہ صغیرہ وہ ہے جس سے امور بالا میں سے کسی امر کے ہونے کا شبہ ہو یا اکثر مرتبہ اس سے کوئی امر پہلے امور میں سے پیدا ہوتا ہو یا ایک وجہ سے اس میں اس قسم کی کوئی خرابی پیدا ہوتی ہو اور دوسری وجہ سے وہ خرابی نہ پیدا ہوتی ہو۔ مثلاً کوئی شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور اس کے بال بچے بھوکے مرتے ہوں تو اس نے بخل کی رذیل عادت دفع کی۔ لیکن خانہ داری کی تدبیر کو کھو دیا اور خاص خاص شریعتوں کے لحاظ سے کبیرہ وہ گناہ ہے جس کے حرام ہونے کی شارع نے تصریح کر دی ہو یا اس کے مرتکب کے لیے دوزخی ہونے کی وعید کی گئی ہو۔ یا اس پر کوئی حد مقرر کی ہو یا اس فعل کی برائی ظاہر کرنے کے متعلق شدت بیان کرنے کو اس کے مرتکب کو کافر دائرہ اسلام سے خارج کیا ہو۔ کبھی بعض امور نیکی اور گناہ کے لحاظ سے صغیرہ ہوتے ہیں لیکن شریعت کے لحاظ سے وہی کبیرہ قرار پاتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کوئی قبیح کام اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ رسم ہو کر ان میں پھیل جاتا ہے ان کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ جب بھی وہ ان کے دل سے نہیں نکلتا ہے اس کے بعد شریعت کو اس سے روکنا چاہتی ہے۔ لیکن وہ لوگ اس کام پر اڑ جاتے ہیں اس کے کرنے پر اصرار کرتے ہیں شرع سے ان کے اصرار پر تہدید اور سختی ہوتی ہے گویا اب اس کا کرنا شریعت کی سخت عداوت سمجھی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں اس کو وہی شخص کرتا ہے جو مردود اور سرکش ہو اللہ اور لوگوں سے اس کو کسی قسم کی حیا نہ ہو بہر حال ہم ان گناہوں کی تفصیل جو شریعت کے لحاظ سے کبیرہ قرار دیئے گئے ہیں۔ اس کتاب کی دوسری قسم میں بیان کریں گے وہیں ان کے بیان کا موقع ہے لیکن ان گناہوں کی خرابیاں جو برداشم کی حکمت سے کبیرہ قرار دی گئی ہیں ہم یہیں بیان کرتے ہیں۔

نیکی کے انواع میں بھی ہم نے ایسا ہی کیا ہے لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ جب کوئی شخص گناہ کبیرہ کی حالت میں مر جائے اس کو توبہ نصیب نہ ہو تو یہ جائز ہے یا نہیں کہ اللہ اس گناہ کو معاف کر دے ہر ایک فرقہ نے قرآن وحدیث سے اپنے اپنے دلائل بیان کیے ہیں لیکن میرے نزدیک اس اختلاف کو یوں حل کر سکتے ہیں کہ اللہ کے افعال دو قسم کے ہوتے ہیں ❶ وہ افعال جو بہ عادت استمراری ہوتے رہتے ہیں۔ ❷ جو خلاف عادت ظہور پذیر ہوتے ہیں اور جو مسائل لوگوں کے سامنے ذکر کیے جاتے ہیں وہ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ❶ موافق عادت ❷ بلا قید اور دو مسئلوں میں مخالف ہونے کی شرط یہ ہے کہ ان کی وجہ ایک ہی ہو۔ جیسے منطقیوں نے قضایائے موجہ (جن میں ثبوت جملہ کی کیفیت مذکور ہو) میں ذکر کیا ہے کبھی جب وجہ کو ذکر نہیں کرتے ہیں تو قرآن سے اس کا پتہ لگانا ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً ہم کہیں کہ جو شخص زہر کھائے گا وہ مر جائے گا اس کے معنی یہی ہیں کہ عادت اور معمول کے موافق زہر کا یہ اثر ضرور ہوگا۔ اور جب کہا جائے کہ یہ امر نہیں ہے کہ زہر کھا کر مر ہی جایا کریں اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایسا ہوگا تو خلاف عادت ہوگا اس لیے دونوں باتیں درست ہیں ان میں کچھ مخالفت نہیں ہے اور جیسے اللہ تعالیٰ کی دنیا میں بعض افعال خلاف عادت ہوتے ہیں اور بعض معمول کے موافق ایسے ہی آخرت میں بھی افعال الٰہی دو ہی قسم ہیں۔ معمولی یا غیر معمولی تو اللہ کی استمراری عادت تو یہ ہے کہ بغیر توبہ کے مرنے کے بعد وہ گنہگار کو زمانہ دراز تک عذاب دیتا ہے۔ اور کبھی خلاف عادت بھی ایسے کام کرتا ہے۔ ایسے ہی حقوق العباد کا بھی حال ہے اور صاحب کبیرہ کا ہمیشہ دوزخ میں رہنا صحیح نہیں ہے حکمت الٰہی کا مقتضا یہ نہیں ہے کہ جو معاملہ کافر سے کرے ویسا ہی صاحب کبیرہ سے بھی کرے۔ واللہ اعلم

باب ۵۲

ان گناہوں کے بیان میں جو نفس کی حالت سے متعلق ہیں

معلوم کرو کہ آدمی کی قوت ملکی کو ہر جانب سے قوت بہمی احاطہ کیے ہوئے ہے اس کا حال ایسا ہے جیسے قفس میں کسی پرندہ کا ہوتا ہے اس پرند کی خوش نصیبی اور سعادت اسی میں ہے کہ اس قفس سے نکل کر اپنے اصلی وطن تروتازہ باغوں میں پہنچ جائے وہاں غذائی دانوں اور لذیذ میوہ جات کھائے اور اپنے ہم جنس پرندوں کے جھنڈ میں مل کر ہشاش وبشاش زندگی بسر کرے اسی طرح آدمی کے لیے نہایت درجہ بدنصیبی اور شقاوت اس میں ہے کہ وہ دہریہ ہو۔ دہریہ کی حقیقت یہی ہے کہ وہ ان علوم کے مخالف ہو۔ جو اس کی طبیعت اور فطرت میں اللہ نے پیدا کیے ہیں۔ پہلے ہم نے بیان کیا ہے کہ آدمی کی اصل فطرت میں مبداء جل جلالہٗ کی جانب ذاتی میلان ہے اور نہایت درجہ اس کی تعظیم کرنے کی خواہش ہے اللہ کے قول: ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ ثُمَّ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ﴾ (اور اس وقت کو یاد کر کہ تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو گواہ کیا اپنی جانوں پر) اور کل مولود يولد على فطرة الاسلام (سب کی پیدائش فطرت اسلام پر ہوتی ہے) میں اس کی طرف اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی بے انتہا تعظیم دل میں جب ہی راسخ ہوتی ہے کہ اللہ کی نسبت اعتقاد کیا جائے کہ وہ اپنے قصد و اختیار سے ہر قسم کا تصرف کرتا ہے۔ اعمال کی جزا دیتا ہے ان کو مذاہب سے مکلف کرتا ہے جو شخص اس کا منکر ہو کہ اس کا کوئی پروردگار ہے جس پر تمام ہستی کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ یا وہ معتقد ہو کر پروردگار عالم معطل ہے۔ اس عالم میں وہ کوئی تصرف نہیں کرتا۔ یا تصرف کرتا ہے۔ تو بلا قصد اور مجبورانہ کرتا ہے یا وہ اپنے بندوں کے اچھے برے افعال کی جزا نہیں دیتا۔ یا وہ اپنے پروردگار کو اور مخلوق جیسا اعتقاد کرتا ہے یا اس کی سی صفات اور لوگوں میں بھی اعتقاد کرتا ہے یا یہ جانتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو پیغمبر کے ذریعہ سے احکام شریعت کا پابند نہیں کرتا پس ایسا ہی شخص دہریہ ہے اس کے دل میں پروردگار کی عظمت نہیں جمع ہو سکتی ہے اور خطیرۃ القدس کی طرف اس کے علم کو رسائی نہیں ہو سکتی وہ بمنزلہ ایک پرند کے ہے جو اپنے قفس میں بند ہے اس میں سوزن کے برابر بھی کوئی سوراخ نہیں۔ مرنے کے بعد اس پر سب چیزیں ظاہر ہو جائیں گی اور کسی قدر قوت ملکی ظاہر ہو گی اور اس کے فطری میلان میں جنبش پیدا ہو گی لیکن پروردگار کے علم اور خطیرۃ القدس کی رسائی سے عوائق مانع ہوں گے اور اس سے اس کے نفس میں نہایت وحشت کا جوش ہو گا اور اس ناپاک حالت پر باری تعالیٰ اور ملاء اعلیٰ کی نظر پڑے گی تو ناخوشی اور حقارت کی نگاہ تند سے وہ دیکھے جائیں گے اور ملائکہ کو اس ناخوشی اور عذاب کا الہام ہوتا ہے اور عالم مثال اور عالم خارجی میں ان پر عذاب کیا جاتا ہے اور جیسے کہ دہریہ ہونا آدمی کے لیے نہایت درجہ شقاوت کا باعث ہے ایسے ہی آدمی کے کافر ہونے میں بھی اس کی ذلت اور شقاوت ہے کافر اس شان سے تکبر کرتا ہے جس کا اندازہ اللہ تعالیٰ نے اس کے نفس کے لیے کیا ہے۔

شان سے یہ مراد ہے کہ حکمت الٰہیہ کی مقتضا سے عالم کے لیے خاص دور اور طریقے معین ہوتے ہیں جب کوئی دور شروع ہوتا

ہے تو تمام آسمانوں میں اس کی وحی کی جاتی ہے اور ملاء اعلیٰ اس کی تکمیل کی مناسب تدابیر عمل میں لاتے ہیں اور لوگوں کے لیے اس دور میں شریعت کا ایک قرارداد ہوتا ہے اور اللہ ملاء اعلیٰ کو الہام کرتا ہے کہ عالم میں اس دور کے چلانے پر متفق ہوں۔ ان کے اتفاق سے لوگوں کے دلوں پر الہام ہوتا ہے یہ مرتبہ شان کا اسی قدیم مرتبہ کے بعد ہوتا ہے جس میں حدوث کا لگاؤ نہیں ہوتا۔ اس پہلے مرتبہ کی طرح اس مرتبہ میں ہی بعض کمالات واجب تعالیٰ کا اظہار ہوتا ہے جو شخص اس شان کی حالت کے خلاف ہوتا ہے اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہے تو ملاء اعلیٰ کی جانب سے نہایت سخت لعنت کا مستحق ہوتا ہے وہ لعنت اس کے نفس کو محیط ہو کر اعمال پر چھا جاتی ہے اور اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور مفید اعمال نیکی کو وہ حاصل نہیں کر سکتا اس کی طرف اللہ کے قول میں اشارہ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الْهُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴾

''جو لوگ ہماری کھلی نشانیوں اور ہدایت کو اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کے لیے کتاب میں صاف صاف بیان کر دیا ہے ان پر اللہ اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں''۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰی سَمْعِهِمْ ﴾

''اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی''۔

یہ شخص اس پرندہ کی مانند ہوتا ہے جو ایسے قفس میں بند ہو جس کی روزن تو ہوں لیکن اس پر کوئی غلاف پڑا ہوا ہو۔ کفر کی ادنیٰ حالت یہ ہے کہ کسی شخص کو توحید اور تعظیم الٰہی کا تو ٹھیک ٹھیک اعتقاد ہو لیکن وہ ان احکام کی تعمیل نہ کرتا ہو جو بحکمت برداشم قرار دیئے گئے ہیں وہ ایسا ہے جیسے کسی شخص نے شجاعت کی حقیقت اور فائدہ معلوم کر لیا لیکن وہ صفت اس میں پیدا نہیں ہو سکتی اس لیے کہ نفس شجاعت کا حاصل ہونا اور ہے اور صورتِ شجاعت کا حاصل ہونا اور لیکن اس شخص کی حالت اس سے کسی قدر بہتر ہے جو شجاعت کے معنی بھی نہیں سمجھتا وہ ایسا ہے جیسے کوئی پرندا یسے قفس میں ہے جس میں سوراخ ہیں وہ سبزہ زار اور میوہ جات کو دیکھتا ہے مدتوں وہاں رہ چکا تھا لیکن اب آ پھنسا اسی کے شوق میں مبتلا ہو کر اپنے پر مارا کرتا ہے اور چونچ روزنوں میں ڈالتا ہے لیکن باہر نکلنے کا راستہ اس کو نہیں ملتا۔ حکمت برداشم کے لحاظ سے کبائر یہی ہیں اور اس شخص سے بھی کمتر درجہ اس شخص کا ہے کہ وہ ان تمام احکام کی بجا آوری کرتا ہے لیکن ان شرائط کے ساتھ نہیں کرتا جو ان کے لیے ضروری ہیں وہ ایسا ہے جیسے کوئی پرند شکستہ قفس میں بند ہے تنگی سے اس سے باہر نکل سکتا ہے۔ لیکن جب تک جلد میں خراش نہ ہو اور پر نچ نہ جائیں نکلنا وہاں سے متصور نہیں اس کا قفس سے نکلنا ممکن ہے لیکن بہت محنت و سعی سے چونکہ نکلنے کے بعد اس کی جلد میں خراش ہوگا اور پر نچے نچائے ہوں گے اس واسطے وہ اپنے ہم جنسوں میں بخوبی محفوظ نہ رہ سکے گا۔ اور جیسا چاہیے ان باغوں کے میوہ جات سے بھی بہرہ مند نہ ہوگا یہ لوگ وہی ہیں جنہوں نے اعمال صالحہ کے ساتھ برے اعمال بھی کیے ہیں ان کے لیے عائق اور مانع گناہ وہ ہوتے ہیں جو حکمت برداشم کے لحاظ سے صغیرہ گناہ ہیں۔ پل صراط کی حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بعض لوگ آگ میں گریں گے اور بعض کو اس میں گر کر نجات ہو جائے گی اور بعض کو آگ کی لپٹ کے بعد نجات مل جائے گی۔ واللہ اعلم

باب ۵۳

ان گناہوں کا بیان جن کا تعلق لوگوں سے ہوتا ہے

معلوم کرو کہ حیوانات کی قسمیں مختلف ہیں بعض کی پیدائش ایسی ہوتی ہے جیسے زمین کے کرم ان کا حق یہ ہے کہ پروردگار صور کی جانب سے یہی الہام ان پر ہوتا ہے کہ وہ کیسے اپنی غذا حاصل کریں ان کو مکانات کی تدابیر کا الہام نہیں ہوتا اور بعض حیوانات ایسے ہیں کہ ان میں توالد وتناسل ہوتا ہے بچوں کی پرورش میں نر و مادہ مل کر باہم ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں۔ حکمت الٰہی میں ان کا یہ حق ہے کہ مکانوں کی تدابیر کا ان کو الہام ہوتا ہے پرندوں کو غذا حاصل کرنے کا اور پرواز کرنے کا طریقہ الہام ہوتا ہے اور یہ کہ وہ کیسے جفتی کریں کیسے اپنا آشیانہ بنائیں۔ اپنے بچوں کو کیسے پرورش کریں اور حیوانات میں سے آدمی مدنی الطبع ہے اس کے زندہ رہنے کے لیے ضرور ہے کہ اس کی بنی نوع دستگیری کریں وہ اُگی ہوئی گھاس سے خود اپنی غذا تیار نہیں کرسکتا۔ خام میوہ جات نہیں کھا سکتا پشم سے اپنے اندر گرمی نہیں پیدا کرسکتا' اس کے متعلق ہم نے پہلے تشریح کی ہے آدمی کا حق ہے کہ خانہ داری کی تدابیر اور آداب معاش کے ساتھ سیاست مدن کا بھی اس کو الہام ہوتا ہے انسان اور حیوانات میں فرق یہ ہے کہ حیوانات کو ضرورت کے وقت طبعی الہام ہوتا ہے۔ اور انسان پر علوم معیشت کے ایک مختصر حصہ کا الہام ہوتا ہے مثلاً یہ الہام ہوتا ہے کہ دودھ پینے کے وقت پستان کو کیسے چوستے ہیں آواز کی تنگی کے وقت کیسے کھانستے ہیں۔ دیکھنے کے لیے پلکوں کو کیسے کھولتے ہیں معیشت کے اور حصوں کے الہام کی ضرورت اس کو اس واسطے نہیں ہے کہ اس کا خیال خود ہر ایک چیز کو بناتا اور اہتمام کرتا ہے وہ تدبیر منزل اور سیاست مدن کے علوم کو رسم ورواج سے اور ان لوگوں کی پیروی سے حاصل کرتا ہے جن کی ملکی روشنی سے اللہ تائید کرتا ہے یہ روشنی ان علوم میں ظاہر ہوتی ہے جو وحی کے ذریعہ سے ان کو معلوم ہوتے ہیں نیز تجربہ اور تدابیر غیبی سے وہ ان علوم کو حاصل کرتا ہے۔ نیز وہ خود غور کرکے علوم میں مستغرق ہوکر قیاس اور برہان سے ان کو معلوم کرتا ہے۔ ان علوم کی مثال جو لوگوں میں عام اور شائع ہوگئی ہیں۔ حالانکہ استعدادوں کے مختلف ہونے سے ان کی حالت مختلف ہوتی ہے۔ ایسی ہی شان ہے جیسے کہ خواب میں واقعات پیش ہوتے ہیں یہ واقعات اپنی آسمانی حیز سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور مناسب صورتوں میں جلوہ گر ہوتے ہیں ان کی صورتیں مفیض کی وجہ سے نہیں بلکہ لوگوں کی وجہ سے مختلف ہوتی ہیں ان علوم میں سے جو تمام افراد انسانی کو عطا ہوتے ہیں خواہ وہ عرب ہوں یا عجم۔ شہری ہوں یا بدوی کو ان کے حاصل ہونے کا طریقہ مختلف ہو۔ چند خصائل کا حرام ہونا ہے ان کی وجہ سے انتظام مدن میں خرابی اور برہمی ہوتی ہے ایسے خصائل تین قسم کے ہیں: ❶ شہوانی اعمال ❷ سبعی اعمال ❸ وہ اعمال جو بدمعاملگیوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے حرام ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تمام لوگ خواہش نفسانی' غیرت حرص کے اوصاف میں مشترک ہیں اور جیسے قوی بہائم کو مادہ کا میلان ہوتا ہے وہ دوسرے کی مداخلت کو اپنے جوڑے میں گوارا نہیں کرتے ایسی ہی طبیعت قوی لوگوں کی ہوتی ہے اتنا فرق ہے کہ بہائم باہم لڑنے لگتے ہیں جو زیادہ مضبوط ہوتا ہے وہ کمزور پر غالب ہوجاتا ہے دوسرا اس کے سامنے سے بھاگ جاتا ہے اور چونکہ جفتی کرتے ہوئے نہیں

دیکھتے اس لیے کچھ مزاحمت کا بھی ان کو خیال نہیں ہوتا اور آدمی نہایت زیرک پیدا کیا گیا ہے۔ انکل سے چیزوں کو ایسا معلوم کر لیتا ہے کہ گویا ان کو دیکھ رہا ہے یا سن رہا ہے اور الہام سے اس کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے امور میں زیادہ لڑنے جھگڑنے سے شہر ویران ہو جائیں گے۔ شہروں میں بسنا بغیر باہمی ہمدردی کے ممکن نہیں اور یہ بھی اس کو معلوم ہے کہ تمدن میں بہ نسبت عورتوں کے زیادہ دخل مردوں کو ہوتا ہے اس واسطے بالہام الٰہی ان میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ ہر شخص کی بیوی دوسرے سے علیحدہ ہو ہمیں دوسرا شخص کسی قوم کی مزاحمت نہ کرے۔ حرمت زنا کی اصل یہی ہے اور بیویوں کے خاص کر لینے کی رسمیں اور طریقے جدا جدا ہیں اور نیز جیسے کہ قوی بہائم کو ہمیشہ مادینوں کی رغبت ہوتی ہے وہ نروں سے کبھی مانوس نہیں ہوتے ایسے ہی آدمیوں کا بھی حال ہے کہ سلامتی فطرت کی حالت میں ان کو بجز عورتوں کے کبھی مردوں کی جانب التفات نہیں ہوتا۔ البتہ جن لوگوں پر ناپاک خواہش نفسانی غالب ہو جاتی ہے ان کا مزاج ایسا فاسد ہو جاتا ہے جیسے کسی کو مٹی یا کوئلہ کھانے میں مزہ معلوم ہوتا ہے۔ فطرت کی سلامتی ان میں سے بالکل دور ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ اپنی خواہش نفسانی مردوں سے پوری کر لیا کرتے ہیں یا ان میں علت ابنہ پیدا ہو جاتی ہے جن چیزوں میں سلیم الطبع لوگوں کو لذت حاصل نہیں ہوتی ان کو ایسی لذتیں حاصل ہو سکتی ہیں ان عادات کی وجہ سے ان کا مزاج بدل جاتا ہے ان کے دل روگی ہو جاتے ہیں اور نیز ان عادات سے نسل انسانی کی بیخ کنی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے یہ خواہش اس واسطے پیدا کی تھی کہ اس سے آدمیوں کی نسل آگے کو بڑھتی رہے اور اس نے اس نظام الٰہی کو بگاڑ کر اس کے مخالف طریقہ سے قضائے حاجت کی اسی وجہ سے ان افعال کا مذموم ہونا لوگوں کی طبیعتوں میں جم گیا ہے۔ فاسق فاجر ایسے افعال کرتے ہیں لیکن ان کا اقرار نہیں کرتے اگر ان کی طرف ایسے افعال کی نسبت کیجیے تو شرم و حیاء سے مر جانا گوارا کرتے ہیں۔ ہاں منبع فطری سے جب وہ بالکل جدا ہو گئے ہوں تو ان کو کسی قسم کی حیا باقی نہیں رہتی اور برملاوہ ایسے افعال عمل میں لاتے ہیں جب یہاں تک نوبت پہنچ جائے تو فوراً ان کو عذاب دینا چاہیے۔ سیدنا حضرت لوط علیہ السلام کے زمانہ میں بھی یہی حالت پیدا ہو گئی تھی۔ لواطت حرام ہونے کی یہی دلیل ہے اور چونکہ لوگوں کی معاش خانگی تدابیر اور سیاست مدن بغیر عقل و تمیز کے مکمل نہیں ہو سکتیں اور شراب خوری کی عادت سے تمام انسانی انتظامات میں ہلچل پڑ جاتی ہے اس سے جنگ وجدل اور ذاتی رنجشیں پیدا ہوتی ہیں لیکن طبائع انسانی میں بے ہودہ خواہشیں عقلوں کو مغلوب کر لیتی ہیں تو ان میں ایسے ایسے رذائل کا میلان پیدا ہو جاتا ہے اور تمام تدابیر کو وہ تلف کر دیتی ہیں اگر ایسی ایسی حرکات کی روک ٹوک نہ کی جائے تو لوگ ہلاک ہو جائیں یہ شراب خوری کے حرام ہونے کی دلیل ہے اور اس کے کم زیادہ حرام ہونے کو ہم شرائع کی بحث میں بیان کریں گے اور ایسے ہی قوی بہائم میں اس چیز پر غصہ کرنے کا مادہ ہوتا ہے جو ان کو اپنے مقصود سے باز رکھے یا کوئی نفسانی یا بدنی تکلیف ان کو پہنچائے۔ ایسے ہی لوگوں میں بھی اس قسم کی صفت ہوا کرتی ہے فرق یہ ہے کہ بہائم کو محسوس یا موہوم مقصود کی طرف توجہ ہوتی ہے اور آدمی وہمی اور عقلی مطالب کو طلب کرتا ہے اور بہ نسبت بہائم کے آدمی میں حرص کا مادہ زیادہ ہے اور بہائم باہم لڑتے ہیں جب ان میں سے کوئی بھاگ جاتا ہے تو اس کی طبیعت میں کینہ وغیرہ باقی نہیں رہتا۔ بعض بہائم بھی ایسے ہیں جن میں کینہ کا اثر بعد کو بھی رہتا ہے۔ جیسے اونٹ، بیل، گھوڑا، لیکن آدمی اپنی عداوت کو نہیں بھولتا پھر اگر باہمی لڑائیاں برابر جاری رہیں تو شہر خراب ہو جائیں اور تمام امور معاش مختل ہو جائے۔ اس واسطے قتل اور زدوکوب کے حرام ہونے کا ان کو الہام ہوا ہے۔ قتل وغیرہ اگر تجویز کیا جائے گا تو کسی

بڑے قصاص وغیرہ کی مصلحت کی وجہ سے تجویز کیا جائے گا اور کبھی لوگوں کے دلوں میں کینہ کا جوش پیدا ہوتا ہے اور قصاص کا ان کو اندیشہ ہوتا ہے اس واسطے کھانے میں زہر ملا دیتے ہیں یا جادو سے قتل کر ڈالتے ہیں اس کا حال بھی قتل کا سا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ قتل تو برملا ہوتا ہے اس سے نجات بھی ممکن ہے لیکن اس سے بچنا مشکل اور کبھی متہم کر کے کسی صاحب حکومت کو قتل کروا دینے کی غرض سے سخن چینی کی جاتی ہے اور معاش کے طریقے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے یہی قرار دیئے ہیں کہ مباح زمین سے کوئی چیز حاصل کریں۔ اس میں مویشی چرائیں' کھیتی کریں یا زراعت وتجارت وغیرہ سے معاش پیدا کریں۔ شہر یا مذہب کا انتظام کریں۔ جو پیشے ان کے علاوہ ہیں وہ تمدن کی حالت کے مناسب ہیں۔ لیکن بعض لوگ مضر پیشے اختیار کر لیتے ہیں مثلاً چوری یا غصب ان سے شہر تباہ ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے اللہ نے لوگوں کو الہام سے ان سب مضر پیشوں کو حرام ہونا تلقین کیا ہے عام لوگوں کا ان کی حرمت پر اتفاق ہو گیا ہے گو سرکش لوگ طغیانی نفس سے ان کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لیکن انصاف پسند سلاطین کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ ان کو دور کر دیں بعض یہ سمجھ کر کہ سلاطین کو ان کے استیصال کا اہتمام ہوتا ہے۔ جھوٹے دعاوی' جھوٹی قسمیں جھوٹے گواہوں کا پیشہ کر لیتے ہیں۔ ماپ تول میں کمی کرتے ہیں' قمار بازی کرتے ہیں۔ دو چند سہ چند سود کھاتے ہیں۔ ان سب امور کا حکم بھی انہیں مضر پیشوں کا سا ہے اور خراج کی زیادہ ستانی بھی بمنزلہ رہزنی کے ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ بہرحال انہیں اسباب سے لوگوں کے دلوں میں ایسے امور کی حرمت آ گئی ہے جو لوگ زیادہ ہوشمند سلیم الرائے مصالح عامہ کے زیادہ واقف ہوتے ہیں وہ درجہ بدرجہ ہمیشہ لوگوں کو ان امور سے منع کرتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ عام رواج ہو کر اور مشہور امور کی طرف بمنزلہ بدیہیات کے ہو جاتے ہیں اور جب لوگوں میں الہامی طور پر ان کا میلان ہوتا ہے۔ اسی کا اثر ملاء اعلیٰ میں ہوتا ہے کہ یہ امور حرام اور نہایت پر مضرت ہیں اس لیے جو شخص ایسے افعال کا مرتکب ہوتا ہے تو ان کو سخت اذیت ہوتی ہے جیسے ہمارا پاؤں جب چنگاری پر پڑتا ہے تو فوراً اسی لحہ میں قوی اور اکیہ میں اس کا اثر منتقل ہو جاتا ہے۔ اور اس اذیت کے خطوط شعاعی اس عاصی کو احاطہ کر لیتے ہیں اور فرشتوں وغیرہ میں سے اصحاب استعداد کے دلوں میں پڑتا ہے کہ اس شخص کو جب ممکن ہو ایذا پہنچائیں جب وہ شخص مر جاتا ہے اور اس مصلحت میں خاموشی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پوری طرح پر جزا دیتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَا الثَّقَلٰنِ ﴾ (اے انس وجن میں تمہارے لیے قریب فارغ ہونے والا ہوں)۔ واللہ اعلم



چھٹا مبحث

مذہبی سیاستوں کے بیان میں

باب ۵۴

اس کے بیان میں کہ مذہبی رہنماؤں اور مذہب کے قائم کرنے والوں کی ضرورت ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (بے شک تو ڈرانے والا ہے اور ہر ایک قوم کے لیے کوئی نہ کوئی رہبر ہوا کرتا ہے) معلوم کرو کہ گو وہ اصول وقوانین جن سے بہیمیت کو قوت ملکی کے تابع بناتے ہیں اور وہ گناہ جو قوتِ ملکی کے بالکل مخالف ہیں عقل سلیم سے بھی معلوم کر سکتے ہیں وہ ان اصول کے فوائد اور ان گناہوں کی مضرتوں کو معلوم کر سکتے ہیں لیکن لوگ ان سے غفلت میں رہا کرتے ہیں ان کی سمجھ پر چونکہ پردے پڑے ہوئے ہیں اس لیے ان کی وجدانی قوت صفراوی آدمی کی طرح بگڑ جاتی ہے، مقصود حالتیں اور ان کی منفعتیں اور اندیشناک حالتیں اور ان کے ضرر ان کے خیال میں نہیں آتے اس لیے تمام لوگوں کو ایک ایسے واقف کی ضرورت ہے جو رہنمائی کے قوانین کو خوب جانتا ہو لوگوں کا ان قوانین سے انتظام کرے ان لوگوں کو ہدایت کر کے آمادہ کرے ان قوانین کی مخالفت رکھے۔ بعض لوگوں کی رائے ایسی فاسد ہوتی ہے ان کے مقصود بالذات وہ طریقے ہوتے ہیں جو مطلوب اصول کے مخالف ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ خود بھی گمراہی میں رہتے ہیں اور اوروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ لوگوں کی حالت جب ہی درست ہوتی ہے کہ ایسے خیالات بالکل نابود کر دیئے جائیں اور بعض لوگوں کی رائے میں کس قدر رہبری ہوتی ہے لیکن ہدایت کے صرف مختصر حصہ کو وہ معلوم کر سکتے ہیں اس لیے چند امور ان کی یاد میں رہتے ہیں اور بہت سے امور میں ان کی نظر چوکتی ہے یا ان کو خیال ہوتا ہے کہ وہ فی نفسہٖ بڑے کامل ہیں ان کو کسی مکمل کی حاجت نہیں ہے اس واسطے ان کی اصلاح کے لیے ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو ان کو جہل پر مطلع کر دے بہر حال لوگوں کو ایک ایسے واقف کی ضرورت ہے جس کو پوری واقفیت ہو لغزشوں سے وہ بالکل محفوظ ہو۔ اور جب عقل معاش اکثر لوگوں میں موجود ہے۔ تمدن کی اصلاحات اور انتظامات کو مستقل طور پر معلوم کر سکتی ہے تاہم شہر کو ایسے شخص کی ضرورت رہا کرتی ہے جو بخوبی تمدن کی مصلحتوں سے واقف ہو ان کی سیاست شائستگی سے کر سکے تو پھر جب ایسا فرقہ ہو جن کی استعدادیں نہایت درجہ مختلف ہوں اور ایسا طریقہ ہو کر اس کو دلی شہادت ہے وہ ہی لوگ قبول کر سکیں جو نہایت زیرک ہوں ان کی فطرت علائق سے صاف ہو کامل تجربہ ان کو حاصل ہو اس طریقہ کی رہبری صرف انہیں کو ہو سکتی ہے جو انسانی طبقے میں اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں اور ایسے لوگوں کا وجود شاذ و نادر ہوا کرتا ہے تو ایسی حالت میں کیونکر کامل کی حاجت نہ ہوگی اور جب آہنگری درودگری وغیرہ پیشے عام لوگوں سے بغیر ان اصول کے جو ان کے بزرگوں سے اور رہنما استادوں سے برابر نقل ہوتے چلے آتے ہیں وہ ان سے لوگوں کو آمادہ کرتے رہتے ہیں۔ پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتے تو ان عمدہ مطالب کی رہنمائی

جن کے سمجھنے کی خاص لوگوں کو ہی توفیق ہوتی ہے اور خالص طبیعت سے لوگوں ہی کو وہ مرغوب ہوتے ہیں کیسے ہوسکتی ہے۔ ایسے عالم کو ضرور ہے کہ لوگوں کو برملا علیٰ رؤس الاشہاد ثابت کردے کہ وہ رہنما طریقہ کا عالم ہے اپنے اقوال میں خطا اور گمراہی سے معصوم اور محفوظ ہے۔ اور یہ بھی ضرور ہے کہ وہ اصلاح کے ایک حصہ کو اختیار کرے اور دوسرے ضروری حصہ کو ترک کردے اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں: ❶ یہ کہ یہ کسی ایسے پہلے بزرگ کے کلام کو نقل کردے جس پر سلسلہ کلام کا ختم ہوتا ہے اور لوگ اس کے کمال اور معصومیت کے بالاتفاق معتقد ہوتے ہیں ان لوگوں میں اس کی روائتیں محفوظ ہوتی ہیں وہ انہیں کے اعتقادات کے موافق لوگوں سے مؤاخذہ کرتا ہے اور انہیں کی دلیل پیش کرکے ان کو ساکت کردیتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ گفتگو کا خاتمہ اس شخص پر ہوتا ہے جس پر سب لوگوں کا اتفاق ہوا کرتا ہے بہرحال لوگوں کو ایسے شخص کی بڑی ضرورت ہے جو معصوم ہو اور اس کی عصمت پر سب کا اجماع ہو۔ ایسا آدمی خواہ ان میں موجود ہو یا اس کے اقوال ان کے ذہنوں میں محفوظ ہوں ایسے معصوم کا لوگوں کے مطیع ہونے کی حالت ان قوانین کو جو اس حالت سے پیدا ہوتے ہیں اس کے منافع کو معلوم کرنا گناہوں اور گناہوں کے مضر اثروں پر اطلاع کسی دلیل کے ذریعہ سے یا عقل سے یا بذریعہ حس کے نہیں ہوسکتی بلکہ ان کا انکشاف صرف وجدان سے ہوا کرتا ہے۔ جیسے گرسنگی اور تشنگی اور دواحار یا بارد کی تاثیر صرف وجدان سے ہی معلوم ہوتی ہے ایسے ہی روح کے مناسب اور مخالف امور کی شناخت صرف ذوق سلیم سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ بدیہی طور پر اس کی ذات میں علم پیدا کرتا ہے کہ وہ خطا سے محفوظ رہے اور تمام وہ چیزیں جن کا اس نے ادراک کیا ہے بالکل حق اور واقع کے مطابق ہیں جیسے کہ دیکھنے والے کو دیکھتے ہی معلوم ہوجایا کرتا ہے اس کو کچھ احتمال نہیں ہوتا کہ میری بینائی میں کچھ فرق ہے یا خلاف واقع میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں اور جیسے زبان کے موضوع الفاظ کا علم ہوتا ہے مثلاً عربی دان کو اس میں شک نہیں ہوتا کہ ماء (پانی) اس عنصر کے لیے موضوع ہے اور ارض (زمین) کا لفظ اس عنصر کے لیے موضوع ہے حالانکہ اس علم کی نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ اس لفظ اور معنی میں کوئی لزوم عقلی ہے تاہم اللہ ان امور کا بدیہی علم طبیعتوں میں پیدا کرتا ہے اکثر لوگوں کو ان وجدانی علوم کی صداقت اپنے فطری وجدان سے ہوجاتی ہے۔ وہ ہمیشہ ٹھیک قوانین کو اپنے علم وجدانی سے معلوم کرلیتے ہیں۔ پے بہ پے وجدانی علم ان کو حاصل ہوتا رہتا ہے اور اپنے وجدان کی صداقت کا ان کو ہمیشہ تجربہ ہوتا رہتا ہے اور ایسے لوگوں کے علاوہ اوروں کو یقینی یا مشہور دلائل سے خوب ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ شخص جن امور کی طرف ہم کو بلاتا ہے وہ سب حق ہیں۔ اس شخص کے چال چلن ایسے عمدہ ہوتے ہیں کہ کذب کا احتمال نہیں ہوسکتا اور نیز لوگ اس کی ذات میں تقرب کے آثار دیکھتے ہیں معجزات اس سے صادر ہوتے ہیں اس کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ یقین ہوجاتا ہے کہ سماوی تدابیر میں اس کا درجہ بلند ہے اس کا نفس مقدس ہے اس کو ملائکہ سے اتصال ہے ایسا شخص اسی قابل ہے کہ اللہ کی طرف جھوٹی بات کو منسوب نہ کرے اور گناہ کو عمل میں نہ لائے اس کے بعد اس شخص سے ایسے ایسے امور ظاہر ہوتے رہتے ہیں جن سے لوگوں کے دل میں نہایت ہی الفت پیدا ہوتی ہے ان کی وجہ سے وہ لوگوں کو مال اور اولاد سے زیادہ عزیز ہوجاتا ہے۔ تشنہ آدمی کو آب زلال کی ایسی رغبت نہیں ہوتی جیسی لوگوں کو اس سے رغبت ہوتی ہے بغیر ایسے شخص کے کسی فرقہ اور قوم میں حالت مقصودہ کا رنگ نہیں چڑھ سکتا ہے۔ اسی وجہ سے لوگ اس قسم کی عبادت میں مصروف رہا کرتے ہیں اور اپنے تمام امور کی ایسے شخص کی طرف نسبت کرتے ہیں جس میں ایسے امور کے ہونے کا اعتقاد ہوا کرتا ہے خواہ وہ اعتقاد ان کے صحیح ہوں یا غلط۔ واللہ اعلم

باب ۵۵

حقيقة النبوة وخواصها

نبوت کی حقیقت اوراس کے خواص کے بیان میں

معلوم کروکہ انسانی طبقوں میں سب سے اعلیٰ درجہ کے لوگ مفہمین ہیں یہ لوگ اہل اصلاح ہوتے ہیں ان کی ملکی قوت نہایت بلند ہوتی ہے ان لوگوں سے یہ ہوسکتا ہے کہ حقانی خواہش سے کوئی انتظام مقصود قائم کریں ملاء اعلیٰ کی جانب سے ان پر علوم اورالٰہی حالات وارد ہوتے ہیں مفہمین کی سیرت میں یہ امور داخل ہوتے ہیں ان کے مزاج اور خلقت اور خلق میں اعتدال اور تناسب ہوتا ہے ان میں جزئی رایوں کی وجہ سے بے تابی نہیں ہوتی اور نہ ایسے پرلے درجہ کی ذکاوت ہوتی ہے کہ کلی سے جزئی کو اور روح سے صورت کو معلوم کرسکیں۔ نہ ایسی عبادت ہوتی ہے کہ جزئی سے کلی کی طرف اور صورت سے روح کی جانب منتقل نہ ہوسکیں۔ سب لوگوں سے زیادہ وہ جادۂ راست کا پابند ہوتا ہے عبادت میں اس کی نہایت پسندیدہ شان ہوتی ہے لوگوں کے معاملات میں انصاف پسند ہوتا ہے۔ تدابیر کلی کو ہمیشہ پسند کرتا ہے منفعت عام کا ہمیشہ راغب رہتا ہے کسی کو بالطبع ایذا نہیں دیتا ہاں اگر تکلیف اور ایذا پر عام نفع موقوف ہو یا نفع عام کو ایذاء لازم ہو تو البتہ اس سے ایذا پہنچ سکتی ہے عالم غیب کی جانب ہمیشہ اس کا میلان رہتا ہے اثر اس کی گفتگو میں اس کے چہرہ میں اور اس کی تمام حالتوں میں محسوس ہوتے رہتے ہیں اس کے ہر ایک پہلو سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم غیب سے اس کو تائید پہنچتی ہے۔ ادنیٰ ریاضت سے اس کو ایسا قرب اور تسکین حاصل ہوتی ہے جو اور کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی۔ مفہمیں کی قسمیں اور استعدادیں مختلف ہوا کرتی ہیں جس کی اکثر یہ حالت ہو کہ اللہ کی جانب سے ان علوم کو اخذ کرتا رہے جن سے عبادتوں کے ذریعہ سے نفس میں تہذیب پیدا ہوتی ہے اس کو کامل کہتے ہیں اور جو اکثر اخلاق کامل اور تدبیر منزل کے علوم کو اخذ کرے اس کو حکیم کہتے ہیں اور اکثر انتظامات کلی کو حاصل کر کے لوگوں میں عدل اور انصاف قائم کرے اور ان سے اوروں کی جور و تعدی کو دفع کرے۔ اس کا نام خلیفہ ہے اور جس کو ملاء اعلیٰ کی حضوری ہو یہ فرشتے اس کو تعلیم دیں۔ اس سے خطاب کریں۔ اس کو وہ آنکھوں سے نظر آئیں اور مختلف قسم کی کرامتیں اس سے ظاہر ہوں اس کا نام مؤید بروح القدس ہے اور جس کی زبان اور دل پرنور ہوں لوگوں کو وہ اپنی صحبت اور مواعظ سے نفع پہنچائے اور پھر وہی تسلی اور نور اس کے خاص صحابہ اور حوارئین میں منتقل ہو وہ اس کی برکت سے کمالی درجات تک پہنچ جائیں اس کو ان کی ہدایت اور رہبری کی نہایت ہی حرص ہو اس کو ہادی مزکی کہتے ہیں اور جس کا بڑا حصہ علمی مذہب کے قواعد اور مصالح ہوں۔ وہ اس کا زیادہ مشتاق ہو کہ ان علوم کو قائم کرے جو محو ہو گئے ہیں۔ اس کو امام کہتے ہیں اور جس کے دل میں القا کیا گیا ہو کہ لوگوں کو ان مصائب اور صدقات کا حال بتادے۔ جو دنیا میں ان کے لیے مقدر ہوں یا کسی قوم کے ملعون اور مردود ہونے کو معلوم کر کے ان کو اس کی اطلاع دے یا بعض اوقات تجرید نفس کی حالت میں ان واقعات کو اس نے معلوم کیا جو قبر اور حشر میں لوگوں کو پیش

آنے والے ہیں اور یہ اس قسم کے حالات ان کو بتائے اس کو منذر کہتے ہیں۔ جب حکمتِ الٰہی کا اقتضاء ہوتا ہے کہ کسی مفہم کو لوگوں کی طرف بھیجے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے باعث سے لوگوں کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکالتا ہے بندوں پر اللہ کا فرض ہوتا ہے کہ اپنی زبانوں اور دلوں سے اس کے آگے سر بہ تسلیم ہوں ملاء اعلیٰ کو اس کی تاکید ہوتی ہے کہ اس کے فرمان پذیروں سے خوشنود ہو کر ان کے شریک رہیں اور مخالفوں سے ناخوش ہو کر ان سے علیحدگی کریں اللہ لوگوں کو اس کی اطلاع کرتا ہے ان پر اس کی اطاعت واجب کرتا ہے ایسا شخص نبی ہوتا ہے اور تمام انبیاء سے سب سے زیادہ عزوشان والا وہ ہی ہے۔ جس میں ایک اور ہی قسم کی بعثت ہوتی ہے اس کی نسبت مرادِ الٰہی یہ ہوتی ہے کہ لوگ زندگی کی تیرگیوں سے نکل کر نورانیت اپنے اندر پیدا کر لیں اور اس کی قوم عام لوگوں کے لیے رہبر بنے اسی طرح پر گویا اس نبی کی بعثت میں ایک دوسری قسم کی بعثت ہوا کرتی ہے پہلی حالت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: ﴿**هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ.. الخ**﴾ (اللہ ہی نے ان پڑھوں میں ان میں سے ایک نبی بھیجا) اور دوسری حالت کی طرف اللہ کے قول: ﴿**كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ**﴾ میں اشارہ ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **فانما بعثتم میسرین ولم تبعثو معسرین** .(تم لوگوں میں آسانیاں بڑھانے کو پیدا ہوئے ہو نہ دشواریاں بڑھانے کو) ہمارے پیغمبر ﷺ میں مفہمین کے تمام کمالات بالاستیعاب جمع تھے اور دونوں نعمتوں میں سے کامل حصہ آپ کو حاصل تھا اور جو انبیاء علیہم السلام جو آپؐ سے پیشتر گزرے تھے ان کو نبوت میں صرف ایک یا دو فن حاصل تھے اور معلوم کرنا چاہیے کہ حکمتِ الٰہیہ کی بعثت کی اس لیے مقتضی ہوا کرتی ہے کہ لوگوں کی اضافی اور قابل اعتبار بہتری تدابیر بعثت میں ہی منحصر ہوا کرتی ہے۔ اور اس بہتری کی اصلی حقیقت کا علم کو صرف علام الغیوب کو ہی ہوتا ہے لیکن اتنا ہم بھی یقیناً جانتے ہیں کہ ضرور انبیاء کے مبعوث کرنے کے لیے ایسے ایسے اسباب ہوا کرتے ہیں۔ جو بعثت سے تخلف نہیں کیا کرتے۔ انبیاء کی پیروی لوگوں پر اسی لیے فرض کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ کسی قوم کی درستی اور خوبی اس میں ہی ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کریں اور اس کی عبادت کریں لیکن ان کے نفوس اس قابل نہیں ہوا کرتے کہ وہ خود علوم الٰہی کو اخذ کریں ان کے حال کی درستی اس میں ہوتی ہے کہ وہ نبی کا اتباع کریں۔ اس لیے اللہ خطیرۃ القدس میں مقرر فرماتا ہے کہ نبی کا اتباع واجب ہے وہاں اس امر کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اس کے مختلف طریقے ہیں کبھی تو بعثت کا وقت خاص دولت اور قوت کے غلبہ کا اور دیگر طاقتوں کے سرنگوں کرنے کا زمانہ ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی بعثت کرتا ہے جو اس دولت اور طاقت والوں کے دین کو درست کر دے۔ جیسے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت۔ یا اللہ تعالیٰ مقدر کرتا ہے کہ کسی قوم کو باقی رکھے اور لوگوں پر ان کو برگزیدہ کرے۔ اس لیے ایسے شخص کو مبعوث کرتا ہے جو ان کی کجی کو رفع کر دے اور ان کو کتاب الٰہی کی تعلیم دے۔ جیسے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت یا ان امور کا نظم ونسق ہوتا ہے جو کسی قوم کے واسطے مقدر ہوتے ہیں کہ ان کی دولت یا مذہب جس کی کسی مجدد کے ذریعہ سے اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے باقی رکھی جائیں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان اور انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کی ایک جماعت کی یہی حالت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام انبیاء علیہم السلام کے لیے دشمنوں پر ظفر مندی کو مقدر کیا تھا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿**وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ**﴾ (اے پیغمبر بندوں کے لیے ہمارا قول پہلے ہی طے ہو چکا تھا کہ وہ ہمیشہ فتح مند رہیں گے اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر

رہے گا) ان انبیاء کے علاوہ ایسے لوگ بھی ہوا کرتے ہیں جو اتمام حجت کے لیے پیدا کیے جاتے ہیں۔ واللہ اعلم

اور جب کوئی نبی مبعوث ہو تو ان لوگوں پر جن کی جانب وہ مبعوث ہوا ہے فرض ہے کہ گو وہ راہ راست پر ہی کیوں نہ ہوں لیکن اس نبی کا سب اتباع کریں۔ اس لیے کہ ایسے بلند رتبہ شخص سے سرتابی سے ملاء اعلیٰ کی لعنت اور ذلت ورسوائی پیدا ہوا کرتی ہے نبی کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ کے حضور میں تقرب خود حاصل نہیں ہوسکتا۔ ایسی سرکشی کی حالت میں ان کی تمام کوششیں رائیگاں ہو جایا کرتی ہیں ان کے مرنے کے بعد چاروں طرف سے ان کے دلوں کو لعنت گھیر لیتی ہے: **علی ان هذا صورة مفروضة غير واقعه**. (تم کو یہود کی حالت سے عبرت حاصل کرنی چاہیے انہوں نے دین میں کیسی کیسی زیادتیاں اور کتاب الٰہی میں کیسی تحریف کی تھی اس لیے سب لوگوں سے زیادہ ان کے لیے پیغمبر کی بعثت کی ضرورت تھی اور پیغمبروں کے بھیجنے سے اللہ کی حجت لوگوں کے مقابلے میں اس لیے ثابت ہوتی ہے کہ اکثر لوگوں کی پیدائش اس قابل نہیں ہوا کرتی کہ وہ بلاواسطہ مفید اور مضر امور کو حاصل کرسکیں بلکہ ان کی استعداد ضعیف ہوتی ہے۔ انبیاء کے بتانے اور خبر دینے سے اس کو قوت پہنچتی ہے اور نیز ایسے ایسے خراب اور فاسد امور جمع ہو جاتے ہیں کہ بغیر جبر اور دلیل کے دفع نہیں ہو سکتے لوگ اس قابل ہو جاتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں ان کے اعمال کی باز پرس کی جائے تب بعض اسباب علوی اور سفلی کے جمع ہونے کے بعد لطف خداوندی کا اقتضا ہوتا ہے کہ کسی قوم میں سے نہایت ذکی شخص پر وحی کرے کہ لوگوں کو حق کی جانب رہنمائی کرے اور راہ راست کی جانب ان کو بلائے۔ اس لیے نبی کا حال رہبری کے بارہ میں ایسا ہوتا ہے جیسے کسی مالک کے غلام بیمار ہو جائیں اور وہ مالک اپنے خواص میں سے کسی کو حکم دے کہ ان کو دوا پلاؤ خواہ وہ خوشی سے پئیں یا ناگواری اور خوشی سے اس وقت میں اگر یہ شخص ان کو دوا پینے پر مجبور بھی کرے گا تاہم حق پر ہوگا لیکن پوری مہربانی اس کی مقتضی ہے کہ اولاً ان کو بتادے کہ تم بیمار ہو اور یہ دوا تم کو نفع دے گی اور ان کے سامنے خلافِ عادت و معمول ایسے افعال بھی ظاہر کرے جن سے ان کے دلوں میں بخوبی بیٹھ جائے کہ وہ اپنے اقوال میں بالکل سچا ہے اور نیز اس کو مناسب ہے کہ اس دوا میں کوئی شیریں جز بھی ملادے ان امور کے بعد وہ اس کے احکام کی بجا آوری اپنی بصیرت اور رغبت سے کریں گے۔ اسی وجہ سے معجزات اور قبولیت دعا وغیرہ اصل نبوت سے محض خارج اور علیحدہ ہیں ہاں اکثر حالتوں میں لازم ضرور ہوا کرتے ہیں اور بڑے بڑے معجزات کا ظہور اکثر تین اسباب سے ہوا کرتا ہے۔ ❶ کوئی نبی مفہمین کے رتبہ کا ہوتا ہے اس وجہ سے بعض بعض حوادث اس کو ظاہر ہو جایا کرتے ہیں اور یہ ظہور دعاؤں کی قبولیت اور ان امور میں موجب برکات ہو جاتا ہے جس کے لیے برکت کی دعا کی جاتی ہے اور جس کے لیے برکت کی دعا کی جاتی ہے اور برکت کے ہونے کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ کبھی کسی شئے کا نفع زیادہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً اعداء کے خیال میں لشکر کی کثرت متمثل ہوتی ہے اس لیے وہ بزدل ہو جاتے ہیں یا طبیعت غذا کو خلط صالح بنا دیتی ہے اس سے ایسا اثر ہوتا ہے گویا اس غذا سے دو چند زیادہ تناول کی ہے اور کبھی خود اصل شئے ہی بڑھ جاتی ہے اس طرح پر کہ کسی صورت کے مادہ ہوائی میں کوئی قوت مثالی حلول کرتی ہے اور اس کو بدل دیتی ہے ان اسباب کے علاوہ اور بھی اسباب ظہور برکات کے ہوتے ہیں جن کا شمار کرنا دشوار ہے۔ ❷ سبب ظہور معجزات کا یہ ہوتا ہے کہ ملاء اعلیٰ متفق ہو کر نبی کے احکام جاری کرنا چاہتے ہیں اس وجہ سے الہامات اور انتقالات اور تقریبات پیش آتے ہیں جو پہلی حالت کی نسبت محض غیر معمولی ہوتے ہیں اس لیے نبی کے احباب ظفر مند اور اعدا خوار وخراب ہوتے ہیں اور حکم

الٰہی کا ظہور ہوتا ہے: وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ. ❸ تیسرا سبب معجزات کا یہ ہوتا ہے کہ اسباب خارجی کی وجہ سے بہت سے حوادث نئے نئے پیدا ہوتے ہیں نافرمانوں کو سزا دی جاتی ہے اور عالم وجود میں بڑے بڑے امور کا احداث ہوتا ہے یہی امور کسی نہ کسی وجہ سے معجزات ہو جاتے ہیں۔ نبی یا پہلے سے ان پر لوگوں کو مطلع کر دیتا ہے یا اس کی نافرمانی پر لوگوں کی سزا مرتب ہوا کرتی ہے یا جو طریقہ سزا کا نبی نے بتا دیا تھا وہ حوادث اسی کے موافق ہوتے ہیں۔ یا ایسے ہی اور امور ہوا کرتے ہیں انبیاء کے معصوم ہونے کے بھی تین اسباب ہوا کرتے ہیں: ① یہ کہ تمام رذیل خواہشوں اور رغبتوں سے کسی انسان کی فطرت نہایت خالص اور صاف پیدا کی جاتی ہے خاصۂ ان امور کی نسبت جو حدود شرعی کی حفاظت اور پاسبانی سے متعلق ہوا کرتے ہیں: ② یہ کہ اس کو اچھے کام کی خوبی اور برے کام کی برائی اور دونوں کا انجام وحی الٰہی سے معلوم ہو جایا کرتا ہے: ③ یہ کہ اس شخص کے اور ان رذیل خواہشوں کے مابین اللہ حائل ہو جاتا ہے۔

معلوم کرو کہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت میں سے یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات اور صفات میں غور اور فکر کرنے کا حکم کریں عام لوگ ایسے ایسے خوضوں کی طاقت نہیں رکھا کرتے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **تفکروا فی خلق اللہ ولا تفکروا فی اللہ**. (خدا کی ذات میں غور مت کرو بلکہ اس کی مخلوق میں غور کرو) اور **اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى**. (تیرے رب کی طرف نہایت ہے) میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پروردگار کی ذات میں غور کا موقع نہیں ہے۔ انبیاء ہمیشہ یہی ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کی بزرگ قدرت میں لوگ غور کیا کریں نیز انبیاء علیہم السلام کی سیرت میں سے یہ امر ہوتا ہے کہ لوگوں سے ایسی ہی گفتگو کیا کرتے ہیں جو ان کے عقلی اندازہ کے مناسب اور ان کے علوم کے موافق ہو جو ان کے اندر پیدائشی طور پر پائے جاتے ہیں اس لیے کہ نوع انسانی کا کہیں وجود ہو۔ اس کو جبلی طور پر ایک خاص ادراک عطا کیا گیا ہے جس کا مرتبہ تمام حیوانی ادراک سے زیادہ ہے ہاں اس کا اصلی مادہ ہے اگر عاصی ہو اور اس قسم کے انسانی ادراک کے قابل نہ ہو تو اور بات ہے ورنہ انسانی ادراک میں سب افراد نوعی شریک ہوتے ہیں اور اس ادراک کے علاوہ انسان کے لیے اور زائد علوم سے حصہ دیا جاتا ہے کہ وہ اس میں معمولی عادت کے خلاف حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ انبیاء اور اولیاء کے قدسی نفوس کی حالت ہوا کرتی ہے اور کبھی انسان کو نہایت پر مشقت ریاضتوں کے استعمال سے بعض ایسے علوم حاصل ہوتے ہیں جو اس کو ایسے بلند ادراکات کے لیے تیار کرتے ہیں جن کا اندازہ اس کے وہم و خیال میں بھی نہیں ہوتا اور کبھی مدت دراز تک علوم حکمیہ کی اور علم کلام اور اصول فقہ وغیرہ کی مشق اور محنت سے علوم کا اضافہ ہو جایا کرتا ہے۔ لیکن انبیاء کی گفتگو صرف اسی سادہ ادراک کے طریقہ کے موافق ہوا کرتی ہے جو بلحاظ اس کی پیدائش کے ان کی طبائع میں موجود ہوا کرتا ہے ان علوم کی طرف جن کا وجود شاذ و نادر اسباب سے ہوا کرتا ہے اور محض اتفاقی ہوتا۔ ان کو کچھ التفات نظر نہیں ہوتا۔ اسی واسطے انبیاء لوگوں کو اس پر مجبور نہیں کرتے کہ وہ اللہ کو تجلیات اور مشاہدات کے ذریعہ سے یا دلائل اور قیاسات سے معلوم کریں یا وہ اللہ کو تمام جہتوں سے منزہ خیال کریں اس لیے کہ اس طرح پر معلوم کرنا ان لوگوں کے لیے گویا محال ہے کہ جن کو ریاضتوں کے اشغال نصیب نہیں ہوتے انہوں نے مدت دراز تک معقولیوں سے میل جول نہیں رکھا ہے استنباط اور استدلال اور استحسانات کے طریقوں کی جانب اس کو رہبری نہیں کی گئی ہے ان مقدمات کے ذریعہ سے جن کے ماخذ پر دقت ہیں باہم مشابہ چیزوں سے ان کو فرق کرنے کی تعلیم نہ دی گئی ہو۔ ان کو وہ علمی دقتیں نہ آتی ہوں جن کی وجہ سے اصحاب الرائے اہل حدیث پر ناز کیا کرتے ہیں اور نیز

انبیاء کی سیرت میں یہ امر بھی داخل ہے کہ وہ ان امور کی جانب توجہ نہیں کیا کرتے جو تہذیب نفس سیاست امت سے تعلق نہ رکھتے ہوں وہ ان اسباب کو بیان نہیں کرتے جو عالم جو میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً مینہ اور کسوف اور ہالہ کی کیفیت عالم نبات اور حیوان کی عجائبات یا آفتاب و چاند کی رفتار کا اندازہ روزمرہ حوادث کے اسباب انبیاء سلاطین یا شہروں وغیرہ کے حالات اور قصے البتہ کبھی کبھی اللہ کے انعامات اور انتقامات بیان کرنے کے لیے چند لفظوں میں امور بالا کا ذکر بھی بطور تبعیت آ جایا کرتا ہے وہ بھی محض اجمالی صورت میں کسی استعارات اور مجازات کے پردہ میں آ جایا کرتا ہے جس سے لوگوں کو انست ہوتی ہے ان کی عقلیں اس کو قبول کر سکتی ہیں اسی بنا پر جب آنحضرت ﷺ سے چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کا سبب دریافت کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے اعراض فرما کر صرف مہینوں کے فائدے بیان کر دیئے اور فرمادیا: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ. (تجھ سے لوگ ہلالوں کا حال دریافت کرتے ہیں کہہ دو ان سے لوگوں کا اور حج کا وقت معلوم ہوتا ہے) اکثر لوگوں کو تم دیکھو گے کہ ان فنونِ رسمی کی الفت سے یا اور وجوہ سے ان کے ذوق خراب ہو گئے ہوں اس لیے وہ پیغمبر کے کلام کے بے موقعہ معنی لگا لیتے ہیں۔ واللہ اعلم

باب ۵۶

اس کے بیان میں کہ مذہب کی اصل ایک ہی ہے اس کے طریقے اور راستے مختلف ہوا کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾

''اللہ نے دین کا تم کو وہی راستہ بتایا ہے جس کی نوح کو وصیت کی تھی اور جو وحی ہم نے تجھ پر نازل کی۔ ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی اسی کی وصیت کی تھی وہ یہی بات تھی کہ دین حق کو ٹھیک رکھیو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالیو''۔

مجاہد کا قول ہے کہ اے محمد ﷺ ہم نے تجھ کو اور نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴾

''تم سب کی امت ایک ہی ہے میں ہی تمہارا رب ہوں اس سے ڈرتے رہو پھر پھوٹ کر اپنے کام کو انہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اپنی اپنی باتوں پر ہر ایک فریق خوش ہوا کرتا ہے' یعنی تمہارا دین اسلام ہے اس لیے مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے الگ رہو''۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ (ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک طریق اور راستہ مقرر کر دیا) حضرت ابن عباسؓ نے اس کے معنی یہی کیے ہیں یعنی راستہ اور طریقہ اور نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا

مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ﴾ (یعنی ہر ایک امت کے لیے ایک شریعت بنادی ہے جس پر ان کا عمل ہے۔ معلوم کرو کہ دین کی اصل ایک ہی شئے ہے تمام انبیاء اس پر متفق ہیں اگر اختلاف ہے تو اس کے طریقوں میں ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ عبادت اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ہے جو امور کو اس کی بارگاہ قدس کے مناسب نہیں ہیں اس سے اللہ کو منزہ سمجھیں اس کے ناموں میں الحاد کو حرام سمجھیں اور بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کی نہایت درجہ تعظیم کریں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو اپنی ذاتوں اور دلوں کو اللہ کے حوالے کر دیں۔ اللہ کے شعائر کے ذریعہ سے قرب خداوندی حاصل کریں اور یہ بھی جاننا چاہیے کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اللہ نے حوادث کو مقدر کر دیا تھا اور فرشتے اللہ کے بندے ہیں وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے جو ان کو حکم ملتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی کتاب نازل فرماتا ہے اپنی اطاعت کو بندوں پر فرض کر دیتا ہے اور قیامت کا ہونا حق ہے بعد مرنے کے جی اٹھنا حق ہے۔ جنت و دوزخ حق ہیں علیٰ ہذا۔ تمام انبیاء نیکی کے تمام اقسام طہارۃ' نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج' نوافل' طاعت' دعا' ذکر' کتابِ الٰہی کی تلاوت کے ذریعہ سے اللہ کے حضور میں تقرب حاصل کرنے پر سب متفق ہیں۔ نکاح اور زنا کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے۔ سب کے نزدیک لوگوں میں انصاف قائم کرنا چاہیے اور ظلم کی صورتوں کو سب حرام بتاتے ہیں نافرمانوں پر حدود سب مقرر کرتے ہیں دشمنانِ الٰہی سے جہاد اور احکام الٰہی اور دین اللہ کی اشاعت میں نہایت درجہ کوشش کرتے ہیں یہ امور دین کی بیخ و بنیاد ہیں۔ قرآن پاک میں ان امور کے قرار پانے کی وجہ نہیں بیان کی ہے الا ماشاء اللہ اس لیے کہ ان لوگوں کے نزدیک جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے یہ سب امور مسلم تھے۔ اختلاف اگر ہے تو ان امور کی شکلوں اور صورتوں میں ہے اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں نماز کے وقت بیت المقدس کی جانب رُخ کرنا پڑتا تھا اور ہمارے پیغمبر ﷺ کی شریعت میں قبلہ رُخ کھڑا ہونا چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں زانی کے لیے رجم (سنگساری) سزا تھی۔ اور ہماری شریعت میں محصن رجم ہے اور دوسرے کے تازیانہ مارنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں صرف قصاص کا حکم تھا۔ اور ہماری شریعت میں قصاص کے ساتھ دیت بھی ہے اور ایسے ہی طاعتوں کے اوقات اور ان کے آداب اور ارکان میں بھی اختلاف کا حال سمجھ لو۔ بہر حال نیکی اور تدابیر نافع کی جو خاص خاص صورتیں مقرر کی گئی ہیں ان کا نام شریعت اور منہاج' اور یہ بھی معلوم کر لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جن عبادتوں کا عام مذاہب میں حکم فرمایا ہے وہ انہیں اعمال کا نام ہیں جو نفس کی حالتوں اور ہیئتوں سے پیدا ہوتے ہیں معاد میں انہیں اعمال کا نفسوں پر اچھا یا برا اثر پڑتا ہے انہیں اعمال کی وجہ سے نفسوں میں انشراح پیدا ہوا کرتا ہے یہ اعمال نفسانی حالتوں کی پیکر اور ان کے عکس کی صورتیں ہوا کرتی ہیں یہی نفسانی ہیئتیں اعمال کے لیے میزان اور بالکل مدار علیہ ہوتی ہیں۔ جو اس امر کو معلوم نہ کرے گا اس کو اعمال کے کرنے میں کچھ بصیرت حاصل نہ ہوگی اور اکثر ان اعمال پر اکتفا کرے گا جو محض ناکافی ہوں گے بغیر قراءۃ اور دعا کے ہی نماز پڑھ لیا کرے گا۔ اس لیے نماز کچھ مفید نہ ہوگی اس لیے دین میں ایک ایسے کامل شناسا کی سیاست کی ضرورت ہے جو خفی اور مشتبہ امور کو صاف صاف قرائن اور نشانات سے منضبط کر دے ان کو بمنزلہ امر محسوس کے قرار دے جس کو تمام ادنیٰ اور اعلیٰ قسم کے لوگ تمیز کر سکیں لوگوں پر اعمال سمجھنے میں کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے وہ اس بدیہی اور محسوس امر کا لوگوں سے مطالبہ کر سکیں اور اللہ کی دلیل قائم کر کے اپنی قدرت سے اس کام پر دار و گیر کر سکیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض امور میں گناہ ہوتا ہے۔ لیکن وہ ان چیزوں کے ہر گز معلوم

ہوتے ہیں جن میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے جیسے مشرکین نے کہا تھا: اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰو (بیع اور ربوٰ یکساں ہیں) ایسا اشتباہ یا علم کی کوتاہی سے ہوتا ہے یا دنیوی غرض سے جو آدمی کی بصیرت کو فاسد کر دیتی ہے اسی لیے ضرورت پڑتی ہے کہ ایسے نشانات قرار دیئے جائیں جن کی وجہ سے گناہ غیر گناہ سے ممیز ہو سکے اور اگر عبادت کے لیے اوقات معین نہ کیے جائیں تو بعض لوگ تھوڑے ہی سے نماز' روزہ کو زیادہ خیال کریں جو کہ بالکل رائیگاں اور غیر مفید ہے اور اگر کوئی شخص ان کی پابندی سے آزاد رہنا چاہے اور اس کی ترک کے حیلے کرے تو اس کی گوشمالی ممکن نہ ہو۔ اور اگر لوگوں کے لیے عبادتوں کے ارکان اور شروط معین نہ ہوں تو وہ بے بصیرتی سے ہاتھ پاؤں مارتے رہیں۔ اور اگر حدود مقرر نہ ہوں تو سرکش لوگ کسی طرح پر باز نہیں آ سکتے۔ بہر حال تمام لوگوں کے حق میں احکام الٰہیہ کی تکلیف جب ہی مکمل ہوتی ہے کہ ان کے لیے اوقات' ارکان' شروط' سزائیں' احکام کلیہ وغیرہ قرار دیئے جائیں۔ اگر تجھ کو منظور ہے کہ شریعت قرار دینے کی میزان معلوم کرے تو تجھ کو ایک طبیب حاذق کی حالت میں غور کرنا چاہیے جب وہ بیماروں کی درستی میں نہایت درجہ کوشش کرتا ہے ان کو ایسے امور پر مجبور کرتا ہے جن سے وہ واقف نہیں ہوا کرتے وہ طبیب ان کو ایسے امور کے کرنے کا ارشاد کرتا ہے جن کی باریکیاں ان کے علم وفہم سے برتر ہوا کرتی ہیں وہ محسوس موقعوں کو مخفی امور کے قائم مقام قرار دیتا ہے چہرہ کی سرخی مسوڑوں سے خون جاری ہونے کو غلبہ خون کی علامت قرار دیتا ہے۔ مرض کی قوت' مریض کی عمر اور شہر اور موسم کی حالت میں غور کرتا ہے۔ دوا کی قوت اور علاج کے تمام متعلقات میں غور کرتا ہے دوا کی مقدار خاص کا اندازہ کرتا ہے۔ اور مریض کی حالت کے مناسب اس کو سمجھ کر مریض کو اس کے استعمال کا حکم دیتا ہے کبھی علامت بجائے سبب مرض کے قرار دے کر اور دوا کی خاص مقدار کو جس کو اپنی فطانت سے وہ مرض کے ازالہ یا اس مادہ کی ہیئت فاسد کے بدل دینے کے قائم مقام جان کر قواعد کلیہ مرتب کر لیا کرتا ہے مثلاً وہ کہتا ہے کہ جس شخص کا چہرہ سرخ ہو اس کے مسوڑھوں سے خون نکلتا ہے ہو اس کو طبی احکام کے لحاظ سے نہار منہ شربت عناب یا ماء العسل پینا چاہیے جو ایسا نہ کرے گا وہ اپنے آپ کو ہلاکی کے قریب کرے گا یا وہ کہتا ہے کہ جو شخص فلاں معجون اس قدر تناول کرے گا اس سے فلاں مرض زائل ہو جائے گا۔ یا فلاں مرض سے وہ محفوظ رہے گا۔ اس قسم کے کلیات طب سے اخذ کیے جاتے ہیں ان پر عملدر آمد کیا جاتا ہے اس طرح پر اللہ تعالیٰ بڑے بڑے نفع پیدا کرتا رہتا ہے یا اس کے سمجھنے کو حکیم بادشاہ کی حالت میں غور کرنا چاہیے جو اصلاحات ملکی اور انتظامات لشکر کا نگران رہتا ہے وہ زمینوں کی حالت' ان کی سرسبزی' کاشتکاروں کی کیفیت' ان کی محنت و جانفشانی کا محافظین اور ان کے کافی ہونے کی حالت کا' بخوبی اندازہ کر کے وہ ایک اور لگان مقرر کرتا ہے۔ وہ بدیہی صورتوں اور قرائن کو کیسے ان اخلاق اور ملکات کے قائم مقام قرار دیتا ہے جن کا ہونا معاونین ملک میں ضروری ہوا کرتا ہے اسی قانون سے وہ ان سے باز پرس کیا کرتا ہے۔ وہ بادشاہ تمام ملکی ضرورتوں پر نظر ڈالتا ہے جو ملک کے لیے کافی ہو سکیں معاونین کی تعداد کا لحاظ کر کے اس طرح پر ان کو ملک میں تقسیم کرتا ہے جن سے کار براری ہو جائے اور لوگوں پر تنگی اور ادبار کا باعث نہ ہو علیٰ ہذا تم کو لڑکوں کے معلم کی حالت دیکھنی چاہیے وہ لڑکوں کی حالت کا کیسا تعلیمی منتظم ہوتا ہے اور غلاموں کی نسبت آقا پر نظر کرنی چاہیے۔ استاد کی غرض بچوں کی تعلیم ہوتی ہے اور آقا کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جو اغراض غلاموں سے متعلق ہیں وہ کس طرح پورے ہو سکتے ہیں بچے اور غلام کچھ نہیں سمجھا کرتے کہ مصلحت کی کیا حقیقت ہے مصلحت قائم کرنے کی ان کو کچھ بھی پرواہ نہیں ہوا کرتی۔ وہ تو اس سے جان چراتے ہیں عذر اور حیلہ کرتے رہا کرتے ہیں'

لیکن معلم اور آقا خوب آگاہ ہوتے ہیں کہ اس امر سے یہ رخنہ پیدا ہوگا۔ رخنہ پیدا ہونے سے پہلے ہی ان کو یہ معلوم رہتا ہے وہ پہلے ہی سے خلل کو روکتے ہیں۔ وہ اپنے ماتحتوں سے خطاب اس طرح کرتے ہیں کہ جس کے انبساط میں انقباض اور انقباض میں انبساط ہوا کرتا ہے کسی حیلہ سے وہ اپنی رستگاری نہیں کر سکتے اسی طرح ان کو کامیابی ہوتی ہے ماتحتوں کو اس کی واقفیت ہو یا نہ ہو بہر حال جو شخص ایک بہت بڑے گروہ کی انتظامی حالت کا ذمہ دار ہوا کرتا ہے جن کی استعدادیں بالکل مختلف ہوں اپنے ذاتی امور میں ان کو بصیرت نہ ہو ان کی تعمیل کی خواہش ان میں نہ ہو تو وہ مجبور ہوا کرتا ہے کہ ہر ایک چیز کا ٹھیک اندازہ کرے ہر ایک چیز کا وقت معین کرے اس کے طریقوں اور صورتوں کو مقرر کرے لوگوں سے مطالبہ اور مؤاخذہ کے لیے اسی میں عمدگی ہوا کرتی ہے۔

معلوم کرنا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ پیغمبروں کی بعثت سے لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی جانب نکالے تو ان پر وحی بھیجی کہ تم اس کام کے لیے مقرر کیے گئے اپنا نور ان کے دلوں میں ڈالا اور اصلاح عالم کی رغبت ان میں پیدا کی اس زمانہ میں ان لوگوں کے راہ راست پر آنے کے لیے خاص خاص امور اور مقدمات کی ضرورت تھی اس لیے حکمتِ الٰہی ضرور ہوا کہ تمام ان مصلح امور کو انبیاء کے ارادۂ بعثت میں شامل کردے اور گویا انبیاء کی اطاعت کی مفروضیت میں ان مقدمات اصلاح کی مفروضیت بھی شامل ہو اس لیے کہ عقلاً اور عادۃً کسی شئے کا متمم بھی اس شئے میں ہی داخل ہوا کرتا ہے اللہ تعالیٰ پر کوئی امر مخفی نہیں ہوتا اور دین الٰہی میں کوئی امر ہرزہ اور گزاف نہیں ہوا کرتا کوئی شئے جب قرار دی جاتی ہے اور اس کے نظائر کا وہ حکم نہیں ہوا کرتا تو اس کی خاص علتیں اور اسباب ہوا کرتے ہیں: **راسخین فی العلم** ان اسباب کو جانتے ہیں ہمارا قصد ہے کہ ان حکمتوں اور اسباب کے ایک عمدہ مجموعہ پر لوگوں کو متنبہ کریں۔ واللہ اعلم

باب ۵۷

اس کے بیان میں کہ خاص خاص نزول شرائع کے اسباب کیا ہیں ایک شریعت کسی زمانہ میں کچھ نازل ہوتی ہے اور کسی زمانہ میں کچھ نازل ہوتی ہے ایک قوم کی شریعت کچھ ہوتی ہے دوسری کی کچھ ہوتی ہے

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

﴿ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآئِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴾

''بنی اسرائیل کے لیے سب کھانے حلال تھے البتہ توریت کے نازل ہونے سے پہلے جو یعقوب نے اپنے اوپر حرام کر لیے تھے وہ حلال نہ رہے تھے اگر تم سچے ہو تو توریت لا کر پڑھو''۔

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ایک بار سخت بیمار ہوئے تب انہوں نے نذر مقرر کر لی کہ اگر اللہ مجھ کو

اچھا کر دے گا تو میں اپنے اوپر سب چیزوں سے زیادہ مرغوب کھانے اور پینے کی چیز حرام کرلوں گا۔ چنانچہ اچھے ہونے کے بعد اونٹوں اونٹنیوں کا گوشت اور دودھ اپنے اوپر انہوں نے حرام کرلیا اور انہیں کی پیروی سے ان کی اولاد نے بھی ان چیزوں کو حرام ہی سمجھا۔ ایک مدت تک ان امور کی حرمت ہی چلی آئی۔ یہاں تک کہ ان کی طبیعت میں یہ بات جم گئی کہ اگر کسی نے ان چیزوں کو کھا کر انبیاء کی مخالفت کی تو ان کے ادب اور حق میں کوتاہی کی۔ تب توریت میں ان چیزوں کی حرمت نازل ہوئی۔ اور آنحضرت ﷺ نے جب بیان فرمایا ان کا مذہب ابراہیمی ہے تو یہود کہنے لگے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب پر کیسے ہو سکتے ہیں وہ تو اونٹوں کا گوشت کھاتے پیتے ہیں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو رد کیا کہ اصل میں سب کھانے حلال تھے۔ اونٹ صرف ایک عارضی وجہ سے جو یہودیوں کو لاحق ہوئی حرام ہو گئے تھے اس وقت میں جب نبوت کا اولاد اسمٰعیل میں ظہور ہوا۔ اور اس عارضی امر سے ان کو کچھ لگاؤ نہ تھا تو اس حرمت کی رعایت کچھ ضروری نہ رہی۔ آنحضرت ﷺ نے نماز تراویح کے متعلق فرمایا ہے میں تمہارا یہ فعل (تراویح پڑھنا) ہمیشہ دیکھتا ہوں۔ مجھ کو اندیشہ ہے کہ یہ نماز تم پر کہیں مقرر نہ ہو جائے اگر مقرر ہو گئی تم سے نبھ نہ سکے گی۔ اس لیے اے لوگو! تم اپنے اپنے مکانوں میں ہی اس کو پڑھتے رہو۔ پیغمبر ﷺ نے لوگوں کو اس سے روکا کہ کہیں نماز تراویح ان میں پھیل نہ جائے۔ پھیل جانے سے یہ خیال تھا کہ لوگ اس کو شعائر دین سے سمجھنے لگتے اور اس کے ترک کرنے کو اللہ کی شان میں تفریط کا اعتقاد کرنے لگتے اور یہی فرضیت کا باعث ہو جاتا ہے اور نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ قصوروار وہ شخص ہے جس نے کسی امر کو دریافت کیا اور صرف اس کی پوچھ گچھ ہی سے وہ شئے حرام ہو گئی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اس کے لیے انہوں نے دعا کی تھی اور جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا میں مدینہ کو ہی حرم قرار دیتا ہوں اور اس کی مد ایک پیمانہ ہے اور صاع (پیمانہ) میں برکت کی ایسی ہی دعا کرتا ہوں جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لیے کی تھی اور ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے حج کے متعلق سوال کیا کہ کیا حج ہر سال ہونا چاہیے آپ نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال ہی حج کرنا فرض ہو جائے تو تم سے نبھ نہ سکے اور جب نہ نبھ سکے تو تم پر عذاب آ جائے معلوم کرنا چاہیے کہ انبیاء کی شریعتوں میں اختلاف اسباب اور مصلحتوں کی وجہ سے ہو گیا ہے۔ اس لیے شعائر خداوندی کا شعار قرار پانا معدات کی وجہ سے ہے اور احکام کی مقداریں مقرر کرنے میں مکلفین کی حالت اور عادات کا لحاظ کیا گیا ہے۔ چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے مزاج نہایت سخت اور قوی تھے حق تعالیٰ نے بھی اس پر تنبیہ فرمائی ہے اس لیے وہ اسی قابل تھے کہ ہمیشہ روزہ رکھنے کا ان کو حکم دیا جاتا۔ تاکہ ان کی قوت بہیمی میں روزہ سے کسی قدر کمزوری اور خاموشی پیدا ہوتی ہے اور اس امت محمدیہ کے مزاج ضعیف تھے اس لیے ہمیشہ روزہ رکھنے سے منع کر دیئے گئے اور ایسے ہی مال غنیمت کو اللہ نے اگلے لوگوں کے لیے حلال نہیں کیا تھا۔ لیکن ہمارا ضعف دیکھ کر اس کو حلال کر دیا۔ انبیاء کا بڑا قصد یہ ہوا کرتا ہے کہ ان تدابیر کی اصلاح ہو جائے جو لوگوں میں دائر وسائر رہا کرتی ہیں لوگوں کے کسی مخالف طبع امر سے کبھی تجاوز نہیں کیا جاتا ہے۔ الا ماشاء اللہ' اور مصلحتوں کے موقع زمانوں اور عادتوں کے مختلف ہونے سے بدلتے رہا کرتے ہیں اور اسی بنا پر نسخ کا ہونا صحیح ہے نسخ کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جیسے کوئی طبیب اس امر کا قصد کرے کہ سب حالتوں میں مزاج حالت اعتدال پر محفوظ رہے اسی واسطے شخصوں اور زمانہ کے ہمرنگ نہ ہونے سے اس طبیب کے احکام ایک ڈھنگ کے نہیں ہو سکتے وہ

جوان کو ایسی باتیں بتائے گا کہ ان سے بوڑھے کو منع کردے گا۔ وہ یہ دیکھ کر موسم گرما میں احتمال اعتدال باہر ہوا میں ہوتا ہے یہ حکم دے گا کہ اس موسم میں باہر سونا چاہیے اور موسم سرما میں سردی کا لحاظ کر کے یہ بتائے گا کہ اس موسم میں مکان کے اندر سونا چاہیے۔ پس جو شخص اصلیت دین کو معلوم کرلے گا اور ان اسباب کو سمجھ لے گا جن کی وجہ سے مذہبی طریقے مختلف ہوا کرتے ہیں تو اس کی نظر میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوگی۔ اسی بناء پر شریعت ہونے کا تعلق ان قوموں سے ہے جن میں وہ شریعت قائم کی گئی اور چونکہ اس قسم کی استعدادی حالت نے اس شریعت کے قابل ان کو بنایا تھا۔ اور انہوں نے بزبان حال نہایت اسرار سے گویا اس کی درخواست کی تھی اس لیے وہ ہی ہدف ملامت ہوا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَتَقَطَّعُوٓا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ زُبُرًا﴾ اور اسی واسطے ہمارے نبی ﷺ کی امت کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ جمعہ کا روز ان کے حق میں معین کیا گیا اس لیے کہ وہ آگاہ نہ تھے اور تمام علوم کسبی سے علیحدہ تھے اور یہود کے لیے ہفتہ کا دن قرار دیا گیا اس لیے کہ یہودیوں کے اعتقاد میں تھا کہ ہفتہ ہی کے روز اللہ دنیا کے پیدا کرنے کے کام سے فارغ ہوا تھا۔ ادائے عبادت کے لیے یہی دن بہت اچھا ہے حالانکہ سب چیزیں اللہ کے حکم اور وحی سے ہوا کرتی ہیں اور شریعتوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی امر مامور بہ کی حالت ہوتی ہے ان امور کا حکم دے دیا جاتا ہے لیکن اس کے بعد عذر اور ہرج پیش آجایا کرتے ہیں اس لیے ان لوگوں کی ذاتی حالت کے لحاظ سے اجازتیں اور رخصتیں مشروع ہوجایا کرتی ہیں۔ تو اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنی ذاتی حالت کی وجہ سے اس امر کے قابل اپنے آپ کو بنالیا تھا۔ وہ ہی لوگ قابل ملامت ہوا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ﴾ (جب تک لوگ اپنی حالت کو نہ بدلیں اللہ کسی قوم کو نہیں بدلا کرتا) اور اسی ذاتی اور استعدادی اختلاف کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں نے عقل و دین میں ناقص رہنے والوں سے ہوشمند آدمی کے لیے زیادہ ہوش ربا تم سے (عورتوں میں) زیادہ نہیں دیکھا اور پھر عورتوں کے نقصان کی وجہ یہ بتائی کہ حیض کی حالت میں عورت نہ نماز پڑھ سکتی ہے نہ روزہ رکھ سکتی ہے معلوم کرو کہ ایک صورت خاص میں شریعتوں کے نازل ہونے کے اسباب بکثرت ہیں۔ لیکن اسباب کی انتہاء دو قسموں پر ہوتی ہے اوّل سبب بہ منزلہ ایک قدرتی امر کے ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو احکام کی تکلیف دی جاتی ہے۔ پس جب کہ تمام افراد انسانی کے لیے ایک خاص طبیعت اور حالات معین ہیں جو نوع ہونے کی وجہ سے وراثۃ سب کو پہنچا کرتے ہیں۔ اور وہی باعث ہوا کرتے ہیں کہ لوگ احکام کے لیے مکلف کیے جائیں اور جیسے کہ مادرزاد کور کے خزانہ خیال میں رنگتیں اور صورتیں نہیں ہوا کرتیں اس کے خیال میں صرف الفاظ اور وہ چیزیں ہوتی ہیں جو چھوئی جاسکتی ہیں اور اسی قسم کی اور چیزیں ہوتی ہیں اس لیے جب کبھی عالم غیب سے کوئی علم یا واقعہ اس کو خواب وغیرہ میں حاصل ہوگا تو اس امر کا اس کو علم اسی صورت میں حاصل ہوگا جو اس کے خزانہ خیال میں موجود ہے بجز اس کے کوئی اور صورت علم حاصل ہونے کی نہ ہوگی اور جیسے کسی عربی شخص کو جو زبان عربی کے سوائے اور زبان کو نہیں جانتا ہے الفاظ کی دنیا میں جب کسی امر کا علم ہوگا تو اس کی صورت صرف عربی ہی پیرایہ میں حاصل ہوگی اور مثلاً جن شہروں میں کہ ہاتھی وغیرہ حیوانات کریہہ منظر ہوتے ہیں تو ان شہروں کے باشندوں کی نظر میں جنوں کا سامنے آجانا یا بھوتوں اور شیاطین کا ڈرانا انہیں حیوانات کی صورت میں ہوگا۔ اور شہروں میں یہ صورتیں پیش نہ آئیں گی۔ اور جن شہروں میں بعض اشیاء پر عظمت خیال کی جاتی ہے اور کھانے اور لباس میں جو عمدہ اور پاکیزہ چیزیں وہاں پائی جاتی ہیں تو وہاں کے

باشندوں کو نعمت اور خوشی ملائکہ کی صرف اسی قسم کی صورتوں میں نظر آئے گی اور شہروں میں یہ امر نہ ہوگا۔ اور جیسے کوئی عربی شخص جب کسی کام کے کرنے کا قصد کرے گا یا کسی سفر کا ارادہ کرے گا' جب وہ راشد یا نجیح (کامیاب) کے لفظ کو سنے گا تو آئندہ حالت کی عمدگی اور کامیابی کی دلیل اس کو قرار دے گا جو عربی نہیں ہے اس پر ان الفاظ کا کوئی اثر نہ ہوگا' حدیث میں بعض اس قسم کے واقعات آئے بھی ہیں تو جیسے کہ امور بالا کے اثر اپنا پرتو حالات پر ڈالتے ہیں ایسے ہی شرائع میں ان علوم کا جو کسی قوم میں مخزون اور جمع ہوتے ہیں' اور ان اعتقادات کا جو ان میں مخفی ہوتے ہیں اور ان کی عادات کا جو کلب (کتے کے کاٹنے سے جو دیوانگی سی ہو جاتی ہے) بیماری کی طرح ان میں ساری اور جاری ہوا کرتی ہیں۔ لحاظ اور اعتبار ہوا کرتا ہے اسی واسطے اونٹوں کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل کے لیے حرام تھا نہ بنی اسمٰعیل کے لیے اور اسی وجہ سے کھانے کی چیزوں کا پاکیزہ اور ناپاک ہونا عرب کی عادات پر مفوض کیا گیا۔ اور ہمشیرہ زادیاں ہمارے لیے حرام کی گئیں یہودیوں میں وہ حرام نہ تھیں اس لیے کہ یہودی ہمشیرہ زادیوں کو ان کے باپ کی قوم سے شمار کیا کرتے تھے ان سے کسی قسم کا میل جول ربط وصحبت نہیں رکھا کرتے تھے۔ ان سے بالکل بے گانگی کی حالت میں رہا کرتے تھے عرب میں یہ رسم نہ تھا اور ایسے ہی گوسالہ کو اس کی ماں کے دودھ میں پکانا۔ یہودیوں میں حرام تھا۔ ہمارے یہاں حرام نہیں ہے اس لیے کہ یہودیوں کو معلوم تھا کہ اس سے اللہ کی پیدائش اور تدبیر الٰہی کی محافظت ہوتی ہے جو چیز اللہ تعالیٰ نے گوسالہ کی پیدائش اور نشوونما کے لیے پیدا کی ہے اس سے ہی اس صورت میں گویا اس کی بنیاد باطل کرنا اور اس کے جوڑ بند کی تحلیل کرنی ہوگی اور عرب کے لوگ اس قسم کے علم وفہم سے نہایت درجہ دور تھے اگر ان کو اس قسم کے راز سمجھائے جاتے تاہم ان کی سمجھ میں نہ آتے وہ اس امر کو کبھی معلوم نہ کر سکتے جو حکم دینے کا مناسب مدار علیہ تھا۔ اور یہ بھی معلوم کر لینا چاہیے کہ شرائع کے قرار دینے میں صرف انہیں علوم اور حالات اور ان اعتقادات کا ہی اعتبار نہیں کیا جاتا ہے جو لوگوں کے سینہ میں متمثل ہوا کرتے ہیں بلکہ بڑا لحاظ اور اعتبار ان پیدائشی امور کا ہوا کرتا ہے جن کی طرف عقلیں منتقل ہوتی رہتی ہیں خواہ ان امور کا ان کو علم ہو یا نہ ہو تم اس نکتہ کو ان تعلقات میں دیکھ سکو گے کہ جب ایک شئے کسی دوسری شکل اور پیرایہ میں ظاہر ہوا کرتی ہے۔ دیکھو مونہوں پر مہر لگانے کی صورت میں لوگوں کو سحر سے منع کرنا ظاہر ہوا تھا اس لیے کہ لوگوں کی نظر میں مہر لگانا ایک شئے کے بند کرنے اور روکنے کی صورت ہوا کرتی ہے خواہ یہ امر لوگوں کے پیش نظر ہو یا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا بندوں پر یہ اصلی حق اور فرض ہے کہ غایت درجہ اس کی تعظیم کریں۔ کسی طرح اس کے حکم کی مخالفت پر اقدام نہ کریں اور لوگوں کو باہم یہ فرض ہے کہ ہمدردی اور باہمی الفت کی مصلحت کو ہمیشہ قائم رکھیں کوئی کسی کا دل آزار نہ ہو ہاں اگر رائے کلی وغیرہ ایذا رسانی کے باعث ہو تو مضائقہ نہیں ہے اس وجہ سے جو شخص کسی عورت کو اجنبی خیال کر کے اس سے ہمبستر ہو جائے تو اللہ کے اور اس کے درمیان پردہ حائل ہو جائے گا اللہ کے مقابلہ میں یہ کام اس کی دلیری کا خیال کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ عورت واقعہ میں اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ اس شخص نے اللہ کے فرمان کی مخالفت پر اقدام کیا اور جس شخص نے اجنبی عورت سے اپنی بیوی سمجھ کر ہم بستری کر لی تو اللہ کے نزدیک وہ معذور ہی رہے گا اور جو شخص روزہ کی نیت کر لے گا وہ اپنی نذر کی وجہ سے ماخوذ ہو جائے گا۔ اور جس نے نذر نہ کی ہوگی وہ ماخوذ نہ ہوگا۔ اور جو شخص دین میں سختی اختیار کرے گا وہ قابل تشدد ہوگا۔ اور یتیم کے طمانچہ مارنا تادیباً بہتر ہوگا اور تکلیف دینے کے لیے قباحت اور برائی ہوگی۔ خطاکار اور بھول چوک سے کام کرنے والا اکثر احکام میں قابل

معاف ہوا کرتا ہے یہ کلیہ قاعدہ قومی علوم اور قوم کی ظاہر اور مخفی عادات میں ہمیشہ پڑا ہوتا ہے اور ان کے حق میں اسی قاعدہ کے موافق شریعتوں کی تعیین ہوا کرتی ہے اور نیز معلوم کرنا چاہیے کہ اکثر عادات اور مخفی علوم ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر تمام عرب وعجم اور تمام معتدل اقالیم کے باشندوں اور ایسے لوگوں کا جن کے مزاج عمدہ اور بزرگ ترین اخلاق کے قابل ہوا کرتے ہیں۔ اتفاق ہوا کرتا ہے جیسے اپنے مردہ پر غم کرنا اس کے حق میں نرم دلی کو پسند کرنا۔ حسب ونسب پر ناز کرنا۔ چوتھائی یا تہائی شب کے گزرنے پر خواب کرنا۔ صبح تڑکے سے اٹھ بیٹھنا ان کے علاوہ اور اکثر امور ہیں جن کی طرف اشارہ تدابیر کی بحث میں کیا گیا ہے تو اس قسم کے جتنے عادات اور علوم ہوتے ہیں ان کا سب چیزوں سے زیادہ اندازہ اور لحاظ کیا جایا کرتا ہے۔ ان کے بعد اکثر عادات اور عقائد ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو صرف انہیں لوگوں میں خاص ہوا کرتے ہیں۔ جن میں نبی مبعوث کیا جاتا ہے اس لیے ان عادات کا لحاظ بھی ضروری ہوتا ہے: ﴿قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ اور معلوم کرنا چاہیے کہ نبوت اکثر ملت اور مذہب کے ماتحت ہوا کرتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ﴾ اور فرمایا: ﴿وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ﴾ اس کا راز یہ ہے کہ مدت دراز تک لوگ جب کسی دین کے پابند رہا کرتے ہیں اس دین کے شعائر کی عزت اور ادب ان میں راسخ ہوتا ہے۔ اس مذہب کے احکام نہایت مشہور اور شائع بمنزلہ بدیہیات اولی کے ہوا کرتے ہیں کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ایک دوسری نبوت کا زمانہ آتا ہے تا کہ پہلے مذہب کی کجی بالکل دور ہو جائے اس کی بگڑی ہوئی باتیں درست ہو جائیں اس مذہب کے بانی کی منقولہ روائتوں میں چونکہ خلط ملط ہو جایا کرتا ہے اس لیے بہت سی خرابیاں اس مذہب میں مل جایا کرتی ہیں۔ اب یہ دوسری نبوت لوگوں میں مشہور اور معتبر احکام کی تفتیش کرتی ہے جو جو صحیح سیاست مذہبی کے قاعدوں سے منطبق پائے جاتے ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی بلکہ لوگ ان پر اور زیادہ آمادہ کیے جاتے ہیں اور جو احکام خراب معلوم ہوتے ہیں اور تحریف کا دخل ان میں پایا جاتا ہے ان میں بہ قدر ضرورت تبدیلی کر دی جاتی ہے اور جو قابل اضافہ ہوتے ہیں ان پر اضافہ بھی کر دیا جاتا ہے اور یہ نبی اخیر ان امور سے جو پہلی شریعت کے باقی رہ جاتے ہیں اکثر اپنے مطالب اور دعاوی پر استدلال بھی کیا کرتا ہے اس وجہ سے یوں کہا کرتے ہیں۔ کہ یہ نبی اس فلاں نبی کے مذہب میں یا اس کے گروہ میں سے ہے اور ان مذہبوں کے اختلاف سے جن میں نبوت کا نزول ہوا کرتا ہے اکثر نبوتوں میں اختلاف ہو جایا کرتا ہے اور دوسری قسم خاص پیرایہ میں شرائع کے نازل ہونے کی یہ ہے لیکن یہ قسم بمنزلہ ایک امر عارض طاری کے ہے کہ خداوندگار عالم اگرچہ زمانہ سے بلند و برتر ہے۔ لیکن اس کو کسی نہ کسی وجہ سے زمانہ اور زمانہ کی چیزوں سے ربط و تعلق ہوا کرتا ہے آنحضرت ﷺ نے خبر دی کہ ہر صدی کے بعد اللہ کسی بڑے حادثہ کو پیدا کیا کرتا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام اور اور انبیاء نے بھی حدیث شفاعت میں اسی باب کے متعلق ارشاد کیا ہے کہ ہر ایک نبی قیامت کے روز کہے گا کہ میرے پروردگار تبارک وتعالیٰ نے ایسا غصہ کیا کہ نہ کبھی پہلے ایسا غصہ کیا تھا اور نہ کبھی اس کے بعد ایسا غصہ کرے گا۔ پس جب عالم آمادہ اور تیار ہوتا ہے کہ شریعتوں کا اس پر فیضان کیا جائے امور دینی کے حدود معین کیے جائیں اور اللہ تعالیٰ تجلی فرما کر دین کو لوگوں پر نازل کرتا ہے اور اسی کے موافق ملاء اعلیٰ بلند ہمتی سے لبریز ہو جاتے ہیں۔ تو ایسے وقت میں عارضی اسباب میں سے ایک ادنیٰ سبب بھی جود الٰہی کے دروازہ کھٹکھٹانے کے لیے کافی ہوا کرتا ہے: ومن دق باب الکریم الفتح دیکھو موسم بہار پر نظر ڈالو۔ اس میں بونے اور تخم ریزی کا ادنیٰ اہتمام ہی

ایسا مؤثر ہوا کرتا ہے کہ اور موسم میں اس سے زیادہ کتنا ہی اہتمام کرو کچھ بھی اس کا اثر نہیں ہوا کرتا۔ نبی کی توجہ کسی شئے کے لیے اس کا انتظار کرنا۔ اس شئے کے لیے اس کا دعا کرنا اس کی مشتاقانہ درخواست کرنی احکام کے نازل ہونے کا سبب ہوا کرتی ہے اور جب نبی کی دعا روشن طریقہ کو زندہ کرتی ہے۔ بڑی بڑی جماعتوں پر اس سے غلبہ حاصل ہو جایا کرتا ہے اس سے نظر کے سامنے کھانے پینے کی زیادتی ہو جایا کرتی ہے تو اس کی وجہ سے کسی حکم کا نازل ہونا کیا بعید ہے۔ اس کی تو لطیف روح ہوتی ہے اور صورت مثالی میں اس کا تعین ہوتا ہے اور اسی بناء پر سمجھ لینا چاہیے کہ جب کوئی جدید بڑا حادثہ پیدا ہوتا ہے اور نبی کی اس کی وجہ سے بے قراری ہوتی ہے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان بندی کا قصہ یا جب کوئی سائل ایک امر دریافت کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں بار بار پوچھ گچھ کرتا ہے۔ جیسے ظہار کا قصہ تو یہ امور نزول احکام کے سبب پڑ جایا کرتے ہیں۔ اور اصل حال کا اس سے انکشاف ہو جایا کرتا ہے اور نیز لوگوں کا فرمان پذیری میں کاہلی کرنا، سرکشی پر جمے رہنا اور ایسے ہی لوگوں کے دل میں کسی شئے کی رغبت کا ہونا اور نہایت اہتمام سے اور قصد سے اس کی پابندی کرنا اور اس شئے کے ترک کرنے میں یہ اعتقاد کرنا کہ ہم نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی ہے نیز احکام کے نازل ہونے کا سبب ہوا کرتا ہے اسی کی وجہ سے نہایت موکد طور پر کسی چیز کے واجب کر دینے سے لوگوں پر سختی کی جایا کرتی ہے یا بہت سختی سے کوئی شئے حرام کر دی جایا کرتی ہے بارانِ جود کی تراوش چاہنے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص صالح قوی الہمت رُوحانیت کے منتشر ہونے اور سعادت کی کمالیت کے وقت قصد کر کے اللہ کی بارگاہ میں نہایت اہتمام کے ساتھ درخواست کرتا ہے۔ اور ایسے وقت میں درخواست اس کی مقبول ہو جایا کرتی ہے۔ ان ہی معانی کی طرف اللہ کے اس قول میں ارشاد کیا گیا ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَسْئَلُوا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَ اِنْ تَسْئَلُوا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَلَكُمْ ﴾

''مسلمانو بہت سی چیزوں کا سوال مت کرو اگر وہ تمہارے لیے کھل جائیں گے تب تم کو ناگوار معلوم ہوں گی۔ قرآن نازل ہوتے وقت جو ان اشیاء کا حال دریافت کیا جائے گا تو سب ظاہر ہو جائیں گی''۔

خداوند کریم کی اصل مرضی یہی ہے کہ نزولِ شرائع کے وقت اس قسم کے سوالات کم ہوا کریں۔ اس سے وہ امور نازل ہو جایا کرتے ہیں۔ جن میں مصلحت خاص کا حکم اور اثر غالب ہوا کرتا ہے اور اکثر اس میں آئندہ نسلوں کے لیے تنگی اور بزدلی پیش آیا کرتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ مسائل دریافت کرنے کو برا خیال فرماتے تھے کہ مجھ کو اپنے حال پر چھوڑ دو میں نے کوئی چیز تمہارے لیے باقی نہیں چھوڑی ہے تم سے اگلے لوگ زیادہ سوالات کرنے اور انبیاء پر اختلافات کی وجہ سے ہلاک ہو گئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ قصور مند وہ شخص ہے کہ صرف اسی کے دریافت کرنے سے لوگوں پر کوئی چیز حرام ہو جائے اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ بنی اسرائیل جس گائے کو چاہتے ذبح کر لیتے وہی کافی ہو جاتی لیکن انہوں نے سختی کی۔ اس لیے ان سے سخت گیری کی گئی۔ واللہ اعلم



باب ۵۸

شریعت کے طریقوں پر مؤاخذہ کرنے کے اسباب میں

ہم اس امر کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو شرائع اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمائی ہیں ان پر عذاب وثواب ایسے ہی ہوتا ہے جیسے کہ نیکی اور گناہ کے اصول پر مرتب ہوا کرتا ہے یا صرف انہیں امور پر مرتب ہوتا ہے جو نیکی اور گناہ کے مواقع اور قالب قرار دیئے گئے ہیں۔

مثلاً کسی شخص نے ایک وقت کی نماز ترک کر دی لیکن اس کے دل میں اللہ کے حضور میں اطمینانی طور پر عجز و نیاز موجود ہے تو نماز ترک کرنے پر اس شخص کو عذاب ہوگا اور ایک شخص نے نماز تو ادا کی نماز کے تمام ارکان وشرائط اسی طرح پورے کیے کہ وہ بری الذمہ ہو گیا لیکن اس میں نیاز مندی کا کچھ اثر نہ تھا۔ اس کے دل میں خشوع وخضوع جما ہوا نہ تھا تو اس نماز پر اس کو ثواب ملے گا یا نہ ملے گا اس میں کلام نہیں ہے کہ شریعت کے طریقوں کی نافرمانی کرنے سے فساد عظیم پیدا ہوا کرتا ہے اس سے سنت راشدہ میں روک پیدا ہوتی ہے معصیت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور مسلمانوں کی جماعت میں تکدر آتا ہے۔ اس سے قوم اور شہر اور ولایت کو ضرر پہنچتا ہے۔ جیسے شہر کی مصلحت کی وجہ سے کسی سیلاب کی وجہ سے بند باندھ دیا گیا تھا ایک شخص نے نقب دے کر اس بند کو توڑ دیا وہ شخص خود تو بچ گیا لیکن شہر والوں کو اس نے ہلاک کر دیا گفتگو اس میں ہے کہ آدمی کی ذاتی اور نفسانی حالت پر اس نافرمانی کا کیا اثر پڑتا ہے وہ گناہ کی تاریکی میں گھر جاتا ہے یا اس میں نیکی کا مادہ بھی باقی رہتا ہے تمام اہل مذاہب کا اس میں یہ مسلک ہے کہ شرائع خود ہی ثواب اور عذاب کا باعث ہوا کرتی ہے۔ لیکن اہل مذاہب سے جو کہ ارباب تحقیق علم میں راسخ انبیاء علیہم السلام کے صحابہ میں حواریوں کے رتبہ کے ہیں وہ شرائع کو ثواب وعذاب کا باعث سمجھتے ہیں اور ان کے اصول وارواح اور ان کے اعمال کی صورتوں اور قالبوں میں جو ربط ومناسبت ہے اس کو بھی خوب جانتے ہیں اور حاملین دین وحافظین شرائع میں سے تمام لوگ صرف صورتوں اور قالبوں پر ہی اکتفا کیا کرتے ہیں اور فلاسفہ اسلام کا مذہب یہ ہے کہ عذاب وثواب کا مدار صرف نفسانی صفات اور وہ اخلاق ہیں جو روح کے دامن کو لپٹے ہوئے ہیں ان صفات کے قالبوں اور صورتوں کا ذکر شرائع میں محض سمجھانے کے لیے اور دقیق معانی کو لوگوں کے ذہنوں سے قریب کر دینے کے لیے ہوا کرتا ہے مذاق قوم کے موافق اس مقام کے متعلق یہ تحریر کیا گیا لیکن میں کہتا ہوں کہ مذہبی محققین کا مذہب حق ہے۔ اس کا بیان اس طرح ہے کہ شرعی امور کے لیے سامان اور اسباب ہوا کرتے ہیں جن سے بعض شرعی امور کو بعض پر ترجیح ہو جایا کرتی ہے اللہ خوب جانتا ہے کہ بغیر ان امور شرعی کے لوگوں سے دین پر عمل نہ ہو سکے گا اس کو علم ہوتا ہے کہ یہی شرعی طریقے اور روشیں لوگوں پر واجب کر دینے کے قابل ہیں یہ امر اللہ کی توجہ میں مندرج ہوا کرتا ہے جو ازل سے لوگوں کے حال پر ثابت ہوتی ہے اور جب یہ عالم اس امر کے لیے مستعد اور تیار ہوتا ہے کہ اس پر شرعی صورتوں کا فیضان کیا جائے اور اس کے پیکر پیدا کیے جائیں تو جان لو کہ اس وقت اللہ نے ان شرعی امور کو پیدا کر کے اپنا فیضان پورا کیا اور ازل سے اس کا تعین ہو گیا۔ اس لیے یہی امور بمنزلہ

اصل کے ہو گئے اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے ملاء اعلیٰ پر اس علم کو منکشف کیا ان کو الہام سے بتا دیا کہ یہی موقع شرعی اصول کے قائم مقام ہیں۔ انہیں کے اصول کی یہ صورتیں اور مثالیں ہیں۔ بدون ان کے لوگ مکلف نہیں ہو سکتے۔ تب خطیرۃ القدس میں ایک قسم کا اجماع اور اتفاق ہو گیا ہے کہ یہ صورتیں ایسی ہی ہیں جیسے حقیقت موضوع لہٗ کے لیے لفظ ہوتے ہیں یا حقیقت خارجی کی نسبت حقیقت ذہنی ہوا کرتی ہے جو اسی صورتِ خارجی منتزع اور حاصل کی جاتی ہے یا تصویر کی صورت اصل شئے کے لیے منظر ہوا کرتی ہے اور الفاظ موضوعہ کے لیے یہ صورت خطی ہوتی ہے ان سب امور میں دال اور مدلول میں باہم جب ایسا قوی تعلق اور ان میں باہمی لزوم اور گرفت ہو گئی ہے اس لیے اپنے موقع پر یہ طے ہو گیا ہے کہ وہ دونوں شئے واحد ہی ہیں اس کے بعد تمام بنی آدمی عرب اور عجم کے علوم پر اسی علم کا پرتو پڑا۔ اور سب نے اتفاق کر لیا کہ وہ شرائع اور اصول ایک ہی شئے ہیں۔ ایسا کوئی شخص نہ دیکھو گے جس کے دل میں اس علم کا ایک حصہ نہ ہو اکثر ہم نے اس کا نام وجود شبہی للمدلول رکھا ہے اکثر اس وجود کے عجیب عجیب اثر ہوا کرتے ہیں۔ تتبع کرنے والے پر وہ مخفی نہیں ہیں۔ شرائع میں اس کے بعض بعض آثار پر لحاظ کیا گیا ہے اسی وجہ سے صدقہ کو صدقہ لینے والوں کی چرکوں سے ایک چرک قرار دیا ہے اور اسی لیے کسی کام کی برائی مزدوری میں بھی سرایت کر جایا کرتی ہے اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی روح القدس سے وہ موید کیے گئے۔ قومی اصلاح کا ان کے دل میں القا کیا گیا اور شرائع کے نازل ہونے اور صور مثالیہ کے ظاہر ہونے کی متعلق آپ کی جوہر روح کے سامنے بڑی راہ قوی ہمت کی جانب مفتوح ہو گئی۔ تب آپؐ نے نہایت درجہ کی اولوالعزمی سے اس اصلاح کا اہتمام فرمایا اس کے ساتھ موافقت دینے والوں کے لیے نہایت قصد و ہمت سے دعائیں کیں اور اس کے مخالفوں پر لعنت کی اور انبیاء کی ہمتیں معمولی نہیں ہوا کرتیں بلکہ وہ ساتوں آسمانوں کے طبقوں کو پھاڑ کر پار ہو جاتی ہیں وہ مینہ کی درخواست کیا کرتے ہیں آسمان پر ابر کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہوا کرتا لیکن فوراً پہاڑوں کی مانند بادلوں کے دل کے دل جمع ہو جایا کرتے ہیں۔ وہ دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا سے مردوں میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے اس لیے کہ خطیرۃ القدس میں ان کی وجہ سے خوشی اور ناخوشی پختگی سے منعقد ہوا کرتی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اے پروردگار تیرے نبی اور بندہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لیے دعا کی تھی اور مدینہ کے لیے میں دعا کرتا ہوں اب جس شخص کو معلوم ہوا کہ اللہ نے ایسا ایسا حکم کیا ہے۔ اور وہ یہ جانتا ہے کہ ملاء اعلیٰ تمام اوامر و نواہی میں نبی ﷺ کی تائید کیا کرتے ہیں اور خوب جانتا ہے کہ مامور بہ کو ترک کرنا اور منہی عنہ کام کا اقدام کرنا اللہ کے مقابلہ میں دلیری اور اللہ کی شان میں کوتاہی کا باعث ہے اور پھر جان بوجھ کر اور دیکھ بھال کر عمداً وہ کسی کام کو کر بیٹھتا ہے تو اس کی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں ہو سکتی کہ حجابات کی گہری تاریکی میں وہ مبتلا ہے ملکی قوت اس کی ضعیف اور منکسر ہو گئی ہے اس کی وجہ سے اس کے دل میں خطا کاری کا اثر جما ہوا ہے اور جب کوئی پر مشقت کام سرزد ہوتا ہے جس سے اس کی طبیعت مزاحم ہوتی ہے اس کو گو وہ کسی نمائش کے لیے نہیں کرتا بلکہ صرف تقرباً للہ اور مرضیات خداوندی کی حفاظت اور لحاظ سے کرتا ہے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرتبہ احسان کی فضیلت میں وہ لپٹا ہوا ہے اس کی بہیمی طبیعت کمزور اور مغلوب ہو گئی ہے اس سے نیکی کا مادہ نفس میں جم جاتا ہے۔ اب جو شخص کہ کسی وقت کی نماز ترک کر دیتا ہے تو اس میں اس امر کی تفتیش ضروری ہے کہ اس نے نماز کو کیوں ترک کیا۔ اور کس امر نے اس کو اس پر آمادہ کیا۔ اگر وہ نماز کو بھول گیا تھا یا سو گیا تھا یا اس کی فرضیت سے ناواقف تھا یا کسی نہایت ضروری کام نے اس کو روک لیا تھا

تو مذہبی تصریح اور نص کا یہ مقتضا ہے کہ ایسا شخص گنہگار نہیں ہے اور اگر جان بوجھ کر اور یاد رکھ کر اختیاری حالت میں اس نے نماز نہیں پڑھی تو اس کی یقیناً یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ اس کے مذہب ہی میں رخنہ ہے اور کوئی شیطانی یا نفسانی تاریکی اس کی بصیرت پر چھا گئی ہے اور اس کا اثر اس کے نفس پر ہی پڑتا ہے اور جس شخص نے نماز پڑھ لی اور وہ اس سے فارغ الذمہ ہو گیا تو اس میں بھی تفتیش کرنی چاہیے۔ اگر اس نے نمائش کے لیے یا لوگوں کی تعریف سننے کے لیے یا قومی عادت کی پابندی کی وجہ سے یا لہو کے طور پر نماز پڑھی ہے تو مذہبی نص کے لحاظ سے ایسے شخص میں اطاعت کا مادہ نہیں ہے اور یہ نماز کچھ اعتبار کے قابل نہیں ہے اور اگر اس نے تقرب الی اللہ کی وجہ سے اور ایمانی لحاظ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی تصدیق سے نماز پڑھی بحضور نیت اور اللہ کے دین میں اخلاص کے سبب سے یہ کام کیا ہے تو اللہ اور بندے میں کس قدر حجاب اس عمل سے اٹھ ہی جایا کرتا ہے اگر چہ سر سوزن کے برابر ہو اور یہ جو کیا گیا تھا کہ اس شخص نے بند میں نقب لگانے سے شہر کو ہلاک کر دیا اور خود اپنے آپ کو بچالیا اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اس نے خود اپنے آپ کو بچالیا یہ کیسے ہو سکتا ہے اللہ کے ایسے فرشتے مقرر ہیں جن کی کامل ہمت اس طرف متوجہ رہتی ہے کہ جو شخص عالم کی اصلاح میں یا خراب کرنے میں کوشش کرے اس پر دعا یا بد دعا کرتے رہیں ان کی دعا کے اثر سے جود الٰہی کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے اور کسی نہ کسی طرح پر اس سے جزا نازل ہوتی ہے اور لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ توجہ جزا کے باعث ہوا کرتی ہے اس کا سمجھنا چونکہ کسی قدر اشکال سے خالی نہ تھا۔ اس لیے فرشتوں کی دعا کو ہم نے اس کا عنوان قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم

باب ۵۹

حکمتوں اور علتوں کے اسرار کے بیان میں

معلوم کرو کہ بندوں کے بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جن سے پروردگار عالم لوگوں سے خوش ہوتا ہے اور بعض افعال کی وجہ سے وہ ان سے ناخوش ہوتا ہے اور بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جن سے نہ وہ خوش ہوتا ہے نہ ناخوش' اسی واسطے حکمت بالغہ اور رحمت کاملہ الٰہی کا اقتضاء ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث کر کے لوگوں کو ان کے افعال پر آگاہ کر دے جن سے اس کی رضامندی اور ناراضی کا تعلق ہوا کرتا ہے اس ذریعہ سے خداوند کریم پسندیدہ امور کا مطالبہ کرے اور امور ناپسند کو منع کر دے اور باقی امور میں ان کو مختار رہنے دے تا کہ جو ہلاک ہونے والے ہیں وہ دلیل کے بعد ہلاک ہوں اور جو زندگی حاصل کرنے والے ہیں وہ بھی بعد دلیل ہی کے زندہ ہوں پس کسی فعل سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور عدم رضا کا متعلق ہونا یا دونوں حالتوں سے افعال کا بے تعلق ہونا اسی کا نام حکم ہے یا یوں کہو کہ حکم کسی شئے کا ایسی حالت پر ہونا ہے کہ لوگوں سے اس کا مطالبہ کیا جائے۔ یا وہ اس سے روکے جائیں یا اس میں مختار ٹھہرائے جائیں۔ جو چاہو سو کہو۔ اور بعض اشیاء کا مطالبہ تاکیدی ہوا کرتا ہے کہ ان کے کرنے پر رضائے الٰہی اور ثواب حاصل ہوتا ہے اور ان کے نہ کرنے پر اللہ کی ناخوشی اور عذاب الٰہی ہوا کرتا ہے اور بعض کا ایسا تاکیدی نہیں ہوا کرتا۔ اس امر مطلوب کے

کرنے پر رضا' ثواب حاصل ہوتا ہے لیکن اس کے نہ کرنے پر کچھ ناخوشی اور عذاب کا استحقاق نہیں ہوتا۔ جیسے کہ مطالبہ کے دو حصے ہیں ایسے ہی نہی کرنے کی بھی دو ہی صورتیں ہیں تاکیدی جس سے رُکنے اور بچنے پر رضا اور ثواب کا استحقاق ہو۔ بشرطیکہ منع کرنے کی وجہ سے باز رہا ہو۔ اور اس فعل کے کرنے سے ناخوشی اور عذاب میں گرفتاری ہو تم اس کا اندازہ اپنے اور لوگوں کے محاورات کے الفاظ طلب اور منع میں کر سکتے ہو۔ کہ جو بات اوّلاً کہی جایا کرتی ہے اس کے خلاف میں رضامندی یا ناراضی کے اثر سے ایک قسم کی دو قسمیں ہو جایا کرتی ہیں یہ ایک لازمی اور قدرتی ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے احکام کی پانچ قسمیں ہو گئی ہیں۔ ❶ ایجاب ❷ استحباب ❸ اباحت ❹ کراہیت ❺ تحریم لوگوں کے سامنے افعال مکلفین میں ہر ہر فعل کی علیحدہ علیحدہ حالت پیش نہیں کی جا سکتی ہے۔ یہ افعال علاوہ اس کے کہ حصر میں نہیں آ سکتے لوگ پوری طرح پر ان کو معلوم بھی نہیں کر سکتے۔ اس واسطے یہ ضروری ہوا کہ لوگوں کو وہ قواعد کلی کی صورت میں بتائے جائیں مجموعی صورت وحدت سے بیان کی جائے اور اکثر اس میں لپٹتی ہوئی ہو۔ اس طرح پر لوگ ان افعال کو معلوم کر سکیں گے اور اپنے افعال کی حالت پہچان سکیں گے علوم کلیہ کو دیکھو خاص خاص امور کے لیے ان میں کیسے قوانین قرار دیئے گئے ہیں۔ نحوی کہتا ہے ''الفاعل مرفوع'' تو سامع اس کا یہ قول محفوظ کر کے قام زید میں زید کا حال اور قعدہ عمرو میں عمرو کا حال معلوم کر لیتا ہے۔ وعلیٰ ہذا یہی وحدت جس میں کثرت منسلک ہوا کرتی ہے حکم کی علت اور اس کی مدار علیہ ہوا کرتی ہے اس علت کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل وہ جس میں اسی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے جو مکلفین میں موجود ہوا کرتی ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ صرف مکلفین کی کوئی دائمی اور لازمی حالت کا اعتبار کیا جائے۔ جس کا اثر یہ ہو کہ ان کو ہمیشہ کے لیے کسی حکم کی تکلیف دی جائے یہ امر مکلفین کے قابو سے باہر ہے ایسی تکلیف صرف ایمان میں ہی ہو سکتی ہے اور احکام میں اس وجہ سے ضرور ہے کہ ایک ایسی حالت کا اعتبار کیا جائے کہ تکلیف دادہ شخص کی لازمی صفت بھی اس میں شامل ہو۔ اسی صفت کی وجہ سے وہ شخص قابل خطاب شارع ہو سکے اور اس کے ساتھ ہی کسی عارضی حالت میں وقت ہوتی ہے کبھی آسانی سے اس کام کا ہو سکنا (استطاعت میسرہ) کبھی ہرج کا احتمال یا کبھی کسی شئے کا قصد کرنا' ونحو ذلک' مثلاً شارع کا قول ہے کہ جس شخص عاقل اور بالغ کو نماز کا وقت مل جائے تو اس پر نماز فرض ہو جائے گی اور جو عقل اور بلوغ کی حالت میں ماہ رمضان پا لے گا۔ اور اس کو روزہ رکھنے کی طاقت بھی ہو تو اس پر روزہ رکھنا فرض ہے جو نصاب کا مالک ہو اور اس پر ایک سال بھی گزر جائے تو ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا واجب ہوگا اور شارع کا ارشاد ہے کہ مسافر کو نماز میں قصر اور روزہ افطار کرنا جائز ہے اور بے وضو شخص جب نماز پڑھنے کا قصد کرے تو اس کو پہلے وضو کر لینا ضروری ہے اس قسم میں اکثر ان صفات کا لحاظ نہیں کیا جاتا جو اکثر اوامر میں معتبر ہوا کرتی ہیں بلکہ صرف وہی صفت خاص لے جایا کرتی ہے۔ جس سے ایک حکم کا دوسرے سے امتیاز ہوا کرتا ہے اس لیے مسامحۃً اس کو علت کہہ دیا کرتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ نماز کی علت وقت کا مل جانا ہے اور روزہ کی علت ماہ رمضان کا آ جانا ہے اور شارع علیہ السلام نے ان اوصاف میں سے ایک وصف کا کوئی اثر قرار دیا ہے۔ دوسرے وصف کا نہیں قرار دیا۔ مثلاً مالک نصاب کے لیے تجویز کیا ہے ایک سال یا دو سال پیشتر زکوٰۃ ادا کر دے اور غیر مالک نصاب کے لیے اس کو تجویز نہیں کیا اسی وجہ سے فقیہ ہر ایک امر کا ٹھیک اندازہ کرتا ہے کسی صفت کو سبب قرار دیتا ہے اور کسی کو شرط اور دوسری قسم علت کی وہ ہے جس میں اس شئے کی حالت ملحوظ ہوتی ہے جس پر کسی کام کا اثر ہوتا ہے یا کام کا اس سے کچھ نہ کچھ تعلق ہوا کرتا ہے یہ حالت یا اس کی صفت لازمی ہوتی ہے جیسا کہ

شارع کا قول ہے کہ شراب پینا حرام ہے اور خنزیر کھانا حرام ہے اور درندوں اور پرندوں میں سے پنجہ دار جانوروں کا کھانا حرام ہے۔ ماؤں سے نکاح کرنا حرام ہے یا کوئی عارضی صفت اس شئے کی بجائے ہوتی ہے جیسے اللہ کا قول ہے: ﴿اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا﴾ (چرانے والے اور چرانے والی کے ہاتھ کاٹو) اور جیسے کلام الٰہی: ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ (زنا کرنے والے اور زنا کرنے والی کے سو درے لگاؤ) کبھی اس شئے کی جس پر فعل واقع ہوتا ہے وہ دو یا زیادہ صفتیں بیان کیا کرتے ہیں۔ جیسے شارع کا قول ہے پاک دامن زانی کو سنگسار کرنا چاہیے اور غیر پاک دامن زانی کے درہ لگانے چاہئیں اور کبھی مکلف کی حالت کے ساتھ اس شئے کی حالت بھی ملا دی جاتی ہے۔ جس پر فعل واقع ہوتا ہے۔ جیسے شارع کا قول ہے کہ اس امت کے مردوں پر سونا اور حریر حرام ہے۔ لیکن عورتوں پر حرام نہیں ہے دین الٰہی میں کسی قسم کا گزاف نہیں ہے ان افعال سے جو رضا یا عدم رضا کا تعلق ہوا کرتا ہے تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے ان افعال کے متعلق ایسے امور معین ہوتے ہیں کہ انہیں وجہ سے حقیقت رضائے الٰہی اور اس کی ناخوشی کا تعلق ہوا کرتا ہے یہ امور دو قسم کے ہیں اوّل نیکی اور گناہ مدابیر نافع' اور ان مدابیر کی بربادی' اور انہیں کی مثل اور امور' دوسرے ایسے امور ہیں جن کا تعلق احکام شرعی سے ہوتا ہے کہ تحریف کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ لوگ مکر وحیلہ اور سستی سے احتراز رکھیں۔ ان معین امور کے لیے اور مواقع اور لوازم ایسے بھی ہوتے ہیں کہ رضا اور عدم رضا کا بالغرض ان سے تعلق لیکن ان کو انہیں لوازم سے مجازاً منسوب کر دیا کرتے ہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ دوا کا پینا آرام پانے کی علت ہے اور حقیقت میں اخلاط کا پختہ ہو کر نکل جانا آرام کی علت ہے لیکن عادۃً یہ امور دوا پینے کے بعد ہوا کرتے ہیں اور بعینہٖ دونوں ایک شئے نہیں ہوتے اور جیسے کہا کرتے ہیں کہ تمازت آفتاب میں بیٹھنا یا محنت کا کام کرنا یا کسی گرم غذا کا کھانا بیماری کی علت ہے اور بیماری کی اصلی علت اخلاط کا گرم ہو جانا ہے اور یہ سب امور اخلاط کی گرمی کے ذریعے ہوا کرتے ہیں اور صرف کسی شئے کے اصول پر ہی اکتفاء کرنا اور ان کے متفرق وسائل اور ذرائع کو ترک کر دینا ان لوگوں کا مذاق ہے جن کی نگاہ علوم نظری میں عمیق ہوا کرتی ہے اور شرع صرف عام لوگوں کی زبان کے موافق نازل ہوتی ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ حکم کی علت ایسی صفت ہونی چاہیے جس کو عام لوگ بھی سمجھ سکیں ان پر اس کی علت کی حقیقت اور اس کا ہونا اس کے نہ ہونے سے مخفی نہ رہے اور ان قاعدوں میں سے کسی نہ کسی قاعدہ سے ملتی جلتی ہو جن سے رضا یا عدم رضا متعلق ہوا کرتی ہے اس قاعدہ پر اس علت کا خاتمہ ہو یا اس کے قریب قریب ہو وعلیٰ ہذا مثلاً شراب خوری اس میں بہت سی خرابیاں کا اندیشہ ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی ناخوشی ہوتی ہے۔ شراب کی وجہ سے اللہ کی جانب خالص توجہ نہیں ہو سکتی۔ تمدن اور خانہ داری کے انتظامات سب برہم ہو جاتے ہیں یہ اکثر شراب خوری کو لازم ہوا کرتے ہیں اسی واسطے شراب کی ہر قسم کو روک دینا پڑا اور جب ایک شئے کے چند لوازم اور وسائل ہوں تو ان میں سے خاص وہی امر علت قرار دیا جائے گا۔ جس کا علت ہونا بہ سبب اوروں کے زیادہ ظاہر ہو گا یا اس کی حالت زیادہ منضبط ہو گی یا اصل سے اس کو زیادہ تعلق اور لزوم ہو گا۔ وعلیٰ ہذا' مثلاً نماز قصر اور افطار روزہ کا مدار سفر اور مرض قرار دیا گیا ہے حالانکہ ہرج کے اور بھی احتمالات تھے لیکن ان کو علت قرار نہیں دیا پر مشقت پیشوں مثلاً کاشتکاری اور آہنگری وغیرہ میں ضروری ہرج ہوا کرتا ہے ان سے قصر اور افطار کی اجازت نہیں دی گئی اس لیے کہ پیشہ وران میں ہمیشہ مصروف رہتے ہیں ان کی معاش انہیں پیشوں پر موقوف ہوا کرتی ہے ان سے اگر اجازت دی جاتی تو

اطاعتِ الٰہی کے انتظامات سب ابتر ہو جاتے۔ اور گرمی سردی کا اندازہ ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ قرائن اور علامات سے ان کی بخوبی تعیین نہیں ہوتی اس لیے وہ احتمالات معتبر کیے جاتے ہیں۔ جو قرن اوّل میں اکثر اور مشہور تھے اور سفر و مرض کا سمجھنا کسی طرح پر مشتبہ نہیں ہو سکتا اگر چہ اب کسی قدر اشتباہ اس وجہ سے پیدا ہو گیا کہ عرب اوّل کا زمانہ ختم ہو گیا ہے اور لوگوں نے احتمالات میں زیادہ چھان بین کرنی شروع کی ان کے ذوقِ سلیم جو خالص عرب کا ہوا کرتا ہے بگڑ گیا۔ واللہ اعلم

باب ٦٠

ان مصلحتوں کے بیان میں جن سے فرائض اور ارکان اور آداب وغیرہ معین کیے جایا کرتے ہیں

معلوم کرو کہ جب امت کی درستی اور سیاست کی جائے تو ضروری ہے کہ ہر ایک قسم کی طاعت کی دو حدیں قرار دی جائیں: ❶ اعلیٰ ❷ ادنیٰ۔ اعلیٰ سے یہ غرض ہے کہ اس سے پوری طرح پر مقصود حاصل ہو جائے اور ادنیٰ کے یہ معنی ہیں کہ اس سے کسی قدر مقصود کا حصول ہو کہ اس کے بعد کا درجہ لحاظ کے قابل بھی نہ ہو۔ یہ دو قسمیں اس واسطے قرار پائی ہیں کہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ لوگوں سے کوئی شئے طلب کی جائے اور ان کے لیے اس شئے کے اجزاء اس کی صورت اس شئے مطلوب کی مقدار نہ بیان کی جائے۔ ایسا ابہام تو موضوع شرع کے خلاف ہے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تمام لوگ اس پر مکلف کیے جائیں کہ ہر شئے کے آداب اور متمم اشیاء کی وہ تعمیل کریں ان لوگوں کو ایسی تکلیف بمنزلہ تکلیف بالمحال کے ہے جو کاروبار میں مصروف رہتے ہیں یا تنگ حال رہتے ہیں بخوبی ان کی فراغ خاطر حاصل نہیں ہے امت کی سیاست اور انتظام کی بنیاد اعتدال پر ہے نہ نہایت درجہ پر ہر شئے کی حالت کو پہنچانا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اعلیٰ حالت کو چھوڑ کر ادنیٰ حالت پر ہی اکتفاء کریں۔ اعلیٰ حالت سابقین اُمت کا مسلک اور مشرب اور اللہ کے مخلصین بندوں کا مذاق اور حصہ ہے۔ ایسے درجہ کو بالکل ترک کرنا لطفِ الٰہی کے مناسب نہیں ہے اس لیے یہی ضروری ہوا کہ ادنیٰ کی حالت کی بخوبی توضیح کر کے اس کے ساتھ لوگ مکلف قرار دیئے جائیں اور اس سے زائد اور اعلیٰ امور کی طرف بھی لوگ مائل کیے جائیں لیکن ہر شخص پر ان کو ضروری قرار نہیں دینا چاہیے۔ جن امور سے لوگ مکلف کیے جاتے ہیں ان کے حصے مختلف ہوا کرتے ہیں ایک حصہ تو اس میں کسی طاعت کی مقدار ہوا کرتی ہے۔ مثلاً پنج وقت نماز' رمضان کے روزے اور بعض امور اس طاعت کے اجزاء ہوا کرتے ہیں۔ جن کے بغیر وہ طاعت لحاظ و اعتبار کے قابل نہیں ہوا کرتی۔ مثلاً تکبیر اور سورۂ فاتحہ کا پڑھنا نماز کے لیے' ایسے اجزاء کا نام ارکان ہے اور بعض امور اس طاعت سے خارج ہوتے ہیں۔ لیکن بدون ان امور کے طاعت غیر معتبر ہوا کرتی ہے۔ ان امور کا نام شروط ہے۔ جیسے نماز کے لیے وضو' معلوم ہونا چاہیے کہ کبھی تو کوئی شئے رکن کسی سبب ذاتی اور امر طبعی کے طور پر قرار دی جاتی ہے اور کبھی کسی امر عارضی کی وجہ سے پہلی صورت میں بغیر اس رکن کے طاعت کا قوام اور قاعدہ کچھ نہیں ہوا کرتا جیسے نماز میں رکوع اور سجدہ' اور روزہ میں کھانے پینے اور مجامعت سے باز رہنا۔ یا ایسے رکن کی وجہ سے کوئی امر مخفی اور مبہم جو اہم اور ضروری ہوا کرتا ہے۔ صاف اور منضبط

ہو جایا کرتا ہے جیسے تکبیر سے نیت کا انضباط اور استحضار ہو جایا کرتا ہے اور سورۂ فاتحہ سے دعا کا انضباط ہو جایا کرتا ہے اور سلام کے ذریعہ سے نماز سے باہر آنے کی صورت ایسے عمدہ کام سے منضبط ہو جایا کرتی ہے جو وقار اور تعظیمی حالت کے منافی نہیں ہے اور جو امر عارضی کی وجہ سے رکن قرار دیئے جاتے ہیں ان کا وجوب کسی نہ کسی سبب سے ہوا کرتا ہے وہ نماز کے لیے اس لیے رکن قرار دیئے جاتے ہیں کہ ان سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے پوری طرح سے نماز کی غرض ان سے حاصل ہوتی ہے ان کے تعین میں خوبی اور عمدگی ہوا کرتی ہے جیسے کہ اس شخص کے مسلک کے موافق جو کسی سورۃ قرآنی کے پڑھنے کو رکن قرار دیتے ہیں تو اس کا رکن ہونا اس لیے ہے کہ قرآن اللہ کے شعائر میں سے ہے اس سے بے پرواہی نہیں کرنی چاہیے ایسے شخص کے لیے یہ مناسب ہے کہ اس کی تلاوت کا اس عبادت میں حکم دیا جائے۔ جو سب عبادتوں میں زیادہ ضروری اور مؤکد اور سب سے زیادہ اس کے پائے جانے کے مواقع ہوں زیادہ قسم کے لوگ اس سے مکلف ہوں اور کبھی کوئی شئے رکن اس واسطے قرار دی جاتی ہے کہ اس کی وجہ سے دو مشتبہ چیزوں میں تمیز ہو جائے یا اس سے مستقل شئے اور اس کے مقدمہ میں فرق ظاہر ہو جائے ایسی شئے کو بھی رکن کر لیتے ہیں اور ان کی بجا آوری کا حکم دیتے ہیں جیسے رکوع سجود میں قومہ اس کی وجہ سے سر جھکانے میں جو سجدہ کا مقدمہ ہے اور رکوع میں جو مستقل تعظیم ہے فرق ہو جایا کرتا ہے اور جیسے نکاح میں ایجاب وقبول' گواہ' ولی کا موجود ہونا' عورت کی رضا بغیر ان امور کے نکاح اور زنا میں فرق ظاہر نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ تعیین ارکان میں دونوں وجہیں ذاتی اور عرضی جمع ہو جائیں اور شرط کا حال بھی رکن پر ہی قیاس کر لینا چاہیے اکثر کوئی شئے کسی وجہ سے واجب ہوا کرتی ہے اس لیے اس کو کسی شعائر دینی کے لیے شرط کر دیا کرتے ہیں اس شرط سے اس کی شان بڑھ جایا کرتی ہے یہ صورت جب ہی ہوتی ہے کہ اس شرط کے مل جانے ہی سے اس طاعت کی کمالیت ہوتی ہے۔ مثلاً استقبال قبلہ' جیسے کہ خانہ کعبہ شعائر الٰہی میں سے ہے اس لیے واجب التعظیم ہے اور بڑی تعظیم کی صورت یہ ہے کہ لوگ اپنی سب سے زیادہ عمدہ حالت میں اس کی جانب اپنا رُخ کریں ایک خاص سمت کی جانب اللہ کی بعض نشانیاں اور شعائر ہوں رُخ کرنے سے مصلی کو اللہ کی حضوری میں فروتنی اور نیازمندی پر آگاہی ہوا کرتی ہے اور اس کو وہ حالت یاد آتی ہے جو مالکوں کے سامنے غلاموں کے کھڑا رہنے سے ہوا کرتی ہے اس واسطے نماز میں استقبال قبلہ کو شرط ٹھہرایا ہے بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں کہ بغیر کسی خاص صورت کے ان میں فائدہ نہیں ہوا کرتا ہے۔ اس واسطے اس ہیئت کو اس کی شرط کر دیا کرتے ہیں مثلاً نیت کا اعمال پر اثر جب ہی ہوا کرتا ہے کہ وہ نفسانی حالت کی تصویر ہوں اور نماز نیاز کی تصویر ہوا کرتی ہے اور بغیر نیت کے نیاز کوئی شئے نہیں ہے۔ اور ایک دوسری صورت کے لحاظ سے استقبال قبلہ بھی ایسا ہی ہے دل کا باحضور اور متوجہ ہونا ایک مخفی امر تھا اس لیے بیت اللہ کے سامنے کھڑا ہونا جو کہ اللہ کے شعائر میں سے ہے بجائے حضور دل کے قرار دیا گیا۔ اور مثلاً وضو' ستر ڈھانکنا' بے ہودگی کو ترک کرنا' اس لیے کہ دلی تعظیم ایک مخفی امر تھا۔ اس کے لیے وہ حالتیں اس دلی تعظیم کے قائم مقام کی گئیں۔ جن کا سلاطین اور ان کے پایہ کے لوگوں کی حضوری میں لوگ لحاظ کیا کرتے ہیں اور ان کو آداب تعظیمی سے شمار کرتے ہیں یہ امور ان کے دل نشین ہو گئے ہیں۔ عرب اور عجم کے باشندوں نے ان پر اتفاق کر لیا ہے۔

جب بعض طاعات منجملہ فرائض کے معین کی جائیں تو چند اصول پر لحاظ کرنا ضروری ہے اول یہ کہ لوگوں کو صرف آسان امر کی تکلیف دینی چاہیے۔ آنحضرت کا ارشاد ہے کہ اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا تو ہر نماز کے وقت ان کو مسواک کرنے کا حکم کرتا۔

اس حدیث کی ایک دوسری حدیث سے تفسیر ہوتی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا تو جیسے میں نے ہر نماز کے وقت وضو کو فرض کیا ہے ایسے ہی مسواک کو فرض کر دیتا اور ایک قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی مقدار کے متعلق لوگوں کا یہ اعتقاد ہو جائے کہ اس کو فروگزاشت کرنا اللہ کی شان میں کوتاہی کرنا ہے اور یہ امر ان کے دلوں میں اس لیے خوب جم جائے کہ وہ شئے انبیاء علیہم السلام سے منقول ہوتی چلی آئی ہو۔ سلف کا برابر اس پر اتفاق رہا ہو یا ایسے ہی امور اور بھی ہوں تو ایسی حالت میں کہ مقتضائے حکمت یہی ہے کہ جیسے لوگوں نے اس کو اپنے ذمہ واجب ٹھہرالیا ہے ان پر وہ شئے واجب ہی کر دی جائے۔ جیسے اونٹوں کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل پر حرام کر دیا گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے رمضان میں قیام کی نسبت فرمایا کہ مجھ کو اندیشہ ہو گیا ہے کہ کہیں یہ قیام تم پر فرض نہ کر دیا جائے اور ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جب تک کوئی شئے خوب صاف صاف اور ظاہر اور منضبط نہ ہو لوگ اس کے ساتھ مامور نہ کیے جائیں یہی وجہ ہے کہ حیاء اور تمام اخلاق حالانکہ اسلامی شعبے ہیں اسلام کے ارکان میں نہیں قرار دیئے گئے اور ادنیٰ طاعت کی حالت آرام اور آسائش اور سختی کی وجہ سے مختلف ہو جایا کرتی ہے طاقت رکھنے والے کے لیے قیام کو رکن نماز مقرر کیا ہے لیکن ناتوان کے لیے بیٹھنے کو قیام کا جانشین ٹھہرایا ہے اور ایسے ہی طاعت حد اعلیٰ میں کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے زیادتی ہو جایا کرتی ہے۔ بعض نوافل فرائض کے ہم جنس سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے سنن آداب ورواتب میں (مغرب کی سنتیں) نماز تہجد ہر ماہ میں تین تین روزے اور مستحب صدقات وغیرہ اور کیفیت کی زیادتی اس طرح ہوتی ہے کہ خاص خاص سنتیں اور ذکر اور اطاعت کے نامناسب امور سے باز رہنا۔ امور تکمیل کے لیے طاعت میں ضروری قرار دیئے جاتے ہیں ان کی بجا آوری سے مکمل صورت میں طاعت ادا کی جاتی ہے۔ جیسے جوڑ بندوں کا چرک وغیرہ سے پاک صاف رکھنے کا وضو میں حکم دیا جاتا ہے تاکہ نظافت بخوبی حاصل ہو جائے اور دائیں جانب سے ابتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے نفس میں بے داری پیدا ہوتی ہے اور طاعت کا خیال اس میں پیدا ہوتا ہے۔ نفس جب طاعت کی اس طرح بجا آوری کرتا ہے جیسے مہتم بالشان امور کی کرتا ہے اس سے اس کی توجہ پر بڑا اثر پڑتا ہے اور معلوم کرنا چاہیے کہ جب کوئی شخص کسی خلق کو اپنے اندر پیدا کرتا ہے وہ قصد کرتا ہے کہ یہ خلق اس کی رگ وپے میں سرائت کر جائے تو اس کے حصول کا ذریعہ یہی ہے کہ اس کے مناسب جو جو افعال اور مناسب امور ہوں ان سب کا انجام کرے اگر چہ وہ تمام لوگوں کی نظر میں ادنیٰ اور ناقابل اعتبار ہی کیوں نہ ہوں جس کو شجاعت کی مشق اور ورزش کا اہتمام ہوتا ہے وہ نہ دلدلوں میں چلنے سے جھجکتا ہے نہ آفتاب کی گرمی اور نہ شب تار میں چلنے سے باک کرتا ہے ایسے ہی جس کو حضور خداوندی میں عجز و نیاز کی مشق منظور ہوتی ہے وہ تمام تعظیمی حالتوں کی مؤدبانہ حفاظت کرتا ہے۔ رفع ضرورت کے وقت نہایت شرمگین اور سرنگوں طور پر بیٹھتا ہے اللہ کے ذکر کے وقت اپنے تمام پاؤں کو وہ سمیٹ لیتا ہے اور جس کو اعتدال اور مرتبہ عدالت کی ورزش مقصود ہوتی ہے وہ ہر چیز کو اسی کا حق ادا کرتا ہے کھانے اور پاکیزہ چیزوں کے لیے داہنے ہاتھ کو اور نجاست دور کرنے کے لیے بائیں کو خاص کرتا ہے اور یہی راز تھا کہ آنحضرت ﷺ سے کہا گیا تھا کہ بڑے کو مسواک دو (آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خواب میں میں نے دیکھا کہ مسواک کر رہا ہوں اتنے میں دو شخص آئے ان میں سے ایک بڑا تھا میں نے مسواک چھوٹے کو دے دی اس وقت مجھ سے کہا گیا۔ کبر کبر یعنی بڑے کو دو۔ ایسے ہی خویصہ اور محیصہ (مسعود کے دو بیٹوں کا نام ہے) کے قصہ میں آپ نے فرمایا بڑے کو پہلے گفتگو کرنے دو (جنگ خیبر میں جب ابن

سہیل قتل ہو گئے اور کوئی ان کا قاتل معلوم نہ ہوا تو آنحضرت ﷺ کے پاس عبدالرحمٰن مقتول کے بھائی اور مسعود کے دونوں بیٹے آئے عبدالرحمٰن نے گفتگو شروع کر دی لیکن وہ عمر میں چھوٹے تھے اس لیے آپ نے ارشاد فرمایا کبرالکبر (بڑے کو پہلے گفتگو کرنے دو) حدیث میں وارد ہوا ہے: **ان الشیطان یاکل بشماله** . (شیطان بائیں ہاتھ سے کھایا کرتا ہے) اور ایسے ہی اور جگہ بھی شیاطین کی طرف بعض افعال کی نسبت کی گئی ہے۔ اس کے معنی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ سمجھائے ہیں کہ شیاطین کو اللہ تعالیٰ نے قدرت دی ہے کہ خواب میں یا بیداری کی حالت میں لوگوں کی نظر کے سامنے ایسی شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں جو ان کے مزاجوں کے موافق ہوتی ہیں وہ شکلیں ان حالات کا بھی مقتضا ہوا کرتی ہیں جو شکل بننے کے وقت شیاطین پر طاری ہوتی ہیں جن لوگوں کا وجدان سلیم ہوتا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ شیاطین کی مزاجی حالت کی وجہ سے بدکاریاں اور ایسے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جن میں سبکی اور تنگدلی پائی جایا کرتی ہے ناپاکیوں سے وہ حالت قریب کر دیتی ہے۔ ذکر الٰہی میں ان کی وجہ سے سنگدلی ہوا کرتی ہے جتنے انتظامات پذیر اور گزیدہ ہیں ان میں اس حالت کی وجہ سے ابتری ہوا کرتی ہے۔ بدکاریوں سے ہماری مراد ایسے افعال ہیں جن سے لوگوں کے دل نہایت بے زار ہوں ان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں وہ زبان سے ان افعال پر لعن طعن کریں یہ لوگوں کا قدرتی طریقہ ہے۔ جو صورتِ نوعیہ کے فیضان سے ان میں پیدا ہوا ہے تمام فرقے اس میں برابر ہیں ایسے آثار کسی قومی رسم ورواج کی پابندی یا کسی خاص مذہبی اثر سے نہیں ہوا کرتے۔ مثلاً اپنی شرمگاہ کو ہاتھ سے گرفت کرنا' کودنا' ناچنا' اپنی دبر میں انگلی داخل کرنا' اپنی داڑھی کو تھوک سے آلودہ کرنا' ناک کان کٹا ہونا یا سیاہ رُو ہونا' لباس کو الٹا پہننا' قمیص کا اوپر والا حصہ نیچے کو کر لینا یا کسی چوپایہ پر سوار ہو کر اس کی دم کی طرف اپنا منہ کر لینا' یا ایک پاؤں میں موزہ پہن کر دوسرا برہنہ چھوڑ دینا ایسے ہی اور افعال ہیں جن کو دیکھتے ہی ہر شخص لعنت وملامت کرتا ہے بعض اوقات میں' میں نے خود شیاطین کو ایسی ایسی حرکتیں کرتے ہوئے دیکھا ہے اور سبک کاموں سے میری غرض یہ ہے مثلاً اپنے کپڑے یا کنکریوں کو بے ہودہ طور پر لوٹ پوٹ کرنا۔ بدنما طور پر ہاتھ پاؤں ہلانا' بہر حال خداوند کریم نے اپنے نبی ﷺ پر ان افعال کو منکشف کیا کہ یہ شیطانی مزاجوں کے میلان اور اقتضا سے ہوا کرتے ہیں۔ جب کسی کو خواب یا بیداری میں شیطان کی صورت نظر آتی ہے تو ایسے حرکات اس میں ہوا کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کو بتایا گیا کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کو شیاطین اور شیطانی حالتوں سے گریز کرنا چاہیے تب آنحضرت ﷺ نے ان افعال اور صورتوں اور ان کی زشتی کو بیان فرمایا اور ان سے محترز رہنے کا حکم دیا۔ اسی بات سے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ قضائے حاجت کے موقعوں پر شیاطین آموجود ہوتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ شیطان لوگوں کی مقعدوں سے بازی کیا کرتا ہے اور جب انسان ہاہ ہاہ کرتا ہے تو شیطان خوب ہنستا ہے اور ملائکہ کی حالتوں کی جو رغبت لوگوں کو دلائی گئی ہے۔ اس کو بھی اس پر قیاس کرلو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جیسی ملائکہ صفیں باندھتے ہیں ویسی ہی تم کیوں نہیں باندھتے ابواب آداب کے متعلق یہ ایک دوسرا قاعدہ ہے۔ معلوم کرو کہ جب کوئی شئے فرض کفایہ مقرر کی جاتی ہے تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اگر سب لوگ اس کو مطلقانہ طور پر کرنے لگیں تو انتظام معاش برہم ہو جائے۔ اُن کی تدابیر نافع معطل ہو جائیں اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ بعض لوگ ایک کام کے لیے خاص کر دیئے جائیں اور اوروں سے کوئی دوسرا کام لیا جائے مثلاً اگر عام لوگ زراعت اور تجارت کے تمام کاروبار چھوڑ کر جہاد ہی پر اتفاق کرلیں تو معاش برہم ہو جائے گی اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ بعض کو جہاد کا

کام سپرد کر دیا جائے اور کسی کو زراعت کا۔ بعض کو تجارت کا۔ کوئی تعلیم علوم کی خدمت کرے اس لیے کہ کسی شخص کو کسی امر میں آسانی ہوتی ہے۔ کسی کو کسی میں۔ اور نام محض اور قسمیں نہیں بتا سکتیں کہ وہ کس چیز کے قابل ہے تا کہ حکم کا وہ مدار علیہ ہو سکے۔ فرض کفایہ کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ اُس سے انتظامی حالت درست رہے اُس کی فروگزاشت سے کوئی نفسانی ابتری اور بہیمیت کا غلبہ نہ ہو مثلاً قاضی ہونا۔ علوم دین کی تعلیم۔ خلافت کا انتظام یہ سب امور انتظاماً مقرر ہوئے ہیں۔ ایک شخص اُس کے تکفل کے لیے بس کرتا ہے اور جیسے بیماروں کی عیادت۔ نماز جنازہ اس واسطے مشروع ہوئے ہیں کہ ان سے بیماروں اور مردوں کی تضیع نہ ہو بعض لوگ اگر اس کو پورا کر دیں گے تو مقصود حاصل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

باب ٦١

اوقات کے اسرار میں

اُمت کی سیاست بغیر اس کے پوری نہیں ہوا کرتی کہ اُن کے لیے طاعتوں کے اوقات معین کر دیئے جائیں تعین اوقات میں اصلی امر فراست اور حدس ہے جس سے مکلفین کی حالت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے اس سے وہ چیز اختیار کر لی جاتی ہے جو لوگوں پر گراں نہ ہو اور اس سے مقصود حاصل ہو جائے اور اس کے علاوہ تعین اوقات میں اور بھی حکمتیں اور مصلحتیں ہوا کرتی ہیں جن کو راسخین فی العلم ہی جانتے ہیں لیکن تین قاعدوں پر اُس کا استنباط ہوا کرتا ہے اوّلاً یہ کہ اگر چہ خداوند کریم زمانہ سے برتر ہے لیکن آیات اور احادیث باہم ایک دوسرے کی اس امر میں مؤید ہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات میں اپنے بندوں سے قریب ہوا کرتا ہے اور بعض اوقات میں لوگوں کے اعمال اللہ تعالیٰ پر ہوا کرتے ہیں بعض اوقات میں وہ بعض بعض حوادث کو دنیا میں مقرر اور مقدر کیا کرتا ہے۔ و علیٰ ہذا۔ اور جدید حالات کو بھی سمجھ لو اگر چہ ان سب امور کی اصلی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر شب کو تہائی رات رہی ہمارا پروردگار آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ یک شنبہ اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال اللہ کے حضور میں پیش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں طلوع کیا کرتا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ اس شب میں اللہ تعالیٰ ورے آسمان پر نزول کرتا ہے اس بات میں اکثر حدیثیں وارد ہیں جو کہ معلوم ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ یہ امر ضروریات دین سے ہے کہ بعض خاص خاص اوقات میں زمین پر روحانیت پھیل جایا کرتی ہے اور اُس میں ایک مثالی قوت کا ظہور ہوتا ہے۔ قبول طاعات اور قبولیت دعا کے لیے ان اوقات سے عمدہ اور مناسب وقت کوئی نہیں ہوا کرتا ہے ان اوقات میں ایک ادنیٰ سعی کرنے سے نہایت وسعت کے ساتھ قوت بہیمی ملکی طاقت کے مطیع ہو جایا کرتی ہے اور ملاء اعلیٰ اس روحانیت اور مثالی قوت کے پھیلنے کا اندازہ آسمانی دوروں سے نہیں کیا کرتے بلکہ اپنے ذوق و وجدان سے اُس کو معلوم کر لیا کرتے ہیں ان کے دلوں میں اوّلاً کوئی شئے منطبع ہوتی ہے اس سے وہ سمجھ جاتے ہیں کہ کوئی روحانیت پھیلنے والی ہے اور کسی حکم الٰہی کا نزول ہونے کو ہے۔

حدیث شریف میں اس کا بیان آیا ہے کہ فرشتوں کے پروں کی آواز ایسی معلوم ہوا کرتی ہے جیسے کوئی آہنی زنجیر چکنے پتھر پر مارتا ہے۔ بمنزلۃ سلسلۃ علی صفوان۔

انبیاء علیہم السلام کے دلوں پر بھی یہی علوم ملاء اعلیٰ کی جانب سے منقش ہوتے ہیں اور وہ ان کو وجدانی قوت سے معلوم کرلیا کرتے ہیں آسمانی دوروں کا ان کو حساب لگانا نہیں پڑتا اس کے بعد انبیاء اس موقع کے قرار دینے میں کوشش کرتے ہیں جہاں اُس ساعت کے ہونے کا احتمال ہوا کرتا ہے اُس کے تعین کے بعد لوگوں کو حکم کرتے ہیں کہ اُس ساعت کا لحاظ رکھیں اور اُس کی حفاظت کریں بعض ساعتوں کا دورہ سال کے دورہ کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ﴾.

''ہم نے قرآن کو مبارک شب میں نازل کیا ہے۔ ہم برائیوں سے لوگوں کو ڈرانے والے تھے ہمارے حکم سے اُس میں مضبوط کام جدا جدا کئے جاتے ہیں۔ ہم ہی پیغمبروں کو بھیجا کرتے ہیں۔''

اور اس ساعت میں ورے آسمان میں قرآن کی روحانیت معین ہوگئی تھی اس پر اتفاق ہے کہ ماہِ رمضان میں یہ تعین ہوا تھا۔

اور بعض اوقات کا دور ہفتہ کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے یہ تھوڑا سا وقت ہے اُس میں دعا اور طاقتوں کی قبولیت کی امید کی جاسکتی ہے اور جب لوگ عالم معاد کی طرف رجوع کریں گے تو اسی وقت اللہ تعالیٰ اُن پر تجلی کرتا ہے اسی ساعت میں لوگوں کو اللہ سے قرب ہوتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ وقت جمعہ کے روز واقع ہوتا ہے اس پر آنحضرت ﷺ نے استدلال فرمایا ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے واقعات جمعہ کو ہی ہوئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش بھی اسی روز ہوئی تھی اور نیز بہائم کو ملائکہ سفلی کے ذریعہ سے اس ساعت کی عظمت معلوم رہتی ہے اس وقت وہ خوف زدہ اور ایسے مرعوب رہتے ہیں جیسے کوئی سخت آواز سے خوف زدہ رہتا ہے۔ جمعہ کے روز آنحضرت ﷺ نے اس کو مشاہدہ کیا تھا اور بعض اوقات کا دور روزانہ دور کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور روحانیتوں کی نسبت اُس وقت کی روحانیت کسی قدر ضعیف ہوا کرتی ہے اور ارباب ذوق جو ملاء اعلیٰ سے حاصل کیا کرتے ہیں ان کا اتفاق ہے کہ روزانہ ایسے اوقات چار ہیں۔ ① کسی قدر آفتاب سے پیشتر ② ٹھیک آفتاب کے ٹھہرنے کے بعد ③ غروب آفتاب کے بعد ④ نصف شب کے صبح تک۔ خاص اُن اوقات میں اور کسی قدر اُن سے آگے پیچھے روحانیت پھیلتی ہے اور برکات ظاہر ہوتے ہیں روئے زمین میں کوئی اہل مذہب ایسے نہیں ہیں جو واقف نہ ہوں کہ ان وقتوں میں عبادت زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ لیکن مجوس نے دین کی تحریف کر لی تھی اور اللہ کو چھوڑ کر آفتاب کی ان وقتوں میں پرستش کرنے لگے تھے۔ اس واسطے آنحضرت ﷺ نے تحریف کو روک کر ان اوقات کو ایسے وقتوں سے بدل دیا جو اُن اوقات سے کچھ دور بھی نہ تھے اور اصلی غرض بھی اس تبدیلی سے فوت نہ ہوتی تھی آنحضرت ﷺ سے بروایت صحیح ثابت ہے آپ نے فرمایا کہ شب میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اگر وہ بندۂ مسلمان کو مل جائے اور دنیا و آخرت میں کسی بھلائی کی وہ دعا کرے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں ہر شب کو یہ ساعت ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ نصف شب کی نماز سب نمازوں سے افضل ہے لیکن اس کے پڑھنے والے لوگ کم ہیں آنحضرتؐ سے دریافت کیا گیا کہ کون سے وقت میں دعا زیادہ

مقبول ہوتی ہے آپؐ نے فرمایا کہ نصف شب میں اور آنحضرت ﷺ نے زوال کی ساعت کی نسبت فرمایا ہے کہ آسمان کے دروازے مفتوح ہوتے ہیں اس لیے میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا کوئی عمل آسمان کی طرف صعود کرے اور آپؐ نے فرمایا کہ رات کے فرشتوں سے پہلے دن کے فرشتے آسمان کی طرف صعود کرتے ہیں اور دن کے فرشتوں سے پہلے رات کے فرشتے صعود کرتے ہیں۔ ان مضامین کی طرف اللہ تعالیٰ بھی اپنی محکم کتاب میں اشارہ فرماتا ہے: ﴿فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَ حِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ وَ لَهُ الۡحَمۡدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَعَشِيًّا وَّ حِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ ﴾ (اللہ کی پاکی ہے جس وقت کہ تم شام کرتے ہو اور جس وقت کہ تم صبح کرتے ہو۔ اور آسمانوں اور زمین میں اللہ کی تعریف ہے شام کے وقت اور جب کہ تمہارا وقت ظہر آتا ہے) اس بات کے متعلق نصوص بکثرت ہیں وہ امور معلوم ہیں میں نے اس کے متعلق بڑے بڑے مشاہدہ کیے ہیں۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا ٹھیک وقت وہ ہے کہ تمام طبعی تشویشات سے آدمی فارغ ہو۔ زیادہ گرسنگی، زیادہ تشنگی، زیادہ سیری، نیند کا زیادہ غلبہ نہ ہو سستی نہ ہو۔ بول و براز کی حاجت نہ ہو۔ ایسی خیالی پریشانیوں سے بھی آدمی کو آزادی ہو۔ لغو اور بے ہودہ گفتگوؤں سے کان، اور مختلف صورتوں اور پریشان کرنے والی رنگتوں سے آنکھ بھری ہوئی نہ ہو اور اس قسم کی تشویشوں کے اقسام سے تنہائی ہو۔ یہ فراغ اور آزادی عادات کے اختلاف سے مختلف ہوا کرتی ہے لیکن جو عرب اور عجم اور نیز ترکی اور مغربی لوگوں کے بمنزلہ طبعی طریقہ کے ہو گیا ہے وہ اس قابل ہے کہ نوامیس کلی میں اس کو دستور العمل قرار دیں۔ اور اس سے مخالف شاذ و نادر ہی ہوا کرتا ہے وہ صبح اور شام کا وقت ہے اور جب آدمی سونے کا قصد کرتا ہے تو اس وقت ضرورت ہوتی ہے کہ مشغلوں سے جو چرک طبیعت میں جم جاتا ہے۔ وہ صیقل سے دور کر دیا جائے اس لیے آنحضرت ﷺ نے منع فرما دیا کہ عشاء کے بعد لوگ قصہ اور شعر نہ پڑھا کریں۔ سیاست امت کی تکمیل کے لیے یہ بھی ضرور ہے کہ اس کا حکم دیا جائے کہ کچھ نہ کچھ زمانے کے بعد نفس میں نماز کی آمادگی اور تیاری پیدا ہوتی رہے تا کہ نماز کا انتظام اور اس کی تیاری نماز پڑھنے سے پہلے اور نماز کا بقیہ نور اور رنگ نماز پڑھنے کے بعد نماز کے حکم میں سمجھا جائے اور اسی طرح پر اگر تمام اوقات کا استیعاب نہ ہو سکے تو اکثر اوقات کا استیعاب ہو جائے بارہا دفعہ ہم نے تجربہ کیا ہے کہ جو شخص نماز شب کے قصد سے سوتا ہے وہ کبھی خواب میں مستغرق نہیں ہوتا اور جس شخص کا دل کسی عمدہ تدبیر دنیوی یا کسی نماز کے وقت میں یا کسی وظیفہ میں ناغہ ہو جانے کے متعلق رہتا ہے تو کبھی حالت میں اس کو محویت نہیں ہوا کرتی اسی واسطے حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص خواب سے جاگے اور پڑھے:

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر و سبحان اللہ و الحمدللہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ.

اس کے بعد کہے رب اغفرلی اللہ اس کی دعا قبول کر لیتا ہے اور اگر یہ شخص وضو کر کے نماز پڑھ لے گا تو اس کی نماز بھی مقبول ہو گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ﴾ (وہ ایسے لوگ ہیں جن کو نہ تجارت نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے) اور یہ مناسب ہے کہ دو وقتوں کے درمیان چوتھائی روز کا فاصلہ دیا جائے اتنے عرصہ میں تین گھنٹہ کی مہلت ہو جائے گی اور عرب اور عجم کے ہاں جو تقسیم شب و روز کی ہے اس تقسیم کا یہ تین گھنٹہ مقدار مستعمل کی۔ اوّل حد کثرت ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ سب سے پہلے شب وروز کے حضرت نوح علیہ السلام نے حصے کیے تھے ان کے بعد ان کی اولاد برابر یہی حصے کرتی آئی ہے تیسرا قاعدہ اوقات میں یہ ہے کہ عبادت ادا کرنے کا وقت ایسا ہونا چاہیے کہ جس سے اللہ کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کی یاد آ جائے مثلاً روز عاشورہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر فتح مند کیا تھا انہوں نے اس کے شکریہ میں خود بھی روزہ رکھا تھا اور اوروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا اور جیسے ماہ رمضان میں قرآن مجید نازل ہوا اور ملتِ اسلام کے ظہور کی ابتداء اس سے ہوئی یا اس عبادت سے انبیاء علیہم السلام کی طاعت اور عبادت پروردگار کی اور اللہ نے جو اس بندگی کو ان سے مقبول کر لیا تھا یاد آتی ہو۔ مثلاً بقرعید کی نماز سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح ہونے کا قصہ اور بھیڑی ذبح کرنے سے ان کے فدا کرنے کا حال یاد آ جاتا ہے یا اس وقت کی عبادت سے دین کے بعض نشانات کی شان اور مرتبہ معلوم ہوتا ہے جیسے عید الفطر کی نماز پڑھتے ہیں' خیرات کرتے ہیں اس سے رمضان کی ایک شان معلوم ہوتی ہے اور اللہ نے اپنے بندوں کو جو عبادت کی توفیق دی تھی اس کے ادائے شکر کی بھی ایک شان معلوم ہوتی ہے اور نیز جیسے بقرعید کے روز حجاج کی حالت سے ایک قسم کی مشابہت ہو جایا کرتی ہے اور جو رحمتیں اللہ تعالیٰ نے حجاج کے لیے مقرر کی ہیں ان کو اپنے سامنے پیش کرنا ہوتا ہے یا اُن صلحا کا جن کی نیکی پر تمام امتوں کی زبان پر شہادت دی گئی ہوتی ہے۔ یہ طریقہ چلا آتا ہے کہ ان اوقات میں اطاعت خداوندی اور عبادتِ الٰہی کیا کرتے تھے جیسے نماز پنجگانہ کے اوقات حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا یہ تمہارا وقت ہے اور انبیائے سابقین کا وقت بھی یہی تھا اور جیسے رمضان شریف کی نسبت ارشاد الٰہی ہے: ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ (تم پر روزے ایسے ہی فرض ہوئے جیسے اگلے لوگوں پر فرض ہوئے تھے) تفسیر میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے اور ہمارے متعلق روزہ عاشورہ کا بھی یہی حال ہے یہ تیسرا قاعدہ اکثر اوقات میں ملحوظ ہے۔ لیکن وہ دونوں پہلے قاعدے اوقات کے اصل الاصول ہیں۔ واللہ اعلم

باب ۶۲

اعداد اور مقداروں کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ شرع میں جو ایک چیز کی مقدار معین کر دی ہے اور اس کی دوسری نظیر کی وہ مقدار معین نہیں کی ہے تو اس کی حکمتیں اور مصلحتیں خاص ہیں اگرچہ ہر شئے کے معین کرنے میں پورا اعتماد قوت حدس پر ہے جس سے مکلفین کی حالت اور وہ امور معلوم ہوتے ہیں۔ جو لوگوں کی سیاست کے مناسب اور لائق ہیں لیکن مصلحتوں کی انتہا تین قاعدوں پر ہے ❶ یہ کہ طاق کا عدد مبارک ہے۔ جب تک یہ کافی ہو سکے گا دوسرے عدد کی طرف تجاوز نہ کریں گے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بے شک اللہ طاق ہے اور طاق ہی کو پسند کرتا ہے۔ پس اے قرآن پڑھنے والو وتر نماز پڑھا کرو اس میں راز یہ ہے کہ ہر کثرت کی ہدایت وحدت سے ہوا کرتی اور طاق عدد تمام کثرت کے درجوں میں وحدت سے زیادہ قریب ہوا کرتا ہے اس واسطے کہ جو مرتبہ عدد کا فرض کیا جائے اس میں ایک

غیر حقیقی وحدت شامل ہوا کرتی ہے جس سے وہ مرتبہ مرتبہ قرار پاتا ہے۔ مثلاً اس کا مرتبہ چند وحدتوں کا مجموعہ ہے جو مل کر ایک عدد بن گیا۔ پانچ اور پر پانچ کا نام دس نہیں ہے اس پر اور عددوں کو بھی قیاس کر لو۔ ان مراتب عددی میں بھی غیر حقیقی وحدت، وحدتِ حقیقی کا نمونہ اور اس کے جانشین ہے اور طاق عدد میں یہ غیر حقیقی وحدت بھی ہوا کرتی ہے اور اس کے ساتھ اسی قسم کی ایک اور وحدت بھی ہوتی ہے یعنی دو عدد صحیح مساوی کی طرف منقسم نہ ہونا۔ اس لیے بہ نسبت عدد جفت کے عدد طاق وحدت سے زیادہ قریب ہے چونکہ اللہ تمام بندوں کا مبدا ہے۔ اس لیے موجود شئے اپنے مبدا سے زیادہ قریب ہوگی وہ گویا حق تعالیٰ سے زیادہ قریب ہوگی اس لیے جس میں وحدتِ کمال درجہ ہوگی اس میں خلق الٰہی کا ایک نمونہ ہوگا۔ جاننا چاہیے کہ عدد طاق کے مختلف مرتبے ہیں۔ بعضے عدد طاق جفت کے مشابہ ہوا کرتے ہیں مثلاً نو اور پانچ کا عدد ان دونوں میں سے صرف ایک ہندسہ دور کرتے ہی دو جفت عددوں میں انقسام ہوتا ہے اور نو کا ہندسہ اگرچہ دو برابر حصوں میں منقسم نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اس کے برابر برابر تین حصے ہو سکتے ہیں ایسے ہی بعض جفت ہندسہ طاق کے مشابہ ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً بارہ تین بار چار چار عدد لینے سے حاصل ہوتا ہے اور چھ کا ہندسہ دو کو تین بار لینے سے بنتا ہے اور تمام طاق اعداد میں امام اور جفت کی مشابہت سے نہایت دور ایک کا عدد ہے اور اس ایک کے بعد اس کے وارث اور جانشین تین اور سات کے اعداد ہیں اور جو اعداد ان کے علاوہ اور ہیں وہ ایک عدد کے خاندان اور امت میں سے ہیں۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اکثر ایک تین اور سات کے عدد کو پسند فرمایا ہے اور جب بمقتضائے حکمت ان اعداد سے زیادہ کسی اور عدد کا حکم دیا گیا ہے تو وہ اختیار کیا گیا۔ جو ان کی ترقی دینے سے حاصل ہوتا ہے مثلاً ایک کی ترقی سے دس اور سو اور ہزار نیز گیارہ حاصل ہوتا ہے اور تین کی ترقی سے تیس اور تینتیس اور تین سو حاصل ہوتے ہیں اور سات کی ترقی سے ستر اور سات سو حاصل ہوتے ہیں جو عدد ترقی کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ گویا بعینہٖ وہی عدد ہوتا ہے جس کو بڑھا لیا ہے اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے ہر نماز کے بعد سو کلموں کا پڑھنا مسنون فرمایا ہے پھر تین تین مرتبہ تینتیس تینتیس پر اس کو تقسیم کر دیا ہے اور تاکہ پوری حالت طاق کی ہو جائے اور انتہا طاق عددوں کی امام یا جانشین کی طرف ہو ایک کو زائد کر دیا ہے اور اعداد کی طرح ہر ایک مقولہ جواہر اور عرض کے لیے بھی ایک امام اور جانشین ہوا کرتا ہے۔ مثلاً نقطہ بمنزلہ امام کے ہے اور دائرہ اور کرہ اس کے جانشین ہیں۔ اور امام سے بہ نسبت اور شکلوں کے زیادہ قریب ہیں۔ یہ میرے والد قدس سرہٗ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ انہوں نے ایک بڑے واقع کا معائنہ کیا اس واقع میں حیوۃ، علم، ارادہ اور تمام صفاتِ الٰہیہ یا انہوں نے فرمایا کہ الحی العلیم المرید اور تمام اسمائے الٰہیہ ان دونوں میں مجھ کو ٹھیک معلوم نہیں کہ کیا فرمایا۔ بہرحال یہ صفات یا اسماء سب نہایت نورانی دائروں کی شکل میں سامنے آئے پھر انہوں نے مجھ کو آگاہ کیا کہ بسیط اشیاء کا اشکال کی صورت میں پیش ہونا انہیں اشکال میں ہوا کرتا ہے جو نقطہ سے زیادہ قریب ہوں اور ایسی شکل سطح میں دائرہ اور جسم میں کرہ ہوا کرتے ہیں۔ انتہی کلامہ جاننا چاہیے کہ وحدت کا عالم کثرت میں نازل ہونا عالم مثال کے خاص تعلقات اور ارتباطوں کی وجہ سے ہوا کرتا ہے اور انہیں تعلقات کی وجہ سے تمام واقعات صورت پکڑا کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے زبانِ قدم کا ترجمان انہیں ارتباطات کا لحاظ رکھا کرتا ہے۔

دوسرا قاعدہ ان اعداد کے راز ظاہر کرنے میں جن کا بیان ترتیب یا ترغیب کے موقع میں آیا ہے۔ جاننا چاہیے کہ پیغمبر ﷺ کے سامنے نیکی اور برائی کے عادات پیش کیے جاتے ہیں۔ نیکی کے فضائل اور برائی کے عیوب آپ پر منکشف ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ

جس طرح آپ کو بتاتا ہے ویسے ہی آپؐ بیان کر دیتے ہیں انکشاف کے وقت جس چیز کا جو حال آپ کو معلوم ہوتا ہے اس کا عدد آپؐ بتاتے ہیں۔ اس عدد میں اس امر کا منحصر ہونا مقصود نہیں ہوا کرتا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے سب اچھے اور برے اعمال میرے سامنے پیش کیے گئے تو ان کے عمدہ اور نیک اعمال میں سے میں نے راستہ میں سے کسی اذیت کو دور کرنا بھی پایا اور ان کے برے اعمال میں سے مسجد میں لعاب دہن کو پایا جو مسجد میں بغیر دبائے ویسے ہی چھوڑ دیا جائے اور نیز آپؐ نے فرمایا کہ میری امت کے اجر میرے سامنے پیش ہوئے حتیٰ کہ وہ خاشاک بھی جس کو آدمی مسجد سے باہر نکال دیتے ہیں پیش کیا گیا اور میری امت کے گناہ بھی مجھ پر پیش ہوئے ان میں میں نے اس سے زیادہ کوئی گناہ نہیں پایا کہ کسی شخص کو قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد ہو اور اس کو وہ بھلا دے۔ اسی قاعدہ پر آنحضرت ﷺ کے اس قول کو قیاس کرنا چاہیے کہ تین شخصوں کو دو دو اجر ملیں گے اوّل اہل کتاب جو اپنے پیغمبر پر بھی ایمان لایا اور محمد رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان لایا۔ دوسرے کسی کا غلام اللہ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی۔ تیسرے وہ شخص جس کے پاس کوئی کنیزک ہو وہ اس سے ہمبستر ہوتا تھا پھر اس کو ادب سکھایا اور اچھی طرح اس کو تعلیم دی اور اس کو آزاد کر کے نکاح کر لیا اس کو بھی دو اجر ملیں گے اور اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ کلام نہ کرے گا نہ اس کو ستھرا کرے گا۔ ایک بوڑھا آدمی زانی' دوسرے جھوٹا بادشاہ' تیسرے متکبر حاکم۔

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ چالیس خصلتیں ہیں ان سب میں سب سے زیادہ دودھ کی بکری کسی کو دے دینا ہے تاکہ وہ شخص اس کے دودھ اور اُون سے فائدہ اٹھالے اور پھر یہ شخص اس کو واپس لے لے۔ ان چالیس میں سے جو شخص ایک خصلت کو بھی بامید ثواب اور اس کے وعدہ کی تصدیق کرنے کے لیے کرے گا اللہ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور کبھی آنحضرت ﷺ کو کسی عمل کے فضائل یا کسی شئے کے اجمالی حصے ظاہر ہوتے ہیں تب آنحضرت ﷺ فضائل کے منضبط کرنے کی وجہ سے قائم کرنے میں اجتہاد کرتے ہیں اور اس کے لیے ایسا عدد مقرر کرتے ہیں جو کثیر الوقوع یا عظیم الشان وغیرہ ہوا کرتا ہے اسی پر قیاس کر لینا چاہیے آنحضرت ﷺ کے قول کو کہ تنہا نماز پڑھنے پر جماعت کی نماز کو ستائیس درجہ فضیلت ہے **صلوة الجماعة تفضل صلوة الفذ بسبع وعشرين درجه.** (اس لیے کہ ستائیس کے عدد کو تین میں ضرب دینے سے پھر مضروب فیہ کو تین میں ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے آنحضرت ﷺ کی نظر میں جماعت کے فائدے تین قسم کے تھے ایک وہ جس کا اثر خود نمازی کے جسم پر ہوتا ہے اس میں تہذیب آ جاتی ہے قوت ملکی کا ظہور ہوتا ہے اور بہیمی طاقت دب جاتی ہے اور ایک حصہ کا اثر لوگوں کی جماعت پر ہوتا ہے کہ ایک مبارک روش ان میں پھیلتی ہے لوگ اس میں ایک دوسرے سے زیادہ شوق ظاہر کرتے ہیں۔ اس سے ان میں تہذیب آتی ہے۔ اور سب مل کر عقلمندانہ برتاؤ کرتے ہیں اور ایک حصہ کا اثر ملت مصطفوی پر پڑتا ہے کہ اس میں اصلی شادابی اور تروتازگی رہتی ہے۔ تحریف یا سستی اس میں نہیں مل سکتی اور نیز پہلے حصہ میں تین منفعتیں ہیں۔ بارگاہ خداوندی اور ملاء اعلیٰ سے نزدیکی ان کے لیے نیکیاں مندرج کی جاتی ہیں اور ان سے برائیاں دور کی جاتی ہیں ایسے ہی دوسرے حصہ میں بھی تین منافع ہیں۔ لوگوں کے خاندان اور شہر کا منتظم رہنا۔ دنیا میں ان پر برکتوں کا نازل ہونا آخرت میں ایک دوسرے کے لیے شفاعت کرنا اور تیسرے حصہ میں بھی تین امر پر منفعت ہیں۔ ملاء اعلیٰ کی اتفاقی کوشش کا جاری ہونا اللہ کی درازرسی کو لوگوں کا پکڑنا' بعض لوگوں کے انوار کا بعض پر پرتو پڑنا۔ اور ان نو امور میں سے ہر ایک میں بھی تین تین خوبیاں

ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی لوگوں سے خوشنودی۔ فرشتوں کا ان پر رحمت بھیجنا۔ شیاطین کو لوگوں سے روپوشی اور ایک روایت میں بجائے ستائیس کے پچیس کا عدد آیا ہے اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ جماعت میں پچیس خوبیاں ہیں۔ اوّل لوگوں کا استقلال' دوسرے لوگوں کی جماعت میں باہمی الفت' تیسرے ان کے مذہب کی پائیداری' چوتھے فرشتوں کا محفوظ ہونا۔ پانچویں لوگوں سے شیاطین کا روپوش ہونا۔ اور ان پانچ میں سے ہر ایک صورت میں پانچ پانچ خوبیاں ہیں۔ ❶ خداوند عالم کی خوشنودی ❷ دنیا میں لوگوں کا بابرکت ہونا ❸ ان کے لیے نیکیوں کا لکھا جانا ❹ خطاؤں کی معافی ❺ آنحضرت ﷺ اور فرشتوں کی ان کے لیے شفاعت کرنا۔ وجوہ ضبط کے کے لیے ان روائتوں میں اختلاف ہو گیا ہے کبھی کسی شئے کی عظمت اور برائی ظاہر کرنے کو کوئی عدد لایا کرتے۔ ایسے موقعہ پر عدد کا اظہار صرف مثالی طور پر ہوا کرتا ہے اس کی نظیر یہ ہے کہ لوگ کہا کرتے ہیں فلاں شخص کی محبت میرے دل میں پہاڑ کے برابر ہے یا فلاں شخص کا مرتبہ آسمان تک پہنچتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے یہی معنی ہیں کہ جب مسلمان قبر میں منکر نکیر کو ٹھیک جواب دیتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم پہلے ہی سے جانتے تھے کہ تو یہی جواب دے گا اور اس وقت اس مسلمان کی قبر حد بصر یا ستر گز تک پھیل جاتی ہے۔ یا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے حوض کی وسعت اتنی ہے جتنی مکہ اور بیت المقدس میں وسعت ہے۔ یا آپ کا قول ہے کہ میرے حوض کی وسعت اس سے زیادہ ہے۔ جتنی شہر ایلہ سے عدن تک ہے۔ ایسی صورتوں میں کبھی کوئی مقدار بیان کی جاتی ہے کبھی کوئی مقدار' لیکن اصلی غرض کے لحاظ سے ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوا کرتا۔

تیسرا قاعدہ مقادیر کے اندازہ میں یہ ہے کہ کسی شئے کی مقدار ایسی ظاہری معین کی جائے جس کو مخاطبین اس حکم کے نظائر میں استعمال کیا کرتے ہیں۔ یہی مناسب ہے کہ اس کو حکم کے مدار علیہ اور حکم کی حکمت سے مناسبت ہو۔ اس لیے درہموں کو اوقیوں (ایک اوقیہ کے چالیس درہم ہوتے ہیں) اور خرما کا اندازہ وسقوں (ساٹھ صاع) سے کرنا مناسب ہے ایسا حصہ بھی ذکر نہ کرنا چاہیے جن کو محاسب غور وخوض سے نکالیں۔ جیسے سترھواں' انیسواں حصہ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرائض اور سہام میں ایسی کسریں ذکر کی ہیں جن کا نصف اور دو چند کرنا اور ان کا مخرج نکالنا نہایت آسان ہے ان سہام کے اللہ تعالیٰ نے دو حصے قرار دیئے ہیں: ① چھٹا تہائی۔ دو تہائیاں ② آٹھواں' چوتھائی' نصف۔ اس میں بھی راز ہے کہ ان میں قابل زیادہ کی فضیلت اور قابل کمی کا نقصان ظاہر نظر میں معلوم ہو جایا کرتا ہے اور ادنیٰ و اعلیٰ پر مسائل کا نکالنا آسان ہوا کرتا ہے۔ ان مقادیر مذکورہ کے علاوہ اگر کسی اور مقدار مقرر کرنے کی ضرورت پڑے تو یہی مناسب ہے کہ ایک اور نصف کے درمیان دو تہائیوں سے اور چہارم اور نصف کے بیچ میں ایک تہائی سے زیادہ تجاوز نہ کریں اس لیے کہ اور حصہ ان دونوں حصوں کی نسبت زیادہ مخفی ہیں اور اگر کسی شئے کثیر کا اندازہ کرنا مقصود ہو تو یہی مناسب ہے کہ تین سے اندازہ کریں اور اگر اس سے بھی زیادہ اس کی کثرت بیان کرنی ہو تو دس کے عدد سے اس کا اظہار کریں اور جب کوئی شئے کم بھی ہو اور زیادہ بھی۔ تو چھوٹا اور بڑا مرتبہ لے کر اس کو نصف کر لیں' زکوٰۃ کے باب میں پانچواں اور دسواں اور بیسواں اور چالیسواں حصہ معتبر کیا گیا ہے اس لیے کہ صدقہ زیادہ کرنے کا مدار آبادی کی وسعت اور منفعت کی کمی پر ہے اور تمام اہل ولایت کے پیشے اور مطالب صرف چار مرتبوں ہی سے منتظم ہوا کرتے ہیں ان میں یہ بھی مناسب تھا کہ دو دو مرتبوں میں فرق صاف طور پر مبین ہو جائے یعنی ایک مرتبہ کا دوسرے مرتبہ سے دو چند ہونا معلوم ہو جائے آئندہ اس کی تفصیل بیان کی جائے گی جب دولتمند کا اندازہ کیا

جائے تو ان امور کا لحاظ کرنا چاہیے کہ جن کو عرفاً دولتمندی میں دخل ہے یا دولتمندی کے احکام و آثار کو دیکھنا چاہیے اور شرفاً عرباً عرب و عجم کے مکلفین کے حالات سے ان امور کو اخذ کرنا چاہیے اور مانع نہ ہونے کی صورت میں جو قدرتی طریقہ کے موافق ان کی کیفیت ہوا کرتی ہے اس کو خیال میں رکھنا چاہیے اگر لوگوں کی عام حالت اور عادت پر اس کو مبنی نہ کریں گے تو ان کے حالات میں پریشانی ہو جائے گی۔ اس واسطے سابقین عرب کا ہی حال قابل اعتبار سمجھا گیا ہے۔ جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اور ان کی ہی عادات کے موافق شریعتوں کی قرارداد ہوئی ہے اسی لحاظ سے شرع نے پانچ اوقیوں سے کمتر کا اندازہ کیا ہے۔ اکثر آبادی کے حصوں میں ایک چھوٹے سے خاندان کو ایک سال تک کے لیے یہ مقدار کافی ہوا کرتی ہے ہاں اگر قحط سالی ہو۔ یا شہر ہی بہت بڑے بڑے ہوں یا ایسے شہروں کے پرگنات ہوں تو اس قدر رقم صرف کے لیے وفا نہ کرے گی اور بکریوں کے چھوٹے ریوڑ کا اندازہ چالیس سے اور بڑے کا ایک سو بیس سے کیا گیا ہے اور زیادہ کھیتی کا اندازہ پانچ وسقوں سے کیا گیا ہے ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوا کرتا ہے اس لیے کہ کسی چھوٹے سے خاندان میں ایک خاوند ہوگا اور ایک اس کی بیوی اور تیسرا شخص خادم ہوگا یا ان کا کوئی لڑکا اور روزانہ خوراک ایک آدمی کی ایک مد یا ایک رطل ہوگی اور اس کے ساتھ سالن وغیرہ کی بھی ضرورت ہوگی اور ایک سال کے لیے اتنی مقدار سے کار براری ہو سکتی ہے اور آب کثیر کا اندازہ قلتین سے کیا گیا ہے۔ اس قدر پانی کافی ہوا کرتا ہے اور معمولی ظروف میں اتنا پانی نہیں آ سکتا۔ انہیں اندازوں پر اوروں کو بھی قیاس کرلو۔ واللہ اعلم بالصواب

باب ۶۳

قضاء اور رُخصت کے اِسرار میں

جاننا چاہیے کہ سیاست کا مقتضا یہ ہے کہ جب کسی شئے کا حکم کیا جائے یا کسی شئے سے لوگ روکے جائیں اور مخاطبین کو اس حکم کے ٹھیک طور پر غرض معلوم نہ ہو تو ضروری ہے اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے اکثر اوامر و نواہی کے صراحۃً بیان کرنے سے اکثر جگہ سکوت فرمایا ہے البتہ راسخین فی العلم کے لیے کسی قدر ان اسرار کو ذہن نشین کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حاملین دین یعنی خلفاء راشدین اور آئمہ دین کی توجہ مذہبی امور کے قائم کرنے کی طرف بہ نسبت ان کی ارواح قائم کرنے کے زیادہ تر تھی۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نماز کی حالت میں بحرین کے خزینہ کا شمار کرتا ہوں۔ اور نماز کی حالت میں میں لشکر کا سامان کرتا ہوں۔ اسی لیے پہلے سے اور بعد میں مفتیوں کا یہی طریقہ چلا آیا ہے کہ فتویٰ دیتے وقت وہ مسئلہ کی دلیل کے بیان کرنے کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے اور یہ بھی ضروری ہے کہ حکم مامور کے اختیار کرنے کا نہایت اہتمام کیا جائے۔ اس کے ترک پر لوگوں کو نہایت ملامت کریں لوگوں کے دل تعمیل احکام کی جانب مائل اور مالوف کیے جائیں اور ان کو شوق دلایا جائے تاکہ حق باتوں کی خواہش ان کے ظاہر باطن کو ہر طرف سے احاطہ کرلے اس حالت کے بعد اگر احکام کی تعمیل سے کوئی ضروری مانع باز رکھے تو ضرور ہے کہ کوئی ان کا بدل اور قائم

مقام قرار دیا جائے اس لیے کہ ایسی ضرورتوں میں مکلف کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں یا ہر شخص سے ایسے احکام کی تعمیل مشقت اور دقت سے کرائی جائے یہ موضوع شرع کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ﴾ (اللہ تمہارے لیے آسانی کا قصد کرتا ہے۔ دقت اور دشواری وہ تمہارے لیے نہیں چاہتا یا ان احکام کی تعمیل بالکل ترک کرا دی جائے اس دقت میں نفس ان کے ترک کا عادی ہو جائے گا اور مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔ نفس کی مشاقی ایسے ہی کروائی جاتی ہے جیسے کسی تند چار پایہ کو مشق کروائی جاتی ہے اس میں امر مطلوبہ کی رغبت اور الفت غنیمت سمجھی جایا کرتی ہے جو لوگ اپنے نفس کی ریاضت کرتے ہیں یا لڑکوں کو تعلیم دیتے ہیں یا چار پایوں کو مشق کرواتے ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ ہمیشگی سے الفت کیسی پیدا ہوتی ہے اور کام کرنے میں اس سے کیسی آسانی حاصل ہوتی ہے اور کام کے چھوڑ دینے سے الفت کیسی جاتی رہتی ہے اور نفس پر پھر اس کا کرنا کیسا گراں معلوم ہوا کرتا ہے اور جب قصد ہوتا ہے کہ دوبارہ ان میں کام کرنے کی تحریک پیدا ہو۔ تو از سر نو ان میں الفت اور میلان پیدا کرنا پڑتا ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ جب کسی کام کرنے کا وقت ہاتھ سے نکل جائے تو اس کے لیے قضا مشروع ہو اور افعال کے لیے رخصتیں بھی مقرر کی جائیں تاکہ بآسانی اس امر کی تعمیل ہو جائے قضا اور رخصتوں کے قرار دینے میں عمدہ شئے حدس کی قوت ہے جس سے مکلفین کی حالت کی شناخت ہوتی ہے اس عمل کی غایت عمل اجزا جن کا ہونا اس غایت کے حاصل کرنے میں ضروری ہے بخوبی معلوم ہو سکتی ہے علاوہ حدس کے اس قضاء اور رخصتوں کے خاص خاص اصول بھی ہیں۔ جن کو راسخین فی العلم خوب جانتے ہیں: ① قضاء اور رخصت میں دو امر رکن اور شرط ہیں۔ ❶ جو اصلی امر کہ کسی شئے کی حقیقت میں داخل ہو یا اس شئے کو کوئی امر لازم ہو کہ اس سے اصل کی غرض پر لحاظ کرنے سے بدوں اس لازم کے وہ شئے غیر معتد بہ ہو مثلاً دعا یا جھکنا جس سے تعظیم معلوم ہوتی ہے اور خصائل طہارت اور خشوع پر نفس کو متنبہ کرنا جو امور اس قسم کے ہوں گے وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ناگواری یا بہجت کی حالت میں فروگزاشت کیے جائیں اس لیے کہ ایسے امور کے ترک کرنے سے عمل بالکل بے اثر ہو جایا کرتا ہے۔ ❷ وہ امور جو اوروں کی تکمیل کے لیے ہوا کرتے ہیں وہ اور معانی کے لیے واجب قرار دیئے جایا کرتے ہیں۔ ان کی وجہ سے اصلی غرض مکمل صورت میں حاصل ہوا کرتی ہے یہ قسم اس قابل ہے کہ ضرورتوں اور ناگواریوں کی حالت میں اس میں رخصت دی جاسکتی ہے۔ اسی قاعدہ کے موافق تاریکی وغیرہ کی حالت میں استقبال قبلہ کی جگہ صرف تحری پر کفایت کی جاسکتی ہے اور جس کو کپڑا میسر نہ ہو وہ ستر عورت کو ترک کر سکتا ہے اور جس کو پانی نہ ملے وہ وضو کو ترک کر کے تیمم کر سکتا ہے اور جس کو سورہ فاتحہ پڑھنے کی قدرت نہ ہو وہ کسی ذکر پر اکتفاء کر سکتا ہے جس کو قیام پر قدرت نہ ہو وہ بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے نماز پڑھ سکتا ہے جو رکوع یا سجدہ نہ کر سکتا ہو اس کی نماز صرف سر جھکانے سے ہو سکتی ہے ② قاعدہ یہ ہے کہ بدل میں کوئی ایسی شئے باقی رکھنی چاہیے جس سے اصل یاد آ جائے اور معلوم ہو جائے کہ یہ اس کا نائب اور بدل ہے اس سے رخصتوں کی تجویز کرنے سے جو غرض مطلوب ہے کہ پہلے عمل سے بھی الفت باقی رہے وہ بھی حاصل ہوا کرتی ہے۔ اس صورت میں نفس کو پہلے عمل کا انتظار سا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسح موزوں میں موزہ پہننے کے وقت طہارت مشروط ہے اور اس کی ایک مدت قرار دی گئی ہے جس سے مسح کا اختتام ہو جایا کرتا ہے اور قبلہ میں تحری شرط ہے ③ قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایک حرج کی صورت میں رخصت تجویز نہ کرنی چاہیے اس لیے کہ حرج کے طریقے بکثرت ہیں اور اگر سب میں رخصت تجویز کی جائے تو طاعت بالکل

متروک ہو جائے اور زیادہ تر اہتمام رخصتوں سے محنت اور سختی کو برداشت کرنا بالکل جاتا رہے اور ایسی محنت برداشت کرنے سے معلوم ہوا کرتا ہے کہ شریعت کی پیروی کی جاتی ہے اور نفس میں استقامت ہے اس واسطے مقتضائے حکمت یہ ہے کہ صرف انہیں وجوہ سے رخصتیں متعلق کی جائیں جو کثیر الوقوع ہیں اور ان میں گرفتاری اکثر ہوا کرتی ہے خاص وہ ان لوگوں میں زیادہ پیش آیا کرتے ہیں جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اور ان کی عادات کے موافق شریعتوں کا تقرر ہوا ہے اور اس امر کا لحاظ ضرور ہونا چاہیے کہ طاعت کا اثر بالخاصیت ہو جہاں تک ممکن ہو۔ اسی واسطے سفر میں قصر مشروع ہے پر مشقت پیشوں اور کاشتکاروں یا اور کاریگروں کے لیے قصر تجویز نہیں کیا گیا ہے اور خوشحال اور غیر آسودہ مسافر کی حالت ایک سی ہی کی گئی ہے بعض قضایہ مثل معقول ہوا کرتی ہے اور بعض بہ مثل غیر معقول اور چونکہ طاعت اس کا نام ہے کہ خداوندی حکم کی دل سے اطاعت کی جائے اور نفس میں خداوندی تعظیم جاگزیں ہو تو جس شخص کا عمل بلا قصد اور بدون عزیمت ہو یا وہ شخص ایسا ہو کہ اس کا قصد کامل نہیں ہوا کرتا اور کما ینبغی تعظیم اس میں نہیں راسخ ہوا کرتی تو ایسے شخص کو معذور رکھنا چاہیے اور اس کو زیادہ تنگی میں نہ ڈالنا چاہیے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے یہی معنی ہیں کہ سونے والے اور لڑکے اور مجنون سے قلم اٹھالیا گیا ہے یعنی اس سے مؤاخذہ نہیں کیا جاتا ہے: **رفع القلم عن ثلاثة عن النائم و الصبی والمعتوه. والله اعلم**

باب ۶۴

تدابیر کے قائم کرنے اور رسموں کی اصلاح میں

ہم نے پہلے تصریحاً یا اشارتاً ذکر کیا ہے کہ تدابیر دوم وسوم حصہ کے اصول پر آدمی مجبور کیا گیا ہے انہیں اصولوں کی وجہ سے وہ اور باقی حیوانات سے ممتاز کیا گیا ہے یہ بالکل محال ہے کہ لوگ ان تدابیر کو ترک کر دیں لوگ ان تدابیر کے اکثر حصہ کے پورا کرنے میں ایسے حکیم کے محتاج ہوا کرتے ہیں جو انسانی ضرورتوں سے واقف ہو ان تدابیر سے متمتع ہونے کا ڈھنگ اس کو آتا ہو مصالح کلیہ کا وہ لحاظ رکھتا ہو وہ حکیم غور وفکر سے ان اصول کو مستنبط کرتا ہو یا اس کے نفس میں پیدائشی طور پر قوت ملکی موجود ہو جس کی وجہ سے اس کا نفس ملاء اعلیٰ کے علوم نازل ہونے کے لیے ہمیشہ تیار رہتا ہو یہ طریقہ انکشاف کا ان دونوں طریقوں میں سے زیادہ کامل اور قابل اعتماد ہوا کرتا ہے۔

رسوم باب تدابیر میں اسی درجہ کی ہوتی ہیں۔ جیسے کہ دل بدن کے لیے لیکن رسموں میں ایسے لوگوں کی ریاست کی وجہ سے خرابیاں پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ جن کو عقل کلی سے کچھ مس نہیں ہوا کرتا۔ اس لیے وہ سبعی یا شہوانی یا شیطانی اعمال کے خوگر ہو کر اور لوگوں میں ان کو رواج دیتے ہیں اور اکثر لوگ ان کے پیرو ہو جایا کرتے ہیں اور اس کے علاوہ اور وجوہ سے بھی رسوم میں ابتری بڑھ جایا کرتی ہے۔ ان رخنوں کے روکنے کے لیے ایک زبردست آدمی کی ضرورت پڑا کرتی ہے جو غیب سے مؤید ہو۔ مصلحت کلی کو وہ دل

سے مانتا ہو۔ایسا شخص لوگوں کی رسومات کو ایسی ایسی تدابیر سے حق کی جانب مائل کر دیا کرتا ہے۔ جن کی طرف رہبری صرف انہیں لوگوں کو ہوا کرتی ہے جو روح القدس سے موید ہوا کرتے ہیں۔ جب اس قدر معلوم ہو چکا تو اب سمجھنا چاہیے کہ انبیاء کی بعثت اگرچہ اولاً اور بالذات عبادت کے طریقوں کی تعلیم دینے کے لیے ہوا کرتی ہے لیکن اب انہیں کے ساتھ ساتھ یہ ارادہ بھی شامل ہوا کرتا ہے کہ خراب رسومات کی بیخ کنی ہو جائے اور تدابیر کے طریقوں پر لوگوں میں آمادگی پیدا ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **بعثت لمحق المعازف**. (میں دفوں اور لہوؤں کے معدوم کرنے کے لیے پیدا ہوا ہوں) اور ارشاد فرمایا ہے: **بعثت لاتمم مکارم الاخلاق**. (میں بزرگ عادات کے کامل کرنے کے لیے پیدا ہوا ہوں) معلوم کرنا چاہیے کہ اللہ کی مرضی اس میں نہیں ہے کہ تدابیر دوم وسوم متروک کر دی جائیں انبیاء میں سے کسی نے بھی ایسا حکم نہیں دیا ہے۔ ان لوگوں کا گمان بالکل بے ہودہ ہے جو پہاڑوں کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور برائی بھلائی میں لوگوں سے بالکل میل جول ترک کر دیتے ہیں وحشیانہ زندگی بسر کرتے ہیں' اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو دنیا سے کنارہ کشی کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا ہے: **ما بعثت بالرهبانية و انما بعثت بالملة الحنيفة السمحة**. (میں رہبانیت سکھانے کے لیے مبعوث نہیں ہوا ہوں۔ بلکہ ایک مذہب سراپا راستی اور آسان کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں) ہاں انبیاء کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تدابیر ونافع میں اعتدال پیدا کر دیں اور عیش وآرام میں زیادہ خوض کرنے والوں کی حالت سلاطین عجم کی سی نہ ہو جائے اور نہ یہ کہ لوگوں کی زندگی کو ہستانی چوٹیوں کے باشندوں کیسی ہو جائے جو وحشیوں سے ملتی جلتی ہے اس موقعہ پر دو مخالف قیاس جمع ہو گئے ہیں ❶ یہ کہ آسودگی اور آرام سے بسر کرنا عمدہ بات ہے اس سے مزاج درست ہو جاتا ہے۔ اخلاق میں راستباری پیدا ہوتی ہے اور وہ اوصاف لوگوں میں ظاہر ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے تمام ابنائے جنس سے ممتاز ہیں۔ اور سوء تدبیر سے عبادت اور عاجزی وغیرہ اوصاف پیدا ہوا کرتے ہیں ❷ یہ کہ آسودگی بڑی چیز ہے اس سے باہمی نزاع پیدا ہوتی ہے محنتیں بھگتنی پڑتی ہیں۔ جانب غیب سے اس کی وجہ سے اعراض ہو جایا کرتا ہے اُخروی تدابیر کو خوشحالی کی وجہ سے لوگ چھوڑ دیا کرتے ہیں اسی واسطے پسندیدہ امر یہ ہے کہ تدابیر کو باقی رکھیں اور ان کے ساتھ اذکار وآداب کو پیوند کر دیں۔ اور عالم جبروت کی جانب متوجہ ہونے کے لیے فرصت کی متلاشی رہیں اس باب میں تمام انبیاء علیہم السلام نے جو اللہ کی جانب سے لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے وہ یہی ہے کہ ان امور میں جو لوگوں کے استعمال میں ہیں بخوبی توجہ کی جائے یہ دیکھا جائے کہ کھانے پینے لباس کے آداب' تعمیر' آرائش کے اسباب لوگوں میں کیا کیا ہیں۔ ان میں نکاح کا طریقہ اور زن وشوہر کی سیرت کیا ہے وہ باہمی خرید وفروخت کن وجوہ سے کرتے ہیں۔ جرائم سے باز رکھنے کے لیے کیا کیا تعزیرات ان میں مستعمل ہیں۔ مقدمات کا فیصلہ وہ کس طرح کرتے ہیں۔ وعلیٰ ہذا' اور امور کا بھی اندازہ کرنا چاہیے کہ اگر یہ امور رائے کلی کے مناسب اور اس پر منطبق ہوں تو ان میں کسی قسم کی تبدیلی کرنا بے معنی ہے بلکہ لوگوں کو ایسے امور پر اور زیادہ آمادہ کرنا چاہیے اور ان میں ان کی درستی رائے ظاہر کر دینی چاہیے اور جو جو مصلحتیں ان میں مضمر ہیں وہ بتا دینی چاہئیں اور اگر وہ امور رائے کلی کے موافق نہ ہوں اور ان امور میں اس وجہ سے تبدیلی کی ضرورت پیش آئے کہ ان کے سبب سے ایک شخص دوسرے کا ایذا رساں ہو سکتا ہو یا دنیوی لذات میں ان کی وجہ سے زیادہ انہماک ہو۔ یا مرتبہ احسان سے ان کی وجہ سے اعراض ہوتا ہو یا ان سے بے غمی ایسی پیدا ہوتی ہو جن سے دنیوی یا اُخروی وغیرہ مصلحتیں فوت

ہوتی ہوں تو اُن امور کی تبدیلی ایسی صورت میں کرنی چاہیے جو لوگوں کے مالوفات کے بالکل مخالف نہ ہو۔ بلکہ ایسے نظائر میں ان کو بدلنا چاہیے جو لوگوں میں شائع ہوں۔ یا ان نظائر کی جانب ان کو بدلیں جو ایسے صالحین کی روایت سے مشہور ہوں جن کی بھلائی پر لوگوں کی زبان پر شہادت ہوتی چلی آئی ہو یہ تبدیل شدہ امور ایسے ہوں کہ اگر ان کے سامنے وہ پیش کیے جائیں تو ان کی عقلیں ان امور کو دفع نہ کریں بلکہ اطمینان سے معلوم کرسکیں کہ یہ تبدیلی حق اور صحیح ہے۔

وہ لوگ جن کا علم راسخ ہے اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ شرع نے ابواب نکاح' طلاق' معاملات' زینت' لباس' حکومت' حدود' تقسیم میراث میں وہ امور قرار نہیں دیئے ہیں جن سے لوگ محض ناواقف ہوں۔ ان کے مکلف کرنے سے وہ تردد میں پڑ جائیں۔ بلکہ شرع نے ان امور کی کجی کو درست کر دیا ہے اور کمزور حالت کو قوی کر دیا ہے اس زمانہ کے لوگوں میں ربوٰ خواری کی کثرت ہوگئی تھی اس سے وہ روک دیئے گئے۔ بہار آنے سے پیشتر پھلوں کو فروخت کر دیا کرتے تھے۔ جب پھلوں کو صدمہ پہنچتا تھا تو جھگڑے کیا کرتے تھے اس واسطے اس بیع سے بھی روکے گئے۔ عبدالمطلب کے زمانہ میں دیت کے لیے دس اونٹ معین تھے' جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ قتل سے باز ہی نہیں آتے تب بجائے دس کے سو کر دیئے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی یہی سو باقی رکھے۔ قسامہ (قاتل کا حال معلوم نہ ہو تو قسم سے فیصلہ کیا جائے) کی اولاً قرارداد ابوطالب کے حکم سے ہوئی تھی۔ سردار قوم کے لیے مال غنیمت میں چہارم حصہ مقرر تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی جگہ ہر ایک غنیمت میں سے خمس مقرر فرمایا کیقباد اور کیقباد کے بیٹے نوشیرواں نے لوگوں پر خراج اور وہ یک مقرر کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے بھی اسی کے قریب قریب قرار دیا۔ بنی اسرائیل زانیوں کو سنگسار کیا کرتے تھے' چوروں کے ہاتھ قطع کیا کرتے تھے۔ جان کے بدلہ میں جان لیا کرتے تھے۔ یہی احکام قرآن مجید میں بھی نازل ہوئے ہیں اس قسم کے احکام بکثرت ہیں متلاشی پر مخفی نہیں رہ سکتے۔ بلکہ اگر کوئی فہیم ہو اور احکام کے اطراف و جوانب پر اس کی نظر محیط ہو اس کو معلوم ہوسکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے عبادات میں بھی وہی طریقے مقرر کیے ہیں جو اس زمانہ کے لوگوں میں پائے جاتے تھے انبیاء کے احکام یا بعینہٖ وہی ہوتے ہیں جو لوگوں میں تھے' یا ان کے قریب قریب ہوتے ہیں۔ البتہ انبیاء زمانہ جاہلیت کی تحریفات کو نکال دیا کرتے ہیں اور مبہم احکام کو اوقات اور ارکان سے منضبط کر دیا کرتے ہیں۔ اور جو احکام گمشدہ ہوتے ہیں ان کو شائع کر دیا کرتے ہیں۔

معلوم کرنا چاہیے کہ جب عجم اور روم کے لوگ مدتہائے دراز سے سلطنت کے وارث ہوتے چلے آئے ہیں اور دار آخرت کو بھول کر دنیوی لذت میں فرو رفتہ ہوگئے اور شیطان ان پر غالب آ گیا تو انہوں نے معیشت کے منافع میں بہت خوض کیا انہیں امور کو مایہ ناز قرار دیا۔ اطراف عالم سے حکماء کی ان کے پاس آمد و رفت رہی یہ لوگ معاش کے منافع کو ان کے لیے مستنبط کرتے رہے اور وہ ہمیشہ ان امور پر عملدرآمد کرتے رہے ہر ایک شخص دوسرے پر ان امور میں سبقت کرنے اور فخر کرنے کا ساعی رہا۔ شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ اگر ان میں سے کسی رئیس کی پیٹی یا تاج کی قیمت ایک لاکھ درہم سے کم ہوتی تھی تو اس پر طعن و تشنیع کرتے تھے ان کی نظر میں بڑا عیب تھا کہ کسی رئیس کے پاس نہایت بلند ایوان' اور آبزن' حمام' باغات نہ ہوں' آرام کے لیے چارپائی نہ ہو یا خوبصورت غلام' کھانوں میں زیادہ وسعت' لباسوں میں تجمل نہ ہو' بہت سے ایسے ہی امور تھے جن کے ذکر میں طول ہے اور اپنے

شہروں کے سلاطین کے حالات جوتم خود دیکھ رہے ہوان کے ہوتے ہوئے ان گزشتہ حالات کی کیا ضرورت ہے بہر حال یہ سب امور ان کے اصول زندگی میں داخل ہو گئے تھے اگر ان کے دلوں کے ریزہ ریزہ کر دیئے جاتے یہ باتیں ان سے نکلنے والی نہ تھیں۔ ایسی بے اعتدالیوں سے اعضائے شہر میں ایک نہایت سخت بیماری سرایت کر گئی تھی اور بڑی آفت برپا ہو گئی تھی۔ رعایا میں سے دہقانیوں میں سے امیر و غریب سے کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا تھا جس پر یہ عیش و آرام ان کے دست بہ گریبان نہ ہو گئے ہوں ان کو تھکا تھکا کر بے انتہا مصائب اور رنجشوں میں نہ پھنسا دیا ہو۔ یہ عیش و آرام زیادہ تکالیف کے باعث اس لیے ہو گئے تھے کہ جب تک بہت سا مال صرف نہ کیا جائے یہ لطف حاصل نہیں ہو سکتے اور مال کی اتنی مقدار پیدا کرنے کے لیے ضرور ہے کہ کاشتکاروں' تاجروں اور پیشہ وروں پر ٹیکس زیادہ کیے جائیں۔ وہ خوب کیے جائیں اگر یہ لوگ ٹیکسوں کے ادا کرنے سے دست کشی کریں تو حکام کو ان سے لڑنا پڑے گا۔ طرح طرح کی ان کو تکالیف دینا ہوں گی۔ اور اگر وہ لوگ ان کے احکام کی تعمیل کرتے رہیں گے تو حکام گدھے اور بیل کا سا ان کا درجہ کر دیں گے جو آب پاشی' جوتنے اور اناج کی کٹائی میں استعمال کیے جاتے ہیں صرف اپنی مطلب برآری کے لیے یہ چار پائے ذخیرہ کیے جاتے ہیں ایک گھنٹہ محنت سے ان کو فرصت نہیں ملا کرتی۔ امراء ایسی ہی گرفتار بلا ہو کر سعادت اخروی کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھتے اور اس مرتبہ کے قابل بھی نہیں رہتے اور نیز اکثر بڑے بڑے ملک ایسے ہوا کرتے ہیں جن میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہوا کرتا۔ جس کو دین کا اہتمام اور خیال ہو اور نیز یہ سب عیش کے سامان ایسے ہی لوگوں کے ذریعہ سے حاصل ہوا کرتے ہیں جن کا پیشہ یہی ہوتا ہے کہ کھانے کی چیزیں' لباس' عمارات وغیرہ کو درستی سے کرتے رہیں۔ ایسے لوگ پیشوں کے ان اصول سے پہلوتہی کرتے ہیں جن پر نظام عالم کا مدار ہے ان کے علاوہ اور عام لوگ جو بڑے لوگوں کے حضور میں رہتے ہیں ان سب امور میں انہی کی نقل کرتے ہیں ورنہ ان کو ان امراء کی خدمت میں باریابی نہ ہو۔ ان کے دلوں میں ان کی کچھ وقعت نہ رہے اور نیز اکثر عام لوگ حکام پر بار ہو جاتے ہیں ان پر وہ مختلف طریقوں سے متقاضی رہا کرتے ہیں بعض دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم غازی اور شہر کے منتظم ہیں ایسے لوگوں کی وہ روشیں تو اختیار کر لیتے ہیں لیکن اپنے فرائض ادا کرنے کا کچھ بھی قصد نہیں کرتے صرف اپنے بزرگوں کے حالات ہی کے پیرو رہا کرتے ہیں اور بعض مدعی ہوتے ہیں کہ ہم شعراء ہیں جن پر انعام و اکرام کرنے کے سلاطین عادی ہوا کرتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ہم درویش اور پارسا ہیں بادشاہوں کو زیبا نہیں ہے کہ ان کے حالات کے پرساں نہ ہوں۔ اس واسطے یہ فرقے ایک دوسرے کی تنگدلی کے باعث ہوتے ہیں اور ان کے ذرائع معاش اس پر موقوف ہوتے ہیں کہ وہ سلاطین کی خدمت میں رہیں۔ ان سے نیاز مندانہ پیش آئیں۔ شائستگی سے ان کے ساتھ گفتگو کریں ان کی خوشامد کرتے رہیں انہیں فنون میں ان کی فکریں ڈوبی رہتی ہیں اس کی وجہ سے ان کے اوقات غارت ہوتے رہتے ہیں جب اس قسم کے مشغلے زیادہ بڑھ جاتے ہیں تو ان کے دلوں میں پوچ اور ہرزہ باتیں جاگزیں ہو جاتی ہیں اور عمدہ اخلاق سے وہ اعراض کرتے رہتے ہیں۔

اگر تم کو اس مرض کی واقعی حقیقت معلوم کرنی ہو تو ان لوگوں کی حالت میں غور کر لو جن کو امور سلطنت سے آزادی ہوتی ہے اور لذیذ کھانوں عمدہ لباسوں میں زیادہ انہماک ان کو ہوا کرتا ہے۔ ہر شخص ان میں سے خود مختارانہ زندگی بسر کرتا ہے۔ گراں گراں ٹیکسوں کا بار ان پر نہیں ہوا کرتا۔ ایسے لوگوں کو مذہبی امور کے ادا کرنے کی مہلت مل سکتی ہے پھر انہیں لوگوں کی اس حالت کو خیال کرو کہ ان

کے ہاتھ زمام خلافت آ جائے رعایا کو وہ اپنا مطیع بنا کر ان پر اپنا قبضہ کر لیں۔

جب ایسی مصیبت زیادہ بڑھ گئی' اور اس قسم کی بیماری بہت سخت ہو گئی تو اس وقت اللہ تعالیٰ اور ملائکہ مقربین نے ان پر غصہ ظاہر فرمایا اللہ کی مرضی ہوئی کہ اس مادہ فساد کو بالکل قطع کر دے۔ اس واسطے اس نے اس غرض کے پورا کرنے کے لیے ایک نبی امی ﷺ کو مرسل کیا۔ جس کا عجم اور روم سے کسی قسم کا میل جول نہ ہوا تھا ان کے رسوم کو اس نے بالکل اختیار نہ کیا تھا۔ اس پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے میزان قرار دیا جس کو ان طریقوں کی پوری شناخت تھی جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ تھے اس نے عجمیوں کی رسموں کی مذمت بیان کی اور دنیوی زندگی میں مطمئن' مستغرق ہو جانے کی قباحتیں ظاہر کیں۔ اس پیغمبر کے دل میں اللہ تعالیٰ نے القا فرمایا کہ لوگوں پر وہ امور حرام کر دیئے۔ جس کے عجمی لوگ خوگر ہو گئے تھے۔ وہ امور ان میں مایہ زندگی ہو گئے تھے مثلاً ریشم کا استعمال (قسی) ارغوانی لباس' سنہری اور روپہلی برتن' سنہری زیور' ایسے کپڑے جن میں تصویریں بنی ہوئی ہوں مکانوں پر نقش و نگار کرنا وغیرہ اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا کہ اس کی دولت سے ان کی دولتوں کا استیصال کر دے اور اس کی ریاست سے ان کی ریاستوں کو نیست و نابود کر دے۔ اس کے وجود سے کسریٰ ہلاک ہو گیا۔ اب اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہو گا اور نیز اس کے ذریعہ سے قیصر بھی ہلاک ہو گیا اب کوئی قیصر نہ ہو گا۔

جاننا چاہیے کہ زمانہ جاہلیت میں ایسے ایسے مناقشے پیدا ہو گئے تھے جن سے لوگ تنگ آ گئے تھے۔ ان کا رفع ہونا جب ہی ممکن تھا کہ وہ بالکل اصل سے ہی اڑا دیئے جائیں۔ جیسے مقتولوں کے بدلہ میں خون لینا کوئی شخص کسی کو مار ڈالتا تھا تو مقتول کا ولی قاتل کے بھائی یا بیٹے کو قتل کرتا تھا۔ پھر اس مقتول کا ولی بھی قاتل کے بھائی یا بیٹے کو قتل کرتا تھا اور یہی حالت عود کرتی رہتی تھی اس کے رفع کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمادیا: **کل دم موضوع تحت قدمی هذا و اول دم اضعه دم ربیعه.** (تمام خون میرے اس پاؤں کے نیچے باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلا خون جس کو میں باطل کرتا ہوں بیچ کا ہے) اور جیسے میراثیں رئیسان قوم وارثوں کے متعلق مختلف احکام سے فیصلہ کیا کرتے تھے اور اس زمانہ کے لوگ غصب سود خواری وغیرہ سے باز نہیں آتے تھے اس لیے ایک مدت گزرنے کے بعد سب اپنی اپنی دلیلیں پیش کیا کرتے تھے اس لیے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: **کل شیئ ادرکه الاسلام تقسم علی حکم القرآن.** (زمانہ اسلام میں ہر چیز کی تقسیم قرآن کے موافق ہوگی) **و کل ماقسم فی الجاهلیة اوعازه انسان فی الجاهلیه بوجه من الوجوه فهو علی ما کان لاینقض.** (اور جو شئے زمانہ جاہلیت میں تقسیم ہو چکی یا وہ کسی نہ کسی طرح کسی شخص کے قبضہ میں آ گئی تو وہ بدستور اپنے حال پر باقی رہے گی) اور مثلاً سود اس زمانہ میں کوئی شخص قرض دیتا تھا اور کسی قدر اس پر بیشی کی شرط کر لیا کرتا تھا اسی طرح بڑھتے بڑھتے منوں تک مال پہنچ جایا کرتا تھا۔ اس واسطے آنحضرت ﷺ نے سود کو باطل کر کے اصلی سرمایہ ادا کرنے کا حکم فرمایا کہ لوگ نہ اوروں پر ظلم کریں نہ اوروں کے مظلوم بنیں ان کے علاوہ اور بہت سی خرابیاں تھیں کہ اگر آنحضرت ﷺ کا وجود باوجود نہ ہوتا تو لوگ ان کو ترک کرنے والے نہ تھے۔

جاننا چاہیے کہ بعض رسمیں اس واسطے مشروع ہوا کرتی ہیں کہ لوگوں کی دلی رنجشیں دور ہو جائیں۔ جیسے زمین کو پانی دینے میں ابتداء دائیں جانب سے شروع کی گئی ہے اس لیے کہ اکثر لوگوں میں اس کے متعلق مناقشے ہوتے رہتے ہیں کہ پہلے کون پانی زمین کو

دے اور شروع کرنے کے لیے کوئی وجہ ترجیح اور اولویت کی قابل تسلیم نہیں ہوا کرتی تو دفع خصومت کے لیے اسی قسم کا کوئی طریقہ ہوسکتا ہے اور جیسے امامت (جنازہ میں) مالک مکان کو ترجیح دی جاتی ہے اور جب ایک گھوڑے پر دو شخص سوار ہونے کا قصد کریں تو دوسرے رفیق پر مالک گھوڑے کو ترجیح ہے۔ وعلیٰ ہذا واللہ اعلم

باب ۶۵

ان احکام کے بیان میں جو بعض بعض سے پیدا ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْ اِلَیْهِمْ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (ہم نے تجھ سے پہلے انہیں لوگوں کو پیغمبر کیا ہے جن پر وحی بھیجی ہے اب اگر نہ جانتے ہو تو ذکر والوں سے دریافت کرلو) ہم نے تجھ پر قرآن اس واسطے نازل کیا ہے کہ تو لوگوں سے نازل شدہ باتیں بیان کردے اور امید ہے کہ لوگ غور کریں۔

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس واسطے مبعوث کیا ہے کہ لوگوں کو وہ عبادات کے طریقے بتائیں جو بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہوئے ہیں تاکہ لوگ ان کا عملدرآمد کریں اور نیز اس واسطے مبعوث کیا ہے کہ گناہوں کے ابواب کی ان کو اطلاع کریں لوگ ان گناہوں سے احتراز کریں اور نیز پسندیدہ منافع کو بتائیں۔ اور لوگ ان کا اتباع کریں۔ اسی بیان میں یہ بھی مندرج ہے کہ وہ امور بھی بتائے جائیں جو وحی کے اقتضا یا ایما سے ثابت ہوں یہی اصول ہیں جن سے احادیث کا بہت بڑا حصہ نکلا گیا ہے ہم یہاں اُس میں سے اہم امور کو بیان کرتے ہیں۔

① یہ کہ جب اللہ کے طریقہ کی ایک خاص روش مقرر ہوتی ہے مثلاً اللہ تعالیٰ اسباب کو مرتب کر کے مسببات کو ان سے پیدا کرتا ہے تاکہ وہ مصلحت حاصل ہوجائے جو اللہ تعالیٰ کی حکمت کامل اور رحمت شامل سے مقصود ہے تو اس انتظامی حالت کا مقتضا یہ ہے کہ خلقت الٰہی کو بدل دینا شر کی بات ہوگی اور خرابی برپا کرنے کی کوشش ہوگی اور ملاء اعلیٰ کو اس قسم کے امور سے نفرت پیدا ہوگی مثلاً اللہ تعالیٰ نے آدمی کی پیدائش ایسی کی ہے کہ اکثر اوقات وہ زمین میں کیڑوں کی طرح پیدا نہیں ہوتا تو حکمت الٰہی کا مقتضا یہی ہے کہ نوع انسانی باقی رہے بلکہ بکثرت آدمی دنیا میں پھیلیں اس لیے اس نے تناسل اور توالد کے قویٰ آدمی میں پیدا کیے اور نسل کی رغبتیں اس میں پیدا کر دیں اور خواہش نفسانی کو اس پر غالب کر دیا تاکہ اس کی وجہ سے وہ کام پورا ہوجائے جس کو اس کی کامل حکمت نے ضروری قرار دیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس راز پر مطلع کر دیا اور اصلی حالت آپ پر بالکل منکشف ہوگئی۔ اس واسطے مناسب ہوا کہ آپ ان امور کو منع کر دیں۔ جن سے قطع نسل ہوتی ہو یا ان سے وہ قوتیں معطل ہوجاتی ہوں جو نسل کے باعث ہوتی ہیں یا وہ قوتیں بے موقع امور کی جانب مائل ہوتی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ خصی کرنے سے لواطت سے نہایت سختی کے ساتھ منع کر دیا اور عزل (یعنی انزال کے وقت عورت سے علیحدہ ہوجانا تاکہ حمل نہ قرار پائے) کو مکروہ قرار دیا۔ جاننا چاہیے کہ لوگوں کا مزاج جب سلیم

ہوا کرتا ہے اوران کے مادہ میں احکام نوعی کے ظہور کی قوت ہوا کرتی ہے تو اس کی ایک معین شکل اور صورت ہوا کرتی ہے قد سیدھا ہوا کرتا ہے۔ جلد کھلی ہوئی ہوتی ہے اور ایسے ہی سب امور ہوا کرتے ہیں۔ یہ امور لوگوں میں احکام نوعی کا مقتضا اور امر ہیں۔ اور خیر عالی کی بھی خواہش ہے کہ نوع اور اس کی صورتیں زمین پر باقی رہیں۔ اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے اولاً کتوں کے مار ڈالنے کا حکم کیا تھا۔ لیکن بعد میں اس کو منع فرمادیا اور ارشاد کیا: انما امة من الامم. (کتا بھی گروہوں میں سے ایک گروہ ہے) یعنی خداوند عالم کو نوع کا وجود مطلوب ہے زمین سے اس کی صورتوں کا دور کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے اس قسم کی خواہش کا یہ اثر ہے کہ نوعی احکام تمام افراد نوع میں ظہور پذیر ہوں اس واسطے اس خواہش کے خلاف کرنا اور اس مرضی کو رد کرنا نہایت قبیح اور مصلحت کلی کے بالکل خلاف ہے اسی قاعدہ سے ان بدنی تصرفات کا حکم نکلتا ہے جو احکام نوعی کے اندازہ کے خلاف ہیں۔ جیسے خصی کرنا' اگلے دانتوں کے بیچ میں بہ تکلیف کشادگی پیدا کرنا' عورتوں کے چہرہ سے بالوں کو چننا وعلیٰ ہذا۔ باقی رہا آنکھوں میں سرمہ لگانا یا بالوں میں شانہ کرنا تو ایسے امور سے تو احکام نوعی کے ظہور کو اور مدد ملتی ہے یہ سب امور اُن احکام کے موافق ہیں۔

جب خداوند تعالیٰ نے تمام لوگوں کے لیے ایک شریعت قرار دی جس سے ان کے تمام حالات منتظم ہوں۔ ان کے احوال درست ہوں۔ اور عالم ملکوت میں اس شریعت کے رواج اور ظہور کا قصد اور شوق ہوا۔ اس لیے شریعت کی حالت بھی نوعی احکام کی سی ہوگئی جیسے زمین پر نوع کی صورتیں پھیلنے کا شوق ہوا کرتا ہے۔ ایسے ہی اس شریعت کا ہوا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ شریعت کے فروگزاشت کرنے میں سعی کرنا ملاء اعلیٰ کی ناخوشی کا باعث ہے اور بالکل ان کی مقتضا کے خلاف ہے ان کی سطح ہمت سے بعید ہے ایسے ہی وہ منافع اور تدابیر بھی بمنزلہ امر طبعی کے ہو گئے ہیں جن پر لوگوں کے عام فرقوں نے عرب ہوں یا عجم۔ قریب ہوں یا دور اتفاق کر لیا ہے۔ اسی وجہ سے جب اللہ تعالیٰ نے قسموں اور سندوں' دستاویزوں کو مشروع فرمایا جن سے اصلی حالات اور واقعات کا انکشاف ہوا کرتا ہے تو اس سے یہ لازم ہو گیا کہ جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم اللہ کے نزدیک اور فرشتوں کی نظر میں ناخوشی کا باعث ہے۔

اور انہیں امور بالا میں سے یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی کے اپنے پیغمبر کو کسی حکم شرعی کی اطلاع کرتا ہے اور اس کی حکمت اور سبب بھی بتا دیا کرتا ہے۔ تو نبی کو اختیار ہوتا ہے کہ اس مصلحت کو اخذ کر کے اس کی کوئی علت قرار دے اور اس حکم کا مدار علیہ اس علت کو ٹھہرائے یہ نبی کا قیاس ہے اور امت کے قیاس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کسی حکم منصوص علیہ کی معلوم کر کے جہاں علت پائی جائے وہاں اس حکم کو بھی پہنچا دیتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صبح' شام اور سوتے وقت خاص خاص ذکر معین فرما دیئے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نماز کے مشروع ہونے کی حکمت پر اطلاع کی تو اس سے آپؐ نے یہ اجتہاد کیا۔

انہیں امور میں سے یہ بھی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کسی آیت سے سیاق کلام کی وجہ دریافت فرما لیتے تھے اگرچہ اور لوگوں کو اس کلام کے وقت یا چند احتمالات کے ہونے سے وجہ معلوم ہو نہیں سکتی تھی تو اپنے فہم کے موافق حکم قرار دیتے تھے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ﴾ (کوہ صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے) اس آیت سے آنحضرت ﷺ کو مفہوم ہوا کہ صفا کا مروہ سے پہلے ذکر کرنا اسی بیان کے لیے ہے اسی طرح سعی کرنا مشروع ہے کہ پہلے صفا کی سعی کی جائے۔ پھر مروہ کی' اس قسم کی تقدیم کبھی سوال وغیرہ کی موافقت کے لیے ہوا کرتی ہے' کبھی بیان مشروعیت کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے: ابداء وابما بداء الله به (جس چیز سے اللہ نے شروع کیا ہے اُسی سے تم بھی شروع کرو) اور ایسے ہی اجتہاد کی مثال یہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ﴾ (آفتاب اور چاند کو سجدہ مت کرو۔ بلکہ ان کے خالق کو سجدہ کرو) اور نیز اللہ کا قول ہے: ﴿فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ﴾ (جب چاند ڈوب گیا تو ابراہیم نے کہا میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا) ان دونوں آیتوں کے مضمون سے آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ کسوف اور خسوف کی حالت میں عبادتِ الٰہی کرنا مستحب ہے اور آپ کو اللہ کے اس قول ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ (اللہ کے لیے ہے مشرق اور مغرب) سے معلوم ہوا۔ کہ استقبال قبلہ کی فرضیت عذر کی حالت میں ساقط ہو سکتی ہے اسی لیے اس شخص کا حکم مستنبط ہوا جس نے شب تاریک میں تحیری سے نماز پڑھی۔ اور سمت قبلہ اس کو ٹھیک معلوم نہ ہوئی اور قبلہ سے دوسری سمت کی طرف کھڑے ہو کر اس نے نماز پڑھی اور اسی سے سواری کی حالت میں شہر کے باہر نماز نفل پڑھنے کا حکم معلوم ہو گیا۔

اور انہیں امور سے ایک یہ بھی ہے کہ جب اللہ کسی شخص کو لوگوں سے معاملہ کرنے کے لیے مقرر کرے تو مناسب ہے کہ لوگوں کو اس کے احکام کی بجا آوری کا حکم دیا جائے جب قاضیوں کو حدود قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔ تو سرکشوں کو حکم دیا گیا کہ ان کے احکام کی تعمیل کیا کریں اور جب مصدق کو زکوٰۃ لینے کا حکم دیا گیا تو لوگوں کو یہ حکم کیا گیا کہ مصدق جب ان کے پاس سے واپس آئے تو ناخوش واپس نہ آئے اور جب عورتوں کو حکم دیا۔ تو لوگوں کو مامور کیا کہ اپنی نگاہیں ان سے نیچی رکھیں۔

اور انہیں امور میں سے یہ ہے کہ جب کوئی شئے منع کی جائے تو مناسب ہے کہ اس کے خلاف کا وجوباً یا استحباباً حکم کیا جائے جیسا موقعہ کے مناسب ہو اور جب کسی شئے کے کرنے کا حکم کیا جائے تو اس کی ضد منع کر دی جائے۔ جب نماز جمعہ کے پڑھنے اور اس کی طرف سعی کرنے کا حکم دیا گیا تو ضرور ہے کہ اس وقت خرید و فروخت اور دیگر مشاغل کی ممنوعیت بیان کی جائے۔

اور انہیں میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی شئے کے ہونے کا وجوباً حکم کیا جائے تو مناسب ہے کہ اس کے مقدمات اور دواعی وغیرہ کی ترغیب دی جائے اور جب کسی شئے کو ضروری طور پر منع کریں تو ضروری ہے کہ اس کے ذرائع کی بندش کر دی جائے اور اس کے اسباب نابود کر دیئے جائیں اسی واسطے چونکہ بت پرستی گناہ تھی اور تصویروں اور بتوں سے میل ملاپ بت پرستی کا سبب ہو سکتا تھا۔ جب کہ اگلی امتوں میں اس کی آزمائش ہو چکی تھی اس واسطے مناسب ہوا کہ مصوروں کی دارو گیر کی جائے اور شراب پینا گناہ تھا اس واسطے ضرور ہوا کہ شراب بنانے والوں سے مؤاخذہ کیا جائے اور جس دستر خوان پر شراب ہو اس میں حاضر ہونا منع کر دیا جائے۔ اور چونکہ فتنہ کی حالت میں جنگ و جدال گناہ ہے اس واسطے ایسے وقت میں ہتھیار بیچنے کی سخت ممانعت کر دی گئی اور سیاست مدن میں اس بات کی نظیر یہ ہے کہ جب اس امر کی خبریں معلوم ہوتی ہیں کہ لوگ کھانے اور پانی میں زہر ملا دیا کرتے ہیں اس بنا پر دوا فروشوں سے عہد لیا جاتا ہے کہ زہر کی اتنی مقدار کسی کے ہاتھ فروخت نہ کریں جس سے پینے والا ہلاک ہو سکے اور جب کسی قوم کی بدعہدی اور خیانت کا حال معلوم ہوتا ہے تو ان سے شرط کر لی جاتی ہے کہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں۔ اور ہتھیار نہ باندھیں اور ایسے ہی عبادات میں بھی ہے جب نماز تمام نیکی کے ذرائع میں بلند رتبہ تھی۔ اس واسطے ضرور ہوا کہ جماعت کا لوگوں کو شوق دلائیں تا کہ نماز کی پابندی میں اس سے مدد ملے اور یہ بھی ضرور ہوا کہ اذان کی رغبت لوگوں میں پیدا کی جائے تا کہ سب لوگ ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ جمع ہو

سکیں اور ایسے ہی لوگوں کو مساجد کی تعمیر اور مساجد کے پاکیزہ اور ستھرا رکھنے پر آمادہ کرنا ضرور ہے اور جو کہ رمضان کی پہلی تاریخ کا معلوم ہونا ماہ شعبان کے دنوں کے شمار کرنے پر موقوف تھا۔ اس لیے مستحب قرار دیا کہ ہلال شعبان کو لوگ یاد رکھیں اور اس کی نظیر سیاست مدن میں یہ ہے کہ جب دیکھا گیا کہ تیر اندازی میں بڑی مشقت ہے اس واسطے بہت سی کمانیں بنانے اور تیر کے پیکان تیار کرنے کا اور اُن چیزوں کی تجارت کرنے کا لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے۔

اور انہیں اُصول بالا میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے یا کسی شئے کی ممانعت کی جائے تو مناسب ہے کہ فرمان پذیروں کی عزت وشان ظاہر کی جائے اور نافرمانوں کی حقارت بتادی جائے چونکہ یہ مطلوب تھا کہ تلاوت قرآن کی اشاعت ہو اس کو لوگ بالتزام پڑھا کریں۔ اس واسطے مسنون قرار دیا گیا کہ لوگوں کی امامت کے لیے وہی شخص زیادہ مناسب ہے جو سب سے عمدہ قرآن پڑھتا ہو۔ اور حکم دیا گیا کہ مجالس میں قرآن پڑھنے والوں کی عزت وتوقیر کی جائے اور چونکہ زنا کی تہمت اور بہتان بندی گناہ تھی اس واسطے تہمت لگانے والے کی گواہی مقبول عدالت نہیں ہے۔ یہیں سے اس حالت کا حکم نکلتا ہے کہ مبتدع اور فاسق سے سلام اور سلام کی ابتدا نہ کی جائے سیاست مدن میں اس کی نظیر یہ ہے کہ تیراندازوں کو انعام زیادہ دیا جاتا ہے اور تقرروغیرہ میں ان کو اوروں پر تقدیم ہوا کرتی ہے۔

اور انہیں اصولوں میں سے یہ ہے کہ جب کسی شئے کا حکم یا ممانعت کی جائے تو لوگوں کو حکم دے دیا جائے کہ دلی قصد سے اس پر اقدام کریں اور عزیمت قلبی سے منہی عنہ سے باز رہیں اور کام کے موافق اس کی خواہش کو دل میں پوشیدہ رکھیں اسی واسطے نہایت سخت سرزنش وارد ہوئی ہے کہ لوگ قرض اور مہر کے ادا نہ کرنے کا اپنے دلوں میں قصد کرلیں اور انہیں اصول میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی شئے میں کسی خرابی کا احتمال ہو تو اس کو مکروہ قرار دینا چاہیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **فلا یغمس یده فی الاناء فانه لایدری این باتت یده**. (جو شخص سوتے سے اُٹھے وہ اپنے ہاتھ کو ہرگز برتن میں نہ ڈالے اس کو کیا معلوم کہ شب کو اس کا ہاتھ کہاں پڑا رہا) حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو احکام عبادات اور منافع کی تعلیم دی۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے ان کو بیان فرمادیا۔ اور ہر ایک باب کے متعلق بڑے بڑے احکام کو آپ ؐ نے مستنبط کیا۔ اس باب کے متعلق اور اس دوسرے باب کے متعلق جو اس باب کے بعد آتا ہے جو جو امور بیان کیے گئے ہیں ان سب کو امت محمد یہ کے رازدان لوگوں نے نبی ﷺ کے علوم میں مندرج پایا ہے اور غور وتدبر سے ان کے دلوں نے اپنے اندر ان کو جمع کیا ہے جو اس قسم کے علوم ان کی تصانیف اور کتابوں میں موجود ہیں وہ انہیں علوم نبوی کا شعبہ ہے۔ واللہ اعلم



باب ٦٦

مبہم کے انضباط اور مشکل کی تمیز اور کلیہ سے حکم نکالنے وغیرہ کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ مثال اور تقسیم سے تو ایسی اکثر چیزیں معلوم ہیں جن کا نام لے کر کوئی ان کا حکم بتایا گیا ہے لیکن کسی تعریف جامع مانع سے ان کا حال معلوم نہیں ہوتا کہ جس سے ان اشیاء کے ہر ہر فرد کا حال معلوم ہو کہ یہ فرد اس شئے کا ہے یا نہیں مثلاً سرقہ کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا﴾ (چرانے والے اور چرانے والی کے ہاتھ کاٹ ڈالو) اس آیت میں حد کو چور پر جاری کیا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ نبی ابیرق اور طعیمہ اور مخزومی عورت کے قصہ میں چوری ہی واقع ہوئی تھی اور یہ بھی معلوم ہے کہ دوسرے کے مال لینے کی کئی صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ منجملہ ان کے ① چوری ② رہزنی ③ اُچک لینا ④ بددیانتی ⑤ زمین سے پڑی ہوئی چیز کا اٹھالینا ⑥ غصب ⑦ بے پرواہی' ایسی صورتوں میں ضرورت پڑتی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ہر ایک صورت دریافت کی جائے کہ یہ چوری میں داخل ہے یا نہیں' ایسا سوال خواہ زبانی ہو یا حالی۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو ضرورۃً چوری کی ایسی حقیقت بتانی ہوگی۔ جو اور شریک چیزوں سے اس کو متمیز کر دے اور ہر ایک فرد کا حال اس سے بخوبی معلوم ہو جائے اس تمیز کا طریقہ یہی ہے کہ ان چیزوں کے ذاتی امور دیکھے جائیں جو چوری میں نہ پائے جاتے ہوں اور ان کی وجہ سے چوری اور غیر چوری میں امتیاز ہو جائے ایسے ہی چوری کی ذاتیات دیکھی جائیں۔ جن کو چوری کے لفظ سے اہل عرف سمجھ جاتے ہیں اس کے بعد امور معلومہ سے چوری کی منضبط تعریف کی جائے جن کی وجہ سے چوری ممیز ہو جائے مثلاً یہ معلوم کیا جائے کہ رہزنی اور جنگ اور ایسے ہی لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مظلومین کے مقابلہ میں ایک قوت ہوا کرتی اور مخالفوں کے مقابلہ میں ایک قوت ہوا کرتی ہے اور مخالفوں کے لیے ایک جگہ اور وقت ہوا کرتا ہے۔ جہاں لوگوں کی جماعت فریادرسی کے لیے نہیں پہنچ سکتی اور لفظ اختلاس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی نظروں کے سامنے سے کوئی شئے اچک لے جائے اور خیانت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کسی قسم کی شرکت یا بے تکلفی یا حفاظت اس کی کی گئی تھی۔ اور التقاط سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غیر محفوظ شئے لے لی گئی اور غصب سے معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم کی نسبت غاصب میں علانیہ قوت زیادہ تھی۔ اس کو لڑائی میں غالب آنے پر اعتماد تھا۔ یا یہ خیال تھا کہ حاکموں تک یہ قصہ نہ پہنچے گا یا ان کو پوری کیفیت معلوم نہ ہو سکے گی یا رشوت دے کر سچا فیصلہ نہ ہوگا اور بے پرواہی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ناچیز سی شئے تھی جس کو عرفاً خرچ کرتے رہتے ہیں اور اس سے ہمدردی کا اظہار کیا جا سکتا ہے جیسے پانی اور ہیزم اور چوری سے معلوم ہوا کرتا ہے کہ کوئی شئے مخفی طور پر لے لی گئی ہو اس واسطے آنحضرت ﷺ نے چوری کا اندازہ چوتھائی دینار یا تین درہموں سے فرمایا تاکہ حقیر اور ناچیز سے تمیز ہو جائے اور فرمایا کہ خیانت کرنے والے اور لوٹنے والے اور چھیننے والے کا ہاتھ قطع نہ کیا جائے اور فرمایا کہ اس پھل میں بھی ہاتھ نہ کاٹنا چاہیے' جو درخت پر لٹکتا ہو۔ اور نہ ایسی چیز میں جو پہاڑ میں محفوظ ہے ان میں اشارہ ہے کہ سرقہ میں حفاظت شرط ہے۔

اور مثلاً عیش پسندی نہایت درجہ کی ایسی حالت بھی نہایت خراب امر ہے لیکن وہ ٹھیک باقاعدہ نہیں ہے کہ اس کے مو

ظاہری نشانات سے متمیز ہوں جن کی وجہ سے ہر ایک ادنیٰ اور اعلیٰ سی باز پرس کر سکیں اور اس میں کسی کو شبہ نہ رہے کہ انہیں امور میں عیش پسندی پائی جاتی ہے اور یہ امر معلوم ہے کہ عجمیوں کی عادات عمدہ سواریوں بلند بلند ایوانوں فاخرہ لباس قیمتی زیورات وغیرہ میں نہایت درجہ کی عیش پسندی تک پہنچ گئی تھیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ لوگوں کی حالت مختلف ہونے سے عیش پسندی کی بھی حالت یکساں نہیں ہوا کرتی۔ بعض لوگوں کے سامانِ عیش اوروں کی نظر میں تنگی عیش ہوا کرتی ہے۔ اور بعض لوگوں کی نظر میں جو شئے جید ہوتی ہے اوروں کی نظر میں وہی جید ناقص ہوا کرتی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ منافع کا حصول جید شئے سے بھی ہوتا ہے اور ردی سے بھی' لیکن ردی شئے کا استعمال کرنا عیش پسندی نہیں ہے اور بلا قصد جودت کسی جید شئے سے متمتع ہونا یا اکثر اوقات میں کسی شخص کا جید اشیاء کا پابند نہ ہونا عیش پسندی نہیں ہوسکتا۔ اس وجہ سے شرع نے ہر صورت میں عیش پسندی کی خرابیاں بیان کیں اور ان اشیاء کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کر دیا کہ جن سے لوگ صرف عیش و آرام ہی کے لیے متمتع ہوا کرتے ہیں اور ان سے عیش حاصل کرنے کی لوگوں میں عادت شائع ہوگئی ہے اور شرع نے عجم اور روم کو گویا ان اشیاء پر متفق پایا تھا۔ اس واسطے شرع نے کمال عیش و آرام کے مواقع ان امور کو قرار دے کر ان کو حرام کر دیا۔ اور بطریق قدرت جن اشیاء سے نفع اٹھایا جاتا ہے یا اطراف ممالک میں ان کی عادت ہے۔ ان پر شارع نے کچھ التفات نہیں کیا۔ اسی لیے حریر اور سونے چاندی کے برتن انہیں محرم ابواب سے شمار کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے عیش و آرام کی حقیقت اس کو پایا کہ ہر ایک امور نافع سے جید شئے پسند کی جائے اور ردی سے اعراض کیا جائے۔ اور کامل عیش کا موقع اس کو پایا کہ ایک جنس کی اشیاء میں سے صرف جید ہی کو اختیار کریں' اور ردی کو بالکل ترک کر دیں اور معاملات میں اس قسم کے معاملات کو بھی موجب عیش قرار دیا جن میں ایک جنس کی اشیاء میں سے صرف جید ہی اختیار کی جائیں اور ردی بالکل ترک کر دی جائیں۔ البتہ بعض بعض مادوں میں اس کا لحاظ نہ بھی کیا جاتا ہو لیکن قوانین شرع میں ایسے مادوں کا کچھ اعتبار و لحاظ نہیں ہے۔ اس واسطے شرع نے ایسے معاملات کو بھی حرام قرار دیا ایسے معاملات بھی عیش پسندی کی صورت اور مثال تھے ان کی تحریم بھی بمقتضائے طبع ہے۔ مقتضائے طبیعت کے لحاظ سے عیش پسندی مکروہ امر ہے اور جب اسی مقتضائے طبیعت کی وجہ سے اشیاء کے مواقع حرام ہیں تو ان مواقع کی صورتیں اور مثالیں بھی بطریق اولیٰ حرام ہوں گے۔ نقد کو نقد کے بدلہ میں اور کھانے کی چیز کو اسی کی جنس کے بدلہ میں بڑھا کر فروخت کرنا اسی قاعدہ سے مستنبط ہو کر حرام کیا گیا ہے۔ لیکن کسی جید شئے کا زیادہ قیمت سے فروخت کرنا حرام نہیں ہے اس لیے کہ جب جنس ایک نہیں ہے تو زیادتی کے بدلہ میں اصل بیع ہوگی نہ بیع کا وصف۔ ایسے ہی ایک چھوکری کا دو چھوکریوں کے بدلہ میں اور ایک کپڑے کا دو کپڑوں کے بدلہ میں بھی خریدنا حرام نہ ہوگا۔ اس لیے کہ یہ اشیاء ذوات القیم میں سے ہیں۔ اس واسطے قیمت کی زیادتی اُس شئے خاص کے بدلہ میں قرار دی جائے گی اور یہ جودت بھی انہیں خواص میں مندرج ہو جائے گی۔ اس لیے بادی الرائے میں جودت کا کچھ اعتبار نہ رہے گا ہماری ان تمہیدات سے اس باب کے متعلق بہت سے نکتے منکشف ہو سکتے ہیں۔ مثلاً حیوان کے بدلہ حیوان کو خریدنا کیوں مکروہ ہے۔ وغیرہ ذالک

کبھی دو چیزیں باہم ہمرنگ معلوم ہوتی ہیں۔ ان دونوں میں مخفی امور کی وجہ سے تمیز ہوا کرتی ہے جن کو صرف نبی ﷺ اور ان کی امت میں راسخ العلم لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس واسطے ضرورت پیش آتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی ظاہری علامت معلوم کی

جائے اور نیکی اور گناہ کے لحاظ سے ان علامتوں کا کوئی حکم قرار دیا جائے اور ان میں باہم علیحدگی احکام بتائے جائیں۔ مثلاً نکاح اور زنا، نکاح اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ مصلحت ٹھیک ہو جائے جس پر انتظام عالم کا مدار ہے کہ زن وشوہر میں باہم ہمدردی ہو۔ نسل کی امید کی جائے۔ شرمگاہ محفوظ رہے اور سب امور پسندیدہ اور منجملہ مقاصد کے ہیں اور زنا کی حقیقت یہ ہے کہ نفسانی شورش فرو کر دی جائے۔ خواہش نفسانی کا اتباع کیا جائے۔ حیاء کی پردہ دری کی جائے اُس سے نفس کو آزادی ہو اور مصلحت کلی اور نظم عالم سے گمراہی ہو اور یہ امور ناخوشی کے باعث اور ممنوعات سے ہیں۔ لیکن زنا اور نکاح اکثر امور میں یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں سے خواہش نفس دور ہوتی ہے۔ طبیعت کی سوزش جاتی رہتی ہے دونوں میں عورتوں کی جانب میلان ہوا کرتا ہے۔ اس واسطے ضرورت ہوئی کہ ظاہری علامات سے ایک کو دوسری سے بالکل تمیز ہو جائے اور طلب ومنع کا اس پر مدار ہو۔ اس واسطے نبی ﷺ نے نکاح کی تعیین چند امور سے قرار دی۔ ① یہ کہ نکاح عورتوں سے کیا جائے نہ مردوں سے۔ نسل کی امید صرف عورتوں سے ہو سکتی ہے ② یہ کہ اپنے قصد اور مشورہ اور اعلان سے ہو۔ اسی لیے گواہوں اور ولی کی موجودگی اور عورت کی رضامندی اس میں شرط کی گئی ہے۔ ③ وہ دونوں یہ قرار دیں کہ ایک دوسرے کے معاون رہیں گے اور یہ صورت اکثر اوقات جب ہی ہو سکتی ہے کہ عقد دائمی اور لازمی طور پر ہو اس کی کوئی میعاد معین نہ ہو اس واسطے نکاح پوشیدگی میں اور متعہ اور لواطت حرام قرار پائے۔

اور اکثر کوئی نیک کام کسی دوسرے نیک کام کے مشابہ ہوا کرتا ہے جو دوسرے کام کے مقدمات میں سے ہوا کرتا ہے اس واسطے ان دونوں میں فرق کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ جیسے قومہ اس لیے مشروع ہوا ہے کہ رکوع اور سرنگوں ہونے میں جو سجدہ کے مقدمات میں سے ہے فرق ظاہر ہو جائے۔

کبھی کوئی رُکن یا شرط حقیقت میں مخفی امر اور افعال قلبی میں سے کوئی کام ہوا کرتا ہے۔ اس واسطے افعال بدنی میں سے کوئی فعل یا کوئی قول اس امر مخفی کے انضباط کے لیے علامت قرار دیا جاتا ہے جیسے کہ نیت اور اللہ کے حضور میں اخلاص کے ساتھ کوئی کام کرنا امر مخفی ہے اس لیے استقبال قبلہ اور نیت ان کی علامت مقرر کر کے نماز میں اصلی شئے کہ دیئے گئے۔

جب نص میں کوئی لفظ مذکور ہو یا کوئی مقسم حکم کے لیے مدار علیہ قرار دی جائے اور پھر اس کے بعض مادوں میں کوئی شبہ پیدا ہو جائے تو یہی مناسب ہے کہ اس لفظ کے معنی معلوم کرنے یا کسی قسم کی تعریف جامع اور مانع کے معلوم کرنے میں اہل عرب کی عرفی حالت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ جیسے روزہ کے متعلق نص میں ماہ رمضان وارد ہوا ہے لیکن ابر کے وقت اس کی تعداد میں شبہ ہو جایا کرتا ہے اس لیے اس کا حکم وہی ہوگا جو عرب کے عرف میں تھا کہ شعبان کے تیس روز پورے کر لینے چاہئیں۔ مہینہ کبھی تیس روز کا ہوتا ہے کبھی انتیس کا۔ آنحضرت ﷺ کا قول ہے: **انا امة امية لانكتب ولا نحتسب الشهر كذا**۔ (ہم امی ہیں اس طرح پر مہینہ کو نہیں لکھتے اور نہ اس کا ایسا حساب کرتے ہیں)

ایسے ہی قصر میں قصر کا لفظ نص میں وارد ہوا ہے اور بعض مادوں میں سفر کے معنی معلوم کرنے میں اشتباہ پیدا ہوتا ہے اس لیے صحابہؓ نے حکم کیا کہ سفر جب ہوتا ہے کہ مکان سے ایسی جگہ جائیں کہ جہاں پورے ایک روز اس شب کے شروع حصہ میں پہنچ سکیں اس کی مسافت ایک روز اور دوسرے روز کا کچھ حصہ ہو۔ اس طرح پر سفر کا اندازہ چار بردوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جوحکم خاص آنحضرت ﷺ کی ذات کے لیے ہے اور لوگوں کے لیے وہ حکم نہیں ہے۔اس وقت میں اس حکم کا مدار اس شئے کی حقیقت کوقرار دینا نہیں چاہیے بلکہ امر مظنون کوقرار دینا چاہیے۔امام طاؤس کا عصر کے بعد دو رکعتوں میں یہی قول ہے کہ ان کی ممانعت اس لیے کی گئی ہے لیلا یتخذ سلما اور نبی ﷺ اصلی حقیقت سے واقف تھے آپ کی شان میں امر مظنون کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔دریافت حقیقت کے بعد گمان کا کیا احتمال ہے مثلاً چار بیویوں سے زیادہ سے شادی کرنے میں احتمال تھا کہ بیویوں کی معاشرت میں کوئی قباحت پیدا ہو جائے اوران کے حقوق میں کسی قسم کی فروگزاشت ہو۔اورلوگوں کواس کا شبہ ہوسکتا ہے اور نبی ﷺ کوخوب معلوم تھا کہ ان کی معاشرت میں کون سے امور پسندیدگی کے قابل ہیں اس لیے گمان کے موافق اس کے متعلق کوئی حکم نہیں دے سکتے یا آنحضرت ﷺ کا بعض امور کواپنے لیے خاص کر تہذیب نفس کے علاوہ کسی رسم کی تحقیق اور باقی رکھنا مقصود ہوا کرتا ہے جیسے آنحضرت ﷺ نے بیع کے ساتھ کسی شرط کے لگانے سے منع فرمایا ہے پھر آپؐ نے ایک اونٹ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس شرط پر خرید فرمایا کہ مدینہ تک وہ ان کی سواری میں رہے۔یا آنحضرت ﷺ کے لیے کسی امر کی تخصیص اس لیے ہوا کرتی ہے کہ اس کام کے قابل وہ شخص نہیں ہوا کرتا۔جس میں مادہ عصمت کا نہیں ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا روزہ دار کے بوسہ کے متعلق قول ہے **ایکم یملك اربه کما کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یملك اربه** (آنحضرت ﷺ کی طرح کون شخص خواہش نفس پر غالب ہے یا وجہ تخصیص یہ ہوتی ہے کہ آپ کا نفس قدسی کسی خاص نیک امر کا مقتضی ہوا کرتا ہے۔اس واسطے آپ پراس کا کرنا واجب کردیا جاتا ہے جیسے کہ کسی قوی آدمی کوزیادہ غذا کی رغبت ہوتی ہے۔ایسے ہی نفوس عالیہ کواللہ کی جانب زیادہ توجہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے مثلاً نماز تہجد' نماز چاشت کی۔واللہ اعلم

باب ٦٧

مذہبی آسانیوں کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (اللہ کی رحمت کے ساتھ لوگوں سے نرمی کرو۔اگر تم سخت دلی سے پیش آؤ گے تو لوگ تمہارے پاس سے منتشر ہو جائیں گے) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (اللہ تمہارے حق میں آسانی کا ارادہ کرتا ہے نہ دشواری کا) آنحضرت ﷺ نے جب حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن کی جانب روانہ کیا تو ان سے فرمایا: **ایسرا ولا تعسرا ولا بشرا ولا تنفرا و قطارعا و لا تخالفا** (آسانیاں پیدا کرنا نہ دشواریاں لوگوں کوخوش کرنا متنفر نہ کرنا اور باہم ہمیشہ موافق رہنا۔اختلاف نہ کرنا)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین.

''تم آسانیاں بڑھانے کو پیدا ہوئے ہو نہ دشواریاں پیدا کرنے کو''۔

معلوم کرنا چاہیے کہ تیسیر کی چند صورتیں ہیں یہ کہ:

① طاعت کے لیے کوئی ایسی چیز رکن یا شرط قرار نہ دی جائے جس کا ادا کرنا لوگوں پر دشوار ہو اس کی دلیل آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: **لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواك عند كل صلوة.** (اگر میں امت کے لوگوں پر دشوار نہ سمجھتا تو میں ہر ایک نماز کے لیے مسواک کرنے کا حکم کرتا)

② کہ بعض امور طاعت کو منجملہ رسوم کے قرار دینا چاہیے جن پر فخر و مباہات کی جایا کرتی ہے۔ ان امور کو اُن امور میں داخل کرنا چاہیے جن کو لوگ اپنی نفسانی رغبتوں سے عمل میں لایا کرتے ہیں۔ مثلاً عیدین' جمعہ' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تا کہ یہودی جان لیں کہ ہمارے مذہب میں کیسی وسعت ہے۔ بڑے بڑے مجمعوں میں اپنے آپ کو مزین کرنا اور عز و مباہات کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت کا طالب ہونا اور مناقشہ کرنا لوگوں کا خاص طریقہ ہے۔

③ یہ کہ طاعات میں وہ امور مسنون کرنے چاہئیں۔ جو لوگوں کو بالطبع مرغوب ہوں تا کہ جس امر کی عقل خواہاں ہے طبیعت بھی اس کی خواہاں رہے اور دونوں رغبتیں جمع ہو کر ایک دوسرے کی معاون رہیں۔ اسی وجہ سے مسجدوں کا پاکیزہ اور ستھرا رکھنا روز جمعہ کو غسل کرنا۔ اس روز خوشبو لگانا مسنون ہے اور قرآن کو خوش الحانی سے پڑھنا اور اذان کا خوش آوازی سے پڑھنا مستحب قرار دیا گیا ہے۔

④ یہ کہ لوگوں کی طبیعتوں پر سے گرانی دُور کی جائے جس سے وہ بالطبع متنفر ہوں۔ وہ ناپسند سمجھی جائے اسی لیے غلام اعرابی اور مجہول النسب کی امامت مکروہ خیال کی گئی ہے لوگ اس قسم کے لوگوں کی امامت سے دل گرفتہ ہوا کرتے ہیں۔

⑤ بعض وہ امور بحال خود باقی رکھے جائیں جو اکثر لوگوں کی طبیعت کے موافق ہوں یا اُن امور کو ترک کرنے سے ان کو دل تنگی معلوم ہوتی ہو۔ جیسے سب سے زیادہ مستحق امامت کے لیے سلطان اور مالک خانہ قرار دیا گیا ہے اور جو شخص نئی عورت سے شادی کرے تو اس کے لیے اولاً سات روز یا تین روز خاص کر کے پھر اور بیویوں میں اپنی نوبت کو تقسیم کر دے۔

⑥ یہ کہ لوگوں میں یہ معمول قرار دیا جائے کہ ان کو علم و نصائح کی ہمیشہ تعلیم دیتا رہے نیکی کا حکم کرتا رہے اور ممنوعات سے روکتا رہے تا کہ لوگوں کے دلوں میں یہ امور بھر جائیں اور بلا وقت وہ نوامیس کے مطیع رہیں۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ہمیشہ نصیحت فرماتے رہا کرتے تھے کہ کہیں ان میں ناگواری اور سستی نہ پیدا ہو جائے۔

⑦ یہ کہ نبی ﷺ بعض اُن امور کو عمل میں لاتے رہیں جن کا لوگوں کو حکم کرتے ہوں یا ان کے کرنے میں لوگوں کو مجاز کرتے ہوں تا کہ آپ کے فعل پر لوگوں کا لحاظ رہے۔

⑧ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے التجاء کرتے رہیں کہ لوگوں میں تہذیب آ جائے وہ کامل بن جائیں۔

⑨ یہ کہ پیغمبر کے ذریعہ سے اللہ کی جانب سے اطمینان اور تسکین نازل ہوتی رہے اور لوگ نبی کی حضوری میں ایسے ہو جائیں

گویا اُن کے سر پر پرند ہیں۔(مردے)

⑩ جو شخص حق سے سرتابی کرے اس کو ذلیل اور محروم کردینا چاہیے۔جیسے قاتل کو ورثہ نہیں ملتا اور اکراہ کی صورت میں طلاق نافذ نہیں ہوتی۔ایسی حالتوں میں جب زبردستی کرنے والوں کی غرض حاصل نہ ہوگی تو وہ جبر اور اکراہ کرنے سے باز رہیں گے۔

⑪ جن امور میں محنت اور مشقت ہو ان کو آہستہ آہستہ شروع کرنا چاہیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اسی کے متعلق قول ہے کہ قرآن میں اوّل وہ مفصل سورتیں نازل ہوئیں جن میں صرف جنت و دوزخ کا ذکر تھا۔اور جب اسلام پر لوگ ٹوٹنے لگے تو حرام اور حلال کے احکام نازل ہوئے اگر شروع ہی سے **لاتشربو الخمر** .(شراب مت پیئو) نازل ہوتا۔تو لوگ کہہ بیٹھتے کہ ہم شراب کو کبھی ترک نہ کریں گے اور **لاتزنوا**.(زنا مت کرو) نازل ہوتا تو لوگ کہتے کہ ہم زنا کو ترک نہ کریں گے۔

یہ کہ آنحضرت ﷺ کو وہ فعل ترک کردینا چاہیے جس سے لوگوں کے دلوں میں تشویش پیدا ہو فتنہ کے لحاظ سے بعض مستحب امور ترک کردینے چاہئیں۔آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: **لولاحدثان قومك بالكفر لنقضت الكعبة و بنيتها على اساس ابراهيم عليه السلام** .(اگر تیری قوم سے زمانہ کفر کا قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو منہدم کرکے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرتا)

⑫ شارع نے مختلف نیکیوں وضو،غسل،نماز،زکوۃ،روزہ،حج وغیرہ کا حکم دیا۔ان امور کو لوگوں کی رائے پر موقوف نہیں رکھا۔سب کے لیے ارکان شرائط و آداب کو پوری طرح سے منضبط نہیں کیا۔بلکہ ان کی تکمیل کو لوگوں کی عقلوں پر چھوڑ دیا تاکہ وہ اپنی عقل سے ان لفظوں کے معانی اپنی عادات کے موافق خود سمجھ لیں یہ تو مثلاً بیان کردیا: **لاصلوٰة الابفاتحه الكتاب** .(بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی) لیکن حرفوں کے مخارج کی تفصیل نہیں کی۔جن پر سورہ فاتحہ کا ٹھیک طور پر پڑھنا موقوف ہے۔اس سورت کی تشدیدیں حرکات سکنات نہیں بیان کیے اور نیز شارع نے یہ بیان کردیا کہ استقبال قبلہ نماز میں شرط ہے۔لیکن کوئی ایسا قاعدہ نہیں بتایا۔جس سے استقبال قبلہ معلوم ہوسکے اور یہ بیان کردیا کہ زکوۃ کا نصاب دوسو درہم ہیں لیکن اس کا کچھ ذکر نہیں فرمایا کہ درہم کا کیا وزن ہوتا ہے اور جب اس قسم کی کوئی بات آپؐ سے دریافت کی گئی تو انہیں امور سے جواب دے دیا جو ان کے خیال میں تھے۔ماہ رمضان کے ہلال کی نسبت فرمایا کہ اگر ابر ہو تو ماہ شعبان کے تیس روز پورے کرلو اور اس پانی کی نسبت جو بیابان میں ہو درندے چارپائے وہاں آتے جاتے ہیں فرمایا: **اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا** (جب پانی بقدر قلتین کے ہو تو ناپاک نہیں ہوتا۔عرب میں ان امور کی اصل موجود تھی)۔پہلے ہم نے اس کو بیان کردیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سب اشیاء کی حقیقتیں بیان کی جائیں گی تو ان میں ظہور و خفا اور عدم انضباط ویسا ہی ہوگا تو پھر ان کے بیان کی ضرورت پڑے گی اور ایسے ہی ضرورت پڑتی جائے گی اور اس سے بڑا حرج ہوگا اور چونکہ ہر ایک امر کی تعیین میں کسی قدر دقت ہی ہوا کرتی ہے جب بہت سے تعینات ہو جائیں گے تو دقتیں بہت زیادہ ہو جائیں گی اور نیز شرع کے امور ادنیٰ اور اعلیٰ سب ہی ہوا کرتے ہیں تو ان تفاصیل میں سب حدود تعریفات کے محفوظ رکھنے

میں زیادہ دقت ہوگی۔

اور نیز اگر لوگ ان امور کا زیادہ اہتمام کریں جن سے نیکیاں محدود کی جاتی ہیں تو وہ ان نیکیوں کے فوائد معلوم نہ کر سکیں گے اور نیکیوں کے ارواح کی جانب ان کی توجہ نہ ہوا کرے گی۔ اکثر قراء کو دیکھ لو۔ ان کی دلی توجہ زیادہ لفظوں کی طرف ہوا کرتی ہے ان کو معانی قرآن کے غور کرنے کی طرف توجہ نہیں ہوا کرتی۔ اس لیے مصلحت یہی ہے کہ انضباط کے بعد اور امور کو ان کی ہی رائے پر چھوڑ دیں اور نیز شارع نے لوگوں کو انہیں امور سے خطاب کیا ہے جو فن حکمت اور علم کلام اور علم اصول کے دقائق میں غور کرنے سے پیشتر ہی سے ان کی عقلوں میں فطری طور پر ودیعت رکھے گئے تھے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے جہت کو ثابت کیا۔ فرمایا: **اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى.** (اللہ عرش پر ٹھہرا ہوا ہے) اور آنحضرت نے ایک کالے رنگ کی عورت سے فرمایا: **این اللہ.** (اللہ کہاں ہے) اس عورت نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ عورت ایماندار ہے شارع نے استقبال قبلہ اور نماز اور عیدین کے اوقات معلوم کرنے کے لیے لوگوں کو علم ہیئت یا ہندسہ کے مسائل حفظ کرنے کی تکلیف نہیں دی اور اپنے قول: **القبلة ما بين المشرق والمغرب اذا استقبل الكعبة.** (قبلہ وہی ہے جو مشرق اور مغرب کے درمیان کعبہ سامنے ہو جائے) میں سوال کی وجہ کی طرف اشارہ فرما دیا اور کہا: **الحج يوم تحجون والفطر يوم تفطرون.** (جس روز تم حج کرتے ہو وہی حج کا دن ہے اور جس روز افطار کرتے ہو وہی یوم الفطر ہے) واللہ اعلم

باب ٦٨

ترغیب اور ترہیب کے اسرار میں

اللہ تعالیٰ وتبارک کی اپنے بندوں پر یہ بڑی نعمت ہے کہ اس نے وحی کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام کو ثواب اور عذاب بتا دیا جو اعمال پر مرتب ہوتے ہیں تاکہ انبیاء لوگوں کو اس سے آگاہ کر دیں اور اُن کے دل بیم و رجاء سے مملو ہو جائیں اور اپنے ذاتی قصد اور ارادہ سے لوگ اُن شرائع کی پیروی کریں جیسے کہ اور باقی امور کی بیم و امید کیا کرتے ہیں جن سے کوئی ضرر دور ہو جاتا ہے یا ان سے کوئی نفع حاصل ہوتا ہے۔ اسی کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾

”بے شک نماز ایک بڑی بھاری چیز ہے۔ لیکن نہ اُن خوف کرنے والوں پر جن کو خیال رہتا ہے کہ ہم اپنے پروردگار سے ملیں گے اور اسی کی طرف پھر جائیں گے“۔

ترغیب اور ترہیب کے متعلق قواعد کلی ہیں۔ تمام جزئی امور ترغیب اور ترہیب کے انہیں پر ختم ہوتے ہیں فقہاء سے صحابہؓ نے اگرچہ ان قواعد کو تفصیلاً منضبط نہیں کیا تھا۔ لیکن اجمالاً وہ خوب ان سے واقف تھے اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے

فرمایا ہے کہ اپنی بیوی سے مباشرت کرنے میں بھی تمہارے لیے اجر ہے صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیا کوئی خواہش پوری کرے جب بھی ثواب ملتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیوں۔ اگر حرام میں خواہش کا استعمال کرتے تو اس پر گناہ ہوتا یا نہیں اس لیے صحابہ ؓ کا اسی مسئلہ میں توقف کرنا اور اس کی وجہ کا مشتبہ ہونا۔ اسی وجہ سے تھا کہ وہ اعمال اور اعمال کی جزاؤں کی مناسبت سے خوب واقف تھے اس کو خوب جانتے تھے کہ اعمال کے نتیجوں کی با معنی عقلی دلیل ہوا کرتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے سوال کرنے اور جواب میں ایک دلیل صاف کے لحاظ رکھنے کی کوئی وجہ نہ ہوتی اور اس قول کی نظیر یہ بھی ہے کہ فقہاء نے حدیث: **لو کان علی ابیك دین اکنت قاضیة قال نعم فدین الله احق ان یقضی.** (اگر تیرے باپ پر قرضہ ہوتا تو اس کو ادا کرتا یا نہیں۔ اس نے کہا ہاں ادا کرتا آپؐ نے فرمایا پس اللہ کا قرضہ زیادہ ادا کرنے کے قابل ہے) میں نے کہا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام کو قواعد کلیہ سے تعلق ہوا کرتا ہے صحابہؓ کے سوال کا حاصل یہ ہے کہ نیکیوں میں تہذیب نفس ہوا کرتی ہے مثلاً تسبیح، تہلیل، تکبیر یا شہر کے انتظام میں ان سے کوئی مصلحت قائم ہوا کرتی ہے اور برائیوں میں ان دونوں کے خلاف امور ہوا کرتے ہیں۔ اور خواہش نفس میں طبیعت کی خواہش کی پیروی ہوتی ہے اس میں عادات سے زیادہ کوئی اور مصلحت نہیں ہوتی صحابہ ؓ کا منشاء سوال اسی کو سمجھنا چاہیے یا ایسا ہی کوئی اور امر خیال کر لینا چاہیے جس میں کسی امر کلی کا معلوم کرنا پڑے اور اس کی طرف سوال کے پھیرنے میں غرابت نہ ہو اور آنحضرت ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اپنی بیوی سے مباشرت کرنے میں خاوند اور بیوی کی شرمگاہ محفوظ رہتی ہے اور اس میں اس سے نجات مل جاتی ہے کہ بے موقع خواہش نفس پوری کی جائے۔

ترغیب اور ترہیب کے طریقے مختلف ہوا کرتے ہیں۔ اور ہر ایک طریقہ کا راز جدا ہوتا ہے۔ ان میں بڑے بڑے طریقوں سے آگاہی کی جاتی ہے۔

ان طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ تہذیب نفس میں کسی کام کا جو اثر ہوتا ہے وہ بیان کر دیا جائے۔ نفس کی نیک و بد قوتوں میں سے ایک قوت غالب ہو جائے یا مغلوب اسی کو زبان شرع میں نیکیوں کا لکھا جانا اور برائیوں کا محو ہو جانا کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص: **لا الـه الا اللـه وحده لاشریك له له الملك و له الحمد وهو علی کل شیئ قدیر** (روزانہ ایک بار پڑھ لیا کرے تو یہ دس بردہ آزاد کرنے کے برابر ہے اس کی سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور سو برائیاں اس سے محو کی جاتی ہیں۔ اور اس روز شام تک وہ محفوظ رہتا ہے۔ ایسے شخص سے کسی شخص کا عمل عمدہ نہیں ہوتا مگر اس شخص کا جو اس سے زیادہ عمل کرے۔ اس حدیث کا راز ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اور انہیں طریقوں میں سے یہ ہے کہ اس عمل کا وہ انداز بیان کیا جائے جس کی وجہ سے شیطان وغیرہ سے حفاظت ہوتی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ شام تک شیطان سے حفاظت رہتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بدکار لوگ اس کو نہیں کر سکتے یا اُس عمل سے رزق میں زیادتی اور برکت کا ظہور ہوا کرتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ سے سلامتی کو طلب کرتا ہے اور یہ اُس کی درخواست قبولیت دعا کا سبب پڑتی ہے آنحضرت ﷺ نے اللہ کی جانب سے فرمایا ہے **ولئن استعاذنی لاعیذنه ولئن سالنی لاعطینه** .(اگر بندہ مجھ سے کسی امر سے پناہ چاہے گا میں اس کو پناہ دوں گا اور اگر کسی امر کی مجھ سے درخواست کرے گا

میں اس کو پورا کروں گا) اور بعض اور حدیثوں میں وارد ہے کہ ذکر الٰہی میں فرو ہو جانے اور عالم جبروت کی طرف متوجہ ہونے اور ملکوت سے مدد طلب کرنے سے طالب اور مطلوب میں قطعی مناسبت ہو جایا کرتی ہے اور مناسبت پر تاثیر کا مدار ہوا کرتا ہے اور بعض احادیث میں وارد ہے کہ جس کی ایسی حالت ہوا کرتی ہے تو ملائکہ اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اس کی وجہ سے منافع حاصل ہونے اور مضرت کے دفع ہونے کے اکثر ذرائع پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

موجبات ترغیب اور ترہیب سے ہے کہ عالم معاد میں اعمال کا اثر بتایا جائے۔ دو مقدموں سے اس کا اصلی راز معلوم ہوتا ہے:

① یہ کہ معاد میں کسی شئے کو ثواب اور عذاب کا سبب قرار نہیں دے سکتے جب تک کہ جزا کے دو سببوں میں سے کسی سبب کے ساتھ کچھ نہ کچھ مناسبت نہ ہو۔ اس کو یا ان چاروں اخلاق میں سے کسی نہ کسی میں دخل ہو۔ جن کے ہونے نہ ہونے پر سعادت اور تہذیب نفس کا مدار ہے وہ اخلاق یہ ہیں۔ نظافت رب العالمین کے حضور میں نیاز مندی، نفس کی سماحت وفیاضی اس کی کوشش کرنا کہ لوگوں میں عدل قائم ہو یا ان کو ان امور کے اجراء میں دخل ہو جس پر ملاء اعلیٰ کا اتفاق ہوا کرتا ہے کہ شرائع کو استحکام ہو اور انبیاء علیہم السلام کی مدار ہو اور عمل اور سبب جزاء میں مناسبت کے معنی یہ ہیں کہ اس عمل سے وہ سبب خود حاصل ہوتا ہو یا اس کو عادۃً لازم ہو یا اس کے لیے ذریعہ ہو مثلاً دو رکعتوں کو اس طرح ادا کریں کہ کوئی نفسانی وسوسہ پیش نہ آئے تو اس سے ثبوت ہوتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ کے جلال کی یاد اور عاجزی کا اثر ہے اور بہیمیت کی پستی سے ایک قسم کی ترقی کا اس میں ظہور ہے اور ایسے ہی پورا پورا وضو کرنا پاکیزگی کا باعث ہے جس کا اثر نفس پر پڑتا ہے اور مال کثیر کا صرف کرنا جس میں معمولی طور پر بخیلی کی جایا کرتی ہے یا کسی کے ظلم کو معاف کر دینا اور اللہ کے حقوق میں ریا کو ترک کرنا نفس کی سماحت کی دلیل اور اس کو لازم ہے اور ایسے ہی بھوکے کو کھانا کھلانا، پیاسے کو پانی پلانا۔ قوموں میں آتش جنگ کے بجھانے میں کوشش کرنا۔ اصلاح عالم کی دلیل اور ذریعہ ہے اور عرب سے محبت رکھنا ذریعہ ہے کہ انہیں کی سی وضع اختیار کی جائے اور اس کی وجہ سے ملت حنفی کی پسندیدگی کا موقع ہو سکے گا۔ یہ شریعت عادات عرب کے ہی موافق معین کی گئی ہے اس پسندیدگی سے شریعت مصطفوی کی عزت اور شان حاصل ہوتی ہے اور افطار میں برابر عجلت اختیار کرتے رہنا اور مذاہب کے اختلاط اور تحریف سے کنارہ کشی کی دلیل ہے لوگوں کے اکثر فرقے مثلاً حکماء، ارباب ضاعت، اطباء وغیرہ اشیاء کے مواقع کو مدار علیہ احکام قرار دیتے رہتے ہیں۔ اور خطبوں محاورات میں عرب کی بھی یہی روش رہی ہے۔ بعض بعض ایسی صورتیں ہم ذکر بھی کر چکے ہیں۔

یا وہ عمل شاق یا گمشدہ یا طبیعت کے مخالف ہو اس پر وہی شخص اقدام کر سکے جس میں کامل اخلاص ہو اس لیے ایسا عمل اخلاص دلی کا شارح ہوا کرتا ہے۔ مثلاً آب زمزم سے سیرابی حاصل کرنا اور حضرت علیؓ سے محبت رکھنا۔ اس لیے حضرت علیؓ اللہ کے احکام کی تعمیل میں نہایت سخت تھے اور انصار سے محبت رکھنا خاندان معد اور یمن کی قومیں باہم ایک دوسرے سے متنفر تھیں۔ اسلام نے ان میں الفت پیدا کر دی تھی اس لیے ان سے محبت کرنا دلیل ہے کہ اس میں اسلام کی بشاشت سرایت کر گئی ہے اور جیسے پہاڑ پر چڑھ کر دیکھنا اور اسلامی لشکروں کی نگرانی کرنا بتاتا ہے کہ کلمۃ اللہ کے اعلان اور دین الٰہی میں اس کی توجہ کامل ہے۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جب کسی کی وفات ہو جاتی ہے اور اس کو وہ نفسانی حالتیں پیش آتی ہیں جو نفس میں راسخ تھیں خواہ وہ

نفس کے موافق تھیں یا مخالف‘ تو اس پر عنقریب ہی تکلیف و آرام کی صورتیں ظاہر ہوں گی۔ ان نفسانی حالات اور تکلیف و آرام میں گو کہ کوئی عقلی مشابہت نہ ہو۔ لیکن یہ تلازمہ کی ایک دوسری قسم ہے جس سے نفس کے بعض اُمور کی بعض کی طرف کشش ہوتی ہے اور اسی طرح پر خواب میں بھی معانی خاص خاص صورتوں میں ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ جیسے شرمگاہوں اور مونہوں پر مؤذن کا مہر لگانا دلیل تھا کہ وہ لوگوں کو مباشرت عورات اور کھانے وغیرہ سے باز رکھنا چاہتا ہے عالم مثال میں خاص خاص مناسبتیں ہوا کرتی ہیں جن پر احکام کا دوران ہوا کرتا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام جو دحیہ کلبیؓ ہی کی صورت میں آیا کرتے تھے وہ ایک خاص معنی کی وجہ سے تھا اور خاص وجہ ہی کے سبب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آگ کا ظہور ہوا تھا۔ جو شخص اس مناسبت کو بخوبی سمجھتا ہے وہ جان سکتا ہے کہ جزاے اعمال کی کیا صورت ہوگی۔

بہر حال نبی ﷺ کو اسی طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص علم کو مخفی رکھتا ہے اور تعلیم سے اپنے آپ کو روکتا ہے حالانکہ تعلیم کی ضرورت ہوا کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ آگ کی لگام سے اُس کو عذاب دے گا۔ یہ تشبیہ اس لیے دی گئی ہے کہ ایسے بخل سے نفس کو تکلیف ہوتی ہے اور بخل کا قالب اور صورت لگام کے مشابہ ہے اور جو شخص مال سے زیادہ محبت کرتا ہے ہمیشہ اس کا دل مال سے ہی متعلق رہتا ہے اس کی گردن میں گنجے سانپ کا طوق ڈالا جائے گا اور جو شخص دراہم‘ دنانیر‘ چارپایوں کی حفاظت میں سخت تکلیف برداشت کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں ان کے خرچ میں بہت احتیاط کرتا ہے اس کو انہیں اشیاء کے ذریعہ سے عذاب دیا جائے گا۔ جیسے تکلیف دینے کا طریقہ ملاء اعلیٰ کی نظر میں مقرر ہے اور جو شخص لوہے کی چیز یا زہر وغیرہ سے اپنے آپ کو تکلیف دیتا ہے اور اس وجہ سے وہ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتا ہے تو انہیں صورتوں سے اس کو عذاب دیا جائے گا اور جو شخص محتاج کو کپڑے پہنائے گا قیامت کے روز جنت کے سندس سے اس کے کپڑے بنائے جائیں گے اور جو شخص مسلمان کو آزاد کردے اور غلامی کی مصیبت سے جو اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے آزاد کردے گا تو اس غلام کے ہر ایک عضو کے بدلہ میں اس مالک کا ہر ایک عضو دوزخ سے آزاد کیا جائے گا۔

اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ عمل کو اس چیز سے مشابہت دیں جس کی خوبی یا برائی ذہنوں میں شرع یا عادت کی وجہ سے راسخ ہو جاتی ہے اور اس وقت میں ضرور ہے کہ ان دونوں امروں میں کوئی جامع امر چاہیے جو کسی نہ کسی وجہ سے دونوں میں بالاشتراک پایا جائے جیسے اس شخص کو جو نماز صبح سے طلوع آفتاب تک انتظار کی حالت میں معتکفانہ بیٹھا رہے صاحب حج اور دُعا کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے۔ جو تے کرکے پھر اس کو نگل جائے۔ یا اس عمل کو معیوب لوگوں یا قابل نفرت لوگوں سے مشابہت دی گئی ہو یا اس عمل کے کرنے والے کے حق میں دُعا یا بددعا وارد ہوئی ہو۔ اس تشبیہ سے اگر اس عمل کے عمدہ یا قبیح ہونے کی وجہ کا لحاظ بھی نہ کیا جائے تاہم اس سے اس عمل کی اجمالی حالت معلوم ہو جایا کرتی ہے۔ جیسے شارع کا قول ہے: **تلك صلوة المنافق** (یہ منافق کی نماز ہے) اور جیسے ارشاد ہوا **ليس منا من فعل كذا** (جو شخص ایسا کام کرے گا وہ ہم سے نہیں ہے) یا فرمایا **وهذا العمل عمل الشياطين او عمل الملائكه و يرحم الله امرا، فعل كذا و كذا** (ایسا کام شیاطین یا فرشتوں کا سا ہے اور جو شخص ایسا کام کرے گا اللہ اس پر رحم کرے) اور اسی قسم کی اور عبادتوں کو قیاس کر لینا چاہیے۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ عمل کی حالت ہی ایسی ہو جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشی یا ناخوشی کا تعلق ہوا کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے

ملائکہ کی دعا یا بددعا کا اس سے تعلق ہوتا ہو جیسے شارع کا قول ہے: ان اللہ یحب کذا و کذا و یبغض کذا و کذا. (اللہ ایسے ایسے امور کو پسند کرتا ہے اور فلاں فلاں کو برا جانتا ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی میامن الصفوف. (دائیں جانب کی صفوں پر اللہ اور فرشتے رحمت بھیجتے ہیں) اور اس کا راز ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

باب ۶۹

کمال مطلوب کے حاصل ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے اُمتِ محمدیہ ؐ کے طبقات اور درجات

اس باب کے متعلق اصلی حالت سورۂ واقعہ میں مذکور ہے: ﴿وَكُنتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ﴾ آخر سورۃ تک (تم تین تین جوڑے ہو اصحاب الیمین اور اصحاب الیمین کیا ہیں۔ اور اصحاب المشئمہ اور اصحاب المشئمہ کیا ہیں اور جو لوگ سب پر سبقت لے جانے والے ہیں وہی مقرب ہیں) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (پھر ہم نے ان لوگوں کو وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تھا۔ پس بعض لوگ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں۔ بعض میانہ رو بعض نیکیوں میں سب سے آگے بڑھنے والے اللہ کے حکم سے) تم نے معلوم کیا ہے کہ سب سے اعلیٰ درجہ کے نفوس مفہمین کے ہیں (ہم نے ان کا پہلے ذکر کیا ہے) اور مفہمین کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جن کا سابقین نام ہے سابقین کی دو قسمیں ہیں: ❶ قسم اصحاب اصطلاح اور بلندی ہیں۔ ان کی استعداد بھی کمالات کے حاصل کرنے میں مفہمین کی سی ہی ہوا کرتی ہے لیکن ان کی کمالیت اور سعادت مفہمین کے درجہ تک نہیں پہنچا کرتی اُن کی استعداد خفیہ آدمی کی مانند ہوتی ہے ایک بیدار کرنے والے کی ان کو ضرورت ہوا کرتی ہے جب پیغمبروں کی خبریں ان کو بیدار کر دیتی ہیں تو وہ ان علوم کی جانب متوجہ ہوتے ہیں جو مخفی مناسبت کی وجہ سے جو ان کے باطن نفوس میں موجود ہوتی ہے ان کی استعداد کے مناسب ہوا کرتی ہیں اس لیے وہ لوگ مجتہدین مذہب کے مرتبہ کے ہوتے ہیں۔ ان کے الہامات کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اجمالی اور کلی الہام کو اخذ کر لیتے ہیں۔ خطیرۃ القدس میں ان کو ایک قسم کی استعداد شامل ہوا کرتی ہے۔ اکثر سابقین میں یہ امر مشترک ہوا کرتے ہیں۔ پیغمبروں نے اس کو بیان کیا ہے: ❷ قسم اصحاب تجاذب اور علو کی ہے توفیق الٰہی سے وہ ایسی ریاضتیں اور توجہات میں مشغول رہتے ہیں جو ان کی طاقت بہیمی کو مغلوب کر دیتی ہیں۔ کمال عملی اور کمال علمی کے ذریعہ سے حقانی امور ان کو حاصل ہوتے رہتے ہیں اپنے امور میں ان کو پوری بصیرت ہوا کرتی ہے اس واسطے ان کو خداوندی واقعات۔ راہنمائی اور اطلاع حاصل ہوتی رہتی ہے صوفیہ کرام کے طریقوں میں اکابر صوفیہ ایسے ہی ہوئے ہیں تمام سابقین میں دو امر ضرور جمع ہوا کرتے ہیں: ① وہ اللہ کی جانب متوجہ ہونے اور بارگاہ خداوندی میں قربت پیدا کرنے میں نہایت درجہ اپنی طاقت صرف کرتے ہیں۔ ② ان کی

فطرت نہایت قوی ہوا کرتی ہے۔ خود ملکات مقصودہ ہو بہو ان کے سامنے متمثل ہوا کرتے ہیں وہ ان ملکات کے قالب اور تصویروں کو نہیں دیکھا کرتے ان کو ان قالبوں کی ضرورت صرف ان ملکات تشریح کے لیے ہوا کرتی ہے وہ قوالب ان ملکات کے لیے ذرائع ہوتے ہیں۔ سابقین میں سے ایک قسم مفردین کی ہے یہ لوگ ہمیشہ عالم غیب کی طرف متوجہ رہتے ہیں ذکر الٰہی ان کی تمام گرانیوں اور دقتوں کو دور کر دیا کرتا ہے دوسری قسم صدیقین کی ہے یہ امور حقہ کا اس قدر اتباع کرتے ہیں کہ تمام لوگوں سے ان کو امتیاز ہوا کرتا ہے۔ تیسرے شہدا یہ لوگ آدمیوں کی رہبری کے لیے معین ہوتے ہیں ملاء اعلیٰ کی طرح کافروں پر لعنت کرتے ہیں اور ایمان والوں سے خوش ہوتے ہیں نیک امور کی ہدایت کرتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے رہتے ہیں اور نبی ﷺ کے ذریعہ سے اسلام کو غالب کرتے رہتے ہیں جب روز قیامت ہوگا تو یہی کافروں سے خصومت کرنے کو مستعد ہوں گے اور ان کے کفر کی شہادت دیں گے یہ لوگ پیغمبر ﷺ کی بعثت میں بمنزلہ اعضاء کے ہوا کرتے ہیں تا کہ جو بعثت سے مقصود ہے وہ ان کے ذریعہ سے تکمیل کو پہنچ جائے اسی وجہ سے ان کو اوروں سے افضل جاننا۔ ان کی عزت و توقیر کرنا ضرور ہے اور ایک قسم راسخین فی العلم کی ہے ان میں ذکاوت اور ہوشمندی کامل ہوتی ہے جب نبی ﷺ سے سراپا علم و حکمت کی باتیں سنتے ہیں تو سنتے سنتے ان میں ایک استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور کتاب الٰہی کے ٹھیک ٹھیک معانی سمجھنے میں وہ استعداد ان کے باطن کی مدد کرتی رہتی ہے اسی کی طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے: **اوفهم اعطيه رجل مسلم**. (یا استنباط قرآنی کی طاقت جو مسلمان آدمی کو دی جاتی ہے) اور ایک قسم عباد کی ہے یہ لوگ عبادت کے فوائد کو برملا دیکھتے ہیں ان کے نفوس عبادت کے انوار سے منور ہو جاتے ہیں۔ ان کے دلوں میں ایسا فہم حاصل ہو جاتا ہے جس سے وہ عبادت الٰہی نہایت بصیرت اور روشن ضمیری سے کیا کرتے ہیں اور ایک درجہ سابقین میں سے زہاد کا ہے ان کو عالم معاد اور وہاں کے لذائذ کا کامل یقین ہوا کرتا ہے اور ان لذائذ کے مقابلہ میں ان کو دنیوی لذت نہایت حقیر معلوم ہوتی ہے لوگ ان کی نظر میں ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے اونٹ کی مینگنیاں اور انہیں سابقین میں سے بعض لوگ انبیاء کی جانشینی کے قابل ہوا کرتے ہیں۔ وہ وصف عدالت کے ساتھ موصوف ہو کر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس وصف عدالت کو احکام الٰہیہ میں صرف کرتے رہتے ہیں اور بعض لوگوں میں حسن خلق کی صفت ہوا کرتی ہے۔ ان میں فیاضی، تواضع، ظلم کرنے والوں کو معافی کے اوصاف ہوتے ہیں اور ایک فرقہ سابقین میں سے ہے ان لوگوں کا جن میں فرشتوں کے سے اوصاف ہوتے ہیں ان کو فرشتوں سے اختلاط رہتا ہے جیسے حدیث میں ہے کہ بعض بعض صحابہؓ پر فرشتے سلام کیا کرتے ہیں ان سابقین کے فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ میں ایک تو جبلی اور فطری استعداد ہوتی ہے جو اپنے کمال کی خود متلاشی رہتی ہے اور انبیاء کی اطلاعوں سے ان میں بیداری پیدا ہوتی رہتی ہے اور ایک استعداد کسبی ہوتی ہے جو اپنا کمال حاصل کرنے کے شرائع کو قبول کرتی رہتی ہے مُفہِمین سے جو لوگ ہدایت کے لیے مبعوث نہیں ہوا کرتے وہ بھی شرائع میں سابقین میں سے شمار کیے جاتے ہیں۔

سابقین کے بعد اس جماعت کا درجہ ہے جن کا اصحاب الیمین نام ہے۔ اصحاب الیمین کی بھی چند قسمیں ہیں ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن کے قلوب سابقین کے درجہ سے بہت قریب ہیں ان کو جبلی امور کی تکمیل کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اس لیے وہ اعمال کی ارواح چھوڑ کر صرف اعمال کی صورتوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں لیکن ان ارواح سے ان کو بالکل بیگانگی نہیں ہوتی اور ایک قسم

اصحاب جذب کی ہے ان کے نفوس میں قوتِ ملکی ضعیف ہوا کرتی ہے۔ اور بہیمی قوت بھی ضعیف ہوا کرتی ہے اس وقت ان میں ذکر الٰہی ایک ولولہ پیدا کرتا ہے اور ان پر جزئی جزئی الہامات اور جزئی عبادات اور طہارت کا ترشح ہوتا ہے اور ایک قسم اربابِ اصطلاح کی ہے۔ ان کی ملکی قوت نہایت ہی ضعیف ہوا کرتی ہے۔ ان لوگوں کی بہیمی طاقت اگر قوی ہوتی ہے تو سخت سخت ریاضتوں کا وہ اہتمام کرتے ہیں اگر قوتِ بہیمی ضعیف ہوتی ہے تو ہمیشہ وظائف کے پابند رہتے ہیں۔ ان تمام محنتوں سے ان کو کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کسی قسم کا انکشاف ان کو نہیں ہوا کرتا۔ البتہ اعمال اور وہ صورتیں جو عمدہ ملکات کے لیے لباس اور تصویر ہوتی ہیں۔ ان کے نفوس میں راسخ ہو جاتی ہیں۔ اکثر لوگوں کے اعمال میں کامل اخلاص اور طبیعت و عادت کے میلانوں سے بالکل آزادی اور علیحدگی ہوا کرتی ہے۔ وہ نیک کام کرتے ہیں لیکن طبیعت کی رغبت اور ثواب کی امید ان کی نیت میں شامل ہوا کرتی ہے۔ وہ نماز اس لیے پڑھتے ہیں کہ ان کے خاندان میں نماز کا طریقہ جاری ہوا کرتا ہے اور ثواب کی اُمید بھی ان کو رہتی ہے زنا اور شرابخوری میں کسی قدر ان کو اللہ کا خوف ہوتا ہے اور کچھ لوگوں کا اس لیے وہ ان سے اجتناب کرتے ہیں یا یہ لوگ اپنی مرغوب کے حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوتے اور لہو و دل لگی کی باتوں میں مال صرف نہیں کر سکتے تو ایسے لوگوں سے اس قسم کے اعمال اُسی صورت میں قابل قبول ہوتے ہیں کہ خالص اخلاص کی صفت کی وجہ سے ان کے دلوں کو تاب نہ ہو اور نفس اعمال ان کے نفوس سے سرزد ہوتے ہیں۔ نہ یہ وہ صرف کام کر لیتے ہیں جن میں ملکات کی کسی قدر تشریح ہوا کرتی ہے پیشتر زمانہ کی حکمت میں مندرج تھا کہ بعض صورت میں حیا نیک امر ہے اور بعض صورت میں حیا عاجزی اور ضعف سے ہوا کرتی ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **الحیاء خیر کله**. (حیا سب صورتوں میں عمدہ ہی چیز ہے) اس حدیث میں ہماری مذکورہ بالاتقریر پر تنبیہ کی گئی ہے۔

اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر بعض بعض وقتوں میں قوتِ ملکی کی بجلی چمک جاتی ہے خود ان کا ملکہ راسخ نہیں ہوا کرتا لیکن وہ ایسی تجلی سے بالکل ناواقف بھی نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ وہ ہوتے ہیں جو اللہ سے توبہ استغفار کرتے رہتے ہیں برائیوں پر اپنے نفسوں کو ملامت کرتے ہیں۔ یا تنہائی میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں یا ضعف فطری کے سبب سے ان کے دلوں میں برائی جم نہیں سکتی ان کا دل پرندوں کا سا ہوتا ہے یا ان کے مزاج میں کوئی شئے قوت کی مخلل عارض ہو جاتی ہے۔ جیسے کسی کو شکم کی بیماری ہو یا مصیبتوں میں گرفتار ہو ایسے لوگوں کی خطاؤں کو ان کی مصیبتیں دور کر دیا کرتی ہیں اور حاصل یہ ہے کہ اصحابِ یمین کو سابقین کے خصائل میں سے ایک تو حاصل ہوتی ہے لیکن ایک دوسری حاصل نہیں ہوتی۔

اصحاب الیمین کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جن کا نام اصحاب الاعراف ہے ان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے مزاج صحیح ان کی فطرت صاف و پاکیزہ ہوتی ہے۔ لیکن ان کو دعوتِ اسلام کی کچھ خبر نہیں ہوا کرتی اور اگر کسی قدر ہوتی بھی ہے تو نہ اتنی کہ الزام حجت کے قابل ہو یا اس سے ان کے دلوں کا شبہ دور ہو سکے اس واسطے ان لوگوں کو دلی ملکات اور مہلک اعمال میں انہماک نہیں ہوا کرتا اور نہ بارگاہِ خداوندی کی جانب کسی قسم کی توجہ ان کو ہوتی ہے ان کی اکثری حالت یہ ہوتی ہے کہ تدابیر دنیوی میں سرشار رہتے ہیں مرنے کے بعد ایک کوراز حالت کی طرف وہ رجوع کرتے ہیں جب تک کہ ان کی بہیمی حالت بالکل ریزہ ریزہ نہیں ہو جاتی وہ نہ ثواب کی حالت میں ہوتے ہیں نہ عذاب کی۔ البتہ بہیمیت کے آثار محو ہونے کے بعد ملکی طاقت کی درخشاں

بجلیوں میں سے بعض بعض ان پر چمکتی ہیں اور دوسری قسم ایسے لوگوں کی وہ ہے کہ ان میں ملکی مادہ کم ہو جیسے اکثر لڑکے دیوانے کاشتکار غلام وغیرہ وغیرہ۔

بعض لوگ محض بے معنی ہوتے ہیں اگر رسوم کی پابندی ان میں نہ ہو تو وہ خود محض بے عقل رہ جاتے ہیں ایسے لوگوں کے حق میں مسلمان ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے جتنا کہ رسول اللہ ﷺ نے کالی لونڈی کے لیے کافی سمجھا تھا اس سے آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا اللہ کہاں ہے: (این اللہ) اُس نے آسمان کی جانب اشارہ کیا۔ ایسے لوگوں سے صرف یہی مقصود ہوتا ہے کہ کلمہ کی تفریق نہ ہو اور سب مسلمانوں کے ہم شکل رہیں۔

جو لوگ رذیل عادات میں منہمک رہتے ہیں اور بارگاہِ خداوندی کی جانب نامناسب طریقہ سے ان میں میلان ہوتا ہے تو یہ لوگ اصحابِ جاہلیت ہوتے ہیں اور مختلف صورتوں سے ان کو عذاب دیا جاتا ہے۔

اصحابِ اعراف کے بعد منافقین کا درجہ ہے ان کا نفاق عملی ہوتا ہے۔ ان منافقین کو کامل سعادت حاصل نہیں ہوا کرتی جس سے کمال مطلوب ٹھیک طور پر حاصل ہو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ طبیعت کا پردہ ان پر پڑا ہوتا ہے رذیل ملکہ میں وہ از خود رفتہ ہوتے ہیں۔ کھانے، عورتوں، کینہ وغیرہ میں وہ محو ہوتے ہیں ان کے ان رزائل پر عبادات کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ان لوگوں پر رسم کا پردہ غالب ہوتا ہے۔ اس وجہ سے رسوم جاہلیت یا بھائی بندوں یا وطنوں کے ترک کرنے کی جرأت نہیں ہوتی یا ان پر سوء معرفت اور کج فہمی کا پردہ پڑا ہوتا ہے جیسے اللہ کے ساتھ اوروں کو تشبیہ دینے والے یا اعانت اور استعانت میں اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک کرنے والے اللہ کے حضور میں شرک خفی کرنے والے جو قائل ہیں کہ اس قسم کا شرک مبغوض نہیں ہے یہ شرک ان صورتوں میں ہوتا ہے جن کے مذہب میں پوری تصریح نہیں ہوتی اور بخوبی پردہ ان پر سے اٹھایا نہیں جاتا اور بعض لوگ ضعیف المزاج اور نحیف ہوا کرتے ہیں۔ ان کو اللہ اور رسولؐ سے محبت بھی ہوتا ہم وہ معاصی سے باز نہیں آتے اس شخص کا قصہ ایسا ہی ہے جو شراب خور تھا اور اللہ رسولؐ سے اس کو محبت بھی تھی آنحضرت ﷺ نے اس کی شہادت دی ہے۔

اور ایک جماعت فاسقین کی ہے ان لوگوں میں رذیل ملکات کی نسبت زیادہ اعمال بد کا غلبہ ہوا کرتا ہے فاسقین میں سے بعض لوگوں میں بہیمی قوت زیادہ ہوتی ہے درندوں اور بہائم کی خواہشوں میں وہ منہمک رہا کرتے ہیں اور بعضوں کے مزاج فاسد اور رائیں ان کی بے ہودہ ہوتی ہیں وہ بمنزلہ اس مریض کے ہوتے ہیں جس کو مٹی اور جلی ہوئی روٹی کھانے کی عادت ہو جاتی ہے ان سے شیطانی امور سرزد ہوتے رہتے ہیں۔

فاسقین کے بعد درجہ کفار کا ہے یہ لوگ سرکش اور متمرد ہوتے ہیں ان کی عقلیں کامل ہوتی ہیں اور احکام الٰہی کی تبلیغ بھی ان کو کی جاتی ہے تاہم وہ لوگ لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کرتے ہیں یا ان مقاصد کی مخالفت کرتے ہیں جو انبیاء کے احکام پھیلانے میں اللہ تعالیٰ کو منظور ہیں اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے باز رہتے ہیں۔ اور دنیوی زندگی پر قناعت کرتے ہیں دنیا کے مابعد زندگی کی کچھ پرواہ نہیں کرتے ایسے لوگ ابدی لعنت کے قابل ہیں وہ ہمیشہ مقید رہیں گے۔ ان میں ہی سے اہل جاہلیت ہیں اور منافق بھی ان میں ہی شامل ہے۔ جو صرف زبان سے ایمان کا اظہار کرتا ہے اور اس کے دل میں کفر خالص باقی رہتا ہے۔ واللہ اعلم

باب ۷۰

اس بیان میں کہ ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہوا کرتی ہے جو اور مذہب کا ناسخ ہو

جتنے مذاہب روئے زمین پر موجود ہیں سب کی چھان بین کرو۔ ابواب سابق میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کے خلاف نہ ہوگا کوئی مذہب ایسا نہ ہوگا جس میں بانی مذہب کی صداقت کا اعتقاد اور اس کی تعظیم دل میں نہ ہو۔ اس کی نسبت سب کا یہی اعتقاد ہوتا ہے کہ وہ بڑا کامل اور بے نظیر ہوتا ہے اس اعتقاد کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ عبادات میں لوگ اس کے استقلال کو دیکھتے ہیں خلاف معمول امور اس سے ظاہر ہوتے ہیں اس کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں اور ایسے ہی مذہب میں ایک حصہ حدود اور شرائع اور تعزیرات کا ہوتا ہے جن کے بدون مذہب کا انتظام نہیں ہوسکتا۔ ان کے بعد مذکورہ بالا امور میں آسانیاں بھی ہوتی ہیں۔

ہر ایک قوم کا ایک طریقہ اور خاص شریعت ہوتی ہے جس میں وہ اپنے بزرگوں کے عادات کا اتباع کرتے ہیں اپنے آئمہ دین اور حاملین مذہب کی روش کو پسند کرتے ہیں۔ اس لیے اُس مذہب کی بنیادیں نہایت مستحکم ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ اُس مذہب کے پیرو اس کے لیے پشت پناہ ہو جاتے ہیں اس کی حمایت میں جنگ آزمائیاں کرتے ہیں اور اپنی جانوں اور مالوں کو اس پر قربان کرتے ہیں یہ جانبازیاں نہایت مضبوط تدابیر اور پختہ مصلحتوں کی وجہ سے ہوا کرتی ہیں عوام لوگ ان کے نتائج کو نہیں سمجھ سکتے۔

اور جب ہر ایک فرقہ کا مذہب علیحدہ قرار پا جاتا ہے ان کے طریقے معین ہو جاتے ہیں اور زبان و سنان سے وہ ان کے حامی بنتے ہیں اور ان میں اس وجہ سے ایک ناراستی اور بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے کہ جو شخص مذہب قائم کرنے کے قابل نہیں ہوتا وہ اس کا سربراہ کار ہو جاتا ہے یا نئے نئے طریقے اس میں خلط ملط ہو جاتے ہیں یا حاملین دین اشاعتِ مذہب میں سست ہو جاتے ہیں تو ان اسباب سے وہ لوگ مذہب کے اکثر معتبر اور مناسب حصہ کو چھوڑ بیٹھتے ہیں: فلو بتق الادمنة لم تنكم من ام ادنى. (صرف نشانات ہی نشانات ہیں جوام ادنی کا کچھ حال نہیں بتاتے) اس وقت میں ہر ایک مذہب والا اپنے مخالف مذہب کو برا بھلا کہتا ہے اس کا انکار کرتے ہیں اس سے قتل وقتال کرتے ہیں۔ تب ایک ایسے کامل رہنما اور امام کی ضرورت ہوتی ہے جو تمام مذاہب سے ایسا ہی معاملہ کرے جیسا کہ کج رو بادشاہوں سے خلیفہ معاملہ کرتا ہے اس کے متعلق تم مذاہب کے خلط ملط ہونے کا قصہ دیکھو جس کو کتاب کلیلہ ودمنہ کے مترجم نے ذکر کیا ہے مترجم نے قصد کیا تھا کہ ٹھیک بات کا اندازہ کرے لیکن کچھ تھوڑا سا وہ اندازہ کر سکا ایسا ہی مؤرخین نے زمانہ جاہلیت کے حالات اور اُن کے مذاہب کی ابتری بیان کی ہے۔

اس امام کو جو تمام فرقوں کو ایک مذہب پر جمع کرنا چاہتا ہے علاوہ اصول امامت مذکورہ کے اور اصول کی بھی ضرورت پڑتی ہے:

❶ یہ کہ وہ ایک حصہ کو پسندیدہ طریقہ کی طرف دعوت کرے۔ ان کے نفوس کا تزکیہ کرے ان کی حالت کو درست بنائے پھر ان کو اپنے اعضاء بنائے ان کو اپنے ساتھ لے کر تمام لوگوں سے جنگ کرے اور ان کی طاقتوں کو آفاقِ عالم میں متفرق کردے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی تکمیل کے لیے پیدا کیے گئے: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ. اس لیے کہ وہ خود تنہا بے

تعداد فرقوں سے جہاد نہیں کر سکتا ہے اس واسطے ضرورت ہے کہ اس کی شریعت کا مادہ وہی ہو جو تمام معتدل اقالیم کے باشندوں کے لیے بمنزلہ قدرتی طریقہ کے ہے پھر امام کو ان علوم وتدابیر پر نظر کرنی چاہیے جو اس کی قوم میں رائج ہوں۔ اوروں کی نسبت اپنی قوم کی مراعات حالات زیادہ کرنی چاہیے جب اس قوم کی شریعت مقرر ہو جائے تو تمام لوگوں کو اس کی پیروی پر آمادہ کرے۔ اس کا موقعہ نہیں ہوا کرتا۔ کہ ہر ایک قوم کی حالت اسی کو مفوض کر دی جائے یا ہر ایک زمانہ کے اماموں پر اس کو چھوڑ دیں۔ اس سے شریعت مقررہ بے سود ہو جاتی ہے اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ امام ہر ایک قوم کے علوم کا اندازہ کر کے ہر ایک کے لیے جدا شریعت قرار دے۔ سب کے عادات اور ان کے تمام ذاتی امور کا احاطہ کرنا۔ حالانکہ ان کے شہر اور مذاہب مختلف ہوتے ہیں ناممکن کے درجہ میں ہے اور جب شریعت کے نقل کرنے میں تمام ناقلین کو عاجزی پیش آتی ہے تو مختلف شرائع کی نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو اور نیز اکثر یہ بھی ہوا کرتا ہے کہ مدت دراز کے بعد اور فرقے مطیع ہوا کرتے ہیں۔ جس کے لیے نبی کی عمر وفا نہیں کیا کرتی موجودہ شرائع میں ہی دیکھ لو۔ یہود ونصاریٰ اور مسلمانوں میں سے اولاً معدودے چند ہی ایمان لائے تھے پھر ان کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا تو اس سے زیادہ عمدہ اور آسان طریقہ نہیں ہے کہ شعائر حدود اور تدابیر میں اپنی ہی قوم کا لحاظ کرے جن کی طرف وہ مبعوث ہوا ہے اور آئندہ فرقوں کے لیے بھی یہ امور باعث تنگی نہ ہوں۔ ان پر اس کو نظر ترحم چاہیے اگلے لوگ تو اپنی دلی شہادت اور اپنی عادات کی راہنمائی سے اس شریعت کو اختیار کرتے ہیں۔ اور پچھلے لوگ اس مذہب کے آئمہ اور خلفاء کی سیرتوں کو مرغوب جان کر اتباع کیا کرتے ہیں ہر زمانہ میں قدیماً و حدیثاً ہر ایک قوم کا یہی شیوہ ہو گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے عہد میں اکثر عمدہ ملک جن میں معتدل مزاجوں کی تولید ہوتی ہے دو بڑے شہنشاہوں کے تحت میں تھے:

❶ کسریٰ ملک عراق یمن خراسان اور ان کے متصل ملک اس کے زیر حکومت تھے۔ اور ماوراء النہر اور ہند کے بادشاہ بھی اس کے محکوم اور باجگذار تھے ہر سال وہ کسریٰ کو خراج بھیجتے تھے۔ ❷ قیصر شام وروم ان کے اطراف شاہان مصر اور مغرب وافریقہ سب اس کے زیر فرمان اور باجگزار تھے اس وجہ سے ان دونوں شہنشاہوں کی طاقت کو متزلزل کر دینا اور اُن کے ممالک پر قبضہ کر لینا گویا تمام روئے زمین پر قبضہ کر لینا تھا۔ ان سلاطین کے عادات کا اثر جو آرام وآسائش کے متعلق تھیں تمام ان کے ماتحت شہروں میں پھیل گیا تھا۔ اس لیے ان عادات کو تبدیل کرنا ان کو ایسی حرکات سے باز رکھنا گویا تمام ملک کے لیے تنبیہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے جب عجم کی لڑائیوں میں ہرمزان سے مشورہ لیا تھا تو کسی قدر اس حالت کا اس نے ذکر کیا تھا۔

ان کے علاوہ اطراف دنیا جو اعتدال مزاجی سے دور تھے مصلحت کلی میں قابل لحاظ اور اعتبار نہ تھے۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تک ترک وحبش نے تم کو اپنے حال پر چھوڑ رکھا ہے تم بھی ان کو اپنے حال پر رکھو۔ **اترک الترك ماتر کو کم ودعوالحبشة ماودعوکم**۔

حاصل یہ ہے کہ جب خداوند عالم نے ارادہ کیا کہ مذہب کی کجی کو دور کر دے اور لوگوں کی اصلاح کے لیے ایک ایسا فرقہ پیدا کرے جو لوگوں کو نیکیوں پر مامور کریں اور برائیوں سے روکیں اور لوگوں کی خراب رسموں کو بدل ڈالیں تو ایسا انتظام اس پر موقوف تھا کہ ان دولتوں کا زوال ہو جائے اس کی آسانی کے لیے ضرور تھا کہ ان سلطنتوں کی حالت سے تعرض کیا جائے ان ہی کی حالتیں تمام

عمدہ ملکوں میں سرایت کرگئی تھیں یا سرایت کرنے کے قریب تھیں۔ اس واسطے حضرت خداوندی نے مقدر کیا کہ یہ دونوں طاقتیں تباہ ہو جائیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کسریٰ ہلاک ہوگیا۔ اب کوئی کسریٰ اُس کے بعد نہ ہوگا۔ اور قیصر ہلاک ہوگیا اب کوئی قیصر اس کے بعد نہ ہوگا۔ **ھلك كسرىٰ فلا كسرىٰ بعده وھلك قيصر فلا قيصر بعده**. اور اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا کہ تمام دنیا کی بے ہودگی کو بذریعہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عرب کی بے ہودگی دور کرنے سے دور کردے اور بذریعہ عرب کے ان دونوں سلطنتوں کی بے ہودگی کو رفع کرے اور پھر ان کے ذریعہ سے تمام عالم کو دروغ اور ناراستی سے صاف و پاک کردے۔

ایسے امام کا قاعدہ یہ بھی ہے کہ مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ خلافت عامہ کا بھی اہتمام اور انتظام کرتا رہے خلفاء انہیں لوگوں کو مقرر کرے جو اس کے ہموطن اور خاندان کے ہوں۔ جن کی نشو و نما انہیں عادات اور طریقوں پر ہوئی ہے۔ اصل اور نقل میں بڑا فرق ہوا کرتا ہے: **ليس التكحل فى العينين كالكحل**. ایسے لوگوں میں خاندانی حمیت اور غیرت کے ساتھ مذہبی حمیت بھی ہوا کرتی ہے ان کی شان اور رتبہ کی بلندی صاحب مذہب کی بلندی درجہ کا باعث ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے امام خاندانِ قریش سے ہونے چاہئیں: **الائمة من قريش**. امام ہمیشہ خلفاء کو دین کے قائم کرنے اور شائع کرنے کی ہدایت کرتا رہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ تم دین پر جب تک ہے باقی رہو گے کہ تمہارے امام تمہارے ساتھ ساتھ ٹھیک رہیں گے: **القاء كم عليه ما استقامت بكم ائمتكم**.

امام کا یہ فرض بھی ہونا چاہیے کہ اس اپنے مذہب کو سب مذاہب پر غالب کرے کسی شخص کو ایسا نہ چھوڑے جس پر دین غالب نہ ہو جائے خواہ اس میں کسی کی عزت ہو یا ذلت اس وقت میں تین درجہ کے لوگ ہو جائیں گے: ① وہ فرقہ جو ظاہراً اور باطناً مذہب کا مطیع ہوگا ② جو مجبوراً ظاہر میں اس کی اطاعت کرے گا۔ اس سے مخالفت نہ کرسکے گا ③ کافر خوار و ذلیل اس سے وہ امام ذلیل ذلیل کام لے گا اور جیسے چارپائے کھیتی اور بوجھ لادنے کے کام آتے ہیں ایسے ہی کھیت کاٹنے اناج نکالنے اور دستکاریوں کے اس سے کام لیے جائیں گے اور ذلیل سمجھ کر اس سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔

اور مذاہب پر غلبہ دین کے چند اسباب ہوا کرتے ہیں ① تمام مذہب کے شعاروں پر اپنے مذہب کے شعار کا اعلان اور اشاعت کرے مذہبی شعار ایک امر ظاہر ہوا کرتا ہے اسی وجہ سے یہ مذہب والا اور مذاہب سے ممتاز ہوا کرتا ہے۔ مثلاً ختنہ، مسجدوں کی تعظیم، اذان، جمعہ، جماعات ② یہ کہ لوگوں کو ممانعت کردے اور مذاہب کے شعاروں کو ظاہر نہ کریں برملا ان کا استعمال نہ کریں ③ قصاص میں، دیتوں میں، نکاحوں میں، ریاستوں کے انتظام میں کافروں کو مسلمانوں کے ہمسر نہیں کرنا چاہیے تاکہ یہ امور ان کو ایمان پر مجبور کریں ④ یہ کہ لوگوں کو نیکی اور بدی کے اعمال ظاہری کی تکلیف دے سخت پابندی ان کی کرائے اعمال کے راز اور اسرار داخ کی زیادہ تصریح ان کے سامنے نہ کیا کرے اور شریعت کی کسی بات میں ان کو خود مختار نہ کرے شرائع کے اسرار جو تفصیلی احکام کے ماخوذ ہیں عام لوگوں سے مخفی رکھے جو راسخ العلم ہوں وہ ہی ان کا پتہ لگا سکیں اس واسطے کہ اکثر مکلفین کی حالت یہ ہوا کرتی ہے کہ وہ مصالح کو جب ہی معلوم کرسکتے ہیں کہ ان مصالح کے قواعد منضبط کردیے جائیں اور وہ بمنزلہ محسوسات کے ہو جائیں کہ ہر شخص ان کو برتاؤ میں لاسکے اگر کسی امر کے چھوڑنے کی اجازت ان کو دے دی جائے یا یہ بتایا جائے کہ مقصود اصلی ان ظاہری اعمال۔

سوا کوئی اور امر ہے تو ان کو خوض کرنے کے زیادہ موقع ملیں گے۔ اور ان کے اختلافات زیادہ ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی مراد ناتمام رہ جائے گی۔ واللہ اعلم

اور چونکہ صرف تلوار سے غلبہ لوگوں کے شبہات اور حجابات کو بخوبی دور نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد احتمال رہتا ہے کہ چند روز کے بعد پھر وہ لوگ کفر کی حالت پر عود کر جائیں اس واسطے امام کا یہ بھی فرض ہے کہ عام لوگوں کے ذہن میں برہانی اور یقینی دلائل یا مفید مشہور امور سے ثابت کر دے کہ اور مذاہب اتباع کے قابل نہیں ہیں' وہ کسی معصوم شخص سے منقول نہیں ہیں یا وہ مذہبی قواعد پر منطبق نہیں ہیں۔ یا ان میں تحریف اور تبدیلی واقع ہوگئی ہے اور بے موقع امور ان میں قرار دیئے گئے ہیں علی رؤس الاشہاد ان سب امور کی تشریح و تصحیح کر دی جائے اور دین محکم کے مرجحات کو صاف صاف بیان کر دے کہ یہ دین آسان اور صاف ہے اس کے حدود واضح ہیں۔ جن کی خوبیاں عقل خوب معلوم کر سکتی ہے جو امر اس میں مشتبہ ہے وہ بالکل صاف ہے: **ان لیلھا نھارھا** اس کے طریقے عام لوگوں کو زیادہ نافع ہیں اور انبیائے سابقین کی سیرت سے جو امور باقی ہیں ان سے یہ زیادہ مشابہ ہے بہر حال ایسے ہی ایسے تفاصیل ہونے چاہئیں۔ واللہ اعلم

باب ۷۱

مذہب کو اس طرح پختہ کرنا کہ اُس میں تحریف اور ردو بدل نہ ہو سکے

اس شخص کو جس کے ہاتھ میں نہایت بڑا انتظام ہو اور وہ اللہ کی جانب سے ایک ایسا مذہب لایا ہو جو تمام مذاہب کا ناسخ ہو۔ نہایت ضروری ہے کہ وہ اپنے مذہب کو اس طرح پختہ کرے کہ کسی قسم کی تحریف کا وہاں تک گزر نہ ہو سکے ایسے مذہب میں متفرق جماعتیں شامل ہوتی ہیں ان کی استعدادیں اور اغراض مختلف ہوا کرتے ہیں اس لیے وہ لوگ ہوائے نفس یا اُس مذہب کی اُلفت سے جس میں وہ پہلے رہ چکے ہیں یا اپنے فہم کی کوتاہی سے کہ کسی شئے کو وہ سمجھ لیتے ہیں اور اُس کی اکثر مصلحتیں ان کو معلوم نہیں ہوتیں مذہب کے منصوص مسائل میں فروگزاشت کرتے ہیں یا جو چیزیں اس مذہب میں شامل نہیں ہوتیں۔ ان کو مندرج کر دیا کرتے ہیں اس لیے اس مذہب میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں گزشتہ مذاہب کا یہی حال ہوا۔ چونکہ خرابیوں کے طریقے بتمامہا معلوم نہیں ہو سکتے اور حصر میں نہیں آ سکتے اور ان کی تعیین نہیں ہو سکتی: **وما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ** یہ ضرور ہے کہ اجمالی طور پر تحریف کے اسباب سے ان کو خوب متنبہ کر دے ان مسائل کو متعین کر دے جو ظن و تخمین سے ایسی ابتری کے باعث ہوتے ہیں یا ان میں سستی اور تحریف کرنا لوگوں میں ایک استمراری بیماری ہوا کرتی ہے ایسے ایسے راستوں کو نہایت اہتمام سے بند کر دینا چاہیے۔

منجملہ اسباب تحریف کے ایک سستی ہے اور اس سستی کی حقیقت یہ ہے کہ حواریوں کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہو جایا کرتے ہیں جو نمازوں کو تباہ کرتے ہیں اور اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں ان کو درس و تدریس یا عمل کے ذریعہ سے مذہب کے پھیلانے کی کچھ

پرواہ نہیں ہوتی۔ نہ وہ لوگوں کو نیکی کی تعلیم کرتے ہیں نہ برائی سے ان کو روکتے ہیں۔ اس وجہ سے بہت جلد مذہب کے بالکل خلاف رسمیں قائم ہو جاتی ہیں اور طبائع کا رُخ ان اُمور کی طرف ہو جاتا ہے جو شریعتوں کے خلاف ہوا کرتے ہیں ان کے بعد اور ناخلف ایسے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اور بھی زیادہ کامل ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ علم مذہب کا بڑا حصہ نسیاً ومنسیاً ہو جاتا ہے اور لوگوں کے حق میں نہایت ضرر رساں اور باعثِ فساد بزرگانِ قوم ومذہب کی سستی ہوتی ہے یہی وجہ ہوئی کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب بالکل نیست ونابود ہو گیا۔ اب کوئی ایسا شخص نہیں جو ٹھیک ٹھیک ان مذاہب کا واقف ہو۔

سستی کے باعث چند اُمور ہوا کرتے ہیں:

❶ یہ کہ صاحب مذہب سے مذہبی امور کے نقل کرنے میں اور ان پر عمل کرنے میں سستی کی جائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ' اس کا احتمال ہے کہ بعض آدمی اپنی مسند پر سیر اور بےفکر ہوں گے اور لوگوں سے کہیں گے۔ اس قرآن کو مضبوطی سے لو۔ پس جو چیزیں تم قرآن میں حلال پاؤ۔ ان کو حلال سمجھنا اور جو حرام پاؤ ان کو حرام سمجھنا اور جن چیزوں کو رسول اللہ ﷺ نے حرام کیا ہے وہ ایسی ہی حرام ہیں جیسی اللہ نے حرام کی ہیں:

الا یوشك رجل شبعان علی اریکته یقول علیکم بهذ القرآن فما وجدتم فیه من حلال فاحلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرموه و ان ما حرم رسول الله کما حرم الله.

اور نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے علم کو اس طرح نہ دور کرے گا کہ لوگوں میں نہ رہے۔ بلکہ علماء کے نہ ہونے سے اس میں کمی ہو جائے گی جب اللہ کوئی عالم ہی باقی نہ رکھے گا۔ تب لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے۔ ان سے مسائل دریافت کیے جائیں گے بے علمی سے وہ ان کا جواب دیں گے۔ اس لیے خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

❷ سبب تہاون اور سستی کے بیہودہ اغراض ہوتے ہیں۔ جن سے لوگ جھوٹی تاویلیں کیا کرتے ہیں لوگ بادشاہوں کی خوشامد سے ان کی خواہشیں پوری کرنے کے لیے ایسا کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ کتابِ الٰہی کے احکام کو جو منزل من اللہ ہیں، چھپاتے ہیں اور ان کے عوض میں کچھ قیمت لے لیتے ہیں۔ وہ اپنے شکموں میں آگ کو کھاتے ہیں:

﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ یَشۡتَرُوۡنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا. اُولٰٓئِكَ مَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِهِمۡ اِلَّا النَّارَ ﴾

❸ سبب یہ ہے کہ لوگوں میں برائیاں پھیل جاتی ہیں اور علماء ان سے لوگوں کو باز نہیں رکھتے:

﴿ فَلَوۡلَا کَانَ مِنَ الۡقُرُوۡنِ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ اُولُوۡا بَقِیَّةٍ یَّنۡهَوۡنَ عَنِ الۡفَسَادِ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّمَّنۡ اَنۡجَیۡنَا مِنۡهُمۡ وَ اتَّبَعَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مَاۤ اُتۡرِفُوۡا فِیۡهِ وَ کَانُوۡا مُجۡرِمِیۡنَ ﴾

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہوں گے تو علماء نے ان کو پہلے روکا۔ لیکن وہ باز نہ آئے تب علما بھی خود ان کی مجلسوں میں شریک ہونے لگے اور ان کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہو گئے تب وہ خلط ملط ہو گئے حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبانی سے اللہ نے ان پر لعنت ظاہر کی ان کی سرکشی کرنے سے ایسا ہوا' وہ حد سے بڑھ گئے تھے۔

اور تحریف کے اسباب میں سے ایک تعمق ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ شارع کسی شئے کا حکم کرتا ہے اور کسی چیز سے ممانعت کرتا ہے اور اس کی امت کا کوئی شخص اس کو سن کر اپنے ذہن کے موافق اس کو سمجھتا ہے اور اُسی حکم کو وہ ان امور میں بھی تجویز کرتا ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے اس اصلی حکم کے مشابہ ہوا کرتے ہیں۔ یا اس میں اس حکم شرعی کی علت کے بعض اجزاء پائے جایا کرتے ہیں۔ یا جو حکم شارع نے قرار دیا تھا یہ شخص اسی حکم کو اس شئے کے اجزاء میں یا اس کے محتمل مواقع یا اس کے اسباب میں بھی تجویز کرتا ہے۔ روایتوں کے تعارض سے جب اس کو کسی امر میں شبہ ہو جاتا ہے تو وہ نہایت اشد کام کا پابند ہوتا ہے۔ اسی کو واجب قرار دیتا ہے اور نیز آنحضرت ﷺ کے تمام افعال کو عبادت پر محمول کرتا ہے حالانکہ حق بات یہ ہے کہ آپ نے بہت سے امور کو عادتاً کیا تھا۔ اس واسطے اُن امور عادیہ میں بھی اس کا یہی خیال ہوتا ہے کہ امر ونہی ان میں جاری ہے اور وہ صاف صاف کہتا ہے کہ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے اس چیز سے منع کیا ہے مثلاً شارع نے روزہ کو نفس کے مغلوب کرنے کے لیے مقرر کیا ہے اور عورتوں کی ہم بستری کو اس میں منع کر دیا اس سے بعض لوگوں کو گمان ہوا کہ سحر کا کھانا خلاف مشروع اور ناجائز ہے اس لیے کہ وہ نفس کی مغلوبیت کے خلاف ہے اور یہ بھی بعض لوگوں نے گمان کیا کہ اپنی بیوی کا بوسہ لینا بھی روزہ میں حرام ہے بوسہ لینا ہم بستری کے اسباب میں سے ہے۔ جیسے ہم بستری سے نفس کی رغبت پوری ہوتی ہے ایسی ہی اس سے بھی پوری ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس قول کی خرابی بیان فرمادی کہ یہ دین میں تحریف ہے۔

اور اسباب تحریف سے تشدد ہے یعنی ان شاق امور کا شارع نے حکم نہیں دیا ہے ان کی پابندی کی جائے ہمیشہ روزہ رکھنا ہر وقت نماز پڑھنا دنیا سے آزادی اور شادی نہ کرنا یہ سب امور ایسے ہی ہیں۔ واجبات دین کی مانند مستحبات اور سنن کی پابندی کرنا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو اور حضرت عثمان بن مظعون ؓ نے جب نہایت سخت سخت عبادات کی پابندی کا قصد کیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو منع فرمایا کہ جس نے مذہبی امور میں زیادہ تعمق کیا ہے دین اس پر غالب آ گیا ہے. **لن یشا والدین احدا لاغلبه** .جب ایسا سخت پابند آدمی کسی فرقہ کا رہبر اور پیشوا ہوتا ہے تو لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ شرع کا حکم اور شارع کی مرضی سے ہے۔ یہود و نصاریٰ کے راہبوں میں یہی بیماری تھی۔

اسباب تحریف سے استحسان بھی ہے یعنی جب کوئی شخص دیکھتا ہے کہ شارع ہر ایک حکم کے لیے موقع اور محل تجویز کرتا ہے اور امور تشریعی کو منضبط کرتا ہے تب امور شرعی کے بعض بعض اسرار معلوم کر کے لوگوں کے لیے اپنے فہم کے موافق مصلحتیں قرار دیتا ہے مثلاً جب یہودیوں نے دیکھا کہ شارع نے حدود کو اس واسطے مقرر کیا ہے کہ لوگوں کی اصلاح ہو جائے اور وہ معاصی سے اجتناب کریں۔ اور پھر انہوں نے خیال کیا کہ رجم سے اختلاف اور جنگ وجدال پیدا ہوتا ہے اور اس سے فساد کا اور زیادہ اندیشہ ہے۔ اس لیے انہوں نے رجم میں منہ سیاہ کرنا اور تازیانے مارنا اختیار کر لیا۔ آنحضرت ﷺ نے صاف بیان فرمادیا کہ یہ مذہب میں تحریف ہے اور تورات کے حکم منصوص کے یہ بالکل مخالف ہے۔ حضرت ابن سیرین سے منقول ہے کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا ہے اور آفتاب و چاند کی پرستش قیاسوں سے ہوئی ہے اور حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی: ﴿**خلقتنی من نار و خلقته من طین**﴾ (مجھ کو تو نے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے) یہ آیت پڑھ کر انہوں نے کہا۔ ابلیس نے یہ قیاس کیا تھا

اور سب سے پہلے قیاس ابلیس ہی نے کیا تھا اور امام شعبی سے منقول ہے کہ اگر تم قیاسوں پر عمل درآمد کرو گے تو حلال کو حرام اور حرام چیزوں کو حلال کرلو گے۔

اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے منقول ہے کہ قرآن لوگوں کے سامنے کھولا جائے گا۔اس کو عورت بچہ آدمی سب پڑھیں گے۔ تب وہ آدمی کہے گا میں نے قرآن پڑھا لیکن کسی نے میری پیروی نہیں کی۔ واللہ میں لوگوں میں کھڑے ہو کر قرآن کو پڑھوں گا وہ لوگوں میں رہ کر اور کھڑے ہو کر بھی قرآن کو پڑھے گا تب بھی کوئی اس کی پیروی نہ کرے گا اور وہ یہی کہے گا کہ آدمیوں میں بھی قرآن کو پڑھا۔اب بھی کسی نے پیروی نہ کی۔ اب میں مسجد میں ایک حجرہ بناؤں گا شاید کوئی میری پیروی کرے وہ ایسا ہی کرے گا اور یہی کہے گا کہ میں نے خود بھی قرآن پڑھا۔لوگوں میں قیام کر کے بھی پڑھا مسجد میں حجرہ بنا کر بھی پڑھا۔لیکن کوئی پیرو نہ ہوا۔اب کوئی ایسی بات لوگوں سے کہوں جو کلام الٰہی میں ان کو نہ ملے اور نہ پیغمبر خدا سے انہوں نے اس کو سنا ہو اس سے شاید کوئی میرا اتباع کرے۔ پس اے لوگو! تم ایسی باتوں سے بچو جن کو یہ شخص بیان کرے۔ یہ چیزیں جن کو وہ بیان کرے گا سر تا پا گمراہی ہی ہوں گی۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے اسلام کو عالم کی غلطی منافق کا کتابِ الٰہی کے ساتھ جھگڑنا گمراہ اماموں کا حکم کو زائل کر دیتا ہے۔ان سب امور سے وہی مراد ہیں۔ جو کتابِ الٰہی اور حدیثِ رسالت پناہی سے مستنبط نہ ہوں۔

اور اسبابِ تحریف سے اجماع کی پیروی ہے یعنی حاملین دین کا ایک فرقہ جن کی نسبت عام لوگوں کا یہ گمان ہے کہ ان کی رائے اکثر یا ہمیشہ درست ہوا کرتی ہے۔ کسی امر پر اتفاق کرے اور اس اتفاق سے یہ خیال کیا جائے کہ ثبوت حکم کے لیے یہ اتفاق قطعی دلیل ہے اس خیال کی قرآن وحدیث میں کچھ اصل نہیں ہے یہ اجماع اس اجماع کے علاوہ ہے جس پر امت کا اتفاق ہے لوگ سب اس اجماع پر متفق ہیں جس کی سند قرآن وحدیث میں ہو یا ان دونوں میں سے کسی نہ کسی سے مستنبط ہو لیکن لوگوں نے اس اجماع کو تسلیم نہیں کیا ہے جس کی سند قرآن وحدیث میں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب کفار سے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں پر ایمان لے آؤ۔ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہیں تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم تو انہیں باتوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے: الی آخرہ ﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اٰمِنُوا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا ﴾ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کے انکار میں بھی دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے ان کے حالات کی چھان بین کی۔ لیکن انبیاء کے شرائط ان میں نہیں پائے۔ عیسائیوں کے بہت سے شرائع تورات وانجیل کے بالکل مخالف ہیں ان کے بزرگوں کا صرف اتفاق ہی ان کی دلیل ہے۔

اور اسبابِ تحریف سے غیر معصوم کی تقلید ہے یعنی نبی کے علاوہ جس کی عصمت ثابت نہیں ہوتی ہے کسی اور کا اتباع کرنا۔اس تقلید کی حقیقت یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں علماء امت میں سے کوئی عالم اجتہاد کرے اور اس عالم کے پیرو یہ خیال کریں کہ یہ اجتہاد بالکل صحیح ہے اور اس کے مقابلہ میں حدیث صحیح کو بھی رد کر دیں۔ اس قسم کی تقلید اس تقلید کے مخالف ہے جس پر امت مرحومہ نے اتفاق کیا ہے۔ اس لیے کہ سب کا اتفاق ہے کہ مجتہدین کی تقلید جائز ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ مجتہد سے خطا بھی ہوتی ہے اور صواب بھی۔ اور ہر مسئلہ میں آنحضرت ﷺ کے منصوص حکم پر نظر رکھنی چاہیے۔ اس کا پورا عزم چاہیے کہ جب امر تقلیدی کے خلاف

کوئی حدیث ظاہر ہو تو تقلید کو ترک کر کے حدیث کا اتباع کرنا چاہیے آنحضرت ﷺ نے اس آیت کے کہ: ﴿اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ یہود نے اپنے عالموں اور راہبوں کو بجز اللہ کے اور لوگوں کو اپنا رب قرار دیا) فرمایا ہے کہ یہودی ان علماء اور راہبوں کی پرستش نہیں کرتے بلکہ ان کے نبی جس چیز کو جائز کر دیتے تھے وہ اسی کو جائز سمجھتے تھے اور جس چیز کو حرام بتاتے تھے وہ اسی کو حرام کر لیتے تھے۔

اسباب تحریف میں سے ایک مذہب کو دوسرے میں ایسا خلط ملط کر دینا بھی ہے کہ ایک کی دوسرے سے کچھ تمیز نہ رہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص کسی مذہب کا پابند ہوا کرتا ہے تو اس کا دلی تعلق اُس مذہب کے علوم سے رہا کرتا ہے جب یہ شخص مذہب اسلام میں داخل ہو جاتا ہے تب بھی اس کا میلان دلی انہیں امور کی جانب باقی رہتا ہے۔ جن کے ساتھ وہ پہلے سے مالوف تھا اس واسطے وہ متلاشی رہتا ہے کہ اس مذہب میں اس کی کوئی وجہ مل جائے اگرچہ ضعیف یا موضوع ہی وہ وجہ کیوں نہ ہوا کثر وہ حدیث کی وضع کو یا روایت وضعی کو اسی لیے تجویز کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں ہمیشہ اعتدال رہا کیا یہاں تک کہ ان میں مخلوط النسل لوگ اور قیدیوں کی اولاد پیدا ہوئی۔ تب انہوں نے اپنی رائے کو مذہب میں دخل دیا وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور اوروں کو بھی گمراہ کیا۔ ایسے ہی ہمارے مذہب اسلام میں بھی بنی اسرائیل کے علوم خطبائے جاہلیت کے تذکرے۔ یونانیوں کا فلسفہ بابلیوں کی دعوات' پارسیوں کی تاریخ اور علم نجوم اور رمل اور علم کلام مخلوط ہو گیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے حضور میں توریت کا ایک نسخہ پڑھا گیا تو آپ غصہ ہوئے۔ اور جو شخص حضرت دانیال کی کتابیں تلاش کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو مارا۔ واللہ اعلم

باب ۷۲

ہمارے مذہب اور یہودیت و نصرانیت کے مختلف ہو جانے کے اسباب میں

جاننا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ پیغمبر کو کسی قوم میں مبعوث کرتا ہے تو پیغمبر اپنی زبان میں ان لوگوں کے لیے مذہب قائم کرتا ہے اس میں کسی قسم کی کجی اور غوایت باقی نہیں رکھتا اس کے بعد اس مذہب کی روائتیں منتقل ہو کر اس پیغمبر کے حواریوں کو پہنچتی ہیں اور یہ حواری ایک مدت تک مناسب حالت میں ان علوم نبوت کے حامل ہوتے ہیں لیکن ان حواریوں کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوتے ہیں جو ان امور میں تغیر و تبدل کر ڈالتے ہیں اور ان میں سستی اور بے پرواہی کرتے ہیں اس لیے اب وہ مذہب محض حق نہیں رہتا۔ بلکہ اس میں جھوٹ اور سچ ملا ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ کوئی نبی جس کو اللہ نے اس کی امت میں بھیجا ہو۔ ایسا نہیں ہوا کہ اس کے حواری اور اصحاب نہ ہوں پیغمبر کے طریقے اختیار کرنے والے اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے والے لیکن ان حواریوں کے بعد ایسے ناخلف جانشین ہوتے ہیں جو کہتے کچھ اور ہیں اور کرتے کچھ ہیں حکم کے خلاف ان کے اعمال ہوتے ہیں۔

ان باطل امور میں جو مذہب میں مخلوط ہو جاتے ہیں۔ ایک حصہ تو شرک جلی اور صریح تحریف کا ہوا کرتا ہے ایسا حصہ ہر حالت میں مؤاخذہ کے قابل کرتا ہے اور ایک حصہ شرک خفی اور مخفی تحریف کا ہوتا ہے۔ اس پر مؤاخذہ جب ہی کیا جاتا ہے کہ پیغمبر کی بعثت ہو۔

پیغمبر ہر ایک شئے کی دلیل قوی ان کے سامنے پیش کرتا ہے اور ہر قسم کا شبہ رفع کر دیتا ہے: **لیحیی من حی عن بینة ویھلك من ھلك عن بینة** .جب پیغمبر لوگوں میں مبعوث ہوتا ہے تو ہر شئے کو اپنی اصلی حالت پر پھیر لاتا ہے۔ پہلے مذہب کے شرائع میں خوض کرتا ہے۔ ان میں جو امور شعائر الٰہیہ کے متعلق ہوتے ہیں۔ ان میں شرک کی کسی قسم کی آمیزش نہیں ہوا کرتی یا جو طریقے عبادات اور تدابیر دنیوی کے متعلق اور مذہبی قوانین کے موافق ہوتے ہیں ان سب کو وہ باقی رکھتا ہے اور جو نابود ہو جاتے ہیں ان کا مہتم بالشان ہونا بتا دیا جاتا ہے اور ہر شئے کے ارکان اور اسباب مقرر کر دیئے جاتے ہیں اور جن جن امور میں تحریف اور سستی ہوا کرتی ہے وہ دور کر دی جاتی ہے اور بیان کر دیا جاتا ہے کہ یہ باتیں مذہب کی نہیں ہیں اور جو احکام اس زمانہ کی مصلحتوں پر مبنی تھے اور اب عادات کے اختلاف سے ان مصلحتوں کا احتمال نہیں رہتا ہے۔ اس واسطے پیغمبر ان احکام کو بدل دیا کرتا ہے شرع میں مقصود اصلی مصلحتیں ہی ہیں جیسے موقع ہوتے ہیں ویسی ہی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک وقت میں کسی مصلحت کا احتمال ہوا کرتا ہے۔ لیکن دوسرے وقت میں اس مصلحت کا موقع نہیں ہوا کرتا۔ مثلاً اصل میں بخار کا سبب خلطوں کا ہیجان ہوا کرتا ہے۔ طبیب کو اسی کا گمان ہوا کرتا ہے اور اسی کی طرف وہ بخار کو منسوب کرتا ہے کہ آفتاب میں چلنے یا سخت حرکت کرنے یا فلاں غذا کھانے سے بخار آیا ہے اور ممکن ہے کہ ان اشیاء سے بخار نہ آیا ہو۔ اس وقت میں سب احکام بدل سکتے ہیں اور لوگوں کے اعمال اور عادات کے متعلق اور ان کی علمی اور نفسانی حالت کے متعلق ملاء اعلیٰ کا جس پر اتفاق اور اجماع ہو گیا ہو وہ امور نبی اور زیادہ کر دیا کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے جو پیغمبر پہلے گزرے ہیں وہ چند باتیں اضافہ کر دیا کرتے تھے کچھ کم نہیں کیا کرتے تھے اور بہت ہی کم تبدیلی کرتے تھے حضرت نوح علیہ السلام کے مذہب پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چند عبادتیں اور اعمال فطری اور ختنہ کو بڑھا دیا تھا۔ ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملت ابراہیمی پر چند امور اور زیادہ کر دیئے۔ اونٹوں کے گوشت کو حرام کر دیا۔ اور سبت کے دن کو ضروری قرار دیا اور زانی کے لیے سنگساری زیادہ کر دی ایسے ہی بعض اور اُمور تھے۔ دقائق شریعت میں خوض کرنے والا جب اس زیادتی نقصان اور تبدیلی کی چھان بین کرے گا تو ان کو وہ کئی وجھوں میں پائے گا ❶ یہودی مذہب احبار اور رہبانوں کے ہاتھ میں رہا اور انہوں نے مذکورہ بالا طریقوں سے بالکل اس کو ردو بدل کر دیا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ پیغمبر ہوئے تو آپ نے ہر چیز کو اصلی حالت کے موافق کر دیا۔ اس واسطے شریعت محمدیہ اس یہودیت کی مخالف ہو گئی جو یہودیوں کے ہاتھ میں تھی اور یہودی اس سے کہنے لگے کہ اس شریعت میں کمی زیادتی اور تبدیلی ہے حالانکہ حقیقت میں کوئی تبدیلی نہ تھی ❷ آنحضرت ﷺ کی بعثت میں ایک دوسری بعثت شامل تھی ایک تو آپ بنی اسمٰعیل کی طرف مبعوث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اللہ ہی نے اُمیوں کے لیے ان میں ہی سے ایک شخص کو پیدا کیا: ﴿**هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ**﴾ اور فرماتا ہے تاکہ تو ان لوگوں کو ڈرائے۔ جن کے آباؤ اجداد نہیں ڈرائے گئے تھے اسی لیے وہ غفلت میں ہیں: ﴿**لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ**﴾ اس بعثت کا مقتضا یہی تھا کہ شریعت محمدیہ کا مادہ وہی شعائر اور عبادات کے طریقے اور تدابیر دنیوی کے اصول ہوں جو بنی اسمٰعیل کے پاس موجود تھے۔ اس لیے کہ شرع میں صرف اُن امور کی درستی ہو جایا کرتی ہے جو لوگوں کے پاس ہوا کرتے ہیں ان کو ان امور کی تکلیف نہیں دی جاتی جن سے وہ محض ناواقف ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ شائد تم اس کو سمجھو ﴿**قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ**﴾ اور اللہ فرماتا

ہے اگر ہم قرآن کو عجمی زبان میں نازل کرتے تو لوگ کہتے اس کی آیتیں جدا جدا مفصل نہ کی گئیں کیا یہ عجمی بھی ہے اور عربی بھی: ﴿لَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْآنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَ اَعْجَمِيٌّ وَّ عَرَبِيٌّ﴾ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے جو نبی بھیجا ہے اسی کی قوم کی زبان والا بھیجا ہے: ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ﴾ دوسری بعثت آنحضرت ﷺ کی تمام عالم کی طرف تھی۔ اس میں عموماً وہ علوم و تدابیر بھی مندرج تھے جو تمدن سے متعلق ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں اللہ نے تمام قوموں پر لعنت کی اور ان کی دولت عجم اور روم کے استیصال کو اس نے مقدر کیا اور حکم کیا کہ تمدن کی اصلاحات منتظم ہوں۔ اس واسطے آنحضرت ﷺ کے درجہ اور غلبہ کو مقصود الامر کے حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا اور ان سلاطین کے خزانوں کی کنجیاں آپ کو عطا کیں۔ اس کمالیت اور تمامیت کی وجہ سے علاوہ احکام تورات کے اور احکام بھی آپ کو حاصل ہوئے۔ خراج' جزیہ' مجاہدات اسباب تحریف سے احتیاط وغیرہ اور اس کے اسی قسم کے احکام ہیں۔

❸ آنحضرت ﷺ کی بعثت زمانہ فترت میں ہوئی۔ اس وقت تمام مذاہب حقہ محو ہو گئے تھے ان میں تحریف و تبدیل ہو گئی تھی لوگوں کو تعصب اور اصرار نے دبالیا تھا۔ جب تک ان عادات کی سخت مخالفت نہ کی جاتی وہ کسی طرح اپنے طریقہ باطل اور عادات جاہلیت کو ترک نہیں کر سکتے تھے۔ ان وقتوں سے بھی اختلاف اور شورشیں زیادہ ہو گئی تھیں۔ واللہ اعلم

باب ۷۳

اسبابِ نسخ میں

نسخ کے باب میں یہ آیت ہے: ہم کوئی آیت منسوخ نہیں کرتے نہ اس کو بھلاتے ہیں مگر اس کے بدلہ میں اس سے بھی بہتر یا ویسی ہی لاتے ہیں: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا﴾ جاننا چاہیے کہ نسخ کی دو قسمیں ہیں: ❶ یہ کہ پیغمبر ﷺ امور نافع اور عبادات کے طریقوں میں خوض کر کے شریعت کے قوانین کے ڈھنگ پر ان کو کر دیتے ہیں ایسا آنحضرت ﷺ کے اجتہاد سے ہوا کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس حکم و اجتہاد کو باقی نہیں رکھتا بلکہ اس حکم کو آنحضرت ﷺ پر ظاہر کر دیتا ہے جو اللہ نے اس مسئلہ کے متعلق قرار دیا ہے۔ اس حکم کا اظہار یا یوں ہوتا ہے کہ قرآن میں وہ وارد کیا جائے یا اس طرح پر کہ آنحضرت ﷺ کے اجتہاد ہی میں تبدیلی ہو جائے اور دوسرا اجتہاد آپؐ کے ذہن میں قرار پا جائے۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز میں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ پھر قرآن میں اس حکم کی منسوخیت نازل ہوئی اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بجز چھاگل کے ہر برتن میں نبیذ بنانے سے ممانعت کر دی تھی۔ پھر ہر ایک برتن میں نبیذ بنانا لوگوں کے لیے جائز کر دیا۔ اور فرمادیا نشہ کی کوئی چیز مت پیو۔ اس کی **لاتشربوا مسکرا** ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ نے دیکھا کہ نشہ پیدا ہونا ایک مخفی امر ہے اس لیے اس کی علامت ظاہری بتادی کہ ان برتنوں میں نبیذ نہ بنائی جائے جن میں مسامات نہیں ہوتے۔ مثلاً مٹی یا لکڑی

کے برتن یا جو کدو سے بنا لیے جاتے ہیں ان برتنوں میں وہ چیز بہت جلد مسکر ہو جاتی ہے جس کی نبیذ بنائی جائے اور چھاگل میں نبیذ بنانے کو آپؐ نے خیال فرمایا کہ تین روز تک اس سے نشہ نہیں آتا ہے پھر آپؐ کے اجتہاد میں تبدیلی ہوگئی اور نشہ آور ہونے کو آپؐ نے حرمت کا مدار ٹھہرایا۔ نشہ آور ہونا کسی چیز کا جوش کرنے جھاگ لانے سے معلوم ہو سکتا ہے اور اس چیز کو جو لوازم سکر سے ہو یا اس میں شئے مسکر کے صفات پائے جائیں موقع اور مظنہ اسکار کا قرار دینا کسی امر اجنبی کے موقع اسکار کا قرار دینے سے بہتر ہے اور ایک اور وجہ اس اجتہاد کی تبدیلی کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب دیکھا کہ لوگ نشہ آور چیزوں کے نہایت ہی شائق ہیں اگر صرف مسکر سے ہی ممانعت کر دی جائے تو اس کا احتمال ہے کہ کوئی شخص نشہ آور چیز کو پی لے اور یہ عذر کرنے لگے کہ میں نے خیال کیا تھا کہ وہ مسکر نہیں ہے یا مجھے اسکار کی ٹھیک ٹھیک علامتیں معلوم نہ تھیں اور نیز اس زمانہ میں لوگوں کے برتن نشہ کی چیزوں سے آلودہ ہو رہے تھے ایسے برتنوں میں جو نبیذ تیار کی جاتی ہے اس میں فوراً نشہ آ جاتا ہے لیکن جب اسلام قوی ہو گیا اور اطمینان سے لوگوں نے نشہ کی چیزوں کو ترک کر دیا اور نہ وہ آلودہ برتن باقی رہے تب نشہ آور ہونے کو مدار علیہ حرمت آپؐ نے قرار دیا۔ اس توجیہ کے لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ موقعوں کے بدلنے سے حکم بدل جایا کرتا ہے اس قسم کے متعلق آپؐ نے فرمایا ہے کہ میرا کلام کلام الٰہی کو نسخ نہیں کر سکتا۔ اور کلام الٰہی میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور کلام الٰہی بعض اس کا بعض کو منسوخ کرتا ہے۔ **کلامی لا ینسخ کلام الله و کلام الله ینسخ کلامی و کلام الله ینسخ بعضه بعضا.**

قسم نسخ کی یہ ہے کہ کسی شئے میں ایک وقت میں کوئی مصلحت یا خرابی ہوا کرتی ہے۔ اسی کے موافق اس کا حکم متعین ہو جایا کرتا ہے اس کے بعد ایک زمانہ آتا ہے اس میں وہ حالت اس شئے کی نہیں رہا کرتی اس واسطے وہ حکم بھی اس کا نہیں رہا کرتا اس کی مثال یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ اور مسلمانوں اور ان کے قرابتیوں میں کوئی طریقہ باہمی موافقت اور امداد کا نہ رہا اس وقت میں مصلحت ضروری کی وجہ سے صرف اخوت ہی ذریعہ ہمدردی کا تھی اس واسطے قرآن میں نازل ہوا کہ وراثت کے حقوق اخوت سے متعلق کر دیئے جائیں اور اس کا فائدہ بھی ذکر کر دیا گیا کہ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں شورش اور بڑا فساد ہوگا۔ ﴿اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ﴾ اور جب اسلام کو قوت ہوگئی اور مہاجرین سے ان کے رشتہ دار آ ملے تو وہی طریقہ نسبتی وراثت کا متعین ہو گیا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اشیاء میں ایسی حالت میں کہ نبوت کے ساتھ خلافت کا مرتبہ شامل نہیں ہوا کرتا کوئی مصلحت اور خوبی نہیں ہوا کرتی۔ جیسے آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پیشتر آپ ہی کے عہد میں زمانہ ہجرت سے پیشتر اور اب کہ نبوت کے ساتھ خلافت منضم ہو جاتی ہے تو ان اشیاء میں مصلحت پیدا ہو جایا کرتی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو اگلی امتوں کے لیے جائز نہیں کیا تھا لیکن ہمارے لیے جائز کر دیا۔

حدیث میں اس حلت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں ❶ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری ناتوانی اور عاجزی دیکھ کر مال غنیمت کو ہمارے لیے حلال کر دیا ❷ وجہ یہ ہے کہ اس حلت سے آنحضرت ﷺ کی فضیلت اور انبیاء علیہم السلام پر اور امت محمدیہ کی فضیلت اور اُمتوں پر ظاہر کرنی مقصود ہے ان دونوں وجہوں کی تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے اور انبیاء کی بعثت صرف اپنی قوم کے لیے

ہوا کرتی تھی۔ جن کی تعداد محصور تھی کبھی کبھی سال دو سال میں نوبت جہاد کی آیا کرتی تھی اور نیز ان کی امتیں قوی اور زور مند تھیں۔ وہ جہاد بھی کر سکتے تھے اور کاشتکاری وتجارت وغیرہ سے سامان معیشت بھی کر سکتے تھے ان کو غنیمتوں کی کچھ ضرورت اور پرواہ نہ تھی۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ ان کے عمل میں کوئی غرض دنیوی نہ ملے اور اس اخلاص عمل کی وجہ سے ان کو ثواب پورا پورا ملے اور ہمارے پیغمبر ﷺ کی بعثت عموماً تمام لوگوں کی جانب ہوئی۔ جن کا شمار حصر واندازہ سے زیادہ تھا۔ اور زمانہ جہاد بھی ان کے لیے معین نہ تھا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ وہ جہاد بھی کر سکیں اور سامانِ معیشت بھی کر سکیں اور کاشتکاری یا تجارت کر سکیں اس واسطے ان کو مال غنیمت کے جائز ہونے کی بڑی ضرورت تھی اور نیز چونکہ دعوتِ اسلام عام تھی اس لیے اس میں ایسے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جن کی نیتیں کمزور اور اعتقاد سست ہوا کرتے ہیں۔ انہی کے حق میں وارد ہوا ہے کہ اللہ اس دین کی تائید بدکار آدمی سے کرے گا۔ **ان اللّٰہ یؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر** اور اس قسم کے ضعیف الاعتقاد لوگ فائدہ دنیوی ہی کی وجہ سے جہاد پر مستعد ہوا کرتے ہیں۔ ان مجاہدات میں اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت وانعام سب کو عموماً شامل تھی جیسے کہ اعدائے اسلام پر نگاہِ غضب عموماً تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو دیکھا اور عرب وعجم سب سے وہ ناخوش ہوا۔ **ان اللّٰہ نظر الی اھل الارض فمقت عربھم وعجمھم** اسی بیزاری اور ناخوشی کی وجہ سے ضروری قرار دیا گیا کہ ان کے مالوں اور جانوں کی حفاظت بالکل منقطع ہو جائے اور ان کے مالوں میں تصرف کر کے خوب ان کے دل جلائے جائیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ابوجہل کا اونٹ خانہ کعبہ کو ہدیۃً اس ہیئت سے بھیجا تھا کہ اس کے ناک میں چاندی کی کیل پڑی تھی۔ اس سے کافروں کا جلانا ہی منظور تھا۔ ایسے ہی آپؐ نے کافروں کے نخلستان کے کاٹ ڈالنے اور جلا دینے کا حکم دیا تھا تا کہ ان کو پیچ وتاب ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس امت کے لیے قرآن میں غنائم کی حلت کا حکم نازل ہوا۔

ایک دوسری مثال اسی قسم کی یہ ہے کہ ہدایتِ اسلام میں اس امت کے لیے کفار سے لڑائی کی اجازت نہ تھی اس وقت نہ لشکر تھا نہ خلافت۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی اور مسلمان واپس آ گئے۔ خلافت کا ظہور ہوا اور دشمنانِ خدا سے مقابلہ کی قوت ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ اب ان لوگوں کو اجازت ہے (لڑنے کی) جن کے ساتھ لڑائی کی جاتی ہے اس طرح پر کہ وہ مظلوم ہیں اور بے شک اللہ ان کی مدد دینے پر قادر ہے: ﴿**أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ**﴾ اسی قسم کے متعلق اللہ کا قول ہے۔ ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں۔ ہم کوئی آیت بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر ہی یا ویسی ہی اور نازل کرتے ہیں۔ ﴿**ما ننسخ من آیۃ**﴾ اور ﴿**نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا**﴾ "**بِخَيْرٍ مِّنْهَا**" ﴾ سے وہ صورت مراد ہے کہ نبوت سے خلافت شامل ہو گئی تھی اور "**مثلھا**" وہ صورتیں مراد ہیں جن میں موقعوں کے مختلف ہونے سے حکم بدل دیا جایا کرتا ہے۔ واللہ اعلم



باب ۷۴

اس کے بیان میں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا کیا حال تھا جس کی اصلاح آنحضرت ﷺ نے فرمائی

اگر شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے حقائق میں غور کرنا مقصود ہو تو اولاً ان اُمیوں کی حالت کا اندازہ کرنا چاہیے۔ جن میں آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی۔ انہیں کے حالات آپ کی شریعت کے لیے بمنزلہ مادہ کے ہیں اس کے بعد اس حالت کی اصلاح کی کیفیت سمجھنا چاہیے اس اصلاح میں ان مقاصد کا کیسا لحاظ کیا گیا۔ جو باب تشریع اور تیسیر اور احکام ملت میں مذکور ہیں۔

معلوم کرنا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ اس واسطے مبعوث ہوئے تھے کہ ملت حنیفیہ اسمٰعیلیہ کی کجی کو دُور کردیں۔ اس کے تغیر و تبدل کی اصلاح فرمائیں اس کی روشنی کو پھیلائیں۔ اسی کو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کا مذہب اختیار کرو۔ ﴿مِلَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرَاهِيمَ﴾ اور جب ایسی حالت ہے تو ضرور ہے کہ ملت ابراہیم علیہ السلام کے اصول قابل تسلیم اور اس کے حالات ثبت اور مقرر ہوں اس واسطے کہ جب نبی ایسی قوم میں مبعوث ہو جن میں عمدہ مذہب اور سنتِ راشدہ کے آثار باقی ہوں تو ان طریقوں میں تغیر و تبدل بے معنی ہے ان کو اپنی اصلی حالت پر رکھنا چاہیے لوگ انہیں کو زیادہ مانیں گے اور دلیل پیش کرنے کے بھی اُصول خوب پایہ ثبوت کو پہنچ سکیں گے۔ بنی اسمٰعیلؑ کی نسلوں میں ان کے جدِ اکبر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا طریقہ برابر نسلاً بعد نسل چلا آتا تھا۔ تمام بنی اسمٰعیلؑ اسی شریعت پر ثابت قدم تھے۔ یہاں تک کہ عمرو بن لحی پیدا ہوا۔ اس شخص نے ملت اسمٰعیلی میں اپنی بے ہودہ رائے سے بہت سی چیزیں داخل کر دیں۔ فضل و اضل اسی نے بت پرستی اولاً شروع کی۔ سانڈھ چھوڑے اور بحیرہ مقرر کیے۔ جب سے مذہب بالکل خراب ہو گیا اور صحیح باتوں میں غلط شامل ہو گئیں اور لوگوں پر جہالت اور شرک و کفر کی تاریکی چھا گئی تب خداوند عالم نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا۔ تاکہ آپ کی وجہ سے اس کی کجی دور ہو جائے اور اس کی خرابیوں کی اصلاح ہو جائے رسول اللہ ﷺ نے بنی اسمٰعیل کی شریعت میں غور کیا اس میں جو جو طریقے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے مسلک کے موافق منجملہ شعائر الٰہیہ کے تھے ان کو باقی رکھا اور جن میں تحریف ہو گئی تھی اور خرابیاں آ گئی تھیں اور جو امور علاماتِ شرک و کفر سے تھے ان کو نیست و نابود کر دیا۔ ان کا بطلان خوب مستحکم اور مسجل کر دیا اور جو امور عادات وغیرہ کے متعلق تھے ان کی خوبیاں اور برائیاں اس طرح بیان کر دیں جن سے لوگ رسمی لوثوں اور غوائل سے احتراز کر سکیں۔ خراب رسموں کی آپؐ نے ممانعت فرما دی اور عمدہ کی جانب رہبری کی اور جو مسائل اصلی یا عملی زمانہ فترت میں متروک ہو گئے تھے اُن کو شاداب اور تر و تازہ ویسا ہی کر دیا جیسے کہ وہ تھے۔ اس طرح پر اللہ کا انعام مکمل اور اللہ کا دین مستقیم ہو گیا۔

آنحضرت ﷺ کے عہد میں اہل جاہلیت بعثت انبیاء کو تسلیم کرتے تھے اعمال کی سزا جزا کے قائل تھے اقسام نیکی کے تمام

اصول پر ان کا اعتقاد تھا جو اُمور منافع قوم اور تمدن کے متعلق تھے وہ ان کے استعمال میں تھے ان اہل جاہلیت میں دو فرقے البتہ پیدا ہو گئے تھے اور یہ ہی زیادہ پھیل گئے تھے لیکن ایسے لوگوں کے ہونے سے ہماری تقریر سے مخالفت نہیں ہو سکتی۔ ان میں ایک فرقہ فاسقین اور زنادقہ کا تھا۔ فاسق لوگ چار پایوں اور دیگر درندوں کے سے کام کرتے تھے جو ملت اسمٰعیل کے مخالف تھے۔ نفسانی حالتیں ان پر غالب تھیں۔ مذہبی امور کا ان کو پاس کم تھا یہ لوگ ملت کے دائرہ سے خارج تھے۔ فسق کی شہادت ان کے نفوس سے حاصل تھی اور زنادقہ میں پیدائشی طور پر ناقص فہم ہوا کرتا ہے۔ وہ پوری طرح پر ٹھیک اس امر کی تحقیق نہیں کر سکتے جو صاحب مذہب کا مقصود ہوا کرتا ہے۔ وہ صاحب امر کی خبروں کو تسلیم نہیں کیا کرتے اور ان کی پیروی نہیں کرتے۔ وہ اپنے شبہ میں متردد رہتے ہیں۔ لیکن اپنے مجمعوں سے ان کو اندیشہ رہتا ہے لوگ ان کو برا جانتے ہیں۔ ان کو مذہب سے خارج سمجھتے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ مذہب کی پابندی سے انہوں نے اپنے آپ کو آزاد کر دیا ہے جب ان کی حالت لوگوں کو ایسی ناگوار ہوتی ہے۔ اور اس میں ایسی ناپسندیدگی ہے۔ تو ان کا مذہب سے خارج ہونا کچھ مضر نہیں ہوتا۔

دوسرا فرقہ جاہل اور غافل لوگوں کا تھا جنہوں نے مذہبی امور کی جانب بالکل توجہ نہیں کی تھی۔ قریش میں اور ان کے قریب کے لوگ ایسے ہی اکثر تھے انبیاء کے عہد سے ان کو بعد تھا اس لیے ان کی ایسی حالت ہو گئی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے "تا کہ تو ایسے لوگوں کو منادی کرے۔ جن کے پاس کوئی منادی دینے والا نہیں آتا ہے"۔ ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ﴾ لیکن وہ راستہ سے اتنا دور نہیں ہٹ گئے تھے کہ ان کے سامنے دلیل بھی پیش نہ ہو سکے ان کو الزام نہ دیا جا سکے اور ان میں خاموشی پیدا نہ کی جا سکے۔

جو اصول اہل جاہلیت میں مسلم تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ آسمان و زمین اور جو جو ہر آسمان و زمین کے درمیان ہیں ان سب کا خالق اللہ ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک اگر تو ان لوگوں سے دریافت کرے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ سب کہہ دیں گے اللہ نے پیدا کیا ہے: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ بلکہ تم صرف اللہ ہی کو پکارتے رہو۔ ﴿بل اياه تدعون﴾ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ گمراہ ہیں جن کو تم بجز اللہ کے پکارتے ہو ﴿ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّا اِيَّاهُ﴾ لیکن ان کے زندیق ہونے کی ایک بات یہ تھی کہ وہ کہتے تھے۔ کہ بعض فرشتے اور ارواح ایسے ہیں جو علاوہ بڑے بڑے انتظامات کے امور اہل زمین کے مدبر ہوا کرتے ہیں اور اپنے پرستش کرنے والے کی حالت درست کرتے رہتے ہیں جس کا تعلق خاص اس کی ذات یا اولاد اور مال سے ہوتا ہے یہ مشرکین ان فرشتوں اور ارواح کا ایسا ہی حال سمجھتے ہیں جیسا بادشاہوں کا شہنشاہ کے مقابلہ میں ہوتا ہے یا جو حالت شفیعوں اور ندیموں کی ایسے بادشاہ کے حضور میں ہوتی ہے جو اپنی حکومت سے تصرف کیا کرتا ہے اس کا منشا یہ ہوا کہ شریعتوں میں یہ وارد ہوا تھا کہ بہت سے امور فرشتوں کے تفویض کیے جاتے ہیں اور مقربان بارگاہ الٰہی کی دعائیں مقبول ہو جاتی ہیں۔ اس سے انہوں نے خیال کیا کہ یہ تصرفات ذاتی اُن کے ایسے ہی ہیں۔ جیسے سلاطین کے ہوا کرتے ہیں۔ حاضر پر غائب کو انہوں نے قیاس کیا۔ اسی سے یہ ابتری ہوئی۔

اہل جاہلیت کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ اللہ کی ذات اس سے منزہ ہے جو اس کی بارگاہ کے مناسب نہیں ہے اور اُس کے ناموں میں

الحاد کرنا حرام ہے لیکن اس میں انہوں نے یہ بات زندقہ کی زیادہ کر دی تھی کہ فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں اور فرشتوں کو اللہ نے اس امر کا ذریعہ قرار دیا ہے کہ جو امر اس کو معلوم نہ ہو وہ ان کے ذریعہ سے معلوم کر لے جیسے بادشاہ جاسوسوں کے ذریعہ سے حالات معلوم کیا کرتے ہیں۔

ان کے اعتقادات میں سے یہ بھی تھا کہ پیدا ہونے سے پیشتر اللہ تعالیٰ نے تمام حوادث کو مقدر کر دیا ہے۔ امام حسن بصری کا قول ہے کہ اہل جاہلیت اپنے خطبوں اور اشعار میں ہمیشہ قدر کا ذکر کیا کرتے تھے۔ شرع نے اور اس کو مؤکد کر دیا ہے۔

ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ عالم بالا میں ایک مقام معین ہے۔ وہاں بتدریج حوادث محقق ہوتے رہتے ہیں اور مقرب فرشتوں اور بزرگ آدمیوں کی کسی نہ کسی طرح سے وہاں دعائیں اپنا اثر کرتی رہتی ہیں۔ لیکن اس کی صورت ان کے ذہنوں میں ایسی تھی جیسے شاہی ندیموں کی شفاعت کا اثر سلاطین پر پڑتا ہے۔

ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو احکام کا پابند اور مکلّف کرتا ہے۔ بعض چیزوں کو حلال کرتا ہے بعض کو حرام کرتا ہے اعمال کی جزا دیتا ہے اچھے ہوں تو جزا بھی اچھی ہوتی ہے اور اگر اعمال برے ہوں تو جزا بھی بری ہوتی ہے۔ **ان خیرا فخیرو ان شرا فشر.** اللہ تعالیٰ کے پاک فرشتے ہیں۔ جو اس کی بارگاہ میں مقرب ہیں وہ اس کی بادشاہت میں بڑے درجہ والے ہیں اللہ کے حکم سے وہ اس عالم کی تدابیر میں مصروف رہتے ہیں۔ احکام الٰہیہ کی تعمیل سے سرتابی نہیں کرتے جو حکم ان کو ملتا ہے اسی کی تعمیل کرتے ہیں: ﴿لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ وہ نہ کھاتے ہیں نہ کچھ پیتے ہیں نہ براز کرتے ہیں۔ نہ شادی کرتے ہیں کبھی کبھی وہ بزرگ کے سامنے ہو جاتے ہیں۔ ان کو بشارت اور خوف دلاتے ہیں۔

ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ کبھی کبھی اللہ اپنی مہربانی اور فضل سے کسی آدمی کو لوگوں کی طرف مبعوث کیا کرتا ہے۔ اس پر اللہ وحی نازل کرتا ہے۔ فرشتوں کو اس کے پاس بھیجتا ہے۔ اس کی اطاعت لوگوں پر فرض کرتا ہے۔ بغیر اس کی تعمیل اور فرمان پذیری کے کوئی چارہ نہیں ہوا کرتا۔

ملاء اعلیٰ اور حاملین عرش کا ذکر اشعار جاہلیت میں بکثرت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے امیہ بن ابی الصلت کی دو بیتوں میں تصدیق کی ہے اس کا قول ہے:

رجل و ثور تحت رجل یمینہ   و النسر للاخری و لیث مرصد

''آدمی، بیل، کرگس اور شیر غراں سب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں''۔

آنحضرت ﷺ نے یہ شعر سن کر فرمایا امیہ نے سچ کہا ہے۔ اس کے بعد امیہ کا یہ شعر پڑھا:

والشمس تطلع کل اخر لیلۃ   حمراء یصبح لونھا یتورد

تابی فما تطلع لنا فی رسلیھا   الا معذبۃ والا تجلد

یعنی آفتاب رات کے ختم ہونے کے بعد سرخ اور گلابی رنگ کا نکلتا ہے اور اس کا طلوع نرمی کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ وہ عذاب دیا جاتا ہے اور تازیانہ لگایا جاتا ہے (یعنی اپنے پروردگار کی قدرت سے مغلوب رہتا ہے) آنحضرت ﷺ نے اس شعر کو سن کر فرمایا

کہ سچ کہا اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ اہل جاہلیت کا قول تھا کہ عرش کے اٹھانے والے فرشتے چار ہیں ایک کی صورت آدمی کی سی ہے اور یہ فرشتہ اللہ کے حضور میں آدمیوں کا شفیع ہے اور دوسرے کی صورت بیل کی ہے اور یہ چار پایوں کا شفیع ہے اور تیسرا کرگس کے ہم شکل ہے یہ پرندوں کی شفاعت کرتا ہے اور چوتھا شیر کے ہم شکل ہے درندوں کی شفاعت اس کے متعلق ہے''۔ اس کے قریب ہی قریب شرع میں بھی آیا ہے شرع نے ان فرشتوں کا نام بز کوہی رکھا ہے (دعول) عالم مثال میں ان فرشتوں کی صورتیں ایسی ہی ظاہر ہوتی ہیں یہ سب باتیں اہل جاہلیت کو معلوم تھیں لیکن وہ غائب کا حاضر سے اندازہ کرتے تھے۔ اور امور علمی اور یقینی کو اپنے مالوف خیالات سے خلط ملط کر دیتے تھے۔ اگر مذکورہ بالا تقریر میں شبہ ہو تو اُن مضامین میں غور کرنا چاہیے۔ جو قرآنِ عظیم میں مذکور ہیں اللہ تعالیٰ نے علم کے اسی حصہ میں جو ان میں باقی رہ گیا تھا ان کو کیسے کیسے الزام دیئے ہیں اور وہ شکوک کیسے رفع کیے جائیں۔ جو انہوں نے اپنی معلومات میں داخل کر لیے تھے جب اہل جاہلیت نے قرآن شریف کے نازل ہونے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا بتاؤ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔ ﴿قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِىْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى﴾ اور جب ان لوگوں نے کہا کہ اس پیغمبر کا حال کیا ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے: ﴿مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ باتیں پیغمبروں سے کچھ قابل تعجب نہیں ہیں ﴿مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ ایسی ہی اور بہت سی مثالیں ہیں اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اہل جاہلیت اگر چہ راہ راست سے دور ہٹ گئے تھے لیکن جو علمی حصہ ان میں باقی رہ گیا تھا اس کے ذریعہ سے ان کو الزام دیا جانا ممکن تھا۔ زمانہ جاہلیت میں جو لوگ حکیم ہوئے ہیں ان کے خطبوں کو دیکھو مثلاً قس ابن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل اور جو بزرگ لوگ عمرو بن لحی کے عہد سے پیشتر تھے ان میں جو حکماء اور کامل تھے وہ سب عالم معاد اور فرشتوں وغیرہ کے قائل تھے وہ توحید کو ٹھیک طور پر مانتے تھے۔ زید بن عمرو بن نفیل نے اپنے شعر میں کہا ہے۔

و انت رب مليك الناس طرا　　　بكفيك المنايا والحتوم

''تو پروردگار سب لوگوں کا بادشاہ ہے۔ موتیں تیرے ہی اختیار میں ہیں''۔

اور نیز ان کا قول ہے۔ شعر

اربا واحدا ام الف رب　　　ادين اذا تقسمت الامور

تركت اللات والعزى جميعًا　　　كذلك يفعل الرجل البصير

''میں ایک پروردگار کو مانوں یا ہزار کو جب کاموں کی تقسیم ہو۔ میں نے تو لات وعزیٰ سب کو چھوڑ دیا۔ ہوشمند آدمی ایسا ہی کیا کرتا ہے''۔

اور آنحضرت ﷺ نے امیہ بن الصلت کے حق میں فرمایا ہے اس کے شعر میں ایمان ہے لیکن اس کے دل میں ایمان نہیں ہے۔

یہ سب امور وہ تھے جو حضرت کے عہد سے وراثۃً ان میں چلے آتے تھے اور بعض امور اہل کتاب سے لے کر بھی انہوں نے داخل کر لیے تھے ان کو بخوبی علم تھا کہ انسان کا اصلی کمال یہی ہے کہ اپنے پروردگار کے حضور میں سرنگوں ہو اور نہایت زیادہ کشش اور کوشش سے اللہ کی پرستش کی جائے۔ عبادت کے ابواب میں سے ان کے ہاں ایک طہارت بھی تھی اور غسل جنابت تو ایک معمولی

طریقہ تھا۔ ختنہ اور تمام اوصاف و خصائل فطرت کا بھی بخوبی وہ اہتمام کرتے تھے تورات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لیے ایک نشان قرار کر دیا تھا۔ **ان اللہ جعل الختان میسمة علی ابراھیم و ذریته** اور مجوسی و یہودی وغیرہ سب وضو کے پابند ہیں حکمائے عرب بھی وضو کیا کرتے تھے۔ اہل جاہلیت میں نماز بھی تھی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پیشتر دو سال سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور قیس ابن ساعدہ ایادی برابر نماز پڑھا کرتے تھے یہود و مجوسی اور بقیہ عرب میں نماز کے اندر تعظیمی افعال کی پابندی تھی۔ خاصہ سجدہ بہت ضروری تھا اور دعا و ذکر الٰہی کے متعلق بعض مقولے بھی تھے۔ ایسے ہی زمانہ جاہلیت میں زکوٰۃ بھی تھی۔ اسی زکوٰۃ میں مہمان نوازی، مسافر نوازی، اہل و عیال کا نفقہ، مساکین پر خیرات کرنی، صلہ رحم، ان حوادث میں ہمدردی اور امداد کرنا جو حق ہوں۔ یہ سب زکوٰۃ میں داخل تھے یہ امور ان کے ہاں بڑے قابل تعریف تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ انہی امور سے انسان کامل ہوا کرتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا واللہ کہ اللہ آپ کو پسماندہ نہ کرے گا۔ آپ صلہ رحم اور مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اہل و عیال کے متکفل ہیں۔ حقانی حوادث پر لوگوں سے ہمدردی کرتے ہیں۔ **فواللہ لایحزیك اللہ ان تصل الرحم و تقوی الضیف و تحمل الکل و تعین علی نوائب الحق** ایسا ہی ابن دغنہ نے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا تھا اور فجر سے غروب آفتاب تک ان میں روزہ بھی معمول بہ تھا۔ زمانہ جاہلیت میں قریش عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ مسجد میں وہ اعتکاف بھی کیا کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں حضرت عمرؓ نے ایک شب کی اعتکاف کی نذر کی اور آنحضرت ﷺ سے اس میں استفتاء کیا تھا۔ عاص ابن وائل نے وصیت کی تھی کہ میری طرف سے اتنے غلام آزاد کیے جائیں بہر حال اہل جاہلیت مختلف وجوہ سے اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اور بیت اللہ کا حج کرنا شعائر الٰہیہ اور بزرگ مہینوں کی تعظیم کرنی یہ امور تو ایسے ظاہر ہیں کہ ان میں کوئی شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کے پاس کئی قسم کے منتر اور تعویذ بھی تھے لیکن ان میں شرک کی باتیں داخل کر دی گئی تھیں حلق کا ذبح کرنا اور گردن میں برچھا مارنا ان کا طریقہ تھا وہ ذبیحہ کا گلا نہیں گھونٹتے تھے اور چھری سے پیٹ چاک نہیں کرتے تھے۔ ستاروں اور عام طبیعت کے دقائق ترک کرنے میں وہ ملت ابراہیم علیہ السلام کے پیرو تھے البتہ ان میں سے جو بداہتہً معلوم ہوتے تھے ان کو مانتے تھے۔ پیش بینی کے لیے ان کے ہاں خواب اور گزشتہ انبیاء کے بشارات تھے۔ مدت کے بعد کہانت اور قمار کے تیروں سے آئندہ حالات کا اندازہ کرنا۔ اور فال ان میں پھیل گئے تھے ان کو معلوم تھا کہ یہ سب امور اصل ملت ابراہیم علیہ السلام میں مفقود تھے آنحضرت ﷺ نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تصویریں دیکھیں جن کے ہاتھوں میں قمار کے تیر تھے تو فرمایا یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ انہوں نے قمار کے تیروں سے کبھی اندازہ نہیں کیا۔ **لقد علموا انھا لم یستیقسما قط** بنی اسمٰعیل برابر اپنی جد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ہی روش پر ثابت قدم رہے۔ جب تک کہ ان میں عمرو بن لحی پیدا ہوا۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے تقریباً تین سو برس قبل یہ عمرو پیدا ہوا تھا۔

ایسے ہی زمانہ جاہلیت میں کھانے پینے لباس دعوتوں میں، میلوں، مردوں کے دفن کرنے، نکاح، طلاق عدت، ماتم، خرید و فروخت اور تمام معاملات کے نہایت مستحکم طریقے معین تھے۔ جو ان کی پابندی نہیں کرتا تھا۔ وہ قابل ملامت سمجھا جاتا تھا۔

محارم مثلاً بیٹیاں، مائیں، ہمشیریں وغیرہ سب ان کے ہاں حرام تھیں۔ ظلم و تعدی کے لیے ان کے ہاں تعزیرات معین تھیں۔

قصاص' دیت' قسامہ سے وہ سزا دیتے تھے۔ ایسے ہی زنا اور چوری کی بھی سزائیں مقرر تھیں۔ ایرانی اور رومی سلطنتوں کے ذریعہ سے بہت سے منزلی اور تمدن کے علوم و تدابیر بھی ان میں اضافہ ہو گئے تھے لیکن ان میں فسق و فجور کی کثرت ہو گئی تھی۔ غارت گری لوٹ مار سے ظلم بہت کرتے تھے۔ زنا اور فاسد نکاح اور ربا بہت پھیل گیا تھا۔ نماز اور ذکر الٰہی کو بالکل ترک کر دیا تھا۔ ان امور کی طرف کچھ توجہ نہ تھی۔ ایسی پر آشوب حالت میں آنحضرت ﷺ کی ان میں بعثت ہوئی تب آپؐ نے تمام ان علمی اور عملی اُمور میں خوض کیا۔ جو ان میں موجود تھیں۔ ان میں سے جو حصہ ٹھیک ملت ابراہیمی کا تھا اس کو آپؐ نے بحال رکھا۔ اس کے اختیار کرنے کا حکم فرمایا اور عبادت کے طریقے معین فرما دیئے۔ اسباب' اوقات' شروط و ارکان مستحاب و مفسدات' رخصت' عزیمت ادا و قضا کے طریقے تعلیم کر دیئے گناہوں کو منضبط فرما کر ان کے ارکان و شروط معین کر دیئے۔ گناہوں کی سزائیں اور کفارات مشروع کر دیئے۔ ترغیب اور ترہیب کی تقریر سے دین کو ان کے لیے آسان کر دیا گناہ کے تمام ذرائع مسدود کر دیئے اور ان امور کی مستعدی پیدا کر دی جن سے نیکی پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے ایسے ہی اس مجموعہ کو مرتب کر دیا۔ جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ ملت حنفی کی اشاعت اور تمام مذاہب پر اس کے غالب کرنے کی نہایت کوشش کی ان کی تمام تحریفات اور تغیرات مذہبی کو نسیاً منسیاً کر دیا اور اُمور نافع کی ہدایت فرمائی۔ ان کی تمام رسوم فاسدہ کی روک کر دی اور خلافت کبریٰ کو ان میں قائم کیا اور اپنے ہمراہیوں کو لے کر غیر قوموں سے جہاد کیا: **حتی تم امر الله و هم کرهون.**

بعض حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ ''میں آسان حنفی روشن مذہب لایا ہوں''۔ **بعثت بالملة السمحة الحنيفة البيضاء.** مجھ سے یہ مراد ہے کہ اس میں عبادات کی ایسی سختیاں نہیں ہیں جیسی راہبوں نے گھڑ لیں تھیں بلکہ اس میں ہر ایک عذر کے لیے رخصت ہے۔ قوی اور عاجز اور کاربند اور بے کار سب اُس پر عملدرآمد کر سکتے ہیں اور حنیفیہ سے مراد ملت ابراہیمی ہے۔ جس میں شعار الہیہ قائم کیے جاتے ہیں اور شرک کے شعار پست کیے جاتے ہیں۔ تحریف اور فاسد رسمیں بالکل باطل کی جاتی ہیں اور بیضا سے یہ مراد ہے کہ اس کی علتیں اور حکمتیں اور وہ مقاصد جن پر اس مذہب کی بنیاد قائم ہے نہایت صاف ہیں جو شخص ان میں تامل کرے گا اس کو کچھ شبہ باقی نہ رہے گا اور کوئی سلیم العقل ہٹ دھرمی نہ کرے گا۔



مبحث ساتواں

حدیث نبوی ﷺ سے احکام شرعی کے مستنبط ہونے کی کیفیت

باب ۷۵

علوم نبوی ﷺ کے اقسام میں

جاننا چاہیے کہ جو کچھ آنحضرت ﷺ سے مروی ہے اور کتبِ حدیث میں مدون کیا گیا ہے اُس کی دو قسمیں ہیں ① وہ امور جو تبلیغ رسالت سے علاقہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ پیغمبر جو تم کو بتائے اس کی تعمیل کرو اور جس سے منع کرے اُس سے باز آؤ۔ ﴿مَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ ایسے امور میں سے ایک حصہ علوم معاد اور عالم ملکوت کے عجیب عجیب حالات کا ہے۔ یہ سب امور بواسطہ وحی ہی کے ہوا کرتے ہیں آنحضرت ﷺ کے اجتہاد کو ان میں کچھ دخل نہیں ہے۔ اور انہیں امور میں سے ایک حصہ احکام شرعی اور عبادات اور منافع کا وجود مذکورہ بالا میں سے کسی نہ کسی وجہ سے منضبط کرنے کا ہے۔ ان علوم میں سے بعض وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اور بعض آنحضرت ﷺ کے اجتہاد سے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا اجتہاد بھی وحی کے درجہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا تھا کہ آپ کی رائے خطا پر جم سکے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ آپ کسی امر منصوص سے حکم مستنبط کر کے اجتہاد کرتے ہوں۔ جیسا لوگ گمان کرتے ہیں بلکہ اکثر یہ حالت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرع کے مقاصد اور وہ قانون تعلیم کیے تھے۔ جس سے حکم شرعی یا آسانی کا طریقہ یا کسی امر کو مستحکم اس سے کر سکتے تھے اسی قانون سے آپ ان مقاصد کی توضیح فرمادیا کرتے تھے جو بذریعہ وحی آپ کو حاصل ہوتے رہتے تھے۔

انہیں امور تبلیغ رسالت سے ایک حصہ ان حکمتوں اور مصلحتوں کا ہے جو بلا قید رکھی گئی ہیں ان کا کوئی وقت معین نہیں کیا گیا ہے نہ ان کی حدیں بیان کی گئی ہیں۔ جیسے عمدہ اور ناقص اخلاق کا بیان۔ یہ حصہ غالباً اجتہادی ہے۔ اس طرح پر کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تدابیر کے قوانین تعلیم کیے انہیں سے آپ نے کسی حکمت کو اخذ کر کے اس سے کوئی کلیہ بنالیا اور انہیں امور میں سے ایک حصہ اعمال کی خوبیوں اور ان اعمال کے کاربند ہونے والوں کے مناقب اور اوصاف کا ہے میری رائے میں اس میں سے بعض امور بوحی الٰہی معلوم ہوتے ہیں اور بعض اجتہادی ہیں۔ اس قسم کے قوانین پہلے معلوم ہو چکے ہیں اور اسی حصہ کی تشریح اور ان کے مقاصد کا بیان کرنا ہم کو مقصود ہے۔

② قسم ان امور کی وہ ہے جن کو تبلیغ رسالت سے کوئی تعلق نہیں ہے اسی کی نسبت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ''میں ایک انسان ہوں۔ جب میں تم سے کوئی مذہبی امر بیان کروں تو اس کو اختیار کرو۔ اور جو بات میں اپنی رائے سے کہوں پس میں ایک انسان ہوں۔ انما انا بشر اذا امرتکم بشیئ من دینکم فخذوا به و اذا امرتکم بشیئ من رائی فانما

انا بشر . اور آنحضرت ﷺ نے درخت خرما کے گابھا لگانے میں فرمایا تھا کہ میں نے صرف گمان کیا تھا۔ اور تخمینی بات کا مجھ سے مؤاخذہ نہ کرو لیکن میں اللہ کی جانب سے کوئی بات بیان کروں تو اس کو اختیار کرو اس لیے کہ میں نے اللہ پر جھوٹ نہیں بولا ہے: **انما ظننت ظنا و لا تواخذونی بالظن و لکن اذا احدثتکم عن اللہ شیئا فخذوا بہ فانی لم اکذب علی اللہ** . اسی حصہ میں سے علاج وطب کا حصہ ہے اور اسی کے متعلق آنحضرتؐ کا قول ہے کہ گھوڑا نہایت سیاہ جس کی پیشانی پر ہلکی سی سپیدی ہو اپنے پاس رکھا کرو۔ **علیکم بالادھم الاقرح** . اور اس میں سے وہ امور بھی ہیں جن کو آپ محض عادۃً کیا کرتے تھے یا اتفاقیہ بلا قصد کرتے تھے۔ تعبدی طور پر ان کو عمل میں نہیں لاتے تھے اور اسی میں سے وہ امور بھی ہیں جن کو بسبیل تذکرہ بیان کیا کرتے تھے ایسا ہوتا تھا کہ لوگ کچھ بات چیت کر رہے ہیں آپ بھی فرمانے لگے۔ حدیث ام ذرع اور حدیث خرافہ اسی قسم کی حدیثیں ہیں۔ اس کو ہی حضرت زید ابن ثابتؓ نے فرمایا ہے۔ چند لوگ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کچھ حدیثیں رسول اللہ ﷺ کی ہم سے بیان کیجیے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا میں آنحضرت ﷺ کے ہمسایہ میں تھا۔ جب وحی نازل ہوتی تھی تو مجھ کو آپؐ بلا بھیجتے تھے میں اس کو لکھ دیا کرتا تھا۔ آپ کی یہ حالت تھی کہ جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو ہمارے ساتھ آپ بھی دنیا کا ذکر کرتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ بھی آخرت کا ذکر کرتے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ کھانے کا ذکر فرماتے۔ پس کیا میں ان سب قسم کی حدیثوں کو تمہارے سامنے ذکر کروں اور ایسے ہی بعض اُمور وہ ہوتے ہیں جن میں آنحضرت ﷺ کے عہد میں ایک جزئی مصلحت تھی۔ لیکن وہ تمام امت کے لیے لازمی اور حتمی نہ تھے ان کی مثال ایسی سمجھنی چاہیے جیسے کوئی بادشاہ لشکروں کی ترتیب کرتا ہے اور کوئی فوجی علامت قرار دیتا ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ ہم کو رمل (طواف میں سینہ نکالنا) سے کیا علاقہ ہم ان کو یہ حالت دکھایا کرتے تھے جن کو اللہ نے اب ہلاک کر دیا ہے۔ **مالنا و للرمل کنا نترایا بہ قوما قد اھلکھم اللہ** . اس اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں رمل کا کوئی اور سبب نہ ہو۔ اکثر احکام اسی مصلحت جزئی پر حمل کیے گئے ہیں چنانچہ حضرت کا ارشاد ہے جو شخص کسی کو قتل کرے تو اس قتیل کا سامان مارنے والے ہی کو ملنا چاہیے۔ **من قتل قتیلا فلہ سلبہ** .

اسی حصہ میں سے آپ کے احکام اور فیصلے ہیں۔ دلائل اور قسموں سے جیسا کہ ثابت ہوا کرتا ہے ویسا ہی آپ حکم فرمایا کرتے تھے حضرت علیؓ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا جن چیزوں کو غائب شخص نہیں دیکھ سکتا۔ ان کو وہ شخص دیکھتا ہے جو واقع پر موجود ہو: **الشاھد یری مالا یراہ الغائب** .



باب ۷۶

مصلحتوں اور شریعتوں میں کیا فرق ہے

جاننا چاہیے کہ شارع نے ہم کو دو قسم کے علمی فائدے پہنچائے ہیں۔ ان دونوں قسموں کے احکام اور درجے مختلف اور جدا جدا ہیں ① مصالح اور مفاسد کا علم یعنی وہ امور جو تہذیب نفس کے متعلق ہیں' کہ جو اخلاق دنیا و آخرت میں مفید ہیں وہ مکتسب کیے جائیں اور ان کے مخالف اخلاق دُور کیے جائیں یا وہ امور جو تدبیر خانہ داری اور آداب معاش اور سیاست مدن سے علاقہ رکھتے ہیں۔ شارع نے ان اُمور کے لیے کوئی مقدار معین نہیں کی ہے۔ ان میں جو امر مبہم تھے۔ اُن کو منضبط نہیں کیا اور جو قابل اشکال تھے۔ ان کو معلوم نشانوں سے ممتاز نہیں کیا ہے۔ جو چیزیں پسندیدہ تھیں ان کی جانب لوگوں کو مائل کر دیا ہے اور رزائل سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرما دی۔ اپنے کلام کو اس حالت میں چھوڑ دیا ہے کہ زبان دان اپنی سمجھ کے موافق اس سے مطلب سمجھ لیں اس نے صرف مصالح کو مدار علیہ طلب یا باز رہنے کا قرار دیا ہے اس کے لیے مواقع اور نشانات نہیں بتائے جن سے ان کی رہبری ہو سکے مثلاً شارع نے زیرکی اور شجاعت کی تعریف کی ہے اور لوگوں کے ساتھ نرم دلی اور خلوص سے پیش آنے کا حکم دیا ہے اور بتایا ہے کہ امور معاش میں اعتدال چاہیے اور زیرکی کا کوئی ایسا اندازہ نہیں بتایا کہ اُسی حد تک اس کو طلب کرنا چاہیے اور اگر اس حد سے تجاوز ہو تو لوگوں سے مؤاخذہ کرنا چاہیے۔

جس مصلحت پر ہم کو شارع نے مستعد کیا ہے اور جس خرابی سے باز رکھا ہے۔ اس کی انتہاء تین اصولوں میں سے ایک نہ ایک پر ہوتی ہے ① اس سے ان چار اوصاف میں سے جو معاد میں مفید ہیں یا ان تمام خصلتوں میں سے جو دنیا میں سود مند ہیں کوئی نہ کوئی وصف نفس میں پیدا کرنا اور ان کو شائستہ اور مہذب بنانا ہے ② کلمہ الٰہی اور سچے مذہب کو غالب کرنا۔ شرائع کو خوب مستحکم کرنا۔ ان کی اشاعت میں کوشش کرنا ہوتا ہے ③ عامہ خلائق کی حالت کو منتظم کرنا ان کے امور نافع اور تدابیر مفیدہ کی درستی کرنا۔ ان کی رسموں کو مہذب صورت میں لانا۔ اور مصلحت و خرابی کی انتہا ان اصول پر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ان امور میں اس کو کچھ نہ کچھ دخل ہوا کرتا ہے۔ خواہ یہ اُصول اُس سے حاصل ہوتے ہیں یا منفی ہوتے ہیں یہ امور ان اصول کی شاخ ہوں یا ان کے مخالف اصول کی۔ یا ان اصول کے ہونے نہ ہونے کا ان میں احتمال ہو۔ یا ان کو یہ امور لازم ہوں یا ان کے مخالف کو لازم ہوں یا ان اصول کے حصول اور اغراض کا ذریعہ ہوں۔

اصل رضا الٰہی کے باعث یہی مصالح ہوا کرتے ہیں اور انہیں مفاسد سے عتاب خداوندی پیدا ہوتا ہے۔ پیغمبروں کی بعثت سے پہلے اور بعد کا زمانہ اس خوشی اور ناخوشی میں یکساں ہے اگر ان دونوں حصوں سے اللہ کی خوشی اور ناخوشی کا تعلق نہ ہوتا تو پیغمبروں کی بعثت بھی نہ ہوتی۔ اس لیے کہ یہ تمام شرائع اور حدود تو انبیاء کے پیدا ہونے کے بعد معین ہوا کرتے ہیں تو اگر پہلے ہی سے ان کو تکلیف دی جائے اور پکڑ جکڑ کی جائے تو خدا کی مہربانی اور لطف ہی کیا ہوا مصالح اور مفاسد کا۔ چونکہ تہذیب اور نفس کی ناپاکی پر اثر

ہوا کرتا ہے لوگوں کی انتظامی اور ابتری حالت پر انبیاء کی پیدائش سے پیشتر ہی اس سے پرتو پڑا کرتا ہے۔ اس واسطے لطف الٰہی مقتضی ہوتا ہے کہ امور مہتم کی لوگوں کو اطلاع دی جائے اہم اور ضروری امر کی ان کو تکلیف دی جائے اور اس لطف الٰہی کی تکمیل جب ہی ہوتی ہے کہ ہر چیز کی مقادیر اور احکام نوعی مقرر ہوں۔

باب ۷۷

اُمتِ محمدیہ ﷺ نے شریعت کو آنحضرت ﷺ سے کیسے اخذ کیا

معلوم کرو کہ آنحضرت سے شریعت دو طریقے سے اخذ کی گئی ہے ❶ ظاہر قول سے اس کو حاصل کیا اس میں ضروری ہے کہ اقوال نبوی نقل کیے جائیں خواہ بتواتر یا بلاتواتر متواتر کی نقل کبھی لفظاً ہوا کرتی ہے جیسے قرآن مجید اور چند احادیث مثلاً: **انکم سترون ربکم... الخ**۔ یقیناً تم اپنے رب کو دیکھو گے۔ اور کبھی تواتر معنوی ہوتا ہے۔ مثلاً طہارت‘ نماز‘ زکوۃ‘ روزہ‘ حج‘ بیوع‘ نکاح‘ غزوات کے اکثر احکام جن میں اسلامی فرقوں میں سے کسی فرقے نے اختلاف نہیں کیا اور غیر متواتر میں سے سب سے بلند درجہ مستفیض کا ہے۔ مستفیض اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی تین صحابہؓ یا زیادہ نے روایت کی ہو۔ اور پانچویں طبقہ تک برابر اس کے راوی بڑھتے رہے ہوں۔ اس قسم کی حدیثیں اکثر ہیں۔ اور مسائل فقہ کی ان پر بنیاد ہے مستفیض کے بعد اس حدیث کا درجہ ہے جس کی صحت اور حسن کا فیصلہ حفاظ اور اکابر محدثین کے بیان سے ہو گیا ہو ایسی حدیثوں کے بعد ان احادیث کا مرتبہ ہے جن میں محدثین نے اختلاف کیا ہو کسی نے ان کو قبول کیا لیکن اوروں نے ان کو قبول نہیں کیا۔ ایسی حدیثوں میں جو حدیثیں شواہد یا اکثر اہل علم کے اقوال سے یا عقل خالص سے مؤید ہوں۔ ان کا اتباع ضروری ہے ❷ طریقہ یہ ہے کہ احادیث کی دلالت اور راہنمائی سے احکام شریعت اخذ کیے جائیں‘ اس کی صورت یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ کو کوئی امر فرماتے ہوئے یا کرتے ہوئے دیکھا اور اس سے کوئی حکم کسی شئے واجب وغیرہ ہونے کا مستنبط کر لیا اور اس حکم کی لوگوں کو خبر کر دی اور کہہ دیا کہ فلاں شئے واجب ہے فلاں جائز ہے پھر تابعین نے ان احکام کو اسی طرح حاصل کیا اور تیسرے طبقہ کے لوگوں نے اپنے فتوؤں اور فیصلوں کو اسی کے موافق مدون کر کے خوب استحکام کر لیا اس قسم کے طریقہ میں حضرت علیؓ‘ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ بڑے پایہ کے ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ صحابہؓ سے ہر مسئلہ میں مشورہ و مناظرہ کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اس امر کا بالکل انکشاف ہو جایا کرتا تھا۔ اور یقینی امر معلوم ہو جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے فیصلوں کا تمام مشارق و مغارب میں اتباع کیا گیا۔ ابراہیم کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سے علم کے دس حصوں میں سے نو حصے مفقود ہو گئے اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ جب کسی راستہ پر چلتے تھے تو ہم اس کو آسان پاتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اکثر اوقات کسی سے مشورہ نہیں کرتے تھے اور ان کے فیصلے صرف کوفہ میں محدود تھے اور صرف چند لوگوں نے ان سے احکام کو اخذ کیا اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا قیام کوفہ میں تھا۔ اسی لیے صرف انہیں

اطراف میں لوگوں نے ان سے علم اخذ کیا اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے پہلے لوگوں کے زمانہ کے بعد خود اجتہاد کیا اور اکثر احکام میں اگلوں کی مخالفت کی اور ان کے اصحاب نے جو مکہ میں تھے ان کی پیروی کی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے جمہور اسلام کے مسلک کو اختیار نہیں کیا۔ ان چاروں صحابہؓ کے علاوہ اور لوگ احادیث کی دلالت اور رہبری سے واقف تھے لیکن رکن وشرط اور مستحب ومسنون میں ان کو امتیاز نہ تھا اور ایسے بہت کم تھے کہ مختلف احادیث اور دلائل کی حالت میں ان کا کوئی خاص قول ہوتا عبداللہ ابن عمر اور حضرت عائشہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اس درجہ کے قابل تھے کہ تابعین کے اکابر میں اسی روش کے لوگ مدینہ میں فقہائے سبعہ تھے خاصہ میں عبداللہ ابن مسیب اور مکہ میں عطا بن رباح اور کوفہ میں ابراہیم شریح اور امام شعبی اور بصرہ میں امام حسن بصری رحمہم اللہ اور ان دونوں طریقوں میں سے ہر ایک میں ایک شگاف ہے بغیر دوسرے کے وہ نہیں بھرتا ہے اور ایک طریقہ کو دوسرے کی حاجت ہے پہلے طریقہ یعنی نقل ظاہر میں یہ نقصان ہے کہ کبھی روایت بالمعنی ہوا کرتی ہے اور اس سے تغیر وتبدل ہو جاتا ہے اور معنی کے بدل جانے کا خوف ہوا کرتا ہے دوسرا نقصان یہ ہے کہ کسی خاص واقعہ میں کوئی حکم دیا جاتا ہے اور راوی اس کو حکم کلی سمجھتا ہے اور تیسرا نقصان یہ ہے کہ بعض احکام تاکیداً بیان کیے جاتے ہیں۔ تاکہ لوگ ان کا بخوبی اہتمام کریں اور راوی اس سے اس کا واجب ہونا یا حرام ہونا سمجھتا ہے اور واقع میں ایسا نہیں ہوا کرتا اس لیے جو خود فقیہ اور فہیم ہو اور خود اس موقعہ پر موجود ہو وہ قرائن سے واقعی حالت کو مستنبط کرلے گا۔ جیسے کہ حضرت زیدؓ نے مزارعہ کے متعلق اور پھل آنے سے پیشتر پھلوں کی خرید وفروخت کی نسبت کہا ہے کہ یہ نہی بطور مشورہ تھی اور دوسرے طریقہ یعنی اجتہادی حالت میں یہ نقصان ہے کہ اس طریقہ میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے قیاسوں کا مجموعہ شامل ہوا کرتا ہے اس میں یہ امور مندرج ہوتے ہیں جو انہوں نے کتاب وسنت سے مستنبط کیے ہوتے ہیں اور اجتہاد ہر حالت میں یہ ضرور نہیں ہے کہ درست ہی ہوا کرے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قیاس کرنے والے کو حدیث نہیں ملا کرتی یا اس طرح ملتی ہے کہ اس قسم کی حدیث حجت کے قابل نہیں ہوتی۔ اس لیے اس پر عمل نہیں کیا جاتا لیکن اس کے بعد کسی دوسرے صحابی سے پوری حالت منجلی ہو جاتی ہے۔ جیسے تیمم جنابت کے متعلق حضرت عمرؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول ہے اور اکثر ممتاز صحابہؓ نے صرف عقلی راہبری سے کسی مصلحت پر اتفاق کرلیا اسی کی نسبت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین** ۔حالانکہ یہ اتفاق اصول شریعت سے نہیں ہوا کرتا۔ اسی وجہ سے لغزشوں سے نجات پانے میں اسی شخص کو آسانی اور کامیابی ہوگی جو اخبار اور الفاظ حدیث میں تبحر اور کمال رکھتا ہو جب ایسی حالت ہے تو فقہ میں خوض کرنے والے کو ضروری ہے کہ دونوں مشربوں میں تبحر اور کمال پیدا کرے اور ملت اسلام میں تمام راستوں میں وہی عمدہ اور پسندیدہ ہے کہ جمہور روات اور علماء نے اس پر اتفاق کرلیا ہو اور دونوں طریقے اس میں جمع ہو گئے ہوں۔



باب ۷۸

کتبِ حدیث کے طبقوں کے بیان میں

معلوم کرنا چاہیے کہ ہمارے پاس آنحضرت ﷺ کی احادیث کے سوا کوئی ذریعہ شریعت اور احکام شریعت کے معلوم کرنے کا نہیں ہے مصلحتوں کو تو تجربہ اور غور کامل اور حدث وغیرہ سے بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ اور احادیث کا علم جب ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ روائتیں بہم پہنچیں جن کی سند آنحضرت ﷺ تک پہنچتی ہے خواہ وہ حدیثیں آپؐ کے بیان سے حاصل ہوں یا موقوف احادیث ہوں کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے ان کی روایت کی ہو۔ ان سے یہ امر مستبعد ہے کہ بغیر نص اور اشارہ شارع کے ان احادیث کے قطعی ہونے پر اقدام کریں۔ اس قسم کی روایت بھی آنحضرت ﷺ سے ضمناً ماخوذ ہوا کرتی ہے اور ہمارے زمانہ میں اس قسم کی روایتوں کے حاصل ہونے کا کوئی ذریعہ بجز اس کے نہیں ہے کہ جو کتابیں علم حدیث میں مدون کی گئی ہیں تلاش کی جائیں اس لیے کہ فی زمانہ ایسی غیر مدون روائتیں نہیں پائی جاتیں کہ اعتماد کے قابل ہوں۔

کتبِ حدیث کے طبقے و درجے مختلف ہیں۔ ان طبقوں کا معلوم کرنا اور لحاظ کرنا ضروری ہے۔ صحت وشہرت کے لحاظ سے کتب حدیث کے چار طبقے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حدیث کی قسمیں تین ہیں۔ اوّل وہ حدیثیں جن کا تواتر سے ثبوت ہے۔ امت محمدیہ نے بالاتفاق ان کو قبول کر لیا ہے اور ان پر عمل کیا ہے اس کے بعد دوسری قسم کی وہ ہیں جو چند طریقوں سے ثابت ہوئی ہیں اور کوئی معتد بہ شبہ ان کے ثبوت میں نہ رہا ہو اور مختلف بلاد کے جمہور فقہا نے ان پر عمل کیا ہو خصوصاً علمائے حرمین نے ان میں اختلاف نہ کیا ہو۔ قرونِ اولیٰ میں خلفائے راشدین نے حرمین میں قیام کیا تھا اور درجہ بدرجہ علماء وہاں کا سفر کرتے رہے ہیں اس لیے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ علمائے حرمین ظاہری خطا کو تسلیم کر سکیں اور مستفیض کی ہی قسم یہ بھی ہے کہ کوئی قول مشہور ہو گیا ہو بلاد اسلام کے تیسرے حصہ میں اس پر عمل کیا گیا ہو اور صحابہؓ و تابعین کی بڑی جماعت نے اس کی روایت کی ہو اور تیسری قسم وہ ہے جو صحیح ہوں ان کی اسناد حسن ہو علمائے حدیث نے ان کی شہادت دی ہو اور ایسے متروک القول نہ ہوں کہ امت محمدیہ سے کسی نے اس کو اختیار نہ کیا ہو۔ لیکن جو حدیثیں کہ ضعیف یا موضوع یا منقطع یا مقلوب الاسناد یا مقلوب المتن یا مجہول لوگوں نے اس کی روایت کی ہو۔ یا اس قول کے مخالف ہوں۔ جو بالاتفاق سلف کے ہر طبقہ میں ثابت ہو گیا ہے۔ پس ایسی حدیثوں کا قائل ہونا ممکن نہیں۔ کتب حدیث کے صحیح ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مؤلف کتاب نے اپنے اوپر اس بات کا التزام کر لیا ہو کہ وہی حدیثیں درج کروں گا جو صحیح یا حسن ہوں گی کسی طرح ان میں تغیر وتبدل نہ ہوا ہو اور نہ وہ قبیلہ شاذ سے ہوں اور ضعیف کا اس طرح پر ذکر کرنا اس کا ضعیف بیان کر دیا جائے تو کتاب میں موجب اعتراض نہیں ہے اور کتب حدیث کی شہرت کے یہ معنی ہیں کہ جو حدیثیں ان میں مندرج ہیں وہ کتابوں کے مدون ہونے سے پہلے اور بعد محدثین کی زبان پر دائر و سائر ہوں۔ مؤلف سے پہلے ہی آئمہ حدیث نے مختلف طرق سے ان کی روایت کی ہو اور اپنے مسندوں و مجموعوں میں ان کو بیان کیا ہو۔ مؤلف کے بعد اس کی روایت کرنے اور محفوظ رکھنے کی طرف توجہ کی ہو اس کا

اشکال دور کردیا ہو یا حدیث غریب کی شرح کردی ہو اس کا اعراب بیان کیا ہو اس کے طرق بیان کیے ہوں۔ مسئلہ فقہی اس سے مستنبط کیا ہو۔ ہر درجہ و مرتبہ میں ہمارے زمانہ تک اس کے راویوں کے حالات کا سراغ لگایا گیا ہو یہاں تک کہ کوئی چیز جو حدیث سے تعلق رکھتی ہے ایسی باقی نہ رہے جس پر پورا غور کرلیا ہو۔ الا ماشاء اللہ. نقادانِ حدیث مصنف سے پیشتر اور اس کے بعد اس کے اقوال سے موافقت کرتے رہے ہوں ان کی صحت کو ثابت کرتے رہے ہوں۔ مصنف کی رائے کی تصدیق کریں اور اس کی کتاب کی ثنا خوانی کی ہو۔ آئمہ فقہ نے ان اقوال سے مسائل کو مستنبط کیا ہو۔ ان پر اعتماد کیا ہو۔ عام لوگوں کو ان اقوال سے عقیدت ہو ان کے دل میں ان کی عظمت ہو۔

حاصل یہ ہے کہ جب کسی کتاب میں یہ دونوں اوصاف جمع ہوں وہ طبقہ اولیٰ کی سمجھی جائیں گی۔ ان اوصاف میں جتنا امتیاز ہوگا اتنی ہی فوقیت ہوگی اور اگر دونوں اوصاف بالکل مفقود ہوں گے اتنی ہی پایہ اعتبار سے ساقط ہوگی۔ جو کتاب طبقہ اولیٰ میں اعلیٰ درجہ کی ہوگی وہ تواتر کی حد تک پہنچ جاتی ہے اور اس سے ادنیٰ درجہ کی مستفیض کے مرتبہ تک پہنچتی ہے اور اس کے بعد وہ ہے جو قطعی صحت کے قریب ہو اور قطعی ہونے سے مقصود وہ حد ہے جو علم حدیث میں معتبر ہے کہ مفید عمل ہو جائے اور جو احادیث دوسرے طبقہ کی ہوتی ہیں ان میں سب سے بلند مستفیض کے قریب ہے اور اس کے بعد جو قطعی صحت کے قریب ہو اور اس کے بعد جو مفید ظن ہو۔ **وھکذا ینزل الامر.**

استقراء اور تلاش سے طبقہ اولیٰ کی صرف تین کتابیں ہیں ① موطا ② صحیح بخاری ③ صحیح مسلم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعد کلام اللہ کے سب کتابوں میں زیادہ صحیح امام مالک کی مؤطا ہے۔ اہل حدیث کا اتفاق ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین کی رائے کے موافق مؤطا کی تمام حدیثیں صحیح ہیں اور دیگر محدثین کی رائے میں اس میں کوئی حدیث مرسل اور منقطع ایسی نہیں ہے کہ دیگر طرق سے اس کی سند متصل نہ ہوئی ہو اس وجہ سے اس کی تمام حدیثیں صحیح ہی ہیں۔ امام مالکؒ کے زمانہ میں اکثر مؤطائیں تصنیف کی گئیں۔ جن میں موطائے مالک کی تخریج کی گئی اور اس کی منقطع احادیث کا متصل ہونا ثابت کیا گیا۔ مثلاً ابن ابی ذیب، ابن عیینہ، ثوری، معمر وغیرہم کی کتابیں، جن کے اساتذہ اور امام مالکؒ کے اساتذہ مشترک تھے امام مالکؒ سے بلاواسطہ ایک ہزار لوگوں سے زیادہ نے مؤطا کی روایت کی ہے دور دراز ملکوں سے سفر کر کے لوگوں نے مؤطا کو امام مالکؒ سے اخذ کیا۔ جیسے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کا ذکر کیا تھا۔ امام مالکؒ کے شاگردوں میں سے بعض ایسے لوگ تھے جن کی فقاہت مشہور و اعلیٰ درجہ کی تھی۔ جیسے امام شافعیؒ اور محمد بن حسن اور ابن وہب اور ابن قاسم اور بعض بڑے متبحر و محدثین تھے۔ جیسے یحیٰی بن سعید قطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی اور عبدالرزاق اور بعض ان کے شاگرد امراء و سلاطین تھے۔ جیسے رشید اور ان کے دونوں بیٹے مؤطا کی شہرت امام مالکؒ ہی کے زمانہ میں تمام اسلامی ممالک میں منتشر ہوگئی تھی اس کے بعد جتنا زمانہ گزرتا گیا اسی قدر اس کی شہرت بڑھتی گئی اور اس کی طرف توجہ زیادہ ہوتی گئی شہروں کے فقہا نے اپنے مذاہب کی بنیاد اسی پر قائم کی۔ بعض مسائل میں اہل عراق نے بھی اس کو مبنیٰ قرار دیا اور علماء برابر اس کی حدیثوں کی تخریج کرتے رہے اور اس کے شواہد و توابع کو بیان کرتے رہے۔ اس میں سے غریب حدیث کی شرح اور مشکل کا انضباط کرتے تھے اس کے مسائل میں مباحثہ کرتے تھے اور اس کے راویوں کی تحقیق اور ان امور میں لوگوں نے یہاں تک

غور کیا کہ اس کے بعد کوئی مرتبہ غور کا باقی نہیں رہا۔ اگر تجھ کو صاف حق کرنا منظور ہے تو کتاب مؤطا کا امام محمد کی کتاب الآثار اور امام ابو یوسف کی کتاب آمالی سے موازنہ کرلو۔ مؤطا میں اور ان دونوں کتابوں میں بعد المشرقین نظر آئے گا تم نے کسی محدث یا فقیہ کو سنا ہے کہ ان دونوں کی طرف توجہ کی ہو۔

صحیحین پر تمام محدثین نے اتفاق کیا ہے کہ صحیحین میں جتنی حدیثیں متصل مرفوع ہیں وہ سب یقیناً صحیح ہیں ان دونوں کتابوں کا ثبوت مصنفین تک بالتواتر ہے اور جو ان کی حالت کو نگاہ عظمت سے نہ دیکھے وہ مبتدع ہے اور مسلمانوں کے راستہ سے خلاف پیروی کرنے والا ہے اگر تم صحیحین کا ابن ابی شیبہ اور طحاوی کی کتابوں اور خوارزمی وغیرہ کے مسندوں سے مقابلہ کرو گے تو ان میں بعد المشرقین پاؤ گے اور حاکم نے صحیحین کی احادیث پر ان دونوں کی شرط کے موافق دیگر حدیثوں کا اضافہ کیا ہے۔ جن کو شیخین نے ذکر نہیں کیا تھا۔ میں نے ان کو تتبع کیا ہے۔ ایک وجہ سے وہ درست ہیں حاکم نے ایسی حدیثیں دریافت کیں جو شیخین کے اساتذہ سے مروی تھیں اور صحیحین کی شروط یعنی حدیث کا صحیح اور متصل ہونا ان میں پایا جاتا تھا۔ اس لیے حاکم کا اس قسم کا اضافہ مقبول ہے لیکن شیخین صرف وہی حدیث بیان کرتے ہیں جن میں ان کے اساتذہ نے خوب غور کرلیا تھا اور ان کے بیان کرنے اور صحت پر ان کا اتفاق ہوگیا تھا جیسے مسلم نے اشارہ کیا ہے کہ میں یہاں صرف وہی حدیثیں بیان کروں گا۔ جن پر سب اساتذہ کا اتفاق ہے اور مستدرک حاکم میں جو احادیث صحیحین سے جیسا بیان کی گئیں ہیں وہ سب مستور الحال ہیں۔ صحیحین کے اساتذہ کے زمانہ میں وہ مخفی حالت میں تھیں اگرچہ ان کے زمانہ کے بعد ان حدیثوں کی شہرت ہوگئی تھی۔ اور جو حدیثیں ایسی ہیں کہ محدثین نے ان کے راویوں میں اختلاف کیا ہے ان میں شیخین اپنے اساتذہ کے طریقہ پر حدیثوں کے موصول اور منقطع ہونے میں اتنا غور کیا کرتے تھے کہ اصلی حالت کا بالکل انکشاف ہوجایا کرتا تھا اور حاکم نے اکثر موقعوں میں انہیں قواعد پر اعتماد کیا ہے جو شیخین کے اصول سے مستنبط کیے گئے ہیں۔ جیسے کہ حاکم کا قول ہے۔ ثقہ راویوں کا زیادہ ہونا باعث قبولیت ہے اور جب حدیث کے موصول و مرسل ہونے یا موقوف اور مرفوع ہونے وغیرہ میں علماء کا اختلاف ہو تو جو شخص زیادہ حافظ ہوگا اس کے مقابلہ میں جو حافظ نہیں ہے اس کا زیادہ غلبہ ہوگا حالانکہ حق یہ ہے کہ حفاظ سے موقوف اور منقطع کے موصول کرنے میں خرابی ہوجایا کرتی ہے۔ خاص کر جب حفاظ کو متصل مرفوع کی طرف زیادہ میلان و اہتمام ہوا کرتا ہے اسی لیے شیخین اکثر ان احادیث کے قائل نہیں ہیں جن کے حاکم قائل ہیں ان تینوں کتابوں کی طرف قاضی عیاض نے کتاب مشارق میں زیادہ توجہ کی ہے ان کی مشکلات کا زیادہ انضباط کیا ہے ان کے ردوبدل کو دور کردیا ہے۔

دوسرے طبقہ کی کتابیں مؤطا اور صحیحین کے درجہ تک نہیں پہنچی ہیں لیکن ان کے قریب قریب ہیں ان کے مصنف ثقاہت اور عدالت و حفظ میں مشہور و معروف تھے۔ فنون حدیث میں متبحر تھے انہوں نے اپنی اس درجہ کی کتابوں میں ان کو بہ نظر قبول دیکھا محدثین فقہا نے ان کی طرف درجہ بدرجہ توجہ کی لوگوں میں کتابیں مشہور ہوگئیں لوگوں نے ان کے غریب امور کی شرح کی ان کے راویوں کی تفتیش کی۔ فقہی مسائل کو مستنبط کیا عام علوم کی بنا انہی احادیث پر ہے۔ اس طبقہ میں سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی اور نسائی ہیں اور رزین نے تجرید صحاح اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں ان احادیث کا خاص اہتمام کیا ہے۔ غالباً مسند احمد بھی اس درجہ کی ہے۔ امام احمد نے اس کو گویا ایک معیار قرار دیا ہے اس سے صحیح و سقیم کی شناخت بھی ہوسکتی ہے اور فرمایا ہے جو حدیث اس میں نہیں

ہے اس کو قبول مت کرو۔

تیسرے طبقہ میں وہ مسندیں اور جوامع اور تصنیفات داخل ہیں جو بخاری و مسلم سے پہلے یا ان کے زمانہ میں یا ان کے بعد تصنیف کی گئی ہیں اور ان میں صحیح اور حسن اور ضعیف و معروف اور غریب و شاذ اور منکر و خطا اور صواب اور ثابت وغیرہ ہر قسم کی حدیثیں شامل ہیں اور اگر چہ ان میں جہالت محض نہیں ہے تاہم ان کے علماء کی چنداں شہرت بھی نہیں ہوئی ان احادیث کا جو ان کتابوں میں منفرد ہیں فقہانے کچھ زیادہ استعمال نہیں کیا اور محدثین نے ان کی صحت و سقم سے زیادہ بحث نہیں کی۔ اور اس میں بعض کتابیں ایسی ہیں کہ کسی اہل لغت نے ان کی غرابت کو نہیں دُور کیا اور کسی فقیہہ نے سلف کے مذاہب پر ان کو منطبق نہیں کیا اور کسی محدث نے اس کا اشکال دور نہیں کیا اور کسی مؤرخ نے اسماء الرجال کو بیان نہیں کیا۔ میرا کلام اُن آئمہ حدیث میں ہے جو زمانہ سلف میں تھے وہ متاخرین مراد نہیں ہیں جن کی نظر میں زیادہ تعلق ہے انہیں وجوہ سے یہ کتابیں خفاء اور گمنامی کی حالت میں باقی رہیں۔ اس طبقہ میں مسند ابو علی اور مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ اور مسند عبد بن حمید اور طیالسی اور بیہقی اور طحاوی اور طبرانی کی کتابیں ہیں ان لوگوں کا یہ قصد تھا کہ جو پائیں جمع کردیں۔ یہ غرض نہ تھی کہ خلاصہ کر کے مہذب صورت میں بیان کر کے عمل کرنے کے قابل بنائیں۔

چوتھے طبقہ میں وہ کتابیں ہیں کہ صدیوں سے ان کے مصنفین نے قصد کیا کہ جو احادیث طبقہ اولیٰ اور طبقہ دوم کی کتابوں میں جمع نہیں ہیں اور وہ ایسے مجموعوں اور مسندوں میں جمع تھیں۔ جن کی شہرت نہ ہوئی تھی۔ ان مصنفین نے ان احادیث کی وقعت کی وہ ایسے لوگوں کے زبان زد تھیں کہ محدثین نے اپنی کتابوں میں ان کو جمع نہیں کیا تھا۔ جیسے اکثر واعظ مبالغہ آمیز باتیں کیا کرتے ہیں یا وہ حدیثیں کہ اہل ہوا اور ضعیف راویوں سے مروی تھیں یا صحابہ و تابعین کے وہ آثار تھے یا اسرائیلیات کے قبیلہ سے تھیں یا حکما اور واعظوں کے مقولے تھے۔ جن کو راویوں نے آنحضرت ﷺ کی حدیث سے سہواً یا عمداً خلط ملط کر دیا تھا یا قرآن و حدیث کے احتمالات تھے جن کو نیک لوگوں نے کہ جو روایت کے غوامض سے واقف نہیں ہوتے بالمعنی روایت کیا تھا اور ان معانی کو احادیث مرفوعہ کر دیا تھا یا بعض معانی کتاب و سنت کے اشارات سے مفہوم ہوتے تھے۔ ایسے معانی کو عمداً مستقل حدیث سمجھ لیا تھا۔ یا چند احادیث میں چند مختلف جملے وارد ہوئے تھے ان کو ترتیب دے کر ایک حدیث بنا لیا۔ ایسی حدیث کا ظن غالب یہ کتابیں ہیں۔ ابن حبان اور کامل ابن کی کتاب الضعفاء اور ابونعیم اور جوزقانی اور ابن عساکر اور ابن نجار اور دیلمی کی اور مسند خوارزمی بھی اسی پایہ کی معلوم ہوتی ہیں۔ اس چوتھے طبقہ میں زیادہ درست وہ کتابیں ہیں جن میں ضعیف و محتمل حدیثیں ہیں اور سب سے بدتر وہ ہیں جن میں موضوع حدیثیں ہیں یا جہالت و نکارت ان میں زیادہ ہے۔ ابن جوزی کی کتاب الموضوعات اس طبقہ کا ذخیرہ ہے۔

پانچویں طبقہ میں وہ کتابیں ہیں کہ فقہاء اور صوفیاء اور مؤرخین وغیرہ کی زبانوں پر ان کی شہرت ہے اور ان چاروں طبقوں میں ان کی کچھ اصل نہیں معلوم ہوتی۔ تو ان میں سے بعض ایسی بھی ہیں کہ جن لوگوں نے مصنوع کر لیا ہے جو بد دین تھے لیکن زبان عربی میں خوب ماہر تھے انہوں نے ان احادیث کی اسناد بلیغ لفظوں میں بیان کی اس لیے ان میں جرح نہیں ہو سکتی تھی اور آنحضرت ﷺ سے ان کا وارد ہونا مستبعد نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ان لوگوں نے اسلام میں ایک سخت مصیبت کو پھیلا دیا۔ لیکن کبرائے حدیث ایسی حدیثوں کو شواہد حدیث پر پیش کرتے ہیں۔ اس وقت ان کی پردہ دری ہوتی ہے اور عیب ظاہر ہوتا ہے اور محدثین کا اعتبار طبقۂ اولیٰ

اور طبقہ دوم کی حدیثوں پر ہے انہیں سے ہمیشہ ان کی وابستگی رہی ہے اور تیسرے طبقہ کی حدیثوں پر عمل کرنا اور ان کا قائل ہونا انہیں متبحر محققین کا کام ہے جو اسماء الرجال کو محفوظ رکھتے ہیں اور حدیث کی علتوں سے خوب واقف ہیں اس طبقہ کی حدیثوں سے اکثر شواہد وغیرہ ماخوذ ہوا کرتے ہیں۔ ﴿لَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْئٍ قَدْرًا﴾ اور چوتھے طبقہ کی حدیثوں کو توجہ سے جمع کرنا اور ان سے احکام کا منضبط کرنا علماء متاخرین کی طرف سے ایک قسم کا تعمق ہوا کرتا ہے اور مبدعین کے گروہ رافضی اور معتزلہ وغیرہ ادنیٰ توجہ سے ان حدیثوں سے اپنے شواہد مذہب کو ملخص کر سکتے ہیں۔ لیکن علماء حدیث کے معرکوں میں ان کے ذریعہ سے فتح نہیں پا سکتے۔ واللہ اعلم

باب ۷۹

اس بیان میں کہ کلام سے مقصود کیسے سمجھ میں آیا کرتا ہے

معلوم کرو کہ دلی مقصود کو جب متکلم بیان کرتا ہے اور سامع اس سے مطلب سمجھتا ہے تو اس کے بالحاظ وضوح اور خفا کے کئی درجے ہوا کرتے ہیں۔ سب سے اعلیٰ درجہ وضوح کا یہ ہے کہ موضوع لہٗ معین کے لیے صریح طور پر حکم ثابت کیا گیا ہو اور اسی کے بتانے اور سمجھانے کو وہ کلام بولا گیا ہو۔ اور کسی دوسرے معنی کا اس میں احتمال نہ ہو سکے اور اس کے قریب اس کا درجہ ہے کہ جس میں ان تین قیدوں میں سے کوئی قید نہ پائی جائے بلکہ اس میں حکم کا ثبوت کسی عام عنوان کے لیے ہو جو چند مسمیات اور معانی کو شمولاً یا بدلاً شامل ہو، جیسے الناس اور مسلمون اور قوم و رجال اور اسماء اشارہ جب ان کا صلہ عام ہو یا کوئی موصوف جس کی صفت عام یا وہ لفظ جو لائے جنس سے نفی کیا گیا ہو۔ اس قسم کا ثبوت کامل اس واسطے نہیں ہوا کرتا کہ اکثر عام معنی میں خصوصیت بھی پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ یا خاص اس فائدہ پہنچانے کے لیے وہ کلام نہ لایا گیا ہو بلکہ اس موقع سے وہ فائدہ لازمی طور پر معلوم ہو گیا ہو جیسے جاءنی زید الفاضل سے زید کا فضل اور یا زیدن الفقیر سے زید کا فقر ضمناً اور لزوماً معلوم ہو جایا کرتا ہے یا اس لفظ میں کسی دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو۔ مثلاً لفظ مشترک یا وہ لفظ جس کے حقیقی معنی بھی استعمال میں آتے ہوں اور اس کے مجازی معنی بھی متعارف ہوں یا وہ الفاظ جن کا علم مثال اور تقسیم کے لحاظ سے ہوا کرتا ہے لیکن وہ کسی تعریف جامع اور مانع سے معلوم نہیں ہوا کرتے۔ مثلاً سفر اس کی مثالوں میں سے ایک یہ ہے کہ مدینہ سے نکل کر کوئی شخص مکہ کا قصد کرے اور یہ امر معلوم ہے کہ بعض حرکتیں سیر کے واسطے بھی ہوا کرتی ہیں اور کبھی ضرورت کے لیے حرکت ہوا کرتی ہے کہ اسی روز اپنے مکان کو واپس آ جایا کرتے ہیں اور کبھی حرکت چلنے کی غرض سے ہوتی ہے اور دوسرے معنی کا احتمال اس طرح پر ہوا کرتا ہے کہ ایک لفظ میں دو چیزوں کا احتمال ہو جیسے اسم اشارہ یا ضمیر۔ جب مختلف قرائن سے مرجع کی وجہ سے اس میں تعارض ہو گیا ہو۔ یا کسی صلہ کا مصداق دو چیزیں ہو سکتی ہوں اور اس کے قریب اس مفہوم کا درجہ ہے کہ بغیر ذریعہ کلام و لفظ کے کسی عبارت سے وہ امر مفہوم ہو سکتا ہے ایسے طریقے بڑے بڑے تین ہیں ① فحوائے کلام یعنی کلام سے ایک وہ امر معلوم ہو جائے جس کا عبارت میں کچھ ذکر نہ کیا گیا ہو۔ اور اس امر کا ثبوت ان معنی سے ہو جائے جن کی وجہ سے وہ حکم ذکر کیا گیا ہے۔ جیسے **لاتقل لهما اف** سے والدین کے مارنے کی حرمت بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے۔ اور جیسے کہا جائے کہ جو شخص رمضان

کوکچھ دن میں کھالے تو اس پر قضا واجب ہے اور صرف کھانے کی صورت اس واسطے ذکر کی گئی کہ یہ صورت ذہن میں جلد آ جایا کرتی ہے ② اقتضاء اس سے معنی اس طرح سمجھ میں آیا کرتے ہیں کہ عادۃً یا عقلاً یا شرعاً اس لفظ کو وہ معنی لازم ہوا کرتے ہیں جن کے لیے وہ لفظ استعمال کیا گیا ہے مثلاً اعتقت اور بعت کا مقتضا یہ ہے کہ پہلے اس شئے کا وہ مالک ہو چکا ہو اور مشی کا مقتضا یہی ہے کہ پاؤں سالم ہوں اور صلیٰ کا مقتضا یہ ہے کہ اس کو طہارت حاصل ہو ③ ایماء مقصود کو ایسی عبارت میں ادا کیا کرتے ہیں۔ جو مناسب اعتبارات کی وجہ سے مذکور ہوا کرتی ہے اس سے بلغاء کا قصد ہوا کرتا ہے کہ عبارت اس اعتبار مناسب کے مطابق لائی جائے۔ جو اصل مقصود پر زائد ہو اس واسطے اس کلام سے جو اعتبار اس کے مناسب ہوگا وہ مفہوم ہوگا مثلاً جب کسی شئے کو وصف یا کسی شرط سے مقید کریں تو اس سے معلوم ہوگا کہ اگر یہ وصف اور شرط نہ پائے جائیں گے تو یہ حکم بھی نہ ہوگا لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ وہ موقع ایسا ہو کہ سوال کے ہم شکل کلام کو ذکر کرنا یا اس صورت کا ذکر کرنا مبادر الی الذہن ہو۔ مقصود نہ ہو اور نہ اس سے یہ غرض ہو کہ حکم کا فائدہ بیان کیا جائے اور ایسے ہی استثناء اور بیان غائت اور بیان عدد کا حال ہے اور ایماء کے اعتبار کرنے میں یہ شرط ہے کہ اہل زبان کے عرف میں اس ایماء کی وجہ سے کلام میں تناقض ہو جایا کرتا ہو مثلاً جب کہا جائے گا۔ **علی عشرة الاشیئ انما علی واحد** .اور جو امور ایسے ہیں کہ ان سے وہی لوگ واقف ہو سکتے ہیں جو علم معانی میں بخوبی خوض کر سکتے ہیں۔ ان کا کچھ لحاظ نہیں ہے اس کے بعد ان مطالب کا درجہ ہے جن کی راہبری مضمون کلام سے ہوا کرتی ہے اس کے بھی تین بڑے حصے ہیں ❶ عموم میں کسی شئے کو مندرج کرنا جیسے بھڑیا ذی ناب ہوا کرتا ہے اور تمام ذی ناب چیزیں حرام ہوا کرتی ہیں۔ اس کا بیان قیاس اقترانی سے ہوتا ہے اس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ثواب کے باب میں مجھ پر صرف ایک یہی آیت جامع نازل کی گئی ہے۔ اب جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا وہ اس کی جزا دیکھے گا۔ اور جو ذرہ برابر بھی برائی کرے گا وہ اس کی جزا دیکھے گا۔ اور اسی بناء پر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے استدلال کیا تھا۔ اللہ کے قول **فبهداهم اقتده** .اور اس قول خداوندی سے **وظن داؤد انما فتنة فاستغفر ربه وخر راكعا و اناب** .عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا تھا کہ تمہارے پیغمبر مامور تھے کہ ان کی پیروی کریں اور ایک استدلال ملازمت یا منافات کی وجہ سے ہوا کرتا ہے جیسے کہ اگر وتر واجب نہ ہوتے تو سواری پر اس کو ادا نہ کر سکتے لیکن ان کو سواری پر تو ادا کر سکتے ہیں اس استدلال کی صورت قیاس شرطی کی سی ہوا کرتی ہے۔ آیت **لو كان فيهما الهة الا الله لفسدتا**. میں بھی ایسا ہی استدلال ہے اور ایک صورت قیاس کی ہے یعنی کسی علت جامع اور مشترک میں ایک صورت کی دوسری صورت سے مشابہت اور مثال قائم کرنی۔ جیسے گیہوں کی طرح چنا بھی ربوی ہے یعنی اس میں بھی ربو ہوا کرتا ہے۔ ایسا ہی قیاس آنحضرت ﷺ کے اس قول میں ہے کہ اگر تیرے باپ پر قرضہ ہوتا تو تو اس کو ادا کرتا یا نہیں اور اگر کرتا تو اس کی جانب سے ادا ہوتا یا نہیں اس شخص نے کہا ہاں ادا ہو جاتا تب آپؐ نے فرمایا کہ پھر باپ کی طرف سے حج کرو۔ واللہ اعلم

باب ۸۰

اس بیان میں کہ قرآن وحدیث سے احکام شرعیہ کو کیسے سمجھا کرتے ہیں

جن لفظوں سے رضائے الٰہی اور اس کی ناخوشی کا ثبوت ہوا کرتا ہے وہ لفظ حب اور بغض، رحمت ولعنت، قرب وبعد ہیں اور ایسے ہی رضا اور عدم رضا ہیں۔ جیسے مؤمنین اور منافقین اور ملائکہ اور شیاطین اور اہل جنت اور اصحاب الجحیم اور اس سے بھی مفہوم ہوا کرتا ہے کہ کسی امر کو طلب کریں یا کسی امر کو منع کریں یا اس جزا کو بیان کریں جو کسی کام پر مرتب ہوا کرتی ہے یا کسی امر کو اس چیز سے تشبیہ دی جائے جو عرف میں محمود یا مذموم خیال کی جاتی ہے اور نیز اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ اس امر کے کرنے کا اہتمام فرمائیں یا باوجود ہونے دواعی کے اس سے اجتناب کریں۔

رہا رضائے الٰہی اور نارضامندی خداوندی کے درجات کو ممیز کرنا اور وجوب اور استحباب اور حرمت وکراہت کا اندازہ کرنا تو اس کے لیے بہت صاف صورت یہ ہوا کرتی ہے کہ اس کے مخالف کا حال بیان کیا جائے جیسے جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرے گا قیامت کے روز گنجے سانپ کی شکل اس کی ہوگی اور جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ومن لا فلا حرج** اور ان درجات کا اندازہ ایسے الفاظ سے بھی ہوتا ہے کہ کہا جائے فلاں چیز واجب ہے یا فلاں ناجائز ہے یا کوئی شئے اسلام یا کفر کے لیے رکن قرار دی جائے یا اس کی بجا آوری یا ترک پر نہایت شدت کی جائے یا اس کی نسبت کہا جائے یہ امر مروت سے نہیں ہے یا مناسب نہیں ہے یا صحابہ اور تابعین اس کا کوئی حکم معین کریں۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے سجدہ تلاوت کا واجب نہیں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ وتر واجب نہیں ہیں یا مقصود کی حالت دیکھی جائے کہ اس سے کس طاعت کی تکمیل ہوتی ہے یا کوئی گناہ کا ذریعہ اس سے رُک جاتا ہو یا اس عمل میں وقار اور حسن ادب کی شان معلوم ہوتی ہے۔

کسی فعل کی علت یا رکن یا شرط معلوم کرنا ہو تو ان امور کے لیے بہت صاف طریقہ یہ ہے کہ نص میں وہ وارد ہوا ہو جیسے ہر نشہ والی چیز حرام ہے **کل مسکر حرام** یا جیسے کوئی شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہ ہوگی **لاصلوۃ لمن لم یقراء بام الکتاب** اور بغیر وضو کے تم میں سے کسی کی نماز مقبول نہ ہوگی **لا تقبل صلوۃ احدکم حتی یتوضا** بذریعہ اشارہ اور ایماء کے اس کا اندازہ کیا جائے جیسے ایک شخص نے کہا تھا کہ رمضان میں میں اپنی بیوی سے ہمبستر ہوگیا۔ آپ نے فرمایا ایک بردہ آزاد کر۔ اور نماز کا نام قیام یا رکوع یا سجدہ رکھنا۔ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ امور نماز کے ارکان ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **فانی اوخلتھما طاھرتین** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موزہ پہننے کے وقت طہارت کا ہونا شرط ہے۔

اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک شئے کے ہونے سے کسی شئے کے ہونے کا یا نہ ہونے سے کسی شئے کا نہ ہونا ثابت کیا جایا کرتا ہے اس سے ذہن میں صاف جم جاتا ہے کہ فلاں شئے علت ہے یا رکن ہے یا شرط ہے جیسے کہ زبان عربی کی مشق کرتے کرتے اور قرائن کے موافق الفاظ عربی کا استعمال کرتے کرتے ایک فارسی نژاد شخص کے ذہن میں زبان عربی کے معانی موضوعہ متمکن ہو جایا کرتے ہیں۔

وانما میزانہ نفس تلک المعرفۃ جب ہم شارع کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ نماز میں رکوع کرتے ہیں۔ سجدہ کرتے

ہیں اور اپنے بدن سے ناپاکی کو دور کرتے ہیں اور ہر دفعہ ایسا ہی کرتے ہیں تو اصلی مقصود کا ہم کو یقین ہو جاتا ہے اگر تم کو حق معلوم کرنے کی خواہش ہے تو ہر جگہ ذاتی صفات معلوم کرنے کا مدار علیہ یہی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ لکڑیاں جمع کر کے ان سے ایسی چیز بنانا چاہتے ہیں جو نشست کے قابل ہو اور اس کا نام تخت رکھتے ہیں تو اس سے ہم کو تخت کے اوصاف ذاتی کا انتزاع آسان ہوتا ہے۔ اس کے بعد کسی مناسبت کے اعتماد پر علت حکم اور مدار علیہ حکم کا ان اوصاف کو خارج کرتا ہے۔

ان مقاصد کا معلوم کرنا جن پر احکام کی بنا ہوا کرتی ہے نہایت دقیق علم ہے اس علم میں وہی شخص خوض کیا کرتا ہے جس کا ذہن نہایت لطیف اور اس کا فہم نہایت درست ہو فقہائے صحابہ نے طاعتوں اور گناہوں کے اصول کو ان مشہور امور سے اخذ کر لیا تھا جن پر اس زمانہ کے فرقوں کا اتفاق ہو گیا تھا۔ مشرکین عرب، یہود نصاریٰ سب ان پر متفق تھے اس لیے صحابہ کو ان امور کی وجہ اور ان کے متعلق مباحث اور چھیڑ چھاڑ کی زیادہ ضرورت نہ تھی اور شریعت کے قوانین اور آسانی کے اصول اور استحکام دین کے طریقوں کو انہوں نے امر و نہی کے موقع دیکھ دیکھ کر حاصل کر لیا تھا۔ جیسے طبیب کے ہم نشین مدت کی میل جول اور مشاقی سے ان دواؤں کے فوائد معلوم کر لیتے ہیں جن کے استعمال کا وہ طبیب حکم کیا کرتا ہے صحابہ کو ان امور کے متعلق اعلیٰ درجہ کی واقفیت تھی۔ یہی واقفیت تھی جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی نسبت فرمایا تھا۔ جو نفل کو فرض سے ملا کر پڑھتا تھا کہ اسی سے وہ لوگ ہلاک ہوئے تھے جو تم سے پہلے تھے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب تیری رائے کو اللہ نے درست کر دیا ہے۔ ایسے ہی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی وجہ بیان کی کہ جمعہ کے روز غسل کرنے کا حکم کیوں دیا گیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین امر میں مجھ کو اللہ کے ساتھ موافقت ہوئی ہے اور منہی عنہ بیوع کی نسبت حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھلوں میں مختلف بیماریاں پیدا ہو جایا کرتی تھیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ اگر ان امور کو جو اب عورتوں نے نئے نئے ایجاد کر لیے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معلوم کرتے تو جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں ایسے ہی یہ عورتیں مسجدوں سے روک دی جاتیں۔ معانی شرعیہ کے معلوم کرنے کا صاف طریقہ یہ ہے جو قرآن وحدیث میں مصرح طور پر مذکور ہو جیسے فرمایا اللہ نے قصاص میں اے عقلمند و تمہاری زندگی ہے اور فرمایا اللہ نے معلوم کیا کہ تم اپنے نفسوں سے خیانت کرتے ہو۔ اس واسطے توبہ تمہاری قبول کر کے تم کو معاف کر دیا۔ اور فرمایا اب اللہ نے تم کو آسانی کر دی اور جان لیا کہ تمہارے اندر ضعف ہے اور فرمایا کہ اگر اس کو نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد ہو گا اور اللہ نے فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی راستہ سے بہک جائے تو ایک دوسرے کو یاد دلائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو معلوم نہیں ہے کہ اس کا ہاتھ کہاں سوتا رہا ہے اور فرمایا شیطان اس کی ناک پر شب گزرا ہا ان کے بعد ان معانی کا درجہ ہے جو ایما اور اشارہ سے معلوم ہوئے ہوں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لعنت کرنے والوں سے بچو۔ ان کے بعد ان کا درجہ ہے جن کو فقیہ صحابی بیان کرے اس کے بعد علت حکم کے خارج کرنے کا درجہ ہے تخریج اس طرح ہو کہ اس کی انتہا ایسے امر مقصود پر ہوتی ہے جس کا ملحوظ ہونا یا اس کے نظیر کا ملحوظ ہونا ظاہر ہو اور چونکہ مذہبی امور میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جس میں گزاف ہو تو اس واسطے ضروری ہے کہ مقادیر سے بحث کی جائے کہ ان کی نظائر کیوں معین نہیں کی گئیں۔ خاص خاص یہی مقادیر کیوں معین ہوئیں اور اس سے بحث ہو کہ حکم عام سے یہ امور کیوں خاص کیے گئے کیا اصلی مقصود اس عموم کا مفقود تھا یا کوئی مانع موجود تھا کہ تعارض کے وقت اس کو ترجیح دی گئی۔

باب ۸۱

مختلف حدیثوں میں فیصلے کے بیان میں

کلیہ یہ ہے کہ ہرایک حدیث پر عمل کرنا چاہیے۔ البتہ اگر تناقض کی وجہ سے سب حدیثوں پر عمل نہ کرسکتے ہوں تو بعض کو ترک کرنا چاہیے اور واقع میں کوئی اختلاف نہیں ہوا کرتا۔ ہماری نظر میں اختلاف معلوم ہوا کرتا ہے۔

جب دو حدیثیں مختلف ظاہر ہوں تو وہاں دیکھنا چاہیے اگر وہ اس قسم کی ہیں کہ ان میں آنحضرت ﷺ کا کوئی فعل نقل کیا گیا ہے۔ اگر ایک صحابی نے یہ نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کام کیا تھا اور دوسرے صحابی نے نقل کیا کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی دوسرا کام کیا تھا تو اس صورت میں ان حدیثوں میں تعارض نہیں ہوا اگر ایسی حدیثیں ان امور کے متعلق ہیں جو بطریق عادت کیے جاتے ہیں تو وہ دونوں مباح ہوں گی اور ایک میں عبادت کے آثار ہوں گے اور دوسری میں کوئی امر عبادت کا نہ ہوگا تو پہلی کو مستحب سمجھنا چاہیے اور دوسری کو جائز اور اگر دونوں حدیثوں کو عبادت سے تعلق ہوگا تو وہ دونوں امر مستحب یا واجب ہوں گے اور ہرایک کافی ہو جائے گا۔ حفاظِ صحابہؓ نے اکثر سنن میں ایسی ہی تصریح کی ہے مثلاً وتر میں گیارہ رکعتیں بھی وارد ہیں اور نو اور سات بھی۔ اور تہجد میں جہر بھی آیا ہے اور خفا بھی۔ اسی کے موافق رفع یدین میں بھی فیصلہ کرنا چاہیے کہ کانوں تک اٹھائے جائیں یا شانوں تک' اور ایسے ہی حضرت عمر اور عبداللہ ابن مسعود اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم کے تشہد میں بھی فیصلہ کرنا چاہیے اور ایسے ہی وتر میں ان کی ایک رکعت مستقل ہے یا تین رکعتیں ہیں اور صبح وشام اور تمام اسباب اور وقتوں میں یہی کیفیت ہے۔

اور اگر ایسی حدیثوں سے پیشتر کہ امر کا وجوب معلوم ہو چکا ہو تو ان کی وجہ سے جرح اور تنگی رفع کرنی مقصود ہوا کرتی ہے۔ مثلاً وہ اُمور جن کا کفارہ سے تعلق ہے یا لڑنے والے کے معاوضہ کا فیصلہ ایک قول کے موافق۔ یا ان احادیث میں کوئی مخفی علت ہوا کرتی ہے جس سے ایک وقت میں کسی کام کا وجوب معلوم ہوتا ہے اور دوسرے وقت میں ان کا مستحسن ہونا سمجھا جاتا ہے۔ یا ایک وقت میں کسی شئے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور دوسرے وقت میں اس میں رخصت معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا تفتیش کرنا ضروری ہوا کرتا ہے اور اگر ایک شئے میں اصالت کا اثر معلوم ہوتا ہو اور دوسری میں جرح کا لحاظ کیا گیا ہو تو ایک کو عزیمت قرار دیں گے اور دوسری کو رخصت اور اگر کوئی دلیل فسخ ظاہر ہو جائے تو نسخ کے قابل ہوں گی اور اگر ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا کوئی فعل بیان کیا گیا ہو اور دوسری حدیث سے کسی حدیث قولی کا رفع ثابت ہوتا ہو تو اگر اس قول سے تحریم یا وجوب کسی امر کا قطعی طور پر معلوم نہ ہوتا ہو یا رفع ہی قطعی نہ ہو تو دونوں کا احتمال ہو سکے گا۔ یعنی حکم اول کا بھی اور حکم دوم کا بھی اور اگر قول میں تحریم و وجوب کی قطعیت ہوگی تو اُس وقت میں کہا جائے گا کہ وہ فعل صرف آنحضرت ﷺ کے لیے خاص تھا یا دونوں فعل اور قول کی حالت تفتیش کرنے کے بعد نسخ کے قابل ہو جائیں گی اور اگر دونوں حدیثیں قولی دیکھیں گے کہ ان حدیثوں کی کیا حالت ہے اگر ایک حدیث سے کوئی معنی ظاہر معلوم ہوتے ہوں اور تاویل کرنے سے دوسرے معنی اس کے ہو سکتے ہوں اور تاویل بعید بھی نہ ہو تو یہ قرار دیں گے کہ ایک معنی دوسرے معنی

کے لیے بیان ہیں اور اگر تاویل بعید ہوگی تو یہ معنی تاویلی جب ہی لیے جائیں گے کہ کوئی قرینہ نہایت قوی ہو۔ یا کسی فقیہ صحابی سے یہ تاویل منقول ہو۔ مثلاً ایک ساعت کے متعلق جس میں قبولیت دعا کی امید ہوا کرتی ہے۔ عبداللہ بن سلام سے مروی ہے کہ وہ ساعت قبیل مغرب ہوا کرتی ہے۔ اس پر حضرت ابو ہریرہؓ نے اعتراض کیا کہ یہ نماز کا وقت ہی نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایسے وقت میں کوئی مسلمان کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھے۔ تب حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز کا انتظار کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے نماز پڑھنے والا یہ تاویل بعید ہے۔ اگر ایک فقیہ صحابی نے اس کو نقل کیا ہوتا۔ تو ایسی تاویلیں قابل تسلیم نہ ہوتیں۔

لیکن یہ اقوال ذیل کہ تم پر مردار حرام کیا گیا: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ یعنی مردار کا کھانا حرام کیا گیا۔ اور تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئیں یعنی ان سے نکاح کرنا حرام کیا گیا اور جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نظر کا لگنا حق ہے یعنی نظر کا اثر ہوا کرتا ہے اور رسول حق ہے یعنی رسول کی بعثت اللہ کی جانب سے بے شک ہوا کرتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت سے خطا اور نسیان دور کر دی گئی۔ یعنی جو کام خطا ونسیان سے کیا جائے اس کا گناہ نہیں ہوا کرتا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے بغیر طہارت کے نماز نہیں ہوتی اور بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوا کرتا۔ اور اعمال صرف نیتوں ہی سے ثابت ہوا کرتے ہیں۔ ان حدیثوں سے یہ مراد ہے کہ ان امور پر ان کے وہ اثر مرتبہ نہیں ہوا کرتے جو شارع نے قرار دیئے ہیں اور اللہ فرماتا ہے کہ جب نماز کو کھڑے ہوا کرو تو منہ وغیرہ دھویا کرو: اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا یعنی اسی صورت میں کہ تم کو وضو نہ ہوا کرے تو اس قسم کے سب اقوال ظاہر ہیں۔ ان میں کوئی امر تاویلی نہیں ہے اس لیے کہ اہل عرب ہر ایک لفظ کو اپنے اپنے مواقع کے جو امر مناسب ہوتا تھا اس سے وہی مراد لیا کرتے تھے یہ ان کی زبان کا مقتضا تھا اس میں کوئی امر ایسا نہ تھا جس سے وہ سمجھتے ہوں کہ ظاہری معنی سے عدول کیا گیا ہے۔

اور اگر دو حدیثوں میں دو قسم کے فعل مذکور ہوں اور وہ کسی مسئلہ کا جواب یا کسی واقع کے فیصلے کے متعلق ہوں تو اگر ان دونوں میں کوئی علت دونوں کو جدا کرنے والی موجود ہو تو اسی کے موافق فیصلہ کریں گے۔ مثلاً ایک شخص جوان نے روزہ دار کے بوسہ کا حکم دیا آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا آپؐ نے اس کو منع کر دیا اور ایک بوڑھے شخص نے دریافت کیا تو آپ نے اس کو جائز قرار دیا۔ اور اگر سیاق حدیث سے ضرورت کا ہونا یا سائل کا اصرار یا تکمیل امر کی طرف توجہ کا نہ ہونا یا کسی ایسے شخص کی حالت کا رد کرنا مقصود ہو جس نے اپنی ذات پر نہایت سختی کی ہو اور دوسری حدیث میں یہ امور سیاق سے ثابت نہ ہوں تو یہ کہیں گے کہ ایک میں عزیمت ہے اور دوسری میں رخصت اور اگر ان احادیث سے حالت ابتلاء میں گلو خلاصی کسی کی معلوم ہوتی ہو یا ان میں کسی جنایت کرنے والے کی عقوبتیں مذکور ہوں یا ان میں قسم توڑنے والے کے کفاروں کا ذکر ہو تو وہاں احتمال ہوگا کہ دونوں وجہیں صحیح قرار دی جائیں اور نسخ کا بھی احتمال ہوگا۔ اسی قاعدہ کے موافق استحاضہ والی عورت کا فتویٰ ہے کہ کبھی اس کو ہر ایک دو نمازوں کے لیے غسل کا حکم دیا گیا۔ اور کبھی یوم معتاد کے موافق حیض کی حالت میں رہنے کا یا ان ایام میں کہ خون کی زیادتی ظاہر ہو۔ یہ تقریر اس قول کے موافق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دونوں امر کا ایسی عورت کو اختیار دیا ہے اور عادت اور خون کا رنگ دونوں اس کے قابل ہیں کہ حیض کا احتمال پیدا کر سکیں اور یہی حکم ایک قول کے موافق روزہ اور اس شخص کی طرف سے کھانا کھلانے میں ہے جو مر گیا ہو اور اس کے ذمہ روزہ باقی ہو اور ایسے ہی ایک قول کے موافق ہے جس شخص کو نماز میں شک واقع ہوا ہو تو اس کا شک کس طرح رفع کیا جائے وہ ٹھیک رکعتوں کی

جانچ کرلے یا یقینی رکعتوں کو اختیار کرے اور یہی حکم نسب کے ثابت کرنے کا ہے اور قیافہ اور قرعہ میں بھی یہی حکم ہے ایک قول کے موافق۔

اور اگر احادیث میں نسخ ظاہر ہو تو نسخ کا قابل ہونا چاہیے اور نسخ کا علم کبھی رسول اللہ ﷺ کی تصریح فرمانے سے ہوا کرتا ہے جیسے آپؐ نے فرمایا ہے کہ میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کر دیا تھا لیکن اب ہوشیار ہو کہ قبروں کی زیارت کیا کرو اور کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حدیثوں کا حکم جمع نہ ہو سکتا ہو اور ایک حدیث دوسری حدیث کے بعد وارد ہوئی ہو اور جب شارع نے کوئی حکم شروع کیا ہو اور اس کی جگہ دوسرا کوئی اور مشروع کر دیا ہو اور پہلے حکم سے سکوت کیا ہو تو فقہائے صحابہؓ اس سے سمجھتے ہیں کہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور جب مختلف احادیث میں کسی صحابی نے فیصلہ کیا ہو کہ ایک حدیث دوسری کی ناسخ ہے تو اس سے بھی نسخ ظاہر ہو گئی۔ لیکن ایسا ثبوت قطعی نہ ہوگا اور فقہا کا ان احادیث کو منسوخ کہہ دینا جو ان کے عمل مشائخ کے خلاف ہوں قابل قناعت نہیں ہے اور امور منسوخہ میں علماء یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اصلی حکم میں تبدیلی ہو جایا کرتی ہے۔ حقیقت میں یہ تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ علت حکم کے ختم ہونے سے وہ حکم بھی ختم ہو جایا کرتا ہے یا اس علت میں مقصود اصلی کا احتمال باقی نہیں رہا کرتا۔ یا علت کے ظاہر ہونے سے کوئی امر مانع پیش آ جایا کرتا ہے یا رسول اللہ ﷺ کے وحی میں یا اپنے اجتہاد سے کسی دوسرے حکم کی ترجیح ظاہر ہو جایا کرتی ہے اس قسم کی ترجیح جب ہی ہوتی ہے کہ پہلا حکم اجتہادی ہو۔ حدیث معراج میں اللہ ارشاد فرماتا ہے میرے ہاں قول میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ۔ اور جب دو حدیثوں کا حکم ایک نہ ہو سکتا ہو اور تاویل کا بھی موقع نہ ہو۔ در منسوخیت حکم بھی معلوم نہ ہو تو ان احادیث میں تعارض ہوگا۔ اس صورت میں اگر ایک حدیث کی ترجیح ثابت ہو گی تو راجح کو اختیار کریں گے۔ ورنہ دونوں حدیثیں ساقط ہو جائیں گی۔ لیکن یہ اخیر صورت محض فرضی ہی ہے ایسی حدیثیں قریب قریب معدوم کے ہیں اور ترجیح کے وجوہ متعدد طور پر ہیں۔

کبھی حدیث کی سند میں رجحان کی قوت ہوا کرتی ہے اس طرح کہ اس حدیث کے راوی زیادہ ہوں یا اس کے راوی میں فقاہت ہو یا اس حدیث میں اتصال کی قوت ہو۔ یا اس میں بصراحت مرفوع ہونا بیان کیا گیا ہو یا راوی سے خود اس حدیث کا تعلق ہو کہ اس نے خود فتوی دریافت کیا ہو یا اس سے خطاب کیا گیا ہو یا اس فعل کو جو اس میں مذکور ہو وہ اپنے عمل میں لایا ہو۔ اور اس طرح بھی رجحان ہوتا ہے کہ حدیث کے متن میں کوئی وصف ہو کہ کسی امر کو بتاکید اس میں بیان کیا ہو یا مصرح طور پر ذکر کیا ہو یا حکم اور علت کی وجہ سے حدیث میں قوت آ جایا کرتی ہے کہ وہ حکم احکام شرعی کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہوا کرتا ہے اور اس علت کو ان احکام سے زیادہ تعلق ہوتا ہے اور خارجی لحاظ سے بھی حدیث میں زور بڑھ جاتا ہے کہ اکثر اہل علم نے اس کو متمسک بہ قرار دیا ہو۔

کسی صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم دیا تھا اور اس طرح منع کیا تھا اور آپؐ نے یوں فیصلہ کیا تھا اور اس طرح رخصت دی تھی اور اس کے بعد اس کا یہ قول کہ ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا اور فلاں امر سے ہم کو منع کیا گیا تھا۔ یا صحابی کا یہ کہنا کہ فلاں امر مسنون ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے ابو القاسم (آنحضرت ﷺ) کی مخالفت کی اور اس کے بعد اس صحابی کا یہ کہنا کہ یہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے تو اس سے بظاہر اس حکم کا مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے علت مدار علیہ حکم کے خیال کرنے میں اپنے اجتہاد کو دخل دیا ہو یا اس کا حکم خود متعین کیا ہو۔ کہ یہ امر واجب ہے یا مستحب عام ہے یا خاص اور صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت

ﷺ ایسا کیا کرتے تھے۔ ظاہراُاس سے کسی کام کا چند بار کرنا معلوم ہوتا ہے اور اگر اس فعل کے متعلق کسی دوسرے شخص نے بیان کیا کہ نہیں دوسرا فعل کیا کرتے تھے تو یہ اس اوّل کے کچھ منافی نہ ہوگا۔ اور صحابی کا یہ کہنا کہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہا اور میں نے آپ کو منع کرتے نہیں دیکھا یا یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں ایسا کیا کرتے تھے تو اس سے اس حکم کا ثبوت ظاہر طور پر ہے نہ بطریق نص کے۔

کبھی روایتوں اور طرق کے اختلاف سے احادیث کے الفاظ اور عبارات میں اختلاف ہوا کرتا ہے پس اگر کوئی حدیث وارد ہو۔ اور ثقات راویوں نے اس کے الفاظ میں کچھ اختلاف نہ کیا ہو تو یہ الفاظ بظاہر آنحضرت ﷺ کے ہی سمجھے جائیں گے اور اُن الفاظ کی تقدیم وتاخیر واوفی کے لحاظ سے استدلال کرنا ممکن ہوگا اور ایسے ہی اصل مقصود پر جن امور کا اضافہ ہوگا ان کا لحاظ رکھا جائے گا۔

اور اگر راویوں نے اختلاف کیا ہو اور تمام راوی فقاہت' حفظ' کثرت میں ہم مرتبہ ہوں تو پھر یہ امر ظاہر نہ رہ سکے گا کہ یہ الفاظ آنحضرت ﷺ کے ہیں اور ایسے ہی احادیث میں صرف اس معنی سے استدلال کرسکیں گے جس کو بالاتفاق سب نے بیان کیا ہو گا عام راویوں کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ صرف اصل معنی کا لحاظ کیا کرتے تھے۔ زوائد اور حواشی کا کچھ خیال نہیں کرتے تھے اور اگر ایسی حالت میں راویوں کے درجات مختلف ہوں گے تو جو ان میں ثقہ ہوگا اور اس قصہ اور واقعہ سے خوب واقف ہوگا اسی کو اختیار کریں گے اور اگر راوی ثقہ کے قول میں ضبط الفاظ کا اہتمام بھی زیادہ ہوگا۔ جیسے وہ کہے کہ وثب کا لفظ وارد ہوا ہے۔ قام کا اور **افاض علی جعلاء الماء** آیا ہے۔ نہ **اغتسل** تو اس کو بھی اختیار کریں گے اور اگر روایت حدیث میں راویوں نے بہت زیادہ اختلاف کیا ہو گا۔ آپ اور وہ سب رتبہ میں مساوی ہوں گے اور کوئی مرجح نہ ہوگا تو تمام خصوصیتیں مختلف فیہا لغو ہوں گی۔

اور حدیث مرسل قابل سند اور حجت جب ہوا کرتی ہے کہ کوئی اور قرینہ اس میں شامل ہو گیا ہو مثلاً کسی صحابی کی حدیث موقوف ہے اس میں قوت آ گئی ہو یا صحابی کی سند ضعیف نے یا کسی دوسرے راوی کی مرسل حدیث سے وہ قوی ہوگئی ہو۔ اور روات دونوں کے مختلف ہوں یا اکثر اہل علم کے اقوال یا قیاس صحیح یا نص کے ایما سے اس کی تائید ہوگئی ہو یا یہ معلوم ہوا ہو کہ یہ راوی عادل سے ہی حدیث کو بطریق ارسال بیان کرتا ہے اگر مرسل کی یہ حالت ہے تو قابل حجت ہے اگر مستند سے اس کا درجہ کم ہے ورنہ قابل حجت نہیں ہے۔

اور جس حدیث کو کوئی قاصر الضبط راوی یا مجہول الحال نقل کرے لیکن وہ متہم نہ ہو تو اگر اس کے ساتھ کوئی قرینہ بھی ہے مثلاً قیاس کے موافق ہو یا اکثر اہل علم کا اُس پر عمل ہو تو وہ قابل قبول ہوگی۔ ورنہ اُس کو قبول نہ کریں گے۔

اور اگر کوئی ثقہ راوی ایسا امر حدیث میں زائد کردے کہ اور راوی اس پر سکوت کرسکتے ہوں مثلاً حدیث مرسل کی اسناد بیان کر دے یا اسناد میں کسی راوی کو زیادہ کردے۔ یا حدیث کا شانِ نزول بیان کرے یا روایت اور اطناب کلام کا سبب بیان کرے یا کوئی مستقل جملہ ذکر کرے جس سے کلام کے معنی میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی ہو تو ایسی زیادتی مقبول ہے اور اگر اور راوی اس کی زیادتی پر سکوت نہ کرسکتے ہوں۔ مثلاً کوئی ایسی شئے زیادہ کردے جس سے معنی بدل جائیں یا کوئی ایسی نادر شئے زیادہ کردے جس کو عادت ذکر کیا ہی کرتے ہیں تو وہ زیادتی مقبول نہ ہوگی۔

اور جب کوئی صحابی حدیث کو کسی محمل پر حمل کرے تو اس میں اگر اجتہاد کو دخل ہو تو جب تک کوئی دلیل اس کے مخالف قائم ہو وہی عمل ظاہر خیال کیا جائے گا ورنہ قوی ہوگا جیسے کہ اس کا تعلق ان قرائن حالیہ یا مقالیہ سے ہو جس کو لغت کا واقف معلوم کر سکتا ہے۔

او آثار صحابہ اور تابعین میں اگر اختلاف واقع ہو تو مذکورہ بالا وجوہ سے اگر اتفاق پیدا ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ اس مسئلہ کے دو جواب یا چند خیال کیے جائیں گے اس کے بعد دیکھنا چاہیے کہ کون ساز یادہ بہتر ہے اور مذاہب صحابہ کا ماخذ معلوم کرنا ایک مخفی علم ہے اس کے معلوم کرنے میں خوب کوشش کرنی چاہیے بڑا فائدہ حاصل ہوگا۔ واللہ اعلم

باب ۸۲

اُن اسباب کے بیان میں کہ صحابہ اور تابعین کے فروع میں کیسے اختلاف کیا

معلوم کرنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں فقہ کے احکام جمع نہیں ہوئے تھے۔ اور جیسے فی زمانا فقہاء ہر مسئلہ میں بحثیں کرتے ہیں ایسے مباحث بھی نہ تھے۔ فقہا نہایت کوشش سے ارکان وشروط ہر شئے کے آداب دوسرے سے جدا جدا مع دلائل کے بیان کرتے ہیں۔ نئی نئی صورتیں فرض کرتے ہیں اور ان صور مفروضہ میں گفتگوئیں کرتے ہیں جو چیزیں قابل تعریف ہیں ان کی تعریفیں کرتے ہیں جو قابل حصر ہیں ان کو حصر کرتے ہیں اور ایسے ہی ان کے اور کام ہیں اور آنحضرت ﷺ کے عہد میں صحابہ آپ کو وضو کرتے ہوئے دیکھتے تھے اور اس کا طریقہ سیکھ لیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ اس کی تشریح نہیں فرماتے تھے کہ یہ امر رکن ہے اور وہ مستحب ہے۔ ایسے ہی آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے تھے اور صحابہ آپ کو جیسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے ویسے ہی خود بھی نماز پڑھتے تھے آنحضرت ﷺ نے حج کیا اور لوگوں نے بھی ویسے ہی آپ کے موافق اعمال حج ادا کیے اکثر یہ حالت رسول اللہ ﷺ کی تھی۔

اس کی تفصیل اور تشریح کچھ نہ تھی۔ کہ وضو کے فرائض چھ ہیں یا چار ہیں اور یہ فرض نہیں کیا گیا تھا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی شخص بغیر موالات کے وضو کرلے اور اس وقت وضو کے رہنے یا نہ رہنے کا حکم کیا جائے۔ الا ماشاء اللہ صحابہؓ اس قسم کے امور کو بہت کم دریافت کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے صحابہؓ رسول اللہ ﷺ سے کسی قوم کو بہتر نہیں پایا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی وفات تک صرف تیرہ مسئلے دریافت کیے جو کہ قرآن میں مذکور ہیں۔ ان مسائل میں سے یہ ہے کہ لوگ تجھ سے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دے اس مہینہ میں لڑنا بڑا امر ہے۔ ﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ﴾ اور تجھ سے حیض کا حال دریافت کرتے ہیں ﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ﴾ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ وہی امور دریافت کیا کرتے تھے جو مفید ہوں۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا قول ہے کہ وہ امور مت دریافت کرو جو ابھی تک وقوع میں نہ آئے ہوں قاسم کا قول ہے تم ایسے امور دریافت کرتے ہو جن کو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا ہیں اور اگر ہم ان کو جانتے تو ان کا چھپانا ہم کو جائز نہ تھا عمر بن اسحاق سے روایت ہے کہ میں صحابہؓ رسول اللہ ﷺ میں جن سے ملا ہوں ان کی

تعداد ان سے زیادہ تھی جو مجھ سے پہلے گزر چکے تھے میں نے کسی قوم کو نہیں پایا جن کی روش میں آسانی زیادہ اور سختی کم ہو۔ عبادہ بن بسر کندی سے روایت ہے ان سے اس عورت کا حال دریافت کیا گیا جو ایک قوم کے ساتھ مرگئی تھی اور اس کا کوئی ولی تھا۔ انہوں نے کہا میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جو تمہاری طرح سختی نہ کرتے تھے۔ تمہارے مسائل کو وہ دریافت نہیں کیا کرتے تھے۔ (ان تمام آثار کو دارمی نے روایت کیا ہے)

رسول اللہ ﷺ سے واقعات کے متعلق لوگ دریافت کیا کرتے تھے آپؐ اس کا جواب دے دیا کرتے تھے وہ لوگوں کو کوئی اچھا کام کرتے ہوئے دیکھتے تھے ان کی تعریف کرتے تھے اور اگر برا کام کرتے ہوئے ان کو دیکھتے تھے تو اس کی برائی بیان فرما دیا کرتے تھے۔ اور اکثر موقع فتویٰ اور فیصلہ کرنے کا یا کام کرنے والے کی برائی بیان کرنے کا مجلسوں میں ہی ہوا کرتا تھا اور یہی حالت شیخین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی تھی جو مسئلہ ان کو معلوم نہ ہوتا اور لوگوں سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث دریافت کر لیا کرتے تھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جدہ کے حصہ کے متعلق کوئی حکم نہیں سنا ہے لوگوں سے انہوں نے اس کو دریافت کیا ہے نماز ظہر کے بعد انہوں نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جس نے جدہ کے حصہ کے متعلق پیغمبر خدا ﷺ سے کچھ سنا ہو۔ مغیرہ ابن شعبہؓ نے کہا میں نے سنا ہے انہوں فرمایا کیا سنا ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے جدہ کو چھٹا حصہ دلوایا تھا آپؐ نے فرمایا تمہارے سوا اور کوئی شخص بھی اس کو جانتا ہے محمد بن سلمہؓ نے کہا یہ سچ کہتے ہیں تب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جدہ کو چھٹا حصہ دلوا دیا۔ ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غرہ کی کیفیت لوگوں سے دریافت کی اور مغیرہ رضی اللہ عنہ کی خبر پر آپ نے عمل کیا لوگوں سے وبا کے متعلق انہوں نے دریافت کیا اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی خبر کی جانب انہوں نے رجوع کیا۔ ایسے ہی مجوس کے قصہ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی خبر پر عمل کیا تھا اور جب عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے سے معقل بن یسار کی خبر مطابق ہوگئی تھی تو ابن مسعودؓ نہایت خوش ہوئے تھے اور ابوموسیٰؓ حضرت عمرؓ کے دروازہ سے واپس چلے گئے تھے اور حضرت عمرؓ نے ان سے حدیث دریافت کی تھی اور ابوسعید نے اس کی تصدیق کی تھی ایسے واقعات بکثرت ہیں اور صحیحین اور سنن میں ان کی روایت کی گئی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہی عادت شریف تھی۔ ہر ایک صحابی نے توفیق کے موافق آپ کی عبادت اور فتاویٰ اور احکام کو دیکھا ان کو خوب محفوظ کر لیا اور سمجھ لیا اور قرائن کی وجہ سے ہر ایک کی وجہ بھی معلوم کر لی اور ان امارات اور قرائن کے سبب سے جو اس کو معلوم تھے بعض امور کی نسبت اندازہ کیا کہ جائز ہیں اور بعض کا اندازہ کیا کہ منسوخ ہیں ان کو استدلال کے طریقوں کی جانب زیادہ توجہ نہ تھی بلکہ ان کی نظر میں زیادہ پسندیدہ امر یہ تھا کہ اطمینان اور یقین حاصل ہو جائے ان کی یہی حالت تھی جیسے تم اعراب کی دیکھتے ہو۔ وہ بھی آپس میں تصریح یا اشارہ سے مقصود کلام کو سمجھ جایا کرتے ہیں اسی سے ان کو تسکین ہو جاتی ہے اور ان کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کیسے ان کو اطمینان ہو گیا۔ صحابہؓ اسی حالت پر تھے کہ عہد بزرگ آنحضرت ﷺ کا ختم ہو گیا اور صحابہ آپؐ کے بعد اطراف ملک میں پھیل گئے۔ اور ہر شخص ایک ایک حصہ ملک کا مقتداء اور رہبر ہو گیا۔ واقعات زیادہ پیش آتے گئے اور اکثر مسائل دریافت کرنے کی ضرورت پڑتی رہی ہر شخص نے اپنے محفوظات یا استنباط کی قوت سے ان کا جواب دیا اور اگر اپنے محفوظات یا استنباط میں کوئی امر جواب کے قابل نہ پایا تو اپنی رائے سے اجتہاد کیا اور اس علت کو معلوم کیا جس کو اپنے مصرح احکام کے لیے آنحضرت ﷺ نے مدار

علیہ قرار دیا تھا۔ اس لیے انہوں نے جہاں اس علت کو پایا وہیں اس کا حکم متعین کر دیا اور اس امر میں نہایت کوشش کی کہ یہ حکم رسول اللہ ﷺ کی غرض کے مطابق ہو جائے۔ اس وجہ سے اختلاف کے چند پہلو ہو گئے۔ اور اس طرح کہ ایک صحابی نے کسی واقعہ کے متعلق کوئی حکم نبوی سنا تھا اور دوسرے نے اس کو نہیں سنا تھا۔ اس لیے اس دوسرے کو اپنی رائے سے اجتہاد کی ضرورت پڑی اس اجتہاد کے بھی کئی طریقے ہو گئے۔ اولاً ایسا ہوا کہ اس کا اجتہاد اس حدیث کے موافق ہو گیا جیسے نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ سے مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا ہے اور اس نے اس عورت کا کوئی حصہ مہر مقرر نہیں کیا ہے بتایئے اس عورت کو کیا ملنا چاہیے انہوں نے کہا اس کے متعلق میں نے آنحضرت ﷺ کو کوئی فتویٰ دیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ لیکن لوگ ایک ماہ تک ان کے پاس آتے جاتے رہے اور اصرار کرتے رہے کہ اس کا حکم بتائے انہوں نے اپنی رائے سے اجتہاد کر کے جواب دیا کہ اس کو بلاکم وکاست اس کے خاندان کی عورتوں کا مہر دینا چاہیے اس پر عدت ضروری ہے اور اس کو ورثہ ملے گا۔ اس کو سن کر معقل بن یسار نے کھڑے ہو کر شہادت دی کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک عورت کے مقدمہ میں ایسا ہی فیصلہ کیا تھا۔ اس سے عبداللہ ابن مسعودؓ ایسے خوش ہوئے کہ اسلام کے بعد وہ کبھی ایسے خوش نہیں ہوئے تھے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دو صحابیوں میں بحث ومناظرہ کے بعد ایسی حدیث ظاہر ہو جائے جس کے ہونے کا گمان غالب ہو اور اس حدیث مسموع کی جانب وہ صحابی رجوع کرے جیسے آئمہ حدیث نے روایت کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مذہب تھا کہ اس شخص پر روزہ نہیں ہے جس نے جنابت کی حالت میں صبح کی ہو۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ازواج نے ان کے مذہب کے خلاف حدیث بیان کی تب حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے مذہب سے رجوع کیا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ صحابی کو حدیث پہنچے لیکن اس سے گمان غالب نہ ہو اس لیے وہ صحابی اپنے اجتہاد کو ترک نہ کرے بلکہ حدیث میں طعنہ کرے جیسے علمائے اصول نے ذکر کیا ہے۔ فاطمہ بنت قیس نے حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہو کر بیان کیا کہ اس کو تین طلاقیں خاوند نے دی تھیں۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کے نفقہ اور مکان قرار نہیں دیا لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی شہادت کو تسلیم نہیں کیا اور فرمایا کہ میں ایک عورت کے قول سے کتاب الٰہی کو نہیں چھوڑ سکتا ہوں۔ ہم کو کیا معلوم ہے کہ یہ عورت سچی ہے یا جھوٹی ایسی عورت کو نفقہ اور مکان ملے گا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فاطمہؓ سے فرمایا کہ تو اللہ سے خوف نہیں کرتی۔ (یعنی اپنے قول میں)

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب تھا کہ جس جنب کو پانی نہ ملے اس کے لیے تیمم کافی نہیں۔ جب حضرت عمارؓ نے ان سے روایت کی کہ ایک بار سفر میں میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا مجھ کو غسل کی ضرورت ہوئی اور پانی نہ ملا اور میں خاک پر لوٹنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ سے میں نے اس کو بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم کو ایسا کرنا کافی تھا اور یہ فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے زمین پر دونوں ہاتھ مار کر اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کر لیا لیکن حضرت عمرؓ نے اس حدیث کو تسلیم نہیں کیا اور ایک مخفی اعتراض کی وجہ سے جو حدیث میں ان کو معلوم ہوا۔ اس حدیث کو قابل حجت نہیں قرار دیا۔ لیکن دوسرے طبقہ میں (تابعین کے) بہت سے طریقوں سے اس حدیث کی شہرت ہو گئی اور معترض کا وہم ضعیف ہو گیا اس لیے سب نے اس کو اختیار کر لیا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ صحابی کو حدیث پہنچی ہی نہیں۔ جیسے مسلم نے روایت کی ہے کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما غسل کے وقت

عورتوں کو حکم کیا کرتے تھے کہ سر کے بالوں کو کھول لیا کریں۔ حضرت عائشہؓ نے یہ سنا کر فرمایا: ابن عمرؓ سے تعجب ہے عورتوں کو وہ سر کے بال کھولنے کا حکم دیتے ہیں ان کو سر منڈوانے کا کیوں حکم نہیں دے دیتے۔ یقیناً میں اور رسول اللہ ﷺ ایک برتن سے نہایا کرتے تھے اور میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتی تھی کہ سر پر تین بار پانی بہا دیا کرتی تھی۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے جس کو امام زہریؒ نے روایت کیا ہے کہ ہند کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مستحاضہ کو نماز کی رخصت دی ہے۔ اس لیے کہ وہ نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے رویا کرتی تھیں۔

اور ایک نحو اختلاف کی یہ بھی ہے کہ صحابہ آنحضرت ﷺ کو کوئی فعل کرتے ہوئے دیکھتے تھے تو بعض یہ اندازہ کرتے تھے کہ ثواب کے لیے اس کو کیا ہے اور بعض خیال کرتے تھے کہ اس کو مباح طور پر کیا ہے۔ جیسے علمائے اُصول نے حج کرنے کے بعد مقام ابطح میں قیام کرنے کے متعلق روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وہاں قیام فرمایا تھا۔ اس سے حضرت ابو ہریرہؓ اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ ثواب کے طور پر آپؐ نے قیام کیا تھا اس لیے ابطح میں ٹھہرنا ان کے نزدیک حج کی سنتوں میں سے ہے اور حضرت عائشہؓ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے کہ یہ محض اتفاقی امر تھا۔ حج کی سنن میں یہاں ٹھہرنا داخل نہیں ہے اور جمہور کا مذہب ہے کہ طواف میں رمل کرنا سنت ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کو رسول اللہ ﷺ نے ایک امر عارضی کی وجہ سے کہ مشرکین نے کہا تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کے بخار نے کمزور کر دیا ہے محض اتفاقی طور پر کیا تھا یہ سنت نہیں ہے۔

اور کبھی وہم کے اختلاف سے صحابہؓ میں اختلاف ہو گیا ہے مثلاً رسول اللہ ﷺ نے حج کیا۔ اور بعض صحابہؓ نے ان کو دیکھ کر خیال کیا کہ آپ نے نیت تمتع کی کی تھی اور بعض نے خیال کیا کہ قرآن کی اور بعض نے خیال کیا کہ حج افراد کی نیت کی تھی۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ ابو داؤد نے حدیث نقل کی ہے کہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن عباسؓ سے کہا اے ابو العباس مجھ کو تعجب ہے کہ صحابہؓ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت کیسے اختلاف کیا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے احرام کے افعال ادا کیے انہوں نے فرمایا میں سب لوگوں سے اس کی حقیقت زیادہ جانتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک حج کیا تھا۔ اس میں لوگوں میں اختلاف ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ حج کے لیے باہر نکلے آپؐ نے مسجد ذوالحلیفہ میں نماز پڑھی دو رکعت سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے اُسی مجلس میں حج کے لیے با آواز بلند لبیک کہا لوگوں نے اس کو سنا اور میں نے اس کو محفوظ رکھا پھر آپ سوار ہوئے اور جب آپ کی ناقہ نے آپ کو اُٹھایا تب بھی آپؐ نے لبیک کہا لوگوں نے اس کو سنا لوگ متفرق طور پر آتے تھے۔ سب شامل نہ تھے کوئی ایک امر سے واقف تھا اور دوسرے سے ناواقف تھا۔ ان پچھلے لوگوں نے اس حالت میں لبیک کہتے ہوئے سن کر کہا کہ حضرت نے لبیک اس وقت کہا تھا جب ناقہ پر سوار ہو گئے تھے آگے بڑھ کر جب بیابان کی بلندی پر آپؐ پہنچے تب بھی لبیک کہا اور اس کو سن کر لوگوں نے کہا کہ جب آپ بیابان کی بلندی پر پہنچے تھے تب بھی لبیک کہا تھا اور قسم ہے اللہ کی کہ آنحضرت ﷺ نے لبیک کو اپنی نماز کی جگہ کہا تھا اور جب ناقہ پر آپ سوار ہو رہے تھے اس وقت بھی کہا تھا۔ اور جب بیابان کی بلندی پر چڑھے تھے اُس وقت بھی کہا تھا۔

اور سہو و نسیان سے بھی صحابہؓ میں اختلاف ہو گیا ہے۔ مثلاً روایت کی گئی ہے کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجب میں عمرہ کیا تھا۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے گواہوں سے فیصلہ کر دیا۔

اور کبھی خوب انضباط کے نہ ہونے سے اختلاف ہوا کرتا ہے۔ جیسے عبداللہ ابن عمرؓ نے یا حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ جب میت کے اہل اس پر روتے ہیں تو میت کو عذاب ہوتا ہے تو حضرت عائشہؓ نے فیصلہ کیا کہ ٹھیک طور پر ان کو حدیث معلوم نہیں ہے اصلی امر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک یہودیہ عورت پر گزر ہوا۔ اس عورت کے اہل اس پر رو رہے تھے آپؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ اس عورت پر رو رہے ہیں اور اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے اس طرح عبداللہ ابن عمرؓ نے خیال کیا کہ رونا عذاب کی علت ہے اور اس سے گمان کرلیا کہ ہر ایک امت کا یہی حکم ہے۔

کبھی حکم کی علت میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ جیسے جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا بعض قائل ہیں کہ یہ قیام ملائکہ کی تعظیم کے لیے ہوتا ہے اس لیے مومن اور کافر دونوں کے جنازہ کو دیکھ کر اٹھنا چاہیے اور بعض قائل ہیں کہ موت کے خوف سے کھڑے ہوتے ہیں تب بھی دونوں صورتوں میں کھڑا ہونا چاہیے اور حسن بن علی ؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار یہودی کا جنازہ آپؐ کے سامنے سے گزرا آپؐ اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے آپ کو یہ مکروہ معلوم ہوا اور کہیں آپؐ کے سر کے اُوپر سے وہ نہ گزرے۔ اس صورت میں قیام جب ہی کرنا چاہیے کہ کافر کا جنازہ ہو۔

دو مختلف امور کے جمع کرنے میں بھی صحابہؓ نے اختلاف کیا ہے مثلاً رسول اللہ ﷺ نے سال خیبر میں متعہ کی اجازت دے دی تھی اس کے بعد سال اوطاس میں اس کی اجازت دی اور سال اوطاس کے بعد منع فرما دیا اس واسطے عبداللہ ابن عباسؓ نے کہا کہ اجازت ضرورت کی وجہ سے تھی اور ضرورت جب باقی نہ رہی تو منع کر دیا۔ اور اب تک وہی اصلی حکم ممنوع ہونے کا باقی ہے اور جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ رخصت اباحت تھی اور منع کرنے نے اسی اباحت کو منسوخ کر دیا۔ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے استنجا میں استقبال قبلہ سے منع فرمایا تھا۔ اس لیے ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے اور وہ منسوخ نہیں ہوا۔ اور حضرت جابرؓ نے آنحضرت ﷺ کی وفات سے ایک سال پیشتر آنحضرت ﷺ کو دیکھا تھا کہ آپؐ نے قبلہ کی جانب پیشاب کیا تھا۔ اس واسطے ان کا مذہب یہ ہے کہ اس سے وہ پہلے ہی منسوخ ہو گئے اور عبداللہ ابن عمرؓ نے آپ کو دیکھا تھا کہ قبلہ کی جانب پشت دے کر اور شام کی جانب ہو کر قضائے حاجت فرمائی تھی۔ اس سے انہوں نے جماعت کے قول کو رد کیا اور ایک جماعت نے ان دونوں قولوں کو جمع کیا ہے امام شعبی وغیرہ کا مذہب ہے کہ بیابان میں استقبال قبلہ استنجا میں منع ہے اور اگر پاخانوں میں استنجا کیا جائے تو اس صورت میں استقبال اور استدبار قبلہ کی طرف استنجا میں جائز ہے اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ وہ قول منع فرمانے کا عام اور محکم ہے۔ اور آپ کا فعل صرف آپ کی ذات کے لیے ہے اس واسطے نہ ناسخ ہو سکتا ہے نہ مخصص ہو سکتا ہے۔

بہرحال ان طریقوں سے صحابہؓ کے مذاہب میں اختلاف ہو گیا تھا اور ان کے بعد تابعین نے توفیق کے موافق ان مذاہب کو اختیار کیا ہر شخص نے بقدر استطاعت احادیث رسول اللہ ﷺ اور مذاہب صحابہ ؓ کو سنا اور ان کو خوب سمجھ کر مختلف امور کو بہ قدر وسعت جمع کیا اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی اور ان کی نظر میں بعض بعض اقوال ضعیف معلوم ہوئے اگرچہ وہ کبار صحابہؓ سے ماثور اور مروی تھے جیسے عمر بن مسعود کا مذہب جب کے تیمم کرنے میں منقول ہوتا چلا آتا تھا جب عمار اور عمران بن حصین وغیرہ کی احادیث مشتہر ہوئیں تو ان کی نظر میں وہ مسلک ضعیف معلوم ہوا۔ اس طرح تابعین میں سے ہر ایک عالم کا اپنے خیال کے موافق ایک خاص

مذہب ہو گیا۔ اور ہر شہر میں ایک امام قائم ہو گیا۔ مثلاً مدینہ میں سعید ابن میتب اور سالم بن عبداللہ بن عمرؓ ہوئے اور ان کے بعد یہیں مدینہ میں قاضی یحیٰ بن سعید اور ربیعہ بن عبدالرحمٰن وغیرہ ہو گئے مکہ میں عطا بن رباح امامت کے درجہ کے تھے اور کوفہ میں ابراہیم نخعی اور امام شعبی اور بصرہ میں امام حسن بصری اور یمن میں طاؤس بن کیسان اور شام میں امام مکحول پیدا ہوئے لوگوں نے نہایت شوق اور سرگرمی سے ان کی جانب رغبت کی اور ان سے علم حدیث صحابہؓ کے مذاہب اور اقوال کو اور خود ان علماء کے ذاتی مذاہب اور تحقیقات کو اخذ کیا۔ مسائل میں لوگ ان سے فتویٰ لیتے رہے اور خوب مسائل کا ان میں تذکرہ رہا۔ اور تمام معاملات کے وہ مرجع رہے۔ سعید بن میتب اور ابراہیم اور ان کے ہم رتبہ لوگوں نے تمام ابواب فقہ کی ترتیب دے دی تھی اور ہر باب کے متعلق ان کے پاس اصول اور قواعد مرتب تھے جن کو انہوں نے اپنے اسلاف سے حاصل کیا تھا۔ سعید بن میتب اور ان کے شاگردوں کا یہ مذہب تھا کہ حرمین کے علماء کو فقہ میں نہایت پختگی ہے اور ان کے مذہب کی بنیاد عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے فتویٰ اور مدینہ کے قاضیوں کے فیصلے ہیں۔ ان سب علوم کو انہوں نے بہ قدر استطاعت جمع کیا۔ اور ان میں تفتیش اور نگاہ کی غور سے دیکھا جو مسائل انہوں نے علمائے مدینہ کے اجماعی پائے ان کو نہایت پختگی سے اختیار کیا اور اختلافی مسائل میں وہ اختیار کیے جو قوی اور مرجح پائے ان میں ترجیح یا اس لیے تھی کہ اکثر علماء نے اُس طرف میلان کیا تھا یا وہ کسی مصرح قیاس کے موافق تھے یا کتاب وحدیث سے مصرح طور پر مستنبط ہوئے تھے۔ وعلیٰ ہذا۔ اور اگر انہوں نے اپنے محفوظات میں جواب مسئلہ کا نہ پایا تو اس میں خود گفتگو نہ کی بلکہ کتاب و سنت کے ایماء اور اقتضاء کا تتبع کیا۔ اس کی وجہ سے ہر ایک باب میں بکثرت مسائل ان کو حاصل ہو گئے۔ ابراہیم اور ان کے شاگردوں کی رائے یہ تھی کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور ان کے شاگردوں کا قول فقہ میں زیادہ قابل اعتماد ہے اس لیے علقمہ نے مسروق سے کہا تھا کہ کوئی فقیہ عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ قابل وثوق نہیں ہے اور ابوحنیفہؒ نے امام اوزاعیؒ سے کہا تھا کہ ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر صحابی ہونے کی فضیلت عبداللہ ابن عمرؓ میں نہ ہوتی تو میں کہہ دیتا کہ ان کی نسبت علقمہ میں فقاہت زیادہ ہے لیکن عبداللہ تو عبداللہ ہی ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کا ماخذ عبداللہ ابن مسعودؓ کے فتوے اور حضرت علیؓ کے فیصلے اور قاضی شریح اور دیگر قضاۃ کوفہ کے فتاویٰ ہیں۔ انہی میں سے امام ابوحنیفہؒ نے بقدر امکان مسائل فقہ کو مدون کیا اور جیسے اہل مدینہ کے آثار سے مدینہ کے علماء نے تخریجات کی تھیں۔ ایسے ہی اہل کوفہ کے آثار سے انہوں نے تخریج مسائل کی۔ اس طرح ہر باب کے متعلق مسائل فقہ مرتب اور ملخص ہو گئے اس وقت میں حضرت سعید بن میتب فقہائے مدینہ کی زبان تھی اور ان کو حضرت عمرؓ کے فیصلے سب سے زیادہ محفوظ تھے اور حضرت ابوہریرہؓ کی احادیث سب سے زیادہ ان کو یاد تھیں اور ابراہیم فقہائے کوفہ کی زبان تھی جب سعید بن میتب اور ابراہیم کوئی بات بیان کریں اور کسی کی جانب اس کو منسوب نہ کریں تو وہ اُن کا کلام غالباً سلف میں سے کسی نہ کسی طرف منسوب ہی ہو گا۔ صریحاً یا اشارۃً اونحو ذلک فقہائے مدینہ اور کوفہ نے ان دونوں پر اتفاق کیا ان سے علوم کو حاصل کیا اور خوب سوچ سمجھ کر ان سے اور مسائل خارج کیے۔ واللہ اعلم

باب ۸۳

فقہا کے مذاہب مختلف ہونے کے اسباب کیا تھے

معلوم کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تابعین کے زمانہ کے بعد حاملین علم کی جماعت کو پیدا کیا ان کے پیدا کرنے سے وہ پیشین گوئی پوری ہوگئی جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی کہ: **یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله** پچھلی نسلوں میں سے عادل لوگ اس علم دین کو حاصل کرلیں گے انہوں نے تابعین سے وضو، غسل، نماز، حج، نکاح، بیوع اور تمام کثیر الوقوع احکام کو اخذ کیا۔ احادیث نبوی کی روایت کی۔ مختلف شہروں کے مفتی اور قاضیوں کے فیصلے سے مسائل دریافت کرتے رہے ان تمام امور میں انہوں نے نہایت ہی کوشش کی۔ آخر کو وہ مسلمانوں کے مقتدا اور تمام اُمور مذہبی کے مرجع ہو گئے۔ ایماء اور اقتضائے کلام کے معلوم کرنے میں نہایت درجہ انہوں نے اہتمام کیا ہمیشہ مسئلوں کے جواب دیتے رہے۔ فیصلے کرتے رہے۔ علم کو نقل کیا۔ اور لوگوں کو اس کی تعلیم دی۔

اس طبقہ کے علماء کا کام ہم رنگ اور یکساں تھا۔ سب کا طرز عمل یہ تھا کہ احادیث سے تمسک کرتے تھے خواہ مسند ہوں یا مرسل اقوال صحابہ اور تابعین سے استدلال کرتے تھے وہ جانتے تھے کہ ان صحابہ اور تابعین کی احادیث رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں انہوں نے کم درجہ سمجھ کر احادیث موقوفہ قرار دیا ہے۔

ابراہیم نے ایک بار اس حدیث کو نقل کیا جس میں آنحضرت ﷺ نے بیع محاقلہ (پکنے سے پہلے کھیت کو فروخت کر دینا) اور بیع مزابنہ (تر چھوہاروں کو جو درختوں پر ہوں خشک چھوہاروں سے فروخت کر دینا) منع فرمایا ہے۔ تب لوگوں نے ان سے کہا کہ اس حدیث کے علاوہ تم کو کوئی اور حدیث بھی یاد ہے انہوں نے جواب دیا یاد ہے لیکن مجھ کو یہ پسندیدہ معلوم ہوتا ہے کہ یوں کہو کہ عبداللہ نے ایسا کہا ہے اور علقمہ نے ایسا کہا ہے۔ اور امام شعبی سے ایک حدیث دریافت کی گئی اور لوگوں نے کہا کہ اس کی سند آنحضرت ﷺ تک پہنچی ہے تو انہوں نے کہا کہ مجھ کو اسناد میں وہی لوگ پسند ہیں جو آپ کے درجہ سے پست ہیں اگر حدیث میں کوئی زیادتی یا کمی ہو تو اس کا نقصان انہیں لوگوں کے ذمہ رہے جو آپ سے پست درجہ میں ہیں یا اس طبقہ کے لوگ حکم منصوص سے استنباط کرتے تھے یا اپنی رائے سے اجتہاد کرتے تھے ان تمام امور میں آئندہ پیدا ہونے والے لوگوں سے بہت خوبی سے کام کرتے تھے ان کی رائے میں درستی زیادہ تھی۔ ان کا زمانہ بہت پہلے تھا۔ اُن کے علمی محفوظات زیادہ تھے اس واسطے ان کے اقوال پر عمل کرنا معین ہو گیا۔ البتہ اگر ان میں باہم اختلاف ہو اور حدیث ظاہراً طور پر ان کے اقوال کے مخالف ہو۔

یہ بھی اس طبقہ کا مابہ التمسک تھا جب کسی مسئلہ میں احادیث مختلف وارد تھیں تو وہ صحابہؓ کے اقوال کی جانب رجوع کیا کرتے تھے اگر صحابہ قائل تھے کہ بعض احادیث منسوخ ہیں یا مصروف عن الظاہر ہیں یا اس نسخ وغیرہ کی تو صحابہؓ نے کچھ تصریح نہ کی تھی لیکن اس حدیث پر انہوں نے عمل نہ کیا تھا اور اس کے مضمون کے وہ قائل نہ ہوئے تھے۔ اس عمل نہ کرنے سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اس

حدیث میں کوئی نہ کوئی علت تھی یا منسوخ یاماؤل تھی ان سب صورتوں میں اس طبقہ کے لوگ صحابہؓ کے اقوال کا اتباع کیا کرتے تھے۔ امام مالکؒ نے اس حدیث کے متعلق جو کتے کے پانی پینے کے متعلق ہے کہا تھا کہ یہ حدیث وارد تو ہوئی ہے لیکن مجھ کو اس کی حقیقت معلوم نہیں ہے ابن حاجب نے مختصر الاصول میں اس حدیث کو نقل کر کے کہا ہے کہ میں فقہاء کو اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھتا ہوں۔

جب صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال مختلف ہوا کرتے ہیں تو اس وقت میں ہر ایک عالم کی نظر میں اپنے شہر کے علماء اور اپنے ہی اساتذہ کا قول پسندیدہ اور مختار ہوا کرتا ہے اس لیے کہ یہ شخص انہیں علماء کے اقوال میں صحیح اور سقیم اقوال سے بخوبی واقف ہوا کرتا ہے ان اقوال کے مناسب اصول خوب طرح سے اس کے ذہن نشین ہوا کرتے ہیں۔ ان کے فضل اور تبحر کی جانب اس کا میلانِ قلب زیادہ ہوا کرتا ہے۔ اس لیے حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ عبداللہ ابن عمرؓ حضرت عائشہؓ عبداللہ ابن عباسؓ زید ابن ثابت رضی اللہ عنہم اور ان کے اصحاب مثل سعید ابن مسیب جن کو حضرت عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے فیصلے سب سے زیادہ محفوظ تھے۔ اور عروہ' سالم' عطاء ابن یسار' قاسم' عبید اللہ بن عبداللہ' زہری' یحییٰ بن سعید' زید بن اسلم' ربیعہ' یہ سب علمائے مدینہ کی نظر میں سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے کہ ان کے ہی علوم اخذ کیے جائیں۔ مدینہ کے فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر چکے تھے ہر زمانہ میں وہ علماء اور فقہا کا مرکز رہا تھا۔ اس واسطے امام مالک کبھی اہل مدینہ کے مسلک کو نہیں چھوڑے تھے اور عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے شاگرد اور حضرت علیؓ شریح' شعبی اور ابراہیم کے فتوے علمائے کوفہ کی نظر میں اوروں کی نسبت زیادہ اس کے قابل ہیں کہ مختار اور پسندیدہ سمجھے جائیں۔ اسی واسطے تشریک میں جب مسروق نے زید ابن ثابتؓ کے قول کی طرف میلان کیا تو علقمہ نے ان سے کہا کہ تمہاری جماعت میں عبداللہ ابن مسعودؓ سے زیادہ کوئی شخص وثوق کے قابل ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ بے شک ان سے زیادہ کوئی قابل وثوق نہیں ہے لیکن میں نے زید ابن ثابت اور علمائے مدینہ کو تشریک کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ جب کسی شہر کے علماء کسی مسئلہ پر اتفاق کریں تو نہایت پختگی سے اس کو اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی کے متعلق امام مالکؒ نے کہا ہے کہ متفق علیہ احادیث ہمارے پاس اتنی ہیں اور اگر کسی مسئلہ میں علمائے شہر کا اختلاف ہو جاتا ہے تو اس قول کا اتباع کیا جاتا ہے جو سب سے زیادہ قوی اور مرجح ہو۔ اُس کے قائل زیادہ ہوں یا کسی قوی قیاس کے وہ موافق ہو یا کتاب وسنت سے اس کی تخریج کی گئی ہو۔ اس کے متعلق امام مالک کا قول ہے **ھذا احسن مما سمعت** جو اقوال ہم نے سنے ہیں ان سب میں یہ زیادہ پسندیدہ ہے۔ جو اقوال یہ علماء اپنے اساتذہ سے سنتے تھے اور ان میں مسئلہ کا جواب معلوم نہ ہوتا تھا۔ تو ایماء اور اقتضا سے انہیں کے کلام میں سے جواب مسئلہ کا نکال لیا کرتے تھے۔

اس طبقہ میں علماء کو تصنیف اور تدوین کا الہام ہوا۔ امام مالک اور محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذیب نے مدینہ میں تصنیف کرنا شروع کیا۔ اور ابن جریج اور ابن عیینہ نے مکہ میں اور ثوری نے کوفہ میں اور ربیع بن صبیح نے بصرہ میں اور ان سب نے تصنیف میں وہ شیوہ اختیار کیا جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا۔ جب منصور عباسی نے حج کیا تو امام مالکؒ سے کہا میرا قصد یہ ہے کہ تمہاری مصنفہ کتابیں لکھوا کر سب اسلامی شہروں میں ان کا ایک ایک نسخہ بھیج دوں اور لوگوں کو حکم کروں کہ انہیں کے مسائل پر عمل کریں ان کے علاوہ اور کسی جانب رُخ نہ کریں انہوں نے فرمایا اے امیر المؤمنین ایسا نہ کرو لوگوں میں پہلے ہی سے اقوال مشتہر ہو گئے ہیں وہ احادیث کو سن

چکے ہیں۔ روایات کو نقل کر چکے ہیں جو مسائل معلوم ہو گئے ان پر انہوں نے عملدر آمد کر لیا ہے لوگوں میں اختلافات ہو گئے ہیں۔ اس واسطے لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو جو انہوں نے اپنے لیے پسند کر لیا ہے اس پر رہنے دو اور یہ قصہ بعض نے ہارون رشید کی طرف منسوب کیا ہے اس نے امام مالکؒ سے مشورہ کیا تھا کہ میں موطا کو کعبہ میں لٹکا دینا چاہتا ہوں تمام لوگوں کو اسی پر عمل کرنے کی ترغیب دوں گا۔ امام مالکؒ نے کہا ایسا نہ کرو رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ نے فروع مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ بلاد اسلامی میں وہ متفرق ہو گئے احادیث مشتہر ہو چکیں ہارون رشید نے کہا: **وفقك الله يا ابا عبد الله** (سیوطی نے اس حکایت کو نقل کیا ہے) علمائے مدینہ کو جو حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے پہنچی تھیں ان سب علماء میں امام مالکؒ سب سے زیادہ قابل اعتماد تھے ان کی حدیث سب سے زیادہ معتبر ہے۔ حضرت عمرؓ کے فیصلے اور عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ ؓ اور ان کے اصحاب فقہائے سبعہ وغیرہ کے اقوال پر امام مالک کو سب سے زیادہ اطلاع تھی ایسے ہی علماء میں روایت اور فتویٰ کا علم قائم ہوا ہے۔ جب امام مالکؒ مرجع اور مقتداء ہوئے تو انہوں نے حدیث اور فنون کو پھیلایا لوگوں کو ان سے مکمل فائدے پہنچے اور انہیں پر رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی منطبق ہوئی۔ **يوشك ان يضرب الناس اكباد الابل يطلبون العلم فلا يجدون احدا اعلم من عالم المدينة** قریب ہے کہ تحصیل علم کے لیے لوگ سفر کریں گے لیکن مدینہ کے عالم سے کسی کو زیادہ واقف نہ پائیں گے ابن عیینہ اور عبدالرزاق نے اس حدیث کا محمل امام مالکؒ ہی کو قرار دیا ہے ایسے دو شخصوں کی شہادت کافی ہے امام مالکؒ کے شاگردوں نے ان کی روایتوں اور پسندیدہ اقوال کو جمع کیا ملخص کیا۔ مہذب طور پر ان کو تحریر کر کے ان پر شروح لکھے اور ان سے مسائل کا اخراج کیا ان اقوال کے اصول اور دلائل میں گفتگو کی اور ان کے شاگرد ممالک مغرب اور روئے زمین پر پھیل گئے اور اس ذریعہ سے اللہ نے اپنی مخلوق کو بہت فائدہ پہنچایا۔ اور امام مالکؒ کے اصول مذہبی معلوم کرنے ہوں تو کتاب موطا میں غور کرو ہمارے قول کی تصدیق ہو جائے گی اور امام ابوحنیفہ کو ابراہیم اور ان کے ہمعصر علماء کی روش کی زیادہ پابندی تھی ابراہیم کے مذہب سے وہ بہت کم علیحدگی کرتے تھے۔ الا ماشاء اللہ۔ اور ان کے مسلک کے موافق مسائل خارج کرنے میں ان کی عظمت شان کا اندازہ ہوتا ہے تخریج مسائل کے وجوہ دریافت کرنے میں نہایت دقت نظر سے وہ کام لیتے تھے فروعات کی جانب ان کی نہایت توجہ تھی ہمارے اس قول کی اگر صداقت منظور ہے تو امام محمد کی کتاب الآثار اور جامع عبدالرزاق اور ابوبکر شیبہ کی تصنیف سے ابراہیم اور ان کے معاصرین کے اقوال کو ملخص کر کے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب سے ان کا اندازہ کر لینا چاہیے۔ وہ کہیں ان کی روش سے تجاوز نہیں کرتے مگر نہایت معدودے چند موقعوں میں اور ان مواقع میں بھی فقہائے کوفہ کے مذاہب کو پیش نظر رکھتے ہیں امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ شہرت امام ابویوسف کی ہوئی ہارون رشید کے عہد میں قاضی القضاۃ کا منصب ان کو حاصل ہوا۔ اس کی وجہ سے امام ابوحنیفہ کا مذہب پھیل گیا۔ اور تمام اطراف عراق، خراسان، ماوراء النہر تک اس کا قبضہ ہو گیا اور تمام شاگردوں میں تصنیف کی شائستگی اور اہتمام درس میں امام محمد بن حسن کو فوقیت ہے ان کی حالت یہ ہوئی کہ اولاً امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسف سے انہوں نے فقہ کی تکمیل کی۔ اس کے بعد مدینے پہنچ کر امام مالکؒ سے موطا کو پڑھا پھر خود توجہ کر کے اپنے اصحاب کے مذہب کو موطا کے ایک ایک مسئلہ پر منطبق کیا۔ اگر موافقت پائی تو اس کو منتحم کر دیا۔ ورنہ اس میں خوض کیا کہ صحابہؓ یا تابعینؒ میں سے کسی جماعت کا یہ مسلک ہوا ہے یا نہیں اگر کوئی مسلک مل گیا تو اس سے ملحق کر دیا اور اگر کسی

ضعیف قیاس یا ضعیف تخریج پر فقہاء نے عمل کر لیا تھا اور اس کے مخالف کوئی صحیح حدیث پائی جاتی تھی اور اکثر علماء کا عمل بھی اس کے مخالف تھا تو اس وقت جس مذہب کو مذاہب سلف سے مرجع پایا اس کو متمسک بہ قرار دیا لیکن امام محمدؒ اور امام ابو یوسف بھی ابراہیم اور معاصرین ابراہیم کے طریقہ سے کنارہ کش نہیں ہوتے امام ابوحنیفہ کے وہ قدم بقدم ہیں ان تینوں ائمہ میں باہم اختلاف دو طرح پر ہوا۔ اولاً یہ کہ ابراہیم کے مذہب کے موافق امام ابوحنیفہؒ نے کسی مسئلہ کو خارج کیا اور اس تخریج میں صاحبین نے ان سے مخالفت کی۔ ثانیاً یہ ابراہیم اور ان کے ہمرتبہ علماء کے کسی مسئلہ میں مختلف جوابات تھے تو امام ابوحنیفہ نے ان میں سے کسی قول کو ترجیح دی اور ان صاحبین نے کسی دوسرے قول کو ترجیح دی اس لیے امام محمدؒ نے اپنی تصنیفات میں ائمہ ثلاثہ کے راویوں کو جمع کر دیا۔ اور اکثر لوگوں کو نفع پہنچایا۔ اصحاب ابوحنیفہؒ نے ان تصنیفات کی طرف کافی توجہ کی۔ ان کے خلاصے کیے ان کے دلائل بیان کیے۔ شروح مرتبہ کیں۔ ان سے مسائل خارج کیے۔ ان کے مبانی اور دلائل میں تفتیش کی۔ اور ممالک خراسان، ماوراء النہر وغیرہ میں متفرق ہو گئے اور حنفی مذہب اس کا نام ہو گیا جب مذہب مالکی اور حنفی شائع ہو چکا اس کے اصول و فروع مرتب ہو چکے تو امام شافعیؒ کا نشو و نما ہوا۔ انہوں نے متقدمین کی روشوں میں جب خوض کیا تو بہت سے امور ایسے پائے جن کی وجہ سے وہ مقدمین کے طریقوں کا اتباع نہ کر سکے۔ امام شافعیؒ نے ان طریقوں کو کتاب الام کے اوائل میں ذکر کیا ہے۔ منجملہ ان کے یہ امر تھا کہ متقدمین حدیث مرسل اور منقطع پر بھی عمل کرتے تھے۔ اس قسم کی احادیث خرابی سے خالی نہ تھیں جب حدیث کے طرق بتمامہا جمع کیے جاتے تھے تو یہ بات ظاہر ہو جاتی تھی کہ اکثر مرسل حدیثیں محض بے اصل ہیں اور اکثر مرسل احادیث مسند احادیث کے مخالف تھیں۔ اس وجہ سے امام شافعیؒ نے یہ قرار دیا کہ مرسل احادیث پر عمل جب ہی کیا جائے کہ ان کے شروط بھی موجود ہوں۔ کتب اصول میں یہ تمام شروط مذکور ہیں دوسرا امر یہ تھا کہ مختلف احادیث کے متعلق متقدمین کے زمانہ میں ایسے قول منضبط نہ تھے جن سے ان احادیث میں توفیق اور جمع ہو سکے اس لیے ان کے اجتہادی مسائل میں اکثر خرابیاں رہا کرتی تھیں۔ اس ضرورت کے رفع کرنے کو امام شافعیؒ نے اس قوم کی حدیثوں کے متعلق اصول کی بنا ڈالی۔ اور ان سب کو ایک کتاب میں جمع کر دیا۔ اصول فقہ میں سب سے پہلی تصنیف یہی کتاب ہے اس کی مثال یہ ہے کہ امام شافعیؒ امام محمد صاحبؒ کے پاس گئے۔ اس وقت وہ علمائے مدینہ پر اعتراض کر رہے تھے۔ کہ وہ ایک گواہ کے ساتھ جب قسم ہو تو فیصلہ کر دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس سے قرآن پر زیادتی ہوئی جاتی ہے تب امام شافعیؒ نے کہا کہ کیا تمہارے نزدیک یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خبر واحد سے کتاب الٰہی پر زیادتی جائز نہیں ہے۔ امام محمدؒ نے کہاں ہاں جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا پھر تم کیسے قائل ہو کہ وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے اور اس کی وجہ رسول اللہ ﷺ کا قول کہتے ہو کہ: الا لا وصية لوارث ہوشیار ہو کہ وارث کے لیے وصیت درست نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرَ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ﴾ (تم پر مقرر کیا گیا کہ موت آنے کے وقت اگر مال چھوڑا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لیے اس میں وصیت کرنا چاہیے) اسی قسم کے اور چند اعتراضات امام شافعی نے ان پر کیے اور امام محمدؒ ان کا کچھ جواب نہ دے سکے۔

اور ایک امر یہ تھا کہ بعض صحیح صحیح احادیث ان علمائے تابعین کو نہ پہنچی تھیں۔ جن پر فتویٰ کا مدار تھا۔ اس لیے ان کو اپنی رائے

سے اجتہاد کرنا پڑا۔ عام الفاظ کا انہوں نے لحاظ کیا۔ اور گزشتہ صحابہ کی انہوں نے پیروی کی اسی کے موافق انہوں نے فتوئی دیا لیکن تیسرے طبقہ میں ان احادیث کی شہرت ہوگئی اور انہوں نے یہ گمان کر کے یہ احادیث ان کے علمائے شہر کے عمل اور متفق علیہ طریقوں کے مخالف ہیں۔ ان احادیث پر عمل نہ کیا اس کی وجہ سے یہ احادیث مورد طعن ہوگئیں اور اس کی وجہ سے وہ قابل السقوط ہوگئیں۔ یا تیسرے طبقہ میں ان احادیث کی شہرت نہ ہوئی تھی۔ لیکن محدثین نے احادیث کے تمام طرق روایت کو خوب غور سے دیکھا اور اطراف ملک میں سفر کر کے علمائے حدیث سے ان کی تفتیش کی گئی تو اکثر احادیث ایسی ظاہر ہوتی گئیں کہ صحابہؓ میں سے صرف ایک یا دو شخصوں نے ان کی روایت کی تھی اور ان صحابہؓ سے بھی صرف ایک دو راویوں نے ان کی روایت کی تھی وھلم جرا اس لیے اکثر فقہا کی نظر سے مخفی رہیں اور اُن حفاظ حدیث کے وقت ان کی شہرت ہوئی جنہوں نے تمام طرق حدیث کو جمع کیا تھا بہت سی احادیث مثلاً ایسی تھیں کہ بصرہ کے علماء ان کی روایت کرتے تھے اور باقی حصوں میں ان کی جانب سے غفلت تھی۔ اس وقت میں امام شافعیؒ نے اس کی توضیح کر دی کہ علمائے صحابہؓ اور تابعین ہر مسئلہ میں احادیث کے متلاشی رہے جب کوئی حدیث ان کو نہ ملی تو انہوں نے کوئی اور استدلال اختیار کیا لیکن اس استدلال کے بعد جب ہی کہ کوئی حدیث ظاہر ہوئی تو انہوں نے اپنے اجتہاد کو ترک کر دیا۔ اور حدیث پر عمل کیا۔ جب ان کی ایسی حالت تھی تو حدیث پر عمل نہ کرنا حدیث کے لیے موجب قدح نہیں ہوسکتا۔ حدیث میں قدح جب ہی ہوسکتا ہے کہ کوئی علت قادحہ بیان کی جائے۔ مثلاً حدیث قلتین صحیح حدیث ہے مختلف سلاسل روایت سے اس کا ثبوت ہے۔ ان سب میں بڑا سلسلہ اس کا یہ ہے۔ جس کی سند ابوالولید ابن کثیر پر منتہی ہوتی ہے انہوں نے اس کو محمد بن جعفر بن زبیر سے روایت کیا ہے اور ابن جعفر نے عبداللہ یا محمد بن عباد بن جعفر سے بروایت عبیداللہ بن عبداللہ اور ان دونوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے اور اس کے بعد طرق روایت متعدد ہو گئے اور یہ دونوں راوی اگر چہ ثقہ ہیں لیکن وہ مسائل میں مرجع اور معتمد علیہ نہ تھے اس لیے یہ حدیث سعید بن مسیب کے عہد میں اور نہ امام زہری کے زمانہ میں مشتہر ہوئی۔ اسی واسطے مالکیہ اور حنفیہ نے اس پر عمل نہیں کیا۔ لیکن امام شافعیؒ نے اس پر عمل کیا۔ اور ایسے ہی خیار مجلس کی حدیث صحیح ہے۔ اور اس کے طرق بکثرت ہیں۔ اور ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ نے صحابہؓ میں سے اس پر عمل کیا تھا لیکن فقہائے سبعہ اور ان کے معاصرین میں اس کی شہرت نہیں ہوئی تھی۔ اس طبقہ کے محدثین اس حدیث کے قائل نہ تھے اس وجہ سے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے اس حدیث میں قدح کی۔ اور امام شافعیؒ نے اس پر عمل کیا اور ایک امر یہ تھا کہ صحابہؓ کے سب اقوال امام شافعیؒ کے عہد میں جمع کیے گئے ان اقوال کی کثرت معلوم ہوئی ہے اور ان میں اختلافات پائے گئے اور امام شافعیؒ نے دیکھا کہ اس وجہ سے کہ صحابہ کو حدیث معلوم نہ ہوئی تھی وہ اکثر اقوال صحیح حدیثوں کے خلاف ہیں اور امام شافعیؒ نے سلف کو دیکھا تھا کہ ایسے وقت میں حدیث کی جانب رجوع کیا کرتے ہیں۔ اس واسطے امام شافعیؒ نے ان پر عمل نہیں کیا جو ان کے متفق علیہ نہ تھے اور کہا ھم رجال و نحن رجال. صحابہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں۔

اور ایک امر یہ تھا کہ امام شافعیؒ نے فقہا کی ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ اس قیاس میں جن کو شرع نے تجویز کیا ہے ایسی رائیں مخلوط کر دیتی ہیں جن کو شرح کی نظر میں وقعت نہیں ہوسکتی وہ فقہاء اس قیاس اور رائے میں کچھ فرق نہیں کرتے اور اس اپنی رائے کو وہ استحسان نام رکھتے ہیں رائے سے مراد یہ ہے کہ کس موقع پر حرج یا مصلحت کو حکم کی علت قرار دیں اور قیاس کے معنی یہ ہیں کہ حکم منصوص

سے کوئی علت نکالی جائے اور حکم کا مدار علیہ قرار دی جائے۔ اس رائے کو امام شافعیؒ نے نہایت اہتمام سے باطل کیا۔ اور کہا جو استحسان کا مجوز ہے وہ شارع بننا چاہتا ہے (ابن حاجب نے مختصر الاصول میں اس کو نقل کیا ہے) اس کی مثال یہ ہے کہ یتیم کا زمانہ رشد تک پہنچنا ایک مخفی امر ہے اس لیے فقہا نے اپنی رائے سے پچیس سال زمانہ رشد کے لیے قرار دیئے اور کہا کہ جب یتیم پچیس سال کا ہو جائے تو اس کو اس کا مال دے دینا چاہیے۔ اور انہوں نے یہ کہا کہ یہ استحسان ہے حالانکہ مقتضائے قیاس یہ ہے کہ اس عمر میں اس کو مال دینا نہ چاہیے۔

حاصل یہ ہے کہ جب امام شافعیؒ نے مقدمین کی ایسی حالت دیکھی تو از سر نو فقہ کو مرتب کیا اس کے اصول و فروع کی ترتیب دی۔ نہایت رزانت سے کتابیں تصنیف کیں۔ تمام فقہا ان کی خدمت میں جمع ہوئے۔ ان کتابوں کا اختصار کیا ان پر شروح لکھیں۔ ان کے دلائل بیان کیے۔ ان سے مسائل کو خارج کیا اور پھر تمام شہروں میں یہ لوگ پھیل گئے اور مذہب شافعیؒ اس طریقہ کا نام ہو گیا۔ واللہ اعلم

باب ۸۴

اہل حدیث اور اصحاب الرائے کے بیان میں

معلوم کرنا چاہیے کہ سعید بن مسیب اور ابراہیم اور زہری کے عہد میں اور امام مالکؒ اور سفیان ثوری کے زمانہ میں اور اُن کے بعد بھی ایسے علماء تھے کہ وہ مسائل دین میں رائے سے خوض کرنے کو برا جانتے تھے اور فتویٰ دین اور مسئلہ کے استنباط کرنے میں بہت خائف رہتے تھے۔ جب نہایت ہی ضرورت پیش آتی تھی اور کوئی چارہ نہ ہوتا تھا جب ہی استنباط کیا کرتے تھے ان کو بڑا اہتمام اس کا یہ تھا کہ حدیث کی روایت کر دیں۔ ایک بار عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ تیرے لیے اس شئے کو جائز کر دوں جس کو اللہ نے حرام کیا ہو۔ یا وہ چیز حرام کر دوں جس کو اس نے حلال کیا ہو۔ معاذ بن جبل نے کہا ہے۔ اے لوگو! بلا کے نازل ہونے سے پہلے اس کی تفتیش کرنے میں جلدی مت کرو۔ مسلمانوں میں ہمیشہ ایسے لوگ ہی ہوتے رہیں گے کہ جب ان سے کوئی امر دریافت کرو تو اس کو مسلسل بیان کرتے چلے جائیں ایسے ہی ان امور میں خاموش رہنے کے لیے جو ابھی تک فعلیت میں نہیں آئے ہیں۔ اس کے قریب قریب ہی حضرت عمر اور حضرت علی اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اور جابر بن زید سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا تھا کہ تم بصرہ کے فقہاء میں سے ہو اس لیے ہمیشہ فتوے قرآن وحدیث کے ہی موافق دینا۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو خود بھی ہلاک ہو گے۔ ابونصر کہتے ہیں کہ جب ابوسلمہ بصرہ میں آئے تو میں اور حسن بصری ان کی ملاقات کو گئے۔ انہوں نے حسن بصریؒ سے فرمایا حسن بصری تم ہی ہو بصرہ میں تمہاری ملاقات سے زیادہ کسی سے ملنے کا مجھ کو شوق نہ تھا۔ اشتیاق اس واسطے زیادہ تھا کہ مجھ کو معلوم ہوا تھا کہ تم اپنی رائے سے مسئلہ کا جواب دیتے ہو۔ آئندہ بجز قرآن

وحدیث کے اپنی رائے سے فتوے نہ دینا۔ ابن المنکدر کا قول ہے کہ عالم اللہ اور بندگانِ الٰہی میں واسطہ ہوا کرتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے لیے کوئی طریقہ نجات کا پیدا کرے۔ امام شعبی سے دریافت کیا گیا کہ جب تم سے مسائل دریافت کیے جایا کرتے تھے تو تم کیا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا تم نے اس کے واقف سے یہ بات دریافت کی۔ جب کسی شخص سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جایا کرتا تھا تو وہ اپنے ہمرتبہ عالم سے کہتا تھا اس مسئلہ کا جواب دو۔ ایسے ہی یہ شخص دوسرے سے ایسا ہی کہتا تھا۔ رفتہ رفتہ پہلے ہی عالم کی جانب انتہا ہو جایا کرتی تھی۔ امام شعبی کا قول ہے یہ علماء جو حدیث رسول اللہ ﷺ کی تم سے بیان کریں اس پر عمل کرو اور جو کچھ اپنی رائے سے کہیں اس کو پائخانہ میں پھینک دو (دارمی نے ان آثار کو نقل کیا ہے) اسی اہتمام حدیث کی وجہ سے حدیث کا مدون کرنا اطراف میں شائع ہو گیا بلاد اسلام میں جابجا کتابیں اور نسخے حدیث میں مرتب ہونے لگے۔ اہل روایت میں سے ایسے علماء کم تھے جن کی کوئی تصنیف نہ ہو۔ اس وقت کی ضرورت نے ایسی حالت پیدا کر دی تھی۔ اس زمانہ کے بلند پایہ علماء نے تمام ممالک حجاز، شام، عراق، مصر، یمن، خراسان میں سفر کیا۔ اور کتابوں اور نسخوں کو متفرق موقعوں سے فراہم کیا۔ غریب حدیث اور آثار نادرہ کی تلاش میں بہت خوض کیا۔ ان کے اہتمام سے وہ احادیث اور آثار مجتمع ہو گئے جو پیشتر جمع نہ ہو سکے تھے۔ ان کے لیے وہ سامان مہیا کیا گیا جو پہلے کسی کے لیے مہیا نہ ہوا تھا۔ اور بکثرت ایک ایک حدیث کے طرق خاصۂ ان کو معلوم ہو گئے حتیٰ کہ ان کے پاس ایسی حدیثیں بکثرت تھیں جو سو سو طریقوں سے مروی تھیں بلکہ اس سے بھی زیادہ بعض طریقوں سے ان امور کا انکشاف ہو گیا۔ جو اور طرق میں نامعلوم تھے۔ ان علماء نے ہر ایک حدیث کا درجہ معلوم کر لیا۔ کہ کون سی غریب ہے اور کون سی مستفیض ہے اور حدیث کے متابعات اور ان کے شواہد میں غور کرنے کا ان کو خوب موقع ملا۔ اور بکثرت صحیح حدیثوں کا ان کو پتہ مل گیا۔ جو اگلے مصنفوں کے وقت میں ظاہر نہ ہوئی تھیں۔ امام شافعیؒ نے امام احمدؒ سے کہا کہ صحیح احادیث کا علم تم کو ہم سے زیادہ ہے جو حدیث صحیح ہوا کرے وہ ہم کو بتلا دیا کرو تاکہ میں اسی کو اپنا مذہب قرار دوں خواہ وہ حدیث کوفی ہو یا شامی یا بصری (ابن ہمام نے اس کو نقل کیا ہے) امام شافعیؒ نے امام احمد سے یہ اس واسطے کہا کہ بہت سی احادیث ایسی ہی تھیں۔ جن کو صرف ایک ایک شہر کے راوی نقل کیا کرتے تھے مثلاً وہ احادیث جن کی صرف شام یا عراق کے ہی محدثین روایت کرتے تھے۔ بعض ایسی حدیثیں بھی تھیں کہ صرف ایک ہی خاندان کے لوگ ان کی روایت کرتے تھے۔ جیسے برید کا نسخہ ابو بردہ کی روایت سے ابو بردہ نے اس کو ابو موسیٰ سے روایت کیا ہے اور عمرو بن شعیب کا نسخہ اپنے باپ کی روایت سے اور ان کے باپ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور بعض صورتیں ایسی تھیں کہ بعض صحابہ قلیل الروایت اور گمنامی کی حالت میں تھے ان سے بہت کم لوگوں نے حدیثوں کو اخذ کیا۔ اس لیے ایسی حدیثوں سے عام مفتی علماء نے خبر دی ہے ان کے پاس احادیث کا وہی مجموعہ تھا جو ہر شخص کے فقیہ صحابہؓ اور تابعینؒ سے منقول تھا۔ مقدمین کی حالت ہی یہ تھی کہ صرف اپنے شہر اور اپنے درجہ کے لوگوں کی حدیثوں کو جمع کر سکتے تھے۔ اور نیز اگلے علماء اسماء الرجال اور راویوں کے درجہ عدالت کا اندازہ ان امور سے کر لیا کرتے تھے جو ان کو حالت کے مشاہدہ اور قرائن کے تتبع سے معلوم ہو جایا کرتے تھے لیکن اب اس طبقہ کے علماء نے اس فن میں نہایت غور کیا۔ اور اس کو مدون کر کے اور بحث و تفتیش کر کے ایک مستقل فن کر دیا اور احادیث کے صحیح اور غیر صحیح قرار دینے میں باہم مناظرے کیے گئے۔ اس طرح اس تدوین اور مباحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان حدیثوں کا فیصلہ ہو گیا۔ جن کا متصل یا منقطع ہونا پہلے مخفی تھا۔ پہلے یہ حالت تھی کہ امام

سفیان اور وکیع وغیرہم نہایت اہتمام اور اجتہاد کرتے تھے۔ لیکن صحیح احادیث ایک ہزار سے کم ہی ان کو بہم پہنچتی تھیں (ابوداؤد بجستانی نے اس کو اپنے اس رسالہ میں لکھا ہے جس کو انہوں نے اہل مکہ کو بھیجا تھا) اور اب اس طبقہ میں محدثین تقریباً چالیس ہزار تک احادیث کی روایت کرتے تھے امام بخاریؒ کی نسبت یہ امر صحیح ہے کہ انہوں نے چھ ہزار احادیث سے صحیح بخاری کو مختصر کیا ہے اور ابوداؤد کی نسبت بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ پانچ ہزار احادیث سے انہوں نے اپنے سنن کو منتخب کیا ہے اور امام احمد نے اپنی مسند کو احادیث نبوی کے معلوم کرنے کے لیے ایک میزان قرار دیا ہے۔ جو حدیثیں اس مسند میں موجود ہیں اگرچہ ان کی روایت ایک ہی طریقہ سے ہو ان کے لیے کوئی نہ کوئی اصل ہے ورنہ ان کو بے اصل سمجھنا چاہیے۔

اس طبقہ کے اساطین علماء یہ ہیں: عبدالرحمٰن بن مہدی' یحییٰ بن سعید قطان' یزید بن ہارون' عبدالرزاق ابوبکر بن ابی شیبہ' مسدد' ہناد' احمد بن حنبل' اسحاق بن راہویہ' فضل بن دُکین' علی مدینی اور ان کے دیگر ہم رتبہ محدثین طبقات محدثین میں یہ طبقہ طراز اور پہلا نمونہ ہے۔ جب محققین اہل حدیث نے فن روایت اور درجاتِ حدیث خوب مکمل کر لیے۔ تو اس کے بعد ان کی توجہ فقہ کی طرف مائل ہوئی۔ انہوں نے جب دیکھا کہ بہت سی احادیث اور آثار فقہا کے ہر ایک مذہب کے مخالف ہیں۔ اس واسطے متقدمین میں سے خاص کسی امام کی تقلید پر اتفاق نہیں کیا بلکہ انہوں نے احادیث نبوی' صحابہ' تابعین اور مجتہدین کے آثار کا تتبع کرنا شروع کیا اور اوروں کے لیے انہوں نے ایسے قواعد کی بناڈالی۔ جن کو اپنے ذہنوں میں انہوں نے خوب راسخ کر لیا تھا۔ ان قواعد کو چند تقریروں میں ہم بیان کرتے ہیں۔ ان کا مسلک یہ تھا کہ جب تک کسی مسئلہ کا حکم قرآن سے ثابت ہو تو کسی دوسری شئے کی طرف توجہ نہ کرنا چاہیے اور اگر قرآن میں حکم مسئلہ کا مختلف الوجوہ ہو تو اس کا فیصلہ حدیث سے کرنا چاہیے اور جب قرآن میں ان کو کوئی حکم نہیں ملتا تھا تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر عمل کرتے تھے۔ خواہ وہ حدیث مستفیض ہوتی جس پر فقہاء عملدرآمد کر چکے تھے یا کسی خاص شہر کے علماء یا کسی خاص خاندان کے علماء سے یا کسی خاص طریقہ سے وہ مروی ہوتی خواہ صحابہؓ اور فقہا نے اس پر عمل کیا ہوتا یا نہ عمل کیا ہوتا۔ کسی مسئلہ میں جب ان کو کوئی حدیث مل جایا کرتی تھی تو اس کے بعد پھر اس کے مخالف کسی اثر یا کسی اجتہاد کا اتباع نہیں کیا کرتے تھے اور جب نہایت کوشش اور تتبع احادیث کے بعد بھی اس مسئلہ میں حدیث نہیں ملتی تھی تو اس وقت صحابہؓ یا تابعینؒ میں سے ایک جماعت کا اقتداء کرتے تھے اور اُن کے اقوال پر عمل کر لیا کرتے تھے اس میں ان کو کسی قوم یا کسی شہر کی خصوصیت اور قید نہ تھی۔ ان سے قدما کا طریقہ بھی یہی تھا۔ ایسی صورت میں اگر اس مسئلہ میں جمہور خلفاء اور فقہا کا اتفاق تھا تب وہ اطمینان کافی کے قابل ہوتا تھا اور اگر وہ مسئلہ مختلف فیہ ہوتا تھا تو ایسے شخص کے قول کو ترجیح دیتے تھے۔ جو علم' ورع' ضبط اور اس کو شہرت کی وجہ سے فوقیت ہوا کرتی تھی اور اگر اس مسئلہ میں ایک ہی قوت کے دو قول ہوا کرتے تھے تو وہ مسئلہ ذات القولین رہتا تھا اور اگر ان امور کی تنقیح متعذر رہوا کرتی تھی تو اس وقت کتاب وقرآن کی عام تعبیروں میں ان کے ایماء اور اقتضاء میں غور کیا کرتے تھے۔ اور جب دو مسئلوں کی ایک سی حالت ہوئی تھی تو مسئلہ کو نظیر مسئلہ پر حمل کر لیا کرتے تھے۔ اس میں وہ قواعد اصولی کے پابند نہ تھے بلکہ جس طریقہ سے ایک اطمینانی حالت پیدا ہو جایا کرتی تھی اسی سے فیصلہ کیا کرتے تھے جیسے کہ تواتر کے لیے راویوں کی تعداد ان کی حالت کے لیے میزان نہیں ہے بلکہ اس کے لیے میزان وہ یقین ہے جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ صحابہؓ کے حالات میں ہم اس معیار کا ذکر کر چکے ہیں۔ اور ایسے تمام

اصول متقدمین کے برتاؤ اور اُن کی تصریحات سے مستخرج تھے۔ میمون ابن مہران سے منقول ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی دعوئی پیش ہوتا تھا تو وہ قرآن میں اس کے دعوئی کا جواب تلاش کیا کرتے تھے اگر اس میں جواب مل جاتا تو پہلے قرآن سے تلاش کرتے قرآن میں اس کا جواب نہ ملتا اور اس کے متعلق کوئی حدیث ان کو معلوم ہوتی تو ویسا ہی فیصلہ کرتے اور اگر قرآن و حدیث سے وہ حکم مسئلہ کا معلوم نہ کر سکتے تو باہر جا کر مسلمانوں سے دریافت کرتے کہ ایسا ایسا دعوئی میرے سامنے پیش ہوا ہے تم میں سے کسی کو معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ کیا تھا۔ اس وقت اکثر ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ تمام جماعت بول اٹھتی تھی۔ کہ آنحضرت ﷺ نے اس کا یہ فیصلہ کیا تھا تب وہ فرماتے الحمد للہ! ہمارے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جن میں آنحضرت ﷺ کے اقوال محفوظ ہیں۔ اور جب کسی طرح حدیث سے بھی حکم مسئلہ کا معلوم نہ ہوتا تب معتمد اور عمدہ لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے۔ جب کسی امر پر سب کا اتفاق رائے ہو جاتا تو اس کے موافق فیصلہ کرتے تھے۔

اور قاضی شریح سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو تحریر کیا تھا کہ قرآن میں سے جو حکم تم کو معلوم ہو تو اس کے موافق فیصلہ کرنا ایسا نہ ہو کہ لوگ تم کو اس سے باز رکھیں۔ اور اگر ایسا مسئلہ پیش ہو جس کا حکم قرآن میں نہ ملے تو حدیث کو تلاش کر کے اس کے موافق فیصلہ کرنا۔ اور اگر قرآن اور حدیث میں اس کا حکم نہیں ہے تو اس قول پر نظر کرنا جس پر لوگوں نے اتفاق کیا ہو اور اس کے موافق فیصلہ کرنا۔ اور اگر قرآن و حدیث میں اس مسئلہ سے خاموشی ہو اور تم سے اگلے لوگوں نے بھی اس میں سکوت کیا ہو تو دو امروں میں سے ایک کو اختیار کرنا اگر چاہو تو اجتہاد کرنا اپنی رائے سے اور اگر چاہو تو اجتہاد میں تاخیر کرنا۔ اور میں تمہارے لیے اسی تاخیر کو پسند کرتا ہوں۔ عبد اللہ ابن مسعودؓ سے منقول ہے وہ کہتے تھے کہ ہم پر ایسا زمانہ گزرا ہے کہ ہم کسی مسئلہ میں فتوئی نہ دیتے تھے۔ ہم اس درجہ تک نہ پہنچے تھے۔ اور اللہ نے مقدر کیا تھا کہ ہم کو اس درجہ تک پہنچا دیا جس کو تم دیکھتے ہو اس لیے آج سے جس کے سامنے کوئی فیصلہ پیش ہو تو وہ کتاب الٰہی کے موافق اس کا فیصلہ کرے اگر کتاب الٰہی میں اس کا جواب نہ ہو تو جیسے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہو اس کے موافق حکم دے اور اگر کتاب الٰہی میں اس کا جواب نہ ہو اور آنحضرت ﷺ نے بھی اس کے متعلق کوئی حکم نہ دیا ہو جیسا صالحین امت نے حکم دیا ہو اس کے موافق حکم دے اور اپنی طرف سے یہ نہ کہے کہ میں اس میں خوف کرتا ہوں اس کو پسند کرتا ہوں۔ اس لیے کہ امور حرام و حلال صاف صاف ہیں اور حرام و حلال کے بیچ میں مشتبہ امور ہیں اس واسطے مشتبہ کو ترک کر کے یقینی کو اخذ کرے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قاعدہ تھا کہ جب اس سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تھا۔ اور اس کا حکم قرآن میں ہوتا تو اسی کے موافق فیصلہ کرتے تھے اگر قرآن میں اس کا حکم نہ ملتا اور رسول اللہ ﷺ سے اس کا حکم ثابت ہوتا تو وہی بیان کر دیتے ورنہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے جو حکم اس کا دیا ہوتا وہ بیان کر دیتے۔ اور ان سے بھی کوئی حکم محقق نہ ہوتا۔ تب اپنی رائے سے اس کا جواب دیتے۔ عبد اللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے۔ کیا تم کو اس کا خوف نہیں ہے کہ تم کو اللہ عذاب دے۔ یا زمین میں تم کو دھنسا دے۔ تم کہتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کہا تھا۔ اور فلاں شخص نے ایسا کہا ہے۔ قتادہؓ سے روایت ہے کہ ابن سیرین نے ایک شخص کے سامنے ایک حدیث بیان کی تو اس شخص نے کہا فلاں شخص ایسا ایسا کہتے ہیں تب ابن سیرین نے کہا میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں۔ اور تم اس پر کہتے ہو کہ فلاں نے ایسا ایسا کہا ہے اوزاعی سے روایت ہے کہ عمر بن عبد العزیزؒ نے لکھ دیا

تھا کہ کتاب الٰہی میں کسی کو رائے دینے کا حق نہیں ہے۔ ائمہ صرف انہیں امور میں رائے دے سکتے ہیں جن کا حکم قرآن میں نازل نہ ہوا ہو اور نہ حدیث میں اس کا حکم دیا ہو۔ جس امر کو آنحضرت ﷺ نے قرار دیا ہو اس میں بھی کسی رائے کو دخل نہیں ہے اعمش سے روایت ہے کہ ابراہیم کا قول تھا کہ مقتدی امام کی بائیں جانب کھڑا ہوا کرے۔ میں نے سمیع زیات سے بروایت عبداللہ ابن عباسؓ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتدی کو دائیں جانب کھڑا کیا تھا۔ ابراہیم نے اسی کو اختیار کر لیا۔ شعبی سے منقول ہے کہ ایک شخص نے ان کے پاس آ کر ایک مسئلہ دریافت کیا۔ یحییٰ نے جواب دیا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ اس کا یہ جواب دیا کرتے تھے اس نے کہا آپ نے مجھ کو اپنی رائے بتائی۔ شعبی نے کہا تم اس شخص پر تعجب نہیں کرتے۔ میں عبداللہ ابن مسعودؓ کی طرف سے خبر دے رہا ہوں اور یہ کہتا ہے کہ تم مجھ کو اپنی رائے بتاؤ۔ واللہ مجھ کو راگ کا گانا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس سے کہ میں اپنی رائے ظاہر کروں (دارمی نے یہ تمام آثار بیان کیے ہیں۔ ترمذی نے ابوسائب سے روایت کی ہے کہ ہم امام وکیع کے پاس حاضر تھے انہوں نے ایک شخص کے سامنے جو رائے کو دخل دیا کرتا تھا بیان کیا کہ رسول اللہ نے اشعار (اونٹ کے کوہان پر دائیں جانب سے لوہے کہ چیز سے زخمی کرنا) کہا ہے۔ اور ابوحنیفہؒ کہتے ہیں۔ اشعار مثلہ ہے اس شخص نے کہا۔ ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ اشعار مثلہ سے ابوسائب کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی میں نے وکیع کو دیکھا کہ اس شخص پر انہوں نے بہت غصہ کیا اور کہا میں تجھے کہتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا ہے اور تو کہتا ہے کہ ابراہیم کا یہ قول ہے تو اسی قابل ہے کہ قید کر دیا جائے۔ اور جب تک اپنے قول سے باز نہ آئے رہا نہ کیا جائے۔ عبداللہ بن عباسؓ اور عطاء اور مجاہد اور مالک بن انسؒ سے مروی ہے کہ ان سب کا یہی قول ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے قول کو اختیار اور رد نہ کر سکیں بجز قول رسول اللہ ﷺ کے۔

جب علماء نے ان قواعد کے لحاظ سے فقہ کو ممہد اور مرتب کیا تو ان مسائل میں سے جن میں قدماء نے کلام کیا تھا۔ یا جو موجودہ اس زمانے میں پیش آئے تھے کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا جس کے متعلق کوئی حدیث مرفوع متصل یا مرسل یا موقوف صحیح یا حسن یا قابل اعتبار ہم نہ پہنچی ہو۔ یا شیخین اور دیگر خلفاء یا قضاۃ اور فقہا سے بلاد کے کسی اثر کا پتہ نہ لگا ہو۔ یا عموم و ایماء و اقتضاء سے اس کا سراغ نہ لگایا گیا ہو اس طرح پر علماء کے لیے اللہ نے مذہب پر عمل کرنا آسان کر دیا تھا۔ اس زمانہ کے علماء میں سے نہایت عظیم الشان وسیع الروایت حدیث سے زیادہ واقف فقہ میں سب سے زیادہ غائر النظر امام احمد بن حنبلؒ تھے۔ اور امام احمدؒ کے بعد اسحاق بن راہویہ اس ڈھنگ پر فقہ کو ترتیب دینے کے لیے بکثرت احادیث اور آثار جمع کرنے کی ضرورت تھی۔ یہاں تک کہ امام احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ فتویٰ دینے کے لیے ایک لاکھ حدیثیں کافی ہو سکتی ہیں۔ انہوں نے کہا اتنی کافی نہیں ہیں پھر کہا گیا کہ پانچ لاکھ کفایت کر سکتی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا مجھ کو امید ہے کہ اتنی کفایت کر سکیں۔ غایت المنتہی میں اس کو ذکر کیا ہے۔ امام احمد کی مراد اس قول سے یہی ہے کہ فقاہت کے ساتھ فتویٰ دینے کے لیے اتنی حدیثیں کافی ہیں۔

اس حالت کے بعد ایک دوسرے زمانہ کی پیدائش ہوئی انہوں نے اپنے اصحاب کو دیکھا کہ حدیث کی محنتوں سے انہوں نے اور لوگوں کو فارغ کر دیا ہے۔ فقاہت کا سامان کر چکے ہیں۔ انہیں کے اصول کا تفقہ میں انہوں نے لحاظ رکھا ہے۔ اس واسطے ان پچھلے لوگوں نے اور فنون کی جانب اپنا رخ کیا۔ مثلاً ان صحیح حدیثوں کو بالکل ممیز کر دیا جو کبریٰ حدیث کے نزدیک متفق علیہ صحیح تھیں۔

مثلاً زید بن ہرون' یحیٰ بن سعید قطان احمد' اسحاق' اوران کے ہم رُتبہ لوگوں نے ان کو صحیح مانا تھا۔ فقہ کے متعلق ان احادیث کو جمع کیا۔ جن پر بلاد اسلامی کے علماء اور فقہاء نے اپنے اپنے مذاہب کی بنیاد قائم کی تھی۔ اور جو حدیث حسن درجہ کی مستحق تھی۔ اس پر وہی حکم لگایا۔ اوران شاذ ونوادر احادیث کو جمع کیا جن کی سابقین نے روایت نہ کی تھی۔ اوران طرق کا انکشاف کیا جن کو قدماء نے طرق کے اندازہ سے بیان نہیں کیا تھا۔ ایسی احادیث میں وہ حدیثیں بھی ظاہر ہوئیں جن میں اتصال یا علو اسناد کا وصف تھا۔ یا ان کی روایت فقیہ نے فقیہ سے یا حافظ حدیث نے حافظ حدیث سے کی تھی۔ یا اس کے علاوہ اور مطالب علمی ان میں مندرج تھے۔ اس منصب کے محدثین بخاری' مسلم' ابوداؤد' عبد بن حمید' دارمی ابن ماجہ' ابویعلیٰ' ترمذی' نسائی' دارقطنی' حاکم' بیہقی' خطیب' دیلمی ابن عبدالبر اوران کے ہم پایہ لوگ ہیں۔ اور میرے نزدیک وسعت علمی میں سب سے زیادہ نافع مصنف سے سب سے مشہور تر چار شخص ہیں جن کا زمانہ قریب قریب ہے سب سے اوّل ابوعبداللہ بخاری ان کی غرض یہ تھی کہ تمام ایسی احادیث کا مجموعہ خالص کر دیں۔ جن میں صحیح' مستفیض اور متصل ہونے کے اوصاف ہوں اوران احادیث سے فقہ' سیرت' تفسیر کو مستنبط کریں۔ اس لیے انہوں نے اپنی جامع صحیح کو تصنیف کیا اور جس شرط سے تصنیف کی تھی۔ اس کو پورا کر دیا۔ ہم کو معلوم ہوا ہے ایک صالح شخص نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا تجھ کو کیا ہو گیا ہے کہ محمد بن ادریس کی فقہ میں تو مشغول ہے اور میری کتاب کو تو نے چھوڑ رکھا ہے اس شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ کی کتاب کون سی ہے آپؐ نے فرمایا صحیح بخاری' اور مجھ کو اپنی زندگی کی قسم ہے کہ صحیح بخاری کو شہرت اور مقبولیت ایسی حاصل ہوئی ہے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں ہو سکتی۔

اور دوسرے مصنف مسلم نیشاپوری ہیں انہوں نے بھی یہی قصد کیا کہ متفق علیہ صحیح حدیثوں کو خالص کر دیں جن پر محدثین نے اتفاق کیا ہو۔ اور وہ متصل مرفوع کے درجہ کی ہوں۔ ان سے مذہبی احکام مستنبط ہو سکیں اور یہ بھی انہوں نے قصد کیا کہ احادیث کو قریب الفہم کر دیں۔ استنباط مسائل میں ان سے آسانی ہو سکے۔ اس لیے انہوں نے نہایت مکمل ترتیب دی اور ایک ہی موقع پر ہر ایک حدیث کے تمام طرق کو بیان کر دیا۔ تاکہ نہایت صراحت کے ساتھ اختلاف اور تفرق اسانید کا اظہار ہو جائے تمام مختلف احادیث کو یکجا کر دیا تاکہ عربی زبان کے واقف کو کوئی موقع عذر کا باقی نہ رہے اور پھر وہ حدیث سے اعراض کرکے اور طرف متوجہ نہ ہو سکے۔

اور تیسرے مصنف ابوداؤد سجستانی ہیں۔ ان کا قصد یہی تھا کہ ایسی احادیث کو جمع کریں جن سے فقہاء استدلال کرتے ہیں۔ فقہاء میں ان کا تذکرہ رہتا ہے اور علمائے بلاد نے احکام کی بنیاد ان احادیث کو قرار دیا ہے۔ اس غرض کے لیے انہوں نے اپنی سنن کو تصنیف کیا۔ اس میں صحیح' حسن اور قابل عمل حدیثیں جمع کر دیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں ایسی حدیث جمع نہیں کی ہے جس کے ترک کرنے پر سب کا اتفاق ہو جو حدیث ضعیف تھی اس کا ضعف اور جس حدیث میں کوئی خدشہ یا علت کی بات تھی۔ اس کی وجہ سے علت صاف بیان کر دی۔ علم حدیث میں خوض کرنے والا اس وجہ کو خوب سمجھ سکتا ہے ہر حدیث میں انہوں نے اس مسئلہ کو بیان کر دیا جس کو کسی عالم نے مستنبط کیا تھا اور کسی کا وہ مذہب قرار پایا تھا۔ اس لیے غزالی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ مجتہد کے لیے یہ کتاب کافی ہے۔

چوتھے مصنف ابوعیسیٰ ترمذی ہیں انہوں نے شیخین امام بخاریؒ اور مسلم کے طریقوں کو پسندیدہ صورت میں کر دیا۔ انہوں نے صاف بیان کیا تھا یا کہیں ابہام دیکھا تھا۔ دونوں کو عمدہ شکل میں کر دیا اور اس لیے کہ ہر ایک صاحب مذہب کے مسائل کو مفصل بیان کر دیا ہے ابوداؤد کی مقاصد کی بھی تکمیل کر دی ہے۔ دونوں طریقوں کی جامعیت کے بعد ان پر یہ اضافہ کر دیا کہ صحابہ اور تابعین اور فقہائے امصار کے مذاہب کو پورا بیان کر دیا ہے۔ اس لیے ایک جامع کتاب کو انہوں نے ترتیب کر دیا ہے اور لطیف شکل میں طرق حدیث کو مختصر کر دیا ہے۔ ایک طریقہ کا ذکر کر کے دوسرے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور ہر ایک حدیث کی حالت بتا دی ہے کہ کون سی صحیح ہے کون سی حسن ہے ضعیف اور منکر کون سی ہے اور ہر ایک حدیث کی وجہ ضعیف بیان کر دی ہے تا کہ طالب حدیث کو اپنے مقصود میں پوری بصیرت حاصل ہو جائے اور جو احادیث قابل اعتماد ہیں ان کا پورا اندازہ کر سکے۔ حدیث شائع اور غریب کی تصریح کر دی ہے ہر ایک صحابی اور فقیہ کا مذہب نقل کر دیا ہے اور جس شخص کا نام معلوم کرنے کی ضرورت تھی اس کا نام بتا دیا اور جس کی کنیت کی ضرورت تھی اس کی کنیت بتا دی ہے اور علماء میں سے کسی کی نسبت کوئی امر مخفی نہیں رکھا ہے اس واسطے علماء کا قول ہے کہ یہ کتاب مجتہد اور مقلد دونوں کو کفایت کرتی ہے۔

امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ کے زمانہ اور مابعد میں اُن محتاط لوگوں کے مقابلہ میں ایسے علماء بھی تھے جن کو مسائل بیان کرنے میں کوئی ناگواری نہ تھی۔ فتویٰ دینے میں ان کو کچھ باک نہ تھا وہ کہتے تھے کہ دین کی بنا فقہ پر ہی ہے اس لیے اسی کی اشاعت ضروری ہے ان علماء کو حدیث کے بیان کرنے اور آنحضرت ﷺ تک سلسلہ روایت کے پہنچانے میں اندیشہ معلوم ہوتا تھا۔ شعبی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ورے کے لوگ روایت کے لیے مجھ کو زیادہ اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر حدیث میں کوئی کمی بیشی معلوم ہو گی تو اس کے ذمہ دار وہی لوگ رہیں گے جو آنحضرت ﷺ سے ورے ہیں۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں۔ مجھ کو یہ کہنا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ نے یہ کہا اور علقمہ کا یہ قول ہے اور عبداللہ ابن مسعودؓ جب کوئی حدیث بیان کیا کرتے تھے تو ان کا چہرہ بدل جایا کرتا تھا۔ اس وقت وہ کہا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا ہی یا اس کی مثل فرمایا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے انصار کی ایک جماعت کو کوفہ کی جانب روانہ کیا تو ان سے فرمایا تم کوفہ کو جاتے ہو۔ وہاں تم ایسے لوگوں سے ملو گے جو قرآن کو رقت سے پڑھتے ہیں وہ تمہارے پاس آ کر کہیں گے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ آئے ہیں۔ تب وہ تم سے حدیثیں دریافت کریں گے۔ تم رسول اللہ ﷺ سے احادیث کی روایت بہت کم کرنا شعبی کے پاس جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تھا تو وہ بہت ہی احتیاط کرتے تھے اور ابراہیم برابر اس میں گفتگو کیا کرتے تھے (دارمی نے ان آثار کو بیان کیا ہے)

اس وجہ سے حدیث اور فقہ اور مسائل مدون کرنے کی دوسری طرز کی ضرورت پڑی ان کے پاس اتنی احادیث اور آثار نہ تھے جن سے وہ لوگ فقہ کو ان اصول کے موافق مستنبط کر سکتے جن کو اہل حدیث نے پسند کیا تھا۔ اور علمائے بلاد کے اقوال غور اور بحث میں ان کو کشادہ دلی نہ تھی اور اپنے اپنے اماموں کے متعلق انہوں نے اعتقاد کیا تھا کہ ان کا پایہ تحقیق میں بہت بلند ہے اور سب سے زیادہ ان کو میلان اپنے اساتذہ کی طرف ہی تھا جیسے علقمہ کا قول ہے کہ کوئی عالم عبداللہ سے زیادہ قابل اعتماد نہیں ہے اور ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اور اگر صحابیت کی فضیلت نہ ہوتی تو میں کہتا کہ علقمہ ابن عمرو سے زیادہ فقیہ ہیں لیکن ان علماء کے

دین میں فطانت اور سرعت انتقال ایسا تھا جس سے وہ مسائل کا استخراج بخوبی کرتے تھے اور اپنے اصحاب کے اقوال سے اس کو خوب پیوند لگاتے تھے اور جو چیز جس کی پیدائش میں ہوا کرتی تھی وہی اس کے لیے آسان ہو جایا کرتی ہے۔ **وکل حزب بما لدیهم فرحون**. اس طرح پر ان علماء نے تخریج کے قاعدہ پر فقہ کی ترتیب دی ہر شخص اس کی کتاب کو محفوظ رکھتا تھا جو ان کے اصحاب کی زبان اور اقوال علماء کا زیادہ واقف اور ترجیح میں زیادہ درست رائے ہوا کرتا تھا اس لیے وہ ہر مسئلہ میں حکم کی وجہ میں غور کر سکتا تھا جب کسی عالم سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ اپنے اصحاب کے مصرح اقوال میں غور کرتا جو اس کو محفوظ ہوتے تھے اگر ان میں جواب مل جاتا تو فبہا ورنہ ان کے عموم کلام کو دیکھتا اور اس عموم سے حکم مسئلہ کا اخذ کر لیتا یا کسی کلام کے اشارہ ضمنی سے حکم کو مستنبط کر لیتا۔ اکثر بعض میں کوئی اشارہ یا اقتضاء ہوا کرتا تھا اس سے امر مقصود مفہوم ہو جایا کرتا تھا۔ اکثر کسی مصرح مسئلہ کی کوئی نظیر ہوا کرتی تھی اس ہی نظیر پر اصل مسئلہ کو حمل کر لیا کرتے تھے کبھی انہوں نے مصرح حکم کی علت میں تخریج یا سبر و حذف غور کیا اور اسی علت کو غیر مصرح حکم میں ثابت کر دیا اور کبھی اس عالم کے دو قول ہوا کرتے تھے۔ اگر ان کو قیاس اقترانی یا قیاس شرطی کے ہم شکل کر لیتے۔ تو جواب مسئلہ کا اس سے حاصل ہو جاتا۔ اکثر قدماء کے کلام میں ایسے امور تھے جو مثال اور تقسیم سے معلوم تھے۔ لیکن ان کی تعریف جامع اور مانع معلوم نہ تھی۔ اس واسطے ان فقہاء نے اہل زبان کی طرف رجوع کیا اور اس شئے کے ذاتیات حاصل کرنے میں کوشش کی اور اس کی تعریف جامع اور مانع مرتب کر دی۔ اس میں جو ابہام تھا۔ اس کو ضبط میں لے آئے۔ اور مشکل کو ممیز کر دیا۔ اکثر ان کے کلام میں چند وجوہ کا احتمال تھا انہوں نے دو احتمالوں میں سے ایک کو متعین کر دیا۔ کبھی دلائل طرز ادا ایسا نہ ہوتا تھا۔ جس سے نتیجہ صاف نہیں نکلتا تھا۔ یہ فقہا ان دلائل کو خوبی سے بیان کر دیتے ہیں بعض اصحاب التخریج اپنے آئمہ کے فعل اور ان کے سکوت وغیرہ سے استدلال کیا کرتے تھے۔ ان طرق مذکورہ کا نام تخریج تھا۔ اور اسی کے متعلق کہا کرتے تھے کہ فلاں شخص نے قول کو اس طرح خارج کیا ہے یا فلاں مذہب کے موافق یا فلاں شخص کے قاعدہ کے موافق یا فلاں شخص کے قول کے موافق مسئلہ کا جواب ایسا ہے اور ان کے تخریج کرنے والوں کو مجتہدین فی المذہب کہا کرتے تھے اور جس کا یہ قول ہے کہ جس نے مبسوط کو یاد کر لیا وہ مجتہد ہے۔ اس سے وہی اجتہاد مراد ہے جو تخریج سے تعلق رکھتا ہے۔ اگرچہ ایسے شخص کو روایت کا علم بالکل نہ ہو اور ایک حدیث بھی اس کو نہ آتی ہو۔ اس طرح ہر ایک مذہب میں تخریج واقع ہوئی۔ اور اس کی کثرت ہوگئی۔ اس کے بعد جس مذہب کے پیرو زمانہ میں مشہور ہو گئے اور قضا اور فتویٰ ان پر مفوض ہوا لوگوں میں ان کی تصانیف مشہور ہو گئیں۔ انہوں نے عام طور پر درس دینا شروع کیا۔ وہ مذہب اطراف عالم میں پھیل گیا۔ اور ہمیشہ اس کی شہرت بڑھتی گئی اور جس مذہب کے پیرو گمنام ہوئے اور قضا اور فتویٰ کی خدمت ان میں نہ رہی۔ لوگوں نے ان میں کافی رغبت نہ کی وہ چند روز کے بعد نابود ہو گیا۔



باب ۸۵

اس بیان میں کہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے اور پیچھے لوگوں کا کیا حال تھا

معلوم کرنا چاہیے کہ چوتھی صدی سے پہلے لوگ کسی خالص ایک مذہب معین پر متفق نہ تھے۔قوت القلوب میں ابو طالب مکی نے بیان کیا ہے کہ یہ کتابیں اور مجموعی نئی چیزیں ہیں۔قرن اوّل اور دوم میں پہلے لوگ اور لوگوں کے اقوال کے قابل نہ تھے کسی مذہب معین کے موافق فتویٰ دینے کا طریقہ معین نہ تھا خاص کسی شخص کا قول اختیار نہ کیا جایا کرتا ہر ایک قسم کے امر میں اسی کے قول کو نقل نہیں کیا کرتے تھے اسی کے مذہب پر فقہ کی بنیاد قائم نہیں ہوتی تھی۔انتہیٰ میں کہتا ہوں کہ دونوں قرنوں کے بعد کسی قدر تخریج کا طریقہ پیدا ہوگیا تاہم چوتھی صدی کے لوگ مذہب معین کی تقلید پر متفق نہ تھے کسی ایک مذہب کی فقہ کی پابندی نہ تھی کہ اس کا قول نقل کیا جائے۔جیسے کہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ اس زمانہ میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ❶ علماء ❷ عامی۔عوام کی حالت یہ تھی کہ اتفاقی مسائل میں جو مسلمانوں اور جمہور مجتہدین میں مختلف فیہ نہ تھے۔وہ صرف صاحبِ شرع کی ہی تقلید کرتے تھے۔وضو،غسل،نماز،زکوٰۃ کا طریقہ وہ اپنے باپ دادوں یا اپنے شہروں کے علماء سے سیکھ لیا کرتے تھے اسی روش پر وہ چلتے تھے اور جو کوئی نیا واقعہ پیش آتا تو جو کوئی مفتی مل گیا اس سے مسئلہ دریافت کرلیا۔کسی مذہب معین کی تخصیص نہ تھی اور خاص درجہ کے لوگوں کی یہ حالت تھی کہ ان میں سے محدثین علم حدیث میں مصروف تھے ان کے پاس احادیث نبوی اور آثار صحابہ میں ضروری حدیثیں موجود تھیں کہ مسئلہ میں اور کسی چیز کی ان کو حاجت نہ تھی۔وہ حدیثیں مستفیض یا صحیح قسم کی جمع تھیں جن پر فقہاء عمل کر چکے تھے جو ان پر عمل نہ کرے وہ قابل عذر نہیں ہے اور نیز ان کے پاس ایک مجموعہ ان قولوں کا تھا جو جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین سے ایسے مؤید تھے کہ ان کی مخالفت نازیبا نہ تھی اگر تعارض نقل یا وجہ ترجیح ظاہر نہ ہونے وغیرہ سے مسئلہ میں ان کا دل مطمئن نہیں ہوتا تھا تو گزشتہ فقہاء میں سے کسی کے قول کی طرف رجوع کر لیا کرتے تھے۔اور اگر فقہا کے دو قول اس مسئلہ میں ان کو ملتے تھے اور ان میں سے جو زیادہ قابل اعتماد ہوتا اس کو اختیار کر لیا کرتے تھے۔خواہ وہ فقیہ اہل مدینہ سے ہوتا یا اہل کوفہ سے۔اور ایک فرقہ ان خاص لوگوں میں اصحاب التخریج کا تھا جس مسئلہ کو وہ مصرح نہ پاتے اس میں وہ تخریج کرتے تھے اور مذہب میں اجتہاد کیا کرتے تھے اور یہ لوگ اپنے اصحاب کے مذہب کی طرف منسوب ہوا کرتے تھے یوں کہا جاتا تھا کہ فلاں شخص شافعی ہے اور فلاں حنفی،اور اہل حدیث بھی جس مذہب سے زیادہ موافق ہوا کرتے تھے۔کبھی کبھی اس مذہب سے منسوب ہوتے تھے۔جیسے کہ نسائی اور بیہقی امام شافعی کی طرف منسوب ہوتے تھے اور بجز مجتہد کے کسی کو قضاء اور فتویٰ کی خدمت نہیں ملتی تھی اور صرف مجتہد ہی کو فقیہ کہتے تھے ان قرنوں کے بعد لوگ دائیں بائیں آوارہ ہوگئے اور چند امور ان میں بالکل نئے پیدا ہوگئے ❶ علم فقہ کے متعلق ان میں نزاع اور خلاف پیدا ہوگیا۔اس کی تفصیل جیسے کہ غزالی نے بیان کی ہے یہ ہے کہ جب خلفاء راشدین مہدین کا زمانہ گزر گیا۔اور خلافت ان لوگوں کو مل گئی جو اس کے قابل اور مستحق نہ تھے۔اور فتووں اور احکام دین کا مستقل علم ان کو نہ تھا اس واسطے ان کو ضرورت ہوئی کہ فقہاء سے مدد لیں اور ہر حال میں ان کو اپنے ساتھ رکھیں۔اس زمانہ میں ایسے

علماء باقی تھے جن کی روش قدیمی تھی۔ وہ ہمیشہ صاف دین کے پابند تھے اس لیے جب وہ حریم خلافت میں طلب کیے جاتے تھے تو اس سے گریز کرتے تھے اور خلفاء کی صحبت سے اعراض کرتے تھے تب اس زمانہ کے لوگوں نے دیکھا کہ علماء کی بڑی عزت ہے یہ لوگ سلاطین سے اعراض کرتے ہیں اور وہ ان پر ٹوٹے پڑتے ہیں تو ان لوگوں نے اعزاز اور مرتبہ حاصل کرنے کی آرزو میں نہایت شوق سے علم کی طلب میں توجہ کی اور اب فقہاء مطلوب ہونے کے بعد طالب ہو گئے اور پہلے جیسے سلاطین کی بے التفاتی کی وجہ سے معزز تھے ویسے ہی اب ذلیل ہو گئے۔ سلاطین کی طرف توجہ کرنے سے **الا من وفقه الله**. اور ان لوگوں سے پہلے لوگ علم کلام میں کتابیں تصنیف کر چکے تھے اور اس فن میں بہت قیل و قال ہو چکی تھی۔ اعتراضات و جوابات مقابلہ اور جدل کا طریقہ مند ہو چکا تھا اب افسروں اور سلاطین کی طبیعتیں فقہ میں مناظرہ کی جانب مائل ہوئیں۔ اور مذہب شافعیؒ اور ابو حنیفہؒ کے مذاہب کی اولویت ظاہر ہونے کی خواہشیں ان میں پیدا ہو گئیں۔ اس لیے اس علم کلام کی ترتیب ان علماء کے لیے باموقع ہو گئی۔ لوگ علم کلام اور علمی فنون کو چھوڑ کر خاصۃً امام شافعی اور امام ابو حنیفہؒ کے خلافی مسائل کی طرف متوجہ ہو گئے اور جو اختلافات باہم امام مالکؒ اور سفیان اور احمد بن حنبل وغیرہم کے تھے ان کا بخوبی اہتمام نہیں کیا۔ اور یہ لوگ سمجھے کہ اس تفتیش سے ہماری غرض شرع کے دقیق مسائل کا مستنبط کرنا اور مذاہب کی علتوں اور وجوہ کا بیان کرنا اور اصول و فنون کی تمہید ہے ان اختلافات میں تصانیف استنباطات بکثرت ہو گئیں اور رنگ برنگ مجادلوں اور تصانیف کو انہوں نے مرتب کیا اور اب تک برابر وہ اسی حالت میں مصروف ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ آئندہ زمانوں میں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے کیا مقدر کیا ہے۔ انتھی حاصلہ

جیسے یہ خرابی لوگوں میں پیدا ہو گئی تھی ایسے ہی یہ خرابی بھی پیدا ہوئی کہ ان کو تقلید کا پورا اطمینان ہو گیا اور آہستہ آہستہ تقلید ان کے سینوں میں سرایت کرتی گئی اور ان کو خبر بھی نہ تھی کہ یہ اثر کیونکر پھیلتا جاتا ہے اس تقلید کی پختگی کا ❶ سبب تو یہ تھا کہ فقہاء میں باہم مزاحمت اور مجادلہ ہونے لگا لوگ فتووں میں روک ٹوک کرنے لگے جو شخص فتویٰ دیتا تھا فوراً اس کے فتویٰ پر اعتراضات کیے جاتے تھے۔ اس کا رد کیا جاتا تھا۔ انجام کار سخن کا سلسلہ متقدمین سے کسی شخص کے مصرح قول پر ختم ہوتا تھا ❷ سبب حکام اور قضاۃ کا جور و تعدی بھی تقلید کا باعث ہوا۔ اکثر حکام کی طبیعت میں جور ہو گیا تھا ان میں تدین اور امانت کی صفت مفقود تھی۔ ان کے فیصلے جب ہی مقبول سمجھے جاتے تھے کہ عام لوگوں کو ان میں اشتباہ باقی نہ رہے اور اس کا قول کسی شخص سابق کے مطابق ہو ❸ سبب سرتاج لوگوں کی جہالت اور بے علموں سے فتویٰ لینا تقلید کا باعث ہوا۔ یہ مفتی علم حدیث اور تخریج کے طریقہ سے ناواقف ہوتے تھے۔ جیسے کہ اکثر متاخرین کی ظاہراً حالت ایسے ہی تم دیکھتے ہو۔ ابن ہمام وغیرہ نے اس پر تنبیہ کی ہے اس زمانہ میں فقیہ ان لوگوں کا نام تھا جو مجتہد کے پایہ کے نہ تھے ❹ وجہ تقلید کی یہ ہوئی کہ اکثر لوگوں کے ہر فن میں عمیق باتوں کی جانب زیادہ توجہ کی بعض نے خیال کیا کہ ہم علم اسماء الرجال کی بنیاد مستحکم کر رہے ہیں۔ جرح اور تعدیل کے مرتبوں کو معلوم کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے قدیم اور جدید تاریخ کی طرف توجہ کی۔ بعضوں نے نادر نادر خبروں اور غرائب آثار میں تفحص کیا اگرچہ وہ خبریں موضوع کے درجہ کی تھیں کسی نے اصول فقہ کے متعلق زیادہ گفتگو کی۔ ہر ایک شخص نے اپنے اپنے اصحاب کے مناظرہ کے اصول مستنبط کیے۔ اور انتہائی درجہ تک اعتراضات کی بھرمار کی۔ اور ان کے جوابات دے کر گلو خلاصی کی۔ ہر ایک امر کی تعریفات اور تقسیم کا اہتمام کیا۔ کبھی طول کلام کیا' کبھی اختصار کیا'

بعض نے اس میں یہ روش اختیار کی کہ مسائل کی وہ مستبعد صورتیں فرض کیں جو اس قابل تھیں کہ کوئی عاقل ان کے درپے نہ ہوتا۔ رجیں اوران سے ادنیٰ درجہ کے لوگوں کی کلام سے ایسے عمومات اور ایماءات کی تفتیش کی۔ کہ جن کا سننا عالم بلکہ جاہل کو بھی گوارا اور پسند نہیں ہوا کرتا اس جدل ومخالفت اور تعمق کا ضرر اور فتنہ اس فتنہ اولیٰ کے قریب قریب تھا۔ جب لوگوں نے ناک کے متعلق فساد اور جھگڑے برپا کیے تھے۔ ہر شخص نے اپنے اپنے ہمراہی کی امداد کی تھی۔ جیسے ان فسادوں کا یہ انجام ہوا کہ آخر کو گزندہ حکومت قائم ہوگئی اور نہایت کورو تاریک واقعات پیش آئے ایسے ہی ان اختلافات نے جہالت اور اختلاط اور شکوک واوہام کو ہر جانب پھیلا دیا۔ اس لیے ان قرنوں کے بعد صرف خالص تقلید شائع ہوگئی۔ حق وباطل اور مخاصمت اور استنباط میں کچھ تمیز نہ رہی۔ فقیہ اس زمانہ میں اس شخص کا نام ہوگیا کہ جو بے احتیاطی سے زیادہ بک بک کر کے فقہاء کے قوی وضعیف بلاتمیز محفوظ کرے اور منہ زوری سے ان کو بیان کرتا جائے۔ اور محدث اس شخص کا نام ہوگیا جو صحیح سقیم حدیثیں شمار کرے اور قصہ گویوں کی طرح ان کو بے سمجھے بوجھے بیان کرتا جائے۔ میں کلیتہً یہ بیان نہیں کرتا ہوں۔ اس لیے کہ بندگانِ الٰہی میں ایسی جماعت ہمیشہ ہوا کرتی ہے جن کو کوئی رسوا کرنے والا مضرت نہیں پہنچا سکتا: **وھم حجۃ اللہ فی ارضہ** . اگرچہ ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو۔ اب جو زمانہ آتا گیا اس میں فتنہ اور تقلید کی زیادتی ہی ہوتی گئی اور لوگوں کے دلوں سے دم بہ دم تدین دُور ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ امورِ دین میں خوض کرنا انہوں نے ترک کر دیا اور وہ مطمئن ہو گئے اور کہنے لگے: **اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَ نَا عَلٰی اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ** . ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک جماعت پر متفق پایا ہے۔ ہم انہیں کے نشانوں کے پیرو ہیں۔ **والی اللہ المشتکی وھو المستعان وبہ الثقتہ وعلیہ التکلان**.

فصل

مناسبت مقام یہ ہے کہ ان مسائل پر لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے جن میں فہموں کو حیرت اور قدموں کو لغزش اور قلموں کو گمراہی ہوا کرتی ہے: ① مسئلہ یہ ہے کہ امت محمدیہ یا ان لوگوں نے جو اس امت میں قابل اعتبار ہیں اس پر اتفاق کیا ہے کہ ان مذاہب اربعہ کی تقلید جو مدون ہو چکے ہیں اور تحریروں میں آچکے ہیں فی زمانناجائز اور درست ہے اس تقلید میں بہت سی مصلحتیں ہیں **ما لا یخفی خاصتہٗ** اس زمانہ میں جس میں لوگ نہایت ہی قاصرہ الہمت ہو گئے ہیں اور نفسوں میں خواہشیں جم گئی ہیں اور ہر شخص اپنی اپنی ہی رائے پر ناز کرتا ہے۔ پس ابن حزم نے جو تقریر کی ہے کہ ''تقلید بالکل حرام ہے کسی کو جائز نہیں ہے کہ بجز رسول اللہ ﷺ کے بلا دلیل کسی شخص کے قول کو اختیار کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انہیں امور کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اور اللہ کے علاوہ اور مقربین کا اتباع مت کرو۔ **وَاتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ** . اور نیز اللہ فرماتا ہے جب مشرکین سے کہا جاتا ہے ان احکام کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیے ہیں تو وہ کہتے ہیں نہیں ہم تو انہیں چیزوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے: **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا** . اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح میں جو تقلید نہیں کرتے فرمایا ہے میرے ان بندوں کو مژدہ سنادو جو بات کو سن کر اس کا اتباع کرتے ہیں جو سب سے زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ انہیں کو اللہ نے ہدایت کی ہے اور وہی

عقل والے ہیں۔ ﴿فَبَشِّرْ عِبَادِی الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُو الْاَلْبَابِ﴾ اور نیز فرمایا ہے اگر تم کسی بات میں نزاع کرو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم کو اللہ اور روز قیامت پر ایمان ہے۔ ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ خدا تعالیٰ نے منازعت کے وقت بجز قرآن وحدیث کے کسی امر کی طرف متوجہ ہونے کو جائز نہیں کیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منازعت کے وقت بجز قرآن وحدیث کے کسی شخص کے قول کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ یہ قول قرآن وحدیث کے غیر ہے اور تمام صحابہ اور تمام تابعین اور تمام تبع تابعین کا اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے زمانہ یا زمانہ سابق کے کسی شخص کے قول کی طرف توجہ اور قصد نہ کرے اس لیے وہ شخص خوب سمجھ لے جو امام ابوحنیفہؒ یا مالکؒ یا شافعیؒ یا احمدؒ یا حنبلؒ کے تمام اقوال کی پیروی کرتا ہے اور ان میں سے اپنے پیشوا کے سوا کسی کی بھی پیروی نہ کرے اور جب تک قرآن وحدیث کے احکام کو کسی شخص خاص کے قول کی جانب نہ پھیر لے۔ ان پر بالکل اعتماد نہ کرے کہ وہ تمام امت کا اوّل سے آخر تک مخالف ہے یقیناً اس میں کچھ شبہ نہیں ہے وہ اپنے ہمراہ تینوں مبارک زمانوں میں سے کسی کو نہ پائے گا۔ اس لیے ایسے شخص نے وہ راستہ اختیار کیا۔ جو مسلمانوں کا نہیں ہے۔ **نعوذ باللہ من ھذہ المنزلۃ**

اور نیز ان تمام فقہا نے غیر سلف کی تقلید سے منع کیا ہے۔ اس واسطے ایسا شخص ان کے مخالف ہے۔ جن کی وہ تقلید کرتا ہے۔ اور نیز وہ کون شخص ہے جس نے مذکورہ بالا لوگوں یا ان کے علاوہ کسی اور کی تقلید کو حضرت عمر بن خطاب یا حضرت علی ابن ابی طالب اور حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت عبداللہ ابن عمر یا عبداللہ ابن عباس یا حضرت عائشہ ام المؤمنین ؓ کی تقلید سے اولیٰ قرار دیا ہو۔ پس اگر تقلید جائز ہی ہو تو اوروں کی نسبت یہی حضرات مقتداء اور پیشواء ہونے کے زیادہ قابل ہیں۔ انتہیٰ یہ تقریر ابن حزم کی اس شخص کے حق میں پوری ہو سکتی ہے۔ جس کو اجتہاد کا کچھ بھی مرتبہ حاصل ہو۔ اگرچہ ایک ہی مسئلہ میں کیوں نہ ہو۔ یا اس شخص کے حق میں ہو سکتی ہے۔ جس کو صاف معلوم ہو سکے کہ آنحضرت ﷺ نے فلاں امر کا حکم فرمایا ہے اور فلاں امر کو منع فرمایا ہے اور یہ حکم آنحضرت ﷺ کا منسوخ نہیں ہے اس کو یہ علم احادیث کے تتبع سے ہوا ہو۔ ہر مسئلہ میں مخالف اور موافق اقوال کی جانچ کی ہو۔ ان اقوال کا کوئی ناسخ اس نے نہ پایا اس نے علمائے متاخرین کی ایک جماعت کثیر کو متفق پایا ہو۔ اس نے اس کے مخالف کو دیکھا کہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس یا استنباط وغیرہ کو پیش کرتا ہو ایسی حالت میں حدیث کی مخالفت کا کوئی سبب نہیں ہو سکتا۔ **الانفاق خفی اوحمق جلی**

اسی کی طرف شیخ عزالدین ابن عبدالسلام نے اشارہ فرمایا ہے وہ کہتے ہیں کہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ فقہائے مقلدین میں سے بعض کو اپنے امام کا ضعف ماخذ معلوم ہو جایا کرتا ہے اس کے ضعف کو کوئی چیز دفع نہیں کرتی۔ اس پر بھی وہ اس امام کی تقلید ہی کیے جاتا ہے اور جس شخص کے مذہب پر قرآن وحدیث اور صحیح قیاسات کی شہادت ملتی ہے۔ اس کو بالکل ترک کر دیتا ہے اس کو ان ہی امام کے مذہب سے وابستگی رہتی ہے بلکہ ایسے ایسے حیلے کرتا ہے جن سے ظاہر قرآن وحدیث کو دفع کر دے اور بعید و باطل تاویلیں ان میں گھڑتا ہے تا کہ اپنے مقتداء کی حمایت کرے اور نیز وہ شیخ کہتے ہیں کہ لوگ ہمیشہ سے جو عالم ان کو ملا اس سے مسئلہ دریافت کرتے رہے کسی خاص مذہب کے وہ مقید نہ تھے کسی سائل پر وہ انکار نہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان مذاہب اور متعصب مقلدین کا ظہور ہوا

اب ہر شخص اپنے امام کی ایسی پیروی کرنے لگے گویا وہ نبی مرسل ہے اگرچہ اس کا مذہب دلیلوں سے کیسا ہی دور ہو۔ ایسا شخص حق اور صواب سے بالکل دور ہٹ گیا: **لا یرضی به احدا من اولی الالباب.**

امام ابوشامہ کا قول ہے کہ جو شخص فقہ میں مصروف ہو اس کو یہی مناسب ہے کہ کسی خاص مذہب امام پر نظر کو قاصر نہ کرے۔ ہر ایک مسئلہ میں اسی امر کی صحت پر اعتقاد رکھے جو قرآن وحدیث کی رہبری سے معلوم ہوتا ہو۔ جب کوئی شخص ابتداء ہی سے اہم علوم کو خوب پختہ کر لے گا اس کو یہ امر سہل ہوگا اور تعصب اور متاخرین کے طرق اختلافات میں غور کرنے سے احتراز کرنا چاہیے یہ امور وقت کو ضائع کرتے ہیں اس سے صاف طبیعتیں مکدر ہو جاتی ہیں۔ امام شافعیؒ سے بروایت صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی اور کسی دوسرے کی تقلید سے لوگوں کو منع کیا ہے۔ اور امام شافعیؒ کے صاحب امام مزنی اپنے مختصر کے شروع میں بیان کرتے ہیں۔ کہ اس میں میں نے امام شافعیؒ کے علم اور ان کے اقوال کے معانی بالا اختصار بیان کیے ہیں۔ تا کہ جو شخص ان کے معلوم کرنے کا قصد کرے اس کا ذہن ان سے قریب ہو جائے میں اس شخص کو یہ بھی بتاتا ہوں کہ امام شافعیؒ نے لوگوں کو اپنی اور غیر کی تقلید سے منع کر دیا ہے تا کہ آدمی اپنے دین اور احتیاط نفس کے لیے ان کے قول میں غور کرے یعنی میں اس شخص کو جو علم شافعیؒ کے حاصل ہونے کا قصد کرے یہ بتاتا ہوں کہ امام شافعیؒ نے اپنی تقلید اور اوروں کی تقلید سے لوگوں کو منع کر دیا ہے۔ انتہی

اور نیز ابن حزم کا قول اس شخص کے حق میں درست ہے جو محض عامی ہے اور وہ کسی معین فقیہ کی یہ سمجھ کے تقلید کرتا ہو کہ ایسے شخص سے خطا ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کی جو بات ہوتی ہے۔ وہ بالکل ٹھیک ہی ہوتی ہے اور خوب اپنے دل میں جما لے کہ اس کے خلاف دلیل کیسی ہی ظاہر ہو۔ میں اس کی تقلید کو ترک نہ کروں گا۔ اسی حالت کے متعلق ترمذی نے عدی بن حاتم سے روایت کی ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا ہے کہ عیسائیوں نے اپنے علماء اور رہبانوں کو علاوہ اللہ کے اپنا رب قرار دے لیا تھا: **اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ.** آنحضرت ﷺ نے اس کو پڑھ کر فرمایا کہ عیسائیوں نے ان کو معبود قرار نہ دیا تھا بلکہ وہ جس چیز کو حلال کہتے تھے اسی کو یہ حلال سمجھ لیتے تھے اور جس چیز کو وہ حرام ٹھہراتے تھے یہ بھی اسی کو حرام سمجھ لیتے تھے۔ اور جس چیز کو وہ حرام ٹھہراتے تھے یہ بھی اسی کو حرام سمجھ لیتے تھے۔ اور نیز اس شخص کے حق میں بھی یہ تقریر درست ہے کہ جو حنفی ہو کر شافعی سے فتویٰ دریافت کرنے کو جائز نہ جانتا ہو اور اس کو تجویز نہ کرتا ہو کر حنفی مثلاً امام شافعی کا اقتداء کر سکے۔ اس لیے کہ ایسا خیال قرونِ اولیٰ صحابہؓ اور تابعینؒ کے اجماع اور اتفاق سے بالکل خلاف ہے۔

ابن حزم کا قول اس شخص کے متعلق نہیں ہو سکتا ہے کہ جو شخص صرف آنحضرت ﷺ کے قول کا مطیع ہے اسی چیز کو وہ حلال سمجھتا ہے جس کو اللہ اور رسول نے حلال اور حرام کیا ہے لیکن چونکہ وہ نہیں جان سکتا کہ آنحضرت ﷺ کا کیا ارشاد ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ کے مختلف اقوال کو جمع نہیں کر سکتا آپؐ کے کلام سے کوئی امر مستنبط نہیں کر سکتا۔ اس لیے وہ کسی رہنما عالم کی پیروی کر لیتا ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا قول درست ہوا کرتا ہے۔ وہ برملا فتویٰ دیا کرتا ہے اور طریق رسول اللہ ﷺ کا متبع ہے۔ اور اگر اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا۔ تو فوراً اس کی متابعت ترک کر دیتا ہے اس میں کچھ جھگڑا اور اصرار نہیں کرتا اس قسم کی حالت کا کوئی کیسے انکار کر سکتا ہے آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے مسلمانوں میں برابر فتویٰ دینے اور فتویٰ لینے کا طریقہ جاری ہے۔ اور اس میں کچھ فرق نہیں ہے

کہ ایک شخص سے ہمیشہ مسئلے پوچھا کر دیا کبھی اس سے دریافت کر لیا کبھی اس سے۔ لیکن حالت مذکورہ کا ثابت رہنا چاہیے۔ ہم کسی فقیہ پر یہ ایمان نہیں لاتے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فقہ کی وحی بھیجتا ہے۔ اور اللہ نے اس کی اطاعت ہم پر فرض کردی ہے۔ اور وہ بالکل معصوم ہے۔ اگر ہم کسی فقیہ کا اتباع کرتے ہیں تو صرف اس واسطے کرتے ہیں کہ وہ قرآن وحدیث سے واقف ہے اس کا قول یا قرآن و حدیث کا صریح حکم ہوگا یا کسی طریقہ سے اس نے قرآن وحدیث سے اپنے قول کو مستنبط کیا ہوگا۔ یا اس نے قرائن سے معلوم کیا ہوگا کہ فلاں سورت میں جو حکم دیا گیا ہے وہ فلاں وجہ سے دیا گیا ہے۔ یا اطمینان قلب سے اس کو اس حکم کی علت معلوم ہوگئی تھی۔ اس واسطے اس نے منصوص پر غیر منصوص کو قیاس کر لیا یا وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے خوب سمجھ لیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جہاں کہیں یہ علت ہوگی وہاں فلاں حکم پایا جائے گا اور اس عموم میں وہ شئے بھی مندرج ہے۔ جس کو قیاس کہا ہے اس واسطے یہ قول بھی گویا آنحضرت ﷺ کی طرف ہی منسوب ہوگا لیکن اس طریقہ میں امور ظنی شامل ہیں اور اگر یہ احتمال نہ ہوتا تو کون سا مسلمان کسی مجتہد کی پیروی کیا کرتا اس وقت میں اگر ہم کو رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بسند صحیح معلوم ہو جائے جن کی اطاعت ہم پر خدا نے فرض کی ہے اور اس حدیث سے ہم کو معلوم ہو جائے کہ امام کا مذہب اس کے خلاف ہے اور اس کے بعد ہم حدیث کو ترک کر کے اس مجتہد کی تخمین کا اتباع کریں۔ تو ہم سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے اور جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے پیش ہوں گے تو ہمارا کیا عذر ہوگا۔

ان مسائل مشکلہ میں سے ایک امر یہ ہے کہ کلام فقہاء میں سے تخریج کرنا اور لفظ حدیث کا تتبع کرنا ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے دین میں مضبوط اصل ہے ہر زمانہ کے علمائے محققین دونوں کو اختیار کرتے رہے ہیں بعض کا زیادہ اہتمام تخریج کی طرف تھا اور لفظ حدیث کے تتبع کا لحاظ وہ کم کرتے تھے اور بعض لفظ حدیث کا زیادہ اہتمام کرتے تھے اور تخریج کی جانب ان کا التفات نظر کم تھا لیکن جیسے فریقین سے عام لوگوں کا شیوہ ہے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہر ایک امر کا اہتمام پورا پورا نہ کیا جائے۔ حق الامر یہ ہے کہ اس طرح بحث کرنا چاہیے جس سے ایک کی مطابقت دوسرے سے ہو جائے اور جو ایک میں خرابی ہو وہ دوسرے سے نکل جائے امام حسن بصری کا قول ہے۔ بخدا جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ افراط تفریط کے بیچ میں تمہاری سنت کا درجہ ہے مفرط اور مفرط کے درمیان اس لیے جو شخص اہل حدیث سے ہو اس کو مناسب ہے اپنے مختار کردہ اور مذہب کو تابعین میں سے مجتہدوں کی رائے پر پیش کرے اور جو اہل تخریج سے ہو۔ اس کو مناسب ہے کہ احادیث میں سے وہ حدیثیں اختیار کرے۔ جن میں صریح اور صحیح احادیث کی مخالفت سے وہ احتراز کر سکے۔ جس امر میں حدیث یا کوئی اثر وارد ہوئی وہاں اپنی رائے کو بقدر طاقت دخل دینا نہیں چاہیے۔ محدث کو یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ ان قواعد میں زیادہ تعمق کرے جو ارباب حدیث نے مستحکم کیے ہیں لیکن شارع نے ان کی کچھ تصریح نہیں کی ہے اور اس وجہ سے وہ محدث کسی حدیث یا صحیح قیاس کو رد کر دے جیسے ان حدیثوں کو رد کر دیں۔ جن میں ارسال یا انقطاع کا ادنیٰ شائبہ بھی ہو جیسے ابن حزم نے تحریم معازف کی حدیث کو صرف اس خیال سے رد کر دیا کہ بخاری کی روایت میں اس کے انقطاع کا شائبہ تھا حالانکہ وہ حدیث فی نفسہٖ متصل اور صحیح ہے ایسے امور کا لحاظ تعارض کے وقت کیا کرتے ہیں۔ اور مثلاً محدثین کا قول ہے کہ فلاں شخص حدیث کا زیادہ حافظ ہے۔ اس وجہ سے محدثین اسی شخص کی حدیث کو دوسرے کی حدیث پر ترجیح دیا کرتے ہیں گو کہ دوسرے میں ترجیح کی ہزار وجہیں کیوں نہ ہوں۔ اور نیز روایت بالمعنی کے وقت جمہور راویوں کو اس کا اہتمام ہوتا تھا کہ اصلی معنی

ادا ہو جائیں۔ وہ ان اعتبارات کا کچھ لحاظ نہیں کرتے تھے جن کا کہ اہل عربیت میں سے زیادہ خوض کرنے والے کیا کرتے ہیں۔اس واسطے اہل تخریج کا مثلاً فایا واؤ سے یا کسی کلمہ کی تقدیم و تاخیر وغیرہ سے استدلال کرنا محض تعمق اور زیادتی ہے۔اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دوسرا راوی اکثر اس قصہ کو جو ایک راوی نے بیان کیا تھا بدل دیا کرتا ہے۔اور بجائے ایک حرف کے دوسرا حرف لایا کرتا ہے اور حق اور ظاہر یہی ہے کہ راوی جو حدیث بیان کیا کرتا ہے وہ آنحضرت ﷺ کا ہی کلام ہوا کرتا ہے اس کے بعد اگر کوئی حدیث یا دلیل ظاہر ہوگی تو اس کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔

اور صاحبِ تخریج کو مناسب نہیں ہے کہ وہ ایسے قول کو خارج کرے جو اس کے اصحاب کے صرف کلام سے مفہوم نہ ہوتا ہو۔ اور اہل عرف اور علمائے لغت اس سے معلوم نہ کر سکتے ہوں کسی مسئلہ کے ماخذ سے یا کسی مسئلہ کی ایسی نظیر سے خارج کیا ہو جس میں اہل رائے مختلف ہوں اور باہم اس میں رائیں مختلف ہوں اگر اس مسئلہ کو اس صاحبِ تخریج کے اصحاب سے بھی یہ مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ خود ہی کسی مانع کی وجہ سے نظیر کو نظیر پر حمل کرتے یا اس کی کوئی ایسی علت بیان کرتے جو اس علت کے خلاف ہوتی جو اس نے خارج کی ہے۔تخریج کا جواز محض اسی لیے ہے کہ اس میں حقیقت مجتہد کی تقلید ہوا کرتی ہے اور یہ تقلید جب ہی مکمل ہوتی ہے کہ مجتہد کے کلام سے مفہوم بھی ہوتی ہو اور صاحب تخریج کو یہ بھی نا زیبا ہے کہ اپنے یا اپنے اصحاب کے متخرج قاعدے سے کسی حدیث یا اثر کو جس پر محدثین کا اتفاق ہو رد کر دے۔جیسے کہ حدیث مصرات کو رد کر دیا ہے یا ذوی القربیٰ کا حصہ ساقط کر دیا ہے اس لیے کہ اس متخرج قاعدہ کی نسبت اس حدیث کا لحاظ زیادہ اہم اور ضروری ہے اس معنی کی طرف امام شافعیؒ نے اشارہ کیا ہے کہ میں جب کوئی بات کہوں۔ یا کسی قاعدہ کو قائم کروں۔ اور اس کے بعد میرے قول کے مخالف رسول اللہ ﷺ سے حدیث معلوم ہو تو اس وقت آنحضرت ﷺ کا ہی قول معتبر ہے۔

اور مسائل مشکلہ میں سے یہ بھی ہے کہ احکام معلوم کرنے کے لیے قرآن و حدیث کے تتبع کرنے کے کئی مرتبے اور درجے ہیں سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کو بالفعل یا بقوۃ قریبہ اتنے احکام معلوم ہوں جس سے اکثر واقعات کے جواب دینے کی اس کو قدرت حاصل ہو۔اس کا جواب اکثر اس درجہ کا ہو کہ اشکال کی وجہ سے قابل توقف ہو۔اور ایسے علم کی آمادگی اجتہاد سے ہی ہوا کرتی ہے۔ایسی استعداد مختلف طرح پر حاصل ہوتی ہے کبھی اس طرح کی روایتوں کے جمع کرنے میں خوض کیا جائے۔روایاتِ شاذہ و نادرہ کا پورا تتبع کیا جائے۔امام احمد بن حنبلؒ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کے ساتھ عاقل ہو۔لغت کا عالم ہو۔کلام کے مواقع کو خوب سمجھتا ہو۔آثار سلف سے اس طرح واقف ہو کہ مختلف اثروں کو جمع کر سکے اور دلائل کو مرتب کر سکے اور علیٰ ہذا اور ایک طریقہ یہ ہے کہ مشائخ فقہ میں سے کسی شیخ کے مذہب پر تخریج کے طریقوں کو نہایت پختہ کر لیا ہو اور اس کے ساتھ احادیث اور آثار کے ایک معقول مجموعہ سے بھی خوب واقف ہو اس طرح پر کہ اتنا معلوم کر سکے کہ اس کا قول اجماع کے مخالف نہیں ہے۔ یہ طریقہ اصحاب التخریج کا ہے۔

اور اس تتبع کا اوسط درجہ یہ ہے کہ اس کو قرآن و حدیث کا اتنا علم ہو۔جس کی وجہ سے فقہ کے مجمع علیہا روشن مسائل معلوم کر سکے۔ان مسائلؒ کے تفصیلی دلائل سے واقف ہو۔بعض مسائل اجتہادیہ کو دلائل کے ساتھ نہایت درجہ تک اس نے معلوم کر لیا ہو۔

بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دے سکے۔ ماسبق تخریجات کی خوب تقادی کر سکے۔ ان میں سے کامل اور ناقص کو سمجھ سکے یہ معلوم کر سکے کہ اس کا قول اس قابل نہیں ہے کہ مجتہد کا اجتہاد اس میں نافذ نہ ہو سکے یا قاضی اس کا حکم نہ کر سکے۔ اور کوئی مفتی اس کے موافق فتویٰ نہ دے سکے۔ اور ان بعض تخریجات کو ترک کر دے۔ جس کو سابقین نے خارج کیا تھا۔ جب اس کو اس قسم کی تخریجات کے صحیح نہ ہونے کا علم ہو جائے اسی وجہ سے وہ علماء جو اجتہاد کے مدعی نہ تھے ہمیشہ سے تصنیفات اور ترتیبات کرتے رہے ہیں۔ برابر وہ تخریجات کرتے رہے ہیں اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دیتے رہے ہیں اور مقصود مسائل میں یہی ہے کہ غالب گمان حاصل ہو جائے اور اسی گمان غالب پر تکلیف کا مدار ہے۔ تو امور بالا کچھ مستبعد نہیں ہیں۔

اور جو لوگ ادنیٰ درجہ کے ہیں۔ اُن کا مذہب کثیر الوقوع امور میں وہ ہے جو وہ اپنے اصحاب یا اپنے آباؤ اجداد اور اپنے اہل شہر سے اخذ کرتے ہیں۔ جس مذہب کا وہ اتباع کرتے ہیں اسی کا یہ پیرو ہوتا ہے اور نادر نادر واقعات میں جو شہر کے مفتی فتویٰ دیں اور معاملات قاضی جو فیصلہ کر دے ہم نے ہر مذہب کے علماء سے محققین کو قدیماً وحدیثاً اسی وطیرہ پر پایا ہے۔ **وھو الذی وصی بہ ائمۃ المذاھب و اصحابھم** ۔ یواقیت وجواہر میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ جو شخص میرے قول کی دلیل کو نہ جانے۔ اُس کو مناسب نہیں ہے کہ میرے قول پر فتویٰ دے کہ امام صاحبؒ فتویٰ دینے کے وقت فرمایا کرتے تھے کہ یہ نعمان ابن ثابت کی رائے ہے اور جہاں تک ہم کو قدرت ہوئی۔ اس میں یہ قول بہت اچھا ہے اور جو شخص اس سے عمدہ کوئی اور قول پیش کرے تو وہی بہت درست ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ سوا رسول اللہ ﷺ کے سب کا کلام اختیار کرنے اور رد کرنے کے قابل ہے حاکم اور بیہقی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب تم دیکھو کہ میرا قول حدیث کے مخالف ہے تو حدیث پر ہی عمل کرنا اور میرے کلام کو دیوار پر مارنا امام شافعیؒ نے ایک روز امام مزنی سے فرمایا اے ابراہیم میرے ہر قول میں تم میری تقلید نہ کرنا۔ یہ مذہب ہے اپنے نفس کے لیے خوب بہتری کا خیال کر لینا۔ اور نیز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بجز رسول اللہ ﷺ کے کسی کا قول قابل حجت نہیں ہے اگرچہ لوگ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ اور نہ قیاس میں حجت ہے نہ کسی شئے میں رضا و تسلیم ہے۔ صرف اللہ اور رسول کی اطاعت مکمل ہوتی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے کہ کسی کی مجال نہیں ہے کہ اللہ اور رسولؐ کے مقابلہ میں گفتگو کر سکے امام احمدؒ نے ایک شخص سے کہا کہ ہرگز میری تقلید نہ کرنا۔ اور نہ ہرگز امام مالکؒ اور نہ اوزاعیؒ اور نخعیؒ اور نہ کسی اور کی تقلید کرنا جہاں سے اوروں نے احکام اخذ کیے ہیں وہیں سے اخذ کرنا۔ یعنی قرآن وحدیث سے اور کسی شخص کو فتویٰ دینا مناسب نہیں ہے جب تک کہ وہ شرعی فتووں میں علماء کے اقوال سے واقف نہ ہو۔ اور ان کے مذاہب کو نہ جانتا ہو۔ اگر اس سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے اور وہ واقف ہو کہ جن علماء کا مذہب اختیار کیا جایا کرتا ہے انہوں نے اس پر اتفاق کیا ہے تب تو مضائقہ نہیں ہے اگر وہ کہہ دے کہ یہ امر جائز ہے اور یہ ناجائز ہے محض نقل کے طور پر بیان کر دینا چاہیے اور اگر کوئی مسئلہ مختلف فیہ ہو تو یہ کہنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ فلاں شخص کے قول کے موافق جائز ہے۔ اور فلاں کے ناجائز یہ مناسب نہیں ہے کہ ایک قول کو خود اختیار کر کے کسی کے قول کے موافق فتویٰ دے دے۔ جب تک کہ اس کی دلیل کو بخوبی نہ سمجھ سکے۔ امام ابو یوسف اور زفر وغیرہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو جائز نہیں ہے کہ ہمارے قول کے موافق فتویٰ دے جب تک کہ یہ نہ

سمجھے کہ ہم نے کہاں سے کہا ہے۔عصام ابن یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ تم امام ابوحنیفہ کی مخالفت بہت کیا کرتے ہو۔انہوں نے جواب دیا کہ میں اس واسطے ان کی مخالفت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا فہم دیا تھا کہ ہم کو ویسا نہیں دیا ہے۔انہوں نے اپنے فہم سے وہ باتیں معلوم کیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور جب تک ہم ان کے قول کو خوب سمجھ نہ لیں ان کے قول کے موافق فتوئی نہیں دے سکتے۔امام محمد بن حسنؒ سے دریافت کیا گیا کہ فتوئی دینا کب جائز ہے انہوں نے جواب دیا کہ جب خطا سے اس کا صواب زیادہ ہو۔ابوبکر اسکاف بلخی سے روایت ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا۔ایک شہر میں سب سے زیادہ ایک عالم ہے کیا یہ ممکن ہے کہ فتوئی نہ دے انہوں نے کہا اگر وہ اہل اجتہاد سے ہے تب تو ممکن نہیں ہے پھر دریافت کیا گیا کہ اہل اجتہاد سے وہ کیسے ہوا کرتا ہے کہا جب تمام مسائل کے دلائل سے واقف ہو اور مخالفت کے وقت اپنے تمام ہمسروں سے مناظرہ اور مقابلہ کر سکے کہا گیا ہے کہ اجتہاد کی شرطوں میں سے ادنیٰ شرط یہ ہے کہ کتاب مبسوط حفظ ہو۔انتہی

بحر الرائق میں ابولیث کی روایت سے ہے کہ ابونصر سے ایک مسئلہ کے متعلق جو ان کے سامنے پیش ہوا تھا۔سوال کیا گیا کہ اللہ تم پر رحمت کرے تم کیا کہتے ہو۔تمہارے پاس چاروں کتابیں کتاب ابراہیم بن رستم اور خصاف کی روایت سے ادب القاضی اور کتاب المجرد اور ہشام کی روایت سے نوادر ہیں۔ہم کو ان کتابوں کے موافق فتوئی دینا درست ہے یا نہیں یہ سب کتابیں تمہاری نظر میں پسندیدہ ہیں انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے اصحاب سے جو صحیح طور پر معلوم ہو گیا ہے وہ پسندیدہ اور قابل رغبت وتسلیم ہے۔لیکن فتوئی دینا بے سمجھے کسی کے لیے میں پسند نہیں کرتا۔ایسے شخص کو لوگوں کا بار اٹھانا نہیں چاہیے۔لیکن جو مسائل ہمارے اصحاب سے مشہور اور صاف ہو گئے ہیں۔ان میں مجھ کو امید ہے کہ ان پر میں اعتماد کر سکوں۔اور نیز بحر الرائق میں ہے کہ اگر کسی شخص نے پچھنے لگائے یا غیبت کی اور یہ گمان کیا کہ اس سے روزہ ٹوٹ گیا ہوگا۔یہ سمجھ کر اس نے کچھ کھا لیا تو اگر اس شخص نے کسی فقیہ سے مسئلہ دریافت نہیں کیا تھا۔اور نہ اس کو حدیث معلوم ہوئی تھی۔تب تو اس پر کفارہ واجب ہوگا۔اس لیے کہ اس نے محض جہالت سے روزہ توڑ دیا۔اور جہالت دار السلام میں کوئی عذر نہیں ہے۔اور اگر فقیہ سے دریافت کر کے اس نے روزہ توڑ دیا تو اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا۔اس لیے کہ عامی پر عالم کی تقلید واجب ہے جب اس کے فتوئی پر اس کا اعتماد ہو۔اس واسطے وہ اپنے فعل میں معذور ہوگا۔اگرچہ مفتی سے خطا ہی کیوں نہ ہو جائے اور اگر اس شخص نے کسی مفتی سے تو دریافت نہیں کیا لیکن اس کو حدیث معلوم ہو گئی تھی۔کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ پچھنے لگانے والا اور جس کے پچھنے لگائے گئے ہیں۔دونوں روزہ کو توڑ ڈالیں۔**افطر الحاجم و المحجوم** اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے: **الغیبة تفطر الصائم**۔اور اس شخص کو حدیث کے منسوخ ہونے کا یا حدیث کی تاویل کا کچھ علم نہ تھا۔ان دونوں پر کفارہ واجب نہیں ہے۔اس واسطے کہ حدیث کا ظاہری مضمون واجب العمل ہے لیکن امام ابویوسف کا قول اس کے مخالف ہے وہ کہتے ہیں کہ جب تک ناسخ منسوخ کا علم نہ ہو۔عامی کو حدیث پر عمل نہ کرنا چاہیے۔

اور اگر کسی شخص نے عورت کو چھو لیا۔یا شہوت سے اس کا بوسہ لیا' یا سرمہ لگایا' اور اس نے سمجھ کر کہ یہ چیزیں روزہ کی مفطر ہیں۔روزہ کو توڑ دیا تو اس پر کفارہ ہے۔ہاں اگر اس نے کسی فقیہ سے مسئلہ دریافت کیا تھا اور اس نے روزہ ٹوٹ جانے کا فتوئی دیا تھا یا اس کو کوئی حدیث معلوم ہو گئی تھی تو کفارہ نہ ہوگا۔اگر کسی شخص نے زوال سے روزہ کی نیت کی تھی تو پھر روزہ کو اس نے توڑ دیا تو امام

ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر کفارہ واجب نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک کفارہ واجب ہے۔ کذا فی المحیط اس سے معلوم ہوا کہ عامی کا مذہب وہی ہے جو اس کا مفتی فتویٰ دے اور نیز محیط میں باب قضاء الفوایت میں ہے کہ اگر کسی عامی کا کوئی مذہب معین نہیں ہے تو جو مفتی فتویٰ اس کو دے گا۔ وہی اس کا مذہب ہوگا۔ علماء نے اس کی تصریح کی ہے پس اگر کسی حنفی نے فتویٰ دیا تو اس کے موافق عصر اور مغرب کا وہ اعادہ کرے گا۔ اور شافعی کے فتویٰ کے موافق وہ عصر اور مغرب کی نماز کا اعادہ نہ کرے گا۔ اور اس کی رائے کا کچھ اعتبار نہ ہو گا۔ اور اگر وہ کسی سے فتویٰ نہ لے یا اس کو معلوم ہو جائے کہ فلاں مجتہد کا مذہب صحیح ہے تو یہی اس کو کافی ہوگا اور اعادہ کی ضرورت نہ ہوگی۔

ابن صلاح کا قول ہے کہ جو کوئی شافعی المذہب کسی حدیث کو اپنے مذہب کے مخالف پائے تو دیکھنا چاہیے اگر اس شخص کو اجتہاد مطلق یا خاص اس باب یا مسئلہ میں اجتہاد کا مرتبہ حاصل ہے تو وہ مستقل طور پر اس حدیث پر عمل کر سکتا ہے اور اگر پایہ اجتہاد اس کو حاصل نہیں ہے اور حدیث کی مخالفت کا بحث وفکر کے بعد جواب شافی اس کو ملتا نہیں تو اگر اس حدیث پر علاوہ امام شافعیؒ کے کسی امام مستقل نے عمل کیا ہو تو اس کو بھی اس حدیث پر عمل کر لینا چاہیے اپنے امام کے مذہب ترک کرنے میں وہ معذور ہوگا۔ امام نوویؒ نے بھی اس کو سند کیا ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

اور مسائل مشکلہ میں سے یہ بھی ہے کہ فقہاء میں اکثر مختلف فیہ صورتیں اور خاص کردہ مسائل جن میں صحابہؓ کے اقوال دونوں جانب وارد ہوئے ہیں۔ ایسے ہیں کہ ان میں نفس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ اولویت میں اختلاف ہے۔ مثلاً تشریق اور عیدین کی تکبیرات احرام باندھنے والے کا نکاح۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ کی التحیات۔ بسم اللہ اور آمین کو اخفا سے پڑھنا۔ تکبیر اقامت میں دو دو بار ایک ایک بار کلموں کا ادا کرنا۔ وعلیٰ ہذا امور بالا میں دو قولوں میں سے ایک کی ترجیح میں کلام ہے۔ ان کی اصل مشروعیت میں سلف کو کچھ اختلاف نہ تھا قراءت کے طریقوں میں اختلاف قراءت کا بھی یہی حال ہے۔ ایسے اکثر ابواب میں یہی توجیہ کی گئی ہے کہ صحابہؓ ان میں مختلف تھے اور یقیناً وہ سب راہ راست پر تھے اسی واسطے مسائل اجتہادیہ میں علماء ہمیشہ مفتیوں کے فتوؤں کو تجویز کرتے رہے ہیں اور قاضیوں کے احکام کو تسلیم کرتے چلے آئے ہیں اور کبھی کبھی اپنے مذہب کے خلاف قول پر بھی وہ عمل کر لیا کرتے تھے۔ ائمہ مذہب کو تم ایسے موقعوں میں دیکھو گے کہ صاف دوسرے قول مخالف کو ظاہر کر کے کہہ دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے اسی قول میں زیادہ احتیاط ہے۔ یا یہی قول مختار ہے یا یہ قول ہم کو زیادہ پسند ہے۔ اور کہتے ہیں ہم کو یہی قول معلوم ہوا ہے کتاب مبسوط اور آثار محمدؒ کے کلام میں ایسا اکثر جگہ ہے۔ ان لوگوں کے بعد ناخلف پیدا ہو گئے۔ انہوں نے فقہا کے اقوال کو مختصر کر ڈالا۔ اور مخالف پر زیادہ زور دیا اور اپنے اماموں کے اختیار کردہ اقوال پر ہی جم گئے اور زمانہ سلف سے جو نقل کیا جاتا ہے کہ اپنے اپنے اصحاب کے مذہب کو خوب مضبوطی سے اخذ کرنا چاہیے۔ اور کسی حال میں اس سے نکلنا نہ چاہیے تو اس قسم کی تقریر فطری امر ہے ہر شخص اسی بات کو پسند کرتا ہے جو اس کے اصحاب اختیار کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ لباس اور کھانوں میں ہی اس پسندیدگی کا اثر ہوا کرتا ہے۔ یا دلیل کی قوت ہے جو صولت پیدا ہوتی ہے وہ اس کا باعث ہوتی ہے۔ یا ایسے ہی اسباب اور ہوا کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس کا نام تعصب رکھتے ہیں۔ **حاشاهم عن ذلك**.

زمانہ صحابہؓ اور تابعینؒ اور ان کے مابعد زمانہ میں بعض لوگ بسم اللہ پڑھتے تھے۔ بعض نہیں پڑھتے تھے بعض لوگ اس کو جہر سے

پڑھتے۔بعض اُس میں جہر نہیں کرتے۔ان میں سے بعض نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتے تھے بعض نہیں پڑھتے تھے۔بعض نکسیر اور پچھنے اور قے کے بعد وضو کیا کرتے تھے۔بعض وضو نہیں کیا کرتے تھے۔بعض لوگ آلہ تناسل کے چھونے اور عورتوں کو خواہش نفسانی سے مس کرنے سے وضو کرتے تھے۔بعض نہیں کرتے تھے بعض لوگ ان اشیاء کے تناول سے جن کو آگ لگی ہو وضو کیا کرتے تھے۔بعض وضو نہیں کیا کرتے تھے۔بعض لوگ اونٹوں کے گوشت کھانے سے وضو کرتے تھے۔بعض نہیں کیا کرتے تھے۔باوجود ان سب مور کے ہر شخص دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتا تھا۔مثلاً امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد اور امام شافعی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم مدینہ شریف کے مالکی المذہب وغیرہ آئمہ کے پیچھے نماز میں اقتداء کرتے تھے۔حالانکہ وہ بسم اللہ کو نہ آہستہ پڑھتے تھے نہ آواز سے۔خلیفہ ہارون رشید نے ایک بار پچھنے لگوا کر نماز پڑھائی۔اور امام ابو یوسف نے ان کے پیچھے نماز پڑھی۔اور نماز کا اعادہ نہیں کیا۔

امام مالکؒ نے ان کو فتویٰ دیا تھا کہ پچھنے سے وضو کی ضرورت نہیں ہے۔امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب تھا کہ نکسیر اور پچھنے سے وضو کرنا چاہیے۔لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ اگر امام کے بدن سے خون خارج ہو تو آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے۔انہوں نے کہا کہ میں امام مالکؒ اور سعید بن المسیبؒ کے پیچھے کیسے نماز نہ پڑھوں گا۔روایت ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد عیدین میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تکبیریں پڑھا کرتے تھے اس لیے کہ خلیفہ ہارون رشید اپنے دادا کی تکبیر کو پسند کیا کرتے تھے۔ایک مرتبہ امام شافعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے مقبرہ کے قریب صبح کی نماز پڑھی اور ان کے ادب اور تعظیم کے لیے دعائے قنوت کو نہ پڑھا۔اور نیز امام شافعیؒ کا قول ہے کہ ہم اکثر اہل عراق کے مذہب کی طرف جھک جاتے ہیں اور امام مالکؒ نے منصور اور ہارون رشید سے وہ بات کہی تھی۔جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔اور فتاویٰ بزازیہ میں امام دوم یعنی امام ابو یوسفؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک بار انہوں نے حمام میں نہا کر جمعہ کے دن نماز پڑھی اور امامت کی۔لوگ نماز پڑھ کر جب متفرق ہو گئے تو معلوم ہوا کہ حمام کے کنوئیں میں مرا ہوا چوہا تھا۔یہ معلوم کر کے امام ابو یوسف نے کہا کہ ہم اپنے بھائیوں اہل مدینہ کے قول کو اختیار کر لیں گے کہ پانی جب قلتین کی مقدار کو پہنچ جائے تو اس میں ناپاکی نہیں ہوتی۔(**اذا بلغ الماء قلتین لم یحمل خبثا**) انتہیٰ۔امام نجندیؒ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص شافعیؒ المذہب نے ایک سال یا دو سال کی نماز نہیں پڑھی۔اس کے بعد وہ حنفی ہو گیا اب وہ نماز قضا امام شافعیؒ کے موافق ادا کرے یا امام ابوحنیفہؒ کے موافق انہوں نے جواب دیا کہ جس مذہب کے موافق قضا کرے گا۔نماز جائز ہو جائے گی۔لیکن نماز کے جواز پر اس کو اعتقاد بھی ہو۔انتہیٰ

جامع الفتاویٰ میں ہے کہ اگر کسی حنفی نے کہا' اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر تین مرتبہ طلاق ہے اس کے بعد اس نے کسی شافعیؒ سے مسئلہ پوچھا اور اس نے جواب دیا کہ اس عورت پر طلاق نہ ہوگی اور یہ قسم باطل ہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اگر یہ شخص شافعی کی اقتداء کر لے اس لیے اکثر صحابہؓ اسی جانب ہیں۔امام محمد نے اپنے امالی میں بیان کیا ہے کہ اگر کسی فقیہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ پر البتہ طلاق ہے۔اور یہ فقیہ اس طلاق کو البتہ تین مرتبہ خیال کرتا تھا۔اس کے بعد کسی قاضی نے اسے طلاق کے رجعی ہونے کا حکم دیا تو رجعی ہی ہونا باموقع ہوگا۔ایسے ہی تحریم اور تحلیل یا اعتاق یا مال وغیرہ لینے کے فیصلوں میں جہاں جہاں فقہا کا اختلاف ہوا کرتا ہے۔ان موقعوں میں اس فقیہ کو جس کے حق میں فیصلہ کیا گیا ہو۔یہی مناسب ہے کہ اپنی رائے کو ترک کر دے۔

قاضی کے فیصلے کو اختیار کرنا چاہیے۔ جو قاضی نے اس پر لازم کر دیا ہو۔ اسی کا پابند رہنا چاہیے۔ جو اس نے دیا ہو۔ وہی لے لینا چاہیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اور ایسے ہی ایک شخص ناواقف تھا۔ اور اس کو کوئی واقعہ پیش آیا۔ اس کو فقہاء سے اس نے دریافت کیا۔ اور فقہا نے حلال یا حرام ہونے کا فتویٰ دیا۔ لیکن مسلمانوں کے قاضی نے ان کے خلاف حکم دیا اور وہ مسئلہ فقہاء میں مختلف فیہ تھا۔ تو اس شخص کو یہی مناسب ہے کہ فقہاء کے فتویٰ کو ترک کر کے قاضی کے فیصلے کو اختیار کرے۔ انتہی

اور مسائل مشکلہ میں سے یہ بھی ہے کہ میں نے بعض لوگوں کو پایا۔ اُن کا یہ قول ہے کہ جتنے مسائل ان بڑے بڑے شروح اور صحیح صحیح کتابوں میں مندرج ہیں۔ وہ تمام امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے اقوال ہیں۔ ایسے لوگ ان قولوں میں جو تخریج کیے گئے ہیں۔ اور جو حقیقت اور اصلی قول ہیں کچھ فرق نہیں کرتے اور اس کے معنی کچھ نہیں سمجھتے کہ فقہا کہا کرتے ہیں کہ کرخی کی تخریج کے موافق مسئلہ کا یہ حکم ہے۔ اور طحاوی کی تخریج کے موافق یہ حکم ہے اور نہ یہ فقہا کے اس قول میں کچھ فرق سمجھتے ہیں۔ کہ ابوحنیفہؒ نے ایسا کہا ہے اور ابوحنیفہؒ کے مذہب یا ان کے قاعدہ کی بنا پر مسئلہ کا یہ حکم ہے اور ایسے لوگ ان اقوال کی طرف بالکل نظر نہیں کرتے جو محققین حنفیہ مثل ابن الہمام اور ابن النجیم نے دہ در دہ مسئلہ میں اور ایسے ہی تیمم کے لیے پانی کے ایک میل دوری کے شرط میں **وامثالها** بیان کیے ہیں کہ یہ سب امور اصحاب حنفیہ کی تخریجات سے ہیں۔ حقیقت میں یہ مذہب نہیں ہے اور بعض لوگوں کا قول ہے کہ مذہب کی بنیاد ان جھگڑے کی باتوں پر ہے۔ جو مبسوط سرخسی اور ہدایہ اور تبیین وغیرہ میں مذکور ہیں ان کو یہ معلوم نہیں کہ اول اول ان باتوں کو فقہا میں معتزلہ نے ظاہر کیا تھا۔ اس پر مذہب مبنی نہ تھا۔ بعد کو متاخرین نے بھی ذہنوں کے مانجھنے اور تیز کرنے کے لیے اچھا سمجھ لیا یا کسی اور وجہ کے لیے ان کو پسند کیا۔ واللہ اعلم

ایسے ایسے شکوک و شبہات اکثر ان تمہیدات سے حل ہو جاتے ہیں جو اس باب میں بیان کی گئیں۔ اور نیز مسائل مشکلہ سے ایک امر یہ ہے کہ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی مخالفت کی بنیاد ان اصول پر ہے جو بزدوی وغیرہ میں مذکور ہیں۔ حالانکہ حق بات یہ ہے کہ یہ اصول اکثر ان کے اقوال سے خارج کر لیے گئے ہیں میرے نزدیک یہ مسئلہ کہ خاص مبین ہوا کرتا ہے پھر اس کے بیان کی ضرورت نہیں ہوا کرتی: **الخاص مبين لايلحقه البيان** .اور آیت پر زیادہ نسخ ہوتی ہے **و ان الزيادة نسخ** .اور یہ کہ خاص کی طرح عام بھی قطعی ہوا کرتا ہے۔ **ان العام قطعي كالخاص**. اور راویوں کی کثرت کوئی ترجیح کو باعث نہیں ہوتی۔ **ولا ترجيح بكثرة الرواة** .اور جو راوی فقیہ نہ ہو اور رائے قائم کرنے کا موقع ہو تو ایسے شخص کی روایت واجب العمل نہیں ہے اور یہ کہ شرط اور وصف کے مفہوم کا کچھ لحاظ نہیں ہوا کرتا ہے: **لاعبرة بمفهوم الشرط والوصف**. اور امر سے وجوب ثابت ہوا کرتا ہے: **موجب الامر هو الوجوب البتة** .اور ایسے ہی اور اصول تمام ائمہ کے کلام سے مستخرج اور ماخوذ ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین سے نقل روایت صحیح ثابت نہیں ہیں ان اصول کا محفوظ رکھنا اور متقدمین نے جو جو امور مستنبط کیے ہیں اور ان پر جو جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ ان کے جواب دینا' ان اصول مخالف اصول اور ان اعتراضات وارده کے جواب دینے سے زیادہ مستحق نہیں مثلاً ان علماء نے قاعدہ بنایا ہے کہ: **الخاص مبين لايلحقه البيان** .اس قاعدہ کو متقدمین کی تقریر سے پیدا کیا ہے۔ جو قول الٰہی **واسجدوا واركعوا** .میں کی ہے کہ یہاں رکوع و سجود مبین ہیں اور آنحضرت

ﷺ کے قول کہ کسی کی نماز پوری نہ ہوگی جب تک کہ وہ اپنی پشت کو رکوع وسجدہ میں ٹھیک نہ کرے گا: **لا تجزی صلوۃ الرجل حتی یقیم ظهره فی الرکوع والسجود**. میں متقدمین فرضیت اطمینان کے قائل نہیں ہوئے ہیں۔ اور حدیث کو آیت کے بیان میں انہوں نے قرار نہیں دیا ہے۔ اس لیے ان پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کہ قولہ تعالیٰ: **وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ**. میں بھی لفظ مسح خاص ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کی پیشانی پر مسح کرنے کو پھر اُنہوں نے بیان کیوں قرار دیا۔ اور ایسے ہی قولہ تعالیٰ: ﴿**اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیۡ فَاجۡلِدُوۡا**﴾ اور نیز قولہ تعالیٰ ﴿**وَالسَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقۡطَعُوۡا**﴾ اور قولہ تعالیٰ ﴿**حَتّٰی تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَیۡرَهٗ**﴾ وغیرہ میں جو بیانات بعد کو لاحق ہوتے ہیں۔ ان کے جوابات میں بہت تکلفات کیے گئے ہیں: **کما هو المذکور فی کتبهم**. اور ایسے ہی قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ العام قطعی کالخاص اس کو انہوں نے متقدمین کی تقریر سے اس طرح اخذ کیا ہے کہ انہوں نے حدیث: **لاصلوۃ الابفاتحة الکتاب**. کو آیت ﴿**فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ**﴾ کا مخصص قرار نہیں دیا ہے اور ایسے ہی آنحضرت ﷺ کے قول: **لیس فیما دون خمسة اواق صدقة**. کو حدیث: **فیما سقت العیون العشر**. کا مخصوص قرار نہیں دیا ہے۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قسم دوم

آنحضرت ﷺ سے جو احادیث مروی ہیں بالتفصیل ان کے اسرار کے بیان میں

اس جگہ ہم کو تھوڑی سی اُن احادیث کا ذکر کرنا منظور ہے جن کا اہل حدیث اور علماء میں زیادہ چرچا ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی نے ان کی روایت کی ہے علاوہ ان کے اگر کوئی حدیث بیان کی ہے تو اس کو بالتبع ذکر کیا ہے اس لیے ہم نے ہر حدیث کی نسبت اُس کے راوی کی طرف نہیں کی ہے اور اکثر حدیث کے حاصل معنی یا اُس کے ایک ٹکڑے کو بیان کر دیا ہے اس واسطے کہ ان کتابوں میں سے حدیث کا تلاش کر لینا چنداں دشوار نہیں ہے۔

ان احادیث کا ذکر جو ایمان کے باب میں وارد ہوئی ہیں:

چونکہ سرور کائنات کی رسالت تمام روئے زمین کے واسطے عام تھی تا کہ تمام ادیان پر آپؐ کے دین کو غلبہ ہو۔ اس غلبہ سے خواہ کسی معزز کی عزت یا کسی ذلیل کی ذلت پر اثر پڑے اس لیے آپؐ کے دین میں کئی طرح کے لوگ داخل ہوئے لہٰذا ان میں باہم تمیز کی ضرورت ہوئی کہ کون مسلمان ہے اور کون نہیں ہے اور مسلمانوں میں سے بھی اس ہدایت سے جو اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئی ہے کس کو رہبری ہوئی اور کس کے دل میں اس کی خوبی نے سرایت نہیں کیا اس واسطے شارع نے ایمان کی دو قسمیں کیں ایک تو وہ جس پر دنیاوی احکام کا دارومدار ہے اور اسی وجہ سے جان و مال کی حفاظت ہو سکتی ہے اس ایمان کو شارع نے چند امور میں جن سے بظاہر فرمانبرداری ثابت ہوتی ہے منضبط کیا ہے اور وہ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے مجھ کو حکم ہے کہ لوگوں سے جہاد کروں جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پوجا کے قابل نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کا فرستادہ ہے اور نماز کے پابند نہ ہوں۔ اور زکوٰۃ نہ دیں اور جب یہ سب باتیں انہوں نے کر لیں تو یہاں تو اپنی جان و مال انہوں نے مجھ سے بچا لیے بجز حقوق اسلام کے اور پھر اُن کا حساب کتاب اللہ کے متعلق ہے:

((امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا ان لا اله الا اللّٰه و ان محمدا رسول اللّٰه و یقیموا الصلوٰة و یؤتوا الزکوٰة فاذا فعلوا ذالک عصموا منی دمائهم و اموالهم الا بحق الاسلام وحسابهم علی اللّٰه))

اور فرمایا ہے جو ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارا ہی قبلہ اس کا قبلہ ہو اور ہمارے ہاتھ کا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے اور اللہ اور اس کا رسولؐ

اس کا ذمہ دار ہے۔ پس تم لوگ اللہ تعالیٰ کے معاہدہ میں داخل نہ دینا:

((من صلی صلوتنا و استقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلك المسلم الذی له ذمة الله و ذمة رسوله فلا تخفرو الله فی ذمة))

اور فرمایا ہے اصولِ ایمان تین ہیں۔ جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے اس سے کچھ مداخلت نہ کرنا کسی گناہ سے اس کو کافر مت بنا اور کیسا ہی کچھ کرے اُس کو اسلام سے خارج مت جان اخیر حدیث تک:

ثلث من اصل الایمان الکف عمن قال لا اله الا الله لاتکفره بذنب ولا تخرجه من الاسلام بعمل الحدیث.

ایمان کی دوسری وہ قسم ہے کہ جس پر نجات اخروی اور فوز بالدرجات کا مدار ہے اور اس میں تمام عقائد حقہ اور اعمال صالحہ اور اُن کا ملکہ داخل ہے۔ اس ایمان میں کمی اور بیشی ہو سکتی ہے اور شارع کا دستور ہے کہ ان اعمال کو ایمان کے ساتھ تعبیر فرماتا ہے تا کہ ان اعمال کے جزو ایمان ہونے پر تنبیہ بلیغ ہو جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو امانتدار نہیں ہے وہ بے ایمان ہے اور جس کو عہد کا پاس نہیں ہے وہ بے دین ہے: **لا ایمان لمن له امانته له ولا دین لمن لاعهدله** .اور فرمایا ہے مسلمان وہ شخص ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو ایذاء نہ پہنچے: **المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده.** الحدیث .اس ایمان کی بہت سی شاخیں ہیں اور اس کا حال درخت کا سا ہے کہ درخت کے اندر پھول اور پھل اور شاخیں اور پتے اور اس کا تناسب داخل ہیں اور سب کو درخت کہتے ہیں مگر جب اس کے پھل و پھول توڑ لیے جائیں اور پتے گھسوٹ ڈالے جائیں اور شاخیں کاٹ ڈالی جائیں تو اس درخت کو درخت ہی کہتے ہیں۔ مگر وہ درخت خراب کہلاتا ہے۔ اور جب اس درخت کو جڑ سے کاٹ ڈالیں تو درخت کا نام اس وقت اس سے جاتا رہتا ہے یہی معنی ہیں۔ اللہ جل جلالہٗ کے اس کلام کے کہ ایمان والے وہی لوگ ہیں کہ جب کوئی اللہ کا ذکر کرے تو ان کے دلوں میں خوف طاری ہو جائے۔ **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ** .اور چونکہ یہ سب اعمال ایک قسم کے نہ تھے۔ اس واسطے شارع نے اس کے دو حصے کیے۔ ایک تو ارکان یہ تو وہ ہیں جو سب اعمال میں زیادہ تر معتمد علیہ اور مہتم بالشان ہیں۔ جن کی نسبت آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ اسلام کی بنا پانچ چیزوں پر ہے ایک تو اس بات کی کہ سوائے اللہ تعالیٰ کی پوجا کے قابل کوئی نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں گواہی دینا اور نماز کی پابندی اور ادائے زکوٰۃ اور حج اور صیام رمضان: **بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله و ان محمدا عبده و رسوله و اقام الصلوة وایتاء الزکوٰة و الحج و صوم رمضان.** دوسرے اس سے علاوہ سب شعبے جن کی نسبت حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ایمان کے کچھ اُوپر ستر شعبے ہیں جن میں سے سب سے بڑھ کر کلمہ لا الہ الا اللہ اور سب سے ادنیٰ جس خبر سے لوگوں کو تکلیف ہو اس سے راستہ کا صاف کر دینا ہے۔ اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے:

الایمان بضع وسبعون شعبه و افضلها قول لا اله الا الله و ادناها اماطه الاذی عن الطریق و الحیاء شعبة من الایمان.

ایمان کے پہلی قسم کے مقابل کا نام کفر ہے اور دوسری قسم کے مقابل میں دو صورتیں ہیں اگر تصدیق قلبی نہیں ہے بلکہ صرف تلوار کے زور سے احکام شرعیہ کی فرمانبرداری کرتا ہے تب تو وہ خالص نفاق ہے۔ اور اس قسم کا منافق اور کافر آخرت کے اندر دونوں برابر ہیں بلکہ منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے درجے میں ہیں اور اگر تصدیق قلبی ہے مگر اس کے ساتھ عمل نہیں ہے تو وہ فاسق ہے یا عمل بھی کرتا ہے مگر اس کا دل اس میں نہیں لگتا تو یہ اور قسم کا منافق ہے۔ بعض سلف نے اس نفاق کا نام نفاق فی العمل رکھا ہے اور اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ طبیعت یا رسم یا بد عقیدگی کا حجاب اس کے قلب پر چھا جاتا ہے اور پھر مال اور اولاد اور کنبے کی محبت میں ہمہ تن مصروف رہتا ہے اس باعث سے اس کے قلب میں جزاو سزا کے مستبعد سمجھنے اور معاصی پر جرأت کرنے کی ایک نامعلوم حرکت پیدا ہو جاتی ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسلام کے سخت سخت حکم اس کو ناگوار گزرتے ہیں اور کبھی بعض کفار کی محبت اعلائے کلمۃ اللہ سے اس کو مانع ہو جاتی ہے۔

ان دو معنی سے علاوہ ایمان کے دو معنی اور بھی آتے ہیں ایک تو ضروری التصدیق چیزوں کی دل سے تصدیق کرنا۔ جس کی نسبت آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے ایمان اس کا نام ہے کہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر یقین رکھے: **الایمان ان تو من باللہ وملائکتہ** .الحدیث دوسرے ایک دل کی تسلی اور اندرونی کیفیت کا نام ہے جو مقربین کو حاصل ہوا کرتی ہے۔ جس کی نسبت حضور ﷺ نے فرمایا وضو ایمان کا جزو ہے۔ **الطھو رشطر الایمان** .اور فرمایا ہے جب کوئی بندہ زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو ایمان اس کے قلب سے نکل کر سائبان کی طرح اس کے سر پر آ جاتا ہے اور جب وہ اس کو ترک کر دیتا ہے تو پھر واپس آ جاتا ہے۔ **اذا زنی العبد خرج منہ الایمان فکان فوق راسہ کالظلۃ فاذا خرج من ذلک العمل رجع الیہ الایمان** .اور حضرت معاذؓ فرماتے ہیں آؤ کچھ دیر ہم اہل یقین بن جائیں۔ **تعال نومن ساعۃ** .پس ثابت ہوا کہ ایمان کا لفظ شرع میں چار معنی کے اندر مستعمل ہوتا ہے۔ اب ایمان کے باب میں جو احادیث متعارضہ وارد ہوئی ہیں اگر ہر حدیث اپنے محل پر محمول کی جائے تو تمام شکوک اور شبہے مندفع ہو سکتے ہیں۔ اسلام کے لفظ سے ایمان کے پہلے معنی بہ نسبت ایمان کے لفظ کے زیادہ تر قریب الفہم ہوتے ہیں۔ ولہٰذا جل جلالہٗ نے فرمایا ہے۔ کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے۔ **قُلْ لَمْ تُومِنُوا وَلٰكِنْ قُوْلُوا اَسْلَمْنَا** .اور ایک مرتبہ (حضرت سعدؓ نے کسی شخص کی نسبت کہا تھا کہ میں اس کو ایماندار جانتا ہوں) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا بلکہ مسلمان کہو۔ **او مسلما**.

ایمان کے چوتھے معنی پر بہ نسبت ایمان کے احسان کا لفظ صاف دلالت کرتا ہے۔

چونکہ نفاق فی العمل اور اس کا مقابل یعنی اخلاص ایک اندرونی چیز ہے۔ لہٰذا شارع کو اس کے علامات بیان کرنے پڑے اور آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ سب پائی جائیں وہ تو پکا منافق ہے اور جس میں سے ان میں سے ایک خصلت پائی جائے اس میں نفاق کی ایک خصلت پائی جاتی ہے۔ جب تک اس کو ترک نہ کر دے جب اس کے پاس کوئی امانت رکھے تو خیانت کرے۔ اور جب کہیں کا ذکر کرے تو جھوٹ بولے اور کسی سے عہد کرے تو پورا نہ کرے اور کسی سے لڑے تو گالیاں بکے۔

اربع من کن فیہ کان منافقا خالصۃ ومن کانت فیہ خصلۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من

النفاق حتی یدعھا اذا اتمن خان و اذا احدث کذب و اذا عاھد غدر و اذا خاصم فجر.

اور فرمایا ہے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس میں ہوں گی ان کے سبب سے اس کو حلاوتِ ایمانی حاصل ہوتی رہے گی۔ جس شخص کو اللہ اور اس کے رسول کی محبت سب سے زیادہ ہو۔ اور جو شخص خالصۃ للہ کسی سے محبت کرتا ہو اور جو شخص کفر سے نکل آنے کے بعد کفر کی طرف اس کو اعادہ کرنا اس قدر ناگوار ہو جس قدر آگ میں ڈالا جانا ناگوار ہوتا ہے:

ثلث من کن فیه وجدبھن حلاوۃ الایمان من کان اللہ ورسوله احب الیه مما سواھما ومن احب عبدالایحبه الاللہ ومن یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللہ منه کما یکرہ ان یلقی فی النار.

اور فرمایا ہے کہ جب تم کسی شخص کو بالالتزام مسجد کی طرف آتا جاتا دیکھا کرو تو اس کے ایمان کے گواہ رہو: **اذا رایتم لعبد یلازم المسجد فاشھدوا له بالایمان** . اور ایسے ہی آپ نے فرمایا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی محبت ایمان اور ان سے بغض نفاق کی دلیل ہے: **حب علی آیۃ الایمان و بغض علی آیۃ النفاق** . اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں بہت سختی سے پیش آیا کرتے تھے یہ ان کی سختی وہی شخص گوارا کر سکتا ہے جس کے طبعی قویٰ ضعیف ہو گئے ہوں اور اس کی عقل کو خواہش نفسانی پر غلبہ ہو۔ اور فرمایا ہے انصار کی محبت ایمان کی دلیل ہے: **حب الانصار آیۃ الایمان** . اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ عرب کے قبائل معدی اور یمنی میں ہمیشہ نزاع در پیش رہتا تھا۔ اسلام نے آ کر اس نزاع کو دور کر کے انہیں یکجا کر دیا۔ اب جس نے دل سے اعلائے کلمۃ اللہ کا عزم بالجزم کر لیا اس کا دل تو ان جھگڑوں سے پاک ہو گیا اور جس نے یہ ارادہ نہیں کیا اس کے دل میں وہی نزاع بدستور قائم رہا۔

ایک حدیث میں تو آنحضرت ﷺ نے یہی بیان فرمایا ہے کہ اسلام کی بنا پانچ چیزوں پر ہے۔ اور ضمام بن ثعلبہ اور اس اعرابی کی حدیث میں جس نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی تھی کہ مجھ کو ایسا عمل بتا دیجیے جو میرے واسطے دخولِ جنت کا موجب ہو جائے بیان فرمایا کہ یہ پانچ چیزیں اسلام کی ستون ہیں جس نے ان کو کر لیا پھر چاہیے اس نے کچھ اور عبادت نہ کی ہو۔ دوزخ کے عذاب سے اپنی گردن کو اس نے رہا کر لیا اور جنت کا مستحق ہو گیا۔

ان ھذا الاشیاء الخمسة ارکان الاسلام و ان من فعلھا ولھم یفعل غیرھا من الطاعات قد خلص رقبته من عذاب واستوجب الجنة.

ایسے ہی یہ بیان کیا ہے کہ نماز کا ادنیٰ درجہ کیا ہے اور وضو کا ادنیٰ درجہ کیا ہے۔

تمام عبادات میں خاص کر کے ان پانچ چیزوں کو اس واسطے رکن قرار دیا ہے کہ انسان کی تمام عبادات میں سے انہیں پانچ کی زیادہ شہرت ہے اور تمام ملتوں نے سب عبادتوں سے زیادہ تر التزام اور اہتمام انہیں پانچ کا کیا ہے تمام یہود اور نصاریٰ اور مجوس اور بقیہ عرب کو انہیں کا اہتمام ہے البتہ ہر ایک کا طریقہ ادا کرنے کا جداگانہ ہے علاوہ بریں یہ پانچ عبادتیں اور عبادتوں کے بدلہ کافی ہو سکتی ہیں۔ ان کے سوا کوئی اور ایسی عبادت نہیں ہے جو ان کے بدلہ کافی ہو سکے اس واسطے کہ تمام نیکیوں کا اصل الاصول توحید الٰہی اور

تصدیق نبی ﷺ اور احکام الٰہی کا مان لینا ہے اور چونکہ آنحضرت ﷺ کی بعثت تمام روئے زمین کے لیے عام تھی اور فوجیں کی فوجیں لوگوں کی دین الٰہی میں داخل ہوتی چلی جاتی تھیں۔ اس لیے لامحالہ ایک ظاہری شناخت کی حاجت پڑی جس سے مخالفین اور موافقین میں باہم تمیز کر سکیں اور اسلامی احکام کا اس پر دارومدار ہو اور لوگوں سے اس کی باز پرس کی جائے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو اس تمیز کے لیے مدتوں تک میل جول کی ضرورت ہوتی۔ اور اس کے بعد بھی صرف ظنی تفریق ہو سکتی تھی جس کی بنا قرائن پر ہوتی۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص کو مسلمان کا حکم دینے میں سب کی رائے مختلف ہوتی اور ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں اسلام کے احکام جاری کرنے میں کس قدر دقت واقع ہوتی۔ اب دلی اعتقاد اور تصدیق کے معلوم کرنے میں تو اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اپنے اختیار اور خوشی سے ایک بات کا اقرار کر لے اور یہ بات ہم بیان ہی کر چکے ہیں کہ انسانی سعادت اور اخروی نجات کا مدار چار خصلتوں پر ہے اور نماز اور اس کے ساتھ طہارت ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے ان چار میں سے وہ یعنی فرمانبرداری اور تقدس کی صورت نمایاں ہو جاتی ہے۔ اور ان اوصاف کا اس کے کرنے والے میں گمان کر سکتے ہیں اور زکوٰۃ کا بشرائطہا اس کے مستحقین کو دینا ایسا ہے کہ اس کے ادا کرنے والے میں ان اخلاق چہارگانہ میں سے دو اوصاف یعنی سخاوت اور عدل کا گمان غالب ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ طبعی حجاب دور کرنے کے لیے ایک ایسی عبادت کی حاجت ہے جس سے نفس کے اوپر ایک قسم کا دباؤ رہے۔ اور اس باب میں روزہ سے زیادہ کوئی چیز مفید نہیں اور یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ تمام شرائع کا اصل الاصول شعائر الٰہی کی تعظیم ہے اور چار چیزیں شعائر الٰہی ہیں۔ ازانجملہ کعبہ بھی ہے اور اس کی تعظیم کا نام حج ہے اور سابقاً جو ہم بیان کر چکے ہیں اس سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ یہ عبادات خمسہ اور عبادتوں کے بدلے کافی ہو سکتی ہیں۔ ان کے سوا کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جو ان کے بدلے کافی ہو سکے۔

شرع کے اعتبار سے گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں صغائر اور کبائر' کبائر گناہ اس وقت صادر ہوتے ہیں جب قوائے بہیمیہ یا سبعیہ یا شیطانیہ کا پورے طور پر غلبہ ہو جاتا ہے اور اس میں حق کا راستہ مسدود ہو جاتا ہے اور شعائر الٰہی کی حرمت کا ہتک لازم آ جاتا ہے یا تدابیر الٰہی کی جن میں بندوں کی مصلحت ہوتی ہے مخالفت یا بندوں کا اس میں ضرر عظیم پایا جاتا ہے اور باایں ہمہ شرع کی نافرمانی ہوتی ہے اور اس کا کرنے والا شرع کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ کیونکہ شرع نے اس کے کرنے سے سخت نہی کی ہے اور اس کے کرنے والے کو بہت شدت سے تہدید کی ہے اور اس کا کرنا ایسا بیان کیا ہے جیسا کہ اس دین سے خارج ہونا اور جو گناہ اس درجہ کے تو نہیں ہیں مگر ان کے دواعی اور اسباب ہیں۔ اور شارع نے لازمی طور پر ان سے منع بھی کیا ہے مگر اس قدر شدت نہیں کی ہے جس قدر کبائر میں کی ہے۔ ایسے گناہوں کو صغا کہتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ کبائر گناہ محدود نہیں ہیں کہ کتنے ہیں۔ بلکہ ان کی تعریف یہی ہے کہ یا تو قرآن اور حدیث صحیح میں اس کے کرنے والے پر وعید متعلق ہوئی ہو یا شرع میں اس گناہ پر حد مقرر ہو یا شارع نے اس کا نام کبیرہ بیان فرمایا ہے اور ان کے مرتکب ہونے کو خروج عن الدین بیان کیا ہو۔ یا جس چیز کو نبی ﷺ نے کبیرہ بیان فرمایا ہو۔ کوئی اور شئے بھی فساد اور خرابی میں اس سے بھی زیادہ یا اس کے برابر ہو۔ یہ گناہ سب کبائر ہیں۔ اور جو آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ زنا کرتے وقت زانی میں ایمان نہیں رہتا۔ لایزنی حین یزنی وھو مومن۔ الحدیث اس کے یہی معنی ہیں کہ یہ افعال اسی وقت صادر ہوتے ہیں کہ جب قوائے

بہیمیہ یا سبعیہ کا پورے طور پر غلبہ ہوتا ہے اور سب طرف سے چھا جاتے ہیں اور قوتِ ملکیہ کالمعدوم اور ایمان بمنزلہ زائل کے ہو جاتا ہے اس سے آنحضرت ﷺ نے ان گناہوں کا کبیرہ ہونا بیان فرما دیا۔

اور فرمایا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اس امت کا کوئی ہو چاہے یہودی ہو یا نصرانی ہو جس کو میری خبر پہنچ گئی ہے اور اللہ کے ہاں سے جو احکام میں لے کر آیا ہوں اس پر وہ ایمان نہیں لایا جہنمی ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ **والذی نفس محمد بیدہ لایسمع بی احد من هذه الامة یهودی ولا نصرانی ثم یموت و لم یومن بالذی ارسلت به الا کان من اصحاب النار**. میں کہتا ہوں یعنی جس شخص کو دعوت اسلام پہنچ چکی اور بایں ہمہ اپنے کفر پر جما رہا حتیٰ کہ اسی پر مر گیا تو وہ بلا شبہ دوزخ میں جائے گا۔ کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر کی جو بندوں کی مصلحت کے لیے اس نے مقرر کی تھی مخالفت کی اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ اور ملائکہ مقربین کی لعنت کا مورد بنا لیا۔ اور نجات کی طرف پہنچانے والے راستہ کو چھوڑ دیا۔ اور فرمایا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص اسی وقت ایماندار ہو سکتا ہے کہ اپنی اولاد اور باپ اور تمام لوگوں سے میری محبت اس کو زیادہ ہو۔ ورنہ نہیں۔ **لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده و ولده والناس اجمعین**. اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جب تک کسی شخص کی خواہش ان احکام کی جن کو میں لے کر آیا ہوں۔ تابع نہ ہو جائے۔ اس وقت تک وہ ایماندار نہیں ہو سکتا۔ **لایومن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به**. میں یہ کہتا ہوں ایمان کا کمال یہی ہے کہ عقل کو طبیعت پر غلبہ حاصل ہو کہ اس کے نزدیک بادی الامر میں مقتضی عقل کو مقتضی طبعی پر ترجیح ہو اور یہی محبت رسول اللہ ﷺ کا حال ہے اور کاملین میں تو میں قسمیہ کہتا ہوں۔ کہ اس بات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے حضور میں کسی نے عرض کی کہ مجھے اسلام کی کوئی ایسی بات ارشاد فرما دیجیے کہ پھر مجھے کسی سے آپؐ کے بعد یا یہ کہا کہ کسی اور سے اس کے دریافت کرنے کی حاجت نہ رہے تو آپؐ نے اس کے جواب میں فرمایا یہ کہہ کہ اللہ پر میں ایمان لایا اور پھر اس پر جما رہ: **قیل یا رسول الله قل لی فی الاسلام قولا لا اسال عنه احدًا بعدك و فی روایته غیرك. قال قل آمنت بالله ثم استقم**. میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کے سامنے اسلام اور فرمانبرداری کے حالات کا نقشہ رکھا کرے اور جو کام اس کے موافق ہوں وہ تو کیا کرے اور جتنے کام اس کے خلاف ہوں ان سے دست بردار ہو جائے اور یہ ایک دستور العمل ہے۔ جس کی وجہ سے انسان کو اگر چہ بالتفصیل علم بشرائع نہیں ہوتا۔ مگر اجمالاً اس کو ایک علم حاصل ہو جاتا ہے۔ جو اس کے لیے موجبِ بصیرت اور سبقت کا باعث ہو جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو سچے دل سے **اشهدان لا اله الا الله واشهدان محمدا عبده و رسوله** کہے۔ مگر اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ پر اس کو حرام کر دے گا۔ **مامن احد یشهدان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله صدقا من قلبه الاحرمه الله علی النار**. اور فرمایا ہے اگر چہ وہ چوری کرے اور اگر چہ زنا کرے۔ **و ان زنی و ان سرق** اور ایک حدیث میں فرمایا چاہے وہ کچھ کرے۔ **علی ماکان من عمل**. میں کہتا ہوں اس سے مراد ہے کہ اس سخت آگ پر جو ہمیشہ کے واسطے ہے۔ اور کافروں کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ کلمہ گو کو خدائے تعالیٰ حرام کر دے گا۔ اگر چہ وہ کبائر کا مرتکب ہوا ہو اور اس طور سے جو

آنحضرت ﷺ نے بیان فرمادیا۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ گناہوں کے درجوں میں بہت بڑا فرق ہے اگرچہ کہنے کو سب گناہ کہلاتے ہیں اب اگر کبائر کو کفر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کے سامنے ان کی کچھ ہستی نہیں معلوم ہوتی اور نہ ان کا کچھ معتد بہ اثر معلوم ہوتا ہے اور نہ دُخول نار کے واسطے وہ ایسے سبب ہو سکتے ہیں جو ان کو سبب کہا جائے یہی حال کبائر کے اعتبار سے صغائر کا ہے۔ نبی ﷺ نے اس حدیث میں اسی فرق کو نہایت استحکام کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ جس طرح صحت اور مرض میں فرق ہے۔ جس طرح اگر اعراض خارجیہ مثلاً زکام یا تعب بدنی کو سوءِ مزاج کے ساتھ جو جو ہر بدن میں متمکن ہو جائے۔ جیسے جذام یا سل یا استسقاء قیاس کریں تو اوّل کو بمقابل دوسرے کے صحت کا اطلاق کر سکتے ہیں اور زکام یا تعب بدنی والے کو بہ نسبت ان امراض والے کے کہہ سکتے ہیں کہ یہ مریض نہیں ہے اور اس کو کوئی بیماری نہیں ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک مصیبت کے سامنے دوسری مصیبت کا خیال بھی نہیں رہتا۔ مثلاً ایک شخص کے کانٹا لگ جائے اور پھر اس کے بعد اس کا گھر اور مال لوٹ کر لے جائے تو وہ بیان کرتے وقت یہ کہہ دیتا ہے کہ پہلے مجھ پر بالکل کوئی مصیبت نہ تھی۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ابلیس پانی کے اوپر اپنا تخت بچھاتا ہے اور اپنے لشکر کو لوگوں کے فتنہ میں ڈالنے کو روانہ کر دیتا ہے: **ان ابلیس یضع عرشه علی الماء ثم یبعث سرایاه یفتنون الناس** .الحدیث جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے شیاطین کو پیدا کیا ہے اور ان کی جبلت میں یہ بات رکھی ہے کہ لوگوں کو اغوا کریں۔ جس طرح کوئی کیڑا ہوتا ہے اور جو اس کے مزاج کا مقتضیٰ ہوتا ہے اس کے موافق وہ کام کرتا رہتا ہے۔ جس طرح پاخانہ کا کیڑا اپنے مقتضی طبع سے غلاظت میں لوٹا پوٹا کرتا ہے اور ان شیاطین کا ایک سردار ہے جو اپنا تخت پانی کی سطح پر بچھاتا ہے اور اپنے ماتحت کو اس کام کی تکمیل کے لیے جس کے وہ درپے ہیں بلاتا ہے اور پوری پوری شقاوت اور گمراہی کا مستحق ہوتا ہے۔

ہر نوع اور صنف میں اللہ تعالیٰ کا یہی قاعدہ جاری ہے اور اس میں کچھ مجاز نہیں ہے اور میرے نزدیک یہ بات ایسی محقق ہوگئی ہے جیسے کوئی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اللہ کا شکر ہے جس نے اس کی بات وسوسہ ہی تک رہنے دی۔ **الحمدلله الذی ردامره الی الوسوسة** .اور فرمایا ہے شیطان اس بات سے کہ جزیرہ عرب میں مسلمان اس کی پرستش کریں مایوس ہوگیا مگر ان میں باہم بری باتوں کی رغبت دلانے کی اس کو امید ہے: **الشیطان قد الیس من ان یعبده المسلمون فی جزیرة العرب ولکن فی التحریش بینهم** .(اور آنحضرت ﷺ سے جب بعض صحابہؓ نے عرض کی کہ ہمارے دل میں بعض باتیں ایسی آتی ہیں جن کے زبان سے کہنے پر ہم کو جرأت نہیں ہوتی) تو آپؐ نے فرمایا یہ صریح ایمان ہے۔ **ذالك صریح الایمان**

جاننا چاہیے کہ جس قدر کسی شخص میں وسوسہ کے قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے اسی قدر اس کے دل میں وسوسہ کی تاثیر ہوتی ہے بڑی سے بڑی تاثیر وسوسہ شیطان کی یہ ہے انسان کو کافر بنادے اور دین سے اس کو خارج کردے اور جب اللہ تعالیٰ اس تاثیر سے بندے کو محفوظ کر لیتا ہے تو ان وسوسوں کی تاثیر دوسری صورت میں بدل جاتی ہے۔ یعنی معاملات اور تدبیر منزل میں بگاڑ ڈالنا اور گھر یا شہر والوں میں فساد برپا کرنا پھر جب اللہ تعالیٰ اس سے بھی کسی کو محفوظ کر لیتا ہے تو پھر وسوسہ کا کچھ اثر نہیں ہوتا اور دل ہی دل

میں پیدا ہوکر جاتا رہتا ہے اور چونکہ اس کا اثر اس شخص کے قلب میں ضعیف ہوتا ہے اس لیے یہ وسوسہ کسی کام پر اس کو آمادہ نہیں کرسکتا اس وسوسہ سے اس شخص کو کچھ مضرت نہیں پہنچتی۔ بلکہ جب اس وسوسہ کے ساتھ اس شخص کو قباحت کا بھی علم ہوتا ہے تو یہ اس کی صریح ایمان کی دلیل ہو جاتا ہے۔

البتہ نفوس قدسیہ میں ان باتوں کا کھٹکا بھی نہیں ہوتا جیسا کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے (اس جن پر جو میرے ساتھ رہتا ہے) میری اعانت کی ہے اور وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ بجز بھلائی کے مجھے وہ کچھ نہیں تعلیم کرتا **الا ان اللہ اعاننی علیہ فاسلم فلا یا مرنی الا بخیر** .اوران تاثیرات کا حال آفتاب کی شعاع کا سا ہے کہ لوہے اور قلعی دار چیزوں پر جو اس کا اثر ہوتا ہے دوسری چیز میں وہ اثر نہیں ہوتا علی حسب مراتب۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے دل کے اندر شیطان بھی اپنا اثر کرتا ہے اور فرشتہ بھی **ان للشیطان لمۃ وللملک لمۃ** .الحدیث' اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ملائکہ کے قلب کے اندر کا تو یہ اثر ہوتا ہے کہ انس الٰہی اور اعمال صالح کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے اور شیاطین کی تاثیر کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ بجائے انس کے وحشت اور اضطراب اور اعمال صالح کی رغبت کے بدلہ افعال قبیحہ کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں جس کسی کے دل میں اس قسم کا وسوسہ پیدا ہو تو اس کو اس وقت یہ کہہ دینا چاہیے کہ مجھ کو اللہ اور رسول کا یقین ہے۔**من وجد ذلک شیئا فلیقل آمنت باللہ و رسولہ** .اور آپؐ نے فرمایا ہے اس کو چاہیے کہ اللہ کی پناہ مانگے اور اپنی جانب چپ کو تھوک دے۔**فلیستعذ باللہ و لیتفل عن یسارہ** .اس میں یہی نکتہ ہے کہ اس کہنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف التجا اور توجہ اور اس کی یاد اور شیاطین کی تقبیح اور ذلت پائی جاتی ہے اور جب نفس کے اندر اس کی ذلت سما جائے گی اور پھر ان کی طرف نفس کی توجہ اور اس کا رُخ ہٹ جائے گا اور ان کا اثر قبول کرنے سے یہ بات اس کو مانع ہوگی۔ جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے تحقیق جو لوگ ہم سے ڈرتے ہیں جب ان پر شیطان کا گزر ہوتا ہے تو چونک جاتے ہیں۔اور جھٹ ان کو توجہ آ جاتی ہے:**ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذاھم مبصرون.**

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے سامنے جھگڑا کیا: **اجتمع آدم و موسیٰ عند ربھما** .میں کہتا ہوں رب کے سامنے جھگڑا کرنے کے یہ معنی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح خطیرۃ القدس کی طرف منجذب ہوگئی اور وہاں حضرت آدم علیہ السلام سے اس نے ملاقات کی اور اصل بھید اس میں یہ تھا کہ اللہ جل جلالہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کی معرفت موسیٰ علیہ السلام کو ایک علم کا انکشاف کر دیا۔ جس طرح کوئی شخص حالت خواب میں کسی فرشتہ یا کسی بزرگ کو دیکھتا ہے اور اس سے کچھ بات کرتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے حتیٰ کہ ایک بات جو پہلے سے اس کو معلوم نہیں ہوتی' اس شخص کے ذریعہ سے اس کو معلوم ہو جاتی ہے اور یہاں ایک علم تھا جس کی موسیٰ علیہ السلام کو خبر نہ تھی اس علم کا خدائے تعالیٰ نے اس واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام پر انکشاف کر دیا۔ اس واسطے کہ اس قصے میں دو نحوے ہیں۔ ایک تو خاص آدم علیہ السلام کی ذات کے متعلق وہ تو یہ ہے کہ جب تک انہوں نے وہ درخت نہیں کھایا تھا نہ ان کو پیاس لگتی تھی نہ دھوپ نہ بھوکے رہتے تھے نہ ننگے اور فرشتوں کی طرح رہتے تھے اور جب

انہوں نے درخت کو کھایا تو بہیمیت کا غلبہ ہوا اور ملکیت اس کے نیچے پست ہو گئی۔ پس لامحالہ درخت کا کھانا گناہ شمار کیا گیا اور اس سے استغفار ضروری ہوا اور دوسری تدبیر کلی کے متعلق ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے قبل ارادہ کر لیا تھا اور پہلے ہی سے فرشتوں کو اس کی وحی ہو چکی تھی اور وہ یہ ہے کہ اللہ پاک کو حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے یہ منظور تھا کہ نوع انسانی زمین میں خلیفہ ہو کر رہے اور پھر اس سے گناہ صادر ہوں۔ اور وہ اپنے گناہوں سے مغفرت چاہیں۔ اور ان کی مغفرت کی جائے۔ اور ان کو احکام کے ساتھ مکلف کیا جائے۔ اور ان میں رسول کی بعثت ہو۔ اور پھر ثواب اور عذاب اور مراتب کمال اور گمراہی یہ سب چیزیں وقوع میں آئیں۔ اور یہ سب علیحدہ ایک بڑی خلقت ہے اور اس درخت کا کھانا ارادۂ الٰہی اور اس کی حکمت کے موافق تھا۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو فناہ کر کے اور لوگ گناہ کرنے والے پیدا کرتا کہ گناہ کر کے اس سے مغفرت مانگا کریں اور وہ ان کے گناہ معاف فرمایا کرے۔

اوّل بہیمیت کا غلبہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام پر ہی ہوا ہے کہ علم ثانی کی تو ان کو کچھ خبر نہ ہوئی اور اوّل نے چاروں طرف سے ان کا احاطہ کر لیا اور دل ہی دل میں ان پر سخت عتاب کیا گیا۔ پھر اس سے ان کو خلاصی ہوئی اور علم ثانی کی ایک جھلک ان پر پڑی اور جب خطیرۃ القدس تک وہ پہنچ گئی تو سب حال صاف صاف اُن پر روشن ہو گیا۔

جو گمان حضرت آدم علیہ السلام کو تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اسی گمان میں تھے۔ حتیٰ کہ اللہ جل جلالہٗ نے علم ثانی کا ان پر انکشاف فرمایا اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ جس طرح خواب کی تعبیر ہوتی ہے وقائع خارجیہ کی بھی تعبیر ہوا کرتی ہے اور امر و نہی میں ظن وتخمین کو دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کے لیے استعداد ہوا کرتی ہے کہ جب وہ پائی جاتی ہے تو اس امر یا نہی کے موجب ہوتی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس کے ماں باپ اس کو یہودی اور نصرانی اور مجوسی بنا لیتے ہیں۔ جس طرح حیوان کے صحیح سالم ناک کان کا درست بچہ پیدا ہوتا ہے کہیں سے تم اس کا ناک کان کٹا ہوا دیکھتے ہو۔ **کل مولود یولد علی الفطرۃ ثم ابواہ یھود انہ و ینصرانہ و یمجسانہ کما تنتج البھیمۃ جمعاء ھل تحسون فیھا من جدعاء۔**

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قاعدہ جاری کر رکھا ہے کہ نباتات حیوانات اور ان کے سوا ہر ایک چیز کے نوع کو خاص خاص شکل پر پیدا کیا ہے۔ مثلاً انسان کی نوع کو اس خاص شکل میں بنایا ہے کہ اس کا پوست کھلا ہوا ہے اور قد سیدھا اور ناخن پھیلے ہوئے ہیں اور ہنستا بولتا ان باتوں سے تمام مخلوقات میں سے وہ متمیز ہو جاتا ہے۔ کہیں شاذ و نادر جگہ اس کے خلاف ہو جاتا ہے مثلاً بجائے ناک کے کسی کے سونڈ پیدا ہو جائے یا اس کے کھرے پیدا ہو جائیں اسی طرح سے خدائے تعالیٰ نے یہ قاعدہ بھی جاری کر رکھا ہے کہ ہر نوع کو تھوڑا تھوڑا سا علم اور ادراک محدود جو اسی کے واسطے خاص مگر اس کے تمام افراد میں عام ہی دے رکھا ہے۔ مثلاً شہد کی مکھی ہے۔ اس کو یہی ادراک دے رکھا ہے کہ جو اس کے مطلب کے درخت ہیں ان کو معلوم کر لیا کرے اور اپنے چھتے بنایا کرے اور ان میں شہد جمع کیا کرے اب مکھی کا کوئی فرد ایسا نہیں نظر پڑتا جس میں یہ ادراک نہ ہو اور کبوتر کو یہی ادراک دے رکھا ہے کہ اوپر سے کس طرح لا یلک کرپڑتا ہے اور آشیانہ بناتا ہے اور اپنے بچہ کو چگاتا ہے۔ اسی طرح انسان کو اللہ پاک نے بہ نسبت اور انواع کے زیادہ تر علم اور

ادراک کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور پوری پوری عقل دی ہے اور اپنے پیدا کرنے والے کی شناخت اور اس کی عبادت اس کے دل میں رکھی ہے اور اسی طرح دنیا کے اندر جو اس کی بہبودی کے سامان ہیں ان کا ادراک اس کو دیا ہے۔ اس کا ہی نام فطرت ہے اگر انسان کو اس فطرت سے کوئی مانع پیش نہ آئے تو اسی حالت پر انسان بڑی عمر تک رہ سکتا ہے۔ مگر بسا اوقات اس کو عوارض پیش آ جاتے ہیں۔ جیسے ماں باپ کا اس کو گمراہ کر دینا اس کی وجہ سے اس کا علم بعینہٖ جہل ہو جاتا ہے۔ جس طرح راہب لوگ طرح طرح کی ریاضتیں کر کے عورتوں کی خواہش اور کھانے کی خواہش اپنے آپ سے بالکل کھو دیتے ہیں۔ باوجودیکہ فطرت انسانی میں یہ چیزیں داخل ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے اس وقت میں ان کو اس لیے پیدا کیا ہے۔ **خلقهم لها وهم في اصلاب آبائهم** .اور فرمایا ہے وہ اپنے آباء سے ہیں۔ **هم من آبائهم** .اور فرمایا ہے جو کچھ وہ کرنے والے تھے اللہ کو اس کا پورا علم ہے۔ **الله اعلم بما كانوا عاملين** .اور آپ نے اپنے ایک بڑے خواب میں بیان فرمایا ہے بنی آدم علیہ السلام کی اولاد کی ارواح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہوتی ہیں: **نسم ذرية بني آدم تكون عند ابراهيم عليه السلام**. میں کہتا ہوں اکثر تو بچے کی پیدائش فطرت پر ہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا مگر کبھی کوئی بچہ اس حالت پر پیدا کیا جاتا ہے کہ بلا کسی عمل کے وہ لعنت الٰہی کا مستوجب ہوتا ہے۔ جس طرح وہ بچہ کو جس کو خضر علیہ السلام نے مار ڈالا اس کی فطرت میں کفر داخل تھا۔ اور آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے آباء سے ہیں یہ احکام دنیا کے متعلق ہے شرائع میں توقف اس وجہ سے نہیں ہوا کرتا کہ وہ معلوم نہیں ہوتے بلکہ کسی واضح موقع سے احکام منضبط نہیں ہوا کرتے یا ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یا ان میں اشکال ہوا کرتا ہے۔ جس کو مخاطب نہیں سمجھ سکتے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اس کے ہاتھ میں میزان ہے وہ اس کو جھکا دیتا ہے اور اٹھا دیتا ہے۔ **بيده الميزان نخفض و يرفع** .میں کہتا ہوں یہ تدبیر کی طرف اشارہ ہے اس واسطے کہ اس کا بنا اس بات پر ہے کہ جو موافق مصلحت کے ہے اس کو اختیار فرماتا ہے اسی کے حال میں ہے: **كل يوم هو في شان** .اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے سب لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگشت میں ہیں۔ **ان قلوب بني آدم في اصبعين من اصابع الرحمان** .اور فرمایا ہے قلب کا حال ایک پر کا سا ہے جو چٹیل میدان میں ہے اور اس کو ہوا لوٹ پوٹ کرتی رہتی ہے۔ **مثل قلب كريشة بارض فلاة يقلبها الرياح ظهر البطن** .میں کہتا ہوں بندوں کے افعال اختیاری ہیں مگر اس اختیار میں ان کا کچھ اختیار نہیں ہے اور اس کا حال اس شخص کا سا ہے جو ایک پتھر کو پھینکنے کا قصد کرے اگر یہ پھینکنے والا قادر اور حکیم بھی ہوتا تو اس پتھر کے اندر یہ بات پیدا کر سکتا تھا کہ وہ پتھر خود بخود حرکت کرتا۔ اس پر کوئی شخص یہ شبہ نہیں کر سکتا کہ جب افعال بھی اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور اختیار بھی اس نے ہی پیدا کیا تو پھر جزا سزا کس بات پر دی جاتی ہے۔ اس واسطے کہ جزا و سزا فی الحقیقت بعض افعال الٰہی کے بعض پر مرتب ہونے کا نام ہے بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ بندے کے اندر ایک حالت پیدا کرتا ہے۔ پھر اس کی حکمت کا مقتضیٰ یہ ہوتا ہے کہ اس میں ایک دوسری حالت راحت یا تکلیف کی پیدا کی جائے جس طرح پانی کے اندر حرارت پیدا کر کے حکمت کا مقتضیٰ ہوتا ہے کہ اس کو ہوا کا جامہ پہنایا جائے۔

اور جزا و سزا کے اندر جو بندے کا اختیار اور کسب شرط کیا گیا ہے وہ بالذات شرط نہیں کیا گیا بلکہ صرف اس وجہ سے کہ جو اعمال

کسب اور اختیار سے نہیں صادر ہوتے تھے یعنی نفس ناطقہ کے کسب اور اس کے اختیار اور قصد کی طرف ان کی نسبت نہیں ہوتی نفس ناطقہ کے اندر ان کا کچھ رنگ اور اثر نہیں پیدا ہوتا اور حکمت الٰہی کا مقتضی یہ نہیں ہوتا کہ جن اعمال سے نفس ناطقہ نے کچھ اثر قبول نہیں کیا۔ان پر بھی بندے کو جزا و سزا دی جائے۔اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو یہ اختیار غیر مستقل ہے۔جس کی وجہ سے عمل کا اثر آ سکتا ہے اور یہ کسب جس کی وجہ سے خاص یہی بندہ حالت ثانیہ کے پیدا ہونے کا مستحق ہوسکتا ہے جزا و سزا کی شرطیت کے لیے کافی ہے۔یہ ایک نفیس تحقیق ہے جو صحابہ اور تابعین کے کلام سے مستنبط ہوتی ہے۔فافظہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے خلقت کو اولاً ایک تاریکی کی حالت میں پیدا کیا اور پھر اپنا نور ان کی اولاد پر ڈالا ان میں سے جس کسی کو وہ نور کچھ پہنچ گیا اس کو تو ہدایت ہوگئی اور جس پر اس نور کا پرتو نہیں پڑا وہ گمراہ رہا اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ علم الٰہی پر قلم خشک ہو چکا۔**ان الله خلق فی ظلمة فالقی عليهم من نوره فمن اصابه من ذلك النورا هتدى ومن اخطاه ضل فلذلك اقول جف القلم على علم الله**۔اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنے سے پہلے ان کا اندازہ کیا تو وہ سب کے سب فی حد ذاتہم کمال سے بالکل عاری تھے اس واسطے مناسب ہوا کہ ان کی طرف رسول بھیجے جائیں اور ان پر کتابیں نازل کی جائیں۔بعضوں کو تو اس سے رہبری ہوگئی' اور بعض گمراہ کے گمراہ رہے۔اللہ تعالیٰ نے ایک ہی مرتبہ یہ سب اندازہ کر لیا۔مگر جو ان کی ذاتی حالت ہے اس کو اس حالت پر جو بعثت رُسل کے بعد پیدا ہوئی تقدم ہے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث قدسی میں حکایت عن رب تعالیٰ بیان فرمایا ہے۔تم سب کے سب بھوکے ہو۔سوائے اس کے جس کو میں کھانا کھلا دوں۔اور تم سب کے سب گمراہ ہو مگر جس کو میں ہدایت کر دوں۔**کلکم جائع الامن اطعمة وکلکم ضال الامن هدية** ۔میں کہتا ہوں یہ بھی ایک ایسے ہی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جیسے آدم علیہ السلام کی ذریت نکالنے کا واقعہ ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی خاص زمین میں کسی بندے کے مرنے کا حکم دیتا ہے تو اس کو وہاں جانے کی ضرورت پیدا فرما دیتا ہے:**اذا قضى الله لعبدان يموت بارض جعل له اليها حاجة**۔اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض حوادث کا وقوع اس لیے ہوتا ہے کہ اسباب کا سلسلہ منقطع نہ ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال قبل تمام خلائق کے مقادیر لکھ رکھی ہیں۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔**كتب الله مقادير الخلائق قبل ان يخلق السموٰت والارض بخمسين الف سنة وكان عرشه على الما**۔ میں کہتا ہوں سب سے اول اللہ تعالیٰ نے لوح وقلم کو پیدا کیا پھر جتنی چیزوں کا موجود ہونا اس نے چاہا عرش کے قوئی میں سے ایک قوت میں جو ہماری قوتوں میں سے خیال کی قوت کے مشابہ ہے اور جو معتبر عنہ بالذکر ہے اس کو پیدا کیا۔ جیسا کہ امام غزالی نے بیان کیا ہے۔

اس کو کوئی شخص یہ نہ گمان کرے کہ یہ بیان حدیث کے مخالف ہے اس واسطے کہ جو لوگ حدیث سے واقفیت رکھتے ہیں ان کے نزدیک لوح اور قلم کی صورت جیسا کہ عوام الناس جانتے ہیں ان کے نزدیک کوئی معتد بہ حدیث اس کے بیان میں نہیں وارد ہوئی اور وہ جو روائتیں بیان کر دیتے ہیں وہ اہل کتاب کی تراشی ہوئی ہیں۔احادیث محمدی اُن کو نہ سمجھنا چاہیے اور اہل حدیث میں سے متاخرین جو ان باتوں کے قائل ہوئے ہیں ان کا کلام تکلف سے خالی نہیں ہے اور متقدمین میں سے اس باب میں کچھ منقول نہیں ہے۔الی صل

تمام کائنات کا سلسلہ اس وقت میں وہاں پایا جاتا ہے جس کی کتاب کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہاں کتابت کا اطلاق ایسا ہی ہے جس طرح سیاست مدینہ میں اس کا اطلاق تعیین اور ایجاب پر آیا کرتا ہے اسی معنی میں یہاں بھی مستعمل ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس کلام میں ہے کہ لکھے گئے تمہارے اوپر روزے۔ **کتب علیکم الصیام** .اور اس کلام میں جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو تمہارے اوپر یہ بات لکھی گئی: **کتب علیکم اذا حضر احدکم**. الخ' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر زنا کا ایک حصہ لکھ دیا ہے: **ان اللہ کتب علی عبدہ خطہ من الزنا** .الحدیث' اور صحابی کا یہ کہنا کہ میں فلاں لڑائی میں لکھا گیا۔ حالانکہ وہاں مجاہدوں کے لیے کوئی دفتر نہ تھا جیسا کہ کعب بن مالکؓ نے بیان کیا ہے اور اسی طرح عرب کے اشعار میں بہت کثرت سے آیا ہے۔ پچاس ہزار سال کا ذکر کرنا یا تو اسی قدر مدت کی تعیین ہے اس سے طول مدت مراد ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اور پھر اپنا داہنا ہاتھ ان کی پشت پر پھیرا۔ **ان اللہ خلق آدم ثم مسح ظھرہ بیمینہ** .الحدیث' میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ابوالبشیر بنایا تو ان کے وجود میں تمام ان کی اولاد کی حقیقت داخل کر دی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو کسی وقت میں تمام ان ذریات کا علم جن پر بمقتضائے ارادہ الٰہی ان کا وجود مشتمل تھا۔ عطا فرمایا اور ان سب کا ایک صورتِ مثالیہ میں ان کو مشاہدہ کرا دیا اور ان کی سعادت اور شقاوت کو نور اور ظلمت کی صورت میں ظاہر کر دیا اور ان کی جبلت میں تکلیف کی قابلیت کو سوال و جواب اور اپنی جانوں پر لازم کر لینے کی صورت میں دکھا دیا پس ان سے جو کچھ مؤاخذہ کیا جاتا ہے ان کی اصلی استعداد ہے اس کا منشاء ہے اس کی نسبت اگرچہ ظاہری صورتِ انسانی کی طرف کر دی جاتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ چالیس روز تک تمہاری خلقت ماں کے پیٹ میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ **ان خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یومًا** .الحدیث' میں کہتا ہوں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تغیر دفعتاً نہیں ہوتا بلکہ آہستہ آہستہ ہوتا رہتا ہے اور ہر وقت کی حالت اپنی حالت سابقہ اور لاحقہ کے مغائر ہوتی ہے اور جب تک صورت دموی سے اس کو پورا پورا تغیر نہیں ہوتا اس وقت تک اس کا نام نطفہ رہتا ہے اور جب اس میں خفیف سا انجماد ہو جاتا ہے تو اس کا نام علقہ ہو جاتا ہے اور جب پورا پورا اس کو انجماد ہو جاتا ہے تو اس کو مضغہ کہتے ہیں۔ اگرچہ اس میں ملائم ملائم ہڈیاں بھی بن جاتی ہیں اور جس طرح ایک خاص وقت میں زمین میں کھجور کی گٹھلی کو داب دیں اور ایک تدبیر خاص اس میں صرف کی جائے تو جو شخص اس خرما کے نوع اور اس زمین اور اس پانی اور اس وقت کی خاصیت جانتا ہے وہ جان جاتا ہے کہ یہ خوب اُگے گی۔ اور اس کے حال سے اور بعض بعض باتیں اُس کو معلوم ہو جاتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ اس بچہ کا حال جو اس کی سرشت کا تقاضا ہے۔ بعض فرشتوں پر کھول دیتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کا ٹھکانا دوزخ اور جنت میں لکھا ہوا نہ ہو: **مامنکم من احدا لا وقد کتب لہ مقعدہ من النار و مقعدہ من الجنۃ**. میں کہتا ہوں یہ لوگوں کے اصناف کے متعلق ہے اور کوئی صنف ایسی نہ ہوگی جس میں کمال اور نقصان اور عذاب وثواب نہ ہوگا۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ٹھکانا دوزخ یا جنت میں ہے اور اللہ پاک کا یہ کلام کہ جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشت پر ہاتھ پھیر کے ان کی اولاد کو نکالا۔ **واذا اخذ ربك من بنی آدم من ظھورھم** الخ' اس حدیث کے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت پر ہاتھ پھیر کے ان کی اولاد کو نکالا: **ثم مسح ظھرہ بیمینہ واستخرج**

منہ ذریتہ مخالف نہیں ہے اس واسطے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا۔ اور ان کی اولاد کی پشت سے اولاد کی اولاد کو نکالا۔ اسی طرح قیامت تک جس ترتیب سے وہ موجود ہوتی گئی ان کی پشتوں سے اولاد کو نکال نکال کر ان سے عہد لیتے رہے قرآن میں اس کا قصہ پورا پورا مذکور نہیں تھا۔ حدیث شریف نے اس کا تتمہ بیان کر دیا اور اللہ پاک فرماتا ہے پس جس نے دیا اور ڈرتا رہا اور اچھی بات کی اس نے تصدیق کی: فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی یعنی ہمارے علم میں جو ان اوصاف کے ساتھ متصف ہے تو خارج میں ہم آہستہ آہستہ اس کو ان اعمال کی طرف اب پہنچا دیں گے۔ اس توجیہ سے حدیث اس کے اوپر منطبق ہوگئی۔ اور اللہ پاک فرماتا ہے قسم ہے جان کی اور جو اس کو ٹھیک کیا اور پھر اس کی نافرمانی اور پرہیزگاری اس کو بتا دی۔ میں کہتا ہوں الہام سے یہاں نفس کے اندر فجور کی صورت کا پیدا کر دینا ہے۔ جس طرح ابن مسعودؓ کی حدیث میں گزر چکا۔ اس واسطے کہ الہام اصل میں ایک صورت علمیہ کے پیدا کرنے کا نام ہے جو علم کا منشا ہوتی ہے۔ اور مجازاً اس سے ایک صورت اجمالیہ جو مبدء آثار ہوتی ہے اگرچہ اس کی وجہ سے عالم نہیں کہہ سکتے مراد ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

ان احادیث کا بیان جو کتاب وسنت سے دلیل پکڑنے کے باب میں وارد ہوئی ہیں:

جس قدر تحریف کے راستے ہیں آنحضرت ﷺ نے ان سب سے اپنی امت کو ڈرایا اور ان سے سخت نہی فرمائی ہے اور اس کے متعلق اپنی امت سے عہد و پیمان لے لیے ہیں سب سے بڑا سبب تہاون کا یہ ہے کہ لوگ سنت پر عمل چھوڑ دیں اس کے باب میں آپ فرماتے ہیں مجھ سے قبل اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی کسی امت میں ایسا نہیں بھیجا کہ اس کی امت میں سے کچھ لوگ اس کے حواری اور دوست اس سنت پر عمل کرنے والے اور اس کے حکم کے فرمانبردار پیدا نہ کیے ہوں۔ پھر ان کے بعد نااہل لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو وہ کہتے ہیں کرتے نہیں ہیں۔ اور جن باتوں کا حکم ان کو نہیں ہوتا وہ کرتے ہیں جو ہاتھ سے ان کے ساتھ جہاد کرے وہ ایماندار ہے اور جو ان سے زبان سے جہاد کرے وہ بھی ایماندار ہے اور جو قلب سے جہاد کرے وہ بھی ایماندار ہے اور جو اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے:

مامن نبی بعثه الله فی امته قبلی الاکان له من امته حواریون واصحاب یاخذون بسنته ویقتدون بامره ثم انها تخلف من بعدهم خلوف یقولون مالا یفعلون ویفعلون مالا یؤمرون فمن جاهدهم بیده فهو مومن ومن جاهدهم بلسانه فهو مومن ومن جاهدهم بقلبه فهو مومن و لیس وراء ذلك من الایمان حبة خردل۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے میں تم میں سے کسی کو اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ جس بات کا میں نے حکم دیا ہے یا اس سے نہی کی ہے وہ امر ہو یا نہی ہو اس کو معلوم ہو اور وہ کہہ دے میں ان باتوں کو نہیں جانتا۔ جو قرآن میں موجود ہیں ہم لوگ تو اس کا اتباع کرتے ہیں: **لا الفین احدکم متکئا علی اریکته یاتیه الامر من امری مما امرت به اونهیت عنه فیقول لا ادری ما وجدناه فی کتاب الله اتبعناه** اور آنحضرت ﷺ نے عمل بالسنۃ پر خاص کر جب کہ لوگ مختلف ہوں بہت ترغیب دی ہے۔

اور منجملہ اسباب تہاون کے تشدد بھی ہے جس کی نسبت آپؐ نے فرمایا ہے کہ اپنی جانوں پر سختی مت کرو پھر اللہ تعالیٰ بھی تمہارے اوپر سختی کرے گا۔ **لا تشددوا علی انفسکم فیشدد الله علیکم** .اور ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عبادت شاقہ کا قصد کیا تو آپؐ نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھا۔اور اسی طرح کچھ لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی عبادت کو کسی قدر کم سمجھا اور خود اعمال شاقہ کا قصد کیا تو آپؐ نے ان کو منع فرمایا۔اور منجملہ ان کے ایک ہر چیز کی زیادہ تحقیق اور اس میں بہت سا تعمق کرنا ہے۔اس کی نسبت آپؐ نے فرمایا ہے۔لوگوں کا کیا حال ہو گیا ہے کہ ایک بات کو میں تو کر لیتا ہوں اور وہ اس سے پرہیز کرتے ہیں۔اللہ کی قسم ہے کہ میں ان سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کا پہچاننے والا ہوں: **مابال اقوام یتنزھون عن الشیئ افعله انی لا علمهم بالله واشدهم خشیته له** .اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ہدایت پر ہونے کے بعد جو قوم گمراہ ہوئی ہے اس کی وجہ ان کا نفاق باہمی اختلاف اور جھگڑا ہوا ہے **ما اضل قوم بعد ھدی کانوا علیه لا اوتو الجدل** .اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اپنی دنیا کی باتوں سے تم خوب واقف ہو۔**انتم اعلم بامور دنیاکم** .اور بعض صحابہؓ نے یہود سے کچھ باتوں کے سیکھنے کا ارادہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس طرح یہود و نصاریٰ مذبذب ہو رہے ہیں کیا تم بھی اسی طرح اپنے دین میں مذبذب ہونا چاہتے ہو۔میں تمہارے پاس روشن اور صاف دین لے کر آیا ہوں۔اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو سوائے میری تابعداری کے ان کو چارہ نہ ہوتا۔**وامتھوکون انتم کما تھوکت الیھود و النصاری لقد جئتکم بھا بیضاء نقیة ولوکان موسیٰ حیا لما وسعه الا اتباعی** .اور جو شخص اسلام کے اندر جاہلیت کے برتاؤ کو پسند کرے آنحضرت ﷺ نے اس کو ابغض الناس میں داخل کیا ہے۔

از انجملہ ایک استحسان ہے اس کی نسبت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ہمارے اس دین میں جو کوئی ایسی بات ایجاد کرے جو اس میں نہیں ہے وہ رد ہے۔**من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھورد** .اور ملائکہ نے آنحضرت ﷺ کی مثال اس شخص کی سی بیان کی ہے کہ اس نے ایک مکان بنایا اور اس میں کھانا تیار کیا اور ایک شخص کو لوگوں کے بلانے کے لیے بھیجا۔ **مثل رجل بنی دار او جعل فیھا مادبة وبعث داعیا** .الحدیث' میں کہتا ہوں اس میں لوگوں کے مکلّف کرنے کی طرف اشارہ ہے پورے طور پر سمجھا دینے کے لیے ایک محسوس چیز کے ساتھ اس کو تشبیہ دی ہے۔اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے میرا حال اس شخص کا سا ہے کہ اس نے آگ کو روشن کیا: **مثلی کمثل رجل استو قدنارًا** .الحدیث' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے میری اور اس چیز کی مثال جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر بھیجا ہے اس شخص کی سی مثال ہے کہ وہ شخص ایک قوم کے پاس آئے اور ان سے کہے میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر کو دیکھا ہے: **انما مثلی و مثل ما بعثنی الله به کمثل رجل اتی قوما فقال یا قوم انی رایت الجیش بعینی** .الحدیث' یہ حدیث اس بات پر صاف دلالت کرتی ہے کہ بعض اعمال قبل از بعثت بھی بذاتہ مستوجب عذاب ہوتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور علم کے ساتھ بھیجا ہے۔اس کی ایسی مثال ہے جیسے بہت زور کا پانی زمین پر برستا ہے: **مثل ما بعثنی الله به کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضا** .الحدیث' یہ اصل میں اس ہدایت کا جو اہل قلم کو آنحضرت ﷺ سے حاصل ہوئی۔خواہ صراحتہً روایت کے ذریعہ سے یا دلالتہ

بایں طور کہ انہوں نے مسائل کا استنباط کر کے لوگوں کو مطلع کیا انہوں نے شرع کا اتباع کیا اور لوگوں نے ان کی اقتداء سے رہبری حاصل کی اور جہلاء کے اس ہدایت کے قبول نہ کرنے کا بیان ہے۔ اور ایک مرتبہ جب آپؐ نے بہت ہی تاکید سے لوگوں کو نصیحت کی تو اس میں یہ بھی فرمایا کہ تم لوگ میرے اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کے طریقے کو اپنے اوپر لازم کر لینا: **فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين** .میں کہتا ہوں دین کا انتظام آنحضرت ﷺ کی اتباع سنت پر موقوف ہے اور سیاست بشری کا انتظام اسی وقت ہو سکتا ہے کہ خلیفہ جس بات کا تدابیر ملکی یا جہاد کے متعلق اپنے اجتہاد سے حکم دے لوگ اس کے حکم کو مانیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس کا یہ حکم خلاف نص یا بدعت کے قبیلہ سے نہ ہو۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ تو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے پھر اس خط کے ادھر اُدھر اور خط کھینچے اور فرمایا یہ بھی راستے ہیں ان میں سے ہر راستہ پر ایک شیطان بیٹھا ہوا ہے۔ جو لوگوں کو اس کی جانب بلاتا ہے اور آپؐ نے یہ آیت پڑھی: **اِنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ** .(تحقیق یہ میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر تم چلو اور راستوں پر مت چلو۔ ورنہ اللہ کے راستہ سے بچھڑ جاؤ گے) **خط رسول الله صلى الله عليه وسلم خطاثم قال هذا سبيل الله ثم خط خطوطاً عن يمينه و عن شماله و قال هذه سبل على كل سبيل منها شيطان يدعوا اليه** .میں کہتا ہوں فرقہ ناجیہ وہی ہے جو تمام عقائد اور اعمال کے اندر کتاب اور سنت اور جمہور صحابہؓ اور تابعینؒ کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ اگر چہ تابعین میں ان باتوں کے اندر جن میں کوئی نص مشہور نہیں ہے اور نہ صحابہؓ نے اس پر اتفاق کیا مختلف ہیں اور اپنے اپنے قول پر بعض بعض امور سے استدلال کرتے ہیں یا کہیں مجمل کی تفسیر کر دیتے ہیں اور جو فرقہ عقیدۂ سلف کے خلاف کوئی عقیدہ یا ان کے عمل کے خلاف کوئی عمل نکالے وہ غیر ناجیہ ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے یہ امت گمراہی پر اتفاق نہ کرے گی۔ **لا يجتمع امتي على الضلالة** .اور فرمایا ہے ہر صدی کے بعد اللہ تعالیٰ اس امت میں ایک ایسے شخص کو پیدا کرتا رہے گا۔ جو اس امت کے دین کو نیا کرتا رہے گا۔ **يبعث الله لهذا الامة على راس كل مائة سنة من يجدو لها دينها** .اس حدیث کی آنحضرت ﷺ نے دوسری ایک حدیث میں تفسیر فرمادی ہے اور فرمایا ہے ہر خلف کے عادل لوگ اس علم کا بار اٹھائیں گے اور ان سے آمیزش کرنے والوں کی تحریف جھوٹوں کی بہتان بندی جاہلوں کی تاویل کو دور کر دیں گے۔ **يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه** تحریف الغالین **وانتحال المبطلين و تاويل الجاهلين** جاننا چاہیے کہ جب لوگوں نے دین میں اختلاف اور ملک میں فساد پھیلایا تو اس کے سبب سے جو دالٰہی کے دروازہ کو حرکت ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے دین کی کجی کے درست کرنے کے لیے محمد ﷺ کو روانہ کیا۔ پھر جب آنحضرت ﷺ نے اس عالم سے وفات پائی تو بعینہ یہ عنایت الٰہی امت میں آنحضرت ﷺ کے علم اور ہدایت کے محفوظ رکھنے کی طرف متوجہ ہوئی اور ان کو الہامات اور تقریبات کا فیضان شروع ہو گیا۔ کیونکہ حظیرۃ القدس نے اس ہدایت کے قیامت تک ان میں برقرار رکھنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اس لیے لامحالہ ایسے لوگوں کا پیدا کرنا ضروری ہوا جو دین الٰہی کے پابند ہوں اور وہ سب کے سب کسی گمراہی کی بات پر اتفاق نہ کر سکیں اور قرآن ان کے اندر محفوظ رہ سکے لیکن باتوں کے ساتھ چونکہ استعدادیں مختلف ہوتی ہیں اس لیے کسی قدر رد و بدل بھی لوگوں کی وجہ سے ہو جانا ممکن ہے

اس واسطے مستعد لوگوں میں جو بیدار ہوتے ہیں علم کی رغبت پیدا کی جاتی ہے وہ تحریف غامض جس سے دین میں سختی مراد ہے اور چھوٹوں کی تبدیلی جس سے مذہب کا خلط ملط کرنا مراد ہے اور جاہلوں کی تاویل جس سے سستی مراد ہے دور کر دیتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس شخص کی بہتری چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ **من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین**۔ اور فرمایا ہے علماء لوگ انبیاء کے وارث ہیں۔ **ان العلماء ورثہ الانبیاء**۔ اور فرمایا ہے عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسی مجھ کو تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر فضیلت ہے۔ **فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم**۔ اور اسی قسم کی اور حدیثیں فرمائی ہیں۔

معلوم کرو کہ جب کسی شخص پر عنایت الٰہی کا ورود ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو تدبیر الٰہی کا اہل بناتا ہے تو یہ بات لابدی ہے کہ اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے اور فرشتوں کو اس کے ساتھ محبت کرنے اور اس کی تعظیم کرنے کا حکم ہوتا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس کے ساتھ محبت کرنے کا حکم ہوتا ہے اور زمین پر بھی وہ بندہ مقبول ہو جاتا ہے اور جب سرور کائنات ﷺ نے وفات پائی تو وہی عنایتِ خاصہ اس دین کی حفاظت کی حیثیت سے علماء اور روات اور پیروی کرنے والوں کی طرف متوجہ ہوئی اور ان میں بے شمار فوائد اور برکات پیدا کر دیئے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے خوش رکھے اللہ تعالیٰ اس بندے کو جو میری بات کو سنے اور یاد رکھے اور محفوظ کرلے اور پھر جیسا سنا تھا ویسا ہی بیان کر دے۔ **نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظھا ودعاھا وادعاھا کما سمعھا**۔ میں کہتا ہوں اس فضیلت کا سبب یہ ہوا کہ ایسا شخص اس قابل معلوم ہوتا ہے کہ ہدایتِ نبویہ کو خلق کی طرف پہنچائے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص قصداً میرے اوپر جھوٹ بولے اس کو اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنانا چاہیے۔ **من کذب علی متعمدا فلیتبؤا مقعدہ من النار**۔ اور فرمایا ہے کہ اخیر زمانہ میں دجال اور کذاب پیدا ہوں گے۔ **یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون**۔ میں کہتا ہوں اخیر زمانوں تک دین کے پہنچنے کا ذریعہ روایت ہی ہے اور جب روایت ہی کے اندر فساد داخل ہو جائے تو اس کا کچھ علاج نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے آنحضرت ﷺ پر جھوٹ باندھنا سخت گناہ ہوا۔ اور روایت کے اندر بڑی احتیاط کرنی ضرور ہوئی تاکہ کذب لازم نہ آئے اور فرمایا ہے بنی اسرائیل سے روایت کرو اور کچھ مضائقہ نہیں ہے: **حدثوا عن بنی اسرائیل ولاحرج**۔ اور فرمایا ہے کہ ان کی نہ تو تصدیق کرو۔ اور نہ تکذیب کرو۔ **ولا تصدقوھم ولا تکذبوھم**۔ میں کہتا ہوں اگر اعتبار کرنے کے لائق ہو تو اہل کتاب سے روایت کا کرنا درست ہے جہاں احکام دینی میں اختلاط کا اندیشہ نہ ہو ورنہ درست نہیں ہے۔

ایک بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ بہت سے بنی اسرائیل کے قصے جو کتب تفاسیر میں اور اخبار میں مذکور ہیں اکثر وہ علمائے اہل کتاب سے منقول ہیں اس قابل نہیں ہیں کہ کسی حکم شرعی یا اعتقاد کی بناء ان کو قرار دیا جائے۔ فتدبر

اور فرمایا ہے جس علم سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی مطلوب ہوتی ہو اور پھر اس کو کوئی شخص متاع دنیا کے حاصل کرنے کی غرض سے پڑھے تو قیامت کے روز جنت کی خوشبو بھی اس تک نہ پہنچے گی: **من تعلم علما مما یبتغی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیامۃ**۔ میں کہتا ہوں دنیا کے لیے علم دین کا سیکھنا حرام

ہے. جس کی غرض یہی معلوم ہوتی ہے بدو وجہ اول تو یہ کہ ایسا شخص غالباً غرض دنیوی کے واسطے دین کے اندر ایک ضعیف سی تاویل کر کے تحریف کر سکتا ہے لہٰذا اس راستہ کا بند ہی کر دینا ضرور ہوا دوسرے یہ کہ اس میں قرآن وحدیث کی بے حرمتی اور اس کی ہتک ہے۔
اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب کسی شخص سے کوئی علمی بات جس کو وہ جانتا ہو دریافت کی جائے پھر وہ چھپائے تو قیامت کے روز اس کے آگ کی لگام دی جائے گی۔ میں کہتا ہوں جب بیان کرنے کی حاجت ہو تو اس وقت مسئلہ کا بیان نہ کرنا اور چھپالینا حرام ہے اس واسطے کہ اصل تہاون اور احکام دینی کے نسیان کا سبب یہی ہے اور اعمال کی جزا و سزا کچھ کچھ اعمال کے مناسب ہوا کرتی ہے چونکہ یہاں پر گناہ مسئلہ کا چھپالینا اور بیان نہ کرنا تھا۔ اس واسطے منہ میں لگام دینے سے اس کو سزا دی گئی جو بات نہ کرنے اور رک جانے کے مناسب ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے علم تین ہیں: آیت محکمہ یا سنت قائمہ یا فریضہ عادلہ اور جو اس کے سوا ہے وہ زیادہ ہے۔
العلم ثلثه آية محكمه او سنته قائمة او فريضة عادلة و ما كان سوى ذلك فهو فضل. میں کہتا ہوں یہ آنحضرت ﷺ نے جس قدر لوگوں پر سیکھنا واجب بالکفایہ ہے اس کی حد بیان فرمائی ہے۔ اب ایک تو قرآن کا لفظاً سیکھنا واجب ہے اور آیات محکمات کے اندر الفاظ عربیہ کی شرح اور اسباب نزول اور جو اس میں سے وقت طلب ہے اس کی توجیہ اور ناسخ و منسوخ کی معرفت ضروری ہے۔ باقی رہا متشابہ اس کا حکم یا تو توقف ہے یا محکم کی طرف اس کا رجوع کر لینا ہے اور سنت قائمہ وہ ہے۔ جو عبادات یا معاملات میں شرائع اور سنن ہوں جن پر علم فقہ مشتمل ہے اور قائمہ کی یہ تعریف ہے کہ جو منسوخ نہ ہوئی ہو اور نہ متروک ہو اور نہ اس کا کوئی راوی چھوٹ گیا ہو۔ اور جمہور صحابہ اور تابعین کا اس پر عملدرآمد رہا ہو ان میں سے سب سے بڑھ کر وہ ہے کہ جس پر فقہا، مدینہ اور کوفہ کا اتفاق ہو اور اس کی پہچان یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کا اس پر اتفاق ہو۔ اور اس کے بعد وہ ہے کہ اس میں جمہور صحابہ کے دو قول یا تین قول ہوں اور ہر قول پر اہل علم کے ایک گروہ نے عمل کیا ہو۔ اور اس کی یہ شناخت ہے کہ موطا اور جامع عبدالرزاق وغیرہ میں ان کی روایات پائی جاتی ہوں اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ بعض فقہاء کا استنباط ہے اور بعض کا نہیں ہے اور فریضہ عادلہ ورثہ کے حصوں کا معلوم کرنا ہے۔ اور ابواب قضا جو مسلمانوں کے اندر انصاف سے قطع منازعت کرنے کے متعلق ہیں وہ بھی اسی کے ساتھ ملحق ہیں۔ یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ شہر کا ان چیزوں کے واقف سے خالی رہنا حرام ہے۔ کیونکہ ان پر دین کا مدار ہے۔ جو ان کے سوا ہیں وہ فضل اور زیادتی کے قبیلہ سے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ نے مغالطات یعنی ان باتوں سے جو لوگوں کے امتحان لینے کے لیے تراش لی جائیں اور جواب دینے والے کو اس میں غلطی واقع ہو منع فرمایا ہے اور اس کی کئی وجہ ہیں ایک تو یہ کہ ایسی باتوں میں مسئول منہ کو ایذا پہنچانا اور ذلیل کرنا منظور ہوتا ہے اور اپنا عجب اور بڑائی مقصود ہوا کرتی ہے دوسرے یہ کہ اس میں فتح باب تعمق پایا جاتا ہے اور بہتری اس میں ہے جو صحابہ کیا کرتے تھے۔ کہ جو ظاہر سنت میں موجود ہے اس پر توقف کرنا چاہیے یا جو بمنزلہ ظاہر کے ہے ایماء اقتضاء فحوائے کلام کے قبیلہ سے اور بہت امعان مناسب نہیں ہے اور یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ جب تک ایک حادثہ وقوع میں نہ آئے اور اجتہاد کرنے کی حاجت نہ ہو خواہ مخواہ اس میں اجتہاد کر رکھنے میں غلطی کا ظن غالب ہوتا ہے۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص اپنی عقل سے قرآن میں کوئی بات کہے اس کو اپنی جگہ جہنم میں بنائی چاہیے **من قال**

فی القرآن برایہ فلیتبؤا مقعدہ من النار. میں کہتا ہوں جو شخص اس زبان سے جس میں قرآن نازل ہوا ہے واقف نہ ہو اور نبی ﷺ اور آپ ؐ کے صحابہؓ اور تابعین کے ذریعہ سے اس کو الفاظ عربیہ کی شرح اور اسباب نزول اور ناسخ اور منسوخ کا پتہ نہ ہو اس شخص کو تفسیر کا لکھنا حرام ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے قرآن کے اندر جھگڑا کرنا کفر ہے: المراء فی القرآن کفر. میں کہتا ہوں قرآن کے اندر مجادلہ حرام ہے اور اس کی یہ صورت ہے کہ کوئی شخص ایک حکم کو جو قرآن کے اندر منصوص ہے کسی شبہ سے جو اس کے دل میں واقع ہوا ہے رد کرے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ تم سے پہلے لوگ تو اسی واسطے تباہ ہو گئے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو بعض کو بعض سے لڑایا۔ انما ھلک من کان قبلکم بھذا ضربوا کتاب اللہ بعضہ ببعض. میں کہتا ہوں قرآن کے ساتھ تدافع کرنا حرام ہے اور اس کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص اپنے اثبات مذہب کی غرض سے استدلال کرے اور دوسرا شخص اپنے مذہب کے ثابت کرنے کے لیے اور دوسرے مذہب کے ابطال یا بعض ائمہ کے بعض پر تائید کرنے کی غرض سے دوسری آیت پیش کرے اور اس کا پورا پورا قصد اس بات کا نہ ہو کہ حق ظاہر ہو جائے اور حدیث میں بھی تدافع کرنے کا یہی حال ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے آیات قرآنی میں سے ہر ایک کے لیے ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور ہر حد پر اطلاع کا جدا ذریعہ ہے: لکل آیۃ منھا ظھر وبطن ولکل حد مطلع. میں کہتا ہوں زیادہ تر قرآن کے اندر صفات الٰہی اور اس کے آیات اور احکام اور قصص اور کفار سے احتجاج اور جنت و نار کے ساتھ موعظت کا ذکر ہے قرآن کا ظاہر تو یہ ہے کہ جس کے لیے سوق کلام ہے اس کا پورا پورا علم حاصل ہو جانا اور اس کا باطن آیات صفات میں نعمائے الٰہی میں فکر اور مراقبہ کرنا اور آیات احکام کے اندر اس کے ایماء اور اشارہ اور فحوائے اور اقتضاء سے اور مسائل کا استنباط کرنا جس طرح حضرت علی ؓ نے آیت وَحَمۡلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا. سے اس بات کا استنباط کیا ہے۔ کہ مدت حمل کی کبھی چھ ماہ کی بھی ہوتی ہے۔ لقولہ تعالی حَوۡلَيۡنِ كَامِلَيۡنِ. اور قصص کے اندر اس کا باطن یہ ہے کہ ثواب اور مدح یا عذاب اور ذم کا مدار کن کن باتوں پر ہے اور موعظت کے اندر رقت قلب اور خوف و رجاء کا ظاہر ہونا اور اسی قسم کی اور باتیں اور حد کے اوپر اطلاع کا ذریعہ استعداد ہے جس سے وہ حد معلوم ہو سکتی ہے جیسے زبان اور آثار سے واقف ہونا اور ذہن کی صفائی اور سمجھ کی پختگی۔

اللہ پاک فرماتے ہیں ﴿آيَاتٌ مُّحۡكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الۡكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ﴾ میں کہتا ہوں بظاہر محکم کے معنی یہ ہیں کہ جس میں ایک وجہ کے سوا دوسری وجہ کا احتمال نہ ہو جیسے ﴿حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ أُمَّهَاتُكُمۡ وَ بَنَاتُكُمۡ وَأَخَوَاتُكُمۡ﴾ اور متشابہ وہ ہے جس میں کئی وجوہ کا احتمال ہو۔ جیسے ﴿لَيۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيۡمَا طَعِمُوۡا﴾ کج فہموں نے تو اس آیت کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ جب تک کسی پر ظلم یا زمین میں کچھ فساد نہ ہو شراب کا پینا درست ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس آیت سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے حرام ہونے سے پیشتر شراب پی تھی۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے عمل تو نیت کے ساتھ ہیں: انما الاعمال بالنیات. میں کہتا ہوں اصل تو نیت کے معنی قصد اور ارادہ کے ہیں مگر یہاں اس کی علت غائیہ مراد ہے جس کا آدمی کے دل میں اول تصور آتا ہے اور پھر وہ ایک فعل کا منشا ہوتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ سے ثواب یا اس کی رضامندی کا طالب ہونا اور حدیث سے مراد یہ ہے کہ نفس کی تہذیب اور اس کی کجی کے دور کرنے

میں اعمال کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ جب تک ان کے صادر ہونے کا باعث کسی ایسی شئے کا تصور نہ ہو جس کا مآل تہذیب ہوتی ہے۔ اور عادت یا لوگوں کی موافقت یا ریا و سمعہ یا جبلت کا تقاضا اس کا باعث نہ ہو جس طرح ایک شجاع آدمی سے قتال کا صادر ہونا جو بغیر قتال کیے نہیں رہ سکتا ہے اگر وہ وقت کفار کے ساتھ مجاہدہ کا نہ ہوتا تو وہ اس اپنی شجاعت کو مسلمان کے قتال میں صرف کرتا جس کی نسبت آنحضرت ﷺ سے کسی شخص نے دریافت کیا تھا کہ ایک مرد دکھاوے کی غرض سے قتال کرتا ہے اور ایک بہادری سے ان دونوں میں سے اللہ تعالیٰ کے لیے کون قتال کرتا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اس لیے لڑتا ہے کہ اللہ کی بات سب سے اُونچی رہے تو اس کا لڑنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے: **من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله**. اور اس میں بھید یہ ہے کہ دل کا ارادہ تو عمل کی روح ہے اور عمل اس کی صورت اور شبیہ ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں پس جو شخص شبہات سے بچ گیا اُس نے اپنا دین اور اپنی عزت کو بچالیا: **الحلال بين والحرام بين و بينهما مشتبهات فمن اتقى الشبهات فقد استبر الدنيا و عرضه** .میں کہتا ہوں ایک مسئلہ کے اندر کبھی وجوہ مختلف ہو جاتی ہیں تو اس وقت میں احتیاط اور اس سے بچنا سنت ہے۔ تعارض کی ایک شکل تو یہ ہے کہ صراحۃً اس کے اندر روایات مختلف ہوں جیسے ذکر کے چھو لینے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں بعض نے اس کو ثابت کیا ہے اور بعض نے اس کی نفی کی ہے اور ہر ایک حدیث سے شہادت پیش کرتا ہے۔ یا محرم کے لیے نکاح ہے کہ بعض نے تو تجویز کیا ہے اور بعض نے منع کیا ہے اور روائتیں مختلف ہیں اور ایک شکل یہ ہے کہ وہاں جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کے معنی کچھ غیر منضبط ہیں یعنی فقط تقسیم یا مثال سے اس کے معنی معلوم ہوئے ہیں مگر ایک جامع اور مانع تعریف سے اس کے معنی معلوم نہیں ہیں تو وہاں تین مادے پیدا ہو جاتے ہیں ایک تو وہ مادہ کہ جہاں اس لفظ کا یقیناً اطلاق ہو سکتا ہے اور ایک وہ کہ جہاں یقیناً اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اور ایک وہ کہ وہاں اس کے اطلاق کا صحیح ہونا یا نہ ہونا کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ اور ایک شکل یہ ہے کہ ایک جگہ حکم کا مدار ایک علت پر ہے جس میں ایک مقصود کا یقینی گمان ہوتا ہے اور ایک نوع اس کی ایسی پائی جاتی ہے کہ وہاں علت تو ہے مگر وہ مقصود وہاں نہیں پایا جاتا۔ جیسے ایک لونڈی کو ایسے شخص سے خریدا کہ اس میں جماع کی قابلیت نہیں ہے تو وہاں استبراء کرنا چاہیے یا نہیں۔ پس یہ صورت اور اس قسم کی جس قدر صورتیں ہیں سب کے اندر احتیاط بہت ضروری ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے پانچ طرح سے قرآن نازل ہوا ہے۔ حرام اور حلال اور محکم اور متشابہ اور امثال: **نزل القرآن على خمسة اوجه حلال وحرام ومحكم و متشابه و امثال**. میں کہتا ہوں یہ پانچوں وجہ کتاب کی قسمیں ہیں اگر تقسیمات مختلف ہیں لہٰذا ان میں تنازع حقیقی اور تضاد نہیں ہے اس لیے یہ حکم کبھی حلال ہوتا ہے اور کبھی حرام ہوتا ہے اور دین کے اصول میں سے یہ بات ہے کہ جو آیات قرآنی یا احادیث نبوی متشابہات کے قبیلہ سے ہیں ان میں عقل کو دخل نہ دیا جائے اور اسی قسم کے اور بہت سے امور ہیں۔ کہ وہاں معلوم نہیں ہو سکتا کہ کلام کے معنی حقیقی مراد ہیں یا کوئی معنی مجازی جو حقیقت کے قریب ہیں۔ وہ مراد ہیں۔ اور یہ وہاں ہے کہ جب امت کا اجماع نہیں پایا جاتا اور اس سے شبہ مرتفع نہیں ہوا ہے۔ واللہ اعلم

ان احادیث کا بیان جو طہارت کے باب میں وارد ہوئی ہیں:

معلوم کرو کہ طہارت کی تین قسمیں ہیں ایک تو حدث سے طہارت دوسرے بدن یا کپڑے یا جگہ کے ساتھ جو نجاست متعلق

ہواس سے طہارت تیسرے بدن سے جو چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں ان سے طہارت، جیسے موئے زیر ناف یا ناخن یا میل کچیل طہارت عن الاحداث کا مدار اصول بر پر ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں انوار ملکیہ کا ظہور ہو گیا ہے وہ ناپاکی اور طہارت کی روح کو خوب تمیز کر سکتے ہیں ان کے نفوس کو خود بخود اس حالت سے جس کا نام حدث ہے نفرت اور اس حالت سے جس کا نام طہارت ہے۔ سرور اور ایک قسم کا انشراح محسوس ہونے لگتا ہے اور طہارت کی صورتوں اور ان کی موجبات کے تعیین ملل سابقہ یعنی یہود و نصاریٰ و مجوس اور بقایا ملت اسمٰعیلیہ کے دستور سے خوب معلوم ہو سکتی ہے ان کے نزدیک ناپاکی اور ایسے ہی اس سے طہارت دو طرح کی ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ سابقاً ہم بیان کر چکے ہیں اور عرب کا قدیمی دستور تھا کہ جنابت سے وہ غسل کیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی دونوں قسم کے حدث کے مقابل میں دو قسم کی طہارت کو مقرر فرمایا طہارت کبریٰ یعنی غسل کو تو حدث اکبر یعنی جنابت کے لیے اس واسطے کہ جنابت قلیل الوقوع اور کثیر التلوث ہے تاکہ نفس کو ایسی ناپاکی میں واقع ہونے سے ایک عمل شاق (یعنی غسل) سے جس کا آدمی کو بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ تنبیہ ہو جائے اور طہارت صغریٰ یعنی وضو کو حدثِ اصغر کے لیے مقرر فرمایا اس واسطے کہ وہ اکثر الوقوع اور قلیل التلوث ہے اور اس میں نفس کو فی الجملہ تنبیہ ہو جانی کافی ہے۔

فی الحقیقت وہ اُمور کہ جن میں حدث یعنی ناپاکی کے معنی پائے جاتے ہیں بہت کچھ ہیں جن لوگوں کا ذوق سلیم ہوتا ہے وہ اس کو معلوم کر سکتے ہیں۔ مگر وہ حدث کہ جس سے تمام دنیا کو مخاطب کر سکیں چند خارجی اور کے اندر منضبط ہے جن کا ظاہر میں نفس کے اوپر اثر پڑتا ہے تاکہ ظاہر میں لوگوں سے اس کی باز پرس ہو سکے اسی واسطے اگر پیٹ کے اندر ہی اندر کچھ حرکت ہوتی رہے اس پر حدث کا مدار نہیں رکھا گیا۔ بلکہ جب سبیلین یعنی پیشاب پاخانہ کے راستے سے کوئی چیز نکلے اس پر حدث کا مدار رکھا گیا۔ کیونکہ پہلی صورت کا کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا اور اگر معدے کے اندر ہی اندر کچھ حرکت ہو تو خارج میں وضو کر لینے سے کچھ اس کا ارتفاع نہیں ہو سکتا اور دوسری صورت یعنی سبیلین سے کسی چیز کا باہر نکلنا یہ ایک محسوس چیز ہے اور یہ بھی ہے کہ نفس کے انقباض کے لیے یہاں ایک ظاہری صورت اور اس کا قائم مقام یعنی نجاست بدن کا آلودہ ہونا پایا جاتا ہے۔ اور نیز نفس کے اندر وضو کا اثر اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے کہ جب نفس کو اور کاموں سے فراغت ہو اور فراغت اسی وقت ہو سکتی ہے کہ جب بدن سے کوئی چیز باہر کی جانب خروج کرے اور آنحضرت ﷺ نے اپنے اس کلام میں کہ جس وقت اخبثان یعنی پیشاب، پاخانہ کی تم میں سے کسی شخص کو حاجت معلوم ہوتی ہو تو وہ ایسے وقت میں نماز کو کھڑا نہ ہو جائے۔ **لایصلی احدکم وھو یدافعه الاخبثان** تنبیہ فرمادی ہے کہ صرف نفس کے مشغول ہونے میں بھی حدث کے ایک معنی پائے جاتے ہیں۔

جن اُمور میں طہارت کے معنی پائے جاتے ہیں وہ بہت سے امور ہیں جیسے خوشبو لگانا اور اسی طرح سے وہ اذکار جو پاکی کو یاد دلاتے ہیں۔ جیسے **اللّٰھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین** .اور آنحضرت ﷺ کا یہ قول **اللھم نقنی من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس** .اور پاکیزہ مکان میں جانا اور اسی قسم کی باتیں بہت سی ہیں مگر تمام خلقت کو ایسی چیز کے ساتھ مکلف اور مخاطب کر سکتے ہیں جو ایک منضبط اور معین چیز ہو اور ہر وقت اور ہر جگہ اس کا کرنا اس کے واسطے دشوار نہ ہو اور بظاہر بھی اس کا کچھ اثر معلوم ہوتا ہو۔ اور لوگوں میں اس قسم کا کچھ پہلے سے بھی دستور رہا ہو۔

وضو کے اندر اصل اطراف بدن کا دھونا ہے اس لیے شارع نے منہ اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا مقرر کیا۔ کیونکہ اس سے کم کا نفس پر کچھ اثر محسوس نہیں ہوسکتا۔ اور پیروں کا ٹخنوں تک دھونا مقرر کیا۔ اس واسطے کہ اس سے کم عضو ناتمام ہے اور سر کے واسطے صرف مسح کر لینا مقرر کیا۔ کیونکہ اس کا دھونا خالی از دقت نہیں ہے اور غسل کے اندر تمام بدن کا دھونا ہی اصل ہے اور وضو کا اصل موجب وہی ہے۔ جو بول و براز کے راستے سے خارج ہو۔ اور باقی موجبات وضو کو اس پر قیاس کر لیا ہے اور اصل غسل کا موجب جماع اور حیض ہیں اور یہ دونوں امر ایسے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے وجود باوجود سے پہلے عرب بھی ان کو غسل کا موجب مانتے رہے ہیں۔

طہارت کی دونوں اخیر قسمیں ارتفاقات سے ماخوذ ہیں کیونکہ دونوں طبیعت انسانی کا مقتضائے اصلی ہیں۔ کوئی قوم اور کوئی ملت اس سے خالی نہیں ہوسکتی۔ اس کے اندر شارع نے اسی درمیانی حالت کا اعتبار کیا جو خالص عرب کے اندر دستور تھا۔ جس طرح اور باقی ارتفاقات درست کرنے میں انہیں کا اعتبار کیا ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کا صرف یہی کام تھا کہ آداب متعین کر دیے اور جہاں کہیں اشکال تھا اس کو صاف کر دیا۔ اور جہاں ابہام تھا اس کو دور کر دیا۔

وضو کی فضیلت کے بیان میں

نبی ﷺ نے فرمایا ہے وضو نصف ایمان ہے: **الطهور شطر الايمان**. میں کہتا ہوں یہاں ایمان سے ایک ہیئت نفسانیہ مراد ہے جو نور طہارت اور خشوع سے مرکب ہے اور یہ نسبت ایمان کے احسان کا لفظ اس ہیئت نفسانیہ پر زیادہ صاف دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ وضو اس کا ایک جزء ہے اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح سے کیا تو اس کے بدن سے تمام اس کی خطائیں نکل کر ناخنوں کے نیچے سے ہو کر باہر ہو جاتی ہیں۔ **من توضا فاحسن الوضوء خرجت خطاياه من جسده حتى تخرج من تحت اظفاره**. میں کہتا ہوں جس پاکیزگی کا خاص نفس کے اندر اثر پڑتا ہے۔ وہ پاکیزگی تو نفس کو مقدس کر کے ملحق بالملائکہ کر دیتی ہے اور بہت سے حالات دنیہ اور لوازم بشریہ کو محو کر دیتی ہے جو خاصیت اس پاکیزگی کی ہے وہی وضو کی خاصیت ہے جو اصلی طہارت کا نقشہ اور مظنہ اور اس کا عنوان ہے اور فرمایا ہے کہ قیامت کے روز میری امت کو جب پکارا جائے گا تو وضو کے آثار سے ان کے دست و پا اور چہرہ روشن ہوگا۔ اس لیے تم میں جو کوئی اپنی روشنی بڑھا سکے وہ بڑھا لے: **ان امتى يوم القيامة غرا محجلين من آثار الوضوء فمن استطاع منكم ان يطيل غرته فليفعل**. اور فرمایا ہے جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا وہیں تک مومن کو جنت کا زیور پہنایا جائے گا۔ **تبلغ الحيلة من المومن حيث تبلغ الوضوء**. میں کہتا ہوں جب کہ اصلی طہارت کی صورت اعضاء وضو گانہ میں پانی کا استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح ان اعضا میں زیور اور روشنی کا ہونا نفس کے نعم اور عیش کی صورت مثالیہ ہے۔ جس طرح بزدلی کی صورت مثالیہ وبر اور شجاعت کی صورت مثالیہ شیر ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے وضو کی وہی مداومت کرسکتا ہے جو ایمان والا ہے۔ **لا يحافظ على الوضوء لامومن**. میں کہتا ہوں جب ہمیشہ باوضو رہنا ایک دشوار کام ہے تو اس کو وہی شخص کرسکتا ہے جس کو طہارت کے امر میں بصیرت حاصل ہوگئی ہے اور اس کے نفع عظیم کا اس کو یقین ہے لہٰذا اس کی مداومت ایمان کی دلیل ہوئی۔

وضو کرنے کی ترکیب

وضو کرنے کی صورت جس طرح حضرت عثمان اور حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہم رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ سے بیان کی ہے بلکہ آنحضرت ﷺ سے بالتواتر ثابت ہے اور امت کا اس پر اتفاق ہے یہ ہے کہ اوّل پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ دھوئے اور کلی کرے۔ اور ناک میں پانی ڈالے اور اس کو پھر صاف کرے اور پھر منہ اور پھر پہنچے کو کہنیوں تک دھوئے اور پھر سر کا مسح کرے بعدازاں پیروں کو ٹخنوں تک دھوئے۔

جو اہل ہوا ظاہر آیت سے استدلال کر کے پیروں کے دھونے سے انکار کرتے ہیں ان کا قول قابل اعتبار نہیں ہے میرے نزدیک جو شخص ایسی بات کہے اور وہ شخص جو جنگ بدر یا جنگ احد سے جو: **کالشمس فی رابعة النهار** ثابت ہے منکر ہو دونوں برابر ہیں ہاں اگر کوئی شخص یہ بات کہے کہ احتیاطاً پیروں پر مسح بھی کر لینا چاہیے اور ان کو دھو بھی لینا چاہیے یا یہ کہ ادنیٰ فرض کا مسح کرنا ہے اگرچہ دھونا بھی ایسی چیز ہے کہ جس کے تارک پر سخت ملامت کرنی چاہیے تو یہ بات البتہ ایسی ہے کہ علماء اس کے اندر جب تک انکشاف حق نہ ہو توقف کر سکتے ہیں۔ اور میں نے کسی صحیح روایت میں آنحضرت ﷺ سے اس بات کی تصریح نہیں پائی کہ آنحضرت ﷺ نے بغیر مضمضہ اور ناک میں پانی ڈالنے اور ترتیب کے وضو کیا ہے پس وضو کے اندر ترتیب نہایت ضروری امر ہے اور مضمضہ اور استنشاق یعنی ناک میں پانی ڈالنا یہ دونوں خصال فطرت سے مستقل دو طہارتیں ہیں وضو کے ساتھ ان کو ملا دیا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ ان کا بھی ایک وقت معین رہے۔ علاوہ بریں یہ دونوں اس قبیلہ سے ہیں جہاں بہ تکلف پانی پہنچ سکتا ہے اور وضو کے اندر ایسی جگہوں میں پانی پہنچانے کا اہتمام کیا گیا ہے اور ان دونوں کا ساتھ ساتھ ہونا بہ نسبت جدا جدا ہونے کے زیادہ تر اصح ہے۔

آداب وضو کا حاصل کرنا کئی باتوں میں منحصر ہے ایک تو تعہد مغابن یعنی جن جن جگہ میں بہ تکلف پانی پہنچتا ہے ان میں اچھی طرح سے پانی کا پہنچانا۔ جیسے مضمضہ اور استنشاق اور دست و پا کی انگلیوں میں اور داڑھی میں خلال کرنا اور انگوٹھے کو حرکت دینا اور ایک پاک کرنے میں کوشش کرنا یعنی تین تین مرتبہ دھونا۔ اور اسباغ یعنی خوب اوپر تک ہر عضو کا دھونا جو فی الحقیقت روشنی کا قیامت کے دن بڑھانا ہے اور ایک صفائی یعنی بدن کا ملنا اور سر کے ساتھ کانوں کا بھی مسح کرنا اور وضو پر وضو کرنا اور ایک امور مہمہ کے اندر جو ان کی عادت جاری تھی اس کے موافق اس میں برتاؤ کرنا۔ یعنی داہنے عضو سے شروع کرنا اس واسطے کہ داہنے عضو کو بائیں پر اولویت اور قوت ہے۔ لہٰذا جو چیزیں دونوں جانب میں استعمال کی جاتی ہیں ان میں تو داہنے عضو کو مقدم رکھنا اور جو ایک جانب میں مستعمل ہو سکتی ہیں بشرطیکہ وہ محاسن اور طیبات کے قبیلہ سے ہوں ان کے ساتھ داہنی طرف کو خاص کرنا مناسب ہے اور ایک دل کی کیفیت کو زبانی الفاظ سے جو صراحۃً مقصود پر دلالت کرتے ہیں قابو میں رکھنا اور ذکر لسانی کا قلبی کے ساتھ ساتھ پایا جانا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص نے اللہ کا ذکر نہیں کیا اس کا وضو نہیں ہوا۔ **لا وضوء لمن لم یذکر الله** میں کہتا ہوں واقفین حدیث کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق نہیں ہے اور اگر صحیح بھی سمجھی جائے تو یہ ان مواضع میں سے ہے کہ جہاں آنحضرت ﷺ سے سیکھنے کے طریقے میں اختلاف واقع ہوا ہے اس واسطے کہ اہل اسلام ہمیشہ آنحضرت ﷺ کے وضو کی نقل کرتے رہے اور لوگوں کو وضو کا طریقہ سکھاتے

رہے ہیں اور بسم اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتے تھے جب تک کہ اہل حدیث کا زمانہ ظاہر ہوا اور اس حدیث میں اس بات کی نص ہے کہ بسم اللہ یا تو وضو کا رکن ہے یا اس کی شرط ہے اور دونوں صورتوں میں یوں توفیق ہوسکتی ہے کہ اس حدیث میں جو ذکر کا لفظ آیا ہے اس سے ذکر قلبی مراد ہے کیونکہ بدون نیت کے اعمال مقبول نہیں ہوا کرتے اس لیے یہاں وضو سے صرف ظاہری معنی مراد نہیں ہیں بلکہ وضو کے اثر سے نفس کا رنگین ہونا مراد ہے ہاں یہ بات ضروری ہے کہ تسمیہ یعنی بسم اللہ کہنا منجملہ آداب کے ہے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو مہتم بالشان کام اللہ کے نام سے شروع نہ کیا جائے اس میں برکت نہیں ہوتی۔ **کل امر ذی بال لم یبدا باسم اللہ فھوا بتر** .اور بہت سے مواضع پر قیاس کرنے سے اس کا آداب میں داخل ہونا ثابت ہوسکتا ہے اور ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اس کا وضو کامل نہیں ہوتا مگر اس قسم کی تاویلیں میرے پسند نہیں ہیں کیونکہ یہ ایک بعید تاویل ہے جس کا حاصل اصل لفظ کی مخالفت ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس کو کیا معلوم ہے کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں پڑا رہا ہے: **فانہ لایدری این باتت یدہ** .میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ ہاتھوں کہ دھوئے ہوئے بہت دیر ہوجانے اور بہت دیر تک بوجہ نیند کے ان سے بے خبر رہنے میں ظن غالب ہوتا ہے کہ ضرور کسی قسم کی نجاست یا میل کچیل کا اثر ان تک پہنچا ہو جس کی وجہ سے پانی میں ان کا ڈال دینا اس کا ناپاک یا مکدر کردینا یا بے تمیزی میں داخل ہے اور آنحضرت ﷺ نے پینے کی چیز میں جو پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے اس کی علت بھی یہی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اس واسطے کہ شیطان اس کے نتھنوں پر رات کو رہتا ہے: **فان الشیطان یبیت علی خیشومہ** .میں کہتا ہوں نتھنوں میں مواد غلیظ اور بلغم کا جمع ہو جانا ذہن کی بلادت اور فکر میں نقصان کا باعث ہے۔ اور ایسے وقت میں شیطان کو وسوسہ ڈالنے اور تدبر اذکار سے اس شخص کو روکنے کا خوب موقع ہوتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جو وضو کرے اور پورا پورا کرے۔ اور پھر **اشھدان لا الہ الا اللہ**. پڑھے اخیر تک اور ایک روایت میں ہے۔ **اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین** .اور اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل نہ جائیں اور وہ جس میں چاہے چلا جائے۔ **مامنکم احد یتوضؤا فیبلغ الوضوء ثم یقول اشھد** الخ **وفی روایۃ اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین الا فتحت لہ ابواب الجنۃ الثمانیۃ یدخل من ایھا شاء** .میں کہتا ہوں۔ طہارت کی روح اسی وقت حاصل ہوتی ہے کہ جب عالم غیب کی طرف نفس کی توجہ پائی جائے اور پورے طور پر اس عالم کی طرف اس کی خواہش ہو۔ اس واسطے آنحضرت ﷺ نے اس کے لیے ایک ذکر کو مقرر فرمایا اور جو اصلی طہارت کا فائدہ تھا وہ اس پر مرتب فرمایا اور ایک شخص نے پورے طور پر بالاستیعاب پانی کا استعمال نہیں کیا تو اس سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا خرابی ہے ایڑیوں کو آگ کی طرف **ویل عقاب من النار** .میں کہتا ہوں اس میں نکتہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالی نے ان اعضاء کا دھونا واجب کیا ہے تو دھونے کے معنی پایا جانا ضروری ہے اور جب ایک شخص نے ایک عضو کا کچھ حصہ دھولیا اور پورے اس عضو کو نہیں دھویا تو عرف میں یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اس نے عضو کو دھولیا اور دوسرے آپ کے اس فرمانے میں باب تہاون کا بند کردینا ہے اور ایڑیوں سے آگ کا تعلق اس واسطے ہوا کہ برابر ایک جگہ کو ناپاک رکھنا اور اس پر اصرار کرنا ایسی خصلت ہے جس کا انجام دوزخ کی آگ ہے اور طہارت ایسی چیز ہے جو باعث نجات اور باعث تکفیر خطیات ہے اور جب ایک عضو کے اندر طہارت کے معنی

نہ پائے گئے اور اس عضو میں حکم الٰہی کی تعمیل نہ ہوئی تو بلا شبہ یہ اس بات کا سبب ہو سکتا ہے کہ نفس کا اس خصلت کی وجہ سے ملال ظاہر ہو جو اس کے نفس کے اندر فساد اور خرابی پیدا کرنے والی ہے اور اس عضو کی طرف سے یہ خصلت اس کو حاصل ہوئی ہے۔ واللہ اعلم

موجباتِ وضو کے بیان میں

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص حدث کی حالت میں ہے جب تک وہ وضو نہ کر لے اس کی نماز قبول نہیں ہے **لا تقبل صلوٰۃ من احدث حتی یتوضا**۔ اور فرمایا ہے بغیر وضو کے نماز مقبول نہیں ہوتی: **لا تقبل صلوٰۃ بغیر طھور**۔ اور فرمایا ہے نماز کی کنجی وضو ہے۔ **مفتاح الصلوٰۃ الطھور**۔ میں کہتا ہوں ان سب احادیث میں اس بات کی تصریح پائی جاتی ہے کہ نماز کے لیے وضو شرط ہے اور وضو تو خود ایک مستقل عبادت ہے نماز کے ساتھ ساتھ اس کو بھی مقرر کر دیا ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک فائدہ دوسرے پر موقوف ہے علاوہ بریں اس میں نماز کی تعظیم پائی جاتی ہے جو شعائر الٰہی میں داخل ہے۔ ہماری شریعت میں موجبات وضو تین طرح کے ہیں ایک اس قسم کے ہیں کہ جن پر تمام صحابہ کا اتفاق ہے اور روائتیں اس میں متفق ہیں اور اس پر برابر عمل جاری ہے وہ تو یہ چیزیں ہیں بول اور براز اور ریح اور مذی اور گہری نیند اور اس کے قریب چیزیں' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے سرین کا بندھن آنکھیں ہیں۔ **وکاء السہ العینان**۔ اور فرمایا ہے پس جب آدمی لیٹ جاتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ **فانہ اذا اضطجع استرحت مفاصلہ**۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ جب آدمی کو خوب گہری نیند آ جاتی ہے تو ضرور اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور ریح وغیرہ کے نکلنے کا گمان غالب ہوتا ہے اور میں اس کا ایک سبب اور بھی بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو بات حدث کے سبب سے ہوتی ہے وہ نفس کے اندر سونے کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے یعنی بلادت اور مذی میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اپنے آلہ کو دھو لے اور وضو کر لے۔ **یغسل ذکرہ و یتوضا**۔ میں کہتا ہوں ملاعبت کرنے سے جو مذی باہر آ جاتی ہے اس میں بھی شہوت کا پورا کرنا ہے۔ مگر شہوت جماع کے پورا کرنے سے اس کا درجہ کم ہے۔ اس لیے اس کی طہارت بھی طہارت کبریٰ یعنی غسل سے کم درجہ کی ہونی چاہیے جس کسی کو ریح کے نکلنے کا شک ہو اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ وہ شخص مسجد سے باہر نہ جائے۔ جب تک آواز نہ سنے یا بدبو نہ معلوم کرے۔ **لایخرجن المسجد حتی یسمع صوتا اویجد ریحا**۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک اس کو ریح نکلنے کا یقین نہ ہو جائے۔ جب وضو کے ٹوٹنے کا مدار سبیلین سے کوئی چیز خارج ہونے پر ہوا تو یہ بات لابدی ہے کہ فی الحقیقت کسی چیز کے خارج ہونے اور رفقط شبہ خروج میں کہ اس میں فی الواقع خروج نہیں ہے تمیز کی جائے اور مقصود یہ ہے کہ زیادہ تعمق اور ہر بات میں فکر اور تردد نہ کیا جائے اور دوسرے موجبات وضو اس قسم کے ہیں جن کے موجبات وضو ہونے میں فقہاء صحابہ اور تابعین کا اختلاف ہے اور نبی ﷺ سے ان میں روایات مختلف مروی ہیں جیسے مس ذکر سے وضو کا واجب ہونا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اپنے آلہ تناسل کو چھو لے اس کو وضو کرنا چاہیے: **من مس ذکرہ فلیتوضا** حضرت ابن عمرؓ اور سالم اور عروہ وغیرہم کا یہی قول ہے۔ اور حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ اور فقہاء کوفہ نے اس کا رد کیا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے وہ تو اس کے بدن کی ایک بوٹی ہے **ھل ھو الا بضعہ منہ**۔ اور دونوں

میں ایک کا منسوخ ہونا یقینی نہیں ہے۔ اور عورت کو چھو لینا جیسا کہ حضرت عمر اور ابن مسعود اور ابراہیم رحمہم اللہ کے نزدیک ہے۔ اس واسطے کہ اللہ پاک فرماتا ہے یا عورتوں کو تم نے چھوا ہو۔ **اولا مستم النساء** اور کوئی حدیث اس کی شاہد نہیں ہے۔ بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس کے خلاف دلالت کرتی ہے مگر اس میں شبہ ہے اس واسطے کہ اس کی اسناد منقطع ہے اور میرے نزدیک اس قسم کی وجہ یعنی حدیث کی اسناد کا منقطع ہونا وہاں معتبر ہو سکتا ہے کہ جہاں ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دی جائے اور جہاں ایک ہی حدیث ہے اور دوسری کوئی حدیث اس کے معارض نہیں تو اس انقطاع اسناد کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

اور حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما چونکہ جنابت میں تیمم تجویز نہیں کرتے ہیں اس واسطے ان کے نزدیک تو آیت خواہ مخواہ لمس پر محمول ہوگی مگر عمران اور عمار اور عمر بن العاص رضی اللہ عنہم کے نزدیک جنابت میں تیمم درست ہے اور اس پر اجماع منعقد ہو گیا ہے اور ابن عمر احتیاط پر عمل کرتے تھے اور ابراہیم حضرت ابن مسعودؓ کی پیروی کرتے تھے حتیٰ کہ امام ابوحنیفہؒ پر اس دلیل کا حال ظاہر ہو گیا۔ جس سے حضرت ابن مسعودؓ نے تمسک کیا تھا اس لیے ان کے قول کو انہوں نے ترک کر دیا۔ باوجودیکہ ابراہیم کے وہ بہت پیرو ہیں۔ الحاصل ان دونوں چیزوں یعنی مس ذکر اور لمس میں صحابہ اور تابعین رحمہم اللہ کے بعد فقہاء کے تین طبقے ہو گئے ایک طبقہ نے تو ظاہر پر عمل کیا اور ایک نے بالکل ہی ترک کر دیا۔ اور ایک نے شہوت اور عدم شہوت کا فرق کیا اور ابراہیم کے نزدیک بہتے ہوئے خون کے نکلنے اور قے کثیر سے وضو لازم آتا ہے اور حسنؒ کے نزدیک نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو لازم آتا ہے اور کسی کے نزدیک نہیں لازم آتا اور ان سب کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں۔ مگر علمائے حدیث نے ان کی صحت پر اتفاق نہیں کیا مگر اصح قول یہی ہے کہ جو احتیاط کرے گا اس کا دین اور عزت محفوظ رہے گی۔ ورنہ خالص شرع میں اس سے کچھ گرفت نہیں ہے اور اس میں شبہ نہیں ہے کہ عورت کو ہاتھ لگانے سے شہوت کو ہیجان ہوتا ہے اور اس میں ایک شہوت کا جو شہوت جماع سے کمتر ہے پورا کرنا ہے اور عضو تناسل کا چھونا بھی ایک بیہودہ فعل ہے لہٰذا استنجا کے وقت داہنے ہاتھ سے ذکر کے چھونے سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے اور جب ذکر کو ہاتھ میں بھر لے تو وہ لامحالہ ایک شیطانی کام ہے اور بہتا ہوا خون اور قے کثیر بھی بدن کو آلودہ کرنے والی اور نفس کو پلید کرنے والی چیز ہے اور اسی طرح نماز میں قہقہہ لگانا ایک قسم کا جرم ہے۔ جس کا کفارہ ہونا چاہیے۔ اگر ان چیزوں سے شارع وضو کا حکم دے تو کچھ عجب نہیں ہے اور نہ یہ تعجب ہے کہ حکم نہ دے اور نہ یہ تعجب ہے کہ وضو کی رغبت دے بدون اس بات کے کہ وضو واجب ہو اور تیسری قسم موجبات وضو کی وہ ہے کہ جہاں حدیث کے لفظ سے واجب ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ جیسے اور فقہاء صحابہ اور تابعین کا اس کے خلاف پر اجماع ہے آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا کہ آنحضرت ﷺ اور خلفاء اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابوطلحہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا عمل اس کے خلاف ہے اور حضرت جابرؓ نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور اس وضو کرنے کا سبب یہ تھا کہ یہ ان ارتفاعات کاملہ میں سے ہے جو ملائکہ سے عمل میں نہیں آتا اس واسطے آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے میں ملائکہ کے ساتھ مشابہت منقطع ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں آگ سے پکی ہوئی چیز نار جہنم کو یاد دلاتی ہے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے بلا ضرورت داغ لگوانے سے منع فرمایا ہے اسی واسطے آدمی کو اپنا دل اس میں نہ مشغول کرنا چاہیے۔

لیکن اونٹ کے گوشت سے وضو لازم آتا ہے یا نہیں۔ اس میں وقت ہے فقہاء صحابہ اور تابعینؒ میں سے کوئی اس کا قائل نہیں

ہوااور اس کے منسوخ ہونے کا بھی حکم نہیں دے سکتے لہٰذا جس کسی کو تخریج نے مجبور کیا ہے وہ تو اس کا قائل نہیں ہے اور احمد اور اسحاق اس کے قائل ہیں اور میرے نزدیک آدمی کو اس میں احتیاط کرنی بہت ضروری ہے۔ واللہ اعلم' جس کسی کے نزدیک اونٹ کے گوشت سے وضولازم آتا ہے تو اس میں بھید یہ ہے کہ اونٹ کا گوشت تورات کے اندر حرام کیا گیا تھا۔ اور تمام انبیاء بنی اسرائیل اس کی حرمت پر متفق رہے اور ہمارے واسطے اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال کر دیا تو اس کے ساتھ دو وجہ سے وضو بھی مقرر فرمایا۔ ایک تو یہ کہ یہ وضو اس بات کا کہ پہلے لوگوں پر اس کا کھانا حرام تھا اور ہمارے واسطے حلال کر دیا گیا۔ شکر یہ ہو جائے دوسرے یہ کہ اس کے حلال ہونے میں بعد اس کے کہ تمام انبیاء بنی اسرائیل پر حرام رہا اس بات کا احتمال تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اس کے حلال ہونے سے ایک طرح کا کھٹکا گزرے اس کے علاج کے لیے وضو کو مقرر فرمایا۔ کیونکہ اس کی حرمت سے اس حلت کی طرف جس کے استعمال سے وضولازم آجائے۔ انتقال کرنا کسی قدر سہل اور باعث تسکین خاطر ہے اور میرے نزدیک تو شروع اسلام میں نہ تھا اور بعد کو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

موزوں پر مسح کا بیان

چونکہ وضو کا ان اعضاء ظاہرہ کے دھونے پر مدار تھا جو جلد جلد گرد و غبار میں آلودہ ہوتے رہتے ہیں اور پیر چونکہ موزوں کے پہننے سے اعضاء باطنہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور عرب میں موزوں کے پہننے کا بہت دستور تھا اور ہر نماز کے وقت ان کے اتارنے میں ایک قسم کی دقت تھی اس واسطے فی الجملہ ان کے پہننے کی حالت میں ان کا دھونا ساقط کر دیا گیا اور چونکہ تیسیر میں یہ بات داخل ہے کہ جہاں آسانی کر دی گئی ہے وہاں کوئی ایسی چیز جس کی وجہ سے نفس کو عبادت مطلوبہ کے ترک کرنے میں مطلق العنانی نہ ہو جائے لہٰذا شارع نے اس بات کے حاصل کرنے کے لیے تین باتیں اس کے ساتھ مقرر کر دیں ایک تو مسح کی مدت مقیم کے لیے ایک دن رات اور مسافر کے لیے تین دن رات مقرر فرمائے اس لیے ایک دن رات کی ایسی مدت ہے کہ اس کا انتظام اور التزام ہو سکتا ہے بہت سی چیزوں کو جس کا التزام کرنا چاہتے ہیں اس مدت کے ساتھ ان کا التزام رکھتے ہیں اور تین دن رات کی مدت بھی ایسی ہی ہے۔ یہ دونوں مدتیں مسافر اور مقیم پر ان کے دفع حرج اور تکلیف کے موافق تقسیم کر دی گئیں اور دوسری اس میں شارع نے یہ شرط لگا دی کہ موزوں کو طہارت کی حالت میں پہنا ہو تا کہ پہننے والے کے دل میں اسی وقت کی طہارت کا نقشہ جما رہے اس لیے کہ موزوں کی حالت میں گرد و غبار کا اثر کم ہوتا ہے اس طہارت کو وہ اس طہارت پر قیاس کر لیتا ہے اور اسی قسم کے قیاسات کا نفس کی تنبیہ میں پورا پورا اثر ہوتا ہے اور تیسرے یہ حکم دے دیا کہ موزے کے اوپر مسح کیا کریں تا کہ پیروں کا دھونا یاد آ جائے اور یہ اس کے لیے بطور نمونہ کے ہو جائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اگر دین میں عقل کو دخل ہوتا تو موزے کے تلے مسح کرنا اوپر کے مسح کرنے سے زیادہ مناسب تھا۔ میں کہتا ہوں جب کہ مسح پیروں کے دھونے کا ایک نمونہ ہے اور اس سے اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہے اور نیچے کی جانب مسح کرنے میں زمین پر چلتے وقت موزوں کے ملوث ہونے کا گمان غالب ہے تو عقل کا مقتضی یہی ہے کہ اوپر کی جانب مسح کیا جائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اسرار شرعی سے بڑے واقف تھے جیسا کہ ان کے کلام اور ان کے خطبوں سے معلوم ہوتا ہے مگر ان کا مقصود یہ تھا کہ دین میں لوگ رائے کو دخل نہ دیں۔ ایسا نہ ہو کہ عوام الناس اپنا دین بگاڑ لیں۔

غسل کرنے کا بیان

غسل کرنے کی ترکیب جیسی کہ حضرت عائشہ اور میمونہ رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے اور امت کا اس پر اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ اول پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل ان کو دھولے بعد ازاں اپنے بدن اور شرمگاہ سے نجاست کو دھوڈالے پھر جس طرح نماز کے لیے وضو کرتے ہیں اس طرح سے وضو کرے اور سر کے بالوں میں خوب پانی پہنچائے اور پھر تمام بدن پر پانی ڈالے فقط ایک بات میں اختلاف ہے کہ پیروں کو بعد میں دھوئے یا پہلے دھولے اور بعضوں نے فرق کیا ہے کہ اگر اس جگہ غسل کا پانی اکٹھا ہوتا ہے تو پیر بعد کو دھوئے ورنہ پہلے دھولے۔ غسل کے اندر پہلے ہاتھ دھونے کی وجہ تو وہی ہے جو ہم وضو میں بیان کر چکے۔ اور بدن سے نجاست کا دھونا اس واسطے ہے کہ اگر اس کو پہلے نہ دھولیا اور تمام بدن کے ساتھ اس نجاست پر بھی پانی بہایا تو پانی کے بہنے سے وہ نجاست بدن پر پھیل کر اور زیادہ ہو جائے گی اور پھر اس کے دھونے میں دقت بھی ہوگی اور پانی بھی زیادہ خرچ ہوگا اور نیز یہ غسل محض طہارت حدث کے لیے نہ ہوگا۔ حالانکہ وہ اسی لیے موضوع ہے اور وضو اس لیے کیا جاتا ہے کہ طہارت کبریٰ کا طہارت صغریٰ پر مشتمل ہونا بہت مناسب ہے تاکہ دو قسم کی طہارت کرنے سے نفس کو اور زیادہ تر تنبیہ ہو جائے اور نیز اول وضو کر لینے سے ان مواضع میں پانی خوب پہنچ جاتا ہے جن میں بہ تکلف پانی پہنچتا ہے کیونکہ سر کے اوپر پانی ڈالنے سے پھر اطراف پر اچھی طرح سے بہ تکلف ہی پانی پہنچتا ہے اور پیروں کے بعد میں دھونے کی وجہ یہ ہے کہ بلا فائدہ ایک عضو کا بار بار دھونا لازم نہ آئے۔ مگر وضو کی صورت پورا کرنے کے لیے تو پیروں کو بھی پہلے دھولینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ پھر غسل کے مستحبات ہیں جن سے غسل کامل ہو جاتا ہے یعنی تمام بدن کا تین مرتبہ دھونا اور بدن کا ملنا اور مغابن یعنی جہاں بہ تکلف پانی پہنچتا ہے ان میں خوب پانی پہنچانا اور پردہ کا خوب اہتمام کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ بڑی حیا اور پردہ والا ہے۔ **ان اللہ حی ستیر** اس کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا یہ قول ہے کہ وہ حیاء کو اور پردہ کو پسند کرتا ہے۔ **یحب الحیاء والستر** اور لوگوں سے تو پردہ کرنا واجب ہی ہے اور تنہائی میں بھی اس کو اس طرح ہونا چاہیے کہ اگر کوئی شخص بوجہ معتاد اس کے پاس سے گزر جائے تو اس کا ستر نہ دیکھے مستحب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مشک میں بسی ہوئی ایک صافی لے کر اس سے صاف کر لے یعنی حیض کے اثر کو پونچھ ڈال۔ **خذی فرصۃ من مسک فتطھری بھا** میں کہتا ہوں۔ یہ حکم آپ نے کئی وجہ سے دیا۔ ایک تو اس میں پاکی زیادہ پائی جاتی ہے اس لیے کہ خوشبو بھی بذات طہارت کا کام دیتی ہے اور ہمیشہ خوشبو کا حکم اس واسطے نہیں دیا کہ اس میں لوگوں پر دقت ہے اور ایک اس خوشبو کی وجہ سے ایک طرح کی بدبو جو حیض میں ہوتی ہے وہ زائل ہو جاتی ہے اور ایک یہ کہ حیض کا گزرنا اور طہر کا شروع ہونا اولاد کے لیے کوشش کرنے کا وقت ہے اور خوشبو ایسی چیز ہے۔ جو اس قوت کو ابھارتی ہے۔

غسل کے لیے پانی کی مقدار ایک صاع سے پانچ مد تک اور وضو کے لیے ایک مد مقرر فرمائی ہے۔ کیونکہ درمیانی بدن کے لیے یہ ایک مقدار کافی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر ہر بال کے نیچے جنابت ہے۔ اس لیے بالوں کو دھوؤ۔ اور بدن کا میل اتارو۔ **و تحت کل شعر جنابۃ فاغسلوا الشعر وانقوا البشرۃ** اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر جنابت کی حالت

میں ایک بال کی جگہ بھی بغیر دھوئے چھوڑ دے گا تو اس جگہ کے ساتھ ایسا کیا جائے گا۔ **من ترك موضع شعرة من الجنابة لم يغلسها فعل بها كذا و كذا**. میں کہتا ہوں اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے وضو کی استیعاب کے اندر بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک ایک بال کی جگہ دھونے میں غسل کے معنی کو ثابت کرنا ہے اور جنابت پر باقی رہنا اور اس پر اصرار کرنا دخول نار کا سبب ہے اور جس عضو سے نفس کے اندر اثر پیدا ہوگا اسی عضو کی طرف سے نفس کو تکلیف اور الم ظاہر ہوگا۔

موجبات غسل کا بیان

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جب عورت کے چاروں ہاتھ پاؤں کے بیچ میں بیٹھ گیا اور پھر اس سے جماع کیا تو غسل واجب ہوگا اگر چہ اس کو انزال نہ ہو۔ **اذا جلس بين شعبها الاربع ثم جهدها فقد وجب الغسل و ان لم ينزل**. میں کہتا ہوں اس بات میں روائتیں مختلف ہیں کہ اکسال یعنی جماع بدون انزال کو قضاء شہوت کے معنی میں اس جماع پر جو انزال کے ساتھ ہو محمول کر سکتے ہیں یا نہیں صحیح روایت جس پر جمہور فقہاء کا اتفاق ہے یہ ہے کہ جماع کرنے سے دونوں مرد و عورت پر غسل واجب ہو جاتا ہے اگر چہ انزال نہ ہو اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ اس حدیث میں اور اس حدیث میں کہ پانی تو پانی ہی سے لازم آتا ہے۔ یعنی غسل انزال سے لازم آتا ہے۔ **انما الماء من الماء**. تطبیق کیوں کر ہو سکتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حدیث **انما الماء من الماء**. احتلام کے متعلق ہے مگر اس میں کچھ کلام ہے اور حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ **انما الماء من الماء**. کا حکم شروع اسلام میں تھا۔ پھر یہ حکم نہیں رہا۔ اور حضرت عثمان اور علی اور طلحہ اور زبیر اور ابی بن کعب اور ابو ایوب ؓ سے اس شخص کے باب میں جو اپنی بیوی سے صحبت کرے اور اس کو انزال نہ ہو مروی ہے کہ ان کا قول یہ ہے کہ اپنے ذکر کو دھو ڈالے اور جس طرح نماز کے لیے وضو کرتے ہیں اسی طرح وضو کر لے۔ اور آنحضرت ﷺ تک یہ مرفوع ہے اور میرے نزدیک یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اس سے مباشرت فاحشہ مراد ہو۔ اس لیے کہ مباشرت فاحشہ پر جماع کا اطلاق آجاتا ہے اور آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص کو اپنے کپڑے پر تری معلوم ہو اور اس کو احتلام کا ہونا یاد نہ ہو تو اس کو کیا حکم ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کو غسل کرنا چاہیے اور اس شخص کا حکم دریافت کیا گیا کہ اس کو احتلام کا ہونا یاد ہے مگر کپڑے پر تری نہ معلوم ہو تو آپ نے فرمایا اس پر غسل نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں حکم کا مدار تری کے اوپر رکھا۔ خواب کے اوپر نہ رکھا۔ اس واسطے کہ خواب کبھی خیالی ہوتا ہے اور اس کا کچھ اثر نہیں اور کبھی خواب قضا شہوت ہوتی ہے اور وہ بغیر تری کے نہیں ہوتی پس غسل کا مدار تری پر ہی ہو سکتا ہے۔ علاوہ بریں تری تو ایک ظاہر چیز ہے۔ جس کی تعیین اور انضباط ہو سکتا ہے اور خواب کو اکثر آدمی بھول جاتا ہے۔

اور اس میں شبہ نہیں ہے کہ طہر اور حیض کی مدت کی زیادتی اور کمی کا مدار مزاج اور غذا وغیرہ کے اختلاف پر مبنی ہے اور اس کی کمی وبیشی اس طرح پر منضبط نہیں ہو سکتی کہ کسی میں اس کے خلاف پایا ہی نہ جائے لہٰذا اصح یہ ہی ہے کہ عورتوں کی عادتوں پر اس کا مدار کیا جائے جس کو وہ یہ سمجھیں کہ یہ حیض ہے وہ حیض ہے اور جس کو استحاضہ سمجھیں وہ استحاضہ ہے اور صحابہ اور تابعین میں جو اس کے اندر اختلاف واقع ہوا ہے اس کا سبب ہر ایک کا استقراء اور اندازہ ہے۔ اور ایک مرتبہ حمنہ بنت جحش نے آنحضرتؐ سے استحاضہ کا مسئلہ

دریافت کیا تو حضور ﷺ نے ان کو گدی کے رکھنے اور اس کے اوپر پٹی کے چڑھا لینے کا حکم دیا اور دو باتوں میں ایک بات کا ان کو اختیار دیا اخیر حدیث تک: **استفتت حمنة فی الاستحاضة فامرها بالکرسف والتلجم وخیرها بین امرین** الخ
میں کہتا ہوں اصل اس باب میں یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھا کہ استحاضہ صحت کے خلاف ایک امر ہے اور اس میں نماز کا ترک کرنا ایک مدت دراز تک مطلق العنانی کا باعث ہو سکتا ہے تو آپ نے چاہا کہ جو ان لوگوں میں مشہور ہے اسی پر اس کو محمول کرنا چاہیے تو آپ کو دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ بات ان سے معلوم ہوئی کہ یہ کوئی رگ ہے۔ یعنی کوئی بیماری ہے جس کا سبب دشواری سے معلوم ہو سکتا ہے اور اس کا حال نکسیر کا سا ہے تو جس طرح حالت صحت میں اس کو ہر ماہ کے اندر حیض اور طہر ہوا کرتا ہے اسی پر آپ نے اس کو بھی قائم رکھا مگر اس وقت میں حیض کی استحاضہ سے تمیز ضروری ہے تو ان میں یا تو رنگ سے تمیز ہو سکتی ہے جس کا رنگ گہرا ہو مثلاً سیاہ وہ حیض ہے اور یا ان ایام سے کہ جو عورت کا معمول تھے تمیز ہو سکتی ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ حیض فاسد ہے پس اس کا حیض ہونا اس بات کا مقتضی ہوا کہ اس کو ہر نماز کے لیے غسل کا حکم دیا جائے اور اگر ہر نماز کے لیے غسل کرنے میں دشواری ہو تو دو نمازوں کے لیے ایک غسل تو ضرور کرے اور چونکہ وہ فاسد حیض ہے اس واسطے نماز کی اس سے ممانعت نہ کی گئی اور گدی کے رکھنے اور اس پر لنگوٹی باندھ لینے میں یہ حکمت ہے کہ وہ خون ایسا ہی تصور کیا جائے کہ جیسے اپنی جگہ ٹھہرا ہوا ہے اور باہر نہیں آتا ہے اور تا کہ اس کے کپڑے اور بدن اس سے آلودہ نہ ہو جمہور فقہاء نے پہلی بات پر فتویٰ دیا ہے جس صورت میں کچھ دشواری نہ ہو۔

اس بات کا بیان کہ بے وضو کو اور جنب کو کس چیز کا کرنا جائز ہے اور کس چیز سے اس کو ممانعت ہے:

چونکہ شعائر الٰہی کی تعظیم ضروری ہے اور منجملہ شعائر کے نماز اور کعبہ اور قرآن بھی ہیں اور بڑی تعظیم ایک یہ ہے کہ بدون طہارت کاملہ اور بدون ایک نئے کام کے جس سے نفس کو تنبیہ ہو جائے آدمی ان چیزوں کے پاس نہ جائے اس لیے یہ امر ضروری ہو گیا کہ جب تک آدمی پورے طور سے پاک نہ ہو۔ ان چیزوں سے علیحدہ رہے مگر قرآن کی تلاوت کے لیے وضو شرط نہیں کیا گیا اس واسطے کہ اگر ہر وقت قرآن کے پڑھنے کے ساتھ وضو کا ہونا شرط کر دیا جاتا تو قرآن کے یاد کرنے اور آنحضرت ﷺ سے سیکھنے میں بڑی مشکل پڑتی اور اس دروازہ کا کھول دینا اور اس میں رغبت دلانا اور جو شخص قرآن کو یاد کرنا چاہے اس کے لیے آسانی کا کرنا بہت ضروری تھا مگر جنابت کے اندر زیادہ تاکید ضروری ہوئی اور جنابت کی حالت میں قرآن کا پڑھنا بھی ناجائز قرار دیا گیا اور جنب اور حائض کو مسجد کے اندر جانا بھی جائز نہ ہوا۔ کیونکہ مسجد نماز اور ذکر الٰہی کرنے کی جگہ ہے اور شعائر اسلام سے ہے اور وہ کعبہ کا ایک نمونہ ہے اور آنحضرت ﷺ کے پاس کے بیٹھنے میں طہارت شرط نہیں کی گئی کیونکہ ہر شئے کی تعظیم اس کے مناسب ہوتی ہے اور حضور ﷺ ایک بشر تھے اور لوازم بشریت مانند حدث اور جنابت وغیرہ کے اوروں کی طرح آپ پر بھی طاری ہوتے تھے اس لیے آپ کے پاس بیٹھنے میں طہارت کا شرط کرنا قلب موضوع میں داخل تھا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جس مکان میں تصویر ہوتی ہے اس میں فرشتے نہیں آتے اور نہ جس میں کتا ہو اور نہ جس میں جنب ہو۔ **لا یدخل الملائکة بیتا فیه صورة ولا کلب ولا جنب** میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ ملائکہ کو ان چیزوں سے نفرت ہے۔ اور فرشتوں کے اندر جو صفات پائی جاتی ہیں یعنی تقدس اور بت پرستوں سے نفرت یہ باتیں ان کی صفات کی ضد ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں کہ

جس کو رات میں نہانے کی ضرورت ہو جائز فرمایا ہے کہ وضو کر اور اپنے آلہ کو دھو پھر سو جا میں کہتا ہوں چونکہ جنابت کی حالت فرشتوں کی شان کے منافی ہے تو مسلمان کو مناسب ہے کہ ناپاکی کے ساتھ اپنی ضروریات میں مثل سونے اور کھانے کے مشغول نہ ہوئے اور اگر غسل نہ کر سکے تو وضو ہی کر لے کیونکہ وہ بھی غسل کی طرح ایک قسم کی طہارت ہے فرق یہی ہے کہ شارع نے ان دونوں کا محل جدا جدا کر دیا ہے۔

تیمّم کا بیان

چونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ بندوں پر جو چیز دشوار ہوتی ہے وہ ان پر سہل فرما دیتا ہے اور تیسیر کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ جس چیز کے کرنے میں دقت ہے اس کو ساقط کر کے اس کا بدل مقرر کر دیا جائے تا کہ ان کے دل ٹھکانے سے رہیں اور جس چیز کا وہ غائت درجہ التزام کر رہے تھے دفعتاً اس کے ترک کر دینے سے ان کے دل متردد اور پریشان نہ ہوں اور ترک طہارت کے عادی نہ ہو جائیں اس واسطے اللہ تعالیٰ نے مرض اور سفر کی حالت میں وضو اور غسل کو ساقط فرما کر اس کی جگہ تیمم کو مقرر فرمایا اور جب ایسا ہوا تو ملاء اعلیٰ میں تیمم کے وضو اور غسل کی جگہ قائم مقام کر دینے کا حکم سنا دیا گیا اور منجملہ طہارات کے تیمم بھی بوجہ مشابہت کے ایک قسم کی طہارت ٹھہر گیا یہ حکم بھی منجملہ ان بڑے بڑے امور کے ہے جن کی وجہ سے ملت مصطفویہ تمام ملل سابقہ میں ممتاز ہے۔ جس کی نسبت حضور ﷺ نے فرمایا ہے جب ہم کو پانی نہ ملے تو اس کے عوض (یعنی زمین کی خاک) ہمارے لیے باعث طہارت بنا دی ہے: **جعلت تربتها لنا طهوراً اذا لم نجد الماء**. میں کہتا ہوں اس کے واسطے زمین اس لیے خاص کی گئی کہ زمین کہیں ناپید نہیں ہوتی تو ایسی ہی چیز اس قابل ہے جس سے لوگوں کی دقت دفع ہو سکتی ہے اور ایک بات یہ بھی ہے کہ بعض چیزیں بجائے پانی کے مٹی سے ہی پاک ہو جاتی ہیں۔ جیسے تلوار یا موزہ وغیرہ اور نیز اس کے استعمال کرنے میں خاکساری اور ذلت پائی جاتی ہے جیسے منہ پر خاک ڈال لی اور ذلت کی شان طلب عفو کے مناسب ہے اور غسل اور وضو کے تیمم میں کچھ فرق نہ کیا گیا اور غسل کے تیمم میں تمام بدن پر خاک ملنا نہیں مقرر کیا گیا کیونکہ جس چیز کا مقصود بظاہر عقل میں نہ آئے اس کو بالخاصیت مؤثر سمجھنا مناسب ہوتا ہے نہ بالمقدار اور ان کا اطمینان خاطر اسی تیمم سے ایسے موقع پر ہو سکتا ہے اور دوسرے تمام بدن کا خاک میں بھر لینا بھی دقت سے خالی نہیں ہے اس کے مقرر کرنے سے پورا حرج رفع نہ ہو سکتا تھا۔ اس قدر سردی بھی کہ جس میں وضو کرنے سے مضرت کا یقین ہو مرض کے حکم میں ہے عمرو بن عاص نے جو حدیث روایت کی ہے وہ اس پر دلیل ہے اور سفر میں اصل میں تیمم کی قید نہیں ہے بلکہ وہ پانی کے نہ ملنے کی ایک صورت ہے کہ سفر سے پانی کا نہ ملنا بظاہر سمجھ میں آ سکتا ہے۔ تیمم کے اندر پیروں پر ہاتھ پھیرنے کا حکم نہیں دیا گیا اس واسطے کہ پیر تو خود ہی گرد و غبار میں بھر جاتے ہیں اور حکم ایسی چیز کا دیا جاتا ہے جو پہلے سے نہ پائی جاتی ہو تا کہ نفس کو اس کے کرنے سے تنبیہ پائی جائے۔

اب تیمم کرنے کی ترکیب منجملہ ان چیزوں کے ہے جن میں آنحضرت ﷺ سے معلوم کرنے کا طریقہ مختلف واقع ہوا ہے۔ طریقہ محدثین کے مکمل ہونے سے قبل فقہاء تابعین وغیرہم کا قول یہ ہے کہ تیمم دو مرتبہ زمین پر ہاتھ مارنے کا نام ہے ایک مرتبہ منہ کے

لیے اور ایک مرتبہ ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک اب باقی رہیں احادیث جو اس باب میں آئی ہیں سوان سب میں اصح حدیث وہ ہے جو عمارؓ نے روایت کی ہے کہ تجھ کو اسی قدر کافی ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان میں پھونک مار کر دونوں ہاتھ منہ پر اور ہاتھوں پر پھیر لے: **انما کان یکفیك ان تضرب بیدیك الارض ثم تنفح فیهما ثم تمسح بهما وجهك وکفیك**. اور حدیث ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ تیمم دو ضربے ہیں ایک ضربہ منہ کے لیے اور ایک ضربہ ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک **التیمم ضربتان ضربته للوجه وضربته للیدین الی المرفقین**. اور دونوں طرح پر آنحضرت ﷺ اور صحابہ ؓ کا عمل مروی ہے اور دونوں حدیثوں میں تطبیق کی وجہ ظاہر ہے **انما یکفیك**. کا لفظ اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے یعنی ادنیٰ درجہ تیمم کا ایک ضربہ ہے اور دو ضربی سنت کا مرتبہ ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کے فعل کی یہ بھی تاویل ہو سکتی ہے کہ آپؐ نے حضرت عمار ؓ کو یہ بات تعلیم فرمائی ہو کہ تیمم کے اندر زمین پر ہاتھ مارنے سے جو ہاتھوں کو لگ جائے اس کا بدن پر ملنا مقرر کیا گیا ہے یہ مقصود نہیں ہے کہ خاک میں بدن کو بھر لیا جائے اور آنحضرت ﷺ کا مقصود اس سے مقدار اعضاء یا عدد ضربی کا بیان کرنا نہ ہو اور اسی طرح آنحضرت ﷺ نے عمارؓ سے فرمایا ہے وہ بھی اسی معنی پر محمول ہو سکتا ہے اور بہ نسبت تمرغ یعنی بدن کے خاک میں بھر لینے کے آپ کا حصر کرنا مقصود ہو اور ایسے مسئلہ میں انسان کو اس قول پر عمل کرنا چاہیے جس کی وجہ سے یقیناً وہ بری الذمہ ہو جائے۔

حضرت عمرؓ اور ابن مسعود ؓ کے نزدیک جنابت سے تیمم درست نہیں ہوتا اور وہ آیت **اولا مستم النساء**. کو مس پر محمول کرتے ہیں اور ان کے نزدیک عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو جاتا رہتا ہے۔ مگر عمران اور عمار کی حدیث اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے۔

اور میں نے کسی حدیث صحیح میں اس بات کی تصریح نہیں دیکھی کہ ہر وقت کی نماز فرض کے لیے جدا تیمم کرنے کی ضرورت ہے اور نہ یہ کہ غلام آبق کو تیمم درست نہیں ہے۔ اور اسی قسم کی باتیں اور یہ فقط تخریجات کے قبیلہ سے ہیں۔

اگر کوئی شخص زخمی ہو تو اس کے واسطے آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ اس کو اسی قدر کافی ہے کہ تیمم کرے اور اپنے زخم پر پٹی باندھ لے اور اس پر ہاتھ پھیر لے اور باقی بدن کو دھو ڈالے **انما کان یکفیه ان تیمم و یعصب علی جرحه خرقة ثم یمسح علیها و یغسل سائر جسده**. میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ تیمم جس طرح تمام بدن کا بدل ہے اسی طرح ایک عضو کا بدل ہے۔ اس واسطے کہ اس کا حال ایسا ہے جیسے کوئی مؤثر بالخاصیت شئے کا حال ہوتا ہے اور اس میں مسح کرنے کا حکم ہے اور اس کی وجہ موزوں کے مسح میں ہم بیان کر چکے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ستھری مٹی مسلمان کے لیے وضو کا پانی ہے اگر دس برس تک اس کو پانی نہ ملے۔ **ان الصعید الطیب وضوء المسلم ولولم یجد الماء عشر سنین**. میں کہتا ہوں حضور ﷺ کو اس فرمانے سے تردد اور وہم کے دروازہ کا بند کرنا ہے ایسی باتوں میں بہت سے وہمی لوگ فکر اور تردد کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رخصت کو نہیں مانتے۔

پائخانہ میں جانے کے آداب کا بیان

یہ آداب کئی باتوں میں منحصر ہیں ایک تو قبلہ کی تعظیم جس کی نسبت آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں جب تم جائے ضرور کے لیے آؤ تو قبلہ کو منہ مت کرو اور نہ پشت: **اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها** اور اس میں ایک حکمت اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ دل کے اندر اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ہونا چونکہ ایک باطنی امر ہے اس واسطے ظاہر میں بھی کوئی قرینہ جو تعظیم قلبی کا قائم مقام ہو پایا جانا ضروری ہے۔ شرائع متقدمہ میں تو عبادت خانوں کے اندر جو اللہ کی عبادت کے لیے بنائے جاتے تھے اور وہ شعائر الٰہی اور شعائر دین میں سے ہوتے تھے جانا اس کا ظاہری قرینہ اور پہچان تھی ہماری شریعت نے قبلہ کی طرف کھڑے ہونے اور تکبیر کو اس کا قرینہ اور علامت مقرر فرمایا پس جب کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا تعظیم قلبی اور یاد الٰہی میں جمع خاطر ہونے کا قائم مقام ٹھہرا اور قائم مقام ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ ہیئت اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتی ہے۔ اس واسطے حضور نبی ﷺ نے اس حکم سے اس بات کا استنباط فرمایا کہ یہ ہیئت تعظیم الٰہی کے لیے مخصوص رہے۔ اور جو ہیئت نماز کی ہیئت کے بالکل منافی اور اس کی ضد ہے (یعنی پائخانہ کی ہیئت) اس میں قبلہ کو منہ نہ کیا جائے مگر آنحضرت ﷺ کو بعض دفعہ لوگوں نے قبلہ کو رُخ مبارک یا پشت مبارک کیے دیکھا ہے اور دونوں میں تطبیق یا بطور کی گئی ہے کہ میدان میں تو پائخانہ کرنے کی حالت میں قبلہ کو رو یا پشت کرنا منع ہے۔ اور مکانوں میں منع نہیں ہے اور بعضوں نے یہ تطبیق کی ہے کہ یہاں نہی کراہیت کے لیے ہے اور یہی تطبیق بظاہر مناسب معلوم ہوتی ہے۔

منجملہ آداب کے ایک پورے طور پر صفائی کا کرنا اس واسطے تین پتھروں سے کم یعنی تین دفعہ سے کم استنجا کرنے سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے کیونکہ بطن غالب جب تک تین دفعہ نجاست صاف نہ کی جائے نجاست دور نہیں ہوتی اور پتھر سے استنجا کرنے کے ساتھ پانی سے بھی استنجا مستحب ہے۔ اور ایک ایسی جگہ جائے ضرور کو جانے سے احتراز کرنا چاہیے کہ جس میں لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ جیسے سایہ کی جگہ ہے اور وہاں لوگ آرام پاتے ہیں۔ یا لوگوں کا اس طرف راستہ ہے یا ان کی باتیں کرنے کی جگہ ہے یا رُکا ہوا پانی ہے ایسی جگہ پائخانہ کو بیٹھنا خلاف ادب ہے اور ہڈی سے استنجا کرنا بھی اس میں داخل ہے کیونکہ وہ جنات کی غذا ہے اور ایسے ہی جتنی لوگوں کے انتفاع کی چیزیں ہیں ان کا یہی حکم ہے اور آنحضرت ﷺ نے یہ فرما کر کہ لعنت کرنے والوں سے ڈرو۔ **اتقوا اللاعنين** اس بات کو سمجھا دیا کہ اس کے اندر حکمت لوگوں کی لعنت ملامت اور ان کی ایذاء پہنچنے سے بچنا ہے یا اس میں لوگوں کو تکلیف نہیں پہنچتی مگر خود اپنی ذات کو ضرر پہنچنے کا احتمال ہے جیسے سوراخوں میں پیشاب کرنا کیونکہ اکثر وہ سانپ وغیرہ کا سوراخ ہوتا ہے اور وہ اس میں سے نکل کر کاٹ کھاتا ہے اور منجملہ آداب کے ایک محاسن عادات کو عمل میں لانا ہے کہ اپنے داہنے ہاتھ سے استنجا نہ کرے اور پیشاب کے مقام کو داہنے ہاتھ سے نہ پکڑے اور گوبر سے استنجا نہ کرے اور استنجا کرنے میں عدد طاق کو اختیار کرے۔ از انجملہ ایک پردہ کا اہتمام ہے کہ لوگوں سے دُور ہو کر استنجا کو جائے کہ کسی قسم کی آواز کو لوگ نہ سنیں اور بدبو کا اثر ان تک نہ پہنچے اور اس کا ستر نہ دیکھیں اور جب تک زمین کے قریب نہ ہو جائے بدن نہ کھولے اور جہاں درخت وغیرہ اکٹھے کھڑے ہوں جن سے اس کا نیچے کا بدن لوگ نہ دیکھ سکیں وہاں پائخانہ کے لیے بیٹھے اگر کچھ چیز پردہ کی نہ ہو تو ریت کی ایک ڈھیری لگائے اور اس کی طرف پشت کر

کے بیٹھ جائے کیونکہ شیطان انسانوں کے استنجا کرنے کی جگہ شیطنت کرتا رہتا ہے۔اس واسطے کہ شیطان کی جبلت میں افکار فاسدہ اور افعال ناشائستہ داخل ہیں۔ازانجملہ کپڑے اور بدن کا نجاست سے بچانا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنا چاہے تو پیشاب کے لیے جگہ تلاش کرلے: **اذا اراد احدکم ان یبول فلیرتد لبوله**۔ازانجملہ وسواس کا دور کرنا ہے۔چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے پس کوئی شخص تم میں سے اپنے نہانے کی جگہ پیشاب نہ کرے کیونکہ اکثر وسوسے اسی سے ہوتے ہیں۔**فلا یبولن احدکم فی مستحمة فان عامة الوسواس منه**۔اور حضرت عمرؓ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کھڑے ہوکر پیشاب کرنا اس واسطے مکروہ ہے کہ اوّل تو اس سے چھینٹیں بدن اور کپڑوں پر پڑتی ہیں دوسرے بے تہذیبی ہے اور عادات حسنہ سے بالکل خلاف ہے اور ستر کے کھلنے کا بھی اس میں احتمال قوی ہے اور فرمایا ہے پاخانے شیاطین وغیرہ کے موجود رہنے کی جگہ ہیں اس لیے جب کوئی پاخانہ میں آیا کرے وہ یہ کہہ لیا کرے۔**اعوذ بالله من الخبث والخبائث ان الحشوش محتضرة فاذا اتی احدکم الخلا فلیقل اعوذ بالله من الخبث والخبائث**۔اور جب آنحضرت ﷺ پاخانہ سے باہر آیا کرتے تو یہ کہتے تھے **غفرانك**۔میں کہتا ہوں پاخانہ کو جاتے وقت **اعوذ بالله من الخبث والخبائث**۔پڑھنا مستحب ہے۔کیونکہ اس جگہ شیاطین مجتمع رہتے ہیں۔اس لیے کہ نجاست ان کو بھاتی ہے اور پاخانہ سے نکلتے وقت **غفرانك**۔کہنا مستحب ہے کیونکہ پاخانہ میں ذکرالٰہی ترک ہوجاتا ہے اور شیاطین سے مخالطت کا وقت ہوتا ہے اس سے مغفرت مانگنی مناسب ہے اور ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے دو قبروں میں عذاب ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی۔کہ ان دونوں میں ایک تو پیشاب کرتے ہی کھڑا ہوجاتا اور استبراء نہ کرتا تھا **اما احدهما فکان لایستبری من البول الحدیث**۔میں کہتا ہوں استبراء واجب ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ پیشاب کرکے کچھ دیر رُکا رہے اور زور کرکرکے ذرا ذرا پیشاب نکال دے۔یہاں تک کہ اس کو بات کا یقین ہوجائے کہ اب کوئی قطرہ پیشاب کا اس کے بدن میں باقی نہیں رہا اور اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نجاست سے احتیاط نہ کرنا اور ناپاکی میں رہنا اور ایسے کام کرنا جس سے لوگوں میں بگاڑ پڑے عذاب قبر کا باعث ہوتے ہیں۔اور آنحضرت کا ایک شاخ کو بیچ میں سے چیر کر ہر ایک قبر میں اس کو گاڑ دینا یہ ان مردوں کے حق میں شفاعت مفید تھا کیونکہ ان کے لیے کافر ہونے کی وجہ سے شفاعت مطلقہ ناممکن تھی۔

خصال فطرت اور ان کے متعلق اور باتوں کا بیان

حضور نبوی ﷺ نے فرمایا ہے دس باتیں فطرت میں داخل ہیں مونچھوں کا ترشوانا اور داڑھی کا بڑھانا اور مسواک کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا اور ناخن ترشوانا اور جہاں جہاں میل اکٹھا ہوجاتا ہے ان مواضع کا دھونا اور بغل کے بال اکھاڑنے اور موئے زیر ناف کا مونڈنا اور انتقاص الماء یعنی پانی سے استنجا کرنا۔راوی کہتا ہے دسویں بات مجھ سے بھول گئی مگر شاید وہ مضمضہ ہو: **عشر من الفطرة قص الشوارب واعفاء اللحیة والسواك والاستنشاق بالماء وقص الاظفار وغسل البراجم و نتف الابط وحلق العانته وانتقاص الماء یعنی الاستنجاء وقال الراوی و نسیت العاشرة الا ان**

تکون المضمضة ۔میں کہتا ہوں ۔ یہ طہارتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہیں اور تمام امم حنیفہ میں برابر جاری ہیں اور ان کے دلوں کو بھا گئی ہیں اور یہ باتیں اُن کے صمیم اعتقاد میں داخل ہو گئی ہیں انہیں پر ان کی زندگی ہے اور انہیں پر ان کی موت ہے قرنا بعد قرن لہٰذا ان کا نام فطرت رکھا گیا ہے اور ملت حنیفہ کے یہ شعائر ہیں اور ہر امت کے لیے شعائر ہونے بھی ضروری ہیں تا کہ ان سے اس امت کی شناخت ہو سکے اور لوگوں سے ان باتوں پر مؤاخذہ کر سکیں تا کہ ان کی نافرمانی اور فرمانبرداری بظاہر معلوم ہو جائے اور شعائر بھی اس قسم کی چیزیں ہونی چاہئیں کہ جو کثرت سے پائی جائیں اور بار بار وقوع میں آتی رہیں اور ظاہر میں معلوم ہو سکیں اور اس میں بہت سے فوائد ہیں کہ لوگوں کے ذہن ان فوائد کو پورے طور پر مانتے ہیں یہاں پر اجمالاً ان فوائد کا بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہیں کہ آدمی کے بدن سے جو بعض مواضع میں بال نکلتے ہیں تو ان کا قلب پر وہی اثر پڑتا ہے جو احداث سے پیدا ہوتا ہے یعنی انقباض قلب اور بلادت وغیرہ اور اسی طرح سر اور داڑھی کے بالوں کا پراگندہ اور خراب خستہ ہونا۔ اس باب میں انسان کو اطباء کے کلام پر نظر کرنی چاہیے کہ انہوں نے پتے اور خارش اور اسی قسم کے امراض جلد یہ کے متعلق بیان کیا ہے کہ ایسی بیماریوں سے قلب کے اندر ملال اور حزن رہتا ہے اور اس کا نشاط جاتا رہتا ہے اور داڑھی ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑے چھوٹے کی تمیز ہو سکتی ہے اور مردوں کے لیے ایک قسم کا جمال اور ان کی شکل کو پورا کرنے والی ہے اس واسطے اس کا بڑھانا ضروری امر ہے اور اس کا ترشوانا مجوس کا طریقہ ہے اور اس میں خلق الٰہی کی تغیر بھی پائی جاتی ہے اور اس کی وجہ سے بڑے بڑے بڑے سردار اور خاندانی لوگ رذیل لوگوں میں شامل ہو جاتے ہیں اور جس کی مونچھیں بڑی بڑی ہوتی ہیں جب وہ کچھ کھاتا ہے یا پیتا ہے اس میں بھر جاتی ہیں اور میل کچیل میں آلودہ رہتی ہیں اور یہ مجوس کا طریقہ ہے جس کی نسبت حضور ﷺ نے فرمایا ہے مشرکوں کی مخالفت کرتے رہو مونچھیں تو ترشواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ خالفو المشركين قصو الشوارب واعفوا اللحى ۔اور مضمضہ کرنے اور ناک میں پانی پہنچانے اور مسواک کرنے سے بدبو اور میل وغیرہ دور ہو جاتا ہے اور ختنہ کی کھال ایک زائد عضو ہو جاتا ہے اس میں میل اکٹھا ہو جاتا ہے اور پیشاب کے قطرے اس میں رک جاتے ہیں۔ علاوہ بریں جماع میں خوب لذت نہیں آتی اور تورات میں لکھا ہے کہ ختنہ اللہ تعالیٰ کے ابراہیم اور ان کی اولاد پر نشانی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ جن غلاموں کا آزاد کرنا ان کو منظور نہیں ہوتا یا جو ان کی خاص خاص گھوڑے وغیرہ ہوتے ہیں ان کے اوپر کچھ علامت کر دیتے ہیں تا کہ اوروں سے وہ متمیز ہو جائیں اسی طرح سے ختنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر علامت ہے اور سب شعائر ایسے ہیں کہ ان میں تغیر اور شبہ ہونا بہت مشکل ہے اور انتقاص الماء سے پانی سے استنجا کرنا مراد ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے رسولوں کے طریقے میں سے چار باتیں ہیں حیا اور ایک روایت میں ختنہ کرانا آیا ہے اور خوشبو لگانا اور مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔ اربع من سنن المرسلين الحيا و يروى الختان والتعطر والسواك والنكاح ۔میرے نزدیک یہ سب باتیں طہارت کے قبیلہ سے ہیں حیا تو بے عزتی اور بے ہودگی اور فواحش کے ترک کرنے کا نام ہے اور ان باتوں سے نفس میں پلیدی اور تکدر پیدا ہو جاتا ہے اور خوشبو لگانے سے نفس کے اندر سرور اور فرحت پیدا ہوتی ہے اور طہارت پر اس سے بہت بڑی تنبیہ ہوتی ہے اور نکاح سے عورتوں کی طرف سے نفس کو طہارت حاصل ہو جاتی ہے اور عورتوں کے وسوسے جو نفس کو اس شہوت کے پورا کرنے کی طرف برانگیختہ کرتے ہیں۔ دل سے جاتے رہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہے اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ جانتا تو ان کو ہر نماز کے لیے مسواک کرنے کا حکم دیتا **لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواك عند كل صلوٰة**. میں کہتا ہوں اس سے یہ مراد ہے کہ اگر حرج کا ڈر نہ ہوتا تو مسواک کو وضو کی طرح نماز کے لیے شرط کر دیتا۔ اور طور کی بہت سی احادیث اس باب میں وارد ہوئی ہیں۔ جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اجتہاد کو حدود شرعیہ میں دخل ہے اور حدود شرعیہ کی مقدار مقاصد پر ہے اور امت سے حرج کا رفع کرنا۔ منجملہ ان اصول کے ہے جن پر شرائع کی بناء ہے آنحضرت ﷺ کے مسواک کرنے کی کیفیت راوی بیان کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مسواک کرتے وقت اُع اُع کی آواز آیا کرتی تھی جیسے قے کرنے میں آواز آیا کرتی ہے میں کہتا ہوں آدمی کو چاہیے کہ خوب اچھی طرح منہ کے اندر مسواک کرے اور حلق اور سینہ کا بلغم خوب نکالے اور خوب طرح مسواک کرنے سے قلاع جاتا رہتا ہے اور آواز صاف ہو جاتی ہے اور منہ خوشبودار ہو جاتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک روز نہالیا کرے اور اس میں اپنا بدن اور سر دھوڈالا کرے۔ **حق علی کل مسلم ان یغتسل فی کل سبعة ایام یوما یغسل فیه جسده و راسه**. میں کہتا ہوں ہر ہفتہ میں ایک مرتبہ غسل کرنا خود ایک مستقل سنت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے میل کچیل سے پاک رہنے کے لیے مقرر فرمایا ہے اور تاکہ نفس کو صفت طہارت پر تنبیہ ہوتی رہے اور جمعہ کی نماز کے ساتھ ساتھ اس کو اس واسطے مقرر کر دیا گیا ہے تاکہ ہر ایک دوسرے سے مکمل ہو جائے۔ علاوہ بریں جمعہ کی نماز کی اس میں عظمت پائی جاتی ہے۔ حضور ﷺ چار چیزوں سے غسل فرمایا کرتے تھے ایک تو جنابت سے اور ایک جمعہ کے روز اور ایک پچھنے لگوانے کے بعد اور مردے کے نہلانے کے بعد۔ میں کہتا ہوں کہ پچھنے لگوانے میں تو یہ وجہ ہے کہ اس میں خون اکثر بدن کو لگ جایا کرتا ہے اور خون کے ایک ایک نقطہ کا جدا جدا ہونا دشوار ہوتا ہے دوسرے یہ کہ سینگیوں سے خون کا چوسنا خون کو ہر طرف سے کھینچ لاتا ہے اور اس خاص عضو سے خون کے کم ہونے کا نفع نہیں ہوتا اور غسل کر لینے سے خون کو ایک قسم کا انجماد ہو جاتا ہے۔ اور اطراف سے اس کا انجذاب موقوف ہو جاتا ہے اور غسل میت سے نہانے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نہلانے والے کے بدن پر چھینٹیں بہت سی پڑ جایا کرتی ہیں۔ اور میں ایک شخص کے پاس جان کندنی کے وقت بیٹھا تو جو ملائکہ ارواح کے قبض کرنے کے لیے متعین ہیں حاضرین کی روح پر بھی ایک عجیب قسم کی تکلیف ان سے پہنچتے ہوئے معلوم ہوئی اس سے میں سمجھ گیا کہ حالت کا بدل دینا جس سے نفس کو ایک دوسری حالت پر جو پہلی کے مخالف ہے تنبیہ ہو جائے بہت ضروری ہے (اور غسل سے یہ تنبیہ ہو سکتی ہے) ایک شخص اسلام لایا تو اس کو آنحضرت ﷺ نے پانی اور بیری کے پتوں سے نہانے کا حکم دیا۔ اور دوسرے کسی شخص سے فرمایا کفر کی علامت اپنے آپ سے دور کر دے۔ میں کہتا ہوں اس میں بھید یہ ہے کہ اس کو ظاہر میں ایک چیز سے باہر آ جانا متمثل ہو جائے۔ واللہ اعلم



پانیوں کے احکام کا بیان

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ رُکے ہوئے پانی میں جو بہتا نہیں ہے پیشاب کرے اور پھر اس میں غسل کرلے۔ **لایبولن احدکم فی الماء الدائم الذی لایجری ثم یغتسل فیه**. میں کہتا ہوں اس میں دونوں باتوں سے نہی ہے یعنی پانی میں پیشاب کرنے سے بھی اور پھر اس میں غسل کرنے سے بھی جیسے حدیث شریف میں آیا ہے دو شخص پائخانہ کے لیے اپنا ستر کھول کر باتیں کرتے ہوئے نہ بیٹھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے ناخوش ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ سے جو فقط پانی میں پیشاب کرنے اور فقط اس پانی میں غسل کرنے سے نہی مروی ہے اس سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک دو باتوں میں سے ایک بات سے خالی نہیں ہے یا تو اس میں اسی وقت پانی کا تغیر لازم آتا ہے اور یا وہ پانی کے متغیر ہونے کا سبب ہوتا ہے کہ جب اس کو لوگ پیشاب کرتا ہوا یا نہاتا ہوا دیکھیں گے تو وہ بھی ایسا ہی کریں گے اور وہ بھی منجملہ انہیں صورتوں کے ہے جن کی نسبت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لعنت کرنے والے سے ڈرو مگر جب کہ وہ پانی جاری کیا ہوا یا خود جاری ہو تو اس کا حکم جدا ہے مگر بہتر وہاں بھی یہی ہے کہ ان باتوں سے پرہیز کرے۔

اور آبِ مستعمل کہ جس کو کوئی قوم طہارت میں استعمال کیا کرتی تھی اور وہ مہجور اور متروک سا ہو گیا تھا آنحضرت ﷺ نے اس کو اسی حال پر رکھا کہ جیسا ان کے نزدیک تھا اور اس کی طہارت میں شک نہیں ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب پانی قلتین تک پہنچ جاتا ہے تو اپنے اوپر ناپاکی کو نہیں آنے دیتا ہے۔ **اذا بلغ الماء قلتین لم خبثا**. میں کہتا ہوں کہ اس سے معنوی ناپاکی مراد ہے کہ جس کو شرع ناپاک کہتی ہے۔ عرف اور عادت کے اعتبار سے ناپاکی مراد نہیں ہے اور جب کہ نجاست کی وجہ سے پانی کی کسی بات میں فرق آجائے۔ اور کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے نجاست کا اس پر غلبہ ہو جائے تو وہ اس سے خارج ہے اور قلتین کو کثیر اور قلیل پانی کے اندر حد فاصل ایک ضروری امر کی وجہ سے کیا ہے کہ اس کے بغیر چارہ ہی نہیں اور تخمینا یا انکل سے یہ حد مقرر نہیں کی گئی ہے۔ اور تمام مقادیر شرعیہ کا حال ایسا ہی کسی کے اندر تخمینے اور انکل کو دخل نہیں دیا گیا اور وہ ضروری امر یہ ہے کہ پانی کے رہنے کی دو جگہ ہیں ایک تو معدن اور ایک برتن معدن تو کنوئیں اور چشمے ہیں اور جھیل بھی انہیں میں شامل ہے اور برتن مشک اور قلہ اور طشت اور مخضب اور ارادہ اور معدن تو ایسی چیز ہے کہ اس کے ناپاک ہونے سے بڑا ضرر ہو جاتا ہے اور اس کے پانی کھینچنے میں بڑی دقت اٹھانی پڑتی ہے اور برتن تو روزمرہ بھرے جایا کرتے ہیں اور ان کا پانی انڈیلنے میں کچھ دقت نہیں ہوسکتی علاوہ بریں معاون کے لیے ڈھکن نہیں ہوتا اور اس پانی کو جانوروں کے گوبر اور درندوں کے منہ ڈالنے سے محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ اور برتنوں کے محفوظ رکھنے اور ڈھکے رہنے میں کچھ زیادہ دقت نہیں ہے۔ بجز ان جانوروں کے جو گھروں میں پھرتے رہتے ہیں۔ اور نیز معادن میں پانی کثرت سے ہوتا ہے بہت سی نجاست کا بھی اس میں پتہ نہیں لگتا اور اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا بخلاف برتنوں کے اس واسطے یہ بات ضروری ہوئی کہ معدن کا حکم اور ہو اور ظروف کا اور حکم ہو۔ اور معادن میں ان چیزوں کی معافی دی جائے کہ ظروف میں جن سے معافی نہیں ہے اور معدن اور ظروف میں سوائے قلتین کے کوئی چیز حد فاصل نہیں ہوسکتی۔ اس واسطے کہ کنواں اور چشمہ قلتین سے تو کسی طرح کم ہو ہی

نہیں سکتا اور جو پانی قلتین سے کم ہو اس کو نہ حوض کہتے ہیں نہ تالاب کہتے ہیں بلکہ اس کو گڑھا کہتے ہیں اور اگر دو قلہ پانی ہموار زمین میں ہو تو غالباً پانچ بالشت چوڑی اور سات بالشت لمبی جگہ میں آتا ہے اور وہ حوض کا ادنیٰ درجہ ہے اور عرب میں سب سے بڑا برتن پانی رکھنے کا قلہ ہوتا ہے۔ اور ان میں اس سے بڑا کوئی برتن نہیں معلوم ہوتا اور قلے بھی سب برابر نہیں ہوتے۔ بعض ڈیڑھ قلہ کے برابر ہوتے ہیں اور بعض سوا کے بعض ایک تہائی کے لیکن ایک قلہ دو کے برابر نہیں ہوتا۔ پس قلتین یعنی دو قلہ کی مقدار ایسی ہے کہ کوئی برتن اس مقدار کو نہیں پہنچتا۔ اور کوئی معدن اس سے کم نہیں ہوتا ہے اس واسطے آب قلیل اور آبِ کثیر کے اندر قلتین کی مقدار حد فاصل قرار پائی اور جو قلتین کا قائل نہیں جیسے مالکیہ اس نے بھی آب کثیر کا اندازہ قلتین کے قریب قریب مقدار سے کیا ہے۔ یا جنگل کے کنوؤں میں اونٹ کی مینگنی کے برابر نجاست کا معافی کا حکم دیا ہے۔ یہاں سے انسان کو معلوم کرنا چاہیے کہ حدود شرعیہ ایسی ایسی ضروری صورتوں میں قائم کی گئی ہیں کہ ان کے بغیر لوگوں کو چارہ ہی نہیں ہوسکتا۔ اور ان کے سوا کسی کی عقل میں آ ہی نہیں سکتا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے پانی پاک کرنے والا ہے کوئی چیز اس کو ناپاک نہیں کرسکتی۔ **الماء طهور لا ينجسه شيئ** .اور فرمایا ہے پانی ناپاک نہیں ہوا کرتا۔ **الماء لا يجنب** .اور فرمایا مومن ناپاک نہیں ہوتا۔ **المومن لاينجس** .اور اسی قسم کی اخبار احاد مروی ہیں کہ بدن ناپاک نہیں ہوتا اور زمین ناپاک نہیں ہوتی۔ **ان البدن لاينجس والارض لاينجس**.

میں کہتا ہوں ان سب سے نجاست خاص کی نفی مراد ہے جو قرائن حالیہ اور مقالیہ سے مفہوم ہوتی ہے۔ پانی کے ناپاک نہ ہونے سے تو یہ مراد ہے کہ معاون نجاست کے پڑنے سے جب نجاست ان میں سے نکال کر پھینک دی جائے اور پانی کی کوئی صفت بھی نہ بدلے اور اس کا اثر ظاہر نہ ہو ناپاک نہیں رہتے اور بدن کو کیسے ہی ناپاکی لگ جائے جب دھوڈالو پاک کا پاک ہوجاتا ہے ناپاک نہیں رہ سکتا۔ اور زمین بھی کیسی ہی ناپاک ہو مینہ کے برسنے اور دھوپ کے پڑنے اور خلقت کے اس پر چلنے پھرنے سے صاف ستھری ہو جاتی ہے۔ نجاست کا نام بھی نہیں رہتا اور بیر بضاعہ میں کوئی گمان کرسکتا ہے کہ ان میں نجاستیں پڑی رہا کرتی تھیں کسی طرح یہ گمان نہیں ہوسکتا اس واسطے کہ ایسی چیز سے بنی آدم کو ذاتی اجتناب ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ کس طرح اس کا پانی پی سکتے تھے بلکہ جس طرح ہمارے زمانہ میں کنوؤں کے اندر نجاستیں پڑ جاتی ہیں اور قصداً کوئی ان کو نہیں ڈالتا اسی طرح اس میں بھی نجاستیں پڑ جاتی تھیں اور پھر نکال کر پھینک دیا کرتے تھے۔ پھر جب اسلام آیا تو انہوں نے طہارت شرعیہ کا جو ان کی طہارت سے علاوہ ہو آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا پانی پاک کرنے والی چیز ہے کوئی چیز اس کو ناپاک نہیں کردیتی یعنی اس کا ناپاک ہونا وہی ہے جو تم بھی جانتے ہو اور آنحضرت ﷺ کے کلام میں یہ کوئی تاویل یا صرف عن الظاہر نہیں ہے بلکہ عرب کا کلام اسی طرح ہوتا ہے دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہہ دے میرے پاس جو وحی کیا گیا ہے اس میں کھانے والے کے لیے کوئی کھانے کی چیز میں حرام نہیں پاتا۔ مگر اخیر آیت تک **قُل لَّا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا** .اس سے مراد یہ ہے کہ جن چیزوں میں تم جھگڑتے رہتے ہو ان میں کوئی حرام چیز نہیں پاتا مگر الخ اور جب کوئی شخص کسی طبیب سے کسی چیز کے استعمال کرنے کو دریافت کرے اور وہ کہے کہ اس کا استعمال جائز نہیں ہے تو اس سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ اس کی مراد صحت بدنی کے اعتبار سے اس کے استعمال کا ناجائز ہونا ہے اور جب فقیہ سے کسی امر کی بابت دریافت کیا جائے اور وہ اس کا ناجائز ہونا بیان کرے تو اس کی مراد عدم جواز سے عدم جواز

شرعی کا ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے **حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ** تو اس سے حرمت نکاح مراد ہے اور فرماتا ہے **حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ** اس سے حرمت اکل مراد ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے بدون ولی کے نکاح نہیں ہوتا **لا نکاح الا بولی** تو اس سے مراد یہی ہے کہ شرع میں وہ جائز نہیں ہوتا یہ مراد نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی نکاح ولی کے بغیر نہیں ہوا کرتا۔ اور اس قسم کی بہت سی آیات اور احادیث ہیں اور وہ ماؤل نہیں ہیں۔

جب پانی کے اوپر سے پانی کا اطلاق جاتا رہے اور اس میں کوئی قید لگ جائے اس سے وضو کرنے سے بادی الرائے میں شرع منع کرتی ہے البتہ ناپاکی کے اس سے دور ہو جانے کا احتمال ہے بلکہ ظن غالب یہی ہے کہ نجاست اس سے رفع ہو سکتی ہے پھر لوگوں نے بہت سے فروع کنوئیں کے اندر جاندار چیز کے مرجانے اور دہ دردہ اور آب جاری کے متعلق نکال لیے اور آنحضرت ﷺ سے ان سب مسائل میں احادیث مروی نہیں ہیں اور صحابہ اور تابعین سے جو اس میں آثار مروی ہیں جیسے ابن زبیرؓ سے زنگی کے بارے میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے چوہے کہ بارے میں اور نخعی اور شعبی سے بلی کے قریب قریب جانور میں سو یہ آثار نہ تو محدثین نے ان کی صحت کی گواہی دی ہے اور نہ قرون اولیٰ کے جمہور کا ان پر اتفاق ہے اگر وہ آثار صحیح بھی ہوں تو ممکن ہے کہ یہ حکم دلوں کی تطییب اور پانی کی نظافت کے لیے ہو اور وجوب شرعی کے اعتبار سے نہ ہو جیسا کہ کتب مالکیہ میں مذکور ہے اور اگر یہ احتمال صحیح نہیں ہے تو بہت دقت پڑتی ہے الحاصل اس باب میں کوئی معتد بہ اور واجب العمل حدیث نہیں ہے اور بلاشبہ قلتین کی حدیث ان سب سے زیادہ تر ثابت ہے اور یہ بات محال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مسائل میں اپنے بندوں کے لیے ان تدابیر کے اوپر جو ان کے واسطے لازم ہیں کچھ بڑھایا ہو اور باوجود ان چیزوں کے کثرت وقوع اور عموم بلوے کی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی صاف صاف تصریح نہ فرمائی ہو۔ اور صحابہ اور تابعین کو اس سے استفادہ نہ ہوا ہو۔ اور جزو واحد بھی اس میں مروی نہ ہو۔ واللہ اعلم

نجاستوں کے پاک کرنے کے بیان میں

نجاست اس چیز کا نام ہے جس کو سلیم الطبع لوگ ناپاک سمجھیں اور اس سے پرہیز کریں اور ان کے کپڑے کو لگ جائے تو ان کو کپڑا دھونا پڑے۔ جیسے پیشاب' پائخانہ اور خون' نجاستوں کا پاک کرنا ان کے دستور سے مستنبط اور ماخوذ ہے اور گوبر ناپاک ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث اس پر دلیل ہے اور ماکول اللحم کا پیشاب بلاشبہ نجس ہے طبائع سلیمہ اس کو نجس جانتے ہیں بعض بیماریوں کے لیے مفید ہونے کی وجہ سے اس کے پینے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور اس کی طہارت یا خفت نجاست کا دفع حرج کی غرض سے حکم دیا گیا ہے۔ شارع نے شراب کو بھی نجاسات ہی میں داخل کیا ہے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے ناپاک شیطان کا فعل ہے۔ **رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ** اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو بہت تاکید کے ساتھ حرام کیا ہے۔ اس واسطے حکمت الٰہیہ کا مقتضی یہ ہوا کہ اس کو پیشاب اور پائخانہ کے برابر کر دیا جائے۔ تاکہ لوگوں کے سامنے اس کی برائی متمثل ہو جائے اور اس سے خود بخود ان کے دلوں کو اس کی طرف سے کشیدگی ہو جائے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پانی پی جائے تو اس کو سات مرتبہ دھونا چاہیے اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ان سات دفعہ میں سے اوّل دفعہ مٹی سے دھوئے: **اذا شرب**

الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبع مرات و فی روایۃ اولٰھن بالتراب. میں کہتا ہوں آنحضرتؐ نے کتے کے جھوٹے کو بھی نجاسات میں شامل کیا اور نجاستوں میں سے بھی اس کو شدید النجاست کا حکم دیا کیونکہ کتا ایک ملعون چیز ہے فرشتوں کو اس سے نفرت ہے اور اس کا بلا وجہ گھر میں رکھنا اور اس کے ساتھ مخالطت کرنا ہر روز اس کے اعمال میں سے بقدر ایک قیراط کے اجر کم کرتا ہے اور اس میں بھید یہ ہے کہ وہ اپنی جبلت ہی میں شیطان کے مشابہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی عادت میں شیطنت اور غصہ اور نجاسات میں متلطخ ہونا اور لوگوں کو ستانا داخل ہے اور شیطان کی طرف سے بھی اس کو کچھ تعلیم ہوتی رہتی ہے۔ جب آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو دیکھا کہ کتوں سے خلط ملط رکھتے ہیں۔ اور کچھ ان کو پرواہ نہیں ہوتی اور بالکل نہی کر دینے کا بھی موقع نہ تھا کیونکہ کھیتی اور مویشی اور نگہبانی اور شکار کے واسطے اس کی ضرورت ہے اس واسطے آپ نے اس سے بچانے کی یہ تدبیر کی کہ پوری پوری پاکی کی اس کے اندر آپ نے شرط کی اور ایسا حکم دیا کہ کسی قدر ان کو اس میں دقت بھی پڑا کرے تا کہ اس قدر پاک کرنا روک ٹوک میں کفارہ برابر ہو جائے اور بعض حاملین علم کو یہ آگاہی ہوئی ہے کہ سات دفعہ دھونا اصل میں کوئی حکم نہیں ہے بلکہ اس سے تاکید مقصود ہے اور بعض نے ظاہر حدیث کا لحاظ کیا ہے مگر احتیاط ہی افضل چیز ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی کا بہا دو۔ هریقو علی بولہ سجلا من ماء. میں کہتا ہوں زمین پر خوب سا پانی ڈالنے سے پیشاب کی ناپاکی دور ہو جاتی ہے اور یہ اس دستور سے ماخوذ ہے جس پر تمام لوگ متفق ہیں کہ بہت سا مینہ پڑنے سے زمین ستھری ہو جاتی ہے اور بہت سا پانی پڑنے سے بدبو کا اثر بھی جاتا رہتا ہے اور پیشاب پراگندہ ہو کر کالعدم ہو جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم عورتوں میں سے جب کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جایا کرے تو اس کو چاہیے کہ چٹکی سے اس خون کو رگڑ دے۔ پھر اس کو چاہیے کہ پانی سے بار بار اس کو دھوئے پھر اس کپڑے سے اس کو نماز پڑھ لینی چاہیے: اذا اصاب ثوب احداکن الدم من الحیضۃ فلتقرصہ ثم لتنضحہ بماء ثم لتصل فیہ. میں کہتا ہوں خود نجاست اور اس کے اثر کے جاتے رہنے سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے اور ان تمام خصوصیات سے فی الحقیقت اس کے زوال کی ایک صورت کا بیان کرنا مقصود ہے جو زوال کے لیے کافی ہو جاتی ہے اور اس پر آگاہ کرنا مقصود ہے طہارت کے واسطے یہ شرط نہیں ہے اب باقی رہی منی سو بظاہر وہ بھی نجس چیز ہے کیونکہ نجاست کی تعریف جو ہم بیان کر چکے ہیں اس میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور کھرچ دینے سے خشک منی سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ گاڑھی ہونے کی وجہ سے کھرچنے کے قابل بھی ہو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لڑکی کے پیشاب سے تو کپڑے کو دھونا چاہیے اور لڑکے کے پیشاب سے دھار دیا جائے۔ یغسل من البول الجاریۃ و یرش من البول الغلام. میں کہتا ہوں ایام جاہلیت میں یہی دستور تھا آنحضرت ﷺ نے بھی اسی کو برقرار رکھا اور اس کی کئی وجہ ہیں اول تو لڑکے کا پیشاب منتشر ہوتا ہے اور اس کا ازالہ کسی قدر دقت سے ہوتا ہے اور لڑکی کا پیشاب ایک ہی جگہ رہتا ہے اور بسہولت زائل ہو سکتا ہے دوسرے یہ کہ لڑکی کا پیشاب لڑکے کے پیشاب سے گاڑھا اور بدبودار زیادہ ہوتا ہے تیسرے لڑکوں سے لوگوں کو رغبت ہوتی ہے اور لڑکیوں سے نہیں ہوتی اور اہل مدینہ اور ابراہیم نخعی نے اسی حدیث پر عمل کیا ہے اور امام محمدؒ نے اس میں ذومعنی بات کہی ہے لوگوں نے جو مشہور کر رکھا ہے اس سے دھوکے میں پڑنا نہ چاہیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے چمڑا جب پکا لیا گیا تو پاک ہو گیا: اذا دبغ الاھاب فقد طھر. میں کہتا ہوں حیوانات

کے پکے ہوئے چمڑوں کا استعمال کرنا تمام فرقوں کے نزدیک مسلم اور جاری ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پکا لینے کی وجہ سے چمڑے کی بدبو اور اس کا گنا ہن جاتا رہتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب تم میں سے نجاست کے اوپر کسی کا جوتا پڑ جائے تو مٹی اس کے لیے پاک کرنے والی ہے: **اذا وطی احدکم بنعله الاذی فان التراب له طهور**. میں کہتا ہوں جوتا اور موزہ اگر نجاست جسم دار ہو تو رگڑ دینے سے پاک ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سخت چیزیں ہیں نجاست کا ان میں نفوذ نہیں ہوتا ظاہر یہی ہے کہ چاہے وہ نجاست ان کے اوپر خشک ہو جائے یا تر رہے مٹی سے رگڑنے سے وہ پاک ہو جاتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے بلی کے لیے فرمایا ہے کہ وہ گھر گھر پھرنے والی اور پھرنے والوں میں سے ہے: **انها من الطوافين والطوافات**. میں کہتا ہوں اس کے معنی ایک قول کے موافق یہ ہیں کہ اگر چہ وہ نجاستوں میں منہ ڈال دیتی ہے اور چوہوں کا شکار کرتی ہے مگر اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کے جوٹھے کی پاکی کا حکم دیا جائے کیونکہ حرج کا دفعہ کرنا اصول شرعیہ میں سے ہے اور ایک قول کے موافق اس سے ہر جاندار چیز پر رحم کرنے کی رغبت دلانا آپ کو مقصود ہے اور سائلین اور سائلات کے ساتھ آپ نے اس کو تشبیہ دی ہے۔ واللہ اعلم

ان احادیث کا ذکر جو نماز کے باب میں وارد ہوئی ہیں:

معلوم کرو کہ نماز تمام عبادتوں میں بڑی عظیم الشان اور سب سے زیادہ یقینی اور لوگوں میں مشہور اور سب عبادتوں سے زیادہ نفس کے اندر مؤثر اور نافع عبادت ہے اور یہی وجہ ہے کہ شارع نے اس کی فضیلت بیان کرنے اور اس کے اوقات کی تعیین اور اس کے شروط اور ارکان اور آداب اور خصلتوں اور نوافل کے بیان کرنے کا سب عبادتوں سے زیادہ اہتمام کیا ہے اور دین کا اس کو ایک عظیم الشان شعار گردانا ہے اور تمام یہود اور نصاریٰ اور مجوس اور بقایا ملت اسمٰعیلیہ اس کو مانتی رہی ہیں اور ان کے جماہیر کا ان پر اتفاق ہے اور جو باتیں انہوں نے تحریف کر کے اپنی طرف سے بنا رکھی تھیں۔ جیسے یہودی مثلاً موزے اور جوتے کے ساتھ نماز کو مکروہ جانتے تھے اور اسی طرح کی باتیں نکال رکھی تھیں اس لیے ان باتوں کا لوگوں سے ترک کرانا نہایت لازم ہوا اور یہ بات ضروری ہوئی کہ مسلمانوں کا طریقہ ان کے طریقے کے خلاف ہو۔ اسی طرح مجوسیوں نے اپنا دین بگاڑ رکھا تھا اور سورج کو پوجنا اختیار کیا تھا اس لیے ملت اسلام کو ان کی ملت سے نہایت تمیز کی ضرورت ہوئی۔ اور مسلمانوں کو اس بات سے بھی منع کر دیا گیا کہ ان کی نمازوں کے وقت نماز پڑھیں۔

چونکہ نماز کے احکام کثرت سے ہیں اور اس کے اصول کو جن پر نماز کی بناء ہے بہت ہیں اس واسطے کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں ہم نے اصول کا ذکر نہیں کیا جس طرح اور کتابوں میں ہم نے ذکر کیا ہے بلکہ ہر فصل کے اصول کو اس فصل کے اندر ہی بیان کر دیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات سات برس کی عمر کے ہو جائیں اور جب وہ دس دس برس کے ہو جائیں تو نماز کے اوپر ان کو مارا کرو اور ان کو جدا جدا لٹایا کرو: **مروا اولادكم بالصلوٰة وهم ابناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم ابناء عشر سنين وفرقوا بينهم فى المضاجع**. میں کہتا ہوں بچے کے بلوغ کی دو قسمیں ہیں ایک تو اس حد کو پہنچنا کہ وہ اس میں ادراک کے صحیح یا سالم ہونے کے ساتھ متصف ہو سکے اور یہ صرف عقل سے ہوتا ہے اور عقل کا

ظاہر ہونا سات سال کی عمر سے معلوم ہو جایا کرتا ہے سات برس کی عمر میں لڑکا یقیناً ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہو جایا کرتا ہے اور عقل کے پورے ہونے کی علامت دس سال ہیں دس برس کا لڑکا اگر اس کا مزاج درست ہو تو پورا ہوشیار ہوتا ہے اور اپنے نفع ونقصان کو خوب پہچاننے لگتا ہے۔ تجارت اور دیگر معاملات میں اس کی ہوشیاری ظاہر ہوتی ہے دوسرا درجہ بلوغ کا چند امور کے لیے ملحوظ ہوتا ہے اس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ جہاد اور سزاؤں کے قابل ہوا یا نہیں۔ بلوغ کے ایسے درجے سے وہ ان آدمیوں میں شامل ہو جاتا ہے جو تکالیف برداشت کرتے ہیں اور انتظامات تمدن اور مذہب میں ان لوگوں کی حالت لحاظ کے قابل ہوتی ہے اور جو لوگ زبردستی راہ راست چلنے پر مجبور کیے جاتے ہیں بلوغ کے اس درجے میں پوری عقل اور پورے جثہ پر اعتماد کیا جاتا ہے اور اس کا اندازہ اکثر لوگوں میں پندرہ سال ہے اس بلوغ کی علامتیں یہ ہیں کہ اس کو احتلام ہونے لگے اور زیر ناف بال نکل آئیں۔ نماز میں دو لحاظ کیے گئے ہیں۔ اول یہ کہ نماز بندہ اور اللہ تعالیٰ میں ایک ذریعہ ہو جائے اور بندے کو ایک نہایت پست تر حالت میں گرنے سے باز رکھے اس لحاظ سے بلوغ کے پہلے درجہ کے وقت نماز کا حکم دیا گیا ہے اور اس لحاظ سے کہ نماز اسلام کے شعائر میں سے ہو اور اس پر مؤاخذہ کیا جائے اور لوگ اس پر مجبور کیے جائیں خواہ ان کی خود مرضی ہو یا نہ ہو جیسے اور امور کا حکم ہے ویسے ہی نماز کا بھی ہے اور چونکہ دس سال کی عمر بلوغ کی دونوں حدوں کے بیچ میں ایک برزخ کی حالت تھی اس میں بلوغ کی دونوں جہتیں جمع تھیں۔ اس لیے دونوں حالتوں سے اس کو حصہ دیا گیا اور علیحدہ علیحدہ سونے کا حکم اس واسطے دیا گیا کہ یہ زمانہ آغاز جوانی کا ہوتا ہے کچھ بعید نہیں ہے کہ یک جا سونے سے خلاف فطرت خواہشیں پیدا ہوں اس لیے ضرور ہوا کہ واقع ہونے سے پہلے خرابی کا ذریعہ بند کر دیا جائے۔

نماز کی فضیلت کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں **اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ** .اور آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے لیے فرمایا ہے جس نے پہلے ایک گناہ کیا تھا اور پھر اس نے جماعت میں شامل ہو کر نماز پڑھ لی کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تیرے گناہ کو بخش دیا۔ **فان الله قد غفرلك ذنبك** .اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے پر نہر ہو اور اس میں روزانہ وہ پانچ مرتبہ نہایا کرے تو کیا اس کے بدن پر میل باقی رہ سکتا ہے لوگوں نے کہا نہیں رہ سکتا آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہی حال نماز پنجگانہ کا ہے ان سے بھی اللہ تعالیٰ خطاؤں کو بالکل دور کر دیتا ہے **لو ان نهرا بباب احدكم يغتسل فيه كل يوم خمسا هل يبقى من درنه شيئ قالوا لا قال فذلك مثل الصلوات الخمس يمحوالله بها الخطايا** .اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے پانچوں نمازیں اور جمعہ جمعہ تک اور رمضان رمضان تک اگر کبائر سے پرہیز کیا جائے تو یہ اپنے درمیان کے گناہوں کو دور کرنے والے ہیں: **الصلوٰة الخمس والجمعة و رمضان الى رمضان مكفرات لما بينهن اذا جتنب الكبائر** .میں کہتا ہوں نماز میں دونوں باتیں موجود ہیں۔ تزکیہ نفس اور اخبات اور اس کی وجہ سے نفس کو پاک ہو کر عالم ملکوت تک رسائی ہو جاتی ہے اور نفس کی خاصیت میں یہ بات داخل ہے کہ جب وہ ایک صفت کے ساتھ متصف ہوتا ہے تو دوسری صفت جو اس صفت کی ضد ہوتی ہے اس سے جدا ہو جاتی ہے اور وہ اس سے ہٹ جاتا ہے اور وہ صفت اس

سے ایسی معدوم ہو جاتی ہے کہ کبھی اس کا نام بھی اس میں نہ تھا اب جس شخص نے نمازوں کو پورے پورے طور پر ادا کیا اور عمدہ طور پر وضو کیا اور وقت پر ان کو پڑھا اور رکوع اور سجود اور خشوع اور اس کے اذکار اور اشکال کو کامل طور پر ادا کیا اور ان صورتوں سے معانی اور ان اشباح سے ارواح کا اس نے ارادہ کیا تو ضروری ہے کہ وہ شخص رحمت الٰہی کے عظیم الشان دریا میں پہنچ جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہ محو فرما دیتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے بندے میں اور اس کے کافر ہونے میں نماز چھوڑنے کی دیر ہوتی ہے۔ **بین العبد و بین الکفر ترك الصلوٰة**. میں کہتا ہوں نماز اسلام کا بہت بڑا اشعار ہے اور اسلام کی ایسی علامات میں سے ہے کہ جس کے جاتے رہنے سے اگر اسلام کے جاتے رہنے کا حکم کر دیا جائے تو بجا ہے کیونکہ اسلام میں اور نماز میں بہت ہی ملابست اور موانست ہے۔ اور نیز اسلام کے معنی کو کہ اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا دینے کا نام ہے نماز ہی خوب ادا کرتی ہے۔ اور جس کو نماز سے حصہ نہ ملا اور محروم رہا تو وہ اسلام سے کیا لے چلا بجز اسلام کے نام کے جس کا کچھ عند اللہ اعتبار نہیں ہے۔

نماز کے اوقات کا بیان

کیونکہ نماز کا فائدہ یعنی دریائے شہود میں غوطہ زنی کرنا اور ملائکہ کے ساتھ مجانست پیدا کر لینا بدوں نماز پر مداومت اور اس کے التزام اور کثرت کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور نماز کی کثرت سے ہی اثقال طبع لوگوں کے اوپر سے ہٹ سکتے ہیں اور یہ بات ناممکن ہے کہ ان کو ایسا حکم دیا جائے کہ ان کو تدابیر ضروریہ کے ترک کرنے اور احکام طبیعہ سے بالکل خارج ہو جانا پڑے اس واسطے حکمت الٰہی کا مقتضی ہوا کہ ان کو زمانے کے ہر ایک حصہ کے بعد نماز کی پابندی اور اس کی مداومت کا حکم دیا جائے۔ تا کہ نماز سے قبل اس کا انتظار کرنا اور اس کے لیے تیار رہنا اور نماز پڑھ لینے کے بعد اس کے نور کا اثر اور اس کے رنگ کا بقیہ بھی بمنزلہ نماز ہی کے ہو جائے اور غفلت کے اوقات میں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر مدنظر رہا کرے اور اس کی طاعت میں دل معلق رہے اس میں مسلمان کا حال اس گھوڑے کا سا رہتا ہے جس کی اگاڑی پچھاڑی بندھی ہوتی ہے وہ ایک دو دفعہ کودتا ہے اور پھر وہ بے بس ہو کر رہ جاتا ہے اور نماز کی پابندی سے غفلت اور گناہوں کی سیاہی دلوں کے اندر نہیں بیٹھتی حقیقتاً مداومت کے ناممکن ہونے کی صورت میں اسی طرح کی مداومت ہو سکتی ہے اب آخر کار چونکہ نمازوں کے لیے اوقات کے تعین ضروری ہونے اور کوئی وقت نماز کے لیے زیادہ تر چار وقتوں سے نہ تھا۔ جن میں روحانیت کا عالم میں ظہور اور ملائکہ کا نزول اور بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہوتے ہیں اور ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور گویا یہ امر تمام ان لوگوں نے جو ملاء اعلیٰ سے فیضان حاصل کرتے ہیں مان لیا ہے مگر یہ بات ظاہر ہے کہ تمام لوگوں کو آدھی رات کے نماز پڑھنے کے ساتھ مکلّف کرنا ممکن نہیں ہے اس واسطے فی الحقیقت نماز کے وقت تین ہیں صبح اور شام اور شب کی تاریکی چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے قائم کر نماز کو سورج کے ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک اور قرآن پڑھنا فجر کا بے شک فجر کے وقت قرآن پڑھنا روبرو ہے: **اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْآنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ**. اس واسطے فرمایا ہے شام کی نماز حکماً شب کی تاریکی سے مل جاتی ہے کیونکہ ان میں کوئی فصل پایا ہی نہیں جاتا۔ اس وجہ سے عن الضرورت ظہر اور عصر مغرب اور عشاء کو ساتھ ساتھ پڑھ لینا درست ہے پس یہ ایک اصل ہے اور یہ

مناسب بھی تھا کہ ہر دو نمازوں میں بہت سا فصل رکھا جاتا اس واسطے کہ اس صورت میں انتظار اور التزام کے معنی میں فرق آ جاتا اور جو حالت نفس کو پہلی نماز سے حاصل ہوئی تھی دوسری نماز تک نسیاً منسیاً ہو جایا کرتی اور یہ بھی مناسب نہ تھا کہ ہر دو نمازوں میں بہت تھوڑا سا فصل رکھا جاتا اور نہ ان کو معاش کے حاصل کرنے کی فرصت نہ ہوا کرتی اور ایسی ظاہر اور محسوس ان کے واسطے حد کا مقرر کرنا ضروری تھا جس کو خاص و عام سب معلوم کر لیا کریں اور وہ کہ اسی جز کو کہ خاص و عام اوقات کا اندازہ کرنے میں اس کا استعمال کیا کرتے ہیں کسی قدر زیادہ کر دیا ہے اور بہت نہیں بڑھایا ہے دن کا چوتھائی حصہ اس قابل ہو سکتا ہے کیونکہ وہ تین ساعت ہوا اور رات اور دن کا بارہ اجزاء کی طرف منقسم ہونا تمام اقالیم کے نزدیک جن میں یہ تجربہ ممکن ہے متفق علیہ ہے اور اہل زراعت اور تجارت اور اہل صنعت وغیرہم کا اکثر یہی دستور ہے کہ صبح سے دوپہر تک اپنے اپنے مشاغل میں مصروف رہتے ہیں کیونکہ ان کے معاش کا اکثر یہی وقت ہوتا ہے اللہ پاک فرماتا ہے اور بنایا ہم نے دن کو روزگار **وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا** .اور فرماتا ہے تاکہ تم سے اس کے فضل کے طالب ہو **لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ** .اور بہت سے اشغال اس قسم کے ہوا کرتے ہیں کہ ان کے کرنے کے لیے ایک مدت طویل کی حاجت ہوتی ہے اور سب لوگوں کا ایسے وقت میں نماز کے لیے تیار ہونا اور باقی کاموں سے یکسو ہو جانا موجب حرج عظیم کا ہوتا ہے۔ اسی واسطے شارع نے دن چڑھے کی نماز کو ان کے اوپر فرض نہیں کیا مگر اس کی طرف رغبت پوری پوری دلاتی ہے پس یہ بات ضروری ہوئی کہ شام کی نماز کے دو حصے ہو جائیں اور ان کے درمیان میں قریب دن کے ایک ربع کا فصل ہو اور وہ ظہر اور عصر کی نماز ہے اور اسی طرح رات کی نماز کے دو ٹکڑے ہو جائیں اور اسی کے قریب وقت کا ان دونوں میں بھی فصل رہے اور وہ مغرب اور عشا کی نماز ہے اور یہ بات بھی ضروری کی بلا ضرورت کہ جس کے بغیر چارہ ہی نہ ہو۔ ایک وقت کے دونوں حصوں کو جمع نہ کیا جائے ورنہ وہ مصلحت کہ تعیین اوقات میں جس کا لحاظ کیا گیا ہے فوت ہوئی جاتی ہے اور یہ دوسری اصل ہے اور تمام اقالیم صالحہ کے باشندے اور جن کا مزاج حالت اعتدال پر ہے جو شرائع سے مقصود بالذات ہیں ہمیشہ ان کا یہ دستور ہے کہ اپنے حوائج میں جب سے صبح کی روشنی ہوتی اور جب تک شب کی تاریکی آتی ہے اپنے حواس اور فکر کو مصروف رکھتے ہیں۔ اور نماز کے ادا کرنے کے لیے مناسب وقت یا تو وہ ہے جس وقت آدمیوں کا نفس اشغال معاشیہ کے اثر اور ان کے رنگ سے خالی ہو۔ جن سے آدمی اللہ تعالیٰ کو بھول جایا کرتا ہے ایسے وقت میں عبادات کو چونکہ خالی دل مل جاتا ہے تو اس میں جگہ کر لیتی ہے اور نفس کے اندر اس کا پورا اثر پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿**وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا**﴾ اور یا وہ وقت مناسب ہے کہ جب آدمی سونے کے قریب ہوتا ہے تاکہ جو کچھ کدورتیں اس کے قلب میں دن کے اشغال سے پیدا ہو گئی ہیں ان کے لیے اس وقت کی نماز کفارہ اور دل کے واسطے بمنزلہ صیقل کے ہو جائے۔ چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی تو وہ شب کے نصف اول میں قیام کرنے کے برابر ہوا۔ اور جس شخص نے عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھی تو وہ رات بھر قیام کرنے کے برابر ہوا: **من صلی العشاء فی جماعة كان لقيام نصف الليل الاول و من صلی العشاء والفجر فی جماعة كان كقيام ليلة** .اور ایک وہ وقت ہے کہ جب وہ کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں جیسے دن چڑھے کا وقت ہے۔ تاکہ ایسے وقت میں نماز پڑھنے سے دنیا کے اندر انہماک میں کمی ہو جائے اور اس کے واسطے تریاق کا کام دے۔ اگر اس میں یہ بات ہے کہ

تمام لوگوں کو اس سے مکلف نہیں کر سکتے کیونکہ اس وقت میں یا تو ان سب کو اپنے کاروبار چھوڑنے پڑیں گے یا نماز چھوڑنی پڑے گی۔
اور یہ بھی ایک اصل ہے اور نیز تعیین اوقات کے اندر اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ جو انبیاء سابقین سے ماثور ہے اس طریقہ کو اختیار کیا جائے اس واسطے کہ اس طریقہ کا اختیار کرنا ادائے طاعت پر نفس کے لیے خود ایک بڑا اور متنبہ اور ہوشیار کرنے والا ہوگا۔ اور اس کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے پر عبادت الٰہی میں ترقی چاہیں گے اور جو ان میں سے صالح ہوں گے لوگوں میں ان کا ذکر جمیل جاری ہوگا۔ جس کی نسبت حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا ہے یہ آپؐ سے پیشتر گزرے ہوئے انبیاء کا وقت ہے۔ **هذا وقت الانبياء من قبلك.**

الحاصل اوقات کے مقرر کرنے میں بڑے بڑے اسرار عمیقہ ہیں اس واسطے حضرت جبرائیل علیہ السلام آدمی کی صورت میں تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور نماز کے اوقات آپ کو سکھلائے اور ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے جمع بین الصلوٰتین کے جواز کی وجہ فی الجملہ اور نبی ﷺ پر نماز تہجد اور نماز چاشت کا واجب ہونا اور ایسے ہی اور انبیاء پر واجب ہونے کی وجہ جیسا کہ علماء نے بیان کیا ہے اور لوگوں کے لیے اس کا نفل ہونا اور نمازوں کے ان کے اوقات پر ادا کرنے کی تاکید کا سبب معلوم ہو گیا۔ واللہ اعلم

اور اگر لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا کہ تمام لوگ ایک ہی ساعت کے اندر نماز پڑھیں اور اس سے آگے پیچھے نہ پڑھ سکیں تو اس میں حرج عظیم تھا۔ اس واسطے اوقات کے اندر کسی قدر توسیع اور گنجائش بھی کر دی گئی اور چونکہ وہی قرائن جو عرب کے نزدیک ظاہر تھے اور ادنیٰ و اعلیٰ اس کو معلوم کر سکتے تھے اس قابل تھے کہ ان کے موافق احکام مقرر کیے جائیں اس واسطے اوقات کے اوائل اور ان کے اواخر کے لیے حدیں جو منضبط اور محسوس ہیں مقرر کی گئیں اور ان اسباب کے مجتمع ہونے کی وجہ نمازوں کے اوقات چار قسم کے ہو گئے ایک تو اختیاریہ تو وہ وقت کہ اس میں بلا کراہت نماز ہو جاتی ہے اور زیادہ معتبر اس میں دو حدیثیں ہیں ایک تو وہ حدیث کہ جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آنحضرت ﷺ کو دو روز تک نماز پڑھانے کا بیان ہے اور ایک بریدہ کی حدیث جس میں یہ بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز کے اوقات دریافت کرنے والے کو یہ جواب دیا کہ دو روز تک آپؐ نے نماز پڑھ کر اس کو دکھا دیا اور ان دونوں میں سے جو مفسر ہے دوسری حدیث پر جو مبہم ہے اس کا حکم ناطق ہوگا اور جو حدیث خلاف ہوگی اس میں بریدہ کی حدیث پر عمل کیا جائے گا کیونکہ وہ مدنی ہیں اور متاخر ہیں اور پہلے مکی ہیں اور ان سے متقدم ہیں اور متاخر کا ہی اعتبار ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب کا اخیر وقت شفق کے غائب ہونے سے قبل ہے اور یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دوسرے روز تھوڑی ہی سی دیر کر کے مغرب کی نماز پڑھی ہو کیونکہ اس کا وقت کم ہوتا ہے اور راوی نے خواہ چوک سے یا اپنے ظن سے یہ کہہ دیا ہو کہ دونوں روز مغرب کی نماز ایک ہی وقت میں پڑھی یا غایت قلت کے بیان کرنے کی غرض سے اس نے یہ کہا ہو۔ واللہ اعلم

اور بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عصر کا اخیر وقت اس وقت تک ہے کہ جب تک سورج میں تغیر آ جائے اور اسی پر فقہاء کا اتفاق ہے پھر شائد مثلین اخیر وقت مختار یا مستحب کا بیان ہو یا ہم یہ کہتے ہیں کہ اول شرع کی نظر اس بات پر پڑی ہو کہ عصر کی شق نکالنے سے مقصود یہ ہے کہ ہر دو نمازوں میں بقدر ربع دن کے فصل ہو اس لیے اس کا اخیر وقت مثلین تک مقرر فرمایا ہے

اور پھران کے حوائج اور اشغال پرنظر ڈالنے سے اس وقت کا بڑھا دینا ضروری ہوا اور نیز اس حد کے معلوم کرنے میں ایک قسم کی غور اور سایہ اصلی کے یاد رکھنے اور رصد کی ضرورت ہے اور لوگوں کو ایسی باتوں میں ان چیزوں کا حکم دینا مناسب تھا۔ جو محسوس اور ظاہر ہوں اس لیے حضرت ایزدی نے آنحضرت ﷺ کے دل میں اس بات کا القا فرمایا ہو کہ آفتاب کے جسم یا اسی کی روشنی کے تغیر کو وقت کی انتہا گردانا جائے۔ واللہ اعلم

اور ایک وقت استحباب کا یہ ہے یہ وہ وقت ہے کہ اس میں نماز کا پڑھنا اولی ہوتا ہے اور وہ وقت سب نمازوں کے لیے اول کا وقت ہے بجز عشا کی نماز کے کہ اس کا اصل مستحب وقت دیر کر کے پڑھنا ہے اس کی وجہ وہی طبعی ترتیب ہے۔ جس کو ہم بیان کر چکے جس کی نسبت حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنی امت پر شاق نہ سمجھتا تو ان کو حکم دے دیتا کہ عشا کو دیر سے پڑھا کریں۔ **لو لا ان اشق علی امتی لامرتھم ان یؤخروا العشاء**. علاوہ بریں عشا کی نماز کو دیر سے پڑھنے سے باطن کا ان اشغال سے جو اللہ کی یاد سے غافل کرتے ہیں خوب تصفیہ ہوتا ہے اور آدمی کو پھر عشا کی نماز کے بعد قصے کہانیاں کہنے کی فرصت نہیں ہوتی مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اگر دیر سے نماز پڑھی جایا کرے تو جماعت میں کمی ہوتی چلی جائے اور لوگوں کو نماز سے بے رغبتی ہونے لگے اور بات الٹی ہو جائے اسی وجہ سے حضور پرنور ﷺ کی عادت تھی کہ جب لوگ کثرت سے آجاتے تب تو تعجیل کیا کرتے اور جو کم ہوتے تو دیر کر کے نماز پڑھا کرتے اور موسم گرما میں ظہر کی نماز میں بھی عشا کی طرح تاخیر مستحب ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے جب گرمی کی شدت ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کا اوبھان ہے: **اذا اشتد الحرفا بردوا بالظھر فان شدۃ الحرمن فیح جھنم** . میں کہتا ہوں اس سے یہ مقصود ہے کہ جو جنت اور جہنم کا خدائے تعالیٰ کے یہاں خزانہ ہے اس خزانہ سے اس عالم میں کیفیات مناسبہ اور منافرہ کا فیضان ہوتا رہتا ہے اور کاسی وغیرہ کے متعلق جو حدیث آئی ہے اس کی بھی یہی تاویل ہے اور حضرت ﷺ نے فرمایا ہے فجر کی نماز اجالا کر کے پڑھا کرو اس لیے کہ اس کا اجر بڑا ہے۔ **اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر** . میں کہتا ہوں یہ ان لوگوں سے خطاب ہے جن کو اسفار کے وقت لوگوں کا انتظار کرنے سے تقلیل جماعت کا خوف تھا یا بڑی بڑی مسجدوں کے نماز پڑھنے والوں کو یہ حکم ہے جن میں ضعیف لوگ اور بچے وغیرہ اکٹھے ہو جاتے ہیں جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے پس اس کو تخفیف کرنی چاہیے کیونکہ اس میں ضعیف بھی ہوتے ہیں۔ اخیر حدیث تک **ایکم صلی بالناس فلیخفف فان فیھم الضعیف. الحدیث** . یا یہ معنی ہیں کہ صبح کی نماز اتنی لمبی پڑھا کرو کہ اسفار کے وقت ختم ہوا کرے۔ اور ابو برزہ کی حدیث اس پر قرینہ ہے کہ آنحضرت ﷺ صبح کی نماز میں اس وقت سلام پھیرا کرتے تھے کہ جب آدمی اپنے پاس کے بیٹھے ہوئے کو پہچاننے لگتا تھا اور ساٹھ آیت سے سو آیت تک پڑھا کرتے تھے۔ **کان ینفتل فی صلوۃ الغداۃ حین یعرف الرجل جلیسہ ویقرا بالستین الی المائۃ** اب اسفار کی حدیث میں اور غلس کی حدیث میں کچھ منافات نہیں رہی اور ایک ان چار اوقات میں سے ضرورت کا وقت ہے یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ بلا عذر شرعی اس وقت تک نماز میں دیر کرنا ممنوع ہوتا ہے چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص کو صبح کی نماز سورج کے نکلنے سے پہلے ایک رکعت مل گئی اس کو صبح کی نماز مل گئی اور جس کو آفتاب کے غروب سے پہلے عصر کی ایک رکعت مل گئی اس کو عصر کی نماز مل گئی **من ادرک رکعۃ**

من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح و من ادرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر .اورآنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے وہ نماز منافق کی ہے تاکتا رہتا ہے تاکتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب آفتاب زرد ہو جاتا ہے۔ اخیر تک تلک الصلوٰة المنافق یرقب حتی اذا اصفرت. الحدیث .اور حضرت ابن عباسؓ نے جو ظہر اور عصر کی نماز اور مغرب اور عشا کی نماز کے جمع کرنے کی حدیث روایت کی ہے وہ بھی اس قبیلہ سے ہے اور عذر شرعی یہ ہیں جیسے سفر یا بیماری یا مینہ اور عشا کی نماز کو ضرورت کے وقت طلوع فجر تک مؤخر کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم

اور ان چاروں میں ایک قضائے نماز کا وقت ہے اس وقت کا وہی وقت ہے کہ جب اس کو نماز یاد آ جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص کسی وقت کی نماز کو بھول جائے یا اس کے وقت سو جائے تو جب اس کو نماز یاد آئے اسی وقت پڑھ لے: من نسی صلوٰة اونام عنها فلیصلها اذ ذکرها .میں کہتا ہوں ساری بات اس میں یہ ہے کہ اس کے چھوڑنے سے نفس کو مطلق العنانی نہ ہو جائے اور جو کچھ نماز کا فائدہ اور اس کا اثر اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے اس کو وہ پھر مل جائے علماء نے نماز کو خود فوت کرنے کو بھی فوت ہو جانے کے ساتھ ملحق کر دیا ہے اس نظر سے کہ جب اس نے خود نماز کو فوت کیا ہے تو اس کے پورا کرنے کی حاجت اور بھی زیادہ ہے اور حضور ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو جب ان پر ایسے حاکم مقرر ہوں جو نماز کو بے جان کر کے یعنی اخیر وقت پڑھا کریں یہ وصیت فرمائی تو نماز کے وقت پر نماز پڑھا کرنا پھر اگر ان کے ساتھ بھی تجھ کو نماز مل جائے تو ان کے ساتھ پڑھ لیا کرنا اس لیے کہ وہ تیرے لیے نفل ہو جائے گی۔ میں کہتا ہوں حضورؐ نے نماز کے اندر دو باتوں کا لحاظ کیا ایک تو اس کے بندے اور اس کے خالق میں وسیلہ ہونے کا۔ اور دوسرے اس بات کا کہ وہ اسلام کے شعائر میں سے ہے اور اس کے تارک پر ملامت کی جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے برابر میری امت خیریت سے رہے گی۔ اس وقت تک کہ وہ مغرب کی نماز کو ستاروں کے چمکنے تک دیر کر کے نہ پڑھیں گے۔ لاتزال امتی بخیرما لم یوخر والمغرب الی ان یشتبك النجوم .میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حدود شرعیہ کے اندر سستی کرنا دین کے اندر تحریف اور بگاڑ کا سبب ہو جایا کرتا ہے اللہ پاک فرماتا ہے سب نمازوں کا دھیان رکھو اور درمیان کی نماز کا۔ حَافِظُوا عَلَى الصَّلٰوةِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى .درمیان کی نماز سے نماز عصر مراد ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے جس نے دونوں ٹھنڈک کے وقت یعنی صبح و شام کی نماز پڑھی جنت میں داخل ہو گیا۔ من صلی البردین دخل الجنة .اور فرمایا ہے جس نے عصر کی نماز ترک کر دی اس کا عمل ضائع ہو گیا۔ من ترک الصلوٰة العصر حبط عمله .اور فرمایا ہے جس شخص کی عصر کی نماز جاتی رہی تو گویا اس کی اولاد اور مال غارت ہو گیا۔ الذی تفوته صلوٰة العصر فکانماوترا هله و ماله .اور فرمایا ہے منافقین کے اوپر کوئی نماز فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ گراں نہیں ہوتی اور جو کچھ ان نمازوں کے اندر ہے ان کو اگر معلوم ہوتا تو ان کے لیے آیا کرتے چاہے گھسٹتے کیوں نہ ہوتے۔ لیس صلوٰة اثقل علی المنافقین من الفجر و العشاء ولو یعلمون مافیها لاتوهما ولوحبوا .میں کہتا ہوں ان تین نمازوں کا زیادہ تر اہتمام اور ان کے متعلق ترہیب وترغیب اس واسطے کی گئی ہیں کہ ان نمازوں میں سستی اور کاہلی کا مظنہ ہے اس واسطے کہ فجر اور عشا کا وقت تو لوگوں کے سونے کا وقت ہوتا ہے پھر اپنے بستر اور گدے کو غنودگی اور نیند کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے لیے وہیں اُٹھ کر کھڑا ہو

جائے گا۔ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا یقین اور اس کا خوف ہے۔ اور عصر کی نماز کا وقت وہ ہے جوان کی دوکانوں کے چلنے اور خرید و فروخت کرنے کا وقت ہے اور کسان لوگ جب تھک کر چور ہو جاتے ہیں تو اسی وقت اپنے گھروں میں آ کر پڑتے ہیں اور یہ وقت ان کے آرام کرنے کا ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ایسا نہ ہو کہ تمہاری مغرب کی نماز کے نام میں گنواروں کی بات تمہارے اُوپر چل جائے اور ایک حدیث میں عشاء کی نماز کے نام پر آیا ہے: **لایغلبنکم الاعراب علی اسم صلٰوتکم المغرب فی وفی حدیث آخر علی اسم صلٰوۃ العشاء**. میں کہتا ہوں کتاب سنت میں جو ایک چیز کا ایک نام آیا ہے اس کا دوسرا اس قسم کا نام رکھ لینا جس کے باعث سے پہلے نام کے متروک ہونے کا خوف ہو ممنوع ہے اس واسطے کہ اس سے دین میں التباس اور کتاب آسمانی کا اُن پر دشوار ہونا لازم آتا ہے۔

اذان کا بیان

جب صحابہ ؓ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جماعت ایک ضروری اور مقصود چیز ہے اور ایک وقت اور ایک جگہ میں لوگوں کا اجتماع بدون اعلام اور آگاہ ہونے کے دشوار ہے تو اب انہوں نے باہم گفتگو کی کہ ایسی چیز کیا ہو جس سے لوگوں کو خبر ہو جایا کرے تو کسی نے آگ روشن کرنے کا ذکر کیا تو مجوس کے ساتھ مشابہت پیدا ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس کو منظور نہ فرمایا۔ کسی نے نرسنگہ بجانے کی کہا تو آپ ؐ نے یہود کی مشابہت پیدا ہونے کی وجہ سے اس کو نامنظور فرمایا اور کسی نے ناقوس کے لیے کہا تو آپ ؐ نے نصاریٰ کے ساتھ مشابہت پیدا ہونے کی وجہ سے اس کو نامنظور فرمایا۔ یہ گفتگو کر کے بلا کسی بات کی تعیین کے لوگ اپنے اپنے گھروں کو آ گئے۔ اس عرصہ میں حضرت عبداللہ بن زید ؓ نے خواب میں اذان اور اقامت کو دیکھا اور رسول اللہ ﷺ سے اپنے خواب کو بیان کیا تو آپ ؐ نے فرمایا یہ سچی خواب ہے۔ اس قصہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ احکام شرعیہ کا مدار مصلحتوں پر ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اجتہاد کو بھی ان میں دخل ہے اور آسانی تو ایک اصل اصیل چیز ہے ہی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شعائر دین میں ان لوگوں کی مخالفت بھی شارع کو منظور ہے جو گمراہی میں حد سے گزر گئے ہیں اور نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ نبی ﷺ کے سوا کوئی اور بھی بذریعہ خواب یا الہام کے اللہ تعالیٰ کی مراد پر مطلع ہو سکتا ہے مگر لوگ اس حکم کے مکلف نہیں ہو سکتے یا وہ حکم یقینی نہیں ہو سکتا جب تک کہ نبی ﷺ نے اس کو برقرار نہ رکھا ہو اور حکمت الٰہیہ کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ اذان کے اندر صرف اعلام تنبیہ نہ پائی جائے۔ بلکہ وہ شعائر اسلام میں سے ایک شعائر ٹھہرایا جائے ان لوگوں کے سروں پر اس کے لفظ پکارے جائیں جو مساجد سے علیحدہ ہیں۔ اور اس نشان مذہب کی عزت کی جائے اور اس کا قبول کر لینا لوگوں کے دین الٰہی کے تابع ہو جانے کی پہچان ہو اس لیے یہ بات ضروری ہوئی کہ ذکر الٰہی اور شہادتین سے اس کی ترکیب ہو اور نماز کا بلاوا بھی اس میں پایا جائے تاکہ جو چیز اس سے منظور ہے وہ اس سے صراحتاً سمجھ میں آ جائے اور اذان کے کئی طریقے مروی ہیں مگر سب سے زیادہ صحیح حضرت بلال ؓ کا طریقہ ہے تو آنحضرت ﷺ کے عہد میں اذان دو دو مرتبہ ایک ایک کلمہ کے کہنے سے ہوتی تھی اور اقامت ایک ایک مرتبہ کے کہنے سے مگر **قد قامت الصلٰوۃ** کو مؤذنین دو مرتبہ کہا کرتے تھے اس کے بعد ابی محذورہ کا طریقہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اذان اور اقامت اس طرح تعلیم فرمائی کہ اذان میں تو انیس کلمے اور

اقامت میں سترہ کلمے اور میرے نزدیک تو اس کا حال قرآن کی قراءتوں کا سا ہے کہ سب کافی اور شافی ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے پھر اگر صبح کی نماز کا وقت ہے تو تجھے یہ بھی کہنا چاہیے **الصلوٰۃ خیر من النوم**۔ میں کہتا ہوں چونکہ یہ سونے اور غفلت کا وقت ہوتا ہے اس لیے زیادہ تر تنبیہ کی حاجت ہے۔ لہٰذا اس لفظ کا بڑھا دینا مناسب ہوا۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اذان کہے تو وہی اقامت بھی کہے **من اذن فھو یقم**۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک شخص نے اذان شروع کی تو اس کے بھائی مسلمانوں پر ضروری ہے کہ اس نے جو منافع کا حاصل کرنا چاہا ہے اور وہ اس کے لیے مباح ہیں کسی کی ملک نہیں ہیں اس میں اس سے مزاحمت نہ کریں جس طرح حضور ﷺ نے فرمایا ہے کوئی شخص اپنے بھائی کی منگنی ہوتے پر اپنی منگنی نہ کرے۔ **لایخطب الرجل علی خطبۃ اخیہ**۔ اذان کے فضائل اس سے سمجھو کہ ایک تو وہ اسلام کا شعار ہے اور اس کی وجہ سے کسی ملک کو دار الاسلام ہونے کا حکم ہوتا ہے۔ لہٰذا حضور اکرم ﷺ کا قاعدہ تھا کہ اگر آپؐ اذان سن لیا کرتے تب تو کچھ نہ کرتے اور اگر اذان کی آواز نہ سنتے تو اس شہر کو غارت کر دیتے ایک یہ کہ وہ نبوت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے کیونکہ اس میں اسلام کے بڑے عظیم الشان رُکن پر اور اس عبادت پر جو سب کی اصل ہے لوگوں کی ترغیب ہوتی ہے اور جس قدر اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور شیطان لعین کو سوزش اس نیکی میں ہوتی ہے اور جو اوروں کی طرف متعدی ہو اور اس میں اللہ کی بات اُونچی رہے کسی چیز میں نہیں ہوتی چنانچہ آپؐ نے فرمایا ہے شیطان کے اوپر ایک فقیہ کا دباؤ بہ نسبت ہزار عابد کے زیادہ ہوتا ہے **فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد**۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب نماز کے لیے لوگوں کی پکار ہوتی ہے تو شیطان وہاں سے پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے اور اس کا گوز نکل جاتا ہے۔ **اذا نودی للصلوٰۃ ادبر الشیطان لہ ضراط**۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے مؤذن لوگ سب لوگوں سے لمبی لمبی گردنوں والے ہوں گے۔ **المؤذنون اطول الناس اعناقا**۔ اور فرمایا ہے جہاں تک مؤذن کی آواز پہنچتی ہے اسی قدر اس کے لیے بخشش ہوگی اور جن و انسان اس کی گواہی دیں گے۔ **المؤذن یغفر لہ مدی صوتہ و یشھد لہ الجن والانس**۔ میں کہتا ہوں جزا و سزاء کا معاملہ معانی کی صورتوں کے ساتھ تناسب اور ارواح کے اشباح کے ساتھ تعلق پر مبنی ہے اس لیے یہ بات ضروری ہوئی کہ مؤذن کی اوروں کے اوپر اس کی گردن اور آواز کے اعتبار سے علوشان کا ظہور ہو۔ اور جس طرح اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف کو پکار لوگوں میں پھیل جاتی تھی اس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے اوپر پھیل جائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص نے طلب ثواب کی غرض سے سات سال تک اذان دی تو آگ سے اس کے لیے رہائی لکھ دی گئی۔ **من اذن سبع سنین محتسبا کتبت لہ براءۃ من النار**۔ اور یہ اس واسطے کہ اس کے اس سے دل کے اندر تصدیق کا ہونا ظاہر ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کی سات سال تک وہی شخص اذان دے سکتا ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا ہو۔ دوسرے یہ کہ اتنے عرصہ تک اذان دیتے دیتے اس نے اپنے آپ کو اس قابل بنا لیا کہ رحمت الٰہی اس پر چھا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس چرواہے کے لیے جو پہاڑ کی چوٹی پر بکریاں چراتا تھا فرماتا ہے میرے اس بندے کو تو دیکھو اذان کہتا ہے اور نماز کی پابندی کرتا ہے مجھ سے ڈرتا ہے۔ میں نے اس کو بخش دیا اور اس کو میں نے جنت میں داخل کر دیا۔ **انظروا الی عبدی ھذا یؤذن و یقیم الصلوٰۃ یخاف منی قد غفرت لہ وادخلتہ الجنۃ**۔ اللہ پاک کا یہ فرمانا کہ مجھ سے ڈرتا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ

اعمال کا اعتبار اس کے دواعی پر ہوتا ہے۔ جو ان اعمال پر اُبھارتے ہیں اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اعمال اشباح ہوتے ہیں اور ان کی ارواح ان کی دواعی ہوا کرتی ہیں پس خدائے تعالیٰ سے اس کا خوف کرنا اور اس کا اخلاص مغفرت کا سبب ہو گیا اور چونکہ اذان شعائر دین میں سے ایک شعائر ہے اور اس شناخت کے لیے بنائی گئی ہے کہ لوگوں کا ہدایت الٰہیہ کا قبول کر لینا اس سے پہچان لیا کریں اس واسطے اذان کے جواب دینے کا لوگوں کو حکم دیا گیا تا کہ ان سے جو مقصود ہے جواب دینے میں سے اس کی تصریح ہو جائے پس جب مؤذن اللہ اکبر کہے سننے والا بھی جواب میں کہے اور جب وہ شہادتین کو ادا کرے یہ بھی ادا کرے اور جب وہ **حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح** کہے تو جواب دینے والا ان الفاظ کے ساتھ اس کا جواب دے جن پر عمل کی قوت دینے اور گناہ سے باز رکھنے کی نسبت خاص اللہی طرف پائی جائے۔ بلا شرکت غیرے یعنی **لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** کہے تا کہ عبادت کرتے وقت عجب کے پیدا ہونے کا احتمال جاتا رہے جو شخص خلوص قلبی سے ایسا کرے گا جنت میں داخل ہو جائے گا کیونکہ یہ اس کا فعل ظاہری دلی تابعداری اور اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینے کا عنوان اور اس کی صورت ہے اور پھر اس کے بعد یہ حکم دیا گیا کہ نبی ﷺ کے واسطے دعا کرے یعنی **اللھم رب ھذہ الدعوۃ** اخیر تک پڑھے تا کہ آنحضرت ﷺ کے دین کا قبول کر لینا۔ اور آپ کی محبت اس سے ظاہر ہوئے اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے اذان اور اقامت کے درمیان میں دعا رد نہیں ہوتی۔ **لایرد الدعاء بین الاذان والاقامۃ** میرے نزدیک اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ رحمت الٰہیہ کا اس وقت میں شمول ہوتا ہے اور بندے کی طرف سے انقیاد اور تابعداری کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے بلال تو رات سے اذان دے دیا کرتا ہے اس واسطے تم لوگ اپنے کھاتے پیتے رہا کرو جب تک کہ ابن مکتوم اذان نہ دے۔ **ان بلا لا ینادی بلیل فکلوا واشربوا حتی ینادی ابن مکتوم** میں کہتا ہوں امام کے لیے مستحب ہے کہ اگر اس کو ضرورت معلوم ہو تو وہ مؤذن مقرر کر دے۔ جن کی آوازوں کو لوگ پہچانتے ہوں۔ اور لوگوں کو جتلا دے کہ فلاں مؤذن تو کچھ رات سے اذان دے دیتا ہے تم لوگ اپنے کھاتے پیتے رہو۔ جب تک کہ دوسرا مؤذن اذان نہ کہہ دیا کرے اس میں یہ ہوگا کہ پہلی اذان سے جو شخص اٹھ بیٹھا ہے اور سحری کھا چکا ہے وہ تو آگے کو کچھ اور نہ کرے گا اور جو سو رہا ہے وہ نماز کے لیے اٹھ بیٹھے گا اور اگر سحری اس نے نہیں کھائی تھی تو اس کو جھٹ پٹ کھالے گا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب نماز کی اقامت ہو جائے تو تم نماز کے لیے بھاگ کر مت آؤ۔ بلکہ اپنی چال سے آؤ۔ **اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تاتوھا تسعون و اتوھا تمشون** میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عبادت کے اندر تعمق اور تکلف نہ کرنا چاہیے۔

مساجد کا بیان

مسجد کے بنانے کی فضیلت اور اس کا التزام اور مسجد میں نماز کا انتظار کرنا ان سب باتوں کا مدار اسی پر ہے کہ وہ شعائر اسلام میں سے ہے چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے جب تم کو مسجد نظر آجائے یا کسی کو اذان کہتے ہوئے سن لو تو پھر کسی کو مت قتل کرو۔ **اذا رایتم مسجدا اوسمعتم مؤذنا فلا تقتلوا احدا** اور مسجد کی فضیلت یہ ہے کہ وہ نماز کی جگہ ہے۔ عابدوں کے اعتکاف

کرنے کا گھر ہے اور اللہ کی رحمت اس میں اُترتی رہتی ہے اور من وجہ کعبہ کے ساتھ اس کو مشابہت ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اپنے گھر سے پاک ہو کر نماز فریضہ کے لیے نکلا تو اس کا اجر ایسا ہے جیسے حج کرنے والے جو حالت احرام میں ہوں اور جو شخص چاشت کی نماز کے لیے نکلا مگر خاص اسی لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ہے۔ **من خرج من بیته متطهرا الی صلٰوة مکتوبة فاجره کاجر الحاج المحرم و من خرج الی تسبیح الضحی لاینصبه الا ایاه فاجره کاجر المعتمر** .اور فرمایا ہے جنت کے باغوں میں جب تمہارا گزر ہوا کرے تو اس میں چرا کرو کسی نے عرض کیا اور جنت کے باغ کیا ہیں آپؐ نے فرمایا مساجد: **اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قیل وما ریاض الجنة قال المساجد** .اور نماز کے اوقات میں اپنے کاروبار اور اہل وعیال کے سامنے مسجد کی طرف دل کا لگانا صرف نماز کی خاطر اس شخص کے اخلاص اور اپنے پروردگار کے سامنے دلی انقیاد اور تابعداری کی دلیل ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب ایک شخص نے وضو کیا اور اچھے طور پر کیا پھر مسجد کو صرف نماز کی خاطر چلا تو اس کا جو قدم پڑتا جاتا ہے اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند اور ایک گناہ کم ہوتا چلا جاتا ہے پھر جب اس نے نماز پڑھی تو جب تک وہ اپنی نماز میں رہتا ہے برابر فرشتے اس کے لیے دعا مانگتے رہتے ہیں کہ خدایا اس پر فضل کر خدایا اس پر رحم کر اور تم میں سے جب تک کوئی نماز کا انتظار کرتا ہے نماز ہی میں رہتا ہے۔ **اذا توضاء فاحسن الوضوء ثم خرج الی المسجد لایخرجه الا الصلٰوة لم یخط خطوة الا رفعت بها درجته احط عنه بها خطیئة فاذ اصلی لم تزل الملائکه تصلی علیه مادام فی مصلاه اللهم صلی علیه اللهم ارحمه ولایزال احدکم فی صلٰوة ما انتظر الصلٰوة** .اور مسجد کا بنانا اعلاء کلمۃ اللہ میں تائید کرنا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص صبح کو مسجد کو جاتا ہے یا رات کو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی مہمانی ہر صبح کے جانے اور رات کے جانے پر تیار کرتا ہے۔ **من غدا الی المسجد اوراح اعد الله له نزله من الجنة کلما غدا اوراح** .میں کہتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ ہر صبح اور رات کے جانے میں بہیمیہ کی ملکیہ کے لیے تابعداری پائی جاتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے مسجد بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔ **من بنی لله مسجدا بنی الله بیتا فی الجنة** .اس کی وجہ میرے نزدیک یہی ہے کہ اعمال کی جزاء ان کی صورت پر ہوتی ہے اور وضو کے جاتے رہنے سے نماز کے انتظار کا ثواب اس واسطے نہیں رہتا کہ جب اس کا وضو نہیں رہتا کہ جب اس کا وضو نہیں رہا تو نماز کے لیے اس کی تیاری باقی نہیں رہی۔ اور آنحضرت ﷺ کی مسجد اور مسجد حرام کو ثواب کے زیادہ ہونے میں فضیلت حاصل ہونے کی وجہ ہیں۔ ایک تو ان مواضع میں خاص خاص فرشتے مقرر ہیں۔ جو وہاں کے باشندوں پر گھرے رہتے ہیں۔ اور جو وہاں آتا ہے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے ان مواضع کی آبادی شعائر الٰہی کی تعظیم اور اعلاء کلمۃ اللہ میں داخل ہے تیسرے ان مواضع میں آنے سے آئمہ دین کا حال یاد آتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہے بجز تین مسجدوں کے کہیں کو کجاوے نہ کھینچے جائیں مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد' میں کہتا ہوں اہل جاہلیت کا دستور تھا کہ اپنے زعم میں جن مقامات کو وہ واجب التعظیم جانتے تھے ان مقامات کی زیارت کرنے اور برکت کے لیے سفر کیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں کس قدر دین کی تحریف اور اس کا بگاڑ تھا آنحضرت ﷺ

نے اس فساد کے مٹانے کے لیے یہ فرمایا تا کہ جو چیزیں شعائر الٰہی نہیں ہیں وہ شعائر میں داخل نہ کر لی جائیں اور عبادت غیر اللہ کا یہ ذریعہ نہ بن جائے اور میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ اولیاء اللہ میں سے کسی کی قبر یا اس کی عبادت کرنے کی جگہ اور کوہ طور سب اسی کے اندر داخل ہونے میں برابر ہیں۔ واللہ اعلم

مسجد کے آداب کے کئی طور ہیں ایک تو نفس مسجد کی عظمت کا لحاظ کرنا اور اپنے نفس کو زبردستی اس بات پر مجبور کرنا کہ اور خیالات اس سے دور ہوں اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد مطلق العنانی کے طور پر نہ رہنا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو اس کو بیٹھنے سے قبل دو رکعت پڑھ لینی چاہئیں۔ **اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس** ۔اور ایک مسجد کو ان چیزوں سے جن سے لوگ نفرت کرتے ہیں اور ان کو ناپاک جانتے ہیں نظافت اور پاکی کا خیال رکھنا چاہیے جس کی نسبت راوی کہتا ہے کہ حکم دیا نبی ﷺ نے مسجد کے بنانے اور اس کے پاک صاف اور معطر رکھنے کا۔ **امر ببناء المسجد و ان ینظف و یتطیب** ۔اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے میری امت کے اجر میرے سامنے پیش کیے گئے یہاں تک کہ کوڑے کا اجر جس کو کوئی شخص مسجد سے نکال دیتا ہے: **عرضت علی اجور امتی حتی القذاۃ یخرجھا الرجل من المسجد** ۔اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے میری امت کے اجر میرے سامنے پیش کیے گئے یہاں تک کہ کوڑے کا اجر جس کو کوئی شخص مسجد سے نکال دیتا ہے۔ **عرضت علی اجور امتی حتی القذاۃ یخرجھا الرجل من المسجد** ۔اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے مسجد میں تھوکنا ایک خطا ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس پر خاک ڈال دے۔ **البزاق فی المسجد خطیئۃ و کفارتھا دفنھا** ۔اور ایک یہ ہے کہ ایسی بات کوئی نہ کرے جس سے عبادت کرنے والوں کا دل اچاٹ ہو جائے اور بازار کا سا شور وغل نہ کرے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اس کا ترکش روک لے۔ **امسک بنصالھا** ۔اور فرمایا ہے جو کسی شخص کو مسجد کے اندر اپنی گمشدہ چیز کے لیے آواز دیتا ہوا س کو یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کو تیرے پاس لوٹا کر نہ لائے۔ اس واسطے کہ مسجدیں اس لیے نہیں بنائی گئی ہیں۔ **من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لاردھا اللہ الیک فان المساجد لم تبن لھذا** ۔اور فرمایا ہے جب تم کسی شخص کو مسجد میں خرید یا فروخت کرتا دیکھو تو کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ تیری تجارت میں نفع نہ دے: **اذا رایتم من یبیع اویبتاع فی المسجد فقولوا الا اربح اللہ تجارتک** ۔اور آنحضرت ﷺ نے مساجد کے اندر شعر خوانی اور قصہ خوانی اور حدود کے قائم کرنے سے منع فرمایا ہے میں کہتا ہوں کہ مسجد کے اندر گم شدہ چیز کے لیے آواز دینا اس واسطے منع کیا ہے کہ وہ ایک قسم کا شور اور نمازیوں کا اور ان لوگوں کا جو اعتکاف کے اندر ہیں دل اچاٹ کرنے والا ہے۔ اس لیے اس کے منع کرنے کے واسطے یہ بددعا کرنا مناسب ہوا جس میں شور کرنے والے کی ذلت بھی جاتی ہے اور بددعا میں اس کے مطلوب کے مخالف امر ذکر کیا گیا اور نبی ﷺ نے اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ مسجدیں اس واسطے نہیں بنائی گئی ہیں یعنی وہ تو نماز کے لیے اور اللہ کی یاد کرنے کے لیے بنائی گئی ہیں اور مسجد کے اندر خرید و فروخت کرنے سے اس واسطے منع فرمایا تا کہ مسجد کو لوگ بازار نہ بنالیں اور اس میں خرید و فروخت کیا کریں اور اس کی عظمت اور عزت ذہنوں سے نکل جائے اور نمازیوں اور معتکفوں کا دل ہٹ جائے اور اشعار سے منع کرنے کی بھی یہی وجہ ہے جو ہم نے بیان کی۔ علاوہ بریں اشعار کے پڑھنے میں ذکر الٰہی سے اعراض اور نیز

اوروں کواعراض کی ترغیب پائی جاتی ہے اور قصہ گوئی اور حدود قائم کرنے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں شور وغل اور رونے پیٹنے کا اور نمازیوں کے دل بٹنے کا احتمال ہے مگر وہ اشعار کہ جن میں ذکر الٰہی یا حضور نبی کریم ﷺ کی نعت وغیرہ اور کفار کا جلانا پایا جائے اس سے مستثنیٰ ہیں اس واسطے کہ وہ غرض شرعی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو یہ دعا دی کہ خدایا روح القدس سے اس کی تائید کرے۔ **اللّٰهم ايده بروح القدس** .اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کسی حائض اور جنب کے واسطے میں مسجد کو حلال نہیں کرتا۔ **انی لا احل المسجد لحائض ولا جنب** .میں کہتا ہوں اس کی وجہ مسجد کی تعظیم ہے اس واسطے کہ بڑی تعظیم ایک چیز کی یہ ہے کہ بغیر طہارت کے آدمی اس کے پاس نہ جا سکے مگر بے وضو کے مسجد میں آنے سے ممانعت کرنے میں حرج عظیم تھا اور جنب اور حائض کی ممانعت کرنے سے کچھ دقت نہیں ہے دوسرے یہ کہ جنب اور حائض کو نماز سے بہت بعد ہے اور مسجد نماز ہی کے لیے موضوع ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اس بدبودار درخت کو کھائے وہ ہماری مسجد کے پاس نہ آئے کیونکہ جس چیز سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے فرشتوں کو بھی اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ **من اكل هذه الشجرة المتننة فلا يقربن مسجدا فان الملائكة تتاذى مما يتاذى منه الانس** .میں کہتا ہوں وہ بدبودار درخت پیاز یا لہسن ہے اور ہر بدبودار چیز کا حکم یہی ہے اور فرشتوں کی تکلیف پانے کے معنی یہی ہیں کہ ان کو وہ چیز بری معلوم ہوتی ہے اور اس سے نفرت کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ پاکیزہ اخلاق اور پاکیزہ اور خوشبودار چیزوں کو پسند کرتے ہیں اور ان کی اضداد چیزوں سے ان کو نفرت ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے جب کوئی شخص مسجد میں آئے تو اس کو یہ کہنا چاہیے **اللّٰهم افتح لى ابواب رحمتك** .پھر جب مسجد سے باہر آئے تو کہے **اللّٰهم انى اسئلك من فضلك** .میں کہتا ہوں جانے والے کے لیے طلب رحمت کی تخصیص اور باہر آنے والے کے لیے طلب فضل کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں رحمت نفسانی اور اخروی نعمتیں مراد ہوا کرتی ہیں جیسے ولایت اور نبوت چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **وَرَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ** .اور تیرے رب کی رحمت اس چیز سے جو وہ جمع کرتے ہیں بہتر ہے۔اور فضل سے دنیاوی نعمتیں مراد ہوتی ہیں۔ جیسے فرماتا ہے: **فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللّٰهِ** .پھر جب نماز ہو چکے تو پھیل جاؤ زمین میں اور اللہ کے فضل کے طالب ہو اور جو شخص مسجد میں جاتا ہے اس کی غرض قرب الٰہی کا حاصل ہونا ہوتا ہے اور مسجد سے نکل کر پھر روزی تلاش کرنے کا وقت ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **اذا دخل احدكم المسجد فليركع ركعتين قبل ان يجلس** .تم میں سے جب کوئی شخص مسجد میں جائے تو بیٹھنے سے پہلے اس کو دو رکعت پڑھ لینی چاہئیں میں کہتا ہوں یہ اس واسطے مقرر کیا گیا کہ جو مکان نماز کے لیے وضع کیا گیا ہے اس کے اندر جاتے ہی نماز نہ پڑھنا باعث حسرت ہے۔ دوسرے اس میں ایک امر محسوس سے نماز کی طرف رغبت ٹھیک ٹھیک ہو جاتی ہے اور اس میں مسجد کی تعظیم بھی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **الارض كلها مسجد الا المقبرة والحمام** .مقبرہ اور حمام کے تمام زمین سجدہ گاہ ہے اور سات جگہ میں نماز پڑھنے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔کوڑے' مقبرہ' مذبح' راستہ' حمام' اونٹوں کے رہنے کی جگہ اور بابل کی زمین میں نماز پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو چکی ہے میں کہتا ہوں کوڑے اور مذبح میں نماز سے ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ لوگ وہاں نماز پڑھتے پڑھتے اولیاء اور علماء کی قبروں کی بتوں کی

طرح پرستش شروع نہ کر دیں اور یہ شرک جلی کی صورت ہے یا ان مواضع میں نماز پڑھنے کو زیادہ تر قربت الٰہی کا سبب سمجھنے لگیں اور یہ شرک خفی ہے اور حضور ﷺ کی مراد اس کے فرمانے سے یہی ہے: **لعن اللہ الیہود و النصاری اتخذوا قبور انبیائھم مساجد**. یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو۔ جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا اور آنحضرت ﷺ نے سورج کے غروب اور طلوع اور استواء کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے وہ بھی اسی کی نظیر ہے اس واسطے کہ کفار ان اوقات میں آفتاب کو سجدہ کیا کرتے تھے۔ اور حمام میں نماز سے ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ وہاں لوگوں کے ستر کھلتے ہیں اور لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان باتوں سے نمازی کا دل ہٹ جائے گا اور حضور قلب سے وہ اپنی التجا نہ کر سکے گا اور جہاں اونٹ باندھے جاتے ہیں ان مواضع میں نماز سے ممانعت کی یہ وجہ ہے کہ اونٹ ایک عظیم الجثہ جانور ہے اور جس کو پکڑ لیتا ہے۔ پھر چھوڑتا نہیں اور پھر اس کی عادت بھی یہ ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ لوگوں کو ستاتا ہے یہ باتیں ایسی ہیں کہ وہاں کھڑا ہو کر نمازی کا دل نماز میں نہ لگے گا بخلاف ان مواضع کے جہاں بکریاں بند ہوتی ہیں اور بیچ سڑک میں نماز سے اس واسطے ممانعت کی گئی کہ اول تو راہ چلنے والوں سے اس کا دل بٹے گا۔ اور راستہ بھی لوگوں پر تنگ ہوگا۔ دوسرے درندے وغیرہ ادھر کو ہو کر نکلتے ہیں جیسا کہ وہاں اترنے سے نہی صریح وارد ہے اور بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ بلا ضرورت بیت اللہ کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے اور اس میں ایک طرح کی بے حرمتی ہے اور اس کا بھی یقین نہیں کہ ایسے وقت میں استقبال الی القبلہ کے معنی پائے جاتے ہیں اور جس زمین پر خسف وغیرہ یا پتھر برسانے سے اللہ کی لعنت ہو چکی ہے اس میں نماز پڑھنے سے ان چیزوں کا ہلکا سمجھنا پایا جاتا ہے دوسرے جو مقام غضب کے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کا خوف اور ہیبت کر کے دور رہنا چاہیے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **ولا تدخلوا الاباکین**. اور وہاں جب جاؤ روتے ہوئے جاؤ۔

نمازی کے کپڑوں کا بیان

معلوم کرو کہ کپڑوں کا پہننا ایسی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کو تمام بہائم سے امتیاز حاصل ہے۔ اور کپڑے کا پہننا انسان کے لیے بہترین حالات میں سے ہے اور اس میں ایک قسم کی طہارت بھی پائی جاتی ہے اور نماز کی بھی اس میں تعظیم ہے اور رب العالمین کے روبرو عرض کرنے کے آداب میں شامل ہے اور وہ خود ایک واجب چیز ہے مگر نماز کے اندر اس کو شرط کر دیا گیا ہے اس واسطے کہ نماز کے معنی کی تکمیل اس پر موقوف ہے اور شارع نے اس کی دو حدیں قرار دی ہیں ایک تو وہ حد ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں اور نماز صحیح نہیں ہو سکتی اور ایک استحباب کی حد ہے پہلی حد مرد کے لیے پیشاب اور پائخانہ کا مقام ہے اور ان دونوں میں بھی پیشاب کا مقام بہت ہی زیادہ ضروری ہے اور دونوں رانیں بھی انہیں کے ساتھ ملحق ہیں اور عورت کے لیے اس کا تمام بدن ستر ہے اس واسطے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **لا تقبل صلوۃ حائض الا بخمار**. حائض یعنی بالغ عورت کی نماز بدون اوڑھنی کے قبول نہیں ہوتی اور ان کو دونوں مقاموں کے ساتھ اس واسطے ملحق کر دیا ہے کہ وہ بھی دونوں محل شہوت ہیں اور ایسے ہی تمام بدن عورت کا محل شہوت ہے اس وجہ سے وہ بھی انہیں کے ساتھ ملحق ہے۔ اور لباس مستحب کی نسبت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **لا یصلین احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقه منه شیئ وقال اذا کان واسعا فخالف بین طرفیه** ثم

میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں جس وقت کہ اس کے کاندھے پر وہ کپڑا بالکل نہ ہو نماز نہ پڑھے اور فرمایا ہے اگر کپڑے میں گنجائش ہو تو اس کے دونوں طرف ادھر اُدھر ڈال لے اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ تمام عرب اور عجم اور تمام وہ لوگ جن کا مزاج ٹھیک ٹھیک انسانیت پر ہے۔ علی اختلاف الاوضاع سب کا پورا لباس اور پوری ہیئت کی درستی اس میں ہوتی ہے کہ ان کی پشت اور کاندھے کپڑے سے ڈھک جائیں خواہ ان کے لباس کی کچھ ہی وضع کیوں نہ ہو قبا ہو یا قمیص ہو یا حلہ ہو یا کچھ ہو۔ اور ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے کسی نے ایک کپڑے کے اندر نماز پڑھنے کی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا کیا سب کے لیے دو کپڑے ہوا کرتے ہیں پھر حضرت عمرؓ سے دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا جب اللہ گنجائش دے تو گنجائش دینا چاہیے۔ میں کہتا ہوں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے حد اول کی نسبت دریافت کیا گیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول حد ثانی کا بیان ہے اور ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے حد ثانی کا ہی سوال کیا گیا ہو مگر آپؐ نے اس لحاظ سے کہ دو کپڑوں کا حکم دینے میں اگرچہ استحباب کے لیے ہے وہ شرط ہوں ایک قسم کا حرج ہے دو کپڑوں کا حکم نہیں دیا۔ اور یہ بھی تھا کہ جس شخص کو دو کپڑے میسر نہ ہوتے اپنے زعم میں نماز کے مکمل نہ ہونے کا اس کو خیال رہتا اور اس واسطے اس کی نماز غیر مکمل ہوتی اور جب حضرت عمرؓ نے یہ بات معلوم کر لی کہ احکام کے مقرر کرنے کا وقت تو گزر گیا ہے اور یہ معلوم ہو چکا تھا کہ نماز کے اندر لباس کی تکمیل مستحب ہے اس واسطے اس کے موافق یہ جواب دے دیا۔ واللہ اعلم۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی نسبت جس کا نماز پڑھنے میں ستر پیچھے کی جانب کو بندھا ہوا ہو۔ **انما مثل هذا مثل الذی یصلی وهو منکوف** .اس شخص کا حال ایسا ہے جس کے شانے بندھے ہوئے ہوں میں کہتا ہوں اس سے آپؐ نے یہ بات بتلا دی کہ صورت اور لباس اور شکل کا بگاڑ لینا کراہت کا موجب ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں نمازی کے واسطے ضروری ہے کہ جو چیز اس کی نماز میں خلل ڈالے اور اس سے دل بٹتا ہو خواہ اس چیز کی خوبصورتی سے یا نفس کے اترانے کی وجہ سے اس کو آپ سے علیحدہ کر دے تاکہ جو نماز سے مقصود ہے وہ پورے طور پر حاصل ہو سکے اور یہودی لوگ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز پڑھنے کو برا جانتے تھے اس لیے اس میں ایک قسم کی ترک تعظیم ہے کیونکہ بڑے لوگوں کے پاس جاتے وقت جوتوں کو اتار لیا کرتے ہیں چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے: **فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى** .اپنے جوتے اتار دے تو پاکیزہ میدان طویٰ میں ہے اور جوتے اور موزے کے اندر ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ لباس کی تکمیل اس پر موقوف ہے اس لیے حضور ﷺ نے یہود کی مخالفت کی وجہ سے قیاس اوّل کو ترک کر کے اور دوسرے قیاس کو ہمیشہ کے لیے جاری رکھا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **خالفوا الیهود فانهم لایصلون فی نعالهم وخفافهم** .یہود کی مخالفت کرو اس لیے کہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے ہیں پس صحیح یہ ہے کہ جوتا پہن کر نماز پڑھنا اور ننگے پیروں نماز پڑھنا برابر ہے اور آنحضرت ﷺ نے نماز کے اندر سدل کرنے سے منع فرمایا ہے اور سدل کے معنی میں اختلاف ہے بعض تو کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے اوپر ایک کپڑا اس طرح اوڑھ لے کہ ہاتھ بھی اس کے اندر ہی رہیں اور عنقریب آتا ہے اشتمال الصماء یعنی بدن پر اس طرح کپڑا لپیٹ لینا کہ ہاتھ اندر رہیں بدترین لباسوں کا ہے کیونکہ ہاتھوں کا چھوٹا ہوا رکھنا عادت انسانی اور اس کی طبیعت میں داخل ہے اور یہ ہیئت بالکل اس کے خلاف ہے۔ دوسرے اس کے اندر ستر کے کھلنے کا ہر وقت اندیشہ ہے کیونکہ بسا اوقات آدمی کو ہاتھ کھولنے کی ضرورت پڑتی ہے

اوراس سے ضرور ستر کھل جائے گا۔ اور بعض کے نزدیک سدل کے معنی یہ ہیں کہ اپنے اوپر کوئی کپڑا ڈال لے اور اس کے دونوں جانب چھٹے رہیں اس سے بھی وضع اور شکل میں نقصان ہوتا ہے اور ہیئت کے پورا اور مکمل ہونے سے ہماری یہ مراد ہے کہ جس کو عرف اور عادت میں یہ کہہ سکیں کہ جو چیز لباس وغیرہ میں ہونی چاہیے اس میں وہ سب موجود ہے کسی کی کمی نہیں ہے۔ اور سب کے لباس کی وضع جداگانہ ہے مگر سب لباسوں میں تلاش کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ پورا لباس ہر ایک فرقہ کے لیے ضرور ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے تو عرب کے دستور پر جو اس زمانہ میں ان کے لباس کا دستور تھا حکم دیا ہے۔

قبلہ کا بیان

جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو چھ یا سات مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرتے رہے پھر کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا اور یہ حکم ہمیشہ کے لیے مقرر ہوگیا میں کہتا ہوں اس کے اندر یہ بھید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شعائر اور اس کے گھروں کی لوگوں پر چونکہ تعظیم کرنی واجب تھی خاص کر اس عبادت میں جو سب عبادتوں اور سب ارکان اسلام کے اصل اور شعائر دین میں سب سے زیادہ نامی شعار ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے طالب ہونے کے لیے تقرب حاصل کرنے کی غرض سے کسی ایسی چیز کی طرف نماز میں توجہ کرنا جس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک طرح کی خصوصیت ہے باعث اجتماع خاطر اور خشوع کی حالت پر رغبت پیدا ہونے کا سبب ہے اور اقرب بحضور قلب ہے کیونکہ اس کی صورت ایسی ہے جیسے بادشاہ کے روبرو کھڑا ہو کر اپنی عرض معروض کر رہا ہے اس واسطے حکمت الٰہیہ کا مقتضی یہ ہوا کہ تمام شرائع کے اندر نماز میں قبلہ رُخ کھڑا ہونا شرط کیا جائے خواہ کوئی قبلہ ہو اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام اور جو ان کے دین کے لوگ تھے کعبہ کی طرف منہ کیا کرتے تھے اور حضرت یعقوبؑ اور ان کی اولاد کا قبلہ بیت المقدس تھا یہ اصل تمام شرائع کے اندر مسلم ہے پھر جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے اور اوس و خزرج اور یہود کے جو ان کے حلیف تھے آپؐ نے تالیف قلوب چاہی اور انہیں لوگوں نے آپ کی مدد کی اور وہی اول ایک امت ٹھہری جن سے اوروں کو نفع پہنچا اور مضر اور ان کے قریب کے لوگ بڑے دشمن تھے اور تمام دنیا سے زیادہ ان کو آنحضرت ﷺ سے بعد تھا۔ اس واسطے حضور ﷺ نے اپنے اجتہاد سے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا اس واسطے کہ عبادات میں اصل یہ ہے کہ جس امت میں رسول بھیجا گیا ہے اور جن لوگوں نے اس کی معاونت کی ہے اور جن کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے گواہ مقرر کیا ہے ان کے اوضاع اور طریقوں کا لحاظ کیا جائے اور وہ لوگ اس وقت میں اوس وخزرج ہی تھے اور یہود کے علوم کو وہ بہت ہی مانتے تھے ابن عباسؓ نے آیت: **فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ** کی تفسیر میں اس کو بیان کیا ہے اور کہا ہے یہ انصار کا گروہ تو بت پرست تھا اور جن لوگوں کے وہ ساتھی تھی یعنی یہود کے وہ اہل کتاب تھے تو یہ لوگ یہودیوں کو اپنے اوپر فضیلت سمجھتے تھے اور بہت سے کاموں میں ان کی اقتدا کرتے تھے الخ حدیث تک اور نیز شرائع کے اصول سے یہ بات ہے کہ ملل حقہ کے موافق ہوں بجز ان باتوں کے جو لوگوں نے اپنی طرف سے تحریفات اور تعمقات کر کے گھڑ رکھی ہیں اگر ایک ملت باقی اور ملل حقہ کے موافق ہوتی ہے تو لوگوں کے قلب اس سے اکھڑتے نہیں ہیں اور ایسے وقت میں ان کے اوپر اقامت حجت پورے پورے طور پر ہوسکتی ہے اور یہودی برابر آسمانی

کتاب کو بیان کرتے رہتے اور اس پر عمل کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کو محکم اور مضبوط کیا اور اس کی نسبت جو چیز زیادہ تر مصلحت کے موافق تھی اور قوانین تشریع کے اعتبار سے زیادہ تر پائیدار تھی نبی ﷺ کو اولاً قلب کے اندر القا فرما کر اس سے مطلع کر دیا اور اس کی وجہ سے آپ کو اس بات کی تمنا پیدا ہو گئی کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہو جائے اور آپ اسی آرزو میں تھے کہ حضرت جبرائیل یہ حکم لائیں۔ آسمان کی طرف منہ کر کے ادھر اُدھر دیکھا کرتے تھے اور پھر دوبارہ اللہ پاک نے قرآن کے اندر نازل فرما کر اس سے مطلع کر دیا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں میں مبعوث ہوئے جو ملت اسماعیلیہ پر چلتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ امر پہلے سے ہی مقدر تھا کہ وہی لوگ اس دین کے حامی اور مددگار ہوں گے اور رسولؐ کے بعد لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے گواہ وہی لوگ ہوں گے اور اس کی امت کے خلیفہ وہی بنیں گے اور یہودیوں سے قدر قلیل ہی ایمان لائیں گے اور عرب کے نزدیک کعبہ شعائر الٰہی میں سے ایک شعار ہے ان کے ادنیٰ اور اعلیٰ کے دل میں یہ بات سما رہی ہے اور کعبہ کی طرف منہ کرنا ان کا طریقہ برابر چلا آتا ہے پھر اس سے منہ پھیرنے کی کیا وجہ اور چونکہ قبلہ کو رُخ کرنا نماز کی صرف تکمیل کے لیے شرط ہے اور ایسی شرط نہیں ہے کہ نماز کا اصل نفع بدون اس شرط کے حاصل ہونا غیر ممکن ہو اس واسطے حضور ﷺ نے اس شخص کے متعلق جو تاریک رات میں اٹکل سے قبلہ کو کھڑا ہو کر نماز پڑھ لے اور فی الحقیقت اس کا منہ قبلہ کو نہ ہو اللہ پاک کا یہ فرمان پڑھ لیا۔ **فَأَيْنَمَا تُوَلُّوافَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ** جس طرف تم متوجہ ہو اللہ کی ذات وہیں ہے جس سے آپ نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ضرورت کے وقت اس طرح ان کی نماز جائز ہو جاتی ہے۔

سترہ کا بیان

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیه لكان ان يقف اربعین خیرا له من ان یمر بین یدیه** نماز پڑھتے ہوئے کے سامنے ہو کر جو شخص گزرتا ہے اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس پر کیا وبال لازم آتا ہے تو چالیس تک یعنی چالیس سال تک اس کو کھڑا رہنا اس کے سامنے ہو کر گزرنے سے بہتر معلوم ہو میں کہتا ہوں اس میں یہ بھید ہے کہ نماز شعائر الٰہی میں سے ہے اور اس کی تعظیم واجب ہے اور چونکہ نماز سے اس حالت کے ساتھ تشبیہ مقصود ہے جو غلام کو اپنے مولیٰ کے سامنے سکون اور خاموشی کے ساتھ خدمت کے لیے کھڑے ہوتے وقت ہوا کرتی ہے اس واسطے نماز کی ایک تعظیم یہ بھی مقرر کی گئی کہ کوئی گزرنے والا نمازی کے سامنے ہو کر نہ گزرے کیونکہ آقا اور اس کے غلاموں کے درمیان سے جو دست بستہ اس کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں گزرنا سخت بے ادبی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **ان احدکم اذا قام فی الصلوة فانما یناجی ربه بین القبلة** الحدیث' جب تم میں سے نماز کے لیے کوئی کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے عرض معروض کیا کرتا ہے اور اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ایک بات یہ بھی کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے سے اس کا دل اکثر ہٹ جاتا ہے۔ اسی واسطے نمازی کو اس کے ہٹا دینے کا استحقاق حاصل ہوتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ **فلیقاتله فانه شیطان** تو اس کو مار دینا چاہیے میں کہتا ہوں اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ منجملہ اور شروط کے نماز کی صحت کے لیے

ایک شرط یہ بھی ہے کہ سامنے سے وہ جگہ عورت اور گدھے اور کتے سے خالی ہو کیونکہ وہ شیطان ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **تقطع الصلوٰة المرأة والحمار والكلب الاسود** عورت اور گدھا اور سیاہ کتا نماز کو تباہ کر دیتے ہیں اور اس میں یہ بھید ہے کہ نماز سے مناجات اور رب العلمین کے روبرو کھڑا ہونا منظور ہوتا ہے اور عورت کے پاس ہو کر گزر جانا اور عورت کے ساتھ صحبت اور اختلاط ایسی چیزیں ہیں جو اس حالت کے بالکل خلاف حالت پیدا کرنے کے اکثر باعث ہوتی ہیں اور کتے کے شیطان ہونے کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں خاص کر سیاہ کتا کیونکہ اس کا مزاج تو اور کتوں سے بھی خراب ہوتا ہے اور گدھا بھی بمنزلہ شیطان کے ہی ہے کیونکہ بسا اوقات لوگوں کے سامنے اپنے مادہ سے وہ مشغول ہو جاتا ہے اور کبھی خود بھی اس کے آلہ کو حرکت ہوتی رہتی ہے۔ لہذا نماز کے اندر اس کا دیکھنا غالباً اس حالت کے اندر مخل ہوگا۔ جو نماز سے مقصود ہوتی ہے مگر حفاظ صحابہ اور فقہاء صحابہؓ نے جن میں سے حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو سعیدؓ وغیرہم بھی ہیں اس حدیث پر عمل نہیں کیا ہے اور انہوں نے اس حدیث کو منسوخ سمجھا ہے اگر چہ اس کی منسوخیت پر جو انہوں نے استدلال قائم کیا ہے اس میں کچھ کلام ہے اور یہ ان مواضع میں سے ایک ہے جن میں آنحضرتؐ سے دریافت کرنے کے دو مختلف طریقے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اذا وضع احدكم بين يديه مثل موخرة الرحل فليصل ولايبال بمن وراء ذلك** تم میں سے جب کوئی اپنے سامنے کجاوے کے پشتے کے برابر کوئی چیز رکھ لے تو پھر وہ نماز پڑھے۔ اور اس سے پرے جو کوئی گزرے اس کی کچھ پرواہ نہ کرے میں کہتا ہوں چونکہ مطلقاً گزرنے سے ممانعت کرنے میں حرج عظیم تھا اس واسطے آپ نے سترہ کے کھڑا کرنے کا حکم دیا تا کہ ظاہر میں نماز کی زمین سے علیحدہ ہو جائے اور پاس سے گزرنا بھی ایسا سمجھا جائے جیسے دور سے گزرنا۔

اُن امور کا بیان جو نماز کے اندر ضروری ہیں

معلوم کرو کہ نماز کے اندر تین چیزیں اصل ہیں دل سے اللہ کے سامنے پست ہو جانا۔ اور زبان سے اس کا ذکر کرنا اور بدن سے غایت درجہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا۔ یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ تمام امتوں کا اس بات پر کہ یہ چیزیں نماز کے اندر ہوتی ہیں اتفاق کر لیا ہے۔ اگر چہ ان کے ماسوا اور باتوں میں ان کے اندر باہم اختلافات ہیں اور نبی ﷺ نے اعذار کے وقت جہاں کہیں معافی دی ہے ان کے سوا میں دی ہے اور ان کے اندر کہیں معافی نہیں دی اور وتر کے اندر آپؐ نے فرمایا ہے: **وان لم تستطع فاوم ايما** اور اگر تجھ کو طاقت نہ ہو تو اشارہ کر لے اشارہ۔

اور آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ نمازی ان کے واسطے دو حدیں مقرر کی جائیں ایک تو وہ حد کی اس کے اندر کمی کرنے سے نماز سے عہدہ برائی نہ ہو سکے اور ایک وہ حد کہ جس سے نماز کامل اور پوری پوری مفید ہو سکے حد اوّل میں تو وہ باتیں ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی باقی رہ جائے تو نماز کا اعادہ کرنا واجب ہو اور وہ باتیں کہ ان کے ترک کرنے سے نماز میں نقص پیدا لازم آتا ہے اور اعادہ واجب نہیں ہوتا اور وہ باتیں کہ ان کے ترک کرنے سے تارک سخت ملامت کا مستحق ہوتا ہے اگر چہ نماز کے اندر نقص ہونے کا یقین نہیں ہوتا اور تینوں مراتب کے اندر فرق بہت مشکل ہے اور اس کے اوپر کوئی نص صریح یا اجماع نہیں ہے مگر کہیں برائے نام یہی وجہ

ہے کہ فقہاء کے اندر بہت بڑا اختلاف ہو پڑا اور اصل اس میں اسی شخص کے متعلق جس نے برے طور پر نماز پڑھی تھی تو آنحضرتؐ نے اس سے فرمایا **ارجع فصل فانك لم تصل مرتين او ثلثا** .لوٹ جا اور پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی دو مرتبہ ایسا ہوا یا تین مرتبہ پھر آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا: **اذا قمت الى الصلوة فاسبغ الوضوء ثم استقبل القبلة فكبر ثم اقراء بما تيسر معك من القرآن ثم اركع حتى تطمئن راكعاثم ارفع راسك حتى تستوى قائما ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا ثم ارفع حتى تطمئن جالسًا ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا ثم ارفع حتى تطمئن جالسا ثم افعل ذلك فى صلوتك كلها** .جب تو نماز کے لیے اٹھے تو پورا پورا وضو کر پھر قبلہ رو کھڑا ہو کر تکبیر کہہ۔ پھر تجھے جس قدر میسر ہو قرآن پڑھ پھر رکوع کر اتنا کہ اطمینان سے رکوع ہو جائے پھر اپنا سر اوپر کو اٹھا اتنا کہ بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر پھر سجدے سے اٹھ کر اطمینان کے ساتھ بیٹھ جا پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر پھر سجدہ سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جا اور اپنی تمام نماز میں اسی طرح کر اور ترمذی کی روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ: **فاذا فعلت ذلك فقد تمت صلوتك و ان انتقصت منها انتقصت من صلوتك** .پس تو نے جب یہ کیا تب تو تیری نماز پوری ہوئی اور اگر اس سے کچھ گھٹایا تو اپنی نماز میں سے تو نے گھٹا دیا۔ ترمذی نے بیان کیا ہے یہ نسبت پہلی روایت کے جس میں یہ زیادتی نہیں ہے اس روایت میں ان کے لیے آسانی ہے کیونکہ اس روایت کے موافق ان باتوں میں سے کسی بات کی کمی کرنے سے اگر چہ نماز ناقص ہوئی مگر ہو تو گئی یہ نہیں کہ بالکل نماز نہیں ہوئی۔

اور ایک حد اوّل میں وہ چیزیں داخل ہیں جن کو آنحضرت ﷺ نے رکنیت کے لفظ سے بیان فرمایا ہے جیسے آپؐ نے فرمایا ہے: **لاصلوة الابفاتحه الكتاب** .بغیر فاتحۃ الکتاب کے نماز نہیں ہوتی اور فرمایا ہے۔ **لايجزى صلوة الرجل حتى يقيم ظهره فى الركوع والسجود** .جب تک رکوع سجود میں آدمی کی پشت سیدھی نہ ہو جائے آدمی کی نماز پوری نہیں ہوتی اور ایک وہ باتیں داخل ہیں کہ جن کے ساتھ شارع نے نماز کو تعبیر فرمایا ہے کیونکہ اس سے ان چیزوں کے نماز کا رکن ہونے پر تنبیہ بلیغ پائی جاتی ہے جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **من قام رمضان** .اور فرمایا ہے: **فليركع ركعتين** .اور اللہ پاک فرماتا ہے: **وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ** .اور فرماتا ہے: **وَإِدْبَارَ السُّجُودِ** .اور فرماتا ہے: **قُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ** .اور ہر ایک وہ باتیں جن کو اس طور سے بیان کیا ہے کہ ان کا ضروری ہونا مفہوم ہوتا ہے جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **تحريمها التكبير و التحليها التسليم** .اور آپؐ نے فرمایا ہے: **فى كل ركعتين التحية** .اور تشہد کے بارے میں آپؐ نے فرمایا ہے: **اذا فعلت ذلك تمت صلوتك** .اور اسی طرح کی بہت سی احادیث ہیں اور ایک وہ امور اس میں داخل ہیں کہ نماز کے اندر اُن کے ضروری ہونے میں مسلمانوں کا اختلاف نہیں ہے اور برابر وہ امور اُن میں جاری رہے اور ترک کرنے والے پر ملازمت ہوتی رہی۔ الحاصل نبی ﷺ سے نماز کے اندر جو بالتواتر ثابت ہے اور امت کو برابر پہنچتا رہا ہے وہ یہ ہے کہ طہارت کرے اور ستر عورت کرے اس کے بعد کھڑا ہو اور منہ قبلہ کی طرف کرے اور خالص دل سے اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو کر زبان سے اللہ اکبر کہے اور سورہ فاتحہ پڑھ کر بجز فرض کے تیسری اور چوتھی رکعت میں کوئی سورت اور اس کے ساتھ نہ پڑھے پھر رکوع کرے۔ اور اس قدر جھک جائے کہ انگلیوں کی پوروں

سے گھٹنوں کو چھو سکے اور اطمینان سے رکوع کرے پھر رکوع سے سر اٹھا کر اطمینان کے ساتھ کھڑا ہو جائے پھر اعضائے ہشتگانہ کے ساتھ اطمینان کے ساتھ سجدہ کرے یعنی دونوں ہاتھ اور دونوں پیر اور دونوں گھٹنے اور منہ پھر سجدے سے سر اٹھا کر بیٹھ جائے پھر اسی طرح دوبارہ سجدہ کرے یہ سب ایک رکعت ہوئی پھر ہر دو رکعت کے بعد بیٹھ کر التحیات پڑھا کرے اور پھر جب اخیر رکعت ہو تو نبی ﷺ پر التحیات کے بعد درود پڑھے اور اس کے بعد کوئی دعا جو اس کو پسند ہو پڑھے اس کے بعد جو اس کے قریب فرشتے یا آدمی ہیں ان کے اوپر سلام کہے نبی ﷺ کی نماز یہ ہے بلا عذر کسی نماز فرض کے اندر یہ بات ثابت نہیں کہ ان امور میں سے آنحضرت ﷺ نے کوئی امر نماز میں ترک کیا ہو اور تمام صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد جتنے ائمہ مسلمین گزرے ہیں سب اسی طرح نماز پڑھتے تھے اور برابر سب یہ لوگ انہیں افعال کا نام نماز اور اس کو ضروریات دین میں سے کہتے چلے آئے ہیں۔ البتہ فقہا کا چند امور میں اس بات کے اندر اختلاف ہو گیا ہے کہ وہ آیا نماز کے ارکان ہیں۔ کہ بدون ان کے نماز کا کچھ اعتبار نہیں ہے یا نماز کے واجبات ہیں جن کے ترک کرنے سے نماز میں نقصان آ جاتا ہے یا اس کے اجزاء میں سے ہیں جن کے ترک کرنے سے تارک ملامت کا مستحق ہوتا ہے اور سجدہ سہو سے اس کا نقصان پورا ہو جاتا ہے اور اصل اس کی یہ ہے کہ دل کے اندر اللہ تعالیٰ کے لیے خضوع کا ہونا اور اس کی طرف توجہ کا بطور تعظیم اور رغبت اور خوف کے ہونا ایک پوشیدہ امر ہے خارج میں اس کے واسطے کوئی امر ہونا چاہیے جس سے اس کا انضباط ہو سکے اس لیے دو چیزوں کے اندر نبی ﷺ نے اس کو منضبط کیا ایک تو یہ کہ اپنا منہ اور بدن قبلہ کی طرف کر کے کھڑا ہوئے اور دوسرے یہ کہ زبان سے اللہ اکبر کہے اس واسطے کہ انسان کی جبلت میں یہ بات داخل ہے کہ جب اس کے دل میں کوئی بات جمتی ہے تو اس کی زبان اور تمام اعضاء اسی کے موافق حرکت کرتے ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ان فی جسد آدم مضغة** الحدیث آدمی کے بدن میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام بدن درست ہوتا ہے اخیر تک۔ اس لیے زبان اور باقی اعضاء کا فعل دل کی حالت پر قرینہ قویہ اور اس کا قائم مقام ہوتا ہے ایسی ہی چیز سے دلی حالت کا انضباط ہو سکتا ہے اور چونکہ جناب باری تعالیٰ جہت وغیرہ سے پاک ہے اس واسطے اس کے گھر کی طرف اور اس کی طرف جو اس کا بڑا شعار ہے توجہ کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کا قائم مقام ہوا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **مقبلا الی اللہ بوجه وقلبه** درانحالیکہ اپنے منہ اور دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو اور چونکہ اللہ اکبر کا لفظ دلی انقیاد اور دلی تعظیم پر بہت صاف صاف دلالت کرتا ہے۔ اس واسطے توجہ قلبی کے قائم مقام کرنے کے لیے کوئی لفظ اس سے زیادہ تر مناسب نہ تھا اور اس کے اندر اور وجوہ بھی پائے جاتے ہیں ازانجملہ یہ ہے کہ بیت اللہ کی تعظیم کی جہت سے اس کی طرف منہ کرنا واجب ہے مگر نماز کے ساتھ ساتھ اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ نماز سے اس کی تکمیل ہو جائے اور نماز کی اس سے ازانجملہ یہ ہے کہ قبلہ کو منہ کرنا دین حنفی کی بڑی مشہور پہچان ہے جس کی وجہ سے آدمی اوروں سے متمیز ہو سکتا ہے اس لیے ضروری ہوا کہ ایسی چیز اسلام کے اندر داخل ہونے کی علامت مقرر کی جائے اس وجہ سے ایک بڑی نامی اور عظیم الشان عبادت کے ساتھ اس کو مقرر کیا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **من صلی صلوتنا و استقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلك المسلم الذی له ذمة الله و ذمة رسوله** جو شخص ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کو منہ کرے اور ہمارے ذبیحہ کو کھالے تو وہ مسلمان ہے جس کا اللہ اور اس کا رسول ذمہ دار ہے۔ ازانجملہ یہ کہ کھڑا ہونا جب ہی تعظیم سمجھا جاتا ہے جب سامنے کو منہ کر کے

کھڑا ہو۔ ازانجملہ یہ ہے کہ ہر حالت کے لیے جو اور حالتوں سے احکام کے اندر جدا حالت ہو ایک ابتداء اور ایک انتہاء ہوا کرتی ہے اس کی نسبت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **تحریمها التکبیر و تحلیلها التسلیم** نماز کی تحریم اللہ اکبر کہنا ہے اور اس سے باہر آنا سلام پھیرنا ہے جسمانی تعظیم کے اندر اصل تین باتیں ہیں ایک تو سامنے کھڑا ہونا ایک رکوع اور ایک سجدہ اور عمدہ تعظیم وہ ہے جو سب کی جامع ہو اور خضوع کے لیے نفس کی تنبیہ مناسب طور پر اسی طرح ہو سکتی ہے کہ تعظیم کی ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف بتدریج انتقال کیا جائے اور اعلیٰ درجے کی تعظیم سجدہ کرنا ہے۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصود بالذات سجدہ ہے اور باقی قیام اور رکوع اس کے لیے واسطہ ہیں اس واسطے ضروری ہوا کہ اس کو کما حقہٗ ادا کیا جائے اور اس کی صورت یہی ہے کہ دو مرتبہ اس کو ادا کریں اور ایک ذکر الٰہی تھا اس کے اندر بھی وقت کا مقرر کرنا ضروری ہے اس لیے کہ وقت کی تعیین سے لوگوں کے دل اس چیز کو خوب مان لیتے ہیں اور دلوں کو جمعیت رہتی ہے اور پھر یہ جھگڑا بھی نہیں رہتا کہ ہر شخص اپنی رائے کے موافق چلے۔ خواہ اس میں بہتری ہو یا قباحت ہو اور ان کے حوالے اگر کیا ہے تو ادعیہ نافلہ کو کیا ہے جن سے علی العموم لوگ مخالف نہیں ہیں بلکہ جو سبقت چاہے وہ اسی کے لیے ہیں علاوہ بریں نبی ﷺ نے بدون تعیین اوقات کے ان کو بھی نہیں چھوڑا ہے اگرچہ وہ تعیین بطور استحباب کے ہے اور جب تعیین اوقات ضروری ٹھہری تو فاتحہ سے بڑھ کر کوئی چیز اس کے لیے مناسب نہیں ہے کیونکہ وہ ایک جامع دعا ہے اللہ تعالیٰ نے بندوں کی طرف سے گویا ان کو اس بات کی تعلیم کرنے کے لیے نازل فرمایا ہے کہ ہماری حمد وثنا اس طرح کیا کرتے ہیں اور اس طرح خاص ہم سے استعانت اور خاص ہمارے لیے عبادت کا اقرار کیا کرتے ہیں اور اس طرح وہ راستہ جو ہر قسم کی بہتری کا جامع ہو مانگا کرتے ہیں اور ان لوگوں کے طریقے سے جن پر ہمارا غصہ ہوا ہے اور جو گمراہ ہیں پناہ مانگتے ہیں اور بہتر دعا وہی ہوتی ہے جو جامع ہوتی ہے اور چونکہ دین کے اندر قرآن کی تعظیم اور اس کی تلاوت واجب ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی تعظیم کی صورت نہیں کہ جو اسلام کا رکن اعظم اور عبادات میں اصل اور شعائر دین میں بڑا نامی شعائر ہے اس کے اندر قرآن کو معین کیا جائے اور اس کی تلاوت خود ایک مستقل عبادت تھی جس سے نماز کی تکمیل اور اس کا اتمام متصور تھا۔ اس وجہ سے قرآن کی کسی سورت کا پڑھنا ان کے واسطے کیا گیا اس لیے کہ سورت ایک پورا کلام ہے جس کی بلاغت سے رسول اللہ ﷺ نے منکرین نبوت کو عاجز کر دیا دوسرے یہ کہ ہر صورت اپنی ابتداء اور انتہا کی وجہ سے ایک جدا کلام ہوتا ہے اور ہر سورت کا اسلوب جدا جدا ہے اور چونکہ نبی ﷺ نے بعض مرتبہ سورت کے ایک ٹکڑے کو بھی نماز میں پڑھا ہے اس لیے تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت کو بھی اس کے حکم میں داخل کیا ہے اور چونکہ کھڑا ہونا بھی قسم قسم کا ہے اور سب لوگ ایک طرح سے کھڑے نہیں ہوتے کوئی نیچے کو سر ڈال کر کھڑا ہوتا ہے کوئی جھک کر کھڑا ہوتا ہے اور عرف میں سب یہ کھڑے ہونے میں داخل ہے اس واسطے شارع کو جو انحناء یعنی جھکنا مقصود ہے اس کو قیام سے متمیز ہونے کی حاجت ہے لہٰذا رکوع کے ساتھ اس کو متمیز کر دیا جو اس قدر جھکنے کا نام ہے کہ انگلیوں کی پوریں گھٹنوں تک پہنچ جائیں اور چونکہ رکوع وسجدہ اسی وقت میں تعظیم پر دلالت کر سکتے ہیں کہ کچھ دیر آدمی اس حالت پر ٹھہرا رہے اور پروردگار عالم کے روبرو اپنے آپ کو پست کرلے اور اس کا دل اس حالت کے اندر اس تعظیم سے خبردار ہو جائے اس واسطے اس کو ایک رکن لازم قرار دیا گیا اور چونکہ سجدہ کرنا اور پیٹ کے بل لیٹ جانا اور جو ہیئتیں اس کے قریب قریب ہیں سب کے اندر سر کا زمین پر رکھنا پایا جاتا ہے مگر تعظیم صرف سجدہ کے اندر ہی پائی جاتی ہے اس واسطے کوئی مابہ الفرق مقرر کرنا

ضروری ہوا اور آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا: **امرت ان اسجد علی سبعة اداب** الحدیث' مجھ کو سات اعضا سے سجدہ کرنے کا حکم ہے اخیر تک۔ اور چونکہ جب آدمی سجدہ کرنا چاہتا ہے تو سجدہ تک پہنچنے کے لیے اس کو جھکنا ضرور ہوتا ہے اور وہ جھکنا رکوع نہیں ہوتا بلکہ صرف سجدہ میں پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اس لیے ضرورت ہوئی کہ رکوع اور سجدے میں ایک تیسرا فعل جو ان دونوں سے جدا ہے ان کے بیچ میں لایا جائے تا کہ رکوع سجدے سے اور سجدہ رکوع سے علیحدہ ہو کر ہر ایک مستقل عبادت ٹھہرے اور ہر ایک کے لیے نفس کا ارادہ جدا ہو تا کہ نفس کو ہر ایک کے اثر معلوم کرنے میں تنبیہ بھی جداگانہ پائی جائے اور وہ تیسرا فعل قومہ ہے۔ اور دو سجدے بھی آپس میں اسی وقت متمیز ہو سکتے ہیں کہ جب ایک تیسرا فعل ان کے درمیان میں حائل ہو جائے اس لیے دو سجدوں کے درمیان میں جلسہ مقرر کیا گیا اور چونکہ قومہ اور جلسہ بدون اطمینان کے ایک طرح کا کھیل ہے اور آدمی کے ہلکا پن پر دلالت کرتا ہے جو شانِ عبادت کے بالکل خلاف ہے لہٰذا ان دونوں کو بھی اطمینان کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا اور چونکہ نماز سے طہارت کو زائل کر کے باہر آنا یا اور کوئی اس قسم کا فعل کر کے نماز سے باہر آنا جو نماز کا فاسد اور باطل کرنے والا ہو ایک قبیح اور مستنکر اور تعظیم کے منافی تھا اور ایسے فعل کا ہونا بھی ضرور تھا جس پر نماز کا اتمام ہو جائے اور جو افعال نماز کے اندر حرام تھے وہ حلال ہو جائیں اور اگر وہ کوئی خاص فعل مقرر نہ کیا جاتا تو ہر شخص اپنی اپنی خواہش پر چلنے لگتا لہٰذا ضرور ہوا کہ ایسے ہی کلام سے نماز سے باہر آیا کریں جو لوگوں کے کلام میں بہترین کلام ہو یعنی سلام اور یہ بات واجب کر دی جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **و تحليلها التسليم**۔ اور اس سے باہر آنا سلام پھیرنا ہے اور صحابہؓ نے اس بات کو پسند کیا تھا کہ سلام سے قبل یہ پڑھا کرتے تھے **السلام علی الله قبل عباده السلام علی جبرائيل السلام علی فلان** اللہ کے اوپر اس کے بندوں سے پہلے سلام جبرائیل کے اوپر سلام فلاں کے اوپر سلام تو آنحضرت ﷺ نے التحیات کے ساتھ اس کو بدل دیا اور اس بدلنے کی وجہ بھی آپؐ نے اس طور پر بیان فرمائی: **لاتقولو السلام علی الله فان الله هو السلام** یہ مت کہو کہ اللہ کے اوپر سلام کیونکہ اللہ تعالیٰ کا تو نام ہی سلام ہے یعنی سلامتی کی دعا اس شخص کے لیے مناسب ہے کہ باعتبار ذات کے عدم اور اس کے لواحق سے وہ سالم نہ ہو پھر نبی کے واسطے آپؐ نے سلام کو مقرر کیا تا کہ نبی کی یاد دل سے نہ بھلائیں اور اس کی رسالت کا اقرار کرتے رہیں اور کچھ کچھ اس کا حق بھی ان سے ادا ہو جائے پھر اس قول میں **السلام علینا و علی عباد الله الصالحين** ہم پر سلام اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام' سلام کی تعمیم کر دی اور آپؐ نے فرمایا ہے جب بندے کی یہ زبان سے نکلا تو ہر نیک بندے کو جو آسمان و زمین میں ہے یہ پہنچ جائے گا پھر تشہد کا حکم دیا کیونکہ وہ اعظم الاذکار ہے اور فرمایا کہ پھر جو اس کو پسند ہو وہ دعا کرے۔ یہ اس واسطے کہ نماز سے فارغ ہونے کا وقت دعا کرنے کا وقت ہے کیونکہ نماز پڑھنے کی وجہ سے رحمت الٰہی اس پر چھا جاتی ہے اور ایسی حالت میں دعا مستجاب ہوا کرتی ہے اور دعا کے آداب میں سے پہلے جناب باری کی حمد و ثنا کرنا اور نبی ﷺ کا توسل کرنا ہے تا کہ مستجاب ہو جائے۔ پھر اس پر تعیین ہو گیا اور تشہد نماز کے لیے رکن ٹھہر گیا کیونکہ اگر یہ امور نہ پائے جائیں تو نماز سے آدمی ایسے فارغ ہوا کرے جس طرح کسی کام سے اعراض کرنے والا تمام کر چکتا ہے یا اس کے تمام کرنے سے اس کو ندامت ہوتی ہے اور اس مقام کے متعلق بہت سے وجوہ ہیں بعض ظاہر اور بعضے پوشیدہ انہیں وجوہ مذکورہ کو کافی سمجھ کر ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ الاصل جو شخص ہمارے کلام میں فکر کرے گا اور جو قواعد سابقاً ہم نے بیان کیے ہیں ان کا خیال کرے

گا تو اس کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ نماز اس طرح ہونی مناسب تھی اور اس کے سوا کوئی بہتر اور کامل صورت نماز کی عقل کے تصور میں نہیں آ سکتی اور یہ اس کو یقین ہو جائے گا کہ غنیمت حاصل کرنے والے کے لیے نماز ایک غنیمت کبریٰ ہے اور چونکہ تھوڑی سی نماز کا کچھ معتد بہا فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اور بہت سی نماز لوگوں پر بہت گراں ہوتی اور ان کو ادا کرنا دشوار پڑ جاتا ہے اس واسطے حکمت الٰہیہ کا مقتضی ہوا کہ کم از کم دو رکعت ان کے لیے مقرر کی جائیں۔ پس دو رکعت نماز کا کم درجہ قرار پایا اسی واسطے نبی ﷺ نے فرمایا ہے **فی کل رکعتین التحیة**. ہر دو رکعت کے بعد التحیات ہے اور یہاں ایک بڑا بھاری بھید ہے وہ یہ ہے کہ تمام حیوانات اور نباتات کے اشخاص اور افراد کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ ہر فرد کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں اور وہ دونوں ملا کر ایک شئے کردی جاتی ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے۔ **والشفع والوتر** . اور جفت کے اور طاق کے حیوان کی دو طرفین تو معلوم ہی ہوتی ہیں اور بسا اوقات ایک طرف کو کچھ مرض وغیرہ لاحق ہو جاتا ہے اور دوسری طرف اس سے محفوظ رہتی ہے جیسے فالج کے اندر اور نباتات کے اندر گٹھلی اور تخم کی دو طرف ہوتی ہیں اور جب شروع شروع کوئی درخت اُگتا ہے تو دو ہی پتے نمودار ہوتے ہیں۔ یہ ہر ایک پتہ انہیں دونوں گٹھلی اور تخم کی ایک ایک طرف کی میراث ہوتا ہے پھر اسی طور سے ان کا نشو و نما ہو جاتا ہے جناب باری کا یہی قانون عالم خلق سے عالم تشریع کی طرف خطیرۃ القدس کے اندر منتقل ہوا کیونکہ تدبیر خلق کی فرع ہے اور پھر خطیرۃ القدس سے نبی ﷺ کے قلب میں اس کا انعکاس ہوا۔ پس اصل نماز ایک رکعت ہے اور تمام نمازوں میں دو رکعت سے کم کوئی نماز نہیں مقرر کی گئی اور وہ دو رکعتیں باہم بمنزلہ ایک چیز کے کردی گئی ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے۔ **فرض اللہ الصلوٰة حین فرضھا رکعتین رکعتین فی الحضر والسفر فاقرت صلوٰة السفر و زید فی صلوٰة الحضر و فی روایة. الا المغرب فانھا کانت ثلثا** . اللہ پاک نے جب نماز کو مقرر فرمایا ہے حضر و سفر میں دو دو رکعت مقرر فرمایا ہے پھر سفر کی نماز بدستور رہی اور حضر کی بڑھادی گئی اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ بجز مغرب کے کہ وہ تین ہی رکعت تھیں۔ میں کہتا ہوں عدد رکعات کے اندر اصل یہ ہے کہ فرض جو کسی صورت میں ساقط ہی نہ ہو سکے وہ گیارہ رکعتیں ہیں اور یہ اس واسطے کہ حکمت الٰہیہ اس بات کی مقتضی ہوئی کہ دن و رات میں کوئی عدد مبارک متوسط درجہ کا مقرر ہونا چاہیے کہ نہ تو وہ بہت ہو جو تمام مکلفین پر اس کا ادا کرنا دشوار ہو جائے۔ اور نہ بہت کم ہو کہ جس کے سبب سے نماز کا فائدہ حاصل نہ ہو سکے۔ اور سابق میں یہ بات تم کو معلوم ہی ہو چکی ہے کہ تمام اعداد میں سے گیارہ کا عدد وتر حقیقی کے ساتھ زیادہ تر مشابہت رکھتا ہے۔ پھر جب نبی ﷺ نے ہجرت فرمائی اور اسلام کو استحکام ہو گیا اور بہت سے لوگ اس کے خادم ہو گئے اور عبادات کا شوق لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گیا تو چھ رکعتیں اور بڑھادی گئیں اور سفر کی نماز بدستور باقی رہی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادتی اگر کسی چیز کی کی جائے تو اصل شئے کے برابر یا اس سے زیادہ ہونا اس کا بالکل غیر مناسب ہے اس لیے یہ مناسب ہوا کہ اول عدد پر اس کا نصف بڑھادیا جائے مگر گیارہ کا نصف پورا عدد نہیں ہو سکتا اس لیے یا تو پانچ کی زیادتی کی جاتی یا چھ کی مگر گیارہ پر پانچ زیادہ کرنے سے پورا عدد طاق نہیں رہتا بلکہ جفت ہوتا ہے اس لیے چھ کی زیادتی لامحالہ کرنی ضرور ہوئی اب باقی رہا اوقات کے اوپر اس پورے عدد کا تقسیم کرنا تو اس کا انبیاء سابقین کے آثار پر مدار رکھا گیا ہے جیسا کہ اخبار میں مذکور ہے اور نیز مغرب چونکہ سب نمازوں سے آخر کی نماز ہے اس لیے کہ عرب کے لوگ راتوں کو دنوں سے پہلے شمار کیا کرتے ہیں اس واسطے مناسب ہے کہ وہ

ایک عدد جس نے پورے عدد کو طاق بنا دیا ہے وہ اسی میں پایا جائے اور مغرب کے وقت میں چونکہ گنجائش کم ہوتی ہے اس واسطے مغرب کے اندر بڑھانا مناسب نہ تھا اور فجر کا وقت سونے کا اور کسل کا وقت ہے اس لیے عدد رکعات میں اس کے اندر زیادتی نہیں کی گئی بلکہ جس سے ہو سکے اس کے لیے طول قرأت مستحب کر دیا گیا۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتے ہیں **وَقُرْآنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا** اور فجر کو قرآن کا پڑھنا بلا شبہ فجر کا قرآن پڑھنا روبرو ہوتا ہے۔

نماز کے اذکار اور اس کی ہیئات مستحبہ کا بیان

معلوم کرو کہ نماز کی اس حد کو جس سے نماز پورے طور پر کامل ادا ہوتی ہے اس حد پر جو نماز کے اندر ضروری ہے دو وجہ سے زیادتی ہے۔ **بالکیف** اور **بالکم** بالکیفیت سے ہماری مراد اذکار اور ہیئات ہیں اور اپنے نفس کو اس بات پر مجبور کرنا کہ حضور قلب کے ساتھ بائیطور کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے نماز پڑھے اور وسوسوں کو پاس نہ آنے دے اور جو مکروہ ہیئیتیں ہیں ان سے احتراز کرے اور اسی قسم کی اور باتیں ان سب سے نماز کو بالکیفیت اور نماز پر زیادتی ہوتی ہے اور بالکمیت زیادتی کی صورت یہ ہے کہ نماز کے ساتھ نوافل اور زیادہ کر دے اور ان شاء اللہ تعالیٰ بعد کو ہم نوافل کا ذکر کریں گے اور اصل اذکار کے اندر فی الجملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور استفتاح یعنی قرآن پڑھنے سے قبل کچھ دعا پڑھنے میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہ اور جبیر بن مطعم اور ابن عمرو غیر ہم رضی اللہ عنہم کی احادیث اصل ہیں اور باقی مواضع میں حضرت عائشہ صدیقہ اور ابن مسعود اور ابو ہریرہ اور ثوبان اور کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہم سے احادیث مروی ہیں اور ان کے سوا اور لوگوں سے بھی جن کا ہم مفصلاً ذکر کریں گے احادیث مروی ہیں اور نماز کی ہیئت کے اندر اصل ابی حمید ساعدی کی حدیث ہے جس کو انہوں نے دس اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو روایت کیا۔ اور انہوں نے اس کو تسلیم کیا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور وائل بن حجر سے بھی فی الجملہ اس میں روایت ہے اور ابن عمرؓ سے رفع یدین کی حدیث ہے اور اُن کے سوا اور لوگوں سے بھی حدیثیں مروی ہیں جن کا عنقریب ہم ذکر کرتے ہیں۔ ہیئات مستحبہ کا دارومدار چند باتوں کے اُوپر ہے ایک تو خضوع کے معنی کا متحقق ہونا اور تمام بدن کا جناب باری کے سامنے سکوڑ لینا اور نفس کو ایسی حالت پر متنبہ کرنا جو ادنیٰ لوگوں کو بادشاہوں کے حضور میں عرض معروض کرتے وقت دہشت اور ہیبت کی حالت طاری ہوتی ہے مثلاً دونوں قدموں کا برابر رکھنا اور دست بستہ کھڑا ہونا اور نظر کو پست کرنا اور ادھر اُدھر نہ دیکھنا۔ اور ایک اللہ تعالیٰ کے ذکر اور ماسوا پر اس کے اختیار کر لینے کی حالت کو اپنے ہاتھ انگلیوں سے دل میں آتے وقت اور زبان سے کہتے وقت اور انگشت شہادت سے اشارہ کرنا تا کہ ایک دوسرے کے لیے معاون ہو جائے اور ایک اُن ہیئتوں کا عمل میں لانا جو وقار اور عادات حسنہ پر دلالت کرتی ہیں اور ذی عقل لوگ ان کو پسند کرتے ہیں اور غیر ذوی العقول کی طرف ان ہیئتوں کو منسوب کرتے ہیں۔ احتراز کرنا۔ جیسے مرغ کی طرح ٹھونگ مارنا اور کتے کی طرح بیٹھنا اور لومڑی کی طرح زمین پر لیٹ رہنا اور اونٹ کی طرح بیٹھنا اور درندوں کی طرح ہاتھ زمین پر بچھا دینا اور ایسی ہی وہ ہیئتیں جو متکبر لوگوں یا ان لوگوں کی ہوتی ہیں جن پر عذاب نازل ہوا ہے ان سے بھی احتراز کرنا مثلاً کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا اور ایک یہ کہ عبادت اطمینان اور سکون اور آسانی کے ساتھ ادا کی جائے۔ جیسے دونوں سجدوں کے بعد جلسہ استراحت یا قعدہ اولیٰ میں داہنے پیر کا کھڑا کرنا

اور بائیں کالٹالینا کیونکہ کھڑے ہونے کے لیے اس میں آسانی ہے اور قعدہ ثانیہ کے اندر چوتڑ ٹیک کے بیٹھنا اس واسطے کہ آرام اس میں زیادہ ہے۔ اذکار کا مدار بھی چند باتوں پر ہے ایک تو اس خضوع پر جس کے لیے اعضاء کا فعل موضوع ہے نفس کو متنبہ کرنے کے لیے بیدار کرنا جیسے رکوع اور سجود کے اذکار اور ایک آواز سے اللہ کا ذکر کرنا تا کہ لوگوں کو امام کا ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونا معلوم ہو جائے جیسے ہر دفعہ جھکتے اور اٹھتے اللہ اکبر کہنا اور ایک یہ کہ نماز کی کوئی حالت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی نہ رہے جیسے تکبیرات اور قومہ اور جلسہ کے اذکار ہیں۔

پس جب آدمی اللہ اکبر کہے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے تا کہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے وہ دست بردار ہو کر خیر مناجات میں آ گیا اور کانوں تک خواہ مونڈھوں تک ان کو اٹھائے اور ہر ایک سنت ہے اس کے بعد داہنے ہاتھ کو بائیں پر رکھے اور دونوں قدم برابر برابر رکھے اور سجدہ کی جگہ پر تعظیماً اپنی نگاہ جھکائے رکھے تا کہ اجتماع خاطر کے ساتھ اجتماع اعضاء کا بھی پایا جائے اس کے بعد دعاے استفتاح پڑھے تا کہ حضور قلب پیدا ہو اور مناجات کی طرف اس کا میلان ہو اور کئی طرح سے یہ دعا صحیح صحیح وارد ہوئی ہے ازانجملہ یہ ہے: **اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَایَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَد**. میں کہتا ہوں برف اور اولے سے دھونے سے مراد گناہوں کا دُور کرنا اور اس کے ساتھ اطمینان اور تسکین کا کرنا مراد ہے اور عرب کہا کرتے **برد و قلبه** یعنی اس کا دل مطمئن ہو گیا اور **اتاہ الثلج** یعنی اس کو یقین آ گیا۔ اور ازانجملہ یہ ہے: **وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰالِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ**. اور ایک روایت میں: **وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ** ہے۔ ازانجملہ یہ ہے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰی جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا تین دفعہ **وَالْحَمْدُلِلّٰهِ كَثِيْرًا** تین دفعہ و **سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا** تین دفعہ۔ اس کے بعد شیطان سے پناہ مانگے اس واسطے کہ اللہ پاک فرماتا ہے: **فَاِذَا قَرَاءْتَ الْقُرْآن فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ**. پھر جب تو قرآن پڑھے تو اللہ کے ساتھ شیطان رجیم سے پناہ مانگ میں کہتا ہوں بھید اس میں یہ ہے کہ شیطان جو آدمی کو ضرر پہنچاتا ہے سب سے زیادہ اس کا یہ ضرر پہنچانا ہے کہ کتابِ الٰہی کے اندر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تاویلات کرنے کے وسوسے ڈالتا ہے۔ یا اس کتاب کے اندر اس کو فکر نہیں کرنے دیتا اور تعوذ کئی طرح سے مروی ہے ازانجملہ **اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ**. اور ازانجملہ **استعيذ بالله من الشيطان الرجيم**. اور ازاں جملہ **اعوذ بالله من الشيطان من نفحه و نفثه وهمزه**. اور اس کے بعد آہستہ سے بسم اللہ پڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے واسطے قرآن پڑھنے سے پہلے اپنے نام سے برکت حاصل کرنے کو مقرر فرمایا ہے علاوہ بریں بسم اللہ کے پڑھ لینے میں احتیاط بھی ہے کیونکہ اس کے جز فاتحہ ہونے میں مختلف روائتیں آئی ہیں اور آنحضرت ﷺ سے حدیث صحیح اس بات میں مروی ہے کہ آپ نماز کو یعنی قرأت کو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کیا کرتے تھے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کو آواز سے نہ پڑھتے تھے میرے نزدیک اگر آپ نے بعض اوقات میں اس ارادہ سے بسم اللہ کو بالجہر پڑھا ہو کر لوگ نماز کی سنت کو

معلوم کرلیں تو کچھ بعید نہیں ہے اور ظاہر تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ اذکار اپنے خاص خاص صحابہ ؓ کو تعلیم فرمایا کرتے تھے اور یہ اذکار ایسے نہ ہوتے تھے جس کا تمام لوگوں سے مطالبہ کیا جاتا اور ان کے ترک سے تارک پر ملامت کی جاتی امام مالک رحمہ اللہ کے قول کی میرے نزدیک یہی تاویل ہے اور ابوہریرہؓ کے اس قول سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے انہوں نے بیان کیا ہے کہ تکبیر اور قرأت کے اندر نبی ﷺ کس قدر سکوت کیا کرتے تھے تو میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ قرأت اور تکبیر کے اندر جو آپ سکوت کرتے ہیں اس میں آپ کیا پڑھا کرتے ہیں۔ اس کے بعد سورہ فاتحہ اور قرآن کی ایک اور کوئی سورت ترتیل کے ساتھ پڑھے یعنی جہاں مد کا موقع ہے وہاں مد ادا کرے اور جہاں آیت تمام ہو وہاں ٹھہر جائے۔ ظہر اور عصر کی نماز میں قرآن آہستہ پڑھے۔ اور فجر کی نماز میں اور مغرب اور عشاء کی دو پہلی رکعت میں امام قرآن کو آواز سے پڑھے اور مقتدی پر واجب ہے کہ چپ کھڑا رہے اور قرآن کو سنتا رہے پھر اگر امام جہر سے پڑھتا ہے تو جب وہ سکوت کیا کرے اس وقت وہ پڑلیا کرے اور اگر آہستہ پڑھ رہا ہے تو مقتدی کو اختیار ہے اگر مقتدی پڑھے تو سورت کو پڑھ لے مگر اس طرح سے پڑھے کہ امام اس کے پڑھنے سے اپنا پڑھنا نہ بھول جائے اور میرے نزدیک سب سے بہتر یہ قول ہے اور تمام احادیث کی تطبیق اس کے موافق ہو سکتی ہے اور اس میں بھید وہی ہے جس کی تصریح کردی گئی ہے کہ امام کے ساتھ آواز سے قرآن پڑھنا امام کی تشویش کا باعث ہوگا اور اس کی وجہ سے قرآن کے اندر تدبر نہ ہو سکے گا اور قرآن کی تعظیم کے خلاف ہے اور شارع نے یہ حکم نہیں دیا کہ آہستہ پڑھیں اس واسطے کہ جب تمام لوگ صحیح صحیح حروف ادا کرنے کی کوشش کریں گے تو سب کی آوازوں سے ایک آواز پیدا ہوگی جو امام کے لیے موجب تشویش خاطر ہوگی اور اس کو قرآن پڑھنا مشکل پڑ جائے گا اس واسطے تشویش پیدا کرنے سے آپؐ نے نہی فرمادی اور جو چیز منہی عنہ کی طرف مودی ہو اس کا آپؐ نے حکم نہیں دیا اور ان کو اختیار دے دیا کہ جس سے ہو سکے وہ کرے اور اُمت کے حق میں یہ بڑی رحمت ہے ظہر اور عصر کی نماز میں قرآن کے آہستہ پڑھنے میں یہ بھید ہے کہ دن میں بازاروں اور گھروں کے اندر شور وشعب رہتا ہے اور ان دو وقتوں کے سوا اور اوقات میں اوروں کو سکون ہو جاتا ہے اور لوگوں کو نصیحت اور تذکر بالجہر پڑھنے میں زیادہ تر ممکن ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: **اذا امن الامام فامنوا فانه من وافق تامينه تامين الملائكة غفرله ماتقدم من ذنبه** جس وقت امام آمین کہے تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ مل جاتی ہے اس کے سب اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے وہاں فرشتے مشتاق ہو کر موجود ہوتے ہیں اور جب وہ لوگ دعائیں کرتے ہیں وہ آمین کہتے جاتے ہیں کیونکہ ملاء اعلیٰ سے ان کے اوپر اس بات کا القا ہو جاتا ہے اور اس میں امام کا اقتداء ظاہر ہوتا ہے اور پیروی کا طریقہ قائم ہوتا ہے آنحضرت ﷺ سے دو سکوت بھی مروی ہیں۔ ایک تو تکبیر اور قرأت کے اندر سکوت تاکہ اس عرصہ میں تمام لوگ تکبیر تحریمہ کر لیں اور ایک سورہ فاتحہ اور دوسری سورت کے درمیان میں سکوت کرنا اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بلا تشویش اور بلا ترک انصات سکوت مقتدیوں کو قرآن کا پڑھنا آسان ہو میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ سے اصحاب سنن نے جو حدیث روایت کی ہے اس سے صراحتاً دو سکوت جو مقتدیوں کے پڑھنے کی غرض سے امام کو کرنا چاہیے نہیں ثابت ہوتا ہے بلکہ جن کے نزدیک امام کو آہستہ سے آمین کہنی چاہیے ان کے نزدیک بنا ء سکوت اسی آمین کہنے کے لیے تھا اور جو آواز سے آمین کہنے کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ سکوت

فاتحہ اور آمین کے درمیان میں ایک سکتہ لطیفہ تھا تا کہ غیر قرآن کا قرآن کے ساتھ اشتباہ لازم نہ آئے یا یہ سکتہ اس لیے تھا کہ دم ٹھکانے سے آجائے اور علی سبیل التنزل ہم کہتے ہیں کہ قرن اوّل کا اس کو نئی بات سمجھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سنت مستقرہ نہیں ہے اور نہ ان سنن میں ہے کہ جمہور نے اس پر عمل کیا ہو۔ واللہ اعلم

فجر کی نماز کے اندر ساٹھ سے سو آیت تک پڑھنا اولیٰ ہے تا کہ رکعات کی کمی کا طول قرأت سے تدارک ہو جائے دوسرے یہ کہ ہنوز اشغال معاشیہ کی کدورت کا اس کے دل میں استحکام نہیں ہے پس اس وقت میں قرآن کے اندر فکر اور تدبیر کرنے کو بہت غنیمت جانے اور عشا کی نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى اور ان کے قریب قریب سورتیں پڑھنی چاہئیں اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا قصہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کے نفرت دلانے سے ناراض ہونا مشہور ہی ہے اور بعض روایات کے موافق تو ظہر کی نماز فجر پر اور عصر کی عشا پر محمول ہے اور بعض کے موافق ظہر کی عشا پر اور عصر کی مغرب پر محمول ہے مغرب کی نماز میں قصار مفصل کا پڑھنا چاہیے کیونکہ وقت میں گنجائش کم ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص خاص اوقات میں خاص خاص مصلحتوں کے لحاظ سے نماز میں کبھی طول قرأت اور کبھی تخفیف کیا کرتے تھے اور لوگوں کو تخفیف کرنے کا آپ نے اس واسطے حکم دیا ہے کہ ان میں کوئی ضعیف بھی ہوتا اور کوئی مریض ہوتا ہے اور کسی کو کچھ ضروری کام ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات کے لیے بعض سورتوں کو اور بعض کے لیے کو پسند فرمایا ہے اور اس میں حکمتیں ہیں مگر ان نمازوں میں انہیں سورتوں کا پڑھنا کچھ واجب یا سنن مؤکدہ کے قبیلہ سے نہیں ہے جو ایسا کرے تو بہت ہی اچھا ہے۔ ورنہ کچھ حرج نہیں ہے مثلاً عید الضحیٰ اور عید الفطر میں آپ سورۂ قٓ اور اقتربت پڑھا کرتے تھے کیونکہ ان کا اسلوب بہت ہی عجیب ہے اور باوجود نہایت انتصار کے عامہ مقاصد قرآنی پر یہ سورتیں مشتمل ہیں۔ اور لوگوں کے اجتماع کے وقت ایسی ہی چیز کی ضرورت ہے یا کبھی تخفیف کے قصد سے سبح اسم اور ھل اتک پڑھا کرتے تھے اور دوسرے ان کا اسلوب بہت ہی نادر ہے اور جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ اور منافقون پڑھا کرتے تھے کیونکہ ان سورتوں میں ایک طرح کی مناسبت اور تحذیر پائی جاتی ہے اور جمعہ کے اندر منافقین اور ہر قسم کے لوگ اکٹھے ہوا ہی کرتے ہیں جو اور روزوں میں نہیں ہوتے اور جمعہ کے روز نماز فجر میں الم تنزیل اور ہل اتی پڑھا کرتے تھے تا کہ قیامت اور اس کے واقعات لوگوں کو یاد آجائیں اور چار پائے جمعہ کے روز قیامت کے انتظار میں کان کھڑے رکھتے ہیں اسی طرح بنی آدم کو بھی مناسب ہے کہ اس دن سے ڈرتے رہیں اور جب قرآن پڑھنے والا سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ۔ پڑھے تو اس کو کہنا چاہیے۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى اور جو شخص اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ ۔ پڑھے تو اس کو کہنا چاہیے بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ اور جو شخص اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ۔ پڑھے اس کو کہنا چاہیے۔ بلٰی اور جو شخص پڑھے فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ اس کو کہنا چاہیے اٰمنا باللّٰہ ۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں ادب اور مسارعت الی الخیر پائی جاتی ہے۔

پھر جب رکوع میں جانا چاہے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک خواہ کانوں تک اٹھائے اور اسی طرح اس وقت جب رکوع سے سر اٹھا کر کھڑا ہوئے رفع الیدین کرے اور سجدے میں ایسا نہ کرے۔ میرے نزدیک اس میں یہ بھید ہے کہ رفع یدین ایک تعظیمی فعل ہے جس سے نفس کو ان اشغال کے چھوڑنے پر جو نماز کے منافی ہیں اور حیز مناجات میں داخل ہونے پر تنبیہ ہو جاتی ہے اس

واسطے تعظیمات ثلثہ میں سے ہر فعل کی ابتدا رفع یدین سے مقرر کی گئی تا کہ از سر نو ہر دفعہ نفس کو اس فعل کے ثمرہ یعنی تعظیم پر متنبہ ہوتا رہے اور یہ ان ہیئات کے قبیلہ سے ہے کہ کبھی تو آپ نے اس کو کیا ہے اور کبھی ترک کیا ہے مگر دونوں سنت ہیں اور ہر ایک کو صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کی ایک ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

رفع یدین کا مسئلہ منجملہ ان مسائل کے ہے جن میں اہل مدینہ اور کوفہ کا اختلاف ہے اور ہر ایک قول کے لیے دلیل ہے اور ایسے مسائل میں میرے نزدیک حق یہ ہے کہ سب سنت ہیں جیسے وتر کے اندر ایک رکعت پڑھنا یا تین رکعت پڑھنا اور جو شخص رفع یدین کرتا ہے میرے نزدیک اس شخص سے جو رفع یدین نہیں کرتا اچھا ہے کیونکہ رفع یدین پر جو حدیثیں دلالت کرتی ہیں وہ زیادہ بھی ہیں اور ثابت بھی خوب ہیں مگر ایسی صورت میں مناسب نہیں ہے کہ تمام شہر والوں کا فتنہ اور شور اپنے اوپر لے لے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ہے: **لو لاحد ثان قومك بالكفر لنقضت الكعبة** الحدیث۔ تیری قوم نومسلم نہ ہوتی تو میں کعبہ کو منہدم کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد کے موافق بناتا اور کچھ بعید نہیں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے خیال کیا ہو کہ اخیر سنت متقررہ پر رفع یدین کا ترک کرنا ہے۔ اس خیال سے کہ نماز کا مدار اعضاء کے سکون پر ہے اور ان کو یہ بات معلوم نہ ہوئی ہو کہ رفع یدین ایک تعظیمی فعل ہے اور اسی وجہ سے نماز کی ابتداء اُس سے کی گئی ہے یا انہوں نے یہ سمجھا ہو کہ رفع یدین ایسا فعل ہے جس سے کسی چیز کا ترک معلوم ہوتا ہے اس واسطے اثناء نماز میں اس کا ہونا نامناسب ہے اور یہ بات اُن کی سمجھ میں نہ آئی ہو کہ نماز کے اندر جتنے افعال مقصود بالذات ہیں اُن سب کے شروع میں بار بار نفس کو ماسوا کے ترک پر متنبہ کرنا منظور ہے۔ واللہ اعلم۔ اور سجدے میں جاتے وقت رفع یدین کے نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قومہ اسی واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ رکوع اور سجدے میں فارق ہو جائے تو قومہ کے وقت رفع یدین کرنا فی الحقیقت وہ رفع یدین سجدے کے لیے ہے پھر دوبارہ اس کا کرنا لا حاصل ہے ہر مرتبہ جھکتے اور سر اٹھاتے وقت تکبیر کہنی چاہیے تا کہ نفس ہر مرتبہ متنبہ ہوتا رہے اور تا کہ جماعت کے لوگ تکبیر سن کر امام کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا معلوم کرتے رہیں۔

رکوع کے ہیئات میں سے یہ بات ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ کی ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھے اور انگلیاں نیچے کی جانب کو رکھے جس طرح کسی چیز کو ہاتھ میں پکڑتے ہیں اور ہاتھوں کی کہنیاں بدن سے دور رکھے اور اپنے بدن کو برابر رکھے کہ اس کا سر نہ تو اٹھا ہوا رہے نہ نیچے کو جھکا رہے اور رکوع کے اذکار میں یہ بھی آیا ہے۔ **سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ** اور اس میں خدا تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل پائی جاتی ہے۔ **فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ** تو اللہ کی تعریف سے تسبیح کر اور اس سے بخشش مانگ۔ اور از انجملہ یہ ہے۔ **سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا وَ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ** اور از انجملہ یہ ہے **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ** تین مرتبہ اور از انجملہ یہ ہے **اللهم لك ركعت و بك امنت اسلمت خشع لك سمعی و بصری و مخی و اعظمی و عصبی** اور قومہ کی ہیئات یہ ہیں کہ سیدھا کھڑا ہو کہ پشت کے مہرے سب اپنے اپنے ٹھکانے پر آ جائیں اور دونوں ہاتھ اٹھائے اور اس کے اذکار یہ ہیں۔ **سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ** اور از انجملہ **اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَكًا فِیْهِ** اور ایک روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے **ملأ السموات و ملأ الارض و ملأ ما شئت**

من شیء بعد .اور ایک اس کے آگے یہ آیا ہے۔ **اهل الثنا والمجد احق ما قال العبد و کلنا لك عبد اللهم لا مانع لما اعطیت و لا معطی لما منعت و لا ینفع ذاالجد منك الجد** .اورازانجملہ یہ ہے **اللهم طهرنی بالثلج والبرد والماء البارد اللّٰهم طهرنی من الذنوب والخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس**.

صبح کی قنوت کے بارے میں احادیث اور صحابہ اور تابعین کے اقوال مختلف ہیں مگر میرے نزدیک قنوت بھی سنت ہے اور اس کا ترک بھی سنت ہے اور میرے نزدیک سب سے اچھا وہ ہے کہ یا تو کسی بڑے حادثہ کے وقت پڑھے یا قنوت کے چند کلمات آہستہ سے پڑھ لیا کرے ورنہ نہ پڑھا کرے اس واسطے کہ احادیث برابر اس بات پر شاہد ہیں کہ ابتداء رعل اور ذکوان پر بددعا کی گئی پھر ترک کر دی گئی اور اس سے اگر چہ مطلقاً قنوت کا نسخ معلوم نہیں ہوتا مگر اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہے کہ قنوت سنت مستقرہ نہیں ہے یا ہم کہتے ہیں ایسی چیز نہیں ہے جو ہمیشہ کرنی پڑے۔ چنانچہ ابو مالک اشجع رضی اللہ عنہ نے جب اپنے باپ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے قنوت کی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا ای بنی محدث بیٹا یہ نئی چیز ہے یعنی پہلے اس پر ہمیشگی نہ تھی یہ بعد کو ہو گئی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی حادثہ پیش آتا تھا تو قبل از رکوع یا بعد از رکوع مسلمانوں کے لیے دعا اور کافروں پر بددعا کیا کرتے تھے اور اس کو کبھی ترک نہیں کیا بایں معنی کہ ایسا نہیں ہوا کہ کوئی حادثہ پیش آیا ہو اور ایسا نہ کیا ہو اور سجدہ کے کرنے کی یہ صورت ہے کہ زمین پر ہاتھ رکھنے سے پہلے دونوں گھٹنے زمین پر رکھے اور کتے کی طرح اپنے بازو زمین پر نہ بچھائے اور کہنیوں کو بدن سے ہٹائے رکھے کہ اس کی بغلوں کی سفیدی نظر آسکے اور پیروں کی انگلیوں کی پوریں قبلہ کی طرف کو رکھے سجدہ کے اذکار یہ ہیں: **سبحان ربی الاعلی** .تین مرتبہ یا **سبحنك اللهم ربنا و بحمدك اللهم اغفرلی**. یا یہ **اللهم لك سجدت وبك امنت ولك اسلمت سجد وجهی للذی خلقه و صوره وشق سمعه وبصره فتبرك الله احسن الخالقین** . یا یہ **سبوح قدوس ربنا و رب الملائكة والروح** . یا یہ **اللهم اغفرلی ذنبی کله دقه وجله واوله واخره وعلانیة وسره**. یا یہ **اللهم انی اعوذ برضاك من سخطك و بمعا فاتك من عقوبتك واعوذبك منك لااحصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك**.

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے: **فاعنی علی نفسك بكثرة السجود**. کثرت سجود سے اپنے نفس پر میری مدد کر اس کی یہ وجہ ہے کہ سجدہ غایت درجہ کا تعظیمی فعل ہے اور ایمان والے کے حق میں معراج ہے اور سجدہ کا وہ وقت ہے کہ ملکیہ کو اس وقت میں قید بہیمیت سے خلاصی کا مرتبہ ہو جاتا ہے اور جس شخص نے اپنے آپ کو رحمت الہی کے نزول کا مستحق بنالیا تو اس نے گویا اللہ تعالی کی مدد کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **امتی یوم القیامة غرمن السجود محجلون من الوضوء**. قیامت کے دن سجدے کے سبب سے میری امت کے منہ اور وضو کے سبب سے ان کے دست و پا روشن ہوں گے' میں کہتا ہوں' عالم مثال کا منع ارواح اور اشباح کی مناسبت پر ہے جس طرح عالم مثال میں روزہ داروں کو کھانا کھانے اور جماع سے روکنے کی مثال فرجوں اور مونہوں پر مہر لگانے سے ظاہر ہوتی ہے اور دونوں سجدوں کے درمیان میں بیٹھنے کی یہ ہیئت ہے کہ داہنے پیر کو کھڑا رکھے اور بائیں کو بچھا لے اور دونوں ہتھیلیاں دونوں گھٹنوں کے اوپر رکھ لے اور اس کے اذکار میں سے یہ ہے۔ **اللهم اغفرلی وارحمنی**

واهدني وعافني وارزقني .اور قعدہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ داہنے پیر کو کھڑا کرلے اور بائیں کو بچھا لے اور قعدۂ اخیرہ کے اندر ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ داہنے پیر کو کھڑا رکھے اور بائیں باہر نکال کر سرین لگا کے بیٹھ جائے اور دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لے اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ بائیں ہاتھ سے گھٹنے کو پکڑ لے اور ترپین کی صورت بنا کر انگشت شہادت سے اشارہ کرے اور ایک روایت میں ہے کہ کن انگلی اور اس کے برابر کی انگلی کو سکوڑ کر درمیان کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا لے اس میں یہ بھید ہے کہ انگلی کے اٹھانے میں توحید کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے قول و فعل میں مطابقت ہو جاتی ہے اور توحید کے معنی آنکھوں کے سامنے متمثل ہو جاتے ہیں اور جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انگشت شہادت سے اشارہ نہ کرنا چاہیے وہ شخص خطا پر ہے اور اس کے قول پر کوئی دلیل عقلی یا نقلی نہیں دلالت کرتی۔ ابن ہمام نے اس کو بیان کیا ہے۔ البتہ امام محمدؒ نے اپنی کتاب مبسوط میں اس کے متعلق نہیں ذکر کیا مگر مؤطا میں اس کو بیان کیا ہے اور مجھ کو بعض ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی ہے جن کو اس بات کی بھی تمیز نہیں کہ ظاہر المذہب میں اشارہ نہیں ہے اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ وہ اشارہ نہیں ہے تشہد کے اندر کئی روائتیں آئی ہیں مگر سب سے زیادہ ترجیح حضرت ابن مسعودؓ کا ہے بعد ازاں حضرت ابن عباس اور عمر رضی اللہ عنہم کا تشہد ہے۔ مگر وہ سب قرآن کی قراءتوں کی طرح شافی اور کافی ہیں اور صلوٰۃ کے کلمات میں سے سب سے زیادہ ترجیح یہ کلمے ہیں: اللهم صل على محمد و على ال محمد كما صليت على ابراهيم و على آل ابراهيم انك حميد مجيد اللهم بارك على محمد وعلى ال محمد كما باركت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم انك حميد مجيد اللهم صل على محمد وازواجه وذريته كما صليت على ابراهيم و بارك على محمد و ازواجه و ذريته كما باركت على ابراهيم ال ابراهيم انك حميد مجيد .اور تشہد کے بعد مختلف دعائیں مروی ہیں از انجملہ اللهم انى ظلمت نفسى ظلما كثيرا ولا يغفر الذنوب الا انت فاغفرلى مغفرة من عندك وارحمنى انك انت الغفور الرحيم .اور از انجملہ اللهم اغفرلى ماقدمت واخرت وما اسررت و ما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم به منى انت المقدم و انت المؤخر لا اله الا انت .اور نماز کے بعد کے بعض وظیفے یہ ہیں استغفر الله تین مرتبہ اور اللهم انت السلام و منك السلام تباركت ياذالجلال والاكرام. لا اله الا الله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيئ قدير. اللهم لامانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد لا اله الا الله ولا نعبد الا اياه وله النعمة و له الفضل وله الثناء الحسن لا اله الا الله مخلصين له الدين ولو كره الكافرون. اللهم انى اعوذبك من الجبن واعوذبك من البخل واعوذبك من ارذل العمر و اعوذبك من فتنة الدنيا و عذاب القبر تینتیس مرتبہ سبحان الله .اور تینتیس مرتبہ الحمدلله اور چونتیس مرتبہ الله اكبر .اور بعض روایات میں ہر ایک کا تینتیس مرتبہ پڑھنا آیا ہے اور اس کے بعد سو کے پورا کرنے کو ایک دفعہ لا اله الا الله وحده لاشريك له .اخیر تک اور ایک روایت میں ہر ایک کا پچیس پچیس مرتبہ پڑھنا آتا ہے تین تو وہ اور چوتھا لا اله الا الله اخیر تک اور ایک روایت میں ہر نماز کے

بعد سبحان اللہ دس مرتبہ اور الحمد للہ دس مرتبہ اور اللہ اکبر دس مرتبہ منقول ہے اور ایک روایت میں ہر ایک کا سو مرتبہ پڑھنا منقول ہے اور تمام وظائف کا حال قرآن کی قرأت کا سا ہے ان میں سے جس کسی کو کوئی شخص پڑھے گا اس کے واسطے جس قدر ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے ملے گا اور بہتر یہ ہے کہ نوافل سے پہلے ان وظیفوں کو پڑھ لیا کرے کیونکہ بعض وظائف کا قبل از نوافل پڑھنا نص حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من قال قبل ان ینصرف ویثنی رجلیه من صلوة المغرب والصبح لا اله الا الله** .الخ جو کوئی نماز مغرب اور صبح کے بعد اور نشست بدلنے اور پھر جانے سے پہلے کہے لا الہ الا اللہ اخیر تک ۔اور جس طرح راوی نے بیان کیا ہے **كان اذا سلم من صلٰوته يقول بصوته الا على لا اله الا الله** .الخ آنحضرت ﷺ جب کہ نماز سے سلام پھیرا کرتے تھے تو بآواز بلند لا الہ الا اللہ اخیر تک پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مجھ کو آنحضرت ﷺ کی نماز کا ختم ہونا اللہ اکبر کی آواز سے معلوم ہو جاتا تھا اور بعض حدیثوں سے یہ بات ظاہر ثابت ہوتی ہے جیسے آپؐ نے فرمایا ہے۔ **دبر كل صلٰوة** .ہر نماز کے پیچھے اور حضرت عائشہؓ نے جو یہ فرمایا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نماز سے سلام پھیرتے تھے تو صرف بقدر **اللهم انت السلام** .کے پڑھنے کے بیٹھا کرتے تھے اس کی توجیہ کئی طرح پر ممکن ہے ایک تو یہ کہ نماز کی ہیئت پر صرف اسی قدر بیٹھے رہا کرتے تھے مگر جب داہنے یا بائیں یا مقتدیوں کی طرف کو منہ کر کے بیٹھتے تھے تو اور وظیفے پڑھتے تھے تا کہ کسی کو یہ گمان نہ گزرے کہ وظیفے بھی نماز میں داخل ہیں اور ایک یہ کہ کبھی کبھی سوائے ان کلمات کے اوراذ کار کو ترک کر دیتے تھے تا کہ لوگوں کو ان کا فرض نہ ہونا معلوم ہو جائے۔ اور کان کا مقتضی یہ ہے کہ آپ اکثر ایسا کیا کرتے تھے اس سے نہ تو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کرنا معلوم ہوتا ہے اور نہ ہمیشہ کرنا اس فعل کا ثابت ہوتا ہے۔

نوافل کے لیے یہ بہتر ہے کہ اپنے گھر میں پڑھا کرے اور سارا بھید اس میں یہ ہے کہ فرائض ونوافل میں کسی ایسی چیز سے جو ان دونوں کی جنس سے نہیں ہے فصل ہو جائے اور پھر وہ فصل بھی قابل اعتبار ہو جو بظاہر معلوم ہو سکے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس شخص سے جو بعد نماز فرض کے نفل پڑھنا چاہتا تھا یہ فرمایا کہ بیٹھ جا اہل کتاب اسی سبب سے ہلاک ہو گئے کہ ان کی نمازوں میں فرق نہ تھا ورنہ ہلاک نہ ہوتے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا **اصاب الله بك يا بن الخطاب** .اے ابن خطاب تجھ کو اللہ تعالیٰ خطا سے بچاتا رہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **اجعلوها فى بيوتكم** .ان کو یعنی نوافل کو اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔ واللہ اعلم

سجدہ سہو اور سجدہ تلاوت اور ان چیزوں کا بیان جن کا ذکر کرنا نماز میں ناجائز ہے

معلوم کرو کہ نماز کا بنی اعضاء کے خشوع اور قلب کے حضور اور بجز ذکر الٰہی کے اور چیزوں سے زبان کے روکنے اور قرآن پاک کے پڑھنے پر ہے لہٰذا جو ہیئت خشوع کی ہیئت کے خلاف ہے یا جو کلمہ ذکر الٰہی کی جنس سے نہیں ہے وہ نماز کے منافی ہے کہ بغیر اس سے باز رہنے کے نماز پوری نہیں ہوتی مگر یہ چیزیں متفاوت ہیں اور ہر طرح کا نقصان نماز کو بالکل فاسد نہیں کرتا اور اس بات کی تمیز کہ کس چیز سے نماز بالکلیہ باطل ہو جاتی ہے اور کس چیز سے اس میں فی الجملہ نقصان آ جاتا ہے نص شرعی سے ہو سکتی ہے۔ اور فقہاء کے درمیان اس میں بہت کچھ کلام ہے اور احادیث صحیحہ کی ان کے کلام پر تطبیق مشکل ہے اور اس باب میں حدیث کے ساتھ سب

مذاہب میں سے وہ مذہب زیادہ تر موافق ہے جس میں گنجائش زیادہ ہے اور یہ بات ضرور ہے کہ فعل کثیر جس سے مجلس بدل جائے اور قول کثیر جو بہت زیادہ ہو بلاشبہ نماز کے نقصان کا موجب ہے۔ قول کثیر کے متعلق یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ان هذا الصلوٰة لایصلح فیها شیئ من کلام الناس انما هی التسبیح والتکبیر وقرأة القرآن**. اس نماز میں لوگوں کی بول چال میں سے کچھ درست نہیں ہے وہ تو تسبیح اور تکبیر اور قرأت قرآن کا نام ہے دوسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سلام کا جواب نہ دینے کی وجہ یہ فرمائی: **ان فی الصلوٰة لشغلاً**. کہ بلاشک نماز میں دل بٹتا ہے اور ایک شخص اپنی سجدہ کی جگہ سے مٹی کو صاف کرتا تھا تو آپؐ نے اس سے فرمایا: **ان کنت فاعلا فواحدة**. اگر تجھ کو کرنا ہے تو ایک مرتبہ۔ اور آنحضرت ﷺ نے خصر سے منع فرمایا ہے اور وہ کمر پر ہاتھ رکھنا ہے کیونکہ وہ دوزخیوں کی راحت ہے یعنی یہ متحیر اور مدہوش اور ان لوگوں کی ہیئت ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے اِدھر اُدھر دیکھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ وہ اچکنا ہے کہ بندہ کی نماز میں سے شیطان اچک لیتا ہے یعنی اس سے نماز میں نقص پیدا ہوتا ہے اور نماز کامل نہیں ہوتی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **اذا تثاءب احدکم فی الصلوٰة فلیکظم ما استطاع فان الشیطان فی فیه**. نماز کے اندر جب تم سے کسی کو جمائی آئے پس جہاں تک ممکن ہو ضبط کرے اس لیے کہ شیطان اس کے منہ میں گھس جاتا ہے میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ جمائی لینے سے اکثر مکھی وغیرہ اس کے منہ میں پڑ جاتی ہے اس وجہ سے اس کا دل ہٹ جاتا ہے اور جس چیز کے وہ درپے ہے یہ اس سے مانع ہو جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **اذا قام احدکم الی الصلوٰة فلا یمسح الحصی فان الرحمه تواجهه**. جب تم میں سے کوئی نماز کو کھڑا ہو تو ٹھیکریوں کو صاف نہ کرے اس لیے کہ رحمت اس کے روبرو ہوتی ہے اور فرمایا ہے: **لا یزال الله تعالیٰ مقبلا علی العبد وهو فی صلوة مالم یلتفت فاذا التفت اعرض عنه**. جب تک کہ بندہ نماز میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ برابر اس کی طرف متوجہ نہیں رہتا ہے۔ جب تک وہ اِدھر اُدھر نہ دیکھے پھر جب وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ نہیں رہتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی توجہ اس سے ہٹ جاتی ہے اور اسی طرح وہ حدیث ہے جو نماز کے اندر بندہ کو اللہ تعالیٰ کے جواب دینے کے بارے میں وارد ہوئی ہے میں کہتا ہوں کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش تمام خلق پر فائز و عام ہے اور تفاوت صرف مخلوقات کی استعداد جبلی یا کسی کے اعتبار سے ہے اس لیے جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوتا ہے اس کے لیے اس کی بخشش کا دروازہ کھل جاتا ہے اور جب بندہ اس سے اعراض کرتا ہے تو اس سے صرف محروم ہی نہیں رہتا بلکہ اپنے اعراض کی وجہ سے عذاب الٰہی کا مستحق ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **العطاس والنعاس والتثاءب فی الصلوٰة والحیض والقی والرعاف من الشیطان** اور جمائی نماز کے اندر اور حیض اور قے اور نکسیر شیطان کی طرف سے ہے میں کہتا ہوں اس سے یہ مراد ہے کہ یہ چیزیں نماز کے معنی اور اس کے منشا کے منافی ہیں۔ اب رہا فعل کثیر سو نبی ﷺ نے نماز کے اندر بہت سی چیزیں جو لوگوں کے سکھلانے کی غرض سے کی ہیں یا جو فعل نماز کے اندر لوگوں کو کرتے دیکھے ہیں۔ اور آپؐ نے ان سے منع نہیں کیا ہے وہ سب افعال یا جو ان سے کم ہیں ان سے نماز نہیں باطل ہوتی ہے اور حاصل یہ ہے کہ تلاش سے یہ معلوم ہوا کہ تھوڑا سا کلام جیسے **العنك بلعنة الله**. تین مرتبہ تک اور **یرحمك الله** اور **ماشانكم تنظرون**

الی .اور تھوڑا سا گرفت کرنا اور تھوڑا سا ہاتھ سے کوئی کام کرنا جیسے بچے کو کندھے سے اتار لینا یا اس پر بٹھا لینا یا پاؤں کا دبانا اور جیسے دروازہ کا کھولنا اور مشی تھوڑا چلنا جیسے منبر پر سے اس جگہ ہٹ آنا کہ جو وہاں سے منبر کے نیچے سجدہ ہو سکے اور امام کی جگہ سے صف میں آ جائے اور وہ دروازہ جو اس کے سامنے ہے اس کی طرف بڑھ جائے تا کہ کھل جائے اور رونا اللہ کے خوف سے اور ایسا اشارہ کرنا جو اس سے کچھ سمجھا جائے اور سانپ بچھو کا مارڈالنا اور داہنے بائیں اس طرح دیکھنا جو گردن نہ پھر سکے ان میں سے کسی چیز سے نماز باطل نہیں ہوتی اور اس کے بدن یا کپڑے کو ناپاکی کا لگ جانا جو اس کے فعل سے نہیں ہے یا اس کو ناپاکی لگنے کا علم بھی نہیں تو اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم

بحقیقۃ الحال جب انسان سے نماز میں کوئی قصور ہو جائے تو آنحضرت ﷺ نے اس کمی کے پورا کرنے کو دو سجدے کرنے کا حکم دیا ہے اس کو قضاء کے ساتھ بھی مناسبت ہے اور کفارہ کے ساتھ بھی مناسبت ہے مگر وہ مواضع جن میں نص حدیث سے سجدہ کرنا ثابت ہے وہ چار ہی ہیں ایک تو وہ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اذا شك احد كم فى صلوة ولم يدر كم صلى ثلثا واربعا فليصرح الشك اليبن على ما استيقن ثم يسجد سجدتين** .الخ تم میں سے جب کسی کو اپنی نماز میں شک ہوا اور یہ نہ معلوم ہوا کہ کتنی رکعت پڑھی ہیں تین یا چار پس جس میں شک ہوا ہے اس کو الگ کرے اور جس قدر پر یقین ہے اس پر نماز کی بنا کر کے پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے کیونکہ اگر اس نے پانچ پڑھی ہیں تب تو ان دو سجدوں سے اس کا شفع پورا ہو جائے گا اور اگر پوری چار پڑھیں تو یہ دونوں سجدے شیطان کی سرزنش کے لیے زیادتی حسنات کا موجب ہوں گے اور رکوع اور سجدے کے اندر شک کرنا بھی اسی قبیلہ سے ہے دوسرے یہ کہ نبی ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعت پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کیے۔ نماز کے اندر کسی رکن کا بڑھ جانا بھی ایسا ہی ہے جیسے رکعت کا پڑھنا۔ (تیسرے) یہ کہ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ چار کی جگہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا تو بعض صحابہؓ نے آپؐ سے اس کو بابت عرض کیا تو جو رکعتیں رہ گئی تھیں وہ بھی پڑھیں اور دو سجدے کر لیے اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب آپ کی ایک رکعت باقی رہی تھی کہ آپؐ نے سہواً سلام پھیر دیا پھر اس کی بابت کسی نے عرض کیا تو بھی آپؐ نے ایسا ہی کیا جس فعل کے قصداً کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے نماز کے اندر اس کا سہواً کرنا اس پر محمول ہے۔ (چوتھے) آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ دو رکعت کے بعد بجائے بیٹھنے کے کھڑے ہو گئے پھر آپؐ جب نماز پوری کر چکے تو سلام پھیرنے سے پہلے آپؐ نے دو سجدے کر لیے قعدہ کے اندر تشہد کا نہ پڑھنا بھی اسی پر محمول ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اذا قام الامام فى الركعتين فان ذكر قبل ان يستوى قائما فليجلس و ان يستوى قائما فلا يجلس ويسجد سجدتى السهو** .یعنی اگر دو رکعتوں کے اندر کھڑا ہو جائے تو اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے اس کو یہ یاد آ جائے تب تو اس کو بیٹھ جانا چاہیے۔ سیدھا کھڑا ہو جائے تو نہ بیٹھے اور سہو کے دو سجدے کر لے میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ جب وہ کھڑا ہو گیا تو قعدہ فوت ہو گیا پھر اگر وہ لوٹ آئے تو میں یہ نہیں کہتا کہ اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے اور حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر سیدھا ہونے کے قریب ہو گیا ہے مگر ہنوز سیدھا نہیں ہوا ہے تو اس کو بیٹھ جانا چاہیے بخلاف عامہ فقہا کے۔

اور آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے لیے جو قرآن کی وہ آیت پڑھے جس میں سجدہ کرنے کا حکم ہے یا سجدہ کرنے والے کے

ثواب اور اس کے منکر کے عذاب کا بیان ہے یہ حکم فرمایا ہے کہ اپنے پروردگار کے کلام کی تعظیم اور مسارعت الی الخیر کے قصد سے سجدہ تلاوت کرے اور جن مواضع میں ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے کا حکم ہے وہ ان سے علیحدہ ہیں کیونکہ کلام اللہ تعالیٰ کے سجدہ کرنے میں ہے جن آیات میں نص سے سجدہ کرنا ثابت ہے وہ چودہ یا پندرہ آیتیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ بیان کیا کہ یہ سجدے واجب نہیں ہیں مستحب ہیں۔ تو کسی نے سامعین میں سے انکار نہیں کیا بلکہ سب نے اس کہنے کو مانا اور حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورہ نجم کے اندر سجدہ کیا اور وہاں جس قدر مسلمان اور مشرک اور جن حاضر تھے سب نے سجدہ کیا۔ میرے نزدیک اس کی یہ توجیہ ہے کہ اس خاص وقت میں حق اس قدر ظاہر اور روشن ہو گیا تھا کہ کسی کو بجز نیاز مندی اور تابعداری کچھ چارہ نہ رہا۔ پھر جب لوگ اپنی حالت پر آئے تو جو کافر اور جو مسلمان تھے وہ مسلمان رہے بجز ایک بوڑھے قریش کے اس کے دل پر ایسی مضبوط مہر لگی ہوئی تھی کہ وہ اس رحمت عامہ سے محروم رہا اور اس کے دل میں اس کا اثر نہ ہوا۔ اور بجائے سجدہ کرنے کے تھوڑی سی مٹی زمین پر سے اٹھا کر پیشانی کو لگالی اس کی سزا بہت جلد اس کو یہ ملی کہ جنگ بدر میں مارا گیا۔ سجدہ تلاوت کے اذکار میں سے یہ ہے۔ **سجد وجهی للذی خلقه وشق سمعه وبصره بحوله وقوته** .اور از انجملہ یہ ہے: **اللهم اكتب لی بها عندك اجر وضع بها عنی وزرا واجعلها لی عندك ذخرا و تقلبها منی كما تقبلها من عبدك داؤد.**

نوافل کا بیان

جس رحمت کا شرائع کے اندر لحاظ کیا گیا ہے اس کا یہ مقتضی ہے کہ لوگوں کو ضروری چیزیں اور نیز وہ چیزیں جن سے طاعت الٰہی کا پورا پورا فائدہ ان کو حاصل ہو سکے بیان کر دی جائیں تا کہ ہر شخص اپنا اپنا حصہ اس سے حاصل کر سکے پھر ان میں سے جو شخص کاروبار دنیوی میں مصروف رہتا ہے وہ تو صرف ان ضروری باتوں کو اپنے ذمہ لازم کر لے اور جو شخص دنیاوی کاروبار سے فارغ ہو اور اس نے تہذیب نفس اور اصلاح آخرت کا مصمم ارادہ کر لیا ہے وہ کامل طور پر ان عبادات کے ادا کرنے کی کوشش کرے اس واسطے غایت شرعی کی توجہ اس امر کی طرف ہوئی کہ ان کے لیے نوافل نماز اور ان کے اوقات مناسبہ اور اسباب کے ساتھ تعیین اوقات بیان کی جائے اور لوگوں کو اس پر ابھارا جائے اور ترغیب دلائی جائے اور ان کے فوائد بیان کیے جائیں اور اجمالاً اس نماز نفل کی بھی ترغیب دی جائے جس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے مگر جب کہ کوئی مانع موجود ہو جیسے وہ اوقات جن میں نماز کا پڑھنا منع ہے ان نوافل میں سے ایک تو وہ نوافل ہیں جو فرائض کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں اور اصل یہ ہے کہ اشغال دنیویہ چونکہ لوگوں کو اللہ کی یاد سے بھلاتے ہیں اور اذکار کے اندر تدبیر اور فکر اور عبادات کا ثمرہ حاصل کرنے سے مانع ہوتے ہیں کیونکہ ان سے ہیئت بہیمیہ کا جماد اور ہیئت ملکیہ میں ایک قسم کا دباؤ و قساوت پیدا ہوتی ہے لہٰذا ایسی بات کی ضرورت ہوئی کہ اس کدورت کے صاف کرنے کی غرض سے قبل از فرائض اس کا استعمال کیا کریں تا کہ فرائض کے اندر ایسے وقت میں شروع پایا جائے کہ تمام شغلوں سے قلب خالی ہو اور سب سے خاطر جمع ہو اور بسا اوقات آدمی اس طرح نماز پڑھتا ہے کہ نماز کا فائدہ اس کو پوری طرح سے نہیں حاصل ہوتا چنانچہ آنحضرت ﷺ کے اس قول میں اس کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے: **کم من مصل لیس له من صلوته الا نصفها ثلثها**

ربعھا .بہت سے نمازیوں کوان کی نماز سے صرف نصف تہائی چوتھائی ثواب ملتا ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ فرائض کے بعد اس مقصود کے پورا کرنے کے لیے کچھ نماز اور مقرر کی جائے ان نوافل میں سے زیادہ ضروری شب وروز میں سے دس یا بارہ رکعت ہیں جو تمام اوقات پر منقسم ہیں۔اور یہ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **بنی له بيت في الجنة** .اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس شخص نے اپنی جماعت کو رحمت کے ایک بہت بڑے حصہ کا مستحق بنالیا اور آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: **ركعتا الفجر خير من الدنيا وما فيها** .یعنی صبح کی دو رکعت دین اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہیں میں کہتا ہوں بہتر ہونے کا سبب یہ ہے کہ دنیا فانی ہے اور اس کی نعمتیں رنج اور مصیبت کی کدورتوں سے خالی نہیں رہ سکتی ہیں اوران رکعتوں کا ثواب ایسا باقی ہے جس میں نام کو بھی کدورت نہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **من صلى الفجر جماعته ثم قعد بذكر الله حتى تطلع الشمس ثم صلى الركعتين كانت له كاجر حجة وعمرة** .جس نے جماعت سے صبح کی نماز پڑھی پھر طلوع آفتاب تک یادالٰہی کرتا رہا پھر دو رکعت پڑھیں اس کو مثل حج وعمرہ کے ثواب ملے گا۔میں کہتا ہوں یہ وہ ثواب ہے جو ہر دن کے لیے آپؐ نے مسنون فرمایا ہے۔اور اعتکاف کے فوائد ہم پہلے بیان کر چکے اور قبل ازظہر چار رکعت کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔**تفتح لهن ابواب السماء** .ان کے آسمانوں کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور فرمایا ہے **انها ساعة تفتح فيها ابواب السماء فاحب ان يصعد لي فيها عمل صالح** .وہ یہ (بعد زوال) ایسی گھڑی ہے کہ اس وقت آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس میں میرا کوئی عمل صالح آسمانوں پر صعود کرے اور فرمایا ہے **مامن شيئ الايسبح في تلك الساعة** .کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس گھڑی تسبیح نہ کرتی ہو میں کہتا ہوں پہلے ہم اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ جناب باری تعالیٰ کے لیے جس کی ذات اوقات کی قید سے برتر ہے خاص خاص اوقات میں اس کی تجلیات کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور بعض اوقات میں تمام عالم کے اندر روحانیت پھیل جاتی ہے اس لیے اس ہی فصل کو دیکھنا چاہیے اور جمعہ کے بعد اگر مسجد میں پڑھے تو چار رکعتیں اور مکان پر پڑھے تو دو رکعتیں اس لیے مسنون کی گئی ہیں تا کہ ایسے وقت میں لوگوں کا مجمع عظیم ہے اور وہی جمعہ کا وقت اور وہی جگہ ہے جمعہ کی نماز کے مثل کوئی اور نماز نہ پائی جائے کیونکہ اس سے عوام کو جماعت سے اعراض کرنے کا گمان اور اسی طرح کے اوہام پیدا ہوتے ہیں لہٰذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ کوئی نماز کسی نماز کے ساتھ نہ ملائی جائے جب تک کہ کلام نہ کر لے یا باہر نہ آجائے اور قبل از عصر چار رکعتیں اور بعد از مغرب چھ رکعتیں بھی مروی ہیں اور فجر کی نماز کے بعد سنتیں مقرر نہیں کی گئیں کیونکہ اس میں نماز کی جگہ اشراق کی نماز تک بیٹھنا مسنون کرنے سے وہ مقصود حاصل ہوگیا اور نیز اس کے بعد نماز پڑھنے سے مجوس کے ساتھ مشابہت کا دروازہ مفتوح ہوتا ہیں اور ایسی مشابہت کے پیدا ہونے کے سبب سے بعد عصر بھی سنتیں نہیں مقرر کی گئیں اور ازانجملہ شب کے نوافل ہیں جاننا چاہیے کہ شب کا اخیر وقت ایسا ہے کہ تمام اشغال مشوشہ سے قلب کو صفائی اور دلجمعی ہوتی ہے۔اور شوروغل سے سکون ہوتا ہے اور آدمی سوئے ہوتے ہیں اور ریا وسمعہ سے بعد ہوتا ہے اور افضل ترین عبادت کے لیے وہ ہی اوقات ہیں جن میں قلب کو فراغ ہو اور متوجہ الی اللہ ہو جیسے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **وصلوا بالليل والناس نيام** .اور رات کو نماز پڑھا کرو کہ آدمی سوتے ہوتے ہیں اور اللہ پاک بھی قرآن میں

ارشاد فرماتے ہیں۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاءً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۔البتہ رات کے وقت زیادگرانی ہوتی ہے اور تو دن کے وقت تسبیح زیادہ کرتا ہے اور بھی یہ وقت وہ ہے کہ رحمت الٰہیہ نازل ہوتی ہے۔ اور بھی اس وقت میں اللہ پاک کو بندہ کے ساتھ زیادہ قربت ہوتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور بھی اس وقت کے جاگنے میں قوت بہیمیہ کے ضعیف کرنے کے لیے ایسی عجیب خاصیت ہے کہ یہ بمنزلہ تریاق کے ہے اور اس لیے لوگوں کا قاعدہ ہے کہ جب وہ درندے جانوروں کو تابع مسخر کرنا چاہتے ہیں اور ان کو شکاری بناتے ہیں تو ان کو بھوکا رکھتے ہیں۔ اور نیند سے باز رکھنے کے ذریعہ سے وہ اس بات کو حاصل کر سکتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ ان هذا السهر جهد و ثقل .الحدیث' یعنی اس جاگنے میں مشقت اور گرانی ہے اس لیے تہجد کی نماز کی طرف شارع کو بہت اہتمام ہوا۔ اور نبی ﷺ نے اس کے فضائل لوگوں کو بتائے اور اس کے آداب اور وظائف منضبط کیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: تبعد الشيطان على قافية راس احدكم اذا هو نام ثلث عقد تم میں سے جب کوئی آدمی سوتا ہے تو شیطان اس کے سر کے قافیہ میں تین گرہ لگا دیتا ہے اخیر حدیث تک میں کہتا ہوں شیطان اس کے دل میں نیند کی لذت ڈال دیتا ہے اور اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ابھی رات بہت ہے اور اس کا یہ وسوسہ بہت مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے جب تک کوئی ایسی تدبیر نہ کی جائے کہ جس سے نیند دفع ہو سکے اور اللہ کی طرف توجہ کا دروازہ اس پر کھل جائے وہ وسوسہ دل سے نہیں نکلتا اس لیے یہ بات مسنون کی گئی کہ جس وقت آدمی کی سوتے سے آنکھ کھلے اور اپنی آنکھیں ملتا ہوا اٹھے تو اللہ کا نام لے کہ پھر وضو اور مسواک کر کے چھوٹی چھوٹی دو رکعت پڑھے بعد ازاں اذکار اور آداب سے جتنا چاہے پڑھتا رہے اور میں نے ان تین عقود کا تجربہ کیا ہے اور ان کا لگانا اور پھر ان کی تاثیر کا مشاہدہ کیا مگر مجھ کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے اور اس وقت مجھ کو یہ حدیث بھی یاد آئی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے رب كاسية فى الدنيا عارية فى الآخرة. بہت سی دنیا میں لباس پہننے والیاں آخرت میں ننگی ہوں گی یعنی دنیا میں جو طرح طرح کے لباس پہنتی ہیں آخرت میں اس کے بدلے ننگی ہوں گی۔ کیونکہ فضائل نفسانیہ سے دنیا کے اندر وہ ننگی تھیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ماذا انزل الليلة من الخزائن. الحدیث' آج کی رات میں آسمان سے کیا کیا خزانے اتارے گئے میں کہتا ہوں اس بات پر صاف دلیل ہے کہ معانی صورتوں میں متمثل ہیں اور اپنے وجود حسی سے پیشتر ان کا زمین پر نزول ہوتا رہتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ ينزل ربنا تبارك و تعالى الى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الاخر الحديث .جب شب کا اخیر تہائی حصہ باقی رہتا ہے ہمارا رب تبارک و تعالیٰ آسمان دنیا کی جانب نزول فرماتا ہے علماء کا قول ہے کہ آوازوں کے سکون کی وجہ سے جو حضور قلب کے مانع ہوتی ہیں اور اشغال مشوشہ سے دل کے صاف ہونے اور ریاء کا احتمال نہ ہونے کے سبب سے نفس کو رحمت الٰہیہ کے نزول کی جو قابلیت حاصل ہوتی ہے اس حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور میرے نزدیک اس کے ساتھ ایک اور چیز کی طرف بھی اشارہ ہے جو قلب کے اندر پیدا ہوتی ہے جس کو نزول سے تعبیر کر سکتے ہیں جس کا اس سے پہلے ہم کچھ بیان کر چکے ہیں۔ انہیں دو اسرار کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: اقرب مايكون الرب من العبد فى حوف الليل الآخر .سب سے زیادہ اللہ پاک اور اس کے بندہ میں جو قربت ہوتی ہے وہ شب کے اخیر میں ہوتی ہے اور فرمایا ہے۔ ان فى الليل ساعة لايوا فقها عبد

مسلم يسئل الله فيها خيرا الا اعطاه .البتہ شب میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ کوئی عبد مسلم اپنی بھلائی کی دعا نہیں کرتا مگر اللہ پاک اس کو عطا فرماتا ہے اور نیز فرمایا ہے: عليكم بقيام الليل فانه داب الصالحين قبلكم وهو قربة لكم الى ربكم مكفرة السيئات منهاة عن الاثم .التزام کرو شب کے اٹھنے کا اس لیے کہ یہ دستور ہے تم سے پہلے صالحین کا اور وہ تمہارے رب کی جانب قربت کا موجب اور تمہاری برائیوں کا دور کرنے والا اور گناہ سے روکنے والا ہے اور گناہوں کے دور کرنے اوران سے باز رکھنے وغیرہ کے اسرار ہم بیان کر چکے ہیں۔ وہاں ان کو دیکھنا چاہیے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: من اوىٰ الى فراشه طاهرا يذكر الله حتىٰ يدركه النعاس لم ينقلب ساعة من الليل يسئل الله شيئا من خير الدنيا والاخرة الاعطاه .جس شخص نے طہارت کے ساتھ اپنے بستر پر خدا کی یاد کے ساتھ سہارا پکڑا اور اسی حالت پر اس کی آنکھ لگ گئی تو کسی وقت رات کو کروٹ بدلتے اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی کسی بھلائی کا وہ سوال نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرماتا ہے میں کہتا ہوں جو شخص احسان کی حالت پر جو تشبیہ بالملکوت اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی پر متنبہ کو جامع ہے سو جاتا ہے تو تمام رات اسی حالت پر رہتا ہے اور اس کا نفس اللہ تعالیٰ کی طرف مقربین کے زمرہ میں متوجہ رہتا ہے اور تہجد کے وقت یہ مسنون ہے کہ جب آدمی سونے سے فارغ ہو کر اٹھے تو وضو کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی یاد کرے اور وہ دعا کئی طرح سے آئی ہے از انجملہ یہ دعا ہے: اللهم لك الحمد انت قيم السمٰوٰت والارض ومن فيهن ولك الحمد انت نور السمٰوٰت والارض ومن فيهن ولك الحمد انت ملك السموات والارض و من فيهن ولك الحمد وانت الحق ووعدك الحق ولقاء ك وقولك حق والجنة حق و النار حق والنبيون حق و محمد حق والساعة حق اللهم لك اسلمت وبك امنت و عليك توكلت واليك انبت وبك خاصمت واليك حاكمتُ فاغفرلى ماقدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما انت اعلم به منى انت المقدم وانت المؤخر لا اله الا انت ولا اله غيرك .اور از انجملہ یہ ہے کہ اللہ اکبر دس مرتبہ اور الحمد للہ دس مرتبہ کہے اور سبحان اللہ وبحمدہ دس مرتبہ اور استغفر اللہ دس مرتبہ اور لا الہ الا اللہ دس مرتبہ بعد ازاں پڑھے: اللهم انى اعوذبك من ضيق الدنيا وضيق يوم القيامة .دس مرتبہ اور از انجملہ لا اله الا انت سبحانك اللهم وبحمدك استغفرك لذنبى واسئلك رحمتك اللهم زدنى علما ولا تزغ قلبى بعد اذ هديتنى وهب لى من لدنك رحمة انك انت الوهاب .اور از انجملہ یہ کہ یہ آیات پڑھے۔ ان فى خلق السموات والارض واختلاف الليل والنهار لآيات لاولى الالباب .اخیر سورت تک بعد ازاں مسواک کرے اور وضو کرکے مع وتر کے گیارہ رکعتیں پڑھے اور نماز تہجد کے آداب اور اذکار پر جو آنحضرت ﷺ نے مسنون کیے ہیں التزام کرے اور دو دو رکعت پر سلام پھیرے اور ہاتھ اٹھا کر یارب یارب کہتا رہے اور جہاں تک ہو سکے دعا میں مبالغہ کرے اور آپ کی دعاؤں میں یہ دعا بھی داخل تھی۔ اللهم اجعل لى فى قلبى نورا و فى بصرى نورا و فى سمعى نورا وعن يمينى نورا وعن يسارى نورا وفوقى نورا وتحتى نورا وامامى نورا وجعل لى نورا .اور آنحضرت ﷺ نے مختلف طریقوں سے تہجد کی نماز پڑھی ہے۔ اور سب

طریقے سنت ہیں اور اصل یہ ہے کہ شب کی نماز وتر ہے اس کو تم مابین عشاء سے صبح تک پڑھ لیا کرو اور نبی ﷺ نے اس کو طاق اس غرض سے فرمایا ہے کہ یہ طاق عدد مبارک ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ **ان اللہ یحب الوتر فاوتروا یا اھل القرآن**. اللہ تعالیٰ طاق ہے طاق کو پسند کرتا ہے اس لیے اے اہل قرآن تم نماز طاق پڑھا کرو مگر چونکہ نبی ﷺ نے شب کے اٹھنے میں مشقت ہوتی ہے اور اس کی برداشت وہی کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہو اس لیے قیام لیل کو تمام امت پر لازم نہیں کیا اور شروع شب میں وتر کے پڑھنے کی اجازت دی مگر اس کے ساتھ ہی تاخیر سے پڑھنے کی رغبت دلاتے رہے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے: **من خاف ان لایقوم آخر اللیل فلیوترا ولہ ومن طمع ان یوتر آخروہ فان صلوٰۃ اللیل مشھودۃ وذلک افضل**. جس شخص کو اخیر شب میں نہ اٹھنے کا اندیشہ ہو تو وہ اوّل شب میں وتر پڑھ لے اور جس کو اخیر شب میں پڑھنے کا لالچ ہو تو وہ آخر میں وتر پڑھے کس لیے کہ شب کی نماز میں حضوری ہوتی ہے اور وہ افضل ہے اور حق یہ ہے کہ وتر سنت ہیں مگر سب سنتوں سے زیادہ مؤکد ہیں حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ اور عبادہ بن صامتؓ نے اس کو بیان کیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے۔ **امدکم بصلوٰۃ ھی خیر لکم من حمر النعم**. اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک ایسی نماز بڑھادی جو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اس قدر نماز فرض کی ہے جو ان سے ادا ہو سکے کیونکہ شروع شروع میں شب و روز میں گیارہ رکعتیں فرض کیں بعد از اں حضر کے اندر کچھ اور بڑھادیں بعد از اں جو لوگ محسنین کے زمرہ میں ہیں ان کے لیے وتر بڑھادی گئی کیونکہ آنحضرت ﷺ اس بات کو جانتے تھے کہ جو لوگ احسان کے درجے کی قابلیت رکھتے ہیں ان کو اس سے زیادہ مقدار کی حاجت ہے اس لیے اصل نماز کے برابر گیارہ رکعت ان کے لیے اور زیادہ کردی گئیں چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک اعرابی سے فرمایا ہے تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لیے یہ نہیں ہیں۔

اور بعد وظائف وتر سے وہ کلمات ہیں جو آنحضرت ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو سکھائے قنوت وتر میں یہ کہتے تھے: **اللھم اھدنی فیمن ھدیت و عافنی فیمن عافیت و تولنی فیمن تولیت وبارک لی فیما اعطیت وقنی شرما قضیت فانک تقضی ولایقضٰی علیک انہ لایذال من والیت ولا یعز من عادیت تبارکت ربنا و تعالیت**. اور از انجملہ یہ ہے و بعد از اں یہ پڑھے **اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک و اعوذ بمعافاتک من عقوبتک واعوذبک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک**. اور بعض وظائف سے جو بعد سلام پھیرنے کے پڑھے یہ ہیں **سبحان الملک القدوس**. دو مرتبہ آہستہ تیسری مرتبہ آواز بلند اور جب آپ تین رکعت پڑھتے تھے تو اوّل رکعت میں سورۂ **سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي**. دوسری میں سورہ **قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** تیسری میں **قُلْ هُوَ اللَّهُ** اور **قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ** اور **قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ**. پڑھتے تھے اور از انجملہ قیام رمضان شریف کے مہینہ میں اور اس کے شروع ہونے میں یہ بھید ہے کہ مقصود شارع کا رمضان سے یہ ہے کہ امت امت محمد یہ کو بسبب ان اوصاف حمیدہ کے ملائکہ کے ساتھ مناسبت ہو جائے اور ان کے ساتھ اس کو تشبیہ ہو جائے اسی لیے آپؐ نے مسلمانوں کے دو درجے کیے ایک درجہ عوام کہ ان میں فقط یہی کافی ہے کہ رمضان کے روزے رکھیں اور فرائض پر اکتفا کریں دوسرے درجہ محسنین اور وہ درجہ

اس سے عبارت ہے کہ روزہ رمضان شریف کا اور اس کی راتوں میں قیام اور تنزیہ زبان باوجود اعتکاف کے اور عشرہ اخیرہ میں کمر بند کا خوب استحکام سے باندھنا اور چونکہ آنحضرت ﷺ جانتے تھے کہ تمام امت اس درجہ علیاء کے حاصل کرنے کی طاقت نہیں رکھتی اور یہ بھی ضرور تھا کہ ہر شخص بقدر اپنی طاقت کے اعمال کو کرے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **ماذال بکم الذی رایت من صنیعکم حتی خشیت ان یکتب علیکم ولو کتب علیکم ما قمتم به** :جس چیز کو تم ہمیشہ کرتے ہو میں اس کو دیکھتا رہتا ہوں اور تمہارے ہمیشہ کرنے کی وجہ سے مجھے خوف ہے کہ تم پر فرض نہ ہو جائے اور اگر فرض ہو جائے تو قائم نہ رہو گے اس پر معلوم کر دکہ عبادات کی توقیت بندوں پر ایسی چیز سے ہوا کرتی ہے جس سے ان کے دل مطمئن رہیں اس لیے آنحضرت ﷺ کو یہ خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ ان عبادات کے عادی ہو جائیں اور ان سے ان کا دل مطمئن ہو جائے اور جس وقت ان امور میں ان سے کسی قسم کی کوتاہی ہو تو بوجہ اس کوتاہی کے احکام الٰہی کے اندر اس کو کوتاہی جانیں یا وہ عبادت شعائر دین میں سے ہو کر ان پر فرض ہو جائے اور اس کے متعلق قرآن نازل ہو جائے اور پھر پچھلے لوگ اس کی برداشت نہ کر سکیں۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من قام رمضان ایماناً و احتساباً غفرله ماتقدم من ذنبه** :جس کسی نے ایمان کے ساتھ بہ طلب قصد ثواب کے رمضان کے اندر قیام کیا اس کے سب پہلے گناہ بخشے گئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس درجہ کے حاصل کرنے سے اس نے اپنی جان کو برکات الٰہیہ کا جو ظہور ملکیت اور گناہوں کے محو ہو جانے کا باعث ہیں مورد بنالیا۔

صحابہ اور تابعین ﷭ نے قیام رمضان میں تین چیزیں اور زیادہ کی ہیں ایک تو مساجد میں اس کے لیے جمع ہونا کیونکہ اس میں خاص و عام کے لیے آسانی ہے دوسرے اوّل شب میں اس کا پڑھنا مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہتے رہے کہ اخیر شب میں نماز پڑھنے سے حضوری ہوتی ہے اور وہ افضل ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی آسانی پر جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں متنبہ کیا ہے تیسرے بیس رکعت کے ساتھ اس کی تعداد مقرر کرنا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے اس بات کا خیال کر کے کہ آنحضرت ﷺ نے تمام سال کے اندر ان لوگوں کے لیے جو محسنین کے زمرہ میں ہیں گیارہ رکعت مقرر کی ہیں یہ فیصلہ کر دیا کہ رمضان کے اندر جب مسلمان تشبیہ بالملکوت کے دریا میں اپنی جان کے ڈالنے کا قصد کرتا ہے تو اس کا حصہ گیارہ رکعت کے دوچند سے بہر صورت کم نہ ہونا چاہیے اور از انجملہ چاشت کی نماز ہے اور اس میں یہ شرط ہے کہ حکمت الٰہیہ کا مقتضی ہوا کہ دن کے چار حصوں میں سے کوئی حصہ نماز سے جو یاد الٰہی پر آدمی کو متنبہ کرتی ہے خالی نہ ہو کیونکہ ربع تین ساعت کا نام ہے اور تمام عرب عجم میں دن کے حصوں کے لیے جو مقدار مستعمل ہے اس مقدار کی کم از کم تین ساعت ہوتی ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ سے قبل چاشت کے نماز صلحاء کی سنت رہی ہے اور نیز دن کے پہلے حصہ میں آدمی اپنی روزی اور معاش کی تلاش میں مصروف رہا کرتے ہیں اس لیے ایسے وقت میں ایک نماز مسنون کی گئی تا کہ اس غفلت کے زہر کے لیے جو اس وقت میں نفس پر طاری ہوئے ہیں بمنزلہ تریاق کے ہو جائے جیسا کہ نبی ﷺ نے بازار میں جانے والے کے لیے **لا الـه الا اللـه وحده لا شريك لـه** اخیر تک مسنون کیا ہے چاشت کی نماز کے لیے تین درجے ہیں کم درجہ اس کا دو رکعتیں ہیں اور اس میں یہ نکتہ ہے کہ آدمی کے ہر عضو پر جو صدقہ واجب ہے یہ نماز اس کا بدلہ ہو جاتی ہے اور اس کی یہ وجہ ہے کہ ہر جوڑ کا اس کی صحت پر جو اس کے مناسب ہے باقی رکھنا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے سب کے شکر یہ میں حسنات کا ادا کرنا اور اس کی حمد کرنا

واجب ہے اور تمام اعمال صالحہ سے بڑھ کر ہے جس کے ادا کرنے میں تمام اعضائے ظاہری اور قوائے باطنی مصروف ہوتے ہیں اور دوسرا درجہ اس کا چار رکعت ہیں اور اس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے حکایۃً عن اللہ تعالیٰ فرمایا ہے اے ابن آدم میرے لیے شروع دن میں چار رکعت پڑھ۔ اخیر دن تک میں تیرے لیے کافی ہوں گا میں کہتا ہوں اس سے یہ مراد ہے کہ تہذیب نفس کے لیے یہ کافی مقدار ہے اگرچہ اخیر دن تک ایسا کوئی اور کام نہ کرے اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ چار رکعت سے زیادہ پڑھے مثلاً آٹھ رکعت یا بارہ رکعت اور چاشت کا کامل وقت وہ ہے کہ جب دن چڑھ جائے اور اونٹنیوں کے بچے گرمی کے سبب سے بیٹھ جائیں اور ریت پر نہ چل سکیں اور ازانجملہ استخارہ کی نماز ہے اہل جاہلیت کا قاعدہ تھا کہ ان کو جب کوئی حاجت سفر یا نکاح یا بیع وغیرہ کی پیش آیا کرتی تو وہ تیر ڈالا کرتے تھے آنحضرت ﷺ ان کو اس حرکت سے منع فرمایا کیونکہ وہ ایک بے بنیاد اور بے اصل اور صرف ایک اتفاقی چیز تھی اور نیز اس کے اندر اللہ تعالیٰ پر افتراء پایا جاتا تھا کیونکہ وہ لوگ اس وقت کہا کرتے تھے ہمارے پروردگار کا ہم کو حکم ہو گیا یا ہمارے پروردگار نے اس سے منع کر دیا اور بجائے اس کے آنحضرت ﷺ نے استخارہ کو مقرر فرما دیا کیونکہ جب آدمی اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کے علم کا فیضان چاہتا ہے اور اس کی مرضی کا اس امر میں انکشاف چاہتا ہے اور دل سے اس کے دروازہ پر نیازمندی سے قیام کرتا ہے تو فوراً حکمت الٰہیہ کا اس کے دل پر فیضان ہو جاتا ہے اور نیز استخارہ کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان اس وقت اپنے نفس کی مراد سے فناء ہو جاتا اور اس کے قوائے بہیمیہ ملکیہ کے تابع ہو جاتے ہیں اور اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے اس کی وجہ سے اس کا حال بمنزلہ حال ملائکہ کے ہو جاتا ہے وہ بھی اس طرح الہام ملائکہ کے منتظر رہتے ہیں اور الہام ہو جانے کے بعد اپنے ارادہ سے وہ ہمہ تن اس کام میں متوجہ ہو جاتے ہیں ان کے نفسانی ارادہ کو کچھ دخل نہیں ہوتا اور میرے نزدیک اپنے امور میں کثرت سے استخارہ کرنا ملائکہ کے ساتھ تشبیہ حاصل کرنے کے لیے تریاق مجرب ہے نبی ﷺ نے استخارہ کی دعا اور اس کے آداب منضبط کر دیئے ہیں اور یہ دعا تعلیم فرمائی ہے۔ **اللھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسئلک من فضلک العظیم فانک تقدر ولا اقدر تعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب اللھم ان کنت تعلم ان ھذا لامر خیرلی فی دینی ومعاشی وعاقبۃ امری.** یا آپؐ نے یہ کہا **فی عاجل امری واجلہ فاقدرہ لی ویسرہ لی ثم بارک لی فیہ و ان کنت تعلم ان ھذا الامر شرلی فی دینی ومعاشی وعاقبۃ امری.** یا یہ کہا **فی اجل امری و اجلہ فاصرفہ عنی واصرفنی عنہ و اقدرلی الخیر حیث کان ثم ارضنی بہ.** اور اپنی حاجت کا ذکر کرے۔

اور ازانجملہ صلوٰۃ حاجت ہے اور اصل اس میں یہ ہے کہ مخلوق سے مدد چاہنے اور ان سے اپنی حاجت کے طلب کرنے میں اس بات کا مظنہ تھا کہ یہ شخص غیر اللہ تعالیٰ سے مدد کو تجویز کرتا ہے پس یہ صورت توحید استعانت محل تھی فلہٰذا ان کے لیے ایک نماز اور دعا مسنون کی گئی تا کہ ان سے یہ شر دور ہو۔

پھر مسنون ہوئی ان کو یہ کہ دو رکعت پڑھیں اللہ کی ثنا اور نبی ﷺ پر درود پڑھیں پھر کہیں **لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم والحمدللہ رب العالمین اسئالک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمۃ من کل بر والسلامۃ من کل اثم لاتدع لی ذنبا الا غفرتہ ولا ھما الا**

فرجته ولا حاجته هي لك رضا الا قضيتها يا ارحم الراحمين .اوراز انجملہ صلوٰۃ توبہ ہےاوراس میں اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا خاص کرگناہ کرنے کے بعد اور قلب کے اندر اس گناہ کے زنگ جمنے سے پہلے اس گناہ کا باعث ہوتا ہے اوراز انجملہ صلوٰۃ وضو ہے اوراس کے متعلق آنخضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا ہے: انی سمعت دف نعليك بين يدي في الجنة .کہ جنت میں میں نے اپنے سامنے تیری جوتیوں کی آواز سنی ہے میں کہتا ہوں اس میں یہ بھید ہے کہ طہارت پر التزام کرنا اوراس کے بعد نماز پڑھنا احسان کے درجے کے لیے کافی مقدار ہے جو بڑے بانصیب سے ہوسکتی ہے اور آنخضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا ہے۔ بما سبقتني الى الجنة.کس چیز کی وجہ سے جنت میں تو مجھ سے سبقت لے گیا اوراز انجملہ صلوٰۃ تسبیح ہے اس کا بھید یہ ہے کہ یہ ایک ایسی نماز ہے کہ جس میں اللہ کی یاد کا ایک بڑا حصہ پایا جاتا ہے بمنزلہ اس کامل نماز کے ہے جو رسول اللہ ﷺ نے محسنین کے لیے اذکار کے ساتھ مقرر فرمائی ہے جو شخص اس سے یہ نماز اس کے لیے کافی ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کی فضیلت میں دس خصلتیں ارشاد فرمائی ہیں اوراز انجملہ صلوٰۃ الایات ہے جیسے کسوف اور خسوف اور تاریکی کی پڑھی جاتی ہے اس میں اصل یہ ہے کہ جب آیات الٰہی میں سے کسی آیت کا ظہور ہوتا ہے۔ اور لوگوں کے نفوس اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور ملتجی ہو جاتے ہیں اور اس وقت ان کو دنیا سے ایک قسم کی علیحدگی ہو جاتی ہے لہٰذا ایمان والے کے لیے یہ وقت بہت غنیمت ہے اس کو ایسے وقت میں دعا اور نماز اور تمام اعمال صالحہ میں کوشش کرنی چاہیے اور نیز یہ ایسا وقت ہے کہ عالم مثال میں حوادث کے پیدا کرنے کی طرف حکم الٰہی متوجہ ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل معرفت کو خود بخود ان کے دلوں میں اس وقت بے چینی ایک طرح کی معلوم ہوتی ہے اور آنخضرت ﷺ اسی لیے ایسے وقت میں گھبرا جاتے تھے اور نیز ان اوقات میں زمین پر روحانیت کا نزول ہوتا ہے لہٰذا صاحب احسان کے لیے ان اوقات میں اللہ کے ساتھ قربت حاصل کرنا بہت مناسب ہے۔ چنانچہ نعمان بن بشیر کی حدیث میں کسوف کی بابت آنخضرت ﷺ نے فرمایا ہے: فاذا تجلى الله لشيئ من خلقه خشع له .پھر جب اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں سے کسی چیز پر تجلی ہوتی ہے تو وہ چیز اس کے سامنے جھک جاتی ہے اور نیز کفار لوگ چاند سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ لہٰذا مسلمان ایماندار کو لازم ہے کہ جب کوئی ایسی دلیل ظاہر ہو کہ جس سے ان چیزوں کا عبادت کے لیے مستحق ہونا ثابت ہو تو اللہ کی طرف نیازمندی سے التجا کرے اور اس کو سجدہ کرے چنانچہ اللہ پاک اس کو ارشاد فرماتے ہیں: لَاتَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَهُنَّ .آفتاب کو سجدہ نہ کرو اور نہ قمر کو اور جس اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے اس کو ہی سجدہ کرو۔ یہ سجدہ کرنا دین کے لیے شعار اور منکرین کے لیے جواب ساکت کرنے والا ہے اور نبی ﷺ سے صحیح حدیث مروی ہے کہ اپنے دو قیام اور دو رکوع ان دونوں کو سجدہ پر قیاس کر کے کیے ہوں کیونکہ ایسے وقت میں رکوع اور قیام بھی خضوع کے اندر مثل سجدہ کے ہیں لہٰذا ان کی بھی تکرار مناسب ہوئی اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ اپنی اس نماز کو جماعت سے پڑھا اور اس بات کی منادی کرنے کا حکم دیا کہ الصلٰوة جامعة .اور آواز سے قرآن پڑھا۔ جس نے اتباع کیا وہ درجہ احسان پر پہنچا اور جس نے وہ نماز پڑھی جو شرع میں معتبر ہے سو اس نے آنخضرت ﷺ کے اس قول پر عمل کیا۔ فاذا رايتم ذالك فادعو الله وكبروا وصلوا وتصدقوا .پھر جب تم اس کو دیکھو تو اس کو یاد کرو اور اس کی بڑائی کرو اور اس کے لیے نماز پڑھو اور اس کے لیے صدقہ کرو اوراز انجملہ صلوٰۃ استسقاء

ہے آنحضرت ﷺ نے کئی مرتبہ مختلف طرق سے اپنی امت کے لیے باران کی طلب کی ہے مگر وہ طریقہ جو اپنی امت کے لیے مسنون کیا ہے یہ ہے کہ آپ لوگوں کو لے کر عیدگاہ کی طرف نہایت نیازمندی اور تواضع اور تضرع کے ساتھ گئے اور جماعت سے دو رکعت نماز بالجہر پڑھی بعد ازاں خطبہ پڑھا اور خطبہ میں قبلہ کی طرف رُخ کر کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی شروع کی اپنی چادر مبارک کو پھیرا اور یہ اس لیے کہ ایک ہی جگہ ایک ہی چیز کی آرزو میں نہایت اہتمام اور گناہوں کی مغفرت طلب کرتے اور اعمال صالحہ کے ساتھ مسلمانوں کے اجتماع کو دعا کے قبول ہونے میں نہایت کامل اثر ہے اور نماز بندہ کے لیے سب عبادات سے قرب الٰہی کی موجب ہے اور ہاتھوں کو اٹھانا نہایت تضرع اور نیازمندی کی صورت ہے جس سے نفس کو خشوع اور فرمانبرداری متنبہ ہوتا ہے اور چادر کا لوٹانا ان کے احوال کے متغیر ہونے کی نقل ہے جس طرح مستغیث آدمی بادشاہوں کے حضور میں عمل میں لاتے ہیں اور آنحضرت ﷺ استسقاء میں یہ دعا مانگا کرتے ہیں۔ **اللھم اسق عبادك وبهيمتك وانشر رحمتك واحي بلدك الميت** .اور ایک یہ دعا ہے: **اللھم اسقنا غيثا مغيثا مرئيا نافعا غير ضارعا جلا غير اجل** .اور ازانجملہ صلوٰۃ العیدین ہے اور اس کی نماز کا بیان عنقریب آتا ہے اور نوافل کے قبیلہ سے کسی خوشی کے حاصل ہونے یا کسی تکلیف کے دور ہونے یا ان دونوں میں سے کسی کے معلوم ہونے کے وقت سجدہ شکر کا کرنا ہے کیونکہ شکر تو دل کا فعل ہے اور ظاہر میں اس کے کوئی عنوان ضرور ہونا چاہیے تاکہ ہر ایک کو دوسرے سے قوت حاصل ہو جائے علاوہ بریں نعمتوں کا حاصل ہونے سے ایک طرح کا تکبر پیدا ہوتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ منعم کے سامنے اپنے کو ذلیل اور خاکسار بنائے یہ وہ نمازیں ہیں جو آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے لیے جن میں درجہ احسان اور مسارعت الی الخیر کی قابلیت ہے فرائض نماز پر جس کا کرنا تمام خاص و عام پر لابدی ہے زیادہ کر کے مسنون فرمایا ہے۔

نماز ایسی چیز ہے جو لوگوں کی بھلائی اور بہبودی کے لیے وضع کی گئی ہے جس سے جہاں تک اس کی کثرت ہو سکے کرنی چاہیے مگر پانچ وقتوں میں آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے ان پانچ میں سے تین وقت ایسے ہیں جن میں بہ نسبت ان دو وقت کے نماز پڑھنے سے بتاکید منع فرمایا ہے اور وہ تین وقت یہ ہیں ایک تو جب آفتاب برآمد ہو اور نکل کر اونچا ہو۔ دوسرے خاص وقت دوپہر کے جب تک نہ ڈھلے۔ اور ایک جب آفتاب قریب الغروب ہو غروب تک کیونکہ یہ اوقات مجوس کی نماز کے ہیں اور مجوس وہ فرقہ ہے کہ انہوں نے اپنا دین ضائع کر دیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آفتاب پرستی کرتے ہیں اور ان کے اوپر شیطان کا تصرف ہے اور آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے: **انها تطلع حين تطلع بين قرني الشيطان** .جب آفتاب برآمد ہوتا ہے تو درمیان دونوں سینگوں شیطان کے برآمد ہوتا ہے اس سے یہی مراد ہے کہ اس وقت میں کافر لوگ اس کو سجدہ کرتے ہیں لہٰذا ضروری ہوا کہ اس عبادت کے اندر جو سب عبادتوں میں بڑی عبادت ہے وقت کے اعتبار سے بھی ملت اسلام اور ملت کفر میں بھی تمیز اور فرق کیا جائے اور دوسرے دو وقت وہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لاصلوة بعد الصبح حتىٰ ترغ الشمس ولا بعد العصر حتى تغرب الشمس** .بعد نماز صبح کے کوئی نماز نہیں ہے جب تک کہ آفتاب برآمد نہ ہو اور نہ عصر کے بعد جب تک آفتاب غروب نہ ہو۔ میں کہتا ہوں کہ ان دو وقتوں میں نماز پڑھنے سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں نماز پڑھنے سے ان تین اوقات میں نماز پڑھنے کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کبھی ان دو وقتوں میں نماز پڑھی کیونکہ آپ کو اس

قباحت کے پیدا ہونے کا خوف نہ تھا۔ اور ایک روایت میں جمعہ کے دن دو پہر کو ان سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اور نیز اس حدیث سے مسجد حرام کے اندر ان تین اوقات میں نماز پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ **یابنی عبد مناف من ولی منکم من امر الناس شیئا فلا یمتعن احدا طاف بهذا لبیت وصلی ای ساعة شاء من لیل اونهارای بنی عبدالمناف** تم میں سے جو کوئی شخص لوگوں کے امور میں سے کسی امر کا حاکم ہو تو وہ اس گھر کے کسی طواف کرنے والے کو اور نماز پڑھنے والے کو کسی وقت نہ روکے عام ہے کہ رات میں ہو یا دن میں اور اس تقدیر پر اس میں یہ بھید ہے کہ جمعہ کا وقت شعار دین کے ظاہر ہونے کا وقت ہے اور مسجد حرام شعائر دین کے ظاہر ہونے کی جگہ ہے اس سبب سے وہ دونوں نماز کے مانع کے معارض ہیں۔

اعمال کے اندر میانہ روی کا بیان

معلوم کرو کہ عبادت کے اندر بڑی بیماری نفس کا ملال ہی ہو جاتا ہے تو خشوع کی صورت پر اس کو تنبیہ نہیں ہوتی اور پھر وہ مشقت عبادت کے معنی سے خالی رہ جاتی ہے اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر چیز کی حرص ہوتی ہے اور حرص کو کمی ہوتی ہے اور یہی سبب ہے کہ جب کسی عمل صالح کا لوگوں سے رواج جاتا رہتا ہے اور اس کے کرنے میں لوگ سستی کرنے لگتے ہیں تو اس کے کرنے والے کا اجر چند در چند ہو جاتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں اس عمل کو آدمی اس وقت کر سکتا ہے کہ جب اس کے نفس کو سخت تنبیہ ہو اور اس کے دل میں ایک مستحکم ارادہ پایا جائے اس لیے شارع نے طاعت کی مقدار مقرر کی ہے۔ جس طرح مریض کے حق میں دوا کی طرح ایک خاص انداز میں مقرر ہوتی ہے جس میں کمی بیشی نہیں کی جاتی اور نیز مقصود صفت احسان کا اس طرح پر حاصل کرنا ہے کہ اس میں تدابیر ضرور یہ کا ترک یا حقوق میں سے کسی حق کا تلف نہ لازم آئے چنانچہ حضرت سلمانؓ نے ایک مرتبہ کسی سے یہ فرمایا کہ تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے اور آنحضرت ﷺ نے ان کی تصدیق فرمائی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **انا اصوم و افطر واقوم وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی** میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس جس کسی نے میری سنت سے اعراض کیا تو وہ مجھ سے نہیں ہے اور نیز مقصود عبادات سے نفس کا راستی پر لانا اور اس کی کجی کا دور کرنا ہے اور یہ مطلوب نہیں ہے کہ تمام اقسام کی عبادات کو وہ عمل میں لائیں کیونکہ تمام خلق کے اعتبار سے یہ بات دشوار معلوم ہوتی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **استقیموا ادنی تحصوا واتوبین الاعمال بما یطیقون** راستے سے چلو اور کبھی نہ گھر سکو گے تم اور بجالاؤ اعمال کو جس قدر طاقت رکھتے ہو تم اور استقامت ایک مقدار معین سے ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے نفس کو ملکیہ کے لذات سے لذت پاتے اور بہیمیہ کے خصائص سے رنجیدہ ہونے پر متنبہ ہو۔ اور بہیمیہ کے ملکیہ کے تابع ہونے کا ادراک پیدا ہو اور جب کسی نے اس کے کرنے کی کثرت کی تو نفس اس کا عادی ہو جاتا ہے اور اس عبادت کے ثمرہ پر اس کو متنبہ نہیں ہوتا اور نیز شرع کا مقصود اعظم یہ ہے کہ دین کے اندر تعمق اور ذکر کا دروازہ مسدود ہو جائے تا کہ وہ ایک عمل کو اپنے ذمہ پر ضروری نہ کرلیں پھر ان کے بعد کچھ وہ لوگ پیدا ہوں اور ان کو اس بات کا ظن پیدا ہو کہ یہ اعمال عبادات سماویہ سے ہیں اور ہمارے اوپر فرض ہیں بعد ازاں اور لوگ پیدا ہوں اور ان کو ان اعمال کے فرض ہونے کا

یقین ہی ہو جائے اور پہلے تو اس کے فرض ہونے کا احتمال ہی تھا۔ اب ان لوگوں کو ان کی فرضیت پر اطمینان ہی ہو جائے اور اس سے دین کی تحریف لازم آتی ہے اللہ پاک فرماتے ہیں: **وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا۔ الآیۃ**۔ اور درویشی جو انہوں نے اپنی طرف سے ایجاد کی ہے اور نیز جس شخص کے دل میں یہ گمان پیدا ہو گیا اگر چہ زبان سے اس کے خلاف کہتا ہے کہ بدون ان عباداتِ شاقہ کے اللہ تعالیٰ کی رضامندی نہیں ہوتی اور اگر ان میں میں نے کوتاہی کی تو میرے اور میرے نفس کی تہذیب میں ایک حجاب عظیم حائل ہو جائے گا اور میں اللہ تعالیٰ کا خطاوار ہوں گا تو اس شخص سے اس کے ظن اور اعتقاد کے موافق مواخذہ لیا جائے گا اور اس کوتاہی کی اس سے باز پرس ہوگی اور اس میں کوتاہی کرنے سے اس کے علوم اس کے حق میں مضر اور موجب ظلمت بن جائیں گے اور اس سستی کی وجہ سے اس کے اور اعمال بھی مقبول نہ ہوں گے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ** .دین آسان ہے اور کوئی شخص دین میں سختی نہ کرے گا مگر دین اس کو تھکا دے گا۔ انہیں معنی کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ نے اپنی امت پر اہم کر دیا کہ وہ عمل میں اعتدال ملحوظ رکھا کریں اس میں اتنی زیادتی نہ کریں جس میں ملال پیدا ہو اور امر دینی مشتبہ ہو جائے یا تدبیر نافع بیکار ہو جائیں ان امور کو آنحضرت ﷺ نے صراحتاً یا اشارۃً بیان فرما دیا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **احب الاعمال الی اللہ ادومھا و ان قل** .اللہ کو وہ اعمال پسند ہیں جو ہمیشہ کیے جائیں اگر چہ ان کو مقدار قلیل ہی ہو۔ میں کہتا ہوں ان اعمال کا زیادہ محبوب ہونا اس لیے ہے کہ ہمیشہ کام کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کام کی دل میں خواہش اور رغبت ہے اور نیز طاعت کا اثر نفس جب ہی قبول کرتا ہے۔ جب اس کے فائدے سے مستفیض ہوتا ہے کہ جب عرصہ تک اطمینان کے ساتھ اس کو ہمیشہ کرتا ہے اور ایسے وقت مل جائیں کہ نفس میں ان اعمال کے لیے فرصت اور تخلیہ ہو اسی قسم کا تخلیہ جیسے خواب میں ہوتا ہے اور اس کے سبب سے ملاء اعلیٰ کے علوم نفس میں منقش ہو جاتے ہیں اور اس کا اندازہ معلوم نہیں ہے کہ نفس کے لیے کتنی فرصت درکار ہے اس واسطے اس کے حاصل ہونے کا طریقہ یہی ہے کہ وہ کام ہمیشہ اور بکثرت کیا جائے لقمان علیہ السلام کے اس قول کے یہی معنی ہیں **وعود نفسك كثرت الاستغفار فان الله ساعته یر دفیھا سائلا** نفس میں زیادہ استغفار کرنے کی عادت ڈال اس لیے کہ اللہ کے پاس بعض ایسے وقت ہوتے ہیں جس میں وہ سائل کی درخواست کو رد نہیں کرتا آنحضرت ﷺ کا قول ہے۔ **خذو من الاعمال ما تطیقون فان الله لایمل حتی تملو** یعنی وہ اعمال اختیار کرو جن کو تم کر سکتے ہو اس لیے کہ اللہ جب ہی رنجیدہ ہوتا ہے جب تم رنجیدہ ہو یعنی اللہ کسی عمل پر ثواب اسی وقت نہیں دیتا ہے جب تک لوگ اس کے کرنے سے ناخوش ہوتے ہیں۔ اللہ پر ملال کا اطلاق شاکلۃً کر دیا گیا ہے آنحضرت ﷺ کا قول ہے۔ **ان احدکم اذا صلی وھو ناعس لایدری اولعلہ یستغفر فیسب نفسہ** یعنی تم میں سے بعض لوگ سونے کی حالت میں نماز پڑھتے ہیں اور ان کو نہیں معلوم ہوتا کہ استغفار کے وقت اپنے نفس پر بددعا کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ شدتِ ملال سے ایسے وقت میں طاعت وغیر طاعت میں تمیز نہیں رہا کرتی پھر حقیقت طاعت پر نفس کو کیونکر تنبیہ حاصل ہوگی اور آنحضرت ﷺ کا قول ہے۔ **فسددوا** یعنی میانہ روی کا طریقہ اختیار کرو جس کی نگرانی ہو سکے اور اس کو ہمیشہ عمل میں لا سکیں۔ **وقاربوا** یعنی یہ خیال مت کرو کہ تم اس قدر اللہ سے دور ہو کہ بغیر اعمال شاقہ کے اس تک نہیں پہنچ سکتے۔ **وابشروا** یعنی امید اور سرور دل حاصل کرتے رہو۔ **واستعینوا بالعدوۃ والروحۃ وشیئاً من**

الدلجۃ. یعنی صبح شام اور اخیر شب کے ایک حصہ سے مدد حاصل کرو کہ ان اوقات میں رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے اور دل نفسانی تذکروں سے خوب صاف ہوتا ہے اس کے متعلق ہم نے پہلے ایک فصل بیان کی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **من نام عن حزبه اوعن شيئ منه فقره فيما بين صلٰوة الفجر وصلٰوة الظهر كتب له كان قرء ه من الليل.** جو شخص اپنے وظیفہ یا اس کے حصہ کو نہ پڑھے اور سوتا رہے پھر اس کو نماز صبح اور ظہر کے درمیان میں پڑھے تو اس کے لیے اس کا ثواب ایسا لکھا جاتا ہے کہ گویا اس کو رات کے پہلے حصہ میں پڑھا تھا یا میں کہتا ہوں کہ قضا کے باب میں دو امر اصلی ہیں اوّل یہ کہ طاعت کے ترک کرنے میں نفس کو بے پرواہی نہ ہو اور وہ اس کے ترک کرنے کا عادی نہ ہو جائے اگر ایسا کیا تو نفس پر ترک کرنے کے بعد اس کی بجا آوری مشکل ہوگی دوسرے یہ کہ نفس اس کو ادا کر کے ذمہ داری سے باہر آ جائے یہ امر دل میں نہ رکھے کہ اس نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی ہے اور اللہ تعالیٰ علم اور بے علمی کی حالت میں اس سے مؤاخذہ کرے گا۔

معذور لوگوں کی نماز کا بیان

شریعت مقرر کرنے کی تکمیل کے لیے یہ امر ضروری تھا کہ عذر پیش آنے کے وقت لوگوں کے لیے رخصتیں بیان کی جائیں تا کہ مکلفین اپنے مقدور کے موافق طاعت بجا آوری کر سکیں انہیں رخصتوں کا انداز شارع کے بیان پر موقوف رکھا جائے تا کہ شارع اس میں اعتدال کا لحاظ کر سکے لوگوں پر اس کا موقوف ہونا نہیں چاہیے۔ اس لیے وہ ان میں کبھی افراط کریں گے کبھی تفریط اس لیے رسول اللہ ﷺ نے رخصتوں اور عذروں کے پیمانہ مقرر کرنے کی توجہ فرمائی رخصتوں کے اصول سے یہ مراد ہے کہ طاعت کی اصلی حالت اسی طرح پر دیکھی جائے۔ جس کا حکمت حکم دیتی ہو ہر حال میں اس حالت کو مضبوطی سے اختیار کرنا چاہیے اور ان حدود اور قواعد کا لحاظ کرنا چاہیے جن کو شارع نے مقرر فرمایا ہے تا کہ اصلی نیکی کا اختیار کرنا آسان ہو سکے اور ضرورت کے موافق ان حدود میں سے بعض ساقط اور بعض کو بعض سے مبدل کر سکیں عذروں میں سے ایک سفر ہے سفر کرنے میں جو حرج ہوتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس میں چند طرح سے رخصتیں مقرر فرمائی ہیں ایک قصر کی اجازت فرمائی۔ رکعتوں کی اصلی تعداد یعنی گیارہ کو باقی رکھا اور جو ان سے زیادہ تھیں ان کو ساقط کر دیا۔ لہٰذا اطمینان اور اقامت کو اس کے لیے مشروط گردانا۔ گیارہ رکعتوں میں چونکہ عزیمت کا احتمال تھا اس لیے مناسب نہ تھا کہ صرف ضرورت سے ان کا اندازہ کیا جائے اور رخصت دینے میں زیادہ تنگی کی جائے اس لیے آنحضرت ﷺ نے بیان کیا ہے کہ آیت میں خوف کی شرط صرف بیان فائدہ کے لیے ہے اور اس کا کوئی اصلی مفہوم نہیں ہے اور فرمایا کہ یہ خداوند تعالیٰ کا صدقہ ہے اس نے تم پر اس کو خیرات کیا ہے اس کے صدقہ کو قبول کرو اس کے صدقہ کی یہ حالت ہے کہ بامروت لوگ اس میں تنگی نہیں کیا کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اگرچہ پوری رکعت پڑھنے کو کسی قدر تجویز فرمایا ہے لیکن ہمیشہ آپ نے نماز بالقصر ہی پڑھی۔ لہٰذا نماز میں قصر کرنا سنت موکدہ ہو گیا ہے اور اس روایت میں جس سے پوری نماز کا جواز معلوم ہوتا ہے اور اس روایت میں کہ سفر میں دو رکعت پوری ہیں بلا قصر کوئی اختلاف نہیں ہے اس لیے کہ ممکن ہے کہ اصلی واجب دو رکعتیں ہوں اس کے ساتھ پورا پڑھنے سے اُولیٰ پر کفایت ہو جائے جیسے مریض اور غلام اگر جمعہ کی نماز پڑھیں تو ان کے ذمہ سے ظہر کی نماز ساقط

ہو جاتی ہے یا جیسے کسی شخص پر زکوٰۃ میں نیت مخاص واجب ہو وہ اپنا تمام مال خیرات کر دے اسی لیے قصر وہاں تک ہوتا ہے کہ جب تک مکلف کو مسافر کہہ سکیں جب اس سے یہ نام بالکل زائل ہو جائے گا تب قصر موقوف ہوگا قصر میں کوئی اور حرج پیدا ہوگیا اور پوری نماز نہ ادا کر سکا تو اس کا لحاظ نہ کیا جائے گا۔صرف مسافرت کا لحاظ ہوگا۔اس لیے کہ ابتداء ہی سے مسافر کے لیے دو رکعت قرار دی گئی ہیں۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں دو ہی رکعت نماز مقرر فرمائی تھی اور یہ دو رکعتیں فی نفسہ پوری ہیں یعنی قصر کی اور معلوم کرو کہ سفر اور اقامت اور زنا اور سرقہ اور تمام وہ امور جن پر شارع نے احکام کا دارومدار کیا ہے ایسے ہیں کہ اہل عرف اپنے محاورات میں ان کا استعمال کرتے ہیں اور ان کے معنی سمجھتے ہیں مگر ان کی تعریف جامع و مانع جب ہی معلوم ہو سکتی ہے کہ ان میں ایک قسم کا اجتہاد اور تامل کیا جائے اور اجتہاد کا طریقہ معلوم کرنا بھی دشوار امر ہے ہم نمونہ کے طور پر سفر کے اندر کچھ بیان کرتے ہیں دیکھو کہ سفر ایسی چیز ہے جو تقسیم سے بھی معلوم ہو سکتا ہے اور مثال سے بھی معلوم ہو سکتا ہے تمام اہل زبان جانتے ہیں کہ مکہ سے مدینہ منورہ اور مدینہ سے خیبر کو جانا لامحالہ سفر ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے کلام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے مکہ سے جدہ کو یا طائف یا عفان اور تمام ان مواضع کو جو وہاں سے چار برید یعنی سولہ فرسنگ (یعنی اڑتالیس میل) کے فاصلے پر واقع ہیں سفر ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ان میں سے ایک کا نام دوسرے پر نہیں بولا جاتا اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وطن سے نکلنے کی کئی قسمیں ہیں ایک تو اپنی زراعت و باغات کی طرف آمد و رفت کرنا اور ایک بغیر تعیین مقصد اور سفر کے چلنا پھرنا اور اجتہاد کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ جن مثالوں پر عرفاً اور شرعاً ایک کا نام اطلاق کیا جاتا ہے ان کی تلاش کی جائے اور جن اوصاف میں سے بعض کو بعض سے تمیز ہو سکتی ہے ان کی جانچ کی جائے اور ان میں سے جو عام ہے اس کو جنس کی جگہ اور جو خاص ہے اس کو فصل کی جگہ رکھا جائے اس سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اپنے مکان سے باہر جانا سفر کا ایک جز ذاتی ہے اس سے اس واسطے کہ اگر ایک شخص اپنے محل اقامت ہی میں چکر لگاتا رہے اس کو مسافر نہ کہیں گے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی خاص مقام کو جانا بھی سفر کا جزو ذاتی ہے ورنہ وہ پھرنا بدحواس کا پھرنا سمجھا جائے گا اس کو سفر نہ کہیں گے اور نیز یہ کہ وہ مقام اس قدر دور ہو کہ اسی روز یا اس دن کی اول شب میں آدمی وہاں سے اپنے محل اقامت کو واپس نہ آسکے ورنہ وہ آنا جانا ایسا سمجھا جائے گا جیسے اپنی کھیتی باڑی سے آنا جانا اور اس کے لوازم میں سے یہ ہے کہ وہ پورے ایک دن کا راستہ ہو اور سالم کا قول یہی ہے۔مگر سولہ فرسنگ کی مسافت تو یقیناً سفر سمجھی جاتی ہے اور اس سے کم مسافت کو سفر کا حکم ہونے میں تردد ہے اور سفر کا اطلاق شہر پناہ یا گاؤں سوا نے یا مکانات سے باہر آنے اور ایسی جگہ کے جانے کا ارادہ کرنے سے جو وہاں سے سولہ فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے صحیح ہوتا ہے اور ایک کافی اور معتد بہ مدت تک اس شہر یا گاؤں میں اقامت کا ارادہ کرنے سے سفر کا نام زائل ہو جاتا ہے۔ازانجملہ ظہر و عصر اور مغرب وعشا کا جمع کرنا اصل اس میں یہی ہے کہ جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے کہ اصل اوقات نماز کے تین ہیں فجر اور ظہر اور مغرب اور ظہر سے عصر اور مغرب سے عشا اس لیے نکالی گئی ہے کہ دو نمازوں کے اندر زیادہ مدت کا فصل نہ پایا جائے۔اور غفلت کی حالت پر لوگ نہ سویا کریں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے تقدیم و تاخیر کا جمع کرنا شروع کیا مگر آپ نے اس پر مواظبت نہیں فرمائی اور نہ اس کا حکم دیا جس طرح قصر کا حکم دیا ہے۔اور ازانجملہ سنتوں کا ترک چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بجز فجر کی سنتوں اور وتر کے اور نہ پڑھتے تھے۔اور ازانجملہ سواری پر بیٹھ کر جدھر

سواری چلتے اشاروں سے اُدھر کو ہی نماز پڑھنا ہے مگر یہ عذر نوافل اور سنت فجر اور وتر ہی کے لیے ہے نہ فرائض میں اور منجملہ اعذار کے ایک خوف ہے آنحضرت ﷺ نے مختلف طریقوں سے نماز خوف ادا کی ہے اور ازانجملہ یہ ہے کہ اپنی قوم کی دو صفیں بنائیں اور ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب آپ نے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ ان میں سے ایک صف نے دو سجدے پورے کر لیے اور ایک صف نگہبانی پر رہی پھر جب صف اولی کھڑی ہوئی تو جو نگہبانی پر تھے انہوں نے سجدہ کیا اور نماز میں شریک ہو گئے اور جنہوں نے اوّل نگہبانی کی تھی انہوں نے دوسری رکعت میں آپ کے ساتھ سجدہ کیا اور دوسری صف نگہبان رہی۔ جب آپ بیٹھے تو جو صف نگہبان تھی اس نے سجدہ کیا اور آپ نے دونوں صفوں کے ساتھ التحیات پڑھ کر سلام پھیر دیا مگر یہ طریقہ اس وقت کے مناسب ہے کہ جب دشمن قبلہ کی طرف ہو یا اس طرح سے دونوں رکعتوں کو تقسیم کرے کہ ان کو مشکل ہو اور سب لوگ اس طریقے سے واقف ہوں اور ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک ٹکڑی آپ کے سامنے کھڑی ہو گئی اور ایک ٹکڑی کے ساتھ آپ نے ایک رکعت پڑھی پھر جب آپ دوسری رکعت پڑھنے کو کھڑے ہوئے تو اس ٹکڑی نے آپ سے جدا ہو کر اپنی نماز تمام کی اور دوسری ٹکڑی کی جگہ دشمن کے مقابلہ پر کھڑی ہوئی اور جو وہاں کھڑی تھی اس نے آ کر اپنا اقتداء کیا اور آپ نے اس کے ساتھ دوسری رکعت پڑھی پھر جب آپ نے التحیات کو نشست کی تو وہ مقتدی کھڑے ہو گئے اور اپنی دوسری رکعت پوری کر کے آپ سے مل گئے اور آپ نے ان کے ساتھ سلام پھیر دیا یا اور یہ صورت اس وقت کے مناسب ہے کہ دشمن قبلہ کی طرف نہ ہو اور دو رکعتوں کی تقسیم کرنے سے ان کا دل پراگندہ نہ ہو اور ازانجملہ یہ ہے کہ آپ نے ان میں سے ایک ٹکڑی کے ساتھ نماز پڑھی اور ایک ٹکڑی دشمن کے مقابل کھڑی رہی اور اس ٹکڑی کے ساتھ آپ نے ایک رکعت نماز پڑھی تھی جا پہنچی اور وہ نماز کے لیے ان کی جگہ آ پہنچی ان کے ساتھ بھی آپ نے باقی ایک رکعت پڑھی پھر دونوں نے اپنی اپنی نماز پوری کر لی اور ازانجملہ یہ ہے کہ ہر ایک جس صورت سے ممکن ہو سوار یا پیدل کی طرف یا غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لے۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس طریقہ کی روایت کی ہے مگر یہ طریقہ اس وقت مناسب ہے کہ جب سخت خوف ہو یا تلوار چل رہی ہو۔ الحاصل ہر طریقہ سے جو آنحضرت ﷺ سے مروی ہے درست ہے مگر انسان کو چاہیے کہ جو اس سے بسہولت ہو سکے اور اس وقت کی مصلحت کے مناسب ہو اس طریقہ کو عمل میں لائے۔ منجملہ اعذار کے ایک مرض ہے اس کے باب آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **صل قائما فان لم یستطع فقاعداً فان لم یستطع فعلی جنب**. کھڑے ہو کر نماز پڑھ اور اگر یہ تجھ سے نہ ہو سکے تو بیٹھ کر اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کروٹ لیٹ کر اور نفل نماز کے باب میں آپ نے فرمایا ہے۔ **من صلی قائماً فهوا فضل ومن صلی قاعداً فله نصف اجر القائم**. جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو یہ افضل ہے اور جو بیٹھ کر پڑھے تو اس کو قائم سے نصف اجر ہے۔ میں کہتا ہوں چونکہ نماز اس قابل ہے کہ اس کی کثرت کی جائے اور اصل نماز کھڑے ہو کر بھی ادا ہو سکتی ہے اور بیٹھ کر بھی جیسے کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور صرف شارع نے قیام کو واجب کر دیا ہے اور جو چیز پوری حاصل نہ ہو سکے تو یہ بھی نہ ہو کہ بالکل متروک ہو جائے اسی لیے رحمت الٰہی کا مقتضی ہوا کہ نماز نفل بیٹھ کر ان کے لیے جائز کر دی جائے اور ان دونوں درجوں میں جس قدر فرق ہے حدیث شریف میں بیان کر دیا گیا ہے۔ **صلوٰۃ الطالب** اور **صلوٰۃ المطر** اور **صلوٰۃ الرحل** کا بیان حدیث شریف میں آیا اور صحابہؓ میں سے کسی نے ضوابط اور حدود کے اندر کسی ایسی ضرورت کی وجہ سے جس سے آدمی مجبور ہو کبھی آنحضرتؐ سے اجازت نہیں مانگی مگر آپؐ نے ان کو اجازت عطا فرمائی بشرطیکہ اس اجازت کے مانگنے میں انکار اور سستی کا

لگاؤ نہ ہوا ہو اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد **فاذا امرتکم بامر فاتوا منه ما استطعتم** کلمہ جامع ہے جب میں تم کو کسی امر کے بجالانے کا حکم دوں تو جہاں تک تم میں بس ہو اس کی بجا آوری کرو۔ واللہ اعلم

جماعت کا بیان

معلوم کرو کہ رسوم کی خرابی دور کرنے میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے کہ ایک عبادت کو عام رسم مقرر کیا جائے اور ہر ایک خبردار اور بے خبر کے سامنے اس کو ادا کیا جائے اور تمام شہری اور دیہاتی اس میں برابر ہوں اور باہم ان میں اس عبادت کے ذریعہ سے فخر اور عزت جتانے کا موقع ہو تا کہ وہ عبادت ان کی تدابیر ضروریہ میں ہو جائے جس کی وجہ سے پھر وہ اس عبادت کو نہ چھوڑ سکیں اور نہ اس میں تاخیر کر سکیں تا کہ عبادت الٰہی کی اس میں تائید ہو اور حق کی طرف لوگوں کو بلائیں اور جس چیز سے ان کو ضرر کا خوف تھا وہی حق کی طرف ان کو کھینچ کر لائے اور تمام عبادات میں سے کوئی عبادت نماز سے زیادہ عظیم الشان اور عظیم البرہان نہیں ہے اس لیے ان میں اس کی اشاعت اور لوگوں کو اجتماع اور موافقت اس پر لازم ہے اور نیز ملت اسلام کے اندر کئی قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں ایک علماء جن کا اقتداء کیا جاتا ہے اور دوسرے وہ لوگ کہ ان کو احسان کا درجہ حاصل کرنے میں رغبت کے ساتھ دعوت اسلام کی حاجت ہے اور تیسرے وہ لوگ جو ضعیف البینہ ہیں کہ اگر ان کو سب کے سامنے عبادت کے ادا کرنے کا حکم نہ دیا جائے تو بلاشبہ عبادت کے اندر ان سے کاہلی ہونے لگے اس لیے کوئی چیز ان سب کے حق میں اس سے زیادہ نافع اور زیادہ تر مصلحت کے موافق نہیں ہے کہ ان سب کو خلق کے روبرو عبادت الٰہی کرنے کا حکم دیا جائے تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون ان کی بجا آوری کرتا ہے۔ اور کون نہیں کرتا اور کون رغبت سے بجالاتا ہے اور کون بے رغبتی سے اور جو عالم ہے اس کا اقتداء کیا جائے۔ اور جاہل کو تعلیم دی جائے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی ان کے حق میں خرچ کے مثال ہو جائے جو انکار کے قابل بات ہے اس سے انکار کیا جائے اور جو بات قابل کرنے کے ہو وہ بتائی جائے اور کھرا اور کھوٹا معلوم ہوتا رہے اور نیز اللہ کی طرف رغبت اور امید اور خوف کے ساتھ مسلمانوں کے اجتماع کو جب وہ اپنی جانوں کو اللہ کے حوالے کر دیں برکات کے نازل ہونے اور رحمت الٰہی کے جھک پڑنے میں ایک عجیب خاصیت ہے جس کو ہم استسقاء اور حج میں بیان کر چکے ہیں اور نیز اس امت کے قائم کرنے سے اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اسی کا بول بالا رہے اور روئے زمین پر کوئی دین اسلام پر غالب نہ رہے اور یہ بات اسی وقت متصور ہو سکتی ہے کہ ان میں دستور مقرر کیا جائے۔ تا کہ تمام خواص و عام اور شہری و دیہاتی اور چھوٹے بڑے اس عبادت کے لیے جو دین کا بڑا شعار اور عبادات میں سے بڑی نامی عبادت ہے جمع ہوں۔ اس سبب سے عنایت شرعی جمعہ اور جماعات کے مقرر کرنے اور ان میں رغبت دلانے اور ان کے ترک سے سخت ممانعت کرنے کی طرف متوجہ ہوئی اور اشاعت دو قسم کی ہے ایک تو کسی قوم کے اندر اشاعت اور ایک تمام شہر کے اندر اشاعت قوم کے اندر تو اشاعت بسہولیت ہر نماز میں ہو سکتی ہے لیکن شہر کے اندر کچھ زمانہ پیچھے ہو سکتی ہے مثلاً ہفتہ میں قوم کے اندر اشاعت کے ہی اعتبار سے جماعت مقرر کی گئی۔ اور اس کے باب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **صلوة الجماعة تفضل صلوة الفذ بسبع و عشرين درجة** اور ایک روایت میں **بخمس و عشرين درجة** آیا ہے جماعت کی نماز کو اکیلے کی نماز پر ستائیس درجہ

فضیلت ہے اور ایک روایت میں پچیس درجہ آیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے یا تو اس بات کی تصریح فرمادی ہے یا اس بات کا اشارہ کیا ہے کہ ان باتوں سے نماز کو ترجیح ہوتی ہے کہ جب کسی نے وضو کیا اور اچھی طرح کیا پھر صرف نماز کی خاطر مسجد کی طرف چلا تو اس کا یہ چلنا نماز کے حکم میں ہے اور اس کے قدم اس کے گناہوں کو دور کرنے والے ہیں اور یہ کہ مسلمانوں کی دعا پیچھے سے ان کو گھیر لیتی ہے اور نمازوں کے انتظار میں اعتکاف اور رباط کے معنی پائے جاتے ہیں اور اسی قسم کے اشارے حدیثوں میں پائے جاتے ہیں یعنی آپ نے دونوں عدد میں سے (ستائیس اور پچیس) ایک عدد کے ساتھ فضیلت کے درجات کی تعیین کی ہے اس کا مدار ایک بڑے نکتہ پر ہے جو آپ کے سامنے متمثل ہوا ہے اور ہم پہلے اس کو بیان کر چکے ہیں اس کو دیکھ لینا چاہیے اور اس دین حق کے اندر جس کے باطل اردگرد ہو کر نہیں نکلتا نیز بوجہ من الوجوہ کسی طرح سے تخمین وانکل کو دخل نہیں ہے اور نیز جماعت کے باب میں آپ نے فرمایا ہے کہ کسی گاؤں یا جنگل میں تین آدمی ایسے نہیں رہتے کہ جن میں نماز قائم نہیں ہوتی پر شیطان ان پر غالب رہتا ہے میرے نزدیک اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جماعت کے ترک سے دین کے اندر سستی کا دروازہ کھلتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

والذی نفسی بیدہ لقد هممت ان امر بحطب یحتطب... الخ .اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے اس بات کا مصمم قصد کرلیا ہے کہ میں لکڑیوں کے جمع کرنے کا حکم دوں کہ وہ اکٹھی کردی جائیں۔ آخر تک' میں کہتا ہوں جماعت سنت موکدہ ہے اور چونکہ دین کا شعار ہے اس لیے اس کے ترک کرنے سے ملامت متوجہ ہو جاتی ہے مگر چونکہ آنحضرت ﷺ نے وہاں کے بعض لوگوں میں تاخیر اور دیر دیکھی اور آپ نے معلوم کیا کہ اس کا سبب ضعف اسلام ہے اس لیے سخت وعید ان پر متوجہ کی اور ان کے دلوں کو خوف دلایا پھر چونکہ جماعت کے حاضر ہونے میں ضعیف اور مریض اور ذی حاجت لوگوں کے لیے ایک قسم کی دقت تھی لہٰذا حکمت الٰہیہ کا مقتضی ہوا کہ ان کو اس وجہ سے جماعت کے ترک کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ افراط وتفریط میں اعتدال ہو جائے۔ اقسام حرج میں ایک یہ صورت بھی ہے کہ شب کا وقت ہو اور مینہ برستا ہو یا پالا پڑتا ہو تو ایسے وقت میں مؤذن کو یہ کہنا مستحب ہے کہ اے لوگو! خبردار تم اپنی اپنی جگہ پر نماز پڑھو **الاصلوا فی الرحال** .اور اسی قبیلہ سے وہ حاجت ہے کہ جس سے رکنا دشوار ہو۔ مثلاً شب کا کھانا جب موجود ہو کیونکہ بسا اوقات تو دل پڑا رہتا ہے اور کبھی کھانا ہی ہاتھ سے ضائع ہو جاتا ہے اور جیسے پیشاب پائخانہ کی حاجت کا ہونا کیونکہ جب نفس اس میں مشغول رہے گا تو اس کو نماز کا کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا اور **لاصلوٰة بحضرة طعام** .کی حدیث اور اس حدیث میں کہ **لا توخروا الصلوٰة بحضرة طعام** .اور ان کے علاوہ اور احادیث میں کچھ اختلاف نہیں ہے کیونکہ ہر حدیث کا ایک صورت خاص یا معنی خاص پر قائم کرنا ممکن ہے کیونکہ پہلی حدیث میں باب تعمق کے انسداد کے لیے کھانے کے تیار ہونے سے نفی وجوب مراد ہے اور جو شخص تعمق کی قباحت سے امن میں ہے اس کے لیے عدم تاخیر نماز کا حکم ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے روزہ دار کے لیے افطار اور عدم افطار کا حکم دو وقتوں کے ساتھ متعلق ہے یا یہ معنی ہیں کہ اگر نمازی کو کھانے کا شوق یا اس کے ضائع ہونے کا خوف ہے تب تو نماز میں تاخیر کرنی چاہیے اور اگر یہ بات نہیں ہے تو تاخیر نہ کرنی چاہیے اور علت کے حال سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ کسی فتنہ کا خوف ہو۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے۔ **اذا استاذنت امراة احدکم الی المسجد فلا یمنعها** .تم میں

سے جب کسی کی بیوی مسجد میں آنے کی اجازت چاہے تو نہ روکنا چاہیے اس میں اور جمہور صحابہؓ نے عورتوں کے مسجد میں آنے سے منع کیا ہے۔ اختلاف نہیں ہے کیونکہ جو غیرت تکبر اور غرور کی وجہ سے پیدا ہوا اور فتنہ کے خوف سے نہ ہو منہی عنہ ہے اور وہ غیرت جائز ہے جو بخوف فتنہ ہو چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **الغيرة غيرتان** .الحدیث' غیرتیں دو ہیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا ہے: **ان النساء احدثن** .الحدیث' اور ازانجملہ خوف و مرض ہیں اور ان کا اقسام ہرج میں ہونا ظاہر ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو ایک نابینا سے فرمایا: **تسمع النداء بالصلوٰة قال نعم قال فاجب**. تو اذان سنتا ہے اس نے عرض کیا ہاں آپؐ نے فرمایا اس کی تعمیل کر اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا سوال عزیمت میں تھا پس آپؐ نے اس کو رخصت نہ دی پھر اس بات کے بیان کرنے کی ضرورت ہوئی کہ امامت کے قابل کون شخص ہے اور اجتماع کی کیا ضرورت ہے اور امام کو اس بات کی وصیت کرنے کی ضرورت ہوئی کہ مختصر نماز پڑھا کرے اور مقتدیوں کو اس بات کے حکم دینے کی کہ پورے طور سے اس کا اتباع کریں اور حضرت معاذ ؓ کا قصہ نماز کے طویل کرنے میں مشہور ہی ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے نہایت تاکیدی طور پر ان امور کو بیان فرمایا چنانچہ آپ نے فرمایا: **یام القوم اقراهم بکتاب**. الحدیث' یعنی امامت قوم کی وہ شخص کرے جو ان سب سے زیادہ قرآن کو اچھا پڑھتا ہو اور اگر قراءت میں برابر ہیں تو جو شخص سنت کا زیادہ واقف ہو پھر اگر علم سنت میں بھی برابر ہیں تو وہ شخص جو ہجرت میں مقدم ہو پھر اگر ہجرت میں بھی برابر ہیں تو جو عمر میں زیادہ ہو اور کوئی شخص دوسرے کی سلطنت میں اس کا امام نہ بنے اقرء کے مقدم کرنے کا سبب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے علم کی ایک حد معین کر دی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اور شروع شروع صحابہؓ کے اندر قرآن کا علم تھا کیونکہ وہ تمام علوم کی اصل ہے اور نیز وہ شعائر الٰہی میں سے ایک شعار ہے لہٰذا اس شخص کا مقدم کرنا ضروری ہوا اور اس کی تعظیم واجب ہوئی تا کہ اس وجہ سے لوگوں کے دل میں قرآن کے سیکھنے کی حرص پیدا ہو اور بعض نے جو یہ گمان کیا ہے کہ اس کے مقدم کرنے کی صرف یہ وجہ ہے کہ نماز پڑھنے والے کو قرآن پڑھنے کی ضرورت ہے مگر اصل یہ ہے کہ اس میں لوگوں کا شوق اور حرص اُبھرتا ہے اور باہم حرص کرنے کے سبب سے کمالات حاصل ہوتے ہیں۔ اور نماز میں قراءت کا ضروری ہونا خود نماز کے اعتبار حرص کے ساتھ مخصوص ہونے کا سبب ہے۔ **فليتدبر**.

بعد ازاں سنت کا علم ہے کیونکہ سنت کا درجہ کتاب کے بعد ہے اور اس سے دین کا قیام ہے اور نبی ﷺ نے اپنی امت کے لیے یہی ورثہ چھوڑا ہے اور بعد ازاں ہجرت کا لحاظ کیا گیا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کو عظیم الشان جانا ہے اور لوگوں کو اس کی رغبت دلائی ہے اور اس کو معظم امور میں سے سمجھا ہے امامت کے اندر بھی مہاجر کو مقدم رکھنا اسی ترغیب اور تادیب کا تتمہ ہے اس کے بعد عمر کی زیادتی کا لحاظ کیا گیا کیونکہ تمام ملتوں میں بڑوں کی تعظیم اور توقیر کرنے کا دستور جاری ہے علاوہ بریں کبیر السن آدمی کا تجربہ اور حلم لوگوں سے زیادہ ہوتا ہے اور صاحب سلطنت کا اس سلطنت میں کسی کو امام بننے سے جو آپؐ نے منع فرمایا ہے اس کا یہ سبب ہے کہ یہ بات اس صاحب سلطنت پر شاق گزرے گی اور اس کی سلطنت میں اس بات سے نقصان پیدا ہوگا تو صاحب سلطنت کو سلطنت کے باقی رکھنے کے لحاظ سے اس امر کا حکم فرمایا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اذا صلی احدکم ایها الناس فلیخفف**. الحدیث جب تم میں سے جو کوئی لوگوں کا امام بنے تو اس میں اختصار کرے کیونکہ ان میں مریض اور ضعیف اور بوڑھا بھی ہوتا ہے اور

جب تم میں سے کوئی اکیلا نماز پڑھے تو نماز میں جتنا چاہے طول کرے۔ میں کہتا ہوں کہ دعوت الی الحق کا فائدہ بدوں آسانی کے پورے طور سے نہیں حاصل ہو سکتا اور لوگوں کو نفرت دلانا دین کی مراد کے خلاف ہے اور جس چیز سے تمام دنیا کو مخاطب کیا جائے اس میں تخفیف ضروری ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اس قول سے **ان منکم منفرین** بعض تم میں سے بدکانے والے ہیں اس بات کی تصریح فرمادی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **انما جعل الامام لیوتم به** .الحدیث' امام تو اقتداء کرنے کے لیے بنایا گیا ہے پس تم اس پر مت جھگڑو پس جب رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جب **سمع الله لمن حمده** .کہے تو تم **ربنا لك الحمد** .کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے اس کے بعد جب وہ **ولا لضالین** .کہے تم آمین کہو۔ میں کہتا ہوں جماعت کی ابتداء حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی اجتہاد عقلی سے ہوئی آنحضرت ﷺ نے ان کی رائے کو برقرار رکھا اور اس کو درست بتایا اور انہوں نے یہ اجتہاد اس لیے کیا کہ جماعت کے سبب سے ان سب کی نماز ایک نماز ہو جاتی ہے اور بغیر جماعت کے مسجد میں جمع ہونے سے اگرچہ اتفاق بالمکان ہو جاتا ہے مگر نماز سب کی جدا جدا رہتی ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اپنی اخیر عمر میں بیٹھ کر اور لوگوں نے کھڑے ہو کر آپ کے پیچھے نماز پڑھی اور اس کے منسوخ ہونے میں یہ بھید ہے کہ امام کا بیٹھا رہنا اور لوگوں کا اس کے پیچھے کھڑا ہونا عجمیوں کے فعل کے ساتھ مشابہ ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں کی تعظیم حد سے زیادہ کرتے ہیں جیسا کہ حدیث کی بعض روایتوں میں اس کی تصریح پائی جاتی ہے مگر جب کہ اسلام کی بنیاد پایہ استحکام کو پہنچی اور بہت سے احکام میں عجمیوں کے ساتھ مخالفت ظاہر ہو گئی تو اس قیاس پر ایک دوسرے قیاس کو ترجیح دی گئی کہ قیام نماز کا رکن ہے جو بلا عذر شرعی متروک نہیں ہو سکتا اور اس صورت میں مقتدی کسی صورت سے معذور نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لیلنی منکم اولی الاحلام والنهی** .الحدیث' تم میں سے جو لوگ فہیم اور دانا ہیں وہ میرے پاس رہا کریں پھر جو ان کے قریب بیٹھے اس کو آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ بازاروں کی طرح شور و شغب سے اجتناب کرو۔ میں کہتا ہوں یہ آپ نے اس لیے فرمایا کہ ان کے دلوں میں بڑوں کی عظمت پیدا ہو اور شرفاء کی عادت اختیار کرنے کی ان کو حرص پیدا ہو اور تاکہ عقلاء کو اپنے کم درجے کے لوگوں کا مقدم ہونا ناگوار نہ گزرے اور شور و غل سے جو منع فرمایا ہے اس سے ان کا ادب دینا منظور ہے اور تاکہ وہ قرآن کے اندر غور اور فکر کر سکیں اور ان لوگوں کے ساتھ جو بادشاہ کے روبرو التجاء کرتے ہیں مشابہت پیدا کریں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **الا تصف کما تصفت الملائکة عند ربها** .جس طرح ملائکہ اپنے پروردگار کے سامنے صف باندھے ہوئے برابر کھڑے ہوتے ہیں تم اس طرح کیوں نہیں کھڑے ہوتے۔ میں کہتا ہوں کہ ہر فرشتہ کے لیے ایک درجہ مقرر ہے اور استعدادوں کے اندر ترتیب عقلی کے موافق ان کو پیدا کیا ہے اس لیے ان میں فرجہ نہیں نکلتا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **انی لاری الشیطان یدخل من خلل الصف کانها الحذف** .میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ صفوں کے فرجہ سے نکلتا ہے گویا کہ بھیڑ کا سیاہ بچہ۔ میں کہتا ہوں کہ ہم نے اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ ذکر کے حلقوں میں مل مل کر بیٹھنے سے دلجمعی خوب ہوتی ہے اور ذکر کی حلاوت معلوم ہوتی ہے اور خطرات بند ہو جاتے ہیں اور اس بات کے ترک کرنے سے یہ سب باتیں کم ہو جاتی ہیں اور ان باتوں میں سے جس قدر

کسی بات میں کمی ہوتی ہے اسی قدر وہاں شیطان کو دخل ہوتا ہے آنحضرت ﷺ نے اسی وجہ سے صف کے اندر شیطان کو داخل ہوتے دیکھا ہے اور اس خاص صورت میں دیکھنے کی وجہ یہ ہے کہ عادات کے اعتبار سے بھیڑ کا بچہ اکثر ایسی تنگ جگہوں میں گھسا پھرتا ہے اور پھر اس کو سیاہی کی صفت کے ساتھ دیکھنا جو ایک شئے کی بد طینتی پر دلالت کرتی ہے اسی وجہ سے شیطان اس صورت میں آپؐ کے سامنے متمثل ہوا۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **التسون صفوفکم اولیخالفن الله بین وجوهکم** ۔یا تو اپنی صفوں کو برابر کردو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے منہ پھیر دے گا۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **اما یخشی الذی یرفع راسه قبل الامام ان یحول الله راسه راس حمار** ۔امام سے پہلے جو شخص اپنا سر اٹھالیتا ہے کیا اس کو اس بات کا خوف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کا سا کر دے میں کہتا ہوں کہ آپ کا یہ حکم ان کے لیے تسویہ اور اقتداء میں تھا۔ لیکن انہوں نے اس میں تفریط کی آپؐ نے تہدید فرمائی جب اس پر بھی باز نہ آئے تب آپؐ نے تغلیظ کے ساتھ تہدید فرمائی اور ان کو خوف دلایا اس بات کا اگر اب مخالفت پر اصرار کریں گے اور اس پر بھی باز نہ آئیں گے تو اللہ کی لعنت میں مبتلا ہوں گے کیونکہ مخالفت احکام الٰہیہ کے مستوجب لعنت کے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی لعنت جب کسی کو محیط ہوتی ہے تو بلاشبہ اس کا اثر احد الامرین میں سے ایک ضرور ہوتا ہے۔ مسخ یا واقع ہونا خلاف کا اس قوم میں اور نکتہ حمار کی تشبیہ میں یہ ہے کہ یہ جانور اپنی حماقت اور اہانت میں ضرب المثل ہے لہٰذا ایسے عاصی نافرمان نے جب امام سے سر اٹھانے میں سبقت کی تو اس پر بھی بہیمیت اور حماقت کا غلبہ ہو کر گدھا بن گیا اور تخصیص سر کی اس لیے ہوئی کہ سر ہی نے خداوند تعالیٰ کی تابعداری میں سوء ادبی کی تھی اس لیے جس عضو سے یہ قصور ہوا اسی عضو کو یہ سزا دی گئی۔ جس طرح منہ کے داغ دینے کی سزا ظاہر میں انہوں نے آگے پیچھے ہو کر یہ اختلاف کیا تھا اس لیے اختلاف معنوی اور باہم مخالفت سے یہ سزا دی گئی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **اذا جئتم الی الصلوٰة و نحن سجود فاسجدوا ولا تعدوه شیئا** الخ ۔جب کہ ہم سجدہ میں ہوں اور تم نماز کے لیے آؤ تو تم سجدہ میں شریک ہو جاؤ اور اس کو معتد بہا مت سمجھو اور جس کو رکوع مل گیا اس کو نماز مل گئی۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ رکوع قیام کے قریب قریب ہے اور رکوع میں مل جانا گویا قیام میں مل جانا ہے اور نیز سجدہ نماز میں اصل الاصول ہے اور قیام و رکوع اس کے لیے بمنزلہ تمہید اور واسطہ کے ہیں اور نیز آپؐ نے فرمایا ہے **اذا صلیتما فی رحالکم ثم آتیتما مسجد جماعة فصلیا معهم فانها لکما نافلة** ۔جب کہ تم دونوں نے اپنی قیام گاہ پر نماز پڑھ لی ہو پھر آؤ تم اس مسجد میں جس میں جماعت ہو رہی ہے تو ان کے ساتھ نماز پڑھو کیونکہ وہ تمہارے لیے نفل ہے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ تارک الصلوٰۃ کو اس عذر کا موقع نہ رہے کہ میں نے اپنے مکان پر نماز پڑھ لی ہے پس اس کے لیے انکار کرنا درست نہ ہو اور دوسرے یہ ہے کہ مسلمان کی بات میں افتراق نہ پڑے اگرچہ وہ افتراق ظاہری ہی کیوں نہ ہو۔



جمعہ کا بیان

اصل بات یہ ہے کہ ہر روز نماز کی اس طرح پر اشاعت کہ تمام شہر کے لوگ ایک جگہ اُن کے لیے جمع ہوں یہ امر متعذر ہے اس لیے ضروری ہوا کہ اُن کے لیے ایک حد مقرر کی جائے کہ اس حد کا دوران نہ تو بہت جلد جلد ہو جس کی وجہ سے اُن کے اُوپر دشواری ہو جائے اور نہ بہت مدت میں ہو کہ جس کے سبب سے مقصود ہاتھ سے نکل جائے اور ہفتہ ایسی مقدار ہے کہ تمام عرب وعجم اور اکثر ملتوں میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے اور اس میں اس بات کی قابلیت ہے کہ اس کو حد بنایا جائے اس لیے اُسی کو نماز کا وقت معین کیا گیا اب اس بات کے اندر کہ ان دنوں میں سے کون سا دن ایسی عبادت کے لیے مخصوص کیا جائے یہود نے ہفتہ کے دن کو اور نصاریٰ نے اتوار کو اپنی اپنی رائے کے موافق ان دنوں کو اور دنوں پر ترجیح دے کر پسند کیا اور اس امت کو اللہ پاک نے علم عظیم کے ساتھ خاص کیا کہ شروع شروع آنحضرت ﷺ کے صحابہ کے دلوں میں اس کا القاء فرمایا جس کی بناء پر انہوں نے آنحضرت ﷺ کے تشریف لے جانے سے پیشتر خود بخود جمعہ کے دن کو قائم کیا بعد ازاں آنحضرت ﷺ پر اس کا انکشاف فرمایا اس طرح پر کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپؐ کے پاس ایک آئینہ لے کر جس کے اندر ایک سیاہ نقطہ تھا تشریف لائے اور اس مثال سے جو مراد تھی وہ آپ ﷺ کو بتلائی آنحضرت ﷺ نے اس کو معلوم کر لیا اور اس علم کا حاصل یہ ہے کہ ادائے طاعت کے لیے بہترین اوقات میں سے وہ وقت ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کو بندوں کے ساتھ قربت ہوتی ہے اور اس وقت میں ان کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں کیونکہ ایسے وقت میں طاعت کے قبول ہونے میں بہت سرعت ہوتی ہے اور خاص دن کے اندر اُس کا اثر ہوتا ہے اور ایک عبادت بہت سی عبادتوں کا نفع بخشتی ہے دوسرے یہ کہ اللہ پاک کو اپنے بندوں کے ساتھ تقرب کا ایک وقت مقرر ہے جو ہفتوں کی گردشوں سے اُس کی بھی گردش ہوتی رہتی ہے اس وقت میں جنت الکشف میں اپنے بندوں کے لیے تجلی فرماتا ہے اور غالب گمان یہی ہے کہ وہ وقت جمعہ ہی کا دن ہوتا ہے کیونکہ اس میں اور بہت سے عظیم الشان امور واقع ہوتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ **((خیر یوم طلعت علیه الشمس یوما الجمعة))** الحدیث. بہترین دنوں کا جس میں آفتاب کا طلوع ہوتا ہے دن جمعہ ہی کا ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی دن جنت میں داخل کیے گئے اور اسی روز اُس سے باہر کیے گئے اور جمعہ ہی کے دن قیامت برپا ہوگی اور تمام بہائم جمعہ کے دن گھبرائے ہوئے ہوتے ہیں یعنی پریشان اور خائف ہوتے ہیں جس طرح کسی سخت مہیب آواز سے ڈرتے ہیں اور اُس کی یہ وجہ ہوتی ہے کہ اس دن ملاء سافل سے اُن کے دلوں پر اس گھبراہٹ کا اثر پیدا ہو جاتا ہے اور ملاء سافل میں ملاء اعلیٰ سے جب اُن کے نفوس میں حکم الٰہی کے نازل ہونے سے یہ گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے یہ اثر پیدا ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ **((کسلسلة علی صفوان حتی اذا فزع عن قلوبهم))** الحدیث یعنی جس طرح سخت پتھر پر لوہے کی زنجیر ماری جاتی ہے تو اس سے آواز پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا حکم فرمایا ہے

اور آنحضرت ﷺ نے اس نعمت کا حسب الحکم جناب باری تعالیٰ کے ذکر بھی کیا ہے اور فرمایا ہے ہم ایسے آخر میں پیدا ہونے والے اور قیامت کے دن سابق رہنے والے یعنی جنت میں داخل ہونے یا حسنات کے پیش ہونے میں بجز اتنی بات کے کہ اُن کو ہم سے پیشتر کتاب دی گئی ہے اور ہمیں اُن سے بعد کو عطا ہوئی ہے تو صرف اُس کے لحاظ سے وہ ہم سے عدم ہیں پھر ایک دن ہے جو اُن کے لیے مقرر کیا گیا ہے انہوں نے اس دن میں اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی کے موافق ہم کو بتایا ہے اور آنحضرت ﷺ کی مراد اس دن کے کہنے سے دن کا ایک فرد منتشر مراد ہے جو ہمارے لیے وہ جمعہ کے پائے جانے سے پایا جاتا ہے اور ان کے حق میں اتوار اور ہفتہ کے دن سے الحاصل وہ ایک ایسی فضیلت ہے کہ اللہ پاک نے خاص اسی امت کو عطا کی ہے اور شرع کے اندر جو چیز اصل ہونی چاہیے یہود و نصاریٰ بھی اُس سے محروم نہیں۔ اور آسمانی شریعتوں کا یہی حال ہوتا ہے کوئی قانون شرعی اس میں باقی نہیں رہتا ہے اگر چہ بعض کو بعض سے زیادہ فضیلت سے امتیاز ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے اس گھڑی کا نہایت اہتمام فرمایا ہے اور اس کا بڑا مرتبہ بیان فرمایا ہے اور فرمایا ہے۔ ((**لا یوافقها مسلم لیسئل الله فیها خیرًا الا اعطاه ایاه**)) اس گھڑی میں کوئی مسلمان بندہ خدائے تعالیٰ سے بہتری کا سوال نہیں کرتا ہے مگر اللہ پاک اس کو عطا فرماتا ہے اب اس گھڑی کی تعیین میں روایات مختلفہ آئی ہیں بعض تو کہتے ہیں یہ گھڑی اُس وقت ہوتی ہے کہ جب امام بیٹھے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو کیونکہ اس گھڑی میں آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ایمان والے اس وقت خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں پس اس وقت میں آسمان و زمین کی برکات مجتمع ہو جاتی ہیں۔ بعض کے نزدیک وہ گھڑی عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک ہے کیونکہ وہ وقت احکام الٰہیہ کے نازل ہونے کا ہے اور بعض کتب الٰہیہ میں اس بات کا بیان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بھی اُسی گھڑی میں پیدا کیے گئے ہیں۔ اور میرے نزدیک یہ سب تخمین ہے تعیین نہیں ہے پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ لوگوں کے لیے جمعہ کا وقت واجب ہونا بیان کیا جائے اور اُن کو اس کی تائید کی جائے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((**لینتهین اقوام عن ودعهم الجمعات**)) **الحدیث**۔ یا تو لوگ جمعوں کے ترک سے باز رہیں ورنہ اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ بے خبر ہو جائیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جمعہ کا ترک کرنا دین کے اندر باب تہاون کھول دینا ہے اور یہ شیطان کے غالب ہونے کا سبب ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((**تجب الجمعة علی کل مسلم الا امراۃ او صبی او مملوك**))

''بجز عورت اور بچے اور غلام کے ہر ایک مسلمان پر جمعہ واجب ہے۔'' اور فرمایا ہے:

((**الجمعة علی من سمع النداء**))

''جس کے کان میں اذان کی آواز پہنچے اس پر جمعہ واجب ہے۔''

میں کہتا ہوں اس میں افراط و تفریط کے اندر اعتدال رعایت معذورین اور ان لوگوں کے لیے جن کو نماز جمعہ تک پہنچنا دشوار ہے یا اُن کے وہاں جانے میں فتنہ کا خوف ہے اُن کے لیے تخفیف ہے اور نیز اس بات کی ضرورت پڑی کہ اُن کے لیے نہانے اور مسواک کرنے اور خوشبو لگانے اور کپڑوں کے پہننے سے پاکیزگی کو مستحب کیا جائے کیونکہ یہ اشیاء طہارت کا تتمہ ہیں ان کے سبب

سے نفس کو پاکیزگی کی صفت پر۔اور زیادہ تنبیہ ہوئی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((**لو لا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلوٰۃ**)).

''اگر میں امت پر گراں نہ سمجھتا تو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔''

اور نیز لوگوں کے واسطے نہانے اور خوشبو لگانے کے لیے کوئی بات ضرور ہونی چاہیے کیونکہ بنی آدم علیہ السلام کی عمدہ عادات میں سے یہ باتیں ہیں اور چونکہ ہر دن ان چیزوں کا التزام دشوار تھا۔اس لیے جمعہ کا دن اس بات کے لیے مقرر کیا گیا کیونکہ جمعہ کا دن مقرر کرنے سے جمعہ کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے اور نماز بھی کامل ہوتی ہے۔چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((**حق علی کل مسلم ان یغتسل فی کل سبعة ایام یوم یغسل فیه راسه و جسده**))

''ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک دن غسل کیا کرے اور غسل میں اپنا سر اور بدن دھویا کرے۔''

اور نیز وہ لوگ اپنا کام کاج خود کرتے تھے اور جب جمع ہوتے تھے تو اُن میں سے بھیڑوں کی سی بدبو نکلتی تھی اس لیے اُن کو نہانے کا حکم دیا گیا تاکہ تنفر کا سبب دفع ہو اور ان کا باہم جمع ہو کر بیٹھنے کو دل چاہے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کو بیان فرمایا ہے۔اور نیز اس بات کی ضرورت ہوئی کہ اُن کو خاموش رہنے اور امام سے قریب ہونے اور لغویات کے ترک کرنے اور سویرے آنے کا حکم دیا جائے تاکہ وعظ ونصیحت کے سننے اور ان میں تدبیر کرنے کا اُن کو پورا پورا موقع ملے اور نیز اس بات کا حکم دیا جائے کہ جمعہ کی نماز کو پیادہ پا آئیں اور سواری میں نہ آئیں کیونکہ تواضع اور خاکساری کے وہ قریب ہے دوسرے یہ کہ جمعہ کے اندر تنگدست اور غنی سب طرح کے لوگ جمع ہوتے ہیں اس سبب سے یہ احتمال ہے کہ جس شخص کے پاس سواری نہیں ہے اس کو وہاں آنے سے حجاب آئے لہٰذا اس دروازے کا بند کر دینا مناسب ہوا اور نیز یہ بات بھی ضروری تھی کہ خطبہ سے پہلے کچھ نماز کا پڑھنا مستحب کیا جائے جس کی وجہ نماز پنجگانہ کی سنتوں میں ہم بیان کر چکے ہیں۔اگر کوئی شخص امام کے خطبہ پڑھنے میں مسجد میں آیا تو اس کو چاہیے کہ دو رکعت چھوٹی چھوٹی پڑھ لے کیونکہ اس میں بقدر امکان سنت کی بھی رعایت ہے اور خطبہ کا بھی ادب ہے اس مسئلہ میں تیرے شہر کے لوگ جو شور کرتے ہیں اُن کے دھوکے میں نہ آؤ کیونکہ اس کے حق میں حدیث صحیح وارد ہے جس کا اتباع واجب ہے اور نیز اس بات کی ضرورت ہوئی کہ ان کو لوگوں کے اُوپر ہو کر گزرنے اور دو شخصوں کو علیحدہ کرنے اور کسی کو اپنی جگہ پر اس غرض سے بٹھا جانا کہ کوئی اور وہاں نہ بیٹھ جائے منع کیا جائے کیونکہ جہلا لوگ اس قسم کی حرکت اکثر کیا کرتے تھے اور ایسے امور سے باہم فساد پیدا ہوتا ہے اور عداوت کا تخم ہے۔پھر آنحضرت ﷺ نے جمعہ کو تمام آداب کے ساتھ پورے طور پر ادا کرنے والے کا ثواب بیان فرمایا کہ اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک سب گناہ صاف ہو جاتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ نور الٰہی اور مومنین کی دعا اور اُن کی صحبت برکات اور وعظ اور ذکر الٰہی وغیرہ کی برکت کے دریا میں غرض ہونے کے لیے یہ نماز کافی مقدار ہوتی ہے اور پھر آپؐ نے اس نماز میں سویرے آنے کے درجات اور اُن کے اوپر جو ثواب مترتب ہوتا ہے اونٹ اور گائے اور دنبہ اور مرغی کے ساتھ مثال دے کر اس کا بیان فرمایا ہے اور جمعہ کے وجوب کے وقت سے خطبے کے لیے کھڑے ہونے تک یہ ساعتیں تھوڑے تھوڑے اوقات ہیں۔اور معلوم کرنا چاہیے کہ جس نماز میں تمام ادنیٰ واعلیٰ لوگ جمع ہوتے ہیں وہ ایک ہی شفع (دو رکعت) کی مقرر کی گئی ہے تاکہ ان پر گراں نہ

گزرے علاوہ بریں اُن میں ضعفاء اور مریض اور صاحب حاجت سب طرح کے لوگ ہوتے ہیں اور ایسی نمازوں میں قرآن پاک جہراً پڑھنا مقرر کیا گیا تا کہ اُن کو قرآن کے اندر تدبیر کا موقع حاصل ہو اور اس میں قرآن کی عظمت بھی پائی جاتی ہے اور ایسی نمازوں میں خطبہ بھی مقرر کیا گیا تا کہ جو لوگ ناواقف ہیں وہ واقف ہو جائیں اور جو لوگ باوجود واقفیت کے غافل ہیں اُن کے لیے یاددہانی ہو جائے اور آنحضرت ﷺ نے جمعہ کے اندر دو خطبوں اور ان کے درمیان میں جلسہ کرنے کو مسنون فرمایا تا کہ مطلوب پورا پورا حاصل ہو جائے اور خطیب کو آرام بھی مل جائے اور نیز اس کا اور سامعین کا نشاط از سرنو تازہ ہو جائے اور خطبہ کا پڑھنا اس طرح پر مسنون ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے اور آپ پر دُرود بھیجے اور توحید و رسالت کی شہادت ادا کرے اور بیچ میں کلمہ فصل (اما بعد) لا کر لوگوں کو پند و نصیحت و تقویٰ کا حکم کرے اور اُن کو دنیا و آخرت کے عذاب الٰہی سے ڈرائے اور کچھ قرآن پاک پڑھے اور کچھ مسلمانوں کے حق میں دعائے خیر کرے اس کا سبب یہ ہے کہ اس طریقہ نصیحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ و رسولؐ و قرآن پاک کی عظمت بھی پائی جاتی ہے کیونکہ خطبہ دین کا شعار ہے۔ اذان کی طرح یہ چیزیں اس میں بھی ضرور ہونی چاہئیں۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے:

((كل خطبة ليس فيها تشهد فهو كاليد الجزماء))

''جس خطبہ میں کلمۂ شہادت نہ ہو وہ مثل دست بریدہ کے ہے۔''

معناً یہ بات بدون الفاظ کے امت کو برابر پہنچتی چلی آئی ہے کہ جمعہ کے اندر جماعت اور ایک قسم کی شہریت شرط ہے اور آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے خلفاء راشدین اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ ان سب کی یہی عادت تھی کہ جمعہ شہروں ہی میں کرتے تھے اور اہل قریٰ سے کچھ تعرض نہ کرتے تھے اور اُن کے عہد میں قریہ کے اندر جمعہ نہ ہوتا تھا اس بات سے لوگ قرناً بعد قرن یہ سمجھنے لگے کہ جمعہ کے لیے جماعت اور شہریت شرط ہے میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ جمعہ کی حقیقت شہر میں دین کی اشاعت ہے لہٰذا شہریت اور جماعت کا اعتبار ضروری ہوا اور صحیح تر قول میرے نزدیک یہ ہے کہ کم از کم جس پر قریہ کا اطلاق آتا ہو جمعہ کے لیے کافی ہے کیونکہ مختلف طریقوں سے جو بعض بعض کی تائید کرتے ہیں آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ پانچ قسم کے لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے اور اہل بادیہ کو بھی آپؐ نے انہیں میں شمار کیا ہے اور نیز آپؐ نے فرمایا ہے:

((الجمعة على خمسين رجلا))۔ ''جمعہ پچاس لوگوں پر واجب ہے''۔

میں کہتا ہوں کہ پچاس آدمیوں سے قریہ بن جاتا ہے اور آپؐ نے فرمایا ہے:

((الجمعة واجبة على كل قرية))۔ ''ہر گاؤں والوں پر جمعہ واجب ہے''۔

اور کم سے کم جس کو جماعت کہہ سکیں میرے نزدیک جمعہ کی صحت کے لیے کافی ہیں اور حدیث انفضاض اُس پر دال ہے اور بظاہر وہ لوگ متفرق ہو کر پھر واپس نہیں آئے۔ واللہ اعلم جب ابتداء جماعت کے لوگ موجود ہوں تو جمعہ واجب ہو جاتا ہے اور اُن کے ساتھ نہ ہونے سے عاصی نہ ہوگا اور چالیس آدمیوں کی تعداد شرط نہیں ہے اور نیز اس حکم کا دینا ضروری تھا کہ نماز کے قائم کرنے کے لیے حاکم کا ہونا مناسب ہے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے: ((اربع الا الامام))۔ یعنی سوائے امام کے یہ چار ہوں اور امام کا ہونا شرط نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

عید الاضحیٰ اور عید الفطر کا بیان

اصل ان میں یہ ہے کہ ہر ایک قوم کے لیے ایک دن مخصوص ہوتا ہے کہ اُس میں اپنا تجمل کرتے ہیں۔ اور خوب زینت کے ساتھ اپنے شہروں سے نکلتے ہیں اور یہ ایسی رسم ہے کہ اس سے کوئی خالی نہیں عرب اور عجم میں اور جب کہ آپؐ مدینے میں تشریف لائے تو اُن کے لیے دو دن ایسے تھے کہ ان میں وہ لہو ولعب کرتے تھے آپؐ نے فرمایا کہ یہ کیسے دن ہیں انہوں نے عرض کی کہ ہم زمانہ جاہلیت میں ان دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے تب آپؐ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے بجائے ان دو دنوں کے دو اور دن اس سے بہتر بدلہ میں دیئے وہ یوم الضحیٰ اور یوم الفطر ہیں اور یوں مشہور ہے کہ وہ دو دن یوم نیروز اور یوم مہرجان تھے اور ان کے تبدیل کرنے کی یہ ضرورت ہوئی کہ لوگوں میں کوئی دن خوشی کا نہیں ہوتا مگر مقصود اس سے اظہار شعار دین یا آئمہ مذہب کے موافقت یا کوئی اسی قسم کی اور بات ہوتی ہے اس سے آنحضرت ﷺ کو اس بات کا خیال ہوا کہ اگر اُن کو آپؐ نے اسی حالت پر چھوڑ دیا تو ایسا نہ ہو کہ جاہلیت کی رسم باقی رہ جائے یا پچھلوں کے طریقہ کی ترویج ان میں پائی جائے۔ پس اسی لیے آپؐ نے بجائے ان دونوں کے ایام عیدین کو مقرر فرمایا اور ان میں ملت حنفیہ کے شعار کی عظمت ہے اور باوجود تجمل کے ان میں ذکر خدا اور ابواب بندگی کو ملایا یہ اس لیے تاکہ اجتماع مسلمانوں کا صرف لعب نہ ہو اور تاکہ اُن کا باہم اکٹھا ہونا خدا کے کلمہ کے بلند ہونے سے خالی نہ ہو اور ان دنوں میں سے ایک تو وہ دن ہے کہ جب وہ اپنے روزوں سے فارغ ہوتے ہیں اور ایک طرح کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اس لیے اس دن دو قسم کی خوشیاں جمع ہو جاتی ہیں طبعی اور عقلی۔ طبعی خوشی تو ان کو اس لیے حاصل ہوتی ہے کہ روزہ کی عبادت شاقہ سے فارغ ہو جاتے ہیں اور محتاجوں کو صدقہ مل جاتا ہے اور فرحت عقلی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادت مفروضہ کے ادا کرنے کی اُن کو توفیق عطا فرمائی اور ان کے اہل وعیال کو دوسرے سال تک باقی رکھنے کا اُن پر انعام کیا اور دوسرا وہ دن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی جان کے بدلے میں جنت کا دنبہ عنایت کیا اس لیے کہ اس میں ملت ابراہیمی کے ائمہ کے حالات کی یاد دہانی اور جان و مال کی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں خرچ کرنے اور ان کے غایت درجہ کے صبر کرنے کے ساتھ لوگوں کو عبرت دلانا ہے اور نیز اس میں حاجیوں کے ساتھ تشبیہ ہے اور اُن کی عظمت ہے اور جس کام میں مشغول ہیں اس کی طرف ترغیب دلانا ہے لہٰذا تکبیر کا کہنا مسنون کیا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے جو اُن کو ہدایت فرمائی ہے اس کے بدلے اس کی بڑائی بیان کرو یعنی تم کو جو روزوں کے ادا کرنے کی توفیق دی ہے اس کے شکر میں ایسا کر اس لیے قربانی اور تکبیر بآواز کہنا ایام منیٰ میں مسنون کیا اور جو شخص قربانی کا ارادہ کرے اس کے لیے سر کا نہ منڈوانا (یعنی حجامت نہ کروانا مستحب کیا گیا اور نماز اور خطبہ مقرر کیا گیا تاکہ اُن کا کوئی اجتماع ذکر الٰہی اور شعار دین کی عظمت سے خالی نہ ہو اور اُس کے ساتھ شارع نے منجملہ مقاصد شرعیہ کے ایک اور مقصد کو بھی شامل کیا اور وہ یہ ہے کہ ہر ملت کے لیے ایک دن ایسا ضرور ہونا چاہیے

جس میں اس ملت کے لوگ اپنے اظہار شوکت اور مجمع کی کثرت ظاہر کرنے کی غرض سے باہر نکل کر جمع ہوں اس لیے سب کا جانا عید کے لیے مستحب ہوتیٰ کہ بچے اور عورتیں پردہ نشین اور بے نماز عورتوں کا نکلنا بھی مستحب کیا گیا ہے لیکن حائضہ عورتیں عیدگاہ سے علیحدہ ہو کر ایک طرف کو بیٹھ جائیں مگر دعا میں شریک ہو جائیں۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ آنے اور جانے کا راستہ بدل دیتے تھے تاکہ دونوں طرف کے لوگوں کو مسلمانوں کی شوکت وعظمت ظاہر ہو جائے اور چونکہ اصل عید سے زینت مقصود ہے لہٰذا اچھا لباس پہننا اور دف کا بجانا اور ایک راستہ سے عیدگاہ کو جانا اور دوسرے سے پھرنا مستحب کیا گیا عیدین کی نماز پڑھنے کا یہ طریقہ ہے کہ بغیر اذان واقامت کے نماز شروع کرے اور بالجہر قرآن پڑھے اگر تخفیف کا موقع ہو تو سورہ سبح اسم ربک الاعلی الذی اور سورہ ھل اتاک پڑھے۔ اور اگر طوالت کے ساتھ پڑھنا ہو تو سورہ قٓ اور سورہ اقتربت الساعۃ پڑھے۔ اور پہلی رکعت میں قراءۃ سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری میں بھی قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہے اور اہل کوفہ کے نزدیک مثل نماز جنازہ کے قراءت سے پہلے پہلی رکعت میں چار تکبیریں اور دوسری میں بھی قراءت کے بعد چار تکبیریں کہے مگر دونوں طور سے سنت ہے اتنا ضرور ہے کہ جس پر اہل حرمین کا عمل ہے اس کو ترجیح ہے نماز کے بعد پھر خطبہ پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے خوف کرنے کا لوگوں کو حکم دے اور وعظ ونصیحت کو بیان کرے مگر عید الفطر کے لیے یہ بات خاص ہے کہ جب تک چند چھوہارے نہ کھالے نماز کو نہ جائے اور اُن کو طاق کھانا چاہیے اور نماز سے پہلے ہی صدقہ فطر ادا کردے تاکہ ایسے روز مساکین کی حاجت دفع ہو جائے اور دلجمعی سے نماز کو جائیں اور چونکہ ماہ صیام کے گزرنے پر اطلاع دینا منظور ہے اور ان باتوں کے کرنے میں روزے کے خلاف باتیں پائی جاتی ہیں اور عید الضحیٰ میں یہ بات خاص ہے کہ نماز سے واپس ہونے کے بعد کچھ کھائے اور قربانی میں سے کھائے اس میں قربانی کی عظمت اور اس کی طرف رغبت پائی جاتی ہے اور اس کا متبرک ہونا ثابت ہوتا ہے اور قربانی بعد نماز کے کرے کیونکہ قربانی کا کرنا حاجیوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہونے کی وجہ سے عبادت مقرر کیا گیا ہے اور نماز کے لیے اجتماع سے یہ مشابہت اُن کو حاصل ہو سکتی ہے۔ اور قربانی کے لیے بھیڑ کا سال بھر کا بچہ یا بکری کا چھ مہینے کا بچہ ہر گھر والے کے لیے ہونا چاہیے اور قربانی کو ہدی پر قیاس کر کے گائے اور اونٹ کی سات قربانیوں کی طرف کافی سمجھا ہے اور چونکہ قربانی اللہ تعالیٰ کے لیے مال خرچ کرنے کے قبیلہ سے ہے۔ چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ﴾

''اُن کے گوشت وخون اللہ کے پاس کبھی نہیں پہنچتے مگر تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔''

اس لیے قربانی کا موٹا کرنا اور اچھا جانور پسند کر کے قربانی کرنا مستحب ہوا کیونکہ اُس سے اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت صحیح طور سے معلوم ہوتی ہے اس واسطے چار قسم کے جانوروں کی قربانی نہ کرنی چاہیے ایک تو لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن کھلا ہوا ہو اور دوسرا وہ جانور جس کی آنکھ صاف پھوٹی ہو اور تیسرے وہ جانور جس میں کوئی کھلی ہوئی بیماری ہو۔ چوتھے ایسا دُبلا جس کی ہڈیوں کا مغز بھی تحلیل ہو گیا ہو اور جس کا کان یا سینگ کٹا ہو تو اس کی بھی قربانی کرنا منع ہے اور آنکھ و کان کا دیکھ لینا مستحب ہے اور جس جانور کا سامنے سے کان کٹا ہوا ہو اس کی بھی قربانی منع ہے اور جس کا کان پیچھے سے کٹا ہو اس کی بھی نہیں درست ہے اور نہ اُس جانور کی کہ جس کا کان چرا ہوا ہو اور جس کے کان میں سوراخ ہو اُس کی بھی قربانی درست نہیں اور نر قوی سینگ دار دنبہ کی قربانی کرنا جس کی آنکھیں اور

پیٹ اور سینہ اور پاؤں سیاہ ہوں مسنون ہے کیونکہ یہ سب باتیں اس کی جوانی بھرنے کی علامتیں ہیں اور جو وظیفہ قربانی کرنے میں پڑھا جاتا ہے یہ ہے۔

﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ.... الخ﴾ .... اللّٰهم منك و اليك و لك من الله والله اكبر . .

جنازوں کا بیان

معلوم کرو کہ مریض کو دیکھنے جانا اور تعویذوں مبارک سے اُس کا تمسک کرنا اور مرتے وقت اُس کے ساتھ نرمی کی باتیں کرنا اور کفن ودفن میت کا اور اس کے ساتھ نیکی کرنا اور اس پر رونا۔ اس کے پسماندوں کی دلجمعی کرنا اور قبور کی زیارت کرنا یہ ایسے امور ہیں کہ تمام عرب کے لوگ ان پر قائم ہیں اور اپنے ہاں اُن کو برتتے ہیں اور اہل عجم بھی ایسا ہی کرتے ہیں اور یہ ایسی رسوم ہیں کہ کوئی ذی شعور اس سے خالی نہیں اور یہ غیر مناسب ہے کہ یہ رسوم اُن سے چھڑا دی جائیں پھر جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی تب آپؐ نے اُن کی عادات ورسوم کا جن کو وہ کرتے تھے ملاحظہ فرمایا اور اُن کی اصلاح فرمائی اور جو نقصان تھے ان کو دُور کیا اور مصلحت میں دنیا و آخرت کے اعتبار سے تو خاص اُس مریض ہی کا لحاظ ہوتا ہے یا اس کے اہل وعیال کا ہوتا ہے۔ انہیں دونوں اعتباروں میں سے ایک اعتبار سے یا ملت کا ہوتا ہے پس دنیا کے اعتبار سے مریض اس بات کا حاجت مند ہوتا ہے کہ اس کی تکلیف ومصیبت میں اس کو تسلی دیں اور اس کے دُکھ دَرد میں شریک ہوں اور اس کے ساتھ پیار ومحبت کی باتیں کریں اور جس بات سے وہ عاجز ہے اس میں اس کی اعانت کی جائے اور یہ امر بغیر اس بات کے ممکن نہیں کہ اُس کے بھائی بند اور اُس کے شہر کے دوست وآشنا اور اور لوگوں کو اُس کے ہاں آنا سنت لازمہ گردانا جائے اور آخرت میں اس کو اس بات کی حاجت ہے کہ بیماری میں وہ صبر کرے اور بیمار کی تکلیفیں اس کے سامنے مثل دوا تلخ کے معلوم ہوں جس کا ذائقہ ناگوار ہوتا ہے لیکن اُس میں نفع کی امید ہوتی ہے تا کہ بیماری اُس کے حق میں حب دنیا اور بعد الٰہی کا سبب نہ ہو بلکہ اس کی جان کے اجزاء تحلیل ہونے کے ساتھ وہ بیماری اُس کے گناہوں کی کمی کا باعث ہو اور یہ بات جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ اس کو اس تکلیف کی حالت میں صبر کے فوائد اور تکالیف کے اجر پر آگاہ کیا جائے اور جب آدمی کا دم نکلنے لگتا ہے تو یہ دن اس کے حق میں دنیا کا اخیر اور آخرت کا پہلا دن ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ بات ضروری ہے کہ اُس کو یاد الٰہی اور توجہ الی اللہ پر ترغیب دلائی جائے تا کہ اس کی جان ایمان کے جامہ میں اس جہان سے مفارقت کرے اور آخرت میں اس کا ثمرہ اس کو حاصل ہو اور انسان بشرطیکہ اُس کا مزاج صحیح ہو جس طرح اُس کی سرشت میں مال اور اولاد کی محبت داخل ہوتی ہے اسی طرح یہ بات بھی اُس کو عزیز ہوتی ہے کہ حالت زندگی اور نیز مرنے کے بعد بھلائی سے اُس کو یاد کریں اور اس کا کوئی عیب ان پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ حتی کہ ہر گروہ کے بڑے بڑے ہوشمند اور صحیح العقل اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ کوئی بلند عمارت مال کثیر صرف کر کے تیار کی جائے جس سے اُن کا ذکر باقی رہے اور صرف اس غرض سے لوگ اُن کو بہادروں کے زمرہ میں شمار کریں۔ جان جوکھوں کی جگہ گھس پڑتے ہیں اور کبھی ان میں سے کوئی اس بات کی وصیت کرتا ہے کہ میری قبر بلند کی جائے تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ فلاں شخص اپنی زندگی میں بھی صاحب

نصیب رہا اور بعد وفات بھی۔ حتیٰ کہ اُن کے عقلا کا یہ قول ہے کہ جس کا ذکر لوگوں میں موجود ہے وہ مردہ نہیں ہے اور چونکہ یہ ایسا امر ہے کہ اسی پر اُن کی پیدائش اور اسی پر اُن کی موت ہوتی ہے لہٰذا اُن کے اس خیال کی تصدیق اور اُن کے وعدوں کا پورا کرنا مرنے کے بعد اُن کے حق میں ایک قسم کا احسان ہوا۔ اور نیز جب آدمی کی روح بدن کو چھوڑتی ہے اُس کی حس مشترک وغیرہ کو حس اور ادراک باقی رہتا ہے اور جو خیالات اور علوم زندگی میں اس کے ساتھ تھے مرنے کے بعد بھی اس کے ہمراہ رہتے ہیں۔ اور پھر عالم بالا سے اس پر اور علوم کا ترشح ہوتا ہے جن کی وجہ سے میت کو عذاب یا ثواب ہوتا ہے اور خدا کے نیک بندوں کی ہمتیں جب عالم قدس تک پہنچتی ہیں اور اس میت کے لیے وہ گڑگڑا کر دعا کرتی ہیں یا میت کے لیے بہت کچھ صدقہ دیتے ہیں تو حکم الٰہی سے میت کے حق میں نافع پڑتا ہے اور اُس عالم سے جب اُس پر فیضان ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہو کر اس میت کی درستی حالت کا سبب ہو جاتا ہے اور میت کے گھر والوں کو اس کی موت سے سخت غم اور رنج ہوتا ہے لہٰذا دنیا کے اعتبار سے ان کے حق میں بھلائی یہ ہے کہ لوگ اس کی تعزیت کے لیے آئیں تا کہ ان کا رنج کچھ کم ہو اور میت کے دفن کرانے میں شریک ہو کر اُن کی مدد کریں اور اُن کو ایک دن رات کھانا دیں اور آخرت کے لحاظ سے اُن کے لیے بہتری یہ ہے کہ اُن کو اجر عظیم کی ترغیب دلائی جائے تا کہ ہمہ تن اس کی پریشانی میں وہ مصروف نہ ہوں اور اللہ کی طرف اُن کی توجہ ہو اور چلانے اور کپڑے پھاڑنے اور تمام اُن چیزوں سے جو غم اور مصیبت کو یاد دلاتی ہیں۔ اور اُن کا غم اور پریشانی بڑھاتی ہیں منع کریں کیونکہ اس وقت میں وہ لوگ بمنزلہ مریض کے ہو جاتے ہیں اُن کے مرض کا علاج کرنا چاہیے نہ یہ کہ اُن کا مرض اور بڑھایا جائے اہل جاہلیت نے کچھ رسمیں اپنی جانب سے ایجاد کر لی تھیں جن سے شرک لازم آتا تھا اس لیے مصلحت شرعی کا یہ مقتضی ہوا کہ اس دروازہ کو بند کیا جائے۔

جب تم کو یہ سب باتیں معلوم ہو گئیں تو اب ہم ان احادیث کی شرح کرنی چاہتے ہیں جو اس بات میں وارد ہوئی ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((ما من مسلم یصیبه اذی من مرض فما سواه الا حط الله به سیئاته کما تحط الشجرة ورقها))

''کوئی مسلمان بندہ ایسا نہیں کہ جس کو کوئی مرض اور کسی طرح سے کوئی تکلیف پہنچے مگر اللہ تعالیٰ اُس کے سبب سے اس کے گناہ کم کر دیتا ہے۔ جیسے درخت سے پتے گر جاتے ہیں۔''

میں کہتا ہوں گناہوں کے دور ہونے کے اسباب کا ذکر پہلے ہو چکا ہے منجملہ اُن اسباب کے ایک سبب حجاب نفسانی کا کمزور ہو جانا اور سیات بہیمیہ کا جو اخلاق رذیلہ کے محل ہے۔ تحلیل ہو جانا ہے اور مصیبت کے سبب سے انسان کا دل دنیا سے متنفر ہو جاتا ہے اور اُس کو زندگی سے ایک قسم کی بیزاری پیدا ہو جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

((مثل المومن کمثل الخامة ومثل المنافق کمثل الارزة)) الحدیث

مومن کی مثل اُس پودے کے ہے کہ شروع شروع زمین سے اُگتا ہے اور منافق کا حال مثل درخت صنوبر کے

میں کہتا ہوں اس میں یہ بھید ہے کہ انسان کے نفس میں دو قوتیں ہیں ایک قوت بہیمی دوسری ملکی اور آدمی کا یہ خاصہ ہے کہ کبھی تو اُس کو قوت بہیمی دبی جاتی ہے اور ملکی ظاہر ہو جاتی ہے تو اس وقت میں وہ انسان ملائکہ کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور کبھی قوت ملکی دبی جاتی ہے اور قوت بہیمی کا ظہور ہو جاتا ہے اس وقت میں وہ انسان مثل بہائم کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے قدر ہو جاتا ہے اور جب آدمی قوت بہیمی کے قبضہ سے نکل کر قوت ملکی کی عملداری میں داخل ہوتا ہے تو اس کے حالات مختلف ہوتے ہیں اُن حالات میں باہم ان دونوں قوتوں کا مقابلہ رہتا ہے کبھی قوت بہیمی ملکی پر غلبہ کرتی ہے کبھی ملکی بہیمی پر دنیا میں جزا و سزا دینے کے یہی مواقع ہوتے ہیں اور دنیا کے اندر جزا و سزا کی حقیقت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اُس کو دیکھنا چاہیے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((اذا مرض العبد او سافر كتب له بمثل ما كان يعمل صحيحا مقيمًا)).

''جب بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کرتا ہے تو اس کے لیے اسی قدر اعمال کا اجر لکھا جاتا ہے جو حالت صحت و اقامت میں وہ کرتا تھا۔''

میں کہتا ہوں جب آدمی کسی کام کرنے پر ہمت باندھتا ہے اور بجز مانع عارض کے کوئی اس کو اس کام سے روکنے والا نہیں ہوتا تو جو کام قلب کا ہے وہ اس سے ادا ہو جاتا ہے اور تقویٰ کا دارومدار قلب ہی پر ہے اور باقی اعمال تقویٰ کا عنوان اور اس کی دلیل ہیں کہ قدرت کے وقت اُن کا کرنا ضرور ہوتا ہے اور مجبوری کے وقت متروک کر دیئے جاتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((الشهداء خمسة او سبعة)) شہید پانچ لوگ ہیں یا یہ فرمایا ہے کہ سات شخص ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ وہ سخت مصیبت جو بندہ کی طرف سے نہیں ہوتی گناہوں کے دُور کرنے اور اس شخص پر رحمت الٰہی کے نازل کرنے میں شہادت کا کام دیتی ہے اور فرمایا ہے:

((ان المسلم اذا اعاد اخاه المسلم لم يزل فی نحرفة الجنة حتى يرجع)).

''کوئی مسلمان جب اپنے بھائی مسلمان کی عیادت کو جاتا ہے جب تک واپس آتا ہے برابر جنت کے پھل چنتا رہتا ہے۔''

میں کہتا ہوں شہر والوں میں میل جول جب ہی رہ سکتا ہے کہ جب باہم ایک دوسرے کی حاجت کے وقت مدد کریں اور اللہ تعالیٰ کو وہ چیز پسند ہے جس میں اُن کے شہر کی بھلائی ہو اور باہم میل جول پیدا کرنے کے لیے عیادت کرنا کامل سبب ہے قیامت کے دن اللہ پاک فرمائے گا۔ **یابن آدم مرضت فلم تعدنی.... الخ** ''اے آدمی میں بیمار ہوا تو تُو نے میری عیادت بھی نہ کی۔'' میں کہتا ہوں اس تجلی کا حال بہ نسبت روح اعظم کے جس کا **((تَنَزَّلُ الْمَلَآئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا))** کے اندر بیان ہے اس صورت کا سا حال ہے جو انسان کو خواب میں بہ نسبت اس انسان کے ظاہر ہوتی ہے پس جس طرح انسان کا اپنے رب اور اس کے حکم اور اس کی رضامندی کے ساتھ اعتقاد اس کی خواب میں اللہ تعالیٰ کی مثال ہے ظاہر ہوتا ہے اور اسی لیے مومن کامل کا یہ درجہ ہوتا ہے کہ وہ اس کو نہایت عمدہ صورت میں دیکھتا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا ہے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دروازہ کی دہلیز میں اپنے طمانچہ لگاتے ہوئے دیکھا تو اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اس دہلیز میں اس نے اللہ تعالیٰ کا کوئی قصور کیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا حق اور اُس کا حکم اور اس کی رضامندی اور اس کی تدبیر اور افراد انسان کے لیے اس کے قیومیت اور اس کا ان کے لیے سبب وجود

ہونا یا اپنے رب کی نسبت ان کے اعتقاد کا درجہ بشرطیکہ ان کا مزاج صحیح ہو اور ان کے نفوس راستی پر ہوں اور جس طرح صورت نوعیہ سے افراد انسان پر اُن نفوس کا فیضان ہوا ہے یہ سب چیزیں آخرت میں مختلف صورتوں کے ساتھ متمثل ہو کر ظاہر ہوں گی جیسا کہ نبی ﷺ نے اس کو بیان کیا ہے اور یہ سب تجلیات روح اعظم کی تجلیات ہیں جو افراد انسان کے جامع اور ان کی کثرت کا مبداء اور اُن کی دنیاوی اور اُخروی ترقی کا منتہیٰ ہے اس سے میری یہ مراد ہے کہ وہاں پر اللہ تعالیٰ کے لیے باعتبار اس کی قیومیت اور اس کے حکم کی ایک شان کلی ہے جس کو آخرت میں اپنے دلوں کی بینائی سے ہمیشہ مشاہدہ کرتے رہیں گے اور کبھی جب کسی صورت مناسبہ میں اس شان کا ظہور ہوگا۔ آنکھوں سے اس کا معائنہ کریں گے الحاصل اسی لیے یہ تجلی اللہ تعالیٰ کے حق اور اس کے حکم سے صورت نوعیہ کے فیضان کے موافق افراد انسانی میں ظاہر ہوتی ہے جیسے باہم ان کا مانوس ہونا اور کمال انسانی کا جو اس کے نوع کے ساتھ خاص ہے حاصل کرنا اور مصلحت مناسبہ کا اپنے اندر قائم کرنا اس لیے جو چیز بندوں کے حالات میں سے ہے اس علاقہ کی وجہ سے اپنی طرف اس کا منسوب کرنا ضروری ہوا اور آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا ہے کہ جو منتر پورے اور کامل ہیں جن کے اندر ذکر الٰہی اور اُس سے استغاثہ پایا جاتا ہے اُن کو لوگ پڑھا کریں جب کوئی ضرورت پیش آئے اس سے آپ کو یہ منظور ہے کہ اُن کلمات طیبات کے پڑھنے سے رحمت الٰہی اُن پر چھا جائے اور اُن کے مصائب دُور ہو جائیں۔ اور تیز ایام جاہلیت میں لوگ جو اپنے ٹھاکروں سے مدد چاہا کرتے تھے اس بات سے آپ کو اُن کا روکنا مقصود تھا۔ اور اُس کے بدلے میں اُن کے لیے عمدہ عوض مقرر کر دیا وہ رقیے بہت ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ پڑھنے والا اپنا داہنا ہاتھ مریض پر پھیرتا جائے اور یہ پڑھتا جائے۔

اذهب الباس رب الناس واشف انت الشافی لا شفاء الا شفاء ك شفاء لا يغادر سقما.

اور از اں جملہ یہ ہے:

بسم الله ارقيك من كل شی ء يوذيك من شر كل نفس.

یا نفس کی جگہ عین حاسد کہے۔

الله يشفيك بسم الله ارقيك.

اور از انجملہ یہ ہے کہ سات مرتبہ

اسئال الله العظيم رب العرش العظيم ان يشفيك.

پڑھے اور از انجملہ یہ ہے کہ **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** پڑھ کر دم کرے اور جس جگہ مریض کے بدن پر تکلیف ہے اس پر ہاتھ پھیرتا جائے اور تین مرتبہ **بسم الله** اور سات مرتبہ **اعوذ بعزة الله و قدرته من شر ما احدو احاذر.** پڑھے اور از انجملہ یہ ہے کہ پڑھے۔

بسم الله الكبير اعوذ بالله العظيم من شر كل عرق نعار و من شر حر النار.

اور از انجملہ یہ ہے کہ پڑھے:

ربنا الله الذی فی السماء تقدس اسمك امرك فی السماء والارض كما رحمتك فی

السماء فاجعل رحمتك فی الارض اغفرلنا حوبنا و خطایانا انت رب الطیبین انزل رحمة من رحمتك و شفاء من شفائك علی هذا الوجع.

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((لا یتمنین احدکم الموت)). الحدیث "تم میں سے کوئی موت کی آرزو نہ کرے۔"

میں کہتا ہوں بارگاہِ الٰہی میں منجملہ آداب کے انسان کے لیے ایک ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو جو نعمت عنایت فرمائی ہے اس بات کی جرأت نہ کرے کہ اس کا جاتا رہنا چاہیے اور زندگی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کیونکہ نیکی کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اس لیے کہ جب انسان مرجاتا ہے اس کے اکثر اعمال منقطع ہو جاتے ہیں اور بجز طبعی ترقی کے کچھ ترقی نہیں کر سکتا اور نیز موت کی آرزو کرنا نہایت بے باکی ہے اور بے اطمینانی کی دلیل ہے اور یہ دونوں بدترین اخلاق میں سے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاء ہ و من کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقاء ہ.

"جو کوئی اللہ سے ملنا چاہتا ہے اللہ اس سے ملنا چاہتا ہے اور جس شخص کو اللہ سے ملنا ناگوار معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس کا ملنا ناگوار ہوتا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کے یہ معنی ہیں کہ ایمان بالغیب سے ایمان بالمشاہدہ کی طرف اس کا انتقال ہو جاتا ہے اور اس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ بہیمیہ کے گاڑھے گاڑھے پردے اُس سے دُور ہو کر ملکیہ کا نور اس پر ظاہر ہو جاتا ہے اور عالم قدس سے اس پر یقین کا ترشح ہو جاتا ہے اور جتنی چیزوں کا ذکر اُس نے صرف زبان سے سنا تھا۔ سب وہ چیزیں اُس کو مشاہدہ ہو جاتی ہیں اور مومن بندہ جو ہمیشہ بہیمیہ سے مدافعت کرتا اور ملکیہ کا ساتھ دیتا رہا ہے اس حالت کا اسی طرح مشتاق ہوتا ہے جس طرح ہر عنصر اپنے مکان طبعی کا مشتاق ہوتا ہے جس طرح ہر ذی حس ان چیزوں کی طرف جن سے اس کی حس کو لذت حاصل ہوتی ہے مشتاق ہوتا ہے۔ اگرچہ باعتبار نظام بدنی کے اُس کو موت اور اُس کے اسباب سے تکلیف اور رنج ہوتا ہے اور جو بندہ نافرمان ہے ہمیشہ اس کی کوشش بہیمی کے فربہ کرنے میں رہتی ہے اور دنیا کی زندگی اس کو پیاری معلوم ہوتی ہے۔ اور اسی کی طرف اس کے دل کو لگاؤ ہوتا ہے اور حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی کراہیت کا جو ذکر ہے وہ بطور مشاکلة کے وارد ہوا ہے اگر مراد اس سے آرام یا تکلیف کی چیزوں کا موجود و مہیا کرنا اور اس کی گھات میں ہوتا ہے۔ اور چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر وہ دونوں چیزیں باہم مشتبہ تھیں اس لیے رسول اللہ ﷺ نے محبت کے حالات میں سے زیادہ تر ظاہر حال کا جس کا عالم بالا سے فیضان ہوتا ہے اور جس کو دوسرے حال سے اشتباہ یعنی ملائکہ کے ظاہر ہونے کی حالت بیان فرما کر اس کی مراد پر مطلع کر دیا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ ((لا یموتن احدکم الا و هو یحسن ظنه بربه)). اپنے رب سے حسن ظن کیے بغیر ہم میں سے کوئی نہ مرے معلوم کرو کہ کوئی عمل صالح ان ضروریات کے ادا کرنے کے بعد جس سے نفس کی کجی دور ہوتی ہے اور وہ راستی پر آتا ہے۔ یعنی فرائض کی بجا آوری اور کبائر سے اجتناب کرنا انسان کے حق میں اُس سے زیادہ نافع کوئی عمل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اُس کو بھلائی کی امید ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ سے بہتری کی امید رکھنا نزولِ رحمت الٰہی کے سبب ہونے میں بمنزلہ نہایت مضبوط ارادہ اور کمال رغبت سے دعا کرنے کے ہے اور خوف

الٰہی تو ایک تلوار ہے جس کے ذریعہ سے دشمنانِ خدا سے کہ قوت شہوانیہ اور قوت سبعیہ اور وساوس شیطانیہ کے بڑے بڑے مستحکم پردے میں مقاتلہ کیا جاتا ہے اور جس طرح کوئی شخص لڑائی کی مہارت نہیں رکھتا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ تلوار چلاتا ہے تو وہ تلوار الٹی اسی کے لگتی ہے اسی طرح جو آدمی اپنے نفس کے مہذب کرنے کا کمال نہیں رکھتا بسا اوقات وہ خوف الٰہی کو بے موقع استعمال کرتا ہے اور وہ اپنے تمام اعمال صالحہ کو عجب و ریاء اور اسی طرح کے بہت سے عیوب و آفات سے خود بخود متہم کر لیتا ہے یہاں تک کہ اپنے گمان میں اللہ کے ہاں اپنے اعمال کو رائیگاں سمجھنے لگتا ہے اور اُس سے جو کچھ گناہ صغیرہ اور بلا قصد خطائیں ہو جاتی ہیں ان کا وقوع اس کے نزدیک یقینی ہوتا ہے اور جب وہ مر جاتا ہے تو اُس کے گمان میں وہ گناہ اس کو کاٹتے رہتے ہیں اور اُن خیالی صورتوں میں اُس کے سبب سے قوۃِ مثالیہ کا فیضان ہو جاتا ہے جس کے سبب سے وہ ایک قسم کے عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ان شکوک اور خیالات کی وجہ سے اُس شخص کو اپنے اعمال صالحہ سے معتد بہ نفع نہیں پہنچتا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حکایۃً عن اللہ تعالیٰ فرمایا ہے: **انا عند ظن عبدی بی** یعنی میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں جو اس کو میرے ساتھ ہے اور چونکہ انسان اپنی مرض اور ضعف کی حالت میں خوف کی تلوار کو اس کے موقع پر بسا اوقات نہیں استعمال کرتا یا اس کو استعمال کرنے کی تمیز نہیں رہتی لہٰذا اُس کے حق میں یہ مسنون کیا گیا کہ بہ نسبت خوف کے اس کو اُمید زیادہ رکھنا چاہیے اور نیز آپؐ نے فرمایا ہے۔ **((اکثروا ذکرھا ذم اللذات))** یعنی جو چیز لذتوں کے کھونے والی ہے اُس کا ذکر کیا کرو۔ میں کہتا ہوں حجاب نفسانی کے دور کرنے اور طبیعت کو لذائذ دنیا سے باز رکھنے میں ذکر موت سے زیادہ کوئی چیز نافع نہیں ہے۔ موت کے یاد کرنے سے دنیا سے مفارقت اور اللہ تعالیٰ سے ملنے کی صورت آنکھوں کے سامنے رہتی ہے اور اس کا عجیب اثر ہوتا ہے اس کا بیان ہم تھوڑا سا پہلے کر چکے ہیں اس کو وہاں دیکھ لینا چاہیے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **((من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ))** جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوا وہ جنت میں گیا۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایسے وقت میں جو اس کی جان پر بن رہی ہے اللہ تعالیٰ کی یاد کو اپنے دل سے اُس نے نہیں بھولنے دیا۔ یہ اُس کے ایمان کی صحت اور اُس کے دل میں ایمان کی محبت کے سرایت کر جانے کی دلیل ہے اور نیز اس کا مرتے وقت یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ احسان کی صفت کے ساتھ اس کا دل رنگا ہوا ہے۔ پس جو شخص ایسی حالت پر مر گیا لامحالہ جنت اس کے لیے واجب ہو گئی۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **((لقنوا موتکم لا الہ الا اللہ))** اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو۔ اور فرمایا ہے: **((اقرؤا علی اموانکم یٰس))** اپنے مرنے والوں کے پاس یٰسین پڑھا کرو۔ میں کہتا ہوں مرنے والے کے حق میں باعتبار اس کی آخرت کی درستی کے یہ بہت بڑا احسان ہے اور لا الہ الا اللہ کو اس لیے خاص کیا ہے کہ وہ افضل الذکر اور توحید اور نفی شرک پر مشتمل ہے اور تمام اذکار اسلام میں اس کی فضیلت ہے اور سورۂ یٰسین کے مخصوص کرنے کی یہ وجہ ہے کہ وہ قرآن کا دل ہے اور اس کا بیان عنقریب آتا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ نصیحت کے لیے بہت کافی مقدار ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **((ما من مسلم تصیبہ مصیبۃ ..... الخ))** کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ اس پر کوئی مصیبت پڑے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق وہ **((انا للہ و انا الیہ راجعون اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلفنی خیرا منھا))** پڑھے مگر اللہ تعالیٰ اُس کے بدلے میں اس سے بہتر عطا فرماتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس حکم میں یہ رمز ہے کہ اُس شخص کو اُس کے پڑھنے سے مصیبت کا ثواب اور اللہ تعالیٰ کا

اُس سے بہتر عطا فرمانے پر قادر ہونا یاد آجائے اور اُس کا رنج کم ہو جائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((**اذا حضرتم المیت فقولوا خیرًا**)) مردہ کے پاس جب تم جاؤ تو کلمہ خیر اُس کے حق میں کہو جیسے آنحضرت ﷺ نے کہا ہے: ((**اللھم اغفرلی لابی سلمة و ارفع درجة.... الخ**)) میں کہتا ہوں ایام جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اپنے اُوپر بددُعا کیا کرتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ وہ گھڑی قبولیت کی ہوتی تھی اور اُن کو وہ بددعا لگ جاتی تھی آنحضرت ﷺ نے اپنی بیٹی زینب کے لیے عورتوں سے ارشاد فرمایا: ((**اغسلنها وترًا.... الخ**)) یعنی اس کو طاق طاق نہلاؤ تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ۔ پانی اور بیری کے پتوں سے اور اخیر مرتبہ میں کافور لگاؤ اور فرمایا کہ اُس کے داہنے اعضا سے شروع کرو۔ میں کہتا ہوں کہ مردہ کے نہلانے میں اصل یہ ہے کہ زندہ کے غسل پر قیاس کیا جائے کیونکہ وہ خود اپنی زندگی میں بھی ایسے ہی غسل کرتا تھا اور نہلانے والے بھی خود ایسے ہی نہاتے ہیں اس لیے میت کی تعظیم کے لیے اس سے بہتر کوئی اور صورت نہلانے کی نہیں ہے اور بیری کے پتے اور کئی مرتبہ بدن کے دھونے کا اس لیے حکم دیا کہ مرض کے اندر اکثر اوقات بدن پر میل ہو جاتا ہے اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور اخیر مرتبہ میں کافور لگانے کا اس لیے حکم دیا کہ جس چیز کو کافور لگایا کرتے ہیں وہ چیز جلد نہیں بگڑتی ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ کافور لگانے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ کوئی موذی جانور اُس کے قریب نہیں آتا اور داہنے اعضاء سے شروع کرنے کا اس لیے حکم دیا تاکہ مردوں کا غسل بمنزلہ زندوں کے غسل کے ہو اور تاکہ ان اعضاء کی عزت معلوم ہو اور شہید کے اندر جو غسل نہ دینے اور اپنے کپڑوں اور خون کے ساتھ دفن کرنے کی سنت جاری ہے اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں کو اُس کا شہید ہونا معلوم ہو اور تاکہ بظاہر اُس کے بقاء عمل کی صورت متمثل ہو جائے اور دوسرے یہ کہ نفوس بشریہ جب اپنے ابدان کو چھوڑتے ہیں تو اُن کو حس اور اپنی جانوں کا علم باقی رہتا ہے بلکہ بعض کو اُن چیزوں کا بھی ادراک ہو جاتا ہے جو اُن کے ساتھ کی جاتی ہیں پس جب ایسے عمل کا اثر بدستور چھوڑ دیا جائے تو ضرور اُن کو اس کے سبب سے اپنا عمل یاد رہتا ہے اور اُن کے سامنے وہ عمل متمثل ہو جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے ((**جروحھم تدمی اللون لون دم و الریح ریح مسك**)) اُن کے زخموں سے خون جاری ہوں گے رنگ تو خون کا سا اور خوشبو مشک کی سی اس سے یہی مراد ہے اور محرم کے باب میں بھی حدیث صحیح وارد ہے:

((**کفنوہ فی ثوبیه و لا تمسوہ بطیب ولا تخمروا راسه فانه یبعث یوم القیامة ملبیا**)).

''یعنی اس کو دونوں کپڑوں میں لپیٹ دو اور اس کے خوشبو مت لگاؤ اور اس کے سر کو مت ڈھکو اس لیے کہ قیامت کے دن وہ تلبیہ کہتا ہوا اٹھے گا۔''

اس میں اُس کی طرف رجوع کرنا چاہیے اسی نکتہ کی طرف آنحضرت ﷺ نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا:

((**المیت یبعث فی ثیابه الذی یموت فیھا**)).

''یعنی جن کپڑوں میں وہ مرتا ہے انہیں میں وہ مردہ اٹھتا ہے''۔

اور اصل کفن پہنانے میں کپڑا اوڑھ کر سونے والے کے ساتھ مشابہت کا ہونا ہے مرد کا پورا پورا کفن تہبند اور کرتا اور چادر لپیٹنے کی یا صرف حلہ یعنی دو کپڑے ہیں اور عورت کے لیے اُن سے کچھ زیادہ ہیں کیونکہ اس کے لیے زیادہ ستر مناسب ہے اور آنحضرت ﷺ

نے فرمایا ہے: ((لاتغالوا فی الکفن فانه یسلب سلبًا سریعًا)) زیادہ قیمتی کفن مت دو کیونکہ وہ بہت جلد اس سے جدا ہو جائے گا اس سے افراط وتفریط میں اعتدال مراد ہے تا کہ جاہلیت کی عادت کو قیمتی کفن دینے میں اختیار نہ کریں۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ ((اسرعوا بالجنازہ)) الحدیث. جنازہ کے لے جانے میں جلدی کرو۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ دیر کرنے میں مردہ کے بدن کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہے دوسرے قرابت والوں کو اس کے دیکھنے سے بے قراری ہوتی ہے کیونکہ جب وہ میت کو دیکھتے ہیں تو اضطراب زیادہ ہو جاتا ہے اور جب اُن کی نگاہ سے غائب ہو جاتا ہے تو ان کو خیال نہیں رہتا اور آنحضرت ﷺ نے دونوں سبب کی طرف ایک ہی کلمہ سے اشارہ فرمایا ہے:

((لا ینبغی لجیفة مسلم ان یجلس بین ظهر انی اهله)).

''یہ بات مناسب نہیں کہ کسی مسلمان کی نعش اس کے گھر والوں کے روبرو کی جائے۔''

اور آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا ہے: ((فان کانت صالحة.... الخ)) کہ اگر وہ جنازہ نیک ہے۔ میں کہتا ہوں ہمارے نزدیک یہ اپنے معنی حقیقی پر محمول ہے اور بعض نفوس جب اپنے بدن کو چھوڑتے ہیں تو ان کے بدن کے ساتھ جو برتاؤ کیا جاتا ہے اُن کو اُس کی حس ہوتی ہے اور روحانی کلام کے ساتھ کلام کرتے ہیں وہ ان کے نفوس پر مترشح ہونے سے سمجھا جاتا ہے ان کا کلام معمولی نہیں ہوتا جو کانوں سے سنا جائے چنانچہ آپؐ نے فرمایا ہے۔ ((الا الانســـــان)) یعنی بجز انسان کے اس کی آواز کو ہر چیز سنتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((من اتبع جنازة مسلم ایمانا و احتسابا... الخ)) یعنی جو شخص ایمان واحتساب کے ساتھ مسلمان کے جنازہ کا پیچھا کرے اور اس کی نماز پڑھے اور دفن سے بھی فارغ ہو کر واپس آ جائے تو دو قیراط کے برابر ثواب لے کر آتا ہے۔ میں کہتا ہوں جنازہ کے ساتھ جانے کا اس لیے حکم دیا گیا کہ اس میں میت کی عزت اور اس سے اس کے پسماندوں کے دل شکنی کی تسلی ہے اور تا کہ اس ذریعہ سے مومنین صالحین کا ایک گروہ اس کے لیے دعا کرنے اور دفن کرنے میں معاونت کے لیے شریک ہو جائے لہٰذا آپؐ نے دفن کے وقت تک کھڑا رہنے کی رغبت دلائی ہے اور جب تک جنازہ اتار کر نہ رکھا جائے لوگوں کو بیٹھنے سے منع کیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((ان الموت فزع فاذا رایتم الجنازة فقوموا)) کہ البتہ موت پریشانی کی چیز ہے پس جب تم کسی کے جنازہ کو دیکھو کھڑے ہو جایا کرو میں کہتا ہوں چنانچہ لذتوں کے دور کرنے والی کا ذکر اور عزیز وآشنا کے انتقال سے نصیحت پکڑنا منظور تھا اور یہ ایک باطنی امر تھا کہ اس کے کرنے والے اور نہ کرنے والے میں تمیز نہ ہو سکتی تھی اس لیے شارع نے اس کے لیے کھڑے ہونے کا حکم دیا تا کہ اس مطلوب کا انضباط ہو جائے۔ مگر آپؐ نے اس کو لوگوں پر واجب نہیں کیا اور نہ وہ سنت قائمہ ہے اور بعض کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے اور اگر منسوخ ہے تو اس کے منسوخ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اہل جاہلیت ایسے امور کیا کرتے تھے جو کھڑے ہونے کے مشابہ تھے اس لیے آنحضرت ﷺ کو خیال ہوا کہ یہ کھڑا ہونا بے محل نہ کیا جائے کہ جس کے سبب سے ممنوعات کا دروازہ مفتوح نہ ہو جائے اور جنازہ کی نماز اس لیے مقرر کی گئی کہ مومنین کے ایک گروہ کا میت کی سفارش کے لیے شریک ہونا اس پر رحمت الٰہی نازل ہونے میں بڑا کامل اثر رکھتا ہے اور نماز پڑھنے کا یہ طریقہ ہے کہ امام اس طرح پر کھڑا ہو کہ جنازہ اس کے اور قبلہ کے مابین ہو اور امام کے پیچھے قوم صف باندھ کر کھڑی ہو اور امام چار تکبیریں کہے اور میت کے لیے دعا کرے

اُس کے بعد سلام پھیر دے یہ طریقہ ایسا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قائم رہا اور تمام صحابہؓ اور تابعینؒ کا اتفاق اگرچہ احادیث اس باب میں مختلف طریقوں کے ساتھ وارد ہوئی ہیں اور سورۂ فاتحہ کا پڑھنا بھی اس نماز میں سنت ہے کیونکہ وہ سب دعاؤں سے بہتر ہے اور سب سے زیادہ تر جامعیت رکھتی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب محکم میں بندوں کو اس کی تعلیم فرمائی ہے آنحضرت ﷺ سے میت پر جو دعا ماثور ہے یہ ہے:

((اللّٰھم اغفر لحینا و میتنا و شاھدنا و غائبنا و صغیرنا و کبیرنا و ذکرنا و انثانا اللھم من احییته منا فاحیه علی الاسلام و من توفیته منا فتوفه علی الایمان اللھم لا تحرمنا اجره و لا تفتنا بعده.

اور

اللّٰھم ان فلان بن فلان فی ذمتك وحبل جوارك فقه من فتنة القبر و عذاب النار و انت اھل الوفاء والحق اللھم اغفرله وارحمه انك انت الغفور الرحیم.

اور

اللّٰھم اغفر و ارحمه و عافه واعف عنه و اکرم نزله و وسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد و نقه من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس و ابدله دارًا خیر من داره و اھلا خیرا من اھله و زوجا خیرا من زوجه و ادخله الجنة و اعذه من عذاب القبر و من عذاب النار.

اور ایک روایت میں **((وقه فتنة القبر و عذاب النار))** آیا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ان ھذه القبور مملوة ظلمة علی اھلھا و ان احد بنورھا لھم بصلوتی.

''یہ قبریں اہل قبور پر تاریکی سے بھری ہوتی ہیں اور میری دعا سے اللہ پاک ان کی قبروں کو نورانی کر دیتا ہے۔''

اور فرمایا ہے:

ما من مسلم یموت فیقوم جنازته اربعون رجلا لا یشرکون للّٰه شیئًا الا شفعھم اللّٰه فیه. و فی روایة یصلی علیه امته من المسلمین یبلغون مائه.

''کوئی مسلمان ایسا نہیں مرتا ہے کہ اس کے جنازہ پر چالیس لوگ کھڑے ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ اس میت کے حق میں اُن کی سفارش قبول فرماتا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ سو مسلمانوں کا گروہ اس پر نماز پڑھے۔''

میں کہتا ہوں چونکہ ان لوگوں کی دعاؤں کا پورا پورا اثر ہوتا ہے کہ جن کی اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت ہے وہ دعا پردوں کو پھاڑ کر اس شخص کو نزولِ رحمت الٰہی کے قابل بنا دیتی ہے جس طرح استسقاء میں اس لیے ضروری ہوا کہ دو امروں میں ایک طرف رغبت

دلائی جائے یا تو نفس اس درجہ کا ہونا چاہیے کہ وہ تنہا بمنزلہ ایک گروہ شمار کیا جائے یا ایک بڑی جماعت ہونا چاہیے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔

((هذا اثنيتم عليه خيرا و جبت له الجنة)). الحديث

''تم نے اس کی بھلائی بیان کی اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔''

میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ کو کسی بندہ سے محبت ہوتی ہے ملاء اعلیٰ کو بھی اس کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔ پھر ملاء سافل میں اسی کی قبولیت نازل ہو کر نیک بندوں کے دل میں اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کو کسی بندہ سے نفرت ہوتی ہے تو ان سب کو اس سے نفرت ہوتی ہے پس جس بندہ کے لیے صلحاء کا ایک گروہ اپنے خاص دل سے بلا ریا و بغیر اتفاق عادت کے اس کی نیکی کی گواہی دے تو وہ اس شخص کے ناجی ہونے کی دلیل ہے اور جب کسی کو وہ دل سے برا جانیں تو اس شخص کے ہلاک ہونے کی علامت ہے اور آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا ہے تم خدا کے گواہ ہو زمین میں اُس کے یہ معنی ہیں کہ تم مورد الہام اور ترجمان غیب ہو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((لا تسبو الاموات فانهم قد افضوا ما قدموا)).

''مردوں کو برامت کہو کیونکہ جو وہ کر گئے تھے اس کو وہ پہنچ گئے۔''

میں کہتا ہوں چونکہ مردوں کو برا کہنا زندوں کی رنجیدگی اور اذیت کا سبب ہے اور یہ لغو کام ہے اور نیز بہت سے لوگوں کا حال بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اس لیے مردوں کے برا کہنے سے نہی کی گئی اور آنحضرت ﷺ نے اس سب کو اہل جاہلیت کے ایک مردہ کو برا کہنے اور حضرت عباسؓ کے اس کے سبب سے رنجیدہ ہونے کے قصہ میں اس کا بیان کیا ہے اب رہی یہ بات کہ جنازہ کے آگے چلنا چاہیے یا پیچھے اور اس کو چار آدمی اٹھائیں یا دو۔ اور اس کو پیروں کی طرف سے اتاریں یا قبلہ کی طرف سے اس میں قول مختار یہ ہے کہ ان سب باتوں میں گنجائش ہے اور ہر ایک میں حدیث صحیح یا اثر صحابہ وارد ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اللحد لنا و الشق لغيرنا)).

''یعنی ہم لوگوں کے لیے قبر ہے اور غیر ملکوں کے لیے شق ہے۔''

میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ لحد میت کی عزت کے مناسب ہے اور بلا ضرورت اس کے اوپر مٹی ڈالنا اس کے ساتھ ایک قسم کی بے ادبی ہے اور آنحضرت ﷺ نے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس بات کے لیے بھیجا کہ کوئی تصویر مٹائے بغیر اور کوئی اونچی قبر برابر کیے بغیر نہ چھوڑیں اور قبر کو پختہ کرنا اور اس پر گنبد وغیرہ بنانا اور اُس پر بیٹھنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ قبروں کی طرف نماز مت پڑھو کیونکہ اس ذریعہ سے قبروں کی پرستش کرنی یا حد سے زیادہ تعظیم کرنے کا اور اس کے سبب سے دین میں تحریف ہونے کا احتمال ہے جیسا اہل کتاب نے کیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((لعن الله اليهود والنصارىٰ اتخذوا قبور انبياء هم مساجد)).

''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔''

اور قبروں پر بیٹھنے سے جو آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے تو بعض کے نزدیک اس سے زیارت کرنے والوں کا قبروں پر ٹھہرنا مراد ہے اور بعض کے نزدیک قبروں پر پیر رکھنا مراد ہے اور اس تصویر پر یہ حکم آپؐ نے میت کی عزت کے لحاظ سے دیا ہے پس حق یہ ہے کہ نہ تو مردہ کی اس قدر تعظیم کرے جو شرک کے قریب ہو جائے اور نہ یہ چاہیے کہ اس کی اہانت اور اس کے ساتھ عداوت کرے اور چونکہ میت پر رونا اور اس کے لیے غم کرنا ایک طبعی امر تھا جو اُن سے چھوٹ نہیں سکتا اس واسطے آنحضرت ﷺ نے اتنی زیادتی نہیں کی کہ اُن کو رونے سے بالکل منع کیا جاتا اور یہ ہونا بھی نہیں چاہیے۔ کیونکہ رونا اور غم کرنا ہم جنس ہونے کے سبب سے رقت پیدا کرتا ہے اور وہ ایک عمدہ صفت ہے کیونکہ لوگوں کا باہم مالوف و مانوس ہونا اس پر موقوف ہے اور نیز مزاج انسانی کا بشرطیکہ وہ سالم ہو یہ مقتضی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((انما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء)) اللہ تعالیٰ اپنے انہیں بندوں پر رحم فرماتا ہے جو رحم دل ہیں۔ اور فرمایا ہے:

((ان اللہ لا یعذب بدمع العین و لا بحزن القلب و لا کن یعذب بھذا و اشار الی لسانہ او یرحم)).

''اللہ تعالیٰ آنکھوں آنسوؤں اور دل کے غمگین ہونے سے نہیں عذاب دیتا اور زبان کی طرف اشارہ فرما کے ارشاد کیا کہ اس کے سبب سے عذاب دیتا ہے۔''

اور فرمایا ہے:

((لیس منا من ضرب الخدود و شق الجیوب و دعا بدعوی الجاھلیة)).

''جو شخص رخسارے پیٹے اور گریبان پھاڑنے اور جاہلیت کی باتیں اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

اس میں بھید یہ ہے کہ ان باتوں سے غم بڑھتا ہے اور جس وقت جس کا کوئی مر جاتا ہے وہ بمنزلہ مریض کے قابل علاج کے ہوتا ہے تاکہ اس کا مرض کم ہو اور یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کی بیماری بڑھانے میں کوشش کی جائے اور نیز جب اُس پر مصیبت پڑ چکی تو وہ اُس سے فارغ ہو گیا اب اس کو قصداً اُس مصیبت میں نہ پڑنا چاہیے اور نیز اس بے قراری کے بڑھنے میں احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی نہ ہونے کا سبب ہو اور نیز اہل جاہلیت لوگوں پر اپنا نمائشی درد ظاہر کرنے کے لیے رویا کرتے تھے اور یہ خبیث اور نہایت مضر عادت ہے اس لیے آپ نے ان کو اس سے منع کیا اور آپؐ نے نوحہ کرنے والی عورت کے باب میں فرمایا ہے۔ ((**تقام یوم القیامة و علیھا سربال من قطران و درع من جرب**)). میں کہتا ہوں یہ اس لیے ہوا کہ اس کے گناہ نے اُس کو گھیر لیا تو اسی صورت میں اس کو سزا دی گئی کہ تمام اس کا بدن بد بو بھرا ہوا ہے اور کھڑی اس لیے کی جائے گی تاکہ لوگوں کو اس کا حال معلوم ہو یا اس واسطے کہ نوحہ اس نے کھڑے ہو کر کیا تھا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((**اربع فی امتی من امر الجاھلیہ لا یترکوا.... الخ**)). چار باتیں میری امت میں جاہلیت کی ایسی ہیں کہ اُن کو نہ چھوڑیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کو ان باتوں سے اُن لوگوں کا نہ چھوٹنا اس وجہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ باتیں طبیعت بشریہ کی حد سے بڑھ جانے سے پیدا ہوتی ہیں جس طرح حد سے زیادہ شہوت کا ہو جانا کیونکہ نفوس کے اندر ایک قسم کی غیرت و عار ہے جو انساب میں ظاہر ہوتی ہے اور مردوں کے ساتھ جو ان

کومحبت ہے وہ آدمی کورونے پیٹنے پر آمادہ کرتی ہے اور ایک انکل ہے جس کے سبب سے خواہ مخواہ ستاروں سے بارش چاہتے ہیں۔ لہٰذا کسی قسم کے لوگ ہوں اہل عرب ہوں یا اہل عجم سب کا یہ دستور ہے اور آنحضرت ﷺ نے اُن عورتوں کے باب میں جو جنازہ کے ساتھ جاتی تھیں فرمایا ہے: ((**ارجعن موزورات غیر ماجورات**)). گناہ گار ہو کر نہ ماجور ہو کر لوٹ جاؤ۔ میں کہتا ہوں ان کو اس لیے منع کیا گیا کہ ان کے جانے سے شور اور رونے پیٹنے سے اور صبر کے نہ کرنے اور ستر کے کھلنے کا احتمال ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((**لا یموت بمسلم ثلثۃ من الولد فیلج النار**)) ایسا نہیں ہوتا کہ کسی مسلمان کے تین بچے مرجائیں اور پھر وہ دوزخ میں جائے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے طلب ثواب کر کے اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کیا ہے اس کے علاوہ اور کئی وجہ ہیں جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں اُن کو وہاں دیکھنا چاہیے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((**من غرمصا بافلہ مثل اجرہ**)). جو شخص کسی مصیبت زدہ کی تسلی کرتا ہے تو اس کو بھی مثل اس کے ثواب ملتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ جس قدر مصیبت زدہ کو رقت ہوتی ہے ایسی ہی اس تسلی دینے والے کو اور دوسرے یہ کہ عالم مثال کا مدار معانی مناسبہ کے ظاہر ہونے پر ہے پس مصیبت زدہ کے تعریف کرنے میں مصیبت کی صورت معلوم ہوتی ہے لہٰذا مثل اُسی کے جزا پائے گا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((**اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد اتاھم ماشغلھم**)). جعفر کے کنبہ کو کھانا تیار کرو کیونکہ اُن کو ایسا حادثہ پیش ہوا ہے جس سے وہ اور کام نہیں کر سکتے۔ میں کہتا ہوں کہ اہل مصیبت کو کھانا کھلانا ہمدردی کا باعث اور بھوک مرنے سے اُن کی حفاظت ہے اور بھی آپؐ نے فرمایا ہے: ((**نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوردھا**)). میں نے تم کو زیارت کرنے سے منع کر دیا تھا مگر اب ان کی زیارت کیا کرو۔ میں کہتا ہوں آپؐ نے ان کو قبروں کی زیارت سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ اس کے سبب سے قبر پرستی کا دروازہ مفتوح ہوتا تھا پھر جب اصول اسلام کو استحکام ہو گیا اور عبادت بغیر اللہ ہونے پر اُن کے دلوں کو اطمینان ہو گیا اس لیے بعد کو اُن کے لیے زیارت کرنے کی اجازت دے دی اور اس اجازت دہی کی علت بھی بیان فرما دی کہ اس کا بڑا فائدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ قبروں کی زیارت کرنے سے موت یاد آتی ہے۔ اور دنیا کے تغیرات سے عبرت حاصل ہونے کا سبب ہے۔

جب قبر کی زیارت کے لیے جائے تو اہل قبور کے حق میں یہ دعا کرنی آئی ہے:

السلام علیکم یا اھل الدیار من المومنین والمسلمین و انا انشاء اللہ بکم لاحقون نسال اللہ لنا و لکم العافیۃ۔

اور ایک روایت میں ہے:

السلام علیکم یا اھل القبور یغفر اللہ لنا و لکم و انتم سلفنا و نحن بالاثر۔ واللہ اعلم۔



اُن احادیث کا بیان جو زکوٰۃ کے باب میں آئی ہیں

معلوم کرنا چاہیے زکوٰۃ میں جن اُمور کی رعایت کی گئی ان میں سے زیادہ مہتم بالشان دو مصلحتیں ہیں۔ایک مصلحت کا انجام نفس کا شائستہ کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ نفوس کے اندر بخل پایا جاتا ہے اور بخل بدترین اخلاق میں سے ہے اور آخرت کے اندر نہایت ضرر پہنچانے والی صفت ہے اور بخیل جب مرجاتا ہے تو اس کا قلب مال کی محبت میں الجھا رہتا ہے اور اس وجہ سے وہ عذاب میں مبتلا رہتا ہے اور جب انسان زکوٰۃ کا عادی ہو جاتا ہے اور بخل کی صفت کو اپنے دل سے دور کر دیتا ہے آخرت میں اس سے اس کو بہت نفع پہنچتا ہے اور آخرت کے اندر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے بعد سب اخلاق میں زیادہ تر نافع دل کی سخاوت ہے۔جس طرح فرمانبرداری سے نفس کے اندر اللہ تعالیٰ کی کبریائی پر اطلاع پانے کی صفت حاصل ہونے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح سخاوت کی وجہ سے دنیاوی اخلاقِ رذیلہ سے پاک ہونے کی قابلیت حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سخاوت فی الحقیقت ملکیہ کے بہیمیہ پر غالب ہونے اور اُس کے ملکیہ کے رنگ میں رنگ جانے اور اس کا حکم قبول کر لینے کا نام ہے اور ان اوصاف پر نفس کو ان باتوں سے تنبیہ ہوتی ہے اور اپنی ضرورت کے وقت مال کو اللہ کے لیے خرچ کرے اور جو اس پر ظلم کرے اس کو معاف کرے اور حوادث کی سختیوں پر برداشت کرے بایںطور کہ آخرت پر یقین رکھنے کی وجہ سے دنیا کی تکلیف اس کو سہل معلوم ہو اس واسطے آنحضرت ﷺ نے ان سب باتوں کا حکم فرمایا اور جو ان سب میں زیادہ دشوار امر تھا یعنی مال کا صرف کرنا اور اس کو چند حدود کے اندر منضبط فرمایا اور نیز قرآن کے اندر بہت سے مقامات میں نماز و ایمان کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کے حال کی حکایت میں فرمایا ہے:

﴿ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴾

''یعنی ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے اور بکنے والوں کے ساتھ بکا کرتے تھے۔''

اور نیز جب کسی مسکین کو سخت حاجت پیش آتی ہے اور تدبیر الٰہی کا مقتضی ہوتا ہے کہ اس کی یہ تکلیف اس طرح پر دور کی جائے کہ کسی شخص کے دل کے اندر اس پر کچھ مال صرف کرنے کا الہام ہو تو یوں ہی ہو کر رہتا ہے یعنی کسی شخص کا دل الہام کے لیے کشادہ ہو جاتا ہے اور اس کے سبب سے ایک روحانی انکشاف ہوتا ہے اور رحمتِ الٰہی کے نازل ہونے کا سبب اور اس کے نفس کی تہذیب میں نہایت نافع ہو جاتا ہے اور احکام شریعہ کے اندر جو لوگوں کی طرف بالا جمال الہام متوجہ ہوتا ہے الہام کے فوائد میں الہام تفصیلی سے وہ کم درجہ کا ہوتا ہے اور نیز مزاج سلیم کی سرشت میں اپنے ہم جنس کے ساتھ ہمدردی داخل ہوتی ہے اور یہ ایسی خصلت ہے جس پر بہت سے اخلاق جن کا انجام لوگوں کے ساتھ خوش معاملگی ہونا موقوف ہوتے ہیں جس شخص میں ہمدردی نہیں ہوتی اس کے اندر نہایت نقصان ہوتا ہے جس کی اصلاح اس پر واجب ہے اور نیز صدمات گناہوں کے دور ہونے اور برکات کے زیادہ ہونے کا سبب ہوتی

ہیں۔ چنانچہ سابقاً ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور دُوسری مصلحت شہر کے حق میں ہے اور وہ یہ ہے کہ شہر کے اندر لامحالہ ہر قسم کے لوگ ناتوان اور حاجت مند وغیرہ ہوتے ہیں اور یہ حوادث آج ایک پر اور کل دوسرے پر ہوتے رہتے ہیں پس اگر فقراء اور اہل حاجت کا طریقہ ان میں نہ پایا جائے تو ضرور وہ لوگ ہلاک ہو جائیں اور بھوکے مر جائیں اور نیز شہر کے انتظام کے لیے ایسے مال کا ہونا ضروری ہے جس کے اندر اُس کے محافظین اور مدبرین اور حکام کی معاش کا مدار ہو اور چونکہ وہ لوگ اس شہر کے کارکن اور اس کے حق میں نفع پہنچانے والے ہیں اور اس کے سبب سے کچھ اور روزگار نہیں کر سکتے لہٰذا ضروری ہوا کہ اُن کی معاش اس شہر سے حاصل کی جائے اور خاص خاص لوگ اُن کے خرچ کے بسہولت متکفل نہیں ہو سکتے یا تحمل ہی نہیں کر سکتے اس لیے ضروری ہوا کہ رعایا کے مال میں سے کچھ حصہ لینا مقرر کیا جائے چونکہ اس سے زیادہ سہل تر مصلحت کے موافق کوئی طریقہ نہ تھا کہ ایک مصلحت کو دوسری مصلحت کے شامل کر دیا جائے لہٰذا شارع نے ایک کو دوسرے میں داخل کر دیا پھر اس بات کی ضرورت پڑی کہ ہر طرح کے مال کے لیے زکوٰۃ کی مقدار مقرر کی جائے اس لیے کہ اگر مقدار مقرر نہ ہوتی تو جو کمی سے دینا چاہتا تو وہ کمی سے دے سکتا تھا اور جو زیادتی سے لینا چاہتا وہ زیادتی سے لے سکتا تھا اور نیز یہ بات بھی ضروری تھی کہ اُس کی مقدار زیادہ مقرر نہ کی جائے کہ اس کے دینے سے اُن کو بار نہ گزرے اور اس کے بخل کی صلاح نہ ہو اور نہ اس قدر زیادہ مقرر کی جائے کہ اس کا ادا کرنا اُن پر گراں نہ ہو اور نیز اس کے ادا کرنے کی ایک مدت مقرر کی جائے جس میں سب لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر سکیں اور نیز یہ بات بھی ضروری تھی کہ وہ مدت بہت کم نہ ہو کہ جلد جلد ان کو زکوٰۃ دینی پڑے اور اس کا ادا کرنا اُن کو دشوار ہو اور نہ وہ مدت اس قدر دراز ہو کہ اس کے ادا کرنے سے ان کا بخل کچھ کم نہ ہو اور محتاج لوگ اور محافظین بعد انتظار شدید کے تمتع اٹھا سکیں اور مصلحت کے مناسب اس سے زیادہ کوئی مناسب صورت نہیں ہے کہ زکوٰۃ کے لینے میں وہ قانون مقرر کیا جائے۔ بادشاہ عادل اپنی رعایا سے اس قانون کو برتتے رہے ہیں۔ اور لوگ اس کے عادی ہو رہے ہیں کیونکہ جس چیز کے عجم وعرب عادی ہیں اور وہ بمنزلہ ضروری چیز کے ہوگئی ہے جس کے سبب سے وہ تنگ دل نہیں ہوتے اور لوگوں نے اس کو ایسا مان لیا ہے کہ اُن پر اس کا بار نہیں ہے۔

اس سے لوگوں کو مکلف کرنا رحم کی شان کے مناسب اور ان کے قبول کرنے کے قریب ہے اور جن ابواب کے ملوک عادلہ عادی ہیں اُن پر وہ گراں نہیں ہے اور سب کی عقل نے ان کو تسلیم کر لیا ہے وہ چار باب ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اموالِ نامیہ میں سے زکوٰۃ لی جائے کیونکہ ان اموال کو حفاظت کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ ان کا بڑھاؤ بیرون شہر کی آمد و رفت پر ہے اور نیز اُن میں سے زکوٰۃ لینا ان کو بھی آسان ہے اس لیے کہ ہر وقت اس مال کا بڑھاؤ ان کو معلوم رہتا ہے تو اس سے زکوٰۃ کا دینا اُن کو آسان ہے اور جو مال بڑھتے رہتے ہیں اُن کی تین قسمیں ہیں ایک تو مویشی جو جنگل میں چرتے ہیں اور اُن کی نسلیں بڑھتی رہتی ہیں۔ دوسری زراعت تیسری تجارت۔ دوسرے زکوٰۃ اُن لوگوں سے جو متمول اور صاحب خزانہ ہیں لی جائے۔ اس لیے کہ اُن کو اس بات کی بڑی حاجت ہے کہ چوروں اور بٹماروں سے اپنے مالوں کی حفاظت کریں اور اُن کو اور اخراجات لاحق ہوتے رہتے ہیں اس لیے ان پر بھی بار نہیں ہے کہ اُن کے اخراجات کے ساتھ زکوٰۃ داخل کی جائے اور تیسری زکوٰۃ اُن اموال سے لی جائے جن کو وہ مال بلا مشقت ومحنت

حاصل ہوتا ہے۔ مثل دفینوں زمانہ جاہلیت اور جواہر جو دشمنوں سے ہاتھ لگے ہیں تو ایسے مال بمنزلہ مفت کے اُن کو حاصل ہوتے ہیں تو ایسے لوگوں کو اس میں سے زکوۃ کا دینا آسان ہے چوتھے یہ ضرور ہے کہ پیشہ وروں پر ٹیکس مقرر کیا جائے اس لیے کہ پیشہ ور لوگ مخلوق میں عام اور بکثرت ہوتے ہیں اور جب ہر ایک سے تھوڑا تھوڑا وصول کیا جائے گا تو اُن کو اس کا ادا کرنا آسان ہوگا اور فی نفسہ وہ مال کثیر ہوگا اور جو کہ دُور کے شہروں سے تجارتوں کا جاری رہنا اور کھیتوں کا کٹنا اور پھلوں کا توڑا جانا سزاوار ہوا کرتا ہے اور زکوۃ کی قسموں میں یہ ایک قسم سب میں بڑی ہے اس لیے ان چیزوں کے لیے ایک سال کی مدت مقرر کی گئی اور نیز ایک سال میں ہر ایک قسم کی فصلیں شامل ہوتی ہیں جن کے طبائع مختلف ہیں اور نیز پورے ایک سال میں مال کے بڑھنے کا بھی احتمال ہوتا ہے اس لیے ایک سال کی مدت اس قسم کے اندازوں کے لیے مناسب ہے اور نیز مصلحت کے اعتبار سے زیادہ آسان اور موافق صورت یہ ہے کہ جس قسم کا مال ہو اسی قسم میں سے زکوۃ لی جائے اس لیے اونٹوں کے دانگ میں سے اونٹنی لی جاتی ہے اور گایوں کے گلہ اور بکریوں کے ریوڑ میں سے گائے اور بکری لی جاتی ہے پھر یہ ضروری ہے کہ مثال اور تقسیم اور تلاش سے اس قسم کے اموال معلوم کیے جائیں تا کہ ان کے ذریعہ سے جامع اور مانع ان کی تعریفیں ہو سکیں۔ اکثر شہروں میں مویشی اونٹ گائے اور بکریاں ہوتی ہیں اور انعام کے لفظ میں وہ سب آ جاتی ہیں اور گھوڑوں کے گلے اکثر جگہ نہیں ہوا کرتے۔ اور اُن کی نسلیں بعض بعض ملکوں میں مثل ترکستان کے اور کہیں زیادہ نہیں ہوا کرتی ہیں اور کھیتیاں اُن اناجوں اور پھلوں کو کہتے ہیں جو پورے سال بھر تک باقی رہ سکیں اور جو سال بھر تک نہ رہ سکیں تو ان کا نام ترکاریاں ہیں اور تجارت اس کا نام ہے کہ کوئی چیز اس ارادہ سے خرید کی جائے کہ اس میں نفع ہو اس لیے کہ جو شخص ہبہ یا ورثہ سے کسی چیز کا مالک ہو جائے اور اتفاقاً وہ اس کو فروخت کرے اور اس میں نفع ہو جائے اس کو تاجر نہیں کہا کرتے اور خزانے سونے چاندی کی ایک مقدار کثیر کو کہتے ہیں جو مدت دراز تک محفوظ حالت میں رہے دس درہم یا بیس درہم کو اگر چہ وہ برسوں تک باقی رہیں خزانہ نہیں کہہ سکتے۔ ایسے ہی علاوہ سونے چاندی کے اور سرمایوں کا نام بھی خزانہ نہیں ہے گو وہ کتنے ہی ہوں اور جو چیز صبح و شام آتی جاتی رہے اور وہ مستقل طور پر نہ ہو اس کو خزانہ نہیں کہتے یہ تمام مقدمات باب زکوۃ میں مسلم قاعدوں کے مرتبہ میں قرار دیئے گئے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے قصد فرمایا کہ ان اشیاء میں سے جن میں شبہ اور ابہام تھا اس کو اُن تعریفوں کے ساتھ منضبط فرمادیں جو عرب میں مشہور تھیں اور ہر باب میں اہل عرب نے اس کا استعمال کیا تھا۔

سخاوت کی فضیلت اور بخل کی برائی کا بیان

اب اس بات کی حاجت ہوئی کہ اُمور مذکورہ بالا کے بعد خرچ کرنے کے فضائل اور ان کی طرف ترغیب بیان کی جائے تا کہ دلی رغبت اور دلی سخاوت سے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں اور زکوۃ کی روح یہی ہے اور جس اصلاح سے نفس کی تہذیب حاصل ہوتی ہے اس کا مدار اسی سخاوت اور رغبت پر ہے اور نیز اس بات کی حاجت ہوئی کہ بخل کی برائیاں اور دنیا سے بے رغبتی کا حال بیان کیا جائے اس واسطے کہ زکوۃ نہ دینے والے کے لیے اصل نقصان کا منشا دنیا میں بھی ٹوٹے کی حالت میں ہے اور آخرت میں بھی دنیا

میں تو یہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ اس کے لیے خرچ کرنے والے کے حق میں یہ دعا کرتا رہتا ہے۔ **اللهم اعط منفقًا خلفًا** ۔ اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کے بدلہ میں اور دے اور جو شخص کنجوس ہوتا ہے اُس کے لیے دوسرا فرشتہ یہ بددعا کرتا رہتا ہے۔ **اللهم اعط ممسكًا ملفًا** ۔ خدایا کنجوس کو کھو دے اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

((اتقوالشح فان الشح اهلك من قبلكم)). الحديث

''بخل سے بچو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو بخل نے تباہ کر دیا۔''

اور فرمایا ہے:

((ان الصدقة تطفى غضب الرب يقينًا)).

''صدقہ پروردگار کے غضب کو فرو کرتا ہے۔''

اور فرمایا ہے:

((ان الصدقة تطفى الخطيئة كما تطفى الماء النار)).

''صدقہ گناہ کو اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔''

اور فرمایا ہے:

((فان الله يتقبلها بيمينه ثم يربيها لصاحبها)). الحديث

''پس اللہ تعالیٰ اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں قبول فرماتا ہے اور پھر دینے والے کے لیے اس کی پرورش فرماتا رہتا ہے۔''

میں کہتا ہوں اس سب کا بھید یہ ہے کہ ملاءِ اعلیٰ میں جو بنی آدم کی اصلاح حال کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اور جو شخص شہر کے یا صرف اپنی ہی ذات کی اصلاح میں کوشش رکھتا ہے اُس کے لیے رحمت ہوتی رہتی ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے وہ دعا اور رحمت اس خرچ کرنے والے کی طرف جھک پڑتی ہے اور اس کی وجہ سے ملاءِ سافل اور بنی آدم کے قلوب میں اس بات کا القاء ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ سلوک کریں اور وہ رحمت اس کے گناہوں کے دور ہو جانے کا سبب ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس صدقہ کو قبول فرمانے کے معنی یہ ہیں کہ عالم مثال میں اس عمل کی صورت اُس شخص کے نام سے پیدا ہو جاتی ہے اور پھر ملاءِ اعلیٰ کی دعاؤں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس صورت کو نشوونما ہوتا رہتا ہے آخرت میں زکوٰۃ نہ دینے والے کے لیے یہ نقصان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((ما من صاحب ذهب ولا فضة لا يودى منها حقها الا اذا كان يوم القيامة صفحت له صفائح)). الحديث

''کوئی سونے والا اور چاندی والا جو اس میں سے حق نہیں نکالتا ہے اس سے نہیں چھوٹ سکتا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اس کے لیے پتر بنائے جائیں گے۔'' اخیر حدیث تک اور فرمایا ہے:

مثل له شجاعا اقرع ''اس کا مال اس کے لیے اقرع سانپ بن جائے گا۔''

اور اونٹ اور گائے اور بکری میں بھی اسی کے قریب قریب آپؐ نے فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لیے اس قسم کی سزا ہونے کے دو باعث ہیں ایک تو اصلی سبب ہے دوسرا اس کے لیے بمنزلہ تاکید کے ہے وہ سبب یہ ہے کہ جس طرح ایک صورت ذہنیہ دوسری کو شش کر لیتی ہے جس طرح خیالات کے سلسلہ میں ایک خیال سے دوسرا خیال پیدا ہوتا چلا جاتا ہے یا جس طرح ذہن کے اندر ایسی ایک صورت کا پایا جانا کہ جس کا تصور دوسری صورت کے تصور پر موقوف ہے اس موقوف علیہ کے تصور کو مستلزم ہوتا ہے مثلاً باپ ہونا اور بیٹا ہونا جیسے منی کے ظروف کا منی سے بھر جانا اور پھر قوائے فکریہ کے اندر اس کے بخارات کا چڑھنا نفس اس بات کی حرکت پیدا کر دیتا ہے کہ خواب میں عورتوں کی صورتوں کا مشاہدہ کرے یا جیسے دماغ کے اندر تاریک بخارات کے بھر جانے سے نفس کے اندر اُن چیزوں کی صورتیں پیدا کر دیتا ہے جو لوگوں کو ایذا دینے والی اور ہولناک ہوتی ہیں مثلاً ہاتھی کی صورت اسی طرح جب نفس پر قوت مثالیہ کا فیضان ہوتا ہے تو فی نفسہٖ ادراکات کا مقتضی ہوتا ہے کہ بخل کی صورت اُس کے سامنے مال کی صورت میں ظاہر ہو اور پھر اس صورت سے اس کے نہ دینے اور اس کی نگرانی میں بہت رنج اور تکلیف اٹھانے کی صورت ظاہر ہو اور اس کے قوائے فکریہ پورے طور پر اس خیال سے بھر جائیں اور جس طرح اُن چیزوں سے تکلیف پہنچانے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے جاری کیا ہے اسی طریقہ سے اس کو تکلیف پہنچے مثلاً سونے اور چاندی سے تکلیف پہنچنے کی صورت یہ ہے کہ اس سے داغ لگایا جائے اور اونٹ سے تکلیف پہنچنے کی یہ صورت ہے کہ وہ اس کو پیروں کے تلے دابے اور کاٹے اور علیٰ ہذا القیاس اور چونکہ ملاء اعلیٰ کو اس بات کا علم ہے اور بندوں پر زکوٰۃ دینا ان میں مقرر ہو گیا ہے اور نفوس بشریہ کا ان چیزوں سے ایذاء پانا ملاء اعلیٰ کو معلوم ہے اس سبب سے میدان حشر میں اس صورت کا فیضان ہوتا ہے اور سانپ کی صورت اور پتروں کی صورت کے ظاہر ہونے میں یہ فرق ہے کہ سانپ کی صورت اس شخص کے لیے ظاہر ہوگی جس پر اجمالاً مال کی محبت کا غلبہ ہے اس لیے یا تو خود مال ہی اسی ایک چیز کی صورت میں ظاہر ہو جائے گا یا اس کے دل کو مال کی محبت کا طوق کی طرح گھیر لینا اور دل کا اس سے اذیت پانا نہایت زہریلے سانپ کے ڈسنے کی صورت میں ظاہر ہوگا اور دوسری صورت ایسے شخص کے لیے ظاہر ہوگی جس کو سونے چاندی کی صورت سے محبت ہے اور اس کی حفاظت میں اپنی جان کھوتا رہا ہے۔ اور اس کے قوائے فکریہ دینار و درہم کی صورت سے بھرے ہوئے ہیں وہ صورتیں اس کے لیے بڑی بڑی صورتوں میں ظاہر ہو کر موجب اس کے عذاب کا ہوں گی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ((**السخی قریب من اللہ**)) یعنی سخی آدمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے جنت کے نزدیک ہے لوگوں کے نزدیک ہے آگ سے بعید ہے اور بخیل اللہ تعالیٰ سے بعید ہے۔ جنت سے بعید ہے لوگوں سے بعید ہے آگ سے نزدیک ہے اور جاہل سخی اللہ تعالیٰ کو عابد بخیل سے پیارا ہے میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہونا یہ ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت اور حجاب نفسانی کے دور ہو جانے کی قابلیت رکھتا ہے اور جنت سے نزدیک ہونا یہ ہے کہ وہ شخص صفات رذیلہ کو جو قوت ملکی کے بالکل منافی ہیں چھوڑ کر اس بات کی قابلیت رکھتا ہے کہ اس کی قوت بہیمی جو ان صفات کا محل تھی قوت ملکی کے رنگ میں رنگ جائے اور لوگوں سے نزدیک ہونا یہ ہے کہ اس سے وہ محبت کرتے ہیں اور کوئی اس کو نہیں چھیڑتا کیونکہ اکثر لڑائی جھگڑے بخل اور حرص پر ہی مبنی ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((**ان الشح اھلك من كان قبلكم حملهم على ان يسفكوا دمائهم و يستحلوا محارمهم**)) حرص نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا اسی نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا

کہ باہم خونریزی کریں اور اپنے محارم کو حلال سمجھیں اور جاہل سخی اللہ تعالیٰ کو عابد بخیل سے اس واسطے پسند ہے کہ جب دلی سخاوت سے کوئی چیز دی جائے تو اس کا اثر بہ نسبت اس کے زیادہ ہوتا ہے کہ دباؤ سے اور مجبور ہو کر کچھ دیا جائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((مثل البخیل و المتصدق کمثل رجلین علیهما جُنتان)) الحدیث

''بخیل اور سخی کا حال ان دو شخصوں کا سا ہے کہ ان پر لوہے کی دو ڈھالیں ہوں''۔ اخیر حدیث تک۔

میں کہتا ہوں اس حدیث میں سخاوت اور بخل کی حقیقت اور ان کی روح کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ جب انسان کو خرچ کرنے کے اسباب لاحق ہو جاتے ہیں اور وہ خرچ کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص اگر سخی اور دلچلا ہے تو اس کے دل میں ایک روحانی مسرت اور مال کے اُوپر اس کو ایک قسم کا غلبہ پیدا ہوتا ہے اور اس وقت اس کی آنکھوں کے سامنے حقیر اور ذلیل معلوم ہونے لگتا ہے اور اس کو اس کا چھوڑنا آسان ہوتا ہے بلکہ اس کے چھوڑنے سے اُس کو ایک قسم کی راحت معلوم ہوتی ہے اور نفس کو صفات رذیلہ بہیمیہ کے ساتھ جو کچھ تعلقات ہوتے ہیں اور وہ صفات اُس کے اندر منقش ہو جاتے ہیں اُن صفات کے چھوڑنے میں اس خصلت کو بہت دخل ہوتا ہے اور وہ آدمی بخیل ہوتا ہے تو خرچ کرنے کے موقع میں مال کی محبت میں اس کا دل مستغرق ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے مال کی محبت متمثل ہو جاتی ہے اور اس کی محبت اس کے قلب کو دبا لیتی ہے جس کے سبب سے وہ رہائی نہیں پا سکتا اور صفات دینہ کے نفس کے اندر جم جانے اور ان کے اندر الجھانے کا یہ خصلت بخل نہایت قوی سبب ہے اس تحقیق سے آنحضرت ﷺ کے اس قول کے معنی معلوم کر لینے چاہئیں۔((لا یدخل الجنة خبا و لا بخیل و لا منان)) یعنی جنت میں داخل نہ ہو گا چغل خور اور نہ بخیل اور نہ احسان جتلانے والا اور نیز اس قول کے ((لا یجتمع الشح والایمان فی قلب ابدا)) کسی بندہ کے دل میں ایمان اور بخل نہ جمع ہو گا۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:((للجنة ابواب ثمانیة... الخ)) جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جنت واقع میں اُن امور سے راحت پانے کا نام ہے جن عالم بالا سے نفس پر ترشح ہوتا رہتا ہے۔ مثل رضامندی اور موافقت اور تسلی وغیرہ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے۔﴿فِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِیْهَا خَالِدُوْنَ﴾ پھر اللہ کی رحمت میں ہو کر اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اُس کے خلاف میں فرماتا ہے:﴿أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَآئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا﴾ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور انسانوں کی لعنت ہے اور ہمیشہ وہ اس میں رہیں گے اور بہی تاریکیوں سے اُسی حلق کے راستہ سے نفس باہر آ سکتا ہے جس کے اعتبار سے ملکیہ کا غالب ہونا اور بہیمیہ کا مغلوب ہونا نفس کی سرشت میں داخل ہے۔ اب بعض نفوس کے اندر خشوع اور طہارت کی صفت کے اعتبار سے ملکیہ کو غلبہ ہوتا ہے اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس شخص کو نماز میں پورا حظ حاصل ہوتا ہے اور کسی نفس میں سماحت کی صفت سے قوۃ ملکیہ کو غلبہ ہوتا ہے اور اس کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ اس شخص کو صدقات کے دینے اور ظالموں سے درگزر کرنے اور مسلمانوں کے ساتھ تواضع کرنے میں باوجود اپنی عزت کے اس کو نہایت شوق ہوتا ہے یا شجاعت کی صفت کے اعتبار سے ملکیہ کو غلبہ ہوتا ہے پس جب بندوں کی اصلاح کے متعلق تدبیر الٰہی کا نفوس میں القاء ہوتا ہے اور دل اُس القا کو شجاعت کی صفت قبول کرتی ہے اور وہ شخص جہاد سے پورا حصہ لیتا ہے یا اس کا نفس اُن لوگوں کے نفوس میں سے ہوتا ہے جن کے قوٰی بہیمیہ اور ملکیہ میں باہم کشاکشی رہتی ہے اور پھر اُس کے دل میں یا تو اس بات کا الہام پیدا ہوتا ہے یا اس کو اپنے نفس پر

اس بات کا تجربہ حاصل ہوتا ہے کہ روزہ رکھنے اور اعتکاف کرنے سے قوت بہیمی پست ہو جاتی ہے اور اس ترکیب سے اُس کی تاریکیوں سے نفس کو نجات حاصل ہو سکتی ہے اس سبب سے وہ شخص ان باتوں کو نہایت شوق سے سن کر دل سے اُن کے عمل میں لانے کی کوشش کرتا ہے اور پھر باب الریان سے اُس کو پورا پورا بدلہ دیا جاتا ہے یہ وہی دروازے ہیں جن کی آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں تصریح فرمائی ہے۔ اور غالبًا علمائے راسخین کا دروازہ اور مصیبت زدہ اور فقراءؓ کا دروازہ اور انصاف کا دروازہ بھی انہیں میں ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اُن سات شخصوں کے اندر جن کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سایہ میں داخل کرے گا امام عادل کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس کی شناخت یہ ہے کہ اس شخص کو لوگوں کے اندر باہم محبت پیدا کرنے میں بڑی کوشش رہتی ہے اور توکل کرنے اور بدشگونی پر عمل نہ کرنے کا دروازہ بھی انہی میں ہے اور ان ابواب میں سے ہر باب کے متعلق بہت سی احادیث مشہورہ وارد ہوئی ہیں الحاصل نفس کے رحمت الٰہی میں داخل ہونے کے یہ بڑے بڑے عالیشان دروازے ہیں اور حکمت الٰہی کا مقتضی ہے جنت کے بھی جس کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور ان دروازوں کے مقابل میں آٹھ دروازے ہوں اور جو لوگ بڑے بڑے کاملین اور سابقین میں سے ہیں وہ دو دو اور تین تین اور چار چار دروازوں میں سے احسان کی چہار دیواری میں آمد و رفت رکھتے ہیں لہٰذا قیامت کے روز بھی وہ جنت کے کئی کئی دروازوں سے بلائے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کا وعدہ کیا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی چیز کا جوڑا خرچ کرے گا جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے بعض دروازوں سے بلایا جائے گا زیادتی اہتمام کے لحاظ سے اس کو ذکر کے اندر خاص کیا ہے۔

زکوٰۃ کی مقدار کا بیان

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((لیس فیما دون خمسة اوسق من التمر صدقة و لیس فیما دون خمس اواق من الورق صدقة و لیس فیما دون خمس ذو و من الابل صدقة))۔

''پانچ وسق سے کم چھوہاروں میں صدقہ نہیں ہے اور نہ پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں صدقہ ہے اور نہ پانچ اونٹوں سے کم میں صدقہ ہے۔''

میں کہتا ہوں غلہ اور چھوہارے میں پانچ وسق کی مقدار آپ ؐ نے اس واسطے مقرر فرمائی ہے کہ یہ مقدار چھوٹے سے چھوٹے کنبے کو ایک سال تک کافی ہو سکتی ہے اس واسطے کہ کم سے کم گھر میں ایک خاوند اور ایک بیوی اور ایک خدمت گار یا اُن کا ایک بچہ ہوتا ہے۔ اور جو اس کے قریب قریب ہو وہ بھی اس قبیلہ سے ہے اور اکثر ایک آدمی کی خوراک ایک رطل یا ایک مد کی ہوتی ہے پس اس حساب سے اگر ہر شخص ان میں سے اس قدر کھائے تو ایک سال کے لئے یہ مقدار کافی ہو سکتی ہے اور کچھ اُن کے وقت بے وقت یا نان خورش کے لیے باقی رہ سکتا ہے اور چاندی کی مقدار پانچ اوقیہ اس واسطے مقرر کی کہ یہ مقدار بھی چھوٹے سے چھوٹے کنبہ کو بشرطیکہ اکثر ملکوں میں غلہ کا نرخ قریب قریب ہو پورے ایک سال کے لیے کافی ہو سکتی ہے اور معتدل ملکوں میں تلاش کرنے سے لوگوں کی عادات کا

گرانی اور ارزانی میں یہ حال معلوم ہوسکتا ہے اور اونٹ کی تعداد پانچ مقرر کی گئی اور ان پانچ کی زکوٰۃ ایک بکری واجب کی گئی اگرچہ فی الحقیقت جس جنس کا مال ہو اُسی قسم کا مال زکوٰۃ میں لینا چاہیے اور نیز زکوٰۃ کی نصاب ایک مقدار کثیر مقرر کرنی چاہیے اس کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ سب مواشی میں عظیم الجثہ اور بڑا نفع پہنچانے والا جانور ہے چاہے اس کو ذبح کر کے کھاؤ چاہو سوار ہو چاہے دودھ پیو چاہے اس سے بچے لو۔ اور اس کے بال اور کھال سب کام میں آتے ہیں اور بعض لوگ صرف تھوڑی سی اونٹنیاں پال لیتے ہیں اور دانگ کا کام ان سے لے لیا کرتے تھے۔ اور اس زمانہ میں ایک اونٹ دس اور کوئی آٹھ اور کوئی بارہ بکریوں کے برابر سمجھا جاتا تھا جیسا کہ بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے اس واسطے پانچ اونٹ بکریوں کی ادنیٰ نصاب کے برابر سمجھے گئے اور ایک بکری ان کی زکوٰۃ مقرر کی گئی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ ((**لیس علی المسلم صدقة فی عبده و لا فرسه**)) مسلمان پر اُس کے غلام اور گھوڑے میں صدقہ نہیں ہے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ غلاموں کو پیداوار بڑھانے کی غرض سے جمع کرنے کا دستور نہیں ہے اور اسی طرح اکثر ملکوں میں گھوڑوں کے اندر قابل اعتبار بڑھاؤ نہیں ہوتا جس کا مویشی کے بڑھاؤ کے لحاظ سے اعتبار کیا جائے لہٰذا اونٹ اور گھوڑا اموال نامیہ میں داخل نہیں ہے مگر جب کہ تجارت کی غرض سے ان کو پالا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن مسعود اور حضرت عمرو بن حزم وغیرہم رضی اللہ عنہم کی روایت سے ثابت ہوتا ہے بلکہ تمام مسلمانوں میں یہ بات متواتر ہے کہ پانچ اونٹ کی زکوٰۃ چوبیس تک ایک بکری ہے اور پچیس اونٹ کی پینتیس تک بنت مخاض (وہ بچہ جو ایک برس سے نکل کر دوسرے میں پاؤں رکھے ہے) اور چھتیس سے پینتالیس تک بنت لبون (وہ بچہ جو تیسرے برس میں ہو) ہے اور چھیالیس سے ساٹھ تک حقہ (وہ بچہ جو چوتھے برس میں ہو) اور اکسٹھ سے پچھتر تک جذعہ ہے (وہ بچہ جو پانچویں برس میں شروع ہو اور چھہتر سے نوے تک دو بنت لبون ہیں اور اکیانوے سے ایک سو بیس تک دو حقے ہیں۔ اور ایک سو بیس سے آگے ہر چالیس اونٹوں پر ایک بنت لبون اور ہر پچاس پر ایک حقہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اصل اس میں یہ ہے کہ جب اونٹوں کی دانگوں پر اونٹنیوں کا تقسیم کرنا چاہا تو چھوٹی اونٹنی کے چھوٹے دانگ کے لیے اور بڑی کو بڑے کے لیے انصاف کے اعتبار سے مقرر کیا اور دانگ کا اطلاق ان کے عرف میں بیس سے زیادہ پر ہوتا ہے اس لیے پچیس سے اس کو منضبط کیا پھر ہر دہائی پر عمر کی زیادتی ولحاظ کیا گیا۔ جس میں عرب کی رغبت بہت زیادہ ہوتی ہے اس لیے ہر پندرہ میں اُس زیادتی کو مقرر کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ بکریوں کی زکوٰۃ چالیس سے ایک سو بیس تک میں ایک بکری ہے اور اس سے آگے دوسو تک دو بکریاں ہیں اس کے بعد تین سو تک تین بکریاں بعدازاں ہر سینکڑے پر ایک بکری ہے میں کہتا ہوں کہ بکریوں کا گلہ تھوڑا بھی ہوتا ہے اور زیادہ بھی ہوتا ہے اس کے گلوں میں بہت سا فرق ہوتا ہے کیونکہ بکریوں کا پالنا آسان ہے اور ہر شخص اپنی گنجائش کے موافق پال سکتا ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے چھوٹے گلہ کا اندازہ چالیس بکریوں کے ساتھ کیا اور بڑے کا اس مقدار سے سہ چند پر اور پھر ہر سینکڑے پر حساب کی آسانی کے لیے ایک بکری کو مقرر کیا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے گائے بیل کی زکوٰۃ میں حدیث صحیح مروی ہے کہ ہر تیس میں ایک سال کا بچھڑا یا بچھیہ ہے اور ہر چالیس میں دو برس کا بچھڑا یا بچھیہ ہے اور یہ اس لیے ہے کہ گائے بیل کی جنس اونٹ اور بکری کے درمیان میں ہے اس لیے اس میں دونوں کی مشابہت کا لحاظ کیا گیا ہے اور احادیث سے یہ بھی بات ثابت ہوتی ہے کہ چاندی کی زکوٰۃ

چالیسواں حصہ ہے پھر صرف اگر ایک سونوے درہم چاندی ہے تو اس پر کچھ بھی زکوۃ نہیں کیونکہ سونا چاندی جملہ اموال میں نفیس مال ہے جس کے اندر مقدار کثیر صرف کرنے سے لوگوں کو ضرر پہنچنے کا احتمال ہے اس لیے سب قسموں کے اموال سے اس کی زکوۃ کا کم ہونا مناسب ہوا اور سونا بھی چاندی پر قیاس کیا گیا ہے اور اُس زمانہ میں ایک اشرفی دس درہم کو بھنائی جاتی تھی اس لیے سونے کے نصاب میں مثقال ۴ ماشہ مقرر کی گئی اور جن کھیتوں نے بارش یا چشموں کے پاس سے پرورش پائی ہے یا وہ عشری ہے اس پر دسواں حصہ واجب ہے اور جن کھیتوں کو ہاتھ سے پانی دیا جاتا ہے ان پر بیسواں حصہ مقرر کیا گیا ہے کیونکہ جن میں محنت کم ہوتی ہے اور پیداوار زیادہ ہوتی ہے اس پر لگان زیادہ ہونا چاہیے اور جس میں محنت زیادہ ہے اور پیداوار کم ہے اس کے لگان میں تخفیف مناسب ہے اور آنحضرت ﷺ نے انگور اور چھوہاروں کے تخمینہ کرنے میں فرمایا ہے ((**دعوالثلث فان لم تدعوا فدعوالربع**)) ثلث کو چھوڑ دو اور اگر ثلث کو نہ چھوڑ و تو ربع چھوڑ دو۔ میں کہتا ہوں اہل زراعت کے ہرج دور کرنے کے سبب سے آپ نے تخمینہ کو مقرر فرمایا ہے کیونکہ وہ لوگ کچھ کچا کچھ پکا کھانا چاہتے ہیں اور نیز صدقہ قبول کرنے والوں کو بھی اس وجہ سے دقت جاتی رہے کیونکہ وہ نہایت دقت سے پھلوں کی حفاظت کر سکتے ہیں اور چونکہ تخمینہ میں کمی وبیشی کا احتمال ہوتا ہے اور زکوۃ میں تخفیف مناسب ہے اور جو چیز تجارت کی غرض سے جمع کی جائے بجز قیمت کے اس کا اندازہ نہیں ممکن ہے اس لیے نقد کی زکوۃ پر اس کا قیاس کرنا ضروری ہوا اور دفینہ کے اندر خمس (پانچواں حصہ) ہے۔ اس لیے کہ اس کو ایک طرح سے مال غنیمت سے مشابہت ہے اور ایک طرف سے مفت میں داخل ہے اس لیے اس کی زکوۃ پانچواں حصہ مقرر کی گئی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر ہر غلام اور حر اور مرد اور عورت چھوٹے و بڑے پر جب کہ مسلمان ہوں ایک صاع چھوہارے یا ایک صاع جو مقرر فرمائے اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک صاع اقط (وہ خاص قسم کا کھانا ہوتا ہے) یا ایک صاع منقیٰ دی جائے۔ اور ایک صاع اس لیے مقرر فرمایا ہے کہ غالباً یہ ایک کنبہ کو کافی ہو جاتا ہے اور فقیر کی حاجت پورے طور پر رفع ہو جاتی ہے اور غالباً کوئی شخص ایک صاع کے دینے سے ضرر بھی نہیں پاتا اور بعض روایات میں جو کے ایک صاع کو گیہوں کے نصف صاع پر قیاس کیا ہے کیونکہ اس وقت میں بہ نسبت جو کے گیہوں کی گرانی تھی اور امراء اس کو کھا سکتے تھے اور مساکین گیہوں نہ کھاتے تھے۔ زید بن ارقم نے سرقہ کے قصہ میں اس کو بیان کیا ہے پھر حضرت علیؓ نے فرمایا ہے **اذا وسع الیہ فوسعوا** .جب اللہ تعالیٰ وسعت کرے تم بھی وسعت کرو اور عید الفطر میں اس صدقہ کو اس واسطے مقرر فرمایا کہ اول تو اس کے سبب سے عید الفطر کے شعار الٰہی ہونے کی اس سے تکمیل ہے دوسرے یہ ہے کہ اس میں روزہ داروں کے لیے طہارت اور اُن کے روزہ کی تکمیل ہے جس طرح کہ نماز میں سنن کا مقرر کرنا۔ اب رہی یہ بات کہ زیور پر زکوۃ ہے یا نہیں اس کے باب میں متعارض حدیثیں وارد ہوئی ہیں مگر زیور پر جمع کرنے کا اطلاق بعید ہے لیکن جمع کرنے کے معنی اس میں موجود ہیں مگر احتیاط اسی میں ہے کہ زیور کی زکوۃ ادا کر کے اختلاف سے علیحدہ ہو جاؤ۔



زکوٰۃ کے مصارف کا بیان

مصارف کے اندر اصل یہ ہے کہ شہر دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کے باشندے صرف مسلمان ہوں اور کسی غیر ملت کے لوگ ان کے پاس نہیں رہتے ایسے شہروں پر تخفیف کرنا مناسب ہے کیونکہ ایسے شہروں کو فوج کے اکٹھے کرنے اور جہاد کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں اور بسا اوقات ایسے شہروں میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہو جاتے ہیں جو رفاہ عام کے کام اپنے متعلق کر لیتے ہیں اللہ پاک نے محسنین کے لیے جس اجر کا وعدہ کیا ہے اس کی تصدیق اُن کو اس بات پر آمادہ کر دیتی ہے اور ان لوگوں کی معاش اپنے مالوں میں ہوتی ہے مسلمانوں کی جماعت کثیرہ ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوتی۔ دوسری قسم کے وہ شہر ہیں کہ جن میں اور ملتوں کے لوگ بھی رہتے ہیں ایسے شہروں پر سختی کرنا مناسب ہے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ کافروں پر سخت ہیں باہم مہربان ہیں' اور ایسے شہروں کے لیے بہت سی فوج اور مددگاروں کی ضرورت اور نیز اس بات کی حاجت ہے کہ ہر نافع کام کے لیے ایک شخص مقرر کیا جائے اور اس کی معاش بیت المال میں ہو لہٰذا آنحضرت ﷺ نے ان دونوں قسموں کے شہروں میں سے جدا جدا طریقہ مقرر فرمایا اور مصارف کے اعتبار سے محصول مقرر کیا دوسری قسم کے مباحث کتاب الجہاد میں عنقریب آتے ہیں اور جن شہروں میں صرف مسلمان ہی باشندے ہیں عمدہ مال جو وہاں پیدا ہوتا ہے وہ دو قسم کا ہوتا ہے جس طرح مصرف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ مال ہے جو مالک کے قبضہ سے نکل جاتا ہے جیسے میت کا ترکہ جس کا کوئی وارث نہ ہو اور گم شدہ مویشی جن کے مالک کا پتہ نہیں اور وہ لقطہ جس کو بیت المال کے مہتمموں نے اٹھالیا اور پھر اس کا اعلان کیا گیا اور کوئی مالک نہ معلوم ہوا اور اسی قسم کے اموال۔ اس قسم کے مال کو ایسے کاموں میں خرچ کرنا چاہیے جن کا نفع عام و شامل ہو اور اس میں کسی کی تملیک نہ پائی جائے جیسے نہروں کا کرایہ دینا پل و مساجد اور کنوؤں اور چشموں کا کھودوانا اور اسی قسم کے کام۔ اور دوسری قسم مال و صدقات ہیں جو مسلمانوں کے مال سے لے کر بیت المال میں جمع کیے جاتے ہیں ایسے اموال کو اُن مواقع میں خرچ کرنا چاہیے جس میں کسی کو مالک بنایا جائے اس بات کی دلیل اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے۔ ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِينِ﴾ اور اس کا بالاجمال بیان یہ ہے کہ اگرچہ اس قسم کے حوائج بہت کثرت سے پیش آتے ہیں مگر سب سے بڑھ کر تین زیادہ ضروری ہیں ایک محتاج لوگ اور شارع نے فقراء اور مساکین اور مسافروں اور قرضداروں کے اندر ان کو منحصر کیا ہے دوسرے محافظین اور شارع نے مجاہدین اور محصلین میں اُن کو منحصر کیا ہے اور تیسرے یہ ہے کہ اُن فتنوں کے دور کرنے میں مال صرف کیا جائے جو مسلمانوں میں واقع ہوئے ہیں یا دوسرے لوگوں سے مسلمانوں میں ان فتنوں کے واقع کرنے کا خطرہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ ضعیف الاسلام لوگ کفار سے میل پیدا کر لیتے ہیں یا کہیں کوئی کافر مسلمانوں کے ساتھ کوئی داؤ کرنا چاہتا ہے اس لیے اس کو کچھ مال دے کر اس کی تالیف کی جاتی ہے اور ان دونوں کو مؤلفۃ القلوب کا لفظ شامل ہے یا مسلمانوں کے باہمی نزاعوں میں اُس مال کو خرچ کیا جاتا ہے۔

اور اُن پر تقسیم کرنے کی صورت اور یہ بات کہ کن لوگوں سے دینا شروع کیا جائے اور کس قدر دیا جائے امام کی رائے پر موقوف ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ شخص اپنے مال کی زکوٰۃ سے غلام آزاد کرسکتا ہے اور حج میں بھی دے سکتا ہے اور حضرت امام حسن سے بھی مثل اسی کے مروی ہے پھر انہوں نے اس آیت کو پڑھا ﴿**إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ**﴾ ان مواضع سے جس میں چاہے صرف کرے کافی ہے اور ابو آلاسؓ سے مروی ہے کہ ہم کو آنحضرت ﷺ نے حج کے لیے صدقہ کا اونٹ سواری کے لیے دیا۔ اور حدیث صحیح میں آیا ہے ((**و اما خالد فانکم تظلمون خالدًا و قد احتبس ان راعیه واعتده فی سبیل اللّٰه**)) یعنی اور خالد پر تو تم ظلم کرتے ہو اس نے تو اپنی زرہ بکتر اور ہتھیار اللہ کی راہ ٹھہرا دیئے ہیں۔ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر چیز کے عوض دوسری چیز جس میں فقراء کا زیادہ نفع ہو دے تو جائز ہے دوسرے یہ کہ فی سبیل اللہ دے دینا صدقہ کی جگہ کافی ہوسکتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس تقدیر پر اللہ پاک کے اس حکم میں ﴿**إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ .... الآية**﴾ حصر اضافی یعنی اُن مصارف کی نسبت حصر ہے جن کو منافق لوگ اپنی خواہش کے موافق زکوٰۃ کا مصرف بنانا چاہتے تھے جیسے کہ سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے اس میں رمز یہ ہے کہ حوائج بے شمار ہوا کرتے ہیں اور ان شہروں میں جن کے باشندے صرف مسلمان ہی ہیں بیت المال کے اندر کوئی اور مال کثیر نہیں ہوتا لہٰذا اس میں وسعت دینا ضروری ہے تاکہ شہر کے حوائج کو وہ مال کافی ہو سکے واللہ اعلم اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ((**ان هذه الصدقات انما هی من اوساخ الناس و انها لا تحل لمحمد ولا آل محمد**)) یہ صدقات لوگوں کا میل ہوتے ہیں اس لیے یہ نہ محمدؐ کے لیے حلال ہیں اور نہ اولاد محمدؐ کے لیے حلال ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ صدقات کے میل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ صدقات کے دینے سے گناہ دور ہوتے ہیں اور بلا دفع ہوتی ہے اور ان باتوں میں وہ انسان کا فدیہ ہوتے ہیں اس لیے ملاءِ اعلیٰ کے ادراکات میں یہ صدقات ان صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں جس طرح صورتِ ذہنیہ اور نقطیہ اور خطیہ میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن چیزوں کے یہ نام ہیں وہی چیزیں ذہن اور الفاظ اور کتابت کے اندر موجود ہیں اور ہمارے نزدیک اس کا نام وجود تشبیہی ہے اس لیے بعض نفوس عالیہ میں اس بات کا ادراک پیدا ہوتا ہے کہ ان صدقات میں ایک قسم کی تاریکی پائی جاتی ہے اور کبھی اس امر کا امکنہ سافلہ کی طرف نزول ہوتا ہے اور بلکہ بعض اہل مکاشفہ بھی اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں اور میرے سردار والد ماجد قدس سرہٗ بھی اس بات کی اپنی ذات سے حکایت کرتے تھے جس طرح صالحین کو زنا یا اعضا خبیثہ کا ذکر ناگوار معلوم ہوتا ہے اور نفیس اشیاء کے ذکر سے بشاش ہوتے ہیں اور اللہ پاک کے نام کی تعظیم کرتے ہیں ایسے ہی جس مال کو انسان بلا کسی عوض کے خواہ وہ عوض کوئی خاص شئے ہو یا صرف نفع ہی ہو اسی سے لے لیتا ہے۔ اور اس دینے والے کو اس شخص کی عزت مقصود نہیں ہوتی ہے تو اس مال کے لینے میں اس شخص کو ایک قسم کی ذلت واہانت حاصل ہوتی ہے اور اس معطی کو اس شخص پر فضیلت اور احسان ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((**الید العلیا خیر من الید السفلی**)). یعنی اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ بہر حال اسطور سے کمانا تمام پیشوں میں بدترین پیشہ ہے اور جو لوگ مقدس اور بزرگانِ دین ہیں اُن کی شان کے بالکل مناسب نہیں اور اس حکم میں دوسرا اور امر ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ خود بہ نفس نفیس صدقہ لینے اور اپنے عزیزوں اور ان لوگوں کے لیے جن کا نفع اپنا ہی نفع ہے تجویز فرماتے تو اس بات کا احتمال تھا کہ لوگ آپ سے بدگمان

ہوتے اور آپؐ کے حق میں وہ وہ باتیں کہتے جو بالکل لغو ہوتیں۔اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس دروازہ کو بالکل بند کر دیا ہے اور اس بات کا ظاہر کر دینا چاہا کہ صدقات کے منافع انہیں کی طرف عائد ہوتے ہیں اور انہیں کے اعتبار سے لے کر انہیں کے فقراء کو واپس کر دیئے جاتے ہیں یہ اُن کے حق میں بڑی رحمت اور مہربانی اور بھلائی کا پہنچانا اور برائی سے بچانا ہے اور چونکہ سوال کرنے میں ایک بڑی ذلت کا سامنا ہوتا ہے اور سوال کرنے والا حیا سے باہر ہو جاتا ہے اور اس کی مروت میں نفاق آ جاتا ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے بلا ایسی ضرورت کے جس کی وجہ سے آدمی مجبور ہو سوال کرنے سے سخت ممانعت فرمائی ہے اور نیز جب لوگوں کو لوگوں میں سوال کی عادت پڑ جائے اور ان کو سوال کرنے میں کچھ غیرت باقی نہ رہے اور بھیک سے مال جمع کرنے لگیں تو اس کے سبب سے ضروری پیشوں کا متروک ہونا لازم آتا ہے یا اُن پیشوں کی قلت اور مالداروں پر بلا وجہ دقت لازم آتی ہے لہٰذا حکمت شرعیہ کا مقتضی یہ ہوا کہ سوال سے غیرت کرنے کی صورت اُن کے سامنے ظاہر کی جائے تا کہ لوگ بلا ضرورت شدید کے سوال کرنے کا ارادہ نہ کریں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((من سال الناس ليشرى ماله كان خمو شافي وجهيه او رضفايا كله من جهنم)).

''جو شخص اپنا مال بڑھانے کی غرض سے لوگوں سے سوال کرے گا تو اُس کا منہ چھلا ہوا ہوگا یا انگارا ہوگا جہنم سے کہ کھائے گا اُس کو۔''

میں کہتا ہوں اس میں یہ رمز ہے کہ لوگوں سے سوال کرنے میں جو اس کو تکلیف رہی ہے تو وہ اسی صورت میں ظاہر ہوگی جس کے ہاتھ میں لینے سے ظاہر میں تکلیف پہنچا کرتی ہے جیسے آگ کا انگارہ یا اُس کے کھانے سے تکلیف پہنچتی ہے جیسے پتھر بریاں کیا ہو آگ میں اور لوگوں میں اس کا ذلیل اور پشیمان ہونا ایسی صورت میں ظاہر ہوگا جو اس کے بہت مناسب ہے یعنی منہ پر خراش ہونا اور جس شخص کو کوئی آفت عظیم پہنچے جس کے سبب سے اس کا تمام مال برباد ہو گیا ہو اس کے حق میں آیا ہے کہ اگر وہ شخص سوال کرے اور اس قدر مال جمع کر لے کہ اس میں اس کی معاش حاصل ہوتی رہے تو اس کے لیے جائز ہے اس غناء کا اندازہ جس کے ساتھ سوال کرنا منع ہے ایک اوقیہ یا پچاس درہم سے ایک حدیث میں آیا ہے اور ایک حدیث میں اس کا اندازہ اتنے کھانے کے ساتھ آیا ہے جو صبح و شام کے لیے کافی ہو سکے اور ہمارے نزدیک ان احادیث میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ لوگوں کے درجے مختلف ہیں اور ہر کسی کے لیے جدا پیشہ ہوتا ہے جس کے بغیر اُس کا رہنا ناممکن ہے۔امکان سے وہ ہمارے امکان مراد ہے جو اُن علوم میں مستعمل ہوتا ہے۔جن کے اندر سیاست مُدن سے بحث کی جاتی ہے اور اس سے وہ امکان مراد نہیں ہے جو علم تہذیب النفس میں بولا جاتا ہے پس جو شخص ہاتھ کا پیشہ کرتا ہے جب تک اُس کے پاس اس کے پیشہ کے آلات نہ ہوں تو اس پیشہ سے معذور ہے اسی طرح جو شخص کھیتی کرتا ہے کھیتی کے آلات نہ ہونے سے معذور ہے اور تاجر کے پاس جب تک سرمایہ تجارت نہ ہو معذور ہے اسی طرح جو شخص جہاد میں رہتا ہے اور صبح و شام اس کا رزق آتا جاتا رہتا ہے۔یعنی مال غنیمت۔جیسے آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ تھے تو اس کے لیے اس مقدار کا اندازہ ایک اوقیہ یا پچاس درہم ہے اور جو شخص بازاروں میں بار برداری کرتا ہے یا جنگل سے لکڑیاں فراہم کر کے فروخت کیا کرتا ہے یا اور اسی قسم کے پیشے کرتا ہے تو اس شخص کے حق میں اسی مقدار کا اندازہ یہ ہے کہ اُس کا ایک وقت کا کھانا چل سکے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔

((لا تلحفو فی المسئلة)) یعنی سوال میں لپٹا مت کرو کیونکہ اللہ کی قسم ایسا نہیں ہوتا کہ تم میں سے کوئی شخص مجھ سے کچھ طلب کرے اور اس کا سوال مجھ سے اُسے کچھ دیوا دے مگر میرا دل خوش نہ ہو اور پھر میری دی ہوئی چیز اس کے لیے برکت کی جائے۔ میں کہتا ہوں اس کا یہ اثر ہے کہ جو نفوس ملحق بہ ملاء اعلیٰ ہیں ان میں کراہیت اور رضا مندی کی صورت دہمیہ بمنزلہ دعا مستجاب کے ہوتی ہے اور آپؐ نے فرمایا ہے۔ ((ان هذا المال خضر حلو الحديث)) البتہ یہ مال ہرا اور شیریں ہے جو شخص دل کی خوشی سے اس کو لے لیتا ہے اس میں اس کے لیے برکت دی جاتی ہے اور جو دل کی حرص سے لیتا ہے اُس میں اس کو برکت ہونے کی کئی قسمیں ہیں ادنیٰ قسم یہ ہے کہ دل اس سے مطمئن ہو اور اس کی طرف سے دل کو بے قراری نہ ہو مثلاً دو شخص ہیں کہ اُن میں سے ہر ایک کے پاس بیس بیس درہم ہیں مگر ان میں سے ایک شخص کو اپنے تنگ دست ہونے کا خوف لگا رہتا ہے اور دوسرے کو اس بات کا خیال بھی نہیں ہے بلکہ اس کو امید ہی رہتی ہے اس قسم کے بعد برکت کی وہ قسم ہے کہ اس چیز سے انتفاع زیادہ حاصل ہو جیسے کہ دو شخصوں کے پاس برابر برابر مال ہے اُن میں سے ایک نے اپنے مال کو ضروریات میں صرف کیا اور اس کے دل میں مال کے اچھی جگہ صرف کرنے کا الہام پیدا ہوا اور دوسرے نے اُس مال کو ضائع کر دیا اور میانہ روی سے کام نہ لیا نفس کی ہیئت اس برکت کو اس طرح سے چلتی جس طرح دعا کھینچ لی جاتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((من يستعفف يعفه الله.... الخ)) جو کوئی شخص سوال کرنے سے بچے گا اللہ تعالیٰ اُس کو محفوظ رکھے گا۔ میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کیفیاتِ نفسانیہ کے حاصل کرنے کو ہمت کے مجتمع ہونے اور ارادہ کے مضبوط ہونے میں کامل دخل ہے۔

اُن اُمور کا بیان جو زکوٰۃ کے متعلق ہیں

اب اس بات کی ضرورت تھی کہ لوگوں کو اس بات کی نصیحت کی جائے کہ صدقہ تحصیل کرنے والے کو خوشی سے صدقہ ادا کیا کریں لہٰذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((اذا اتاكم المصدق فليصدر عنكم و هو عنكم راضٍ)) یعنی جب تمہارے پاس صدقہ تحصیل کرنے والا آئے پس چاہیے کہ خوش ہو کر تم سے رخصت ہو اور اس میں یہ حکمت ہے کہ اُن کے نفس کی اصلاح ہو جائے اور آپؐ نے یہ بھی چاہا کہ لوگوں کو ظلم کے حیلہ سے زکوٰۃ کے اندر عذر کا موقع نہ رہے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے: ((فان عدلوا فلانفسهم و ان ظلموا فعليها)) پس اگر وہ انصاف کریں گے تو اپنے لیے اور اگر ظلم کریں گے تو اپنے لیے اور اس حدیث میں اور آنحضرت ﷺ کے اس قول میں ((فمن سئل فوقها فلا يعط)) پس جس شخص سے اس سے زیادہ مانگا جائے تو نہ دے اختلاف نہیں ہے اس لیے کہ ظلم کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو اُس صورت میں کہ جس جگہ نص نے اُس کا حکم ظاہر کر دیا ہے اس مقام کے متعلق دوسری حدیث ہے یعنی اُسے معمول معین سے زیادہ نہ دینا چاہیے اور ایک وہ صورت ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش اور اٹکلیں لڑ سکتی ہیں اُن مواضع میں آنحضرت ﷺ نے عذر کے دروازہ کو بند کیا ہے اور صدقہ لینے کے لیے اس بات کی نصیحت کرنی ضروری تھی کہ صدقہ کے لیے میں زیادتی نہ کرے اور ان کے نفیس نفیس مال کو چھوڑ دے اور مال غنیمت میں خیانت نہ کرے تا کہ انصاف اور بہت سے مقاصد اُس کی وجہ سے حاصل ہو سکیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے:

((والذی نفسی بیدہ لا یاخذ منه شیئا الاجاء به یوم القیامة یحمله علی رقبته ان یعرأ له رغا)).

''پس قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس میں سے وہ کچھ نہ لے گا مگر قیامت کے دن اپنی گردن پر لائے گا اگر وہ اونٹ ہے تو بلبلاتا ہوگا۔''

اس کا رمز ہمارے کلام سابق کے دیکھنے سے جو مانعین زکوٰۃ کے متعلق ہم نے بیان کیا ہے معلوم ہو سکتا ہے اور نیز اس بات کی ضرورت تھی کہ مال والوں کے فریب اور حیلہ کا دروازہ بند کیا جائے اور اس کے متعلق یہ حکم ہوا کہ جو مال متفرق ہے وہ جمع نہ کیا جائے اور جو مال مجتمع ہے وہ صدقہ کے ڈر سے جمع نہ کیا جائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((لان یتصدق المرء فی حیوته بدرهم خیرله من ان یتصدق بمائة عند موته)).

''زندگی کی حالت میں آدمی کو ایک درہم کا صدقہ کرنا مرتے وقت سو درہم کے صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔''

اور نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((مثله کمثل الذی یهدی اذا شبع)).

''یعنی ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ بعد سیر ہونے شکم کے صدقہ دے۔''

میں کہتا ہوں اس کی رمز یہ ہے کہ ایسی چیز کا خرچ کرنا جس کی اس کو حاجت نہیں ہے اور نہ حاجت ہونے کی توقع ہے پوری پوری سخاوت پر مبنی نہیں ہے' پھر آنحضرت ﷺ نے ان خصلتوں کی تعلیم کا قصد کیا جن سے بخل کا ازالہ یا نفس کی تہذیب یا باہم الفت اور محبت ہوتی ہے اور ان کو بھی صدقات کے قبیلہ سے گردانا تا کہ صدقات کے ساتھ ثمرات کے ان اخلاق کا شریک ہونا معلوم ہو جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((یعدل بین اثنین صدقه)). الحدیث

''دو شخصوں میں کوئی انصاف کرتا ہے وہ صدقہ ہے''۔

اور کسی شخص کی اپنی سواری پر سوار کرنے سے مدد کرنا صدقہ ہے اور اچھی بات زبان سے کہنا صدقہ ہے اور ہر قدم جو نماز کے جانے کے لیے ڈالتا ہے اور ہر مرتبہ لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے اور ہر مرتبہ سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے اور اسی قسم کی باتیں اور نیز آپ نے فرمایا ہے: ((ایما مسلم کسا مسلما ثوبا علی عری)) الحدیث جو کوئی مسلمان کسی ننگے بدن مسلمان کو کپڑا پہنائے تو وہ بھی صدقہ ہے اخیر حدیث تک۔ میں کہتا ہوں کئی مرتبہ اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ طبیعت مثالیہ کا مقتضی ہے کہ معانی کا ظہور ان صور میں ہو جو ان کے قریب تر ہیں اور کھانا کھلانے میں کھانے کی صورت پائی جاتی ہے خوابوں کے دیکھنے اور واقعات کے پیش ہونے اور معانی کے جسموں کی صورتوں میں اس بات کی عبرت تم کو ظاہر ہو سکتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے مدینہ کی وباء کو جو ایک سیاہ عورت کی صورت میں دیکھا اس کی وجہ یہی معلوم ہو سکتی ہے۔

پھر بعض لوگ ایسے تھے کہ اپنے اہل وعیال اور عزیز واقارب کو چھوڑ کر غیروں کو صدقہ دیا کرتے تھے اور اس کے اندر ان

لوگوں کی رعایت کا جن کی رعایت ضروری ہے لحاظ نہ پایا جاتا تھا اور یہ بات تدبیر و قریب لوگوں کے ساتھ الفت پیدا ہونے کے بالکل خلاف تھی لہٰذا اس سے منع کرنے کی حاجت ہوئی اور آپؐ نے فرمایا:((**دینار انفقته فی سبیل الله و دینار انفقته فی رقبة**)) الحدیث ۔ایک تو وہ اشرفی ہے جس کو تو اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور ایک وہ ہے کہ جس کسی کی جان چھوڑانے میں دے اور ایک وہ دینار ہے جس کو مسکین پر صدقہ کرے اور ایک وہ دینار ہے جس کو تو اپنے کنبہ پر خرچ کرے ان سب میں ثواب کے لحاظ سے وہ دینار بڑھ کر ہے جو اپنے کنبہ پر خرچ کرے اور اس حدیث ((**خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی و ابدع بمن تئول**)) بہتر وہ صدقہ ہے جو غنا کے ساتھ ہو اور اپنے اہل وعیال سے اس کا دینا شروع کرے اور اس حدیث میں کسی نے آپؐ سے عرض کیا کہ کوئی سا صدقہ افضل ہے تو آپؐ نے فرمایا((**جهد المقل و ابداء بمن تئول**)) یعنی تنگ دست کا صدقہ کے لیے تکلیف گوارا کرنا اور اپنے عیال سے دینا شروع کرے منافات نہیں ہے کیونکہ ہر ایک حدیث کی توجیہ جدا جدا ہے اس لیے کہ یا تو غنا سے اصطلاحی غنا مراد نہیں ہے بلکہ نفس کی غنا مراد ہے یا کنبہ کے لیے رزق کا کافی ہونا مراد ہے یا ہم کہتے ہیں غنا کا صدقہ اس لیے بہتر ہے کہ اُس کی وجہ سے غنی کے مال میں برکت بہت ہوتی ہے اور تنگ دست کا صدقہ بایں معنی افضل ہے کہ وہ بخل کو خوب دُور کرتا ہے اور قوانین شرعیہ کے زیادہ تر مناسب ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:((**الخازن المسلم الامین**)) الحدیث ۔خزانچی مسلمان امانت دار جو لوگوں کو مالک کے حکم دینے کے بعد پورے پورے طور پر خوش ہو کر دیتا ہے وہ بھی بمنزلہ صدقہ کرنے والے کے ہے۔ میں کہتا ہوں بسا اوقات کسی ایسی چیز کا نافذ کرنا جو اُس پر واجب ہے اور اس کا کرنا جو اُس کے اختیار میں نہیں ہے اس شخص کی سخاوت کی پہچان ہوتا ہے کیونکہ دیتے وقت اس کے دل کا خوش ہونا اور تسلی کا حاصل ہونا دل کی سخاوت کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہٰذا اصلی متصدق کے بعد یہ شخص بھی متصدق ہے صدقہ دینے والا شمار کیا گیا اور ان حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے((**اذا انفقت المرء ة عن کسب زوجها من غیر امره فلها نصف الآخر**)) یعنی جو عورت اپنے خاوند کی کمائی میں سے بغیر اس کی اجازت کے اللہ کے نام پر دے تو اس کے لیے آدھا ثواب ملے گا اور آپؐ نے حجۃ الوداع میں فرمایا ہے۔((**لا تنفق امراة من بیت زوجها الا باذنه .... الخ**)) کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر سے بلا اس کی اجازت کچھ خرچ نہ کرے پھر کسی نے عرض کیا کہ کھانے کی قسم سے بھی کچھ خرچ نہ کرے آپؐ نے فرمایا تو ہمارے مالوں میں سب سے افضل ترین مال ہے اور اس حدیث میں کہ ایک عورت نے آپؐ سے عرض کیا کہ ہماری اولاد اور ہمارے ماں باپ اور ہمارے خاوندوں پر ہمارا بوجھ ہوتا ہے ان کے مالوں میں سے ہم کو کس قدر حلال ہے تو آپؐ نے فرمایا ہے تر چیزیں کہ تم ان کو کھا سکتی ہو اور دے سکتی ہو۔ منافات نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اس حدیث بالا میں یہ بات ہے کہ اس میں خاوند کی مطلقاً اجازت ہو یا دلالۃً ہو اور کسی خاص شئے کی صراحۃً اجازت نہ ہو اور خاوند صدقہ نہ دیتا ہو۔ پس چونکہ عورت نے اس میں صدقہ نکالا ہے۔ اس لیے تسلیم کیا جائے گا اور خاوند کے مال میں اسی قدر تصرف درست ہے جتنا لوگوں میں دستور ہے اور خاوند کے مال کی اصلاح ہے جیسے ہری چیزیں کہ اگر وہ ضرورت سے زیادہ ہوں اور کسی کو نہ دی جائیں تو خراب ہو کر ضائع ہو جائیں گی اور ان کے سوا اور چیزوں میں درست نہیں ہے اگرچہ غلہ کی قسم سے ہو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:((**لا تعد فی صدقتك فان العائد فی صدقته کالعائد فی فیئه**)) اپنے صدقہ کو واپس مت لے

کیونکہ صدقہ واپس لینے والا ایسا ہے جیسے اپنی قے کر کے نگل جانے والا۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ صدقہ کرنے والا جب اُس چیز کو خریدنا چاہتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ رعایت سے ملتی ہے یا خود ہی وہ رعایت سے لینا چاہتا ہے اور جس قدر رعایت کی گئی ہے اسی قدر اس کے صدقہ کا ثواب گھٹ جاتا ہے کیونکہ صدقہ کی روح دل کے تعلق کا اس مال سے ہٹا لینا ہے اور جب اس کے ذمہ اس بات کا خیال رہا کہ وہ چیز اُس کو رعایت سے مل جائے تو اس کو اُس چیز سے پوری بے تعلقی نہ ہوئی اور نیز شارع کو عمل کی صورت کا کامل ہونا مطلوب ہے اور اُس کے واپس لینے میں اُس صورت میں نقصان ہے جس ملک سے ہجرت کی جائے پھر اس زمین میں موت کے مکروہ ہونے کی یہی وجہ ہے۔ واللہ اعلم

اُن احادیث کا بیان جو روزہ کے باب میں وارد ہوئی ہیں

چونکہ قوت بہیمی کا قوی ہونا قوت ملکی کے احکام ظاہر ہونے کا مانع ہے لہٰذا اس کا مغلوب کرنا ضروری ہوا اور چونکہ اس کی قوت کی شدت کا سبب کھانا اور پینا اور لذائذ شہویہ میں منہمک ہونا ہے اور اس انہماک کا وہ اثر ہوتا ہے جو بلا روک ٹوک کھانے پینے کا بھی نہیں ہوتا لہٰذا اُس کے مغلوب کرنے کے لیے ان اسباب کا کم کرنا ضروری ہوا لہٰذا سب وہ لوگ جو احکام قوت ملکی کا ظاہر ہونا چاہتے ہیں باوجود اختلاف مذاہب اور بعد ملکوں کے ان اسباب کی تقلید پر اتفاق کرتے ہیں اور نیز بہیمیہ کا ملکیہ کے اس طرح پر تابع کرنا مقصود ہے کہ قوت ملکیہ قوت بہیمیہ کے اخلاق دنیہ قبول کرنے سے محفوظ رہے اور وہ اس کے نقوش رذیلہ قبول نہ کرنے پائے جس طرح نگینہ کے نقوش موم کے اندر منتقش ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا بجز اس کے کوئی طریقہ نہیں ہے کہ قوت ملکی ایک بات کا ارادہ کرے اور بہیمیہ کے اندر اس کا القاء کر کے اُس کے سامنے پیش کرے اور وہ اس کے حکم کو مان لے اور اس کے سامنے سرکشی اور زیادتی نہ کرے اور پھر اس بات کا ارادہ کرے اور اسی طرح قوت بہیمی اس کی تابعداری کرے اور پھر بار بار یہی امر پیش ہو حتیٰ کہ اس تابعداری کی اس کو عادت پڑ جائے اور وہ امور جن کی قوت ملکی میں خواہش ہوتی ہے اور قوت بہیمی کو اُن کے کرنے پر مجبور کی جاتی ہے اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جن کے واقع ہونے سے قوت ملکی کو سرور اور بہیمی کو انقباض پیدا ہوتا ہے جس طرح ملاء اعلیٰ کے ساتھ تشبیہ پیدا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی پر معرفت حاصل کرنا یہ امور قوت ملکی کے خواص میں سے ہیں اور بہیمی کو ان سے نہایت درجہ کا بُعد ہے یا کسی ایسے امر کا ترک کرنا جس کی قوت بہیمی میں خواہش پیدا ہوتی ہے اور اس امر میں اس کو تلذذ حاصل ہوتا ہے اور قوت بہیمی کے ہیجان کی حالت میں اُس امر کا شوق پیدا ہوتا ہے اور یہ بات روزہ سے حاصل ہو سکتی ہے اور چونکہ ان امور کا التزام تمام لوگوں سے باوجود تدابیر ضروریہ اور مال اور اہل کے ساتھ مشغول ہونے کے ممکن نہ تھا اس لیے یہ امر ضروری ہوا کہ کچھ زمانہ کے بعد ہر مرتبہ ایک مقدار معین کا التزام کیا جائے جس سے قوت ملکی کا ظہور اور اپنی خواہشوں کے پورا ہونے سے اس کا سرور معلوم ہو جائے اور اس سے پیشتر جو کمی ہوئی ہے وہ دور ہو جائے اور اس کا حال اس گھوڑے کا سا ہے جس کی پچھاڑی کھونٹے سے بندھی ہوئی ہے اور وہ دو چار مرتبہ ادھر اُدھر لاتیں پھینک کر اپنی حالت اصلی پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ مداومت حقیقی کے بعد اس کی مداومت کا درجہ ہے بعد ازاں یہ امر ضروری ہوا کہ اس کی ایک مقدار مقرر کی جائے تاکہ کوئی شخص اس میں افراط و تفریط نہ کر سکے ورنہ تفریط کرنے والے کو ممکن تھا کہ اُس

عبادت کو اس قدر عمل میں لاتا جو اس کے لیے کافی و نافع نہ ہوتی یا افراط کرنے والے کو ممکن تھا کہ اس کو اتنا عمل میں لاتا جس سے اُس کے ارکان میں کاہلی پیدا ہو کر اس کو اس کا نشاط جاتا رہتا اور اپنے نفس کو ہلاک کر کر کے داخل قبر ہوتا اور روزہ ایک تریاق ہے۔ جو سموم نفسانیہ کے دور کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے مگر اس کے اندر لطیفہ نفسانیہ کے مقام اور اس کے جائے ظہور کو بھی ایک قسم کی شکایت اور صدمہ پہنچتا رہتا ہے لہٰذا بقدر ضرورت اس کا معین کرنا لازم ہوا پھر خورد و نوش کے کم کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ کھانے پینے میں کمی کرے اور دوسری صورت یہ ہے کہ عادت سے زیادہ خورد و نوش میں دیر کرے اور شرع کے اندر دوسری قسم کی تقلیل کا اعتبار ہے کیونکہ اُس کے سبب سے ایک قسم کا ضعف اور خفت پیدا ہوتی ہے اور بھوک اور پیاس کی کیفیت انسان کو اس وقت معلوم ہو جاتی ہے اور قوت بہیمی کو اس وقت اس کی وجہ سے ایک قسم کی پریشانی اور خوف پیدا ہو جاتا ہے اور ان امور کا طاری ہونا اس کو محسوس ہوتا ہے اور تقلیل کی پہلی قسم میں برابر ضعف پیدا ہوتا رہتا ہے اور نفس کو اس ضعف کی پرواہ نہیں ہوتی حتیٰ کہ آدمی اس سے بالکل تھک کر رہ جاتا ہے اور نیز تقلیل کی پہلی قسم کا عام حکم کے تحت میں بلا وقت داخل ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ لوگوں کے درجے مختلف ہیں کسی کی خوراک ایک رطل اور کسی کی دو رطل ہوتی ہے۔

کھانے میں جتنی مدت کا فصل ہوتا ہے اس پر تمام عرب و عجم اور تمام صحیح المزاج لوگوں کا اتفاق ہے کہ شب و روز میں دو وقت یعنی صبح و شام کھاتے ہیں یا صرف ایک ہی مرتبہ اور بھوک کی کیفیت رات تک کھانا نہ کھانے سے حاصل ہوسکتی ہے اور نیز یہ بھی غیر ممکن تھا کہ مکلفین کو ایک مقدار قلیل کا اختیار عطا کیا جاتا اور اُن سے کہہ دیا جاتا کہ تم میں سے ہر ایک اتنا کھا لیا کرے کہ جس سے قوت بہیمی مغلوب رہے کیونکہ یہ مقصود شرعی کے خلاف ہے اور یہ مثل مشہور ہے کہ جس شخص نے بھیڑیئے کو بکریوں کا چوپان بنایا تو اُس نے ظلم کیا اور ایسی صورت احسانیہ کا درجہ حاصل کرنے کو ممکن ہے پھر یہ بات ضروری ہے یہ مدت فصل کی اس قدر نہ ہو کہ جس سے جان کی ہلاکت اور اس کا استیصال متصور ہو مثلاً تین شبانہ روز کیونکہ یہ بھی مقصود شرعی کے خلاف ہے اور تمام مکلفین اس پر عمل بھی نہیں کر سکتے اور نیز یہ بھی ضرور تھا کہ بار بار اُن کو بھوکا رہنے کا حکم دیا جائے تاکہ وہ اس بات کے عادی ہو جائیں۔ اور اُن میں اور تابعداری کا مادہ پیدا ہو جائے ورنہ ایک مرتبہ بھوکا رہنے میں کچھ قابل اعتبار فائدہ نہیں ہے اگرچہ کیسے ہی سخت درجہ کی بھوک ہو اور یہ بات بھی ضروری تھی کہ اس کا مغلوب ہونا جو ہلاکت کی طرف مودی نہیں ہے اور اس کے تکرار کا انضباط ان مقداروں سے کیا جائے جو ان میں مستعمل ہوتی ہیں۔ اور کسی غافل اور ہوشیار اور شہری اور جنگلی پر وہ مقادیر پوشیدہ نہیں ہیں اور نیز ایسے امر سے انضباط کیا جائے جس کو خود یا اس کی نظیر کو لوگوں کا گروہ عظیم استعمال کرتا ہوتا کہ اس کی شہرت اور تسلیم کر لینے کے سبب سے اُن کی دشواری جاتی رہے ان امور کے لحاظ کرنے سے یہ بات ضروری ہوئی کہ ایک مہینے تک ہر دن برابر کھانے اور پینے اور جماع سے نفس کو باز رکھنے کے ساتھ روزے کا انضباط کیا جائے کیونکہ ایک دن سے کم مقدار کا مقرر کرنا ایسا ہے کہ جیسے دوپہر کے کھانے کو کچھ دیر کر کے کھانا اور اگر شب میں ان امور کے ترک کرنے کا ان کو حکم دیا جاتا تو وہ اس کے عادی ہیں اُس کی وجہ سے اُن کو پرواہ نہ ہوتی اور ہفتہ دو ہفتہ ایسی قلیل مقدار ہے جس کا نفس پر چنداں اثر نہیں ہوتا اور دو مہینے کی مقدار ایسی ہے کہ اس میں آنکھیں گڑ جاتی ہیں اور نفس تھک کر رہ جاتا ہے اور ہم نے بے شمار بار اس بات کا مشاہدہ کیا ہے اور اُن امور کے لحاظ سے یہ بات بھی ضروری ہوئی کہ طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک دن

کا انضباط کیا جائے کیونکہ عرب اسی کو دن شمار کرتے ہیں اور عاشورہ کے دن اسی حساب سے اُن کو روزہ رکھنے کا دستور ہے اور مہینے کا انضباط چاند سے چاند تک ہونا ضروری تھا کیونکہ عرب کے نزدیک چاند سے چاند تک مہینہ ہوتا ہے اور شمسی مہینوں سے وہ حساب نہیں کرتے اور جب کہ حکم عام مقرر کرنے اور تمام لوگوں عرب و عجم کی اصلاح کی ضرورت ہوئی لہٰذا ان کو اس امر کی ضرورت ہوئی کہ اُن کو اس مہینہ کا اختیار نہ دیا جائے تاکہ ہر شخص اپنے لیے ایک مہینہ کو جس میں اس کو روزے رکھنے آسان ہوں پسند کرلیا کرے اس لیے کہ اُس سے عذر کرنے اور بچ کر نکل جانے کا موقع ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دروازہ کا بند کرنا اور اسلام کے ایک عظیم الشان عبادت کا گمنام کردینا ہے اور نیز مسلمانوں کے بڑے بڑے عظیم الشان گروہوں کا ایک زمانہ میں ایک چیز پر اجتماع کرنا اور ایک کا دوسرے کو دیکھنا ان کے لیے اس عبادت کے آسان ہونے اور اُس کے عمل پر ہمت کے پیدا ہونے کا سبب ہے اور نیز ان کا یہ اجتماع قوتِ ملکیہ کے برکات کے نازل ہونے کا ہر خاص و عام پر سبب ہے اور جو اُن میں سے کاملین ہیں ان سے کم درجہ لوگوں پر اُن کے انوار کا پرتو پڑنے اور پھر ان کی دعا کے شامل ہو جانے کا موقع ہے اور جب کسی مہینے کا مقرر کرنا ضروری ہوا تو اُس مہینے سے کوئی مہینہ زیادہ مناسب نہیں ہے جس میں قرآن کا نزول اور ملتِ محمدی کی تکمیل ہوئی ہے اور شب قدر کے پائے جانے کا بھی اس مہینے میں قوی احتمال ہے۔ چنانچہ عنقریب اس کا ذکر آتا ہے پھر اُس مرتبہ کا بھی بیان کرنا ضروری ہوا جو ہر غافل و ہوشیار اور ہر فارغ و مشغول کے لیے لابدی ہے اور جس میں کوتاہی کرنے سے اصل حکم میں کوتاہی لازم آتی ہے اور کمال کے مرتبہ کا بھی بیان کرنا ضروری تھا جو محسنین اور سابقین کا دستور اور ورد ہے اول مرتبہ رمضان کا روزہ رکھنا اور نماز پنجگانہ پر کفایت کرنا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا ہے ((**من صلی العشاء والصبح فی جماعة فکانما قام اللیل**)) یعنی جس نے عشا اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھی تو گویا اس نے تمام شب عبادت کی اور دوسرا مرتبہ پہلے مرتبہ پر کمیت اور کیفیت میں بڑھا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ رمضان کی راتوں میں تمام شب عبادت کرنا اور زبان اور تمام اعضا کا گناہوں سے پاک رکھنا' اور شوال کے مہینے میں چھ روز اور ہر مہینہ میں تین روز اور عاشورہ اور عرفہ کا روزہ رکھنا اور رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کا کرنا یہ مقدمات جو ہم نے بیان کیے ہیں روزہ کے باب میں اصول کے قائم مقام ہیں جب یہ مقدمات ثابت ہو گئے تو اب ہم ان احادیث کی شرح کرنا چاہتے ہیں جو روزہ کے باب میں وارد ہوئی ہیں۔

روزہ کی فضیلت کا بیان

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((**اذا دخل الرمضان فتحت ابواب الجنة**)) اور ایک روایت میں ((**ابواب الرحمة**)) آیا ہے ((**و غلقت ابواب جهنم و سلسلت الشياطين**)) جب رمضان آتا ہے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین زنجیروں سے باندھے جاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ فضیلت رمضان کے مہینہ میں صرف مسلمانوں کے اُوپر ہے کیونکہ کفار رمضان کے مہینہ میں بہ نسبت اور مہینوں کے زیادہ اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں کیونکہ شعائر الٰہی کی ہتک کرنے میں اور بھی زیادہ بڑھ جاتے ہیں مگر مسلمان جب روزہ رکھتے ہیں اور شب کو عبادتیں کرتے ہیں اور جو ان میں سے کاملین ہیں وہ نور الٰہی کے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور ان کی دعا سب

مسلمانوں کو احاطہ کر لیتی ہے اور اُن کے انوار کا ادنیٰ درجے کے لوگوں پر پرتو پڑتا ہے اور ان کی تمام گروہ پر چھا جاتی ہے۔ اور ہر شخص اپنی اپنی قابلیت کے موافق عبادات سے قربت حاصل کرتا ہے اور معاصی سے اجتناب کرتا ہے تو یہ بات صادق ہو جاتی ہے کہ ان کے لیے جنت کے دروازے مفتوح کر دیئے گئے اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے گئے کیونکہ فی الحقیقت جنت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جہنم اللہ تعالیٰ کی پھٹکار کا نام ہے۔ اس لیے کہ تمام روئے زمین کے لوگوں کا ایک صفت پر متفق ہو جانا اُس کے موافق اللہ تعالیٰ کے جود کو متوجہ کر لیتا ہے جیسا کہ استسقاء اور حج میں ہم نے بیان کیا ہے اور یہ بات صادق ہو جاتی ہے کہ شیاطین مقید کر لیے گئے اور بجائے اُن کے ملائکہ منتشر کر دیئے گئے اس لیے کہ شیطان کا اثر اسی شخص میں ہوتا ہے جس نفس میں اس کا اثر قبول کرنے کی قابلیت ہے اور قوت بہیمی کے غلبہ سے یہ قابلیت ہوتی ہے اور وہ روزہ کے سبب سے مغلوب ہو جاتی ہے اور ملائکہ ان لوگوں کے پاس آتے ہیں جن میں ان کے اثر قبول کرنے کی لیاقت ہے اور وہ لیاقت قوت ملکی کے ظہور سے ہوتی ہے اور وہ روزہ کے سبب سے قوت ملکی کا ظہور ہو جاتا ہے اور نیز رمضان میں اس رات کے ہونے کا قوی احتمال ہے جس میں تمام امور حکمی کی تقسیم ہوتی ہے پس لامحالہ ایسے وقت میں انوار مثالیہ اور ملکیہ کا انتشار ہو جاتا ہے اور ان کے اضداد کا انقباض ہو جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((**من صام شهر رمضان ايمانا و احتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه**)) یعنی جو شخص ایمان اور طلب ثواب کے ارادہ سے رمضان کے روزے رکھتا ہے اس کے تمام پہلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کے روزے رکھنے میں قوت ملکی کے غالب ہونے اور قوتِ بہیمی کے مغلوب ہونے کا قوی احتمال ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اس کے دریائے رحمت میں غرض ہو جانے کے لیے یہ کافی مقدار ہے لہٰذا یہ بات ضروری ہوئی کہ اُس کے سبب سے نفس ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((**من قام ليلة القدر ايمانا و احتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه**)) جس شخص نے ایمان کے سبب اور طلب ثواب کے قصد سے شب قدر میں عبادت کی اس کے سب گناہ پہلے بخشے گئے اس کا سبب میرے نزدیک یہ ہے کہ روحانیت کے انتشار اور عالم مثال کے غلبہ کے ظاہر ہوتے وقت جب کوئی عبادت پائی جاتی ہے تو اس کے اندر اس عبادت کا وہ اثر ہوتا ہے جو غیر اوقات میں کئی مرتبہ اس عبادت کے کرنے سے نہیں ہوتا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((**كل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة بعشرا مثالها الى سبع مائة ضعف**)) انسان کا ہر عمل بڑھ جاتا ہے نیکی کا ثواب دس مثل سے سات سو مثل تک بڑھتا ہے اور اللہ پاک فرماتا ہے۔ ((**الا الصوم فانه لي و انا اجزى به يدع شهوته و طعامه من اجلي**)) بجز روزے کے کہ وہ میرے ہی لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ روزہ دار میری ہی خاطر اپنی خواہش اور کھانے کو ترک کر دیتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نیکی کے بڑھ جانے کا سبب یہ ہے کہ انسان جب مر جاتا ہے اور قوت بہیمی کی مدد منقطع ہو جاتی ہے اور جو حالتیں اس کے مناسب تھیں وہ اس سے روگردانی کر لیتا ہے تو قوت ملکی کا ظہور ہوتا ہے اور اس کے انوار طبعی روشن ہو جاتے ہیں۔ اور اعمال کی جزا و سزا ملنے کا یہی سبب ہے پس اگر نیک عمل ہوتا ہے تو تھوڑا سا عمل بھی قوت ملکیہ کے ظہور اور اس عمل کے اس کے مناسب ہونے کے سبب سے اس وقت بہت ہو جاتا ہے اور روزہ کے منشا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اعمال کا نامۂ اعمال میں لکھا جانا اس طرح پر ہوتا ہے کہ ہر عمل کی صورت عالم مثال کے ایک مقام پر جو اُس شخص کے لیے خاص ہے

اس طرح متصور ہوتی ہے کہ اُس کے سبب سے اس کے عمل کی جزا کی صورت جب وہ شخص جسمانی حجابات سے علیحدہ ہو جاتا ہے ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور بسا اوقات ہم نے اس امر کا مشاہدہ کیا ہے اور نیز اس امر کا مشاہدہ کیا کہ بسا اوقات اس امر کے جزا کے ظاہر کرنے میں جو شہوات نفسانیہ کے ساتھ مجاہدہ کے قبیلہ سے ہے ملائکہ کو جو اعمال کی جزا لکھنے پر مامور ہیں توقف ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے ظاہر کرنے میں اس خلق کی مقدار معلوم کرنے کو دخل ہے جو نفس کو اس عمل پر آمادہ کرتی ہیں اور وہ ملائکہ اس کے مرنے سے ناواقف ہیں اور ان کو اس کا علم وجدانی نہیں ہے یہی وجہ ہے جو کفارات اور درجات کے لکھنے میں باہم نزاع کرتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اللہ تعالیٰ اُن کی طرف وحی کرتا ہے کہ اس عمل کو بعینہٖ لکھ لو اور اس کی جزا میرے سپرد کر دو اور اللہ پاک نے جو یہ فرمایا کہ میرا بندہ صائم اپنی خواہش اور کھانے کو میری خاطر ترک کرتا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روزہ ان کفارات سے جن کے عمل میں لانے سے نفس بہیمی کو تکلیف ہوتی ہے اور اس حدیث کے لیے ایک بطن اور ہے جس کی طرف اسرار الصوم میں اشارہ کیا ہے اس کو وہاں دیکھنا چاہیے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **((للصوم فرحتان فرحة عند فطرة و فرحة عند لقاء ربه))** روزہ کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت اور ایک جس وقت اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ پہلی خوشی تو طبعی ہے کہ روزہ افطار کرنے سے نفس کو جس چیز کی خواہش تھی مل جاتی ہے اور دوسری روحانی فرحت ہے اس واسطے کہ روزہ کی وجہ سے روزہ دار حجاب جسمانی سے علیحدہ ہونے اور عالم بالا سے علم الیقین کا فیضان ہونے کے بعد تقدس کے آثار ظاہر ہونے کے قابل ہو جاتا ہے جس طرح نماز کے سبب سے تجلی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **((فلا تغلبوا علی صلٰوة قبل الطلوع و قبل الغروب))** تاکہ طلوع و غروب کے پہلے کسی نماز پر تم مغلوب نہ کیے جاؤ اور اس مقام پر اور بہت سے اسرار ہیں جن کے ظاہر کرنے کی اس کتاب میں گنجائش نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **((لَخلوف فم الصائم اطیب عندالله من ریح المسك))** البتہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے میرے نزدیک اس کا یہ سبب ہے کہ عبادت کے پسندیدہ ہونے سے اس کا اثر بھی پسندیدہ ہو جاتا ہے اور عالم مثال میں بجائے عبادت کے وہ اثر متمثل ہو جاتا ہے اس لیے آپؐ نے اُس کے سبب سے ملائکہ کو خوشی پیدا ہونے اور اللہ پاک کی رضامندی کو ایک پلہ میں اور بنی آدم کو مشک کے سونگھنے سے جو سرور حاصل ہوتا ہے اُس کو ایک پلہ میں رکھا تاکہ یہ رمز بھی اُن کے لیے ظاہر ہو جائے اور نیز آپؐ نے فرمایا ہے **((الصیام جُنّة))** روزے ڈھال ہیں میرے نزدیک۔ اس کا سبب ہے کہ روزہ شیطان اور نفس کے ضرر سے بچالیتا ہے اور انسان کو ان دونوں کے اثر سے دُور کر دیتا ہے اور ان دونوں کو انسان سے کینہ ہو جاتا ہے لہٰذا مناسب ہوا کہ کامل طور پر اس کو ڈھال بنایا جائے اور اس کی یہ صورت ہے کہ آدمی اپنی زبان کو اقوال اور افعال شہوانی سے محفوظ رکھے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ روزہ دار بری بات زبان سے نہ نکالے اور قوی سبعیہ کے افعال سے محفوظ رکھے چنانچہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ شور و شغب نہ کرے اور اقوال کی طرف اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ اگر اس کو کوئی برا کہے اور افعال کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یا اُس سے کوئی لڑے **((فلیقل انی صائم))** تو اس سے یہ کہہ دینا چاہیے کہ میں روزہ سے ہوں بعض کے نزدیک تو اُس کو زبان ہی سے یہ کہہ دینا چاہیے اور بعض کہتے ہیں دل میں یہ کہہ لے اور بعض کے نزدیک نفل کے روزے اور فرض کے روزے میں فرق ہے مگر ہر ایک میں گنجائش کا موقع ہے۔

روزے کے احکام کا بیان

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:((لا تصوموا حتی تروالهلال و لا تفطروا حتی تروه... الخ)) مت روزہ رکھو جب تک کہ چاند دیکھ لو اور نہ بغیر دیکھے ہوئے افطار کرو پھر اگر ابر ہو جائے تو اس کا اندازہ کر لو اور ایک روایت میں آیا ہے کہ تیس روز پورے کر لو۔ میں کہتا ہوں کہ چونکہ روزے کا زمانہ قمری مہینہ کے ساتھ روایت ہلالؐ کے اعتبار سے منضبط تھا اور وہ کبھی تیس دن اور کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے لہٰذا اشتباہ کی صورت میں اس اصل کی طرف رجوع کرنا ہوا اور نیز احکام کی منشاء ان امور پر ہے کہ جن کو بے پڑھے لوگ بھی جانتے ہیں تعمق اور محاسبات نجومیہ پر اُن کا مبنی نہیں ہے بلکہ شریعت تو ان چیزوں کے مٹانے کے لیے آئی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:((انا امة امية لا نكتب و لا نحسب)) ہم بے پڑھی امت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے((شهرا عيد لا ينقصان رمضان و ذوالحجة)) عید کے دونوں مہینے کم نہیں ہوتے وہ رمضان اور ذوالحجہ ہیں بعض تو اس کے یہ معنی کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوتا جو یہ دونوں مہینے انتیس انتیس کے ہوں۔ اور بعض کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ تیس و انتیس کا اجر برابر ہی ملتا ہے اور یہ اخیر معنی قواعد شرعیہ کے لحاظ سے زیادہ چسپاں ہوتے ہیں گویا آپؐ نے اس بات کا دفع کرنا چاہا کہ کسی کے دل میں کسی بات کا وہم نہ گزرے اور معلوم کرو کہ روزے کے باب میں تعمق کے اسباب مسدود کرنا اور جو باتیں لوگوں نے تعمق کرتے کرتے پیدا کر لی ہیں اس کا رد کرنا مقاصد ضرور یہ سے تھا کیونکہ روزہ ایسی عبادت ہے کہ تمام یہود و نصاریٰ اور عرب میں سے اُن لوگوں میں جنہوں نے اہل کتاب کا دین پسند کیا تھا شائع اور جاری تھا اور چونکہ انہوں نے اس بات کا خیال کیا کہ روزہ فی الحقیقت نفس کے مغلوب کرنے کا نام ہے لہٰذا انہوں نے تعمق کر کے اپنی طرف سے روزہ کے اندر امور ایجاد کر دیئے جن سے زیادہ تر نفس مغلوب ہو سکتا ہے اور اس کے اندر ملت الٰہی کی تحریف لازم آتی تھی اور ان امور میں یا تو کیت کی زیادتی پائی جاتی تھی یا کیفیت کی کیت زیادتی سے آنحضرت ﷺ نے اس طرح منع فرمایا:((لا يتقدمن احدكم رمضان بصوم يوم او يومين.... الخ)) تم میں سے کوئی رمضان کی پیش قدمی نہ کرے ایک دن نہ دو دن کے روزے سے مگر جس شخص کی کسی خاص دن روزہ رکھنے کی عادت ہو وہ اس روز روزہ رکھ لے اور نیز آنحضرت ﷺ نے عید الفطر اور شک کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ رمضان کا روزہ رکھنے اور ان دنوں کے روزہ رکھنے میں کچھ فرق نہیں ہے لہٰذا اگر وہی لوگ ان دنوں میں روزہ رکھنے کا طریقہ اختیار کر لیتے تو اُن کے بعد جو طبقہ پیدا ہوتا اسی طریقہ کو وہ بھی اپنے اندر جاری رکھتا اور اسی طرح اس کے بعد کا طبقہ حتیٰ کہ دین میں تحریف لازم آتی اور تعمق فی الحقیقت اس بات کا نام ہے کہ احتیاط کی جگہ کو کوئی شخص اپنے اوپر لازم کر لے اور شک کا دن اسی میں داخل ہے اور کیفیت کے اندر زیادتی سے آنحضرت ﷺ نے اسی طرح منع کیا ہے کہ آپؐ نے لوگوں کو صوم وصال سے منع فرمایا ہے اور سحری کھانے کی رغبت دلائی ہے اور سحری کے دیر سے کھانے اور روزے کے جلد کھولنے کا حکم

دیا ہے کیونکہ یہ سب باتیں تشدد اور تعمق پر مبنی ہیں اور جاہلیت کے افعال میں سے ہیں۔

اور آنحضرت ﷺ کے اس قول میں ((اذا انصف شعبان فلا تصوموه)) جب نصف مہینہ شعبان کا گزر جائے اس میں روزے مت رکھو اور حضرت ام سلمیٰؓ کی اس حدیث میں کچھ مخالفت نہیں ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو بجز شعبان اور رمضان کے کبھی پے در پے دو مہینے کے روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ ایسا اوقات بہ نفس نفیس وہ خود یہ افعال کیا کرتے تھے کہ جن کا اپنی امت کو حکم نہیں دیا کرتے تھے اکثر یہ افعال اس بات کے بند کرنے اور احتمالات کلیہ کے مقرر کرنے کے قبیلہ سے ہوتے تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ اس بات سے مامون تھے کہ کسی شئے کو بے محل استعمال کریں یا جس حد تک ان افعال کو عمل میں لانے کا حکم دیا گیا ہے اس سے بڑھ کر ملال خاطر اور ضعف جسمانی کی طرف نوبت پہنچے اور بجز آپ کے کوئی شخص اس بات سے مامون نہیں ہے لہٰذا اُن کے لیے قانون شرعی کے مقرر کرنے اور باب تعمق کے بند کرنے کی حاجت ہے یہی سبب ہے کہ آنحضرت ﷺ چار بیویوں سے زیادہ رکھنے کو منع فرماتے تھے اور آپؐ کے لیے تو بلکہ اس سے بھی زیادہ اور حلال کی گئی تھیں کیونکہ منع کرنے کی علت یہ ہے کہ ظلم لازم نہ آئے چاند کا دیکھنا ایک مسلمان عادل یا مستور الحال کے اس بات کی گواہی دینے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ میں نے چاند دیکھا ہے اور دونوں صورتوں میں چاند کا ثابت ہو جانا آنحضرت ﷺ کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک شخص اعرابی حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو آپؐ نے اُس سے فرمایا کہ کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اُس نے عرض کیا کہ ہاں آپؐ نے فرمایا اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اُس نے عرض کیا ہاں آپؐ نے فرمایا اے بلالؓ لوگوں میں اس بات کا اعلان کر دے کہ کل کو لوگ روزہ رکھیں اور ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ نے روایت ہلال بیان کی تو آپؐ نے روزہ رکھ لیا اور جس قدر امور دینیہ ہیں ان سب کا یہی حکم ہے اور اُن کا حال مثل روایت حدیث کے ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((تسحروا فان فی السحور برکة)) سحری کھاؤ کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔

میں کہتا ہوں اُس میں دو برکتیں ہیں بدن کی اصلاح کے لحاظ سے یہ برکت ہے کہ بدن ضعیف نہیں ہوتا اس لیے کہ روزے کی مقدار پورے دن بھر کے ان چیزوں سے باز رہنے کی ہے اس مقدار میں زیادتی نہ کرنی چاہیے اور دوسری برکت تدبیر دینی کے اعتبار سے ہے اور وہ یہ ہے کہ دین کے اندر لوگ وہم نہ کیا کریں اور تحریف اور تغیر اس میں نہ ہونے چاہئیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((لا یزال الناس بخیر ما اعجل الفطر)) جب تک لوگ افطار جلدی کرتے رہیں گے خیریت سے رہیں گے اور نیز آپؐ نے فرمایا ہے ((فصل ما بین صیامنا و صیام اھل الکتاب اکلة السحر)) ہمارے اور اہل کتاب کے روزہ میں فرق سحری کھانے کا ہے اور اللہ پاک نے فرمایا ہے۔ احب عبادی الیٰ اعجل فطرًا اپنے بندوں میں سے وہ بندہ مجھے زیادہ پسند ہے جو فطار میں تعجیل کرے۔

میں کہتا ہوں اس بات میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس مسئلہ میں اہل کتاب نے تحریف کر دی ہے لہٰذا ان کی مخالفت کرنے اور ان کی تحریف دور کرنے میں ملت اسلام کا قیام ہے اور نیز آپؐ نے جب لوگوں کو صوم وصال یعنی روزہ پر روزہ رکھنے سے

منع کیا تو لوگوں نے آپ ؐ سے عرض کیا کہ آپ ؐ تو صوم وصال رکھتے ہیں آپ ؐ نے فرمایا تم میں مجھ سا کون ہے مجھ کو تو اللہ پاک شب میں کھلاتا ہے اور پلاتا ہے میرے نزدیک صوم وصال سے منع کرنے کے دو سبب ہیں ایک تو یہ ہے کہ یہ روزہ جان کی ہلاکت کا سبب نہ ہو جیسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ دین کی تحریف لازم نہ آئے اور آنحضرت ﷺ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا ہے کہ میرے لیے صوم وصال ہلاکت کا باعث نہیں ہو سکتا کیونکہ مجھ کو قوت ملکیہ نوریہ سے تائید ہوتی رہتی ہے اور آپ ؐ سب قباحتوں سے مامون ہیں اور آپ ؐ کے اس قول میں کہ جو شخص فجر سے روزہ کی نیت نہ کرے اس کا روزہ نہیں ہوتا ہے اور آپ ؐ کے اس قول میں ((**حین لم یجد طعامًا انی صائم**)) اور جس وقت کھانا نہ ملے تو یہ کہے کہ میں روزہ رکھنے والا ہوں اس لیے کہ آپ ؐ کا قول اُن روزہ فرض میں ہے اور دوسرا روزہ نفل میں اور نفی سے مراد نفی کمال ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((**اذا سمع النداء احدکم**)) جب کوئی تم میں کا اذان سنے اور ہاتھ میں برتن ہو جب تک اپنی حاجت پوری نہ کرے اس کو نہ رکھے۔

میں کہتا ہوں کہ اذان سے مراد اذان خاص ہے اور وہ اذان بلال پر اخذ ہے اور یہ حدیث حدیث ((**ان بلا لاینادی فی اللیل**)) کا مختصر ہے اور نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((**اذا افطر احدکم فلیفطر علی تمر فانہ برکۃٌ**)) جب کوئی تم میں کا روزہ کھولے تو چھوہارے سے کھولے اس لیے کہ اس سے روزہ کھولنے میں برکت ہے اور اگر اس کو نہ پائے تو پانی سے کھولے اس لیے کہ وہ پاک چیز ہے۔ میں کہتا ہوں شیریں چیز کی طرف طبیعت کو خصوصاً بھوک کی حالت میں میلان ہوتا ہے اور جگر کو شیریں چیز سے الفت ہوتی ہے اور عرب کے طبائع چھوہارے کی طرف مائل ہوتے ہیں اور طبیعت کے میلان کو اپنی مناسب چیز میں اثر ہوتا ہے پس لامحالہ وہ اس کو بدن کے مناسب موقع پر استعمال کر لیتی ہے اور یہ ایک قسم کی برکت ہے اور نیز آپ ؐ نے فرمایا ہے:

((**من فطر صائمًا او جهز غازفان له مثل اجره**))

''جو شخص روزہ دار کا روزہ کھلائے یا مجاہد کے لیے سامان جنگ کرادے تو اس شخص کو بھی صائم ومجاہد کا ثواب ملے گا۔''

میں کہتا ہوں جو شخص روزہ دار کا روزہ اس غرض سے افطار کرادے کہ وہ شخص روزہ دار واجب التنظیم ہے تو اس کا یہ روزہ افطار کرانا ایک قسم کا صدقہ اور روزہ کی تعظیم اور اہل طاعت کے ساتھ سلوک کرنا ہے پس جب اس کے اس عمل کی صورت نامۂ عمل میں متمثل ہوئی تو کسی طرح پر وہ صورت روزہ کے معنی پر مشتمل تھی لہٰذا روزے کے ساتھ اس کو جزا دی گئی۔ روزہ افطار کرنے کے وقت ان کلمات کا کہنا سنت ہے۔ ((**ذهب الظماء ابتلت العروق و ثبت الاجران شاء الله**)) اور ان کلمات کے اندر ان حالتوں پر شکر ہے جن کو انسانی طبیعت یا اُس کے ساتھ اس کی عقل بھی پسند کرتی ہے اور ان کلمات کا کہنا بھی آیا ہے: ((**اللهم لك صمت و علی رزقك افطرت**)) ان کلمات میں عملاً اخلاص اور نعمت پر شکر کرنے کی تاکید ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((**لا یصوم احدکم یوم الجمعة الا ان یصوم قبله او بعده**)) تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے مگر ہاں یہ کرے کہ اُس سے پہلے یا بعد رکھ لیا کرے اور فرمایا ہے۔ ((**لا تحصوا لیلة الجمعة**)) الحدیث۔ راتوں میں سے شب جمعہ کو قیام کے ساتھ مت خاص کرو۔ میرے نزدیک اس میں دو حکمتیں ہیں ایک تو تعمق کا بند کرنا کیونکہ شارع نے روز جمعہ کو خاص خاص عبادات سے مخصوص کیا ہے اور دونوں پر اس کی فضیلت بیان کی ہے اس لیے اس بات کا احتمال قوی تھا کہ تعمق کر کے لوگ اور

عبادات کے ساتھ جمعہ کے اندر روزے کی عبادات کو بھی داخل کر لیتے دوسری حکمت عید کے معنی کا ثابت کرنا ہے کیونکہ عید سے خوشی اور لذائذ کا حاصل کرنا مفہوم ہوتا ہے اور جمعہ کے عید قرار دینے میں یہ حکمت ہے کہ لوگوں کو اس بات کا خیال رہے کہ جمعہ کے اندر اس قسم کا اجتماع ہوتا ہے جس کی طرف اُن کے دل راغب ہوتے ہیں اور اس میں خیر نہیں ہوتا۔

اور نیز آپ نے فرمایا ہے:((لا صوم فی یومین الفطر والاضحی)) دنوں میں روزہ جائز نہیں ایک عید الفطر' دوسری عید الاضحیٰ اور فرمایا ہے:((ایام تشریق ایام اکل و شرب و ذکر اللہ)) ایام تشریق کھانے اور پینے اور اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کے دن ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کے اندر عید کے معنی کا ثابت کرنا۔ اور خشک عبادت اور دین کے اندر تعمق کرنے سے ان کی طبائع کا پھیرنا ہے اور فرمایا ہے۔((لا یحل لمرأة ان تصوم و زوجها شاهدا الا باذنه)) کسی عورت کو اپنے خاوند کی موجودگی میں بلا اُس کی اجازت کے روزہ رکھنا درست نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ ایسے وقت میں روزہ رکھنے سے خاوند کے بعض حقوق تلف ہوتے ہیں اور اس کی بشاشت اور دل لگی میں فرق آتا ہے اور آنحضرت ﷺ کے اس قول میں((الصائم المتطوع یملك نفسه ان شاء صام و ان شاء افطر)) نفل کا روزہ رکھنے والا اپنی ذات کا مختار ہے چاہے روزہ رکھے چاہے توڑ دے۔ اور اُس قول میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ہے:((اقضیا یومًا آخر مكانه)) اُس کی جگہ دوسرے دن تم روزہ قضا کر لیجیو کچھ ممانعت نہیں ہے اس لیے کہ قول اول کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ اگر وہ روزہ دار چاہے اپنے اُوپر لازم کر کے روزہ توڑ دے اور آپ نے ممکن ہے اُن دونوں کو بطور استحباب کے قضا کا حکم دیا ہو کیونکہ جس چیز کو لازم کر لیا ہے اس کے پورا ہی کرنے سے دل کو اطمینان ہوتا ہے یہ آپ نے ان کے دلوں میں اس بات کی طرف سے وقت کا ملاحظہ فرما کے خاص کر یہ حکم دیا ہو جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ارجعوا بحجة و عمرة و رجعت بحجه فاعمرها من التنعيم. وہ تو ایک حج و عمرہ کر کے واپس ہوئے ہیں اور میں ایک حج کر کے اب مقام تنعیم سے عمرہ کروں گی اور آپ نے فرمایا:((من نسی و هو صائم فاكل او شرب فليتم صومه فانما اطعمه الله و سقاه)) اگر روزہ دار روزہ کی حالت میں کھا لے یا کچھ پی لے تو اس کو اپنا روزہ پورا کر لینا چاہیے۔ کیونکہ اللہ ہی اس کو کھلاتا پلاتا ہے۔

میں کہتا ہوں صرف روزہ کے اندر نسیان کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے آدمی کو معذور کیا ہے اور کسی عبادت میں بھولنے سے وہ معذور نہیں ہوتا اس لیے کہ روزہ کے اندر کوئی ایسی ہیئت نہیں پائی جاتی ہے جس سے اُس کو روزہ یاد رہے بخلاف اور احرام کے کہ ان دونوں کے اندر اس قسم کی ہیئت پائی جاتی ہے مثلاً قبلہ رخ کھڑا ہونا اور بے سلا ہوا کپڑا پہننا لہٰذا روزہ کے اندر معذور رکھنا مناسب ہوا اور ایک مرتبہ رمضان کے دن میں ایک شخص نے اپنی بیوی سے مجامعت کر لی تو آپ نے اس سے فرمایا((اعتق رقبة)) یعنی ایک غلام آزاد کر۔ میں کہتا ہوں جب اُس شخص نے شعائر الٰہی کی حرمت کا ہتک کیا جس کا منشاء افراط طبعی تھا لہٰذا ضروری ہوا کہ اس کے مقابلے میں اُس کے اوپر ایک ایسی عبادت واجب کی جائے جو اس کے نفس پر نہایت شاق ہوتا کہ اس کے سامنے اُس کی صورت پیش رہے اور نفس کے غالب ہونے سے اُس شخص کو باز رکھے اور آنحضرتؐ کے مسواک کرنے اور یہ فرمانے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ

تعالیٰ کو مشک کی بو سے زیادہ پسندیدہ ہے کچھ مخالفت نہیں ہے کیونکہ ایسے کلام سے مبالغہ مقصود ہوا کرتا ہے گویا آپ نے یہ فرمایا کہ گویا وہ شخص اللہ تعالیٰ کو اس قدر محبوب ہے کہ اس کے منہ کی بد بو بھی اس کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور نیز ان دونوں حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((**لیس من البر الصیام فی السفر ذهب المفطرون بالاجر**)). سفر میں روزہ رکھنا اچھا نہیں ہے جو لوگ روزہ نہیں رکھتے وہ ماجور ہیں اور فرمایا ہے: ((**من کانت له حمولة قاوی الی شیع فلیصم رمضان ما ادرکه**)). یعنی جس شخص کے پاس سواری ہو جو منزل تک اُس کو آرام سے پہنچا سکے تو رمضان کو جس جگہ پائے روزہ رکھے اس لیے کہ پہلی حدیث اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے جب روزہ رکھنا شاق ہو جس سے ضعف اور غشی تک نوبت پہنچے۔ چنانچہ راوی کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے: ((**قد ظلل علیه**)). یا مسلمانوں کو ایسی حاجت ہے کہ بغیر افطار کے وہ حاجت پوری نہیں ہو سکتی چنانچہ راوی کہتا ہے: ((**فسقط الصرامون و قام المفطرون**)). یعنی روزہ دار گر پڑے اور بے روزہ دار کھڑے ہو گئے یا کوئی شخص اپنے دل میں اس رخصت کی کراہیت کا گمان کرتا ہے اور اسی قسم کے اسباب کی صورت میں یہ حکم ہے اور دوسرا اس صورت میں ہے کہ سفر میں چنداں مشقت نہ ہو اور اسباب مذکورہ سے خالی اور نیز ان دو حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: ((**من مات و علیه صوم صام عنه و لیه**)). جس شخص کے ذمہ کوئی روزہ ہو اور وہ مر جائے اُس کی طرف سے اُس کا وارث روزہ رکھے اور اسی کے حق میں فرمایا ہے: ((**فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکینا**)) تو اس کو چاہیے کہ ہر دن کی جگہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے اس لیے کہ دونوں امر میں سے ہر ایک کے کافی ہونے کا احتمال ہے اور اُس میں دو بھید ہیں ایک تو میت کے اعتبار سے کیونکہ بہت سے نفوس جو اپنے ابدان سے مفارقت کرتے ہیں ان کو اس بات کا ادراک رہتا ہے کہ عبادت میں سے کوئی عبادت جو اُن پر واجب تھی اور اس کے ترک کرنے سے اُن سے مواخذہ کیا جائے گا اُن سے فوت ہو گئی ہے اس لیے وہ نفوس رنج و الم کی حالت میں رہتے ہیں اور اس سبب سے اُن پر وحشت کا دروازہ کھل جاتا ہے ایسے وقت میں اُن پر بڑی شفقت یہ ہے کہ لوگوں میں سے جو سب سے زیادہ اس میت کے قریب ہے اس کا سا عمل کرے اور اس بات کا قصد کرے کہ یہ عمل اس کی طرف سے کرتا ہوں اس شخص کے قرابتی کو مفید ثابت ہوتا ہے یا وہ شخص کوئی اور دوسرا کام مثل اُسی کام کے کرتا ہے اور ایسا ہی اگر ایک شخص نے کسی چیز کے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر وہ بغیر صدقہ کیے مر گیا تو اس کے وارث کو اس کی طرف سے صدقہ کرنا چاہیے اور جنازہ کی نماز میں ہم نے جو بیان کیا ہے اگر وہی بیان مردوں کے لیے زندوں کے صدقہ کرنے کے متعلق کیا جائے تو ہو سکتا ہے اور دوسری رمز دین کے اعتبار سے ہے اور وہ تاکید بلیغ کا ثابت ہونا ہے یعنی تا کہ لوگ معلوم کر لیں کہ روزہ ایسی ضروری عبادت ہے کہ بعد مرنے کے بھی ساقط نہیں ہوتا۔

اُن امور کا بیان جو روزے کے متعلق ہیں

معلوم کرنا چاہیے کہ روزہ کا کمال افعال اور اقوال شہویہ اور سبعیہ اور شیطانیہ سے اُس کا محفوظ رکھنا ہے کیونکہ یہ امور نفس کو اخلاق رذیلہ کی یاد دہانی کرتے ہیں اور اوصاف قبیحہ کی طرف اس کو برانگیختہ کرتے ہیں اور نیز اُن چیزوں سے روزہ کا محفوظ رکھنا جو

روزہ ٹوٹنے کے دواعی اور اسباب ہیں پہلے امور کی نسبت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((فلا یرفث و لا یضحب و ان سابه احدا و قاتله فلیقل انی صائم)).

''پس بے ہودہ گفتگو نہ کرے اور شور نہ مچائے پھر اگر کوئی شخص اس کو برا کہے یا اس سے لڑے تو اس کو یہ کہہ دینا چاہیے کہ میں روزے سے ہوں۔''

اور آپؐ نے فرمایا ہے:

((من لم یدع قول الزور و العمل به فلیس لله حاجة فی ان یدع طعامه و شرابه)).

''جو شخص جھوٹی بات اور اس پر عمل نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا کھانا پینا ترک کرنے کی حاجت نہیں ہے۔''

یہاں مراد نفی سے نفی کمال کی ہے اور دوسرے امر کے متعلق آپؐ نے فرمایا ہے:

((افطر الحاجم والمحجوم فان المحجوم تعرض للافطار من الضعف والحاجم لانه لا یامن)) الحدیث

''پچھنے لگانے والا اور لگوانے والا دونوں افطار کریں لگوانے والا تو اس لیے کہ ضعف کے سبب سے وہ افطار کے قابل ہو گیا اور لگانے والا اس لیے کہ سینگی کے چوسنے سے اُس کے حلق کے اندر کسی چیز کے پہنچنے کا احتمال ہے۔''

اور بوسہ لینا اور مباشرت بھی اسی قبیلہ سے ہے اور لوگوں نے اس کے اندر زیادہ افراط اور تعمق کر لیا تھا اور قریب تھا کہ اس کو رکن کے مرتبہ میں قرار دیں اس لیے آنحضرت ﷺ نے قولاً اور فعلاً اس بات کا بیان کر دیا کہ اُس سے نہ روزہ ٹوٹتا ہے نہ اس میں کچھ نقصان لازم آتا ہے۔ اور رخصت کے لفظ سے اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ آپ کے سوا دوسرے کے لیے یہ چیزیں مکروہ ہیں اور آنحضرت ﷺ تو شریعت کے بیان کرنے پر مامور ہی تھے لہٰذا آپؐ کے حق میں ان کا کرنا اولیٰ تھا اور ایسی تمام ان چیزوں کا حال ہے جن میں محسنین کے درجہ سے عامہ مومنین کے درجہ کی طرف تنزل فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

روزہ کے اندر انبیا علیہم السلام کے طریقے مختلف رہے ہیں۔ نوح علیہ السلام تو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ اور ایک دن افطار اور عیسیٰ علیہ السلام دو دن روزہ اور دو یا کئی دن افطار اور آنحضرت ﷺ بذاتِ خود کبھی اس قدر روزے رکھتے تھے کہ دیکھنے والا کہتا کہ آپ کبھی نہ چھوڑیں گے اور کبھی اس قدر چھوڑتے تھے کہ دیکھنے والا کہتا کہ آپؐ روزہ نہ رکھیں گے مگر بجز مہینہ رمضان کے پورے کسی مہینہ کے نہ رکھتے تھے اور اُس کا سبب یہ ہے کہ روزہ فی الواقع ایک تریاق ہے اور تریاق کا استعمال مرض کی مقدار کے اعتبار سے ہوتا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کی امت کے لوگ نہایت مضبوط ہوتے تھے چنانچہ اُن کے بڑے بڑے حالات مروی ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام بھی نہایت قوی اور مضبوط آدمی تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((و کان لا یفواد الاقی)). یعنی جب کسی سے بھڑ جاتے تھے تو بھاگتے نہ تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضعیف البدن اور فارغ البال تھے اور نہ اُن کے گھر تھا اور نہ اُن کے پاس کچھ مال تھا اُن میں سے ہر ایک نے جو صورت حال کے مناسب دیکھی اُس کو پسند کر لیا۔ اور آنحضرت ﷺ روزہ رکھنے کے فوائد سے خوب واقف تھے اور اپنے حال اور اُس کے مناسب افعال سے خوب واقف تھے لہٰذا مصلحت وقت کے اعتبار سے جو

آپ نے مناسب سمجھا اس کو اختیار کیا اور اپنی امت کے لیے بھی درمیان کے چند روزے پسند کیے از انجملہ عاشورہ کا روزہ اور اس کے مشروعیۃ میں یہ رمز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کی ہے اور اس روز موسیٰ علیہ السلام نے اُس کے شکر میں روزہ رکھا ہے اور اس روزہ کا اہل کتاب اور عرب میں دستور تھا لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے بھی اُس کو برقرار رکھا اور ایک عرفہ کا روزہ ہے اُس میں یہ رمز ہے کہ اُس روزے سے حاجیوں کے ساتھ مشابہت اور ان کی طرف شوق پیدا ہوتا ہے جس رحمت کا نزول اُن پر ہوتا ہے اُدھر بھی اس کی توجہ ہو جاتی ہے اور عاشورہ کے روزہ پر اس روزہ کو فضیلت حاصل ہونے کا یہ سبب ہے کہ عرفہ کا روزہ رکھنا فی الحقیقت اس رحمت الٰہی کے دریا میں غرق ہو جانا ہے جو اُس روز بندوں پر نازل ہو رہی ہے۔ اور عاشورہ کے روزہ کا اس رحمت کا اپنی طرف متوجہ کرنا منظور ہے جو گذر چکی ہے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے جب رحمتِ الٰہی کے دریا میں غرق ہونے کے ثمرہ کی طرف ملاحظہ کیا جس کی وجہ سے گناہ سابق محو ہو جاتے ہیں اور گناہ لاحق سے بُعد ہو جاتا ہے بایں معنیٰ کہ آدمی کا دل اُن کو قبول نہیں کرتا۔ تو یہ ثمرہ آپؐ نے عرفہ کے روزے میں مقرر کیا اور آنحضرت ﷺ نے اپنے حج میں عرفہ کا روزہ نہیں رکھا اس کی وجہ وہی ہے جو قربانی اور عید کی نماز میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان سب امور کا ملنا حجاج کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے پر ہے اور مشابہت انہیں لوگوں کو پیدا کرنی چاہیے جو حجاج نہیں ہیں اور ایک شوال کے چھ روزے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((من صام صيام رمضان فاتبعه ستامن شوال كان كصيام الدهر كله)).

''جو شخص رمضان کے روزے رکھ کر اس کے بعد شوال کے چھ روزے اور رکھ لیا کرے تو ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ہے۔''

اور ان روزوں کی مشروعیت میں یہ بھید ہے کہ یہ روزے ایسے ہیں جیسے نماز پنجگانہ کے ساتھ سنتیں مقرر کی گئی ہیں جن کی وجہ سے ان لوگوں کے فائدہ کی تکمیل ہو جاتی ہے جو اصل نماز سے پورا فائدہ نہیں حاصل کر سکتے اور ان روزوں کی فضیلت میں یہ بات کہ اُن کی وجہ سے آدمی کو ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ثواب ملتا ہے اس واسطے مخصوص کیے گئے کہ یہ قاعدہ مقرر ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس نیکی کے برابر ملتا ہے اور ان چھ روزوں سے یہ حساب پورا ہو سکتا ہے (یعنی تیس اور چھ چھتیس ہوئے اور چھتیس دہائی تین سو ساٹھ ہوتے ہیں جو ایک سال کے دن ہیں اور ایک ہر ماہ میں تین روزوں کا رکھنا ہے کیونکہ وہ بھی اسی حساب سے سال بھر کے روزوں کے برابر ہیں اور تین کی مقدار کثرت کا ادنیٰ درجہ ہے اب اس بات میں روایت مختلف ہے کہ کون سے تین روزے رکھنا چاہئیں ایک روایت میں تو آیا ہے اے ابوذر رضی اللہ عنہ! اگر مہینے میں تو تین روزے رکھے تو مہینے کی تیرھویں اور چودھویں اور پندرھویں کو رکھا کر اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک مہینے میں ہفتہ اور اتوار اور پیر کے دن اور دوسرے مہینے میں منگل بدھ اور جمعرات کے روزے رکھا کرتے تھے اور ہر مہینے کی پہلی تاریخ سے بھی تین روزے رکھنا ایک روایت میں آیا ہے اور ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ام سلمہؓ کو تین دن کے روزے رکھنے کا حکم دیا جن کا پہلا دن پیر یا جمعرات ہے اور ہر ایک کے لیے کچھ نہ کچھ سبب ہے اور معلوم کرنا چاہیے کہ شب قدر کی دو راتیں ہیں ایک تو وہ رات جس میں تمام امور حکمیہ کی تقسیم ہوتی ہے اور اسی وات میں پورا قرآن پہلے آسمان پر اترا ہے بعد ازاں تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا تھا یہ شب سال بھر میں ایک رات ہوتی ہے یہ ضرور نہیں ہے کہ ماہ رمضان ہی میں ہو۔ البتہ رمضان کے مہینے میں اس کے پائے جانے کا احتمال قوی ہے اور جس سال قرآن اترا ہے تو اُس سال یہ

رات رمضان کے مہینہ میں ہوئی ہے اور دوسری شب قدر وہ ہے جس میں روحانیت کا عالم کے اندر پھیلاؤ ہوتا ہے اور اُس شب میں ملائکہ مقربین کا زمین کی طرف نزول ہوتا ہے اور مسلمان لوگ اتفاق سے اس شب میں عبادتوں میں مشغول ہوتے ہیں اور باہم اُن کے انوار کا ظل ایک دوسرے پر پڑتا ہے تو ملائکہ سے اُن کو قرب ہو جاتا ہے اور شیاطین اُن سے دُور ہو جاتے ہیں اور اُن کی دعائیں اور عبادتیں مقبول ہوتی ہیں اور یہ شب رمضان کے اخیر عشرہ میں طاق تاریخوں میں مقدم و موخر ہوتی رہتی ہے لیکن عشرہ اخیرہ سے باہر نہیں ہوتی تو جو شخص شب قدر سے پہلی شب مراد لیتا ہے اس کا تو یہ قول ہے کہ شب قدر سال بھر کبھی نہ کبھی ہوتی ہے اور جو شخص شب قدر سے دوسری شب قدر مراد لیتا ہے اس کا یہ قول ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تمہاری خواب کو ستائیسویں شب میں متفق پاتا ہوں اور جس شخص کو اس شب کی تلاش ہو وہ ستائیسویں رات میں تلاش کرے اور آپ ؐ نے فرمایا مجھ کو یہ رات دکھائی گئی پھر مجھے بھلا دی گئی اور میں نے اس کی صبح کو اپنے آپ کو پانی اور مٹی میں سجدہ کرتے دیکھا اور یہ بات اکیسویں شب میں دیکھی گئی یعنی اکیسویں شب کی صبح کو لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی پیشانی پر پانی اور مٹی کا اثر دیکھا اور صحابہؓ کے درمیان شب قدر میں اختلاف ہے اُس کا منبع شب قدر کے دیکھنے پر ہے جو شخص شب قدر کو دیکھے اُس کو یہ دعا پڑھنی چاہیے: ((**اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی**)) اور مسجد کے اندر اعتکاف کرنا دلجمعی اور قلب کی صفائی اور عبادت کے لیے فراغت اور ملائکہ کے ساتھ مشابہت پیدا ہونے اور شب قدر کے لیے منتظر رہنے کا سبب ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس کو اخیر عشرہ میں پسند کیا اور اپنی امت کے محسنین کے لیے اس کو مقرر فرمایا حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہے معتکف کو سنت ہے کہ کسی مریض کی عیادت کو نہ جائے اور کسی کے جنازے میں نہ شریک ہو۔ اور عورت کو نہ ہاتھ لگائے نہ صحبت کرے اور بغیر حاجت کے مسجد سے باہر نہ آئے مگر مجبوری کی بات جدا ہے اور بغیر روزے کے اعتکاف نہیں ہوتا اور نہ سوائے جامع مسجد کے کہیں ہوتا ہے اس کا سبب میرے نزدیک اعتکاف کے معنی کا ثابت کرنا ہے تاکہ عبادت کی قدر اور نفس پر مشقت معلوم ہو اور عادت کی مخالفت پائی جائے۔ واللہ اعلم۔

یہاں سے ان احادیث کا بیان ہے جو حج کے باب میں وارد ہوئی ہیں

حج کے اندر جن مصالح کا لحاظ کیا گیا ہے وہ چند اُمور ہیں از اں جملہ بیت اللہ کی تعظیم ہے کیونکہ شعائر الٰہی میں سے ہے اور اس کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور از اں جملہ اجتماع کے معنی کا ثابت کرنا ہے کیونکہ ہر دولت اور ہر ملت کے لیے اجتماع کا ایک دن ہوتا ہے جس میں ادنیٰ و اعلیٰ موجود ہوتے ہیں تاکہ باہم ایک دوسرے سے معرفت حاصل کریں اور ملت کے احکام سیکھیں اور اس کے شعائر کی تعظیم کریں۔ اسی طرح مسلمانوں کے جمع ہونے اور اُن کی شوکت کے ظاہر ہونے اور ان کے لشکروں کے جمع ہونے اور دین کی عزت کا دن ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے ﴿ **وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا** ﴾ اور جب کہ اس گھر کو ہم نے گردانا لوگوں کا مرجع اور اُن کے لیے امن کی جگہ اور از اں جملہ حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے لوگوں میں جو دستور چلا آتا ہے اُس کے ساتھ موافقت کرنا ہے کیونکہ وہ دونوں ملت حنفی کے امام اور عرب کے لیے اس کے احکام مقرر کرنے والے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے اُسی ملت کا ظاہر کرنا اور سب ملتوں پر اس کا غالب کرنا مقصود ہے چنانچہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ **ملت**

أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ﴾ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت لہٰذا اس ملت کے اماموں سے جو طریقہ جاری رہا ہے اس کی محافظت ضروری ہوئی مثلاً فطرت کے خصائل اور حج کے مناسک چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((قفوا علی مشاعرکم فانکم علی ارث من ارث ابیکم ابراھیم)) اور اپنے مشاعر پر وقوف کرو کیونکہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کے ورثہ میں سے تم کو ورثہ پہنچا ہے اور از اں جملہ ایک ایسی بات پر اتفاق کا پایا جانا ہے جس میں ہر خاص و عام کے لیے آسانی ہے۔ جیسے منیٰ میں اترنا اور مزدلفہ میں شب کو قیام کرنا کیونکہ اگر ایسی بات پر ان کا اتفاق نہ ہوتا تو ان کے لیے سخت دشواری ہوتی اور اگر اس کا حکم قطعی نہیں دیا جاتا تو باوجود اس کثرت اور انتشار کے سب لوگ ایک بات پر متفق نہ ہوتے اور از اں جملہ ایسے اعمال کا پایا جانا جن سے اُن کے کرنے والے کا موجد اور حق کا تابع ہونا اور ملت حنفی میں داخل ہونا اور اس ملت کے گزشتہ لوگوں پر جو جو انعامات ہوئے ہیں اُن پر شکر کرنا معلوم ہوتا ہے جیسے صفا مروہ میں سعی کرنی اور از اں جملہ یہ ہے کہ اہل جاہلیت بھی حج کیا کرتے تھے اور حج ان کے دین کے اصول میں سے تھا لیکن انہوں نے اس کے اندر اور بہت سی باتیں جن کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پتہ نہ لگتا تھا اور صرف انہیں کی ایجاد شدہ تھیں شامل کر لی تھیں اور ان باتوں میں شرک پایا جاتا تھا جیسے اساف و نائلہ اور منات و طاغیہ کے لیے احرام باندھنا اور اُن کا تلبیہ میں یہ کہنا لا شریکا لك الا شریکا ھو لك اور یہ باتیں ایسی تھیں جن سے نہایت تاکید سے منع کرنا ضروری تھا اور بہت سی باتیں بطریق فخر اور خود پسندی کے اپنی طرف سے کیا کرتے تھے جیسے حمس کا یہ کہنا کہ ہم اللہ کے جوار میں رہتے ہیں اس لیے حرم سے ہم نکلیں گے اس لیے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ ﴾ پھر تم چلوں جس راستہ سے لوگ چل دیے اور منیٰ کے دنوں میں وہ لوگ اپنے باپ دادوں کی بڑائیاں بیان کیا کرتے تھے لہٰذا یہ آیت نازل ہوئی ﴿ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ﴾ یاد اللہ کی ایسی کیا کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ۔ اور چونکہ انصار نے اس کی حقیقت کو معلوم کر لیا اس لیے صفا مروہ میں بھی سعی کرنے سے ان کو پرہیز ہوا حتیٰ کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ﴾ صفا اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں اور از اں جملہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی طرف سے قیاسات فاسدہ ایجاد کر لیے تھے جن کا مدار دین میں رائے زنی کرنے پر تھا اور اُن باتوں میں لوگوں کو دقت تھی اور دور ہونے اور متروک ہونے کے قابل تھیں جیسا کہ ان کا یہ کہنا کہ قوم گھروں کے دروازوں سے داخل نہ ہوں اور چھتوں پر سے یعنی پشت کی طرف سے چڑھ کر گھروں میں آیا کرتے تھے ان کو یہ خیال تھا کہ دروازہ سے مکان کے اندر آنا ایک معمولی بات ہے جو احرام کی ہیئت کے منافی ہے اسی لیے یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا ﴾ پشت کی طرف سے تمہارا گھروں میں آنا کچھ بھلائی کی بات نہیں ہے۔ اور ایام حج میں وہ لوگ خرید و فروخت کو مکروہ جانتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ ان ایام میں تجارت کرنے سے عمل میں خلوص نہیں رہتا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ ﴾ اپنے پروردگار سے فضل کی تلاش میں تم پر کچھ مضائقہ نہیں اور اس بات کو اچھا جانتے تھے کہ بغیر سفر خرچ کے حج کریں اور اپنے آپ کو متوکل کہتے تھے اور پھر لوگوں کو تنگ کیا کرتے تھے اور اُن پر ظلم کیا کرتے تھے اس لیے یہ آیت نازل ہوئی ﴿ فَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى ﴾ اور زاد راہ لے لو البتہ بہتر زاد راہ پرہیزگاری ہے۔

اور اُن کا قول تھا کہ حج کے ایام میں عمرہ کرنا بڑا سخت گناہ ہے اور کہا کرتے تھے جب صفر کا مہینہ گزر گیا اور اونٹوں کی پشت کے زخم اچھے ہو گئے اور سفر کے آثار جاتے رہے تو عمرہ کرنے والے کے لیے عمرہ درست ہو گیا اور آفاقیوں کے لیے اس میں نہایت دقت تھی کیونکہ عمرہ کے لیے اُن کو از سرِ نو سفر کرنے کی حاجت پڑتی تھی اس لیے آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں اس بات کا حکم دیا کہ عمرہ کر کے احرام سے باہر آئیں اور اس کے بعد حج کریں اور اس امر میں آپؐ نے بہت تشدد سے فرمایا کیونکہ یہ باتیں اُن کی عادات میں داخل ہو کر مرکوزِ خاطر ہو گئی تھیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((یا ایھا الناس قد فرض علیکم الحج .... الخ)) اے لوگو! تمہارے اُوپر حج فرض کیا گیا۔ لہٰذا حج کرو اس اثنا میں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر سال آپؐ یہ سن کر خاموش ہو رہے حتیٰ کہ اس شخص نے تین مرتبہ یہی سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا اگر کہہ دوں میں (ہاں) تو البتہ ہر سال واجب ہو جائے اور تم نہ کر سکو۔ میرے نزدیک اس میں یہ راز ہے کہ کسی خاص وقت پر وحی نازل ہونے کا سبب لوگوں کا ایک امر پر متوجہ ہونا اور اُن کے علوم اور اُن کی ہمتوں کا اس امر کو قبول کر لینا اور اس مقدار کا لوگوں میں مشہور اور متداول ہونا آنحضرت ﷺ کا اللہ تعالیٰ سے اس کا طلب کرنا ہوتا ہے پس جب یہ دونوں امر جمع ہو جاتے ہیں تو اُس کے موافق وحی کا نازل ہو جانا ضروری ہو جاتا ہے اور یہ امر تم یہاں سے معلوم کر سکتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب کسی زبان میں بجز اُن لوگوں کی زبان کے اور بجز ایسے الفاظ کے جن کو وہ سمجھ سکیں نہیں نازل فرمائی اور نہ کوئی ایسا حکم یا دلیل اُن کے لیے بیان کی کہ جو وہ آسانی سے نہ سمجھ سکیں۔ اور یہ ہو بھی نہیں سکتا۔ اس لیے کہ وحی کا مدار اللہ تعالیٰ کی عنایت پر ہے اور عنایت اس میں پائی جاتی ہے کہ جس امر کو وہ آسانی سے قبول کر سکیں وہی بات اُن کے لیے تجویز کی جائے اور کسی نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا سب اعمال میں سے کون سے عمل کو فضیلت ہے آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھنا اس پر عرض کیا اس کے بعد سب اعمال میں کون سا عمل بہتر ہے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اس نے کہا اس کے بعد سب اعمال میں کون سا عمل بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا حج مبرور۔

اس حدیث میں اور آنحضرت ﷺ کے ذکر کی فضیلت میں یہ فرمانے سے ((الا انبئکم بافضل اعمالکم)) الحدیث۔ کیا میں تمہارے اعمال سے افضل ترین عمل نہ بتلا دوں اس لیے کہ فضیلت اعتبار کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتی ہے اور یہاں پر فضیلت کا دین الٰہی کی تعظیم اور شعائر الٰہی کے ظہور کے لحاظ سے بیان کرنا مقصود ہے اور اس اعتبار سے ایمان کے بعد جہاد اور حج کے برابر کوئی عمل نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((من حج للہ فلم یرفث و لم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ)). جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے حج کرے اور اس میں لغو باتیں اور فسق کے کام نہ کرے تو اس روز کا سا ہو جاتا ہے جیسے کہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((ان عمرۃ فی رمضان تعدل حجۃ)) رمضان میں ایک عمرہ ایک حج کے برابر ہے میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ حج کو عمرہ پر فضیلت حاصل ہونے کا یہی سبب ہے کہ حج کے اندر شعائر الٰہی کی تعظیم اور رحمت الٰہی کے طلب کرنے پر لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اور عمرہ میں یہ بات نہیں ہوتی رمضان کے مہینہ میں جو عمرہ پایا جاتا ہے وہ حج کا کام دیتا ہے اس لیے کہ رمضان کے مہینے میں محسنین کا سائے کا پرتو پڑتا رہتا ہے اور عالم میں روحانیت کا نزول ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((من زاد او راحله تبلغه الی بیت الله و لم یحج فلا علیه ان یموت یهودیا او نصرانیا)).

''جس شخص کے پاس زادراہ اور ایسی سواری ہو جو بیت اللہ تک پہنچا سکے اور اس نے حج نہیں کیا پھر نہیں پرواہ اُس کو کہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔''

میں کہتا ہوں اسلام کے ارکان میں سے کسی رکن کا ترک کر دینا ایسا ہے جیسے اسلام سے باہر ہو جانا اور حج کے ترک کرنے والے کو یہودی اور نصرانی کے ساتھ اور تارک صلوٰۃ کو مشرک کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی کہ یہود و نصاریٰ نماز پڑھتے ہیں لیکن حج نہیں کرتے اور مشرکین عرب حج کرتے تھے لیکن نماز نہیں پڑھتے تھے کسی نے آپ سے عرض کیا کہ حج کرنے والا کیسا ہوتا ہے آپ نے فرمایا سر میں خاک بدن میں بدبو۔ پھر عرض کیا گیا کون سا حج بہتر ہے آپؐ نے فرمایا جس میں آواز بلند تلبیہ کہے اور قربانی کرے پھر عرض کیا گیا راستہ سے کیا مراد ہے یعنی ((مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيلًا)) میں۔ آپؐ نے فرمایا زادراہ اور سواری۔ میں کہتا ہوں حاجی کی شان سے اللہ تعالیٰ کے لیے نیازمندی ہے اور حج کے اندر جس مصلحت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ اعلاء کلمۃ اللہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کی موافقت اور اللہ تعالیٰ کے جو اُن پر انعامات ہوئے ہیں اُن کا یاد کرنا ہے اور زادراہ اور سواری سے راستہ کی تعیین اس لیے کی گئی کہ یہ دونوں چیزیں آسانی کا سبب ہیں جس کی رعایت حج جیسی عبادت شاقہ میں ضروری ہیں اور جنازہ کی نماز اور میت کی طرف سے روزہ رکھنے کا بیان کیا ہے اگر وہی بیان دوسرے شخص کی طرف سے حج کرنے کے متعلق کیا جائے تو ہوسکتا ہے۔

مناسک کا بیان

معلوم کرنا چاہیے کہ صحابہ ﷺ اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور تمام مومنین سے جو مناسک منقول ہیں وہ چار ہیں۔ حج مفرد۔ عمرہ مفرد۔ حج تمتع۔ حج قران۔ مکہ کے باشندوں کو حج مقرر کرنے کی یہ صورت ہے کہ وہیں احرام باندھے اور احرام کی حالت میں جماع اور اُس کے دواعی اور سر منڈوانے اور ناخنوں کے ترشوانے اور سلا ہوا کپڑا پہننے اور سر ڈھکنے اور خوشبو لگانے اور شکار کرنے سے اجتناب کرے اور ایک قول کے موافق نکاح سے بھی اجتناب کرے پھر عرفات کو جائے اور عرفہ کی شام وہاں موجود ہو جائے پھر بعد غروب آفتاب کے وہاں سے واپس ہو کر مزدلفہ میں شب باشی کرے اور قبل طلوع آفتاب کے منیٰ میں آ کر عقبہ کبریٰ رمی جمار کرے اب اگر اس کے ساتھ ہدی ہو تو وہیں اُس کی قربانی کرے اور سر منڈوا دے یا بال ترشوائے پھر ایام منیٰ میں طواف الافاضہ کرے اور صفا مروہ میں سعی کرے۔

اور آفاقی کے لیے یوں کرنا چاہیے کہ ہر ایک اپنی میقات سے احرام باندھے اور عرفات میں ٹھہرنے سے پہلے اگر وہ مکہ میں آ گیا تو وہ طواف قدوم کرے اور اُس میں اکڑ کر چلے اور صفا مروہ میں سعی کرے پھر اپنے احرام پر بدستور قائم رہے حتیٰ کہ عرفات پر مقیم ہو اور رمی جمار کرے اور سر منڈوا دے اور طواف کرے اور اب اکڑنے اور دوڑنے کا حکم نہیں ہے۔

اور عمرہ کی ترکیب مکہ والوں کے لیے یہ ہے کہ حل سے احرام باندھے اور آفاقی کو اپنے اپنے میقات سے احرام باندھنا

چاہیے اور بعد ازاں طواف وسعی کرے اور بالوں کو منڈائے یا ترشوائے۔

اور تمتع کی صورت آفاقی کے لیے یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کے لیے احرام باندھے پھر مکہ میں آئے اور اپنا عمرہ پورا کرے احرام سے باہر آئے اور حج کے ایام تک بغیر احرام کے رہے اور جو اس کو گائے بکری میسر ہو اُس کی قربانی کرے۔

قران کی یہ صورت ہے کہ باہر کا آدمی معاً حج وعمرہ کے لیے احرام باندھے پھر مکہ میں آئے اور اپنے احرام پر قائم رہے جب تک افعال حج سے فارغ ہو اور اُس کو ایک طواف اور ایک مرتبہ سعی کرنا چاہیے اور ایک قول کے موافق دو طواف اور دو مرتبہ سعی کرنا چاہیے بعد ازاں جو گائے بکری اس کو بہم پہنچے پھر جب مکہ سے باہر آنے کا قصد کرے طواف وداع کرے۔

معلوم کرو کہ حج وعمرہ کے لیے احرام ایسا ہے جیسے نماز کے لیے تکبیر۔ احرام کے اندر اخلاص وتعظیم اور ایک ظاہری فعل سے حج کے مصمم ارادہ کی صورت معلوم ہوتی ہے اور اس میں آدمی کے نفس میں ذلت اور خشوع کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ اس میں تمام لذائذ اور عادات مالوفہ اور ہر قسم کی زینت کی باتوں کا چھوڑنا ہوتا ہے اور اس میں لقب اور خستگی اور اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی حالت کا بدلنا پایا جاتا ہے اور محرم کو ان اشیاء سے اجتناب کرنے کا اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ تا کہ ذلت اور ترک زینت اور خراب خستہ ہونے کے معانی پائے جائیں اور خوف الٰہی اور اس کی تعظیم کا اثر ظاہر ہو اور نفس کو اپنی خواہشوں کے پورا کرنے میں مطلق العنانی نہ ہونے پائے بلکہ اُس پر غلبہ رہے اور شکار کرنا ایک قسم کے لہو میں داخل ہے اور توسع کے قبیلہ سے ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((من اتبع صيدا لها)) جس نے شکار کا پیچھا کیا اس نے لہو کیا۔ آنحضرت ﷺ اور کبار صحابہ ﷺ سے شکار کرنا ثابت نہیں ہے اگرچہ آپ نے فی الجملہ اس کی اجازت دی ہے اور جماع کرنا فی الحقیقت شہوت بہیمیہ میں منہمک ہونا ہے اس لیے اُس سے ممانعت کی گئی اور چونکہ مطلقاً اس باب کا بند کرنا روا نہ تھا کیونکہ وہ قانون شرعی کے خلاف تھا لہٰذا کم از کم بعض حالات میں اس سے ممانعت کرنا ضروری ہوا۔ مثلاً احرام اور اعتکاف اور روزہ کی حالت اور نیز حیض کی حالت میں اُس سے ممانعت کی گئی مثلاً مساجد کے اندر کسی شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی محرم کو کس قسم کے کپڑے پہننے چاہئیں آپ نے فرمایا کرتے مت پہنو اور نہ عمامے اور نہ پائجامہ اور نہ برنس (یعنی بارانی) اور نہ موزے اور آنحضرت ﷺ نے ایک اعرابی سے فرمایا خوشبو جو تیرے لگی ہوئی ہے اس کو تین مرتبہ دھو ڈال اور جبّہ کو اتار ڈال سلے ہوئے کپڑے اور اُس کے مثل اور اس کپڑے میں جو نہ سلا ہوا ہو اور نہ وہ جو اس کے مثل ہے یہ فرق ہے کہ پہلے کا پہننا از واقات میں سے ہے اور تجمل اور زینت کے لیے پہنا جاتا ہے اور دوسرے صرف بدن کا ستر ہے اور پہلے کے ترک کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ نیازمندی کی شان پائی جاتی ہے اور دوسرے کا ترک کرنا بے ادبی میں داخل ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((لا ينكح المحرم و لا ينكح و لا يخطب))

''محرم نہ نکاح کرے نہ نکاح کرائے اور نہ نکاح کی بات چیت کرے۔''

اور آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت میمونہؓ سے حالت احرام میں نکاح کیا ہے میں کہتا ہوں اہل حجاز کے تمام صحابہؓ اور تابعینؒ اور فقہا رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک محرم کے لیے نکاح کرنا خلاف سنت ہے اور اہل عراق کے نزدیک محرم کا نکاح

جائز ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ احتیاط پر عمل کرنا بہتر ہے اور قول اول کے موافق اس کا یہ سبب ہے کہ نکاح انتظامات مطلوبہ میں داخل ہے اور بہ نسبت شکار کے زیادہ مطلوب چیز ہے اور نکاح کرنے کو نکاح کے باقی رکھنے پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ خوشی اور سرور ابتداء میں ہوتا ہے لہٰذا نکاح کے باب میں عروس ضرب المثل کی جاتی ہے اور اس کا باقی رکھنا ضرب المثل نہیں ہے اب شکار کے معنی معین کرنا ضروری تھا کیونکہ انسان کبھی تو کسی چیز کو کھانے کے لیے مارتا ہے اور کبھی اس کو کھانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف شکار کی مشق منظور ہوتی ہے اور کبھی کسی چیز کے ضرر سے خود بچنے کے لیے یا لوگوں کو اس سے بچانے کی غرض سے مار دیتا ہے اور کبھی کسی گائے بکری کو ذبح کرتا ہے اس لیے اس بات کی تعیین ضروری ہوئی کہ ان صورتوں میں سے شکار کس کو کہنا چاہیے لہٰذا آپؐ نے فرمایا:

((خمس لا جناح علی من قتلھن فی الحرم والاحرام)) الحدیث

''پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے حرم اور احرام میں مار ڈالنے پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ چوہا' چیل' کوا' بچھو اور وہ کتا جو لوگوں کو کاٹتا ہو۔''

اور ان سب میں جہت جامعہ یہ ہے کہ یہ سب جانور موذی اور انسان اور اس کے متاع پر ایذا ء پہنچانے والے جانور ہیں۔ اگر عرف سے بھی تلاش کی جائے تو اُن جانوروں کے مارنے کو عرف میں شکار نہیں کہتے۔ اور اس طرح گائے بکری اور مرغی وغیرہ اور جو جانور اس کے مثل ہیں جن کے پالنے کا گھروں میں دستور ہے ان کے ذبح کرنے کو شکار نہیں کہتے مگر دوسری قسموں میں بظاہر شکار کا اطلاق پایا جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے میقات کی تعیین اس طرح فرمائی ہے کہ اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ' اور اہل شام کے لیے جحفہ۔ اور اہل نجد کے لیے قرن المنازل اور اہل یمن کے لیے یلملم۔ جو لوگ ان مواقیت میں رہتے ہیں یا باہر کے لوگ ان میں آجاتے ہیں۔ ان کے لیے بھی یہی مقامات ہیں اگر وہ لوگ حج اور عمرہ کا قصد کریں اُن کے یہ مواقیت ہیں اور جو لوگ ان میقاتوں سے ورے کے ہیں اُن کو اپنی جائے سکونت سے احرام باندھنا چاہیے جیسا کہ اہل مکہ' مکہ سے احرام باندھیں۔

میں کہتا ہوں مواقیت کے اندر اصل یہ ہے کہ مکہ کو ایسی حالت میں آنا چاہیے کہ سر پر خاک بھری ہو۔ اور بدن میں بدبو آنے لگی ہو اور نفس ذلت کی حالت میں ہو۔ شارع کو یہی مطلوب ہے اور اگر تمام لوگوں کو اس بات کا حکم دیا جاتا کہ اپنے اپنے شہروں سے احرام باندھ کر آیا کریں تو ظاہر ہے کہ اس میں کس قدر دقت تھی کیونکہ بعض بعض شہر مکہ سے ایک مہینہ کی مسافت پر واقع ہیں اور بعض اس سے بھی زیادہ ہیں۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ احرام باندھنے کے لیے مکہ کے گرد چند مقامات معینہ مخصوص کئے جائیں جن مقامات سے احرام باندھا کریں اور ان مقامات کے بعد تاخیر نہ کر سکیں اور ضروری ہے کہ یہ مقامات ظاہر اور مشہور ہوں اور کوئی شخص ان مقامات سے ناواقف نہ ہو اور جن ملکوں کے لیے یہ مقامات مواقیت مقرر کیے گئے ہیں ان کے راستہ میں پڑتے ہوں۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس بات کی تحقیق فرما کر ان مقامات کو میقات مقرر فرمایا۔ اور اہل مدینہ کے لیے وہ میقات مقرر فرمایا جو سب سے دور ہے کیونکہ مدینہ منورہ وحی کا جائے نزول اور ایمان کا مرکز اور دارالہجرت اور تمام دنیا میں مدینہ ہی اول بستی ہے کہ اللہ اور رسولؐ پر ایمان لائی ہے اس لیے اس کے رہنے والے اس قابل ہیں کہ اعلاء کلمۃ اللہ میں نہایت درجہ کوشش کریں اور زیادہ عبادات کے ساتھ مخصوص کیے جائیں اور نیز مدینہ تمام اُن اطراف سے جو آپ کے زمانہ میں ایمان لائے تھے اور مخلص تھے سب سے زیادہ قریب ہے بخلاف جوائی

اور طائف اور یمامہ وغیرہ کے لہٰذا مدینہ والوں کو اس میں کچھ دقت نہیں ہے عرفات کے وقوف کرنے میں یہ راز ہے کہ ایک زمانہ ایک مکان میں مسلمانوں کا اجتماع اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف اُن کا راغب ہونا اور خشوع وخضوع کے ساتھ اُس سے دعا کرنا برکات الٰہی کے نازل ہونے اور روحانیت کے انتشار میں اثر عظیم رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ شیطان اس روز تمام روزوں سے زیادہ ذلت و خواری کی حالت میں ہوتا ہے اور نیز اس اجتماع میں مسلمانوں کی شان وشوکت معلوم ہوتی ہے اور اس دن اور اس مقام کی خصوصیت تمام انبیاء علیہم السلام سے بدستور ثابت ہوتی چلی آتی ہے چنانچہ حضرت آدم اور اُن کے مابعد انبیاء سے اس کی نسبت روایات بیان کی جاتی ہیں اور سلف صالح سے جو طریقہ منقول چلا آتا ہے توقیت اور تعیین کے باب میں اس کا قبول کرنا بڑا اصل الاصول ہے۔

منیٰ میں اترنے کے اندر یہ راز ہے کہ ایام جاہلیت کے بازاروں میں سے منیٰ۔ عکاضہ اور مجنہ اور ذی المجاز وغیرہ کی مانند ایک عظیم الشان بازار تھا اور یہ بازار انہوں نے اس واسطے مقرر کیا تھا کہ حج کے اندر کثرت سے دور دراز ملکوں کی خلقت اکٹھی ہوتی تھی۔ اور تجارت کے حق میں اس سے زیادہ مناسب اور بہتر کوئی صورت نہیں ہے کہ اس میلے کے ساتھ اُس کا وقت مقرر کیا جائے اور دوسری بات یہ ہے کہ مکہ کے اس انبوہ کثیر کے رہنے کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا اگر ہر قسم کے تمام لوگ منیٰ کی مانند کسی فضا میں اترنے پر متفق نہ ہوں تو بڑی دقت پڑے اور اگر بعض بعض ادنیٰ لوگ منتخب کر کے منیٰ میں اتارے جائیں تو اُن کو ملال گزرے اور جب وہاں اترنے کا دستور عام ہو گیا تو عرب کی اور اُن کی حمیت کا مقتضی یہ ہوا کہ ہر قبیلہ کے لوگ اپنا فخر اور اپنے گروہ کی کثرت ثابت کرنے اور اپنے باپ دادا کی سوانح بیان کرنے اور اُن کی دلاوری اور اُن کے اعوان اور انصار کی کثرت لوگوں پر ظاہر کرنے میں کوشش کریں تاکہ ہر ادنیٰ واعلیٰ اس بات کو معلوم کرے اور دور دراز ملکوں میں اُن کی شہرت ہو اور اسلام کو بھی ایسے اجتماع کی ضرورت تھی تاکہ مسلمانوں کی شوکت اور اُن کا سامان اور اُن کی کثرت لوگوں پر ظاہر ہو۔ اور اس کی وجہ سے دین اسلام کا ظہور ہو کر دُور دُور تک اس کا آوازہ پہنچے اور تمام اطراف زمین میں اس کا دبدبہ ظاہر ہو جائے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس اجتماع کو بدستور رکھا اور اُس پر لوگوں کو شوق اور حرص دلائی مگر تفاخر اور آباؤ اجداد کے حالات بیان کرنے سے منع فرما کر اس کی جگہ ذکر الٰہی کو مقرر فرمایا جس طرح آنحضرت ﷺ نے اُن کی تمام ضیافات اور ولیمہ میں سے سب کو دُور کر کے نکاح کے ولیمہ اور اولاد کے عقیقہ کو باقی رکھا کیونکہ تدبیر منزل کے متعلق اُن کے اندر آپ نے بہت سے فوائد کا ملاحظہ فرمایا اور مزدلفہ میں رات بسر کرنے کے لیے یہ راز ہے کہ اُن کا یہ قدیمی دستور تھا اور یہ دستور انہوں نے شائد اس لیے مقرر کر رکھا تھا کہ لوگوں کا یہاں پر اس قدر اجتماع ہوتا ہے اور پھر اُس کے ساتھ ایک بات یہ ہے کہ بعد المغرب لوگ عرفات سے لوٹتے ہیں اور تمام دن کا تھکان ہوتا ہے کیونکہ دور دراز سے وہ وہاں آ کر جمع ہوتے ہیں پھر اگر اُن کو ایسے وقت میں فوراً منیٰ میں جانے کی تکلیف دی جائے تو اُن کو بہت پریشانی ہو اور اہل جاہلیت غروب سے پہلے عرفات سے اتر آتے تھے اور چونکہ اس بات میں ایک قسم کا ابہام تھا اور قطعی طور پر کسی خاص وقت کا تعین نہ تھا اور ایسے انبوہ کثیر میں وقت کی ایسی تعیین ضروری تھی جس میں ابہام کا احتمال نہ رہے اس لیے غروب آفتاب سے اس کی تعیین کی گئی اور مشعر الحرام میں ٹھہرنے کا اس لیے حکم دیا گیا کہ اہل جاہلیت باہم تفاخر اور نمود کے لیے قیام کرتے تھے اس کے بدلے میں کثرت سے ذکر الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ اُن کی یہ عادت دُور ہو اور ایسی جگہ کے توحید بیان کرنے میں اُن کو حرص پیدا ہو اور یہ ایسا ہوا جیسے ان سے کہا جاتا دیکھنا ہے کہ تم

اللہ تعالیٰ کی یاد زیادہ کرتے ہو یا اہل جاہلیت اپنے مفاخر کا زیادہ ذکر کرتے تھے اور رمی الجمار کرنے میں وہی راز ہے جو خاص حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رمی الجمار اللہ تعالیٰ کا ذکر قائم کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ توقیت ذکر کی تمام اقسام میں سے بہتر اور کامل اور وجوہ توقیت کے لیے زیادہ تر جامع یہ قسم ہے کہ ایک زمانہ اور ایک مقام کے ساتھ ذکر کی تعیین کی جائے اور اس کے ساتھ ایک ایسی قسم بھی مقرر کی جائے جس سے ذکر کے شمار محفوظ رہ سکے اور سب کے سامنے ذکر کا پایا جانا ثابت ہو اور کچھ مخفی نہ رہے اور ذکر الٰہی کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کے دین کی تابعداری منظور ہو۔ اور اس قسم کے ذکر میں لوگوں کی کثرت زیادہ ضروری ہے نفس ذکر کی کثرت ضروری ہے نفس ذکر کی کثرت ضروری نہیں رمی الجمار بھی اُسی قبیلہ سے ہے اسی لیے اس میں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

اور ایک قسم وہ ہے جس سے نفس کو اللہ تعالیٰ کی کبریائی پر مطلع کرنا منظور ہوتا ہے اس ذکر میں کثرت کی حاجت ہے اور نیز احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمی الجمار کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے انہوں نے شیطان کو اس سے دفع کیا تھا لہٰذا اس فعل کی حکایت کرنے میں نفس کو نہایت تنبیہ ہوتی ہے۔ ہدی میں یہ راز ہے کہ اُس میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فعل کے ساتھ کہ انہوں نے پیارے بیٹے کو اس جگہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری اور اس کی طرف توجہ کے قصد سے ذبح کرنا چاہا تھا مشابہت ہے۔ اللہ پاک نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو انعامات کیے ہیں اُن کی یاد دہانی ہوتی ہے اور اس وقت اور اسی زمانہ میں اس فعل کے کرنے میں نفس کو تنبیہ عظیم ہوتی ہے اور حج تمتع اور قران کرنے والے پر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکر میں کہ اس نے جاہلیت کے وبال کو اُن سے دور کر دیا۔ ہدی واجب ہے اور سر منڈانے میں یہ راز ہے کہ سر منڈانا فی الحقیقت احرام سے نکلنے کا ایک فعل ہے طریقہ معین کرتا ہے اور وہ فعل وقار کی حالت سے منافی نہیں ہے اور اگر ان لوگوں کو اختیار دے دیا جاتا تو ہر شخص اپنی اپنی چال چلتا اور نیز اُس میں تغیر کے زمانہ کا گزرنا بوجہ اتم پایا جاتا ہے اور سر منڈانے کا حال نماز میں سلام کا سا ہے اور طواف الافاضہ سے قبل سر منڈانے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تا کہ اُس شخص کو اس شخص کے ساتھ مشابہت حاصل ہو کہ گرد و غبار سے صاف ہو کر سلاطین کے حضور میں داخل ہوتا ہے۔

طواف کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ حجر اسود کے پاس آ کر اُس کو بوسہ دے اور اُس کے داہنی طرف سے چل کر سات مرتبہ طواف کرے اور ہر مرتبہ حجر اسود کو بوسہ دیتا جائے یا کسی لکڑی وغیرہ سے جو اُس کے ہاتھ میں ہے اس کی طرف اشارہ کرے اور تکبیر کہے اور رکن یمانی کو بوسہ دے اور اس حالت میں وہ شخص طہارت پر قائم ہو اور کہیں سے اُس کا ستر نہ کھلا ہو اور وہ بجز عمدہ بات کے کوئی بات زبان سے نہ نکالے پھر مقام ابراہیم علیہ السلام میں آ کر دو رکعت نماز پڑھے۔ حجر اسود سے شروع کرنے کی یہ وجہ ہے کہ تشریع کے وقت کل ہدایت اور چلنے کی جانب کا معین کرنا ضروری ہوا۔ اور حجر اسود بیت اللہ کی تمام چیزوں میں متبرک چیز ہے کیونکہ یہ جنت سے اترا ہے اور دونوں طرفوں میں جانب یمین متبرک ہوتی ہے۔ اور اور طواف القدوم بمنزلہ تحیۃ المسجد کے ہے بیت اللہ کی تعظیم کے لیے اس کو مقرر کیا ہے دوسرے یہ کہ جب طواف کی جگہ اور زمانہ موجود ہے اور اس کے تمام اسباب مہیا ہیں پھر اس میں دیر کرنا ایک قسم کی بے ادبی ہے۔ بیت اللہ کے اوّل طواف میں اکڑنے اور سینہ نکال کر چلنے اور بعد ازاں صفا مروہ میں سعی کرنے میں چند راز ہیں ایک تو وہ حضرت ابن عباسؓ نے ذکر کیا ہے یعنی مشرکین کے دلوں میں ہیبت ڈالنا اور مسلمانوں کے غلبہ کا اظہار کیونکہ اہل مکہ کہا کرتے تھے کہ

یثرب کی تپ نے اُن کو ضعیف کر دیا ہے لہٰذا یہ اکڑنا جہاد کے افعال میں داخل ہے اگر چہ یہ سبب تو باقی نہیں رہا اور از انجملہ یہ راز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس سے رغبت کا اظہار ہو جاتا ہے اور یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ اس دور دراز کے سفر اور اس قدر زحمت نے بجائے بے رغبتی پیدا کرنے کے ان کے شوق ورغبت کو زیادہ کر دیا جس طرح کسی کا شعر ہے۔ شعر

اذا اشتکت من کلال السیر واعدھا روح الوصال فتحیٰ عند میعاد

یعنی اونٹنی چلتے چلتے جب کہ تکان کی شکایت کرتی ہے تو اس کا سوار وصال کی راحت کا وعدہ کرتا ہے تو اُس وعدہ کے سننے سے اس میں جان سی پڑ جاتی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طواف کے اندر اکڑنے کے موقوف کرنے کا قصد کیا تھا کیونکہ ان دونوں کا سبب باقی نہیں رہا پھر اجمالاً یہ بات اُن کے فہم مبارک میں پیدا ہوئی کہ ان دونوں کا ایک اور سبب بھی ہے جو ہنوز موجود ہے۔ لہٰذا اُن کو ترک نہیں کیا۔

عمرہ کے اندر عرفات میں ٹھہرنے کا حکم اس لیے نہیں دیا گیا کہ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے لہٰذا اُس میں قیام کا کچھ فائدہ نہیں اور اگر اُس کے لیے کوئی خاص وقت مقرر ہوتا تو وہ حج ہوتا اور ظاہر ہے کہ سال میں دو مرتبہ لوگوں کے اجتماع میں کس قدر دقت ہے اور عمرہ کے اندر مقصود بالذات صرف نعمتِ الٰہی کا شکر اور بیت اللہ کی تعظیم ہے اور صفا اور مروہ میں سعی کرنے کے اندر چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے یہ راز ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو جب سخت پریشانی ہوئی تو صفا و مروہ میں انہوں نے تیز رفتاری سے ٹہلنا شروع کیا جس طرح کوئی متفکر آدمی جلد جلد قدم ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی فکر کو دو طریقوں سے رفع کر دیا ہے ایک تو آب زمزم برآمد ہو گیا دوسرے لوگوں کے دل میں اُس جنگل میں آباد ہونے کا الہام ڈالا گیا اس لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اور اُن کے فرمانبرداروں پر ضروری ہوا کہ اس نعمت کا شکر اور اُن کی کرامت کی یاد کریں تا کہ اُن کی قوت بہیمی مبہوت ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف اُن کو راہنمائی کرے اور اس کے اندر کوئی بات اس سے زیادہ بہتر نہیں ہے کہ اس دلی اعتقاد کو کسی خاص ظاہری فعل سے جو ان کے خلاف عادت ہے اور مکہ کے اندر داخل ہوتے ہی ایک قسم کی اُن کے لیے ذلت ہے اُن کے اعتقاد کی مضبوطی کی جائے اور وہ فعل حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی اُس تکلیف اور مشقت کا نقل کرنا ہے اور ایسے موقع پر ایک حالت کی نقل کرنا بدرجہا زبانی باتوں سے مفید ہوتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((لا ینفرن احدکم حتی یکون آخر عھدہ بالبیت)) یعنی تم میں سے کوئی شخص اخیر وقت بیت اللہ میں جائے بغیر وہاں سے نہ نکلے اور حائض کو آپ نے معاف کیا ہے میرے نزدیک اخیر وقت پر بیت اللہ کے جانے میں بیت اللہ کی تعظیم ہے اس لیے کہ ہدایت بھی اُسی سے ہوئی تھی اور تمامی بھی اسی پر ہوئی تا کہ معلوم ہو جائے کہ مقصود بالذات سفر سے بیت اللہ ہے اور نیز دستور ہے کہ قاصد لوگ رخصت ہوتے وقت اپنے سلاطین سے مل کر جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔



حجۃ الوداع کا ذکر

حجۃ الوداع کے باب میں حضرت جابرؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہم کی حدیث اصل ہے۔ معلوم کرو کہ آنحضرت ﷺ نو برس تک مدینہ کے اندر تشریف فرما رہے اور اس عرصہ میں آپؐ نے حج نہیں کیا پھر دسویں سال اس بات کا اعلان کیا گیا کہ حج کرنا چاہتے ہیں یہ سن کر بہت خلقت مدینہ میں آ گئی اور آپؐ مدینہ سے رخصت ہو کر ذوالحلیفہ میں تشریف لائے اور وہاں غسل کر کے خوشبو لگائی اور مسجد میں دو رکعت پڑھیں اور ایک تہ بند اور ایک چادر پہنی اور وہیں سے احرام باندھا اور اسی طرح پر تلبیہ پڑھا۔ **لبیك اللهم لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد والنعمة لك و الملك لا شریك لك**۔ میں کہتا ہوں یہاں پر دو باتوں میں اختلاف ہے ایک تو یہ کہ آپ نے حج مفرد کیا تھا یا حج تمتع بایں طور کہ عمرہ سے باہر آ کر از سر نو حج کیا ہو یا یہ کہ آپؐ نے حج کا احرام باندھا پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کے اندر عمرہ کے داخل کرنے کا اشارہ کیا اور آپؐ اسی احرام پر قائم رہے حتیٰ کہ حج سے فارغ ہوئے اور احرام سے باہر نہیں آئے کیونکہ آپ (ہدی) روانہ کر چکے تھے دوسرے یہ کہ آپؐ نے تلبیہ کس وقت پڑھا نماز کے وقت یا جس وقت آپؐ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے یا جب بیت اللہ کا جنگل قریب آ گیا تھا۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس قاصد لوگ آتے اور جیسے آپ ﷺ کو کرتے دیکھتے ویسی ہی خبر دیتے اور شروع احرام آپ ﷺ کا اس وقت تھا جب کہ دو رکعت نماز پڑھتے اور آپؐ کا غسل کرنا اور دو رکعت نماز کا پڑھنا اس لیے تھا کہ اس میں شعائر الٰہی کی تعظیم تھی اور نیز اس میں ایک ظاہری فعل خاص سے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص اور اُس کی بندگی کے اہتمام پر دلالت کرتا ہے نیت کا منضبط ہونا اور نیز اس طور سے لباس کے بدلنے میں نفس کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر تنبیہ اور بیداری ہوتی ہے اور آپؐ کے خوشبو لگانے کی یہ وجہ ہے کہ احرام کا زمانہ گرد و غبار میں آلودہ رہنے کا وقت ہے لہٰذا احرام سے پہلے کسی قدر اس کا تدارک ضروری ہے اور تلبیہ میں آپؐ نے اس لیے ان کلمات کو اختیار کیا کہ اُن کے اندر اللہ تعالیٰ کی بندگی پر قائم رہنے کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ان کلمات میں یاد دہانی ہے اور اہل جاہلیت کا قاعدہ تھا وہ اپنے بتوں کی تعظیم کیا کرتے تھے لہٰذا آپؐ نے مسلمانوں اور مشرکین کے اندر تمیز اور اُن کے رد کرنے کے قصد سے یہ کلمہ **لا شریك لك** بھی اُس میں داخل کیا۔

حج کرنے والے کو اللہ تعالیٰ سے اس کی رضامندی اور جنت کا کثرت سے سوال کرنا اور اُس کی رحمت سے دوزخ سے پناہ مانگنا بہتر ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے احرام اور تلبیہ کے اندر آوازوں کے بلند کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((ما من مسلم یلبی الالب ما معه عن یمینه و شماله من شجر او حجر او مدر حتی تنقطع الارض من ههنا و ههنا)).

''کوئی مسلمان تلبیہ کرنے والا نہیں مگر جو چیز داہنے اور بائیں ہے پتھر یا درخت یا ڈھیلہ سب تلبیہ کہتے ہیں یہاں تک کہ زمین ادھر اور اُدھر یعنی مشرق اور مغرب سے ختم ہو چکتی ہے۔''

میرے نزدیک اُس میں یہ راز ہے کہ تلبیہ شعائر الٰہی میں سے ہے اور اس میں ذکر الٰہی کی تعظیم ہے اور اس قسم کے اذکار کو بالجہر اور اس طرح پر پڑھنا کہ ہر غافل اور خبردار کو اس کی خبر ہو۔ اور وہ جگہ دارالاسلام معلوم ہو اور جب ایسا ہوتا ہے تو اس شخص کے نامۂ اعمال میں اُن مقامات کے اندر تلبیہ کرنے کی صورت مرقوم ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے اپنی اونٹنی کے کوہان میں داہنی جانب نشان کیا اور اُس کا خون ہاتھ سے پونچھ دیا اور نعلین اس کی گردن میں لٹکا دیں میرے نزدیک اس نشان کرنے میں شعائر الٰہی کی عظمت اور ملت ابراہیمی کا استحکام ہے تا کہ سب ادنیٰ و اعلیٰ اس کا معائنہ کریں اور قلب کا فعل ظاہری فعل سے منضبط ہو جائے۔''

ایک مرتبہ اسماءؓ بنت عمیس کا ذوالحلیفہ میں وضع حمل ہو گیا تو آپؐ نے اُس سے فرمایا کہ غسل کر لے اور اپنی پیشاب گاہ کپڑے سے باندھ لے اور احرام باندھ لے میرے نزدیک اس کا یہ سبب ہے کہ حتی الامکان احرام کی سنت ادا ہو سکے اور ایک مرتبہ سرف (ایک جگہ کا نام ہے) کے مقام پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حیض لاحق ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایسی چیز ہے کہ اللہ پاک نے عورتوں کی تقدیر میں لکھ رکھی ہے پس جو باتیں حج کرنے والے کو چاہئیں وہ تو کر مگر جب تک پاک نہ ہو جائے بیت اللہ کا طواف نہ کرنا چاہیے۔ میں کہتا ہوں آپ نے اُس کا سبب یہ بیان فرمایا کہ حیض کا آنا کثیر الوقوع شئے ہے ایسی چیز میں حکمت شرعی کا یہ مقتضیٰ ہے کہ اُس امر سے وقت دفع کر دی جائے اور ایک ظاہری طریقہ اُس کے لیے مقرر کر دیا جائے اس لیے طواف القدوم اور طواف الوداع حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ساقط کر دیا گیا پھر آپؐ نے ذی طویٰ میں نزول فرمایا تو دن کے وقت بالائے مکہ سے داخل ہو کر اسافل مکہ کی طرف تشریف لائے یہ آپؐ نے اس لیے کیا تا کہ بلا دقت اطمینان قلبی کے ساتھ مکہ میں داخل ہو سکیں اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور اُس کی عظمت پر اطمینان سے آگاہی ہو سکے اور نیز تا کہ سب لوگ بیت اللہ کا طواف کرتا ہوا آپ ﷺ کو دیکھیں کیونکہ اس میں عبادت الٰہی کی عظمت ہے اور نیز آپ ﷺ کو مناسک کے مسائل لوگوں کو تعلیم کرنے منظور تھے اس لیے آپ نے اُن کو اتنی مہلت دی کہ کثرت سے سیکھنے کا قصد کر کے آپؐ کے پاس فراہم ہو جائیں اور آمد و رفت کا راستہ اس لیے بدلا تا کہ دونوں راستوں میں مسلمانوں کی شوکت کا اظہار ہو جائے جس طرح عید کے اندر پھر آنحضرت ﷺ بیت اللہ کے قریب تشریف لائے تو رکن یمانی کو ہاتھ مبارک لگا کر کھڑے ہو گئے اور بعد ازاں سات طواف کیے جن میں سے تین طواف میں سینہ نکال کر اور چار میں معمولی رفتار سے چلے اور صرف دونوں رکن یمانی کو ہاتھ لگائے اور ان کے درمیان یہ دعا پڑھی۔ ((رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ)) پھر مقام ابراہیم کی طرف آیت کریمہ ﴿وَاتَّخِذُوْا مِن مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّی﴾ اور دو رکعت نماز پڑھی اور مقام ابراہیم کو مابین اپنے اور بیت اللہ کے کر لیا اور آپؐ نے اُن دو رکعتوں میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھیں پھر رکن یمانی کی طرف تشریف لائے اور اس کو ہاتھ سے چھوا۔

میں کہتا ہوں سینہ نکال کر چلنے اور داہنی بغل سے بائیں کاندھے پر چادر ڈالنے کا سبب ہم بیان کر چکے۔ خاص کر دونوں رکن یمانی کو ہاتھ سے چھونے کا سبب وہی ہے جو حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا ہے کہ وہ دونوں اسی حالت پر جس طرح حضرت ابراہیم نے

بنائے تھے اور دوسرے دو رکن ایسے نہیں ہیں کیونکہ اہل جاہلیت نے اُن کے اندر تغیر کر لیا ہے اور طواف کے اندر نماز کی شرطیں لگانے کا یہ سبب ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے شعائر کی تعظیم میں طواف کا حال نماز کا سا ہے لہٰذا طواف نماز پر قیاس کیا گیا اور اُس کے بعد دو رکعت اس لیے مسنون کی گئیں کہ بیت اللہ کی تعظیم کا تتمہ ہو جائے کیونکہ اس کی تعظیم کا تتمہ یہ ہے کہ نماز میں اُس کی طرف منہ کیا جائے اور خاص کر مقام ابراہیم میں ان رکعتوں کے پڑھنے کی یہ وجہ ہے کہ مسجد کی تمام جگہ میں اس جگہ کو شرف حاصل ہے اور آیات الٰہی میں سے یہ ایک نشانی ہے۔ جس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ظہور ہوا۔ اور مقصود بالذات حج سے انہیں امور کی یاد دہانی ہے اور مابین رکعتوں کے یہ دعا مانگنا ((رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا .... الایۃ)) کا اس لیے مستحب ہوا کہ یہ ایک جامع دعا ہے جو قرآن پاک میں نازل ہوئی ہے کلمات کے لحاظ سے بہت مختصر ہے۔ جس کا پڑھنا اس تھوڑی سی فرصت میں نہایت مناسب ہے پھر دروازہ سے نکل کر صفا کی طرف تشریف لائے جب صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت پڑھی۔ ﴿ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ ﴾ اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کیا ہے اسی سے آپؐ نے بھی ہدایت فرمائی یعنی صفا سے آپؐ نے شروع کیا اور اس پر آپؐ چڑھے یہاں تک کہ آپؐ نے بیت اللہ کو اس پر دیکھا اور قبلہ رُخ کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کی بڑائی بیان کی اور کہا ((**لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد و ھو علی کل شی قدیر. لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ انجز وعدہ و نصر عبدہ و ھزم الاحزاب وحدہ**)) اس کے درمیان میں دعا کر کے تین مرتبہ یہی پڑھا پھر آپؐ وہاں سے اُتر کر مروہ کی طرف چلے یہاں تک کہ آپؐ کے قدم مبارک جنگل میں پڑنے لگے تو آپؐ تیز رفتاری کے ساتھ چلنے لگے حتیٰ کہ وہ مسافت طے ہو چکی اور مروہ کی بلندی شروع ہو گئی تو آپ معمولی رفتار سے چلنے لگے یہاں تک کہ آپؐ مروہ پر چڑھ گئے اور جیسے آپؐ نے صفا پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کی کبریائی بیان کی تھی ویسا ہی یہاں بھی کیا۔

میں کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے فہم مبارک میں اس آیت سے یہ بات پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے جو مروہ پر صفا کے ذکر کو مقدم کیا ہے اُس سے شروع کے ساتھ مذکور کا مطابق کرنا منظور ہے اور تمام وظائف میں سے ان وظائف کا مخصوص کرنے کا سبب جس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے ایفاء وعدہ اور دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کرنے کا بیان ہے یہ ہے کہ اُس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کی یاددہانی اور بعض معجزات کا اظہار اور شرک کی بیخ کنی اور اس بات کا بیان کہ یہ سب آپ کے قدموں کے نیچے ہے اور اس موقع خاص پر اللہ کے حکم اور اس کے دین کا اعلان پایا جاتا ہے اس کے بیان میں آپ نے فرمایا:

((**لو انی استقبلت من امری ما استدبرت لم اسقا الھدی و جعلنھا عمرۃ کان منکم لیس معہ ھدی فلحل..... الخ**)).

جو حال بعد کو معلوم ہوا ہے اگر پہلے معلوم ہوتا تو ہدی روانہ نہ کرتا اور حج کو عمرہ کر لیتا اب تم میں سے جس کے پاس ہدی نہیں ہے اُس کو احرام سے باہر آ جانا اور حج کو عمرہ کر دینا چاہیے۔''

کسی نے عرض کیا اسی سال کے لیے یا ہمیشہ کے لیے آپؐ نے فرمایا بلکہ ابدالآباد کے لیے یہ حکم ہے پس جتنے لوگ تھے احرام سے باہر آ گئے اور اپنے اپنے بال ترشوائے بجز آپؐ کے اور ان لوگوں کے جن کے پاس ہدی تھی۔ میرے نزدیک آپؐ کو چند امور کا انکشاف ہوا

ایک تو یہ کہ آنحضرت ﷺ کے قبل ایام حج میں عمرہ کو سخت گناہ جانتے تھے لہٰذا آپؐ نے کامل طور پر ان کی تحریف کا باطل کرنا چاہا اور ایک یہ کہ اس بات سے ان کے دل میں کھٹکا پیدا ہوتا تھا کہ ابھی جماع کرتے ہوں اور ابھی حج شروع کر دیں حتیٰ کہ انہوں نے یہ بات کہی کیا ہم عرفہ کو ایسی حالت میں چلے آئیں کہ ہمارے اعضاء سے منی ٹپکتی ہو اور ان کی یہ بات تعمق اور رائے زنی کے قبیلہ سے تھی لہٰذا آپؐ نے اس دروازے کو بند کرنے کا قصد فرمایا اور ایک یہ کہ حج کے قریب قریب احرام کے باندھنے میں بیت اللہ کی پوری پوری تعظیم پائی جاتی ہے اور ہدی کے روانہ کرنے سے احرام سے باہر آ جانا اس لیے منع ہوتا ہے کہ ہدی کا روانہ کرنا ایسا ہے جیسے اس بات کا نظر کر لینا جب تک ہدی ذبح کی جائے گی میں اسی ہیئت پر قائم رہوں گا اور جس چیز کو انسان اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو صرف خیال ہی خیال ہوتا ہے یا ارادہ ہوتا ہے مگر کسی فعل کے ساتھ منضبط نہیں ہوتا تو ایسی بات کا اعتبار نہیں ہے اور جب اس ارادے کے ساتھ فعل کا بھی اقتران ہو جاتا ہے اور وہ ارادہ منضبط ہو جاتا ہے تو اس ارادے کی رعایت ضروریات سے ہو جاتی ہے اور انضباط صور مختلفہ میں ادنیٰ درجہ کا انضباط زبان سے کہہ دینے میں ہوتا ہے اور انضباط قوی جب ہوتا ہے جب زبان کے ساتھ ایک ظاہری فعل جو اس حالت کے ساتھ مخصوص ہے جس حالت کا اس شخص نے ارادہ کیا ہے علانیہ طور پر پایا جائے مثلاً ہدی کا روانہ کرنا۔

پھر جب ترویہ کا دن ہوا تو لوگ منیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور حج کا احرام باندھا اور آنحضرت ﷺ سواری پر سوار ہوئے اور منیٰ میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء و فجر کی نماز پڑھی پھر تھوڑی سی دیر ٹھہرے رہے حتیٰ کہ آفتاب برآمد ہوا بعد ازاں وہاں سے چل کر نمرہ (ایک مقام کا نام ہے) میں نزول فرمایا۔ میں کہتا ہوں ترویہ کے دن منیٰ کے جانے کا آپؐ نے اس لیے ارادہ کیا تاکہ آپ کو اور نیز اپنے ساتھیوں کو آسانی رہے۔ کیونکہ اُس دن خلقت کا انبوہ کثیر ہوتا ہے اور ضعیف و مریض ہر قسم کے لوگ اس میں ہوتے ہیں لہٰذا اُن کے لیے آسانی کرنا مناسب ہے مگر عرفہ میں وقت سے پہلے آپ ﷺ تشریف نہیں لائے اس خیال سے کہ لوگ اُس کو سنت نہ سمجھنے لگیں اور اس بات کا اعتقاد نہ کرنے لگیں کہ قبل از وقت عرفہ میں آ جانا موجب قربت کا ہے پھر نمرہ میں پہنچ کر جب آفتاب خوب روشن و بلند ہو گیا تو آپؐ نے اپنی سواری شریف کے لیے جس کا نام قصوہ تھا حکم دیا چنانچہ سواری کسی گئی اور آپؐ سوار ہو کر میدان میں تشریف لے آئے اور وہاں آپؐ نے خطبہ پڑھا اُس دن کے خطبہ میں سے اس قدر لوگوں کو یاد رہ گیا ہے۔ ((**ان دماء کم حرام .... الخ**)) یعنی تمہارے خون تمہارے اوپر حرام ہیں۔ بعد ازاں بلالؓ نے اذان پڑھی اس کے بعد اقامت کہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر کی ادا کی۔ پھر بلالؓ نے تکبیر کہی اور آپؐ نے صلوٰۃ عصر پڑھی اور اُن کے درمیان میں کچھ اور نماز نہ پڑھی۔

میں کہتا ہوں اس روز آپؐ نے خطبہ کے اندر ایسے احکام بیان فرمائے جن کی لوگوں کو حاجت ہے اور اُن کے معلوم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کیونکہ یہ دن اجتماع خلائق کا ہوتا ہے اور ایسی فرصت اسی قسم کے احکام کے لیے مغتنم ہوتی ہے جن کی تکلیف تمام خلقت کے لیے مقصود ہوتی ہے اور ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو آپؐ نے اس لیے اکٹھا پڑھا کہ اس روز لوگوں کا ایسا جماد ہوتا ہے کہ بجز اس مقام کے نظر نہیں پڑتا اور شارع کو ایک جماعت کا ہونا مقصود ہے اور خاص کر ایسے انبوہ کثیر میں ایک جماعت کا قائم کرنا ضرور ہے

تاکہ تمام حاضرین اُس کا معائنہ کریں اور دو وقتوں کے اندر ان لوگوں کا اجتماع سہل نہیں ہے اور نیز یہاں پر لوگ ذکر و دعا میں مشغول رہتے ہیں اور یہ اُمور اسی روز کا وظیفہ ہیں اور اوقات کی پابندی تمام سال کا وظیفہ ہے اور ایسی صورت میں اس چیز کو ترجیح ہوتی ہے جو ایک نادر اور عجب امر ہے پھر آپ وہاں سے سوار ہو کر موقف میں تشریف لائے اور رُو بقبلہ کھڑے رہے حتیٰ کہ آفتاب غروب ہوا اور زردی کم ہوگئی بعد ازاں وہاں سے علیحدہ ہوئے غروب کے بعد آپ وہاں سے اس لیے علیحدہ ہوئے تا کہ جاہلیت کی تحریف باطل ہو جائے کیونکہ اہل جاہلیت غروب سے پہلے وہاں سے ہٹ جاتے تھے دوسرے یہ کہ غروب سے پہلے کا وقت کوئی معین وقت نہیں ہے اور بعد الغروب ایک معین چیز ہے اور ایسے وقت میں ایسی چیز کا حکم دینا چاہیے جس میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو پھر وہاں سے چل کر مزدلفہ میں تشریف لائے اور وہاں پر مغرب کو عشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھی اور کوئی نفل نماز اُن کے درمیان میں نہیں پڑھی بعد ازاں ٹھہرے حتیٰ کہ فجر ہوئی تو آپ نے فجر کی نماز جب صبح روشن ہوئی ایک اذان اور ایک اقامت سے ادا کی پھر قصوہ پر سوار ہو کر مشعر حرام میں تشریف لائے اور رو بقبلہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور تکبیر پڑھی لا الہ الا اللہ کہا اور اس کی توحید بیان کی اور برابر کھڑے رہے یہاں تک کہ روشنی ہوگئی پھر آفتاب برآمد ہونے سے پیشتر وہاں سے چل کر بطن محشر میں تشریف لائے اور سواری کو کچھ کچھ تیز کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ کی شب میں تہجد کی نماز اس لیے نہیں پڑھی کہ آنحضرت ﷺ جم غفیر کے اندر بہت سے مستحبات ترک کر دیا کرتے تھے تا کہ لوگ اس کو سنت نہ سمجھنے لگیں اور مشعر حرام کے قیام کا راز ہم بیان کر چکے ہیں اور بطن محشر میں سواری کے تیز کرنے کا یہ سبب ہے کہ وہ جگہ اصحاب فیل کے ہلاک ہونے کا مقام ہے۔ لہٰذا جس شخص کو اللہ تعالیٰ اور اس کی عظمت کا خوف ہے اس کو اس مقام میں خوف معلوم ہوتا ہے اور غضب الٰہی سے ڈر کر بھاگتا ہے اور چونکہ اس خوف کا معلوم کرنا ایک باطنی امر تھا اس لیے آپ نے ایک ظاہری فعل سے جو نفس کو خوف یاد دلاتا ہے اور اُس کو متنبہ کرتا ہے منضبط فرمایا پھر آنحضرت ﷺ جمرۃ العقبہ میں تشریف لائے اور سات سنگریزے اُس کی طرف پھینکے اور ہر ٹھیکری کے ساتھ تکبیر کہتے جاتے تھے بطن وادی سے کھڑے ہو کر ان کو پھینکا۔ میں کہتا ہوں اول دن رمی الجمار صبح کے وقت اور دونوں میں شام کے وقت ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اول روز قربانی اور حلق اور رخصت ہونے کا دن ہوتا ہے اور یہ سب کام بعد رمی الجمار کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا صبح کے وقت رمی الجمار ہونے میں ان کاموں کی بخوبی گنجائش پائی جاتی ہے اور باقی ایام تجارت اور بازاروں کی خرید و فروخت کے ہوتے ہیں اس لیے حوائج سے فراغت ہونے کے بعد رمی الجمار کرنے میں آسانی ہے اور آخروں میں حوائج ضروریہ سے اکثر فراغت ہوتی ہے اور رمی الجمار اور صفا مروہ کے مابین سعی کی اعداد طاق مقرر کرنے کا وہی سبب ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں یعنی عدد طاق اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور واحد حقیقی کا قائم مقام عدد میں بھی ہو سکتا ہے اور سات بھی ہو سکتا ہے لہٰذا سات سے اگر کفایت ہو سکے تو زیادہ اُس سے مناسب نہیں ہے۔ اور سنگریزوں کی مقدار اتنی اس لیے مقرر کی گئی کہ اُس سے چھوٹے محسوس نہ ہوتے اور اُس سے بڑے میں ایسے مقام پر ایذا پہنچنے کا احتمال ہے۔

پھر آنحضرت ﷺ منحر کی طرف تشریف لائے اور وہاں پر تریسٹھ بُدنے اپنے ہاتھ سے ذبح کئے پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو باقی بُدنے ذبح کرنے کے لیے چھری عطا فرمائی اور اپنی ہدی میں اُن کو شریک کیا اور ہر بُدنہ میں سے ایک ایک بوٹی لینے کا حکم دیا وہ

سب بوٹیاں ایک ہانڈی میں پکائی گئیں۔ حضور ﷺ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس میں سے کچھ بوٹیاں نوش فرمائیں اور کچھ شوربا پی لیا۔

میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے جو اپنے دست مبارک سے تریسٹھ ذبح کیے اُس میں نعمت کا شکرادا کرنا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی عمر کے ہر سال کے مقابل ایک اونٹ عطا فرمایا اور اُن کا گوشت کھانے اور شوربا پینے میں ہدی کی تعظیم اور اُس سے برکت حاصل کرنا مقصود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کی گئی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((**نحرف ههنا و منی کلها منحرٌ**)) الحدیث۔ میں نے اس جگہ قربانی کی ہے اور منیٰ سب کی سب قربانی کی جگہ ہے پس تم لوگ اپنے اپنے مقام پر قربانی کرو اور میں نے یہاں پر وقوف کیا ہے اور عرفہ سب کا سب موقف ہے اور میں نے یہاں وقوف کیا ہے اور جمع یعنی مزدلفہ وہ سب قیامگاہ ہے اور ایک روایت میں اُس کے بعد یہ بھی آیا ہے کہ مکہ کا ہر ایک کوچہ طریق ومنحر یعنی قربانی کی جگہ ہے۔ میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے ان افعال میں جن کو آپ تشریع احکام کے طور پر عمل میں لائے اور اُن میں جو آپ سے بحسب اتفاق یا کسی مصلحت کے اعتبار سے جو اُس روز کے ساتھ مخصوص تھی یا عمدہ ترین امور کے اختیار کرنے کے طور پر عمل میں آئے فرق کر دیا۔

پھر رسول اللہ ﷺ سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف چلے اور مکہ میں ظہر کی نماز پڑھ کر طواف کیا اور آپ زمزم نوش فرمایا۔ میں کہتا ہوں کہ بیت اللہ کی طرف جلدی کرنے کا یہ سبب ہے تا کہ اول وقت عبادت عمل میں آئے دوسرے یہ کہ ہر وقت انسان کو کسی مانع کے پیش آنے کا احتمال ہے اور آب زمزم آپؐ کے نوش فرمانے میں شعائر الٰہی کی تعظیم اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے جو ایک چیز ظاہر کی ہے اُس سے برکت حاصل کرنا ہے پھر جب منیٰ کے دن گزر گئے تو آپؐ نے ابطح میں نزول فرمایا اور طواف الوداع کر کے تشریف لے گئے میں کہتا ہوں ابطح میں نزول فرمانے کے اندر اختلاف ہے آپ کا یہ نزول فرمانا عبادت تھا یا عادت۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابطح کے اندر اترنا سنت نہیں ہے۔

وہ اُمور جو حج کے ساتھ متعلق ہیں

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ حجر اسود جنت سے اتارا گیا ہے اور وہ دودھ سے بدرجہا زیادہ سپید تھا پھر بنی آدم کے گناہوں نے اُسے سیاہ کر دیا ہے اور آپؐ نے اُس کے باب میں فرمایا ہے کہ قسم اللہ کی اللہ تعالیٰ اُس کو قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی۔ جس سے دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے بولے گا اور جس نے بوجہ اللہ بوسہ دیا ہے اُس کی شہادت بیان کرے گا اور آپؐ نے فرمایا ہے کہ رکن یمانی اور مقام دو یاقوت ہیں میرے نزدیک یہ احتمال ہے کہ واقع میں یہ جنت سے لائے گئے تھے لیکن جب زمین پر نصب کیے گئے تو حکمت کا مقتضی یہ ہوا کہ بحسب مزاج زمین کے ان میں رعایت کی جائے اس لیے ان کا نور سلب کر دیا گیا اور یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ ان دونوں کی عظمت کی طرف ملائکہ کی توجہ اور ملاء اعلیٰ اور صالحین کی ہمتوں کے متعلق ہونے کے سبب سے ان کے ساتھ ایک قوت مثالیہ کا اختلاط ہوا ہے حتیٰ کہ وہ قوت مثالیہ اُن کے اندر قوت ملکیہ ہو گئی ہے اور حضرت ابن عباسؓ کے اس قول میں محمد بن حنیفہ کے اس قول میں کہ زمین کے پتھروں میں سے وہ ایک پتھر ہے توفیق کی یہی صورت ہے اور ہم

نے آنکھوں سے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ بیت اللہ قوت ملکیہ سے بھرا سا معلوم ہوتا ہے اس لیے ضروری ہوا کہ عالم مثال میں حجر اسود کو آنکھیں اور زبان جو جاندار چیزوں کے لوازم میں سے ہیں عطا کی جائیں اور چونکہ حجر اسود سے مومنین کا ایمان اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنے والوں کی تعظیم معلوم ہوتی ہے لہٰذا ضرور ہوا کہ اس زبان میں شہادت کی صورت کے ساتھ اُس کا ظہور ہو جیسا کہ پیرو ہاتھ کے گویا ہونے کا راز ہم نے بیان کیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے ((**من طاف هذا البيت اسبوعا يحصيه .... الخ**)) جس شخص نے اس گھر کا سات مرتبہ شمار کر کے طواف کیا۔ اور دو رکعت نماز پڑھی تو یہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہوا۔ اور کوئی شخص اپنا قدم نہیں رکھتا اور نہ اُس کو اٹھاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اُس کے مقابل میں ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک گناہ دُور کرتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے میرے نزدیک اس فضیلت کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ طواف کرنا۔ چونکہ رحمت الٰہی اور ملائکہ کی دعاؤں کے اندر داخل ہونے کا شبہ اور اس کا مظنہ ہے لہٰذا اس کی خاصیت قریبہ کو ذکر فرمایا اور دوسرے یہ کہ جب انسان اللہ تعالیٰ پر یقین رکھ کر اور اُس کے وعدے کو سچا سمجھ کر ان افعال کو عمل میں لاتا ہے تو اس سے اُس کا ایمان ظاہر اور عیاں ہو جاتا ہے اور آنحضرت نے فرمایا ہے:

((ما من يوم اكثر من ان يعتق الله فيه عبدا من النار من يوم عرفة و انه ليد نوثم يباهي بهم الملائكة)).

''عرفہ کے دن سے زیادہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو دوزخ سے آزاد کرے اور اس دن اللہ تعالیٰ قریب ہو جاتا ہے پھر اپنے بندوں سے فرشتوں پر فخر بیان کرتا ہے۔''

میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ جب تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف تضرع و نیاز مندی کرتے ہیں تو رحمت کے نازل ہونے اور روحانیت کے اُن کے اندر پھیل جانے میں کچھ توقف نہیں ہوتا اور نیز آپؐ نے فرمایا ہے:

((خير الدعاء دعاء يوم عرفه و خير ما قلت انا والنبيون من قبلي لا اله الا الله وحده لا شريك له .... الخ)).

''بہتر دعا عرفہ کی دعا ہے اور بہتر بات جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے کہی ہے **لا اله الا الله وحده لا شريك له.... الخ** ہے۔''

اس کا سبب یہ ہے کہ یہ کلمہ ذکر کے بہت سے اقسام کا جامع ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے بہت سے مقامات اور بہت سے اوقات میں اس کی اور **سبحان الله والحمد لله**.... الخ کی لوگوں کو رغبت دلائی ہے چنانچہ دعاؤں کے بیان میں اس کا ذکر آتا ہے اگر کوئی شخص حج کو نہ جائے تب اُس کو ہدی بھیجنا سنت ہے۔ تاکہ حتی المقدور اعلاء کلمۃ اللہ کی اقامت ہو اور آنحضرت ﷺ نے سر منڈانے والے کے لیے تین مرتبہ اور ترشوانے والے کے لیے ایک مرتبہ دعا کی تاکہ سر منڈانے کی فضیلت ظاہر ہو جائے اور اس کا سبب یہ ہے کہ سر کا منڈانا گرد و غبار کے دُور کرنے کے قریب ہے جو بادشاہوں کے حضور میں جانے والوں کی حالت کے مناسب ہے اور عبادت کا اثر بھی اس میں کچھ دیر تک باقی رہ سکتا ہے اور کچھ زمانے تک لوگوں کو اس کا اثر معلوم ہوتا ہے اور اُس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت پر خبردار کرنا ہے اور آپؐ نے عورت کو سر منڈانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ عورت کے حق میں سر کا منڈانا مثلہ (جس

کے ناک کان کٹ جائیں) اور مردوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے۔ جس شخص نے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈالیا یا قبل از رمی الجمار قربانی کی یا شام ہونے کے بعد رمی الجمار کے یا سر منڈانے سے پہلے طواف الافاضہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے اُس کے لیے یہ فتویٰ دیا کہ کچھ مضائقہ نہیں ہے اور کفارہ کا اُس کو حکم نہیں دیا اور حاجت کے وقت سکوت کرنے کو بیان کرنے کا حکم ہوتا ہے اور کاش مجھ کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ استحباب بیان میں (لاحرج) کے لفظ سے کوئی اور لفظ صریح الدلالۃ ہے۔

اگر شدائد کے وقت رخصتوں کا بیان نہ کیا جائے تو تشریع کامل نہیں ہوتی منجملہ شدائد کے وہ تکلیف ہے کہ احرام کے اندر جو چیزیں حرام کی گئی ہیں تو اُس تکلیف کے سبب سے اُس کو اُن چیزوں سے بچنا دُشوار ہو اُس کے متعلق اللہ پاک فرماتا ہے۔

﴿فَمَنْ كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾

''پس تم سے ایک شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ دُکھ ہو تو روزوں سے یا صدقے سے یا قربانیوں سے اس کا فدیہ دو۔''

اور نیز آپؐ نے کعبؓ بن عجرہ سے فرمایا:

فاحلق راسك و اطعم فرقا .... الخ

''اپنے سر کو منڈالے اور ایک فرق (ایک وزن کا نام ہے) مساکین کو کھلا دے۔''

اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رخصت کے اقسام میں سے دوقسم بہتر ہے کہ جس کے ساتھ کوئی ایسی چیز مقرر کر دی جائے جو اصل عبادت کی یاددہانی کرتی رہے اور جس شخص نے اصل عبادت کی عظمت کا التزام کر رکھا تھا اس عبادت کے چھوڑتے وقت اُس کو اضطرابی نہ ہو اور وجوب کفارہ میں جو زیادتی کی گئی ہے وہ بطریق اولیٰ اس پر محمول ہے۔

منجملہ ان شدائد کے ایک احصار ہے۔ اس میں آنحضرت ﷺ نے یہ طریقہ مقرر کیا کہ جب بیت اللہ کے جانے سے کفار قریش نے آپ ﷺ کو روکا تو آپؐ نے اپنی ہدایا کی قربانی کی اور سر مبارک منڈوایا اور احرام سے باہر تشریف لائے۔ مکہ اور مدینہ کے حرم میں یہ راز ہے کہ ہر چیز کے لیے ایک خاص تعظیم ہوتی ہے کسی زمین کی تعظیم یہ ہے کہ اُس میں کسی چیز سے تعرض نہ کیا جائے اور اصل یہ تعظیم بادشاہوں کی حد اور اُن کی شہر پناہوں سے ماخوذ ہے جب کوئی قوم ان کی فرمانبردار ہوتی ہے اور اُن کی اطاعت و تعظیم کرتی ہے تو اُن کے مطیع ہونے میں یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ وہ اپنے اُوپر اس بات کو مقرر کر لیتی ہے کہ ان حدود کے اندر جو درخت و چارپائے وغیرہ ہیں اُن سے ہم کچھ تعرض نہ کریں گے اور حدیث شریف میں آیا ہے: ((ان لكل ملك حمى و ان حمى الله محارمه)) یعنی ہر ایک بادشاہ کے لیے باڑ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی باڑ اُس کے محارم ہیں اس بات کو سب لوگ جانتے ہیں۔ اور اُن کے دلوں میں یہ بات مرکوز ہوتی ہے اور حرم کا ادب ایک یہ بھی ہے کہ جو چیز غیر حرم میں واجب ہے مثلاً عدل کا قائم کرنا یا جو چیز حرام ہے حرم کے اندر اُس کے اور تحریم کی نہایت تاکید کی جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((احتكار الطعام فى الحرم الحاد فيه)) یعنی حرم کے اندر غلہ کا بند کرنا اس میں الحاد کرنا ہے اور اللہ پاک فرماتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ﴾

''اے ایمان والو احرام کی حالت میں شکار مت مارو۔''

میں کہتا ہوں چونکہ حرم واحرام کے اندر شکار اور احرام کے اندر جماع کرنا ایک قسم کی افراط ہے جس کا راز خواہش نفسانی کے اندر ہے تو غل پر ہے۔ لہٰذا کفارہ مقرر کر کے اس سے روکنا ضروری ہوا شکار کی جزا میں اختلاف ہے کہ خود شکار کے لحاظ سے مثلیت کا اعتبار کرنا چاہیے یا قیمت کے لحاظ سے اور حق یہ ہے کہ دو عادل شخصوں سے یہ بات دریافت کی جائے ایسی صورتوں میں جو سلف رائے دیا کرتے تھے اگر وہ رائے دیں تو اُس پر عمل کرنا چاہیے اور اگر قیمت تجویز کریں تو قیمت دینی چاہیے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((لا يصبر على لاواء المدينة احد من امتى الا كنت له شفيعا يوم القيامة)).

''میری امت میں سے مدینہ کی تکلیف پر کوئی شخص صبر نہ کرے گا مگر میں بروز قیامت اُس کا شفیع ہوں گا۔''

میرے نزدیک اس فضیلت میں یہ راز ہے کہ مدینہ کا آباد کرنا شعائر دین کا بلند کرنا ہے اور یہ ایسا فائدہ ہے جس کا نتیجہ دین کی طرف راجع ہوتا ہے اور ان مواضع میں حاضر ہونے اور مسجد نبوی میں داخل ہونے سے آنحضرت ﷺ کے حالات یاد آتے ہیں جس کا فائدہ اس مکلف کی ذات کی طرف راجع ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((ان ابراهيم حرم مكة فجعلها حراما و انى حرمت المدينة))

''ابراہیم نے تو مکہ کو عزت دی اور اُس کو حرم بنا دیا اور میں نے مدینہ کو حرم بنا دیا۔''

میں کہتا ہوں اس حدیث میں اشارہ ہے کہ کوشش اور پختہ ارادے سے آنحضرت ﷺ کے دعا مانگنے کو توقیتات کے مقرر ہونے میں اثر عظیم ہے۔

اُن احادیث کا بیان جو احسان کے متعلق وارد ہیں

معلوم کرو کہ شارع نے بندوں کو بالذات جن امور کے ساتھ خواہ بطور ایجاب خواہ بطور تحریم کے مکلف کیا ہے وہ اعمال ہیں اس لیے کہ اعمال ان حالات نفسانیہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ جن کا نفع ونقصان آخرت میں نفوس کی جانب عائد ہوتا ہے اور یہ اعمال اُن کیفیات نفسانیہ کو بڑھاتے ہیں اور اُن کیفیات نفسانیہ کا بیان اور اُن کے لیے صور ہوتے ہیں ان اعمال سے دو طرح پر بحث کی جاتی ہے ایک تو اس اعتبار سے کہ تمام لوگوں پر اُن کا عمل میں لانا لازم ہوتا ہے اور اس اعتبار سے ان اعمال اور ظاہری طریقوں کا اختیار کرنا مقصود ہوتا ہے جن کا ظاہر و باطن متمیز نہیں ہوتا اور اُن کیفیات پر یہ اعمال بمنزلہ قرائن کے ہوتے ہیں اور ان اعمال کا لوگوں سے سب کے روبرو مطالبہ کیا جاتا ہے اور ان کو اس اعمال سے بچنے اور عذر کرنے کا موقع نہیں ہوتا ایسے اعمال کی بناء درمیانی حالت اور اُمور منضبط پر ہوتی ہے اور دوسری قسم ان اعمال سے لوگوں کے نفس کو مہذب کرنا ہے اور جو کیفیت ان اعمال سے مطلوب ہوتی ہے اس تک نفس کا پہنچانا اس اعتبار سے ان کیفیات کا معلوم کرنا اور ان اعمال کا اس طرح پر معلوم کرنا کہ وہ ان کیفیات کی طرف پہنچانے میں مقصود ہوتا ہے اور ان کا بناء وجدان اور مکلفین کے اختیار میں دے دینے پر ہوتا ہے پہلے اعتبار سے جس علم میں ان اعمال سے بحث کی جاتی ہے وہ علم شرائع ہے اور جس علم میں دوسرے اعتبار سے بحث کی جاتی ہے وہ علم علم الاحسان ہے۔ مباحث احسان میں نظر کرنے والے کو دو چیزوں کی حاجت ہوتی ہے ایک تو اعمال کو اس طرح پر معلوم کرنا جس طرح کیفیات نفسانیہ ان سے پیدا ہوتی ہیں

کیونکہ بسا اوقات ریاء اور سمعہ یا عادت کے طور پر کوئی عمل ادا کیا جاتا ہے یا اُس کے ساتھ خود پسندی اور منت اور ایذا رسانی پائی جاتی ہے ایسے وقت میں اس عمل سے وہ چیز حاصل نہیں ہوتی جو اُس عمل سے منظور ہوتی ہے اور بسا اوقات کوئی عمل اس طرح پر ادا کیا جاتا ہے کہ نفس کو اس عمل کی روح پر وہ متنبہ حاصل نہیں ہوتا جو محسنین کو حاصل ہونا چاہیے اگرچہ بعض نفس اُس کے مثل پر متنبہ ہو جاتے ہیں مثلاً وہ شخص کہ جو اصل فرائض پر اکتفاء کرتا ہے اور کماً یا کیفاً ان پر زیادہ نہیں کرتا وہ شخص زکی نہیں ہے اور دوسرے ان ہیات نفسانیہ کا کامل طور پر معلوم کرنا تا کہ بصیرت کے ساتھ ان اعمال کو عمل میں لا سکے وہ شخص اپنے نفس کا طبیب ہوتا ہے جس طرح طبیب کو طبیب پر حکومت ہوتی ہے ایسے ہی اسی شخص کو اپنے پر حکومت ہوتی ہے کیونکہ جو شخص اس بات کو نہیں جانتا کہ آلات سے کیا مقصود ہے تو وہ شخص جب اُن آلات کو برتتا ہے تو اندھی اونٹنی کی طرح بدحواس ہو جاتا ہے یا اُس کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جو رات کے وقت لکڑیاں چنتا پھرتا ہے۔ جس اخلاق سے اس فن میں گفتگو کی جاتی ہے اُن کے چار اصول ہیں چنانچہ سابقاً اُس سے آگاہ کر چکے ہیں ایک تو طہارت جس کے سبب سے تشبیہ بالملکوت حاصل ہوتی ہے اور ایک فرمانبرداری جو جبروت پر اطلاع یابی کا سبب ہوتی ہے پہلے امر کے لیے وضو اور غسل اور دوسرے کے لیے نماز اور اذکار اور تلاوت مقرر کی گئی۔ اور جب دونوں باتیں جمع ہو جاتی ہیں تو ہم اس کو سکینہ اور وسیلہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں چنانچہ حذیفہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حق میں ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب میں سے محفوظ لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ وہ یعنی عبداللہ بن مسعودؓ سب سے زیادہ وسیلہ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں اور شارع نے طہارت کو ایمان سے تعبیر کیا ہے اور فرمایا ہے ((**الطهارة شطر الايمان**)) اور آنحضرت ﷺ نے طہارت کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے: ((**ان الله نظيف يحب النظافة**)) اللہ تعالیٰ پاک ہے پاکی کو پسند کرتا ہے اور دوسرے کی طرف اس قول سے اشارہ فرمایا ہے: ((**الاحسان ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك**)) احسان اس کا نام ہے کہ تو اللہ کی بندگی کرے گویا کہ تو اُس کو دیکھتا ہے پس اگر تو اس کو نہیں دیکھتا ہے تو وہ تجھ کو دیکھتا ہے طہارت کے حاصل کرنے میں اُن عبادات کا جو انبیاء علیہم السلام سے ماثور ہیں اختیار کرنا اور اُن کی ارواح اور انوار کا لحاظ کرنا اور کثرت سے ان کو عمل میں لانا اور اُن کی ہیات و اذکار کا خیال رکھنا ضروری ہے پس طہارت کی روح باطن کا منور ہونا اور انس و سرور کی حالت کا پیدا ہونا اور افکار ردیہ کا دور ہونا اور تشویشات و پراگندگی و پریشانی و افکار کا رک جانا ہے اور نماز کی روح اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور اور جبروت پر اطلاع یابی اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی یادداشت اور اس کے ساتھ تعظیم تعظیم کے ساتھ محبت و اطمینان ہے آنحضرت ﷺ کے اس قول میں ((**الاحسان ان تعبد الله .... الخ**)) اس طرف اشارہ ہے اور آپ نے نفس کو نماز کے حاوی ہونے کی کیفیت پر اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ اللہ پاک فرماتا ہے نماز کو اپنے اور بندے کے مابین نصف نصف تقسیم کر لیا ہے۔ **ولعبدي ما سال** اور میرے بندے کے لیے وہ چیز ہے جو مانگے پس جب بندہ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** کہتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے میرے بندے نے بڑائی و بزرگی بیان کی اور جب کہتا ہے **اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ** تو فرماتا ہے میرے اور میرے بندے کے مابین یہ مشترک ہے اور جو میرا بندہ مانگے اس کے لیے موجود ہے اور جب بندہ کہتا ہے **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ.... الخ** تو فرماتا ہے کہ یہ میرے بندہ کے لیے ہے اور میرا بندہ جو مانگے موجود ہے اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر کلمہ پر جواب کا لحاظ رکھنا

چاہیے کیونکہ اس سے حضور قلبی پر نفس کو تنبیہ بلیغ ہوتی ہے اور وہ دُعائیں جو آپ نے نماز کے اندر مقرر فرمائی ہیں اور حضرت علیؓ وغیرہ کی حدیث میں مذکور ہیں اُن میں بھی اسی کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔

تلاوتِ قرآن کی روح یہ ہے کہ شوق و تعظیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور قرآن کی نصیحتوں میں غور و فکر کرتا جائے اور قرآن کی امثال و قصص سے عبرت حاصل کرتا جائے اور جب اللہ تعالیٰ کی کسی صفت اور اُس کی نشانی پر گزرے سبحان اللہ کہے اور جب جنت و رحمت کی آیت پڑھے اللہ تعالیٰ سے فضل کا خواستگار ہو اور جب جہنم اور غضب کی آیات پر گزرے پناہ طلبگار ہو یہ وہ امور ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے نفس کو نصائح کے خوگیر ہونے کے لیے مقرر فرمایا ہے اور ذکر کی روح حضور اور اللہ تعالیٰ کی جبروتیت میں مستغرق ہو جانا ہے اور یہ بات اس طرح پر حاصل ہو سکتی ہے کہ کہے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر پھر اللہ تعالیٰ سے اس کا جواب سنے اُس کے جواب میں فرماتا ہے لا الہ الا اللّٰہ الا و انا اکبر پھر کہے لا الہ الا انا وحدہ لا شریك لی اور اسی طرح کیا کرے حتیٰ کہ حجاب دفع ہو۔ اور استغراق حاصل ہو جائے۔ اور آنحضرت ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور دعا کی روح یہ ہے کہ اس بات کا خیال کرے کہ ہر چیز سے روکنا اور ہر چیز کی قدرت دینا اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور اپنے آپ کو ایسا سمجھے جیسے نہلانے والے کے ہاتھ میں مردہ ہوتا ہے یا جس طرح کسی کے ہاتھ میں مورت ہوتی ہے اس کو جیسے چاہتا ہے حرکت دیتا ہے اور مناجات کی لذت اُس کو حاصل ہو اور آنحضرت ﷺ نے تہجد کی نماز کے بعد اُس کے شفعوں کے مابین ایک بہت بڑی دعا بیان کی ہے کہ بندہ دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ اے پروردگار اے پروردگار کہتا جائے اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا سوال کرے اور مصائب سے پناہ مانگے اور نہایت تضرع و نیازمندی سے دعا مانگے پھر اس میں یہ شرط ہے کہ اس کا دل سب امور دنیوی سے فارغ ہو اور بول و براز کی حاجت اور اشتہاء طعام سے فراغت ہو اور نہ غصہ کی حالت ہو پس جب انسان حضور قلبی کی کیفیت معلوم کرلے اور پھر وہ حضور اس کو حاصل نہ ہو تو اس حضور کے جاتے رہنے کا سبب اس کو سوچنا چاہیے اگر قوت جسمانی اس کا باعث ہے تو اس کو روزہ رکھنا چاہیے کیونکہ روزے سے قوائے جسمانی ضعیف ہو جاتے ہیں بسا اوقات دو مہینہ کے پے در پے روزے رکھنے سے یہ بات حاصل ہو سکتی ہے اور اگر جماع کی خواہش ہے یا کھانے پکانے سے فارغ ہونے کی حاجت ہے اور اس کو عبادت کا سرور جاتا رہا ہے اور اُس کا اعادہ چاہتا ہے تو اس کو نکاح کرنا چاہیے تاکہ جماع کی حاجت دفع ہو سکے مگر لذائذ اور اختلاط میں منہمک ہونے سے باز رہے اور اُس کو بمنزلہ دوا کے سمجھے جس کے نقصان سے محفوظ رہنا اور نفع سے تمتع حاصل کرنا چاہیے اور اگر تدابیر ضروریہ اور لوگوں کی مصاحبت میں مشغول رہتا ہے تو اُن کے ساتھ عبادت کا بھی شامل کرنا ضروری خیال کرے اور اگر اُس کے دماغ میں خیالات مشوشہ اور افکار ناقصہ بھرے ہوئے ہیں تو اُس کو لوگوں کی ملاقات ترک کر کے گھر یا مسجد میں خلوت نشینی اور اپنی زبان کو بجز ذکر الٰہی کے اور اپنے قلب کو بجز اُس فکر کے کہ جس کے وہ درپے ہے روکنا چاہیے اور نیند سے بیدار ہوتے وقت ذکر الٰہی کی عادت ڈالنا چاہیے تاکہ بیدار ہونے کے بعد سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر اُس کے قلب میں داخل ہو اور سوتے وقت بھی ایسا ہی کرنا چاہیے تاکہ تمام اشغال سے دل کو فراغت ہو جائے اور ان چار اصول میں سے تیسرا دل کی سماحت ہے۔ سماحت کے معنی یہ ہیں کہ قوت ملکی قوت بہیمی کے دواعی کے تابع نہ ہو۔ مثلاً لذت کا طلب کرنا اور انتقام لینے کی خواہش اور غضب اور بخل کی خواہش اور مال و جاہ کی حرص یہ ایسے امور ہیں کہ

جب انسان اُن کے موافق کام کرتا ہے تو اُن اعمال کی کیفیت کسی وقت قلب میں ظاہر ہوتی ہے پھر اگر نفس کے اندر سماحت کی صفت پائی جاتی ہے تو ان صفات رذیلہ کا ترک کرنا آسان ہوتا ہے اور یہ صفات ایسی ہو جاتی ہیں کہ گویا کبھی اُن کا نام بھی نہ تھا اور نفس خالص ہوکر خدائے تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہو جاتا ہے اور اُس انوار کے دریا میں مستغرق ہو جاتا ہے جن کو بذا تہا سرشت کے اعتبار سے نفوس مقتضی ہوتے ہیں۔ اور اگر نفس کے اندر سماحت کی صفت نہیں ہوتی تو ان اعمال کی کیفیت نفس کے اندر اس طرح ظاہر ہو جاتی ہے جس طرح موم میں مہر کے نقوش منقش ہو جاتے ہیں اور دنیاوی زندگی کا میل نفس کے اندر جم جاتا ہے اور ان کیفیات کا متروک ہو جانا نفس پر دشوار ہو جاتا ہے پھر جب نفس کو بدن سے مفارقت ہوتی ہے تو وہ بداعمالیاں ہر چہار طرف سے اُس کا احاطہ کرتی ہیں اور نفس اور اُن انوار کے مابین جو سرشت کے اعتبار سے نفس کے مقتضی ہوتے ہیں بہت سے غلیظ غلیظ پردے پڑ جاتے ہیں جس کے سبب سے نفس کو ایذا و تکلیف پہنچتی رہتی ہے۔ اس سماحت کو جب خواہش شکم اور شہوت فرج کے داعیہ کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کا نام عفت ہوتا ہے اور جب بے قراری اور اضطراب کے سبب کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس سماحت کا نام صبر ہوتا ہے اور جب انتقام کے سبب کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کا نام عفو ہوتا ہے اور جب مال کے سبب کے ساتھ ہو تو اس کا نام سخاوت اور قناعت ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان سب کے اصل نفس کا خواہش بہیمی کے تابع نہ ہونا ہے اور صوفیہ کرام اُس کو تعلقات دنیویہ کے قطع کرنے یا خصائص بشریہ کے فنا ہونے اور اسی قسم کے مختلف ناموں سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس صفت کے حاصل کرنے میں زیادہ ضروری ان اشیاء کے مواقع میں واقع ہونے سے احتیاط رکھنا اور دل سے ذکر الٰہی کا اختیار کرنا عالم تجرد کی طرف نفس کا میلان ہے چنانچہ زید بن حارثہ کا قول ہے میرے نزدیک دنیا کا پتھر و ڈھیلا سب برابر ہے حتیٰ کہ ان کی نسبت مکاشفہ کی خبر دی گئی ہے۔

چوتھی صفت عدالت ہے عدالت ایک ایسی کیفیت کا نام ہے کہ تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ وغیرہ کی اصلاح کے متعلق ایک نظام عادل بسہولت قائم ہوسکتا ہے اور اصل میں وہ جبلت نفسانی ہے جو افکار کلیہ اور اُن سیاستوں کے پیدا ہونے کا باعث ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ کے موافق ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ جہاں میں انتظام قائم رہے اور بعض بعض کی اعانت کریں اور کوئی کسی کو نہ ستائے اور باہم الفت و محبت سے رہیں جس طرح کہ ایک بدن کے اعضاء ہوتے ہیں کہ جب کسی عضو کو صدمہ پہنچتا ہے تو تمام اعضاء پر اُس کا اثر ہوکر بخار آ جاتا ہے اور سب کی نیند جاتی رہتی ہے اور نیز اُن کی نسل کا بڑھانا منظور ہے کہ اُن میں سے جو نافرمان ہیں اُن کی توبیخ کی جائے اور جو عادل ہیں اُن کی تعظیم کی جائے اور رسوم فاسدہ دُور ہوں اور بھلائی کی باتیں اور شرائع حقہ کا اُن میں دستور ہو اور اُس کے پیدا کرنے میں اللہ سبحانہ کے لیے قضائے اجمالی ہے اور یہ اُس کی شرح و تفصیل ہے اور ملائکہ مقربین نے اُس کو معلوم کرلیا ہے اور جو لوگ ان امور کی اصلاح میں سعی کرتے ہیں ان کے لیے ملائکہ دعا دیتے ہیں اور جو اُن کے فساد میں سعی کرتے ہیں اُن پر لعنت کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾

''جولوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور اچھے عمل کیے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن سے اس بات کا وعدہ کرلیا ہے کہ اُن کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن لوگوں کو اُس نے خلیفہ بنایا ہے جو ان سے پہلے تھے اور جس دین کو ان کے لیے پسند کیا ہے اس پر اُن کو قدرت دے گا اور اُن کے خوف کے بعد اُن کو امن بدلہ میں دے گا۔ مجھ کو پوجتے ہیں کسی کو میرا شریک نہیں کرتے اور جنہوں نے اس کے بعد کفر کیا وہی لوگ نافرمان ہیں۔''

اور فرماتا ہے۔

﴿ اَلَّذِیۡنَ یُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَ لَا یَنۡقُضُوۡنَ الۡمِیۡثَاقَ وَالَّذِیۡنَ یَصِلُوۡنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ.... الآیۃ﴾

''جولوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور عہد کو نہیں توڑتے اور جس چیز کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کو جوڑتے ہیں۔''

اور ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِیۡثَاقِهٖ وَ یَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ ﴾

''اور جولوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو بعد پختہ کرنے کے توڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے جوڑنے کا حکم دیا ہے اُس کو قطع کرتے ہیں۔''

جو شخص اس اصلاح کے کاموں کو عمل میں لاتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ملائکہ مقربین کی دُعا اُس کے شامل حال ہوتی ہے خواہ اُس شخص کو اُس کا گمان ہو یا نہ ہو اور ہر طرف سے نورانی شعائیں اس کو گھیر لیتی ہیں جس طرح شمس وقمر کی شعائیں انسان کو محیط ہو جاتی ہیں اس کے سبب سے بنی آدم اور ملائکہ کے قلوب میں اس شخص کے ساتھ محبت کا القاء ہوتا ہے تمام زمین و آسمان میں وہ شخص مقبول ہو جاتا ہے اور جب عالم تجرد کی طرف اُس کا انتقال ہوتا ہے تو یہ شعائیں جو اُس کے ساتھ متصل تھیں اُس کو محسوس ہوتی ہیں اور اُس شخص کو اُن کی لذت معلوم ہوتی ہے اور ایک قسم کی کشادگی اور قبولیت اُس کو نظر آتی ہے اور اس کے اور ملائکہ کے مابین ایک دروازہ کھل جاتا ہے اور جو شخص فساد کے کام عمل میں لاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا غضب اور ملائکہ کی لعنت اُس کو گھیر لیتی ہے اور اُس غضب سے تاریک تاریک شعائیں پیدا ہو کر اس شخص کے محیط ہو جاتی ہیں جس کے سبب سے ملائکہ اور مخلوق کے دلوں میں اُس کے ساتھ برا برتاؤ کرنے کا الہام ہوتا ہے اور تمام آسمان وزمین میں وہ شخص مبغوض ٹھہرتا ہے پھر جب عالم تجرد کی طرف اُس کا کوچ ہوتا ہے تو ان ظلمانی شعاعوں کو معلوم کرتا ہے اور وہ شعائیں اُس کو کاٹتی نظر آتی ہیں اور اس کی جان کو اُن سے الم اور ضیق ونفرت پیدا ہوتی ہے اور تمام جوانب سے وہ شخص گھر جاتا ہے اور باوجود فراخی کے زمین اُس پر تنگ معلوم ہوتی ہے عدالت کی صفت کا جب نشست و برخاست اور خواب و بیداری اور چلنے وپھرنے اور بولنے وچالنے اور لباس وشعار کی اوضاع کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کا نام ادب ہوتا ہے اور جب مال اور اُس کے جمع کرنے اور صرف کرنے کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے تو اس کا نام کفایت ہوتا ہے اور تدبیر منزل کے ساتھ اعتبار کرنے سے حریت اور تدبیر مدنیہ کے ساتھ سیاست اور عزیزوں کی اُلفت رکھنے کے ساتھ حسن محاضرت یا حسن

معاشرت اُس کا نام ہوتا ہے۔ عدالت کے حاصل کرنے میں زیادہ ضروری رحمت اور محبت اور نرم دلی اور اُس کے ساتھ افکار کلیہ کے تابع ہونا اور انجام کار پر نظر رکھنا ہے اور ان دونوں صفت یعنی سماحت و عدالت میں ایک قسم کا تنافر اور مخالفت ہے اس لیے کہ تجرد کی طرف قلب کا میلان اور اُس کے اندر رحمت و محبت کا ہونا اکثر لوگوں کے اعتبار سے یہ دونوں وصف جمع نہیں ہوتے خصوصاً ان لوگوں کے اندر جن کی قوت بہیمی و ملکی میں کشاکشی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ تم بہت سے اہل اللہ کو دیکھتے ہو کہ انہوں نے لوگوں سے قطع تعلق کر دیا ہے حتیٰ کہ اہل و عیال کو بھی چھوڑ دیا ہے اور لوگوں سے بالکل برطرف ہو گئے ہیں اور عوام لوگ شب و روز اہل و عیال کے ساتھ مشغول رہتے ہیں حتیٰ کہ اُن چیزوں نے اُن سے اللہ تعالیٰ کا ذکر بھلا دیا ہے اور انبیاء علیہ السلام دونوں مصلحتوں کی رعایت کا حکم دیتے ہیں اسی لیے ان دونوں صفتوں کے اندر ضبط مبہم اور تمیز مشکل کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے شرائع کے اندر جن اخلاق کا لحاظ ہے وہ یہی اخلاق ہیں اور بعد افعال اور کیفیات اور ہیئت ایسی بھی ہیں جو ان اخلاق اور ان اخلاق کی اضداد کا کام دیتی ہیں اس جہت سے کہ یہ افعال وغیرہ نفس کے اندر ملائکہ اور شیاطین کا مزاج پیدا کر دیتی ہیں۔ ملائکہ اور شیاطین کے دونوں قبیلوں میں سے ایک کی طرف نفس کے میلان سے یہ افعال وغیرہ پیدا ہوتے ہیں لہٰذا اُن کے متعلق حکم دیا جاتا ہے اور ہم نے کچھ اُس کا ذکر پہلے کیا ہے اور اسی باب سے آنحضرت ﷺ کا یہ قول ہے ((**ان الشیطان یاکل بشماله و یشرب بشماله**)) شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور فرمایا ہے: ((**الاجدع شیطان**)) یعنی ((**مقطوع الحجة**)) اور فرمایا ہے ((**الا تصفون کما تصف الملائکة**)) جس طرح فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں تم اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے۔

اور آنحضرت ﷺ نے ان اعمال کا حکم دیا ہے جو ان اخلاق کی علامات ہیں چنانچہ ایسے اذکار کا آپؐ نے حکم دیا ہے جن سے ہر وقت اجتناب اور فرمانبرداری اور تضرع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور صبر کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور موت اور آخرت کی یاد کرنے کی رغبت دلائی اور اُن کی آنکھوں کے سامنے دنیا کی ناپائیداری ثابت کی اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظیم الشان قدرت میں فکر کرنے کا اُن کو شوق دلایا کہ سماحت کی صفت اُن کے اندر پیدا ہو۔ اور مریض کی عیادت اور باہم سلوک اور صلہ کرنے اور سلام کا رواج ڈالنے اور حدود کے قائم کرنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کا ان کو حکم دیا تاکہ عدالت کی صفت اُن کے اندر پیدا ہو جائے اور ان افعال اور کیفیات کا پورے پورے طور پر بیان کیا اللہ تعالیٰ اس نبی کریم ﷺ کو ہماری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے ایسا بدلہ دے جس کے وہ لائق ہے جب یہ اصول تم کو معلوم ہو گئے تو ہم اب کسی قدر تفصیل کرنے میں مشغول ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

اذکار اور اُس کے متعلقات کا بیان

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے

((**لا یقعد قوم یذکرون الله الا حفتهم الملائکة و غشیتهم الرحمه**))

''کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کے لیے نہیں بیٹھتی مگر ملائکہ اُن کو گھیر لیتے ہیں۔ اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے۔''

میں کہتا ہوں یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور اُس کے ذکر کے ساتھ مسلمانوں کا اجتماع رحمت اور سکینہ بلا لیتا ہے اور ملائکہ سے قریب کر دیتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((سبق المفردون)) مفرد لوگ آگے ہو گئے۔ میں کہتا ہوں سابقین میں سے ایک گروہ کا نام مفردین ہے کیونکہ یاد اور ذکر نے اُن پر سے بار ہٹا کر ان کو ہلکا کر دیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((قال تعالٰی انا عند ظن عبدی بی و انا معه اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی و ان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منه))۔

''اللہ پاک فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو اُس کو میرے ساتھ ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے میں اُس کے ساتھ ہوں پھر اگر اپنے جی میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں اپنے جی میں اُس کو یاد کرتا ہوں اور اگر جلسہ میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر جلسہ میں اس کو یاد کرتا ہوں۔''

میں کہتا ہوں بندے کی سرشت جو اخلاق اور علوم کا منشا ہوتی ہے اور وہ کیفیات جس کو نفس حاصل کرتا ہے اس رحمت کے مخصص ہوتی ہے جو اس بندے کے لیے خاص ہے پس بہت سے لوگ جن کے اندر سماحت کی صفت پائی جاتی ہے اس بات کی اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہ دُور کر دے گا اور ذرا ذرا سی بات پر ہم پر مواخذہ نہ کرے گا اور سماحت کا برتاؤ ہمارے ساتھ کرے گا ایسے شخص کی یہ امید اُس کے گناہوں کے دُور ہو جانے اور نفس کے صاف ہو جانے کا سبب ہو جاتی ہے اور بہت سے بخیل اور حریص مزاج آدمی اپنے پروردگار سے اس بات کا گمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ذرا ذرا سی بات کا مواخذہ اور جز رس لوگوں کا سا معاملہ کرے گا اور گناہوں سے درگزر نہ کرے گا اور یہ بات دنیاوی ہئیات کے اعتبار سے دل میں زیادہ تر بیٹھ جاتی ہے اور بعد از مرگ یہ کیفیت چاروں طرف سے اُس کو گھیر لیتی ہے مگر یہ فرق صرف ان امور کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے کہ خطیرۃ القدس میں جن کی نسبت کوئی تاکیدی حکم نہیں ہوتا اور کبائر اور اُن کے قریب قریب گناہوں کے اعتبار سے صرف بالا جمال اُس کا اثر کچھ ظاہر ہوتا ہے اور اللہ پاک کے یہ فرمانے میں کہ میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں معیت قبول اور خطیرۃ القدس میں ایک شان کے ساتھ ہونے کی طرف اشارہ ہے جب بندہ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور اُس کے انعامات میں غور کرنا شروع کرتا ہے تو اس کے بدلہ میں اس راستہ سے اللہ تعالیٰ اس کے لیے حجابات دُور کر دیتا ہے اور چلتے چلتے اُس تجلی تک جا پہنچتا ہے جو خطیرۃ القدس کے اندر قائم ہوتی ہے اور جب کسی جلسہ میں اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے اور اس کی غرض دین اسلام کی اشاعت اور اعلاء کلمۃ اللہ ہوتی ہے تو اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ ملاء اعلیٰ کے قلوب میں اس کی محبت کا القا فرماتا ہے اور وہ اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور برکت کے طالب ہوتے ہیں بعد ازاں زمین پر بھی وہ بندہ مقبول ٹھہرایا جاتا ہے مگر بہت سے عارف باللہ ایسے ہیں کہ معرفت کے درجہ تک اُن کو وصول ہو گیا ہے لیکن نہ تو زمین پر اُن کو لوگ مانتے ہیں اور نہ ملاء اعلیٰ میں اُن کا کچھ تذکرہ ہوتا ہے اور بہت سے لوگ دین کے حامی اور مددگار اور بڑے مقبول اور متبرک بندے ہوتے ہیں مگر اُن کے حجابات رفع نہیں ہوتے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((قال اللّٰہ تعالٰی مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَ ازید وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَجَزَآءُ بِالسَّيِّئَةِ

مثلها او اغفروا من تقرب منی شبرا تقربت منه ذراعا و من تقرب منی ذراعا تقربت منه باعا و من اتانی یمشی اتیته هرولة و من یقینی بقراب الارض خطیئة لا یشرک بی شیئا لقیته بمثلها مغفرة)).

''اللہ پاک کا ارشاد ہے جو بھلائی لے کر آئے گا تو اُس کی اس سے دس گنی ہے اور میں زیادہ بھی کر دوں گا اور جو برائی لائے گا تو برائی کا بدلہ اس کے برابر ہے یا میں معاف کر دوں گا اور جو شخص بالشت بھر میرے پاس آتا ہے میں ایک ذراع اُس کے پاس آتا ہوں اور جو ایک ذراع میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک باع یعنی دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر اُس کے قریب ہوتا ہوں اور جو میرے پاس چل کر آتا ہے میں اُس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں اور جو مجھ سے زمین کے برابر گناہ لا کر ملتا ہے اور دنیا سے پیٹھ پھیر لیتا ہے اور اُس کے نیکی تو کوئی بوجھ ہو جاتے ہیں اور ملکیت کے انوار چمکنے لگتے ہیں تو اس کے تھوڑے حسنات بھی بہت ہو پڑتے ہیں اور عارضی چیز ہمیشہ ذاتی چیز سے ضعیف رہتی ہے اور تدبیر الٰہی کا منبع خیر کے فیضان پر ہے اور خیر وجود کے ساتھ بہت قریب اور شر اُس سے بہت بعید ہے۔''

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سو حصے ہیں جن میں سے ایک حصہ زمین کی طرف اتار رکھا ہے اسی کو نبی ﷺ نے بالشت اور ذراع اور باع اور چلنے اور دوڑنے کے ساتھ بیان کیا ہے اور آخرت کے اعتبار سے کوئی چیز جبروت پر اطلاع پانی اور اُس کی طرف التفات کرنے سے زیادہ نافع نہیں ہے: ((من یقینی بقراب الارض خطیئة لا یشرک بی شیئا..... الخ)) کے یہی معنی ہیں اور اللہ پاک فرماتے ہیں: اعلم عبدی ان له ربا یغفر الذنوب و یواخذبه کیا میرا بندہ اس بات کو جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشتا اور گناہ پر مواخذہ کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((قال الله تعالی من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب و ما تقرب الی عبدی بشیء احب الی مما افترضت علیه و ما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فاذا احببته فکنت سمعه الذی یسمع و بصره الذی یبصر به و یده التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها و ان سالنی لا عطینه و ان استعاذنی لا عیذنه و ما ترددت فی شیء انا فاعله ترددی عن نفس المومن یکره الموت و انا اکره مسائه))

''اللہ پاک فرماتا ہے کہ جو شخص کسی میرے دوست سے عداوت کرتا ہے میں اس کو اعلان جنگ دیتا ہوں میرا بندہ کسی چیز سے جو مجھ کو زیادہ تر محبوب ہو فرائض سے زیادہ مجھ سے نزدیک نہیں ہوتا اور میرا بندہ برابر نوافل سے قربت حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ مجھے پیارا ہو جاتا ہے۔ اور جب میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے سنتا ہے اور آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے۔ اور اُس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور جو مانگتا ہے ضرور اُس کو دیتا ہوں۔ اور اگر میری پناہ مانگتا ہے تو ضرور پناہ میں لے لیتا ہوں۔ اور میں نے کسی چیز میں جس کے کرنے کا ارادہ کیا ہے ایسا تردد نہیں کیا جیسے مومن کے نفس سے مجھے تردد ہو

اُس کوموت گوارانہیں ہوتی اور مجھ کواُس کی تکلیف گوارانہیں ہوتی۔''

میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے اور ملاءِ اعلیٰ میں اس کی محبت نازل ہو کر زمین میں بھی مقبول ہو جاتا ہے پھر کوئی شخص اس نظام الٰہی کی مخالفت کرتا اور اس بندہ سے عداوت کرتا ہے اور اس کے حال کے بگڑنے میں کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جو اس محبوب کے متعلق ہوتی ہے اس کے دشمن کے حق میں لعنت بن جاتی ہے اور اُس کی رضامندی دشمن کے حق میں غضب الٰہی بن جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی شریعت کے ظاہر کرنے اور کسی دین کے قائم کرنے سے بندوں کے نزدیک ہوتا ہے اور خطیرۃ القدس میں اُن طریقوں اور شرایعوں کو مرقوم فرماتا ہے تو یہ طریقہ اور عبادات سب چیزوں سے زیادہ رحمت الٰہی کے جالب اور اُس کی رضامندی کے موافق ہوتی ہیں اور اور یہ تھوڑی سی چیزیں بہت ہوتی ہیں اور بندہ نوافل کے ذریعہ سے فرائض ادا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے برابر قربت حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور رحمت الٰہی اُس کو محیط ہو جاتی ہے اس وقت میں اُس اعضاء کو نورِ الٰہی سے مدد پہنچتی ہے اور اُس کی ذات و اہل وعیال و مال میں برکت دی جاتی ہے اور اُس کی دعا قبول ہوتی ہے اور شر سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی اعانت کی جاتی ہے اس قرب کا نام ہمارے ہاں قربت اعمال ہے۔ اور اس حدیث میں جو تردّد کا لفظ آیا ہے اُس سے عنایاتِ الٰہی کا تعارض مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر نظام شرعی و شخصی کے ساتھ ایک توجہ خاص ہے بدن انسانی کے ساتھ اُس کی توجہ کا مقتضی ہے کہ اس کی موت و بیماری اور تکلیف کا حکم دیا جائے اور اُس کے نفس کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے توجہ الٰہی کا یہ مقتضی ہوتا ہے کہ ہر طرف سے اُس کے لیے راحت و آرام پہنچایا جائے اور تکلیف سے محفوظ رکھا جائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((الا انبئکم بخیر اعمالکم و اذکہا عند ملیککم)). الحدیث

کیا میں تم کو وہ عمل نہ بتادوں جو تمہارے سب اعمال میں بہتر ہے اور تمہارے بادشاہ کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ ہے اور سب اعمال سے زیادہ تمہارے درجات بلند کرنے والا ہے اور تمہارے حق میں سونا و چاندی خرچ کرنے سے بہتر ہے اور تمہارے حق میں اس بات سے بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن سے سامنا کرو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہاں آپؐ نے فرمایا کہ وہ اللہ کا ذکر ہے۔

میں کہتا ہوں افضلیت کے طریقے مختلف ہوتے ہیں اور جبروت پر نفس کی اطلاع پانے کے اعتبار سے ذکر الٰہی سے زیادہ کوئی چیز افضل نہیں ہے خاص کر اُن نفوس ذکیہ میں جن کو ریاضات کی حاجت نہیں ہوتی صرف نگہداشت کی حاجت ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:((من قعد مقعد الم یذکر اللہ قعد))الحدیث۔ یعنی جو شخص کسی مجلس میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی یاد نہ کرے تو وہ مجلس اُس کے حق میں منجانب اللہ حسرت ہے اور جو شخص لیٹے اور لیٹ کر اللہ تعالیٰ کی یاد نہ کرے وہ لیٹنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس پر حسرت ہے اور فرمایا:

((ما من قوم یقومون من مجلس لا یذکرون اللہ فیہ الا قاموا عن مثل جیفۃ حمار و کان علیہم حسرۃ)).

''کوئی قوم کسی مجلس سے جس میں یادالٰہی نہ کی ہو نہیں کھڑی ہوتی مگر جس طرح مردار گدھے کو کھا کر اٹھتے ہیں اور وہ مجلس اُن پر حسرت ہوگی اور فرمایا:

((لا تكثروا الكلام بغير ذكر الله فان كثرة الكلام بغير ذكر الله قسوة بالقلب و ان ابعد الناس عندالله القلب القاسي)).

''بجز ذکر الٰہی کے کثرت سے کوئی کلام مت کرو اس لیے کہ بغیر ذکر الٰہی کی کثرت سے کلام کرنا قلب میں قساوت پیدا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب لوگوں سے دور قاسی القلب ہے۔''

میں کہتا ہوں جب ایک شخص نے ذکر الٰہی کی حلاوت معلوم کر لی اور ذکر الٰہی سے اطمینان حاصل ہونے کی کیفیت اور نیز یہ بات معلوم کر لے کہ ذکر الٰہی کے کرنے سے اُس کے قلب سے حجابات کس طرح دُور ہوتے ہیں اور وہ شخص ایسا ہو جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھتا ہے تو بلاشک جب وہ شخص دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اہل و عیال اور دنیا کے سامان میں متوجہ ہوتا ہے تو ان کیفیات میں سے بہت کچھ بھول جاتا ہے اور ایسا رہ جاتا ہے کہ جو بات اُس کو حاصل ہوئی تھی وہ اس سے گم ہو گئی اور اُس شخص کے اور اُس چیز کے مابین جو اس کی آنکھوں کے سامنے تھی ایک پردہ پڑ جاتا ہے اور یہ خصلت دوزخ اور ہر برائی کی طرف انسان کو بلاتی ہے اور یہ ہر ایک حسرت کا سبب ہے اور جب بہت سی حسرتیں جمع ہو جاتی ہیں تو نجات کی کوئی سبیل نہیں ہوتی آنحضرت ﷺ نے ان حسرتوں کا پورا پورا علاج بتایا ہے اس طرح پر کہ ہر وقت کے لیے اُس وقت کے مناسب ایک ذکر مقرر فرمایا ہے تاکہ غفلت کے سم کا دُور کرنے والا اور اُس کے لیے تریاق ہو اور اُن اذکار کے فوائد اور بغیر اُن اذکار کے حسرات کے عارض ہونے پر متنبہ کیا ہے اور معلوم کرو کہ ذکر کے الفاظ منضبط کرنے کی ضرورت تھی تاکہ کوئی تصرف کرنے والا اپنی ناقص عقل سے اُس میں تصرف کر کے خدائے تعالیٰ کے اسماء میں الحاد نہ کرے یا جو مقام جس ذکر کے مناسب ہے اُس کو استعمال میں نہ لائے اذکار کے باب میں آنحضرت ﷺ نے جو مسنون کیا ہے اُن سب سے زیادہ عمدہ و بہتر دس ذکر ہیں جن میں سے ہر ایک میں وہ راز ہے جو دوسرے میں نہیں ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے ہر موقع پر ان میں سے کئی کئی ذکر کے جمع کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بات بھی ہے کہ برابر ایک ہی قسم کا ذکر کرنے سے وہ ذکر عامہ مکلفین کے اعتبار سے صرف زبانی حرکت ہو جاتا ہے اور اذکار کے بدلنے سے نفس کو تنبیہ اور غافل کو بیداری ہوتی ہے اُس میں سے ایک ذکر ((**سبحان الله**)) ہے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے تمام ادناس اور عیوب اور نقائص سے پاک کرنا ہے اور ایک ((**الحمد لله**)) ہے اور اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے کمالات اور اوصاف کاملہ کا ثابت کرنا ہے۔ جب یہ دونوں باتیں ایک کلمہ میں جمع ہو گئیں تو انسان کو اپنے پروردگار کی جو معرفت حاصل ہو سکتی ہے اس کلمہ میں اس معرفت کا پورا پورا بیان ہے کیونکہ بندہ اللہ تعالیٰ کو صرف اسی قدر پہچان سکتا ہے کہ اُس کے لیے ایک ذات ثابت کرے جو تمام اُن نقائص سے جن کا ہم اپنے اندر مشاہدہ کرتے ہیں پاک ہو اور جس قدر کمالات کمال ہونے کی جہت سے ہم اپنے اندر دیکھتے ہیں وہ سب اس ذات کو ثابت ہوں پس جب اُس ذکر کی صورت نامۂ اعمال میں مندرج ہوتی ہے تو یہ معرفت پوری اور کامل جن کے کامل ہونے کا حکم دیا جاتا ہے ظاہر ہوتی ہے اور قرب الٰہی کا باب عظیم اس کے سبب سے مفتوح ہو جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے اپنے اس قول میں اسی کے معنی کی طرف اشارہ کیا

ہے: التسبیح نصف المیزان والحمدللہ یملئہ۔ سبحان اللہ نصف میزان اور الحمدللہ اُس کو پر کر دیتا ہے اس لیے سبحان اللہ و بحمدہ کا کلمہ زبان پر آسان ہے اور وزن میں بہت ہے اللہ تعالیٰ کو پیارا ہوتا ہے اور اُس کے پڑھنے والے کے لیے ایک درخت بویا جاتا ہے۔ جو شخص اس کو سو مرتبہ پڑھے اس کے حق میں وارد ہوا ہے کہ تمام اُس کے گناہ دُور ہو جاتے ہیں۔ اگر چہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ اور قیامت کے دن کوئی شخص ان کلمات کے پڑھنے والے سے افضل نہ آئے گا مگر جس نے اُس کو پڑھایا اُس پر زیادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے لیے جو اذکار پسند فرمائے ہیں ان سب میں یہ بہتر ہے اور آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے: ((اول من یدعی الی الجنة اللذین یحمدون اللہ فی السراء والضراء)) سب سے پہلے جنت میں وہ لوگ بلائے جائیں گے جو مصیبت و آرام کے وقت اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ اس میں یہ راز ہے کہ اُن لوگوں کا عمل ثبوتی ہے قوائے ثبوتیہ اس پر باعث ہوتے ہیں اور ایسے لوگ جنت کے انعامات سے نہایت ثمر یاب ہوتے ہیں اور یہ جو فرمایا ہے کہ ((افضل الدعا الحمدللہ)) بہترین دعا الحمدللہ ہے اس میں یہ راز ہے کہ دعا کی دو قسمیں ہیں۔ چنانچہ ہم ذکر کریں گے اور الحمدللہ میں دونوں قسم موجود ہیں کیونکہ شکر زیادتی نعمت کا سبب ہے اور اس کے اندر معرفت کی ثبوتی پائی جاتی ہے اور یہ جو فرمایا کہ الحمدللہ راس الشکر۔ الحمدللہ شکر کی اصل ہے اس میں یہ راز ہے کہ شکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور قلب سے بھی اور اعضاء سے بھی۔ اور زبان بہ نسبت ان دونوں کے شکر پر زیادہ تر بظاہر دلالت کرتی ہے اور ایک ذکر ((لا الہ الا اللہ)) ہے اور اس کے کئی بطون ہیں۔ بطن اوّل شرک جلی کا دُور کرنا ہے اور بطن دوم شرک خفی کا دُور کرنا ہے اور بطن سوم ان حجابات کا دُور کرنا جو معرفت الٰہی تک پہنچنے کے مانع ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ کے اس قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

((لا الہ الا اللہ لیس لھا حجاب دون اللہ حتی تخلص الیہ لا الہ الا اللہ)).

کے لیے اللہ تعالیٰ سے ورے کوئی پردہ نہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تک وہ پہنچ جاتا ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو اس کے بطون میں سے پہلے دو بطن کا علم تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس بات کو بعید سمجھا کہ آپ کے لیے جو ذکر خاص کیا گیا ہے وہ یہی ہو اور اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے اُس کا حال ظاہر کر دیا اور آپ پر یہ بات روشن کر دی کہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کے اختیار کرنے اور آنکھوں کے سامنے متمثل ہونے سے دُور کرنے والا ہے اور اس درجہ کا کلمہ ہے کہ اگر تمام دنیا کے کلمے ایک پلہ میں رکھے جائیں اور یہ کلمہ دوسرے پلے میں تو اُن سب کو جھکا دے کیونکہ اس کلمہ کے سامنے سب کلمے حقیر ہیں یعنی کم رتبہ کے اور لا الہ الا اللہ کے ساتھ جب کسی قدر تفصیل اور شامل ہو جاتی ہے تو یہ کلمہ نفی اور اثبات کے لیے ہو جاتا ہے۔ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له له الملك وله الحمد و هو علی کل شیء قدیر۔ اس کلمہ کے سو مرتبہ کہنے والے کی فضیلت میں وارد ہوا ہے ((کانت له عدل عشر رقاب... الخ)) کہ اس کے لیے اس کلمہ کا سو مرتبہ کہنا دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہوتا ہے اخیر حدیث تک۔ کیونکہ یہ کلمہ معرفت سلبیہ و ثبوتیہ کا جامع ہے اور سلبیہ کو گناہوں کے دُور ہونے اور ثبوتیہ کو حسنات کے پائے جانے اور جزائے متمثل ہونے میں بہت دخل ہے اور ایک ذکر کلمہ اللہ اکبر ہے اس کلمہ کے اندر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اُس کی قدرت اور اس کی سطوت کا ملاحظہ ہے اور معرفت ثبوتیہ کی طرف اس میں اشارہ ہے اسی لیے اس کلمہ کی فضیلت میں آیا ہے کہ یہ کلمہ زمین و آسمان کی فضا کو بھر دیتا ہے یہ چاروں

کلمے سب میں افضل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔ اور جنت میں یہ کلمات بوئے جاتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے جو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ہے کہ میں نے تیرے بعد چار کلمے تین مرتبہ ایسے پڑھے ہیں کہ اگر اُن کلمات کے ساتھ جو تو نے آج شروع دن سے پڑھے ہیں وزن کیے جائیں تو وزن میں اُن سے زیادہ نکلے **سبحان اللہ و بحمدہ عدد خلقہ و رضاء نفسہ و زنۃ عرشہ ومداد کلماتہ** ۔اُس میں یہ راز ہے کہ عمل کی صورت جب نامۂ اعمال میں ثابت ہوتی ہے تو جزا کے وقت اس صورت کا پھیلاؤ اور اس کی وسعت اس کلمہ کے معنی کے اعتبار سے ہوتی ہے اگر اس میں ایسا کلمہ ہے جیسے **عدد خلقہ** تو اس کا پھیلاؤ اسی قدر ہوتا ہے۔

معلوم کرنا چاہیے کہ جس شخص کا میلان ذکر کی کیفیت سے نفس میں اثر پیدا کرنے کی طرف ہوتا ہے اُس شخص کے لیے ذکر کا کثرت سے کرنا مناسب ہوتا ہے اور جس شخص کا میلان اس طرف زیادہ ہوتا ہے کہ عمل کی صورت نامۂ اعمال میں محفوظ رہے اور جزا کے دن اُس کا ظہور ہو تو اُس کے حق میں ایسے ذکر کا اختیار کرنا مناسب ہوتا ہے جو بالکیفیت اور اذکار پر فوقیت رکھتا ہو کسی کو اس موقع پر یہ کہنے کی مجال نہیں ہے کہ جب تین مرتبہ ان کلمات کا کہنا تمام اذکار سے افضل ہوا اذکار کی کثرت اور تمام اوقات کا ان میں صرف کرنا ضائع ہوا اس لیے کہ فضیلت ایک اعتبار سے ہے نہ دوسرے اعتبار سے۔ اور آنحضرت ﷺ نے جویریہ رضی اللہ عنہا کو اقرب اعمال کی طرف رہبری اور اُس کی طرف تبلیغ بلیغ فرمائی ہے اور آنحضرت ﷺ نے جو ذکر کر کے اندر تہلیل لا الہ الا اللہ کے ساتھ اللہ اکبر اور باقی کلمات کا ملانا مسنون فرمایا ہے اُس میں یہ راز ہے کہ نفس کو ذکر پر تنبیہ ہوتی رہے اور صرف زبانی حرکت نہ ہو اور ایک اُن اذکار میں سے ایسے امور کا سوال کرنا ہے جو اُس کے بدن یا اُس کی ذات کے لیے پیدائش کے اعتبار سے نافع ہیں یا حصول اطمینان یا تدبیر منزل یا مال وجاہ کے اعتبار سے اور انہیں اعتبارات سے جو چیزیں مضر ہیں اُن سے پناہ مانگنا اور اس کے اندر بھید اللہ تعالیٰ کی تاثیر کا عالم میں مشاہدہ کرنا اور بجز اللہ تعالیٰ کے سب سے روکنے اور قوت دینے کے نفی کرنا ہے اس باب میں آنحضرت ﷺ نے جو دعائیں مقرر فرمائی ہیں اُن میں سے یہ دعائیں زیادہ تر جامع ہیں۔

اللھم اصلح دینی الذی ھو عصمۃ امری واصلح لی دنیا اللتی فیھا معاشی و اصلح لی آخرتی اللتی فیھا معادی واجعل الحیوۃ زیادۃ لی فی کل خیر واجعل الموت راحۃ لی من کل شر ۔اور۔ **اللھم انی اسئلک الھدی والتقی والعاف والغنی اللھم اھدنی و سددنی.**

اور فرمایا ہے ہدایت کے ساتھ راستہ کی طرف اپنی ہدایت اور سداد سے تیر کی طرح سیدھا ہونا مراد لے۔ اور

اللھم اغفرلی وارحمنی واھدنی و عافنی وارزقنی اللھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الأخرۃ حسنۃ و قنا عذاب النار رب اعنی و لا تعن علی وانصرنی و لا تنصر علی وامکرلی و لا تمکر علی واھدنی و یسر الھدیٰ لی و انصرنی علی من بغی علی رب اجعلنی لک شاکراً لک راھبا لک مطواعا لک مخبتا الیک اواھا منیبا رب تقبل توبتی

واغسل حوبتی واجب دعوتی و ثبت حجتی و سدد لسانی واهد قلی واسلل سخیمه صدری اللهم ارزقنی حبك و حب من ینفعنی حبه عندك اللهم ما رزقنی مما احب فاجعله قوة لی فیما تحب اللهم ما زویت عنی مما احب فاجعله فراغاً لی فیما تحب اللّٰهم اقسم لنا من خشیتك ما تحول به بیننا و بین معاصیك و من طاعتك ما تبلغنا به جنتك و من الیقین ما تهون به علینا مصیبات الدنیا و متعنا باسماعنا و ابصارنا و قوتنا ما احییتنا واجعله الوارث منا واجعل ثارنا علی من ظلمنا وانصرنا علی من عادٰنا و لا تجعل مصیبتنا فی دیننا و لا تجعل الدنیا اکبر همنا و لا مبلغ علمنا و لا تسلط علینا من لا یرحمنا.

اور پناہ مانگنے کے لیے جو دعائیں آپ نے مقرر کی ہیں ان میں یہ دعائیں زیادہ تر جامع ہیں۔

اعوذباللّٰہ من جهد البلاء و درك الشقاء و سوء القضاء و شماتة الاعداء اللهم انی اعوذبك من الهم والحزن والعجز والكسل والجبن والبخل وضلع الدین و غلبة الرجال۔ اللهم انی اعوذبك من الكسل والهرم والمغرم والماثم۔ اللهم انی اعوذبك من عذاب النار و فتنة النار و فتنة القبر و عذاب القبر و من شر فتنة الغنا و من شر فتنة الفقر و من شر فتنة المسیح الدجال اللهم اغسل خطایای بماء الثلج والبرد و نق قلبی كما ینقی الثوب الابیض من الدنس و باعد بینی و بین خطایای كما باعدت بین المشرق والمغرب۔ اللهم آت نفسی تقوٰها و زكها انت خیر من زكٰها انت ولیها و مولٰها اللهم انی اعوذبك من علم لا ینفع و من قلب لا یخشع و من نفس لا تشبع و من دعوة لا یستجاب لها۔ اللهم انی اعوذبك من زوال نعمتك و تحول عافیتك و فجاءة نقمتك و جمیع سخطك. اللهم انی اعوذبك من الفقر والقلة والذلة واعوذبك من ان اظلم اواظلم.

اور از انجملہ خضوع اور فرمانبرداری کا بیان کرنا جیسے کہ آپ ﷺ کا قول ہے:

سجد وجهی للذی خلقه .... الخ

اور معلوم کرنا چاہیے جن دعاؤں کا آپ نے حکم دیا ہے وہ دو طرح کے ہیں ایک تو وہ دعائیں ہیں جن سے قوائے فکر یہ کا اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اُس کے جلال کے ملاحظہ سے پُر ہونا یا خضوع اور فرمانبرداری کی حالت کا حاصل ہونا مقصود ہے کیونکہ اس حالت کے مناسب زبان کی تعبیر کرنے کے لیے نفس کی اس حالت پر متنبہ ہونے اور متوجہ ہونے میں اثر عظیم ہے اور دوسرے قسم کی وہ دعائیں ہیں جن میں دنیا و آخرت کی بھلائی کی طرف رغبت اور ان دونوں کے شر سے پناہ مانگنا مقصود ہے کیونکہ نفس کا ارادہ اور بہت کوشش

سے اُس کا کسی چیز کو طلب کرنا جناب باری کے جود کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے جس طرح دلیل کے مقدمات نتیجہ کے فیضان کا سبب ہوتے ہیں اور نیز جب کسی چیز کی حاجت قلب کو تکلیف دیتی ہے تو اُس کے سبب سے مناجات کی طرف قلب متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ پاک کی عظمت اُس کے سامنے موجود ہو جاتی ہے اور ایسے وقت میں آدمی کی ہمت اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہو جاتی ہے لہٰذا یہ حالت محسنین کے لیے بہت مغتنم ہوتی ہے اور آپؐ نے فرمایا ہے۔((الدعاء هو العبادة)) عبادت تو دعا ہی کا نام ہے میرے نزدیک اُس کا یہ سبب ہے کہ فی الحقیقت عبادت تعظیم کی صفت کے ساتھ حضور کے اندر مستغرق ہو جانا ہے اور دعا اپنی دو قسموں کے اعتبار سے اُس کے لیے کافی مقدار ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((افضل العبادة انتظار الفرج)) بہترین عبادت کا انتظار کشادگی کا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ کہ رغبت کے ساتھ رغبت الٰہی کی خواستگاری کو اس قدر اثر ہوتا ہے کہ عبادت کو بھی اتنا اثر نہیں ہوتا اور آپؐ نے فرمایا ہے:

((ما من احد يدعو بدعاء الا اعطاه الله تعالىٰ ما سئل او كفى عنه شر السوء مثله)).

''کوئی دعا کرنے والا کوئی دعا نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ موافق اُس کے سوال کے اُس کو عطا فرماتا ہے یا اُس کے برابر مصیبت کی برائی آدمی سے روک لیتا ہے۔''

میں کہتا ہوں عالم مثال سے کسی چیز کا ظہور جب زمین پر ہوتا ہے تو اُس ظہور کے لیے ایک تو طبعی دستور ہیں کہ اگر کوئی خارجی مانع نہیں ہوتا تو اس طریقے کے موافق اس ظہور کا اجراء ہوتا ہے اور ایک غیر طبعی طریقہ ہے یہ جب ہوتا ہے جب اس باب میں باہم مزاحمت ہو جاتی ہے اور غیر طبعی کی ایک یہ صورت بھی ہے کہ کسی مصیبت کے دفعہ کرنے یا اس کی وحشت کے دل جمعی کرنے اور قلب کے اندر خوشی کا القاء یا کسی حادثہ کے اس کی جان کے یا اس کے مال کی طرف مائل کرنے کے لیے رحمتِ الٰہی متوجہ ہوتی ہے اور اسی قسم کی اور صورتیں بھی ہیں اور آپؐ نے فرمایا ہے تم میں سے جب کوئی شخص دعا کرے تو یہ نہ کہے کہ خدایا اگر تو چاہے تو مجھ کو بخش دے اور تو اگر چاہے تو مجھ پر رحم کر اگر چاہے تو مجھ کو رزق دے بلکہ کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اُس پر کسی کا دباؤ نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں دعا کی روح اور اُس کی حقیقت کا کسی چیز کی طرف رغبت کرنا ہے جس کے ساتھ تشبہ بالملائکہ اور جبروت پر اطلاع یابی کی صفت بھی پائی جاتی ہو اور شک کے ساتھ طلب کرنے میں ارادہ کے اندر پراگندگی اور ہمت میں سستی پائی جاتی ہے اور مصلحت کلیہ کے ساتھ موافقت موجود ہوتی ہے کیونکہ کوئی سبب مصلحت کلیہ کی رعایت کرنے سے خدا تعالیٰ کو نہیں روکتا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر کسی کا دباؤ نہیں ہے ((لا يرد القضاء الا الدعاء))۔ بجز دعا کے کوئی چیز قضا الٰہی کو نہیں روکتی میں کہتا ہوں قضا سے یہاں پر وہ صورت مراد ہے جو عالم مثال میں پیدا کی جاتی ہے اور عالم کون میں اس حادثہ کے وجود کا سبب ہوتی ہے اور وہ صورت تمام مخلوقات کی طرح محو و اثبات کو قبول کرتی ہے اور آپؐ نے فرمایا ہے:((ان الدعاء ينفع ومما نزل ومما لم ينزل)) البتہ دعا اُس چیز کو جو اتاری گئی ہے اور جو چیز نہیں اتاری گئی ہے نافع ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں جو حادثہ نازل نہیں ہوا ہے دعا کرنے سے وہ مضمحل ہو جاتا ہے اور زمین پر اس حادثہ کے موجود ہونے کا سبب نہیں ہوسکتا اور جب کوئی بلا نازل ہو جاتی ہے تو دعا کرنے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہاں پر رحمت الٰہی سے اُس شخص کو اُس مصیبت سے جو رنج پہنچتا ہے اُس میں تخفیف ہو جاتی ہے اور اس کی وحشت انس کے ساتھ مبدل ہو جاتی ہے اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے ((**من سره ان يستجيب الله له عندالشدائد فليكثر الدعاء في الرخاء**)) جس شخص کو یہ بات منظور ہو کہ شدائد کے وقت اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے آرام کی حالت میں اُس کو کثرت سے دعا کرنی چاہیے۔ میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ دعا کسی شخص کی جب ہی قبول ہوتی ہے جب نہایت رغبت اور نہایت مستحکم ارادہ سے دُعا کرے اُس مصیبت کے احاطہ کرنے سے پہلے وہ شخص دعا کرنے کا عادی ہو اور ہاتھوں کا اٹھانا اور منہ پر ہاتھ پھیرنا اس رغبت کی ظاہری صورت اور ہیئت نفسانیہ اور اُس کے مناسب ہیئت بدنیہ میں مطابقت اور نفس کو اُس حالت پر متنبہ کرنا ہے اور آپؐ نے فرمایا ہے: ((**من فتح له باب من الدعاء فتحت له ابواب الرحمة**)) جس شخص کے لیے دعا کا ایک دروازہ کھولا گیا اس کے لیے رحمت کے سب دروازے کھول دیئے گئے۔

میں کہتا ہوں جو شخص دلی رغبت سے دعا کرنے کی کیفیت جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کون کون سی صورتوں میں قبولیت کا ظہور ہوتا ہے اور وہ شخص حضور کی صفت کے ساتھ مشتاق ہو رہا ہے تو دنیا میں اس کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور ہر مصیبت کے وقت اُس کی اعانت کی جاتی ہے اور مرنے کے بعد اُس کے گناہ جب اُس کا احاطہ کر لیتے ہیں اور ہیئت دنیاوی اس کو دھکیلتی ہے تو وہ شخص جس طرح عادی ہو رہا تھا اسی طرح رغبت کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی دعا وہاں بھی مقبول ہوتی ہے اور پھر گناہوں سے ایسا صاف نکل جاتا ہے جس طرح آٹے میں بال صفائی کے ساتھ نکل جاتا ہے۔

اور معلوم کرنا چاہیے کہ سب دعاؤں میں سے قریب بقبولیت وہ دعا ہوتی ہے جو ایسی حالت کے ساتھ پائی جائے جس میں رحمت الٰہی کے نازل ہونے کا موقع ہوتا ہے یا تو اس لیے کہ نفس انسانی کو اس حالت میں کمال کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے جیسے نمازوں کے بعد دعا کرنا یا روزہ دار کی دعا وقت افطار روزہ کے یا اس لیے کہ وہ حالت جو دالٰہی کے نازل ہونے کا سبب ہوتی ہے جیسے مظلوم کی دعا کیونکہ خدا تعالیٰ کو ظالم سے بدلہ لینے کی طرف توجہ ہوتی ہے اور یہ دعا مانگنا اُس توجہ کے ساتھ موافقت کرتا ہے اور مظلوم کے باب میں آیا ہے کہ اُس کی دعا اور اللہ تعالیٰ کے مابین میں حجاب نہیں ہے یا دنیاوی راحت کے منقلب ہونے کا سبب ہوتی ہے ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جو اس کے حق میں متوجہ ہوتی ہے وہ دوسری صورت میں منقلب ہو جاتی ہے جیسے مریض یا مصیبت زدہ کی دعا یا وہ حالت دعا کے اخلاص کا سبب ہوتی ہے جیسے کسی غائب شخص کے اپنے بھائی مسلمان کے لیے دعا یا باپ کی اپنی اولاد کے لیے یا وہ دعا اس وقت پائی جاتی ہے جب روحانیت کا انتشار ہوتا ہے اور رحمت الٰہی جہان پر جھک جاتی ہے جیسے شب قدر یا جمعہ کے روز اس ساعت مرجوہ میں دعا کرنا یا ایسے مکان میں دعا کرنا جہاں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں جیسے مکہ کے مقامات میں جانے سے نفس کو حضور اور خضوع کی حالت پر متنبہ ہوتا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کے مآثر ہم نے جو بیان کیا ہے اُس پر قیاس کرنے سے آنحضرت ﷺ کے اس قول کا راز معلوم ہوسکتا ہے ((**يستجاب للعبد ما لم يدع باثم او قطيعته رحم ما لم يستعجل**)). بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے بشرطیکہ جلدی نہ کرے اور آپؐ نے فرمایا ہے: ((**لكل نبي دعا**

مستجابته .... الخ)) ہر ایک نبی کے لیے ایک مقبول دعا ہے سو ہر نبی نے اپنی دعا دنیا میں مانگ لی ہے اور میں نے اپنی امت کی شفاعت کے لیے قیامت کے دن کو پوشیدہ کر رکھی ہے پس جو شخص میری امت سے مرے گا اور کسی کو وہ خدا کا شریک نہ کرتا ہوگا وہ دعا ان شاء اللہ اس کو پہنچے گی۔

میں کہتا ہوں انبیاء علیہم السلام کی کثرت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی بھی دعائیں بہت مقامات میں مستجاب ہوئیں لیکن ہر نبی کے لیے ایک ایسی دعا ہوئی ہے جس کا منبع وہ رحمت ہوتی ہے جو اس کی نبوت کا مبداء ہوتی ہے پھر اگر اس نبی کی امت اس پر ایمان لائی ہے تو وہ دعا اُس کے حق میں برکات کا سبب ہو جاتی ہے اور اُس نبی کے دل میں اُن کے لیے دعا کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور اگر وہ لوگ اس نبی کی اطاعت سے اعراض کرتے ہیں اور اس پر ایمان نہیں لاتے تو وہ دعا ان لوگوں کے حق میں عذاب الٰہی کے نازل ہونے کا سبب ہو جاتی ہے اور اس نبی کے دل میں ان پر بددعا کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور ہمارے نبی ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ آپ ﷺ کی بعثت سے مقصود اعظم قیامت کے روز لوگوں کا شفیع اور رحمت خاصہ کے نزول کا واسطہ ہونا ہے لہٰذا آپؐ نے اس دعا برگزیدہ کو جو اصل نبوت سے پیدا ہوتی ہے اس دن کے لیے پوشیدہ کر رکھا اور آپؐ نے فرمایا ((انی اتخذت عندك احدا.... الخ)) البتہ میں نے تجھ سے عہد لے لیا ہے۔

میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ کو اپنی امت کے حال پر جو رحم و کرم ہے اُس کا مقتضی یہ ہوا کہ پیشتر سے اللہ تعالیٰ سے آپؐ وعدہ کرالیں اور خطیرۃ القدس میں آپ ﷺ کی ہمت متمثل ہو جائے جس سے اُس کے احکام برابر صادر ہوتے رہتے ہیں اُس کی یہ صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی امت کے حق میں آپؐ کے اُس ارادہ کا اعتبار فرمائے جو باطنی اور پوشیدہ ہے نہ ظاہری ارادہ کا اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے جو قول یا فعل کے ساتھ مسلمانوں کی تعزیر فرمائی ہے اُس سے آپ ﷺ کا مقصود اس دین کا اُن میں قائم کرنا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے۔ اور ان کا راستے پر لانا اور کجی سے بچانا مقصود ہے اور جن لوگوں پر کفر کا حکم لگا دیا ہے قضا الٰہی میں آنحضرت ﷺ نے جو اُن سے سختی کے ساتھ برتاؤ کیا ہے اُس میں بھی آپ کا مقصود اس غضب الٰہی کے ساتھ موافقت کرنا جو ان لوگوں سے متعلق ہے اور صورت اگرچہ متحد ہے لیکن طریقے مختلف ہیں اور ایک توکل ہے۔ توکل کی روح اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا ہے اس اعتقاد سے کہ وہی اللہ تعالیٰ اعتماد کے قابل ہے اور تمام تدبیریں اسی کی طرف سے ہیں اور تمام لوگ اس کی تدبیر کے نیچے پست ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق یہی ہے۔ ((وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً)) یعنی وہی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر محافظین کو بھیجتا ہے توکل کے باب میں آنحضرت ﷺ نے بہت سے ذکر مقرر فرمائے ہیں از اں جملہ ((لا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم)) اس کی فضیلت میں آیا ہے کہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اُس کا سبب یہ ہے کہ یہ کلمات نفس کو ایک عظیم الشان معرفت کے قابل بنا دیتے ہیں اور از اں جملہ آپ ﷺ کا یہ قول ہے ((بك اصول و بك احول)) اور جواز کار اس اسلوب پر وارد ہیں اور ایک آپ ﷺ کا یہ قول ((توكلت على الله)) اور یہ قول ((اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ و على هذا القياس)) اور ایک استغفار کی روح اپنے اُن گناہوں کا جو نفس کو گھیرے ہوئے ہیں ملاحظہ کرنا اور نفس سے

بد رُوحانی اور فیض ملکی اُن کا دُور کرنا ہے اور اس کے کئی سبب ہیں اور از انجملہ رحمت الٰہی کا کسی ایسے عمل سے اُس کو شامل ہو جانا جس کے سبب سے ملاء اعلیٰ کی دعائیں اُس کی طرف متوجہ ہو جائیں یا وہ عمل اس شخص میں کسی ایسی صفت کے ظاہر کرنے میں جو عامہ مخلوق کے لیے نافع ہے تدبیر الٰہی کے جوارح میں سے ہوتا ہے یا کسی محتاج کی حاجت پوری کرنے یا اُس کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور از انجملہ ملائکہ کی ہیئت کی مشابہت پیدا کرنا اور انوار ملکیہ کا روشن ہونا اور بہیمیہ کے سرور کا اُس کے اجزاء کے ضعیف ہو جانے اور اُس کے ہیجان کے فرو ہو جانے سے جاتا رہنا ہے اور از اں جملہ جبروت پر اطلاع یابی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اُس کے ساتھ یقین ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا میرا بندہ اس بات کو جانتا ہے کہ اُس کا کوئی پروردگار ہے جو اُس کے گناہ کو معاف کرتا ہے اور اُس سے مؤاخذہ کرتا ہے میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا۔ پس جب کوئی بندہ ان روحانی اعانتوں کا اپنے نفس سے گناہ دُور ہونے میں استعمال کرتا ہے تو وہ گناہ مضمحل ہو جاتے ہیں استغفار کے اذکار میں سے جامع تر یہ استغفار ہے:

اللهم اغفرلى خطيئتى وجهلى و اسرافى فى امرى و ما انت اعلم به منى. اللهم اغفرلى جدى و هزلى و خطائى و عبدى و كل ذلك عندى. اللهم اغفرلى ما قدمت و ما اخرت و ما اسررت و ما اعلنت و ما انت اعلم به منى انت المقدم و انت المؤخر و انت على كل شىء قدير ۔اور سید الاستغفار یہ ہے۔ **لا اله الا انت خلقتنى و انا عبدك و انا على عهدك و وعدك ما استطعت اعوذبك من شر ما صنعت ابوء لك نعمتك على و ابوء بذنبى فاغفرلى و انه لا يغفر الذنوب الا انت** ۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **انه ليغان على قلبى و انى لاستغفرالله تعالى فى اليوم مائة مرة۔**

میرے قلب پر بھی پردہ آ جاتا اس لیے ہر روز اللہ پاک سے میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں میں کہتا ہوں اس پردہ کی حقیقت کی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو عامہ مومنین ساتھ ایسی ہیئت میں رہنے کا حکم ہے کہ جو ملکی اور بہیمی سے مرکب ہوتا کہ جو طریقہ آپ اُن کے لیے مسنون فرمائیں اس کو ذوق اور وجدان کے طور پر قبول کر کے پیروی کریں نہ صرف قیاس وتخمین کے طور پر اور اس ہیئت میں رہنے کو دل پر غین یعنی پردہ اور کدورت کا عارض ہونا لازم ہے اور از انجملہ اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کرنا ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر عالم کے اعتبار سے ایک قرب ہے حروف کے عالم میں اللہ تعالیٰ کا قرب اُن اسماء کے ساتھ ہوتا ہے جو اہل لسان کی زبانوں پر جاری ہوتے ہیں اور ملاء اعلیٰ میں جن کا رواج ہوتا ہے اُن اسماء میں سے جب کوئی بندہ کسی نام کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس کے قریب ہو جاتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((**ان لله تسعته و تسعين اسماء مأته الا واحدة من احصاها دخل الجنة**)) اللہ کے لیے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں جو شخص اُن کو یاد کرے گا تو جنت میں داخل ہوگا۔

میں کہتا ہوں اس فضیلت کا سبب ایک یہ ہے کہ یہ اسماء اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ اور سلبیہ کی معرفت کے لیے کافی مقدار ہیں اور خطیر القدس میں ان اسماء کے لیے نہایت برکت اور کامل درجہ پایا جاتا ہے اور نامہ اعمال میں ان اسماء کی صورت جب مندرج ہوتی

ہے تو بالضرور اُس صورت کی وسعت ایک عظیم الشان رحمت کی طرف ہوتی ہے اور معلوم کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم جس کے ساتھ دعا کرنے سے دعا مستجاب ہوتی ہے اور جو سوال کیا جاتا ہے ملتا ہے وہ نام ہے جو تقربات ایزدی میں سے نہایت جامع تقرب پر دلالت کرتا ہے اور ملاء اعلیٰ میں وہ نام کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے اور ہر زمانہ میں اہل لسان اس نام پاک کے ساتھ ناطق ہوتے ہیں اور ہم اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ زید جو شاعر بھی ہے اور کاتب بھی ہے اُس کے لیے ایک صورت شاعر ہونے کی ہے اور ایک کاتب ہونے کی اسی طرح حق تعالیٰ کو عالم مثال کے لیے کسی مقام کے ساتھ تقربات ہوتے ہیں اور یہ معنی اُس پر صادق آتے ہیں۔ ((انت اللّٰہ لا الٰہ الا انت الصمد الذی لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفوًا احد)) اور نیز اس پر صادق آتے ہیں: ((لک الحمد لا الٰہ الا انت المنان بدیع السمٰوات والارض یا ذالجلال والاکرام یا حی یا قیوم)) اور اسی قسم کے اسماء پر یہ معنی صادق آتے ہیں اور از اں جملہ آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنا ہے آپؐ نے فرمایا ہے: ((من صلّٰی علی صلوۃ صلی اللّٰہ علیہ عشرًا)) جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اُس پر دس درود بھیجتا ہے اور آپؐ نے فرمایا ہے: ((ان اولی الناس بی یوم القیامۃ اکثرھم علی صلٰوۃ)) قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ قریب میرے وہ شخص ہوگا جو اُن میں کثرت سے مجھ پر درود بھیجتا ہے۔

میں کہتا ہوں اُس میں یہ بھید ہے کہ نفوس بشریّہ کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ نفحات الٰہی کے سامنے رہیں اور پیش رہنے کے لیے اس کے برابر کوئی چیز نہیں ہے کہ تقربات انوار اور علامات الٰہی جو زمین پر پائے جاتے ہیں اُن کی طرف نفس کی توجہ اور اُن کے سامنے رک جانا اور اُن کے اندر غور کرنا اور اُن پر ٹھہر جانا ہو۔ خاص کر ان مقربین کی ارواح جو ملاء اعلیٰ کے بزرگ ترین لوگوں میں ہیں اور زمین والوں پر جو اللہ تعالیٰ کی بخشش ہوتی ہے اس کے وسائط ہیں جیسا کہ ہم سابقاً بیان کر چکے ہیں اور آنحضرت ﷺ کا تعظیم سے ذکر کرنا اور اللہ تعالیٰ سے آپؐ کے حق میں بہتری کی خواہش کرنا آپ ﷺ کی طرف توجہ کرنے کا کامل ترین سبب ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ تحریف کا راستہ اُس سے مفتوح نہیں ہوتا کیونکہ اُس شخص نے صرف آپ کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی خواستگاری کے قصد سے آپ کو ذکر کیا ہے اور کاملین کی ارواح کو جب اپنے ابدان سے مفارقت ہوتی ہے تو اُن کا حال اس موج کا سا ہوتا ہے جو رکی ہوئی ہوتی ہے کہ کوئی نیا ارادہ یا کوئی عارضی سبب اُن کو حرکت نہیں دے سکتا مگر جو کم درجہ کے نفوس ہوتے ہیں وہ اُن ارواح کے ساتھ بالقصد متصل ہو کر ایک نور اور ایک ہیئت جو ان ارواح کے مناسب ہوتی ہے وہ اُن ارواح سے حاصل کر لیتے ہیں آنحضرت ﷺ کے اس قول میں یہی مراد ہے ((ما من احد یسلم علی الارد اللّٰہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام)) کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ میری روح کا مجھ پر اعادہ کر دیتا ہے حتیٰ کہ میں اُس کو سلام کا ردیعنی جواب دیتا ہوں۔ سن گیارہ سو چوالیس ہجری میں جب مدینہ کے ساتھ مجھ کو مجاورت نصیب ہوئی تو میں نے بے شمار مرتبہ اس بات کا مشاہدہ کیا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((لا تجعلو زیارت قبری عیدًا)) میری قبر کی زیارت کو عید نہ بنانا۔

میں کہتا ہوں اس میں تحریف کے راستہ کو بند کرنے کی طرف اشارہ ہے جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کی قبروں کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے اور مثل حج کے اُن کو عید و میلہ بنایا تھا۔ معلوم کرو کہ اذکار کے اوقات معین کرنے کی حاجت ہے اگرچہ شرائع کی

توقیت سے وہ توقیت کم درجہ کی ہے اس لیے کہ اگر اذکار کی توقیت نہ کی جائے تو تساہل کرنے والا کاہلی کرسکتا ہے اور یہ توقیت یا اسباب کے ساتھ ہونی چاہیے یا اوقات کے ساتھ اور ہم نے صراحتاً یا اشارتاً اس بات کا ذکر کردیا ہے کہ بعض اوقات کو بعض اوقات پر ترجیح کا سبب یا تو روحانیت کا ان اوقات میں ظاہر ہونا ہے مثلاً صبح وشام کے اوقات یا نفس کا اُن اوقات میں کیفیات رذیلہ سے خالی ہونا جیسے خواب سے بیدار ہوتے وقت یا نفس کا اُس وقت میں انتظامات اور دنیا کے قصوں سے فارغ ہونا کہ اُس وقت میں ذکر کرنا نفس کے لیے بمنزلہ صیقل کے ہوجاتا ہے جیسے سونے کا ارادہ کرتے وقت اور ہیئت کے لیے وہ چیز مخصص ہوسکتی ہے جو ذکر الٰہی کے بھلانے اور بارگاہِ الٰہی کی طرف توجہ سے غافل کرنے کا سبب ہو ایسے وقت میں ذکر الٰہی سے اس کا علاج ضرور ہوتا ہے تاکہ اُس غفلت کے سم کے لیے بمنزلہ تریاق کے ہوکر اُس کے نقصان کا تدارک کردے یا وہ مخصص کوئی عبادت ہوتی ہے جس کا نفع بغیر ذکر کے ملائے کامل نہیں ہوتا مثل ان اذکار کے جو نمازوں کے اندر مسنون ہیں یا وہ مخصص کوئی ایسی حالت ہوتی ہے جو نفس کو خوفِ الٰہی اور اس کی عظیم الشان سلطنت کے ملاحظہ کرنے پر متنبہ کرتی ہے۔ کیونکہ یہ حالت اس شخص کو خواہ مخواہ اعمال حسنہ کی طرف راہبری کرتی ہے خواہ اُس کو علم ہو یا نہ ہو جیسے آیاتِ الٰہی مثل آندھی اور تاریکی اور کسوف وغیرہ کے وقت اذکار مقرر فرمائے گئے ہیں یا وہ ایسی حالت ہوتی ہے جس میں ضرر کے پہنچنے کا خوف ہوا کرتا ہے لہٰذا اُس حالت کے شروع میں اللہ تعالیٰ کے فضل کی خواستگاری کی جائے اور اُس کی پناہ مانگی جائے جیسے سفر کرتے اور سوار ہوتے وقت یا وہ ایسی حالت ہوتی ہے کہ اہل جاہلیت اُس حالت کے ساتھ دلوں میں ایسے اعتقاد رکھتے تھے جن کا انجام شرک یا بدشگونی یا اُس کے مثل ہوتا تھا جس طرح جنون کی پناہ مانگتے تھے اور رؤیت ہلال کا وقت آنحضرت ﷺ نے اُن میں سے بعض اذکار کے فضائل اور دنیا وآخرت میں اُن کے آثار بیان کئے ہیں تاکہ لوگوں کو پورا فائدہ پہنچے۔ اور اُن کو کامل رغبت پیدا ہو اور اس باب میں زیادہ تر مقصود بالذات چند امور ہیں ایک تو یہ کہ ذکر تہذیب نفسانی کا مظنہ اور اس کی علامت ہے لہٰذا جو امر تہذیب پر مترتب ہوتا ہے۔ ذکر پر آپ نے اس کو دائر کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے:

((من قال هن ثم مات مات على الفطرة او دخل الجنة او غفرله))

''جو شخص ان کو پڑھ کر مرگیا تو فطرت اسلامی پر مرا داخل ہوا جنت میں یا یہ فرمایا کہ بخشا گیا۔''

اور اسی قسم کے الفاظ آئے ہیں اور از اں جملہ اس بات کا بیان کہ ذکر کرنے والے کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتی یا ہر ایک بات سے محفوظ رہتا ہے اس کا یہ سبب ہوتا ہے کہ رحمتِ الٰہی اس شخص کے شامل حال ہوجاتی ہے۔ اور ملائکہ کی دعا اس کو محیط ہوجاتی ہے اور از انجملہ اس بات کا بیان کہ اس کے گناہ دُور ہوجاتے اور حسنات اس کے لیے لکھے جاتے ہیں اور اس کا سبب ہم بیان کرچکے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف توجہ اور رحمت الٰہی کا اس پر محیط ہوجانا گناہوں کو دُور کرتا ہے اور قوت ملکی کو زیادہ کرتا ہے اور از انجملہ شیاطین کا اُس شخص سے دور ہوجانا اس کا راز بھی بعینہٖ یہی ہے اور آنحضرت ﷺ نے تین اوقات میں ذکر مقرر فرمایا ہے صبح وشام وخواب کے وقت۔ اور اکثر اذکار میں جاگنے کا وقت مقرر نہیں فرمایا کیونکہ غالباً وہی وقت صبح کے طلوع کرنے یا اُس کے روشن ہونے کا ہوتا ہے صبح وشام کے اذکار میں سے بعض اذکار یہ ہیں:

اللهم عالم الغيب والشهادة فاطر السموات والارض رب كل شيء و مليكه اشهد ان لا

الہ الا انت اعوذبك من شر نفسی و من شر الشیطان و شر كہ امسینا و امسی الملك لله والحمدلله و لا الہ الا الله وحده لا شریك له له الملك و له الحمد و هو علی كل شیء قدیر. اللهم انی اسئلك من خیر هذه اللیلة و خیر ما فیها و اعوذبك من شرها و شر ما فیها اللهم انی اعوذبك من الكسل و سوء الكبر و فتنة الدنیا و عذاب القبر.

اور صبح کے وظیفہ میں بجائے امسینا کے اصبحنا اور بجائے امسی کے اصبح اور بجائے هذه الیلة کے هذا الیوم بدل دینا چاہیے بك اصبحنا و بك امسینا و بك نحیی و بك نموت و الیك المصیر. اور شام کے وقت بجائے اس کے بك امسینا و بك اصبحنا و بك نحیی و بك نموت و الیك النشور. پڑھنا چاہیے۔ بسم الله الذی لا یضر مع اسمه شیء فی الارض و لا فی السماء و هو السمیع العلیم. تین مرتبہ اور سبحان الله و بحمده لا قوة الا بالله ماشاء الله كان و ما لم یشاء لم یكن اعلم ان الله علی كل شیء قدیر و ان الله قد احاط بكل شیء علما فسبحان الله حین تمسون و حین تصبحون و له الحمد فی السموات والارض و عشیا و حین تظهرون۔ تخرون. تک پڑھے۔ اور اللهم انی اسئلك العافیة فی الدنیا والآخر ة اللهم انی اسئلك العفو والعافیة فی دینی و دنیای و اهلی و مالی اللهم استر عوراتی و آمن روعاتی اللهم احفظنی من بین یدی و من خلفی و عن یمینی و عن شمالی و من فوقی و اعوذب بعظمتك ان اغتال من تحتی رضیت بالله ربا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی الله علیه وسلم نبیا. تین مرتبہ اعوذ بكلمات الله التامات من شر ما خلق اللّهم ما اصبح بی من نعمة او بعهد من خلقك فمنك وحدك لا شریك لك فلك الحمد لك الشكر. اور ایک سیدالاستغفار جو مذکور ہو چکا ہے۔ اور سوتے وقت کا وظیفہ جب بستر پر جائے یہ ہے:

باسمك ربی و ضعت جنبی و بك ارفعه ان امسكت نفسی فارحمها و ان ارسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادك الصالحین.

اور

اللهم اسلمت نفسی الیك و وجهت و جهی الیك و فوضت امری الیك و الجاءت ظهری الیك رغبة و رهبة الیك لا ملجاء و لا منجاء منك الا الیك آمنت بكتابك الذی انزلت و نبیك الذی رسلت والحمدلله الذی اطعما و سقانا و كفانا آونا فكم ممن لا كافی له و لا مووی له

اور سبحان الله اور الحمدلله ہر ایک تینتیس بار اور الله اكبر چونتیس مرتبہ اور اللهم قنی عذابك یوم تبعث عبادك تین مرتبہ اعوذ بوجهك الكریم و كلماتك التامات من شر ما انت اخذبنا صیته اللهم

انت تکشف المغرم والمائم اللّٰھم لا یھزم جندك و لا یخلف التوراۃ والانجیل والقرآن و اعوذبك شر کل شرانت آخذبنا صیته انت الاول فلیس قبلك شیء و انت الآخر فلیس بعدك شیء و انت الظاھر فلیس فوتك شیء و انت الباطن فلیس دونك شیء اقض عنی الدین و اعذنی من الفقر. اور بسم اللّٰہ وضعت جنبی اللّٰھم اغفرلی ذنبی و اخسا شیطانی رفك رھانی واجعلنی فی الندی الاعلیٰ. اور الحمدللّٰہ الذی کفانی و اطعمنی و سقانی والذی من علی فافضل والذی اعطانی فاجزل الحمدللّٰہ علی کل حال. اللھم رب کل شیء و ملیکه و اله کل شیء اعوذبك من النار. اور دونوں ہاتھ ملا کر قل ھو اللّٰہ احد. اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس. پڑھے جہاں تک بدن پر اُس کا ہاتھ پہنچ سکے ہاتھ پھیرے اور آیت الکرسی پڑھے اور اگر کسی عورت سے نکاح کرے یا کوئی باندی غلام خریدے تو اس کے واسطے یہ پڑھنا مسنون ہے۔ اللھم انی اسئلك خیرھا و خیر ما جبلتھا علیه و اعوذبك من شرھا و من شر ما جبلتھا علیه. اور جب مبارکبادی دے تو یہ کہے بارك اللّٰہ لك و بارك علیکما و جمع بینکما فی خیر. اور جب بیوی سے صحبت کرنے کا ارادہ کرے تو یہ پڑھے۔ بسم اللّٰہ اللھم جنبنا الشیطان و جنب الشیطان ما رزقتنا. اور پاخانے کو جاتے وقت یہ پڑھنا چاہیے اعوذباللّٰہ من الخبث والخبائث. اور وہاں سے نکلتے وقت غفرانك. کہے۔

اور جب کسی کو کوئی تکلیف ہو رہی ہو تو وہ پڑھے لا الٰه الا اللّٰہ الحلیم العظیم لا اله الا اللّٰہ رب العرش العظیم لا الٰه الا اللّٰہ رب السمٰوٰت و رب الارض و رب العرش الکریم. اور غصہ کے وقت پڑھے اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم. اور مرغ کے اذان دیتے وقت اللہ تعالیٰ سے فضل کی خواستگاری کرے اور گدھے رینگتے وقت اعوذ. پڑھے اور سواری پر چڑھتے وقت تین مرتبہ اللّٰہ اکبر. پڑھے بعدازاں پڑھے سبحان الذی سخرلنا ھذا و ما کنا له مقرنین و انا الی ربنا لمنقلبون. اور الحمدللّٰہ تین مرتبہ اللّٰہ اکبر تین مرتبہ اور سبحانك اللّٰھم ظلمت نفسی فاغفرلی انه لا یغفر الذنوب الا انت. اور سفر کا قصد کرتے وقت پڑھے اللّٰھم انك نسئلك فی سفرنا ھذا البر والتقویٰ و من العمل ما ترضی اللّٰھم ھون علینا سفرنا ھذا اطولنا بعده اللّٰھم انت الصاحب فی السفر والخلیفة فی الاھل اللّٰھم انی اعوذبك من وعثاء السفر و کابة المنقلب و سوء المنظر فی المال والاھل. اور جب منزل پر اترے یہ پڑھے اعوذ بکلمات اللّٰہ التامات من شر ما خلق یا ارض ربی و ربك اللّٰہ اعوذباللّٰہ من شرك و من شرما فیك و من شر ما خلق فیك و من شر ما یدب علیك و اعوذباللّٰہ من اسدو اسود من الحیة و العقرب و من شر ساکن البلد و من والد و ما ولد. اور جب سفر کی حالت میں صبح کا وقت ہو تو یہ پڑھے سمع سامع بحمداللّٰہ و حسن بلائه علینا ربنا صاحبنا و افضل علینا عائذًا باللّٰہ من النار. اور جب سفر سے واپس آئے تو جب کوئی بلند جگہ آئے تین مرتبہ اللّٰہ

اکبر. کہے بعد ازاں کہے لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد و ھو علی کل شیء قدیر. آئبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق اللّٰہ وعدہ و نصر عبدہ و ھزم الاحزاب وحدہ. اور جب کافروں پر بددعا کرے تو یہ کہے۔ اللّٰھم منزل الکتاب سریع الحساب اللّٰھم اھزم الاحزاب اللّٰھم اھزمھم و زلزلھم اللّٰھم انا نجعلک فی نحورھم و نعوذبک من شرورھم اللّٰھم انت عضدی و نصیری بک اصول و بک احول و بک اقاتل.

اور جب کسی کا مہمان ہو تو کہے: اللّٰھم بارک لھم فیما رزقھم و اغفرلھم و ارحمھم. اور چاند دیکھتے وقت پڑھے: اللّٰھم اھل لہ علینا بالامن والایمان والسلامۃ والاسلام ربی و ربک اللّٰہ. اور کسی کو کسی بلا میں گرفتار دیکھے تو کہے: الحمدللّٰہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ و فضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا. اور جب کسی پینٹھ میں جائے تو یہ کہے: لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد و ھو حی لا یموت بیدہ الخیر و ھو علی کل شیء قدیر. اور جب کسی شور وغل کی مجلس سے اٹھے تو یہ پڑھے سبحانک اللّٰھم و بحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک و اتوب الیک. اور کسی شخص کو رخصت کرتے وقت یہ پڑھنا چاہیے: استودع اللّٰہ دینک و امانتک و آخر عملک و زودک اللّٰہ التقویٰ و غفر ذنبک و یسرک الخیر حیث ما کنت اللّٰھم اطولہ البعد و ھون علیہ السفر. اور اپنے گھر سے نکلتے وقت پڑھے: بسم اللّٰہ توکلت علی اللّٰہ اللّٰھم انا نعوذبک من ان نذل او نضل او اظلم او نظلم او نجھل او یجھل علینا بسم اللّٰہ توکلت علی اللّٰہ لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ. اور اپنے گھر میں آتے وقت پڑھے: اللّٰھم انی اسئلک خیر المولج و خیر المخرج بسم اللّٰہ و لجنا و بسم اللّٰہ خرجنا و علی اللّٰہ و ربنا توکلنا. اور جب کسی پر قرض کا بوجھ اور افکار کا ہجوم ہو تو صبح و شام یہ پڑھے: اللّٰھم انی اعوذبک من الھم والحزن و اعوذبک من العجز والکسل و اعوذبک من البخل والجبن و اعوذبک من غلبۃ الدین و قھر الرجال. اور یہ پڑھے اللّٰھم اکفنی بحلالک عن حرامک و اغننی بفضلک عمن سواک. اور جب نیا کپڑا پہنے تو یہ پڑھے۔ اللّٰھم لک الحمد انت کسوتنی ھذا. اور اس کپڑے کا نام لے اسئلک خیرہ و خیر ما صنع لہ و اعوذبک من شرہ و شرما صنع لہ الحمد للّٰہ الذی کسانی ما اواری بہ عورتی واتجمل بہ فی حیاتی. اور کوئی چیز کھاتے پیتے وقت پڑھے الحمدللّٰہ الذی اطعمنا و سقانا و جعلنا من المسلمین. الحمدللّٰہ الذی اطعمنی ھذا الطعام من غیر حول منی و لا قوۃ الحمدللّٰہ الذی اطعم و سقی و سوغہ و جعل لہ مخرجا. اور جب دستر خوان اٹھایا جائے تو پڑھے الحمدللّٰہ حمدًا طیبًا کثیرًا مبارکًا فیہ غیر کفی و لا مودع و لا مستغنی عنہ ربنا. اور مسجد کو چلتے میں یہ پڑھے اللّٰھم اجعل فی قلبی نورًا... الخ. اور مسجد کے اندر داخل ہونے سے پہلے یہ پڑھے اعوذباللّٰہ العظیم و بوجھہ الکریم و سلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم اللّٰھم افتح لی

ابواب رحمتك. اور مسجد سے نکلتے وقت پڑھے: اللهم انی اسئلك من فضلك.

اور جب بادل کے گرجنے اور کڑکنے کی آواز سنے تو پڑھے اللهم لا تقتلنا بغضبك و لا تهلكنا بعذاب و عافنا قبل ذلك. اللهم انی اعوذبك من شرها. اور باؤ چلتے وقت پڑھے اللهم انی اسئلك خيرها و خير ما فيها و خير ما ارسلت به و اعوذبك من شر ها و شرما فيها و شر ما ارسلت به. اور چھینکتے وقت پڑھے الحمدلله حمدا طيبا كثيرا مباركا. اوراس کے پاس والا کہے يرحمك الله. اور چھینکنے والا اُس کے جواب میں کہے يهديكم الله و يصلح بالكم. اور سوتے وقت پڑھے اللهم باسمك اموت و احيى. اور جاگتے وقت پڑھے الحمدلله الذى احيانا بعدما اماتنا و اليه النشور. اوراذان کے وقت پانچ چیزیں مسنون ہیں ایک تو یہ کہ مؤذن کا بعینہ جواب دینا چاہیے بجز حی علی الصلوٰة اور حی علی الفلاح کے کہ ان کے جواب میں لا حول ولا قوة الا بالله. کہے دوسرے اس کا پڑھنا ہے رضيت بالله ربا و بالاسلام دينا و بمحمد رسولا. تیسرے آنحضرت ﷺ پر درود بھیجے چوتھے اذان کے بعد اس دعا کا پڑھنا ہے۔

اللّٰهم رب هذه الدعوة التامة والصلو ة القائمة آت محمدان الوسيلة والفضيلة والدرجة الرفيعة وابعثه مقاما محمودًا الذى وعدته انك لا تخلف الميعاد.

پانچویں اللہ تعالیٰ سے فلاح دارین کا سوال کرنا ہے اور آنحضرت ﷺ نے ذی الحجہ کے عشرہ میں کثرت سے یادالٰہی کرنے کا حکم فرمایا ہے اور صحابہؓ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین سے عرفہ کے روز اور ایام تشریق میں مختلف طور سے تکبیر ثابت ہوئی ہے جن میں سے زیادہ تر صحیح یہ تکبیر ہے کہ عرفہ کے دن فجر سے ہر نماز کے بعد ایام تشریق اخیر دن کے عصر کے وقت تک ایک مرتبہ الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله و الله اكبر و لله الحمد. اور نماز وغیرہ کی دعائیں پہلے مذکور ہو چکی ہیں ان کو وہاں دیکھنا چاہیے۔ الحاصل جو شخص ان اوقات میں فکر کے ساتھ ان وظائف کا التزام کرے اور پابند ہو تو اُس شخص کے حق میں یہ اذکار ہر وقت ذکر کرنے کے برابر ہیں اور وہ شخص اس آیت کا مصداق ہو جاتا ہے۔ وَالذّٰاكِرِيْنَ اللهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰاكِرَاتِ۔ والله اعلم



بقیہ مباحث احسان کا بیان

معلوم کرو کہ ان چار اخلاق کے بہت سے اسباب ہیں جن سے یہ اخلاق حاصل ہو سکتے ہیں اور بہت سے موانع ہیں جو ان اخلاق سے روکتے ہیں اور علامات ہیں جن سے یہ اخلاق معلوم ہو سکتے ہیں اب جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے روبرو پست ہو جانا اور اس کی کبریائی کا معلوم کرنا اور ملاء اعلیٰ کے رنگ میں رنگ جانا اور رذائل بشریہ سے پاک ہونا اور دنیاوی زندگی کے نقوش کا نفس کے اندر منتقش نہ ہونا اور دنیاوی زندگی میں جی کا نہ لگنا ان سب امور کے پیدا کرنے کے لیے فکر کرنے کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ((فکر ساعة خیر من عبادہ ستین سنته)) ایک گھڑی کا فکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور فکر کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ ازانجملہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں فکر کرنا اور انبیاء صلوات اللہ علیہم نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ عوام الناس اس فکر کی طاقت نہیں رکھتے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((تفکرو فی آیات اللہ و لا تفکروا فی اللہ)).

''اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرو۔ اللہ کی ذات میں مت فکر کیا کرو۔''

دوسری روایت میں آیا ہے:

((تفکروا فی کل شیء و لا تفکروا فی ذات اللہ)).

اور ایک قسم خدا کی صفات علم اور قدرت اور رحمت میں فکر کرنا ہے۔

اہل سلوک کے ہاں اس فکر کرنے کا نام مراقبہ ہے اور اصل اس میں آنحضرت ﷺ کا قول ہے:

((الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ و ان لم تکن تراہ فانہ یراک)).

''احسان اس کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کر گویا کہ اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔''

اور فرمایا ہے ((حفظ اللہ تجدہ تجاھك)) اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھ تو اس کو اپنے سامنے پائے گا اور فکر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس سے ہو سکے یہ آیت پڑھے ((ھُوَ مَعَكُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ)) جہاں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔

﴿ وما تکون فی شانٍ وَّما تتلوا منه من قرآنٍ وَّ لا تعملون من عملٍ الّا کنّا علیکم شھودًا اذ تفیضون فیه وَ ما یعزب عن رّبّك من مّثقال ذرّة فی الارض و لا فی السّمآء وَ لا اصغر من ذٰلك و لا اکبر الّا فی کتابٍ مّبینٍ ﴾

''اور تو کسی حال میں نہیں ہوتا اور نہ قرآن میں سے کچھ تلاوت کرتا ہے اور نہ تم لوگ کوئی عمل کرتے ہو۔ مگر ہم تمہارے اوپر موجود ہوتے ہیں جب اُس کام میں گھستے ہو اور تیرے رب سے ذرہ برابر زمین میں اور نہ آسمان میں چھپا ہوا نہیں

ہے اور نہ اُس سے چھوٹا اور نہ بڑا مگر ظاہر کرنے والی کتاب میں موجود ہے یا یہ آیت:

﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَمَا كَانُوْا ﴾.

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ جو کچھ آسمان وزمین میں ہے جانتا ہے۔ کہیں تین شخصوں کا مشورہ نہیں مگر وہ اُن کا چوتھا ہوتا ہے۔ اور نہ پانچ کا مشورہ ہوتا ہے مگر وہ چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر وہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے جہاں وہ ہوں۔''

یا یہ آیت ﴿ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴾ رگ گردن سے زیادہ ہم اُس سے قریب ہیں۔ یا یہ آیت ﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾ اور اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو بجز اُس کے کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ جنگل اور دریا میں ہے اس کو اُس کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا جس کو وہ نہ جانتا ہو اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہرا اور سوکھا ایسا نہیں ہے جو ظاہر کرنے والی کتاب میں موجود نہ ہو یا یہ آیت ﴿ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ مُّحِيْطٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیر رہا ہے۔ یا یہ آیت ﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ﴾ وہی غالب ہے اپنے بندوں پر۔ یا یہ آیت ﴿ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے یا آنحضرت ﷺ کی حدیث کو پڑھے:

((اعلم ان الامة لو اجتمعت على ان ينفعوك بشيى لم ينفعوك الا بشيى قد كتب الله لك ولو اجتمعوا على ان يضروك الا بشيى قد كتبه الله عليك و رفعت الاقدام و وجفت الصحف)).

''جان لے کہ اگر تمام لوگ تجھے کچھ نفع پہنچانے پر جمع ہوں تو اُسی چیز کا نفع پہنچا سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھی ہے اور اگر تجھے کچھ ضرر پہنچانے پر جمع ہوں تو اسی قدر ضرر پہنچا سکیں گے جتنی اللہ تعالیٰ نے تیرے اوپر لکھی ہے۔ اٹھ گئی قلم اور خشک ہوگئیں کتابیں۔''

یا آنحضرت کے اس قول کو پڑھے ((ان لله مائه رحمة انزل منها واحدة فى الارض)) الحدیث اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے اُس نے زمین پر ایک نازل فرمائی ہے پھر بلا تشبیہ اور بلا توجیہ ان آیات کے معنی کا تصور کرے بلکہ ان اوصاف کے ساتھ خدائے تعالیٰ کے صرف اتصاف کو اپنے پیش نظر رکھے۔ پھر جب اُس تصور میں ضعف عارض ہو تو پھر اس آیت کو پڑھے اور دوبارہ تصور کرے اور اس عمل کے لیے اس کو ایک وقت مقرر کر لینا چاہیے جس میں پیشاب جائے ضروری حاجت اور بھوک وغصہ اور نیند سے پاک ہو حاصل یہ ہے کہ دنیا کی تمام تشویشوں سے اس کا دل صاف ہو اور از انجملہ اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان افعال میں فکر کرنا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ﴾

''جو لوگ آسمانوں وزمین کے پیدا کرنے میں فکر کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے اس کو بے کار پیدا نہیں کیا۔''

اور اس کی یہ صورت ہے کہ مینہ کے برسانے اور نباتات کے جمنے میں اور اسی قسم کے اندر چیزوں کے فکر کیا کرے اور خدائے تعالیٰ کے احسان میں مستغرق ہو جائے اور ازاں جملہ اُن دنوں میں فکر کرنا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو بلند کیا ہے اور کسی کو پست کیا ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ اللہ پاک حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرماتا ہے ﴿فَذَكِّرْهُمْ بِاَيَّامِ اللّٰهِ﴾ پس یاد دلا اُن کو اللہ تعالیٰ کے دن اس بات کی فکر کرنے سے بھی نفس کو دنیا سے تجرد ہوتا ہے اور ازاں جملہ موت اور اس کے بعد جو حالات ہونے والے ہیں اُن میں فکر کرنا اُس کی دلیل آپ کا یہ قول ہے: ((اذكروا هادم اللذات)) لذتوں کی منقطع کرنے والی کو یاد کرو۔ اُس کا یہ طریقہ ہے کہ نفس کے دنیا سے منقطع ہونے اور نیکی و بدی جو اُس نے کی ہے اُس کے ساتھ ہونے اور جو اُس کو جزا و سزا ملنے والی ہے اُس کا تصور کرے تفکر کی یہ دونوں قسمیں ایسی ہیں کہ تمام چیزوں سے زیادہ نفس کے نقوش دنیا کے قبول نہ کرنے میں مفید ہیں کیونکہ انسان دنیاوی اشغال سے فارغ ہو کر جب ان اشیاء میں غور وفکر کرتا ہے اور ان چیزوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے پیش کرتا ہے تو اس کی قوت بہیمی مغلوب اور قوت ملکی غالب ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ تمام لوگوں کو یہ بات دشوار تھی کہ سب اشغال سے فارغ ہو کر ان چیزوں میں غور وفکر کیا کریں اور اُن کو پیش نظر رکھا کریں لہٰذا ضروری ہوا کہ اس ذکر وفکر کے واسطے اشباہ وصور مقرر کیے جائیں اور ان میں فکر کے اقسام مرتب کیے جائیں اور فکر کی روح اُن میں پھونکی جائے تا کہ سب لوگ اُس کا قصد کر سکیں اور اُن کو سن سکیں اور اپنی قسمت کے موافق اُس سے فائدہ اٹھا سکیں اس لیے آنحضرت ﷺ کو قرآن عطا کیا گیا کہ تمام ان اقسام کے لیے جامع ہے اور اُس کے ساتھ اس کی مثل یعنی حدیث بھی دی گئی اور میرے نزدیک قرآن وحدیث میں آنحضرت ﷺ کے لیے تمام وہ چیزیں جمع کر دی گئیں جو امم سابقہ کو عطا کی گئی ہیں۔ واللہ اعلم

پھر حکمت کا مقتضی ہوا کہ قرآن کی تلاوت کے اندر رغبت دلائی جائے اور قرآن کی فضیلت اور مورد آیات کی عظمت بیان کی جائے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے آیت سے جو معنوی فائدہ حاصل ہوتا ہے اس کو ایک ایسے ظاہری فائدہ کے ساتھ مشابہ کیا کہ عرب کے نزدیک اُس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے یعنی بڑی کوہان والی اونٹنی اور تیار اور حاملہ اونٹنی تا کہ وہ فائدہ معنوی متمثل اور متصور ہو جائے اور تلاوت کرنے والے کو ملائکہ کے ساتھ آپؐ نے تشبیہ دی اور قرآن کے ہر حرف کا اجر بیان کیا۔ اور لوگوں کے درجات ترنج اور خرما اور اندرائن کے پھل اور ریحانہ کے ساتھ تشبیہ دے کر بیان کیے اور بیان کیا کہ قیامت کے روز قرآن کی سورتیں اجسام کی صورت میں متمثل ہو جائیں گی۔ جن کو ہاتھوں اور آنکھوں سے دیکھ سکیں گے۔ اور اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑا کریں گی اور اس میں عذاب اور نجات کے اسباب کا تعارض اور تلاوت قرآن کا دوسرے اسباب پر رجحان ظاہر کرتا ہے اور نیز آنحضرت ﷺ نے اس بات کا بیان فرمایا ہے کہ بعض سورتوں کو بعض پر فضیلت ہے۔

میں کہتا ہوں بعض سورتوں کو اپنے ماسوا پر فضیلت ہوتی ہے اُس کی کئی وجہ ہیں ایک تو فضیلت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ سورت صفات الٰہی میں تفکر کرنے کے مفید ہوتی ہے اور اس میں صفات کی جامعیت پائی جاتی ہے مثلاً آیت الکرسی اور سورہ حشر کے اخیر کی آیات اور قل هو الله احد یہ چیزیں قرآن کے اندر اس درجہ کی ہیں جس طرح تمام اسمائے الٰہی میں اسم اعظم کا درجہ ہے۔ ایک

فضیلت کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس کا نزول بندوں کی زبانوں کے موافق ہوتا ہے گویا بندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ اُس کو نازل فرماتا ہے تا کہ اُن کو اللہ تعالیٰ سے تقرب حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہو جائے۔ جیسے سورۂ فاتحہ اُس کا درجہ سورتوں میں ایسا ہے جس طرح تمام عبادات میں فرائض کا درجہ ہے۔ ازاں جملہ فضیلت کی وجہ یہ ہے وہ سورت جامع ترین سورکی ہو۔ جیسے سورہ بقرہ اور آل عمران۔ اور آنحضرت ﷺ نے یٰسین کی فضیلت میں بیان کیا ہے کہ وہ قرآن کا دل ہے اُس کا سبب یہ ہے کہ دل میں ایک چیز کے درمیان میں ہونے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اور سورۂ یٰسین اُن سورتوں سے جو دوسو آیت یا اُس سے زیادہ کی ہیں۔ کم ہے اور سور مفصلات سے زیادہ ہے اور نیز اُس کے اندر توکل اور تعویض اور توحید کا انطا کیہ کے نومسلم زبان پر بیان ہے یعنی اس آیت میں ﴿وَمَالِیَ لَا أَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ.... الآیة﴾ اور مجھے کیا ہوا ہے جو اپنے پیدا کرنے والے کی نہ پرستش کروں۔ اور اُس کے اندر مقاصد مذکورہ کامل طور سے پائے جاتے ہیں اور ﴿تَبَارَكَ الَّذِیْ﴾ کی فضیلت میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ اُس شخص کی شفاعت کی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو بخش دیا۔ اور یہ اُس شخص کا قصہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بعض مکاشفات میں اُس کا معائنہ کیا ہے اور نیز حکمت شرعی کا یہ مقتضی ہوا کہ قرآن کے یاد کرنے اور اُس میں مشغول رہنے کی طرف رغبت دلائی جائے اور اونٹ کے بھاگنے کے ساتھ اُس کے بھول جانے کو تشبیہ دی جائے اور نیز قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے اور اس جگہ تلاوت کرنے کا حکم دیا جائے جہاں لوگوں کو اس کی طرف رغبت پائی جاتی ہو اور دل جمعی وشوق زیادہ ہو تا کہ قرآن کے اندر تدبیر کا موقع مل سکے اور نیز خوش الحانی سے پڑھنے اور پڑھتے وقت گریہ کرنے کا حکم کرنا چاہیے تا کہ تفکر کے قریب ہو۔ اور اُس کا بھلانا حرام کیا جائے اور تین روز سے کم میں قرآن ختم کرنے سے ممانعت کی جائے کیونکہ اس وقت میں قرآن کے معنی مفہوم نہیں ہو سکتے اور عرب کی لغت کے موافق قرآن کے پڑھنے کی اجازت دی گئی تا کہ اس میں ان کو آسانی ہو کیونکہ امت میں ہر قسم کے لوگ ان پڑھ و بوڑھے و بچے ہوتے ہیں قرآن کے سوا آنحضرت ﷺ کو جو احادیث عطا ہوئی ہیں ازاں جملہ یہ ہیں:

((یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی و جعلته بینکم محرما فلا تظالموا یا عبادی کلکم ضال الامن هدیة)).

''اے میرے بندو! ظلم کو میں نے اپنے اُوپر حرام کر لیا ہے اور تمہارے اندر بھی اُس کو حرام کیا ہے اس لیے تم باہم ظلم مت کرو اے میرے بندو تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے مگر جس کو میں ہدایت دوں''۔

اور یہ حدیث:

((کان فی بنی اسرائیل رجل قتل تسعا و تسعین انسانا)) الحدیث

''قوم بنی اسرائیل میں سے ایک ایسا شخص تھا جس نے ننانوے آدمیوں کا خون کیا تھا'' الخ

اور ((**للّٰه اشد فرحا بتوبة عبده**)) الحدیث۔ اور ((**عبد اذنب ذنبا**)) الحدیث۔ اور ((**ان للّٰه مائة رحمة انزل منها واحدة**)) الحدیث۔ اور ((**اذا اسلم العبد محسن اسلامه**)) الحدیث۔ اور وہ حدیث جن میں دنیا کو اُس پانی کے ساتھ مشابہت دی ہے جو دریا میں سے انگلی کو لگ جاتا ہے اور اس بھیڑ کے بچے کے ساتھ جو گوش بریدہ اور مرا پڑا

تھا تشبیہ دی ہے اور معلوم کرو کہ عمل کی روح نیت ہے۔ اور عبادت اُس کا بدن ہے اور بغیر روح کے بدن کی حیات نہیں ہوتی اور بعد مفارقت بدن کے بھی روح کو ایک قسم کی حیات رہتی ہے مگر بغیر بدن کے حیات کے آثار پورے طور پر ظاہر نہیں ہوتے۔ اس لیے اللہ پاک فرماتے ہیں: ﴿لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ نہیں پہنچیں گے اللہ تعالیٰ کو ان کے گوشت اور نہ اُن کے خون مگر تمہاری پرہیزگاری اُس کے پاس پہنچتی ہے اور آپ نے فرمایا ہے: **انما الاعمال بالنیات** البتہ اعمال نیتوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے بہت سے مواضع میں اس شخص کو جس کی نیت صادق ہو لیکن اُس کو عمل کرنے سے کوئی چیز مانع ہو اُس عمل کرنے والے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جیسے مسافر و مریض اگر اُن کو صحت و اقامت کی حالت میں کسی وظیفہ کا التزام تھا اور اب اُس سے نہیں ہو سکتا تو بدستور ان کے نامۂ اعمال میں وہ وظیفہ لکھا جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا کسی شخص کا مستحکم ارادہ ہے مگر وہ تنگ دستی کے سبب سے نہیں کر سکتا وہ شخص خرچ کرنے کے برابر لکھا جائے گا اور نیت سے ہماری مراد وہ معنی ہیں جو عمل کا باعث پڑتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی زبان پر اطاعت کرنے والے کا ثواب اور نافرمان کا عذاب بیان فرماتا ہے اُس کا سچ سمجھنا یا اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی بطیب خاطر بجا آوری کرنے سے خوش ہونا اسی لیے شارع کو ریا، وسمع سے نہی کرنا اور اُن کی برائیوں کا صاف طور پر بیان کرنا ضروری ہوا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((ان اول الناس یقضی علیهم یوم القیامة ثلثه رجل قتل فی الجهاد لیقال له هو رجل جری و رجل تعلم العلم و علمه لیقال له و هو عالم رجل انفق فی وجوه الخیر لیقال هو جواد فیومر بهم فیسحبون علی وجوههم فی النار)).

''لوگوں میں سے اوّل جن پر قیامت کے دن حکم کیا جائے گا وہ تین شخص ہیں ایک تو وہ شخص جو جہاد میں اس لیے شہید ہوا تا کہ لوگ اُس کو دلیر بتائیں اور دوسرا وہ شخص جس نے پڑھ کر علم سکھایا تا کہ لوگ اس کو عالم بتائیں تیسرا وہ جو طریقہ خیر میں خرچ کرتا ہے تا کہ لوگ اس کو سخی بتا دیں پس ایسے لوگوں کو حکم کیا جائے گا۔ اور مونہوں کے بل جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے۔''

اور آنحضرت ﷺ نے حکایت عن اللہ تعالیٰ فرمایا ہے: **انا اغنی الشرکاء عن الشرك من عمل عملا اشرك فیه غیری ترکته و شرکه** میں سب شریکوں سے زیادہ بے پرواہ ہوں جس شخص نے میرے لیے کسی کو شریک کر کے کوئی کام کیا تو میں نے اُس کو مع اُس کے شریک کے چھوڑ دیا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ اُس شخص کے باب میں کیا فرماتے ہیں جو کوئی نیک کام کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں آپ نے فرمایا ((**تلك عاجل بشری المومن**)) ایمان والے کی یہ بھی بشارت ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ شخص صرف بوجہ اللہ کام کرتا ہے اس لیے زمین پر اُس کی قبولیت نازل ہو جاتی ہے اور لوگ اُس سے محبت کرتے ہیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آپ سے عرض کیا کہ اپنے مکان میں مصلے پر بیٹھا تھا کہ اس اثناء میں ایک شخص میرے پاس آیا تو مجھ کو جو اس نے اس حال میں دیکھا تو میری طبیعت خوش ہوئی آپ نے فرمایا ((**رحمك یا اباهریره اجر ان اجر السر و اجر**

العلانیه))۔ اے ابو ہریرہؓ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے۔ تیرے لیے دو اجر ہیں ایک اجر پوشیدہ کا اور ایک ظاہر کا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ عجب نفسانی مغلوب ہو اور صرف عجب نفسانی عمل پر باعث نہ ہو اور اجر سر سے اخلاص کا اجر مراد ہے جو ایک پوشیدہ چیز ہے اور اجر علانیہ سے دین الٰہی کے بلند کرنے اور سنت راشدہ کے شائع کرنے کا اجر مراد ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ((**خیارکم احاسنکم اخلاقًا**)) بہترین تم میں سے وہ لوگ ہیں جن کی عادات عمدہ ہیں۔

میں کہتا ہوں چونکہ سماحت وعدالت میں ایک قسم کا تعارض ہے جس پر ہم متنبہ کر چکے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے علوم کی بنا دونوں مصلحتوں کی رعایت کرنے اور نظام دارین قائم کرنے اور حتی الامکان مصالح کے جمع کرنے پر ہے لہٰذا شرائع کے اندر ضروری ہوا کہ سماحت کی علامات اور راشباح جن کو عدالت کے ساتھ التزام ہو اور اُس کے موید اور اس پر متنبہ کرنے والے ہوں مقرر کیے جائیں اس واسطے حسن اخلاق کا حکم دیا گیا۔ اور وہ سماحت اور عدالت کے باب سے بہت سے امور کے مجموعہ کا نام ہے کیونکہ حسن اخلاق جود اور ظلم کرنے والے سے عفو اور تواضع اور ترک حسد اور کینہ اور غضب کو شامل ہے اور یہ سب امور سماحت کے قبیلہ سے ہیں اور نیز لوگوں سے محبت اور صلہ رحم اور حسن صحبت مع الناس اور حاجت مندوں کی غم خواری کو شامل ہے اور یہ سب باتیں عدالت کے باب سے ہیں اور پہلی قسم کے امور کا مدار دوسری قسم کے امور پر ہے اور دوسری قسم پہلی قسم کے بغیر ناتمام ہے اور یہ ایک بڑی مہربانی ہے جس کا شرائع الٰہیہ میں اعتبار کیا گیا ہے۔ اور چونکہ بہ نسبت سب اعضاء کے زبان کو خیر وشر کی جانب جلد سبقت ہوتی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((وهل يكتب الناس على مناخرهم الا حصائد السنتهم))

''اور لوگوں کو کوئی چیز نتھنوں کے بل اوندھا نہ کرے گی مگر جو اُن کی زبانوں نے کاٹا ہے۔''

اور نیز زبان کے آفات لسانی اور سماحت اور عدالت میں خلل انداز ہوتے ہیں کیونکہ کثرت سے کلام کرنا ذکر الٰہی سے غافل کرنا ہے اور غیبت اور بے ہودہ باتیں اور ان کے مثل باہم فساد ڈالتی ہیں اور آدمی کی زبان سے جو کلام نکلتا ہے دل اس کی کیفیت سے متکیف ہو جاتا ہے مثلاً جب غصہ کا کلمہ اُس کی زبان سے نکلتا ہے دل کے اندر اس کا جوش پیدا ہوا ہو جاتا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس اور دل کے اندر اُس کیفیت کا پیدا ہونا اُس کیفیت کے متمثل ہونے اور اس کے تشبہ کا سبب ہوتا ہے لہٰذا یہ بات ضروری ہوئی کہ شرع میں بہ نسبت اور اعضاء کے آفات کے زبان کی آفات سے زیادہ تر بحث کی جائے اور آفات لسانی کے بہت سے اقسام ہیں۔ از انجملہ یہ ہے کہ ہر ایک وادی میں خوض کرے اس کے سبب سے ان چیزوں کی صورتیں آدمی کی حس مشترک میں جمع ہو جاتی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو ذکر الٰہی میں اُس کو کچھ حلاوت نہیں معلوم ہوتی اور راز کار میں کچھ تدبیر نہیں کر سکتا۔ یہی سبب ہے کہ بے فائدہ باتوں سے ممانعت کی گئی ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ لوگوں میں فتنہ کا پیدا کرنا جیسے غیبت اور مجادلہ اور لوگوں کا بہکانا اور از انجملہ یہ ہے کہ وہ کلام اس قسم کا ہو جس سے قوت سبعیہ یا شہویہ کے اثر عظیم سے نفس متاثر ہوتا ہے۔ جیسے گالیاں بکنا اور عورتوں کے محاسن کا ذکر کرنا۔ اور از انجملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جلال اور اُس کی عظمت سے غافل ہونا اس کلام کا سبب پڑا ہو۔ جیسے کسی بادشاہ کو شہنشاہ کہنا اور از انجملہ یہ ہے کہ وہ کلام مصالح دینی میں خلاف ہو۔ بایں طور کہ دین میں جس چیز کے ترک کرنے کا حکم ہے اس کلام سے اُس چیز

منہی عنہ کی رغبت پیدا ہو جیسے شراب کی تعریف کرنا یا انگور کا نام کرم رکھنا یا کتاب الٰہی میں اُس سے تغیر لازم آتا ہو۔ جیسے مغرب کا نام عشاء اور عشاء کا نام عتمہ رکھنا۔

اور از انجملہ یہ ہے کہ وہ کلام مثلاً بے ہودہ ہو۔ جیسے افعال شنیعہ جو شیاطین کی طرف منسوب ہوتے ہیں جیسے فحش باتیں بکنا ہے اور جماع اور اعضاء مستورہ کا صاف صاف الفاظ میں ذکر کرنا یا جیسے اُس چیز کا ذکر کرنا جس سے بدشگونی لی جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ گھر میں نجاح (کامیابی) نہیں ہے اور نہ برکت۔ پھر اُن چیزوں کا بیان کرنا بھی ضروری ہے جو سماحت کے دلائل ہیں اور بکثرت ان کا وقوع ہوتا ہے اور نیز ان اخلاق کا جن کا شارع نے اعتبار کیا ہے اُن سے تمیز کرنا اور شارع نے اعتبار کیا۔ ضروری از انجملہ زہد ہے کیونکہ نفس بسا اوقات کھانے پہننے کی حرص اور عورتوں کی طرف رغبت کرتا ہے حتیٰ کہ ان باتوں سے اُس کے جوہر میں ایک خراب کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور جب انسان اپنے نفس سے اس بات کو دور کر دیتا ہے تو دنیا کے اعتبار سے وہ زاہد ہو جاتا ہے اور مقصود بالذات خود ان چیزوں کا چھوڑنا نہیں ہوتا بلکہ اس خصلت کے حاصل کرنے کے لیے ان چیزوں کا ترک مطلوب ہوتا ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((الزهادة فی الدنیا لیست به التحریم الحلال و لا اضاعته المال و لکن الزهادة فی الدنیا ان لا تکون بما فی یدیك اوثق مما فی یدی الله و ان تکون فی ثواب المصیبة اذا انت احببت بها ارغب فیها لو انها ابقیت لك)).

''دنیا کی زاہدی نہ حلال کے حرام کر لینے سے ہے اور نہ مال کے ضائع کرنے سے بلکہ دنیا کا زہد یہ ہے کہ جو چیز تیرے قبضہ میں ہے اُس چیز سے زیادہ تجھ کو اس پر اعتماد نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور جب تجھ کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس مصیبت کے ثواب کی رغبت میں اُس مصیبت کا باقی رہنا تجھ کو پسند ہو۔''

اور فرمایا ہے: **((لیس لابن آدم حق فی سوی هذا الخصال بیت یسکنه و ثوب یواری عورته و جلف الخبز والماء))** بنی آدم کے لیے سوائے ان چیزوں کے کچھ ضروری نہیں ہے گھر رہنے کے لیے کپڑا ستر ڈھانکنے کے لیے اور روٹی اور پانی کے لیے کوئی برتن۔ اور نیز فرمایا ہے: **((یحسب ابن آدم لقیمات یقمن صلبه))** آدمی کے لیے چند چھوٹے چھوٹے لقمے کافی ہیں جس سے پیٹ کو سیدھا کر سکے۔ اور فرمایا ہے: **((طعام الاثنین کاف الثلاثة و طعام الثلاثة کاف الاربعة))** دو کا کھانا تین کو اور تین شخصوں کا چار کو کافی ہے یعنی جس قدر کھانے سے دو شخصوں کا خوب شکم پُر ہو سکتا ہے اگر اُس کو تین بھی کھالیں تو اوسط درجہ اُن کو کافی ہو سکتا ہے اس سے آپ ﷺ کا مقصود غمخواری میں رغبت دلانا اور شکم پُری کی حرص کو مکروہ سمجھنا ہے اور از انجملہ قناعت ہے اُس کا بیان یہ ہے کہ مال کی حرص بسا اوقات آدمی کے نفس پر غالب ہوتی ہے حتیٰ کہ اُس کے جوہر میں داخل ہو جاتی ہے پس جب اُس حرص کو اپنے قلب سے دُور کر دیتا ہے اور مال کا چھوڑنا اُس پر آسان ہوتا ہے تو اس صفت کا نام قناعت ہے اور قناعت اُس کا نام نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو عطا فرمایا ہے بے رغبتی کے ساتھ اُس کا ترک کر دینا آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:

((یا حکیم ان ھذا المال خضر حلو فمن اخذہ بسخاوۃ نفس بورك له فیه و من اخذہ باشراف نفس لم یبارك له فیه و کان کالذی یاکل و لا یشبع والید العلیا خیر من السفلٰی)).

''اے حکیم یہ مال ہرا و شیریں ہوتا ہے پس جو نفس کی سخاوت کے ساتھ اُس کو لے لیتا ہے تو اس میں برکت دی جاتی ہے اور جو شخص حرص نفسانی کے ساتھ لیتا ہے تو اُس میں برکت نہیں دی جاتی اور وہ اس شخص کی مانند ہوتا ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور اُوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔''

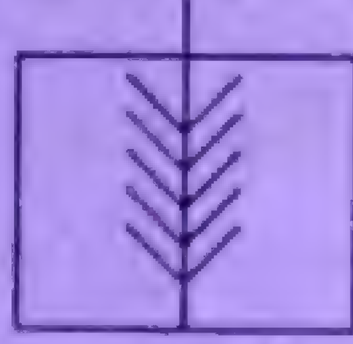
اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((اذا جاءك من ھذا المال شیی و انت غیر مشرف و لا سائل فخذہ فتموله و ما لا تتبه نفسك)).

''اس مال میں سے جب تیرے پاس کچھ آئے اور تو نہ حریص ہو اور نہ سائل تب تو اس کو لے لے اور آسودہ ہو ورنہ اپنے پیچھے مت لگا۔''

اور از انجملہ جود ہے اُس کا بیان ہے کہ مال کی محبت اور اس کے جمع کرنے کی محبت بسا اوقات قلب پر غالب آ کر اُس کو محیط ہو جاتی ہے اور جب آدمی اُس کے خرچ کرنے پر قادر ہوتا ہے اور کچھ پرواہ نہیں کرتا اس کا نام جود ہے اور مال کے ضائع کرنے کا نام جود نہیں ہے اور نہ خود مال کوئی مبغوض چیز ہے بلکہ ایک بڑی نعمت ہے آپ نے فرمایا ہے: **((اتقوا الشح فان الشح اھلك من قبلکم حملھم علٰی ان سفکوا دماء ھم واستحلو محارمھم))**۔ بخل سے بچتے رہو کیونکہ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ اُسی نے اُن کو اس بات پر برانگیختہ کیا کہ باہم خونریزی کریں اور حرام چیزوں کو حلال سمجھیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **((لا حسد الا فی اثنین))** الحدیث۔ سوا دو شخصوں کے کسی سے حسد نہیں ہے اور کسی نے آپ سے عرض کیا کیا خیر سے شر پیدا ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا: **((انه لا یاتی الخیر بالشر))** البتہ خیر سے شر نہیں پیدا ہوتا اور ربیع میں بعض چیزیں ایسی پیدا ہوتی ہیں جو تخمہ پیدا کر کے ہلاک کر دیتی ہیں یا قریب بہلاکت کر دیتی ہیں اور نیز آپ نے فرمایا: **((من کان معه فضل ظھر فلیعد به علی من الاظھر له..... الخ))** جس شخص کے پاس حاجت سے زیادہ سواری ہو تو جس کے پاس سواری نہیں ہے اُس کو وہ سواری دے دے اور جس کے پاس حاجت سے زیادہ توشہ ہو اُس کو چاہیے کہ جس کے پاس توشہ نہیں ہے اُس کو دے دے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مال کے اس قدر اقسام ذکر فرمائے جس سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ہم میں سے کسی کو اُس مال میں جو حاجت سے زیادہ ہو کچھ حق نہیں ہے۔ اور اس قدر رغبت آنحضرت ﷺ نے اس واسطے دلائی کہ وہ جہاد کی حالت میں تھی اور مسلمانوں کو احتیاج لاحق ہو رہی تھی اور اُس میں سماحت بھی پائی جاتی ہے اور نظام ملت کا بھی قائم کرنا ہے اور مسلمانوں کی جان کا بھی باقی رکھنا ہے اور از انجملہ قصر امل یعنی آرزو کا کوتاہ کرنا ہے اور اُس کا بیان یہ ہے کہ انسان پر زندگی کی محبت غالب ہوتی ہے حتیٰ کہ موت کا ذکر اُس کو ناگوار ہوتا ہے اور اس قدر زندہ رہنے کی اُمید رکھتا ہے کہ اُس حد تک وہ زندہ نہیں رہ سکتا پس ایسی حالت میں جب

آدمی مرجاتا ہے تو جس چیز کی اُس کو تمنا تھی اس کے پورا نہ ہونے سے اس کو تکلیف وعذاب ہوتا رہتا ہے اور فی نفسہ زندگی کوئی مبغوض اور ایسی چیز نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو بلکہ وہ ایک نعمت عظمیٰ ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **((کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل))** دنیا میں ایسا رہ جیسے پردیسی بلکہ راہ چلنے والا۔ اور آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ مربع خط کھینچا اور پھر اس کے وسط میں ایک خط کھینچا اور باہر تک اُس کو نکالا اور پھر اُس بیچ والے خط کے ساتھ اور چھوٹے چھوٹے خط ملائے مگر اُسی قدر کے ساتھ جتنا وہ مربع کے اندر اندر تھا اُس کی شکل یہ ہے۔



اور بیچ کے خط کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ انسان ہے اور اس مربع کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ اس کی اجل ہے جو اُس کو گھیر رہی ہے اور یہ جو باہر کو نکلا ہوا ہے یہ اُس کی آرزو ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے خطوط عوارض ہیں اگر یہ حادثہ سے بچ جاتا ہے تو پہنچ جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے طول امل کی بیماری کا علاج موت کے ذکر اور قبور کی زیارت اور ساتھیوں کی موت سے عبرت حاصل کرنے کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ **((لا یتمنین احدکم الموت ولا یدع به قبل ان یاتیه انه اذا مات انقطع عمله))** تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے اور نہ موت آنے سے پہلے اُس کی دعا کرے کیونکہ جب آدمی مرگیا اس کا عمل منقطع ہوگیا اور از انجملہ تواضع ہے۔ تواضع کے یہ معنی ہیں کہ نفس کو تکبر اور خود پسندی کے دواعی کی طرف پیروی ہو جس سے آدمی لوگوں کو اپنے اعتبار سے حقیر اور ذلیل جانتا ہے اور اس کے باعث سے اُس کا نفس خراب ہو جاتا ہے اور لوگوں پر ظلم کرنے اور اُن کو ذلیل سمجھنے پر برانگیختہ کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر فقال رجل ان الرجل یحب ان یکون ثوبة حسنا و نعله حسنته فقال ان الله جمیل یحب الجمال الکبر بطر الحق وغمط الناس)).

''جس کے قلب میں ذرہ کے برابر تکبر ہے جنت میں نہ جائے گا تو ایک شخص نے عرض کیا کہ آدمی کا دل چاہتا ہے اچھا کپڑا ہو اور اچھا جوتا ہو تو آپ نے فرمایا خدائے تعالیٰ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے تکبر تو حق کے نہ ماننے اور لوگوں کے ذلیل سمجھنے کا نام ہے۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **((الا اخبرکم باهل النار کل عتل جواظ مستکبر))** اہل دوزخ کی کیا نہ خبر دوں تم کو وہ سب وہ لوگ ہیں کہ سخت ظالم ونہایت تکبر کرنے والے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **((بینما رجل یمشی فی حلة تعجبه نفسه مرجل براسه یختال فی مشیئة اذ خسف الله به فهو یتجلجل فی الارض الی یوم القیامة))** ایک شخص حلہ سرتک پہنے ہوئے خود پسندی کے ساتھ اتراتا ہوا جارہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دھنسادیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا اور از انجملہ حلم ہے اور سہولت اور نرم دلی ہے اور حاصل اُن کا یہ ہے کہ آدمی کو غصہ کے اسباب کی طرف توجہ نہیں ہوتی تاوقتیکہ اس میں فکر نہ کرے اور مصلحت نہ دیکھ لے اور تمام اوقات میں غضب کی صفت مذموم نہیں ہے آنحضرت

ﷺ نے فرمایا ہے((من یحرم الرفق یحرم الخیر کلہ)). جو شخص نرمی سے محروم ہے سب نیکیوں سے محروم ہے اور ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا مجھے کچھ وصیت کیجیے آپؐ نے فرمایا ہے((الا اخبر کم بمن یحرم علی النار کل قریب ھین لین سھل)) کیا میں تم کو وہ شخص نہ بتادوں جو آگ پر حرام کیے جائیں وہ قریب بردبار نرم مزاج اور سہولیت والا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔((لیس الشدید بالصرعۃ انما الشدید الذی یملك نفسہ عند الغضب)) سخت آدمی وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑا کرے سخت تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور از انجملہ صبر ہے اور وہ آرام اور پریشانی اور خواہش نفسانی اور تکبر اور اظہار اور قطع محبت وغیرہ کے اسباب کا تابع نہ ہونا ہے۔ ان اسباب کے لحاظ سے اُس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں اللہ پاک فرماتا ہے:((انما یوف الصابرون اجرھم بغیر حساب)) صابر لوگ تو بے حساب ہی اپنا اجر دیئے جائیں گے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:((ما اوتی احد عطا' افضل و اوسع من الصبر)) کوئی شخص کوئی عطا زیادہ افضل وزیادہ فراخ صبر سے زیادہ نہیں دیا گیا اور آنحضرت ﷺ نے عدالت کے علامات کے ساتھ حکم دیا ہے اور اس کے ابواب میں سے عظیم الشان باب پر آگاہ فرمایا اور خلق الٰہی پر رحمت کرنے کی خوبیاں بیان فرمائیں اور لوگوں کو اس کی رغبت دلائی اور اس کے اقسام یعنی گھر والوں کا الفت سے رہنا اور کسی قبیلہ کے لوگوں کے باہم معاشرت اور شہر والوں کے معاشرت اور بزرگانِ دین کی توقیر اور ہر ایک کے مرتبہ سمجھنے کا بیان فرمایا اُس کے متعلق ہم چند احادیث ذکر کرتے ہیں جو اس باب کے لیے بطور نمونہ کے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے((اتقوالظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامۃ)) ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے روز تاریکیاں بن جائے گا۔ اور فرمایا ہے:((ان اللہ حرم علیکم دماء کم و اموالکم کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا)) اللہ تعالیٰ نے تمہارے اُوپر تمہارے خون اور تمہارے مالوں کو حرام کیا ہے۔ جس طرح تمہارے اس دن کی تمہارے اس شہر میں حرمت۔ اور فرمایا ہے:((المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ.... الخ)) مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان امن میں رہیں اللہ کی قسم تم میں سے کوئی شخص بغیر حق کے کسی چیز کو نہ لے گا مگر قیامت کے روز جب اللہ سے ملے گا وہ چیز اُس پر سوار ہوگی پس البتہ تم میں سے میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جو اونٹ کو اپنے اُوپر سوار کیے ہوئے ہے اللہ سے ملے گا اور وہ اونٹ بلبلاتا ہوگا یا گائے کو سوار کیے ہوئے ہوگا اور وہ ڈکراتی ہوگی یا بکری کو سوار کیے ہوگا اور وہ ممیاتی ہوگی اور فرمایا ہے:((من ظلم قید شبر من الارض طوقہ من سبع ارضین)) جو بالشت بھر زمین ظلم سے لے گا ساتوں زمینیں طوق کر کے اُس کی گردن میں ڈالی جائیں گی۔

باب الزکوٰۃ میں اس کی حقیقت ہم بیان کر چکے ہیں:((والمومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضًا))اور ایمان والا ایمان والے کے لیے بنیاد کی طرح ہے کہ اُس کے اجزا ایک دوسرے کے لیے مضبوطی کا سبب ہوتے ہیں مثل المومنین فی توادھم و تراحمھم و تعاطفھم مثل الجسد اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھرو الحمی .مومنین کی مثال باہم کی محبت اور ہمدردی اور مہربانی میں ایسی ہے جیسے بدن کہ جب اُس میں سے کوئی عضو مریض ہو جاتا ہے تو تمام بدن پر تپ لاحق ہو جاتی ہے اور نیند جاتی رہتی ہے من لا یرحم الناس لاٗ یرحمہ اللہ. جو لوگوں پر

رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا۔((المسلم اخوالمسلم لا یظلمه و لا یسلمه))ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اُس پر زیادتی کرتا ہے نہ اُس کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔((من کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجة)) ''جو شخص اپنے بھائی کے کام میں ہے اللہ تعالیٰ اُس کے کام میں ہے۔'' ((و من فرج عن مسلم کربته فرج الله عنه بها کربته من کرب یوم القیامة و من ستر مسلمًا ستره الله یوم القیامة)).جوکوئی شخص مسلمان کی کوئی مصیبت دُور کردے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مصائب میں سے اُس کی کوئی مصیبت اس کے سبب سے دور فرمائے گا اور جوکوئی شخص کسی کی پردہ پوشی کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کی پردہ پوشی کرے گا۔

((اشفعوا توجرو و یقضی الله علی لسان نبیه ما احب)) سفارش کیا کرو ماجور ہوگی اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنے نبی کی زبان پر جاری کرتا ہے اور فرمایا:((تعدل بین اثنین صدقة و تعین الرجل فی دابته فتحمله او ترفع له متاعه صدقة والکلمة الطیبة صدقة)).دو شخصوں میں تو انصاف کرے تو یہ صدقہ ہے اور کسی کو سواری میں مدد دے کہ اس کو سوار کرادے یا اُس کے اسباب کو اٹھا کر رکھ دے تو یہ صدقہ ہے اور اچھی بات کہنا صدقہ ہے۔اور ضعفاء مہاجرین کے باب میں آپؐ نے فرمایا ہے:((لئن کنت اغضبتهم فقد اغضبت ربك)) اگر تو نے اُن کو ناخوش کیا تو اللہ تعالیٰ کو تو نے ناخوش کیا۔اور فرمایا((انا و کافل الیتیم فی الجنة هکذا و اشار بالسبابة والوسطٰی)).اور وہ شخص جو یتیم کا بوجھ اٹھاتا ہے جنت میں میں اور وہ اس طرح ہوں گے اور یہ فرما کر انگشت شہادت اور درمیان کی انگشت سے آپؐ نے بتلا دیا یعنی جس طرح یہ دونوں انگلیاں پاس پاس ہیں۔((الساعی علی الارملة والمسکین کالمجاهد فی سبیل الله)).جو شخص اپاہج لوگ اور مسکین کا کام کاج کرتا ہے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے۔((من ابتلی من هذه البنات بشیی فاحسن الیهن کن له سدا من النار)) جو شخص ان لڑکیوں کی طرف سے کچھ مشقت میں مبتلا ہوا اور اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تو وہ اُس کے لیے آگ کی روک ہو جائیں گی۔((استوصوا بالنساء فان المرأة خلقت من ضلع و ان اعوج ما فی الضلع اعلاه فان ذهبت تقیمة کسرته)) عورتوں کے باب میں وصیت قبول کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور پسلی میں زیادہ ترکجی اُوپر کے حصہ میں ہے۔پس اگر تو اس کو سیدھا کرنا چاہے گا تو اُس کو توڑ ڈالے گا۔اور بیوی کے حق میں آپؐ نے فرمایا ہے((ان تطعمها اذا اطعمت و تکسوها اذا کتسیت و لا تضرب الوجه ولا تقبح و لا تهجر الا فی البیت)) کہ تو کھانا کھائے تو اُس کو بھی کھلا اور تو کپڑا پہنے تو اُس کو بھی پہنا اور منہ پر مت مار اور اُس کی صورت بگڑنے کی دُعا مت کر اور بجز خواب گاہ کے اُس سے علیحدہ مت ہو۔((اذا دعی الرجل امرأة الی فراشه فلم تاته فبات غضبان علیها لعنتها الملائکة حتی تصبح)) اگر خاوند اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف لائے اور وہ اُس کے پاس نہ آئے اور خاوند اُس پر غصہ کی حالت میں سورہے تو صبح تک فرشتے اُس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔((لا یحل لامرأة ان تصوم و زوجها شاهد الا باذنه و لا تاذن فی بیته الا باذنه)).خاوند کی موجودگی میں کسی عورت کو روزہ رکھنا درست نہیں جب تک وہ اجازت نہ دے اور خاوند کی بلا اجازت کسی کو اُس کے گھر میں نہ آنے دے۔((و لو کنت آمر احدا ان

یسجد لا حد لامرت المراۃ ان تسجد لزوجھا))۔اور اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو اپنے خاوند کو سجدہ کرنے کے لیے حکم دیتا۔((ایما امراۃ ما تت و زوجھا عنھا راض دخلت الجنۃ))۔جو عورت مر جائے اور اس کا خاوند اس سے خوش ہو جنت میں داخل ہوئی۔((دینار انفقۃ فی رقبۃ دینار الفقۃ علی مسکین و دینار انفقتہ علی اھلك اعظمھا اجر الذی انفقتھا علی اھلك))۔ایک تو وہ دینار ہے جس کو تو نے خدا کی راہ میں خرچ کیا اور ایک وہ دینار ہے جو کسی جان کے چھوانے میں صرف کیا اور ایک وہ دینار ہے جو کسی مسکین پر صرف کیا اور ایک وہ دینار ہے جو اپنی بیوی پر صرف کیا اُن سب کے اندر ثواب میں زیادہ وہ ہے جو اپنی بیوی پر تو نے صرف کیا۔

((اذا انفق الرجل علی اھلہ نفقۃ یحتسبھا فھو لہ صدقۃ))۔جو شخص طلب ثواب کے قصد سے اپنی بیوی کو نفقہ دے تو وہ اس شخص کے لیے صدقہ ہے۔((ما زال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت انہ سیورثہ))۔پڑوسی کے باب میں جبرئیلؑ مجھ کو ہمیشہ وصیت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ وہ عنقریب اُس کو وارث بنا دیں گے۔((یـــا اباذرؓ اذا طبخت مرقًا فاکثر ماء ھا و تعاھد جیرانك))۔اے ابوذرؓ جب تو شوربا پکائے تو اس کا پانی بڑھا دیا کر اور پڑوسیوں کو مت بھولا کر۔((من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یوذ جارہ)) جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو نہ ستائے((واللہ لا یومن الذی لا یامن جارہ بوائقہ))۔اللہ کی قسم جس شخص کا پڑوسی اُس کی ایذاؤں سے امن میں نہیں ہے وہ مومن نہیں ہے اور اللہ پاک نے رحم سے فرمایا((الا ترضین ان اصل من وصلك واقطع من قطعك))۔کیا تو اس بات سے خوش نہیں ہے کہ جو تجھ کو جوڑے میں بھی اُس سے جوڑوں اور جو تجھ کو قطع کرے میں بھی اس سے قطع کروں۔((من احب ان یبسط لہ فی رزقہ و ینسالہ فی اثرہ فلیصل رحمہ))۔ جو اپنے لیے رزق کی فراخی اور عمر کی درازی چاہے تو اُس کو صلہ رحم کرنا چاہیے۔((من الکبائر عقوق الوالدین)) ماں باپ کی نافرمانی کبائر میں سے ہے۔((من الکبائر شتم الرجل والدیہ یسب ابا الرجل فیسب اباہ و یسب امہ فیسب امہ))۔آدمی کو اپنے ماں باپ کو گالی دینا کبائر میں سے ہے کسی شخص کے باپ کو کوئی گالی دیتا ہے تو وہ اُس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور جب کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اُس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔

((سئل ھل بقی من برابوی شیء ابرھما بہ بعد موتھا فقال نعم الصلوۃ علیھما والاستغفار لھما وانفاذ عھدھما و صلۃ الرحم التی لا توصل الا بھما و اکرام صدیقھما)) کسی شخص کے ماں باپ مر گئے تھے اُس نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا میرے ماں باپ کے سلوک میں اب بھی کچھ باقی ہے جو ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ میں کروں تو آپؐ نے فرمایا ہاں اُن پر رحمت کی خواستگاری اور اُن کے لیے مغفرت کی طلب کرنا اور اُن کے بعد اُن کے عہد کو پورا کرنا اور اس قرابت کا جو ماں باپ ہی کے رشتہ سے ہے جوڑنا اور اُن کے دوست کی توقیر کرنا۔((و ان من اجلال اللہ اکرام ذی الشیبۃ المسلم و حامل القرآن غیر الغالی فیہ والجافی عنہ و اکرام ذی السلطان المقسط))۔اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں سے بوڑھے مسلمان اور حامل قرآن کے جو قرآن کی قرأت کے اندر مبالغہ نہیں کرتا اور نہ نافرمانی

کرتا ہے تعظیم اور صاحب سلطنت کی تعظیم ہے جو عادل ہو۔((لیس منامن لم یرحم صغیرنا و من لم یعرف شرف کبیرنا)) جو شخص ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور بڑے کی بزرگی نہ جانے وہ ہم میں سے نہیں۔((انزلوا الناس علی منازلھم)) لوگوں کو ان کے درجے پر رکھو۔((من عاد مریضا اوزار اخالہ فی اللہ ناداہ منا و طبت و طاب ممشاك و بوأت من الجنة منزلاً)) جو شخص مریض کی عیادت کرے یا فی سبیل اللہ اپنے کسی برادر کی ملاقات کو جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف ایک ندا کرنے والا اُس کے لیے یہ ندا کرتا ہے تو بھی اچھا ہے اور تیرا چلنا بھی اچھا ہے اور تو نے اپنے لیے جنت میں جگہ بنالی۔ پس یہ احادیث اور جواُن کی مثل ہیں۔ سب عدالت اور حسن مشارکت پر متنبہ کرتی ہیں۔

مقامات اور احوال کا بیان

معلوم کرو کہ احسان کے لیے بہت سے ثمرات ہیں جو اس کے حاصل ہونے کے بعد حاصل ہوتے ہیں اور اُن کو مقامات اور احوال کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اس باب کے ساتھ جو احادیث متعلق ہیں ان کی شرح دو مقدموں کی تمہید پر موقوف ہے پہلا مقدمہ عقل اور قلب اور نفس کے اثبات اور اُن کے حقائق کے بیان میں۔ دوسرا مقدمہ مقامات اور احوال کے پیدا ہونے کی کیفیت کے بیان میں۔

مقدمۂ اُولیٰ

معلوم کرو کہ انسان کے اندر تین لطائف ہیں جن کا نام قلب، نفس، عقل ہے۔ اور نقل و عقل اور تجربہ اور علماء کے اتفاق سے یہ تینوں چیزیں ثابت ہوتی ہیں نقل کا تو بیان یہ ہے کہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے۔ ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ﴾ عقل مندوں کے لیے اس میں بلاشبہ نشانیاں ہیں۔ اور اللہ پاک نے اہل نار سے حکایۃً فرمایا ہے ﴿لَوۡ كُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا كُنَّا فِیۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ﴾ اگر ہم سنتے یا عقل رکھتے ہوتے تو اصحاب جہنم میں سے نہ ہوتے اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔

((اوّل ما خلق اللہ تعالیٰ العقل فقال لہ اقبل فاقبل و قال لہ ادبر فادبر فقال بك او اخذ)).

''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو پیدا کیا عقل کو پیدا کیا پھر اس سے فرمایا سامنے آ وہ سامنے آئی پھر فرمایا پیچھے لوٹ جا پیچھے ہٹ گئی پھر فرمایا تیرے ہی سبب سے مواخذہ کروں گا۔''

اور آپ نے فرمایا ہے ((دین المرء عقلہ و من لا عقل لہ لا دین لہ)) آدمی کا دین اس کی عقل ہے جس کی عقل نہیں اُس کا دین نہیں ہے اور فرمایا ہے ((افلح من رزق لبا)) جس کو عقل دی گئی ہے اُس کو کامیابی ہوئی۔ اگرچہ ان احادیث کے ثبوت میں محدثین کو کلام ہے مگر تاہم ان احادیث کے لیے اسانید ہیں جو بعض بعض کی تائید کرتی ہیں اور قرآن پاک میں وارد ہوا ہے ﴿وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوۡلُ بَیۡنَ الۡمَرۡءِ وَ قَلۡبِہٖ﴾ ''اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے قلب کے مابین حائل ہو جاتا

ہے۔'' اور وارد ہوا ہے۔ ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْاَلْقَی السَّمْعَ وَ ھُوَ شَھِیْدٌ﴾ اس قرآن میں بلاشبہ نصیحت ہے اس شخص کے لئے جس کا قلب ہو یا کان ڈالے۔ اور وہ حاضر القلب ہو۔ اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ الا ان فی الجسد مضغته اذا صلحت صلح الجسد و اذا فسدت فسد الجسد الا و هی القلب خبردار ہو جاؤ کہ بدن کے اندر ایک گوشت کی بوٹی ہے جب وہ درست ہوتی ہے بدن درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتی ہے بدن بگڑ جاتا ہے آگاہ ہو جاؤ کہ وہ قلب ہے۔ اور وارد ہوا ہے۔ مثل القلب کریشة فی فلاة یقلبها الریاح ظهر البطن دل کی مثال ایک پَر کی سی ہے جو میدان میں پڑا ہوا ہے اور ہوائیں اس میدان میں اُس کو منقلب یعنی لوٹ پوٹ کرتی رہتی ہیں۔ اور وارد ہوا ہے۔ ((النفس تتمنی و تشتهی والفرج یصدق ذلك او یکذبه)) کہ نفس آرزو خواہش کرتا ہے اور پیشاب گاہ اُس کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے۔ اور مواضع استعمال میں تتبع و تلاش کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عقل اُس چیز کا نام ہے۔ جس سے اُن چیزوں کا ادراک کرتے ہیں جو غیر محسوس ہوتی ہیں۔

اور قلب اس چیز کا نام ہے جس سے انسان محبت یا بغض رکھتا ہے یا کسی چیز کو پسند کرتا ہے یا کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے۔

اور نفس اس چیز کا نام ہے جس سے انسان لذائذ یعنی کھانے و پینے و جماع کرنے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس بات کا بیان کہ عقل سے بھی ان تین چیزوں کا وجود ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اپنے موقع پر یہ ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کے بدن میں تین عضو رئیس ہیں جن سے وہ قوئی اور افعال جو انسان کی صورت نوعیہ کے مقتضی ہیں تمام ہوتے ہیں پس قوائے ادراکیہ یعنی تخیل اور توہم اور پھر ان متخیلات اور متوہمات کے اندر تصرف اور بوجہ من الوجوہ مجردات سے حکایت کرنے کا محل دماغ ہے۔ اور غضب اور جراءت اور جود اور بخل اور خوشی اور ناخوشی اور اس قسم کی چیزوں کا محل قلب ہے۔ اور اس چیز کے طلب کرنے کا محل جس کے اُوپر یا اُس کی جنس کے اُوپر بدن کا قوام موقوف ہے جگر ہے۔ اور اس بات پر دلیل یہ ہے کہ جب ان تین اعضاء میں سے کسی خاص عضو میں کوئی نقصان آ جاتا ہے تو ایک خاص قوت میں فتور پیدا ہو جاتا ہے جس سے اُس قوت کا اختصاص اس عضو کے ساتھ ثابت ہوتا ہے پھر ان تین میں سے ہر ایک کا فعل دو باقی کی معونت کے بغیر تمام نہیں ہوتا۔ دیکھو کہ اگر مثلاً بری بات کی برائی اور اچھی بات کی بھلائی کا ادراک اور نفع وضرر کا وہم نہ ہو تو غصہ کا ہیجان نہیں ہوتا۔ اور نہ کسی چیز کی محبت پیدا ہوتی ہے اور جب تک قلب کے اندر متانت نہ ہو کسی متصور چیز کی تصدیق نہیں ہوتی اور اگر کھانے یا جماع کرنے کی معرفت نہ ہو اور اس کے منافع متوہم نہ ہوں تو طبیعت کو ان چیزوں کی طرف میلان نہیں ہوتا اور اگر اطراف بدن میں قلب کا حکم نافذ نہ ہوا کرے تو انسان کو اپنے لذائذ حاصل کرنے کا موقع نہیں مل سکتا اور اگر حواس عقل کی خدمت گزاری نہ کریں تو انسان کو کسی چیز کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نظریات بدیہیات کے اور بدیہیات محسوسات کے فرع ہوتے ہیں اور جن اعضاء پر قلب اور دماغ کی صحت موقوف ہے اگر اُن میں سے ہر ہر عضو کی صحت نہ پائی جائے تو قلب و دماغ کی نہ صحت باقی رہ سکتی ہے اور نہ ہر ایک کا فعل پورے طور پر صادر ہو سکتا ہے۔ مگر ان اعضاء میں سے ہر ایک بمنزلہ ایک بادشاہ کے ہے جو کسی عظیم الشان کام کو مثلاً کسی مستحکم قلعہ کا فتح کرنا چاہتا ہے تو وہ بادشاہ اپنے دوستوں سے لشکروں اور زرہوں اور ڈھالوں کی مدد مانگتا ہے مگر قلعہ کے فتح کرنے میں وہ خود ہی مدبر ہوتا ہے اور اُسی کے حکم کی فرمانبرداری کرنی پڑتی ہے اور اُسی کی رائے پر مدار

ہوتا ہے اور وہ سب تو خدمت گار ہوتے ہیں جو اُس کی رائے پر چلتے ہیں۔ پھر اب جو حوادث پیدا ہوتے ہیں اُن کی صورت اُن صفات کے مطابق ظاہر ہوتی ہے جو اس بادشاہ میں غالب ہوتے ہیں یعنی اس کی دلیری اور بزدلی اور سخاوت اور بخل اور عدالت اور ظلم کے اعتبار سے اُن کا ظہور ہوتا ہے۔ پس جس طرح سلاطین اور اُن کی رائے اور صفات کے اختلاف سے حالات مختلف ہوتے ہیں اگر چہ لشکر اور ہتھیار ایک ہی سے ہوں۔ اسی طرح ان رؤساءِ ثلاثہ میں سے ہر رئیس کا حکم بدنِ انسان کی مملکت میں مختلف ہوتا ہے۔

الحاصل جو افعال ان تینوں میں سے ہر ایک سے صادر ہوتے ہیں وہ افعال باہم یا تو قریب قریب یا افراط یا تفریط کی طرف مائل یا ان دونوں کے مابین ہوتے ہیں۔ پس جب ہم ان تینوں صورتوں کو مع اُن کے افعال متقاربہ اور اُن کے امرجہ کے جو ان افعال کے ہمیشہ خواستگار ہوتے ہیں اعتبار کریں تو اُن کا نام لطائف ثلاثہ ہے جن سے بحث کی جاتی ہے خود ان قویٰ کا نام بغیر اُن کے ساتھ کسی چیز کے اعتبار کیے لطائف نہیں ہے۔ قلب کے صفات اور اُس کے افعال یہ ہیں۔ غصہ دلیری محبت بزدلی خوشی ناخوشی قدیمی دوستی کی وفاداری کبھی ایک شخص سے محبت اور کبھی عداوت جب جاہ جود بخل رجاء خوف وغیرہ۔

عقل کے صفات وافعال یہ ہیں۔ یقین شک توہم ہر حادثہ کے لیے اسباب کی تلاش منافع کے حاصل کرنے اور نقصانات کے دفع کرنے کے طریقوں میں فکر کرنا وغیر ذالک۔

اور نفس کی صفات کا منتہی لذیذ لذیذ کھانے و پینے کی چیزوں کی حرص اور عورتوں کی محبت وغیرہ ذالک تجربہ سے ان قوائے ثلاثہ کا ثبوت یہ ہے کہ جو شخص افرادِ انسانی کے استقراء و تلاش کرے تو لامحالہ اس کو یہ بات معلوم ہوگی کہ لوگ اپنی سرشت کے اعتبار سے ان امور میں مختلف ہوتے ہیں۔ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جن کا قلب نفس کے اُوپر حاکم ہوتا ہے اور بعد کے نفوس کو قلب پر غلبہ ہوتا ہے پہلی قسم کے انسان کو جب غصہ آتا ہے یا اُس کے قلب میں کسی بلند درجہ کی خواہش پیدا ہوتی ہے تو اُس کے مقابلہ میں بڑی بڑی لذتوں کو حقیر سمجھتا ہے اور اُن کے چھوڑنے پر صبر کرتا ہے اُن کے چھوڑنے میں وہ شخص اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ عظیم کرتا ہے اور دوسری قسم کے انسان کو جب کسی لذت کی خواہش ہوتی ہے اُس میں وہ گھس پڑتا ہے اگر چہ اُس جگہ ہزار طرح سے عار ہو۔ اور مناصب عالیہ کی طرف اُس کو رغبت دلائی جائے یا لذت و خواری کا اُس کو خوف دلایا جائے تو اس کی طرف پرواہ نہیں کرتا اور بسا اوقات غیرت دار آدمی کو اُس کی خواہش کے موافق نکاح کرنے کا موقع پیش آتا ہے اور اس کا نفس اُس کو سخت رغبت دلاتا ہے مگر اُس کے قلب میں غیرت کے سبب سے ایک خیال پیدا ہوتا ہے جس کے سبب سے خواہش نفسانی کی طرف اُس کو توجہ نہیں ہوتی اور چونکہ اُس کی سرشت میں داخل ہی بسا اوقات بھوکا اور ننگا رہنے پر صبر کرتا ہے لیکن کسی سے سوال نہیں کرتا اور جب کسی حریص آدمی کو خواہش کے موافق جماع کرنے یا کھانے کا موقع ہوتا ہے اور وہ شخص اُس میں اپنا ضرر عظیم جانتا ہے خواہ طب کے اعتبار سے یا حکمت عملیہ کے لحاظ سے یا بعض لوگوں کے خوف کی وجہ سے تو وہ شخص ڈر جاتا ہے اور کانپنے لگتا ہے اور اس برائی سے بچ جاتا ہے پھر اس کی خواہش اُس کو اندھا کر کے دیدہ و دانستہ ورطہ ہلاکت میں ڈال دیتی ہے اور بسا اوقات اُسی انسان کو دونوں جہت مخالف کی طرف اپنے نفس کا میلان معلوم ہوتا ہے۔ پھر ان دونوں میں سے ایک داعیہ کو دوسرے میں غلبہ ہو جاتا ہے اور اس طور پر اُس شخص سے ایک قسم کے افعال بار بار صادر ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ شخص خواہش کی تابعداری اور بے احتیاطی یا خواہش کے روکنے اور نفس

کو قابو میں رکھنے کے ساتھ ضرب المثل ہو جاتا ہے اور تیسرا شخص ایسا ہوتا ہے جس کی عقل اُس کے نفس پر غالب ہوتی ہے مثلاً وہ آدمی جو پورا ایماندار ہے کہ اُس کی محبت اور بغض اور شہوت اور امر شرعی اور اُن چیزوں کی طرف کہ شرع سے اُن کا جواز بلکہ استحباب معلوم ہوا ہے منقلب ہو جاتی ہے ایسا شخص حکم شرعی سے کبھی روگردانی نہیں چاہتا۔ چوتھا شخص ایسا ہوتا ہے جس پر رسم اور طلب جاہ کا غلبہ ہوتا ہے اور اپنی ذات سے عار کا دُور کرنا چاہتا ہے ایسا شخص باوجود غضب ناک ہونے اور نہایت دلیر ہونے کے اپنے غصہ کو بچاتا ہے اور اگر اُس کو کوئی برا کہے تو اُس کی تلخی پر صبر کر لیتا ہے اور باوجود قوت جسمانی کے اپنے لذائذ کو ترک کر دیتا ہے تاکہ اُس کے حق میں لوگ ایسی باتیں نہ کہنے لگیں جو اُس کو ناپسند ہیں یا اس لیے کہ رفعت جاہ وغیرہ جو اُس کو مطلوب ہے اُس کو مل جائے پہلا شخص درندوں کی مانند ہے اور دوسرا بہائم کے مانند اور تیسرا ملائکہ کے اور چوتھے شخص کو صاحب مروت و بلند حوصلہ کہتے ہیں۔ پھر استقراء کرنے سے بعض افراد انسان کے ایسے ملتے ہیں کہ اُن کی دو قوتیں معاً غالب ہوتی ہیں اور اُن دونوں کا حال باہم متشابہ رہتا ہے کہ کبھی اُس کو اس پر غلبہ ہوتا ہے اور کبھی اس کو اُس پر پس اگر صاحب بصیرت اُن کے حال کا انضباط چاہے اور جس حال پر وہ ہیں اُس کو بیان کرنا چاہیں تو لامحالہ لطائف ثلاثہ کے ثابت کرنے کی ضرورت پڑے گی اور عقلاء کے اتفاق سے ان تینوں کا وجود اس طرح پر ثابت ہوتا ہے کہ تمام اہل ملت اور اہل ادیان تہذیب نفس ناطقہ کا جنہوں نے اعتبار کیا ہے ان تین چیزوں کے ثابت کرنے یا اُن مقامات اور احوال کے بیان کرنے پر متفق ہیں جو ان تینوں سے متعلق ہے فلاسفہ اپنی حکمت عملیہ میں ان تینوں کا نام نفس ملکی اور نفس سبعی اور نفس بہیمی رکھتے ہیں اور اس نام رکھنے میں ایک ایک طرح کا تسامح ہے کہ عقل کا نام انہوں نے نفس ملکی رکھا ہے کہ اُس کے افراد میں سے افضل ترین فرد کا یہ نام ہے اور قلب کا نام نفس سبعی بایں طور پر رکھا ہے کہ اُس کے اوصاف میں سے یہ وصف مشہور ہے اور صوفیائے کرام نے ان لطائف کا بیان اور ہر ایک کی تہذیب کا بیان کیا ہے مگر انہوں نے ان تین کے سوا دو لطیفہ اور بھی ثابت کیے ہیں اور ان دونوں کا نہایت اہتمام کیا ہے اور وہ دونوں روح اور سر ہیں۔ اُن کی حقیقت یہ ہے کہ دل کے دو رُخ ہیں ایک رُخ میلان بدن اور اعضاء کی طرف ہے اور ایک رُخ کا میلان تجرد محض کی طرف ہے اور اسی طرح عقل کے دو رُخ ہیں ایک رُخ کا میلان بدن اور حواس کی طرف ہے اور دوسرے کا تجرد محض کی طرف پس جس کا میلان اسفل کی جانب ہے اُس کو قلب و عقل کہتے ہیں اور جس کو جانب فوق سے اتصال ہے اُس کو روح و سر کہتے ہیں قلب کی صفت شوق اور وجد ہے جس سے آدمی بے تاب ہو جاتا ہے اور روح کی صفت انس اور انجذاب ہے اور عقل کی صفت اُن چیزوں کے ساتھ یقین کرنا ہے جو معمولی علوم سے قریب الماخذ ہیں جیسے ایمان بالغیب اور توحید افعالی اور سر کی صفت اُن چیزوں کا مشاہدہ کرنا ہے جو علوم معمولی سے برتر اور مجرد صرف ہیں جس کے لیے نہ زمانہ ہے نہ مکان کوئی وصف اور نہ اشارہ حکایت کے طور پر ہے اور چونکہ شرع کا نزول صرف انسان کے میزان پر ہوا ہے خصوصیات فردیہ کے اعتبار سے نہیں ہوا لہٰذا شرع نے اس تفصیل سے زیادہ بحث نہیں کی اور اُس کے مباحث کو اجمال کے خزانہ میں چھوڑ دیا ہے اور تمام اہل ملل ونحل کے نزدیک بھی اس کے متعلق کچھ کچھ بیان ہے استقراء و تتبع سے متین اور فہیم آدمی اُس کو معلوم کر سکتا ہے۔



مقدمہ ثانیہ

معلوم کروں کہ قوی العقل اور قوی الجسم آدمی جس کے مادہ میں اُس کے نوع کے احکام ظاہر ہونے کی پوری اور کامل قابلیت ہوتی ہے وہ شخص افراد انسانی کا طبیعت کے لحاظ سے رئیس اور اُن کے لیے بطور دستور العمل کے ہوتا ہے جس سے تمام افراد کا اعلیٰ درجے کی حد سے قرب و بُعد اُس شخص کے اعتبار سے معلوم ہوسکتا ہے یہ شخص وہ ہوسکتا ہے جس کی عقل قلب پر غالب ہو اور اس کا قلب قوی اور اس کے قوی پورے پورے ہوں۔ اور اس کا قلب نفس پر غالب ہو اور باینہمہ نفس بھی اس کا شدید ہو اور اس کی خواہشیں بکثرت ہوں ایسے شخص کے اخلاق تامہ ہوتے ہیں اور فطرت قوی ہوتی ہے اور اس سے نیچے بہت سی مختلف قسمیں ہیں تامل صحیح سے جس کا ظہور ہوسکتا ہے اور جانوروں میں بھی یہ قوائے ثلاثہ پائے جاتے ہیں مگر ان کی عقل قلب اور نفس کے نیچے نہایت درجہ مغلوب ہوتی ہے اس لیے وہ مکلف ہونے کی قابلیت نہیں رکھتی اور نہ ملحق بہ ملاء اعلیٰ ہوسکتے ہیں چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿**وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا**﴾ البتہ ہم نے آدمیوں کو بزرگی دی اور جنگل و دریا میں ان کو سوار کیا ہم نے اور پاک چیزیں ہم نے ان کو دیں رزق اور اکثر اپنی مخلوق پر ہم نے ان کو فضیلت دی فضیلت دینا اور یہ قوی العقل وقوی الجسم آدمی اگر اس کی عقل ان عقائد حقہ کے تابع ہے جو اللہ تعالیٰ کے صادق بندوں سے ماخوذ ہیں جنہوں نے ان عقائد کو ملاء اعلیٰ سے ماخوذ کیا ہے صلوات اللہ علیہم تو وہ فی الحقیقت مومن صادق ہے اور اگر اس کے ساتھ ملاء اعلیٰ سے بھی تعلق ہے اس کے سبب سے بلاواسطہ ملاء اعلیٰ سے فیضان ہوتا ہے تو اس شخص میں نبوت کا ایک شعبہ اور اس کی میراث ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **الرویا الصالحة جزء من ستة واربعین جزء من نبوة** اچھی خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور اگر اس کی عقل عقائد باطلہ کے جو مضلین و مبطلین سے ماخوذ ہیں تابع ہے تو وہ شخص ملحد و گمراہ ہے اور اگر اس کی عقل اپنی قوم کی رسوم اور ان چیزوں کے تابع ہے جو اس کو تجربہ اور حکمت عملیہ سے معلوم ہوئے ہیں تو وہ شخص ذہن کا جاہل ہے اور جب انسان کے افراد مختلف تھے تو حکمت الٰہی میں ضروری ہوا کہ تمام مخلوق میں سے جو شخص زیادہ تر ذکی اور قوی العقل والجسم ملاء اعلیٰ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اس پر کوئی کتاب نازل کی جائے اور پھر لوگوں کی سمجھیں اس کی طرف مائل کی جائیں تاکہ اس کے احکام مشہور ہو جائیں تاکہ جو ہلاک ہو تو حجت سے ہلاک ہو۔ اور یہ بات ضروری ہوئی کہ وہ نبی ﷺ ان لوگوں کے لیے احسان کے طرق و مقامات جو اس کے لیے بمنزلہ ثمرات کے ہیں پورے طور پر بیان کرے۔ الحاصل جب آدمی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور **ما جاء به النبی** پر ایسا ایمان لاتا ہے جس سے اس کے تمام قوی قلبیہ ونفسیہ اللہ اور رسول ﷺ کے تابع ہو جاتے ہیں پھر وہ شخص پورے طور پر عبادت میں مشغول ہوتا ہے اور زبان سے ذکر اور دل سے فکر کرتا ہے۔ اور اعضاء کو ادب دیتا رہتا ہے اور ایک مدت دراز تک اس کی مداومت کرتا ہے تو ان لطائف ثلاثہ میں ہر ایک اس عبادت سے حصہ لے

لیتا ہے اور اس شخص کا حال ایک خشک درخت کا سا ہوتا ہے۔ جس کو بکثرت پانی دیا جائے اور اس کی شاخ شاخ وتنا تنا میں تازگی وتری پہنچ جائے اور اس پر پھل و پھول آنے لگیں اسی طرح عبودیت کا اثر ان لطائف ثلاثہ میں پہنچ کر صفات سبعیہ رذیلہ کو دور کر کے صفات ملکیہ فاضلہ پیدا کرتا ہے۔ پھر یہ صفات اگر ملکات راسخہ ہوں جن سے ایک طور یا اطوار متقاربہ سے دوامی طور پر افعال کا صدور ہو تب تو وہ مقامات ہیں۔ اور اگر وہ صفات ایسے ہیں کہ مثل بجلی کے کبھی ظاہر ہو جاتے ہیں کبھی پوشیدہ ہو جاتے ہیں یعنی دور ہو جاتے ہیں اور ہنوز ان کو قرار نہیں ہے یا وہ صفات اس قسم کے امور ہیں جن کی شان سے قرار نہیں ہے جیسے رویاء اور ہواتف اور مغلوب الحال ہونا تو ان کو احوال واوقات کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور چونکہ طبیعت بشری کے ہیجان کی حالت میں عقل کا مقتضی ان امور کی تصدیق کرنا ہے جو طبیعت بشریہ کے مناسب عقل کو پیش آتے ہیں۔ لہٰذا عقل کا مقتضی تہذیب کے بعد ان چیزوں کا یقین کرنا ہے جو شرع کے اندر وارد ہیں گویا کہ ان کا معائنہ کرتا ہے جیسے کہ زید بن حارثہ نے بیان کیا ہے جب آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ہر حق کی حقیقت ہے پس تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے انہوں نے عرض کیا گویا کہ میں اللہ تعالیٰ کے عرش کو سامنے دیکھتا ہوں اور چونکہ عقل کا مقتضی نعمت اور عذاب کے اسباب کا معلوم کرنا ہے لہٰذا اس کا مقتضی تہذیب کے بعد توکل اور شکر اور رضامندی اور توحید ہے اور چونکہ قلب کا مقتضی اصل طبیعت کے اعتبار سے اپنے منعم اور مربی کے ساتھ محبت اور اپنے دشمن کے ساتھ بغض اور ایذاء پہنچانے والی چیزوں سے خوف اور نفع پہنچانے والی چیزوں کی اُمید رکھنا ہے لہٰذا بعد تہذیب کے اس کا مقتضی اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کے عذاب سے خوف اور ثواب کی امید ہے۔ اور چونکہ نفس کا مقتضی ہیجان طبیعت کے بعد لذائذ اور آرام میں مستغرق ہو جانا ہے لہٰذا تہذیب کے بعد اس کی صفت توبہ اور زہد اور مجاہدہ ہے۔ اور یہ کلام ہم نے بطور مثال کے بیان کیا ہے اور مقامات اس کے اندر منحصر نہیں لہٰذا غیر مذکور کو مذکور پر اور احوال کو مثل سکر اور غلبہ اور مدت مدیدہ تک خورد ونوش سے اعراض رکھنا اور خواب اور ہاتف کو مقامات پر قیاس کر لینا چاہیے۔ اور جب ہم ان امور سے فارغ ہو گئے جن پر اس باب کے احادیث کا شرح کرنا موقوف ہے تو اب ہم یہاں سے اصل مقصود شروع کرتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ جس قدر مقامات اور احوال عقل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں ان سب کی اصل یقین ہے اور یقین سے توحید اور اخلاص اور توکل اور شکر اور انس اور ہیبت اور تفرید اور صدیقت اور محدثیت وغیر ذلک پیدا ہوتے ہیں جن کا شمار کرنا یا طول ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **الیقین الایمان کلہ** یقین بالکل ایمان ہے اور ایک روایت میں یہ حدیث آنحضرت ﷺ کی طرف مرفوع کی گئی ہے اور آنحضرت ﷺ کا **واقسم لنا من الیقین ما تھون بہ علینا مصائب الدنیا** اور ہم کو وہ یقین نصیب کر جس کے سبب سے تو دنیا کے مصائب ہم پر آسان کر دے میں کہتا ہوں یقین کے معنی یہ ہیں کہ جو امور شرع کے اندر وارد ہوئے ہیں۔ جیسے قدر و معاد کا مسئلہ وغیرہ اس کے ساتھ مومن کو ایمان ہو اور اس کا ایمان اس کی عقل پر غالب ہو جائے حتی کہ اس کی عقل ایمان سے لبریز ہو جائے اور پھر عقل سے اس کے قلب اور نفس پر اس یقین کا ترشح ہو جس کے سبب سے وہ یقینی چیز معائنہ اور محسوس کے برابر معلوم ہونے لگے اور یقین کے ایمان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عقل کے مہذب کرنے میں یقین کو پورا پورا دخل ہے اور قلب اور نفس کی تہذیب کا سبب عقل کی تہذیب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قلب پر یقین کا غلبہ ہوتا ہے تو اس سے بہت سے شعبے پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ شخص ان چیزوں سے خوف نہیں کرتا جن چیزوں

سے عادت کے طور پر لوگ ڈرتے ہیں کیونکہ یہ شخص اس بات کو جان لیتا ہے کہ جو مصیبت اس کو پہنچتی ہے وہ اس سے بچنے والی نہ تھی اور جو چیز اس سے دور ہو جاتی ہے وہ پہنچنے والی نہ تھی۔ اور اس شخص کو ان چیزوں کے ملنے کا اطمینان ہو جاتا ہے جن کا آخرت میں وعدہ کیا گیا ہے اس لیے دنیا کے مصائب اس پر آسان ہو جاتے ہیں اور اسباب متکثرہ کو وہ شخص حقیر جانتا ہے اس لیے کہ اس کو قدرت واجبی کے عالم میں باختیار وارادہ مؤثر ہونے اور اس بات کا کہ یہ اسباب عادیہ ہیں یقین ہوتا ہے اس سبب سے اس شخص کی کوشش ان امور کے حاصل کرنے میں ضعیف ہو جاتی ہے جن کے حاصل کرنے میں لوگ بے انتہا کوشش کرتے ہیں اور اپنی جان لڑا دیتے ہیں اس لیے اس شخص کی نظر میں سونا و پتھر برابر معلوم ہونے لگتا ہے بہر تقدیر جب یقین کامل اور قوی اور پائیدار ہو جاتا ہے حتیٰ کہ کوئی چیز اس کو نہیں بدل سکتی نہ فقر نہ غنا نہ عزت نہ ذلت تو اس سے بہت سے شعبے پیدا ہو جاتے ہیں جن میں سے ایک شکر ہے شکر کے معنی یہ ہیں کہ اس شخص کے اوپر جس قدر ظاہری و باطنی انعامات ہیں سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف فائز سمجھے پس ہر نعمت کے مقابل میں ایک محبت جداگانہ اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ اس کو پیدا ہوتی ہے اور جب وہ اس کا شکر ادا کرنے سے اپنے آپ کو عاجز دیکھتا ہے تو اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور وہ بھٹکتا پھرتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اول من یدعی الی الجنۃ الحامدون الذی یحمدون اللہ تعالی فی السراء والضراء** سب سے پہلے جنت میں حمد کرنے والے بلائے جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی خوشی و تکلیف میں حمد کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا عقل وقلب کی اللہ تعالیٰ کے یقین کے ساتھ نیاز مندی وفرمانبرداری کی دلیل ہے اور اس لیے کہ نعمتوں کے معلوم کرنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا فیضان معلوم کرنے سے عالم مثال میں ان کے اندر ایک قوت مؤثرہ پیدا ہو جاتی ہے جس کا اثر قوائے مثالیہ اور اشکال اُخروی پر پڑتا رہتا ہے۔ اور ان نعمتوں کی تفصیل اور ان کا فیضان منعم حقیقی جل مجدہٗ سے معلوم کرنا جودِ الٰہی کے دروازہ کو حرکت دینے میں دعائے مستجاب سے کم درجہ نہیں رکھتا اور کامل شکر جب ہوتا ہے کہ جب آدمی کو اللہ تعالیٰ کے اس عجیب برتاؤ پر متنبہ ہوتا ہے جو اس کے ساتھ گزشتہ عمر میں کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ اپنے اخیر حج سے واپس ہوئے تو انہوں نے یہ پڑھا: **الحمدللہ و لا الہ الا اللہ یعطی من شاء مایشاء** اور فرمایا میں اس جنگل یعنی ضجیان میں خطاب کا اونٹ چرایا کرتا تھا اور وہ بڑا سنگدل اور سخت آدمی تھا اگر میں کام کرتا تو مجھ کو تھکا کر پست کر دیتا تھا اور اگر میں کام میں کوتاہی کرتا تو مجھے مارتا تھا۔ اب میں صبح وشام ایسی حالت میں رہتا ہوں کہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے مابین کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جس کا مجھے خوف ہو۔ اور از انجملہ توکل ہے توکل کے معنی یہ ہیں کہ اس شخص پر یقین کا غلبہ ہو جس کے سبب سے اسباب کی طرف سے منافع کے حاصل کرنے اور نقصانات کے دور کرنے میں اس کی کوشش سست ہو جائے مگر وہ شخص کسب کے ان طریقوں پر چلتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر کیے ہیں لیکن وہ ان پر اعتماد نہیں رکھتا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **یدخل الجنۃ من امتی سبعون الفا بغیر حساب ھم الذین لا یسترقون ولا یتطیرون ولا یکتوون و علی ربھم یتوکلون** میری امت سے ستر ہزار بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ منتر کرواتے ہیں اور نہ بدفال نکلواتے ہیں اور نہ داغ لگواتے ہیں اور پروردگار ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے یہ اوصاف اس لیے بیان فرمائے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ توکل کا سبب ان اسباب کا چھوڑنا

ہوتا ہے جن سے شارع نے نہی فرمائی ہے نہ ان اسباب کا چھوڑنا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے اور یہ لوگ بلا حساب جنت میں اس لیے داخل ہوں گے کہ جب ان کے دلوں میں توکل کے معنی ثابت ہو گئے تو اس کے سبب سے ان کے دلوں میں ایسے معنی پیدا ہوئے جن کے باعث سے ان اعمال کی سبیت جو ان کے نفوس کو ایذا رسانی کرتے رہتے ہیں ان سے دور ہو جاتی ہے کیونکہ ان کو اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ بجز قدرت واجبی کے تمام جہان میں کوئی مؤثر نہیں ہے اور از انجملہ ہیبت ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت کا یقین ہو جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ شخص گھبراتا رہے۔ جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک درخت پر ایک پرند جانور کو دیکھا تو فرمانے لگے خوشنودی ہو تیرے لیے اللہ کی قسم میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میں تجھ سا ہوتا تو درخت پر بیٹھتا اور اس کا پھل کھا کر اڑ جاتا اور پھر نہ تجھ سے حساب ہے اور نہ تجھ کو عذاب ہے اللہ کی قسم میں اس بات سے خوش ہوں کہ میں کسی سڑک پر ایک درخت ہوتا اور کسی اونٹ کا مجھ پر گزر ہوتا اور وہ مجھ کو اپنے منہ میں رکھ لیتا اور چبا کر نگل جاتا۔ پھر مینگنی کر کے پیٹ کے راستے سے نکال دیتا اور میں بشر نہ ہوتا۔ اور از انجملہ حسن ظن ہے صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو انس کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں یہ انس اللہ تعالیٰ کے انعامات والطاف میں غور کرنے سے پیدا ہوتا ہے جس طرح ہیبت اللہ تعالیٰ کے انتقامات اور حکومت میں غور کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور مومن اپنی نظر اعتقادی کے اعتبار سے خوف وامید کا جامع ہوتا ہے لیکن اس کے حال اور مقام کے اعتبار سے بسا اوقات اس پر ہیبت کا غلبہ ہوتا ہے اور بسا اوقات حسن ظن کا اس پر غلبہ ہوتا ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی عمیق کنوئیں کے کنارے پر کھڑا ہوتا ہے تو اس کا بدن تھرانے لگتا ہے اگرچہ اس کی عقل خوف کی مقتضی نہیں ہے۔ جیسا کہ خوش گوار نعمتوں کو نفس کا یاد کرنا انسان کو خوش کرتا ہے گو کہ اس کی عقل اس کے مقتضی نہیں لیکن ان دونوں حالتوں میں نفس کے اندر خوف وفرح سرایت کر جاتی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **حسن الظن بالله من حسن العبادة**. اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن حسن عبادت سے ہے اور آنحضرت ﷺ اپنے پروردگار تبارک وتعالیٰ حکایۃً فرماتے ہیں **انا عند الظن عبدی بی**. میرے بندے کو جیسا میرے ساتھ اس کو گمان ہے میں اس کے گمان کے ساتھ ہوں میرے نزدیک اس کی یہ وجہ ہے کہ حسن ظن اس کے نفس کو اس بات کا مستعد کر دیتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے والے کی طرف سے الطاف کا فیضان ہو اور از انجملہ ایک تفرید ہے تفرید کے معنی یہ ہیں کہ اس کے قوائے ادراکیہ پر ذکر کا ایسا غلبہ ہو کہ گویا اللہ تعالیٰ کو ظاہر میں دیکھتا ہے۔ پھر اس سبب سے نفس کی تمام باتیں مضمحل ہو جاتی ہیں اور ان کی بھڑک بجھ جاتی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **سیروا سبق المفردون هم الذین وضع عنهم الذکر اثقالهم**. چلو تم سبقت کر گئے مفرد لوگ وہ ہیں جن سے ذکر نے ان کے بوجھوں کو اٹھا دیا۔

میں کہتا ہوں جب کہ ان کے عقول ذکر کے نور سے منور ہو جاتی ہیں اور ان کے نفوس میں اطلاع الی الجبروت کی صورت منقش ہو جاتی ہے تو قوت بہیمی دی جاتی ہے اور اس کا جوش گل ہو جاتا ہے۔ اور اس کا ثقل جاتا رہتا ہے اور از انجملہ اخلاص ہے اور وہ اس بات سے عبارت ہے کہ بسبب قربت ہونے اس کے نفس کے حق تعالیٰ کے ساتھ اس کی عقل میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا نفع متمثل ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے **اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ**. کہ بلاشک اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔ یا بسبب تصدیق کے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبان پر آخرت کے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ پس بواسطہ ایک امر

عظیم کے اس سے اعمال پیدا ہوتے ہیں کہ اس میں ریا وسمعہ کو دخل نہیں ہوتا اور نہ موافقت عادت کو اور یہ حال تمام اعمال میں سرایت کر جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اعمال مباح عادیہ بھی بغیر اس حال کے نہیں صادر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَمَا أُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْن** .اور وہ اسی بات کے لیے مامور ہیں کہ دین کو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **انما الاعمال بالنيات** .کہ اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں۔ اور از انجملہ توحید ہے اور اس کے تین درجے ہیں۔ پہلا ان میں کا توحید عبادت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شیاطین کی پرستش نہ کرے اور ان کی عبادت کرنے سے وہ اتنا بیزار ہو جیسا کہ وہ آگ میں جانے سے بیزار ہے۔ اور دوسرا درجہ ہے کہ نہ قوت دیکھے اور نہ طاقت نیکی کی مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اور یقین کرے اس بات کو کہ بلا واسطہ کائنات میں بجز قدرت وجوبیہ کے کوئی مؤثر نہیں اور جان لے اس بات کو کہ نسبت ان مسببات کے اسباب عادیہ کی طرف مجازاً ہے اور اس بات کا یقین کرے کہ مخلوق کے ارادہ پر اس کا حکم غالب ہے۔ اور تیسرے توحید اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات میں سے کسی کے ہم شکل نہیں ہے اور نہ اس کے اوصاف مثل اوصاف مخلوق کے جانے اور ان باتوں کا سننا اس کے لیے بمنزلہ مشاہدہ کے ہو جائے اور اس کا قلب خود مطمئن ہو جائے کہ اس کا مثل نہیں اور اس کے متعلق شرع کے اخبار کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور سند کے معلوم کرے جو اسی کی ذات سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی کی ذات سے ان کا قیام ہے۔ اور از انجملہ صدیقیت ومحدثیت ہے ان کی حقیقت یوں ہے کہ امت میں سے ایک شخص ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی فطرت ذاتی کے اعتبار سے انبیاء کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جیسے کہ شاگرد فطین کو شیخ محقق کے ساتھ نسبت ہوتی ہے پھر اگر اس شخص کو قوائے عقلیہ کے اعتبار سے تشبیہ ہو تو وہ صدیق یا محدث ہے اور اگر اس کو مشابہت قوائے عملیہ کے اعتبار سے ہے تو وہ شہید اور حواری ہے۔ اور قرآن مجید میں انہی دونوں گروہوں کی طرف اشارہ ہے **وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ أُولٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ** .اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی تو صدیقین اور شہداء ہیں اور صدیق ومحدث میں یہ فرق ہے کہ صدیق کا نفس نبی کے نفس سے قریبۃ الاخذ ہوتا ہے۔ جیسے گندھک کو آگ کے ساتھ نسبت قریبہ ہے۔ پھر جب وہ شخص آپؐ سے کوئی خبر سنتا ہے تو اس کے نفس میں اس بات کی بے انتہا وقعت ہوتی ہے اور اس کو دلی شہادت سے قبول کر لیتا ہے یہاں تک کہ گویا اس کا علم اس کے نفس میں بغیر تقلید کے حاصل ہوا ہے اور اسی معنی کی طرف اشارہ ہے اس میں جو وارد ہوا ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آپؐ پر وحی لاتے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کی آواز کی بھن بھناہٹ سنتے تھے اور صدیق کے دل میں لامحالہ رسول کی محبت اس درجہ پیدا ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ درجہ ہے پس وہ شخص اپنے جان ومال کے ساتھ غمخواری کرنے اور ہر حال میں اس کے ساتھ موافقت کرنے میں رہتا ہے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ اس کے حال سے خبر دیتے ہیں اس بات کی کہ اپنے مال اور محبت میں وہ شخص سب سے زیادہ احسان کرنے والا ہے اور حتیٰ کہ نبی ﷺ نے ان کے لیے گواہی دی تھی کہ اگر آدمیوں میں میں کسی کو خلیل پکڑتا تو صدیق اس کا اہل تھا اور اس کی یہ وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نفس کی طرف سے صدیق کے نفس کی طرف انوار وحی کا ورود پے در پے ہوتا تھا پھر جبکہ تاثیر وتاثر اور فعل اور انفعال مکرر ہوتا ہے اس لیے اس کو فنا اور فدا کا رتبہ حاصل ہوتا ہے اور جبکہ اس کا کمال جو اس کا غایت مقصود ہے آپ کی صحبت میں رہنے اور آپؐ کے کلام کے سننے سے حاصل ہوتا ہے اس لیے وہ شخص بہ نسبت اور صحابہؓ کے آپ کی خدمت بابرکت میں

زیادہ رہتا ہے۔ اور صدیق کی یہ علامت ہے کہ بہ نسبت اوروں کے خواب کی تعبیر میں اس کو زیادہ مناسبت ہو کہ اس کی سرشت میں یہ بات داخل ہوتی ہے کہ اول سبب سے امور غیبیہ کا اس پر القا ہوتا ہے اور اسی سبب سے آنحضرت ﷺ اکثر واقعات میں حضرت صدیق اکبرؓ سے تعبیر دریافت فرماتے تھے اور منجملہ علامات صدیق کے یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والا وہی ہو اور بغیر معجزہ دیکھے ایمان لائے اور محدث کے نفس کو علم کے بعض معاون پر جو ملکوت کے اندر پائے جاتے ہیں بہت جلد رسائی ہو جاتی ہے اور وہاں سے وہ شخص ان چیزوں کے علوم کو اخذ کر لیتا ہے جن کو خدائے تعالیٰ نے وہاں نبی ﷺ کی شریعت مقرر کرنے اور نظام بنی آدم کے لیے مقرر کیا ہے۔ اگرچہ آنحضرت ﷺ پر ہنوز ان علوم کے متعلق وحی نہیں نازل ہوتی جیسے کوئی شخص اپنی خواب میں بہت سے ان حوادث کا معائنہ کرتا ہے کہ ملکوت میں جن کے پیدا کرنے کا ارادہ کر لیا گیا ہے اور محدث کا خاصہ ہوتا ہے کہ بہت سے حوادث میں قرآن اس کی رائے کے مطابق نازل ہوتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ اپنی خواب میں اس قسم کا معائنہ کرتے ہیں کہ اپنے سیر ہونے کے بعد آپؐ نے اسے دودھ دیا ہے۔ اور صدیق سب لوگوں سے زیادہ خلافت کی قابلیت رکھتا ہے کیونکہ صدیق کا نفس اس عنایت الٰہی کا جو نبی کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اور اس کی نصرت اور تائید کا آشیانہ ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ شخص اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ نبی کی روح گویا اس شخص کی زبان سے ناطق ہوتی ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب لوگوں کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے بلایا تو یہ کہا کہ اگر محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں میں ایسا نور موجود کر دیا ہے جس سے تم رہبری حاصل کر سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو ہدایت کی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آپؐ کے صاحب اور ثانی اثنین ہیں اور سب لوگوں سے زیادہ اس بات کے قابل ہیں کہ تمہارے امور کے مالک ہوں لہٰذا ان سے بیعت کرو صدیق کے بعد سب لوگوں سے زیادہ محدث خلافت کے قابل ہوتا ہے اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر** ۔ان دو شخصوں کی جو میرے بعد ہیں پیروی کرو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما' اور اللہ پاک فرماتا ہے۔ **وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ** ۔اور جو شخص کہ سچ کو لایا اور اس کی تصدیق کی یہی لوگ ہیں متقی' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **لقد کان فیما قبلکم محدثون فان یکن فی امتی احد فعمر** تم میں سے پہلے محدث لوگ ہوا کرتے تھے پس میری امت میں اگر کوئی ہے تو عمر ہے عقل کے ساتھ جو حالات متعلق ہیں از انجملہ ان کے ایک تجلی ہے۔ سہلؒ فرماتے ہیں۔ تجلی تین قسم کی ہوتی ہے تجلی ذات اور وہ مکاشفہ ہے اور تجلی صفات الذات اور وہ نور کے مواضع ہیں اور تجلی حکم الذات اور وہ آخرت اور اس کی چیزیں ہیں۔ مکاشفہ کے معنی غلبہ یقین کے ہیں جس کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہو جائے کہ گویا خدائے تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور ماسوا سے اس کو غفلت ہو جائے جیسا کہ آپؐ نے فرمایا ہے **الاحسان ان تعبدالله کانك تراه** بگر آنکھوں سے مشاہدہ آخرت ہی میں ہوگا دنیا میں نہیں ممکن ہے۔ اور یہ جو انہوں نے فرمایا ہے کہ صفات الذات کی تجلی اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ان افعال میں فکر کرے جو مخلوقات میں پائے جاتے ہوں اور اس کی صفات کو پیش نظر کرے۔ اس کی وجہ سے قدرت الٰہی کا یقین اس پر غالب ہو جاتا ہے اور اسباب سے اس کو غیبت ہو جاتی ہے اور خوف اور تسبب کی صفت اس سے ساقط ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم جو اس کے ساتھ محیط ہے اس کا یقین اس شخص پر غالب ہو جاتا ہے جس کے سبب سے یہ شخص نہایت خضوع کی حالت میں مدہوش اور مرعوب رہتا ہے۔ جیسا کہ آپؐ نے فرمایا

ہے فان لم تکن تراہ فانہ یراک .اور یہ انوار کے مواضع ہیں بایں معنی کہ نفس اس حال میں انوار متعددہ کے ساتھ منور ہوتا ہے اور ایک مراقبہ سے دوسرے مراقبہ کی طرف اس کو انقلاب رہتا ہے۔ بخلاف تجلی ذات کے کہ وہاں پر نہ تعدد ہے نہ تغیر۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ صفت ذات کا اس طرح معائنہ کرے کہ بلا وساطت اسباب خارجیہ کے صرف امر کن سے ذات واجبی سے تمام چیزیں اور تمام افعال اور تمام مخلوقات پیدا ہوئی ہیں اور مواضع تو ان اشباہ مثالیہ نوریہ کا نام ہے جو عارف کو دنیا سے وقت غیبت حواس کے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور تجلی آخرت کے یہ معنی ہیں کہ دنیا و آخرت میں جزا و سزا کا بصیرت قلبی سے معائنہ کرے اور ان چیزوں کا ادراک اس کے نفس کے اندر اس طرح پیدا ہو کہ جس طرح بھوکے کو بھوک کی اور پیاسے کو پیاس کی تکلیف کا ادراک ہوتا ہے۔ اوّل کی مثال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ طواف کر رہے تھے اس حالت میں ایک شخص نے ان سے سلام علیک کی تو آپ نے اس کے سلام کا جواب نہ دیا۔ اس شخص نے ان کے بعض احباب سے شکایت کی۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہم اس جگہ اللہ تعالیٰ کا معائنہ کر رہے تھے۔ اور یہ حالت ایک قسم کی غیبت اور اس کی فنا ہے کیونکہ لطائف ثلثہ میں سے ہر لطیفہ کے لیے ایک غیبت و فنا ہوتی ہے عقل کی غیبت اور اس کی فناء اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونے کے سبب سے تمام چیزوں کی معرفت کا ساقط ہو جانا ہے اور قلب کی غیبت اور فنا غیر کی محبت اور غیر سے خوف کا ساقط ہو جانا ہے۔ اور نفس کی غیبت اور فناء شہوات نفسانیہ کا ساقط ہو جانا اور لذائذ کے حاصل کرنے سے اس کا باز رہنا اور دوسرے کی مثال وہ ہے جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اور جلیل القدر صحابہؓ نے فرمایا ہے **الطبیب امرضنی**. طبیب ہی نے تو مجھ کو بیمار کیا ہے۔ اور تیسرے کی مثال یہ ہے کہ ایک انصاری صحابی نے ایک سائبان کا معائنہ کیا جس میں مشعلوں کی صورتیں دکھائی دیتی تھیں اور ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو شخص آپ کی خدمت میں سے اٹھ کر شب تاریک میں چلے اور ان کے آگے آگے دو مشعلوں کے طور پر معلوم ہوتی تھیں۔ پھر جب وہ علیحدہ ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک مشعل ہوگئی حتیٰ کہ اس کے ساتھ ہر ایک اپنے گھر آ گیا۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ نجاشی کی قبر کے پاس روشنی معلوم ہوا کرتی تھی۔ اور چوتھے کی مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ حنظلہ اسیدی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا **تذکرنا بالنار والجنۃ** حنظلہ ربیع اسیدی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ کو ملے انہوں نے فرمایا اے حنظلہ کیا حال ہے میں نے کہا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا انہوں نے فرمایا سبحان اللہ تم کیا کہتے ہو۔ میں نے عرض کیا ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں تو بہشت و دوزخ کا حال آپؐ ہم سے بیان کرتے ہیں تو گویا ہم ان کو آنکھوں سے دیکھنے لگتے ہیں اور جب ہم آپ کی خدمت اقدس میں سے چلے آتے ہیں تو اہل و عیال اور دنیا کے سامان میں مشغول ہوتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم یہ حال تو ہمارا بھی ہوتا ہے پھر میں اور حضرت ابوبکرؓ وہاں سے چل کر آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے سو میں نے عرض کی کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنظلہ تو منافق ہو گیا آپؐ نے فرمایا کیا بات ہے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں تو آپؐ ہم سے جنت و نار کا ذکر کرتے ہیں تو گویا ہم اس کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جب آپؐ سے علیحدہ ہو جاتے ہیں تو اہل و عیال اور سامان دنیا میں مشغول ہو کر بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ تب آپؐ نے فرمایا اس ذات کی قسم کہ جان میری جس کے ہاتھ میں ہے اگر ہمیشہ تم اس حال پر رہو جو میرے پاس رہتا ہے اور ذکر الٰہی میں رہتا ہے تو تمہارے بستروں

پر اور تمہارے رستوں میں ملائکہ تم سے مصافحہ کیا کریں مگر اے حنظلہ کبھی کوئی وقت ہے کبھی کوئی وقت آپؐ نے یہ تین مرتبہ فرمایا اس سے آنحضرت ﷺ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ احوال قائم و دائم نہیں رہتے اور ایک مثال اس کی یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی خواب میں جنت و نار کا معائنہ کیا۔ از انجملہ فراست صادقہ اور خاطر مطابق للواقع ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی چیز کی نسبت یہ کہتے ہوئے نہ سنا ہوگا کہ میرا گمان اس کی نسبت یہ ہے مگر وہ چیز ان کے گمان کے مطابق ہوتی تھی۔ اور از انجملہ رویاء صالحہ ہے اور آنحضرت ﷺ کو سائلین کے خواب کی تعبیر بیان کرنے کا اہتمام رہتا تھا۔ یہاں تک روایت ہے کہ صبح کی نماز کے بعد آپؐ بیٹھ جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ کسی نے تم میں سے کوئی خواب دیکھی ہے۔ پس اگر کوئی بیان کرتا تو جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا آپؐ اس کی تعبیر بیان فرماتے۔ رویاء صالحہ سے ہماری مراد خواب میں آنحضرت ﷺ یا جنت و نار یا صلحا اور انبیاء علیہم السلام یا مشاہد متبرکہ مثل بیت اللہ کے یا اگلے واقعات کا دیکھنا ہے اور جس طرح وہ شخص دیکھتا ہے ویسا ہی اس کا وقوع ہوتا ہے یا وقائع ماضیہ کا جس طرح نفس الامر میں ان کا وقوع ہوا ہے دیکھتا ہے یا اس چیز کا دیکھنا جو اس کے قصور پر متنبہ کرنے والی ہو مثلاً اپنے غصہ کو مثل کتے کی صورت میں دیکھنا جو اس کو کاٹ رہا ہے یا انوار کا دیکھنا یا کھانے پاکیزہ کا دیکھنا مثلاً دودھ کا پینا اور شہد اور گھی کا کھانا۔ یا ملائکہ کا دیکھنا۔ واللہ اعلم' اور از انجملہ نماز وغیرہ میں لذت و حلاوت کا حاصل ہونا اور وساوس نفسانی کا منقطع ہونا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **من صلی رکعتین لایحدث فیهما نفسه غفرله ماتقدم من ذنبه** جس نے دو رکعت نماز اس طرح پڑھی کہ اس کے نفس میں وسوسہ نہ پیدا ہوا تو اس کے سب پہلے گناہ بخشے گئے۔ اور از انجملہ محاسبہ ہے اور وہ اس عقل کے جو نور ایمانی سے منور ہے اور اس ارادہ کے مابین ہوتا ہے جو قلب کا پہلا مقام ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **الکیس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت** ہوشیار وہ شخص ہے کہ جس کا نفس اس کے تابع ہو گیا اور بعد موت کے لیے بھی عمل کیا۔ اور حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ پڑھنے میں لوگوں سے فرمایا **حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا وزنوا قبل ان توزنو تزینوا للعرض الاکبر علی الله تعالی یومئذ تعرضون لایخفی منکم خافیة** اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے اپنے نفسوں سے حساب لے رکھو۔ اور پہلے اس سے کہ وزن کیا جائے تم ان کا وزن کر رکھو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جو بڑی پیشی ہونے والی ہے اس کے لیے آراستہ ہو کر بیٹھ جاؤ جس روز تم پیش کیے جاؤ گے تو کوئی بات تمہاری پوشیدہ نہ رہے گی۔ اور از انجملہ حیا ہے یہ حیا اس حیا کے غیر ہے جو نفس کے مقامات سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی عزت و جلال اپنے ادائے شکر کے عاجز ہونے اور ادنیٰ سی بشریت کے ساتھ ملتبس ہونے کے ملاحظہ سے پیدا ہوتی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا ہے کہ میں تاریک مکان میں غسل کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے حیاء کے سبب سے سکڑ تا جاتا ہوں اور جو مقامات قلب کے متعلق ہیں ان کا پہلا مقام جمع ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ آخرت کا امر آدمی کو مقصود بالذات و مہتم بالشان ہو اور دنیا کے معاملات اس کے روبرو ذلیل و خوار معلوم ہوں اور ان کی طرف صرف اس سبب سے قصد و التفات ہو کہ وہ جس کے درپے ہے اس چیز تک اس کو وہ معاملات پہنچا سکتے ہیں اور جمع اس مقام کا نام ہے جس کو صوفیاء ارادہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **من جعل همه هما واحداهم الاخرة وکفاه الله همه و من تشعبت به**

الهموم لم يبال الله في اى اوديه هلك .جو شخص اپنی فکر کو ایک فکر یعنی آخرت کی فکر کرلے اللہ تعالیٰ اس کی فکر کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور جس کو طرح طرح کے افکار ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ کسی جنگل میں ہلاک ہو۔ میں کہتا ہوں انسان کے ارادہ وہمت کو جود الٰہی کے دروازہ کو حرکت دیتے ہیں۔ دعا کی سی خاصیت ہے۔ بلکہ وہ دعا کا مغز اور اس کا خلاصہ ہے۔ پس جب انسان کی ہمت مرضیات الٰہی کی طرف خالص ہو کر متوجہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور جب اس کی ہمت پختہ ہو جاتی ہے اور ظاہر و باطن میں عبودیت پر مداومت کرتا ہے تو اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کے قلب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس محبت سے صرف اس بات کے یقین ہی میں ترقی نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے اور اس کا رسولؐ سچا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی خلق کی طرف مبعوث ہے بلکہ وہ محبت ایسی حالت کا نام ہے کہ جیسے پیاسے کو پانی کے ساتھ اور بھوکے کو کھانے کے ساتھ ایک نسبت ہوتی ہے یہ محبت ذکر الٰہی اور اس کے جلال میں فکر کرنے سے عقل کے لبریز ہو جانے اور پھر عقل سے قلب کی طرف نور ایمانی کے مترشح ہونے اور قلب کے اس نور کو بذریعہ اس قوت کے جو قلب کے اندر پیدا کی گئی ہے قبول کرنے سے پیدا ہوتی ہے چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے **ثلث من كن فيه وجد حلاوة الايمان من كان الله و رسوله احب اليه مما سواهما** .الحدیث' تین باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ ہوتی ہیں اس کو ایمان کی لذت وحلاوت معلوم ہوتی ہے۔ وہ شخص جس کو اللہ اور اس کا رسولؐ ان دونوں کے سوا سب سے محبوب ہو الخ۔ اور آنحضرت ﷺ نے یہ دعا کی ہے **اللهم اجعل حبك احب الى من نفسي و سمعي وبصري واهلي ومالي ومن الماء البارد** .اور آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جب تک میں تیری ذات سے زیادہ تجھ کو محبوب نہ ہوں اس وقت تک تو مومن نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے بلاشبہ آپؐ مجھ کو اپنی جان سے جو میرے دونوں پہلوؤں میں ہے زیادہ تر محبوب ہیں سو آپؐ نے فرمایا اے عمرؓ اب تیرا ایمان کامل ہو گیا۔ اور انسؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے **لايؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من ولده والديه والناس اجمعين** .تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کو اس کی اولاد اور باپ اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں میں کہتا ہوں آنحضرت نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ محبت فی الحقیقت لذت یقین کی عقل پر اور پھر قلب ونفس پر غالب ہونے کا نام ہے حتیٰ کہ وہ قلب کی ان خواہشوں کے قائم مقام ہو جاتی ہے جن کی نفس کے اندر خواہش پیدا ہوتی ہے جیسے پیاسے کو پانی کی خواہش پھر جب یہ حال ہوتا ہے تو وہ محبت خالص ہو جاتی ہے۔ جو مقامات قلب سے شمار کی جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **من احب لقاء الله احب الله لقائه** .جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ملنا چاہتا ہے۔ میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے مومن کے اس میلان کو جو بارگاہ الٰہی کی طرف اس کو ہوتا ہے اور حجاب بدنی سے تجرد کے مقام کی طرف اس کے اشتیاق اور طبیعت کی قید سے فضائل قدس کی طرف رہائی کے طالب ہونے کو جہاں وہ ایسی چیزوں سے متصل ہوتا ہے جو بیان میں نہیں آتیں اپنے پروردگار کے ساتھ صدق ومحبت کی علامت گردانا ہے حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ خالص محبت کا مزہ چکھ لیتا ہے تو وہ محبت طلب دنیا سے اس کو مانع ہو جاتی ہے اور تمام لوگوں سے اس شخص کو وحشت ونفرت ہوتی

ہے میں کہتا ہوں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا آثار محبت کا پورا پورا بیان ہے پس جب ایمان دار کو اللہ تعالیٰ سے پوری و کامل محبت ہو جاتی ہے تو اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس بندہ کے ساتھ محبت کرنے کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ سے متاثر ہوتا ہے لیکن اس محبت کی حقیقت اللہ تعالیٰ کا اس بندہ کے ساتھ وہ برتاؤ کرنا ہے کہ جس کی وہ بندہ قابلیت رکھتا ہے پس جس طرح آفتاب سخت جسم کو بہ نسبت اور اجسام کے زیادہ تر گرم کر دیتا ہے اور آفتاب کا فعل واقع میں ایک ہی ہوتا ہے مگر چونکہ اس فعل کے قبول کرنے والوں کی استعدادیں مختلف ہوتی ہیں اس لیے اس کا فعل بھی مختلف اور متعدد ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے نفوس کی طرف باعتبار ان کے افعال وصفات کی عنایت و توجہ ہے پس جو شخص ان میں سے صفاتِ رذیلہ کے ساتھ متصف ہو کر اپنے آپ کو بہائم کے شمار میں داخل کر لیتا ہے تو آفتابِ احدیت کی روشنی اس میں وہ کام کرتی ہے جو اس کی استعداد کے مناسب ہوتا ہے اور جو شخص اخلاق اور صفاتِ فاضلہ کے ساتھ اپنی ذات کو متصف کر کے ملاء اعلیٰ کے شمار میں داخل ہو جاتا ہے تو آفتاب احدیت کی روشنی اس کو منور اور مجلی کر دیتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ شخص خطیرۃ القدس کے جواہر میں سے ایک جوہر ہو جاتا ہے اور ملاء اعلیٰ کے احکام اس پر جاری ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں وہ شخص محبوبِ الٰہی شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ معاملہ کیا ہے جو محب اپنے حبیب سے کرتا ہے اس وقت میں اس بندہ کا نام ولی ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کو جو اس بندہ کے ساتھ محبت ہوتی ہے اس کے سبب سے بندہ پر بہت سے حالات طاری ہوتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو پورے طور سے بیان فرمایا ہے۔ از انجملہ یہ ہے کہ وہ شخص ملاء اعلیٰ میں اور پھر زمین پر بھی مقبول ہو جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **اذا احب الله تعالى عبدا نادى جبرئيل انا احب فلانا فاحبه فيحبه جبريل ثم ينادى جبرئيل فى السموات ان الله تعالى احب فلانا فاحبوه فيحبه اهل السموات ثم يوضع له القبول فى الارض** . جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل کو ندا فرماتا ہے کہ میں فلاں بندہ کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ پھر جبرائیل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر تمام آسمانوں پر جبرائیل ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو دوست رکھتا ہے تم بھی اس کو دوست رکھو پس تمام اہل السمٰوات اس کو دوست رکھتے ہیں۔ پھر اس کی قبولیت زمین پر ہو جاتی ہے میں کہتا ہوں جب عنایتِ الٰہی اس بندہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو ملاء اعلیٰ میں اس محبت کا عکس پڑتا ہے جس طرح آفتاب کی روشنی کا عکس صاف آئینہ میں پڑتا ہے۔ پھر ملاء سافل کے دلوں میں اس کی محبت کا القاء ہوتا ہے پھر اہل ارض میں سے جس میں اس بات کی قابلیت ہوتی ہے اس کے دل میں اس کی محبت کا القا ہوتا ہے۔ جس طرح نرم زمین پانی کے حوض سے تری کو اخذ کر لیتی ہے۔ از انجملہ اس کے دشمنوں کا رسوا ہونا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکایۃً عن ربہ تعالیٰ فرمایا ہے: **من عادلى وليا فقدا ذنته بالحرب** . جو شخص میرے ولی سے عداوت کرتا ہے پس میں اس کو اعلانِ جنگ دیتا ہوں۔ میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ کی محبت کا عکس ملاء اعلیٰ کے نفوس پر جو بمنزلہ آئینوں کے ہیں پڑتا ہے پھر اہل ارض میں سے کوئی شخص اس کی مخالفت کرتا ہے تو ملاء اعلیٰ کو وہ مخالفت محسوس ہوتی ہے۔ جس طرح ہم میں سے کسی کا قدم آگ کی چنگاری پر پڑ جائے تو اس کی حرارت ہم کو محسوس ہو جاتی ہے اس مخالفت کے معلوم کرنے کے بعد ملاء اعلیٰ کے نفوس سے شعاعیں نکل کر نفرت و عداوت کے طور پر اس مخالفت کرنے

والے کومحیط ہو جاتی ہے۔اس وقت میں وہ شخص خوار وذلیل ہو جاتا ہے اور زندگی اس پر تنگ ہو جاتی ہے۔اور ملاء سافل اور اہل زمین کے دلوں میں اس بات کا القا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ بری طرح پیش آئیں اللہ تعالیٰ کی لڑائی کے یہی معنی ہیں۔اور از انجملہ یہ ہے کہ اس شخص کی دعا مقبول ہوتی ہے اور جس چیز سے وہ پناہ مانگتا ہے تو پناہ دی جاتی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حکایۃً عن اللہ تعالیٰ فرمایا ہے: **و ان سالنی لاعطینه و ان استعاذنی لاعیذنه** اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے میں اس کو بلاشبہ دیتا ہوں۔میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ شخص خطیرۃ القدس میں داخل ہو جاتا ہے جہاں سے حوادث کا حکم دیا جاتا ہے اور اس شخص کی دعا اور پناہ کی خواستگاری کرنا خطیرۃ القدس کی طرف چڑھ کر حکم الٰہی کے نازل ہونے کا سبب ہوتا ہے صحابہؓ کے آثار میں استجابت دعا کے باب میں بہت کچھ مروی ہے از انجملہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سعدؓ نے ابوسعدہ پر یہ بددعا کی کہ بارخدایا اگر یہ تیرا بندہ جھوٹا ہے اور ریا وسمعہ کے طور پر کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر بڑھادے اور اس کی محتاجی زیادہ کر اور فتنوں کا اس کو سامنا کر پس جیسا انہوں نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔اور ایک مرتبہ حضرت سعیدؓ نے اروی بنت اوس پر یہ بددعا کی بارخدایا اگر یہ جھوٹی ہے تو اس کی آنکھیں اندھی کردے اور اس کی جگہ اس کو موت دے پس جیسا انہوں نے کہا تھا ویسا ہی ہوا اور از انجملہ نفس سے فانی ہونا اور حق کے ساتھ باقی رہنا ہے صوفیاء اس کو غلبہ کون الحق علی کون للعبد کے ساتھ تعبیر فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ نے حکایۃً عن اللہ تبارک وتعالیٰ فرمایا ہے۔ ﴿ **وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده الذی یبطش بها** ﴾ میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ کا نور اس بندہ کے نفس کو باعتبار اس کی قوت عملیہ کے جو بدن کے اندر منتشر ہوا ہے ڈھک لیتا ہے تو اس نور کا ایک شعبہ اس کے تمام قویٰ میں پہنچ جاتا ہے۔جس کے سبب سے ان قوائے میں ایسی برکات پیدا ہو جاتی ہیں جو مجرائے عادت کے بالکل خلاف ہوتی ہیں ایسے وقت میں وہ فعل ایک خاص نسبت کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے ﴿ **فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى** ﴾ پس تم نے ان کو نہیں قتل کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا اور تو نے جب پھینکا تو وہ تو نے نہیں پھینکا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا۔اور از انجملہ یہ ہے کہ بعض آداب کے ترک کرنے سے مؤاخذہ کر کے اور آپ کی طرف بندہ کے رجوع کو قبول فرما کے اس کو متنبہ کر دیتا ہے جس طرح ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مہمانوں کو ناخوش کر دیا۔پھر ان کو معلوم ہوا کہ یہ فعل شیطان کی طرف سے ہے۔پھر امر بالمعروف کی طرف انہوں نے رجوع کیا تو ان کے کھانے میں برکت ہوئی۔اور منجملہ مقامات قلب کے دو مقام اور ہیں یہ مقام ان نفوس کے ساتھ مختص ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مشابہ ہوتے ہیں ان مقامات کا عکس ان نفوس پر ایسا پڑتا ہے جس طرح چاند کی روشنی کا اس آئینہ میں عکس پڑتا ہے جو ایک کھلے ہوئے سوراخ کے مقابل رکھا ہوا ہے پھر اس آئینہ کی روشنی کا عکس دیواروں اور چھت اور زمین پر پڑتا ہے یہ دو مقام بھی بمنزلہ صدیقیت اور محدثیت کے ہیں پھر اتنا ضرور فرق ہے کہ صدیقیت اور محدثیت کا محل ان کے نفوس کی قوت عطیہ ہوتی ہے اور ان کا محل قوت عملیہ ہوتی ہے جو قلب سے پیدا ہوتی ہے اور وہ دونوں شہید وحواری کے مقام ہیں اور دونوں میں یہ فرق ہے کہ شہید کا نفس غصہ اور کفار پر شدت اور دین الٰہی کی مدد ملکوت کے مقامات میں سے کسی مقام سے قبول کر لیتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں سے انتقام لینے کا ارادہ کر رکھا ہے اور وہاں سے رسول پر اس ارادہ کا

نزول ہوتا ہے تا کہ وہ رسول اس انتقام میں اللہ تعالیٰ کے اسباب میں سے ایک سبب ہو پس ان لوگوں کے نفوس ایسے مقام سے اس ارادہ کو قبول کر لیتے ہیں جیسا کہ محدثیت میں ہم نے ذکر کیا ہے اور حواری وہ شخص ہوتا ہے جس کو رسول سے خالص محبت ہوتی ہے اور مدت دراز تک صحبت میں رہتا ہے اللہ پاک فرماتا ہے۔ ﴿یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا کُوْنُوا اَنْصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیِّیْنَ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ﴾ الآیۃ۔ اے ایمان والو! ہو جاؤ اللہ کے مددگار جس طرح عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا کون ہیں میرے مددگار اللہ کی طرف۔ بولے حواری ہم اللہ کے مددگار ہیں الخ اور آنحضرت ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو حواری ہونے کی بشارت دی ہے اور شہید اور حواری کی کئی قسمیں اور شعبے ہیں ایک ان میں سے امین ہے اور ایک رفیق اور ایک نجیب ہے اور ایک نقیب ہے اور آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کے فضائل میں ان امور میں سے بہت کچھ بیان کر کے مطلع فرمایا ہے اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ہر نبی کے لیے سات نجیب و رقیب ہوئے ہیں اور مجھ کو چودہ دیئے گئے ہیں ہم نے عرض کیا وہ کون ہیں تو علیؓ نے فرمایا میں اور میرے دونوں بیٹے اور جعفرؓ اور حمزہؓ اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اور مصعبؓ بن عمیر اور بلالؓ اور سلمان اور عمارؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوذرؓ اور مقدادؓ۔ اللہ پاک فرماتا ہے۔ ﴿لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ﴾ تا کہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **اثبت احد فانما علیك نبی او صدیق او شھید**۔ اے احد ٹھہر جا کیونکہ تیرے اوپر یا نبی ہے یا صدیق یا شہید۔ اور منجملہ احوال قلب کے سکر ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ نور ایمان اولاً عقل میں اور پھر قلب میں متمثل ہو کر دنیاوی معاملات کو دور کر دے اور اس کے سبب سے انسان ان چیزوں کو پسند کرنے لگے جن کو انسان مجرائے طبیعت کے اعتبار سے ناپسند کرتا ہے پس وہ شخص اس شخص کے مشابہ ہوتا ہے جو نشہ کی حالت میں اور عقل و عادت کے طریقوں سے اس کا حال بدلا ہوا ہو جیسا کہ ابوالدرداء نے فرمایا ہے چونکہ مجھ کو اپنے رب کا اشتیاق ہے اس لیے موت مجھ کو بہتر معلوم ہوتی ہے اور چونکہ مرض کے سبب سے میرے گناہ دور ہو جاتے ہیں اس لیے مرض مجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے اور چونکہ محتاجگی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تواضع ہوتی ہے اس لیے محتاجگی مجھ کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور حضرت ابوذرؓ کے حالات میں مروی ہے کہ وہ بطبعہ مال کو برا جانتے تھے اور غنا و ثروت سے ان کو ایسی نفرت ہوتی تھی جس طرح کسی کو ناپاک چیزوں سے نفرت ہوتی ہے۔ اور مجرا عادات بشریہ کا یہ نہیں ہے کہ ایسی چیزوں سے محبت اور ایسی چیزوں سے نفرت ہو مگر ان پر یقین کا ایسا غلبہ تھا کہ مجرائے عادت سے باہر ہو گئے تھے اور منجملہ احوال قلب کے ایک غلبہ ہے اور غلبہ کی دو قسمیں ہیں ایک اس خواہش کا غلبہ ہے جو نور ایمانی کے قلب میں داخل ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہے اس نور اور جبلت قلبی کے ملنے سے جھاگ کے طور پر خواہش بن جاتا ہے جس کے مقتضی سے رُکنا اس شخص کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ خواہ وہ خواہش مقصود شرعی کے موافق ہو یا نہ ہو کیونکہ شرع بہت سے مقاصد پر مشتمل ہے جن کو اس مومن کا قلب احاطہ نہیں کر سکتا پس بسا اوقات اس شخص کے قلب پر مثلاً رحمت کا غلبہ ہوتا ہے اور شرع نے بعض مواضع میں اس سے نہی فرمائی ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے۔ ﴿وَلَا تَاْخُذْکُمْ بِھِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ﴾ اور نہ پکڑے تم کو ان دونوں کے ساتھ اللہ کے دین میں نرمی اور بسا اوقات اس کے قلب پر بغض کا غلبہ ہوتا ہے اور شرع کو بعض مواضع میں مہربانی کرنی مقصود ہوتی ہے مثلاً اہل ذمہ میں اس غلبہ کی مثال وہ ہے جو حدیث شریف میں ابولبابہ بن

منذر سے مروی ہے کہ جب سعد بن معاذؓ کے حکم سے آنحضرت ﷺ نے بنی قریظہ کو اتارنا چاہا تو بنی قریظہ نے ابی لبابہؓ سے مشورہ کیا ابولبابہ نے اپنے ہاتھ سے حلقوم پر اشارہ کیا جس سے ذبح ہونے کی طرف اشارہ ہے پھر وہ اس بات سے نادم ہوئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خیانت کی ہے پھر وہ اسی حال میں چلے اور مسجد میں گئے اور اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے باندھ دیا اور کہا کہ جب تک اللہ تعالیٰ میرے اس فعل کی توبہ نہ قبول کرے گا یہاں سے نہ ہٹوں گا۔

اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حمیت اسلام ان پر اتنی غالب ہوئی کہ رسول خدا ﷺ پر اعتراض کر بیٹھے یعنی جب آپؐ نے حدیبیہ کے سال مشرکین سے مصالحت چاہی تو حضرت عمرؓ بھڑ پڑے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے کیا اللہ کے رسول نہیں ہیں انہوں نے فرمایا ہاں ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا ہم مسلمان نہیں ہیں انہوں نے فرمایا ہاں ہیں پھر انہوں نے کہا کیا وہ مشرک نہیں ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہاں ہیں۔ انہوں نے کہا پھر ہم اپنے دین میں دناءت کو کیونکر گوارا کر سکتے ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری اپنے اوپر لازم پکڑ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں پھر ان پر اس حالت کا غلبہ ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت شریف میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے بھی عرض کیا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا تھا اور آپؐ نے وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسولؐ ہوں ہرگز اس کے حکم کی مخالفت نہ کروں گا۔ اور ہرگز وہ مجھ کو ضائع نہ کرے گا۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے اس دن سے میں نے اپنے اس کلام کے خوف کے سبب سے برابر روزہ رکھنا اور صدقہ دینا اور آزاد کرنا اور نماز پڑھنا شروع کیا حتیٰ کہ مجھے خیریت کی اُمید ہوئی۔

اور ابوطیبہ جراح سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ کے انہوں نے پچھنے لگائے تو آپ کا خون مبارک پی گئے حالانکہ شریعت میں یہ امر ممنوع ہے لیکن ان سے غلبہ کی حالت میں ایسا ہو گیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کو معذور رکھا کہ تو نے آگ سے بہت روک کر لی۔ اور ایک غلبہ اور ہے جو اس غلبہ سے زیادہ جلیل القدر اور زیادہ تر کامل ہے اور وہ خواہش الٰہی کا غلبہ ہے جو اس کے قلب پر نازل ہوتی ہے اور اس کے مقتضیٰ کو پورا کرنے سے اپنے آپ کو نہیں روک سکتا اور اس غلبہ کی حقیقت یہ ہے کہ بعض مقامات قدسیہ سے اس کے قوت عملیہ پر علم الٰہی کا فیضان ہوتا ہے نہ قوت عقلیہ پر اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو نفس انبیاء علیہم السلام کے نفس سے مشابہت رکھتا ہے جب اس میں علم الٰہی کے فیضان کی استعداد ہوتی ہے تو اگر اس کی قوت عقلیہ کو قوت عملیہ پر سبقت ہوتی ہے تب وہ علم فراست والہام ہوتا ہے اور اگر قوت عملیہ کو قوت عقلیہ پر سبقت ہوتی ہے تو وہ علم ارادہ یا نفرت ہوتا ہے اس کی مثال وہ ہے جو بدر کے قصہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دعا میں مبالغہ کیا حتیٰ کہ آپؐ نے دعا میں کہا ''میں تیرے عہد اور وعدہ کا تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ بار خدایا اگر تجھ کو اپنی پرستش کروانا منظور نہیں''۔ اتنا کہنے پائے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا بس رہنے دیجیے۔ پس رسول اللہ ﷺ وہاں سے یہ فرماتے ہوئے چلے **سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ** یعنی کفار کی جماعت بھگادی جائے گی اور پیٹھ پھیر دیں گے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں اللہ کی طرف سے خواہش پیدا ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کو بددعا میں مبالغہ کرنے سے روکیں اور اس سے باز رہنے کی رغبت دلائیں اور آنحضرت ﷺ نے بھی اپنی فراست

سے اس بات کو معلوم کرلیا کہ یہ خواہش اللہ کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے فتح کے طالب ہو کر اس آیت کو پڑھتے ہوئے وہاں سے چلے آئے۔

دوسری مثال یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی کی موت کے بیان میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب اس کے جنازہ کی نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں لوٹ کر آنحضرت ﷺ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپؐ اس کی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اس دن ایسا کہا تھا اور اس دن ایسا کہا تھا حتیٰ کہ آپؐ نے فرمایا کہ تم میرے پاس سے ہٹ جاؤ' مجھ کو چونکہ اختیار دیا گیا ہے تو میں نے اختیار کرلیا اور آپؐ نے اس کی نماز پڑھی تو یہ آیت نازل ہوئی **وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا**. ان میں سے کوئی مرجائے تو کبھی تو اس کی نماز مت پڑھ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے اپنے اوپر اور رسول اللہ ﷺ پر اپنی جراءت کرنے سے حالانکہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ واقف تھے تعجب آتا ہے اور حضرت عمرؓ نے ان دونوں قسم کے غلبوں کا فرق خوب انکشاف کے ساتھ بیان کردیا ہے یعنی غلبہ اوّل میں اپنے آپ کو برابر روزے رکھنے اور صدقہ کرنے اور آزاد کرنے اور نماز پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔ اور غلبہ ثانیہ میں یہ فرمایا کہ مجھے اپنے حال اور اپنی جرأت پر تعجب ہوا۔ ان دونوں کلمات میں جو کچھ فرق ہے دیکھنا چاہیے اور از انجملہ اللہ تعالیٰ کی طاعت کا ماسوا پر اختیار کرنا اور اس کے موانع کا دور کرنا اور جو چیزیں اس کو طاعت الٰہی سے روکتی ہیں ان سے بیزار ہونا جیسا کہ ابوطلحہؓ انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ناگاہ ایک کبوتر جنگلی اڑا اور ادھر اُدھر اس نے اڑنا شروع کیا مگر درختوں کی ٹہنیاں اور پتے اس قدر گنجان تھے کہ اس کو باہر جانے کا راستہ نہ ملتا تھا یہ بات ان کو بہت اچھی معلوم ہوئی اور اس خیال میں ان کو رکعتوں کی تعداد نہ یاد رہی تو انہوں نے اس باغ کا صدقہ کردیا اور از انجملہ خوف کا غلبہ ہے۔ جس کے سبب سے آدمی کو رونا آجائے اور اس کا بدن تھرانے لگے اور آنحضرت ﷺ نے ان سات شخصوں کے بیان میں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ کے نیچے اس دن کو بجز اس کے سایہ کے کوئی سایہ نہ ہوگا داخل کرے گا فرمایا ہے۔ **و رجل ذکر اللّٰہ تعالٰی خالیا فصاحت عیناہ**. اور وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کو خلوت میں یاد کیا اور اس کی آنکھیں بھر آئیں: **لایلج النار رجل بکی من خشیتہ اللّٰہ حتی یعود اللبن فی الضرع**. جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا ہے آگ میں نہ جائے گا جب تک کہ دودھ پستان میں لوٹ کر نہ آئے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے رونے والے شخص تھے جب قرآن پڑھتے تھے ان کی آنکھیں ان کے اختیار میں نہ رہتی تھیں۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو جب یہ آیت پڑھتے سنا: **اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ**. پس گویا میرا دل ڈر گیا اور وہ مقامات جو نفس کو نور ایمان کے اس پر غالب ہونے اور اس کی صفات خسیسہ کو صفات فاضلہ کے بدلنے کے اعتبار سے حاصل ہوتے ہیں ان میں سے پہلا مقام یہ ہے کہ نور ایمانی اس عقل سے منور بحقائق حقہ ہو رہے ہیں نازل ہو کر قلب کی طرف آتا ہے اور جبلت قلبی کے ساتھ ازدواج اور اتصال پیدا کر کے ان سے ایک منبہ پیدا ہوتا ہے جو نفس پر غالب ہو جاتی ہے اور اس پر سوار ہو کر اس کی باگیں پکڑ لیتی ہے پھر ان دونوں سے آئندہ زمانہ میں معاصی چھوڑنے کا عزم پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ عزم نفس پر غالب ہو کر شرع کے اوامر و نواہی سے اس کو مطیع کر دیتا ہے اللہ پاک فرماتا ہے: **وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى**. اور لیکن جس کسی نے اپنے رب کے سامنے کھڑے

ہونے کا خوف کیا اور نفس کو خواہش سے روکا پس بلا شبہ جنت میں ہی اس کا ٹھکانہ ہو گیا میں کہتا ہوں اللہ پاک کا یہ قول من خاف عقل کے نور ایمانی کے ساتھ منور ہونے اور پھر اُس نور کے قلب کی طرف نازل ہونے کا بیان ہے اس لیے کہ خوف کے لیے ایک ابتداء اور انتہاء ہے ابتداء تو اللہ تعالیٰ سے خوف اور اس کے غلبہ کا معلوم کرنا ہے اور اس کا محل عقل ہے اور اس کا منتہیٰ پریشانی اور اضطراب اور دہشت اور اس کا محل قلب ہے اور (ونہی النفس) سے اس نور سے جو قوت قلبی کے ساتھ مخلوط ہو رہا ہے نفس کی طرف نازل ہونے اور اس پر غالب ہونے اور اس کو روکنے اور پھر اس کے ماتحت نفس کے مغلوب اور مقہور ہو جانے کا بیان ہے' پھر عقل سے دوسری مرتبہ نور ایمانی کا نزول قلب کی طرف ہوتا ہے اور جبلت قلبی کے ساتھ ازدواج واتصال پیدا کر کے ان دونوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف التجا پیدا ہوتی ہے اور وہ استغفار اور توجہ کا باعث ہوتی ہے اور استغفار کے سبب سے دل کا زنگ دور ہو جاتا ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ان المومن اذا اذنب الخ** مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر وہ توبہ و استغفار کر لیتا ہے تب تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ اور گناہ کرتا ہے تو وہ نقطہ پھیل کر قلب کے اوپر چھا جاتا ہے' اللہ تعالیٰ نے جوران کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے اس سے یہی مراد ہے **كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ**. میں کہتا ہوں وہ نقطہ سیاہ بہیمیت کی ظلمتوں میں سے ایک ظلمت کا ظاہر ہونا اور انوار ملکیہ میں سے ایک نور کا روشن ہونا ہے اور اس نقطہ کا صاف ہونا ایک روشنی ہے کہ نور ایمانی سے اس کے نفس پر فائز ہوتی ہے اور ران بہیمیت کے غالب ہونے اور ملکیت کے بالکل پوشیدہ ہو جانے کا نام ہے' پھر بار بار نور ایمانی کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور بار بار نفسانی وساوس دُور ہوتے رہتے ہیں یعنی جب نفس کے اندر کسی گناہ کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے مقابل میں ایک نور بھی نازل ہوتا ہے جو اس باطل کو محو کرتا رہتا ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ضرب الله مثلاً صراطا مستقيما و عن جنبى الصراط سوران فيهما ابواب مفتحة** الخ' اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک سیدھا راستہ ہے اور اس راستہ کے یمین و یسار دو دیواریں ہیں اور ان دونوں دیواروں میں کھلے ہوئے دروازہ ہیں اور ان پر پردہ چھوٹے ہوتے ہیں اور اس راستہ کے شروع میں ایک شخص پکارنے والا ہے جو کہتا ہے راستے پر سیدھے سیدھے چلو اور ٹیڑھے مت چلو اور اس کے اوپر ایک اور پکارنے والا ہے کہ جو کوئی شخص ان دروازوں میں سے آنے کے لیے کھولنے کا قصد کرتا ہے وہ پکارنے والا یہ آواز دیتا ہے افسوس اس دروازے کو تو مت کھول اگر اس کو کھولا تو تو اس میں جا پڑے گا' پھر آنحضرت ﷺ نے اس کی تفصیل کی اور بیان کیا کہ وہ راستہ تو اسلام ہے اور وہ کھلے ہوئے دروازے اللہ کے محارم ہیں اور وہ پردے جو چھوٹے ہوئے ہیں وہ حدود الٰہی ہیں اور راستہ کے شروع پر جو پکارنے والا ہے وہ قرآن عظیم ہے اور اس کے آگے جو اور پکارنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا واعظ ہے جو ہر مومن کے دل میں موجود ہے۔ میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا کہ اس راستہ میں دو پکارنے والے ہیں ایک تو راستہ کے شروع پر اور وہ قرآن اور شریعت ہے کہ ہمیشہ بندہ کو راہ راست کی طرف ایک رفتار و روش سے پکارتے ہیں اور ایک داعی اس چلنے والے کے سر پر ہے جو ہر وقت اس کی نگرانی رکھتا ہے' یعنی جب وہ شخص کسی گناہ کا قصد کرتا ہے تو وہ داعی اس پر چلا اٹھتا ہے اور یہ داعی وہی ہوتا ہے جو قلب سے اٹھتا ہے اور جبلت قلبی اس نور سے جو عقل منور بنور ایمانی کی جانب سے قلب پر فائض ہے پیدا ہوتا ہے اور اس کا حال اس چینگے کا سا ہے جو بار بار پتھر سے چمکتا ہے اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے

بعض بندوں پر یہ مہر ہوتی ہے کہ ایک لطیفہ غیبی پیدا کر دیتا ہے' جو اس شخص کے اور اس کی معصیت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے' یہ لطیفہ غیبیہ وہی برہان ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے **وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَا اَنْ رَّاٰى بُرْهَانَ رَبِّهٖ**. اور البتہ زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور یوسف نے زلیخا کا قصد کیا اگر نہ دیکھتا برہان اپنے رب کی' یہ سب مقام توبہ ہے اور سبب توبہ کا مقام کامل ہو جاتا ہے اور نفس کے اندر وہ ایک ملکہ راسخ ہو جاتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت کے پیش نظر رکھنے سے اس شخص کے قویٰ مضمحل رہتے ہیں اور کسی چیز سے اس میں تغیر نہیں آتا اور اس کا نام حیا ہے اور لغت میں حیا کے معنی نفس کے ان چیزوں سے باز رہنے کے ہیں جن کو عادت کے اعتبار سے لوگ معیوب جانتے ہیں' مگر شرع نے لغت سے نقل کر کے حیا اس ملکیہ کا نام رکھا ہے جو نفس کے اندر راسخ ہو جس کے سبب سے آدمی اللہ تعالیٰ کے روبرو ایسا گھلتا رہے جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے اور اس کے سبب سے ان خواطر کی جن کو مخالف چیزوں کی طرف میلان ہے تابعداری نہ کرے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الحیاء من الایمان**. پھر آپؐ نے حیا کی تفسیر فرمائی اور فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے کامل حیا رکھتا ہے تو اس کو چاہیے کہ اپنے سر کو اور جو چیزیں سر کے اندر ہیں ان کی حفاظت کرے اور اپنے شکم اور ان چیزوں کی جو اس میں ہیں حفاظت کرے اور مر جانے اور بوسیدہ ہو جانے کو یاد رکھے اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے دنیا کی زینت کو چھوڑ دے جس شخص نے ایسا کیا وہ اللہ تعالیٰ سے پوری حیا رکھتا ہے' میں کہتا ہوں عرف میں کبھی اس انسان کو حیادار کہہ دیتے ہیں جو بسبب اپنے ذوق حیا کے بعض افعال سے اجتناب کرتا ہے اور کبھی صاحب مروت آدمی کو جو ایسی باتوں کا مرتکب نہ ہو جس سے لوگوں میں اس کا چرچا پھیلے مرتکب نہیں ہوتا حیادار کہہ دیتے ہیں۔ مگر ان دونوں شخصوں کو اس حیا سے جو مقامات میں شمار کی جاتی ہے کچھ حصہ نہیں ہے۔ پس آنحضرت ﷺ نے معنی مقصود کو ان افعال کے تعین سے جو حیا سے پیدا ہوتے ہیں اور اس کے سبب سے جو اس کی حالت ہوتی ہے اور اس کے مجاور سے جو اس کو عادتاً لازم ہوتا ہے بیان فرما دیا' پس آپ کا یہ فرمانا کہ وہ شخص اپنے سر کی حفاظت کرے الخ ان افعال کا بیان ہے جو اس حیا کے ملکہ سے پیدا ہوتے ہیں جو مخالف چیزوں کے ترک کرنے کے قبیلہ سے ہے' اور یہ فرمانا کہ وہ موت کو یاد کرے یہ نفس کے اندر حیا کے استقرار کا سبب بیان فرمایا ہے اور یہ جو فرمایا ہے کہ جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اس میں حیا کے مجاور یعنی زہد کا بیان ہے۔ کیونکہ حیا زہد سے خالی نہیں ہوتا پس جب حیا انسان کے اندر قرار پا جاتی ہے تو نور ایمان بھی عقل سے قلب پر نازل ہوتا ہے اور جبلت قلبی کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے' بعد ازاں نفس کی طرف نازل ہو کر تمام شبہات سے اس کو روک دیتا ہے اور اسی کا نام ورع ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الحلال بین والحرام بین**. الحدیث' حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے ان کے مابین مشتبہ امور ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے پس جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنا سامان اور دین بچا لیا اور جو شخص مشتبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا' اور فرمایا ہے **دع ما یریبك الی ما لا یریبك فان الصدق طمانیة و ان الکذب ریبة**. جو چیز تجھ کو شک میں ڈالے اس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کر جو شک میں نہ ڈالے کیونکہ سچ اطمینان ہے اور جھوٹ شک ہے' اور نیز فرمایا **لا یبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع ما لا باس به حذراً لما به باس**. بندہ متقیوں کے درجہ کو نہیں پہنچتا جب تک ان چیزوں کو جن میں کچھ مضائقہ نہیں ان چیزوں کے خوف سے جن میں مضائقہ ہے' نہ چھوڑ دے' میں کہتا ہوں کبھی ایک مسئلہ میں دو وجہ متعارض ہو جاتی

ہیں' ایک وجہ اباحت کی ہوتی ہے ایک وجہ تحریم کی' یا تو یہ تعارض شریعت سے اس مسئلہ کے اصل مآخذ میں ہوتا ہے جیسے دو حدیثیں یا دو قیاس متخالف ہوتے ہیں یا یہ تعارض حادثہ کی صورت کے اس اباحت و تحریم کے حکم کے ساتھ جو شریعت میں ثابت ہوا ہے' مطابق کرنے میں ہوتا ہے پس ایسے وقت میں بندہ اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اس کے ترک کرنے اور ایسی چیز کے اختیار کرنے سے جس میں شبہ نہیں ہے صاف ہوتا ہے اور جب ورع کی صفت ثابت ہو جاتی ہے تو نور ایمان کا بھی ظہور ہوتا ہے اور جبلت قلبی کے ساتھ وہ نور مخلوط ہو جاتا ہے اور پھر جو چیزیں حاجت سے زیادہ ہیں ان میں مشغول ہونے کی قباحت اس کو خود ظاہر ہو جاتی ہے' کیونکہ وہ چیزیں اس شخص کو اس کے مطلوب سے روکتی ہیں' پھر اس نور کا نفس کی طرف نزول ہوتا ہے اور ایسی چیزوں کی طرف سے نفس کو روک دیتا ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے' **من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنی** .آدمی کے اسلام کی خوبی اس میں ہے کہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ میں کہتا ہوں ماسوا کے ساتھ مشغول ہونے سے نفس کے آئینہ میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے مگر جن چیزوں سے زندگی میں چارہ نہیں ہے اگر اس نیت سے کہ وہ چیزیں منزل مقصود تک اس کو پہنچانے والی ہیں ان میں مشغول ہو تو اس کے لیے معافی ہے اور اس کے سوا جتنی چیزیں ہیں تو اللہ کا واعظ جو مومن کے قلب میں ہوتا ہے ان سے باز رہنے کا حکم دیتا ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الزهادة فی الدنیا لیس بتحریم الحلال الخ** کہ دنیا کا زہد نہ حلال کے حرام کرنے کا نام ہے اور نہ مال کے ضائع کرنے کا' بلکہ دنیا کا زہد اس سے عبارت ہے کہ جو چیز تیرے پاس ہے اس کا تجھ کو اس چیز سے زیادہ بھروسہ نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور یہ کہ جب تجھ کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس مصیبت کے ثواب کی طرف اگرچہ وہ مصیبت باقی رکھی جائے تجھ کو مرغوب ہو۔ میں کہتا ہوں زاہد کو کبھی دنیا میں ایسا غلبہ حاصل ہوتا ہے جو ایسے عقائد و افعال پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ عقائد و افعال شرع کے اندر محمود ہیں ان عقائد اور افعال سے جو محمود نہیں ہیں' پھر آنحضرت ﷺ نے زہد کے مواضع میں سے بیان کیا ان کو جو شرع میں محمود ہیں اور جو غیر محمود ہیں' پس جب کسی شخص پر حاجت سے زیادہ چیزوں میں مشغول ہونے کی قباحت ظاہر ہو جاتی ہے اور ان چیزوں سے وہ ایسا بیزار ہو جاتا ہے جس طرح اپنے مقتضائے طبع کے اعتبار سے ضرر رساں چیزیں اس کو ناگوار معلوم ہوتی ہیں اس کے سبب سے بسا اوقات وہ شخص ان چیزوں میں تعمق کرنے لگتا ہے اور اس کو اس بات کا اعتقاد ہو جاتا ہے کہ ظاہر شرع کے اعتبار سے اللہ اس سے مؤاخذہ کرے گا اور یہ عقیدہ باطل ہے کیونکہ شرع طبائع بشری کے دستور کے موافق نازل ہوئی ہے اور زہد ایک قسم کا طبیعت بشریہ سے باہر ہو جاتا ہے بلکہ وہ خالص اس کے نفس کے لیے بنظر اس کے مقام کی تکمیل کے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے اور وہ تکلیف شرعی نہیں ہوتی اور بسا اوقات ایسی حالت میں وہ شخص اپنے مال کو ضائع کر دیتا ہے یا دریاؤں اور پہاڑوں پر پھینک دیتا ہے اور یہ ایسا غلبہ ہے کہ شرع سے اس کی صحت نہیں اور نہ شرع نے اس غلبہ کو احکام زہد کے ظاہر ہونے کا مقام گردانا ہے بلکہ شرع نے جس کو احکام زہد کے ظاہر ہونے کا مقام گردانا ہے وہ دو چیزیں ہیں ایک تو یہ کہ جو چیز حاجت سے زیادہ ہے اور اس شخص کو ہنوز حاصل نہیں ہوئی ہے تو وہ شخص اس کے طلب کرنے کی زحمت نہ اٹھائے' بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اعتماد کرے جو دنیا میں اس چیز کے پہنچنے اور آخرت میں ثواب کے ملنے کا کیا ہے' دوسرے یہ کہ جو چیز اس کے پاس سے ضائع ہو جائے اپنا دل اس کے پیچھے نہ لگائے اور نہ اس کے لیے افسوس کرے بلکہ اللہ تعالیٰ نے صابرین اور فقراء کے لیے جو وعدہ فرمایا ہے اس پر یقین کرے' اور معلوم کرو کہ نفس کی جبلت

میں عیشوں کی طرف میلان داخل کیا گیا ہے جب تک نور ایمانی کا اس میں ظہور نہ ہو ہمیشہ وہ اپنی فطری حالت میں قائم رہتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیۡ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ** . اور میں نہیں بری کرتا ہوں اپنے نفس کو پھر بلاشبہ نفس برائی کا حکم کرتا ہے مگر جو میرا پروردگار رحم کرے' پس مومن تمام عمر اپنے نفس کے ساتھ نور الٰہی کے اتارنے میں مجاہدہ کرتا رہتا ہے اور جب کوئی نفسانی خواہش پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف ملتجی ہو کر اس کے جلال اور عظمت اور فرمانبرداروں کے لیے ثواب اور نافرمانوں کے لیے جو عذاب مقرر کیا ہے اس کو یاد کرتا ہے' اس سبب سے اس کے قلب وعقل میں حق کا خطرہ پیدا ہوتا ہے اور باطل کے خطرہ کو دور کر کے **کان لم یکن** . کر دیتا ہے' مگر عارف میں اور سرنو توبہ کرنے والے میں فرق عظیم ہے' اور آنحضرت ﷺ نے دونوں خطروں کی مدافعت اور خطرہ حق کا خطرۂ باطل پر غلبہ اور اگر نفس مطمئنہ اور اس عقل کے آداب کے ساتھ مؤدب ہے جو نور ایمانی سے منور ہو رہی ہے تو اس نفس کا حق کے تابع ہونا' اور اگر نفس عاصی اور منکر ہے تو اس کی سرکشی کا بیان بخل اور جود کے مسئلہ میں دو راہوں کے ساتھ جو ایک تنگ اور دوسری ٹھیک ہے بیان فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ بخیل اور صدقہ کرنے والے کی مثال ان دو شخصوں کی سی ہے جو لوہے کی زرہیں پہنے ہوئے ہیں اور ان دونوں کے ہاتھ سینہ اور گردن کی طرف سکڑے ہوئے ہیں' پس صدقہ کرنے والا جب کوئی صدقہ کرتا ہے تو وہ زرہ پھیل جاتی ہے اور بخیل جب صدقہ کرنے کا قصد کرتا ہے تو وہ زرہ تنگ ہو جاتی ہے اور ہر کڑی اپنی جگہ پکڑ لیتی ہے' میں کہتا ہوں جس شخص کا نفس جبلت یا کسب کے اعتبار سے مطمئنہ ہوتا ہے اور حق کا خطرہ ظاہر ہوتے ہی اس کے نفس پر غالب اور اس کا مالک ہو جاتا ہے اور جس شخص کا نفس نافرمان اور منکر ہوتا ہے تو حق کا خطرہ اس میں مؤثر نہیں ہوتا بلکہ اس سے دور ہو جاتا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں عقل کے نور ایمانی کے ساتھ منور ہونے اور پھر نفس پر اس کے نور کے فیض کا بیان اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے **اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَكَّرُوۡا فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ** . متقی لوگوں کو جب شیطان کی طرف سے پھرنے والا چھو جاتا ہے تو ہوشیار ہو جاتے ہیں پھر ناگاہ ان کو سوجھ ہو جاتی ہے' میں کہتا ہوں شہوت نفسانی کے روزن سے شیطان کو انسان کے باطن پر اطلاع ہو جاتی ہے اور اس کے دل میں معصیت کی خواہش پیدا کر دیتا ہے' پھر اس شخص کو اپنے پروردگار کا جلال یاد آ جاتا ہے اور اپنی گردن اس کے روبرو جھکا دیتا ہے تب تو اس شخص کی عقل میں نور پیدا ہوتا ہے اس کا نام ابصار ہے' پھر وہ نور قلب ونفس کی طرف ہو کر اس خواہش کو دور کر دیتا ہے اور شیطان کو دفع کر دیتا ہے' اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے **وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِیۡبَةٌ قَالُوۡٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ اُولٰٓئِكَ عَلَیۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ وَّاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ** . میں کہتا ہوں انا للہ خطرۂ حق کی طرف اشارہ ہے اور صلوٰت من ربہم ورحمۃ میں ان برکات کی طرف اشارہ ہے جو صبر سے پیدا ہوتے ہیں یعنی نفس کی نورانیت اور اس کو تشبیہ بالملکوت کا حاصل ہونا' اور اللہ پاک فرماتا ہے **مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ وَمَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ یَهۡدِ قَلۡبَهٗ الآیۃ** . اور نہیں پہنچتی کوئی مصیبت مگر اللہ کے حکم سے اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اللہ اس کے قلب کو ہدایت دیتا ہے' میں کہتا ہوں باذن اللہ میں تقدیر کی طرف اشارہ ہے اور **من یومن باللہ** میں عقل سے قلب ونفس کی طرف خطرۂ ایمانی کے نازل ہونے کا اشارہ ہے' اور منجملہ احوال نفس کی غیبت ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ نفس کو اپنی خواہشوں سے غیبت ہو جائے جیسا کہ عامر بن عبداللہ

کہتے ہیں مجھے پرواہ نہیں ہوتی کہ میں نے عورت کو دیکھا یا دیوار کو' اور امام اوزاعیؒ سے کسی نے کہا کہ ہم نے تمہاری باندی زرقا/ بازار میں دیکھا انہوں نے فرمایا کیا وہ زرقا تھی' اور منجملہ احوال نفس کے محق ہے اور وہ اس حالت کا نام ہے کہ آدمی کو کھانے اور پینے کا اتنی مدت تک دھیان نہ رہے کہ عادتاً ایسا نہیں ہوتا' اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کے نفس کو عقل کی جانب توجہ ہوتی ہے اور نور الٰہی سے اس کی عقل لبریز ہو جاتی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ ہوتا ہے کہ نفس کی طرف اللہ کے نور کا نزول ہوتا ہے اور وہ نور اس کے لیے خورد و نوش کے قائم مقام ہو جاتا ہے چنانچہ سرور عالم ﷺ نے فرمایا ہے میرا حال تمہارا سا نہیں ہے میں اپنے پروردگار کے پاس شب گزاری کرتا ہوں وہ مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے' اور معلوم کرو کہ قلب عقل و نفس کے مابین ہے اس لیے تسامح کے طور پر تمام مقامات یا اکثر مقامات کو قلب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے' چنانچہ بہت سی آیات و احادیث میں یہ استعمال میں آیا ہے پس یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے' اور معلوم کرو کہ نفس بہیمی اور قلب سبعی کی خواہشوں میں سے ہر قسم کی خواہش کے ساتھ نور ایمانی کو جو مدافعت ہوتی ہے اس کا نام جدا ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے ان اقسام میں سے ہر ایک کے نام اور اس کے وصف پر مطلع فرمایا ہے' پس جب عقل کو خواطر حقہ کے روشن ہونے کا ملکہ اور نفس کو ان خواطر کے قبول کرنے کا ملکہ ہو جاتا ہے تو وہ ایک مقام کہلایا جاتا ہے' مثلاً اگر پریشانی کے دفع کرنے کا ملکہ ہوتا ہے تو اس کا نام مصیبت پر صبر کرنا ہوتا ہے اور اس کی جگہ قلب ہے اور آرام اور فراغت کے مدافعت کے ملکہ کا نام اجتہاد ہے اور صبر بر اطاعت ہے اور حدود شرعیہ کی مخالفت کی خواہش کے ساتھ موافقت کرنے کا ملکہ خواہ وہ مخالفت بطور کاملی کے ہو یا ان حدود کے اضداد کی طرف میلان کے اعتبار سے ہو بہر حال اس ملکہ کا نام تقویٰ ہے اور کبھی تقویٰ کا اطلاق لطائف ثلاثہ کے تمام مقامات بلکہ ان اعمال پر بھی آتا ہے جو ان مقامات سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی اخیر استعمال کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ. اور حرص کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے ملکہ کا نام قناعت ہے اور عجلت کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے ملکہ کا نام تانی ہے اور غصہ کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے ملکہ کا نام حلم ہے اور اس کا مقام قلب ہے اور شہوت فرج کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے ملکہ کا نام عفت ہے اور زبان زوری اور بیہودہ کلام کی خواہش کے ساتھ مدافعت کا نام صمت اور چپ ہے۔ اور غلبہ کی خواہش کے ساتھ مدافعت کے ملکہ کا نام خمول ہے' اور محبت و عداوت وغیرہ میں تلون کی خواہش کی مدافعت کے ملکہ کا نام استقامت ہے اور اس کے علاوہ بہت سے دواعی و خواہشیں ہیں اور ان کی مدافعتوں کے نام جدا جدا ہیں' اس کتاب کے فن اخلاق میں ان سے بحث کی جائے گی۔



طلبِ رزق کے ابواب کا بیان

معلوم کرو کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور زمین میں ان کی روزی مقرر کی اور زمین کی پیداوار سے ان کے لیے انتفاع مباح کیا تو اب ان میں حرص ونزاع واقع ہوا' اس وقت میں اللہ پاک کا حکم یہ ہوا کہ کوئی شخص دوسرے شخص سے اس چیز میں جو اس کے لیے مخصوص کی گئی ہے مزاحمت نہ کر سکے' خواہ وہ اختصاص اس لیے ہو کہ اوروں سے پیشتر اس شخص نے یا اس کے مورث نے اس چیز پر قبضہ کیا ہے یا کسی دوسری وجہ سے ہو جس کا لوگوں میں اعتبار ہے' بجز تبادلہ یا باہمی رضامندی کے جس کا مدار علم ہو' فریب ودھوکہ کا اس میں دخل نہ ہو اور نیز چونکہ انسان مدنی الطبع ہے اور ان کی روزی بغیر معاونت کے قائم نہیں ہوتی اس لیے اللہ کی طرف سے معاونت کے واجب ہونے کا حکم نازل ہوا کہ ان میں سے کوئی بدون حاجت ضروری سے خالی نہ ہو اس چیز سے جس کو تمدن میں دخل ہے اور نیز اصل ذریعہ اصول مباحہ کا جمع کرنا یا اموال مباحہ کی مدد سے اس مال کا بڑھانا جیسے چرانے سے مویشی کی نسل کا بڑھانا اور زمین کی اصلاح اور پانی دینے سے زراعت کرنا اور اس میں یہ شرط ہے کہ بعض لوگ بعض پر تنگی نہ کریں جس سے تمدن کا فساد لازم آئے' لوگوں کے مال کا معاش سے بڑھنا ایک ایسی چیز ہے کہ بجز اس کے شہر کے حال کا قائم رہنا یا تو ناممکن ہے یا دشوار ہے مثلاً ایک شخص ایک شہر سے دوسرے شہر میں تجارت کا مال لاتا ہے اور ایک مدت معین تک اس مال کی حفاظت کرتا ہے اور ایک شخص اپنی کوشش و عمل سے دلالی کرتا ہے اور کوئی شخص مال کے اندر ایک جدید اور پسندیدہ صفت پیدا کرتا ہے اور لوگوں کے مال کی اصلاح کرتا ہے' پس اگر مال کا بڑھانا اس ذریعہ سے ہو کہ اس میں لوگوں کی معاونت میں دخل نہ ہو جیسے قمار بازی یا باہمی ایسی رضامندی سے ہو جس میں مجبور ہونے کے معنی پائے جاتے ہوں جیسے سود میں کیونکہ آدمی تنگدست ہو کر اپنے اوپر اس چیز کو لازم کر لیتا ہے جس کا ایفاء نہیں کر سکتا' اور اس کی رضامندی حقیقت میں رضامندی نہیں ہے پس یہ عقود اسباب صالحہ اور پسندیدہ عقود کے قبیلہ سے نہیں ہیں بلکہ اصل حکمتِ مدنیہ کے اعتبار سے یہ عقود باطل اور حرام ہیں' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من احیی ارضا میتة فھی له** . جو شخص کسی بنجر زمین کو بنائے پس وہ اسی کی ہے' میں کہتا ہوں اس کی اصل وہ ہے. جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ سب اللہ تعالیٰ کا مال ہے اور فی الحقیقت اس میں کسی کا حق نہیں ہے' مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور زمین کی چیزوں سے نفع حاصل کرنے کو مباح کیا ہے لہٰذا لوگوں میں حرص پیدا ہوئی اور اس وقت میں یہ حکم دینا مناسب ہوا کہ کوئی شخص جس نے بلا کسی ضرر پہنچائے ایک چیز پر قبضہ کر لیا ہے اس سے وہ چیز نہ چھینی جائے' اور جب ایک شخص بنجر زمین کو جو شہروں اور نہ شہروں کے گرد ہے آباد کرے تو وہ شخص سب سے پیشتر اس کا قابض ہوا اور کسی کی ضرر رسانی بھی اس نے نہیں کی پس اس شخص سے اس زمین کو نکال لینا نامناسب ہے اور تمام زمین فی الحقیقت بمنزلہ مسجد یا رباط کے ہے جو مسافروں کے لیے وقف کی جاتی ہے اور سب مسافر لوگ رباط میں شریک ہیں اور ہر قدم کو اپنے مؤخر پر تقدم ہے اور آدمی کے حق میں ملک کے معنی یہ ہیں کہ بہ نسبت دوسرے کے انتفاع کا وہ شخص سزاوار ہے اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا ہے **عادی الارض للہ ورسولہ ثم ھی لکم منی** .عادی زمین اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے پھر وہ میری طرف سے تمہارے لیے ہے معلوم کرو کہ عادی زمین اس زمین کو کہتے ہیں کہ جس کے باشندے ہلاک ہو جائیں اور کوئی شخص دعوئی اور مخاصمت اور اپنے مورث کے سبب سے پیشتر قبضہ کے ساتھ حجت کرنے والا باقی نہ رہا ہو پس ایسی حالت میں اس زمین سے بنی آدم کی ملکیت قطع ہوگئی اور وہ زمین خالص اللہ تعالیٰ کی ملک ہوگئی اور اس کا حکم اس زمین کا سا ہو گیا جو کبھی آباد نہیں ہوئی اس لیے کہ ملک کے معنی ہم بیان کر چکے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لاحمی الا للہ ورسولہ** .کہ چراگاہ بجز اللہ اور اس کے رسول کے کسی کی نہیں' میں کہتا ہوں چونکہ گھاس کے رکھانے میں لوگوں پر تنگی اور ظلم اور ضرر رسانی ہے لہٰذا اس سے نہی کی گئی اور آپ اس سے اس لیے مستثنیٰ کیے گئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میزانِ عدل عطا فرمائی تھی اور اس بات سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ کیا ہے کہ کوئی ناجائز بات آپ سے صادر ہو اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ جن اُمور کا مبنیٰ احتمالات غالبہ پر ہوتا ہے ان سے آپ کی ذات مبارک مستثنیٰ ہوتی ہے اور جن امور کا مبنیٰ تہذیب نفس وغیرہ پر ہوتا ہے وہ امور آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت پر برابر لازم ہوتے ہیں' اور آنحضرت ﷺ نے سیل مہروز میں یہ حکم دیا کہ جب تک ٹخنوں تک پانی پہنچے روک لیا جائے پھر اوپر والا نیچے والے کو چھوڑ دے اور زبیر رضی اللہ عنہ کے مخاصمت کے قصہ میں یہ فیصلہ کیا کہ اے زبیر رضی اللہ عنہ! پہلے تو اپنی زمین کو پانی دے لے پھر اس کو یہاں تک روک لے کہ دیواروں کی جڑ تک آ جائے' پھر اپنے جار کے لیے چھوڑ دے' میں کہتا ہوں کہ اصل اس میں یہ ہے' جب ایک مباح چیز میں لوگوں کے حقوق بہ ترتیب متعلق ہوئے ہیں' لہٰذا واجب ہے کہ ہر شخص کے لیے جو کم از کم معتد بہ فائدہ حاصل ہو سکے اس کی مقدار میں بھی ترتیب کی رعایت کی جائے' کیونکہ اگر قریب کو مقدم نہ کیا جائے تو اس پر تحکم وضرر رسانی ہے اور اگر درجہ بدرجہ ہر شخص کامل طور سے فائدہ نہ حاصل کرے تو حق نہیں حاصل ہوتا' اس اصل کے موافق اس حد تک پانی کے روکنے کا حکم دیا کہ ٹخنوں تک آ جائے اور ٹخنوں تک اور جڑ دیوار تک قریب قریب ہے کیونکہ وہ دیوار تک پہنچنے کی شروع حد ہے اور جب تک پانی ٹخنوں سے نیچے ہے اس کو زمین جذب کر سکتی ہے اور دیواروں تک نہیں پہنچ سکتا۔

اور ایک مرتبہ آپ ؐ نے ابیض بن حمال ماربی کو نمک جو مارب میں تھا عطا فرما دیا' پھر کسی نے آپ سے عرض کیا آپ ؐ نے تو اس کو بے انتہا مال عطا فرما دیا راوی کہتا ہے کہ آپ ؐ نے پھر اس سے واپس لے لیا میں کہتا ہوں بلا شک جو ایک کھلی ہوئی کان ہے اور اس میں بہت محنت کی حاجت نہیں ہے مسلمانوں میں سے ایک شخص کے لیے اس کے عطا کرنے میں ان کو ضرر رسانی اور تنگ کرنا ہے' اور آنحضرت ﷺ سے کسی نے لقطہ کی نسبت دریافت کیا آپ ؐ نے فرمایا اس کے ظرف اور دہانہ بند کو شناخت کرا' پس اگر اس کا مالک آ جائے تب تو بہتر ہے ورنہ تجھے اس کا اختیار ہے' پھر اس نے عرض کیا کہ پھر گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ تیری ہے یا تیرے بھائی مسلمان کی ہے یا بھیڑیئے کی ہے' پھر اس نے عرض کیا کہ گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے تو آپ نے فرمایا اس سے تجھ کو کیا مطلب ہے اس کے ساتھ اس کی مشک یعنی پیٹ اور اس کے قدم ہیں پانی پئے گا اور درختوں کو کھائے گا یہاں تک کہ اس کو اس کا مالک مل جائے اور حضرت جابرؓ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ کی لکڑی اور کوڑے اور رسی وغیرہ کی اجازت دی ہے کہ کوئی اس کو اٹھا کر نفع حاصل کر سکتا ہے' میں کہتا ہوں کہ معلوم کرو لقطہ کا حکم اسی کلیہ مذکورہ سے ماخوذ ہے پس جن چیزوں سے ان کا مالک مستغنی

ہو اور ان کے گر جانے کے بعد وہ لوٹ کر نہ آئے یعنی حقیر چیز ہو تو اس کا ملک میں داخل کر لینا جائز ہے بشرطیکہ اس بات کا گمان غالب ہو کہ اس کا مالک وہاں موجود نہیں ہے اور نہ لوٹ کر وہاں واپس آ سکتا ہے کیونکہ وہ چیز اللہ تعالیٰ کی ملک میں داخل ہو کر مباح ہو گئی' اور اگر کسی قدر قیمتی چیز ہے' جس کی انسان جستجو کرتا ہے اور اس کے تلاش کرنے کو واپس آ جاتا ہے تو ایسی چیز کا اعلان کرنا ضروری ہے چنانچہ ایسی چیزوں کی شناخت کرانے اور اعلان کرنے کا دستور جاری ہے اس وقت تک کہ اس کے مالک کے واپس نہ آنے کا گمان غالب ہو جائے اور گم شدہ بکری وغیرہ کا پکڑ لینا مستحب ہے کیونکہ اس نے اگر اس کو نہ پکڑا تو اس کے ضائع ہونے کا احتمال ہے اور اونٹ وغیرہ کا پکڑنا مکروہ ہے' اور معلوم کرو کہ ہر مبادلہ میں چند باتیں ضرور ہوتی ہیں ایک تو عاقدین اور ایک عوضین اور ایک وہ چیز جو عاقدین کے اس مبادلہ سے راضی ہونے پر ظاہری دلیل ہوتی ہے جو ان کے منازعت کو قطع کرنے والی اور عاقدین پر عقد کو لازم کرنے والی ہوتی ہے عاقدین میں یہ شرط ہے کہ وہ دونوں آزاد و عاقل و نفع و نقصان کے پہچاننے والے اور اس عقد کو بصیرت اور ثبات کے ساتھ کرنے والے ہوں اور عوضین میں شرط ہے کہ وہ دونوں قابل انتفاع اور قابل رغبت ہوں اور لوگ اس قسم کے مال کی طرف حرص کرتے ہوں اور وہ مال ان چیزوں سے نہ ہو جو ہر شخص کے لیے مباح ہے اور نہ اس قسم کا مال ہو کہ لوگوں کا اس میں قابل اعتبار فائدہ نہ ہوتا' ورنہ وہ عقد اس قبیلہ سے نہ ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے مقرر فرمایا ہے یا وہ عقد بیکار ہو گا یا اس میں کوئی ضمنی فائدہ کی رعایت ہو گی' جس کا ظاہر میں ذکر نہیں پایا جاتا' اور منجملہ مفاسد کے یہ ایک فساد ہے کیونکہ اس عقد کا کرنے والا اس بات کا امیدوار ہوتا ہے کہ جس چیز کا اس نے ارادہ کیا ہے وہ اس کو نہ ملے گی پس وہ شخص ناامیدی کے ساتھ سکوت کرتا ہے یا بلا کسی حق کے جو لوگوں کے ساتھ متعلق ہوا ہو وہ شخص جھگڑا کرتا ہے' اور جس چیز سے عاقدین کی رضامندی معلوم ہوتی ہے اس میں یہ شرط ہے کہ وہ ظاہری امر ہو جس سے لوگوں کے سامنے مواخذہ کر سکیں' اور اس شخص کو بلاحجت قائم کیے زیادتی کرنے کا موقع نہ ہو اور اس باب میں زیادہ ظاہر چیز زبان سے تعبیر کرنا ہے اور پھر اس وجہ سے لین دین کرنا جس میں شک باقی نہ رہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **المتبایعان کل واحد منهما بالخیار علیٰ صاحبه مالم یتفرقا الا بیع الخیار** . بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو دوسرے پر اختیار ہے جب تک وہ دونوں جدا نہ ہوں' بجز بیع الخیار کے' میں کہتا ہوں معلوم کرو کہ ایک ایسے امر کا ہونا ضروری ہے جو ہر ایک کے حق کو دوسرے کے حق سے جدا کر سکے' اور بیع کے رد کرنے میں ان دونوں کے اختیار کو دور کر سکے' اور اگر ایسا امر قاطع نہ پایا جائے تو ہر شخص دوسرے کو ضرر پہنچا سکتا ہے' اور نیز وہ شے جس کے قبضہ میں ہے اس میں اس خوف سے وہ تصرف نہیں کرتا کہ دوسرا اس کا اقالہ نہ کرے۔[1] اور اس جگہ ایک دوسرا امر ہے یعنی وہ لفظ جس سے عاقدین کی اس عقد سے رضامندی اور ان کا عزم معلوم ہو اور وہ قاطع یہ لفظ نہیں ہو سکتا' کیونکہ اس قسم کے الفاظ تلطف اور قیمت کرتے وقت مستعمل ہوتے ہیں اس لیے کہ جب تک ایک مقدار کے ساتھ یقین نہ ظاہر کیا جائے ان دونوں کا راضی ہونا ناممکن ہے اور نیز لوگوں کی زبان ایسے وقت میں رغبت دلی کی صورت ہوتی ہے اور الفاظ میں باہم فرق کرنے سے حرج عظیم لازم آتا ہے اور ایسے ہی جانبین سے داد و ستد کرنا ہے کیونکہ ہر شخص کو

---

[1] ارادہ موقوف کرنا ایک چیز کو بعد بیچنے کے خریدار اور فروشندہ کا برضائے یکدیگر ارادہ بیع سے درگزر کرنا۔۱۲

اپنے مطلوب کے لینے کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے کہ اس چیز کو دیکھنے اور اس میں تامل کرنے کے لیے خریدتا ہے اور ایک لینے کو دوسرے لینے سے فرق کرنا آسان ہے اور یہ بھی جائز نہیں کہ وہ قاطع پوشیدہ شے ہو اور نہ یہ ممکن ہے کہ زیادہ مدت مثلاً ایک روز یا اس سے زیادہ وہ قاطع مقرر کی جائے کیونکہ بہت سی چیزوں سے دن کے دن نفع لینا مطلوب ہوتا ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ وہ قاطع تفرق مجلس گردانا جائے' کیونکہ اس بات کا دستور جاری ہے کہ عقد کے وقت عاقدین جمع ہو جاتے ہیں اور اس کی نرمی کے بعد جدا جدا ہو جاتے ہیں اور اگر تمام عرب وعجم کے ہر قسم کے لوگوں کا تفحص کیا جائے تو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ ان میں اکثر تفرق کے بعد بیع کے رد کرنے کو جور وظلم خیال کرتے ہیں اور تفرق سے قبل یہ خیال نہیں کرتے۔ بار خدایا: مگر جو شخص اپنی فطرت کو بدل ڈالے' اور شرائع الٰہیہ کا نزول انہیں احکام کے ساتھ ہوتا ہے جن کو نفوسِ عامہ دفعتہً قبول کر لیتے ہیں اور چونکہ بعض لوگ عقد کے بعد اس خیال سے کہ ان کو اس عقد میں نفع ہوا ہے پوشیدہ طور پر چل دیتے ہیں اور دوسرے عاقد کے اقالہ کرنے کو ناگوار سمجھتے ہیں اس میں چونکہ قلب موضوع لازم آتا ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس سے نہی فرمائی **ولا یحل لہ ان یفارق صاحبہ خشیۃ ان یستقبلہ** اس کو روا نہیں ہے کہ اقالہ کے خوف سے اپنے ساتھی کو چھوڑ کر چلا جائے پس ان دونوں کو لازم ہے کہ وہ دونوں اپنے حال پر قائم رہیں اور ہر شخص دوسرے کے سامنے جدا ہو' اور معلوم کرو مثلاً اگر دس ہزار انسان ایک شہر میں جمع ہوں تو سیاست مدنیہ کو ان کے پیشوں سے بحث ہوتی ہے پھر اگر وہ لوگ کثرت سے ضائع اور سیاست بلدہ میں مشغول ہوں اور ان میں سے تھوڑے لوگ مویشیوں کے چرانے اور زراعت کے پیشہ میں مشغول ہوں تو دنیا کے اعتبار سے ان کی حالت خراب ہو جائے گی اور اکثر شراب اور بت بنانے کا پیشہ اختیار کریں گے تو اس میں لوگوں کو ان چیزوں کے اس طور پر استعمال کرنے کی رغبت ہوگی جو ان کے استعمال کا دستور ہے اور اس میں دین کے اعتبار سے ان لوگوں کی ہلاکت ہے اور اگر پیشوں کی پیشہ وروں پر اس دستور کے موافق تقسیم کی جائے جو حکمت کا مقتضی ہے اور جو لوگ برے پیشے کرتے ہیں ان کو اس سے روکا جائے تو لوگوں کی حالت درست ہو سکتی ہے' اور اسی طرح شہروں کے خراب ہونے کی یہ صورت ہے کہ رؤسا کو مکلف زیور اور لباس و مکانات دکھانے وحسین وجمیل عورتوں کی طرف رغبت دلائی جائے اور علیٰ ہذا القیاس جتنی چیزیں ان تدابیر ضروریہ کے مقتضی ہیں جن کے بغیر آدمی کو چارہ نہیں ہے اور تمام عرب وعجم کا ان پر اتفاق ہے' ضروری ہیں' پھر امور طبعیہ میں تصرف کر کے لوگ ایسے پیشے اختیار کریں جن سے رؤسا کی خواہشیں پوری ہوں' مثلاً ایک قوم لڑکیوں کو ناچنا گانا اور حرکات متناسبہ لذیذہ کے سکھانے کی طرف متوجہ ہو اور کچھ لوگ کپڑوں کے اندر قسم قسم کے خوشرنگ اور طرح طرح کے حیوانات اور درختوں کی صورتیں اور عجیب عجیب نقش ونگار بنانے کی طرف متوجہ ہوں' اور کچھ لوگ بلند بلند مکان بنانے اور ان کے نقش ونگار کرنے کا پیشہ اختیار کریں' پس جب لوگوں کی ایک جماعت کثیر ان پیشوں کی طرف متوجہ ہوگی تو ضروری ہے کہ اسی قدر زراعت وتجارت لوگوں سے متروک ہو جائے گی اور جب شہر کے لوگ ان باتوں میں وقت صرف کریں گے تو اسی قدر شہر کی مصلحتوں میں کوتاہی ہوگی' اس کا انجام یہ ہوگا کہ جو لوگ ضروری پیشے کرتے ہیں ان کو اس میں دقت ہوگی بسبب ٹیکس مقرر ہونے کے' یعنی کاشکار وتجار واہل صنعت لوگوں کو اور اس میں شہر کے لیے ضرر ہے جو اس کے ایک جزو سے دوسرے جزو تک متعدی ہو کر تمام شہر کو وہ ضرر عام ہو جائے گا' جس طرح کتے کا ضرر اس شخص کے بدن میں ضرر کر جاتا ہے' جس کو کتا کاٹتا ہے' یہ جس قدر ہم نے بیان کیا دنیا کے اعتبار سے ان کو

ضرر پہنچنے کا بیان ہے اور کمال اُخروی کی طرف پہنچنے میں جوان کو ضرر پہنچتا ہے وہ مستغنی عن البیان ہے اور یہ مرض عجم کے ملک میں بکثرت پھیلا ہوا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے دل میں اس بات کا القاء فرمایا کہ اس مرض کا مادہ بالکل قطع کر کے اس کا علاج کیا جائے پھر آنحضرت ﷺ نے ان چیزوں کے غالب منشاء کی طرف ملاحظہ فرمایا۔

بیع کے اُن اقسام کا بیان جن سے شرع میں ممانعت کی گئی ہے:

معلوم کرو کہ جوا شرع میں حرام اور باطل ہے اس لیے کہ وہ فی الحقیقت لوگوں سے مال کا چھین لینا ہے اور اس کا مبنیٰ اتباع جہل وحرص اور آرزوئے باطل اور فریب پر ہے' یہ باتیں اس شخص کو شرطوں پر آمادہ کرتی ہیں اور اس کو تمدن وتعاون میں کچھ دخل نہیں ہے اور جس شخص کو نقصان پہنچا ہے اس شخص کا سکوت غصہ وناامیدی کے ساتھ ہوتا ہے' اور اگر وہ شخص مخاصمت کرے تو اس کی مخاصمت ایسی چیز میں پائی جاتی ہے جو اس نے خود اپنی ذات پر لازم کی ہے اور قصداً اس میں پڑا ہے اور دوسرے شخص کو اس کا مزہ پڑ جاتا ہے اور تھوڑے سے بہت کی طرف اس کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور بوجہ حرص کے وہ عیب اس سے نہیں ترک ہوتا اور تھوڑی سی دیر میں اس کو بھی ضرر پہنچ جاتا ہے اور جوئے کی عادت ڈالنے میں مال کا خراب کرنا اور جھگڑوں کا پیدا کرنا اور تدابیر مطلوبہ کا ترک کرنا اور معاونت سے جو تمدن کا دارومدار ہے اعراض کرنا ہے اور معائنہ کرنے کے بعد ہمارے بیان کرنے کی کچھ حاجت نہیں ہے' کہیں تم نے جواریوں کو ان باتوں سے خالی نہ دیکھا ہوگا' اور اسی طرح سود ہے اور وہ اس سے عبارت ہے کہ مقروض نے جتنا قرضہ لیا ہے اس سے زیادہ یا بہتر کو ادا کرے یہ حرام وباطل ہے اس لیے کہ تمام مقروضوں کا یہ قاعدہ ہے کہ اس قسم کا قرضہ لیا ہے اس سے زیادہ یا بہتر کو ادا کرے یہ حرام وباطل ہے اس لیے کہ تمام مقروضوں کا یہ قاعدہ ہے کہ اس قسم کا قرضہ اپنی حاجت اور پریشانی کی وجہ سے لے تو لیتے ہیں لیکن حسب وعدہ اس کا ایفا نہ کرنے سے دو چند سہ چند ہوتا چلا جاتا ہے کہ اس سے خلاصی کبھی ممکن ہی نہیں اور اس میں مناقشاتِ عظیمہ اور خصومات عامہ کا مظنہ ہے اور جبکہ مال کے بڑھانے کا اس طرح طریقہ ورسم ہو جائے گا تو اس کی وجہ سے کھیتیاں اور تمام صنعتیں متروک ہو جائیں گی جو تمام پیشوں کی جڑ ہیں' اور سود سے زیادہ تمام عقود میں کوئی ایسا عقد نہیں ہے جو خصومت اور پروائی میں اس سے زیادہ ہو اور یہ دونوں پیشے بمنزلہ سکر کے ہیں کہ جو کمانے کے طریقے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمائے ہیں ان کے بیخ کو یہ قطع کرتے ہیں اور ان دونوں میں برائی اور نزاع ہوتا ہے' اور ایسے امور میں شارع کو اختیار ہوتا ہے یا تو ان کے لیے کوئی حد مقرر فرمادے اور اس حد سے کم مقدار میں رخصت عطا فرمادے اور اس حد سے زیادہ میں نہی کی تغلیظ یا بالکل اس سے منع فرما دے اور جوئے وسود کی عرب میں عادت تھی اور ان کے سبب سے بے انتہا قضیے وجھگڑے پیدا ہوتے تھے' اور ان دونوں میں' تھوڑے سے بہت ہو جاتا تھا' پس اس سے زیادہ مناسب اور سزاوار کوئی صورت نہ تھی کہ ان میں برائی وفساد کے حکم کی پورے طور پر رعایت کی جائے اور اس کو برقرار رکھا جائے لہٰذا ان دونوں سے بالکل نہی فرمائی جائے' اور معلوم کرنا چاہیے کہ سود کی دو قسمیں ہیں ایک تو سود حقیقی' دوسرے وہ جو حقیقی پر محمول ہے' سود حقیقی تو قرض میں ہوتا ہے اور ہم اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ اس میں معاملات کے موضوع کا بدلنا ہے اور ایام جاہلیت میں لوگ اس کے اندر نہایت منہمک ہو رہے تھے اور اس کے سبب سے بڑی بڑی لڑائیاں پھیل گئی تھیں اور جہاں کسی نے تھوڑا سا سود لے لیا پھر اس کو بہت کی خواہش ہوتی تھی لہٰذا اس دروازہ کا بالکل بند کرنا واجبات سے ہوا اس

لیے قرآن میں اس کے باب میں جو کچھ نازل ہوا' اور دوسری قسم کا سود یہ ہے کہ خرید و فروخت میں زیادتی کے ساتھ لین دین ہو اور اس کی حجت یہ حدیث ہے **الذھب بالذھب والفضة بالفضه والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء یدا بید فاذا اختلف ھذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید** خریدو تم سونے کو ساتھ سونے کے اور چاندی کو چاندی کے ساتھ اور گیہوں کو گیہوں سے اور جو کو جو کے ساتھ اور چھوارے کو چھوارے سے اور نمک کو نمک سے' مثل کو مثل کے ساتھ برابر دست بدست اور پھر یہ جنسیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو فروخت کرو بشرطیکہ دست بدست ہو' اس کا نام تاکید و تغلیظ اور سود حقیقی کے ساتھ مشابہت کے سبب سے ربوا رکھا ہے جیسا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لا ربوا الا فی النسئة** کہ نہیں ہے سود مگر قرض میں' پھر شرع کے اندر کثرت سے سود کا استعمال اس معنی میں آیا ہے' حتیٰ کہ ربٰی کا لفظ ان معنی میں بھی حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے مستعمل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

اور حرام ہونے کے اندر حکمت یہ ہے کہ اللہ کو نہایت عیش پسندی مثلاً حریر کا لباس پہننا ناپسند ہے اور علیٰ ہذا القیاس وہ ارتفاقات جن میں طلب دنیا کے اندر منہمک ہونے کی حاجت پڑتی ہے جیسے سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا' ان زیورات کا پہننا جو بڑے بڑے زیور ہیں اور گھڑ کر بنائے جاتے ہیں جیسے کنگن اور گوجری اور ہنسلی وغیرہ اور کھانے پینے میں زیادہ تکلف کرنا کیونکہ یہ امور لوگوں کو اسفل السافلین میں گرادیتے ہیں اور ان کی فکروں کو تاریک رنگوں کی طرف پھیر دیتے ہیں اور رفاہیت فی الحقیقت ہر ارتفاق میں عمدہ چیز کی آرزو کرنے اور ناقص چیز سے اعراض کرنے کا نام ہے اور نہایت کامل درجہ کی رفاہیت یہ ہے کہ ایک ہی جنس میں جید وردی کا لحاظ کیا جائے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی زندگی کے لیے کسی نہ کسی قسم کی روزی اور کوئی نہ کوئی نقد ہونا ضروری ہے اور تمام اقسام کی قوت اور تمام اقسام کے نقود کے ساتھ ایک ہی طرح کی احتیاج ہے اور دونوں میں سے ایک کا دوسرے سے مبادلہ کرنا ان ارتفاقات کے اصول میں سے ہے کہ جن کے بغیر چارہ نہیں ہے اور کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ جو اس کی جگہ کافی ہو سکے مبادلہ کی حاجت نہیں ہے' مگر بایں ہمہ لوگوں کے مزاج اور ان کی عادات کا اختلاف اس بات کا موجب ہے کہ تعیش میں ان کے درجے مختلف و متفاوت ہوں' چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے ﴿**نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا**﴾ ہم نے ان کی زندگی میں ان کی روزی بانٹ دی ہے اور بعض کے بعض پر درجے بلند کیے تاکہ ان میں بعض بعض پر تمسخر کریں پس ان میں سے بعض لوگ چاول و گیہوں کھاتے ہیں اور بعض جو اور جوار اور بعض چاندی کا زیور پہنتے ہیں اور لوگوں کا باہم مثلاً چاول و گیہوں کی قسموں میں متمیز ہونا اور بعض کی بعض پر فضیلت اور اسی طرح سونے اور اس کے دستور کے اقسام میں باریک باریک صنعتوں کا لحاظ کرنا اہل اسراف و عجمی لوگوں کا دستور ہے اور ان باتوں کا اہتمام کرنا فی الحقیقت دنیا میں غرق ہو جانا ہے' پس مصلحت شرعی کا یہی مقتضیٰ ہوا کہ اس دروازے کو بند کیا جائے' اب فقہاء کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ ان چھ چیزوں کے سوا جن کی حدیث شریف میں تصریح آئی ہے اور چیزوں میں بھی سود جاری ہوتا ہے اور جو چیز ان چھ مذکورہ میں سے کسی کے ساتھ ملحق ہے اس کی طرف بھی سود کا حکم جاری ہوتا ہے' پھر اس کی علت دریافت کرنے میں باہم فقہاء کے اختلاف ہوا اور قوانین شرعیہ کے اعتبار سے زیادہ تر موافق یہ ہے کہ سونے چاندی میں اس کی علت ثمنیت ہو مگر یہ علت

انہی دونوں کے ساتھ مختص ہے اور باقی چار میں اس کی علت یہ ہے کہ وہ شے اس قابل ہو کہ قوت کے لیے اس کو جمع کر سکیں اور نمک پر دوا اور مصالحوں کو قیاس نہیں کر سکتے' کیونکہ کھانے کو جس قدر نمک کی طرف حاجت ہے وہ حاجت کسی چیز کی طرف نہیں ہے بلکہ اس حاجت کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے پس نمک قوت کا جز واور بمنزلہ قوت کے ہے بخلاف اور چیزوں کے اور یہ علت ہم کو اس لیے معلوم ہوئی کہ شرع نے بہت سے احکام میں ثمنیت کا لحاظ کیا ہے مثلاً مجلس عقد میں تقابض البدلین کا ضروری ہونا وغیرہ اور اس لیے کہ حدیث شریف میں طعام کا لفظ بھی وارد ہوا ہے اور طعام کے عرف میں دو معنی آتے ہیں' ایک تو طعام صرف گیہوں کو کہتے ہیں اور وہ یہاں مراد نہیں ہو سکتا اور دوسرے مطلقاً اس چیز کو طعام کہتے ہیں جو قوت کے لیے جمع کیا جائے' یہی سبب ہے کہ طعام کا لفظ میوہ جات اور مصالحہ کے مقابل آتا ہے اور مجلس عقد میں تقابض کے واجب کرنے کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ طعام و نقد کی طرف سب چیزوں سے زیادہ حاجت ہے اور سب چیزوں سے زیادہ ان کا لین دین ہے اور ان دونوں سے نفع جب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب ان کو موجود سے معدوم اور ملک سے باہر کیا جائے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قبضہ کرتے وقت خصومت پیش ہوتی ہے اور بدل ہو چکتا ہے۔ اور یہ سب جھگڑوں سے زیادہ قباحت پر مشتمل ہے' لہٰذا ضروری ہوا کہ بایں طور اس باب کو مسدود کیا جائے کہ عاقدین اس وقت جدا ہوں کہ جب دونوں کے پاس ثمن و مبیع پہنچ جائے اور ان دونوں میں کوئی قضیہ باقی نہ رہے اور شارع نے جو قبل از استیفا غلہ کے بیع سے منع فرمایا ہے اس کی علت بھی یہی ہے اور چاندی کو سونے میں بدلنے میں جو یہ فرمایا ہے **ما لم تتفرقا بينكما شيئ .** اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ جب تک تم دونوں جدا نہ ہوں اور تم دونوں میں کچھ بات باقی ہو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب ایک طرف نقد ہے اور ایک طرف غلہ وغیرہ ہے اس وقت میں تو نقد اس شے کے طلب کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے' کیونکہ نقد ہونے کا مقتضٰی یہی ہے پس مناسب ہے کہ اس چیز کے لینے سے پہلے اس کو دیا جائے' اور جب دونوں طرف نقد یا غلہ ہو تو اس وقت میں ایک کو پہلے دینے کا حکم تحکم قرار پائے گا' اور اگر جانبین میں عوض و معوض کے ادا کرنے کا حکم نہ دیا جائے تو وہ قرض کی قرض کے ساتھ بیع ہوگی اور بسا اوقات بائع یا مشتری اس شے کے پہلے دینے سے بخل کرتا ہے لہٰذا عدل کا یہ مقتضٰی ہوا کہ ان دونوں اختلاف کو قطع کیا جائے اور ان دونوں کو اس بات کا حکم دیا جائے کہ جب تک تقابض نہ کر لیں جدا نہ ہوں' اور غلہ اور نقد کو اس لیے خاص کیا کہ یہ دونوں تمام اموال کے اصل الاصول ہیں اور سب سے زیادہ ان کا لین دین رہتا ہے اور ان دونوں کے ہلاک کرنے کے بعد انسان ان سے نفع اٹھا سکتا ہے لہٰذا اگر ان دونوں کے لین دین میں قبضہ کرنے سے پہلے جدا ہونے کا حکم دیا جائے تو ہرج عظیم لازم آتا ہے اور شب و روز کا نزاع پیدا ہوتا ہے اور دونوں میں اس بات کے منع کرنے سے معاملہ کی وقت پورے پورے طور پر دفع ہوتی ہے' اور معلوم کرو کہ اس قسم کا حکم دینے سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ لوگوں میں اس کا دستور جاری نہ ہو اور اس قسم کے لوگ عادی نہ ہوں یہ مقصود نہیں ہوتا کہ بالکل اس قسم کے معاملہ کا وقوع نہ پایا جائے' اس لیے آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا بع التمر بیع آخر ثم اشتر بہ' چھواروں کو دوسری بیع سے فروخت کر پھر اس بیع سے خرید لے اور معلوم کرو کہ بیع کے بعض اقسام ایسے ہیں جن میں قمار کے معنی پائے جاتے ہیں اور اہل جاہلیت باہم ایسی خرید و فروخت کیا کرتے تھے لہٰذا آپؐ نے اس بیع سے منع فرمایا۔ از انجملہ بیع مراتبہ ہے کہ کوئی شخص چھوہارے کے سو فرق (٦ رطل کا ایک فرق) سے درخت کا پھل خریدے' اور ان میں سے بیع محاقلہ ہے اس کی یہ صورت ہے کہ مثلاً

ایک شخص کھیتی کو سونکڑوں گیہوں کے ساتھ فروخت کرے مگر عرایا' آپ نے انداز ہ کر کے چھواروں کے ساتھ بشرطیکہ وہ پھل پانچ وسق سے کم ہوں' ان کی بیع کو درست فرمایا ہے اور عرایا ان درختوں کا نام ہے جو بعد فروخت ہونے باغ کے رہ جاتے ہیں اس لیے آنحضرت کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اتنی مقدار پر لوگ قمار کا قصد نہیں کرتے' بلکہ چاہتے ہیں کہ تر چھوارے کھائیں' اور پانچ وسق زکوۃ کا نصاب ہیں کہ جس کو ایک کنبہ سال بھر تک کھا سکتا ہے اور از انجملہ یہ صورت بھی کہ مثلاً چھواروں کا ایک انبار ہے جن کا وزن معلوم نہیں ہے وہ ان چھواروں کے ساتھ فروخت کیے جائیں جن کا وزن معلوم ہے' اور از انجملہ بیع ملامسہ ہے اس کی یہ صورت ہے کہ ایک شخص دوسرے کا کپڑا چھولے تو بیع ثابت ہو جائے اور ایک منابزہ ہے اس کی یہ صورت ہے کہ بغیر دیکھے بھالے ایک شخص اپنا کپڑا پھینک دے تو بیع ہو جائے' اور از انجملہ بیع الحصاۃ ہے یعنی کنکری کے پھینکنے سے بیع ہو جائے' بیع کے ان سب اقسام میں قمار کے معنی اور موضوع معاملہ کا بدلنا لازم آتا ہے اس لیے کہ معاملہ سے مقصود دیکھ بھال کر اس پر استقلال کے ساتھ اپنی حاجت کا پورا کرنا ہوتا ہے اور بیع العربان سے بھی آپ نے منع فرمایا ہے اس کی یہ صورت ہے کہ مشتری بائع کو کچھ ثمن بیعانہ کے طور پر دے دے اور یہ مقرر ہو جائے کہ اگر میں بیع کو خریدوں گا تب تو یہ اس کی قیمت میں مجرا ہو جائے گا' ورنہ بلاعوض یہ تمہارا رہا' اور اس میں بھی قمار کے معنی پائے جاتے ہیں' اور آنحضرت ﷺ سے کسی نے تازہ چھواروں کو خشک چھواروں کے ساتھ خریدنے کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا خشک ہو جانے کے بعد یہ کچھ کم ہو جاتے ہیں' سائل نے عرض کیا ہاں' تو آپ نے اس قسم کی بیع سے منع فرمایا' میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بھی ایک قسم کے قمار اور سود حکمی کا احتمال ہے کیونکہ ایک شے کی تمامی کا حال معتبر ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ ہار جس میں سونا اور خرمہرے ہوں فروخت نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس کو جدا جدا کیا جائے۔ میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ اس میں ایک قسم کا جوا ہے اور احد العاقدین کے فریب کھانے کا احتمال ہے یا تو غصہ کھا کر سکوت کرے گا یا غیرحق میں نزاع کرے گا' اور جاننا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ عرب کے اندر ایسے وقت میں مبعوث ہوئے کہ ان کے اندر معاملات اور خرید و فروخت پائی جاتی تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے پاس بعض معاملات و بیوع کے جواز کے اور بعض کے مکروہ ہونے کی طرف وحی نازل فرمائی اور کراہت کا مدار چند چیزوں پر ہوتا ہے' از انجملہ یہ ہے کہ وہ اس قسم کی چیز سے جو عادت کے اعتبار سے وہ چیز معصیت پر مشتمل ہوتی ہے یا لوگوں کو اس چیز سے جس قسم کا تمتع حاصل کرنا مقصود ہے وہ ایک قسم کی معصیت ہوتا ہے' مثلاً شراب و بت و تنبورہ وغیرہ ہے پس ان چیزوں کے بیع کا دستور جاری کرنے اور ان کے بنانے میں ان معاصی کا ظاہر کرنا اور ان لوگوں کو ان معاصی پر آمادہ کرنا اور نزدیک کرنا ہے اور ان چیزوں کے بیع و شرا کرنا اور ان کا گھروں میں رکھنا حرام کیا جائے تو ان معاصی کو دور کرنا اور لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ وہ ان چیزوں سے اجتناب کریں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **ان اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام** .اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے شراب اور مردار اور سور اور بتوں کا فروخت حرام کیا ہے' اور نیز آپ نے فرمایا ہے **ان اللہ اذا حرم شیئا حرم ثمنہ** .اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام کیا تو اس کے ثمن کو بھی حرام کیا' یعنی جب ایک چیز سے نفع اٹھانے کا طریق متعین ہے مثلاً شراب صرف پینے کے لیے اور بت صرف پرستش کے لیے بنائے جاتے ہیں' پس اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو حرام کیا ہے اس لیے حکمت الٰہیہ کا مقتضی ہوا کہ ان کی بیع بھی حرام کی جائے اور نیز

آپؐ نے فرمایا ہے مهر البغی خبیث .اجرت زنا کی خبیث ہے اور آنحضرت ﷺ نے کاہن کو اجرت دینے سے منع فرمایا' اور آنحضرت ﷺ نے مغنیہ کے کسب سے نہی فرمائی' میں کہتا ہوں جس مال کے حاصل کرنے میں گناہ کی آمیزش ہوتی ہے اس مال سے بدو وجہ نفع حاصل کرنا حرام ہے ایک تو یہ کہ اس مال کے حرام کرنے اور اس سے انتفاع نہ حاصل کرنے میں معصیت سے باز رکھنا ہے اور اس قسم کے معاملہ کے دستور جاری کرنے میں فساد کا جاری کرنا اور لوگوں کو اس گناہ پر آمادہ کرنا ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی دانست میں اور ان کی سمجھ میں ثمن مبیع سے پیدا ہوتا ہے لہٰذا املاء اعلیٰ میں اس ثمن کے لیے ایک وجود تشبیہی ہوتا ہے گویا کہ وہ خود مبیع ہے اور اسی طرح اجرت کے لیے ایک وجود تشبیہی ہوتا ہے' پس اس مبیع اور اس عمل کی خباثت ان کے علوم میں اس ثمن اور اجرت کے اندر سرایت کر جاتی ہے اور لوگوں کے نفوس میں بھی اس صورت علمیہ کا اثر ہوتا ہے' اور آپ نے شراب کے باب میں اس کے نچوڑنے والے نچڑوانے والے اور پینے والے اور لیجانے والے اور جس کے پاس لے جاتا ہے سب پر لعنت کی ہے' میں کہتا ہوں معصیت کی اعانت کرنا اور اس کا پھیلانا اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا بھی معصیت اور زمین میں فساد برپا کرنا ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ نجاست کے ساتھ اختلاط کرنے میں مثل مردار و خون و گوبر اور پاخانہ وغیرہ کے نہایت قباحت اور اللہ تعالیٰ کی ناخوشی ہے اور اس کے سبب سے شیاطین کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے اور پاکیزگی اور خباثتوں سے اجتناب کرنا ان اصول میں داخل ہے جن کے قائم کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ کو بھیجا گیا ہے اور جس کے سبب سے ملائکہ کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے اور پاکیزہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور چونکہ کسی قدر مخالطت مباح کیے بغیر بھی چارہ نہیں ہے اس لیے کہ بالکل اس باب کے مسدود کرنے میں لوگوں پر نہایت دقت ہے لہٰذا اسی قدر ضرور ہوا کہ ان ناپاک چیزوں کے اختلاط کے ساتھ ہمیشہ اختیار کرنے اور ان کی تجارت کرنے سے نہی فرمائی جائے اور جو ایسے لغو بیہودہ کام ہیں جن سے حیا کی جاتی ہو ان کو بھی نجاست کا حکم ہے جیسے گابن کرانا' اور اسی لیے آپؐ نے مردار کے بیع کو حرام کیا اور پچھنے لگانے کے پیشہ سے نہی فرمائی اور ضرورت میں آپؐ نے یہ فرمایا ہے اطعمہ ناضحک میں اجرت سے اپنے اونٹ کی خوراک دے دے اور گابن کرانے کی اُجرت سے نہی فرمائی ہے اور ایک روایت میں اونٹ کے گابن کرنے کا لفظ آیا ہے اور اگر بلا شرط کیے اس کو پھر دے دیا جائے جس کے پاس گابن کرنے کا جانور ہے تو آپؐ نے اس شخص کو اجازت فرمائی ہے' اور منجملہ اسباب کراہت کے یہ ہے کہ عاقدین میں عوضین کے اہتمام کے سبب سے قطع منازعت نہ ہو یا وہ عقد دو عقدوں میں سے ایک عقد ہو یا بغیر دیکھے مبیع کے رضا کا پایا جانا ممکن نہ ہو' اور مبیع کو اس نے نہ دیکھا یا بیع کے اندر کچھ ایسی شرط لگائی جائے جس سے آئندہ کو حجت و نزاع کرنے کا موقع ہو' اور آنحضرت ﷺ نے مضامین اور ملاقیح کے بیع سے منع فرمایا ہے' مضامین اس کا نام ہے جو نر کی پشت میں اور ملاقیح جو مادہ کی شکم میں ہو اور بچے کے بچے کی بیع اور قرض کے ساتھ بیع کرنے اور ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع کیا ہے مثلاً ایک چیز کو بایں طور فروخت کرے کہ اگر نقد لیتا ہے تو ایک ہزار کو اور اگر قرض لیتا ہے تو دو ہزار کو' کیونکہ ایسی صورت میں عقد کے وقت ان دو امر میں سے کسی امر کی تعین نہیں پائی جاتی ہے اور بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ اس کی یہ صورت ہے کہ مشتری بائع سے یوں کہے کہ میرے ہاتھ اس چیز کو بعوض ہزار روپیہ کے فروخت کر بشرطیکہ فلاں چیز کو اتنی قیمت سے فروخت کرے اور یہ ایسی شرط ہے کہ شرط کرنے والا عقد کے بعد اس کے ساتھ حجت پکڑ کے مخاصمت کر سکتا ہے اور از انجملہ ایک صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے شرط کر لے

کہ اگر تو اس مبیع کو کبھی فروخت کرے تو میں اس کے خریدنے کا حقدار ہوں' اور حضرت عمرؓ نے ایسی بیع میں یہ فرمایا ہے **لا تحل لک.** تیرے لیے حلال نہیں ہے اور اگر کسی اور کے لیے یہ شرط کرلے تو وہ بھی اسی قبیلہ سے ہے اور آنحضرت ﷺ نے مبیع میں سے کسی چیز کے مستثنیٰ کرنے سے جب تک معلوم نہ ہو نہی فرمائی ہے' مثلاً کوئی شخص کسی چیز کے دس ٹوکرے فروخت کرے اور بلا تعین اس میں سے کچھ مستثنیٰ کرلے کیونکہ اس کے اندر جہالت پائی جاتی ہے جو منازعت کا منشاء ہے اور ہر جہالت سے بیع فاسد نہیں ہوتی' کیونکہ بہت سے امور بیع میں مجہول چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور اگر تمام اُمور کی تفصیل کی جائے تو اس میں ضرر عظیم ہے بلکہ وہ جہالت بیع کو فاسد کرتی ہے' جس کا انجام منازعت ہوا' اور از انجملہ یہ ہے کہ اس بیع سے کوئی دوسرا معاملہ مقصود ہو کہ وہ بائع یا مشتری بیع کے ضمن میں یا اس کے ساتھ اس معاملہ کا امیدوار ہو اس لیے کہ اگر وہ مقصود حاصل نہ ہو تو اس کو وہ نہ طلب کرسکتا ہے نہ سکوت کرسکتا ہے اور ایسی بات خواہ مخواہ ناحق خصومت کا باعث ہوتی ہے اور قاضی ان میں پورا پورا فیصلہ نہیں کرسکتا' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **لا یحل بیع و سلف ولا شرطان فی بیع مثل ان یقول بعت هذا علی ان تقرضنی کذا** . یہ درست نہیں کہ بیع بھی ہو اور قرض بھی اور نہ دو شرطیں ایک بیع میں درست ہیں' مثلاً بائع کہے کہ اس چیز کو میں نے اس شرط پر فروخت کیا کہ تو مجھے اس قدر قرض دے اور دو شرطوں کے معنی یہ ہیں کہ ایک تو حق بیع کا شرط کرنا اور ایک کسی خارجی چیز کا شرط کرنا' مثلاً یہ شرط لگائی کہ مجھ کو فلاں چیز ہبہ کر دینا یا فلاں شخص سے میری سفارش کر دینا یا اگر تو کبھی اس چیز کو فروخت کرے تو میرے ہی ہاتھ فروخت کرنا وعلیٰ ہذا القیاس' پس ان سب صورتوں میں ایک عقد کے اندر دو شرطیں پائی گئیں' اور منجملہ اسباب کراہت کے یہ ہے کہ عاقد کے ہاتھ سے تسلیم نہ پائی جائے' مثلاً مبیع ایسی چیز ہے جو بائع کے پاس موجود نہیں بلکہ وہ کسی دوسرے شخص پر اس کا حق ہے یا وہ ایسی چیز ہے کہ جب تک وہ شخص اپنے مقدمہ کو قاضی کے ہاں پیش نہ کرے یا بینہ قائم نہ کرے یا اس کے ملنے کے طریقہ میں کوشش نہ کرے یا اس پر قبضہ نہ کرے اور اس کی ناپ تول نہ کرالے جب تک چیز اس کو نہیں مل سکتی اس لیے کہ اس میں ایک قضیے کے اندر دوسرے قضیے کے پیدا ہونے یا فریب کے پائے جانے اور مقصود کے حاصل نہ ہونے کا احتمال ہے اور جو چیز تیرے پاس موجود نہیں ہے تو تجھ کو اس پر بھروسہ نہ رہنا چاہیے کہ بغیر کوشش کے تجھ کو وصول ہو جائے گی اور بسا اوقات مشتری بائع سے مبیع پر قبضہ کرنے کا مطالبہ کرتا ہے اور وہ مبیع اس کے پاس موجود نہیں ہوتی تو وہ بائع اس شخص سے اس چیز کا مطالبہ کرتا ہے جس پر اس کا حق ثابت ہوتا ہے' یا جنگل کو شکار کرنے جاتا ہے یا بازار میں خریدنے کا قصد کرتا ہے یا اپنے کسی دوست سے ہبہ کے طور پر طلب کرتا پھرتا ہے اور اس میں بڑے جھگڑوں وقضیوں کا پیدا کرنا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لا تبع مالیس عندک** . جو چیز تیرے پاس موجود نہیں ہے اس کو فروخت مت کر' اور بیع الغرر سے بھی آپ نے نہی فرمائی ہے اس کی یہ صورت ہے کہ اس میں مبیع کے موجود ہونے یا نہ ہونے اور ملنے و نہ ملنے کا یقین نہ ہو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یستوفیه** . جو شخص غلہ کو خریدے تو جب تک اس پر قبضہ نہ کرے اس کو فروخت نہ کرے' بعض کے نزدیک یہ حکم غلہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے' کیونکہ اموال کے جملہ اقسام میں غلہ کا لین دین اور اس میں حاجت زیادہ ہے اور جب تک اس کو ہلاک نہ کیا جائے انسان اس سے متمتع نہیں ہو سکتا اور جب تک مشتری نے اس پر قبضہ نہیں کیا ہے تو بسا اوقات بائع کا اس میں تصرف کرنے اور قضیہ کے اندر قضیہ کے پیدا ہونے کا احتمال ہے اور بعض کے نزدیک تمام

منقولات میں یہ حکم جاری ہے کیونکہ سب میں تغیر ونقصان کے پیدا ہونے اور خصومت کے پائے جانے کا احتمال ہے'اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ہر چیز کو مثل غلہ کے سمجھتا ہوں'اور ہم نے جو علت بیان کی ہے اس کے لحاظ سے یہ قول قریب قیاس ہے'اور ازانجملہ کراہت کی صورت ایک یہ ہے جس میں ان منازعات کے پیدا ہونے کا احتمال ہے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں واقع ہو چکے ہیں اور آپ کو ان میں مناقشات کا احتمال غالب معلوم ہوا ہے' جیسے زید بن ثابت نے بیان کیا ہے کہ جب پھلوں کو کسی قسم کی آفت عارض ہوا کرتی تھی تو خریدنے والے بعد کو نزاع کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ پھل گل گئے اور گر پڑے' لہٰذا آنحضرت ﷺ نے پھلوں کے بیع سے جب تک ان کا سالم رہنا نہ ظاہر ہو جائے منع فرمایا ہے' مگر جس صورت میں فی الحال درختوں سے پھل کا توڑ لینا شرط کر لیا جائے' اسی طرح غلہ کے بال سے جب تک کہ پختہ ہو کر سفید اور آفت سے محفوظ نہ ہو جائے اس کے بیع سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ دیکھو تو اگر اللہ تعالیٰ اس پھل کو روک دے تو تم میں سے کوئی شخص کس چیز کے بدلہ اپنے بھائی کا مال لے گا' یعنی اس میں دھوکہ ہے کیونکہ ایسے وقت میں مبیع کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے پس بائع کو مبیع میسر نہ ہو سکے گا اور ثمن اس کے ذمہ لازم ہو جائے گا اور اسی طرح برسوں کے لیے ٹھیکہ دینا منع ہے'اور ازانجملہ یہ ہے کہ اس میں شہر کے انتظام میں نقصان آتا ہو اور بعض کو بعض سے ضرر پہنچتا ہو ایسی چیز کو دور کرنا اور لوگوں کو اس سے روکنا واجب ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لا تلقوا الرکبان لبیع و لایبیع بعضکم علی بیع ولایسم الرجل علی سوم اخیه ولا تنا جشوا ولا بیع حاضرٌ لباد** .بیع کے لیے تلقی رکبان مت کرو اور نہ تم میں سے بیع پر بیع کریں اور نہ کوئی شخص اپنے بھائی کی قیمت کرتے وقت قیمت کرے اور نہ بخش کرو اور نہ کوئی شہری قریہ والے کے لیے فروخت کرے' میں کہتا ہوں کہ تلقی رکبان کی تو یہ صورت ہے کہ جب باہر سے سوداگر تجارت کا مال بھر کر لائیں اور شہر میں داخل ہونے اور نرخ معلوم کرنے سے پیشتر کوئی شخص باہر ان سے مل کر شہر کے نرخ کے اعتبار سے ارزانی کے ساتھ وہ مال ان سے خرید لے اور اس میں بائع کا بھی ضرر اور عامہ لوگوں کا بھی ضرر ہے بائع کا تو یہ ضرر ہے کہ اگر وہ بازار میں آتا تو کسی قدر گرانی کے ساتھ فروخت کرتا لہٰذا اس بیع میں اگر بائع کو اپنے ضرر پر آگاہی ہو جائے تو اس کو بیع کے رد کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور عامہ لوگوں کا یہ ضرر ہے کہ اس تجارت میں سب شہر والوں کا حق متعلق ہو گیا ہے اور مصلحت مدنیہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جس کو جس قدر ضرورت ہے اسی قدر بترتیب اس کو مقدم کیا جائے اور اگر حاجت میں برابر ہوں تو ان میں برابری کی جائے یا قرعہ اندازی کی جائے' پس بالا ہی بالا ایک شخص کو بلا ترجیح اس مال لے لینے میں ایک قسم کا ظلم ہے' مگر شہر والوں کو اس بیع کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے' کیونکہ اس شخص نے ان لوگوں کے مال کا کچھ نقصان نہیں کیا' اس نے صرف یہ کیا ہے کہ جس چیز کی ان کو امید تھی وہ چیز اس نے ان سے روک لی' اور بیع پر بیع کرنے میں اپنے ساتھ کے تاجروں کا تنگ کرنا اور ان کے ساتھ بدمعاملگی ہے اور بائع اوّل کا حق متوجہ ہو چکا ہے اور اس کے رزق کی صورت نکل آئی ہے' اس صورت کا بگاڑنا اور اس کے معاملہ میں دخل دینا ایک قسم کا ظلم ہے' اور اسی طرح دوسرے شخص کے قیمت لگاتے وقت قیمت لگانے میں خریداروں کو تنگ کرنا ان کے ساتھ بدمعاملگی ہے اور بہت سے مناقشات اور عداوتیں ان دو باتوں سے پیدا ہوتی ہیں' اور بخش اس کو کہتے ہیں کہ بلا قصد خریدنے مبیع کے مشتریوں کو فریب میں ڈالنے کے لیے قیمت بڑھا دینا اور اس میں جس قدر ضرر ہے ظاہر ہے' اور بیع شہر والوں کی گاؤں والوں کے لیے' اس کی صورت یہ ہے کہ گاؤں والا

اپنے مال کو لا کر شہر کی طرف اس ارادے سے کہ اسی دن کے نرخ سے بیچنے کے لیے لائے' پس اس کے پاس شہر والا آئے اور یہ کہے کہ اپنے مال کو میرے پاس چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کو کچھ دنوں روک کر بزخ گراں فروخت کروں گا۔ اور اگر گاؤں والا خود اس کو فروخت کرتا تو بزخ ارزاں فروخت کرتا اور نفع شہر کا اس میں ظاہر ہے اور اس کو بھی نفع ہوتا اس لیے کہ تاجروں کے نفع اٹھانے کی دو صورتیں ہیں' ایک صورت یہ ہے کہ کچھ دنوں روک کے اپنے مال کو بزخ گراں فروخت کریں ان لوگوں کے ہاتھ جن کو اس مال کی نہایت حاجت ہے اور حاجت کے مقابلہ میں جو کچھ قیمت وہ دیتے ہیں وہ ان کو کم معلوم ہوتی ہے' اور ایک صورت یہ ہے کہ تھوڑا سا نفع لے کر اس مال کو فروخت کریں اور پھر جلدی سے تجارت کا اور مال لے کر اس میں بھی نفع اٹھائیں' وعلیٰ ہذا القیاس اور یہ انتفاع شہر کی مصلحت کے ساتھ مناسب تر اور برکت کے اعتبار سے اکثر ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من احتکر فهو خاطئ** . جو تجارت کے مال کو روکے پس وہ گنہگار ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الجالب مرزوق والمحتكر ملعون** . لانے والا مرزوق ہے اور روکنے والا ملعون' میرے نزدیک اس کی یہ وجہ ہے کہ بامید نفع کے اور باوجود حاجت اہل شہر کے اس کی طرف صرف گرانی نرخ اور زیادتی ثمن کے اعتبار سے روکنا مال کا شہر والوں کے حق میں ضرر اور بدنظمی شہر کا سبب ہے' اور ازانجملہ یہ ہے کہ مشتری کو اس میں فریب دینا ہو' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **لا تصرو الابل والغنم فمن باعها بعد ذالك فهو بخير النظرين بعد ان يحلبها ان رضيها امسكها وان سخطها ردها وصاعا من تمر ويردى صاعاً من الطعام لا سمراعو** . مت تصریہ کرو تم اونٹ اور بکری میں' پس جو شخص اس کے بعد اس کو خریدے گا پس وہ اس کے دوہنے کے بعد بخیر النظرین ہے' اگر اس مبیع سے راضی ہو تو روک لے اس کو اور اگر اس سے ناخوش ہو تو اس کو واپس کر دے اور ایک صاع تمر ہی دے' اور روایت کیا گیا ہے **صاعا من طعام لاسمراعه** . میں کہتا ہوں تصریہ کے معنی تھن میں دودھ کے جمع کرنے کے ہیں تاکہ مشتری دودھ کی کثرت کا خیال کرے' پس فریب میں پڑ جائے گا اور چونکہ اس کو خیار مجلس اور خیار شرط کے ساتھ زیادہ تر مشابہت تھی' کیونکہ یہاں پر عقد بیع میں گویا دودھ کی کثرت شرط کر دی گئی ہے' پھر ہر گاہ اندازہ دودھ اور اس کی قیمت کا بعد اس کے ہلاک اور تلف کرنے کے بلا تمسک متعذر المعرفت تھا' خاص کر وقت بداخلاقی شریکوں کی اور بدویت کے اس لیے واجب ہوئی یہ بات کہ باعتبار احتمال غالب کی ایک حد معتدل بیان کی جائے تاکہ خصومت قطع ہو' اور چونکہ اونٹنیوں کے دودھ میں ایک قسم کی ہیک ہوتی ہے اور ارزانی پائی جاتی ہے اور بکریوں کا دودھ عمدہ ہوتا ہے اور گرانی پائی جاتی ہے اس لیے دونوں کا حکم ایک ہوا' لہٰذا یہ بات متعین ہوئی کہ جو چیز ادنیٰ ہے' جس کا وہ وقت کرتے ہیں اس کا ایک صاع مقرر کیا جائے جیسے چھوارہ ملک حجاز میں اور جو جوار ہمارے ملک میں' نہ گیہوں' اور چاول اس لیے کہ یہ قوت کے اعتبار سے گراں اور اعلیٰ درجے کی چیزیں ہیں' اور بعض ان لوگوں نے کہ جن کو اس حدیث پر عمل کرنے کی توفیق نہیں ہوئی' انہوں نے اپنی طرف سے ایک قاعدہ مقرر کر لیا اور کہا کہ جس حدیث کی بجز فقیہ کے کوئی اور روایت نہ کرے' جب اس میں قیاس نہ چل سکے تو اس میں عمل متروک ہو جاتا ہے' اور اس قاعدہ میں اول تو کلام ہے دوسرے یہ قاعدہ اس صورت پر نہیں منطبق ہو سکتا' کیونکہ اس حدیث کو بخاری نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے (حالانکہ وہ افقہ الناس تھے) اور اس قدر جواب کے لیے کافی ہے اور اس لیے کہ وہ بمنزلہ تمام ان مقادیر شرعیہ کے ہے کہ عقل ان میں مقرر کرنے کی خوبی معلوم کر سکتی ہے' مگر

خاص کر اس مقدار کی حکمت معلوم کرنے میں عقل مستقل نہیں ہے بار خدایا مگر ان لوگوں کی عقلیں جو راسخین فی العلم ہیں اور آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ غلہ کا ڈھیر دیکھا جس کو اس کے مالک نے اندر سے تر کر کے رکھا تھا آپؐ نے فرمایا تو نے اس کو اوپر کیوں نہیں کیا تا کہ لوگ اس کو دیکھتے' اور فرمایا جو شخص فریب کرے وہ مجھ سے نہیں اور از انجملہ یہ ہے کہ وہ چیز مباح الاصل ہو جیسے وہ پانی کہ جاری ہو اور کثرت سے ہو اور کوئی شخص ظلم و تغلب کر کے اس کو فروخت کیا کرے کیونکہ اس میں بلا حق اللہ تعالیٰ کے مال میں تصرف کرنا اور لوگوں کو ضرر پہنچانا ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے زیادہ پانی کے فروخت کرنے سے تا کہ اس کے سبب سے گھانس کا فروخت کرنا لازم آئے' منع فرمایا ہے' میں کہتا ہوں اس کی شکل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چشمہ یا کسی جھیل پر تغلب کر لے اور کسی مویشی کو بغیر کرایہ لیے نہ پینے دے اور اس میں گھاس کا جو مباح شے ہے فروخت کرنا لازم آتا ہے' یعنی ایسے وقت میں مواشی کے چرانے کی قیمت دینی پڑے گی اور یہ باطل ہے اس لیے کہ پانی و گھاس دونوں مباح چیزیں ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **فیقول الله الیوم امنعك فضلی کما منعت فضل مالم یعمل یداك** . پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج میں تجھ سے اپنے فضل کو روکتا ہوں جس طرح تو نے اس چیز کے فضل کو روکا جو بغیر تیری محنت کے پیدا ہوئی تھی' اور بعض کے نزدیک حاجت سے زیادہ پانی کا اس شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جو خود پینا چاہتا ہو یا مواشی کو پلانا چاہتا ہو' حرام ہے' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **المسلمون شرکاء فی ثلث فی الماء والکلاء والنار** . تین چیزوں میں سب مسلمان شریک ہیں پانی اور گھانس اور آگ میں' میں کہتا ہوں اگر یہ چیزیں کسی کی مملوک بھی ہوں تب بھی ان چیزوں میں ہمدردی نہایت مستحب ہے اور اگر مملوک نہیں ہیں تب تو ان کا حال شرکت میں ظاہر ہے۔

بیع کے احکام کا بیان

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ سہولیت والے آدمی پر رحم کرے جب وہ کسی چیز کو فروخت کرے اور جب خریدے اور جب وہ تقاضا کرے' میں کہتا ہوں سماحت منجملہ ان اصول اخلاق کے ہے جس سے نفس مہذب ہوتا ہے اور گناہوں کی قید سے اس کے سبب سے رہائی ہوتی ہے اور نیز سماحت میں شہر کا انتظام قائم رہتا ہے اور اس پر باہمی معاونت کا دارومدار ہے' اور بیع و شراء و تقاضا' ایسی چیزیں ہیں جن میں سماحت کے خلاف امور کا احتمال ہوتا ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے ان امور میں سماحت کے ساتھ برتاؤ کرنا مستحب کیا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الحلف منفقة للسلعه ممحقة للبرکة** . حلف سودے چلانے والا اور برکت کا گھٹانے والا ہے' میں کہتا ہوں بیع کے اندر بہت سی قسمیں کھانا برا ہے' بدو وجہ ایک تو یہ کہ اس میں مشتری لوگوں کے دھوکے میں آنے کا احتمال ہے' دوسرے اللہ کے نام کی قلب سے تعظیم جاتے رہنے کا احتمال ہے اور جھوٹی قسم کھانے سے اگرچہ سودا خوب فروخت ہوتا ہے کیونکہ اس کا مبنیٰ مشتری سے عیب کے پوشیدہ رکھنے پر ہے مگر برکت کم ہو جاتی ہے' کیونکہ برکت کا مدار ملائکہ کی دعا کی متوجہ ہونے پر ہے اور معصیت کے سبب سے ان کی دعا کو بعد ہو جاتا ہے بلکہ ملائکہ ایسے وقت میں اس شخص پر بددعا کرتے ہیں' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **یا معشر التجار ان البیع یحضره اللغووا لحلف فشوبوه بالصدقة** . اے گروہ تجار! بیع کے اندر لغو باتیں اور قسم ہوا کرتی ہیں لہٰذا تم بیع میں صدقہ ملا لیا کرو۔ میں کہتا ہوں کہ صدقہ کی آمیزش سے گناہ دور ہو جاتے ہیں اور نفس کے غلبہ

کے سبب جو اس شخص سے کچھ قصور ہو جاتا ہے اس کا تدارک ہو جاتا ہے' آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے باب میں جس نے کسی چیز کو اشرفیوں سے فروخت کر کے ان کے عوض میں مشتری سے درہم لے لیے تھے فرمایا ہے **لاباس ان تاخذها بسعر يومها مالم تفرقا و بينكما شئ** اگر اسی روز کی قیمت پر دراہم کو لے لے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے' بشرطیکہ ان دونوں کے جدا ہوتے وقت کچھ معاملہ تم میں باقی نہ رہا ہو' میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ اگر جدا ہوتے وقت ان دونوں میں کچھ معاملہ باقی ہے' مثلاً بایں طور وہ دونوں اشرفیوں سے دراہم کے بدلنے کی پختگی کو صرافوں کے بیان کرنے یا وزن کش کے وزن کرنے پر موقوف رکھے اور علیٰ ہذا القیاس' تو ایسے وقت میں حجت ونزاع کرنے والے کو حجت ونزاع کا موقع باقی ہے اور معاملہ صاف نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من ابتاع نخلا بعد ان تويه فثمرتها للبائع الا ان يشترط المبتاع** جو شخص چھوارے کے درخت کو گابہ لگنے کے بعد خریدے تو اس درخت کا پھل بائع کا ہے مگر جس صورت میں مشتری شرط کرلے' میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ گابا لگانا اس درخت سے زائد ایک فعل ہے اور بائع کی ملک میں ثمر کا ظہور ہو گیا پس اس کا حال اس شے کا سا ہے جو ایک مکان میں رکھی ہوئی ہو' لہٰذا یہ بات ضرور ہے کہ اس کا حق اس کو دلایا جائے' مگر جس صورت میں اس کے خلاف کی تصریح ہو جائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ما كان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل** جو ایسی شرط لگائی جائے کہ جس کا کتاب الٰہی میں ذکر نہیں ہے تو وہ باطل ہے' میں کہتا ہوں اس سے وہ شرط مراد ہے' جس سے اللہ تعالیٰ نے نہی فرمائی ہے اور حکم الٰہی میں اس کی نفی مذکور ہے یہ مقصود نہیں ہے کہ اس شرط کا بالکل ذکر ہی نہ ہو' اور آنحضرت ﷺ نے بیع الولاء اور ہبۃ الولاء سے نہی فرمائی ہے کیونکہ ولاء کوئی موجود و معین مال موجود نہیں ہے بلکہ صرف وہ ایک حق ہے جو نصیب کے تابع ہے پس جس طرح نصیب کے بیع نہیں ہوتی اسی طرح ولاء کی بیع نہ ہونی چاہیے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الخراج بالضمان** آمدنی تاوان کے ساتھ ہے (یعنی جو تاوان دے گا وہی آمدنی لے گا) پس مبیع کی آمدنی بیع کے رد کرنے کے بعد مشتری کو ملے گی' میں کہتا ہوں منازعت کے قطع کرنے کی بجز اس کے کوئی صورت نہیں ہے کہ مبیع کے ہلاک ہو جانے کے بعد جو شخص تاوان دیتا ہے اس کو اس کی آمدنی دلائی جائے' پس اگر عیب کے سبب سے مشتری مبیع کو رد کردے اور اس اثنا میں مبیع سے جو کچھ آمدنی ہوئی ہے اس خریدار سے اس کا مطالبہ کیا جائے' تو آمدنی کی مقدار کے ثابت کرنے میں حرج عظیم ہے' پس آنحضرت ﷺ نے اس حکم سے منازعت کو قطع فرمایا' جس طرح قضا میراث کے بارے میں آپ نے منازعت کو بایں طور قطع کیا ہے کہ جاہلیت کی میراث اسی حالت پر رکھی جائے جس حالت پر تقسیم کی گئی ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **البيعان اذا اختلفا والبيع قائم ليس بينهما بينه فالقول ما قال البائع او يترادان** اور وہ دونوں بیع جن میں بینہ نہ ہو اگر ان میں اختلاف واقع ہو اور بیع بھی موجود ہو پس قول بائع کا معتبر ہو گا یا ہر دونوں رد کر دیں گے' میں کہتا ہوں آپ نے قطع منازعت اس لیے کی کہ اصل بات یہ ہے کہ کوئی چیز کسی شخص کی ملک سے نہ نکلتی ہے مگر بواسطہ صحیح بیع کے یا رضامندی کے' پھر جب منازعت واقع ہوئی تو اصل کی طرف رد ضروری ہوا' اور مبیع کا بائع کا مال ہونا یقینی ہے اور مبیع پر اس کا قبضہ ہے اس وقت یا قبل اس عقد کے جس کی صحت نہیں ثابت ہوتی ہے اس لیے بائع کا قول معتبر ہے لیکن خریدار کو اختیار ہے اس لیے کہ مبنی بیع کا رضامندی پر ہے' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **الشفعة فيما لم يقسم فاذا وقعت الحدود وصرفت**

الطرق فلاشفعة .یعنی شفعہ اس چیز میں ہوتا ہے جو تقسیم نہیں ہوئی ہے' پھر جب اس میں حدیں پڑ جائیں اور راستے ہو جائیں تو اس میں شفعہ نہیں ہوتا' اور نیز آپ نے فرمایا ہے الجار احق بصقبه .کہ جوار اپنے قریب ہونے کی وجہ سے حقدار زیادہ ہے۔ میں کہتا ہوں اصل شفعہ میں ہمسایوں اور شریکوں سے ضرر کا دور کرنا ہے' اور میرے نزدیک شفعہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ شفعہ ہے کہ مالک پر فیما بینہ و بین اللہ شفیع کے لیے اس شفعہ کا پیش کرنا اور دوسروں پر اس کا مقدم کرنا' اور عند القاضی وہ مالک اس کے پیش کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا' اس قسم کا شفعہ اس جار کے لیے ہوتا ہے' جو شریک نہیں ہے اور ایک وہ شفعہ ہے جس پر مالک عند القاضی مجبور کیا جاتا ہے یہ شفعہ صرف شریک کے لیے ہے اور احادیث سے جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں ان کی تطبیق کی صورت یہی ہے' اور نیز آپؐ نے یہ فرمایا ہے من اقال اخاه المسلم صفقه كريهًا اقال الله عشرته يوم القيامة .جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے اس عقد کو لوٹا لے گا جو اسے ناپسند ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی خطا سے درگزر فرمائے گا میں کہتا ہوں جس شخص کو عقد کرنے کے بعد افسوس ہو تو اس سے رفع ضرر کے لیے اقالہ کرنا مستحب ہے اور واجب نہیں ہے کیونکہ ہر شخص اپنے اقرار میں ماخوذ ہوتا ہے اور جو چیز اپنے اوپر لازم کرتا ہے وہ اس کو لازم ہو جاتی ہے' حضرت جابرؓ نے جو یہ کہا ہے کہ میں نے اس اونٹ کو فروخت کر دیا اور اپنے گھر تک سوار ہو کر جانے کو مستثنیٰ کر لیا' میں کہتا ہوں اس سے ان چیزوں کے بیع میں استثناء کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے جہاں مناقشہ کا موقع نہ ہو اور عاقدین باہم سلوک کرنے والے اور فراخ دل ہوں کیونکہ استثناء کرنے کی ممانعت اس لیے ہے کہ اس میں مناقشہ کا احتمال ہوتا ہے' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا من فرق بين والدة و ولدها فرق الله بينه وبين احبته يوم القيامة .جو شخص ماں اور اس کی اولاد کے بیچ میں جدائی ڈالے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس میں اور اس کے دوستوں میں جدائی ڈالے گا' اور ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو غلاموں میں سے جو بھائی بھائی تھے ایک کو فروخت کر دیا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ واپس کر لو' میں کہتا ہوں ماں و بچے میں جدائی ڈالنے سے ضرور ہے کہ دونوں کو وحشت پیدا ہو گی اور آہ و بکا کریں گے' یہی دو بھائیوں کا حال ہے لہٰذا انسان کو ان میں تفریق ڈالنے سے اجتناب چاہیے' اللہ پاک فرماتا ہے اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ .جب جمعہ کی نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد طرف لپکو اور بیع خرید و فروخت کو چھوڑ دو' میں کہتا ہوں یہ حکم اس ندا کے ساتھ متعلق ہے جو امام کے خطبہ کے لیے جاتے وقت ہوتی ہے اور چونکہ بیع وغیرہ میں مشغول ہونے سے بسا اوقات نماز جاتی رہتی ہے اور خطبہ کا استماع ترک ہو جاتا ہے اس لیے اس سے نہی فرمائی گئی' اور آنحضرت ﷺ سے کسی نے عرض کیا کہ نرخ گراں ہو گیا ہے (گرانی نرخ پر نرخ کے تقرر میں حاکم کا دخل) اس لیے آپؐ ہمارے لیے نرخ مقرر فرما دیجیے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا نرخ مقرر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اسی کی صفت قابض و باسط و رازق ہے اور مجھے اس بات کی آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ سے میں ایسی حالت میں ملوں کہ کوئی شخص مجھ سے کسی ظلم کا مطالبہ نہ کرے' میں کہتا ہوں چونکہ مشتری و تاجروں میں ایسا حکم برابر دینا کہ جس سے کسی کو ضرر نہ پہنچے یا دونوں کو برابر ضرر پہنچے نہایت دشوار تھا' اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس سے پرہیز کیا تا کہ آپؐ کے بعد حکام لوگ اس کو طریقہ و دستور نہ مقرر کر لیں اور اس کے بعد بھی اگر کوئی سوداگروں سے علانیہ ظلم معلوم ہو جس کا لوگوں کو یقین ہو جائے تو اس کی اصلاح درست ہے کیونکہ اس میں ملک کی بربادی ہے اور اللہ پاک ارشاد فرمایا ہے یَاۤ اَیُّهَا

الَّذِينَ اٰمَنُوا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ. اے ایمان والو! جبکہ تم ایک وقتِ معین تک قرض کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لو معلوم کرو کہ قرض مناقشہ ومنازعت کے اعتبار سے تمام معاملات میں بڑھ کر ہے اور وقتِ حاجت کے بغیر اس کے چارہ بھی نہیں ہے اس لیے اللہ پاک نے لکھ لینے اور گواہ کرنے کی تاکید فرمائی اور رہن اور کفالت کو مشروع کیا اور گواہی کے چھپانے کا گناہ بیان فرمایا اور لکھنے اور گواہی دینے کو فرض کفایہ کیا اور وہ عقود ضرور یہ سے ہے' اور آنحضرت ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ کے لوگ پھلوں کے ایک ایک دو دو تین تین برس کے لیے بدنی کیا کرتے تھے' لہٰذا آپ نے فرمایا جب کوئی کسی چیز میں بدنی کرے تو کیل معین ووزن معین میں مدتِ معین تک بدنی کرے' میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ حتی الامکان مناقشہ کا ارتفاع ہو جائے اور فقہاء نے انہی تینوں پر ان اوصاف کو قیاس کر لیا ہے جن سے بلاحصول وقت کسی چیز کا بیان ہو سکتا ہے اور قرض کا مدار ابتداء' تبرع پر[1] ہے اور اس میں عاریت کے بھی معنی پائے جاتے ہیں لہٰذا اس میں دیر کرنا جائز ہے اور زیادہ لینا حرام ہے اور رہن کا مبنیٰ مضبوطی پر ہے اور وہ مضبوطی قبضہ کرنے سے ہوئی ہے لہٰذا اس میں قبضہ کیا گیا اور میرے نزدیک ان دونوں حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے' پہلی حدیث تو یہ ہے' پہلی حدیث تو یہ ہے: **لايغلق الرهن الرهن من صاحبه الذى رهنه غنمه و عليه غرمه**. رہن کرنا مرہون کو اس کے مالک سے جس نے اس کو رہن رکھا ہے نہیں روکتا ہے اس کے لیے اس کی آمدنی ہے اور اسی پر اس کا قرض ہے اور دوسری حدیث یہ ہے **الظهر يركب بنفقة اذا كان مرهونا ولبن الدهر يشرب بنفقه اذا كان مرهونا و على الذى يركب و يشرب النفقة**. سواری سے اس کے خرچ اٹھانے کے سبب سے اس سے سواری کی جائے گی اگر وہ مرہون[2] ہے دودھ دیتے جانور کا دودھ اس کے خرچ اٹھانے کے سبب سے دیا جائے گا اگر وہ مرہون ہے اور سوار ہونے والے اور دودھ پینے والے کو اس کا خرچ اٹھانا پڑے گا اور اختلاف نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ پہلی حدیث میں تو حکم عام ہے مگر جس وقت میں راہن اس مرہون کا خرچ نہ اٹھائے اور مرہون کے ہلاک ہونے کا خوف ہو اور مرتہن اس کا خرچ اٹھائے تو اس وقت میں مرتہن[3] جس قدر لوگ انصاف کر دیں مرہون سے انتفاع حاصل کر سکتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے ناپنے والوں اور وزن کشوں سے فرمایا ہے تم کو ایسی دو چیزیں سپرد کی گئی ہیں جن میں تم سے قبل اُمم سابقہ ہلاک ہو چکی ہیں' میں کہتا ہوں ڈنڈے مارنا حرام ہے کیونکہ اس میں خیانت اور بدمعاملگی ہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا حال جو کچھ ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا ذکر فرمایا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ايما رجل افلس فادرك رجل ماله بعينه فهو احق به**. جو شخص مفلس ہو پھر کوئی شخص بعینہ اس کے پاس اپنے مال کو پائے تو وہ شخص جھوٹ ہے اور آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ وہ شخص ایسا ہے جیسے جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والا' اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا مال اس شخص کا سا ہے جو جھوٹ کی چادر اوڑھ رہا ہے اور اسی کی لنگی باندھ رہا ہے اور تمام بدن اس کا جھوٹ سے ڈھک رہا ہے' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من صنع اليه معروف فقال بفاعله جزاك الله خيرا فقد ابلغ بالثنا**. جس شخص کے ساتھ کوئی احسان کرے اور وہ احسان کرنے والے کے لیے جزاک اللہ خیراً

---

❶ بخشیدن چیز بے گرفتن کار بے واجب باشد ❷ گرو کردہ شدہ ❸ رہن قبول کرنے والا

کہہ دے تو اس نے کامل طور سے تعریف کر دی' میں کہتا ہوں آپ نے اس لفظ کو اس لیے معین فرمایا ہے کہ ایسے مقام میں زیادہ اوصاف بیان کرنے میں مبالغہ اور الحاح ہے اور کم بیان کرنے میں حق کا چھپنا اور احسان کا کتمان ہے' اور بعض مسلمان بعض کو جو ہدیہ پیش کریں ان سب میں بہتر وہ چیز ہے جو آخرت کو یاد دلائے اور اللہ پر تمام امور کا حوالہ اس میں پایا جائے اور یہ لفظ اس تمام کے لیے کافی مقدار ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **تهادوا فان الهدية تذهب انصفائن وفي رواية تذهب وحرا لصدر**. باہم تحفہ و تحائف بھیجتے رہا کرو کیونکہ ہدیہ سے رنجشیں دور ہوتی ہیں اور ایک روایت میں آیا ہے دل کا غصہ جاتا رہتا ہے' میں کہتا ہوں کہ ہدیہ اگرچہ تھوڑا سا ہی ہو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بھیجنے والے کے دل میں اس شخص کی تعظیم و قدر و محبت اور اس کی جانب محبت ہے اور اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے **لاتحقرن جاءة جارتها ولو بفرس شاة**. کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ بکری کی کھری کے ساتھ ہو' پس یہ دلوں کی رنجش دور کرنے کے لیے عمدہ طریقہ قرار پایا اور کسی شہر یا قبیلہ میں پوری پوری الفت پیدا ہونے سے رنجش دور ہو سکتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من عرض عليه ريحان فلا يرده فانه خفيف المحمل طيب الريح**. جس شخص کے سامنے کوئی ریحان کو پیش کرے تو یہ اس کو واپس نہ کرے کیونکہ اس کے لینے میں بار کم ہوتا ہے اور وہ خود خوشبودار ہوتا ہے' میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے ریحان وغیرہ کے واپس کرنے کو اس واسطے ناپسند فرمایا کہ اس کے قبول کر لینے میں دینے والے کا اس شخص پر زیادہ بار نہیں ہوتا' اور لوگوں میں اس کا دستور ہے لہٰذا اس کے قبول کرنے میں قبول کرنے والے کو بھی زیادہ عار نہیں ہوتی اور دینے والے کا بھی اس کے دینے میں زیادہ خرچ نہیں ہوتا اور اس کا باہم دستور کرنے میں الفت باہمی کا پیدا کرنا اور واپس کرنے میں آپس کی دل شکنی کرنا اور دلی رنجش کی دلیل ہے' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **العائد في هبة كالكلب يعود في قيئه ليس لنا مثل السوء**. اپنی دی ہوئی چیز کو واپس لینا اس کتے کی مانند ہے جو اپنی قے کو پھر کھا جاتا ہے ایسی بری مثال ہمارے مناسب نہیں ہے' میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے دی ہوئی چیز کے واپس لینے کو اس واسطے ناپسند فرمایا کہ جس چیز کو اپنے مال سے علیحدہ کر چکا اور اس سے قطع تعلق کر چکا ہے پھر اس کے واپس لینے کا منشا یا تو اس دی ہوئی چیز کے ساتھ حرص کا پیدا ہونا یا اس شخص سے ناخوشی یا اس کی ضرر رسانی ہے اور یہ سب اخلاق مذمومہ ہیں اور نیز ہبہ کے پورا کر دینے اور مضبوط کر دینے کے بعد اس کے واپس لینے میں عداوت و رنج کا پیدا کرنا ہے بخلاف اس صورت کے کہ پہلے ہی سے اس کو کچھ نہ دیا ہوتا لہٰذا آنحضرت نے اس چیز کے واپس لینے کو جس کو اپنی ملک سے جدا کر چکا ہے کتے کے اپنی قے کے کھا جانے کے ساتھ مشابہت دی ہے' تاکہ ظاہر میں لوگوں کو اس کی برائی متمثل ہو جائے اور پورے طور پر اس کی قباحت بیان کر دی' بار خدایا' مگر جس صورت میں ان دونوں کے اندر بے تکلفی ہے جس سے مناقشہ پیدا نہیں ہو سکتا تو وہاں واپس لینے میں کچھ حرج نہیں ہے جیسے باپ بیٹے سے واپس لے لے' چنانچہ آپ نے فرمایا **الا الوالد من ولده**. بجز باپ کے جو اپنے بیٹے سے واپس لے لے۔

اور آنحضرت ﷺ نے اس شخص کی نسبت جس نے اپنے بعض بچوں کو کچھ عطا کیا تھا' فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ تیرے ساتھ نیکی میں وہ سب برابر ہوں اس نے عرض کیا (ہاں) تو آپ نے فرمایا ایسے وقت ایسا نہیں ہوتا' میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے عطا کے اندر بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دینے کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ اس سے ان میں بھی باہم ملال و رنجش پیدا ہوتی ہے اور باپ کے ساتھ بھی

لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ بعض کو بعض پر فضیلت دینے سے اپنی اولاد کے دل میں ملال و رنجش پیدا ہو گا' جس کے ساتھ کوتاہی کی گئی ہے اور وہ اس کے سبب سے باپ کے ساتھ کوتاہی کرے گا اور اس میں خانہ ویرانی ہے (اور منجملہ تبرعات وصیت ہے) وصیت کا وقت موت کے قریب ہوتا ہے اور اس کے مسنون ہونے کی یہ وجہ ہے کہ بنی آدم کی ملک میں منازعت ہوتی ہے' پس جب موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو اس کے سبب سے اس شخص موصی کو مال سے استغنا ہو جاتی ہے' مستحب ہوئی یہ بات کہ اس موصی نے جو کچھ اس میں قصور کیا ہے اس کا تدارک ہو جائے اور جو کچھ اس وقت میں اس مال میں جس کا حق ہے اس سے مواسات کرے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **اوص بالثلث کثیر ثلث** .مال کی وصیت کر اور ثلث بھی زیادہ ہے' اور جاننا چاہیے کہ تمام عرب و عجم کی قوموں میں بے شمار مصلحتوں کے سبب ایک عادت اور ضروری بات ہو گئی ہے کہ میت کا مال اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہوتا ہے' پھر جب وہ مریض ہوتا ہے اور موت پر متوجہ ہوتا ہے تو ان وارثوں کے لیے ملکیت حاصل ہونے کا طریقہ نکل آتا ہے پس ان کی امید سے ان کو ناامید رکھنا ان کے حق کا تلف کرنا اور ان کے حق میں کوتاہی کرنا ہے' اور نیز حکمت کا یہ مقتضی ہے کہ میت کے بعد اس کے مال کو لے جو سب لوگوں سے زیادہ اس کا دوست و معاون اور ہمدرد ہے اور اس بات میں کوئی شخص ماں باپ و اولاد اور جتنے ذوالارحام ہیں ان کے درجہ کو نہیں پہنچتا چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ** .اور ذوالارحام میں سے بعض لوگ بعض کے ساتھ اولیٰ ہیں کتاب اللہ کے اندر' اور بایں ہمہ بسا اوقات ایسے امور پیش آتے ہیں جن سے اور لوگوں کی بھی غمخواری ضروری ہوتی ہے بلکہ اکثر اوقات خاص خاص حالات میں اور لوگوں کو اختیار کرنا ضروریات سے ہوتا ہے لہٰذا ایک حد مقرر کرنا جس کے آگے لوگ نہ بڑھ سکیں لابدی ہوا اور وہ حد ثلث ہے اس لیے کہ ورثہ کی ترجیح ضروری امر ہے اور وہ بایں طور ہو سکتی ہے کہ ان کو نصف سے زیادہ دلایا جائے اس لیے ان کے لیے دو ثلث اور غیروں کے لیے ایک ثلث مقرر ہوا' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ان اللہ اعطی لکل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لـــوارث** .اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمایا ہے لہٰذا کسی وارث کے لیے وصیت نہیں ہے' میں کہتا ہوں وصیت کے اندر ایام جاہلیت میں ضرر رسانی کیا کرتے تھے اور وصیت کرنے میں حکمت واجبہ کا خیال نہ کرتے تھے' بعض لوگ حق کو اور اس شخص کو ترک کر کے جس کی غم خواری واجب ہے اپنی رائے ناقص سے بعید لوگوں کو اختیار کرتے تھے' لہٰذا اس باب کا مسدود کرنا ضروری ہوا اور یہ بات ضروری ہوئی کہ قرابتوں کے اعتبار سے قواعد کلیہ کا لحاظ کیا جائے اور اشخاص کے اعتبار سے عارضی خصوصیات کا لحاظ نہ کیا جائے پس مواریث کے احکام چونکہ قطع منازعت اور باہمی رنجشوں کے دور کرنے کے لیے مقرر ہوئے ہیں' لہٰذا یہ حکم بھی ضروری ہوا کہ وارث کے لیے وصیت جائز نہ کی جائے اس لیے کہ اس کے جائز کرنے میں اس حد مقرر کا توڑنا ہے' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ماحق امرء مسلم لہ شیئ یوصی فیہ یبیت لیلا الا ووصیۃ مکتوبۃ عندہٗ**.کسی مسلمان شخص کو جس کے پاس وصیت کرنے کے لیے کوئی چیز ہے سزاوار نہیں ہے کہ شب کو بسر کرے اور اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو' میں کہتا ہوں وصیت میں تعجیل کرنا بہتر ہے اس لیے کہ اگر دفعتاً موت نے اس کو آ گھیرا یا ناگاہ کوئی حادثہ پیش آیا اور جس ضروری مصلحت کا قائم کرنا اس نے اپنے نزدیک ضروری سمجھا تھا وہ فوت ہو گئی تو بجز حسرت کے کچھ اور نہ ہو گا اور نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ایما رجل**

اعمر عمریٰ الخ. میں کہتا ہوں آپ کے زمانہ میں بہت سے مناقشے درپیش تھے جن کے قطع ہونے کی امید بھی نہ تھی' لہٰذا ان کا قطع کرنا منجملہ ان مصلحتوں کے ہوا جن کے قائم کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی ہے مثل سود وقتل وغیرہ کے اور کچھ لوگوں نے لوگوں کو عمر بھر رہنے کے لیے مکان دے دیئے تھے' پھر دینے والے ورہنے والے مر گئے اور دوسرا قرن پیدا ہوا تو اب اس میں اشتباہ اور باہم مخاصمت ومنازعت شروع ہوئی پس آپ نے بیان فرمایا کہ اگر مکان دینے والے نے اس بات کی تصریح کردی ہے کہ یہ مکان تیرے لیے اور تیرے وارثوں کے لیے ہے تو یہ ہبہ ہے اس لیے کہ آپ نے خالص ہبہ کے لیے جو لوازم ہیں بیان فرمادیئے اور اگر اس دینے والے نے اس شخص سے یہ کہا کہ یہ مکان تازیست تیرے لیے ہے تو یہ عاریت ہے کیونکہ اس نے ایسی قید کے ساتھ مقید کیا ہے جو ہبہ کے منافی ہے اور منجملہ تبرعات وقف ہے اور اہل جاہلیت اس سے ناواقف تھے پس نبی ﷺ نے ان مصالح کے اعتبار سے جو اور صدقات میں نہیں پائے جاتے وقف کا استنباط فرمایا۔ کیونکہ انسان بسا اوقات اللہ کی راہ میں بہت سا مال صرف کردیتا ہے اور وہ مال فنا ہوجاتا ہے اور وہ فقراء پھر محروم رہ جاتے ہیں اور فقراء لوگ اس مال سے محروم ہی رہتے ہیں' پس عامہ لوگوں کے لیے اس سے عمدہ ونافع صورت کوئی نہیں ہے کہ ایک شے فقراء اور مسافروں کے لیے روک لی جائے جس کے منافع ان پر صرف ہوا کریں اور خود وہ شے واقف کے ملک میں رہا کرے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا اگر تو چاہے اس کی اصل کو روک لے اور اس کا نفع صدقہ کردے' پس حضرت عمرؓ نے ان کا صدقہ کردیا کہ خود وہ فروخت کیا جائے اور نہ ہبہ کیا جائے اور نہ اس سے ورثہ دلایا جائے اور فقراء اور اقارب اور غلاموں کے چھڑانے اور راہ اللہ اور مسافر اور مہمان کے لیے صدقہ کردیا اور کہہ دیا کہ جو شخص اس کا متولی ہو حسب دستور بلادقت اسے کھائے اور غیر متمول لوگوں کو کھلائے۔

اور معاونت کی بھی بہت سی قسمیں ہیں از انجملہ مضاربت [1] ہے اور اس کی یہ صورت ہے کہ ایک شخص کا مال ہو اور ایک کی محنت ہو اور نفع باہم جیسے مقرر ہو جائے ان میں مشترک ہو' اور ایک مفاوضۃ ہے اور وہ یہ ہے کہ دو شخص باہم برابر برابر مال سے شریک ہو کر سوداگری کریں اور تمام خرید وفروخت میں شریک ہوں اور باہمی نفع تقسیم کرلیا کریں اور ہر ایک دوسرے کا ضامن ووکیل ہو' اور ایک عنان ہے اور وہ یہ ہے کہ مال معین میں شریک ہو کر اس طرح سے سوداگری کریں اور ہر ایک شخص دوسرے کا وکیل ہو نہ کفیل جس سے دوسرے کے بدلہ اس سے مطالبہ کرسکے' اور از انجملہ شرکۃ الصنائع ہے جیسے دو درزی یا دو رنگریز اس طور سے شرکت کریں کہ دونوں محنت کریں اور اُجرت دونوں میں تقسیم ہو جائے اور ایک شرکتِ وجوہ ہے اور وہ یہ ہے کہ باہم دو شخص یوں شریک ہوں کہ مال تو کسی کے پاس نہیں ہے مگر اپنے اعتبار سے دونوں مل کر خرید وفروخت کریں اور نفع باہم تقسیم ہو جایا کرے' اور ایک وکالت ہے کہ اپنے مؤکل کے لیے وکیل سوداگری کرے' اور ایک مساقات ہے اور وہ یہ ہے کہ باغ ایک کا ہے محنت ایک کی پھل دونوں کے' اور ایک مزارعۃ ہے اور وہ اس سے عبارت ہے کہ زمین وتخم ایک کی اور محنت وبیل ایک کے' اور ایک مخابرہ ہے اور وہ یہ ہے کہ زمین ایک کی اور بیج اور بیل اور محنت دوسرے کی' اور ایک صورت یہ ہے کہ ایک کی تو صرف محنت اور باقی جو کچھ ہو وہ دوسرے کے ذمہ ہو' اور ایک اجارہ

---

[1] مضاربت کسی کو تجارت کے واسطے مال دینا اور نفع میں شرکت رکھنا۔

ہے اور اس میں مبادلہ کے معنی پائے جاتے ہیں اور معاونت کے معنی بھی پائے جاتے ہیں' پس اگر صرف منفعت مطلوب ہے تب تو مبادلہ کے معنی غالب ہیں اور اگر اجیر کی خصوصیت مطلوب ہے تو معاونت کے معنی غالب ہیں' آنحضرت ﷺ سے قبل لوگ ایسے ایسے عقود کیا کرتے تھے' پس ان میں سے جس میں مناقشت کا احتمال غالب نہیں اور آنحضرت ﷺ نے اس سے نہی نہیں فرمائی ہے وہ عقد تو اپنی اباحت پر باقی ہے اور اس حدیث کے تحت میں داخل ہے **المسلمون علی شروطھم** اور رافع بن خدیج کی حدیث میں جو راویوں کا اختلاف ہے وہ عیاں ہے اور تابعین میں بڑے بڑے نامی لوگ شرکت مزارعت کیا کرتے تھے اور اس کے جواز پر اہل خیبر کے معاملہ کی حدیث دلالت کرتی ہے اور جن احادیث میں اس سے نہی پائی جاتی ہے وہ احادیث نہروں کے اوپر پیداوار یا کسی خاص قطعہ کے بدلہ کرایہ دینے پر محمول ہے جیسا کہ حضرت رافع نے فرمایا ہے یا وہ نہی بطور تنزیہ اور ارشاد کے ہے' چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یا اس وقت کے ساتھ اس معاملہ میں مناقشات کی کثرت کی جہت سے مصلحتِ خاصہ پر محمول ہے' چنانچہ زید فرماتے ہیں۔

فرائض کا بیان

معلوم کرو کہ حکمت الٰہی کا مقتضیٰ ہے کہ لوگوں کے قبیلہ میں باہم معاونت اور مناصرۃ اور غمخواری کا طریقہ جاری رہے اور ہر شخص دوسرے کے نفع ونقصان کو بمنزلہ اپنے نفع نقصان کے سمجھے' اور یہ طریقہ جب ہی قائم ہو سکتا ہے جب ان کی جبلت میں یہ بات داخل ہو اور اسباب عارضہ بھی اس پر معین ہوں اور ان کا قدیمی طریقہ بھی اس کو ثابت کرے' جبلت تو وہ محبت والفت ہے جو ماں باپ واولاد و بھائی بندوں وغیرہ میں پائی جاتی ہے' اور عارضی اسباب وہ لوگوں کی باہمی الفت و ملاقات اور تحفہ وتحائف بھیجنا اور غمخواری کرنا ہیں' کیونکہ ان سب باتوں سے ایک دوست کا دوست ہو جاتا ہے اور سختیوں کے وقت انہی اسباب کی وجہ سے ایک کو دوسرے کی مدد و معاونت پر ہمت ہوتی ہے اور قدیمی طریقہ وہ ہے کہ تمام شرائع میں صلہ رحم کا حکم اور اس کے تارک پر ملامت کا قائم کرنا چلا آتا ہے' پھر بعض لوگ اپنی فکر ناقص کے تابع ہوتے ہیں اور کما ینبغی صلہ رحم کو قائم نہیں کرتے اور بسا اوقات غیر ضروری چیزوں کو مہتم بالشان سمجھتے ہیں لہٰذا ان پر ان میں سے بعض چیزوں کے واجب کرنے کی حاجت پڑی خواہ وہ اس سے خوش ہوں یا انکار کریں جیسے مریض کی عیادت اور مصیبت زدہ کا چھڑانا اور دیۃ کا لینا اور جو شخص اپنے ذی رحم کا مالک ہو اس کا آزاد ہو جانا اور علاوہ ان کے اور بہت سے امور ہیں' اور سب چیزوں سے زیادہ اس قسم کی ضرورت اس مال میں ہے جس سے قریب بموت ہونے کے سبب سے مالک کو استغنائے ہو گئی ہے' ایسے وقت میں ضرور یہ ہے کہ اس کا مال اس کے سامنے ایسی چیز میں صرف کیا جائے جو معاونات خانگی میں نافع ہو یا اس کے بعد اس کے اقارب میں خرچ کیا جائے معلوم کرو کہ فرائض کی حقیقت یہ ہے کہ تمام عرب وعجم کے لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ میت کے مال کے مستحق سب لوگوں سے زیادہ اس کے اقارب اور ذوی الارحام ہیں' پھر اس کے بعد ان میں بڑا اختلاف ہے' اہل جاہلیت تو صرف مردوں ہی کو ورثہ دیتے نہ عورتوں کو وہ سمجھتے تھے کہ اصل مرد ہی ہیں اور وہی وقت مصیبت کے کام آتے ہیں' لہٰذا جو چیز بمنزلہ صلت کے ہے اس کے وہی مستحق ہیں' ابتداءً آنحضرت ﷺ پر جو نازل ہوا ہے وہ بلا تعیین وتوقیت اقارب

کے لیے وصیت کا وجوب نازل ہوا' کیونکہ لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں' کسی شخص کا ایک بھائی ناصر و معاون ہوتا ہے اور دوسرا نہیں ہوتا کسی شخص کا باپ مصیبت کے وقت کام آتا ہے اور اولاد کام نہیں آتی' اور علیٰ ہذا القیاس' پس مصلحت کا مقتضیٰ ہوا کہ اس بات کا اختیار لوگوں کے سپرد کیا جائے تا کہ ہر شخص جو مصلحت مناسب جانے اس کے موافق حکم دے' پھر اگر موصی سے کچھ زیادتی یا گناہ ظاہر ہوتا تھا تو قاضی کو اس کی وصیت کی اصلاح کرنے اور اس کے بدلنے کا اختیار ہوتا تھا' ایک مدت تک یہی حکم جاری رہا' پھر جب خلافت کبریٰ کے احکام جاری ہوئے اور شرق سے غرب تک محمدیؐ عملداری ہوگئی اور بعثت عامہ کے انوار روشن ہو گئے تو مصلحت کا مقتضیٰ ہوا کہ اس بات کا اختیار نہ تو ان کو دیا جائے اور نہ ان کے بعد قضاۃ کو بلکہ اس کا مدار ان مظان غالبہ پر رکھا جائے جو عرب وعجم وغیرہم کے عادات کے متعلق علم الٰہی میں ہے اور بمنزلہ طبع امر کے ہے' اور جو شخص اس کے خلاف ہے وہ بمنزلہ شاذ و نادر اور اس بہیمہ کی مانند جو عادت مستمرہ کے برخلاف بلا ناک کان کے یا لنگڑا پیدا ہوتا ہے' اللہ پاک فرماتا ہے **لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا** تم نہیں جانتے کہ ان میں سے تمہارے لیے نفع میں کون زیادہ تر قریب ہے' مواریث کے مسائل کا مبنیٰ چند اصول پر ہے' از انجملہ ایک یہ ہے کہ اس باب میں مصاحبت طبعی اور محبت کا اعتبار ہے جو بمنزلہ مذہب جبلی کے ہے' اتفاقات عارضیہ کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ غیر منضبط ہونے کے سبب سے شرائع کلیہ بنیاد نہیں ہو سکتے' چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ** اسی لیے بجز اولوالارحام کے زوجین کے سوا کسی کے لیے میراث مقرر نہیں کی گئی البتہ زوجین اولوالارحام کے ساتھ ملحق ہیں اور ان کے شمار میں بچند وجوہ داخل ہیں۔ از انجملہ تدبیر خانگی میں معاونت کی تاکید اور اس بات پر رغبت دلانا ہے کہ ان میں سے ہر شخص دوسرے کے نفع ونقصان کو بعینہٖ اپنا نفع ونقصان سمجھے' اور از انجملہ یہ ہے کہ خاوند عورت کا خرچ اٹھائے اور اپنا مال اس کی سپردگی میں دے اور اپنی چیز پر اس کو امین سمجھے اس خیال سے کہ جو کچھ وہ مرنے کے بعد چھوڑے وہ کل مال یا اس میں سے ایک حصہ اس کا حق ہے اور یہ خصوصیت ایسی ہے کہ اس میں انقطاع کا احتمال نہیں' لہٰذا شرع نے اس مرض کا بایں طور علاج کیا کہ رُبع یا نصف خاوند کے لیے مقرر کیا تا کہ اس کے دل کو تسکین رہے اور خصومت کو نہ بڑھنے دے' از انجملہ یہ ہے کہ عورت کی بسا اوقات اپنے خاوند سے اولاد پیدا ہوتی ہے' جو لامحالہ مرد کی قوم اور اس کے نسب اور مرتبہ کے ہوتی ہے اور انسان کا اپنی ماں کے ساتھ اتصال کبھی منقطع نہیں ہوتا پس اس سبب سے زوجہ ان لوگوں کے شمار میں داخل ہے جو اس کے خاوند کی قوم سے علیحدہ نہیں ہوتے۔ اور وہ بمنزلہ ذوالارحام کے ہو جاتی ہے' از انجملہ یہ ہے کہ خاوند کی وفات کے بعد چند مصلحتوں کے سبب سے جو ظاہر ہیں عورت کو اس کے گھر میں عدت پوری کرنا واجب ہے اور اس کے خاوند کے کنبہ میں سے کوئی شخص اس کی معاش کا متکفل نہیں ہوتا لہٰذا ضروری ہوا کہ خاوند کے مال میں سے اس کی معاش مقرر کی جائے اور یہ بات ممکن تھی کہ اس کی کوئی خاص مقدار مقرر کی جائے' کیونکہ یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی کہ خاوند کس قدر مال چھوڑے گا' پس ایک عام حصہ مقرر کرنا واجب ہوا جو ہر جگہ جاری ہو سکتا ہے' مثلاً چوتھائی یا آٹھواں حصہ' اور از انجملہ یہ ہے کہ قرابت کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ قرابت جو حسب ونسب اور مرتبہ میں مشارکت کو نہیں چاہتی بلکہ اس میں صرف محبت وشفقت پائی جاتی ہے' اور اگر ترکہ تقسیم کرنے کا اختیار میت کو ہوتا تو اس قرابت سے آگے نہ بڑھتا' یہ بات ضروری ہے کہ پہلی قسم کو دوسری قسم پر فضیلت دی جائے' کیونکہ تمام عرب وعجم اس بات کو ناپسند کرتے ہیں اور جب کسی شخص کا مال ومنصب اس

شخص کو دیا جائے جو اس کی قوم میں اس کا قائم مقام ہے تو اس کو انصاف جانتے ہیں اور پسند کرتے ہیں' اور یہ بات ان کی جبلت میں داخل ہو گئی ہے جو ان سے نہیں جدا ہو سکتی' مگر جس صورت میں کہ ان کے دلوں میں فرق آ جائے' بار خدایا! مگر ہمارے زمانہ میں لوگوں کے نسب ضائع ہو گئے اور نسب کی وجہ سے باہم معاونت باقی نہیں رہی' اور یہ بات بھی ناروا ہے کہ دوسری قسم کا حق پہلی قسم کے بعد چھوڑ دیا جائے' یہی سبب ہے کہ ماں کا حصہ بیٹی اور بہن کے حصہ سے کم ہے۔ باوجودیکہ اس کو ماں کے ساتھ بھلائی کرنے اور صلہ رحم کرنے کی زیادہ تر تاکید ہے' کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ماں نہ تو بیٹی کے قوم کی ہوتی ہے اور نہ اس کے حسب کی اور نہ اس کے مرتبہ و شرافت کی ہوتی ہے اور نہ ان لوگوں میں ہوتی ہے جو اس کے قائم مقام ہوتے ہیں' دیکھو بیٹا اگر ہاشمی ہوتا ہے اور ماں حبشیہ ہوتی ہے اور بیٹا قریشی ہوتا ہے اور ماں عجمی ہوتی ہے اور بیٹا بیت الخلافت سے ہوتا ہے' اور ماں زناء و دناءت کے ساتھ متہم ہوتی ہے اور بیٹے و ہمشیر آدمی کی قوم اور اس کے مرتبہ کے ہوتے ہیں اور اسی طرح ماں کی اولاد کو اگر ورثہ ملتا ہے تو تہائی سے زیادہ کبھی نہیں ملتا۔ دیکھو آدمی کبھی قریشی ہوتا ہے اور اس کا بھائی اخیافی جو بھائی ماں کی طرف سے ہو تمیمی ہوتا ہے اور کبھی دونوں قبیلوں میں نزاع پیدا ہوتا ہے اور ہر شخص دوسرے کی قوم کے مقابلہ میں اپنی قوم کی مدد کرتا ہے اور لوگ ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے قائم مقام ہونا انصاف نہیں سمجھتے ہیں اور اسی طرح زوجہ کو جو ذوی الارحام کے ساتھ ملحق ہے اور ان کے شمار میں داخل ہے سب سے کم حصہ ملتا ہے اور اگر کئی بیویاں ہوں تو اسی حصہ میں سب شریک ہوتی ہیں اور باقی ورثہ کے حصہ میں ہرگز کمی نہیں کر سکتے' دیکھو بیوی خاوند کے مرنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کر لیتی ہے اور پہلے خاوند سے اس کو کچھ تعلق نہیں رہتا' الحاصل توارث کا مدار تین امور پر ہے' ایک تو میت کے بعد اس کی جگہ اس کی عزت اور مرتبہ اور جو باتیں اس قبیلہ سے ہیں ان میں اس کا قائم مقام ہونا' کیونکہ انسان کی اس بات میں بڑی کوشش ہوتی ہے اس کے بعد اس کا کوئی قائم مقام رہے دوسرے خدمت اور غمخواری اور محبت اور شفقت اور جو باتیں اس قبیلہ سے ہیں' تیسرے قرابت جو ان دونوں امر پر بھی مشتمل ہے اور تینوں میں زیادہ تر اسی تیسرے کا اعتبار مقدم ہے اور پورے طور پر ان سب کا محل وہ شخص ہے جو نسب کے عمود میں داخل ہے جیسے باپ اور دادا اور بیٹا اور پوتا' یہ لوگ سب سے زیادہ ورثہ کے مستحق ہیں' مگر وضع طبعی کے اعتبار سے جس پر قرناً بعد قرنٍ عالم کے بنا ہے' بیٹا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے اور اسی کی لوگوں کو تمنا اور امید ہوا کرتی ہے' اسی کی خاطر نکاح کرتے ہیں اور اولاد کے پیدا ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور باپ کا بیٹے کی جگہ قائم مقام ہونا وضع طبعی کا مقتضی نہیں ہے اور نہ لوگوں کو اس کی آرزو اور امید ہوتی ہے اور اگر بالفرض کسی شخص کو اس کے مال میں اختیار دیا جائے تو اس کے قلب پر اولاد کی غمخواری باپ کی غم خواری پر غالب ہو گی اسی واسطے تمام لوگوں کا دستور عام ہے کہ اولاد کو باپ دادا پر مقدم سمجھتے ہیں اور قائم مقام ہونے کا احتمال بیٹے کے بھائیوں میں ہے اور جو ان کے مانند بمنزلہ قوت بازو کے ہیں اور اس کی قوم کے اور اس کے نسب اور مرتبہ کے ہیں' باقی رہی خدمت اور شفقت تو یہ دونوں قرابت قریبہ کے مظنات ہیں اور سب سے زیادہ ماں اور بیٹی اس کی مستحق ہے اور جو ان کے مانند ہے اور نسب کے عمود میں داخل ہیں اور بیٹی بھی فی الجملہ باپ کی قائم مقام ہوتی ہے اور اس کے بعد ہمشیرہ' اور اس کے بعد وہ ہے جس سے زوجیت کا علاقہ ہے' پھر ماں کی اولاد' اور عورتوں کے اندر حمایت اور قائم مقامی کے معنی نہیں پائے جاتے اس واسطے کہ عورتیں بسا اوقات غیر قوم میں نکاح کر لیتی ہیں اور اسی قوم میں داخل ہو جاتی ہیں' بار خدایا' مگر بیٹی اور بہن میں کسی قدر یہ معنی

پائے جاتے ہیں' لیکن عورتوں کے اندر محبت اور شفقت کے معنی کامل طور پر پائے جاتے ہیں اور اس کا مظنہ بہت قریب کی قرابت ہے' جیسے ماں اور بیٹی میں کامل طور پر پائے جاتے ہیں اور ان کے بعد بھائی اور چچا میں اور دوسرے معنی سب سے زیادہ باپ میں اور اس کے بعد بیٹے میں پھر عینی بھائی پھر اضافی بھائی میں پائے جاتے ہیں اور قرابت قریبہ کا مظنہ ہے نہ بعیدہ کا اسی وجہ سے جو چچا کے لیے حکم ہے پھوپھی کے لیے حکم نہیں ہے کیونکہ پھوپھی مصیبت کے وقت کام نہیں آسکتی جس طرح چچا کام آتا ہے اور پھوپھی قرابت میں ہمشیرہ کے برابر نہیں ہے۔

اور ازانجملہ یہ ہے کہ مرد اور عورت اگر ایک ہی درجہ کے ہوں تو ہمیشہ مرد کو عورت پر ترجیح دی جاتی ہے' کیونکہ عزت کی حمایت کے لیے مرد ہی مخصوص ہیں اور وجہ بھی ہے کہ مردوں پر نفقے بہت ہوتے ہیں پس یہ زیادہ تر مستحق ہیں کہ ان کو وہ مال جو بمنزلہ مفت کے ہے دیا جائے بخلاف عورتوں کے کہ یہ اپنے خاوندوں یا باپوں یا بھائیوں پر بار و بوجھ ہوتی ہیں' اللہ پاک فرماتا ہے: **اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَا اَنْفَقُوْا**. کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں بہ سبب اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض آدمیوں کو بعض پر بزرگی دی ہے اور اس وجہ سے کہ انہوں نے خرچ کیا ہے' اور ابن مسعودؓ ثلث باقی کے مسئلہ کے اندر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ماں کے لیے باپ پر فضیلت ہونے کا سبب بجز اس کے کوئی اور نہ سوجھایا ہے کہ جب ایک مرتبہ باعتبار عصوبہ اور فرض کے جمع ہونے کے باپ کی فضیلت کا اعتبار کیا گیا ہے تو دوبارہ اس کا حصہ زیادہ کرنے کے لیے اس کی فضیلت کا اعتبار نہیں کیا گیا' کیونکہ اس میں اور وارثوں کی حق تلفی ہے' اور ماں کی اولاد میں سے ذکور کو اس شخص کی عزت کی حمایت اور اس کی طرف سے محافظت نہیں ہوتی' کیونکہ یہ اولاد دوسری قوم کی ہوتی ہے لہٰذا ذکر کو انثیٰ پر فضیلت نہیں دی گئی اور دوسرے ان کی قرابت ماں کی قرابت سے پیدا ہوتی ہے اس لیے وہ سب اولاد بمنزلہ اناث کے ہے اور ازانجملہ یہ ہے کہ جب وارثوں کی ایک جماعت پائی جائے تو اگر وہ سب وارث ایک مرتبہ کے ہیں تب تو اس ورثہ کی تقسیم ان پر ضروری ہے کیونکہ ایک کو دوسرے پر تقدم نہیں ہے اور اگر ان کے درجے مختلف ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ سب ایک نام و ایک جہت میں داخل ہیں' اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ قریب بعید کا حاجب ہو کر اس کو محروم کر دیتا ہے' کیونکہ توارث معاونت پر رغبت دلانے کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور قرابت اور تعاون سب میں پایا جاتا ہے' مثلاً شفقت و محبت ان سب میں پائی جاتی ہے جن کو ماں کا نام شامل ہے' اور جس کو بیٹے کا نام شامل ہے اس میں قائم مقامی کی اور جس کا نام عصبہ ہے اس میں حمایت کے معنی پائے جاتے ہیں اور یہ مصلحت اس وقت متحقق ہو سکتی ہے جبکہ وہ شخص متعین ہو جائے اور جو ان باتوں پر اپنے نفس کو مجبور کرے اور اس کے ترک سے اس پر ملامت کی جائے اور سب لوگوں میں وہ شخص مال کے ملنے کے ساتھ متمیز نہ ہو اور حصوں کی کمی بیشی ایسی چیز نہیں جس کا زیادہ تر خیال کیا جائے یا ان کے وجوہات مختلف ہوں' اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص مظانِ غالبہ کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک زیادہ تر قریب اور کام آنے والا ہے بعید کے لیے حاجب ہو کر اس کے حصہ کو کم کر دیتا ہے' اور ازانجملہ یہ ہے کہ سہام جن سے حصوں کی تعیین ہوتی ہے ان کے اجزاء ظاہر ہوں کہ محاسب و غیر محاسب ظاہر میں ان کی تمیز کر سکیں' اور آنحضرت ﷺ نے اپنے اس قول میں **انا امت امیة لانکتب ولا نحسب**. ہم امی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں' اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس چیز سے تمام مکلفین کو خطاب کیا جائے اس میں یہ بات ضروری

ہے کہ ایک تو حساب کرنے میں تعمق کرنے کی حاجت نہ ہو اور دوسرے ظاہر نظر میں کمی وبیشی کی ترتیب اس میں معلوم ہو جائے' لہٰذا شرع نے سہامات میں سے دو قسم کے سہام اختیار کیے ہیں ایک تو ثلثین' اور ثلث اور سدس' اور دوسرے نصف' ربع' ثمن' کیونکہ ان دونوں کا مخرج اصلی اولا اعداد ہیں اور ان میں تین مرتبہ پائے جاتے ہیں' جن میں سے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ وہ نسبت ہے جو ایک شے کو اپنے اوپر دو چند کے ساتھ اور اپنے نیچے نصف کے ساتھ ہوتی ہے' کمی وبیشی کے ظاہر اور محسوس ہونے کا یہ ادنیٰ درجہ ہے پھر جب ایک زیادتی کا دوسری زیادتی کے ساتھ اعتبار کیا جائے تو اور نسبتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو باب توریث میں ضروری ہیں' مثلاً اگر نصف پر کچھ بڑھایا جائے اور کل سے کم رہے تو دو ثلث ہو گئے اور نصف سے جب کم کیا جائے اور ربع سے کم رہے تو ثلث ہو گیا اور خمس اور سبع کا اعتبار نہیں کیا گیا اس واسطے کہ ان کے مخرج کی تخریج میں دقت ہے اور اس میں گھٹاؤ بڑھاؤ کرنے میں تعمق فی الحساب کی ضرورت ہے' اللہ پاک فرماتا ہے **يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ** سکھاتا ہے تم کو اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد میں مرد کے لیے برابر حصہ دو عورتوں کے ہے' پھر اگر عورتیں دو سے زیادہ ہیں پس ان کو میت کے ترکہ کا دو ثلث ہے اور اگر ایک ہے تو اس کے لیے نصف' میں کہتا ہوں مرد کا حصہ عورت سے دو چند ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ** . اور اکیلی بیٹی کے لیے نصف ترکہ' کیونکہ اگر اکیلا بیٹا ہوتا ہے تو اس کو سارا مال ملتا ہے پس اس حساب سے اکیلی بیٹی نصف کی مستحق ہے اور دو بیٹیوں کا حکم بالاجماع تین کا ہے اور دو ثلث ان کو اس واسطے ملتے ہیں کہ اگر بیٹی کے ساتھ بیٹا ہو تو اس بیٹی کو ثلث ملتا ہے اس لیے دوسری بیٹی کا بطریق اولیٰ ثلث سے کم نہ ہونا چاہیے اور عصبہ کے لیے ثلث اس لیے زیادہ کیا گیا کہ بیٹوں سے بھی معاونت ہوتی ہے اور عصبات سے بھی ہوتی ہے پس ایک دوسرے کو ساقط نہ کرے گا' لیکن حکمت کا مقتضیٰ ہے کہ جو شخص نسب کے عمود میں داخل ہے اس کو ان لوگوں پر جو عمود کے ادھر اُدھر ہیں فضیلت دی جائے اور وہ ثلث میں سے دو ثلث کی نسبت ہے' اور ایسا ہی والدین کا بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ حال ہے' اور اللہ پاک فرماتا ہے **وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ** . اور اس کے ماں باپ کے لیے دونوں میں سے ہر ایک کو اس کے ترکہ میں سے سدس ہے اگر اس کے اولاد ہو پس اگر اس کے اولاد نہیں ہے اور اس کے ماں باپ اس کے وارث ہوتے ہیں تو اس کی ماں کو ثلث ہے' پھر اگر اس کے بھائی ہیں تو اس کی ماں کو سدس ہے' میں کہتا ہوں تم کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ بہ نسبت والدین کے اولاد وراثہ کی زیادہ تر مستحق ہوتے ہیں اور اس کی صورت یہ ہے' اولاد کو دو ثلث اور والدین کو ثلث دیا جائے اور باپ کا حصہ ماں کے حصہ سے اس لیے زیادہ مقرر نہیں کیا گیا کہ بیٹے کے قائم مقام ہونے اور اس کی معاونت کے اعتبار سے عصبہ کے ساتھ باپ کی فضیلت کا ایک مرتبہ اعتبار ہو چکا ہے اس لیے بعینہٖ اس فضیلت کا فی تصنیف میں اعتبار نہ کریں گے اور جس صورت میں بیٹے کے اولاد نہ ہو تو والدین سے زیادہ کوئی حقدار نہیں لہٰذا سب ترکہ انہی کو ملے گا اور باپ کو ماں پر فضیلت ہوگی' اس بات کو تم معلوم کر چکے کہ ان مسائل کے اندر اکثر جس فضیلت کا اعتبار کیا جاتا ہے وہ فضیلت ہے' پھر اگر ماں اور بھائی وارث ہوں اور بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا' کیونکہ اگر بھائی عصبہ نہیں ہے اور عصبیات اس سے

بعید ہیں تو عصبیت وشفقت ومحبت برابر ہے نصف ان کو اور نصف ان کو ملے گا اور وہ نصف ماں اور اس کی اولاد پر تقسیم کیا جائے گا اس حساب سے ماں کو بلاشک چھٹا حصہ دلایا جائے گا' اور اس سے کم نہ ہوگا' اور باقی ان سب کو دلایا جائے گا اور اگر بھائی عصبیات ہیں تو ان میں قرابت قریبہ وحمایت دونوں پائی جاتی ہیں اور بسا اوقات ان کے ساتھ اور وارث بھی ہوتے ہیں مثلاً بیٹی اور بیٹے اور خاوند پھر اگر ماں کو سدس نہ دلایا جائے تو ان کو تنگی ودقت ہو اور اللہ پاک فرماتا ہے **وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ** .اور تم کو اور تمہاری بیویوں کے ترکہ کا نصف ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو' پس اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے تم کو ربع ہے' بعد وصیت کے' جس چیز کی انہوں نے کی ہو یا دین کے اور بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے اگر تمہاری اولاد نہیں ہے تو ربع ہے پھر اگر تمہارے اولاد ہے تو ان کو تمہارے ترکہ میں سے ثمن ہے بعد اس چیز کے وصیت کے جو تم نے کی ہے یا قرض کے 'میں کہتا ہوں خاوند کو ورثہ اس لیے ملتا ہے کہ اس کو بیوی اور اس کے مال پر قبضہ ہوتا ہے پس بالکل مال کے اس کے قبضہ سے نکالنے میں اس کی ضرر رسانی ہے' اور دوسرے یہ کہ خاوند اپنا مال اس کی سپرد میں رکھتا ہے اور اپنے مال میں اس کو امین سمجھتا ہے' اسی خیال سے کہ بیوی کے مال میں اس کا بڑا حق ہے اور بیوی خاوند سے خدمت اور ہمدردی اور حق محبت کا لیتی ہے لہٰذا خاوند کو بیوی پر فضیلت ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ** .پھر اس بات کا بھی اعتبار کیا گیا ہے کہ خاوند بیوی کو زیادہ حصہ لینے سے اولاد پر تنگی نہ ہو اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ اکثر مسائل میں جس فضیلت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ فضیلت تضعیف ہے' اللہ پاک فرماتا ہے: **وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ** .اگر وہ شخص جس کا ورثہ تقسیم ہوتا ہے کلالہ ہو اور اس مرد کے بھائی یا بہن ہو پس ان دونوں میں سے ہر ایک کو سدس ہے اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ثلث میں شریک ہوں گے' میں کہتا ہوں کہ یہ آیت ماں کی اولاد میں وارد ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے اور چونکہ اس شخص کے نہ باپ ہے نہ اولاد ہے اس لیے شفقت کے لحاظ سے اگر ان میں ماں ہے تو ان کو نصف اور نصف معاونت اور حمایت کے اعتبار سے اور اگر ماں نہیں ہے تو دو ثلث ان کا ہے اور ایک ثلث ان کا ہے' اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿**يَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ**﴾ تجھ سے مسئلہ دریافت کرتے ہیں کہہ دے اللہ تعالیٰ تم کو بیان کرتا ہے اگر کوئی مرد مر جائے جس کے کچھ اولاد نہ ہو اور اس کی ہمشیرہ ہو تو اس کی ہمشیرہ کو اس مرد کے ترکہ کا نصف ہے اور وہ مرد اس کا وارث ہوگا اگر اس کے اولاد نہیں ہے پھر اگر دو ہمشیر ہوں تو ان دونوں کو اس کے ترکہ میں سے دو ثلث ہے اور اگر اس کے بھائی و بہنیں ہوں تو مرد کو عورت سے دو چند ہے' میں کہتا ہوں کہ یہ آیت بالا جماع باپ کی اولاد میں وارد ہے خواہ وہ بنی اعیان ہوں یا بنی علات ہوں اور کلالہ اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے نہ باپ ہو نہ اولاد' اور اللہ پاک کا یہ قول لیس لہ ولد' کلالہ کی بعض

حقیقت کو ظاہر کرتا ہے الحاصل جس شخص کے کوئی ایسا وارث ہو کہ نسب کے نمود میں داخل ہو تو وہ لوگ جو اولاد کے بعد سب سے زیادہ قریب اور اولاد کے مشابہ ہیں' اولاد ہی پر محمول ہوں اور وہ برادر اور ہمشیر ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **الحقوا الفرائض باهلها فما بقی فهو لاولی رجل ذکر** تمام حصہ ان کے حقداروں کو دے دو' پھر جو باقی رہے تو وہ اس مرد ذکر کا ہے جو سب سے زیادہ قریب ہے۔ میں کہتا ہوں یہ بات معلوم ہو چکی کہ توارث کے اندر دو باتوں کا لحاظ کیا گیا ہے جن کو ہم بیان کر چکے اور محبت و شفقت کا صرف اس قرابت میں لحاظ کیا گیا جو بہت قریب ہے جیسے ماں و بھائی نہ ان کے سوا میں' پس جب ان سے بچ رہے تو وارث میت کے قائم مقام ہونے اور اس کے معاونت کرنے کے اعتبار سے معین ہوگا اور میت کے قوم اور اس کے نسب اور اس کے درجہ کے لوگ ہیں: **الا قرب فالاقرب** ۔اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لایرث المسلم الکافر والا الکافر ولا الکافر المسلم** ۔نہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے نہ کافر مسلمان کا' میں کہتا ہوں کہ یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے تا کہ کافر و مسلمان میں ہمدردی نہ ہونے پائے' کیونکہ مسلمان کا کافر سے اختلاط رکھنا باعث اس کے دین کے فساد کا ہوگا' چنانچہ اللہ پاک نکاح کے حکم میں فرماتا ہے: **أُولَئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ** ۔وہ جہنم کی طرف بلاتے ہیں' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **القاتل لایرث** ۔قاتل کو ورثہ نہیں پہنچتا' میں کہتا ہوں یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ بسا اوقات وارث مال لینے کی خاطر اپنے مورث کو مار ڈالتا ہے' خاص کر چچازاد بھائی وغیرہ اس وقت میں اس طریقہ کا ان میں مقرر کرنا ضروری ہوا کہ اس فعل کے مرتکب ہونے والے نے جس چیز کا ارادہ کیا ہے وہ نا امید کیا جائے تا کہ یہ مفسدہ رفع ہو' اور یہ بھی طریقہ متوارث چلا آتا ہے کہ نہ غلام کو کسی کا ورثہ ملتا ہے نہ اور کسی کو غلام کا ورثہ ملتا ہے کیونکہ غلام کا مال مولا کا مال ہوتا ہے اور مولیٰ اجنبی شخص ہوتا ہے' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ان اعیان بنی الام یتوارثون دون بنی علات** ۔البتہ ماں کی اولاد میں سے بنی اعیان میں توریث جاری ہوتی ہے بنی علات میں نہیں ہوتی' میں کہتا ہوں اس کا سبب ہم بیان کر چکے ہیں کہ میت کی قائم مقامی کا مبنیٰ خصوصیت پر ہے اور قریب بعید کا حاجب ہو کر اس کو محروم کر دیتا ہے اور خاوند و ماں باپ اور بیوی اور ماں باپ کی صورت میں اس بات پر صحابہ ﷺ کا اجماع ہے کہ ماں کو باقی کا ثلث ملتا ہے اور حضرت ابن مسعودؓ نے بخوبی بیان کر دیا ہے اور فرمایا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ایک فیصلہ:

ما کان اللہ لیرینی ان افضل اما علی اب ۔اور آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ایک بیٹی ایک پوتی اور ایک اُخت عینی کی صورت میں بایں طور حکم دیا کہ بیٹی کو نصف اور پوتی کو سدس اور ہمشیر کو باقی' میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ بعید قریب کا اس کے حصہ میں مزاحم نہیں ہوتا اور جو باقی رہے تو بعید اس کا حقدار ہوتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ نے اس صنف کے لیے جو مقرر کیا ہے اس کا استیفا کر لے' پس بیٹی کو پورا نصف ملے گا اور بیٹی پوتی کے حکم میں ہے پس حقیقی بیٹی کے مزاحم نہ ہوگی اور بیٹیوں کے حصہ سے باقی اس کو مل جائے گا پھر ہمشیر عصبہ ہوئی اس لیے کہ اس میں بیٹی کے قائم مقام ہونے کے معنی پائے جاتے ہیں اور وہ مورث کے درجہ کی ہے' اور حضرت عمر ﷺ نے ایک خاوند اور ایک ماں اور حقیقی بھائیوں اور اخیافی بھائیوں کے باب میں فرمایا کہ باپ نے ان کی ابت کو ہی بڑھایا ہے' حضرت ابن مسعودؓ اور زید اور شریح وغیرہ نے اسی حکم کو قبول کیا اور قوانین شرعی کے ساتھ یہ حکم زیادہ تر مناسب

ہے اور دادی کے لیے سدس کا حکم دیا کیونکہ ماں کے نہ ہونے کی صورت میں دادی ماں کے قائم مقام ہے' حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان اور ابن عباس رضی اللہ عنہم دادا کو باپ کا حکم دیتے تھے اور میرے نزدیک یہ قول سب سے بہتر ہے اور ولاء میں یہ راز ہے کہ اس میں معاونت وعزت کی محافظت پائی جاتی ہے پس مولا نعمت اس کا زیادہ تر مستحق ہے بعد ازاں اس کی قوم کے مرد درجہ بدرجہ۔ واللہ اعلم

تدبیر منزل کے ابواب کا بیان

معلوم کرو کہ فن تدبیر منزل کے اصول تمام عرب وعجم کے نزدیک مسلم ہیں البتہ ان کی صورتوں میں اختلاف ہے اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں پیدا کیے گئے اور حکمت الٰہیہ کا مقتضاء ہوا کہ تمام دنیا میں بایں طور کلمۃ اللہ کا اعلان ہو کہ عرب کا دین تمام ادیان پر غالب کیا جائے اور تمام دنیا کے عادات عرب کے عادات سے منسوخ کیے جائیں اور تمام دنیا کے لوگوں کی ریاست ان کی ریاست سے منسوخ کی جائے لہٰذا یہ بات ضروری ہوئی کہ بجز عرب کی عادات کے تدبیر منزل کسی صورت نہیں ہوسکتی اور نیز خود ان صور واشباہ کا اعتبار ضروری ہوا۔ اور ہم اکثر ضروری باتیں مقدمہ باب میں ارتفاقات وغیرہ کے اندر بیان کر چکے ہیں' وہاں دیکھنا چاہیے۔

نکاح کے متعلق گفتگو اور اس کے متعلقات کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **یامعشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیزوج فانہ اغض للبصر واحصن حصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء**۔ اے گروہ جوانوں کے جو شخص تم میں نکاح کی طاقت رکھے تو اس کو نکاح کرنا چاہیے کیونکہ نکاح کرنے میں نگاہ پست رہتی ہے' اور شرمگاہ محفوظ رہتی ہے اور جو کوئی اس کی طاقت نہ رکھے تو اس کو روزہ رکھنا چاہیے اس لیے کہ روزہ خصی کر دیتا ہے' معلوم کرو کہ بدن کے اندر جب کثرت سے منی پیدا ہوتی ہے تو اس کے انجرہ دماغ کی طرف چڑھتے ہیں تو اس کا دل کسی خوبصورت عورت کے دیکھنے کو چاہتا ہے اور اس کی محبت اس کے قلب پر غالب ہو جاتی ہے اور اس منی کا ایک حصہ پیشاب گاہ کی طرف اترتا ہے جس سے انتشار پیدا ہوتا ہے اور شدت سے خواہش ہوتی ہے اور اکثر یہ بات جوانی کے زمانہ میں ہوتی ہے اور حجابات طبع میں سے یہ ایک بہت بڑا حجاب ہے جو اس کو احسان کی صفت میں غور کرنے سے مانع ہو جاتا ہے اور زنا کی طرف اس کو رغبت دلا کر اس شخص کی عادت بگاڑ دیتا ہے اور باہمی فساد سے بڑی بڑی ہلاکتوں میں وہ شخص پڑ جاتا ہے لہٰذا اس حجاب کا دور کرنا ضروری ہوا پس جو شخص جماع کی استطاعت رکھتا ہو اور اس پر قادر ہو بایں طور کہ مقتضائے حکمت کے موافق کوئی عورت اس کو میسر آئے اور اس کا خرچ اٹھا سکے تو اس شخص کے لیے نکاح سے بہتر کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ نکاح کرنے سے نگاہ پست رہتی ہے اور آدمی کی شرمگاہ محفوظ رہتی ہے' کیونکہ اس کے سبب سے منی کثرت سے خارج ہوتی رہتی ہے اور جس شخص میں اس کی استطاعت نہ ہو تو اس کو روزہ رکھنا چاہیے کیونکہ روزہ رکھنے کو ہیجان طبعی کے فرو کرنے اور اس کے جوش کم کرنے میں بہت دخل ہے اس لیے کہ اس میں منی کے مادہ کا کم کرنا ہے پس تمام اخلاق فاسدہ جو کثرت اختلاط سے پیدا ہوتے ہیں وہ روزہ

کے سبب سے بدل جاتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کو تبتل سے منع فرمایا اور فرمایا آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے خوف کرتا ہوں، مگر میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، پھر جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔

معلوم کرو کہ نصاریٰ میں سے مانویہ اور مترسبہ ترکِ نکاح کو قربتِ الٰہی کا سبب سمجھتے تھے اور یہ ان کا خیال غلط تھا اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ جس کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے پسند فرمایا ہے وہ صرف اصلاح طبیعت اور اس کی کجی کا دور کرنا ہے تمام فواحش سے اس کا جدا کرنا مقصود نہیں ہے اور ہم پورے طور پر اس کا بیان کر چکے ہیں پھر ایسی عورت کی طرف رہبری ضرور ہے جس کا نکاح حکمتِ شرعی کے موافق ہو اور تدبیر منزل کے مقاصد پورے طور پر اس سے حاصل ہو سکیں اس لیے کہ خاوند و بیوی کی صحبت لازمی ہے اور جانبین سے حوائج ضروری ہوتے ہیں پس اگر عورت بدطینت ہے اور اس کی سرشت و عادت میں سختی اور اس کی زبان میں لغویت داخل ہے تو اس شخص پر باوجود فراخ ہونے کے دنیا تنگ ہو جائے گی اور وہ مصلحت فساد کی طرف منقلب ہو جائے گی اور اگر صالحہ ہے تو اس کی وجہ سے کامل طور پر گھر کی اصلاح ہو سکتی ہے اور ہر طرف سے اس شخص کے لیے اسباب خیر مہیا ہو جائیں گے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الدنیا متاع و خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ** دنیا ایک پونجی ہے اور دنیا کی بہتر پونجی صالحہ بیوی ہے اور آپ نے فرمایا ہے **تنکح المرأۃ لاربع لما لھا ولحسبھا ولجما لھا ولدینھا فاظفر بذات الدین تربت یداک** چار باتوں کے سبب سے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال کے سبب سے اس کے حسب کی وجہ سے اور خوبصورتی کی وجہ سے اور دین کے سبب سے پس دیندار پر ظفریاب ہو خاک میں مل جائیں تیرے دونوں ہاتھ، معلوم کرو کہ بیوی کے پسند کرنے میں لوگ جن مقاصد کا قصد کرتے ہیں وہ غالباً چار باتیں ہیں ایک تو اس کے مال کی وجہ سے کہ اس شخص کو اس کے مال کی طرف رغبت ہوتی ہے اور اس کو امید ہوتی ہے کہ مال کے ساتھ وہ عورت اس کی غم خواری کرے گی اور اس کی اولاد ماں کے مالدار ہونے کی وجہ سے غنی ہو جائے گی کیونکہ ماں کے ترکہ میں ان کو یہ مال ملے گا، اور ایک عورت کے حسب کی وجہ سے یعنی اس عورت کے باپ دادا خاندانی ہوتے ہیں تو اس کے ساتھ نکاح کرنے میں وہ اپنی عزت سمجھتا ہے کیونکہ عزت داروں میں نکاح کرنا شرف و عزت کا سبب ہوتا ہے اور ایک خوبصورتی کی وجہ سے کیونکہ طبیعت بشری کو جمال کی طرف رغبت ہوتی ہے اور بہت سے لوگ طبیعت کے مغلوب ہوتے ہیں، اور ایک اس کے دین کے سبب سے یعنی وہ عورت صاحب عفت اور صاحب ایمان ہوتی ہے اور اللہ کے نزدیک وہ مقرب ہوتی ہے مال و عزت تو ایسی چیزیں ہیں کہ جن لوگوں پر رسم دنیا کا حجاب غالب ہے وہ ان کا قصد کرتے ہیں اور جمال و شباب وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن پر حجاب طبعی کا غلبہ ہے ان کو یہ مقصود ہوتی ہیں، اور دین اس شخص کا مقصود ہوتا ہے جو فطرت کے اعتبار سے مہذب ہو گیا ہے اور اس بات کو چاہتا ہے کہ دین میں اس کی بیوی اس کی معاونت کرے اور اہل خیر کے ساتھ صحبت کی اس کو رغبت ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **خیر نساء رکبن الابل نساء قریش احناہ علی ولد فی صغرہ وارعاہ علی زوج فی ذات یدہ** جتنی عورتیں اونٹوں پر سوار ہوتی ہیں ان میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں۔ سب آدمیوں سے زیادہ ان کو اپنے بچے کے ساتھ اس کے بچپن میں محبت ہوتی ہے اور سب سے زیادہ اپنے خاوند کے مال کی حفاظت کرتی

ہیں' میں کہتا ہوں یہ بات پسندیدہ ہے کہ بیوی اس قبیلہ و خاندان کی ہو جس کی عورتیں خوش اخلاق ہوتی ہیں' کیونکہ سونے و چاندی کی کانوں کی طرح آدمیوں کی بھی کانیں ہیں اور انسان پر اس کی قوم کی رسوم و عادات اس قدر غالب ہوتی ہیں کہ گویا اس کی سرشت میں داخل ہیں' اور آنحضرت ﷺ نے اس بات کا بیان فرمادیا کہ سب عورتوں سے بہتر قریش کی عورتیں ہوتی ہیں اس لیے کہ سب سے زیادہ اپنی چھوٹی چھوٹی اولاد سے ان کو شفقت ہوتی ہے اور اپنے خاوند کے مال و غلام وغیرہ کی حفاظت سب سے زیادہ کرتی ہیں' اور نکاح کے جو مقاصد ہوتے ہیں ان سب میں یہ دو بڑے بڑے مقصد ہیں اور انہیں سے تدبیر منزل کا انتظام ہوتا ہے اور اگر تم آج کل ہمارے ملک اور ماوراء النہر وغیرہ کی تفتیش کرو گے تو عاداتِ صالحہ میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور مستقل ان باتوں میں قریش کی بیویوں کو دیکھو گے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **تزوجوا الولود الودود فانی مکاثر بکم الامم** . کہ نکاح کرو تم ایسی عورتوں سے جو زیادہ جننے والی اور زیادہ محبت کرنے والی ہوں کیونکہ میں امتوں سے تمہارے ساتھ کثرت میں مقابلہ کرنے والا ہوں' میں کہتا ہوں کہ خاوند بیوی کی باہم محبت کی وجہ سے مصلحت خانگی پورے طور سے قائم رہے گی اور بسبب کثرت اولاد کے مصلحت مدنیہ و ملیہ کی خوب تکمیل و تتمیم ہوگی (تتمیم بروزن تسلیم' تمام کرنا) اور عورت کو خاوند کے ساتھ محبت کا ہونا اس کے صحت مزاج اور قوت طبیعت کی دلیل اور غیروں کی طرف نظر کرنے سے مانع اور کنگھی وغیرہ سے سنگھار کرنے کے باعث ہے اور اس میں خاوند کی شرمگاہ اور اس کی نظر کی حفاظت ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اذا اخطب الیکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ ان لاتفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض** . جب کوئی شخص تمہارے پاس پیام نکاح کا لائے جس کی دینداری و عادت سے تم راضی ہو اس کے ساتھ تم نکاح کر دو اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پیدا ہوگا' میں کہتا ہوں اس حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ نکاح کے اندر کفویت کا اعتبار نہیں ہے اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ ہر قسم کے لوگوں کی سرشت میں کفویت کا اعتبار ہے' اور کبھی تو کفویت کا نقصان قتل سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور لوگوں کے مرتبے مختلف ہیں اور شریعت ایسی باتوں کو مہمل نہیں چھوڑتی' اسی لیے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں عورتوں کو بجز ان کے کفو کے لوگوں کے سب سے ممانعت کروں گا بلکہ آنحضرت ﷺ کی مراد یہ ہے کہ جب اُس شخص کے دین و عادت پسندیدہ ہوں تو اس کے بعد حقیر چیزوں پر مثل قلتِ مال و تنگی حال اور بدصورتی یا ام ولد کے اولاد وغیرہ ہونے پر نظر نہ چاہیے' کیونکہ تدبیر منزل کا مقصود اعظم خوش اخلاقی کے ساتھ صحبت میں رہنا اور اس کے سبب سے دین کی اصلاح کا ہونا' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الشوم فی المرأۃ والدار و الفرس** . نحوست عورت اور گھوڑے اور گھر میں ہوتی ہے' میں کہتا ہوں اس حدیث کی صحیح تفسیر جس کو حدیث کا مورد چاہتا ہے کہ ان چیزوں میں کوئی سبب اکثر سے پوشیدہ پایا جائے جس کی وجہ سے عورت برکت سے برطرف اور شوم ہوا کرتی ہے۔

اور مستحب ہے مرد کو یہ بات کہ خوش کرے اپنے نفس کو ساتھ ترک کرنے نکاح کے اس عورت کے ساتھ جس کی نحوست پر کوئی تجربہ پایا جائے اگرچہ وہ خوبصورت ہو اگرچہ وہ صاحب مال ہو اور حکمت کا مقتضی ہے کہ باکرہ کو اختیار کرے بشرطیکہ وہ عاقلہ بالغہ ہو کیونکہ اس کے اندر داؤ دفریب کے معنی کم ہوتے ہیں اس لیے وہ ادنیٰ وجہ سے راضی ہو جاتی ہے اور بسبب قوی ہونے اس کی جوانی کے سریع تر ہے حمل کے لیے اور ادب کی صلاحیت بھی اقرب ہے جیسے کہ حکمت کا مقتضی ہے اور نیز اپنی شرمگاہ کو اور نظر کو محفوظ رکھے گی۔

بخلاف ثیبات کے (ثیبہ بیوہ عورت کو کہتے ہیں) کہ وہ داؤ فریب سے خوب آگاہ ہوتی ہیں اور بداخلاق وقلیل اولاد ہوتی ہیں اور وہ مثل الواح منقوشہ کے ہوتی ہیں کوئی ادب ان میں اثر نہیں کرتا ہے' بار خدایا' مگر جبکہ اس شخص کو تدبیر خانگی مقصود ہو کیونکہ بغیر تجربہ کار عورت کے انتظام نہیں ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اذا اخطب احدکم المرأة فان استطاع ان ینظر الی مایدعوه الی نکاحها فلیفعل**. جب کوئی تم میں سے کسی عورت سے پیام نکاح کا دے پس اگر وہ شخص اس چیز کو جو اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی باعث ہو دیکھ سکے تو دیکھ لے اور فرمایا ہے **فانه احری ان یودم بینکما** . کیونکہ یہ بات تم دونوں میں الفت قائم رہنے کے لیے النسب ہے' اور آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا **هل رأیتها فان فی اعین الانصار شیئا** تو نے اس کو دیکھ بھی لیا ہے کہ انصار کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے' میں کہتا ہوں مخطوبہ کو دیکھ لینا اس واسطے مستحب کیا گیا ہے کہ دیکھ لینے کے بعد جو نکاح واقع ہوگا ہوشمندی کے ساتھ ہوگا' اور وہ ندامت جو بلا دیکھے بھالے نکاح کر لینے اور طبیعت کے موافق نہ ہونے اور پھر اس کے رد نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے' ایسے وقت میں پیش نہیں آتی' اور دیکھنے کے بعد اس کو رد کرنا آسان ہوتا ہے دوسرے ایسے وقت میں نکاح شوق اور نشاط کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کی طبیعت کے موافق ہوتا ہے' اور عقلمند آدمی جب تک کسی چیز کی برائی بھلائی پہلے معلوم نہ کر لے اس کا اقدام نہیں کرتا' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ان المرأة تقبل فی صورة الشیطان و تدبر فی صورة الشیطان اذا احدکم اعجبته المرأة فوقعت فی قلبه فلیعمد الی امرأته فلیواقعها فان ذالك یرد ما فی نفسه**. عورت شیطان ہی کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی ہی صورت میں پشت کرتی ہے' تم میں سے جب کسی کو کوئی عورت اچھی معلوم ہو اور اس کے دل میں وسوسہ پیدا ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنی بیوی کی طرف قصد کرے اور اس سے صحبت کرے اس لیے کہ اس سے اس کے دل کا وسوسہ جاتا رہتا ہے۔ معلوم کرو کہ شہوت فرج سب شہوتوں سے بڑھ کر ہے اور سب سے زیادہ قلب پر اس کا غلبہ ہوتا ہے اور یہ شہوت انسان کو بڑی بڑی ہلاکت میں ڈالتی ہے اور عورتوں کی طرف دیکھنے سے یہ شہوت پیدا ہوتی ہے' اہل حدیث سے یہی مراد ہے: **المرأة تقبل فی سورة الشیطان** ... الخ . پس جب کوئی شخص کسی عورت کو دیکھے اور اس کے قلب میں اس کا شوق اور بیقراری پیدا ہو تو حکمت کا مقتضی ہے کہ اس شوق کو علی حالہ نہ چھوڑا جائے' کیونکہ ایسی صورت میں وہ شوق آہستہ آہستہ زیادہ ہو ہو کر اس کے قلب پر غالب آ جائے گا اور قلب کے اندر اس کا تصرف جاری ہو جائے گا اور ہر چیز کی ایک مدد ہوتی ہے. جس سے وہ چیز قوی ہو جاتی ہے اور ایک تدبیر ایسی ہوتی ہے جس سے وہ چیز کم ہو جاتی ہے پس عورتوں کی طرف رغبت کی مدد منی کے ظروف کا پر ہونا اور اس سے دماغ کی جانب بخارات کا صعود کرنا ہے اور اس کے کم کرنے کی تدبیر ان ظروف کا منی سے خالی کر دینا ہے اور نیز جب اس کا قلب جماع کرنے کی طرف مشغول ہوگا تو وہ وسوسہ اس کے دل سے نکل جائے گا اور جس چیز کی طرف اس کی توجہ تھی وہ توجہ اس کو نہ رہے گی' اور جب ایک چیز کے استحکام سے پہلے اس کا علاج کر لیا جاتا ہے تو ادنیٰ کوشش سے وہ چیز رفع ہو جاتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لا یخطب الرجل علی خطبة اخیه حتیٰ ینکح او یترك**. کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے جب تک وہ نکاح نہ کر لے یا ترک نہ کر دے' میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ جب ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کی گفتگو کی اور

عورت کو بھی اس کی طرف میلان ہو گیا تو اس شخص کا گھر آباد ہونے کی صورت ظاہر ہو گئی' پس اب اس شخص کی امید کو توڑنا اور جس چیز کے وہ درپے ہے اس سے اس کو ناامید کر دینا اس کے ساتھ بدخواہی اور ظلم کرنا اور اس کو تنگ کرنا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لاتسأل المرأة طلاق اختها لتستفرغ صحفتها ولتنكح فان لها ما قدر لها** کوئی عورت اپنی مسلمان بہن کی طلاق کی خواستگاری اس لیے نہ کرے تاکہ اس کے برتن کو خالی کر کے اپنا نکاح اس شخص سے کرے کیونکہ اس کو وہی ملے گا جو اس کی تقدیر میں ہے' میں کہتا ہوں اس میں یہ حکمت ہے کہ اس کی طلاق کا چاہنا اس کے ساتھ کاٹ کرنا اور اس کی روزی کے خراب کرنے کی کوشش کرنا ہے اور شہر کے فساد کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ایک دوسرے کے روزگار کی کاٹ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنی روزی اس طریقہ سے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آسان کیا ہے حاصل کرے اور دوسرے کی روزی کا ازالہ نہ چاہے۔

ستر کا بیان

معلوم کرو کہ جب عورتوں کو دیکھنے سے مردوں کے دل میں ان کا عشق اور فریفتگی پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح عورتوں کو مردوں کے دیکھنے سے مردوں کا عشق پیدا ہوتا ہے اور بسا اوقات یہ اس بات کا سبب ہو جاتا ہے کہ بغیر سنت راشدہ کے ان سے قضاء شہوت کیا جائے' مثلاً اس عورت کی طرف توجہ کرنا جو دوسرے کا ناموس ہے یا بلا نکاح کسی عورت سے توجہ کرنا یا بلا اعتبار کفو کے کسی کے ساتھ نکاح کرنا اور اس باب میں جو کچھ دیکھنے میں آتا ہے وہ اس بیان سے مستغنی ہے جو دفتروں میں مذکور ہے' پس حکمت کا مقتضی یہ ہوا کہ دروازہ بند کیا جائے اور چونکہ بنی آدم کی حاجات مختلف ہیں اور ان کو لامحالہ مخالطت کی ضرورت ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ حاجات کے اعتبار سے ممانعت نظر کے کئی درجے مقرر کیے جائیں' اس واسطے آنحضرت ﷺ نے کئی طریقے مسنون اور مشروع فرمائے' ایک تو یہ کہ عورت اپنے گھر سے بلا ایسی ضرورت کے جس کے بغیر چارہ نہ ہی نہ ہو' باہر نہ جائے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان** عورت شرم کی چیز ہے جب گھر سے باہر ہوتی ہے شیطان نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھتا ہے' میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ شیطان کا گروہ اس کو نظر اٹھا کر دیکھتا ہے' یا اس میں فتنہ کے اسباب مہیا کرنے سے کنایہ ہے اللہ پاک فرماتا ہے **وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ** اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چونکہ اسرار دین کا علم دیا گیا تھا اس لیے آپ کی تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پردہ کا حکم نازل ہو' حتیٰ کہ انہوں نے ایک مرتبہ حضرت سودہؓ کو آواز دی **یاسودة انك لا تخفين علينا** اے سودہ! آپ ہم سے چھپ نہیں سکتیں' لیکن آنحضرت ﷺ نے جب معلوم کیا کہ بالکل اس باب کے مسدود کرنے میں حرج عظیم ہے اس لیے آپ نے گھر میں بیٹھنا ان کے لیے مستحب کیا واجب نہیں کیا اور فرما دیا **اذن لكن ان تخرجن الى حوائجكن** تم کو اپنی حاجات کے لیے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی' دوسرے یہ کہ عورت اپنے اوپر پردہ ڈالے رہے اور بجز خاوند یا ذی رحم محرم کے کسی کے سامنے مواضع زینت کو نہ کھولے' اللہ پاک فرماتا ہے ﴿**قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذَالِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ اِلٰى قَوْلِهٖ تُفْلِحُوْنَ**﴾ ایمان والوں سے کہہ دے اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی

فرجوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے بے شک اللہ ان کے کاموں سے خبردار ہے'اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا سنگھار بجز ظاہری سنگھار کے کسی کے سامنے نہ کھولیں مگر اپنے خاوندوں کے لیے یا اپنے آباء کے لیے یا اپنے بیٹوں کے لیے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے لیے یا اپنے بھائیوں کے لیے'اخیر آیات تک' پس اللہ تعالیٰ نے ان اعضا کے کھولنے کی اجازت دی ہے جن سے شناخت ہو سکتی ہے یعنی منہ'اور اکثر جن اعضاء سے کام کاج ہوتا ہے اور وہ دونوں ہاتھ ہیں اور ان کے سوا سب اعضاء کا ستر واجب ہے مگر خاوند اور ذی رحم محرم اور اپنے غلاموں کے سوا'اور جو عورتیں گھر کی بیٹھنے والی ہیں نکاح کا قصد نہیں رکھتیں ان کو اس بات کی اجازت دی کہ اپنے کپڑے اتار رکھیں' تیسرے یہ کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے جب تک کوئی تیسرا وہاں ایسا موجود نہ ہو جن کا وہ دونوں لحاظ کرتے ہوں'اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الا لا یبیت رجل عند امرأة ثبت الا ان یکون ناکحا اوذارحم** آگاہ ہو جاؤ کہ کوئی مرد کسی خاوند رسیدہ عورت کے پاس شب باشی نہ کرے' بجز اس کے خاوند کے یا محرم کے'اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **لا یخلون رجل بامرأة فان الشیطان ثالثها** کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے کیونکہ تیسرا ان میں شیطان ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **لا تلجو علی المغیبات فان الشیطان یجری من ابن ادم مجری الدم** .جن عورتوں کے خاوند گھر میں نہیں ہیں ان کے پاس مت جاؤ اس لیے کہ شیطان انسان کے اندر خون کے مانند جاری رہتا ہے' چوتھے یہ کہ کوئی شخص عورت ہو یا مرد دوسرے شخص کے ستر کو نہ دیکھے' عام ہے کہ وہ مرد ہو یا عورت' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لاینظر الرجل الی عورة الرجل ولا امرأة الی عورت المرأة** .نہ مرد مرد کا ستر دیکھے نہ عورت عورت کا ستر دیکھے میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ ستر کے دیکھنے سے شہوت کو ہیجان ہوتا ہے اور عورتوں میں باہم معاشقہ ہو جاتا ہے اور اسی طرح مردوں میں اور ستر کے نہ دیکھنے میں لوگوں پر کچھ دقت بھی نہیں ہے اور نیز ستر عورت ان ارتفاقات کے اصول میں سے ہے جن کے بغیر چارہ نہیں ہے' پانچویں یہ ہے کہ ایک کپڑے میں کوئی کسی کے ساتھ نہ سوئے اور علیٰ ہذا القیاس ایک چارپائی پر بھی لوگ نہ سوئیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لا یفضی الرجل الی الرجل فی ثوب واحد و لا تفضی المرأة الی المرأة فی ثوب واحد** .نہ مرد' مرد کے پاس ایک کپڑے میں جا کر لیٹے اور نہ عورت عورت کے پاس اس طرح لیٹے'اور فرمایا ہے **لاتباشرا المرأة لتعتها لزوجها کانه ینظر الیها** .کہ کوئی عورت کسی عورت سے مل کر نہ بیٹھے تاکہ اپنے خاوند سے اس کا حال بیان کرے گویا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے' میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ عورتوں کا پاس پاس لیٹنا باہم شہوت کو ہیجان میں لاتا ہے جس سے ان میں سحاق اور لواطت کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ گویا اس کی طرف دیکھ رہا ہے' اس سے یہ مراد ہے کہ عورت عورت کے ساتھ مباشرت کرنے سے بسا اوقات ان میں محبت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر وہ اس لذت کا ذکر اپنے خاوند یا کسی قوم سے کہہ دیتی ہیں اس کے باعث سے ان لوگوں کو اس عورت کا اشتیاق ہو جائے گا اور سب سے بڑا مفسدہ یہ ہوتا ہے کہ جس عورت کا خاوند نہیں ہے اس کے کسی مرد کے سامنے اوصاف بیان کیے جائیں' آنحضرت ﷺ نے جو ہیت مخنث کو ازواج مطہرات کے مکانوں سے نکلوایا تھا اس کا یہی سبب تھا' اور جاننا چاہیے کہ ستر عورت یعنی وہ اعضا کہ جن کے کھولنے سے لوگوں میں عادات متوسطہ کے اعتبار سے عار آتی ہے'

جس طرح قریش کے اندر اس زمانہ میں تھا' ان ارتفاقات کے اصول میں سے ہے جن کو ان تمام لوگوں نے تسلیم کر لیا ہے جن کا نام بشر ہے اور اسی کے سبب سے انسان تمام حیوانات میں ممتاز ہے' پس اس لیے شارع نے ستر کو واجب کیا اور بول و براز کا مقام اور خصیتین اور عانہ زیر ناف اور جو اعضاء ان کے قریب ہیں یعنی زانو سے ان اعضا کا ستر ہونا دین کے روشن بدیہات میں سے ہے جس پر دلیل کی حاجت نہیں' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اذا زوج احدکم عبده امته فلا ینظر الیٰ عورتها وفی روایة فلا ینظر الیٰ مادون السرة و فوق الرکبة**. جب کوئی تم میں سے اپنے غلام کا اپنی چھوکری سے نکاح کر دے تو پھر اس کا ستر نہ دیکھے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ناف کے نیچے اور گھٹنے کے اوپر نہ دیکھے اور نیز آپ نے فرمایا ہے: **اما علمت ان الفخذ عورة**. کیا تو نہیں جانتا کہ ران ستر ہے' ان دونوں حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ دونوں رانیں ستر ہیں' اور اس مسئلہ میں احادیث متعارضہ آئی ہیں مگر اس قول میں احتیاط زیادہ تر ہے۔ اور قوانین شرعی سے بھی ملتا ہوا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ایاکم والشعری فان معکم من لایفارقکم الا عند الغائط وحین یفضی الرجل الیٰ اهله فاستحیوهم واکرموهم**. ننگے ہونے سے پرہیز کرو کیونکہ تمہارے ساتھ وہ فرشتہ ہے کہ نہیں مفارقت کرتا ہے تم سے مگر وقت پاخانے کے بلکہ اس وقت جب کوئی شخص اپنی بیوی سے صحبت کے لیے جاتا ہے پس ان سے حیا کرو اور ان کی تعظیم کرو' اور نیز فرمایا **الله احق ان یستحیٰ منه**. کہ اللہ پاک اس کا مستحق زیادہ ہے کہ اس سے حیا کی جائے' میں کہتا ہوں کہ برہنہ ہونا بغیر ایسی ضرورت کے جس کے بغیر چارہ نہ ہو منع ہے اگرچہ مکان خالی ہو' کیونکہ بسا اوقات انسان اس پر اقدام کرتا ہے اور اعمال کا اعتبار کرتا ان اخلاق کے ساتھ ہوا کرتا ہے جس سے وہ پیدا ہوتے ہیں' اور ستر کا منشا حیا اور نفس پر تحفظ و تقید کی کیفیت کا غالب کرنا اور بے حیائی کو ترک کر دینا اور اس کا عادی نہ ہونا ہے' اور جب شارع نے کسی شخص کو ایک چیز کا حکم دیا تو اس کا یہ مقتضیٰ ہوا کہ دوسرے کو اس بات کا حکم دیا جائے کہ اس حکم کے موافق اس شخص کے ساتھ معاملہ کرے' پس عورتوں کو ستر کا حکم دیا گیا تو ضروری ہوا کہ مردوں کو اس بات کا حکم دیا جائے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں' اور مردوں کا نفس جب ہی مہذب ہوا کرتا ہے جب وہ اپنی نگاہوں کو پست کریں اور اپنے نفس کو اس پر مجبور کریں' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **الاولیٰ لك و لیست لك الأخرة**. پہلی نگاہ تیرے لیے ہے اور دوسری تیرے لیے نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نکاح کا خیال بمنزلہ دوسری مرتبہ نظر کرنے کے ہے' اور ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے گھر میں ایک نابینا شخص حاضر ہوئے اور آپؑ نے حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ ؓ کو پردہ کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے عرض کیا کیا یہ نابینا نہیں ہے جو ہم کو نہیں دیکھتا تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم بھی نابینا ہو جو اس کو نہیں دیکھ سکتی ہو' میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ جس طرح مردوں کو عورتوں کی طرف رغبت ہوتی ہے ویسی ہی عورتوں کو مردوں کی طرف رغبت ہوتی ہے' آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزہرا ؓ سے فرمایا **انه لیس علیك باس انما هو ابوك وغلامك**. کہ البتہ تجھ کو کچھ مضائقہ نہیں کہ وہ تیرا باپ اور غلام ہے' میں کہتا ہوں کہ غلام کو محارم کا حکم اس لیے دیا گیا کہ اس کو اپنی سیدہ کی طرف رغبت نہیں ہوتی کیونکہ اس کی نظر میں وہ معزز ہوتی ہے اور نہ سیدہ کو غلام کی طرف رغبت ہو سکتی ہے کیونکہ وہ اس کی نگاہ میں حقیر ہوتا ہے اور مابین ان کے پردہ کا حکم دینے میں سخت دشواری ہے اور یہ سب صفات محارم کے اندر معتبر ہیں کیونکہ قرابت قریبہ محرمہ میں

رغبت کے کم ہونے کا باعث ہے اور ناامیدی طمع کے منقطع ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے اور مدت دراز تک یکجائی رہنا بھی قلت نشاط اور پردہ کے دشوار ہونے اور کم التفاتی کا سبب ہے' پس اس واسطے قدیمی سنت ہوگئی کہ محارم سے جو پردہ ہو اور قسم کا ہو' اور غیروں سے جو پردہ ہو وہ اور قسم کا ہو۔

نکاح کا بیان

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لانکاح الابولی** ۔ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا' معلوم کرو کہ خصوصاً نکاح میں عورتوں کو حکم کرنا روا نہیں ہے کیونکہ عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں اور ان کی فکر ناقص ہوتی ہے اس لیے بسا اوقات مصلحت کی طرف ان کو رہبری نہ ہو سکے گی' دوسرے غالباً وہ حسب کی حفاظت نہ کریں گی اور بسا اوقات غیر کفو کی طرف ان کو رغبت پیدا ہو سکتی ہے اور اس میں ان کی قوم کی عار ہے پس ضروری ہوا کہ ولی کو اس باب میں کچھ دخل دیا جائے تا کہ یہ مفسدہ بند ہو اور نیز ضرورت جبلی کے اعتبار سے لوگوں کا عام طریقہ ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہوتے ہیں اور تمام بندوبست انہیں کے متعلق ہوتا ہے اور تمام خرچ مردوں کے متعلق ہوا کرتے ہیں اور عورتیں ان کی مقید ہوتی ہیں' چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ** .الآیہ اور نیز نکاح کے اندر ولی کی شرط لگانے میں اولیاء کی عزت ہے' اور عورتوں کو اپنا نکاح خود بخود کرنے میں ان کی بے عزتی ہے جس کا مدار بے حیائی پر ہے اور اولیاء کی مخالفت اور ان کی بے قدری ہے اور نیز یہ بات واجبات سے ہے کہ نکاح کو زنا سے شہرت کے ساتھ امتیاز ہو اور شہرت کی بہتر صورت یہ ہے کہ عورت کے اولیاء نکاح میں موجود ہوں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لاتنکح الثیب حتی تستامر ولا البکر حتی تستاذن الخ و فی روایة البکر یستاذنها ابوها** .شوہر رسیدہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا امر نہ لیا جائے اور نہ باکرہ کا جب تک کہ اس سے اذن نہ لیا جائے اور اس کا اذن خاموشی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جب تک باپ اس سے اذن لے' میں کہتا ہوں یہ بھی روا ہے کہ صرف اولیاء کو نکاح کا اختیار دیا جائے کیونکہ اپنا نفع وضرر جو عورت جانتی ہے وہ اس سے ناواقف ہیں' اور وہ نفع ونقصان اس کی طرف عائد ہونے والا ہے اور استیمار صراحتاً اس کی زبان سے اجازت دینے کو کہتے ہیں اور استیذان اجازت طلب کرنے کو اور اس کے منع نہ کرنے کو کہتے ہیں اور ادنیٰ مرتبہ اس کا سکوت ہے اور حدیث شریف میں بالغہ باکرہ سے استیذان مراد ہے' نہ صغیرہ' کیونکہ ہنوز وہ ناسمجھ ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح بلا استیذان رسول اللہ ﷺ سے پڑھا ہے اور ان کی عمر اس وقت چھ برس کی تھی' اور آپ نے فرمایا ہے **ایما عبد یتزوج بغیر اذن سیده فهو عاهر** .جو غلام اپنے مولا کے بغیر اجازت نکاح کرے تو وہ زانی ہے' میں کہتا ہوں چونکہ غلام اپنے مولا کی خدمت میں مشغول رہا کرتا ہے اور نکاح اور اس کے فروعات یعنی اس کے ساتھ غمخواری کرنا اور اس کے پاس رہنا ایسی چیزیں ہیں کہ جن کی وجہ سے مولا کی خدمت گزاری میں نقصان آتا تھا اس لیے ضرور ہے کہ غلام کا نکاح اس کے مولا کی اجازت پر موقوف رکھا جائے اور چھوکری کا نکاح بطریق اولیٰ مولا کی اجازت پر موقوف ہونا چاہیے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ** .پس ان سے ان کے مولا کی اجازت سے نکاح کرلو' حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حاجت (یعنی نکاح وغیرہ کے) وقت یہ تشہد تعلیم فرمایا ہے **الحمدلله نحمده و نستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادى له واشهدان لا اله الا الله واشهدان محمدا عبده و رسوله** .اوراس کے بعد یہ تین آیتیں پڑھے: ﴿ **يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوااللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ وَاتَّقُوااللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا. يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوااللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا** .میں کہتا ہوں اہل جاہلیت قبل از نکاح خطبہ پڑھا کرتے تھے اور اس میں اپنی قوم کے فخر بیان کیا کرتے تھے اور اس کو ذکر مقصود کا وسیلہ کیا کرتے تھے اور اس کا اعلان چاہتے تھے اور اس رسم کے جاری ہونے میں مصلحت تھی اس واسطے کہ خطبہ کا مبنی اعلان اور ایک شے کے بمنزلہ سنی ہوئی اور دیکھی ہوئی کے گردانے پر ہے اور نکاح میں اعلان کرنے میں یہ حکمت ہے تا کہ نکاح اور زنا میں تمیز ہو جائے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خطبہ کا استعمال مہتم بالشان امور میں کیا جاتا ہے اور نکاح کا اہتمام اور اس کا ایک عظیم الشان امر گردانا اعظم مقاصد سے ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس کے اصل کو باقی رکھا اور اس کی صورت میں تغیر فرمادیا ہے بایں طور کہ ان کے ساتھ مصالح کے ساتھ مصلحتِ کلیہ کو شامل کردیا ہے اور اس طرح پر ہر ارتفاق کے ساتھ میں جو ذکر اس کے مناسب ہے ملایا جائے اور ہر جگہ پر شعار الٰہی کی عظمت کی جائے تا کہ دین حق کے نشانات پھیل جائیں اور اس کے شعائر وامارات[1] ظاہر ہو جائیں پس آنحضرت ﷺ نے اس میں کچھ اذکار مسنون فرمائے مثل حمد اور استعانت اور استغفار اور تعوذ اور توکل اور تشہد کے اور کچھ آیاتِ قرآنی اس میں شامل کیں اور اس مصلحت کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا **كل خطبة ليس فيها تشهد فهو كاليد الجذماء** .جس خطبہ میں تشہد نہ ہو وہ دست بریدہ کی مانند ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **فصل مابين الحلال والحرام الصوت والدف فى النكاح** .حلال وحرام میں یہی فرق ہے کہ نکاح میں آواز اور دف ہوتی ہے اور نیز آپؐ نے فرمایا ہے **اعلنوا هذا النكاح واجعلوه فى المساجد واضربوا عليه الدفوف**.اس نکاح کو اعلان کردیا کرو اور مساجد میں اس کو کیا کرو اور اس پر دفیں بجادیا کرو۔ میں کہتا ہوں کہ وہ لوگ نکاح میں دف اور آواز کا استعمال کیا کرتے تھے اور ان میں اس کی ایسی عادت جاری ہوگئی تھی' اس نکاح میں جس کو چار قسم کے نکاحوں میں سے آنحضرت ﷺ نے باقی رکھا ہے متروک ہونے کا احتمال نہ تھا' حضرت عائشہؓ نے ان چاروں قسم کا بیان کیا ہے اور اس میں ایک مصلحت یہ ہے کہ نکاح اور زنا دونوں قضاء شہوت اور مرد وعورت کی رضامندی میں متفق ہیں' لہٰذا ایک ایسی شے کا حکم دینا ضروری ہوا جس سے بادی الرائے میں وہ دونوں ایسے متمیز ہو جائیں کہ کسی کو اس میں کلام یا خفا باقی نہ رہے اور آنحضرت ﷺ نے کچھ دنوں کے لیے متعہ[2] کی اجازت دے دی تھی پھر اس سے ممانعت فرمادی' اور اولاً ضرورت کے سبب سے آپؐ نے اجازت دی تھی' چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے اس شخص کے باب میں جو ایک شہر میں آئے اور وہاں اس کی بیوی نہ ہو ذکر کیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان دونوں میں صرف جماع کے لیے اجرت نہ دیتے تھے بلکہ تدبیر خانہ کے متعلق منجملہ

---

[1] بفتح اول جمع امارت' معنی نشانات علامات [2] متعہ فائدہ ہے پیغمبر صاحبؐ نے اس کی کبھی اجازت نہیں دی۔

اور حوائج کے جماع بھی شامل ہوتا تھا' اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا اس لیے کہ صرف جماع کی اجرت دینا' طبیعت انسانی سے بالکل باہر ہو جانا اور بے حیائی ہے اس کو قلب سلیم بالکل پسند نہیں کرتا اور متعہ سے نہی کرنے کا سبب اکثر اوقات میں اس حاجت کا مرتفع ہو جانا ہوا اور نیز متعہ کی رسم کے جاری ہونے میں نسب کا اختلاط لازم آتا ہے کیونکہ اس مدت کے گزرتے ہی وہ عورت خاوند کے قبضہ سے باہر ہو جاتی ہے اور اس کو اپنے نفس کا اختیار ہو جاتا ہے' اب نہیں معلوم کہ وہ کیا کرے گی اور عدت کا انضباط نکاح صحیح میں بھی جس کی بنا دوام پر ہوتی ہے نہایت دشواری سے ہوتا ہے تو پھر متعہ کا ذکر ہی کیا ہے' دوسرے اس رسم کے جاری ہونے میں نکاح صحیح کا جو شرع میں معتبر ہے اہمال لازم آتا ہے کیونکہ اکثر نکاح کرنے والوں کی خواہش غالباً شہوت فرج کا پورا کرنا ہوتا ہے اور نیز منجملہ ان امور کے جن سے نکاح اور زنا میں امتیاز ہوتی ہے ہمیشہ کے لیے معاونت پر استقرار ہے' اگرچہ اصل اس میں لوگوں کے سامنے قطع منازعت ہوتا ہے اور نکاح بغیر مہر کے نہیں کرتے تھے اور اس کی چند باعث و مصلحتیں تھیں' از انجملہ یہ ہے کہ نکاح کا فائدہ بدون اس بات کے تمام نہیں ہوتا کہ ہر شخص معاونت دائمی پر اپنے نفس کو قائم رکھے اور عورت کی طرف سے اس کی صورت یہ ہے کہ اس کو اپنا اختیار نہ رہے اور یہ بات روا نہ تھی کہ مرد کا بھی اختیار اس سے نکال لیا جاتا ورنہ طلاق کا باب مسدود ہو جاتا اور مرد کے ہاتھ میں جس طرح عورت مقید ہے اسی طرح وہ عورت کا مقید ہو جاتا اور اصل بات یہ ہے کہ مرد عورت پر حاکم رہے اور یہ بات بھی ناممکن تھی کہ قاضی کو ان کا اختیار دیا جاتا کیونکہ قاضی کی طرف مقدمہ پیش کرنے میں لوگوں کو دقت ہوتی' اور جو ہر شخص اپنا نفع و نقصان جانتا ہے قاضی اس سے ناواقف ہے پھر یہ بات متعین ہوئی کہ مہر مقرر کیا جائے تاکہ خاوند کو اس نظم کے توڑنے میں مال کے نقصان کا خطرہ لگا رہے اور بلا ایسی ضرورت کے جس کے بغیر اس کو چارہ نہ ہو اس پر جرأت نہ کر سکے پس مہر کے مقرر کرنے میں ایک قسم کی پائیداری ہے اور نیز نکاح کی عظمت بغیر مال کے جو بضعہ کے یعنی شرمگاہ کے بدلہ ہوتا ہے' نہیں ظاہر ہوتی کیونکہ لوگوں کو مال کی جس قدر حرص ہے کسی چیز کی نہیں ہے لہٰذا اسی کے صرف کرنے سے ایک چیز کا مہتم بالشان ہونا معلوم ہو سکتا ہے اور اس کے مہتم بالشان ہونے سے اولیا کی آنکھیں اس شخص کو اپنے لخت جگر کے مالک ہوتے ہوئے دیکھنے سے ٹھنڈی ہو سکتی ہیں اور نیز اس کے سبب سے نکاح و زنا میں امتیاز ہو جاتی ہے' چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ** یہ کہ بذریعہ اپنے مالوں کے تلاش کرو تم حفاظت کرنے والی نہ مستی نکالنے والی' اور اس لیے آنحضرت ﷺ نے وجوب مہر کو بدستور باقی رکھا اور کسی ایسی حد سے جس میں کمی بیشی ہو سکے منضبط نہیں فرمایا اس لیے کہ اظہار اہتمام میں عادات اور رغبتیں مختلف ہیں اور حرص کے درجات اور طبقات جدا جدا ہیں پس ان کے لیے ایک حد کا مقرر کرنا ناممکن ہے جس طرح اشیاء مرغوبہ کا ثمن ایک حد معین کے ساتھ منضبط کرنا ناممکن ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا **التمس ولو خاتما من حديد** تلاش کر اگرچہ لوہے کی ایک انگشتری ہو اور فرمایا **من اعطى فى صداق امراته ملئى كفه سويقا اوتمر فقد استحل** جس شخص نے اپنی بیوی کے مہر میں لپ بھر ستو یا چھوارے دے دیئے پس اس نے حلال کر لیا' مگر آنحضرت ﷺ نے ازواج و بنات مطہرات کے مہر میں ساڑھے بارہ اوقیہ معین کر رکھے تھے' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم عورتوں کے مہر بھاری بھاری مت مقرر کرو اس لیے کہ زیادہ مہر مقرر کرنے میں اگر دنیا کی عزت یا اللہ کے نزدیک پرہیزگاری ہے تو آنحضرت ﷺ تو سب سے زیادہ بطریق اولیٰ اس بات کا

لحاظ فرماتے الحدیث' میں کہتا ہوں مہر مسنون میں حکمت یہ ہے کہ مہر اس قدر تعداد کا ہونا چاہیے کہ جس کا کچھ بار بھی نہ ہو اور عادتاً اس کے قوم کے اعتبار سے اس کا ادا کرنا دشوار بھی نہ ہو۔ اور اس قدر اس حالت کے اعتبار سے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں لوگوں کے تھے' کافی مقدار ہے اور اسی طرح آپ کے بعد بھی لوگوں کی یہی عادت تھی' بار خدایا' مگر وہ لوگ جن کے اغنیاء بمنزلہ بادشاہوں کے ہیں اور اہل جاہلیت عورتوں پر مہر دینے میں ظلم کیا کرتے تھے یا تو تاخیر بہت کرتے تھے یا کمی کے ساتھ دیا کرتے تھے' اس لیے اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً .اور دے دو عورتوں کو ان کے مہر بے مانگے' اور اللہ پاک فرماتا ہے لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْتَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً تم پر کچھ مضائقہ نہیں اگر تم عورتوں کو بدون ہاتھ لگائے یا بدون کچھ مقرر کیے طلاق دے دو' میں کہتا ہوا اصل اس میں یہ ہے کہ نکاح ملک کا سبب ہے اور دخول اس کا اثر ہے اور ایک شے سے اس کا اثر مراد ہوا کرتا ہے اور حکم اس کے سبب پر معطل ہوتا ہے اس لیے نکاح اور دخول اس بات کے مستحق ہوئے کہ مہر ان کے اوپر تقسیم کیا جائے اور مرنے کی وجہ سے نکاح کا امر ثابت وقائم ہو جاتا ہے کیونکہ مرنے تک اس نے نکاح کو رد نہیں کیا اور اس سے روگردانی نہیں کی' حتیٰ کہ اس کے اور نکاح کے مابین موت حائل ہوگئی اور طلاق سے نکاح کا رفع اور فسخ ہو جاتا ہے اور وہ بمنزلہ دواقالہ کے ہے جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم کہتے ہیں' مہر کے باب میں ایام جاہلیت میں بہت سے مناقشے اور نزاع در پیش رہتے تھے' اور مال کی لوگوں کو حرص تھی' اور بہت سے امور سے حجت کیا کرتے تھے' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس اصل کے موافق ان مناقشات کا فیصلہ كما ينبغى .کر دیا پس اگر عورت کے لیے کچھ مقرر کیا ہے اور اس کے ساتھ دخول کیا تو اس کو کامل مہر دینا پڑے گا' خواہ مر جائے یا طلاق دے کیونکہ اس کے ملک کا سبب اور اثر تمام ہو گیا اور خاوند نے اس سے دخول کر لیا' چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا .اور البتہ تم میں سے بعض کی طرف پہنچ گیا ہے اور ان بیویوں نے تم سے نہایت پختہ عہد لے لیا ہے اور اگر اس کا مہر مقرر کر دیا ہے اور بغیر دخول کیے مر گیا تو عورتوں کو کامل مہر دیا جائے گا' کیونکہ مرنے سے نکاح متقرر و ثابت ہو گیا اور ایسی حالت میں عدم دخول کچھ مضر نہیں ہے کیونکہ وہ آسمانی حکم ہے اور اگر قبل از دخول اس کو طلاق دے تو اس کو نصف مہر دلایا جائے گا' موافق اس آیت کریمہ کے کیونکہ یہاں احد السببین میں سے ایک سبب پایا جاتا ہے نہ دوسرا' پس اس میں دو مشابہتیں پائی جاتی ہیں' ایک تو صرف منگنی کے ساتھ اور دوسری نکاح تام کے ساتھ اور اگر کچھ پھر بھی مقرر نہیں کیا اس کو اس کے کنبہ کی عورتوں کا مہر دلایا جائے گا نہ اس سے کم و بیش اور اس پر عدت واجب ہوگی اور میراث پائے گی کیونکہ عقد اس وقت میں بسبب مواثرہ تام ہو چکا' پس ضروری ہوا کہ اس کو مہر دلایا جائے اور ہر چیز کا اندازہ اس کی نظیر اور مثل سے ہوتا ہے اور کنبہ کی عورتوں کا مہر اس اندازہ کے لیے بہت مناسب ہے اور اگر اس کا مہر نہ مقرر کیا اور نہ اس سے دخول کیا تو اس کو متاع یعنی جوڑہ وغیرہ دینا پڑے گا' کیونکہ عقد نکاح بغیر مہر کے ہونا ناممکن ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ الآيه .اور اس صورت میں مہر کے واجب کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی کیونکہ یہاں نہ مہر کا تعین ہے نہ ملکیت کا تقرر ہے۔

اور ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے چند سور قرآنی مہر مقرر کیا کیونکہ ان کا سکھانا بھی ایک مہتم بالشان کام ہے اور مثل مال کے مرغوب و مطلوب ہے اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قبل از دخول ولیمہ کرنے کا دستور تھا' اور اس میں بہت سے مصالح تھے اور

ازانجملہ اس میں نہایت خوبی کے ساتھ نکاح اور اس بات کی اشاعت ہے کہ بیوی سے دخول کرنا چاہتا ہے اور یہ اشاعت ضروری ہے تا کہ نسب میں کسی کو وہم کرنے کی بھی گنجائش نہ ہو اور نکاح وزنا کی تمیز بادی الرائے میں معلوم ہو جائے اور لوگوں کے سامنے اس عورت کے ساتھ متحقق ہو جائے' اور ازانجملہ یہ ہے کہ بیوی اور اس کے کنبہ کے ساتھ بھلائی وسلوک پایا جاتا ہے کیونکہ اس کے لیے مال کا خرچ کرنا اور لوگوں کا اس کے باب میں جمع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خاوند کے نزدیک بیوی کی وقعت وعزت ہے اور میاں بیوی کے مابین الفت کرنے میں اس قسم کے امور خاص کر ان کے اوّل اجتماع میں ضروری ہوتے ہیں' ازانجملہ یہ ہے کہ ایک جدید نعمت کا حاصل ہونا یعنی جو چیز غیر مملوک تھی اس کا ملک میں داخل ہو جانا سرور وخوشی کا سبب ہے اور مال کے خرچ کرنے پر آدمی کو آمادہ کرتا ہے اور اس خواہش کے اتباع میں سخاوت کی عادت اور خواہش بخل کی نافرمانی پیدا ہوتی ہے اور اس کے علاوہ بہت سے فوائد اور مصالح ہیں' پس چونکہ سیاست مدنیہ اور منزلیہ اور تہذیب نفس اور احسان کے متعلق کافی فوائد پائے جاتے ہیں پس آنحضرت ﷺ کا اس کو باقی رکھنا اور اس کی طرف رغبت وحرص دلانا اور خود بھی اس کو عمل میں لانا ضروری ہوا' اور آنحضرت ﷺ نے جس طرح ہم مہر کے متعلق بیان کر چکے ہیں اسی طرح اس کی بھی کوئی حد مقرر نہیں کی مگر اوسط درجہ کی حد بکری ہے' اور آپؐ نے حضرت صفیہؓ کے ولیمہ میں لوگوں کو مالیدہ کھلایا تھا' اور آپؐ نے بعض بیویوں کا ولیمہ دو مد جو سے کیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اذا دعی احدکم الی الولیمة فلیاتها و فی روایة فان شاء طعم و ان شاء ترك** تم میں سے جب کوئی شخص ولیمہ کے لیے بلایا جائے تو چلا آئے اور ایک روایت میں آیا ہے اگر چاہے کھائے چاہے نہ کھائے' میں کہتا ہوں جب اصول شرعیہ سے یہ بات تھی کہ جب کسی شخص کو کسی مصلحت سے لوگوں کے لیے کچھ تیار کرنے کا حکم دیا گیا تو ضرور ہوا کہ لوگوں کو بھی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری اور بجا آوری کرنے کی طرف رغبت دلائی جائے ورنہ وہ مصلحت جو اس امر سے مقصود ہے متحقق نہ ہوگی' پس جب خاوند کو لوگوں کے لیے کھانا تیار کر کے اشاعت کرنے کا حکم دیا گیا تو ان لوگوں کے لیے اس حکم کا دینا ضروری ہوا کہ اس کی دعوت کو قبول کریں اور اگر ان کا روزہ ہو تب بھی آ جائے اور کھانا نہ کھائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے اس لیے کہ وہ اشاعت مقصود حاصل ہو گئی' اور نیز میل جول کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جب ایک مسلمان کو دوسرا مسلمان بلائے تو اس کو ضرور قبول کرے اور اس رسم کے جاری ہونے میں شہر اور قبیلہ کا انتظام ہے اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے **انه لیس لی او لنبی ان یدخل بیتا مزوقا** نہ میرے لیے اور نہ کسی اور نبی کے لیے مناسب ہے کہ کسی مزین ومنقش گھر میں جائے' میں کہتا ہوں چونکہ صور کا بنانا اور اس کپڑے کا استعمال کرنا جس میں صورتیں بنی ہوئی ہوں حرام ہے' پس ان کا مقتضا ہوا کہ جس گھر میں وہ صورتیں موجود ہوں اس گھر کو چھوڑ دینا چاہیے اور اس پر ملامت کرنا چاہیے خاص کر انبیا علیہم السلام تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے ہی مبعوث کیے گئے ہیں' اور علاوہ بریں زینت بالغ کا عمدہ جاننا دنیا کی طلب میں غایت استغراق کا سبب ہے اور عجمیوں پر اس کے سبب ایسی آفت پڑی کہ اس کی وجہ سے ذکر آخرت کا بھی بھول گئے' لہٰذا یہ بات واجب ہوئی کہ شرع میں اس سے نہی اور اظہار نفرت چاہیے اور آنحضرت ﷺ نے فخر کرنے والوں کے ساتھ کھانا کھانے سے نہی فرمائی میں کہتا ہوں کہ اہل جاہلیت باہم فخر کیا کرتے تھے اور ہر ایک کا دوسرے پر غلبہ مقصود تھا' تو وہ مال کو صرف اس غرض سے خرچ کیا کرتے تھے اور کوئی نیت اس میں نہیں ہوتی تھی اور اس میں عداوت اور باہمی فساد اور بلا کسی دینی اور مدنی

مصلحت کے مال کا ضائع کرنا تھا' اور صرف اس میں خواہش نفسانی کا اتباع ہوتا تھا اور اس لیے ضروری ہوا کہ اس کے بلانے کی تعمیل نہ کی جائے اور اس کی اہانت کی جائے اور اس باب کو بند کیا جائے اور عمدہ صورت اس کے باز رکھنے کی یہ ہے کہ اس کا کھانا نہ کھایا جائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا **اذا اجتمع داعیان فاجب قربهما بابا وان سبق احدهما فاجب الذی سبق** .اور جبکہ دو شخص ساتھ ساتھ دعوت کریں تو ان دونوں میں سے جس کا دروازہ قریب ہے اس کی دعوت قبول کر اور اگر ان دونوں سے ایک پہلے کرے تو جو پہلے کرے اس کی قبول کر میں کہتا ہوں جب دونوں کا تعارض ہوا تو ترجیح کی حاجت ہوئی اور اس کی دو صورتیں ہیں یا دعوت میں سبقت کرنے سے یا مکان کے قریب ہونے سے۔

ان عورتوں کا بیان جن سے نکاح کرنا حرام ہے

اصل اس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم .. وَاللّٰهُ غَفُورٌ الرَّحِيمُ** .تک اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **امسك اربعا و فارق سائرهن** .چار کو رہنے دے اور باقی کو چھوڑ دے' اور فرمایا ہے **لاتنكح المرأة على عمتها . الخ** .کہ عورت سے اس کی پھوپھی پر نکاح نہ کیا جائے اور اللہ پاک فرماتا ہے **اَلزَّانِي لَايَنكِحُ اِلَّازَانِ اَوْمُشْرِكَ الآية** .زانی زانیہ ہی سے نکاح کرے' معلوم کرو کہ محرمات مذکورہ فی الآیۃ کی حرمت اہل جاہلیت میں مشہور و مسلم تھی کہ جس کو وہ نہیں چھوڑ سکتے تھے' بار خدایا مگر تھوڑی سی باتیں جو انہوں نے بطور سرکشی اور فسق کے اپنی طرف سے ایجاد کرلی تھیں' مثلاً باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا اور دو ہمشیروں کو جمع کرنا' اور ان محرمات کی تحریم برابر قرناً بعد قرن ان میں چلی آتی تھی جس کا ان کے دلوں سے نکلنے کو احتمال نہ تھا بجز اس صورت کے کہ کوئی شخص غضبناک ہونے کے سبب سے باہر ہو جائے اور ان کی تحریم میں بڑی بڑی مصلحتیں تھیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے محرمات کو برقرار رکھا اور جس میں ان کو کاہلی وسستی ہوگئی تھی اس کی حرمت کو خوب مستحکم کردیا' اور تحریم کے اندر اصل کئی امر ہیں' از انجملہ صحبت اور ارتباط کی عادت کا جاری ہونا اور ان میں باہم پردے کا التزام ناممکن ہونا اور جانبین سے طبعی طور پر حاجات کا ارتباط نہ مصنوعی طور پر' پس اگر ان عورتوں سے طمع کے قطع ہونے اور ان کی طرف رغبت سے اعراض کا طریقہ جاری نہ ہو تو بے انتہا مفاسد پیدا ہوں' اور دیکھتے ہو کہ جب کسی شخص کی نگاہ ایک اجنبی عورت کے محاسن پر پڑتی ہے تو وہ اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور اس کی خاطر اپنی جان کو ہلاک کر دیتا ہے' پس جس عورت پر رات دن نگاہ پڑتی رہتی ہے اور تنہائی میں بھی اس کے ساتھ رہتا ہے تو اس کا تو ذکر ہی کیا ہے اور نیز اگر ان عورتوں کی طرف رغبت کا دروازہ مفتوح کیا جائے اور اس کو مسدود نہ کیا جائے اور مردوں پر ان کی طرف سے ملامت نہ کی جائے تو اس میں عورتوں کو ضرر عظیم لازم آتا ہے اس واسطے کہ ایسے وقت میں عورتوں کو اپنے پاس رکھا کریں۔ اور عورتوں کو جن سے نکاح کرنے کی رغبت ہو وہ اس کے ساتھ نکاح سے مانع ہوا کریں' کیونکہ ان کا اور ان کے نکاح کا اختیار انہیں اقارب کو ہوا کرتا ہے' اور دوسرے جب یہ اقارب خود ان عورتوں سے نکاح کرلیا کریں تو کوئی شخص عورتوں کی طرف سے ان اقارب سے حقوق زوجیت کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو باوجودیکہ عورتوں کو اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کوئی شخص ان کی طرف سے حقوق زوجیت کا خاوند سے مطالبہ کرنے والا ہو اور اس کی نظیر وہ ہے جو یتیم لڑکیوں میں ہو چکی ہے کہ اولیاء کو ان کے مال اور جمال کی طرف

رغبت ہوتی تھی اور حقوق زوجیت کو پورے طور پر ادا نہ کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی إِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ. اگر تم کو یتیموں میں انصاف نہ کرنے کا اندیشہ ہو تو عورتوں میں جو تمہارے پسند آئیں ان سے نکاح کر لو۔ حضرت عائشہؓ نے اس کو بیان کیا ہے اور یہ ارتباط طبعی طور پر مرد اور اس کی ماں اور بیٹی اور بہن اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی میں واقع ہوتا ہے اور از انجملہ رضاعت ہے کیونکہ دودھ پلانے والی عورت مثل ماں کے ہو جاتی ہے اس لیے کہ وہ اختلاط بدن کے اجتماع اور اس کی صورت کے قائم ہونے کا سبب ہوتی ہے اتنا فرق ہے کہ ماں نے اپنے شکم میں اس کے وجود کو جمع کیا ہے اور اس نے ابتداء نشو میں بقدر سد رمق کے اس کو دودھ پلایا ہے پس وہ فی الحقیقت بعد ماں کے ماں ہے اور دودھ پلانے والی کی اولاد بہن بھائیوں کے بعد اس کے بہن بھائی ہیں اور اس کی پرورش میں جو کچھ تکلیف اٹھائی ہے اور بچے کے ذمہ جو جو حقوق اس کے ثابت ہوئے ہیں اور طفولیت میں جو جو باتیں اس شیر خوار کی طرف سے اس کو پیش آئی ہیں وہ ظاہر ہیں پس اس کا مالک ہو جانا اور اس کو اپنی جورو بنا لینا اور اس کے ساتھ جماع کرنا ایسی چیز ہے جس سے فطرت سلیمہ نفرت کرتی ہے اور بے زبان جانور بہت ایسے ہیں جو اپنی ماں یا دودھ پلانے والی کی طرف اس قدر التفات نہیں کرتے جس قدر اجنبی مادہ کی طرف ان کو توجہ ہوتی ہے اور آدمیوں کا تو ذکر ہی کیا اور نیز عرب کے لوگ اپنی اولاد کو مختلف قبیلوں میں سے کسی قبیلہ میں دودھ پلانے کو دے دیتے ہیں اور وہ شیر خوار وہیں پرورش پا کر جوان ہو جاتا تھا اور محارم کے مثل ان لوگوں کے ساتھ اس کو اختلاط ہوتا ہے اور عرب کے نزدیک نسب کے علاقہ کی مانند شیر خواری کا بھی علاقہ ہے پس نسب پر اس کا محمول کرنا ضروری ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة. جو چیز ولادت سے حرام ہو جاتی ہے وہی چیز دودھ کے ذریعہ سے بھی حرام ہوتی ہے اور چونکہ رضاع کے سبب تحریم ہونے کی وجہ ماں کے ساتھ بینہ مولود اور اس کی صورت کی ترکیب کا سبب ہونے میں مشابہت ہے لہذا رضاع میں دو چیزوں کا اعتبار ضروری ہوا ایک تو وہ مقدار جس سے تحریم کے معنی متحقق ہوتے ہیں پس قرآن عظیم کے اندر دس گھونٹ معین جن کی وجہ سے حرمت ثابت ہوتی ہے نازل ہوئے پھر پانچ معین سے وہ منسوخ ہو گئے اور جب آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی قرآن پاک میں ان کی تلاوت کی جاتی تھی اور معین کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حرمت کے معنی چونکہ کثیر میں پائے جاتے تھے نہ قلیل میں اس لیے اس حکم کے مقرر کرتے وقت ایک حد کا مقرر کرنا بھی ضروری ہوا جس کی طرف وقت اشتباہ کے رجوع کیا جائے اور دس کے ساتھ اندازہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ عدد میں احاد سے تجاوز کرنے کی وہ پہلی حد ہے اور دودھ پلانے والی عشرات کے اعتبار سے دودھ پلاتی ہے یعنی دس بیس جرعہ سے کم نہیں پلاتی ہے اور نیز وہ جمع کثرت کی حد اولیٰ ہے اور جمع قلت کا اس میں استعمال نہیں ہوتا پس کثرت معتد بہا کے انضباط کے لیے جس کا بدن انسانی میں اثر ہوتا ہے یہ کافی مقدار ہے اور پانچ سے منسوخ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں احتیاط ہے اس لیے کہ جب بچے کو پانچ بڑے بڑے گھونٹ پلائے جائیں تو اس کے چہرہ و بدن پر رونق و تازگی ظاہر ہو جاتی ہے اور جب یہ گھونٹ چھوٹے چھوٹے ہوں تو اور دودھ پلانے والی کے دودھ کم ہو تو اس کے بدن پر لاغری اور کمزوری اور یبوست ظاہر ہونے لگتی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ گھونٹوں سے اس کا نشو و نما ہو سکتا ہے اور اس کا بدن قائم رہ سکتا ہے اور اس سے کم کا اثر ظاہر نہیں ہوتا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ لاتحرم الرضعة والرضعتان ولا تحرم المصة والمصتان ولاتحرم الا

ملاجة والاملاجتان ۔نہ ایک گھونٹ دو گھونٹ حرام کرتے ہیں نہ ایک چسکی دو چسکیاں اور نہ ایک دھار اور نہ دو دھار' اور جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ کثیر و قلیل دونوں اثباتِ حرمت میں برابر ہیں تو اس کا سبب امر رضاع کی تعظیم اور اس کا بالخاصیت مؤثر گردانا ہے' جیسے تمام ان چیزوں میں جن کے حکم کا مدار معلوم نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کا دستور جاری ہے دوسرے یہ کہ رضاع ٹیبی کی شکل وصورت کے قائم ہونے کی ابتدائی حالت میں پائی جائے ورنہ وہ دودھ اور اغذیہ کی مانند ہوگا جو صورت و شکل کے قائم ہونے کے بعد کھائی جاتی ہیں' جیسے جوان آدمی روٹی کھاتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **ان الرضاعة من المجاعة** ۔کہ البتہ دودھ پلانا بھوک کے وقت ہے اور فرمایا ہے **لایحرم من الرضاع الامافتق الامعاء فی الثدی وکان قبل الفطام** ۔وہی دودھ پلانا حرام کرتا ہے جو پستان میں سے نکل کر آنتوں کو بڑھائے اور دودھ چھڑانے سے پہلے ہو اور از انجملہ اقارب میں قطع رحم ہونے سے احتراز ہے کیونکہ دو سوکنوں میں ہمیشہ حسد رہتا ہے اور ان کا باہمی بغض ان کے اقارب کے ساتھ بغض کا سبب بنتا ہے اور اقارب میں حسد کا ہونا نہایت قبیح اور شنیع امر ہے اور اسی لیے سلف کے چند گروہوں نے دو چچا کی بیٹیوں کو جمع کرنا ناپسند کیا ہے ان دو عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے کہ اگر ان میں سے ایک مرد فرض کی جائے تو دوسری اس پر حرام ہے جیسے دو بہنیں اور پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی اور اسی اصل کا آنحضرت ﷺ نے اعتبار فرمایا ہے اور اپنی بیٹی اور غیر کی بیٹی میں جمع کرنا حرام فرمایا کیونکہ سوکن کا حسد اور خاوند کا اس کو اختیار کرنا بسا اوقات سوکن اور اس کے کنبہ کی ناخوشی کا سبب ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ سے بغض رکھنا اگرچہ اُمور معاشیہ کے اعتبار سے ہو مفضی الی الکفر ہے اور اصل اس میں دو بہنوں کا جمع کرنا ہے اور مسئلہ کے طور پر آنحضرت نے متنبہ فرما دیا ہے اور فرمایا ہے **لایجمع بین المرأة وعمتها ولا بین المرأة وخالتها** ۔نہ ایک عورت اور اس کی پھوپھی کو جمع کرے اور نہ ایک عورت اور اس کی خالہ کو جمع کرے' اور از انجملہ مصاہرة ہے اس لیے کہ اگر لوگوں میں اس قسم کا دستور جاری ہو کہ ماں کو اپنی بیٹی کے خاوند کے ساتھ اور مردوں کو اپنے بیٹوں کی بیویوں کے طرف اور اپنی بیویوں کی بیٹیوں کی طرف رغبت ہو تو اس تعلق کو توڑنے یا اس شخص کے قتل کرنے میں جس کی طرف خواہش پائی جاتی ہے کوشش کیا کریں اور اگر تو قدماء فارس کے قصے سنے اور اپنے زمانہ کے ان لوگوں کے حال کا تتبع کرے جو اس سنت راشدہ کے پابند نہیں ہیں تو تو بڑے بڑے امور اور بے انتہا ظلم اور ہلاکت دیکھے گا اور نیز اس قرابت میں صحبت لازم ہے اور پردہ کرنا متعذر ہے اور حسد ایک امر شنیع ہے اور جانبین سے مختلف حوائج پیش آتے رہتے ہیں پس اس کا حال بمنزلہ دو بہنوں کے ہے اور از انجملہ وہ عدد ہے کہ معاشرت زوجیہ میں اس عدد کے ساتھ حسن معاشرت نہیں ہوسکتا کیونکہ لوگ بسا اوقات عورتوں کے جمال کی طرف رغبت کر کے بہت سی عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں' اور سب میں سے ایک کو جوان کے دل کو پسند ہوتی ہے اختیار کرتے اور باقی کو ادھڑ میں چھوڑ دیتے ہیں' پس نہ تو وہ پورے طور سے بیوی ہے جس کی طرف رغبت ہو اور نہ بیوہ ہے جو اس کو اپنا اختیار ہو اور یہ بھی ناممکن ہے کہ پوری زیادہ ترتنگی کی جائے' اس لیے کہ بعض لوگوں کو ایک بیوی زنا سے محفوظ نہیں رکھ سکتی اور نکاح کی غایت مقصود تناسل ہے اور ایک مرد سے بہت سی عورتوں کے اولاد ہوسکتی ہے' اور نیز چند بیویاں کرنا مردوں کی خصلت ہے۔ اور بسا اوقات ان کی وجہ سے فخر حاصل ہوتا ہے لہٰذا شارع نے چار کے ساتھ اس کا اندازہ کیا اس لیے کہ چار ایسا عدد ہے کہ تین شبوں کے بعد ہر ایک کی طرف وہ شخص رجوع کر سکتا ہے اور ایک شب سے کم میں نوبت کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا' اور ایسے

وقت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے کسی کے پاس شب باشی کی اور تین کثرت کی اول حد ہے۔ اور چار سے اس کی زیادتی ہے اور آنحضرت ﷺ کو اختیار تھا کہ جس قدر چاہیں اپنا نکاح کریں اس لیے کہ اس حد کا مقرر کرنا اس مفسدہ کے دفع کرنے کے لیے نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ کو اس کی حقیقت معلوم تھی اس لیے آپ کو مظنہ کی حاجت نہ تھی اور طاعت الٰہی اور اس کے حکم کی بجا آوری میں بخلاف اور لوگوں کے آپ مامون تھے اور از انجملہ اختلاف دین ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **لاتنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا** مت نکاح کرو مشرکوں سے جب تک ایمان نہ لائیں اور اللہ تعالیٰ نے اس مصلحت کا جو اس حکم میں رعایت کی گئی ہے اس آیت میں بیان فرمایا۔ اس طرح کہ مسلمانوں کی کافروں کے ساتھ صحبت اور مابین ان کے میل جول وغم خواری کا جاری ہونا خاص کر نکاح کے باب میں ان کے دین کا مفسد ہے اور اس کے قلب میں کفر کی طرف حرکت پیدا ہونے کا سبب ہے خواہ وہ اس کو معلوم ہو یا نہ ہو اور یہود و نصاریٰ آسمانی شریعت کے مقید ہیں اور قوانین تشریع کے اصول اور کلیات کے قائل ہیں بخلاف مجوس و مشرکین کے پس ان کی صحبت کا مفسدہ بہ نسبت اوروں کے خفیف ہے کیونکہ خاوند کا بیوی پر دباؤ ہوتا ہے اور وہ اس پر حاکم ہوتا ہے اور بیوی خاوند کی قیدی ہوتی ہے پس اگر مسلمان کتابیہ سے نکاح کرے تو زیادہ فساد کا خطرہ نہیں ہے لہٰذا اس کی اجازت دینا اور اس میں ایسا تشدد نہ کرنا چاہیے جیسے اور اس قسم کے مسائل میں ہوتا ہے۔ از انجملہ عورت کا دوسری کی چھوکری ہونا ہے ایسے وقت میں بہ نسبت اپنے مولا کے اس کو اپنی شرمگاہ کا محفوظ رکھنا ناممکن ہے۔ اور یہ بات ناروا ہے کہ اس سے خدمت لینے اور اس کے ساتھ خلوت کرنے سے اس کے مولا کو ممانعت کی جائے کیونکہ اس میں ملک ضعیف کو ملک قوی پر ترجیح دینا ہے کیونکہ ملک دو قسم کی ہوتی ہے ملک قبہ اور ملک بضعہ اور پہلی ملک قوی اور دوسری پر مشتمل ہے اور دوسری اس کے تابع ہے اور دوسری ملک ضعیف ہے اور اس میں مندرج ہے اور اعلیٰ سے ادنیٰ کو بڑھانے میں قلب موضوع ہے اور اس کے ساتھ اختصاص کا نہ ہونا اور جو شخص اس کی طمع رکھے اس کی مدافعت کا ممکن نہ ہونا زنا کی اصل ہے اور آنحضرت ﷺ نے ان نکاحوں کی تحریم میں جن کو اہل جاہلیت باہم کیا کرتے تھے مثل اضبط ضاع وغیرہ کے چنانچہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا ہے اسی اصل کا اعتبار فرمایا ہے پس جب ایک چھوکری اللہ پر ایمان رکھتی ہے اور اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھتی ہے اور اس کے ساتھ نکاح کی حاجت ہے اس لیے کہ زنا کا خوف ہے اور حرہ سے نکاح کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو وہ فساد خفیف ہو گیا اور ضرورت پائی گئی اور ضرورتوں کی وجہ سے ممنوع چیزیں مباح ہو جاتی ہیں اور از انجملہ کسی عورت کا کسی مسلمان یا کافر کے زیر نکاح ہونا ہے کیونکہ زنا کی اصل ایک موطوءہ پر بلا کسی ایک خصوصیت کے اور دوسرے کی طمع منقطع ہونے کے جمع ہونا ہے اس لیے زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زنا کو تو حرام کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ کچھ چھوکریاں لگیں اور ان کے ساتھ صحبت کرنے سے صحابہؓ نے حرج سمجھا اس لیے کہ ان کے خاوند مشرکین موجود تھے پس اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی **والمحصنات من النسآء الا ما ملکت ایمانکم** اور عورتوں میں سے جو خاوند والیاں ہیں وہ حرام ہیں مگر جو تمہارے ہاتھ کی ملک ہیں یعنی وہ تمہارے لیے حرام نہیں اس لیے کہ قید کے سبب سے طمع منقطع ہو جاتی ہے اور اختلاف دارین اس پر کئی شخصوں کے ازدحام سے مانع ہے اور ایک شخص کے حصہ میں ایک چھوکری کا آنا محقق ہے اور از انجملہ عورت کا زانیہ اور کسبی ہونا ہے کہ جب تک وہ اپنے اس فعل سے توبہ نہ کرے اور بالکل اس کو ترک نہ کرے اس کے ساتھ نکاح درست نہیں ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے

اَلزَّانِيَةُ لَايَنكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْمُشْرِكٌ .زانیہ عورت سے وُہی شخص نکاح کرتا ہے جوزانی یا مشرک ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ زانیہ کا خاوند کی عصمت اور قبضہ میں ہونا اور زنا کی حالت پر باقی رہنا و بوشیت اور فطرت سلیمہ سے باہر آ جانا ہے اور نیز اس میں اختلاط نسب کا اندیشہ ہے اور چونکہ تحریم محرمات کی مصلحت بغیر اس بات کے تمام نہیں ہوتی کہ تحریم کو ایک امر لازم اور عادت جبلی اور بمنزلہ ان اشیاء کے گردانا چاہیے جن سے بالطبع انسان کو نفرت ہوتی ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ پورے طور پر اس کی شہرت اور شیوع کیا جائے اور لوگ اس کو اس طرح پر قبول کر لیں کہ اگر محرمات کی تحریم میں کوئی شخص اہمال کرے تو اس پر سخت ملامت کی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ جو شخص اپنے محرم سے صحبت کرے خواہ نکاح سے ہو یا بغیر نکاح کے وہ شخص جان سے مار دیا جائے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے سر منگانے کے لیے جس نے اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کیا تھا ایک شخص کو بھیجا۔

آدابِ مباشرت کا بیان

معلوم کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو مدنی الطبع پیدا کیا اور تناسل سے اس کی نوع کا بقا چاہا' لابدی ہوا کہ شرع میں تناسل کی کامل طور سے ترغیب دلائی جائے اور قطع نسل اور اس کے اسباب سے نہی شدید فرمائی جائے' اور نسل کا سبب عظیم جو بکثرت پایا جاتا ہے اور جو نسل کی طرف رغبت دلاتا ہے وہ شہوت شرمگاہ ہے یہ ایسی چیز ہے کہ گویا انہیں کی ذات میں سے انہیں پر مسلط کر دی گئی ہے اور خواہ مخواہ ان کو نسل کی جستجو پر مجبور کرتی ہے اور اگر لونڈوں سے اغلام کرنے اور عورتوں سے دبر میں صحبت کرنے کا طریقہ جاری ہو تو خلق الٰہی کی تغییر لازم ہوتی ہے اس لیے کہ یہ طریقہ اس شہوت سے جو انسان پر مسلط کی گئی ہے مقصود حاصل ہونے کا مانع ہے اور ان دونوں میں بڑھ کر لونڈوں سے اغلام کرنا ہے کیونکہ اس میں جانبین سے خلق اللہ کی تغییر ہے اور مردوں کو عورت بن جانا بدترین خصائل میں سے ہے اور اسی طرح اعضائے تناسل کے قطع کرنے کا طریقہ جاری ہونا اور ان ادویہ کا استعمال کرنا جو باہ کو قطع کرتی ہیں اور ترک کر دینا وغیرہ سب میں خلق اللہ کی تغییر اور طلب نسل کا اہمال[1] ہے لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے ان سب امور سے نہی فرمائی ہے اور فرمایا: **لاتاتوا النساء فی ادبارھن ملعون من اتی امرأۃ فی دبرھا** .عورتوں سے ان کی دبر میں صحبت مت کرو جو شخص کسی عورت کی دبر میں صحبت کرے وہ ملعون ہے اور اسی طرح خصی بننے اور تبتل سے بہت احادیث میں نہی فرمائی ہے اللہ پاک فرماتا ہے **نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ** تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں پس جیسے چاہو اپنی کھیتیوں پر آؤ' میں کہتا ہوں مباشرت کی ہیئت میں یہود بلا کسی آسمانی حکم کے تنگی کرتے تھے' اور انصار اور ان کے ساتھی بھی ان کے دستور کو اختیار کرتے تھے اور کہا کرتے تھے جب کوئی شخص پیچھے کی جانب سے اپنی بیوی کی فرج میں صحبت کرتا ہے تو بچہ احول پیدا ہوتا ہے پس یہ آیت نازل ہوئی' یعنی اگر ایک ہی مقام میں صحبت ہو تو اختیار ہے کہ آگے سے کرے یا پیچھے سے اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ایسا امر نہیں ہے کہ جس کے ساتھ مصلحت مدنیہ وملیہ متعلق ہو اور ہر شخص اپنی ذات کی مصلحت خود خوب جانتا ہے اور یہ بات یہود کے تکلفات میں سے تھی لہٰذا

---

[1] فروگذاشتن چیزے را خود

اس کا منسوخ ہونا مناسب ہوا اور آنحضرت ﷺ سے کسی شخص نے عزل (یعنی قبل انزال آلہ نکال کر آب منی کو باہر ڈالنا) کے باب میں پوچھا آپؐ نے فرمایا اس کے کرنے میں تم پر کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لیے کہ کوئی جان قیامت تک موجود ہونے والی نہیں مگر وہ ہو کر رہے گی' میں کہتا ہوں اس حدیث شریف میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عزل اگرچہ حرام نہیں ہے مگر مکروہ ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ مصالح مختلف ہوتے ہیں' پس چھوکریوں میں مثلاً مولا کی غرض اپنی ذات کے اعتبار سے یہ ہوتی ہے کہ عزل کرے اور مصلحت نوعیہ یہ ہوتی ہے کہ عزل نہ کرے تا کہ اولاد کثرت سے ہو اور نسل قائم رہے اور مصلحت نوعیہ کا اعتبار کرنا اللہ تعالیٰ کے عامہ احکام تشریعیہ اور تکوینیہ میں مصلحت شخصیہ کے اعتبار کرنے سے اولائی ہوتا ہے' علاوہ بریں جس قدر دبر میں صحبت کرنے سے تغیر خلق اللہ کے اور بقائے نسل سے اعراض ہے اس قدر عزل میں نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ نے **ما علیکم ان لاتفعلوا** اس کے کرنے میں تم کو کچھ مضائقہ نہیں' اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ تمام حوادث اپنے موجود ہونے سے پہلے مقدر ہوا کرتے ہیں' جب کوئی چیز مقدر ہوا کرتی ہے اور زمین میں اس کا صرف ضعیف سا سبب پایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ وہ اس سبب ضعیف کو فراخ کر دیتا ہے' حتیٰ کہ وہی سبب ضعیف فائدہ تامہ کا مفید ہو جاتا ہے پس جب انسان انزال کے قریب ہوتا ہے اور اپنے ذکر کو باہر کرنا چاہتا ہے تو بسا اوقات چند قطرے اس کے احلیل سے ٹپک پڑتے ہیں جو بچے کے مادون کو کافی ہو جاتے ہیں اور اس شخص کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا' یہی راز ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچے کو اس شخص کے ساتھ ملحق کیا جس نے اس عورت کے ساتھ مس کرنے کا اقرار کیا تھا اور فرمایا عزل اس کا مانع نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لقد هممت ان انهى عن الغيله فتطرت فى الروم و فارس فاذاهم يغيلون اولادهم فلاتضر اولادهم و قال لا تقتلوا اولادكم سرافان الغيل يدرك الفارس فيد عثره**. میں نے قصد کیا تھا کہ غیلہ یعنی دودھ پلانے کی حالت میں عورت سے صحبت کرنے کو نہی کروں پھر میں نے روم و فارس میں نظر کی تو ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنی اولاد کے دودھ پینے کے زمانہ میں اپنی بیویوں سے صحبت کرتے ہیں اور اس سے ان کی اولاد کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا اور فرمایا کہ خفیہ طور پر اپنی اولاد کو قتل مت کرو کیونکہ صحبت کی ہوئی دودھ گھوڑے کے سوار کو مل جائے تو اس کو گرا دیتا ہے میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیلہ اگرچہ حرام نہیں مکروہ ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ دودھ پلانے والی سے صحبت کرنے میں دودھ بگڑ جاتا ہے اور بچہ کمزور ہو جاتا ہے اور جب اس کی ابتداء نمو میں ضعف ہو تو وہ اس کے مزاج اصلی میں داخل ہو گیا اور آنحضرت ﷺ نے اس بات کو بیان فرمادیا کہ آپ کا قصد ضرر کے احتمال غالب ہونے سے اس کے حرام کرنے کا تھا' مگر جب کہ آپ نے استقراء فرمایا تو معلوم ہوا کہ عام طور پر اس کا ضرر نہیں ہوتا اور اس میں احتمال غالب ہونے کی صلاحیت نہیں ہے تا کہ اس پر حرمت کا مدار کیا جائے اور یہ حدیث اس بات کی جس کو ہم ثابت کر چکے ہیں منجملہ دلائل کے ایک دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ اجتہاد فرمایا کرتے تھے اور آپ کا اجتہاد مصالح اور مظنات کو معلوم کر کے حرمت اور کراہیت کا ان پر دائر کرنا ہوتا تھا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ان من اشر الناس عندالله منزلة الرجل يفضى اليه امرأته وتفضى اليه ثم ينشر سرها** . اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب لوگوں سے بدتر اس شخص کا درجہ ہے جو اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے اور وہ اس کے پاس آتی ہے پھر وہ شخص اس کا راز کھولتا ہے' میں کہتا ہوں چونکہ پردہ کرنا واجب ہے اور جس چیز کا پردہ کیا گیا ہے اس کا افشائے راز

کرنا پردہ کے مقصود کا بدل دینا اور اس کی مخالفت کرنا ہے لہٰذا اس کے اظہار سے نہی ضروری ہوئی اور نیز ایسی باتوں کا اظہار کرنا بیہودگی اور بے حیائی ہے' خواہشوں کے اتباع سے نفس کی تاریکیوں کے متمثل ہونے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے اب اس حالت میں اہل ملت کا اختلاف تھا' کہ حائض کے ساتھ کیا کرنا چاہیے یہودیوں نے تو یہاں تک تعمق کیا تھا کہ ان کے ساتھ کھانے اور لیٹنے سے منع کرتے تھے اور مجوسی اس قدر اس میں تہاون کرتے تھے کہ جماع کو بھی تجویز کرتے تھے اور حیض کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے' غرض سب میں افراط وتفریط تھی' پس ملت مصطفویہ نے توسط کی رعایت فرمائی اور یہ فرمایا کہ سوائے جماع کے سب کچھ کیا کرو اور اس کی کئی وجہ ہیں ایک تو یہ کہ حائضہ سے جماع کرنا خاص کر جب حیض کی ترقی ہو نہایت مضر ہے' تمام اطباء کا اس پر اتفاق ہے اور دوسرے یہ کہ نجاست میں مستلطخ ہونا صفت ذمیمہ ہے جس سے طبیعت سلیم نفرت کرتی ہے اور اس کی وجہ سے شیاطین کے ساتھ قریب ہوتا ہے اور استنجاء میں اول تو یہ بات ہے کہ وہ ضروری چیز ہے' دوسرے یہ کہ استنجا میں نجاست کا ازالہ مقصود ہوتا ہے اور حائض سے جماع کرنے سے نجاست کے اندر داخل ہونا ہے' چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ** کہہ دے وہ ناپاکی ہے پس حیض کی حالت میں عورتوں سے بچتے رہو اور مادون جماع میں روایت مختلف ہے' بعض یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک خون کا اثر ہے وہاں سے بچنا چاہیے اور بعض کے نزدیک جو کچھ ماتحت الازار ہے اس سے پرہیز کرنا چاہیے اور بہر تقدیر اس میں دواعی جماع کا بند کرنا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے حائضہ سے جماع کر بیٹھے تو اس کو دینار یا نصف دینار کے صدقہ کرنے کا حکم ہے اور یہ مسئلہ مجمع علیہ نہیں ہے اور کفارہ کی حکمت وہی ہے جو ہم چند مرتبہ بیان کر چکے ہیں۔

زوجیت کے حقوق کا بیان

معلوم کرو کہ مابین خاوند اور بیوی کا جو میل جول ہوتا ہے وہ تمام ارتباطات منزلیہ سے بڑھ کر ہے اور اس کا نفع بھی زیادہ ہے اور حاجت بھی بہت ہے اس لیے کہ تمام عرب وعجم کے قبائل کا یہی دستور ہے کہ ارتفاقات پورا اور کامل کرنے میں بیوی خاوند کی معاونت کرے اور اس کے کھانے وپینے ولباس کے مہیا وتیار کرنے کی متکفل ہو اور اس کے مال کو محفوظ اور اس کی اولاد کو حفاظت سے رکھے اور بعد اس کے چلے جانے کے اس مکان میں اس کی قائم مقام رہے۔ اور علاوہ ان کے بہت سے اُمور ہیں جن کی شرح اور بیان کی ہم کو حاجت نہیں اور اسی لیے اکثر توجہ شرائع کی اس طرف ہوئی کہ حتی الامکان اس کا باقی رکھنا اور اس کے مقاصد کا بڑھانا اور اس کے مکدر کرنے اور باطل کرنے سے بیزاری چاہنا اور کسی ارتباط کے مقاصد کا پورا کرنا بدون اُلفت کے ممکن نہیں ہوسکتا اور الفت بغیر اس خصلت کے جس پر وہ خاوند و بیوی اپنے آپ کو مجبور نہ کریں نہیں حاصل ہوسکتی لہٰذا حکمت کا مقتضی ہوا کہ اس خصلت کی طرف توجہ ورغبت کی جائے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا **استوصوا بالنساء خيرا فانهن خلقن من ضلع فان ذهبت تقيمه كسرته و ان تركته ولم يزل اعوج** عورتوں کے معاملہ میں بھلائی کی وصیت قبول کرو تم اس لیے کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں پھر اگر تو اس کے سیدھا کرنے کا قصد کرے گا تو اس کو توڑ دے گا اور اگر اسی حالت پر اسے چھوڑ دے تو ہمیشہ وہ پسلی کجی کی حالت پر باقی رہے گی' میں کہتا ہوں اس کے یہ معنی ہیں کہ میری وصیت کو قبول کرو اور عورتوں کے باب میں اس پر عمل کرو اور ان کی پیدائش

میں کجی و برائی ہے اور یہ بات مثل امر لازم کے ہو کر بمنزلہ اس چیز کے ہو گئی ہے جو ایک شے کے مادہ میں ہمیشہ سے چلی آتی ہے اور انسان جب مقاصد منزلی کے پورا کرنے کا اس عورت سے قصد کرے تو اس کو یہ بات لابدی ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ امور سے درگزر کرے اور جو بات اپنے خلاف مرضی کے دیکھے اس پر اپنے غصہ کو دابے مگر ہاں جو نیک غیرت کے قبیلہ سے ہو یا کسی ظلم وغیرہ کا بدلہ لینا ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: **لایفرك مومن مؤمنة ان كره منها خلقا رضي منها الآخر** کسی مسلمان مرد کو مسلمان عورت سے بغض رکھنا نہیں چاہیے اگر اس کی ایک عادت ناپسند ہے تو وہ دوسری سے راضی ہوتا ہے میں کہتا ہوں کہ جب خاوند کو بیوی کی کوئی عادت ناپسند آئے تو اس کو زیبا نہیں کہ فوراً طلاق پر دلیری کرے کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس کی دوسری عادت سے خوش ہو جاتا ہے اور اس کی بدخلقی سے تحمل کیا جاتا ہے اور اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **فاتقوا الله في النساء فانكم اخذتموهن بامان الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله ولكم عليهن ان لا يوطئن فرشكم احدا تكرهونه فان فعلن فاضربوهن ضربا غير مبرح ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف** عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ کی امان پر تم نے ان کو اپنے قبضہ میں لیا ہے اور اللہ کے حکم سے تم نے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لیے حلال کیا ہے اور تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ تمہارے فرشوں پر کسی ایسے کو جگہ نہ دیں جس سے تم بیزار ہو پھر اگر وہ ایسا کریں تو ان کو مارو مگر تھوڑا اور تم پر ان کا کھانا اور پہننا حسب دستور ہے اللہ پاک فرماتا ہے **وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ** اور معلوم کرو کہ واجب اصلی وہ معاشرت بالمعروف ہے جس کی تفصیل آنحضرت ﷺ نے کھانا کھلانے اور لباس دینے اور اچھا برتاؤ کرنے کے ساتھ بیان کی ہے اور جو شرائع مستند الی الوحی ہیں ان میں ممکن نہیں کہ قوت کی جنس اور اس کی تعداد معین کر دی جائے کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ تمام جہان کے لوگ ایک ہی چیز پر اتفاق کر لیں اس لیے مطلق حکم کیا گیا ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **اذا دعا الرجل امراته الى فراشه فابت فبات غضبان لعنتها ملائكة حتى تصبح** جب کوئی خاوند اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے پس اس نے آنے سے انکار کیا پھر وہ غصہ ہی کی حالت پر سو گیا تو صبح تک ملائکہ اس کو لعنت کرتے رہتے ہیں' میں کہتا ہوں نکاح کے اندر جس مصلحت کی رعایت کی گئی ہے وہ شرمگاہ کی حفاظت ہے تو اس مصلحت کا تحقق ضروری ہوا' پھر اصول شرائع سے یہ بات ہے کہ جب کسی شے کے لیے مظنہ مقرر کیا جائے تو ایک ایسا حکم دیا جاتا ہے جس سے اس مظنہ کے ساتھ مصلحت کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے اور اس کی یہ صورت ہے کہ جس وقت خاوند اپنی بیوی سے فرمانبرداری کا قصد کرے تو عورت کو اس کی فرمانبرداری کا حکم دیا جائے اور اگر اس کی فرمانبرداری اس نے نہیں کی تو شرمگاہ کی حفاظت نہ ثابت ہوئی پھر اگر اس نے انکار کیا تو اس عورت نے اس مصلحت کے رد کرنے میں وسعت کی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے اندر قائم کیا تھا پس ملائکہ کی وہ لعنت اس کی طرف متوجہ ہوئی جو ہر شخص پر اس کے فساد کے اندر کوشش کرنے پر متوجہ ہوا کرتی ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **ان من الغيرة مايحب الله ومنها ما يبغض الله فاما التي يحبها الله فالغيرة في الريبة واما التي يبغضها الله فالغيرة في غير ريبة** بعض غیرت تو ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور بعض ایسی ہے جس سے اللہ کو نفرت ہے پھر جو غیرت عنداللہ پسندیدہ ہے وہ زنا کی غیرت ہے اور جو ناپسندیدہ وہ غیر زنا کی غیرت ہے' میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے مصلحت اور

سیاست کے قائم کرنے میں جس کے بدون چارہ نہیں ہے اور بد خلقی اور بلا سبب تنگ کرنے میں اور ظلم کرنے میں فرق کیا ہے' اللہ پاک فرماتا ہے **اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ** سے **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا** تک میں کہتا ہوں یہ بات ضروری ہے کہ خاوند اپنی بیوی پر حاکم بنایا جائے اور جبلت کے اعتبار سے خاوند کا اس پر دباؤ ہو کیونکہ خاوند میں عقل کامل ہوتی ہے اور اس میں کامل طور سے سیاست اور حمایت اور عار کے دفع کرنے کا بخوبی مادہ ہوتا ہے اور نیز اس لیے کہ وہ اس کا خرچ اٹھاتا ہے اور تمام انتظام اسی کے متعلق ہے' لہٰذا اگر عورت سرکشی کرے تو اس کی تعزیر اور تادیب خاوند کے متعلق ہونی چاہیے اور اس کو بتدریج تادیب کے طریقہ کا اختیار کرنا چاہیے الاسہل فالاسہل' یعنی اولاً صرف زبان سے کہہ کر اس کو نصیحت کرے بعد ازاں اس کے پاس لیٹنا ترک کر دے مگر گھر سے اس کو نہ نکالے اگر اس سے بھی باز نہ آئے تو اس کو مار لگانی چاہیے مگر سخت مار نہ لگائے اور اگر اصلاح کی صورت نہ ہو اور ہر ایک دوسرے کی نافرمانی اور ظلم پر کمر باندھے تو اس وقت میں قطع منازعت کی یہ شکل ہے کہ دو حکم مقرر کیے جائیں ایک خاوند کے کنبے میں سے اور ایک بیوی کے کنبے میں سے اور وہ دونوں نفقہ وغیرہ کے متعلق خاوند بیوی میں جو کچھ مناسب مصلحت دیکھیں فیصلہ کر دیں اس واسطے کہ خاوند بیوی کے معاملات میں بینہ کا قائم کرنا ناممکن ہے' پس اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہے کہ یہ فیصلہ ان لوگوں کے متعلق کیا جائے جو سب سے زیادہ ان دونوں کے قریب اور ان کے شفیق ہیں' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لیس منا من خبت امرأة علٰی زوجها اوعبدا علٰی سیده** . جو شخص خاوند سے کسی بیوی کو بگاڑے یا مولیٰ سے غلام کو بگاڑے وہ ہم میں سے نہیں ہے' میں کہتا ہوں کہ تدبیر منزل کے بگاڑنے کے جہاں اور اسباب ہیں' ایک سبب اس کا یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بیوی یا غلام کو اس کے خاوند اور مولیٰ سے برگشتہ کر دے اور یہ اس انتظام کے توڑنے اور اس کے بگاڑنے میں کوشش کرنا اور اس مصلحت کی مخالفت کرنا ہے جس کا قائم کرنا ضروریات سے ہے' معلوم کرو کہ تدبیر منزل کے بگاڑنے کی لوگوں میں بہت سی خصلتیں ہیں جن میں کثرت سے لوگ مبتلا ہیں پس شرع کو اس کا ذکر کرنا اور اس سے بحث کرنا ضروری ہوا' از انجملہ یہ ہے کہ کسی مرد کے پاس کئی عورتیں ہوں اور باری وغیرہ میں ان میں سے کسی کو بعض پر ترجیح دے اور دوسری پر ظلم کر کے اس کو ادھڑ میں چھوڑ دے اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿**وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا**﴾ اور تم ہرگز عورتوں میں برابری نہیں کر سکتے اگر چہ تم اس کی تمنا کرو پس بالکل جھک مت پڑو کہ اس کو ویسے چھوڑ دو جیسے ادھڑ میں اور اگر بھلائی کرو اور ڈرو تو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **اذا کانت عندالرجل امراتان فلم یعدل بینهما جاء یوم القیامة وشقه ساقط** . جب کسی مرد کے پاس دو عورتیں ہوں اور ان دونوں میں وہ برابری نہ کرے تو قیامت کے روز جب آئے گا اس کی ایک طرف جھکی ہوئی ہوگی' میں کہتا ہوں یہ بات پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عمل کی جزا عمل کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے پس اب اس کا اعادہ نہیں کرتے' اور از انجملہ کہ عورتوں کے ولی ان کو ان مردوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکیں جو ان کے کفو کے ہیں اور ان کی طرف رغبت پائی جاتی ہے اور اس کا منشا ان کی خواہش نفسانی مثل حسد اور بغض وغیرہ کے ہوتا ہے اور اس میں جو فساد ہے وہ عیاں ہے پس یہ آیت نازل ہوئی **وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ** . اور جب تم

عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو پورا کرلیں تو ان کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے مت روکو اور ازاں جملہ یہ ہے کہ کوئی شخص یتیم لڑکیوں سے جو اس کی پرورش میں ہیں ان کے مال یا جمال کی وجہ سے نکاح کرلے اور حقوق زوجیت ادا نہ کرے جیسے باپ والی عورتوں کے حق ادا کیے جاتے ہیں' اور اگر وہ یتیم لڑکیاں ایسی نہیں ہیں تو ان سے واسطہ نہ رکھے پس یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ﴾ اور اگر تم کو یہ خوف ہو کہ یتیم عورتوں میں انصاف نہ کرو گے پس نکاح کرو عورتوں میں اس کے ساتھ جو تمہاری پسند ہوں دو دو اور تین تین اور چار چار پس اگر تم کو خوف ہو کہ تم برابری نہ کرو گے تو ایک سے' یا جس پر تمہارے ہاتھوں نے قبضہ کیا ہے' پس اگر ظلم کرنے کا اندیشہ ہو تو یتیم لڑکیوں یا کئی عورتوں سے نکاح کرنا منع ہے' اور ایک شخص کے ایک بیوی موجود ہو اور پھر ایک کنواری عورت سے نکاح کرے تو اس کے واسطے یہ سنت مقرر کی گئی ہے کہ سات دن تک اس کے پاس رہے' بعد ازاں حسب دستور نوبت بہ نوبت رہا کرے اور اگر شوہر رسیدہ سے نکاح کرے تو تین روز اس کے پاس رہ کر پھر باری باری سے رہا کرے' میں کہتا ہوں اس میں یہ بھید ہے کہ اس باب میں زیادہ تر تنگی نہ کی جائے کیونکہ اکثر لوگوں کا اس میں بس نہیں ہوتا' چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جب خالص عدل کا قائم کرنا ناممکن تھا' لہٰذا ضروری ہوا کہ صریح ظلم پر اس حکم کا مدار کیا جائے' پس جب کسی مرد کو کسی عورت کی رغبت ہو اور اس کے حسن و جمال پر اس کا دل فریفتہ ہو جائے اور اس کا کثرت سے اس کو اشتیاق ہو تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ شخص اس سے بالکل روک دیا جائے اس واسطے کہ یہ تکلیف بالمحال کے قبیلہ سے ہے اس لیے اس کے ترجیح دینے کی ایک مقدار مقرر کر دی تا کہ وہ اس سے آگے بڑھ کر دوسرے پر ظلم و جور نہ کرنے پائے اور نیز شرع نے اس مصلحت کی رعایت کی ہے کہ جدیدہ کے قلب کی تالیف اور اس کی قدر دانی کرنی چاہیے اور یہ بات اسی طرح پر حاصل ہو سکتی ہے کہ اس کو ترجیح دی جائے' آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے جو یہ فرمایا لیس لك علی اهلك هوان ان شئت سبعت الحدیث' اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے یعنی تو اپنے خاوند کے نزدیک بے قدر نہیں ہے اگر تیری مرضی ہو تو میں سات سات روز رہا کروں اور پہلی بیوی کے دل شکستہ ہونے کا شارع نے بایں طور علاج کیا کہ نئی کے لیے ہمیشہ کے واسطے زیادتی کا طریقہ مقرر کر دیا اس لیے کہ جب ایک چیز کا ہمیشہ کے لیے دستور مقرر ہو جاتا ہے اور اس میں کسی کی ایذا رسانی منظور نہیں ہوتی اور وہ حکم کسی کے لیے خاص نہیں ہوتا بلکہ ایک عام حکم ہوتا ہے تو کسی کے دل کو چنداں ناگوار نہیں گزرتا' اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ وَلَا یَحْزَنَّ وَیَرْضَیْنَ بِمَاۤ اٰتَیْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ اس میں امید ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور غم نہ کریں اور جو تو نے ان کو دیا ہے اس سے وہ سب کی سب راضی ہو جائیں' یعنی جب قرآن میں ان کو اختیار دے دیا گیا تو اب وہ آنحضرت ﷺ سے خوش نہ ہوں گی' اور کنواری عورت کی طرف مرد کو زیادہ رغبت ہوتی ہے اور نیز اس کو تالیف قلب کی زیادہ ضرورت ہے لہٰذا اس ترجیح کی مقدار سات روز مقرر کی گئی اور شوہر رسیدہ کی مقدار تین روز مقرر کی گئی اور حضور نبوی ﷺ ازواج مطہرات" کے پاس باری باری سے رہا کرتے تھے اور جب آنحضرت ﷺ سفر کا قصد کرتے تھے' ان میں قرعہ ڈال لیا کرتے تھے' میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ تھی کہ کسی کو ملال نہ گزرے اور بظاہر

آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہ بطور تبرع اور احسان کے تھا اور آنحضرت ﷺ پر باری فرض نہ تھی اس واسطے کہ اللہ پاک فرماتا ہے:
تُرْجِی مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِی اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ .ان میں سے جس کو تو چاہے مؤخر کرے اور جس کو ان میں سے چاہے اپنے پاس جگہ دے' اور آنحضرت ﷺ کے سوا اوروں میں تامل اور اجتہاد کا موقع ہے' مگر جمہور فقہاء نے نوبت کو واجب کیا ہے اور قرعہ اندازی میں ان کا اختلاف ہے' میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا ہے **فلم یعدل** .وہ مجمل ہے اور نہ معلوم اس سے کون سا عدل مراد ہے اور یہ آیت اس کے باب میں ہے **فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ** .کہ صریح ظلم کرنا اور بالکل اس سے کنارہ کشی کر لینا اور بد اخلاقی کے ساتھ اس سے برتاؤ کرنا مراد ہے اور بریرہ رضی اللہ عنہا کا خاوند غلام تھا جب وہ آزاد ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے اس کو اختیار دیا کہ چاہے اس کے نکاح میں رہے چاہے نہ رہے تو اس نے غلام کے نکاح میں رہنا پسند نہ کیا اور اپنا اختیار لے لیا' میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ حرہ کا غلام کے نیچے رہنا اس کے لیے عار کا باعث ہے پس اس عار کا دفع کرنا اس سے ضروری ہے اور اگر خود ہی راضی ہو تو وہ جدا بات ہے اور نیز جب تک باندی اپنے مولیٰ کے ملک میں ہے تو اس کی رضامندی سے ہوا کرتا ہے' پھر جب وہ آزاد ہو گئی اور اس کو اپنی جان کا اختیار ہو گیا تو اس نکاح میں اس کی رضامندی فی الحقیقت رضامندی نہیں ہے اور نکاح رضامندی کا اعتبار ضروری ہوا' اور اسی میں ایک روایت کے اندر یہ بھی آیا ہے کہ **ان قربك فلا خيار لك**.کہ اگر وہ تجھ سے صحبت کر لے تو تجھ کو پھر اختیار نہ ہوگا' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اختیار کے لیے ایک حد کا مقرر کرنا ضروری ہے کہ اس کے بعد پھر کچھ اختیار نہ رہے ورنہ اس کو مدت العمر اختیار رہے گا اور اس میں مقصود نکاح کا بدل دینا ہے اور اس اختیار کی حد کلام کے ساتھ مقرر نہیں ہو سکتی اس واسطے کہ بسا اوقات وہ اپنے کنبے سے مشورہ کرتی ہے اور کبھی اپنے آپ ہی وہ اس بات کا ذکر فکر کرتی رہتی ہے اور اکثر اس کی زبان سے اختیار کا کلمہ بلا قصد نکل جایا کرتا ہے اور اگر اس کو اس بات کی تاکید کی جائے کہ زبان سے ایسی بات نہ نکالے تو اس میں اس کے لیے دقت ہے' پس حد مقرر کرنے کے لیے صحبت سے زیادہ مناسب کوئی چیز نہیں ہے اس واسطے کہ صحبت کرنا ملکیت کا فائدہ حاصل کرنا ہے اور ملک سے وہ مقصود ہے اور ایسی چیز ہے جو ملک سے پوری ہو سکتی ہے واللہ اعلم

طلاق کا بیان

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **ایما امراة سالت زوجها طلاقا من غیر باس فحرام علیها رائحة الجنة**.جو عورت بلا ضرورت اپنے خاوند سے طلاق چاہے تو جنت کی بو اس پر حرام ہے اور نیز آپ ؐ نے فرمایا ہے: **ابغض الحلال الی اللہ الطلاق** .حلال چیزوں سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ تر مبغوض طلاق ہے' معلوم کرو کہ طلاق کی کثرت اور بے پروائی کے ساتھ طلاق کا طریقہ جاری ہونے میں بہت سے مفاسد ہیں اس لیے کہ بہت سے لوگ شہوت نفسانی کے تابع ہوتے ہیں اور تدبیر منزل کے قائم کرنے اور التزامات ضروریہ میں معاونت ان کو مقصود نہیں ہوتی اور نہ ان کا مقصود شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے بلکہ عورتوں کے ساتھ تلذذ اور ہر عورت سے لذت حاصل کرنا ان کو مقصود ہوتا ہے یہ بات ان کو کثرت سے نکاح کرنے اور طلاق دینے پر آمادہ کرتی ہے اور ان کے نفوس کی طرف ضرر کے عاید ہونے میں زناکار لوگوں میں اور ان میں کچھ فرق نہیں ہے' اگرچہ سنت نکاح کے قائم کرنے اور

سیاست مدنیہ کے موافقت میں زنا کاروں سے متمیز معلوم ہوتے ہیں' آنحضرت نے فرمایا **لعن اللہ الذاقین والذواقات** کہ مزہ چکھنے والوں اور مزہ چکھنے والیوں پر اللہ کی لعنت' اور نیز اس دستور کے جاری ہونے میں اس معاونت دائمی یا قربت دائمی کا ترک کرنا ہے جن پر نفس کا قائم کرنا نکاح کے اندر مقصود ہوتا ہے اور نیز اسباب کے کشادہ کرنے میں اس بات کا احتمال غالب ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ امور میں خاوند اور بیوی کا دل تنگ ہوا کرے اور جدائی کا قصد کیا کرے اور یہ بات صحبت کی ناگوار باتوں سے برداشت کرنے اور انتظام خانگی ہمیشہ قائم رکھنے پر اتفاق کرنے سے نہایت بعید ہے اور نیز عورتوں کا ان باتوں کے ساتھ عادی ہو جانا اور لوگوں کو ان باتوں کی کچھ پرواہ وافسوس نہ کرنا بے حیائی کے باب کے مفتوح ہونے کا سبب ہے اور نیز ایسے وقت میں ان دونوں میں سے ہر واحد دوسرے کا ضرر مثل اپنے ضرر کے خیال نہ کرے گا اور ہر ایک دوسرے کی چیز میں خیانت کرے گا اس خیال سے کہ اگر جدائی ہو جائے تو یہ چیز ہمارے کام آئے اور اس میں جو قباحت ہے ظاہر ہے اور بایں ہمہ اس باب کا بالکل بند کر دینا اور دقت میں ڈال دینا بھی ناممکن ہے اس لیے کہ کبھی مابین میاں بیوی کے مخالفت ہوتی ہے اور اس کا منشا یا تو ان دونوں کی بدخلقی ہوتی ہے یا ان دونوں میں سے کسی اجنبی کے حسن کی طرف رغبت ہوتی ہے یا رزق کی تنگی کے سبب سے یا دونوں میں کسی کی حماقت کی وجہ سے وعلیٰ ہذا القیاس' پس باوجود ان قبائح کے اس نظم کا قائم رکھنا بلائے عظیم اور حرج کا سبب ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی استیقظ وعن الصبی حتی یبلغ وعن الماتوہ حتی یقبل** .تین شخصوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے سونے والے سے جب بیدار ہو' لڑکے جب تک بالغ ہوں اور مجنون جو مصالح کے سمجھنے سے بالکل عاری ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لا طلاق ولا اعتاق فی اغلاق** .یعنی اکراہ میں نہ طلاق ہے نہ عتاق ہے' معلوم کرو کہ مکرہ کے طلاق کے باطل ہونے کی دو وجہ ہیں ایک تو یہ ہے کہ وہ اس طلاق سے راضی نہیں ہے اور اس نے کسی مصلحت منزلیہ کا ارادہ نہیں کیا بلکہ لاچار ہو کر اس سے یہ امر وقوع میں آیا ہے' پس اس کا حال نائم کا سا ہے اور دوسرے یہ کہ اگر اس شخص کی طلاق طلاق سمجھی جائے تو اس میں باب اکراہ کا مفتوح کرنا ہے پس ایسے وقت میں ہو سکتا ہے کہ کوئی ظالم شخص کسی ناتوان وبیکس کو خفیہ طور پر پکڑ کر لے جائے اور تلوار سے اس کو خوف دلا کر طلاق پر اس کو مجبور کرے اور اس کی بیوی کی طرف رغبت اس کا منشا ہو' پھر جب ہم نے اس کی امید کو منقطع کر دیا اور اس کی مراد کو اس پر منقلب کر دیا تو اب لوگ باہم اس قسم کا ظلم نہیں کر سکتے اور اس کی نظیر وہ ہے جو ہم اس حدیث میں بیان کر چکے ہیں' **القاتل لا یرث** .اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لا طلاق فیما لا یملك** .جس چیز کا انسان مالک نہیں اس میں طلاق نہیں جاری ہو سکتی اور فرمایا ہے **لا طلاق قبل النکاح** .کہ طلاق نکاح کے قبل نہیں ہوتی' میں کہتا ہوں بظاہر یہ حدیث طلاق منجز اور معلق کو خواہ وہ نکاح کے ساتھ معلق ہو یا اور کسی چیز کے ساتھ عام ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ طلاق کا جواز مصلحت کے سبب سے ہے' اور مالک ہونے اور اس عورت کی سیرت کے دیکھنے سے پیشتر مصلحت اس کو متمثل نہیں ہو سکتی' یہ طلاق قبل از ملک ایسی ہے جیسے کوئی مسافر کسی بیابان میں اقامت کی نیت کرے یا کوئی مجاہد دار الحرب میں کہ قرائن حالیہ خود اس کے مکذب ہیں اور اہل جاہلیت جس قدر چاہتے تھے طلاقیں دے کر رجوع کر لیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں عورت پر کس قدر ظلم تھا لہٰذا یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **الطلاق مرتن** .طلاق دو مرتبہ ہے' یعنی جس طلاق کے بعد رجعت ہوتی ہے وہ دو مرتبہ ہے پھر اگر تیسری طلاق دے تو اس کے بعد

جب تک وہ عورت کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے اس کے لیے حلال نہیں ہوتی اور آنحضرت ﷺ نے نکاح کے ساتھ صحبت کرنے کو بھی زیادہ کیا ہے اور طلاق کو صرف تین کے اندر محدود کرنے میں یہ راز ہے کہ وہ کثرت کی شروع حد ہے اور نیز اس میں فکر کرنا اور سمجھنا ضروری ہے اور سب لوگوں کو اس کی کچھ مصلحت نہیں معلوم ہوتی جب تک وہ عورت کے ملک سے نکلنے کا مزہ نہیں چکھ لیتی اور تجربہ کے لیے اصل ایک مرتبہ ایک چیز کا عمل میں لانا ہے اور دوسرے تجربہ کی تکمیل ہو جاتی ہے اور تیسری طلاق کے بعد نکاح شرط کرنا تجدید اور انتہا کے معنی ثابت کرنے کے لیے ہے اس لیے کہ اگر بغیر دوسرے نکاح کے اس سے رجوع درست ہوتا تو اس کا حال رجعت کا سا تھا اس لیے کہ مطلقہ سے نکاح کرنا بھی ایک قسم کی رجعت ہے اور عورت جب تک خاوند کے گھر میں اور اس کے قبضہ میں اور اس کے اقارب کے سامنے ہے تب تو ہو سکتا ہے کہ خاونداس کی رائے پر غالب رہے اور خواہ مخواہ اس چیز کو پسند کرے جس کی خوبی اس عورت کے سامنے وہ لوگ بیان کریں اور پھر جب ان سے بالکل جدا ہو گئی اور زمانہ کی سردی و گرمی کا مزہ چکھ لیا اور اس کے بعد اس شخص سے راضی ہو گئی تو وہ رضامندی فی الواقع رضامندی ہے اور نیز اس میں مفارقت کا مزہ چکھانا اور بلا کسی ضروری مصلحت کے معلوم کیے خواہش نفسانی کے تابع ہونے کا عذاب دینا ہے اور نیز اس میں مطلقہ ثلاث کا ان کی آنکھوں میں عزت دینا ہے اور اس بات کا جتلانا ہے کہ تین طلاقوں پر وہی شخص دلیری کر سکتا ہے جو بغیر ذلت اور حد سے زیادہ بے عزتی کے بعد اپنے نفس کو اس کی جانب سے امید کے قطع کرنے پر قائم کر لے اور جب رفاعہ نے اپنی اہلیہ کو طلاق دی اور پھر اس کو مغلظہ کر دیا اور اس نے دوسرے خاوند سے نکاح کر لیا اور آنحضرت ﷺ سے دوسرے خاوند کا کچھ ذکر کیا تو آپؐ نے اس سے فرمایا کہ کیا پھر تیرا قصد رفاعہ کی جانب رجوع ہونے کا ہے تو اس نے عرض کیا ہاں' آپؐ نے فرمایا نہیں جب تک تو اس کی لذت اور وہ تیری لذت حاصل نہ کر لے' میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے نکاح کے نام ہونے کو لذت کرنے کے ساتھ اس لیے مشروط کیا کہ تا کہ اس تجدید کے معنی جس کو اللہ نے ان کے لیے مقرر کیا ہے متحقق ہو جائیں اس لیے کہ اگر یہ بات نہ ہو تو کوئی شخص یہ حیلہ کر سکتا ہے کہ اس نے زبانی نکاح کرا کے اس کو دوسرے خاوند سے اسی جلسہ میں طلاق دلوا لے اور اس میں تجدید کے قاعدہ کی مخالفت ہے' اور آنحضرت ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور اس شخص پر جس کے لیے حلالہ کرتا ہے لعنت کی ہے میں کہتا ہوں چونکہ بعض لوگ محض حلالہ کی غرض سے نکاح کرتے ہیں اور ان کا مقصود اس نکاح سے زندگانی کی معاونت نہیں ہوتی اور نکاح سے جو مصلحت مقصود ہے وہ مصلحت اس نکاح سے پوری نہیں ہوتی اور نیز اس میں بے حیائی اور بے عزتی اور ایک عورت پر کئی مردوں کا جمع ہونا تجویز کرتا ہے اور معاونت کے قبیلہ سے نہیں ہے لہٰذا آپؐ نے اس سے منع فرمایا' اور ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور آنحضرت ﷺ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ کو غصہ آ گیا اور فرمایا کہ تجھ کو چاہیے کہ تو اس کو رجوع کرے پھر جب تک پاک ہو اور پھر حیض آئے اور پھر پاک ہو تو اس کو روکنا چاہیے' پھر اگر اس کو طلاق دینا مناسب سمجھے تو پاکی کی حالت میں اس کو ہاتھ لگانے سے قبل طلاق دے دے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی کوئی شخص اپنی اہلیت سے مقتضائے طبیعت کے اعتبار سے نفرت کرتا ہے اور وہ نفرت اس قابل نہیں ہوتی کہ اس کو مانا جائے مثلاً اس کا حائضہ ہونا اور گرد و غبار میں آلودہ رہنا اور کبھی اس مصلحت کے سبب سے اپنی اہلیہ سے نفرت کرتا ہے جس کے قائم کرنے کا عقل سلیم حکم کرتی ہے اگرچہ رغبت طبعی وہاں موجود ہوتی ہے اور یہ نفرت اتباع کے قابل ہے اور ندامت اکثر

پہلے قسم کی نفرت میں ہوتی ہے اور اس میں رجعت واقع ہوتی ہے اور یہ ایسی خواہش ہے جس کے ترک کرنے پر تہذیب نفسانی کا مدار ہے اور یہ دونوں قسم کی نفرتیں بہت سے لوگوں پر مشتبہ ہوتی ہیں لہٰذا ایسی حد کا مقرر کرنا ضروری ہوا جس سے فرق ثابت ہو جائے' پس طہر کو رغبت طبع کا مظنہ اور حیض کو نفرت طبعی کا مظنہ اور باوجود رغبت طبعی کے طلاق پر اقدام کرنا مصلحت عقلیہ کا مظنہ اور اسی حالت پر باوجود حالت کے بدلنے کے یعنی حیض سے طہر کی طرف اور بے رونقی سے زینت کی طرف اور انقباض سے انبساط کی طرف خاص عقل اور تدبیر خالص کا مظنہ ہے لہٰذا حیض میں طلاق مکروہ کی گئی اور مراجعت اور حیض جدید کے درمیان میں آنے کا حکم دیا اور نیز اگر اس کو حیض میں طلاق دے تو یہ حیض اگر عدت میں شمار کیا جائے تو عدت کی مدت کم ہوتی ہے اور اگر شمار نہ کیا جائے تو عورت کو مدت کے زیادہ ہو جانے سے ضرر پہنچتا ہے' خواہ قروء کے لفظ سے طہر مراد لی جائے یا حیض بہرصورت اس حد کی مخالفت لازم آتی ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب محکم میں ثلاثۃ قروء کے ساتھ معین کیا ہے اور طہر کے اندر صحبت کرنے سے قبل طلاق دینے کا حکم بدو وجہ ہے ایک تو یہ کہ اس میں رغبت طبعی کا بقا ہے کیونکہ صحبت کے سبب سے رغبت کے غلبہ کو کمی ہو جاتی ہے دوسرے یہ کہ ایسی صورت میں نسب مشتبہ نہیں ہو سکتا تو اللہ تعالیٰ نے طلاق پر دو گواہ کر دینے کا حکم اس لیے دیا کہ ایک تو اس میں شرمگاہوں کا مہتم بالشان ہونا ہے تاکہ تدبیر منزل کا قائم ہونا اور نیز ان کا انقطاع لوگوں کے روبرو پایا جائے اور دوسرے یہ کہ نسب کا اشتباہ لازم نہ آئے اور ایسا نہ ہو کہ طلاق دے کر پھر خاوند بیوی اپنے طور پر راضی ہو جائیں۔ اور طلاق کی پرواہ نہ کریں' واللہ اعلم' اور ایک طہر میں تین طلاق کے جمع کرنے کو بھی مکروہ کیا اس واسطے کہ اس میں اس حکمت کا ترک لازم آتا ہے' طلاقوں کے متفرق متفرق واقع کرنے میں جس کی رعایت کی گئی ہے' کیونکہ تفریق طلقات اسی لیے مقرر کی گئی ہے کہ اگر کسی سے کوتاہی ہو جائے تو اس کا تدارک ہو سکے اور نیز جمع کرنے میں اپنے اوپر دقت کا لازم کرنا اور ندامت کا پیش کرنا ہے' اور تین طہروں میں بھی تین طلاقیں دینے میں دقت اور ندامت کا مظنہ ہے مگر صورت اولیٰ سے کم ہے اس واسطے کہ اس میں فکر کرنے کا موقع اور اتنی مدت مل جاتی ہے جس میں احوال متغیر ہوتے رہتے ہیں اور بہت سے لوگوں کی مصلحت حرمت مغلظہ کے ثابت کرنے میں ہوا کرتی ہے۔

خلع اور ظہار اور لعان اور ایلاء کا بیان

معلوم کرو کہ خلع (طلاق حاصل کرنا) کے اندر ایک قسم کی قباحت پائی جاتی ہے اس لیے کہ خاوند نے عورت کو جو کچھ دیا ہے وہ صحبت کے بدلہ ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے ﴿**وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا**﴾ اور آنحضرت ﷺ نے لعان کے اندر اسی معنی کا اعتبار کر کے فرمایا ہے **ان صدقت علیها فهو بما استحلت من فرجها** اگر تو نے اس کو کچھ دیا ہے تو یہ اس کے بدلہ ہے جو تو نے اس کی شرمگاہ کو حلال کیا ہے اور بایں ہمہ خلع کی حاجت ہوتی ہے' چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **فلا جناح علیهما فیما افتدت به** پس نہیں ہے ان دونوں پر کچھ مضائقہ جس چیز کا عورت بدلہ دے اور اہل جاہلیت اپنی اہلیوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا کرتے تھے' اور ان کو اپنی ماں کی پشت کے مثل گردان لیا کرتے تھے اور پھر بھی ان کے پاس نہ جاتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں کس قدر قباحت تھی کیونکہ وہ عورت نہ تو مرغوب ہوتی تھی کہ

خاوند سے وہ تمتع حاصل کرسکتی جس طرح عورتیں اپنے خاوندوں سے تمتع حاصل کرتی ہیں اور نہ وہ بیوہ ہوتی تھی جو اس کو اپنی جان کا اختیار ہوتا' آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایسا واقعہ پیش آیا اور آپ سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا. بلاشک اللہ پاک نے اس عورت کی گفتگو سن لی جو اپنے خاوند کے بارے میں تجھ سے جھگڑا کرتی ہے'عَذَابٌ اَلِیْمٌ تک' اور اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو بالکل لغو بھی نہیں کہا کیونکہ وہ ایک امر ہے جس کو خاوند نے اپنے اوپر لازم کیا ہے اور پختگی کے ساتھ اس نے وہ بات کہی ہے جس طرح اور قسموں میں ہوا کرتا ہے اور اس کو ہمیشہ کے لیے بھی نہیں گردانا' جس طرح اہل جاہلیت کیا کرتے تھے' تاکہ وہ وقت ان سے دفع ہو جائے اور کفارہ کے ساتھ اس کو موقوف کیا اس واسطے کہ کفارہ گناہوں کے دور کرنے اور مکلف کو اس چیز سے روکنے کے لیے جو اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے وضع کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے کہ وہ جھوٹ کہتے ہیں اس کی یہ وجہ ہے کہ زوجہ نہ تو فی الحقیقت ماں ہوتی ہے اور نہ ان میں کچھ مشابہت یا مجاورت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کا اطلاق دوسرے پر صحیح ہو' یہ تو اس تقدیر پر ہے کہ جب اس کو جز کے قبیلہ سے کہا جائے اور اگر وہ انشاء ہے تو ایک ایسا عقد ہے کہ جو مصلحت کے موافق نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شرائع میں اس کو بطریق وحی کے بیان فرمایا ہے اور نہ روئے زمین کے عقلاء نے اس کو مقرر کیا ہے۔ اور اس کو جو یہ فرمایا ہے کہ وہ منکر بات کہتے ہیں تو اس کے منکر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک طرح کا ظلم اور جور اور جس کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہے تنگ کرنا ہے' اور ظہار کا کفارہ ایک غلام کا آزاد کرنا یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا یا پیاپے دو ماہ کے روزے رکھنا اس لیے مقرر کیا گیا کہ منجملہ مقاصد کفارہ کے ایک یہ بات ہے کہ مکلف کے نزدیک وہ ایک ایسی چیز ہونی چاہیے جس کے لازم ہونے کا اس فعل کے مرتکب ہونے سے مکلف کو باز رکھے اور یہ بات جب ہی ہوسکتی ہے کہ وہ کفارہ ایک عبادت شاقہ ہو اور نفس پر اس کا غلبہ ہو یا تو اس لیے کہ اس میں اس قدر مال کا صرف کرنا مقرر ہو جس کا صرف کرنا نفس پر کسی قدر شاق گزرے یا اس میں بھوک و پیاس کی تکلیف زیادہ اٹھانی پڑتی ہو' اللہ پاک فرماتا ہے۔ لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ. جو لوگ اپنی اہلیوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کو چار مہینہ رکنا ہے' معلوم کرو کہ اہل جاہلیت اس بات کا حلف کیا کرتے تھے کہ اپنی بیویوں سے کبھی یا ایک مدت دراز تک صحبت نہ کریں گے اور اس میں عورتوں پر نہایت ظلم اور ضرر تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے چار مہینہ تک رکنے کا حکم دیا پھر اگر وہ رجوع کریں تو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے' اور رجوع کرنے میں علماء کا اختلاف ہے' بعض کہتے ہیں چار مہینے گزرنے کے بعد ایلاء کرنے والے کو روک دیا جائے بعد ازاں اس کو مجبور کیا جائے کہ یا تو بھلائی کے ساتھ اس کو چھوڑ دے یا حسب دستور اس کو نکاح میں رکھ لے اور بعض کے نزدیک چار مہینے گزرتے ہی اس پر طلاق پڑ جائے گی اور اس کو روکا نہ جائے گا اور اس مدت کے معین کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اتنی مدت میں خواہ مخواہ نفس کو جماع کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اس کے چھوڑنے سے ضرر پہنچتا ہے جبکہ انسان ماؤف نہ ہو' دوسرے یہ کہ یہ مدت سال کا ایک ثلث حصہ ہے اور نصف سے کم کا انضباط ثلث کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور نصف مدت کثیرہ شمار کیا جاتا ہے اور اللہ پاک فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ. (الآیہ) جو لوگ اپنی بیویوں کی طرف زنا کی نسبت کرتے ہیں اور ان کے لیے گواہ نہیں ہوتے' اور حضرت عویمر عجلانی اور ہلال بن امیہ سے اس باب میں حدیث مروی ہے' معلوم کرو کہ اہل جاہلیت میں سے جب کوئی مرد کسی عورت کی طرف

منسوب کرتا تھا اور ان دونوں میں باہم یہ منازعت ہوتی تھی تو کاہنوں کے پاس جایا کرتے تھے جیسا کہ ہند بن عتبہ کے قصہ میں ہوا تھا' پھر جب اسلام آیا تو یہ بات ناممکن ہوئی کہ ان کے لیے کاہنوں کے پاس جانے کی اجازت دی جائے اس لیے کہ ملت حنیفہ کا مبنی ان مناقشات کے چھوڑنے اور ان کے دور کرنے پر ہے اور نیز کاہنوں کے پاس بلا ان کا سچ وجھوٹ معلوم کیے جانے میں ضرر عظیم ہے اور یہ بات ناممکن تھی کہ خاوند کو چار گواہ سنانے ورنہ حد لگانے کا حکم دیا جاتا اس واسطے کہ زنا تنہائی میں ہوا کرتا ہے اور خاوند اپنے گھر کا حال خوب جانتا ہے اور جو جو قرائن وغیرہ اس کو معلوم ہیں وہ دوسرے کو نہیں معلوم ہو سکتے اور یہ بات بھی ناممکن ہے کہ خاوند تمام ان لوگوں کی مانند کیا جائے جن پر حد ماری جاتی ہے اس واسطے کہ خاوند شرعاً اور نیز عقلاً اپنے ننگ و ناموس کی حفاظت کرنے کا مامور ہے اور اس کی جبلت میں اس بات سے غیرت کرنا داخل ہے کہ اس کے ناموس پر دوسرا شخص مداخلت کر سکے اور خاوند شک کے رفع کرنے اور عورت کی شرمگاہ کے محفوظ رکھنے میں سب سے زیادہ مناسب تر اور اولیٰ ہے' پس اگر خاوند عورت کے ساتھ کسی امر کا مؤاخذہ کرنے میں غیر لوگوں کے برابر رکھا جائے تو امن مرتفع ہوتی ہے اور مصلحت کا مفسدہ کی طرف انقلاب لازم آتا ہے اور جب یہ واقعہ پیش آیا ہے تو آنحضرت ﷺ اس کے اندر حکم دینے میں متردد تھے' کبھی تو ان معارضات کی وجہ سے کچھ حکم نہیں دیتے تھے اور کبھی اس کے حکم کا ان قواعد سے استنباط کرتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا تھا تو آپ نے ہلال بن امیہ سے فرمایا **البینة اوحدا فی ظهرك** . یا تو بینہ ہے ورنہ تیری پشت پر حد ہے۔ یہاں تک کہ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں بلا شک سچا ہوں اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ کوئی حکم نازل فرمائے گا جس کی وجہ میری پشت حد سے بری ہو جائے گی' پس اللہ تعالیٰ نے آیت لعان نازل فرمائی اور اصل اس میں یہ ہے کہ وہ موکدہ قسمیں ہوتی ہیں جن کے سبب سے خاوند حد قذف سے محفوظ رہتا ہے اور عورت پر دھبہ لگ جاتا ہے اور پھر وہ قید میں رکھی جاتی ہے اور اس کو تنگ کیا جاتا ہے اور اگر خاوند قسموں کے کھانے سے انکار کرے تو اس پر حد قذف لگائی جاتی ہے اور اگر عورت بھی قسمیں کھالے تو بری ہو جاتی ہے اور انکار کرے تو اس پر حد لگائی جاتی ہے' اور الحاصل جس چیز میں بینہ نہیں ہوتی اور نہ وہ چیز ایسی ہوتی ہے کہ بالکل لغو جھوٹ سمجھی جائے اور اس کی سماعت نہ کی جائے اس چیز میں موکدہ قسموں سے زیادہ مناسب اور کوئی چیز نہیں ہے اور یہ قدیمی طریقہ جاری ہے کہ عورت اس کو بیان کرے تا کہ قسموں سے جو مقصود ہے وہ حاصل ہو اور یہ بھی قدیمی طریقہ جاری ہے کہ وہ عورت پھر کبھی اس خاوند کی طرف عود نہ کرے کیونکہ ان دونوں میں جب ایسا نزاع ہو چکا اور ان دونوں کے دل میں سخت پیچ پڑ گیا اور خاوند نے اس کی بدکاری مشہور کر دی تو غالباً اب کسی صورت سے ان کے مابین محبت پیدا نہیں ہو سکتی اور نکاح انہی مصلحتوں کے لیے وضع کیا گیا ہے جو محبت و موافقت پر مبنی ہیں اور نیز اس میں دونوں کو ایسے معاملہ پر اقدام کرنے سے روکنا ہے۔

عدت کا بیان

اللہ پاک فرماتا ہے **وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ** الآیۃ' مطلقہ عورتیں تین قروء تک اپنی جانوں کو روکیں' معلوم کرو کہ عدت منجملہ ان امور کے ہے جو زمانہ جاہلیت میں مشہور و مسلم تھی اور عدت ایسی چیز تھی جس کا ان سے متروک

ہونے کا احتمال نہ تھا اور اس میں بہت سے مصالح ہیں' از انجملہ یہ ہے کہ اس کے سبب سے رحم کا خاوند کے نطفہ سے پاک ہو جانا معلوم ہو جاتا ہے اور نسب میں اختلاط نہیں لازم آتا کیونکہ نسب بھی ایک چیز ہے جس کی لوگوں کو خواہش ہوتی ہے اور عقلمند لوگ اس کے طالب ہوتے ہیں اور نسب نوع انسانی کے خواص میں سے ہے اور منجملہ ان چیزوں کے ہے جس کے سبب سے انسان اور حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے' استبراء کے باب میں بھی اسی مصلحت کی رعایت کی گئی ہے اور از اں جملہ یہ ہے کہ عدت سے لوگوں کو نکاح کی عظمت پر آگاہ کرنا منظور ہوتا ہے اور ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ نکاح ایسا امر نہیں ہے کہ جو بغیر لوگوں کے اجتماع کے قائم ہو سکے یا بغیر انتظار دراز کے وہ منقطع ہو سکے' اگر یہ بات نہ ہوتی تو نکاح مثل بچوں کے کھیل کے ہوتا ایک ہی ساعت میں قائم ہو کر اسی ساعت میں منقطع ہو جایا کرتا' اور از انجملہ یہ ہے کہ نکاح کی مصلحتیں اسی وقت پوری ہو سکتی ہیں جب خاوند و بیوی اس عقد کے ثابت رکھنے پر بظاہر اپنے آپ کو قائم رکھیں پھر اگر کوئی حادثہ پیدا ہو جائے جس کے سبب سے اس عقد کا انقطاع ضروری ہو تو فی الجملہ اس دوام کی صورت کا باقی رکھنا جب بھی ضروری ہے بایں طور کہ عورت کچھ مدت تک اپنے آپ کو روکے رہے اور اس کو اس میں کچھ تکلیف و دقت اٹھانی پڑے' اب مطلقہ کی عدت تین قروء ہیں' بعض کے نزدیک (قرء) سے مراد طہر ہے اور بعض کے نزدیک حیض' اور اگر اس سے طہر مراد ہے تب تو اس میں یہ راز ہے کہ طہر رغبت کا زمانہ ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور اس کی تکرار عدت لازمہ مقرر کی گئی تاکہ فکر کرنے والا ان طہروں میں فکر کر سکے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے طلاق کے بیان میں فرمایا ہے **فتلك العدة التى امر الله بالطلاق فيها** .پس وہ زمانہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا حکم دیا ہے اور اگر اس سے حیض مراد ہے تو اس میں یہ حکمت ہے کہ حمل کے نہ ہونے کی صورت میں اصل حیض سے بھی معلوم ہوتا ہے پھر اگر وہ عورت ایسی ہے کہ اس کو حیض نہیں آتا خواہ بچپن کے سبب سے یا بڑھاپے کے سبب سے تو اس کے لیے تین مہینے تین حیض کے قائم مقام ہیں کیونکہ ایک مہینہ حیض کا مظنہ ہوتا ہے اور اس لیے کہ تین مہینہ میں رحم کا خالی ہونا ظاہر طور پر معلوم ہو سکتا ہے اور تمام مصلحتیں اس مدت میں متحقق ہو سکتی ہیں اور حاملہ کی مدت وضع حمل ہے اس لیے کہ اس سے رحم کا خالی ہونا معلوم ہو جاتا ہے اور بیوہ کی مدت چار مہینہ دس روز ہیں اور اس مدت میں اس کو سوگ کرنا واجب ہے اور اس کے کئی سبب ہیں ایک تو یہ کہ جب اس پر یہ بات واجب ہوئی کہ اپنے آپ کو اس مدت میں روکے رہے اور نکاح اور اس کی بات چیت کسی سے نہ کرے تاکہ اس کے خاوند کا نسب محفوظ رہے پس حکمت و سیاست کا مقتضی ہوا کہ عورت کو ترک زینت کا بھی حکم دیا جائے اس لیے کہ زینت کی وجہ سے جانبین میں شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور ایسی ہی حالت کے اندر شہوت کے غلبہ میں فساد عظیم ہے اور نیز وفاداری کا مقتضا ہے کہ خاوند کی مفارقت پر غم کرے اور خوشبو و زینت وغیرہ کا شوق نہ کرے اور اس پر سوگ کرے کہ اس میں وفاداری اور ظاہر میں عفت کے معنی کا ثابت کرنا ہے اور مطلقہ کو سوگ کا حکم نہیں دیا گیا' کیونکہ اس کو زینت کرنے کی حاجت ہے تاکہ خاوند کو اس کی طرف رغبت ہو اور ان کے اجتماع میں جو فرق پڑا ہے پھر ان کے جمع ہونے کا سبب ہو' اسی لیے مطلقہ ثلث میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ سنگھار کرے یا نہیں پس کسی نے تو اصل حکمت کا خیال کیا ہے اور کسی نے لفظ مطلقہ کے عام ہونے کا خیال کیا ہے اور شارع نے بیوہ کی عدت چار مہینے اور دس روز اس لیے مقرر کی کہ چار مہینے کے تین چلے ہوتے ہیں اور اس مدت میں جنین کے اندر جان پڑ جاتی ہے اور غالباً جنین اس مدت کے اندر حرکت کرنے لگتا ہے اور دس روز اس پر اور زیادہ کیے گئے

تا کہ وہ حرکت پورے طور پر ظاہر ہو جائے اور نیز یہ مدت حمل معتاد کی نصف مدت ہے جس میں حمل پورے طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہر شخص دیکھ کر اس کو پہچان سکتا ہے' اور مطلقہ کی عدت طہر یا حیض کیساتھ اور بیوہ چار مہینہ دس روز کے ساتھ اس لیے مقرر کی گئی کہ مطلقہ میں حقدار یعنی خاوند اپنے اختیار پر قائم ہوتا ہے جو نسب کی مصلحت اور قرائن کی جانتا ہے پس ممکن ہے کہ عورت کو اس چیز کا حکم دیا جائے جو اس کے لیے خاص ہے اور خاوند پر وہ امین سمجھی جائے اور اور لوگ اس عورت کا حال معلوم نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ خود بیان نہ کرے اور بیوہ کے اندر خاوند موجود نہیں ہوتا اور دوسرا شخص اس کا باطنی حال اور اس کا فریب نہیں پہچان سکتا جس طرح خاوند پہچان سکتا ہے پس ضروری ہوا کہ اس کی عدت ایسا ظاہری امر مقرر کیا جائے جس کے معلوم کرنے میں سب قریب و بعید برابر ہوں اور حیض کو بھی وہ ثابت کر دے کیونکہ غالباً یا دائماً طہر اس قدر بڑا نہیں ہوتا' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لاتوطئ حامل حتی تضع ولا غیرذات حمل حتی تحیض حیضة** .حاملہ عورت سے صحبت نہ کی جائے جب تک اس کا وضع حمل نہ ہو اور نہ غیر حاملہ سے جب تک کہ اس کو حیض نہ آ جائے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا **کیف یستخدمه وهو لا یحل له ام کیف یورثه وهو لایحل له** . باوجودیکہ اس کے لیے وہ حاملہ حلال نہیں ہے پھر کس لیے اس سے خدمت لیتا ہے یا باوجودیکہ اس کے لیے حلال نہیں ہے کس طرح اس کو ورثہ دے سکتا ہے' میں کہتا ہوں کہ استبراء کے اندر یہ راز ہے کہ رحم کا خالی ہونا اس سے معلوم ہو جاتا ہے اور نسب کا اختلاط بھی نہیں ہوتا پس جب عورت حاملہ ہو تو تجربہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایسی صورت میں وہ بچہ دونوں کے مشابہ ہوتا ہے جس کے نطفہ سے ہے اس کے ساتھ بھی اس کو مشابہت ہوتی ہے اور جس شخص نے ایام حمل میں اس کی ماں کے ساتھ صحبت کی ہے اس کے ساتھ اس کو مشابہت ہے' حضرت عمرؓ کے قول سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ **لایحل لامریو من باللہ والیوم الاخر ان یسقی ماء ہ بزرع غیرہ**. کسی کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے یہ بات حلال نہیں ہے کہ دوسرے کی کھیتی اپنے پانی سے سیراب کرے' اور آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے **کیف یستخدمه** .الخ 'اس کے یہ معنی ہیں کہ حاملہ کے ساتھ جو جماع کرنے سے بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو دونوں شخصوں کی مشابہت ہوتی ہے اور ہر مشابہت کا حکم دوسری مشابہت کے خلاف ہوتا ہے پہلی کے ساتھ مشابہت کا مقتضیٰ ہے کہ وہ بچہ غلام ہو اور دوسری کے ساتھ مشابہت چاہتی ہے کہ وہ اس کا بیٹا ہو اور پہلی مشابہت کا حکم غلام ہونا اور مولا کے لیے اس پر خدمت کا واجب ہونا ہے اور دوسرے کا حکم حریت اور استحقاق میراث ہے پس جماع کے سبب سے اس بچہ کے اندر احکام شرعیہ کا التباس لازم آتا ہے اس لیے جماع کرنے سے ممانعت کی گئی۔ واللہ اعلم

اولاد اور غلام ولونڈی کی پرورش کے بیان میں

معلوم کرو کہ نسب منجملہ ان امور کے ہے جن کی محافظت آدمی کی سرشت میں داخل ہے پس اقالیم صالحہ میں سے کسی اقلیم کے اندر جہاں آدمی پیدا ہوتے ہیں کسی انسان کو بھی نہ دیکھو گے مگر یہ بات اس کو محبوب ہوگی کہ اس کے باپ دادا کی طرف اس کو منسوب کریں اور یہ بات اس کو ناگوار معلوم ہوتی ہے کہ ان کو ان کی طرف نسبت کرنے میں کوئی عیب لگایا جائے' ہاں خدایا' مگر نسب کی دناءت یا

ضرر کے دفع کرنے یا نفع کے حاصل کرنے وغیرہ کی غرض سے اور نیز اس کو یہ بات بھی محبوب ہوتی ہے کہ اس کی اولاد کو اس کی طرف منسوب کریں اور اس کے بعد اس کی قائم مقام ہو پھر بسا اوقات اولاد کے طلب کرنے میں بے انتہا کوشش کیا کرتے ہیں اور اپنی تمام طاقت اس کے حاصل کرنے میں خرچ کرتے ہیں' پس تمام لوگوں کا اتفاق اس خصلت پر ایک ہی معنی کے سبب سے ہے جو ان کی خلقت میں داخل ہیں اور شرائع الٰہی کا مبنا ان مقاصد کے باقی رکھنے پر ہے کہ جو قائم مقام جبلت کے ہوتے ہیں اور جن کے اندر نزاع وحرص جاری ہوتی ہے اور نیز حقدار کے ان مقاصد سے حق دلانے اور باہمی ظلم سے روکنے پر ان کا مبنیٰ ہے پس اس لیے شارع کو نسب سے بحث کرنا ضروری ہوا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الولد للفراش وللعاھر الحجر** لڑکا عورت کے لیے اور مرد زنا کار کو پتھر بعض نے اس سے سنگساری مراد لی ہے اور بعض نے نامرادی' میں کہتا ہوں اہل جاہلیت بہت سے طریقوں سے جن کو قوانین شرعی ثابت نہیں کرتے اولاد طلب کیا کرتے اور بعض ان طریقوں کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے پس جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو یہ باب بند کر دیا گیا اور زنا کار کی اُمید منقطع کی گئی اس لیے منجملہ ان مصالحہ ضروریہ کے جن پر نوع انسانی کا بقا موقوف ہے مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ مختص ہونا بھی ہے تاکہ ایک عورت پر کئی مردوں کے جمع ہونے کا باب مسدود کیا جائے لہٰذا مناسب ہوا کہ جو شخص اس سنت راشدہ کے برخلاف کرے اور بغیر اس خصوصیت کے اولاد طلب کرے اس کو نامراد کیا جائے تاکہ اس کی ذلت اور اس کا کچھ بس نہ چلے اور آئندہ کو بھی ایسا قصد نہ کرے **وللعاھر الحجر** سے اگر نامرادی کے معنی مقصود ہیں جیسے **بیدہ التراب** اور **بیدہ الحجر** کہا کرتے ہیں تو اس میں اس کی طرف اشارہ ہے اور نیز جب حقوق کا مقابلہ ہوا اور ہر شخص اپنے لیے اس حق کا مدعی ہے تو ضرور ہوا کہ جس کے پاس ایسی ظاہری حجت ہے جس کو تمام لوگ سن سکتے ہیں اس کو ترجیح دی جائے اور جس کے پاس ایسی حجت ہے جو اس پر ملامت کے زیادہ ہونے کے سبب سے اور وہ حد کے مارنے کا باب مفتوح کرتا ہے یا اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اور بایں ہمہ وہ ایک پوشیدہ امر ہے جو اس کے صرف کہنے سے معلوم ہوتا ہے پس اس شخص کے لیے یہ بات نامناسب ہے کہ اس کو محروم اور کالعدم کیا جائے آنحضرت ﷺ نے ایسے ہی معنی کا لحاظ فرما کر لعان کے قصے میں فرمایا ہے **ان کذبت علیھا فھوا بعد لک** اگر تو اس پر جھوٹ بولتا ہے تو وہ (یعنی مہر کا تیری طرف عود کرنا) تجھ سے بہت دور ہے اور **وللعاھر الحجر** سے اگر سنگساری مراد ہے تو اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا **من ادعی الی غیر ابیه وھو یعلم انه غیر ابیه فالجنة علیه حرام** جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اور اس کو یہ بات معلوم ہو کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے جنت اس پر حرام ہے' میں کہتا ہوں کہ بعض لوگ مقاصد دنیہ کا خیال کر کے اپنے باپ کو چھوڑ کر دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کر دیتے ہیں اور یہ بڑا ظلم اور نافرمانی ہے کیونکہ اس میں باپ کی امید کا قطع کرنا ہے اس لیے کہ اس نے اپنی نسل کا بقا جو اس کی طرف منسوب اور اس سے پیدا ہے' چاہا ہے اور اس میں باپ کی نعمت کی ناشکری اور اس کے ساتھ بدسلوکی ہے اور نیز نصرت و معاونت قبائل اور شہروں کے انتظام کے لیے ضروری چیز ہے اور اگر باپ سے انقطاع نسبت کا باب مفتوح کر دیا جائے تو یہ مصلحت متروک ہوتی ہے اور تمام قبائل کے نسب مخلوط ہو جاتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ایما امرأۃ ادخلت علیٰ قوم من لیس منھم فلیست من اللہ فی شیئ ولن یدخلھا امۃ**

الجنة و ایما رجل حجد ولدہ وھو ینظر الیه احتجب الیه منه و فضحه علی روس الخلائق .جو کسی عورت کسی قوم میں اس شخص کو داخل کر دے کہ وہ اس میں نہیں ہے تو اللہ کے ہاں اس کا کچھ نصیبہ نہیں اور کبھی اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں نہ داخل کرے گا اور جو شخص اپنے ولد کا انکار کرے حالانکہ وہ اس کی طرف نظر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے دیدار سے اس کو محروم کرے گا اور تمام خلائق کے روبرو اس کو فضیحت کرے گا' میں کہتا ہوں جبکہ عورت عدت وغیرہ کے اندر امانت دار اور اس بات پر مامور ہے کہ ان کے انساب کو ان پر مشتبہ نہ ہونے دے تو یہ بات ضروری ہے کہ وہ اس سے ڈرائی جائے اور اس امر میں اس پر عذاب دیئے جانے کی یہ وجہ ہے کہ اس میں جہان کی مصلحت کے باطل کرنے میں سعی اور جبلت نوع کے ساتھ مناقضت ہے اور یہ بغض ملاء اعلیٰ کی جانب ہے کیونکہ وہ اصلاح نوع کے دعا کرنے پر مامور ہیں اور علاوہ بریں اس میں اس کے ولد کے لیے نامرادی اور تنگی ہے اور دوسروں پر اپنی اولاد کا بار ڈالنا ہے اور جب کوئی شخص اپنے بچہ کا انکار کرے تو البتہ اس کو ذلت دائمی اور بے انتہا عار کے لیے پیش کیا اس لیے کہ اس نے نسب کو ضائع کر دیا اور اس کی جان کو گم کر دیا کیونکہ کوئی اس کا خرچ اٹھانے والا نہیں اور یہ صورت مروجہ قتل اولاد کی مشابہ ہوگئی اور اس کی ماں کو بھی مدت العمر کے لیے دقت اور عار میں ڈال دیا۔

عقیقہ کے بیان میں

عرب اپنی اولاد کا عقیقہ کیا کرتے تھے اور عقیقہ میں بہت سی مصلحتیں تھیں جن کا رجوع مصلحت ملیہ اور مدنیہ اور نفسیہ کی طرف تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس کو برقرار رکھا اور آپ نے بھی اس پر عمل کیا اور اوروں کو بھی اس کی ترغیب دی' منجملہ ان مصلحتوں کے یہ ہے کہ عقیقہ میں نہایت خوبی کے ساتھ اولاد کے نسب کی اشاعت ہوتی ہے اور اشاعت نسب ایک ضروری امر ہے تاکہ کوئی شخص اس کی نسبت کوئی ناپسندیدہ بات نہ کہے اور یہ بات نامناسب تھی کہ اس کا باپ گلی کوچوں میں پکارتا پھرے کہ میرے اولاد ہوئی ہے پس اشاعت کے لیے یہی طریقہ بہت مناسب ہوا' اور از اں جملہ عقیقہ کے اندر سخاوت کے معنی کا اتباع اور بخل کی صفت کا عصیان پایا جاتا ہے اور از اں جملہ یہ ہے کہ نصاریٰ میں جب کسی کے بچہ پیدا ہوتا تھا تو اس کو زرد پانی سے رنگا کرتے اور اس کو عمود یہ کہتے تھے اور ان کا قول تھا کہ اس کے سبب سے وہ بچہ نصرانی ہو جاتا ہے اسی نام کے ساتھ مشاکلت کے طور پر اللہ پاک نے صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً .مناسب ہوا کہ حنیفیہ یعنی دین محمدیؐ میں بھی ان کے اس فعل کے مقابل میں بھی کوئی ایسا فعل پایا جائے جس سے اس فرزند کا حنفی اور ملت ابراہیمی و اسماعیلی کا تابع ہونا معلوم ہو اور جس قدر افعال حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے ساتھ مختص تھے اور برابر ان کی اولاد میں چلے آتے ہیں ان میں سے سب سے زیادہ مشہور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے کے ذبح کرنے پر آمادہ ہونا اور پھر اللہ تعالیٰ کا اس کے فدیہ میں ذبح عظیم کے ساتھ انعام کرنا ہے اور ان دونوں شرائع میں سے زیادہ مشہور حج ہے جس کے اندر سر منڈانا اور ذبح کرنا ہوتا ہے پس ان باتوں میں ان کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا ملت حنیفی پر آگاہ کرنا اور اس بات پر متنبہ کر دینا ہے کہ اس فرزند کے ساتھ اس ملت کا برتاؤ کیا گیا ہے اور از اں جملہ یہ ہے کہ اس کے شروع ولادت میں اس کے ساتھ یہ فعل کرنے سے اس کے خیال میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ گویا اس نے اپنے فرزند کو اللہ کی راہ میں دے دیا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام

نے کیا تھا اور اس میں سلسلہ احسان اور نیاز مندی وفرمانبرداری کو حرکت دینا ہے جیسا کہ صفا و مروہ کے مابین سعی کرنے میں ہم نے بیان کیا ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **مع الغلام عقیقة فاهر یقوا عنه دمًا وامیطوا عنه الاذی** لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے پس اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس کی طرف سے اس کے ازار کو دفع کرو' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **الغلام مرتهن بعقیقة یذبح عنه یوم السابع ویسمی یحلق** لڑکا اپنے عقیقہ میں مرہون ہوتا اس لیے اس کے بدلہ ساتویں دن ذبح کیا جائے اور نام رکھا جائے اور سر منڈایا جائے' میں کہتا ہوں عقیقہ کے حکم دینے کا سبب وہی ہے جو مذکور ہوا پھر ساتویں روز کی تخصیص اس لیے ہے کہ ولادت و عقیقہ میں کچھ فاصلہ ہونا ضروری ہے کیونکہ سب کنبہ اس زچہ اور بچہ کی خبر گیری میں اوّل اوّل مصروف رہتا ہے پس ایسے وقت میں مناسب نہیں ہے کہ ان کو عقیقہ کا حکم دے کر ان کا شغل اور زیادہ کیا جائے اور نیز بہت سے لوگوں کو اسی وقت بکری دستیاب نہیں ہو سکتی بلکہ تلاش کرنے کی حاجت ہوتی ہے پس اگر پہلے ہی روز عقیقہ مسنون کیا جائے تو لوگوں کو دقت ہو لہٰذا سات روز کا فاصلہ ایک کافی حد اور معتد بہ مدت ہے اور زیادہ نہیں ہے اور لیکن اماطۃ الاذیٰ میں تجاج کے ساتھ مشابہت ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں اور ساتویں دن نام رکھنے کی یہ وجہ ہے کہ اس سے پہلے لڑکے کے نام رکھنے کی کیا حاجت ہے اور آنحضرت ﷺ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک بکری کے ساتھ عقیقہ کیا اور فرمایا اے فاطمہؓ! ان کے سر کو منڈا دو اور ہموزن ان کے بالوں کے چاندی خیرات کر دو' میں کہتا ہوں کہ چاندی کی خیرات کرنے کا یہ سبب ہے کہ بچہ کی حالت جنینیہ سے منتقل ہو کر طفلیت کی طرف اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے تو اس پر شکر واجب ہے اور بہترین شکر یہ ہے کہ اس کے بدلہ کچھ دیا جائے اور جنین کے بال نشاتِ جنینیہ کے بقیہ تھے ان کا دور ہونا نشاتِ طفلیہ کے استقلال کی نشانی ہے اس لیے مامور ہونا واجب ہوا کہ ان کے بدلہ چاندی دی جائے اور چاندی کی خصوصیت یہ ہے کہ سونا گراں ہے سوائے امراء کے اور کسی کو دستیاب نہیں ہوتا اور چیزیں علاوہ اس کے ایسی نہیں ہیں کہ مولود کے بالوں کے برابر دے سکیں' اور آنحضرت ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے کان میں نماز کی سی اذان جب حضرت فاطمہؓ ان کو جنی تھیں پڑھی تھی' میں کہتا ہوں اس میں وہی راز ہے جو عقیقہ کے اندر مصلحت ملیہ ہم بیان کر چکے ہیں اس لیے کہ اذان شعائر اسلام اور علاماتِ دینِ محمدیؐ سے ہے' پھر ضروری ہے خصوصیت مولود کی اس اذان کے ساتھ اور وہ بھی بایں طور کہ مولود کان میں آواز سے اس کو کہا جائے' اور علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس اذان کی یہ خصوصیت ہے کہ شیطان اس سے بھاگتا ہے اور اوّل اس کے پیدا ہوتے ہی شیطان اس کو آواز دیتا ہے' چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ مولود کا چلانا اسی سبب سے ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **عن الغلام شاتان وعن الجاریة شاة** کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے' میں کہتا ہوں کہ جو شخص دو بکریوں کو پائے اس کو مستحب ہے کہ لڑکے کی طرف سے ذبح کرے اور اس کا یہ سبب ہے کہ لوگوں کے نزدیک بہ نسبت لڑکیوں کے لڑکوں کا نفع زیادہ تر ہے لہٰذا دو کا ذبح کرنا زیادتی شکر اور اس کی عظمت کے مناسب ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **احب الاسماء عندالله عبدالله و عبدالرحمن** کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین ناموں کے عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں' معلوم کرو کہ مقاصد شرعیہ میں سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ ان کے ارتفاقات

ضرور یہ میں اللہ کا ذکر داخل ہوتا کہ یہ ایک زبان ہو کر اللہ برحق کی طرف بلائیں اور مولود کے اس قسم کے نام رکھنے میں توحید کی طرف اشارہ ہے اور نیز عرب وغیرہ اپنی اولاد کے وہی نام رکھتے تھے جس کی وہ عبادت کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ جب مبعوث کیے گئے مراسم توحید کے قائم کرنے کے لیے' لہٰذا یہ بات واجب ہوئی کہ نام رکھنے میں بھی مثل اس کے مسنون کیا جائے اور انہیں دونوں کا محبوب ہونا بہ نسبت اور تمام ناموں کے جن میں لفظ عبد کا اللہ کے ناموں میں سے کسی نام کی طرف منسوب ہو' کیوں ہوا اس لیے کہ یہ دونوں نام سب ناموں سے زیادہ مشہور ہیں اور یہ دونوں نام سوائے ذات اللہ تعالیٰ کے کسی پر نہیں بولے جاتے بخلاف اور ناموں کے اور ہمارے اس بیان سے لڑکے کا نام احمد و محمد رکھنے کے استحباب کی حکمت کو معلوم کر سکتا ہے اس لیے کہ تمام لوگ ہمیشہ سے اپنی اولاد کا نام ان گذشتہ لوگوں کے نام پر رکھتے چلے آئے ہیں جو ان کے نزدیک بزرگ تھے اور اس میں دین پر آگاہ کرنا اور گویا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ وہ فرزند دین کا اہل ہے۔

اور آنحضرت ﷺ کا فرمایا **اخنى الاسماء يوم القيامة عندالله رجل يسمى ملك الاملاك** .بدترین ناموں کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن وہ شخص ہوگا جس کا نام **ملك الاملاك** .ہو' میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ دین کا اصل اصول اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے ساتھ کسی کو برابر نہ کرنا ہے اور کسی چیز کی تعظیم کرنا اس کے نام کی تعظیم کو مستلزم ہے لہٰذا واجب ہوا کہ اللہ کے نام پر کسی کا نام نہ رکھا جائے خاص کر یہ نام جو بے انتہا درجہ کی تعظیم پر دلالت کرتا ہے' اللہ پاک فرماتا ہے:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ .اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ کو بطور تناسل کے نوع انسانی کا باقی رکھنا منظور ہوا اور اس کا حکم بقاء کے اندر جاری ہو گیا اور عادت کے اعتبار سے بچہ جب تک اس کے ماں باپ اس کی زندگی کے اسباب میں معاونت نہ کریں زندہ نہیں رہ سکتا اور یہ ایک جبلی امر ہے جو لوگوں کی سرشت میں داخل ہے کہ اس کی مخالفت خلق الٰہی کی تغییر اور اس چیز کے بگاڑنے میں کوشش کرنا ہے جس کی حکمت الٰہی مقتضی ہے لہٰذا شرع کو اس سے بحث کرنا ضروری ہوا کہ ان دونوں خاوند بیوی پر بحصہ رسدی ان چیزوں کو مقرر کرے جو ان دونوں سے بسہولت ادا ہو سکیں اور ماں سے یہ بات ہو سکتی ہے کہ اس کو دودھ پلائے اور اس کی تربیت کرے پس اس پر یہی واجب کیا گیا' اور باپ سے ہو سکتا ہے کہ اپنے مقدور کے موافق بچہ کا خرچ اٹھائے کیونکہ خاوند نے اس کو تمام مشاغل اور مکاسب سے روک کر بچہ اس کی پرورش میں دیا ہے اور وہ اس کی پرورش میں محنت کرتی ہے پس انصاف کا مقتضی ہے کہ خاوند اس کا خرچ اٹھائے اور چونکہ بہت سے لوگ جلد دودھ چھڑاتے ہیں اور اکثر اوقات بچے کو اس سے ضرر پہنچتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک ایسی حد مقرر فرما دی جس کے بعد دودھ چھڑانے سے غالباً بچہ صحیح و سالم رہ سکتا ہے اور وہ پورے دو سال ہیں اور اس سے کم میں بھی دودھ چھڑانے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ دونوں اس میں مصلحت سمجھ کر اس بات کو تجویز کریں کیونکہ بسا اوقات اس مدت سے پہلے بچہ کھانے پینے کے قابل ہو جاتا ہے' مگر یہ بات سوچنے اور فکر کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے اور اس کے اندر فکر کرنے کے لیے ماں باپ ہی زیادہ تر مناسب ہیں اور اس بچے کی خصلت سے وہی خوب واقف ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے جانبین سے ضرر رسانی کو بھی حرام کیا اس لیے کہ اس میں وقت تھی جس سے معاونت میں نقصان لازم آتا تھا پھر اگر لوگوں کو بچے کی ماں کے ضعیف یا مریض ہونے کے سبب سے دودھ پلوانے کی حاجت پڑے

یا خاوند بیوی میں فرقت ہوگئی اور اس کو دودھ پلانے کی خوشی نہ ہو یا اور کوئی سبب ہو تو کسی اور سے دودھ پلوانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور ایسے وقت میں جانبین سے ایفاء حق کا ضروری ہے اور کسی شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ حق رضاع سے کس چیز کو دے کر میں بری ہو سکتا ہوں آپ نے فرمایا: **غرة عبدا او امة** ایک غلام یا ایک باندی' معلوم کرو کہ دایہ حقیقی ماں کے بعد ایک ماں ہوتی ہے اور ماں کے ساتھ سلوک کرنے کے بعد اس کے ساتھ سلوک کرنا واجب ہے' حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی مرضعہ (دایہ) کے لیے اپنی چادر مبارک کو ان کی عزت کے سبب سے بچھا دیا' اور بسا اوقات وہ اس چیز سے راضی نہیں ہو سکتی جو بطور ہدیہ کے اس کو دی جائے اگرچہ وہ بہت ہو اور اکثر اوقات دودھ پلانے والا دیتے وقت تھوڑی سی چیز کو بہت سمجھ سکتا ہے اور اس میں ایک قسم کا اشتباہ تھا لہٰذا آنحضرت ﷺ سے اس کی حد مقرر کرنے کا سوال کیا گیا تو آپ نے ایک باندی یا غلام کے ساتھ اس کی حد معین فرمائی اس وجہ سے کہ مرضعہ حق اس کے ذمہ ثابت ہونے کی وجہ اس کے بینہ کا قائم کرنا اور اس کا انسان کامل بنانا اور اس کی پرورش کرنا اور اس کی محنت اٹھانا ہے اس کی پوری پوری جزا یہ ہے کہ رضیع (دودھ پلانے والا) اس کو آدمی عطا کرے جو اس کے لیے تدابیر ضروریہ کے ارادہ کرنے میں بمنزلہ اعضا کے ہو اور اس مرضعہ کے کام و کاج کا بار اٹھائے اور یہ ایک حد استحبابی ہے نہ ضروری' اور ہند نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ابوسفیان ایک بخیل شخص ہے اس کے مال سے بغیر اس کی اجازت کے جو کچھ میں نے لوں وہ لے لیتی ہوں ورنہ وہ مجھے کچھ نہیں دیتا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس قدر تیرے اور تیری اولاد کے لیے کافی ہو سکے اس سے حسب دستور اس قدر لے لیا کر' میں کہتا ہوں چونکہ اولاد اور بیوی کا نفقہ منضبط ہونا ایک دشوار امر تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس کی رائے پر اس کو چھوڑ دیا اور اس کے لینے میں دستور کی قید لگا دی اور قاضی کی طرف رجوع کرنے کی حاجت باقی نہیں رہی کیونکہ ایسے وقت میں اس میں دقت تھی۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے **مروا اولادکم بالصلوٰة وهم ابناء سبع سنين** الحدیث' جب تمہاری اولاد سات برس کی ہو جائے تو ان سے نماز کے لیے کہو' اس کے اسرار پہلے بیان ہو چکے ہیں اس باب میں آنحضرت ﷺ نے لڑکے کی پرورش کرنے میں مختلف حکم دیئے ہیں اس لیے کہ آپ نے اس بات کا لحاظ کیا ہے جو اولاد اور ماں باپ کے لیے مناسب ہے اور آسانی ہے اور جو شخص ضرر رسانی کا قصد کرے اور مصلحت کا لحاظ نہ کرے آپ نے لحاظ نہیں کیا کیونکہ حسد اور ضرر رسانی اتباع کے قابل نہیں ہوتی چنانچہ ایک مرتبہ آپ کی خدمت شریف میں ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرا یہ بیٹا میرے ہی تو پیٹ میں رہا اور میرے ہی پستان کا اس نے دودھ پیا اور میرے ہی گود میں رہا اور اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور مجھ سے ہی چھیننا چاہتا ہے تو آپ نے اس سے فرمایا **انت احق به مالم تنكحى** تو جب تک نکاح نہ کرے تو ہی اس کی مستحق ہے' میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ ماں پرورش کرنا خوب جانتی ہے اور بچے پر شفیق ہوتی ہے اور نکاح کرنے کے بعد وہ دوسرے خاوند کی مملوکہ ہو جاتی ہے اور وہ ایک اجنبی شخص ہے اور بھلائی کرنے کی اس سے امید نہیں اور ایک لڑکے کو آپ نے اختیار دیا کہ وہ خواہ باپ کے پاس رہے یا ماں کے پاس اور یہ جب ہے کہ جب وہ بھلائی برائی کی تمیز کرنے لگے' معلوم کرو کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے اور باہمی معاونت کے بغیر اس کی زندگی قائم نہیں ہو سکتی اور معاونت باہمی الفت اور شفقت کے نہیں ہو سکتی اور الفت بغیر غمخواری و ہمدردی

کے جانبین سے خاطر داری کے بغیر نہیں ہو سکتی اور معاونت کا کوئی مرتبہ مقرر نہیں بلکہ اس کے مختلف مرتبے ہیں جن کے اختلاف سے بھلائی اور صلہ بھی مختلف ہوا کرتا ہے ادنیٰ مرتبہ اس کا ارتباط ہے جو باہم مسلمانوں کے ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی باہم بھلائی کو پانچ چیزوں میں محدود کیا ہے اور فرمایا **حق المسلم علی المسلم خمس رد السلام واعادة المريض و اتباع الجنائز واجابت الدعوت و تشميت العاطش' وفی روایة سته السادسة اذا استنصحك فانصح له** .مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں سلام کا جواب دینا اور بیمار کی عیادت اور جنازہ سے پیچھے چلنا اور دعوت کو قبول کرنا اور چھینکنے والے کے لیے دعا دینا اور ایک روایت میں چھ ہیں چھٹا یہ ہے کہ جب تجھ سے خیر خواہی چاہے تو تو اس کی خیر خواہی کرے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اطعمو الجائع وفكوا العانى** .بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور قیدی کو چھڑاؤ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پانچ یا چھ چیزوں میں لوگوں کو کچھ ایسی دقت نہیں ہوتی اور ان سے باہمی الفت ہو جاتی ہے اور اس کے بعد وہ ارتباط ہے جو ایک قبیلہ یا ہم جوار کے اندر یا اقارب میں ہوتا ہے پس ان لوگوں میں یہ چیزیں بھی ضروری ہوتی ہیں اور تعزیت وتہنیت اور آمد ورفت اور باہمی تحفہ وتحائف بھی ضروری ہے اور آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے ایسے امور واجب کیے ہیں جس کے وہ پابند ہوں خواہ ان کے وہ طالب ہوں یا منکر جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **من ملك ذا رحم محرم فهو حر** .جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو پس وہ حر ہے اور جیسے کہ دیتوں کے باب میں پھر وہ میل جول کہ مابین کنبہ کے ہوتا ہے جیسے بیوی وغلام لونڈی' لیکن بیوی کے متعلق بھلائی تو ہم اس کو بیان کر چکے لیکن غلام ولونڈی کے متعلق بھلائی تو اس کے اپنے مرتبے گردانیں' ایک واجب جس کا کرنا ان کو ضروری ہو خواہ چاہیں یا نہ چاہیں اور دوسرے درجہ کی بھلائی یہ ہے کہ اس کا کرنا ان کو بہتر ہے ضروری نہیں لیکن پہلا مرتبہ وہ ہے۔

جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا **للمملوك طعامه وكسوته ولا يكلف من العمل مالا يطبق** غلام کے لیے اس کا کھانا اور کپڑا ہے اور جو کام اس کے مقدور سے باہر ہو وہ اس سے نہ لیا جائے اور اس کا کپڑا کھانا اس لیے ہے کہ وہ سید کی خدمت کے سبب سے اپنے کسب کرنے سے مجبور ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ غلام کا لباس وطعام اس پر واجب ہو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من قذف مملوكه وهو برئ مما قال جلد يوم القيامة** .جو شخص اپنے غلام پر تہمت لگائے حالانکہ وہ اس کے فعل سے بری ہے قیامت کے دن اس پر کوڑے لگائے جائیں گے اور نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **من جدع عبده فالعبد حر عليه** .جو شخص اپنے غلام کے ناک کان کاٹے پس اس پر اس کا غلام آزاد ہے میں کہتا ہوں اس میں یہ بات ہے کہ اس میں اس کے اوپر ملکیت جاتے رہنے سے اس مولا کے اس فعل سے جو اس نے کیا ہے زجر وتوبیخ ہے اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں **لايجلد فوق عشر جلدات الا فى حد من حدود الله** .دس سے زیادہ وہ کوڑے نہ مارا جائے گا بجز کسی حد حدود اللہ تعالیٰ سے' میں کہتا ہوں اس میں دروازہ ظلم کا مسدود کر دینا ہے' یا اس سے مراد یہ ہے کہ اس ذات کے متعلق دس کوڑوں سے زیادہ عذاب دینے سے نہی ہے جیسے کہ مامور بہ کو ترک کرنے وغیرہ کے اور مراد حد سے وہ گناہ ہے جس کی شرع کے حق میں نہی آئی ہے اور

جیسا کہ کسی قائل کا یہ قول ہے' کہ تو حد کو پہنچ گیا اور میرے گمان میں یہ وجہ قریب تر فہم ہے اس لیے کہ خلفائے راشدین حقوق شرع کے اندر دس سے زیادہ تعزیر کیا کرتے تھے اور دوسرا مرتبہ بھلائی کا وہ ہے۔

جو آنحضرت نے فرمایا **اذا صنع لاحدکم خادمہ طعامہ ثم جاربہ وقد ولی حرہ و دخانہ فلیقعدہ معہ فلیاکل فان کان الطعام مشغوھا قلیلا فلیضع فی یدہ منہ اکلۃ او اکلتین** .جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا پکائے پھر وہ اس کے پاس کھانا ایسی حالت میں لائے کہ اس کو اس کا دھواں وحرارت لگا ہے پس اس کو مناسب ہے کہ اس کو اپنے پاس بٹھالے اور اس کے ساتھ کھانا کھائے اور اگر تھوڑا سا ہے تو ایک یا دو لقمہ اس کھانے میں سے اس کے ہاتھ پر رکھ دے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من ضرب غلاما لہ احد الم یاتہ اولطمہ فان کفارتہ ان یعتقہ** .جو شخص اپنے غلام کو بلا کسی حد کے جس کا وہ مرتکب ہوا مارے یا اس کے طمانچہ لگائے تو اس کا یہ کفارہ ہے کہ اس کو آزاد کردے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اذا ضرب احدکم خادمہ فذکر اسم اللہ فلیمسک** تم میں سے جب کوئی شخص اپنے خدمتگار کو مارے اور وہ اللہ تعالیٰ کا نام زبان پر لائے تو اس کو رک جانا چاہیے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من اعتق رقبۃ مسلمًا اعتق اللہ بکل عضو منہ عضوا من النار** .جو شخص کسی مسلمان باندی غلام کو آزاد کردے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے مقابل میں اس کے عضو کو آگ سے آزاد کردے گا میں کہتا ہوں کہ آزاد کرنے کے اندر مسلمانوں کی جماعت کا اکٹھا کرنا قیدی کو قید سے رہا کردینا ہے پس اس کی پوری پوری جزا دیا جائے گا۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من اعتق شخصا فی عبد اعتق کلہ ان کان لہ مال** .جس شخص کا ایک غلام میں کچھ حصہ ہو اور وہ اسے آزاد کردے تو اگر اس کے پاس مال ہے تو وہ سب آزاد ہو جائے گا' میں کہتا ہوں اس کا سبب وہی ہے جس کی نفس حدیث میں تصریح واقع ہوئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے اس سے مراد یہی ہے کہ آزاد کردینا فی الواقع اللہ تعالیٰ کی ملک میں اس کا دے دینا ہے اور یہ بات خلاف ادب ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کی ملک باقی رہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من ملک ذا رحم محرم فھو حر** .میں کہتا ہوں اس کا سبب صلہ رحم ہے پس اللہ نے صلہ رحم کی ایک قسم کو ان پر واجب کردیا خواہ ان کی مرضی ہو یا نہ ہو اور واجب کرنے کے لیے اس قسم کے صلہ رحم کو اس لیے خاص کیا کہ اپنے قریب کا مالک ہو جانا اور اس پر تصرف کرنا اور غلاموں کی سی اس سے خدمت لینا اس پر بڑا ظلم ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **اذا وارث امۃ الرجل منہ فھی معتقہ دبر منہ** .جب ایک شخص کی لونڈی کی اسی شخص سے کچھ اولاد پیدا ہو تو وہ اس کے مرنے کے بعد آزاد ہوگی میں کہتا ہوں اس کا یہ راز ہے کہ اولاد کے ساتھ سلوک کرنا ہے تا کہ کوئی شخص بجز اس کے باپ کے اس کی ماں کا مالک نہ ہو جس کے سبب سے اس کو عار لاحق ہو اور شارع نے غلام پر مولا کی خدمت واجب کی اور بھاگنا اس پر حرام کیا' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **ایما عبد ابق فقد بریٔ من الذمۃ حتی یرجع** .جو غلام بھاگ گیا پس البتہ وہ اسلام کے عہد سے الگ ہو گیا جب تک واپس نہ آئے اور آزاد کیے ہوئے پر شارع نے اس بات کو حرام کیا کہ بجز اپنے موالی کے کسی اور کو اپنا والی نہ بنائے اور سب سے بڑھ کر صلہ رحم والدین کے حقوق کی حرمت وعزت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **من اكبر الكبائر عقوق الوالدين**. سب کبائر میں بڑھ کر گناہ کبیرہ والدین کی نافرمانی ہے اور والدین کے ساتھ سلوک کرنا چند اُمور سے پورا ہوتا ہے ان کو کھلانا اور لباس دینا اور اگر ان کو خدمت کی حاجت ہو تو خدمت کرنا اور جب وہ بلائیں تو ان کا جواب دینا اور جب کسی بات کا بشرطیکہ وہ قبیلہ معصیت سے نہ ہو حکم دیں اطاعت کرنا اور کثرت سے ان کے پاس آمد و رفت رکھنا اور نرمی کے ساتھ ان سے بات چیت کرنا اور ان سے ہوں تک نہ کہنا اور ان کو نام لے کر نہ پکارنا اور ان کے پیچھے پیچھے چلنا اور اگر کوئی ان کا عیب کرے یا دکھ پہنچائے اس کی مدافعت کرنا اور نشست و برخاست میں ان کا وقار کرنا اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا۔ واللہ اعلم

یہ باب سیاست شہروں کے اندر ہے

معلوم کرو کہ مسلمانوں کی جماعت کے اندر مصلحتوں کے لیے ایک خلیفہ کا ہونا ضروری ہے اس لیے کہ مصالح بغیر اس کے پورے نہیں ہو سکتے اور وہ مصلحتیں اگرچہ کثرت سے ہوتی ہیں مگر دو قسموں میں منحصر ہوتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ جس کا نتیجہ سیاست مدنیہ ہے یعنی ان لشکروں سے مدافعت کرنا کہ جو ان سے لڑے اور ان کو مقہور کرنا اور ظالم کو مظلوم سے روکنا اور قضیے جھگڑوں کو فیصل کرنا اور علاوہ ان کے اور ہیں اور ان حوائج کی پیشتر ہم تشریح کر چکے ہیں' اور دوسری قسم جسے مقصود ملت کی اصلاح کرنی ہوتی ہے اور اس کا بیان یہ ہے کہ دین اسلام کی عظمت تمام ادیان پر جب ہی ہو سکتی ہے کہ جب باہم مسلمانوں کے کوئی خلیفہ ہو جو دین سے خارج ہونے والے اور اس چیز کے مرتکب ہونے والے کو جس کی حرمت منصوص ہے یا اس چیز کے ترک کرنے والے کو جس کی فرضیت نص سے ثابت ہے سخت طور پر ممانعت اور انکار کرے اور باقی تمام ادیان کے لوگوں کو مطیع کر دے اور ان سب پر دباؤ ڈال کر سب سے معا جزیہ لیا کرے ورنہ وہ مرتبہ میں برابر ہوں گے اور ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ پر ترجیح ظاہر نہ ہوگی اور کوئی چیز سرکشی سے ان کو روکنے والی نہ ہوگی' رسول اللہ ﷺ نے تمام ان حوائج کو چار باب کے اندر منحصر کر دیا ہے باب مظالم' باب حدود' باب قضا' باب جہاد' پھر ان ابواب کے کلیات منضبط کرنے اور جزئیات کے ائمہ کی رائے پر چھوڑ دینے اور ان کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ پھیلانے کی نصیحت کرنے کی ضرورت ہوئی اور اس کے کئی اسباب ہیں از انجملہ یہ ہے کہ جو شخص خلیفہ بنتا ہے وہ اکثر ظالم اور ستم گار اور اپنی خواہش نفسانی کا تابع ہوتا ہے اور حق کی تابعداری نہیں کرتا اس لیے رعایا میں فساد ڈال دیتا ہے اور اس کا یہ فساد اس مصلحت سے بدرجہا زیادہ ہوتا ہے' جس کے لیے خلافت ہوتی ہے اور وہ خلیفہ اپنے افعال میں یہ حجت پیش کرتا ہے کہ وہ حق کے تابع ہے اور اسی بات میں اس نے مصلحت سمجھی ہے پس ایسے کلیات کا ہونا ضروری ہے کہ جو شخص ان کی مخالفت کرے اس کو روکا جائے اور ان کلیات کے ساتھ اس سے مواخذہ کیا جائے اور ان کلیات کے ذریعہ سے لوگ اس خلیفہ پر حجت قائم کر سکیں' اور از انجملہ یہ ہے کہ خلیفہ پر یہ بات واجب ہے کہ لوگوں کے سامنے ظالم کے ظلم کو ثابت کرے اور نیز یہ بات ثابت کرے کہ سزا حاجت سے زیادہ نہیں ہے اور قضیوں کے فیصلہ کرنے میں اس بات کو ثابت کر دے کہ اس نے ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا ہے اور اگر یہ بات نہ ہوگی تو لوگ اس کی خلافت میں اختلاف کریں گے اور جس کو ضرر پہنچا ہے اس کے اور نیز اس کے اقارب کے دل میں خلیفہ کی طرف سے غصہ و جوش پیدا ہوگا' جس کا نتیجہ یہ ہو

گا کہ عذر کر بیٹھیں گے اور ان کے دلوں میں خلیفہ کی طرف سے بغض پیدا ہو جائے گا اور یہ سمجھیں گے کہ حق ان کی جانب ہے اور یہ فساد عظیم کا سبب ہے' اور از انجملہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ سیاست مدن میں حق کیا ہوتا ہے پس وہ اجتہاد کرتے ہیں اور یمین و یسار حق کے راستہ سے پھر جاتے ہیں' بعض آدمی تو نہایت سخت ہوتا ہے کہ وہ نہایت درجہ کی زجر و توبیخ ادنیٰ خیال کرتا ہے اور بعض آدمی ایسا نرم ہوتا ہے کہ ادنیٰ کو بھی بہت سمجھتا ہے اور بہت سے لوگ ایسے کانوں کے کچے ہوتے ہیں کہ جیسا مدعی نے کہا اس کو سچ سمجھنے لگتے ہیں اور بعض ایسے سخت و ضدی ہوتے ہیں کہ خواہ مخواہ لوگوں کی نسبت بدظنی کرتے رہتے ہیں اور اس کا احاطہ ناممکن تھا کیونکہ بمنزلہ تکلیف بالمحال کے ہے پس ضروری ہوا کہ اصول منضبط کیے جائیں اس لیے کہ اصول کے اندر اتنا اختلاف نہیں ہے کہ جس قدر فروعات میں ہوتا ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ جب وہ قوانین شروع سے پیدا ہوئے ہیں تو وہ قربت الٰہی کے پیدا کرنے اور لوگوں کے اندر حق کا ذکر پائے جانے میں نماز روزہ کے مثل ہیں' الحاصل جو لوگ قوت شہوانیہ یا سبعیہ کے تابع ہوتے ہیں بالکل ان کو اختیار دے دینا ناممکن ہے اور خلفاء میں عصمت اور ظلم سے محفوظ رہنا متمیز نہیں ہو سکتا اور جن مصلحتوں کا ہم نے تشریع اور ضبط مقدار کے اندر بیان کیا ہے سب وہ وہاں موجود ہے۔ واللہ اعلم

خلافت کا بیان

معلوم کرو کہ خلیفہ میں عاقل بالغ آزاد مرد شجاع ذی ہوش اور گویا ہونا اور ان لوگوں میں سے ہونا شرط ہے کہ لوگ اس کی اور اس کی قوم کی شرافت مانتے ہوں اور اس کی فرمانبرداری سے عار نہ کرتے ہوں اور یہ بات جانتے ہوں کہ سیاست مدنی میں یہ حق کا اتباع کرے گا' یہ سب باتیں عقل سے معلوم ہو سکتی ہیں اور یہ ایسے امور ہیں کہ تمام مختلف ملکوں اور مختلف ادیان کے لوگوں کا خلیفہ کے اندر ان باتوں کے اندر ہونے کا اتفاق ہے اس لیے کہ سب لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ خلیفہ کے مقرر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر ان امور کے تمام نہیں ہو سکتی اور ان امور میں سے کوئی امر بھی اگر رہ جائے تو لوگ اس کو نامناسب خیال کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں اس کا خلیفہ ہونا ناگوار گزرتا ہے اور اگر چہ وہ بظاہر سکوت کر لیتے ہیں مگر ان کے دلوں میں ناخوشی ہوتی ہے' چنانچہ ملک فارس میں جب لوگوں نے ایک عورت کو اپنا بادشاہ بنایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس قوم نے عورت کو اپنے اوپر حاکم بنایا وہ ہرگز فلاح کو نہ پہنچے گی' اور ملت محمدیہ نے علاوہ ان امور کے نبی کے خلیفہ ہونے میں چند اور کا بھی اعتبار کیا جن میں اسلام اور علم اور عدالت بھی ہے اس لیے کہ دینی مصالح بدون ان امور کے تمام نہیں ہوتے اس لیے کہ تمام مسلمانوں نے اسی پر اتفاق کیا ہے اور اس کی حجت یہ آیت **وَعَدَاللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا مِنکُمْ وَعَمِلُو الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ** سے **فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ** تک' تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کیے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ بلاشبہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا اور از اں جملہ اس کا قریشی ہونا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **الائمة من قریش**۔ ائمہ قریش میں سے ہوں گے اور اس کا سبب یہ ہے کہ حق جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان پر ظاہر کیا ہے وہ قریش کی زبان میں اور انہیں کی عادت کے موافق نازل ہوا ہے اور اکثر مقادیر اور حدود کی تعیین انہیں چیزوں کے ساتھ کی

گئی ہے جو انہیں میں موجود تھیں اور بہت سے احکام انہیں کے معاملات کے متعلق نازل ہوئے ہیں' پس سب سے زیادہ ان احکام کو قائم کرنے والے اور ان سے دلیل پکڑنے والے کے متعلق نازل ہوئے ہیں' پس سب سے زیادہ ان احکام کو قائم کرنے والے اور ان سے دلیل پکڑنے والے وہی لوگ ہیں اور نیز قریش آنحضرت ﷺ کی قوم اور آپ کا گروہ ہیں اور ان کا سارا فخر دین محمدی کے بلند ہونے میں ہے' پس ان میں غیرت دینی و نسبی دونوں پائی جاتی ہیں' پس وہی لوگ شرائع کے قائم کرنے اور ان سے استدلال کرنے کے قابل ہیں اور نیز خلیفہ کو ایسا شریف النسب والحسب ہونا چاہیے جس کی فرمانبرداری سے لوگ عار نہ کر سکیں اس لیے کہ جس شخص کا نسب عمدہ نہیں ہوتا اس کو حقیر و ذلیل جانتے ہیں اور نیز خلیفہ ان لوگوں میں سے ہونا چاہیے جن میں قدیم سے ریاست اور شرافت اور لوگوں کے جمع کرنے اور قتال کے قائم کرنے کا مادہ اور ملکہ چلا آیا ہے اور نیز اس کی قوم کے لوگ قوی ہونے چاہئیں جو اس کی حمایت و مدد کر سکیں اور اس کی خاطر اپنی جانیں دے سکیں اور یہ سب امور بجز قریش کے کسی قوم میں نہیں پائے جاتے' خاص کر جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور قریش کا درجہ اور بے انتہا بلند ہو گیا' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا خلافت کا امر بجز قریش کے ہرگز کسی کے لیے نہیں معلوم ہوتا وہ تمام عرب میں خاندان کے اعتبار سے درمیان میں واقع ہوئے ہیں اور خلیفہ کا مثلاً ہاشمی ہونا بدو وجہ شرط نہیں کیا گیا ایک تو یہ کہ لوگوں کو اس سے شک واقع نہ ہو اور یہ کہنے کی گنجائش نہ ہو کہ نبی کو اپنے گھرانے کی بادشاہت مقصود ہے جس طرح بادشاہوں کو ہوتی ہے اور یہ بات ان کے ارتداد کا سبب ہو' اور یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے عباس بن عبد المطلب کو بیت اللہ کی کنجی عطا نہیں فرمائی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خلافت کے اندر نہایت ضروری امر خلیفہ سے لوگوں کا راضی ہونا اور اس پر اتفاق کرنا اور اس کی توقیر کرنا اور خلیفہ کا لوگوں پر حدود کا قائم کرنا اور دین کی خاطر قتال کرنا اور احکام نافذ کرنا ہے اور یہ سب امور کسی نہ کسی شخص میں جمع ہو سکتے ہیں' اس بات کی شرط کرنے میں کہ خلیفہ ایک خاص قبیلہ سے ہو لوگوں کو دقت اور حرج ہے کیونکہ بسا اوقات ہو سکتا ہے کہ اس قبیلہ میں کوئی شخص ان اوصاف کا جامع نہ پایا جائے۔ اور دوسرے قبیلہ میں ایسا شخص موجود ہو' اسی وجہ سے فقہاء کہتے ہیں کہ چھوٹی سی بستی حاکم ہونے کے لیے اس شخص کی سب سے نزدیک مسلم ہونا شرط نہیں ہے اور بڑی بستی ہی شرط ہے اور خلافت کے انعقاد کی کئی صورتیں ہیں ایک تو اہل حل وعقد یعنی علماء اور رؤسا اور لشکر کے افسروں کا وعلیٰ ہذا القیاس ان لوگوں کا بیعت کر لینا جن کی عقل کو مسلمانوں کی خیر خواہی میں دخل ہے' جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی اور ایک صورت یہ ہے کہ خود خلیفہ ہی لوگوں کو دوسرے کے خلیفہ کرنے کی وصیت کرے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت ہوئی' یا خلافت کی بابت قوم کے اندر کسی خاص شخص کے لیے مشورہ کیا جائے جس طرح حضرت عثمانؓ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انعقاد ہوا یا کوئی شخص جو ان اوصاف کا جامع ہو لوگوں پر استیلاء اور تسلط کر کے خلیفہ ہو جائے' جس طرح خلافت نبوت کے بعد اور خلفاء کی خلافت ہے' پھر اگر کوئی ایسا شخص جو ان اوصاف کا جامع نہ ہو لوگوں پر غلبہ حاصل کر لے تو اس کی مخالفت پر بھی جرأت نہ کرنی چاہیے اس لیے کہ غالباً اب وہ شخص بغیر لڑائیوں اور جھگڑوں کے خلافت سے معزول نہیں ہو سکتا اور یہ فساد بہ نسبت اس مصلحت کے بہت بڑا ہے خلافت سے جو مقصود ہوتی ہے' اور رسول اللہ ﷺ سے کسی نے عرض کیا ہم ان ائمہ سے قتال نہ کریں آپؐ نے فرمایا نہیں جب تک وہ تمہارے اندر نماز کو قائم رکھیں اور فرمایا مگر جس صورت میں تم صریح کفر دیکھو اور اللہ کی طرف سے تمہارے پاس اس

کی دلیل موجود ہو الحاصل جب خلیفہ ضروریات دین میں سے کسی ضروری حکم کا منکر ہو کر کافر ہو جائے تو اس کے ساتھ قتال کرنا درست بلکہ واجب ہے ورنہ نہیں اس واسطے کہ کفر کے وقت میں اس کے خلیفہ کرنے سے جو مصلحت مقصود تھی وہ فوت ہو گئی بلکہ لوگوں میں اس کے فساد پھیلانے کا اندیشہ ہے پس اس کے ساتھ قتال کرنا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **السمع والطاعة على المرء المسلم فيما احب وكره مالم يؤمر بمعصية واذا امر بمعصية فلاسمع ولاطاعة**. ماننا اور بجا آوری کرنا مرد مسلمان پر ان چیزوں میں جن کو وہ پسند کرے اور ناپسند کرے جب تک ہے کہ اس کو معصیت کا حکم نہ دیا جائے اور جب معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ ماننا چاہیے نہ سننا چاہیے' میں کہتا ہوں امام دو قسم کی مصلحتوں کے لیے ہے جن سے دین اور ملک کا انتظام مقرر ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی انہیں دونوں مصلحتوں کی غرض سے مبعوث ہوئے تھے اور امام آنحضرت ﷺ کا نائب اور آپ کے حکم نافذ کرنے والا ہے لہٰذا اس کی فرمانبرداری رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری اور اس کی نافرمانی آپ کی نافرمانی ہے مگر جب امام معصیت کا حکم دے تو یہ بات ظاہر ہے کہ اس کی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہیں ہے اور وہ شخص آپ کا نائب نہیں ہے اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **ومن يطع الامير فقد اطاعني ومن عصى الامير فقد عصاني**. اور جو شخص امیر کی اطاعت کرے اس نے میری اطاعت کی اور جو اس کی نافرمانی کرے اس نے میری نافرمانی کی' اور فرمایا ہے: **انما الامام جنه يقاتل من وراء ه و يتقى به فان امر بتقوى اليه وهدى فان له بذلك اجرًا وان قال لغيره فان عليه منه**. امام تو ایک ڈھال ہے جس کی پناہ لے کر قتال کیا جاتا ہے اور جس کے سبب سے لوگوں کو بچاؤ ہوتا ہے' پھر اگر امام اللہ کے خوف اور ہدایت کا حکم کرے تب تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اور اگر کچھ کہے تو اس پر جو کچھ ہے اس کی طرف سے ہے' میں کہتا ہوں کہ امام کو بمنزلہ ڈھال کے اس لیے فرمایا کہ امام کے سبب سے سب مسلمان یک زبان ہو جاتے ہیں اور ان پر کوئی آفت نہیں آ سکتی' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **من راى من اميره شيئًا يكرهه فليصبر فانه ليس احد يفارق الجماعة شبرا فيموت الامات ميتة جاهلية**. جو شخص اپنے امیر سے کوئی ناپسند بات دیکھے تو اس کو اس پر صبر کرنا چاہیے کیونکہ کوئی شخص ایسا نہیں جو جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہو کر مر جائے مگر جاہلیت کی موت مرے گا میں کہتا ہوں اسلام جاہلیت سے انہیں دو وجہ سے ممتاز ہے اور خلیفہ ان دونوں مصلحتوں میں نائب رسول ہوتا ہے پس جب کسی شخص نے ان مصلحتوں کے نافذ کرنے اور ان کے قائم کرنے والے سے مخالفت کی تو وہ جاہلیت کے مشابہ ہو گیا' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **مامن عبد يسترعيه الله رعية فلم يحطها بنصيحة الا لم يجد رائحة الجنة**. کوئی بندہ ایسا نہیں جس کو اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا اس کو محافظ بنائے اور خیر خواہی کے ساتھ وہ اس کی حفاظت نہ کرے مگر جنت کی بو اس کو نہ ملے گی' میں کہتا ہوں چونکہ خلیفہ کا مقرر کرنا مصلحتوں کے قائم کرنے کے لیے تھا لہٰذا ضروری ہوا کہ جیسے لوگوں کو خلیفہ کی فرمانبرداری کا حکم کیا گیا ہے اسی طرح خلیفہ کو بھی ان مصلحتوں کے ایفاء کا حکم کیا جائے تا کہ جانبین سے مصلحتیں پوری ہو سکیں پھر چونکہ امام سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ خود صدقات کو بھی وصول کرے اور عشر بھی لے اور تمام اطراف کے مقدمات فیصل کرے لہٰذا عمال و قضاۃ کا بھیجنا ضروری ہوا' اور چونکہ وہ سب کام چھوڑ کر مصالح عامہ میں سے ایک کام میں مشغول ہوئے لہٰذا بیت المال میں ان کا روزینہ مقرر کرنا ضروری ہوا' چنانچہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور فرمایا کہ میری قوم جانتی ہے کہ میری تجارت میرے کنبہ کا خرچ اٹھانے سے عاجز نہ تھی اور میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا لہٰذا اب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد اس مال سے یعنی بیت المال سے کھائے گی اور وہ یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے لیے محنت کرے گا' پھر ضروری ہوا کہ عامل کو سہولت سے کام لینے کا حکم دیا جائے اور فریب و رشوت سے اس کو منع کیا جائے اور لوگوں کو اس کی فرمانبرداری کا حکم کیا جائے تاکہ مصلحت پورے طور سے حاصل ہو چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: **ان رجالا تبخوضون فی مال الله بغیر حق فلهم النار یوم القیامة** بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے مال میں بغیر حق کے تصرف کرتے ہیں پس قیامت کے دن ان کے لیے آگ ہے' اور فرمایا ہے **من استعملناه علی عمل فرزقناه رزقا فما اخذ بعد ذلك فهو غلول** . جس کسی کو ہم کسی کام کے لیے مقرر کریں اور اس کو کچھ قوت دیں پھر بعد اس کے بھی اگر وہ لے تو خیانت ہے اور آنحضرت ﷺ نے راشی اور مرتشی پر لعنت کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رشوت کا لینا دینا مصلحت مقصودہ کے منافی اور باب مفاسد کے مفتوح ہونے کا سبب ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **لانستعمل من طلب العمل** . جو شخص عامل ہونا چاہے ہم اس کو عامل نہ کریں گے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ عامل ہونے کی خواستگاری اکثر خواہش نفسانی سے خالی نہ ہوگی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اذا جاء کم العامل فلیصدر وهو عنکم راض** . جب تمہارے پاس عامل آئے تو مناسب ہے کہ وہ تم سے خوش ہو کر واپس ہو پھر یہ ضروری ہوا کہ عمال کو ان کے عمل کے بدلہ میں جو کچھ دیا جائے اس کا اندازہ ہونا چاہیے تاکہ امام اس میں کمی بیشی نہ کریں اور نہ عامل خود اس میں کچھ زیادتی کر سکے' پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا **من کان لنا عامل فلیکتسب زوجة فان لم یکن له خادم فلیکتسب خادما فان لم یکن له مسکن فلیکتسب مسکنا** . جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو چاہیے کہ ایک بیوی کرے' پھر اگر اس کے پاس خدمت گار نہ ہو تو ایک خدمتگار رکھے' پھر اگر اس کے پاس گھر نہ ہو تو ایک گھر لے لے' پس جب امام عامل کو سال بھر کے صدقات تحصیل کرنے کو بھیجے تو اس کو مناسب ہے کہ ان صدقات میں سے اس کو اس قدر مقرر کر دے کہ جو اس کے خرچ کو بھی کافی ہو جائے اور اس قدر بچ بھی رہے کہ ان حوائج میں سے کسی حوائج کو پورا کر سکے' کیونکہ زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے اور بدون زیادتی کے صرف خرچ کرنے کے لیے کافی ہو جانے کی خاطر عامل عمل کی محنت گوارا نہ کر سکے گا' اور نہ اس کی طرف توجہ کر سکے گا۔

مظالم کا بیان

معلوم کرو کہ جن مقاصد کے لیے انبیا علیہم السلام مبعوث کیے گئے ہیں ان میں سے ایک مقصود اعظم یہ ہے کہ لوگوں میں سے باہمی مظالم دور ہو جائیں کیونکہ ان میں باہم ظلم کا ہونا ان کی حالت کے خراب ہونے اور وقت کے واقع ہونے کا سبب ہے اور یہ بات مستغنی عن البیان ہے' اور مظالم کی تین قسمیں ہیں' جان پر تعدی کرنا اور لوگوں کے اعضاء پر تعدی کرنا اور ان کے مالوں پر تعدی کرنا' پس حکمت الٰہی کا مقتضا ہوا کہ ان اقسام میں سے ہر قسم کی نہایت تاکید کے ساتھ پوری سزا کی جائے جس کے سبب سے دوبارہ ان کے مرتکب ہونے سے باز رہیں اور یہ بات نامناسب تھی کہ سب سزائیں ایک درجہ کی ہوتیں' اس لیے کہ قتل کرنا ہاتھ یا پیر کاٹنے

کے برابر نہیں ہوسکتا اور نہ ہاتھ وپیر وغیرہ مال کے ہلاک کرنے کے برابر ہوسکتا ہے اور جن خواہشوں سے یہ مظالم پیدا ہوتے ہیں ان کے مراتب مختلف ہوں پس یہ بات ظاہر ہے کہ کسی شخص کا عمداً قتل کرنا ایسا نہیں ہے جیسے تساہل' جو کوئی خطا کا سبب ہو جائے' پس سب سے بڑھ کر ظلم قتل ہے اور تمام اہل ادیان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قتل سب گناہوں میں بڑھ کر گناہ ہے کیونکہ اس میں خواہش غصب میں نفس کی اطاعت ہے اور لوگوں میں فساد ڈالنے کا بڑا سبب ہے اور اس میں خلق الٰہی کے تغیر اور بنیاد الٰہی کا منہدم کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے جو نوع انسانی کا پھیلانا چاہا ہے اسی میں اس کی مخالفت پائی جاتی ہے' اور قتل کے تین قسم ہیں' قصداً' خطاء' مشابہ قصداً' قتل عمد اس قتل کا نام ہے جس ایسی چیز سے جان کا نکالنا قاتل کا مقصود ہو جو اکثر خواہ اپنی تیزی سے خواہ اپنے بوجھ سے مار ڈالنے والی ہو اور قتل خطا اس قتل کا نام ہے جس میں انسان کا مارنا مقصود نہیں ہوتا مگر اتفاق سے وہ چیز اس تک پہنچ کر اس کو قتل کر دے مثلاً کوئی شخص دوسرے شخص پر گر پڑے اور وہ مر جائے یا کسی درخت کی طرف کوئی تیر وغیرہ چلائے اور کسی انسان کے وہ تیر لگ کر اس کو ہلاک کر دے اور مشابہ بالعمد کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسی چیز سے مارے جو غالباً ہلاک نہیں کرتی مگر وہ شخص اس سے ہلاک ہو جائے جیسے کوئی شخص کسی کے کوڑا یا لاٹھی مارے اور وہ مر گیا۔ اور قتل کی تین قسمیں اس لیے کی گئیں کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ سزا ایسی ہونی چاہیے جو داعیہ نفسانی اور مفسدہ کی مقاومت کر سکے اور داعیہ اور فساد کے مراتب مختلف ہیں پس چونکہ قتل عمد میں فساد زیادہ ہے اور اس کا داعیہ بھی قوی ہے لہٰذا اس میں سخت سزا کا دینا مناسب ہوا تا کہ پورے طور پر اس کے ارتکاب سے روکے اور قتل خطا میں چونکہ فساد بھی کم ہے اور داعیہ بھی خفیف ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ اس کی سزا میں تخفیف کی جائے اور رسول اللہ ﷺ نے عمداً اور خطأ کے مابین ایک اور قسم کا استنباط فرمایا ہے اس لیے کہ وہ دونوں کے مابین واسطہ ہے اور دونوں کے ساتھ اس کو مشابہت ہے' پس ان دونوں میں سے ایک میں اس کا داخل ہونا نامناسب ہے' قتل عمد کے باب میں یہ آیت نازل ہوئی: **وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا** ۔اور جو کوئی کسی مومن کو عمداً قتل کر ڈالے تو اس کی جزا جہنم ہے درانحالیکہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے' ظاہر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قاتل کی کبھی مغفرت نہ ہوگی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مذہب ہے مگر ظاہر سنت سے یہ معلوم ہوتا ہے اور جمہور کا بھی یہی مذہب ہے کہ اس کا حال بھی اور گناہوں کا سا ہے اور یہ تشدیدات زجر کے طور پر ہیں اور اس کے جہنم میں مدتِ دراز تک رہنے کو خلود کے ساتھ تشبیہ پائی جاتی ہے اور اس کے کفارہ میں اختلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قتل عمد کے مسئلہ میں کفارہ کی تصریح نہیں فرمائی اور اللہ پاک نے فرمایا ہے: **يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى** ۔اے ایمان والو! مقتولوں میں تم پر قصاص لکھا گیا حر کے بدلہ میں حر غلام کے بدلہ میں غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت اخیر تک' یہ آیت عرب کے قبائل میں سے دو قبیلوں کے باب میں نازل ہوئی ہے ایک قبیلہ ان میں سے بہ نسبت دوسرے کے شریف تھا' پس گھٹیا قبیلے کے لوگوں نے اس اشرف قبیلہ کے کچھ لوگوں کو قتل کر ڈالا تو اشرف قبیلہ نے کہا کہ ہم بدلے غلام کے حر اور عورت کے بدلے مرد ہلاک کریں گے اور ہم میں سے جو زخمی ہوا ہے اس کے بدلہ میں دو چند زخمی کریں گے' اور آیت کے معنی واللہ اعلم یہ ہیں' کہ مقتولین میں صفاتِ خاصہ کا مثل عقل اور

جمال اور صغیر و کبیر اور شریف یا مالدار ہونے کا اعتبار نہیں ہے وعلیٰ ہذا القیاس بلکہ صرف نام اور مظانِ کلیہ کا اعتبار ہے اس لیے ہر عورت دوسری عورت کے برابر لہٰذا سب عورتوں کی دیت ایک ہی مقرر کی گئی ہے اگرچہ اوصاف میں تفاوت ہو اور اسی طرح ہر حر دوسرے حر کا مثل اور ہر غلام دوسرے غلام کا مانند ہے پس قصاص کے معنی برابری اور اس بات کے ہیں کہ دو شخص ایک ہی درجے میں سمجھے جائیں اور ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دی جائے' قصاص کے معنی اس کے بدلہ میں قتل کرنے کے ہرگز نہیں ہیں' پھر سنت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مسلمان کافر کے عوض میں قتل نہ کیا جائے گا اور نہ حر غلام کے بدلہ مگر مرد عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا' اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک باندی کے بدلے یہودی کو قتل کیا اور آنحضرت ﷺ نے ہمدان کے حکام کی طرف جو نامہ روانہ فرمایا اس میں یہ حکم لکھا ہوا تھا کہ عورت کے بدلے مرد قتل کیا جائے اور اس کا سبب یہ ہے کہ قیاس اس صورت میں مختلف ہے کیونکہ مردوں کا عورتوں پر بزرگ اور حاکم ہونے کا تو یہ مقتضی ہے کہ عورتوں کے بدلہ مردوں سے قصاص نہ لیا جائے اور دونوں کی جنس ایک ہی ہے صرف فرق صغیر و کبیر اور قوی الجثہ اور ضعیف کا سا ہے اور اس قسم کی رعایت کرنا ایک دشوار بات ہے اور بہت سی عورتیں باعتبار عمدہ عادات کے مردوں سے بہتر ہوتی ہیں اس کا مقتضی یہ ہے کہ عورتوں کے بدلے ان سے قصاص لیا جائے پس ضروری ہوا کہ دونوں قیاسوں پر عمل کیا جائے اور عمل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قتل میں قصاص کا اعتبار کیا گیا نہ دیت میں اور یہ اس لیے کیا گیا کہ عمداً قتل کرنے والے نے اس کی جان کا قصد کیا اور اس پر تعدی کا قصد کیا اور جو شخص قصداً تعدی کرنے والا ہو تو اس تعدی کو اس سے پورے طور پر دفع کرنا چاہیے' عورت صاحب شوکت نہیں ہے اور اس کے قتل کرنے میں کوئی وقت واقع نہیں ہوتی بخلاف مردوں کے قتل کرنے کے کہ ایک مرد دوسرے سے قتال کرتا ہے لہٰذا یہ صورت قصاص واجب کرنے کے لیے زیادہ مناسب ہوئی تاکہ پھر دوبارہ ایسے کام سے باز رہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **لا یقتل مسلم بکافر** کہ کافر کے بدلے مسلمان نہ قتل کیا جائے' میں کہتا ہوں کہ اس کی یہ وجہ ہے شرع کا مقصود اعظم ملت محمدی کا بلند کرنا ہے اور یہ بات اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے کہ مسلمان کو کافر پر فضیلت دی جائے اور ان میں باہم برابری نہ کی جائے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **لا یقاد الوالد بالولد**. بیٹے کے بدلے ماں باپ سے قصاص نہ لیا جائے گا' اس کا سبب یہ ہے کہ والدین کی محبت اور شفقت اولاد پر نہایت ہوتی ہے پس والدین کا قتل پر اقدام کرنے میں ایسی بات کا ظن غالب ہوتا ہے کہ انہوں نے قتل کا قصد نہیں کیا اگرچہ قصد کرنے کی علامات پائی جائیں یا وہ قتل کسی ایسے سبب سے ہوا ہے جس نے قتل کو مباح کر دیا اور جس طرح ایسے آلہ کا استعمال کرنا جو غالباً قتل نہیں کرتا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قاتل نے جان سے مار ڈالنے کا قصد نہیں کیا' والدین کا مارنا بھی اس بات پر اس سے کم دلالت نہیں کرتا' اور اس قتل میں جو مشابہ بالعمد آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من قتل فی عمیته فی رمی یکون فیهم بالحجارة اوجلد بالسیاط او ضرب بعصا فهو خطاء و عقله عقل الخطاء**. جو شخص کسی فتنہ میں مارا جائے جس کے اندر لوگوں میں پتھر یا کوڑا یا لٹھ چلے تو وہ قتل خطا ہے اور اس کی دیت وہی ہے جو قتل خطا کی ہوتی ہے' میں کہتا ہوں اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ خطا کے مشابہ ہے اور وہ قصداً نہیں ہے اور اس کی دیت فی الحقیقت اسی کی دیت ہے اور امتیاز صرف صفت کے اعتبار سے ہے یا یہ معنی ہیں کہ قتل خطا اور اس میں سونا و چاندی کے اعتبار سے کچھ فرق نہیں اور دیت مغلظہ میں روائتیں مختلف ہیں' ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ دیت مغلظہ میں چار قسم کے اونٹ دینے

چالیس پچیس جذعہ اور پچیس حقہ اور پچیس بنت لبون اور پچیس بنت مخاض' اور آنحضرت ﷺ سے ایک روایت ہے کہ اگر کوڑے یا لاٹھی سے قصداً خطا سے قتل ہو جائے تو سو اونٹ آتے ہیں جن میں سے چالیس گابھن اونٹنیاں ہوں اور ایک روایت میں تیس حقے اور تیس جذعے اور چالیس گابھن اونٹنیاں آئی ہیں اور اگر اپنے طور پر رضامندی سے جو کچھ کمی وبیشی کرے تو جائز ہے اور قتل خطا میں دیت خفیہ آتی ہے جس میں پانچ قسم کے اونٹ دینے آتے ہیں ۲۰ بنت مخاض' ۲۰ ابن مخاض' ۲۰ بنت لبون' ۲۰ حقے' ۲۰ جذعے' ان دونوں قسموں میں عاقلہ پر تین برس کے اندر دیت دینی واجب ہوتی ہے' اور چونکہ ان اقسام کے مراتب مختلف ہیں اس لیے کئی وجہ سے تخفیف وتغلیظ کا قتل کے اندر لحاظ کیا گیا' ایک تو یہ کہ قاتل کے مار ڈالنے کا حکم صرف قتل عمد میں دیا گیا ہے اور باقی دو قسموں میں دیت کا حکم دیا گیا اور یہود کی شریعت میں بجز قصاص کے کچھ اور نہ تھا' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے تخفیف کی' پس قتل عمد کا بدلہ دو باتوں میں سے ایک مقرر کیا قتل یا مال' کیونکہ بسا اوقات مال وارثوں کے لیے انتقام لینے سے زیادہ تر مفید ہوتا ہے اور نیز اس میں ایک مسلمان کی جان بچتی ہے اور ایک یہ قتل عمد میں خود قاتل سے دیت لی جاتی ہے اور ان دو قسموں میں عاقلہ سے دیت لی جاتی ہے تاکہ اس میں سخت ممانعت پائی جائے اور قاتل کے لیے ابتلائے عظیم ہو جس سے پورے طور پر اس کے مال پر صدمہ پہنچے' اور غیر عمد میں عاقلہ (محلہ والوں) سے اس لیے دیت لی جاتی ہے کہ کسی کا خون کرنا نہایت فساد عظیم ہے اور مصیبت زدوں کے قلوب کی تسلی شرع کو مقصود ہے ایسے وقت میں قاتل سے تساہل کرنا گناہ عظیم ہے جس میں اس کو تنگ کرنا ضروری ہے پھر چونکہ ذوی الارحام پر صلہ رحم واجب ہے اس لیے حکمتِ الٰہیہ کا مقتضیٰ ہوا کہ اس میں سے کچھ خواہ مخواہ ان پر واجب کیا جائے اور دو سبب سے یہ بات متعین ہوئی' ایک تو یہ کہ خطا پر اگرچہ تساہل کی وجہ سے مؤاخذہ کرنا چاہیے مگر انتہا درجہ کا مؤاخذہ کرنا نامناسب ہوا' پس لوگوں پر ان کے ذی رحم کی طرف سے جو چیز واجب کی جائے وہ ایسی چیز ہونی چاہیے جس میں اس پر تخفیف ضروری ہے اور دوسرے یہ کہ عرب کے لوگ مصیبت کے وقت جان و مال سے اپنے ساتھ کے آدمی کی مدد کرنے کو مستعد ہو جاتے تھے اور اس کو ایک صلہ ضروری اور لازمی حق سمجھتے تھے اور اس کے ترک کو بڑی نافرمانی اور قطع رحم خیال کرتے تھے پس ان کی اس عادات کا مقتضیٰ ہوا کہ یہ امر ان کے لیے مقرر کیا جائے' اور از اں جملہ یہ ہے کہ قتل عمد کی دیت سال بھر کے اندر واجب کرنی اور غیر عمد کی تین برس تک مہلت دینے میں تخفیف پائی جاتی ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں اور دیت میں اصل یہ ہے کہ اس میں بہت سارا مال واجب ہونا چاہیے جس کا لوگوں پر بار گزرے اور ان کے کمی پڑے اور لوگوں کے نزدیک اس کی قدر ہو اور اس قدر مال ہونا چاہیے کہ جس کو بہت محنت اٹھا کر ادا کر سکیں تاکہ زجر کے معنی اس میں پائے جائیں اور یہ مقدار اشخاص کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتی ہے اور اہل جاہلیت نے دیت میں دس اونٹ مقرر کر رکھے تھے پس عبدالمطلب نے جب یہ دیکھا کہ اس قدر مال ادا کرنے سے لوگ قتل سے باز نہیں رہتے تو سو اونٹ دیت میں مقرر کر دیئے اور آنحضرت ﷺ نے بھی اس کو برقرار رکھا اس واسطے کہ ان دنوں عرب میں اونٹوں کی کثرت تھی مگر آنحضرت ﷺ نے جب اس بات کو معلوم کیا کہ آپ کی شریعت تمام عرب اور عجم بلکہ تمام دنیا پر لازم ہے اور تمام ملکوں میں اونٹوں کی کثرت نہیں ہوتی لہٰذا آپؐ نے سونے سے ہزار دینار اور چاندی سے بارہ ہزار درہم دیت کے لینے مقرر فرمائے اور گائے بیل سے دو سو اور بکریوں سے دو ہزار دیت لینے مقرر فرمائے اور اس کا سبب یہ ہے کہ تین برس کے اندر سو مردوں پر اگر ہزار دینار تقسیم کیے جائیں تو ایک سال میں

فی آدمی تین دینار سے کچھ زیادہ ہوتے ہیں اور دراہم سے کچھ اگلے تیس درہم ہوتے ہیں اور یہ اتنی مقدار ہے کہ اس سے کم کے ادا کرنے میں لوگوں کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور قبائل متفاوت ہوتے ہیں' کوئی بڑا کوئی چھوٹا' پس چھوٹے کا اندازہ پچاس آدمیوں سے کیا گیا ہے اس لیے کہ کم از کم اتنے آدمیوں سے قریہ آباد ہوتا ہے اس لیے کہ قسامت میں پچاس قسمیں مقرر ہوئیں جو پچاس شخصوں پر منقسم ہوتی ہیں اور بڑے قبیلہ کا اندازہ پچاس سے دو چند کیا گیا اس لیے دیت میں سو اونٹ مقرر کیے گئے تا کہ ہر شخص ایک اونٹ یا دو اونٹ یا ایک سے کچھ زیادہ اکثر قبائل اگر وہ مستوی الحال ہوں ادا کریں اور جن احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب اونٹوں کی ارزانی ہوتی تھی تو دیت میں کمی فرماتے تھے اور اگر ان کی گرانی ہوتی تھی تو آپ بڑھا دیا کرتے تھے میرے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ کا یہ ارشاد انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا جہاں اونٹوں کی پیداواری ہوتی تھی اور اگر تم اکثر شہروں کی تفتیش کرو گے تو لوگوں کی یہ قسمیں نکلیں گی ایک اہل تجارت و اموال اور یہ لوگ شہری ہوتے ہیں اور ایک اہل مویشی اور وہ دیہاتی ہوتے ہیں اور اکثر لوگوں کا حال اس سے خالی نہیں ہوتا' اللہ پاک فرماتا ہے **وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ** .جو شخص خطاً مومن کو قتل کر ڈالے تو اس کو ایک بردہ مومن کا آزاد کرنا چاہیے میں کہتا ہوں کفارہ میں مسلمان بردہ کا آزاد کرنا یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا اس لیے واجب ہوا تا کہ فیما بینہ و بین اللہ قربتہ کا سبب ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مسلمان ہے اور اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول ہوں تو اس شخص کا خون کرنا حلال نہیں ہوتا مگر تین باتوں میں سے ایک بات کے ساتھ جان کے بدلے جان اور بیوی والا زنا کار اور تارک دین و جماعت کا' میں کہتا ہوں تمام ادیان میں یہ قاعدہ متفق علیہ ہے کہ قتل اسی مصلحت کلیہ کے سبب سے درست ہوتا ہے جو بغیر قتل کے حاصل نہیں ہوتی اور اس مصلحت کا ترک قتل سے بھی زیادہ خرابی کا سبب ہوتا ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **الْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ** .فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جب احکام مقرر فرمائے اور حدود کی تعیین کی تو ضروری ہوا کہ اس مصلحت کلیہ کا جو قتل کو جائز کر دیتی ہے انضباط کیا جائے اور اگر اس کا انضباط نہ کیا جاتا اور مہمل چھوڑ دیئے جاتے تو قتل کرنے والا ایسے شخص کو مصلحت کلیہ سمجھ کر قتل کر سکتا تھا کہ جس کے قتل میں مصلحت کلیہ نہ ہوتی پس رسول اللہ ﷺ نے تین چیزوں سے اس کا انضباط فرمایا ایک تو قصاص کہ وہ زجر کا سبب ہوتا ہے اور اس میں بہت اسباب ہیں اللہ پاک نے بھی ان کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے ﴿**وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ**﴾ اور تمہارے لیے اے عقل مندو! قصاص کے اندر زندگی ہے اور وہ شخص جو بیوی والا ہو کر زنا کرے اس لیے کہ زنا تمام ادیان میں اکبر الکبائر سے ہے اور یہی جبلت انسانی کا افضل مقتضی ہے کیونکہ انسان بشرطیکہ اس کا مزاج سالم ہو اس کی خلقت میں اس بات سے غیرت داخل ہوتی ہے کہ کوئی شخص اس کی موطوءہ❶ پر مداخلت کرے جیسے اور بہائم میں ہوتا ہے مگر انسان کے لیے یہ بات ضروری نہیں کہ جس سے باہمی انتظام قائم ہو سکے وہ بات اس کو معلوم ہو لہٰذا ان پر یہ بات واجب کی گئی' تیسرے مرتد کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے دین پر جرأت کی اور دین کے قائم کرنے اور رسولوں کے بھیجنے کی جو مصلحت ملحوظ تھی اس شخص نے اس کی مخالفت کی اور ان تین کے ماسوا جس کی امت قائل ہے اور محاربہ کرنے والا بلا اس بات کے کہ کسی کو قتل کرے جو شخص محارب کی سزا میں تخییر کا قائل ہے تو اس کا

❶ وطی کی گئی عورت۔

رجوع ان اصول میں سے کسی کی طرف ممکن ہے اور معلوم کرو کہ اہل جاہلیت بھی قسامت کا حکم کرتے تھے اور اول جس نے قسامت کا حکم دیا وہ ابوطالب ہیں' چنانچہ ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے اس لیے کہ قتل بسا اوقات ایسے پوشیدہ مقامات اور تاریک شبوں میں ہوتا ہے کہ جہاں اس پر بینہ نہیں قائم ہو سکتی' پھر اگر اس قسم کے قتل کی کچھ باز پرس نہ کی جائے تو لوگوں کو اس پر جرأت ہو اور فساد زیادہ ہو اور اگر بلا دلیل مقتول کے وارثوں کا دعویٰ مسموع ہو تو لوگ تمام اپنے دشمنوں کا نام لے دیا کریں' لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم کر کے ثابت و برقرار رکھا۔ اب فقہاء میں اس علت کے اندر اختلاف ہوا جس پر قسامت کا مدار ہے بعض کے نزدیک اس کی علت ایک مقتول کا جس میں زخم یعنی چوٹ یا گلا گھونٹنے کا اثر موجود ہو کسی ایسے مقام میں پایا جانا جو ایک قوم کی حفاظت میں ہے جیسے محلّہ اور مسجد اور مکان' اور یہ علت عبداللہ بن سہل کے قصہ سے ماخوذ ہے کہ انہوں نے ایک مقتول کو خیبر کے اندر تڑپتا ہوا دیکھا' اور بعض کے نزدیک اس کی علت ایک مقتول کا پایا جانا اور کسی پر قتل کے شبہ کا قائم ہونا خواہ مقتول کے بیان کرنے سے یا نصاب سے کم کسی کی گواہی دینے سے وعلیٰ ہذا القیاس اور یہ اس قسامت کے قصہ سے ماخوذ ہے جس کا ابوطالب نے حکم دیا تھا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **دية الكافر نصف دية المسلم**. کہ کافر کا خونبہا مسلمان کے خونبہا سے نصف ہے' میں کہتا ہوں کہ اس کا سبب وہی ہے جو ہم بیان کر چکے کہ ملتِ اسلامیہ کی عظمت اور مسلمان کو کافر پر فضیلت دینا ضروری ہے اور نیز کافر کے قتل کرنے سے مسلمانوں کے اندر چنداں فساد نہیں پڑتا اور کافر کے قتل کرنے کا گناہ بھی کم ہے اس لیے کہ وہ کافر اور مباح الاصل ہے اور اس کے قتل کرنے سے کفر کا ایک شعبہ دور ہوتا ہے مگر بایں ہمہ اس کا قتل کرنا گناہ اور خطاء اور ملک میں فساد پھیلانے سے خالی نہیں لہٰذا مناسب ہوا کہ اس کی دیت میں تخفیف کی جائے' اور اگر کوئی شخص کسی عورت کا حمل گرا دے تو رسول اللہ ﷺ نے ایک بردہ غلام یا باندی کے آزاد کرنے کا حکم دیا ہے' معلوم کرو کہ جنین کے اندر دو باتیں پائی جاتی ہیں ایک یہ کہ وہ نفوس بشریہ میں سے ایک عضو ہے جو بغیر ماں کے قائم نہیں رہ سکتا اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مال کا حکم دینے میں اس کا حال اور زخموں کا سا ہو' پس دونوں باتوں کا لحاظ کر کے اس کی دیت ایک مال جو آدمی ہے' گردانی گئی اور یہ نہایت انصاف ہے اور انسان کے اعضاء پر تعدی کرنے کا حکم کئی اصول پر مبنی ہے ایک تو یہ اس میں سے جو عمداً ہو تو اس میں برابر بدلہ لیا جائے مگر جس صورت میں برابر بدلہ لینے سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تو اس میں برابر بدلہ لینے سے مانع ہوگا چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے: **اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ**. جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان اور ناک کے بدلے ناک اور دانت کے بدلے دانت اور زخم برابر ہیں' پس آنکھ کے بدلہ میں آنکھ گرم آئینہ سے ضائع کرنی چاہیے اور دانت کے بدلے دانت ریتی سے تراشنا چاہیے اور اکھاڑنا نہیں چاہیے اس لیے کہ اکھاڑنے میں زیادہ تکلیف کا اندیشہ ہے اور زخم اگر اس قدر ہو کہ جس سے ہڈی نظر آنے لگے تو بقدر اس کی گہرائی کے چھری سے ناپ کر اسی جگہ زخم کریں اور اگر ہڈی ٹوٹ جائے تو اس کا بدلہ نہیں ہے اس لیے کہ اس کے عوض لینے میں ہلاکت کا خطرہ ہے اور بعض تابعین سے طمانچہ کے بدلہ میں طمانچہ اور چٹکی کے بدلے چٹکی لینا مروی ہے اور دوسرے یہ کہ جس چیز میں انسان کے کسی نفع پہنچانے والی قوت کا ازالہ ہو جیسے پکڑنا اور چلنا اور دیکھنا اور سننا اور سمجھنا اور جماع کرنا اور جس کے سبب سے لوگوں کے اوپر بار ہو جائے اور اپنی معاش بلا دوسرے کی استعانت کے حاصل نہ کر سکے اور لوگوں میں اس کے سبب سے عار لاحق ہو اور اس کا ازالہ مثلی کرنا ہو جس سے خلق الٰہی کی تغییر لازم آتی ہے اور مدت العمر تک اس کا اثر جسم میں باقی رہے تو اس میں

پوری دیت واجب ہوتی ہے اس لیے کہ اس میں ظلم عظیم اور خلق اللہ کی تغییر اور مثلہ کرنا اور عار کا لاحق کرنا ہوتا ہے اور چونکہ لوگ اس قسم کے مظلوم کی مدد کے لیے ایسے نہیں ہوتے جیسے قتل کے بارے میں اس کی مدد کرتے ہیں اور خود وہ ظالم اور نیز حکام اور ظالم اور مظلوم کا گروہ ان باتوں کو کوئی بڑا امر نہیں سمجھتے' لہٰذا ضروری ہوا کہ شارع اس میں تاکید کرے اور انتہا درجہ اس میں زجر کرے اور اصل اس میں یہ حدیث ہے کہ جب حضور نبوی ﷺ نے اہل یمن کو نامہ روانہ فرمایا تو اس میں یہ بھی لکھا تھا **فی الانف اذا اوعب**. ناک جب جڑ سے کاٹ لی جائے تو اس میں دیت ہے اور دانتوں ولبوں وخصیتین وذکر وپشت وچشموں میں دیت ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **فی العقل الدية**. کہ عقل میں دیت ہے' پھر جس میں اس منفعت میں سے نصف منفعت کا تلف کرنا ہو تو اس میں نصف دیت ہے' پھر ایک پیر میں نصف دیت اور ایسے ہی ایک ہاتھ میں نصف دیت اور جس میں اس منفعت کے دسویں حصہ کا تلف ہونا پایا جائے مثلاً ہاتھ یا پیر کی انگلیوں میں ایک انگلی کا کاٹ ڈالنا ہو تو اس میں دسواں حصہ ہے اور ہر دانت میں بیسواں حصہ ہے اس لیے کہ دانت اٹھائیس یا چھبیس ہوتے ہیں اور کسر کا اس عدد کے اعتبار سے ایک کے مقابل نکالنا پوشیدہ امر ہے جس میں حساب کے اندر تعمق کی ضرورت ہے لہٰذا ہم نے بیس کا عدد مقرر کر لیا اور دیت کا بیسواں حصہ بدلہ ہر دانت کے مقرر کر دیا۔ اور تیسرے یہ کہ جن زخموں میں نہ کسی پوری قوت کا باطل کرنا ہو اور نہ نصف کا اور نہ اس میں مثلہ ہو بلکہ وہ صرف زخم ہو جو چند روز میں بھر سکتا ہے تو اس زخم کا بمنزلہ جان یا بمنزلہ ہاتھ پیر کے گردان کر نصف دیت کا واجب کرنا مناسب نہیں ہے اور نہ یہ مناسب ہے کہ اسے کوئی چیز نہ واجب کی جائے پس زخم کا مرتبہ کم از کم موضحہ ہو اس لیے کہ جو اس سے کم ہے اس کو خراش وغیرہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں زخم نہیں کہتے' اور موضحہ اس زخم کو کہتے ہیں جس میں ہڈی نظر آنے لگے۔ اور اس میں دیت کا بیسواں حصہ ہے اس لیے کہ بیسواں حصہ ان حصوں میں سے کمتر وہ حصہ ہے جو بلا غور کیے حساب میں معلوم ہو جاتا ہے اور شرائع کا مبنیٰ ان حصص پر ہے جن کی مقدار محاسب وغیر محاسب سب جانتے ہیں اور جس زخم میں ہڈی ٹوٹ جائے اور اپنی جگہ سے جدا ہو جائے تو اس میں پندرہ اونٹ آتے ہیں اس لیے کہ ایک تو اس میں ہڈی تک زخم پہنچ گیا' دوسرے ہڈی ٹوٹ گئی' تیسرے وہ ہڈی اپنی جگہ سے ہٹ گئی پس وہ زخم بمنزلہ تین موضحہ زخموں کے ہے اور جائفہ اوامہ یعنی وہ زخم جو سر یا پیٹ کے اندر تک پہنچ جائے اور وہ زخم جو یافوخ ❶ تک ہو یہ دونوں بہت بڑے زخم ہیں پس ان میں سے ہر ایک میں تہائی دیت واجب ہونی چاہیے اس لیے کہ نصف سے کم کا اندازہ ثلث سے ہو سکتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: **هذه و هذه سواء**. یہ اور یہ یعنی خنصر اور نر انگشت برابر ہیں اور فرمایا ہے: **الثنية والضرس سواء**. یعنی اگلا دانت اور داڑھ برابر ہیں' میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ ہر ہر عضو کے ساتھ جو منافع مقصود ہیں ان کا انضباط دشوار ہے لہٰذا نام اور نوع پر حکم کا مدار کرنا ضروری ہوا۔ معلوم کرو کہ بعض دفعہ قتل اور زخم ہدر ❷ ہوتا ہے یعنی وہ ضائع ہوتا ہے اس کا بدلہ کچھ نہیں کیا جاتا اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ قتل یا زخم کسی شر کے دفع کرنے سے ہو جو انسان کو لاحق ہوتا ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص میرا مال چھیننے کے قصد سے آئے تو آپ اس میں کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا تو اس کو اپنا مال مت دے اس نے عرض کیا اور جو وہ مجھ سے مقاتلہ کرنے لگے تو آپ کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا تو اس سے مقاتلہ کر' پھر اس نے عرض کیا اگر وہ مجھے قتل کر ڈالے' آپ نے فرمایا تو شہید ہے' اس نے عرض کیا اگر میں اس کو قتل کر ڈالوں تو آپ کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا تو وہ دوزخ میں جائے گا' اور ایک آدمی

---

❶ سر کا نرمہ جو شیر خوارگی کی حالت میں ہلتا رہتا ہے۔ تالو ❷ ہدر: باطل ضائع' ناچیز

نے ایک آدمی کے کاٹا اور جس کے کاٹا تھا اس نے کاٹنے والے کے منہ میں سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تو اس کا ایک دانت بھی اس کے ساتھ کھنچ لیا تو آپ نے اس دانت کا قصاص نہ دلوایا الحاصل اگر کوئی شخص کسی کی جان یا اس کے عضو یا مال پر حملہ کرے تو جس طرح سے ممکن ہو اس کا دفع کرنا درست ہے حتیٰ کہ اگر قتل کی بھی نوبت پہنچے تو کچھ گناہ نہیں اس لیے کہ درندہ صفت لوگ اکثر ملک میں تغلب کرتے ہیں پھر اگر ان کی مدافعت نہ کی جائے تو لوگوں کی حالت بہت تنگ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **لو اطلع فی بیتك احد ولن تاذن له فخذفته بحصات ففقات عینه ما کان علیك من جناح** .اگر تیرے گھر میں کوئی جھانکے اور تو نے اس کو اجازت نہ دی ہو اور تو اس کی طرف کنکر پھینک کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں ہے اور ایک صورت قصاص نہ لینے کی یہ ہے کہ وہ قتل یا زخم ایسے سبب سے ہو جس میں کسی طرف سے تعدی نہیں پائی جاتی بلکہ وہ بمنزلہ آفت سماوی کے ہو اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے **العجماء جبار والمعدن جبار والبیر جبار** .بہیمہ ہدر ہے اور معدن ہدر ہے اور کنواں ہدر ہے' میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ بہائم چرنے کے لیے چھوڑ دیئے جاتے ہیں اگر کسی کو زخمی کر دیں تو وہ ان کے مالک کا فعل نہ سمجھا جائے گا' اسی طرح اگر کوئی شخص کوئیں میں گر پڑے یا کان کے نیچے دب جائے تو وہ بھی اس کے مالک کا فعل نہیں ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے ان پر احتیاط کرنا لازم کر دیا تا کہ کسی کو ان میں سے خطا سے ضرر نہ لاحق ہو کہ مرض کے قریب ہونے سے جان کے تلف ہونے کا خطرہ ہے اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اینٹ پتھر پھینکنے سے نہی فرمائی اور فرمایا ہے **لا یصاد به صید ولا مابه عدد و لکنها قد تکسر السن تفقاء العین** .اس سے شکار نہ کیا جائے اور نہ اس سے کسی دشمن کو زخمی کیا جائے لیکن اس سے دانت ٹوٹ جاتا ہے اور آنکھ پھوٹ جاتی ہے' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اذا امر احدکم فی مسجدنا اوفی سوقنا ومعه نبل فلیمسك علی نصالها ان یصیب احدا من المسلمین منها شیئ** تم میں سے جس کسی کا ہماری مسجد یا بازار میں گزر ہو اور اس کے پاس تیر ہو تو اس کو پر کی طرف سے تھامے رہے تا کہ مسلمانوں میں سے کسی کو اس سے ضرر نہ پہنچے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **لا یشیر احدکم الی اخیه بالسلاح فانه لایدری لعل الشیطان ینزع من یده فیقع فی حفرة من النار** تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے اس لیے کہ اس کو معلوم نہیں کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے چھین لے۔ پھر وہ شخص آگ کے گڑھے میں جا پڑے اور آپ نے فرمایا ہے **من حمل علینا السلاح فلیس منا** .جو کوئی ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور فرمایا ہے کہ ننگی تلوار رکھی جائے اور اس بات سے منع فرمایا ہے کہ دو انگلیوں سے لہسن کو پکڑ کر تراشے' اور لوگوں کے مال پر تعدی کرنے کی چند قسمیں ہیں غصب کرنا اور ہلاک کرنا اور چرانا اور لوٹنا' چوری اور لوٹ کا حال تو تم کو عنقریب معلوم ہو گا' اور غصب کے معنی غیر کے مال پر ایک واہی شبہ پر بھروسہ کر کے جس کو شرع ثابت نہیں کرتی یا اس بھروسہ پر کہ حکام کو حقیقت حال ظاہر نہ ہوگی یا اسی طرح کسی اور اعتماد پر تسلط کرنا' پس غصب اس قابل ہے کہ اس کو معاملات میں شمار کیا جائے اور حدود اس پر مبنی نہ کی جائیں اسی لیے ہزار درہم کے غصب کرنے سے تو ہاتھ کاٹنا واجب نہیں ہوتا اور تین درہم کی چوری سے واجب ہو جاتا ہے اور مال کے تلف کرنے کی تین صورتیں ہیں عمداً اور خطاءً اور مشابہ بالعمد' مگر چونکہ اموال کا درجہ جان سے کم ہے اس لیے ہر مال کا جداگانہ حکم مقرر نہیں کیا گیا اور تاوان سب مالوں کا بدلہ زجر کے لیے کافی ہو گیا اور

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:من اخذ شبرا من الارض ظلما طوقه يوم القيامة من سبع ارضين .جو شخص ظلم سے بقدر ایک بالشت کے زمین لے لے گا قیامت کے دن ساتوں زمین طوق کر کے اس کی گردن میں ڈالی جائیں گی' میں کہتا ہوں چند مرتبہ تم کو یہ بات معلوم ہو چکی کہ جس فعل میں مصلحت مدنیہ کی مخالفت اور ایذا وتعدی پائی جائے وہ فعل ملاء اعلیٰ کی لعنت کا مستوجب ہوتا ہے اور عذاب عمل کی صورت یا اس کے قریب قریب صورت میں متمثل ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے على اليد مـا اخذت .ہاتھ پر وہ چیز واجب ہے جو اس نے لی' میں کہتا ہوں غصب اور عاریت کے باب میں یہ حدیث اصل ہے پس بعینہ اس کا واپس کرنا متعذر ہو تو اس کے مثل کا دینا واجب ہوتا ہے' اور کسی شخص کی ایک رکابی ٹوٹ گئی تو آپ نے اس کے بدلہ ایک رکابی دے دی اور ٹوٹی ہوئی کو رہنے دیا' میں کہتا ہوں اتلاف کے باب میں یہ حدیث اصل ہے اور ظاہر سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ منقولات میں تاوان لینا جس کو عام وخاص کہہ دیں کہ یہ اس کے مثل ہے درست ہے جیسے رکابی کے بدلے رکابی اور حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ کے سامنے مغرور پر اس بات کا حکم دیا کہ اولاد کے مثل فدیہ دے (اور مغرور وہ شخص ہے جس کو کوئی عورت یہ دھوکہ دے کر کہ میں حرہ ہوں اس سے نکاح کر لے اور فی الحقیقت وہ کسی کی باندی ہو) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من وجد عين مـالـه عند رجل فهو احق به و يتبع البيع من باعه .جو شخص بعینہ اپنا مال کسی کے پاس پائے تو وہ اس کا حقدار ہے اور خریدنے والا اس شخص کا پیچھا کرے جس نے اس کے ہاتھ فروخت کیا ہے میں کہتا ہوں اس حکم کا سبب اور مقتضی یہ ہے کہ جب یہ صورت واقع ہو تو ہر جانب میں ضرر اور ظلم کا اعتبار ہے پس جب کوئی شخص اپنا مال کسی کے پاس دیکھے ایسے وقت میں اگر یہ قاعدہ مقرر کیا جاتا کہ جب تک اس کا بائع نہ ملے اس وقت تک یہ شخص اس کے مال کو نہ لیں گے' تو اصل مالک کا اس میں ضرر عظیم تھا اس لیے کہ غاصب یا سارق کی جب خیانت معلوم ہوتی ہے تو غالبا اپنی جان بچانے کی غرض سے وہ یہ حجت پیش کر سکتا تھا کہ میں نے ایک شخص سے اس کو خریدا تھا اور اکثر ایسا ہوتا کہ سارق وغاصب اپنے اور نیز بائع کے بچاؤ کے لیے کسی شخص کو بیع کا وکیل کر دیا کرتا اور اس میں لوگوں کی حق تلفی کا دروازہ کھولنا تھا' اور اکثر اوقات بائع اس وقت ملتا کہ جب وہ مشتری موجود نہ ہوتا پس مالک اس سے مطالبہ کرتا اور اس کے پاس کچھ نہ پاتا اور ناامید ہو کر سکوت کر لیتا اور اگر یہ حکم ہوتا تو اسی وقت اپنی چیز پر قبضہ کر لیتا' تو اس میں مشتری کا ضرر تھا کیونکہ بسا اوقات خریدنے والا بازار میں سے کوئی چیز خریدتا ہے اور نہیں جانتا کہ بائع کا نام ونشان کیا ہے پھر اس کے مال میں کسی کا حق نکلتا ہے اور بائع کا اس کو پتہ نہیں لگتا اور ناامید ہو کر سکوت کر لیتا ہے اور بسا اوقات اس کو اس چیز کی حاجت ہوتی ہے اور حقدار کے اس پر قبضہ کرنے اور بائع کے اس پر حوالہ کر دینے میں وہ حاجت فوت ہو جاتی ہے پس جبکہ امر درمیان دو نفر کے دائر ہو اور ایک کا پایا جانا ان دونوں میں خواہ مخواہ ضروری ہو تو ایسے ضروری امر کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوا جس کو بلاشبہ لوگوں کی عقل قبول کر لے اور وہ اس جگہ یہ ہے کہ حق اس چیز کے ساتھ متعلق ہو گیا اور عین اس عین کے معاوضہ جس کے متعلق ہے روک لیا جائے بشرطیکہ بینہ قائم ہو اور اشکال مرتفع ہو جائے اور قضیوں کا اسی طرح اعتبار کرنا مناسب ہے اور رسول اللہ ﷺ نے مالیوں پر حکم دیا کہ دن میں باغوں کی نگہبانی کریں اور مویشی جو نقصان کریں اس کا تاوان مویشی والوں پر ہے' میں کہتا ہوں اس حکم دینے کا سبب یہ ہے کہ جب مویشی نے لوگوں کے باغ کا نقصان کیا تو ہر ایک کے ساتھ ظلم وغدر ہے مویشی والا تو یہ حجت کر سکتا ہے کہ اس کو چرنے کے لیے مویشی کا چھوڑنا ضروری

ہے ورنہ مویشی بھوکے مرجائیں گے اور ہر مویشی کے ساتھ ساتھ رہنا اور اس کی حفاظت کرنا تدابیر ضروریہ میں خلل انداز ہوتا ہے اور مویشی نے جونقصان کیا ہے اس میں اس کا کچھ بس نہیں ہے اور وہ کہہ سکتا ہے کہ مالی نے خود اپنے مال کی حفاظت میں کوتاہی کی اور اس کو بلانگرانی کے چھوڑ دیا اور مالی یہ حجت پیش کرسکتا ہے کہ باغ شہر سے باہر ہوا کرتے ہیں ان کی نگرانی اور ان میں کسی کو نہ آنے دینا اور اس کے انتظام میں رہنا اس کی حالت کے خراب ہونے کا سبب ہے اور مالک مویشی نے یا تو خود اس کو باغ میں چھوڑ دیا ہے یا خود اس کی نگرانی میں کوتاہی کی ہے پس جب امر باہم دونوں کے دائر ہوا اور ہر ایک کی طرف سے جور وغدر ممکن ہو تو ضرور ہوا کہ اس دستور پر نظر کی جائے جو ہمیشہ سے ان سب میں جاری ہے اور اس دستور سے تجاوز کرنے پر جور کی بناء کی جائے اور دستور یہ ہے کہ دن میں ہر باغ میں کوئی شخص باغ کے کاروبار اور اس کی درستی وحفاظت کے لیے رہتا ہے اور شب میں باغات کو خالی چھوڑ کر قریوں و شہروں میں شب باشی کرتے ہیں اور مالکان مویشی شب میں گھروں میں مویشی کو جمع کر لیتے ہیں اور پھر دن کو چرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں' پس ان کے اس دستور عام سے تجاوز کرنا ظلم سمجھا گیا اور آنحضرت ﷺ سے کسی شخص نے اس پھل کی نسبت جو محفوظ نہ ہو دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جو کوئی شخص محتاج اس کو منہ سے کھالے اور جھو دنہ بنائے تو اس پر کچھ مضائقہ نہیں' معلوم کرو کہ لوگوں میں باہمی نزاع کے دفع کرنے کی یہی صورت ہے کہ جو کوئی کسی کو ضرر پہنچائے اور تعدی کرے اس کا ہاتھ پکڑا جائے نہ یہ کہ ان کے حرص وکینہ کی اقتداء کی جائے پس اس پھل کھانے میں جو معلق اور محفوظ اور تھوڑا سا پھل ہے اگر کوئی محتاج آدمی اس کو پیٹ بھر کے کھا لے تو اس سے مالک کو ملال نہیں گزرتا بشرطیکہ وہ آدمی دستور کی حد سے تجاوز نہ کرے اور جھو دنہ باندھے اور نہ اینٹ پتھر سے پھلوں کو جھاڑے کیونکہ عرف کا مقتضیٰ ایسے امور میں مسامحت کرنا ہے اور انہیں باتوں کا جو شخص دعویٰ کرے تو یہ اس کا بخل اور حرص اور لوگوں کو تکلیف دینی ہے لہٰذا اس کے دعویٰ کی پرواہ نہ کی جائے اور اگر وہ پھل کوئی شخص کھا جائے جو محفوظ رکھا ہوا ہے یا جھو دبھر لے یا اینٹ پتھر سے پھل جھاڑے یا اور کسی طرح سے حد سے تجاوز کرے تو اس میں تعزیر اور تاوان آتا ہے اور مواشی کا دودھ دینے میں قیاسات متعارض ہیں اور آنحضرت ﷺ نے اس کا بیان فرمایا ہے پس کبھی حضور نبوی ﷺ نے اس کو اس مال پر قیاس کیا جو گھر میں حفاظت سے رکھا ہو اس واسطے اس کے دوہنے سے منع فرمایا اور کبھی ثمر معلق اور غیر محفوظ چیزوں پر اس کو قیاس فرما کر اس کو بقدر حاجت مباح فرمایا' اگر مالک نہ ملے جس سے اجازت لی جائے' اور احادیث کے اندر جو اختلاف ہے اور علتیں ان کی ظاہر ہوگئی ہیں ان میں اصل یہی ہے کہ ان علتوں کے اعتبار سے ان کی تطبیق دی جائے' پس اگر ایسی چیز کے خرچ کرنے اور اس کی کچھ پروا نہ کرنے کا دستور ہو اور اس میں لوگوں کو کچھ دقت نہ ہو اور حاجت ہو تو اس کا کام درست ہے ورنہ درست نہیں ہے اور علیٰ ہذا القیاس بیوی کا خاوند کے مال میں اور غلام کا سیدہ کے مال میں تصرف کرنا ہے۔

حدود کا بیان

معلوم کرو کہ بعض معاصی میں اللہ تعالیٰ نے حد مقرر فرمائی ہے اور وہ ایسے معاصی ہیں جن میں فساد کی کئی صورتیں پائی جاتی ہیں ایک تو ان میں ملک کا فساد اور لوگوں کی آسائش کا قطع کرنا ہوتا ہے اور ان کے لیے بنی آدم کے نفوس کے اندر داعیہ ہوتا ہے' ہمیشہ اس کا ہیجان ہوتا رہتا ہے اور ان کے لیے عادت ہو جاتی ہے جبکہ اس سے ان کے قلوب رچ جاتے ہیں تو اس سے باز رہنا ان کے بس

میں نہیں رہتا اور اس میں اکثر اوقات ایسا ضرر ہوتا ہے کہ مظلوم اپنی طرف سے اس کے دفع کرنے میں بے بس ہو جاتا ہے اور یہ آدمیوں کے مابین اکثر واقع ہوتا رہتا ہے تو اس قسم کے معاصی میں صرف آخرت کا ڈرانا کافی نہیں ہو سکتا ہے بلکہ آدمیوں کے سامنے اس قسم کے معاصی پر نہایت ملامت اور رنج کا پہنچانا چاہیے تا کہ جس گناہ کا وہ ارادہ کرتے تھے اس سے باز رہیں' جیسے زنا ہے کہ وہ عورتوں کے حسن و جمال کی طرف رغبت وحرص کی خواہش دلاتا ہے اور اس کے اہل کے لیے اس کے اندر نہایت درجہ کی عار ہے اور ایک موطوءہ پر آدمیوں کے جمع ہونے سے جبلت انسانیہ کی تغییر ہے اور اس کے سبب سے اس کے مابین لڑائیوں اور کشت وخون کا مظنہ ہے اور زنا اکثر زانیہ اور زانی کی رضامندی سے ہوا کرتا ہے اور تنہائی کی وجہ سے صرف بعض لوگ ہی اس پر مطلع ہوتے ہیں' پھر اگر حد نہ مشروع کی جاتی تو روک ٹوک کیونکر حاصل ہو سکتی تھی' اور جیسے سرقہ اس لیے کہ انسان اکثر اوقات کسب صالح نہیں پاتا ہے تو چوری کی طرف میل کرتا ہے اور سرقہ کے لیے ان کے نفسوں کے اندر عادت ہوتی ہے اور سرقہ بدوں دیکھے آدمیوں کے ہوتا ہے بخلاف غصب کے کہ اس میں ایک ایسی دلیل اور شبہ ہوتا ہے کہ جس کو شرع نہیں ثابت کرتی ہے اور مابین آدمیوں کے اور ان کے رو برو اس قسم کے معاملات ہوتے رہتے ہیں' اسی لیے غصب مجملہ اور معاملات کے ایک معاملہ ہے' اور جیسے راہزنی اس لیے کہ مظلوم اپنی جان اور مال بچانے کی اس سے طاقت نہیں رکھتا اور رہزنی مسلمانوں کے بلاد میں نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اپنی حکومت اور قوت کی وجہ سے اس کی مدافعت کر سکتے ہیں تو ایسے افعال کی جزا وسزا زیادہ مقرر ہونا چاہیے اور جیسے شراب کا پینا اس لیے کہ اس میں بھی نہایت حرص ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے ملک میں فساد اور ان کی عقول کا زوال ہوتا ہے کہ جن کے سبب سے ان کی معاش ومعاد کی اصلاح ہوتی ہے' اور جیسے قذف (تہمت زنا کی لگانا) کیونکہ جس کو تہمت لگائی جاتی ہے وہ نہایت درجہ کی تکلیف ورنج پاتا ہے اور اس کے دفع کرنے پر قتل وغیرہ کے ساتھ بے بس ہو جاتا ہے کیونکہ اگر وہ مار ڈالے تو خود بھی اس کے سبب سے مارا جائے اور اگر پیٹے تو اس کی وجہ سے پیٹا جائے لہٰذا ایسے جرم میں کوئی زجر عظیم ہونا چاہیے پھر حد قتل ہے اور یہ ایسی سزا ہے کہ اس کے اوپر کوئی اور سزا نہیں ہے' دوسرے کسی عضو کا کاٹ ڈالنا ہے اس میں نہایت درجہ کی تکلیف پہنچانا اور اس کی قوت کا زائل کر دینا ہے کہ جس کے بغیر مدت العمر تک معاش حاصل کرنے کے لائق بلا مدد دوسرے کے نہیں ہو سکتا اور نیز یہ مثلہ اور عار ہے جس کا اثر آدمیوں کے سامنے ظاہر ہے جو ختم نہیں ہوتا اس لیے کہ نفس دو سبب سے متاثر ہوتا ہے ایک تو وہ نفس ہے جو قوت بہیمیہ کے اندر منہمک ہو اس کو الم پہنچانا بری چیز سے باز رکھتا ہے مثل بیل واونٹ' اور جس نفس کے اندر حب جاہ ہوتی ہے اس کو تکلیف جسمانی سے بھی زیادہ عار ایک عام کام سے روک دیتی ہے' سزائے جسمانی سے زیادہ اس کو روکتی ہے' پھر ان دونوں وجہوں کا حدود کے اندر اکٹھا ہونا لازم ہوا' اور ایک حد کی صورت یہ ہے جو قطع سے کم ہو جیسے صرف مار پیٹ سے ہی تکلیف کا پہنچانا مقصود ہے جس میں عار ہو اور اس کا اثر ظاہر ہو مثلاً جلاوطن کرنا اور شہادت کا قبول نہ کرنا اور طمانچہ وغیرہ مار دینا اور معلوم کرو کہ شرائع سابقہ میں قتل کی سزا قصاص اور زنا کی سنگسار کرنا اور سرقہ کے عضو کا کاٹنا تھی' پس یہ سزائیں شرائع سماویہ میں متوارث چلی آتی تھیں اور تمام انبیاء اور ان کی امتیں اس پر متفق تھیں تو ضروری ہوا کہ ان کو مضبوطی سے پکڑنا چاہیے اور کبھی ان کو ترک نہ کرنا چاہیے مگر شریعت مصطفویہؐ نے اس میں ایک اور قسم کا تصرف کیا ہے اور ہر ایک کی سزا کی دو قسمیں ہیں ایک تو بڑی بھاری سزا ہے کہ اس سے زیادہ اور متصور نہیں اور یہ سزا وہاں دینی چاہیے جہاں گناہ بھی بڑا بھاری ہو اور

دوسری وہ ہے جو پہلی سے کم ہے اور یہ وہاں ہوگی جہاں معصیت بھی پہلی معصیت سے کم ہو پس قتل کی سزا قصاص اور دیت ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے **ذٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ** .کہ اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تخفیف ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت میں قتل کی سزا صرف قصاص تھی نہ دیت' اور زنا میں کوڑے مارنا تھا اور یہودیوں کی جب شوکت جاتی رہی اور سنگساری پر ان کا بس نہ چلا تو انہوں نے تجبیہ وتحمیم کرنا ایجاد کیا (تجبیہ کے یہ معنی ہیں کہ زانی کو وزانیہ کو گدھے پر اُلٹا سوار کر کے لوگوں کے سامنے پھرائیں' تحمیم منہ کالا کر دینے کو کہتے ہیں) تو اس میں شرائع سابقہ کی تحریف ہوئی مگر ہمارے ہاں دونوں شرائع کا لحاظ کیا گیا' شرائع سماویہ وابتداعیہ کا اور اس میں ہمارے لیے نہایت رحمت ہے اور سرقہ میں عذاب دینا اور اس سے دو چند تاوان لینا چاہیے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور نیز اس شریعت میں ظلم کے چند اقسام کو مثل قذف وشرب خمر کو اضافہ کیا اور ان کے لیے بھی حد مقرر کی کیونکہ یہ بھی بمنزلہ انہی معاصی کے ہیں اور رہزنی کی سزا زیادہ مقرر کی اور معلوم کرو کہ لوگوں کے دو درجے اور ہر درجہ کی سیاست کا خاص طریقہ ہے ایک وہ لوگ ہیں جو بذاتِ خود مستقل اور مختار ہیں اور ان کی سیاست کا یہ طریقہ ہے کہ لوگوں کے سامنے گرفتار کیے جائیں اور ان کو تکلیف پہنچائی جائے جس سے ان کو نہایت سخت عار لاحق ہو اور ان کی اہانت اور ذلت پائی جائے اور ایک وہ لوگ ہیں جو دوسروں کے قبضہ میں ہیں اور ان کے پاس بمنزلہ قیدیوں کے ہیں اور ان کی سیاست کا یہ طریقہ ہے کہ ان کے مالکوں کو حکم کیا جائے کہ بری باتوں سے ان کی نگرانی رکھیں اس میں ان کے لیے ایسا طریقہ ظاہر ہوگا جو ان کو ان کے ان افعال سے باز رکھے گا' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **اذا زنت امة احدکم فلیضرب** .الحدیث' تم میں سے جب کسی کی باندی زنا کرے تو اس کو مارنا چاہیے اور فرمایا ہے **اذا سرق عبد احدکم بیعوہ ولو بنش** .پس یہ دونوں درجہ کے لوگ ایک ظاہری وصف سے منضبط کیے گئے' پہلے درجے کے لوگ حر اور دوسرے درجے کے لوگ غلام ہیں' پھر یہ بھی احتمال تھا کہ سید اپنے غلام پر ظلم کرتا اور کہہ دیتا ہے کہ اس نے زنا یا چوری وغیرہ کی ہے پس ضرور ہوا کہ غلام کی سزا حر سے کم مقرر کی جائے تا کہ جور رفع ہو جائے اور نیز یہ ضرور ہوا کہ قتل کرنے اور قطع کرنے کا ان کو اختیار نہ دیا جائے اور اس سے کم سزا کا اختیار ان کو دیا جائے اور حد دو وجہ سے گناہ کا کفارہ ہوتی ہے' چنانچہ حدیث شریف میں ماعز بن مالک کی نسبت ارشاد ہے **لقد تاب توبة لو قسمت علی امة محمد لوسعتھم** .اس نے وہ توبہ کی ہے کہ اگر محمد ﷺ کی تمام امت پر تقسیم کی جائے تو ان کو کافی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں تکلیف پہنچانا اور اس کو اس فعل سے روکنا مقصود ہوتا ہے اور اس میں یہ راز ہے کہ حکمت الٰہی کا مقتضی ہے کہ اس شخص کی جان یا مال سے اس عمل کی سزا دی جائے پس حد کا قائم کرنا جزا دینے میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہے' فتدبر'

اللہ پاک فرماتا ہے: **اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ** .زانیہ اور زانی کو ہر ایک کے دونوں میں سے سو کوڑے مارو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق دے کر بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی جس میں آیت رجم بھی تھی' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سنگسار کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد سنگسار کیا اور جو شخص زنا کرے اور محصن ہو خواہ مرد ہو یا عورت کتاب الٰہی میں اس کا سنگسار کرنا حق ہے میں کہتا ہوں محصن کی حد سنگسار کرنا اور غیر محصن کے درے لگانا اس لیے مقرر کیے گئے کہ جس طرح پندرہ برس کی عمر وغیرہ سے آدمی بالغ ہو کر پورا پورا مکلف ہوتا ہے اور اس سے قبل پورا پورا مکلف نہیں ہوتا

اس لیے کہ اس کی عقل اور جسم اور جولیت کا کمال اس سے پہلے نہیں ہوتا' اسی طرح اس عقوبت میں بھی تفاوت ہونا چاہیے جو کمال عقل اور مرد کامل' اور استقلال سمجھ' اور خود مختاری کے سبب سے پورا پورا مکلف ہوتا ہے اور اس لیے کہ محصن کامل ہے اور غیر محصن ناقص ہے' پس غیر محصن حر کامل اور غلام کے مابین واسطہ ہوا اور صرف سنگسار ہونے میں اس واسطہ کا اعتبار کیا گیا اس لیے کہ وہ حق الٰہی کے اندر جو جو سزا مقرر کی گئی ہے ان سب میں سخت ہے' اور قصاص چونکہ حق العباد میں سے ہے اور ان کو اپنے حقوق لینے کی حاجت ہے اس لیے ان کی حق تلفی نہ کی جائے گی اور حد سرقہ وغیرہ بمنزلہ سنگساری کے نہیں ہے اور نیز اس شخص سے گناہ صادر ہونا جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے اور بہت سی مخلوقات پر اس کو فضیلت دی ہے زیادہ ترقبیح وشنیع ہے اس لیے کہ وہ نہایت نافرمانی ہے پس اس میں سزا کا بڑھانا مناسب ہوا' اور کوارے اور کواری کی حد سو درے مقرر کیے گئے اس لیے کہ عدد سو کا بڑی اور منضبط مقدار ہے جس سے زجرو تکلیف بخوبی حاصل ہو سکتی ہے اور جلاوطنی کی سزا اس لیے دی گئی کہ سزا کا اثر دو طرح پر ہوتا ہے ایک تو جسمانی تکلیف کے اعتبار سے اور ایک حیاو شرمندگی اور عار کے لاحق کرنے اور مالوف چیز کے علیحدہ کرنے سے' پہلی سزائے جسمانی اور دوسری نفسانی ہے اور پوری پوری سزا ایسی ہے کہ دونوں جمع کیے جائیں' اللہ پاک فرماتا ہے **فَاِذَا اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ** .جب احصان کے بعد ان سے فحش ظاہر ہو تو محصنات سے ان کو نصف عذاب دیا جائے گا' میں کہتا ہوں کہ غلاموں پر نصف سزا کے مقرر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ غلاموں کا حال سید کے اختیار میں ہوتا ہے۔ پس اگر کامل درجہ کی زجران کے لیے مقرر کی جائے تو اس سے باب الظلم مفتوح ہوتا ہے بایں طور کہ سید اپنے غلام کو قتل کر ڈالے اور یہ کہہ دے کہ وہ زنا کار تھا اور پھر اس سے مؤاخذہ کرنے کی کوئی صورت نہ ہو اس لیے کہ باندی و غلام کی حد اس قدر کم مقرر کی گئی کہ جس سے ہلاک کی نوبت نہیں آتی اور محصن و غیر محصن کا فرق جو ہم نے بیان کیا ہے وہ یہاں بھی پایا جاتا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: **خذواعنی خذواعنی قد جعل الله لهن سبيلا البكر بالبكر جلد مائة وتغريب عام والثيب جلد مائة والرحم** .مجھ سے سیکھو مجھ سے سیکھو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے راستہ مقرر کیا ہے کہ کنوارہ کنواری کے ساتھ زنا کرے تو اس کا حکم سو درے لگانا اور سال بھر کے لیے جلاوطن کرنا' اور بیاہا ہوا بیاہی کے ساتھ اگر زنا کرے تو اس کا حکم سو درے لگانا اور سنگسار کرنا ہے حضرت علیؓ نے اس حدیث پر عمل کیا ہے' میں کہتا ہوں لوگوں کو اس حدیث میں اشتباہ ہوا اور اس حدیث کو رسول اللہ ﷺ کے ثیب کو سنگسار کرنے اور اس کے درے نہ لگانے کے ساتھ مخالف سمجھا' میرے نزدیک یہ حدیث آپ کے فعل کے متناقض نہیں ہے اور آیت عام ہے مگر امام کو رجم اور سو دروں کے واجب ہونے کی صورت میں صرف رجم پر اقتصار کرنا مسنون ہے اور اس کا حال ایسا ہے جیسے سفر میں قصر کرنا کہ اگر پوری نماز پڑھے تو بھی جائز ہے مگر قصر کرنا سنت ہے اور یہ اس واسطے مقرر کیا گیا کہ رجم بڑی پوری سزا ہے اور اس سے جو کم سزا ہے وہ اس میں شامل ہے اور اس بیان سے اس حدیث اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس پر عمل کرنے اور آنحضرت ﷺ اور اکثر آپ کے خلفاء کے فعل میں تطبیق ہو سکتی ہے کہ انہوں نے رجم پر اقتصار کیا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے درے لگانے کا حکم دیا' پھر کسی نے اس کا محصن ہونا بیان کیا تو آپ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور سنگسار کر دیا گیا' کیونکہ درے لگانے پر اقدام کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر زانی

کے درے لگانا درست ہے اور میرے نزدیک جلاء وطن کرنے میں عفو کا احتمال ہے اور آثار میں تطبیق کی یہی صورت ہے' اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب ماعز بن مالک نے آنحضرت ﷺ کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے زنا کیا ہے آپ مجھے پاک کر دیجیے تو حضور نبوی ﷺ نے فرمایا شاید تو نے بوسہ لیا ہو گا یا اس کی طرف دیکھا ہو گا تو ماعز نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ نہیں' تو آپ نے فرمایا کیا تو نے اس کے ساتھ دخول کیا تو ماعز نے جواب دیا ہاں! پس آپ نے ماعز کے سنگسار کرنے کا حکم دیا' میں کہتا ہوں حد مارنے میں احتیاط کا مقام ہے اور زنا کا اطلاق شرمگاہ کے سوا پر بھی آیا کرتا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ زبان کا زنا یہ ہے اور پیر کا زنا یہ ہے لہٰذا ایسی صورت میں اس کا ثابت کرنا اور اس کی تحقیق ضروری ہوئی' معلوم کرو کہ جو شخص زنا کا اقرار کرتا ہے اور حد قائم کرنے کے لیے اپنی جان کو سپرد کرتا ہے' اور گناہوں سے توبہ کرنے والا مثل بے گناہ کے ہے' اس پر حد نہ لگانی مناسب تھی' مگر یہاں کئی سبب اس پر حد قائم کرنے کے مقتضی ہیں ایک تو یہ ہے کہ اگر توبہ کے ظاہر کرنے اور اقرار کر لینے سے حد دفع ہو جاتی ہے تو ہر زانی امام کے مواخذہ کی خبر پا کر اقرار کے حیلہ سے حد کو دفع کر سکتا تھا' اور اس میں مصلحت کا مناقضہ ہے' دوسرے یہ ہے کہ توبہ کامل طور سے اسی وقت ہوتی ہے جو ایک فعل سے جو نہایت شاق ہو کہ بجز مخلص کے کسی سے عمل میں نہ آ سکے اس توبہ کی تقویت پائی جائے لہٰذا جب ماعز نے اپنی جان کو سنگسار کرنے کے لیے حوالہ کر دیا۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **لقد تاب توبة لوقسمت بين امة محمد لوسعتهم**. اور غامد کے ایک قبیلہ کی نسبت آپ نے فرمایا **لقد تاب توبة لو تابها صاحب مكس يغفرله**. اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر صاحب مکس بھی توبہ کرتا تو بخشا جاتا' اور بایں ہمہ گنہ کا پردہ کرنا مناسب ہے' چنانچہ آپ نے ہزال سے فرمایا **لو سترته بثوبك لكان خيرا لك**. کہ اگر اپنے کپڑے سے اس کو چھپاتا تو تیرے لیے بہتر ہوتا' اور نیز یہ بات مناسب ہے کہ اس کو فیما بینہ و بین اس قدر توبہ کرنے اور حد کے دفع کرنے کے لیے حیلہ کرنے کا حکم دیا جائے' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اذا زنت امة احدكم فيستبين زناها فليجلدها الحد ولا يثرب عليها ثم ان زنت فليجلدها الحد ولايثرب عليها** تم میں سے جب کسی کی کنیز زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اس کو باندی پر حد لگانا چاہیے اور صرف اس کی توبیخ نہ کرے پھر اگر زنا کرے تو اس پر حد لگائے اور توبیخ پر اکتفا نہ کرے' میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کو شرعاً اپنے حرم پر معاصی کر کے دور کرنے کا حکم ہے اور یہ بات انسان کی سرشت میں داخل ہے اور اگر امام ہی کے سامنے حد مقرر رہوتی تو بہت سی صورتوں میں سید حد کو قائم نہ کر سکتا اور مال و اسباب کی حفاظت نہ ہو سکتی اور اگر حد کی کوئی مقدار مقرر نہ ہوتی تو ظالم ہلاکت تک نوبت پہنچا سکتا تھا یا حد سے زیادہ تکلیف دے سکتا تھا۔

اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **لايثرب**. اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **اقيلو ذوالحيات عثراتهم الاالحدود**. ذوالحیات سے حدود کے سوا اور لغزشیں معاف کر دیا کرو میں کہتا ہوں ذوالحیات سے صاحبِ مروت لوگ مراد ہیں یا تو بایں طور کہ کسی شخص سے صلاح دین کی امید ہوتی ہے اور اس شخص سے عادت کے خلاف لغزش کے طور پر کسی امر میں کوتاہی ہو جاتی ہے' پھر اس کو ندامت ہوتی ہے پس ایسی صورت میں اس سے درگزر کرنا مناسب ہے یا وہ شخص خاندانی اور لوگوں میں معزز اور صاحب رعب ہوتا ہے پس اگر ہر چھوٹے بڑے گناہ میں اس کو سزا دی جائے تو اس میں عداوت اور لوگوں کی بغاوت اور امام میں اختلاف کرنے کا دروازہ مفتوح کرنا ہے کیونکہ بہت سے لوگ اس کے متحمل نہیں ہوتے مگر اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی باز پرس نہ کی

جائے بجز اس صورت کے کہ کوئی سبب شرعی جس سے حد مندفع ہوتی ہے پائی جاتی ہے اور اگر حدود کے اندر ہی درگزر کی جائے تو مصلحت فوت ہوتی ہے اور حدود کا فائدہ فوت ہوتا ہے' اور رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے باب میں جو پیدائش کے اعتبار سے نحیف الجثہ ہو اور زنا کرے' فرمایا ہے **حدوله غتكالا فيه مائة شمراخ فاضربوبه ضربة**. اس کے لیے ایک بڑی سی ڈالی جس میں ایک سو ٹہنیاں ہوں لے کر اس کو مارو' معلوم کرو کہ جو کوئی ضعیف الجثہ[1] ہونے کے سبب سے اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ اس پر حد قائم کی جائے۔ اگر ایسے شخص سے بالکل باز پرس نہ کی جائے تو حدود کے استحکام میں نقص لازم آتا ہے اس لیے کہ شرائع لازمی جن کو اللہ تعالیٰ نے بمنزلہ خلقی امور کے مقرر کیا ہے ان کی شان سے یہ بات ہے کہ وہ مؤثر بالخاصیت کی طرح سمجھی جائیں اور لوگ نہایت مضبوطی سے ان کو مانیں اور نیز جس چیز میں تھوڑی سی تکلیف اور آسانی ہے اس کے چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے' لواطت کی حد میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک وہ زنا کی قسم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی سزا قتل ہے اس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم لوط علیہ السلام کی قوم کا کام کرتے دیکھو تو فاعل اور مفعول پہ کو قتل کرو' اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمٰنِيَةَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ جو لوگ کہ بیاہی عورتوں کو تہمت بالزنا کرتے ہیں پھر وہ متہم لوگ چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو ان کے اسی کوڑے مارو اور آئندہ کو کبھی ان کی گواہی مت قبول کرو اور وہی تو فاسق لوگ ہیں' مگر ہاں جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اچھی باتیں اختیار کیں تو بلاشک اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے' اور اس پر اجماع ہے کہ محصن مردوں کو بھی محصنات کا حکم ہے اور محصن کی تعریف یہ ہے کہ حر ہو اور مکلف مسلمان اور ایسے جماع سے پاک ہو جس پر حد قائم کی جاتی ہے' معلوم کرو کہ یہاں دو باتیں متعارض پائی جاتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ زنا ایک عظیم گناہ ہے جس کا مٹانا اور اس پر حد قائم کرنا اور اس پر مؤاخذہ کرنا ضروریات سے ہے۔ اور اسی طرح زنا کی طرف نسبت کرنا بھی ایک بڑا گناہ ہے اور اس کے اندر ایک بڑی عار کا لاحق کرنا ہوتا ہے جس پر حد کا قائم کرنا ضروری ہے اور چونکہ قذف کو زنا پر شہادت دینے کے ساتھ مشابہت ہے پس اگر کسی قاذف کو قائم کرنے کے لیے گرفتار کیا جائے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں زنا کا گواہ ہوں اور اس میں قذف کا بطلان لازم آتا ہے اور جو شخص زنا کا گواہ ہے مشہود علیہ[2] یہ کہہ کر اس سے پیچھا چھڑا سکتا ہے کہ یہ زنا کی تہمت لگاتا ہے اور خود یہ حد کا مستحق ہے پس جب سیاست امت کے وقت ان دونوں حدوں میں فی الجملہ تعارض ہوا تو ایک ظاہری امر سے ان دونوں کی تمیز ضروری ہوئی اور وہ امر مخبرین کی کثرت کہ جب مخبرین کی کثرت ہوئی تو گواہی اور راست گوئی کا گمان قوی ہوا اور تہمت کا گمان ضعیف ہو گیا اس لیے کہ تہمت میں دو باتوں کا اجتماع ہوتا ہے ایک تو دین کے اندر ضعیف دوسرے مقذوف[3] کے ساتھ عداوت کا ہونا اور ان دونوں صفتوں کا مسلمانوں کی ایک جماعت میں جمع ہونا بعید ہے' اور شاید یہی عادل پر اکتفانہ کیا گیا اس لیے کہ عدالت تمام حقوق میں معتبر ہے پس تعارض کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوتا اور کثرت کا نصاب

---

[1] نحیف الجثہ: زانی کی حد [2] جس کے برخلاف گواہی دی جائے۔

[3] جس پر زنا کی تہمت لگائی جائے۔

شہادت سے دو چند کے ساتھ انضباط کیا گیا اور حد قذف اسی درے مقرر کیے اس لیے کہ زنا سے بہر حال اس کی معصیت کم ہے اس لیے کہ ایک گناہ کا مشہور کرنا بمنزلہ اس کے کرنے کے نہیں اور حد زنا میں ایک مقدار ظاہری سے کمی کا انضباط کیا گیا' یعنی بیس سے کیونکہ وہ عدد سو کا پانچواں حصہ ہے اور اس حد کا تتمہ ہمیشہ کے لیے گور ہے گا' قبول نہ کرنا اس لیے مقرر کیا گیا کہ سابقاً بھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ تکلیف کی دو قسمیں جسمانی اور نفسانی' اور شرع نے جملہ حدود میں ان کے جمع کرنے کا لحاظ کیا مگر حد زنا کے ساتھ جلاوطن کرنے کا اعتبار کیا گیا اس لیے کہ زنا حکام کی حکومت اور اولیاء کی غیرت کے وقت میں اسی وقت متصور ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میں باہم میل جول اور اتحاد اور الفت ہو تو اس کے مناسب سزا یہی ہے کہ اس فتنہ کے مقام سے زانی کو نکال دیا جائے اور حد قذف کے ساتھ عدم قبول شہادت کو جمع کیا گیا اس لیے کہ قذف میں بھی ایک جزو دینا ہوتا ہے' پس قاذف کو اسی عار سے سزا دی گئی جو اس کی معصیت کے قبیلہ سے ہے اس لیے کہ قاذف کی شہادت نہ قبول کرنا اس کے لیے ایک سزا ہے اور باقی گنہگاروں سے بسبب عدالت اور رضا مندی کے فوت ہونے کے سبب سے نہیں قبول ہوتی' اور نیز ہم بیان کر چکے ہیں کہ قاذف کہہ سکتا ہے کہ میں گواہ ہوں پس تہمت کا باب اسی طرح مسدود ہو سکتا ہے کہ جس چیز سے اس نے جحت کی تھی ایسی ہی چیز سے اس کو سزا دینی چاہیے' اور حد خمر میں توبیخ بھی مقرر کی گئی ہے اور آیت الا الذین میں اختلاف ہے کہ یہ استثناء عدم قبول شہادت کی طرف راجع ہے یا نہیں اور ہمارے بیان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جب فسق کی انتہاء ہوئی تو اس کا اثر اور اس کی سزا بھی منتہی ہونی چاہیے اور خلفاء نے حد زنا کے اندر غلاموں کے لیے نصف سزا دینے میں اس کا اعتبار کیا ہے اللہ پاک فرماتا ہے **اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ**. چرانے والے اور چرانے والی کا ہاتھ کاٹ دو یہی جزا ہے ان کے کیے کی عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے' معلوم کرو کہ رسول اللہ ﷺ وحی کے بیان کرنے کے لیے مبعوث کیے گئے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **لتبیننه للناس**. البتہ بیان کرو گے تم اس کو لوگوں کے لیے' اور مال غیر کے لینے کی کئی صورتیں ہیں' چوری' رہزنی' اچکنا' خیانت' کسی کی پڑی ہوئی چیز اٹھا لینا' غصب اور ایک وہ جس کو قلت مبالات [1] اور کم احتیاطی کہتے ہیں' پس ضرور ہوا کہ رسول اللہ ﷺ چوری کی حقیقت کا بیان فرمائیں تا کہ ان امور سے تمیز حاصل ہو' پس تمیز کا طریقہ یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کی ذاتیات کی طرف نظر کی جائے جو چوری میں نہیں پائی جاتیں اور لوگوں کے عرف میں اس سے امتیاز حاصل ہوتی ہے' پھر چند امور منضبطہ معلومہ کے ساتھ چوری کی حقیقت کا انضباط کیا جائے جس کے سبب سے سب سے اس کو تمیز ہو جائے' پس رہزنی اور غارتگری اور حربہ کرنا یہ سب ایسے امور ہیں جو بہ نسبت مظلوم کے ظالم کو اپنی قوت پر اعتماد اور ایسے مکان یا زمانہ کے اختیار کرنے کی خبر دیتے ہیں جن میں وہ مظلوم مسلمانوں کی جماعت سے فریاد نہیں کر سکتے اور اچکنا لوگوں کے روبرو اور ان کے دیکھتے سنتے کسی چیز کے لے جانے کی خبر دیتا ہے اور خیانت میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں میں پہلے شرکت یا بے تکلفی اور باہمی ایک دوسرے کے مال میں بھی تصرف وغیرہ رہا ہے' اور پڑی چیز کے اٹھا لینے سے ایسی چیز کا اٹھا لینا معلوم ہوتا ہے جو کسی کی حفاظت میں نہ تھی اور غصب میں

---

1. قلت: کم' مبالات: ڈر خدشہ کم احتیاطی

مظلوم پر ظالم کا ایسا غلبہ معلوم ہوتا ہے جس کا مدار بھاگنے یا لڑنے پر نہیں ہوتا بلکہ زبان زوری اور اس بات کے گمان پر اس کا مدار ہوتا ہے کہ یہ مقدمہ حکام تک نہ پہنچے گا اور حقیقتِ حال ان پر ظاہر نہ ہوگی اور قلتِ مبالات اور بے احتیاطی کا اطلاق ان ادنیٰ چیزوں کے استعمال پر ہوتا ہے' عرف میں جن کے برتنے اور باہمی معاونت کا ان چیزوں میں دستور جاری ہے جیسے پانی وایندھن وغیرہ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے ان سب کے ذاتیات سے امتیاز کا انضباط فرمایا ہے۔

اور فرمایا: **لاتقطع ید السارق الا فی ربع دینار** . کہ چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر ربع دینار میں اور ایک روایت میں آیا ہے۔ **القطع فیما بلغ ثمن المجن** . یعنی مال مسروقہ اتنا ہو جو ڈھال کا ثمن ہو سکے تو ہاتھ کا قطع کرنا چاہیے اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ڈھال کے چرانے میں جس کا ثمن تین درہم تھا' چور کا ہاتھ قطع کیا' اور حضرت عثمانؓ نے ایک انزاح میں جس کی قیمت تین درہم تھی ہاتھ قطع کروایا تھا' اور حاصل یہ ہے کہ یہ تینوں مقداریں اپنے زمانہ میں ایک ہی چیز پر منطبق تھیں پھر آپ کے بعد ان میں اختلاف ہوا اور ڈھال غیر منضبط ہونے کے سبب سے کوئی قابل اعتبار چیز نہیں ہے پس باقی دونوں حدیثوں میں امت میں اختلاف ہوئی۔

بعض ربع دینار کے قائل ہوئے اور بعض میں درہم کے اور بعض نے اس مقدار کا اس طرح پر انضباط کیا کہ ان دونوں مقداروں میں سے کسی مقدار تک مال پہنچ جائے' اور میرے نزدیک یہی زیادہ تر ظاہر ہے اور اس مقدار کو رسول اللہ ﷺ نے ادنیٰ و اعلیٰ چیز میں فرق کر کے مقرر فرمایا ہے اس لیے کہ کوئی جنس خاص اندازہ کرنے کی قابلیت نہیں رکھتی کیونکہ مختلف بلاد میں ایک چیز کا نرخ مختلف ہوتا ہے اور نیز اختلاف بلاد کے لحاظ سے نفاست وخساست میں مختلف ہوتی ہیں' پس جو چیز ایک قوم کے نزدیک مباح وادنیٰ ہے دوسروں کے نزدیک وہی چیز قابل قدر مال ہوتا ہے' لہٰذا ثمن کے اعتبار سے اندازہ کا لحاظ کرنا ضروری ہوا اور بعض کہتے ہیں دونوں کے اندر اندازہ کا اعتبار کرنا چاہیے اور لکڑی میں چور کا ہاتھ قطع نہ کرنا چاہیے اگر چہ لکڑیوں کی قیمت دس درہم ہو' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **لاقطع فی ثمر معلق ولا حرسیة الجبل فاذا آواہ المراح والجرین فالقطع فیما بلغ ثمن المجن** . جو ثمار معلق ہیں ان میں قطع نہیں ہے اور نہ ان مویشی میں جو پہاڑ کے اندر رہتے ہیں پس جب مویشی باڑ میں آجائیں اور جب اثمار کا ڈھیر لگا دیا جائے تو اگر ان کی قیمت ڈھال کے ثمن کو پہنچ جائے تو ان میں بھی قطع ہے' میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے اس بات کو جتلا دیا کہ قطع کرنے میں حفاظت شرط ہے اور جو اس کا یہ سبب ہے کہ جو چیز غیر محفوظ ہے اس کے لینے کو التقاط کہتے ہیں' پس اس سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لیس علی خائن ولا منتھب ولا مختلس** . قطع خائن پر قطع نہیں ہے اور لوٹنے والے کے اور نہ اچکنے والے پر' میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو سمجھا دیا کہ چوری کے اندر پوشیدہ طور پر مال لینا شرط ہے ورنہ لوٹ کرنا یا اچکنا ہوتا ہے اور نیز یہ شرط ہے کہ پہلے سے ان میں شرکت یا کوئی اور حق لازم نہ ہو ورنہ وہ خیانت یا اپنے حق کا استیفاء ہوگا' اور صحابہؓ سے مروی ہے کہ اگر غلام اپنے مولا کا مال چرالے تو وہ فرماتے ہیں **انما ھو مالک بعضہ فی بعض** . کہ وہ تیرا ہی مال ہے' بعض بعض کے اندر' اور رسول اللہ ﷺ نے چور کے باب میں فرمایا ہے **اقطعوہ ثم احسموہ** . کہ اس کا ہاتھ

قطع کرو پھر اس کو تیل میں داغ دے دو' میں کہتا ہوں داغ دینے کا حکم اس لیے ہے کہ قطع کرنے کا حکم اثر نہ کرے اور وہ شخص ہلاک نہ ہو اس لیے کہ داغ دینے سے زخم سرایت نہیں کرتا اور رسول اللہ ﷺ نے چور کے لیے حکم کیا کہ اس کا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا' میں کہتا ہوں یہ شہرت دینے کے لیے کیا گیا تا کہ لوگ اس کا چور ہونا معلوم کر لیں اور ظلم اور حد کے قطع کرنے میں فرق ہو جائے' اور رسول اللہ ﷺ نے اس چوری میں جو نصاب سے کم ہو اس کو سزا دینے اور دو چند تاوان دینے کا حکم فرمایا ہے' میں کہتا ہوں دو چند تاوان دینے کا حکم اس لیے دیا کہ چور کو اس کے اس فعل سے باز رکھنا اور اس کو مالی و بدنی سزا دینا ضرور ہے اس لیے کہ انسان کو بسا اوقات جسمانی تکلیف سے مالی تکلیف زیادہ تر باز رکھتی ہے اور بسا اوقات اس کے عکس ہوتا ہے اس لیے دونوں تکلیفیں جمع کی گئیں' پھر اگر مال مسروقہ کے برابر تاوان کا حکم ہوتا تو چوری کرنا و نہ کرنا برابر ہوتا اور کچھ سزا نہ ہوتی اس لیے دو چند تاوان دینے کا حکم کیا گیا تا کہ آئندہ کو کبھی چوری کا قصد نہ کرے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک چور پکڑا ہوا آیا اور اس نے چرانے کا اقرار کیا مگر اس کے پاس مال مسروقہ برآمد نہ ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ میرے خیال میں تو نے چوری نہیں کی ہے اس نے کہا کیوں نہیں تو آپؐ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ اس سے یہی ارشاد فرمایا تب آپؐ نے اس کے ہاتھ قطع کرنے کا حکم دیا۔ اور ایک مرتبہ ایک مجرم گرفتار ہو کر آیا تو آپ نے فرمایا کہو کہ میں اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں اس نے کہا میں اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں تو آپؐ نے تین مرتبہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی **اللّٰھم تب علیه**' میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب گنہگار اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اور وہ اس پر نادم ہے تو مناسب ہے کہ کسی حیلہ سے حد اس پر سے دور کر دی جائے اور ہم اس کا حال پہلے بیان کر چکے ہیں اللہ پاک فرماتا ہے **اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ** . **الآیۃ** . میں کہتا ہوں محاربت کا مدار ایک جماعتِ مظلومہ سے قتال کرنے پر ہوتا ہے اور چوری کی حد سے اس حد کے مقرر کرنے کا سبب زیادہ تر قوی ہے اور وہ یہ ہے کہ بنی آدم کے مجمع میں خواہ مخواہ کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن میں خصلتِ سبعی کا غلبہ ہوتا ہے اور ان لوگوں میں سخت جرأت اور قتال اور اجتماع کا مادہ ہوتا ہے اور قتل کرنے اور غارتگری میں بے باک ہوتے ہیں اور اس کا فساد چوری کے فساد سے زیادہ ہے کیونکہ لوگ چوروں سے اپنے مالوں کو محفوظ رکھ بھی سکتے ہیں مگر رستوں کے چلنے والے رہزنوں سے محفوظ نہیں رہ سکتے اور نہ حکام لوگ اور مسلمانوں کی جماعت اس مکان اور اس وقت میں ان کی مدد باآسانی کر سکتی ہے اور نیز قطاع الطریق کو جو ارادہ ان کے فعل پر آمادہ کرتا ہے وہ زیادہ تر سخت و مستحکم ہوتا ہے اس لیے کہ رہزن وہی شخص ہوتا ہے جو بڑا دلیر اور قوی الجثہ شخص ہو اور نیز ان لوگوں کا باہم اجماع و اتفاق رہتا ہے بخلاف چوروں کے لہٰذا ضروری ہوا کہ رہزن کی سزا چور کی سزا سے زیادہ تر سخت مقرر کی جائے اور اکثر کے نزدیک سزا میں ترتیب کرنی چاہیے اور وہ قول اس حدیث کے موافق ہے **لایقتل المومن الاحدی ثلث** . الحدیث' اور بعض کے نزدیک سزا کے اندر اختیار ہے اور یہ قول لفظ او کے مناسب ہے اور میرے نزدیک جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **المارق للجماعة** . اس میں دو علتوں کے جمع کر دینے کا احتمال پایا جاتا ہے اور مراد یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر علت حکم کے مفید ہے' جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں دو علتوں کو جمع کیا ہے **لا یخرج الرجلان یضربان الغائط کاشفین عن عورتهما یحدثان** . دو شخص پاخانہ کے لیے اپنا ستر کھولے ہوئے باتیں کرتے ہوئے باہر نہ

جائیں' پس ستر کا کھولنا لعنت کا سبب ہے۔اور باتیں کرنا بھی ایسی حالت میں' اللہ پاک فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ' إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَوٰةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾

''اے ایمان والو! شراب و جوا اور بت اور تیر ناپاک چیزیں ہیں شیطان کے کام سے پس اس سے پرہیز کرو شاید کہ تم فلاح پاؤ' شیطان کا یہی ارادہ ہے کہ تم میں شراب اور جوے کے اندر عداوت اور بغض ڈالے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے باز رکھے' پھر کیا تم باز رہنے والے ہو''۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بیان فرمادیا کہ شراب میں دو قسم کی برائی ہے ایک تو لوگوں کے لیے برائی ہے کہ شارب الخمر لوگوں سے لڑتا جھگڑتا اور ان کو ستاتا ہے اور ایک برائی کا انجام اس کی تہذیب نفس کی طرف رجوع کرتا ہے کیونکہ شارب الخمر حالت بہیمی کے اندر غرق ہو جاتا ہے اور اس کی عقل جس پر نیکی کا مدار ہے زائل ہو جاتی ہے اور چونکہ تھوڑی شراب بہت سی شراب کا شوق دلاتی ہے لہٰذا سیاست اُمت کے لحاظ سے ضرور ہوا کہ حرمت کا مدار اس کے نشہ آور ہونے پر کیا جائے اور فی الحال نشہ کے موجود ہونے کا نہ کیا جائے' پھر آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا کہ شراب کیا چیز ہے اور فرمایا **کل مسکر خمر وکل مسکر حرام** .ہر چیز نشہ آور شراب ہے اور چیز نشہ آور حرام ہے اور فرمایا کہ شراب ان دو درختوں سے ہوتی ہے چھوارہ و انگور اور ان دونوں کی اس ملک کی حالت کے اعتبار سے ہے۔اور رسول اللہ ﷺ سے ضر راور تبع کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے (مزر اہل یمن کی شراب ہے جو جوار سے بنتی ہے اور تبع اس شراب کو کہتے ہیں کہ جو نبیذ عسل سے تیار کی جاتی ہے) اور آپ نے فرمایا **مااسکر کثیرہ فقلیلہ حرام** .جو چیز بہت سی نشہ آور ہو وہ تھوڑی حرام ہے' میں کہتا ہوں یہ سب احادیث مستفیضہ ہیں اور میں اس بات کو نہیں جانتا کہ شراب انگوری اور کسی اور شراب میں کیا فرق ہے' کیونکہ شراب کی حرمت ان مفاسد کے سبب سے نازل ہوئی ہے جن کی قرآن پاک میں تصریح کی ہے اور وہ سب مفاسد سب قسم کے شرابوں میں بدستور پائی جاتی ہیں' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **من شرب الخمر فی الدنیا فمات وھو یدمنھا لم یتب لم یشربھا فی الاخرۃ** .جس کسی نے دنیا میں شراب پی اور شراب کا عادی ہو کر بغیر توبہ کیے مرگیا تو آخرت میں شراب نہ پئے گا' میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ جو کوئی صفت بہیمی میں غرق ہو گیا اور صفت احسان سے اس نے بالکل پشت پھیر لی جنت کے لذائذ سے وہ شخص محروم رہے گا پس شراب کا پینا اور اس کا عادی ہو جانا اور اس سے تائب نہ ہونا قوت بہیمی میں مستغرق ہونے کا سبب گردان کر اس پر حکم دائر کر دیا گیا اور جنت کے لذائذ میں سے شراب کو مخصوص کیا گیا تاکہ ظاہر میں دونوں لذتوں کی مخالفت محسوس ہو جائے اور نیز جب نفس کو لذت بہیمی کے اندر کسی فعل کے ضمن میں انہماک ہوتا ہے تو وہی فعل اس لذت کا اس شخص کے نزدیک صوت مثالیہ ہو جاتا ہے جس کے یاد کرنے سے اس کو یاد کر لیتا ہے پس وہ شخص اس بات کا مستحق نہیں ہے کہ احسان کی لذت اس کے لیے ظاہر ہو اور نیز فعل کی سزا اس کے مناسب ہوا کرتی ہے پس جس شخص نے ایک چیز پر اقدام کیا ہے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کی خواہش اور امید کے وقت اس

لذت کے معدوم کرنے سے اس کو تکلیف دی جائے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **ان علی اللہ عهدا لمن شرب المسكر ان يسقيه من طينة الخبال عصارة اهل النار**. اللہ تعالیٰ پر اس بات کا عہد ہے کہ جو شخص نشہ پئے گا اس کو اللہ طینۃ الخبال پلائے گا' دوزخیوں کا نچوڑ ہے' میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ پیپ اور خون اشیاء بہنے والوں میں سے بدترین اور حقیر ترین اور سخت ترین اشیاء ہیں باعتبار نفرت طبیعت سلیمہ کے اور شراب بہنے والی چیز ہے اور مشابہ پیپ کے ہے صورت خیالیہ میں جیسا کہ منکر نکیر کے باب میں علماء نے فرمایا ہے کہ ان کی رنگتیں نیلگوں ہوتی ہیں اس لیے عرب اس رنگت سے بیزار ہیں جیسا کہ خواب میں بعض چیزیں انسان کو دکھائی دیتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **من شرب الخمر لم يقبل الله له صلٰوة اربعين صباحًا فان تاب تاب الله عليه**. شارب الخمر کی چالیس دن کی صبح کی نماز اللہ تعالیٰ نہیں قبول کرتا ہے پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ پاک بھی اس کی توبہ قبول کرتا ہے' میں کہتا ہوں کہ اس کی نماز قبول نہ ہونے میں یہ راز ہے کہ صفت بہیمیہ کا ظاہر ہو جانا اور ملکیہ پر معصیتِ الٰہی کے مرتکب ہونے سے اس کا غالب ہو جانا اللہ تعالیٰ پر جرأت کرنا اور اپنے نفس کا ایک حالت خواری میں جو صفت احسان کے بالکل منافی اور مخالف ہے' مستغرق کر دینا ہے. جس کے سبب سے نماز کا نفع اس کے حق میں جاتا رہتا ہے اور جب شراب پینے والا آنحضرت ﷺ کے پاس گرفتار ہو کر آتا تھا تو آپ اس کے مارنے کا حکم دیتے تھے اور جوتیوں اور کپڑا اور ہاتھ سے اس کو مار پیٹ کی جاتی تھی یہاں تک کہ چالیس ضربہ اس کے لگتے تھے' پھر آپ فرماتے تھے کہ اس کو ڈانٹ بتاؤ تو لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے تھے تو ایسی ایسی باتیں کہتے تھے کہ تو نے اللہ کا خوف نہیں کیا تو تو اللہ سے نڈر ہو گیا اور تو نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ حیا نہ کی اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زمین سے خاک اٹھا کر اس کے منہ پر ماری' میں کہتا ہوں بہ نسبت اور حدود کے اس حد کے کم ہونے کا سبب یہ ہے کہ اور معاصی میں اسی وقت فوراً خرابی موجود ہوتی ہے مثلاً وہ شخص کسی کا مال چراتا ہے یا رہزنی کرتا ہے یا چوری کرتا ہے یا کسی کو زنا کی طرف منسوب کرتا ہے' اور شراب پینے میں فساد کا احتمال ہے مگر بالفعل فساد موجود نہیں ہوتا اس واسطے سو سے کم شراب کی حد مقرر کی گئی اور آنحضرت ﷺ چالیس درہ اس واسطے مارتے تھے کہ اس میں قذف کا احتمال ہے اور جو ایک چیز کا مظنہ ہوتا ہے وہ اس شے سے بمنزلہ نصف کے ہوتا ہے پھر جب فساد زیادہ ہو گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی درہ شراب کی حد مقرر کیے یا اس واسطے کہ کتاب الٰہی میں جس قدر حدود مذکور ہیں اسی کی مقدار ان سب میں ادنیٰ درجہ کی ہے پس جس حد کی قرآن کے اندر تصریح نہیں کی گئی ادنیٰ درجہ کی حد سے وہ حد کم نہ ہونی چاہیے یا اس واسطے کہ شراب پینے والا اگر خود زنا یا قتل نہیں کرتا ہے تو اوروں کو اکثر زنا کی طرف منسوب کرتا ہے اور اکثر کو حکم یقین کا ہوتا ہے اور توبیخ کرنے کا بھید ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم سے پیشتر لوگ اسی واسطے ہلاک ہو گئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز شخص چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر ناتوان آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے تھے اور اللہ کی قسم اگر فاطمہ محمد ﷺ کی بیٹی چوری کرے تو بلاشبہ میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص کی سفارش حدود الٰہی میں سے کسی حد کی نسبت پائی گئی اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی' میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم تھی کہ خاندانی لوگوں کی عزت کا محفوظ رکھنا اور ان کے ساتھ درگزر کرنا اور ان کو بچانا اور ان کے معاملہ میں سفارش کرنا ہمیشہ سے امتوں میں چلا آتا ہے اور تمام اولین اور آخرین اس بات کے پیرو ہیں لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس

کی نسبت بہت تاکید کی اور اہتمام کیا اس واسطے کہ شرفاء کی سفارش اور ان سے درگزر کرنا ان حدود کی مخالفت کرنا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اور آنحضرت ﷺ نے محدود پر لعنت کرنی اور اس میں واقع ہونے سے نہی فرمائی ہے تا کہ اس سبب سے حد کے قائم کرنے سے لوگ باز نہ رہیں اور اس واسطے کہ حد گناہ کا کفارہ ہے اور جب ایک شے کا کفارہ سے تدارک ہو گیا تو وہ شے کالعدم ہو گئی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **والذی نفسی بیدہ انہ لفی انہار الجنۃ متغمس بہا** قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بلاشبہ وہ جنت کی نہروں میں ڈوبا ہوا ہے اور حدود کے ساتھ دو قسم کی زجر اور بھی ہوتی ہے ایک تو دین کی ہتک عزت کی سزا اور ایک امامت سے روکنا' پہلے کی دلیل یہ حدیث ہے **من بدل دینہ فاقتلوہ** .جو شخص اپنا دین بدل دے اس کو قتل کر ڈالو' اس کی وجہ یہ ہے کہ دین سے باہر ہونے کی سزا میں سخت ملامت کا قائم کرنا ضروری ہے ورنہ دین کی ہتک کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے اور اللہ کو یہ منظور ہے کہ ملتِ آسمانی بمنزلہ جبلی امر کے ہو جائے جو جدا نہیں ہو سکتا اور ارتداد اسی بات سے ثابت ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ یا رسولوں کی نفی یا کسی رسول کی تکذیب پر دلالت ہو یا ایسا فعل جس سے دین کے ساتھ صراحتاً استہزا مقصود ہو اور اسی طرح ضروریاتِ دین کے انکار سے ارتداد ثابت ہوتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے **وطعنوا فی الدین** .اور انہوں نے دین کے اندر عیب نکالا اور ایک یہودیہ رسول اللہ ﷺ کو کچھ برا بھلا کہا کرتی تھی تو ایک شخص نے اس کا گلا داب دیا حتیٰ کہ وہ مر گئی' آپ نے یہ خبر سن کر اس کے خون کو ہدر کر دیا اس لیے کہ دین اسلام میں عیب جوئی اور مسلمانوں کی ظاہری ایذا رسانی سے عہد منقطع ہو جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **انا بریئ من کل مسلم مقیم بین اظہر المشرکین لا یترایا نارھما** .جو مسلمان مشرکین کے اندر بسے ہیں میں اس سے بیزار ہوں' وہ دونوں ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھنے پائیں' میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ کفار کے ساتھ اختلاط کرنا اور ان کے گروہ کو بڑھانا بھی ایک قسم کی مدد ہے' پھر آنحضرت ﷺ نے کفار کی بستیوں سے دور رہنے کو اس طرح پر منضبط فرمایا کہ اگر ایک فریق کے شہر یا محلہ میں اگر کسی بلند جگہ پر آگ روشن کی جائے تو دوسرے فریق کو ظاہر نہ ہو' اور دوسرے کی دلیل یہ آیت ہے **فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰھُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰی اَمْرِ اللّٰہِ** .پھر ایک گروہ نے دوسرے پر بغاوت کی پھر جس نے بغاوت کی ہے اس پر مقاتلہ کرو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اذا بویع الی الخلیفتین فاقتلو الاخر منہما** .اگر دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو ان دونوں میں سے دوسرے خلیفہ کو مار ڈالو' میں کہتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ امامت ایسی چیز ہے کہ انسان کی طبیعت کا میلان اس کی طرف ہوتا ہے اور مختلف ولایتوں میں لوگوں کے اندر کوئی نہ کوئی ایسا شخص پیدا ہوتا ہے جو امامت کی خاطر قتال پر اس کو جرأت ہوتی ہے اور کچھ لوگ اس کے بھی مددگار ہوتے ہیں پس اس کو اگر علیٰ حالہ چھوڑ دیا جائے اور قتل نہ کیا جائے تو وہ ضرور خلیفہ کو قتل کرے' پھر کوئی اور اس سے قتال کرے اور وہ اس کو قتل کرے وعلیٰ ہذا القیاس مسلمانوں میں فساد عظیم برپا ہو' پس اس مفسدہ کے انسداد کی یہی صورت ہے کہ مسلمانوں میں اس کے متعلق ایک طریقہ مقرر کیا جائے کہ جب ایک خلیفہ مقرر ہو جائے' پھر دوسرا شخص اس میں جھگڑا کرنے کے لیے آمادہ ہو تو اس کا قتل روا ہے اور اس کے مقابل میں خلیفہ کی مدد کرنا مسلمانوں کو ضروری ہے' پھر اس کے بعد وہ شخص ہے جو اپنی ذات یا کنبہ سے کسی ظلم کے دفع کرنے کے ارادہ سے تا دلیل شرعی خلیفہ پر خروج کرے یا خلیفہ کے اندر کوئی نقصان ثابت کرے اور دلیل شرعی سے اس پر حجت

کرے اور جمہور مسلمانوں کے نزدیک وہ دلیل مسلم نہ ہو اور نہ وہ اللہ کا ایسا حکم ہو جو برہان قطعی سے ثابت ہو، جس کا انکار نہ کرسکیں پس اس شخص کا حال اس شخص سے کم درجہ پر ہے جو ملک میں فساد پھیلانے کی غرض سے خروج کرے اور شرع کو چھوڑ کر تلوار کو حکم قرار دے یہ دونوں شخص ایک مرتبے کے نہ ہونے چاہئیں اس لیے امام کو لازم ہے کہ اس مفسد کی طرف کسی دانا عالم کو نصیحت کے لیے بھیجے تاکہ اس شبہ کو دور کرے یا اس سے ظلم کو دفع کرے جس طرح امیر المومنین حضرت علی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ہرور یہ کو روانہ کیا پس اگر وہ شخص مسلمانوں کی جماعت کی طرف رجوع کرے فبہا ورنہ امام کو اس سے قتال کرنا چاہیے۔ مگر ان میں سے جو شخص بھاگ جائے اس کا تعاقب کر کے قتل نہ کرنا چاہیے اور نہ اس کے قیدی قتل کرنے چاہئیں اور جو شخص زخمی ہو جائے اس کو بھی پھر قتل نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ مقصود دفع شر اور ان کی جماعت کا پراگندہ کرنا تھا وہ حاصل ہو گیا، اور دوسرا شخص محاربین میں سے ہے اور اس کا حکم محارب کا حکم ہے۔

قضا کا بیان

معلوم کرو کہ جن حاجات کا بکثرت وقوع ہوتا ہے اور جن کا فساد سخت ہوتا ہے وہ لوگوں کے باہمی مناقشات ہیں وہی مناقشات عداوت اور بغض اور باہمی فساد کے باعث ہوتے ہیں اور انہیں سے حق تلف کرنے اور دلیل کے نہ ماننے کی خواہش پیدا ہوتی ہے پس ضروری ہوا کہ ہر طرف میں ایک ایسا شخص مقرر کیا جائے جو شرع کے موافق ان کے مقدمات کو فیصل کرے اور اس فیصلہ پر عمل کرنے پر خواہ مخواہ ان کو مجبور کرے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قضاۃ کے بھیجنے کا نہایت اہتمام رہا، پھر آپؐ کے بعد آپ کے خلفاء اور تمام مسلمانوں میں اس بات کا اہتمام رہا پھر چونکہ لوگوں کے فیصلہ کرنے میں ظلم اور جور کا احتمال ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ لوگوں کو فیصلہ کے اندر ناانصافی کرنے سے خوف دلایا جائے، جن کلیات کی طرف احکام کا رجوع ہوتا ہے وہ منضبط کیے جائیں، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **من جعل قاضیا بین الناس فقد ذبح بغیر سکین** .جو شخص لوگوں کے اندر قاضی مقرر کیا گیا بلاشبہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا، میں کہتا ہوں اس سے رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو بیان کیا کہ قضا نہایت بھاری بوجھ ہے اور اس پر اقدام کرنے میں ہلاکت کا خطرہ ہے۔ الا ما شاء اللہ

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **من ابتغی القضاء وسئل وکل الی نفسہ ومن اکرہ علیہ انزل الیہ ملکاً یسددہ** .جو شخص قضا کا طالب ہو اور اس کی درخواست کرے تو وہ شخص اپنی ذات پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور جو شخص زبردستی قاضی بنایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ نازل کرتا ہے کہ جو اس کی اصلاح کرتا رہتا ہے، میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ جو شخص حکومت کا طالب ہوتا ہے غالباً مال یا جاہ کی خواہش یا کسی دشمن سے بدلہ لینے کی قدرت کا حاصل ہونا وغیرہ اس کا منشا پڑتا ہے پس اس شخص سے خلوص نیت جو نزول برکات کا سبب ہے نہیں پائی جاتی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **القضاۃ ثلثۃ احد فی الجنۃ واثنان فی النار** الحدیث، قاضیوں کی تین قسمیں ہیں ایک جنتی اور دو دوزخی ہیں، جنتی وہ شخص ہے جو حق کو پہچانے اور اسی کے موافق حکم دے اور جو شخص حق کو پہچان کر حکم دینے میں ظلم کرے وہ دوزخی ہے اور وہ شخص جو جاہل ہو کر حکم دے وہ بھی دوزخی ہے، میں

کہتا ہوں اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ قاضی ہونے کے قابل وہ شخص ہے جو عادل ہو اور ظلم اور کسی کی طرف میلان سے پاک ہو اور اس کی یہ بات لوگوں میں مشہور ہو اور نیز وہ شخص عالم ہو' جو احکام فقہ خاص کر مسائل قضا سے واقف ہو اور اس کا سبب ظاہر ہے اور وہ یہی سبب ہے کہ قاضی کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر ان باتوں کے غیر متصور ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **لایقضین حکم بین اثنین وھو غضبان** .کوئی پنچ غصہ کی حالت میں دو شخصوں کے مابین فیصلہ نہ کرے' میں کہتا ہوں اس کا یہ سبب ہے کہ جب ایک شخص کا دل غصہ کی حالت میں مشغول ہے تو وہ شخص دلائل اور قرائن کے معلوم کرنے میں پورے طور پر غور نہ کر سکے گا' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فله اجران واذا حکم فاجتھد فاخطأ فله اجر واحد** .جب کوئی حاکم فیصلہ کرے اور اس میں اجتہاد کرے پس اس کا اجتہاد ٹھیک جا پڑے تب تو اس کے لیے دو اجر ہیں' اور اگر فیصلہ کرے اور اجتہاد کرنے میں وہ چوک جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے اور اجتہاد کے معنی حتی الوسع دلیل تلاش کرنے میں کوشش کرنے کے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ تکلیف بقدر وسع کے ہے اور انسان کے وسع میں اس قدر ہے کہ حتی المقدور دلیل تلاش کرے باقی رہا حق کو پہنچ جانا سو یہ ہرگز اس کے بس میں نہیں ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا **اذا تقاضی الیك رجلان فلا تقض للاول حتی تسمع کلام الاخر فانه احری ان یتبین لك القضاء** .جب دو شخص تیرے پاس کوئی مقدمہ لائیں تو جب تک تو دوسرے کی بات نہ سن لے اس وقت تک پہلے کے موافق فیصلہ مت کر کیونکہ دونوں کی بات سننے سے حکم اچھی طرح ظاہر ہو سکتا ہے' میں کہتا ہوں اس واسطے کہ دونوں کی دلیل کو ملاحظہ کرنے سے ترجیح ظاہر ہو سکتی ہے اور معلوم کرو کہ قضا کے دو درجہ ہیں' اول تو مدعی اور مدعا علیہ کے مقدمہ کی حقیقت حال کا معلوم کرنا اس کے بعد اس مقدمہ میں انصاف سے حکم دینا اور قاضی کو کبھی تو دونوں کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی صرف ایک کی' مثلاً اگر دو شخص ہیں اور ہر ایک اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ جانور میری ملک ہے اور میری ہی ملک میں پیدا ہوا ہے یا یہ پتھر میں نے پہاڑ سے اٹھایا ہے تو یہاں کچھ اشکال نہیں ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے اور حضرت علی اور زید اور جعفر علیہم السلام کے مابین حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی کی پرورش کے باب میں جو مقدمہ پیش تھا وہاں وہ مقدمہ ظاہر تھا' صرف حکم دینا باقی تھا' اور اگر ایک شخص دوسرے پر غصب کا دعویٰ کرے اور مال کی صورت متغیر ہو اور دوسرا انکار کرے تو اولاً حقیقت حال معلوم کرنے کی ضرورت ہو گی کہ وہاں غصب ہے یا نہیں اور اس کے بعد حکم دینے کی ضرورت ہو گی کہ بعینہ اس شے کے واپس کرنے کا حکم دیا جائے یا اس کی قیمت دینے کا' اور رسول اللہ ﷺ نے قضا کے دونوں مقام کو قواعد کلیہ سے منضبط فرمایا ہے مقام اوّل میں تو گواہی اور قسم سے زیادہ مناسب کوئی چیز نہیں کیونکہ حقیقت الحال بجز اس صورت کے نہیں معلوم ہو سکتی کہ یا تو کوئی شخص جو اس واقعہ میں موجود تھا اس کی خبر دے یا خود وہی مقدمہ والا ایسی تاکید سے اس کو بیان کرے کہ جس کے ساتھ کذب ہونے کا ظن نہ پایا جائے' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **لو یعطی الناس بدعوھم لادعی ناس دماء رجال واموالھم ولکن البینة علی المدعی والیمین علی المدعی اعلیه** .اگر لوگوں کو صرف دعویٰ کرنے سے دلا یا جائے تو بلاشبہ لوگ آپس میں خون و مال کا دعویٰ کرنے لگیں مگر مدعی کے لیے بینہ اور مدعا علیہ پر قسم لازم ہے پس مدعی وہ شخص ہوتا ہے جو ظاہر کے خلاف دعویٰ کر کے ایک نئی بات

ثابت کرتا ہے اور مدعا علیہ اصل کا پابند اور ظاہر سے دلیل پکڑتا ہے پس ایسی صورت میں بجز ایک بات کے کوئی صورت انصاف کی نہیں ہے کہ مدعی سے بینہ کا اعتبار کیا جائے اور جو ظاہر سے استدلال کرتا ہے اور اپنے آپ کو بچاتا ہے درصورت مدعی کے پاس بینہ نہ ہونے کے اس شخص سے قسم لی جائے اور رسول اللہ ﷺ نے اس قاعدہ کے مقرر ہونے کا سبب اشارۃً اس حدیث میں بیان فرمایا ہے **لویعطی الناس بدعوهم.. الخ** یعنی یہ تظالم کا سبب ہے تو ایسی صورت میں حجت کا ہونا ضروری ہے پھر گواہ میں اس صفت کا ہونا معتبر ہے کہ لوگوں کے نزدیک وہ پسندیدہ ہو چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **ممن ترضون من الشهداء**. گواہوں میں سے جس کو تم پسند کرو اور یہ صفت عقل اور بلوغ اور اس معاملہ کے ضبط اور گویائی اور اسلام اور عدالت اور مروت اور عدم تہمت سے ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: **لا يجوز شهادة خائن ولاخائنة ولازان ولازانية ولاذى غمر علىٰ اخيه و يرد شهادة القانع لاهل البيت**. کہ نہیں درست ہے گواہی خیانت کرنے والے کی اور نہ خیانت کرنے والی کی نہ زانی اور زانیہ کی اور نہ اس شخص کی جو اپنے بھائی سے بغض رکھتا ہو اور جو شخص کسی کے گھر کا نوکر ہو اس کی گواہی رو کی جائے گی اور اللہ جل جلالہ نے قذف کرنے والے کی نسبت فرمایا ہے **وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا** الآیہ اور باقی کبائر کو بھی زنا اور قذف کا ہی حکم ہے اس واسطے کہ خبر میں فی نفسہٖ صدق اور کذب کا احتمال ہوتا ہے اور ان دونوں میں سے ایک کو کسی قرینہ سے ترجیح ہوتی ہے اور وہ قرینہ یا تو مخبر میں ہوتا ہے یا اس میں جس سے خبر دی جاتی ہے یا کسی اور میں اور ان قرائن میں سے انضباط کے قابل جس پر حکم کا مدار کیا جائے بجز صفات مخبر کے کوئی چیز نہیں ہے البتہ ظاہر حال ملکیت اور **ابقاء ماكان علىٰ ماكان**. قابل انضباط ہے مگر مدعی کے لیے بینہ اور مدعا علیہ کے لیے قسم مقرر ہونے میں اس کا اعتبار ہو چکا ہے اب رہی گواہوں کی تعداد ان اطوار مختلف کے اعتبار سے مقرر کی گئی جن کو شارع نے مختلف حقوق کے اندر رکھا ہے پس زنا کا ثبوت چار گواہوں سے ہو سکتا ہے یہ آیت اس کی دلیل ہے **وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ**. الآیہ اور ہم سابق میں اس کی مشروعیت کا سبب بیان کر چکے ہیں اور قصاص وحدود میں صرف مردوں کی گواہی کا اعتبار کیا جاتا ہے اور اس کی دلیل زہری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے برابر یہ دستور جاری ہے کہ حدود میں صرف مردوں کی گواہی معتبر ہوتی ہے اور حقوق باللہ میں ایک مرد اور دو عورت کی گواہی کا بھی اعتبار ہوتا ہے بحکم آیت **فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ**. پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں اور جناب باری تعالیٰ نے بجائے ایک مرد کے دو عورتوں کے مقرر کرنے کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ **اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى**. ان دونوں میں سے ایک چوک جائے تو ان میں سے ایک دوسری کو یاد دلا دے یعنی عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں پس عدد بڑھا کر اس کمی کو پورا کرنا ضروری ہوا اور آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ایک شاہد اور ایک قسم سے حکم دے دیا اس واسطے کہ شاہد عدل کے ساتھ اگر قسم بھی پائی جائے تو وہ امر ثابت ہو جاتا ہے اور گواہوں کے امر میں توسع ضروری ہے اور برابر سنت جاری ہے کہ اگر شاہدین میں قاضی کو کسی قسم کا تردد ہو تو بطور خود ان کا تزکیہ کرلے اس واسطے کہ ان کی گواہی کا اعتبار ان کی صفات کی وجہ سے ہے باعث سے ان کے صدق کو کذب پر ترجیح ہے پس ان کے صفات کا ظاہر ہونا ضروری ہے اور یہ بھی برابر سنت جاری ہے کہ اگر شک ہو تو قسم کو زمانہ اور مکان اور لفظ سے خوب مضبوط کیا جائے اس واسطے کہ قسم صدق خبر کی

دلیل ہے قرینہ کی وجہ سے ہوتی ہے جس کے ساتھ خبر دینے والا کذب پر اقدام نہیں کر سکتا پس مناسب ہوا کہ اگر زیادہ شک ہو تو قرائن کو قوی کیا جائے لفظ کے اعتبار سے مضبوط کرنے کی یہ صورت ہے کہ اسماء وصفات زیادہ بیان کیے جائیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے **احلف بالله الذی لا اله الا هو عالم الغیب والشهادة** .اور زمانہ سے تاکید کی یہ صورت ہے کہ بعد العصر حلف کرے بحکم آیت **تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ** .اور جگہ سے تاکید کی یہ صورت ہے کہ اگر مکہ معظمہ میں ہو تو رکن اور مقام میں کھڑا کر کے اس سے اظہار لیں اور اگر مدینہ منورہ میں ہو تو حضور نبویؐ کے منبر کے پاس کھڑا کر کے اس سے گواہی لیں اور شہروں میں مساجد کے منبر کے پاس کھڑا کریں کیونکہ ان مقامات کی فضیلت شرع سے ثابت ہے اور خصوصاً ان مقامات میں جھوٹ کہنے کا سخت گناہ ہے' پھر اس بات کی حاجت پڑی کہ لوگوں کو اس بات سے نہایت خوف دلایا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ان حکام کی مخالفت کریں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدمات کے فیصل کرنے اور حقیقتِ حال کے معلوم ہونے کے لیے مقرر فرمایا ہے اور ان ترہیبات میں اصل تین چیزیں ہیں ایک تو یہ کہ جس فعل سے اللہ تعالیٰ نے نہایت شدت سے نہی فرمائی ہے اس پر اقدام کرنا قلتِ ورع اور اللہ تعالیٰ کے روبرو جرأت کرنے کی دلیل ہے پس ان اشیاء پر جرأت کرنے کا حکم دائر کیا گیا۔ اور جرأت کا اثر مثل وجوب دخولِ نار اور تحریم جنت وغیرہ کے اس پر دائر کیا گیا' دوسرے یہ کہ اس میں ظلم کی کوشش پائی جاتی ہے اور اس کا حال سرقہ اور رہزنی یا چور کو چوری کی طرف رہبری کرنے یا رہزن کو رہزنی پر آمادہ کرنے کے مثل ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور لوگوں کی لعنت جو زمین میں فساد ڈالنے والوں کے متعلق ہوا کرتی ہے اس عاصی کی طرف متوجہ ہوئی اس لیے دوزخ کا مستحق ہوا اور تیسرے یہ کہ اس میں ان احکام کی جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد کے لیے مشروع کیا ہے مخالفت اور مرضی الٰہی کے موافق ان کے نہ جاری ہونے میں کوشش کرنا ہے کیونکہ قسم حق ظاہر کرنے کے لیے اور بینہ حقیقت حال بیان کرنے کے لیے مشروع کیا گیا ہے' پس اگر جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسموں کا دستور جاری ہو جائے تو مصلحت مقصود کا دروازہ بند ہوتا ہے' پس از انجملہ گواہی کا چھپانا ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' **وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَإِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ** .اور جو شخص اس کو چھپائے تو اس کا دل گنہگار ہے' اور از انجملہ جھوٹی گواہی ہے آنحضرت ﷺ نے اس کو کبائر میں شمار کیا ہے' اور از انجملہ جھوٹی قسم ہے حدیث شریف میں آیا ہے :**من حلف علی یمین صبر و هو فیها زجر لیقطع بها حق امر مسلم لقی الله تعالی یوم القیامة وهو علیه غضبان** .جو شخص جس کی قسم پر حلف کرے اور وہ اس میں جھوٹا ہو اور اس کا مقصود اس سے کسی مسلمان کا حق تلف کرنا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن ایسی حالت پر ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا' اور از انجملہ جھوٹا دعویٰ ہے' حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص ایسی چیز کا دعویٰ کرے جو اس کی نہ ہو تو وہ ہم میں سے نہیں ہے اور اس کو دوزخ میں اپنے لیے جگہ ڈھونڈنی چاہیے' اور از انجملہ بلاحق بحکم قاضی کسی چیز کا لے لینا' حدیث شریف میں آیا ہے **انما انا بشر مثلکم وانکم تختصمون** .الحدیث' اور از انجملہ مقدمہ بازی کی عادت ڈال لینا ہے یہ بھی باہم فساد ڈالنے سے خالی نہیں ہے' حدیث شریف میں آیا ہے **ان ابغض الرجال الی الله الد الخصم** .مبغوض ترین لوگوں کا عنداللہ وہ شخص ہے جو بڑا جھگڑالو ہے' اور جو شخص حق اور باطل میں بالکل مخاصمت نہ کرے تو وہ شخص صفت سماحت کا پابند ہے اور آنحضرت ﷺ نے ترک مخاصمت کی رغبت دلائی ہے' اور نیز بسا اوقات حقیقت میں ایک شخص کا حق نہیں ہوتا اور اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا حق ہے پس یقینا

عہدہ سے اسی وقت باہر ہوسکتا ہے کہ مخاصمت کو بالکل ترک کردے خواہ حق سے ہو یا ناحق ہو اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ دو شخصوں نے ایک حیوان میں دعویٰ کیا اور ہر ایک نے اس بات پر بینہ قائم کردی کہ وہ جانور اسی کے ہاں پیدا ہوا ہے پس آنحضرت ﷺ نے وہ جانور اس شخص کو دلایا جس کے قبضہ میں تھا' میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ جب دونوں حجتوں میں تعارض ہوا تو دونوں ساقط ہو گئیں اور جس کا قبضہ ہے اس کے پاس وہ شے باقی رہی کیونکہ اس کے رد کرنے کا کوئی سبب نہیں پایا گیا' یا ہم یہ کہتے ہیں کہ دونوں دلیلوں میں سے ایک دلیل کو قرینہ ظاہری یعنی قبضہ سے مدد مل گئی لہٰذا اس کو ترجیح دی گئی' اب رہا قضا کا مقام ثانی' پس آنحضرت ﷺ نے چند اصول فرمائے ہیں جن کی طرف اس مقام کا رجوع ہوتا ہے اور مجملاً اس کا بیان یہ ہے کہ حقیقت حال معلوم ہو گئی تو اب نزاع ایسی شئے میں جو اصل میں مباح ہے اور ہر شخص اس کا دعویٰ کرتا ہے' ایسے وقت میں اس کا حکم ترجیح کا ظاہر کرنا ہے خواہ وہ ترجیح کسی ایسی صفت سے ہو جس میں مسلمانوں کو اور نیز اس شئے کو نفع ہو یا ترجیح کی یہ صورت ہو کہ ان دونوں میں سے ایک کا قبضہ بہ نسبت دوسرے کے پیشتر ہو یا قرعہ اندازی سے وہ ترجیح حاصل ہو جائے اس کی مثال ایک تو زید و علی و جعفر رضی اللہ عنہم کا قصیہ ہے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی پرورش کے متعلق کہ آنحضرت ﷺ نے جعفر رضی اللہ عنہ کے واسطے پرورش کا حکم دیا **الخالة ام** .خالہ ماں ہے' دوسرے آنحضرت ﷺ نے اذان کے متعلق فرمایا ہے کہ اگر لوگوں کو اذان اور صف اوّل کا ثواب معلوم ہو اور اس ثواب کو قرعہ اندازی کے بغیر حاصل نہ کرسکیں تو قرعہ اندازی کیا کریں اور نیز رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر کا ارادہ فرماتے تھے ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی فرمایا کرتے تھے' اور ایک ترجیح کی صورت یہ ہے کہ بطور عقد یا غصب کے کسی کا قبضہ چلا آتا ہو اور ہر ایک اس بات کا دعویٰ کرے کہ میں اس کا حقدار ہوں اور اس میں ہر ایک کو شبہ ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ لوگوں میں جو دستور و عرف جاری ہے اس کا اتباع کیا جائے اور اقرار اور عقود کے الفاظ کی تفسیر انہیں معنی سے کی جاتی ہے جو جمہور کے نزدیک اس کے معنی ہیں اور ضرر رسانی وغیرہ انہیں کے دستور سے معلوم ہوسکتی ہے' اس کی مثال براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا قضیہ ہے کہ ان کی اونٹنی کسی باغ میں جا پڑی اور اس نے باغ کا کچھ نقصان کر دیا اور ہر شخص اس بات کا مدعی ہوا کہ میں معذور ہوں پس رسول اللہ ﷺ نے ان کی عادت کے موافق اس مقدمہ میں حکم دیا اور عادت و دستور یہ ہے کہ مالی دن میں اپنے مال کی حفاظت کیا کرتے ہیں اور مویشی کے پالنے والے شب میں مواشی کی حفاظت رکھتے ہیں اور جن قواعد پر بہت سے احکام مبنی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی قاعدہ ہے کہ نفع تاوان کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کی اصل وہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ آمدنی تاوان کے ساتھ ہے اس لیے کہ منافع کا انضباط دشوار ہے اور جاہلیت کے قسامات اور خون اور جو کچھ زمانہ جاہلیت میں ہوا اس سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا اور جاہلیت کے بعد از سر نو احکام قائم کیے جائیں گے اور قبضہ بلا کسی دوسری دلیل کے نہ توڑا جائے گا' اور استصحاب یعنی ابقائے **ما كان على ما كان** .کی اصل یہی ہے اور یہ کہ اگر تفتیش کا طریقہ مسدود ہو جائے تو حکم وہ ہوگا جو مال والا چاہے گا یا دونوں واپس لے لیں گے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے **البيعان ان اختلفا والسلعة قائمة الحديث** .اور ہر عقد میں اصل یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے پورا پورا حق دلایا جائے اور عقد سے جو شخص جس چیز کا التزام کرے وہ اس پر لازم ہے بجز اس عقد کے جس سے شارع نے منع فرمایا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے

المسلمون على شروطهم الا شرطا احل حلالا او حرم حلالا .

یہ قدرے ان احکام کا بیان ہوا جن کو آنحضرت ﷺ نے مقام ثانی کے متعلق شروع فرمایا ہے اور وہ قضایا جن میں حضور نبوی ﷺ نے حکم فرمائے ہیں یہ ہیں منجملہ ازاں ایک قضیہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہ کی پرورش کے باب میں ہے جیسا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا بنت اخی رانا اخذ تہا اور جعفرؓ نے فرمایا بنت عمی و خالتہا تحتی' اور زیدؓ نے فرمایا ہے بنت اخی اور کہا کہ خالہ تو بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے اور ایک قضیہ ابن ولیدہ زمعہ کا دعوت کے باب میں ہے جیسا کہ سعدؓ نے کہا ہے کہ میرے بھائی نے اس میں البتہ میرے ساتھ عہد کیا ہے اور عبد ابن زمعہ ابن ولیدہ نے کہا کہ میرا باپ تو اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے' پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے زمعہ وہ تیرے لیے ہے **الولد للفراش وللعاهر الحجر**. اور از انجملہ زبیرؓ اور ایک انصاری کا قضیہ پانی کے گول کے باب میں ہے پس آپ نے ایسا حکم دیا کہ جس میں دونوں کے لیے وسعت تھی' کہ اے زبیرؓ اول تم اس میں پانی لے لو پھر اپنے ہمسایہ کو چھوڑ دو پھر انصاری غصہ ہو گیا پھر زبیر کے لیے اس کا حق پورا کر دیا فرمایا کہ اتنا پانی لے کہ دیواروں کی جڑ تک پہنچے' اور از انجملہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کا قضیہ ہے کہ وہ ایک باغ میں گھس گئی اور اس کا نقصان کیا تو آپ نے حکم دیا کہ مالی لوگ دن میں اپنے باغ کی حفاظت کریں اور مواشی پالنے والے رات میں اپنے مواشی کی حفاظت کریں اور آپؐ نے شفعہ کا جب اس شے کی تقسیم نہ ہوئی ہو حکم دیا اور حدود پڑ جانے کی اور راستے علیحدہ علیحدہ ہو جائیں تو اس میں شفعہ نہیں ہے اور ان مقدمات کے وجوہ ہم قبل بیان کر چکے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **اذا اختلفتم فی الطریق جعل عرضه سبعة اذرع** .جب تم راستے میں اختلاف کرو تو اس کی چوڑائی سات ذرعہ کی جائے' میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ جب لوگ کسی مباح زمین کو آباد کرتے ہیں اور وہ شہر ہو جاتا ہے تو راستے میں جھگڑا واقع ہوتا ہے' بعض تو چاہتے ہیں کہ راستہ کو تنگ کریں اور اس میں اپنے مکانات بنائیں اور بعض اس بات سے مانع ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگوں کے لیے فراخ راستہ ہونا چاہیے' لہٰذا حکم دیا گیا کہ راستہ کا عرض سات ذرعہ کا ہونا چاہیے اور اس کی یہ وجہ ہے کہ اونٹوں کی دو قطاریں ضرور اس راستہ سے گزر سکیں بایں طور کہ ایک ایک جانب سے اور دوسری دوسری جانب سے تو ایسی صورت میں اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کے واسطے بخوبی نکلنے کا رستہ ہو ورنہ دقت لازم آتی ہے اور اس کا اندازہ سات ذرعہ ہے اور نیز آپ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی شخص کسی کی زمین بلا اس کی اجازت کے کھیتی کر لے تو اس کو بجز اس کی حق محنت کے اور کچھ نہ ملے گا' پس آنحضرت ﷺ نے اس کو بمنزلہ کمیری کے گردانا کہ مالک زمین کے لیے اس نے محنت کر دی۔ واللہ اعلم

جہاد کا بیان

معلوم کرو کہ تمام شرائع میں زیادت کامل اور تمام وہ شریعت ہے جس میں جہاد کا حکم پایا جائے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا اوامر و نواہی کے ساتھ مکلف کرنا ایسا ہے کہ جیسے ایک شخص کے غلام مریض ہو رہے ہیں اور اس نے اپنے خاص لوگوں میں سے ایک شخص کو یہ حکم دیا کہ ان کو کوئی دوا پلائے پھر اگر وہ شخص ان کو مجبور کر کے ان کے منہ میں دوا ڈالے تو یہ بات نامناسب نہ ہو گی مگر رحمت کا مقتضی ہے کہ اول ان غلاموں سے اس دوا کے فوائد بیان کر دے تاکہ خوشی کے ساتھ اس دوا کو پی لیں اور نیز اس دوا میں کوئی شیریں چیز مثلاً شہد شامل کر دے تاکہ رغبت طبعی اور نیز رغبت عقلی اس کی معین ہو جائے' پھر اکثر لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ

ریاستوں کی محبت اور ان کا شوق اور شہوات دنیا اور اخلاق سبعی اور وساوس شیطانی ان پر غالب ہوتے ہیں اور ان کے آباؤ اجداد کے رسوم ان کے قلوب میں مرتکز ہو جاتے ہیں تو ان فوائد پر وہ کان نہیں دھرتے اور جس چیز کا حضور نبوی ﷺ نے حکم فرمایا ہے اس میں وہ فکر نہیں کرتے اور نہ اس کی خوبی میں ان کو غور ہوتا ہے تو ان لوگوں کے حق میں رحمت کا مقتضیٰ یہ نہیں ہے کہ صرف اثباتِ حجت کا ان پر اقتدا کیا جائے' بلکہ رحمت ان کے حق میں یہی ہے کہ ان پر جبر کیا جائے تا کہ خواہ مخواہ ایمان ان پر ڈالا جائے جس طرح تلخ دوا کے پلانے پر مجبور کیا جاتا ہے اور مغلوب کرنے کی یہی صورت ہے کہ جن لوگوں کی زیادہ تر ایذا رسانی اور ان کو زیادہ تر قوت ہے قتل کیا جائے یا ان کی قوت کو متفرق کیا جائے اور ان کے مال چھین لیے جائیں تا کہ وہ بالکل بے بس ہو جائیں' ایسے وقت ان کے اتباع وذریات خوشی اور اطاعت کے ساتھ ایمان میں داخل ہو سکتے ہیں لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے قیصر کو لکھ بھیجا کہ تجھ پر خادموں کا وبال ہے اور بسا اوقات ان کا مقید و مغلوب کرنا ان کے ایمان کا سبب ہوتا ہے اسی کی طرف آپؐ نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے:
عجب اللہ من قوم یدخلون الجنۃ فی السلاسل .جو لوگ جنت میں زنجیروں سے بندھے ہوئے داخل ہوں گے اللہ کو وہ اچھے معلوم ہوں گے' اور نیز انسان کی رحمت بہ نسبت بشر کی رحمت تامہ کاملہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو احسان کی طرف ہدایت کرے اور ان کو ظالموں سے چھڑائے اور ان کے ارتفاقات اور تدبیر منزلی اور ان کی سیاست مدنی کی اصلاح فرمائے' پس ان کے مدن فاسدہ وہی ہیں جن پر نفوس سبعیہ کا غلبہ ہوتا ہے اور ان کے لیے نہایت درجہ کی قوت ہوئی ہے اور یہ بمنزلہ مرض آکلہ کے ہوتی ہے جو بدن انسان میں پیدا ہوتا ہے کہ بغیر اس کے قطع کیے اس کی صحت ہی ممکن نہیں تو جو شخص اس کے مزاج کی اصلاح اور اس کی طبیعت کے قائم کرنے کی طرف توجہ کرے تو اس پر لازم ہے کہ اس کو قطع کرے اور تھوڑی سی قباحت جس سے خیر کثیر حاصل ہو اس کا کرنا ضروری ہے اور تجھ کو غیرت حاصل کرنا چاہیے قریش کے حال سے اور جو عرب میں کہ تمام خدائی میں احسان کے اعتبار سے سب سے بعید تر ین تھے اور ضعیفوں پر ظالم ترین تھے اور باہم ان کے شدید مقاتلے ہوتے تھے' اور بعض بعض کو قیدی بناتے تھے اور اکثر ایسے تھے کہ حجت میں تامل نہیں کرتے تھے صرف دلیل کو دیکھ لیا کرتے تھے تو حضوری نبوی ﷺ نے ان سے جہاد کیا اور ان کے سرکشوں کو جو نہایت مضبوط اور شریر تھے قتل کیا' حتیٰ کہ امر الٰہی ظاہر ہو گیا اور آپ کے لوگ فرمانبردار ہو گئے اور بعد ازاں وہ اہل احسان ہو گئے اور ان کے تمام کام بن گئے پس اگر ان لوگوں پر شریعت کے اندر جہاد نہ ہوتا تو یہ رحمت ان کے حق میں کیونکر حاصل ہوتی' اور نیز اللہ تعالیٰ جب عرب وعجم سے ناخوش ہو گیا اور ان کی دولت اور ملک زائل کرنے کا حکم دے دیا پس رسول اللہ ﷺ کے قلب پر بالذات اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب پر آپؐ کے واسطہ سے یہ بات القا فرمائی کہ اس کی راہ میں لڑیں تا کہ امر جو مقصود ہے حاصل ہو پس وہ اس بات میں ملائکہ کی مانند ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پورا کرنے میں کوشش کرتے رہتے ہیں اتنا فرق ہے کہ ملائکہ بلا تقرر کسی قاعدہ کلیہ کے کوشش کرتے ہیں اور مسلمان بندے ایک قاعدہ کلیہ کے موافق جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرمایا ہے لڑتے ہیں اور ان کا یہ عمل سب اعمال سے بڑھ کر ہے اور قتل ان کی طرف منسوب نہیں ہوتا بلکہ اس کی نسبت حاکم کی طرف ہوتی ہے' جیسے کسی مجرم کے قتل کی نسبت امیر کی طرف کی جاتی ہے نہ جلاد کی طرف' چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ** .پس تم نے ان کو قتل نہیں کیا اور لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا اور اسی راز کی طرف آنحضرت ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے کہ: **مقت عربھم و**

عجمهم .الحدیث اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لا کسری ولا قیصر** .نہ کسریٰ ہے نہ قیصر ہے یعنی وہ لوگ دین جاہلیت پر تھے اور جہاد کے فضائل کا مرجع چند اصول کی طرف ہے از انجملہ ایک یہ ہے کہ جہاد میں تدبیر الٰہی اور اس کے الہام کے ساتھ اتفاق ہے پس اس کے تمام کرنے میں کوشش کرنا شمول رحمت کا باعث ہے اور اس کے ابطال میں کوشش کرنا شمول زحمت کا باعث ہوا اور اس زمانہ میں جہاد کا ترک کرنا خیر کثیر کا ہاتھ سے فوت کرنا ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ جہاد ایک دشوار عمل ہے کہ اس میں سخت تکلیف کے گوارا کرنے اور جان و مال کے خرچ کرنے اور وطن اور ضروریات سے علیحدہ ہونے کی ضرورت ہوتی ہے پس ایسی عبادت شاقہ پر وہی شخص پیش دستی کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین پر خلوص کے ساتھ یقین رکھتا ہے اور آخرت کو دنیا کے مقابلہ میں اس نے اختیار کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ پر اس کو ٹھیک ٹھیک بھروسہ ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ ایسی خواہش کا قلب میں واقع ہونا اسی وقت ہو سکتا ہے کہ اس شخص کو تشبیہ بالملائکہ حاصل ہو اور اس کمال سے اس کو پورا حصہ ہو اور شرور بہیمیہ سے اس کو بعد ہو اور دلق ہے رسوخ دین کی طرف اس کو پورا پورا میلان ہو ایسا شخص اپنی سلامتی قلب پر خود دلیل ہوگا۔

یہ تمام باتیں اسی وقت حاصل ہو سکتی ہیں کہ جہاد شرائط کے ساتھ پایا جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ سے جب سوال کیا گیا کہ کوئی شخص اپنی شجاعت سے مقاتلہ کرتا ہے اور کوئی شخص حمیت کے اعتبار سے مقاتلہ کرتا ہے پس ان دونوں میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرنے والا کون سا ہے تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے جس سے اللہ تعالیٰ کی بات اس کو اونچی رکھنی مقصود ہو پس وہی شخص اللہ کی راہ میں قتال کرنے والا ہے اور از انجملہ یہ ہے کہ قیامت کے روز جزا اعمال کی صورت میں متمثل ہو گی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **لا یکلم احد فی سبیل الله والله اعلم بمن یکلم فی سبیله الاجاء یوم القیامة وجرعه یثعب دما اللون لون الدم والریح ریح المسك** .کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی ہو اور یہ بات اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس کی راہ میں کون زخمی ہوتا ہے مگر قیامت کے روز جب وہ آئے گا اس کے زخم سے خون جاری ہوگا رنگ تو اس کا خون کا رنگ اور اس کی بو مشک کی بو ہوگی اور از انجملہ یہ ہے کہ جہاد اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک پسندیدہ امر ہے اور دستور کے اعتبار سے بغیر خرچ کرنے اور گھوڑوں کے جمع کرنے اور تیر اندازی وغیرہ کے پورا نہیں ہوتا 'پس ضرور ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی ان چیزوں کی طرف بھی چونکہ یہ اصل مطلوب کے اسباب میں ہیں پہنچ جائے' اور از انجملہ یہ ہے کہ جہاد کی وجہ سے ملت کی تکمیل اور اس کو عزت دینا ہے اور لوگوں کے لیے جہاد ایک لازمی چیز کے لیے مقرر کیا گیا ہے' جب تم نے یہ اصول دریافت کر لیے تو اب تم کو ان احادیث کی حقیقت جو فضائل جہاد میں وارد ہیں منکشف ہو جائے گی' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ان فی الجنة مائة درجة اعد الله للمجاهدین** .الحدیث

جنت کے اندر سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے تیار کیا ہے' میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ دار الجزاء میں مکان کا بلند ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلندی مرتبہ کی صورت مثالیہ ہے اس واسطے کی جبروتیت پر اطلاع یابی وغیرہ سے نفس کو سعادت حاصل ہوتی ہے اور نیز اس کا یہ سبب ہے کہ جہاد شعائر الٰہی اور اس کے دین اور تمام ان چیزوں کے جن کے مشہور ہونے میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے شہرت دین کا سبب ہے اور اسی لیے وہ اعمال جن میں ان دونوں صفت کا مظنہ ہے ان کی جزائے جنت میں

درجات کا حاصل ہونا ہے' چنانچہ قرآن کی تلاوت کرنے والے کے حق میں وارد ہوا ہے **اقراء وارتق ورتل کما کنت ترتل فی الدنیا** .اور جہاد کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ یہ درجات کے بلند ہونے کا سبب ہے اس لیے کہ اس کو عمل میں لانے سے دین میں رفعت حاصل ہوتی ہے تو اس کی جزاء بھی مثل عمل کے ہوگی پھر درجہ کے بلند ہونے کی بھی بہت سی وجہیں ہیں اور ہر ایک وجہ جنت میں درجہ کے اعتبار سے متمثل ہوگی اور ہر وجہ مثل ما بین السما والارض ہوگا' کہ یہ بعد فوقانی باعتبار بشرف علوم کے اندر غایت بعد ہے تو جیسا کہ ان کے علوم میں یہ متمکن تھا ویسا ہی دارالجزاء میں بھی متمثل ہوگا' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **المجاھد فی سبیل اللہ کمثل القانت الصائم** .کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ پر جہاد کرنے والا ایسا ہے جیسے قائم اللیل صائم الدہر' میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ قائم اللیل صائم الدھر کو اپنے غیر پر اس لیے فضیلت ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے غرض سے اس فعل دشوار کو عمل میں لایا اور یہ شخص اس فعل کی وجہ سے بمنزلہ ملائکہ کے ہوگیا اور ان کے ساتھ اس نے تشبہ حاصل کرلیا اور مجاہدہ جبکہ موافق شرع کے جہاد کرے تو اس کو ہر طرح سے قانت اور صائم کے ساتھ مشابہت ہے اس واسطے کہ اس کے طاعتوں میں کوشش کرنے سے اس کے فضل کو سب لوگ مان لیتے ہیں اور اس کو خاص خاص لوگ جانتے ہیں' لہٰذا قانت وصائم کے ساتھ اس کو مشابہت دی تا کہ اس کا حال منکشف ہو جائے' پھر ترغیب دینے میں ان مقدمات جہاد کی طرف حاجت پڑی کہ جہاد عادت ورسم میں بغیران کے ممکن نہیں کہ حاصل ہو مثل رباط اور رمی وغیرہ کے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جبکہ کسی چیز کا حکم دے اور اس کے کرنے سے راضی ہوا' اور اس بات کو جانتا ہے کہ وہ چیز بغیران مقامات کے حاصل نہ ہوگی تو ضروری ہے کہ ان کا بھی حکم فرمائے اور ان سے راضی ہو۔ رباط کے باب میں آیا ہے کہ یہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور نیز ایک مہینہ کے روزے اور اس کے قیام سے بھی بہتر ہے اور جو شخص مرجائے تو جو عمل کرتے ہوئے مرا ہے وہی اس پر جاری کیا جائے گا اور اس پر اس کا رزق جاری کیا جائے گا اور قتال سے محفوظ رہے گا میں کہتا ہوں اس کا دنیا و مافیہا سے بہتر ہونے کا یہ سبب ہے کہ اس میں ثمرہ ہے کہ قیامت میں باقی رہے گا اور دنیا کی جو نعمت ہے اس کو خواہ مخواہ زوال ہوتا ہے' اور ایک مہینے کے روزے اور اس کے قیام سے بہتر ہونے کی یہ وجہ ہے کہ وہ ایک نہایت شاق عمل ہے جو قوت بہیمی پر نہایت گراں گزرتا ہے اور یہ عمل صرف اللہ تعالیٰ کے ہے اور اس کی راہ میں ہوتا ہے جس طرح صیام وقیام اور اس کا عمل جاری رکھنے میں یہ راز ہے کہ جہاد کا ایک جزو دوسرے جزو پر مبنی ہوتا ہے' جس عمارت میں دیوار کا قیام بنیاد پر اور چھت کا دیوار پر ہوتا ہے اس لیے کہ اوّلاً مہاجرین اور انصار قریش وغیرہ کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بڑے پھر اللہ تعالیٰ نے قریش کے ہاتھ پر عراق وشام فتح کیا' پھر ان کے ہاتھ پر فارس وروم کو پھر فارس وروم کے ہاتھ پر ہند اور ترکستان اور سوڈان کو فتح کیا' پس جہاد پر جو نفع مترتب ہوتا ہے وہ وقتاً فوقتاً بڑھتا رہتا ہے اور اس کا اوقاف اور رباطات صدقات جاریہ کا سا ہوتا ہے اور فتان یعنی منکر ونکیر سے امن میں رہنے کی یہ وجہ ہے کہ منکر نکیر سے وہی شخص ہلاکت کی جگہ میں ہوتا ہے کہ جس کے قلب کو دین محمدی پر اطمینان نہیں ہے اور نہ وہ کبھی دین کی مدد کے لیے اٹھا ہے اور جو شخص جہاد کے لیے شرائط پورا کرنے کا التزام رکھتا ہے وہ شخص دل سے دین کی تصدیق کرتا ہے اور نورالٰہی کے ساتھ چلنے میں اس کا ارادہ پختہ ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے **من جھز غازیاً فی سبیل اللہ قدغزا** .جو شخص مجاہد فی سبیل اللہ کو سامان دے دے تو اس کو ثواب جہاد کے مثل ہوگا اور جو مجاہد کے پیچھے اس کے گھر کی خبر گیری کرتا رہا تو اس نے بھی جہاد کیا اور

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے بہترین صدقہ اللہ کی راہ میں سایہ کے لیے خیمہ دینا ہے' اور علیٰ ہذا القیاس میں کہتا ہوں اس میں یہ راز ہے کہ یہ کام مسلمانوں کے نفع کا ہے جس کا انجام ان کی مدد ہے اور جہاد اور صدقہ میں مسلمانوں کا نفع ہی مقصود ہوتا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے **لا یکلم اللہ احد فی سبیل اللہ** ۔الحدیث' میں کہتا ہوں عمل کا نفس کے ساتھ بہیئت وصورت اتصال ہوا کرتا ہے اور اس عمل کے اعتبار سے زیادتی کے معنی نفس میں پیدا ہو جاتے ہیں اور جزا و سزا کا مبنی نعمت و راحت کی صورت قریبہ میں متمثل ہونے پر ہوتا ہے پس قیامت کے دن جب شہید پیش ہوگا اس کا عمل اس پر ظاہر ہوگا اور عمل کی صورت سے اس پر انعام کیا جائے گا۔

اور رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں: **وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ** ۔الآیۃ' جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں ان کو مردے مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے اللہ کے ہاں رزق حاصل کرتے رہتے ہیں' فرمایا ہے **ارواحھم فی جوف طیر خضر لھا قنادیل معلقۃ بالعرش تسرح فی الجنۃ حیث شاءت ثم تاوی الیٰ تلک القنادیل** ۔ان کی ارواح سبز جانوروں کے جوف میں ہیں جن کے لیے عرش میں قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں جہاں چاہتے ہیں جنت میں چگتے ہیں پھر ان قندیلوں میں واپس آ جاتے ہیں' میں کہتا ہوں جو شخص اللہ کی راہ میں مارا جاتا ہے اس میں دو باتیں جمع ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ ان کی جان کامل اور وافر ہوتی ہے اور اس کے علوم جن کے اندر دنیاوی زندگانی میں جان مستغرق رہتی ہے ان علوم میں کسی قسم کا نقصان نہیں آتا بلکہ اس شخص کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے کاروبار میں مصروف ہو اور اسی اثنا میں وہ سو جائے بخلاف اس میت کے جس نے بہت سے مرض کی تکلیف اٹھائی اور اس کا مزاج صحت کی حالت سے بدل گیا اور بہت سے علوم سے اس کو نسیان ہو گیا' دوسرے یہ کہ وہ رحمت الٰہی جس سے خطیرۃ القدس اور ملاء اعلیٰ کے قلوب لبریز ہو رہے ہیں جو انتظام عالم کی طرف متوجہ رہتی ہے پھر اس شخص کو شامل ہو جاتی ہے پس جب اس شخص کی روح نکلتی ہے اور دین الٰہی قائم کرنے کا شوق اس میں بھرا ہوتا ہے تو ایک نہایت وسیع راستہ اس شخص میں اور خطیرۃ القدس میں مفتوح ہو جاتا ہے اور وہاں سے انس اور راحت اور نعمت کا نزول اس شخص پر ہوتا رہتا ہے اور خطیرۃ القدس کو اس بندہ کی طرف ایک توجہ مثالی ہوتی ہے اور اس کے عمل کے موافق اس کی جزا متمثل ہو جاتی ہے پھر ان دونوں خصلتوں کے اجتماع سے عجیب و غریب امور پیدا ہوتے ہیں۔

ازانجملہ یہ ہے کہ اس کا نفس کسی وجہ سے عرش میں معلق ہو کر متمثل ہوتا ہے اس لیے کہ وہ شخص حاملین عرش سے ہو جاتا ہے اور اس کی ہمت اسی طرف متوجہ رہتی ہے اور ازانجملہ یہ ہے کہ اس کے لیے سبز جانور کا جسم متمثل ہوتا ہے' سبز پرند ہونے کے بعد یہ ہے کہ وہ شخص ملائکہ کے اندر اجمالاً احکام جنسی کے ظاہر ہونے میں ایسا رہتا ہے جیسے چار پایوں میں پرند' اور سبز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سبزی نگاہ کو اچھی معلوم ہوتی ہے' اور ازانجملہ یہ ہے کہ اس کی نعمت اور راحت رزق کی صورت میں ظاہر اور متمثل ہوتی ہے۔جس طرح دنیا میں نعمت میوہ جات وغیرہ کی صورت میں متمثل ہوتی ہے' پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ جو چیز نفس کو شائستہ کرتی ہے وہ چیز اس چیز سے جو نفس کو شائستہ نہیں کرتی متمیز کی جائے اور اس میں اشتباہ ہے اس لیے کہ شرع کے اندر دو باتیں ہیں ایک تو قبائل اور شہروں اور دین کا انتظام اور ایک نفوس کی تکمیل' کسی شخص نے آپ سے عرض کیا کہ کوئی شخص غنیمت کی خاطر لڑتا ہے اور کوئی شہرت کی خاطر اور

کوئی اظہار شجاعت کے خاطر، پس ان میں سے اللہ کی راہ میں کون شخص لڑتا ہے تو حضور نبوی ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی بات ہی بلند کرنے کی خاطر لڑے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتا ہے' میں کہتا ہوں اس کی وہی وجہ ہے جو ہم بیان کر چکے کہ اعمال اجساد ہیں اور ان کی رُوح نیت ہے اور اعمال کا مدار نیت پر ہے اور جسم کا بغیر روح کے اعتبار نہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ صرف نیت ہی عمل کا فائدہ دے جاتی ہے اگرچہ اس کے ساتھ عمل کا اقتران نہ ہو' یہ جب ہوتا ہے کہ اس عمل کا فوت ہونا اس کی کوتاہی سے نہ ہو بلکہ کسی آسمانی عارضہ کے پیش ہونے سے ہو' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: **ان بالمدینۃ اقوامًا ماسرتم سیرا ولا قطعتم وادیا الا کانوا معکم حبسھم العذر** .مدینہ میں ایسے ایسے گروہ ہیں کہ تم کسی جگہ کو نہ چلے ہو گے اور کوئی جنگل تم نے نہ قطع کیا ہوگا جو وہ تمہارے ساتھ نہ رہے ہوں عذر کے سبب وہ اب رک گئے ہیں اور اگر وہ عمل ایسے شخص کی کوتاہی سے فوت ہوا ہو تو اس کی نیت ہی ناتمام رہی جن پر اجر مترتب ہوتا اور فرمایا ہے **البرکۃ فی نواصی الخیل** .کہ برکت گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک بھلائی برقرار ہے اجر اور غنیمت' معلوم کرو کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خلافتِ عامہ کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور آپ کے دین کو تمام ادیان پر جہاد کرنے اور سامانِ جنگ تیار رکھنے سے غلبہ ہوسکتا ہے اور جب جہاد چھوڑ دیا اور بیلوں کی دُم کے پیچھے ہو لیے تو لامحالہ ہر طرف سے ان کو ذلت احاطہ کرے گی اور تمام اہل ادیان ان پر غالب آ جائیں گے' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **من احتبس فرسًا فی سبیل اللہ ایمانًا باللہ و تصدیقًا بوعدہ فان شبعہ و ریبہ و روثہ و بولہ فی میزانھا یوم القیامۃ** .جو شخص اللہ پر یقین رکھ کر اور اس کے وعدہ کو سچا سمجھ کر اس کی راہ میں ایک گھوڑا باندھے پس البتہ اس کا پیٹ بھرنا اور پانی پلانا اور اس کی لید و پیشاب کی تکلیف گوارہ کرے گا تو اس کا یہ عمل اسی چیز کی صورت میں ظاہر ہوگا جس کی تکلیف گوارا کی ہے پس قیامت کے دن یہ سب چیزیں اپنی اپنی صورت میں ظاہر ہوں گی۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **ان اللہ یدخل بالسھم الواحد ثلثۃ نفر فی الجنۃ صانعہ یحتسب فی صنعۃ والرامی برمیہ ومنبسلہ** .کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین شخصوں کو جنت میں داخل کرے گا ایک جس نے ثواب کی نیت سے اس کو بنایا ہے اور ایک چلانے والے کو اور ایک تیر دینے والے کو' اور آپؐ نے فرمایا: **من رمی بسھم فی سبیل اللہ فھو لہ عدل محرر** .کہ جو شخص اللہ کی راہ میں ایک تیر پھینکے گا تو یہ مثل غلام کے آزاد کرنے کے ہوگا' میں کہتا ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ کفار کا سرنگوں و مغلوب ہونا بغیر ان چیزوں کے نہیں پورا ہوسکتا' لہٰذا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کفر و ظلم کے دور کرنے میں ان چیزوں کی طرف بھی منتقل ہوئی اللہ پاک فرماتا ہے: **لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ** .کہ نابینا پر کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے و مریض پر کچھ مضائقہ ہے اور نیز اللہ پاک فرماتا ہے **لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَايُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ** .کہ ضعیف اور مریضوں پر کچھ ہرج نہیں ہے اور نہ ان لوگوں پر جو خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے ہیں' اور آنحضرت ﷺ نے کسی سے فرمایا **الک والدان قال نعم قال ففیھما فجاھد** .کیا تیرے ماں باپ ہیں اس نے عرض کیا ہاں تو آپ نے فرمایا ان میں ہی جہاد کر' میں کہتا ہوں چونکہ سب لوگوں کا جہاد کرنا ان کی تدابیر ضروریہ کی خرابی کا سبب تھا لہٰذا ضرور ہوا کہ ان سب میں سے بعض لوگ جہاد کو

قائم کریں اور وہ بعض وہ لوگ ہیں جو ان علتوں سے خالی ہیں اس لیے کہ جن میں یہ علتیں پائی جاتی ہیں ان پر جہاد کرنے میں دقت ہے اور نہ اسلام کو ان کے جہاد کرنے سے قابل اعتبار نفع ہے بلکہ بسا اوقات ان سے ضرر کا خطرہ ہے اللہ پاک فرماتا ہے: اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا .اب تم سے اللہ تعالیٰ نے تخفیف کردی اور جان لیا کہ تم میں ناتوانی ہے' میں کہتا ہوں اعلاء کلمۃ اللہ اسی طرح ممکن ہے کہ مسلمان لوگ اپنی جانوں کو ثبات اور دلیری اور قتال کی مشقتوں پر صبر کرنے پر قرار دیں اور اگر یہ دستور جاری ہوتا' کہ اگر مشقت معلوم کریں تو بھاگ جائیں تو مقصود حاصل نہ ہوتا' بلکہ بسا اوقات ذلت کی نوبت پہنچتی اور نیز بھاگنا بزدلی اور کمزوری کی دلیل ہے اور یہ بدترین اخلاق میں سے ہے پھر ضرور ہوا کہ اس کی حد بیان کی جائے جس سے واجب اور غیر واجب میں فرق ہو جائے اور دلیری و شجاعت اسی وقت پائی جاتی ہے کہ شکست کے اسباب غلبہ کے اسباب سے زیادہ ہوں' لہٰذا اوّلاً دس مثل سے اس کا اندازہ کیا گیا اس واسطے کہ کفر اس وقت کثرت سے تھا اور مسلمان بہت تھوڑے تھے پس اگر گریز کرنے کی ان کو اجازت دی جاتی تو جہاد کبھی نہ ہوتا' پھر مسلمانوں پر تخفیف کی گئی دو چند کی اس لیے کہ ثبات و دلیری اس سے کم میں نہیں ممکن ہے پھر جہاد چونکہ اعلاء کلمۃ اللہ کی وجہ سے واجب کیا گیا تو وہ چیز بھی واجب ہوئی کہ جس کے بغیر اعلاء کلمۃ اللہ نہ ہو سکے اور اسی وجہ سے قلعوں کا بنانا اور مقاتلہ کے لیے آمادہ رہنا اور تمام اطراف و قلعوں میں افسروں کا مقرر کرنا امام پر ضروری اور دستور قدیمی مقرر ہوا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء نے اس باب میں بہت سے طریقہ مقرر فرمائے۔

اور رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر یا فوج پر کسی کو سردار مقرر کرتے تھے تو خاص اس شخص کو اللہ تعالیٰ سے خوف کرنے اور ساتھ کے مسلمانوں کو بھلائی کی نصیحت فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے اللہ کی راہ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے جہاد کرو اور منکرین اللہ تعالیٰ سے مقاتلہ کرو اور جہاد کرو اور خیانت مت کرو' الحدیث' خیانت کرنے سے آپ نے اس لیے منع فرمایا کہ خیانت کرنے سے مسلمانوں کے دل شکستہ ہوں گے اور باہم ان میں اختلاف واقع ہوگا اور قتال چھوڑ کے لوٹ ڈال دیں گے اور اس سے بسا اوقات شکستگی ہوگی اور غدر کرنے سے آپ نے منع فرمایا کہ امن و امان ان کے عہد و ذمہ سے مرتفع نہ ہو اور اگر امن جاتی رہے تو سب سے بڑی اور اقرب فتح یعنی ذمہ ان کے ہاتھوں سے جاتا رہا اور مثلہ سے آپ نے منع فرمایا کیونکہ اس میں خلق اللہ کی تغییر ہے اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا اس لیے کہ اس میں مسلمانوں کا حرج اور ان کا ضرر ہے اس لیے کہ اگر زندہ رہے تو مسلمانوں کے قبضہ میں آ کر ان کے غلام بنیں گے اور جن مسلمانوں کے پاس رہیں گے اسلام میں ان کے تابع رہیں گے اور نیز بچے اپنے دشمن کو نہ خود ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ اپنے گروہ کی مدد کر سکتے ہیں اور حدیث شریف میں جو تین خصلتوں کی طرف ترتیب وار بلانے کا حکم ہے ان میں سے پہلی خصلت اسلام ہے' ہجرت و جہاد کے ساتھ' اور اس وقت اس شخص کے لیے مجاہدین کے برابر فے اور غنیمت میں حصہ ہے' دوسری خصلت اسلام ہے بلا ہجرت و جہاد کے' سوائے اس صورت کے کہ جہاں نفیر عام ہو اور اس وقت غنیمت اور فے میں اس شخص کا حصہ نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فے کے صرف کرنے کا وہاں موقع ہے جہاں نہایت ضرورت ہو اور عادت اس بات پر حکم کرتی ہے کہ بیت المال میں اس قدر گنجائش نہیں ہوتی کہ جو لوگ سوائے مجاہدین کے شہروں میں رہتے ہیں ان کا خرچ اٹھائے' پس اس میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول میں کچھ مخالفت نہیں ہے' کہ اگر میں زندہ رہا تو بلاشبہ چرانے والوں کو بھی غنیمت میں سے حصہ پہنچے گا

اگر چہ وہ خمیر کے کسی ٹیلہ پر رہتا ہو اور جس کی پیشانی پر اس غنیمت کے حاصل کرنے میں پسینہ تک نہ آیا ہو انتہی' یعنی جب بادشاہوں کے خزانے فتح کیے جائیں گے اور کثرت سے خراج آئے اور مقاتلین وغیرہ کے حصہ کے بعد باقی رہ جائے تو پھر اور لوگوں کا حصہ ہے تیسرے یہ ہے کہ وہ لوگ اہل ذمہ ہوں اور سب کے سب دے کر جزیہ عطا کریں پس پہلی خصلت میں دو مصلحتیں حاصل ہوتی ہیں ایک تو ملک کا انتظام اور باہمی نظام کا رفع دفع اور دوسرے تہذیب نفس کہ وہ دوزخ سے نجات پائیں اور حکم الٰہی کی پیروی میں کوشش کریں اور دوسری خصلت میں دوزخ سے نجات کا حاصل ہونا ہے مگر مجاہدین کے درجہ سے وہ لوگ محروم ہیں اور تیسری خصلت میں کفار کی شوکت کا زائل ہونا اور مسلمانوں کی شوکت کا ظاہر ہونا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ انہیں مصالح کے قائم کرنے کے لیے مبعوث ہوئے اور امام پر واجب ہے کہ مسلمانوں کی شوکت ظاہر ہونے اور کفار کے بے بس کرنے کے اسباب میں غور اور اجتہاد اور تامل کرے اور جو اس کا اجتہاد حکم کرے اس پر عمل کرے بشرطیکہ وہ یا اس کی نظیر رسول اللہ ﷺ یا آپ کے خلفاء سے ثابت ہو اس لیے کہ امام مصلحتوں کے قائم کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور وہ اس کے بغیر تمام نہیں ہوتیں اور اصل اس باب میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے اور ہم اب ان احادیث کا حاصل بیان کرتے ہیں جو اس باب میں وارد ہیں' پس ہم کہتے ہیں کہ امام پر واجب ہے کہ مسلمانوں کے قلعوں کو اس قدر فوج سے جو ان کے گرد کے دشمنوں کو کافی ہو سکے درست رکھیں اور کسی ایسے شخص کو ان پر حاکم مقرر کر دے جو مسلمانوں کا خیر خواہ ہو اور دانش مند اور بہادر شخص ہو اور خندق کے کھودنے یا قلعہ کے بنانے کی حاجت ہو تو اس کو بنائے یا کھودے' چنانچہ آنحضرت ﷺ نے خندق کے دن ایسا کیا ہے اور جب کسی پلٹن کو روانہ کردے تو ایک شخص کو ان پر سپہ سالار کردے جو ان سب میں افضل اور مسلمانوں کے حق میں نفع رساں ہو اور اس کو خود اس کے حق میں اور مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کی نصیحت کرے' چنانچہ آنحضرت ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے اور جب جہاد کے لیے خروج کا ارادہ کرے تو اپنی فوج کا معاینہ کرے اور پیادہ وسوار کو درست کرے اور پندرہ سال سے کم عمر کا آدمی فوج میں بھرتی نہ کرے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا یہی دستور تھا' اور نہ اس شخص کو فوج میں بھرتی کرے جو مخذل ہو یعنی اوروں کو بھی جہاد سے تھکائے اور نہ اس شخص کو جو مرجف ہو یعنی کفار کی قوت کا ذکر کرتا ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے: **كَرِهَ اللّٰهُ انۢبِعَاثَهُمۡ فَثَبَّطَهُمۡ وَقِيۡلَ اقۡعُدُوۡا مَعَ الۡقٰعِدِيۡنَ لَوۡ خَرَجُوۡا فِيۡكُمۡ مَّا زَادُوۡكُمۡ اِلَّا خَبَالًا**۔
ناگوار ہوا اللہ تعالیٰ کو ان کا اٹھنا پس ان کو روک دیا کہہ دیا گیا کہ تم بیٹھ جاؤ بیٹھنے والوں کے ساتھ' اگر وہ تمہارے ساتھ خروج کرتے تو بجز فساد کے اور کچھ نہ بڑھاتے اور نہ مشرک کو فوج میں بھرتی کرے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **انا لا نستعین بمشرك**۔ کہ ہم بلاشبہ کسی مشرک سے مدد نہیں چاہتے البتہ جس صورت میں ضرورت ہو اور اس پر اعتماد ہو اور نہ جوان عورت کو جس سے فتنہ کا خوف ہو فوج میں بھرتی کرے' کھینچی ہوئی عمر کی عورت کو اجازت دے دی کیونکہ رسول اللہ ﷺ ام سلیم اور انصار کی چند عورتوں کے ساتھ جہاد کیا کرتے تھے' اور یہ عورتیں فوج کو پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم وپٹی کرتی تھیں اور امام کو چاہیے کہ فوج کے دو حصے یمین ویسار کرے اور ہر گروہ کا ایک جھنڈا اور ہر طائفہ کے لیے ایک سردار اور لڑانے والا مقرر کرے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فتح کے دن کیا تھا کیونکہ اس میں دشمنوں پر بھی زیادہ خوف ہوتا ہے اور فوج پر بھی قابو رہتا ہے اور نیز اس کو چاہیے کہ ان کے لیے کچھ شناخت مقرر کرے کہ شب خون کرتے وقت باہم اس کو بولا کریں تا کہ کوئی کسی کو آپس میں قتل نہ کر ڈالے' آپ ایسا ہی کیا

کرتے تھے اور جمعرات یا پیر کے روز جہاد کے لیے خروج کرے کیونکہ ان دونوں میں اعمال پیش ہوتے ہیں اور پہلے ہم اس کو بیان کر چکے ہیں اور ان کو اس قدر راستہ چلنے کا حکم دے کہ ناتوان لوگ بھی اس کی طاقت رکھتے ہوں البتہ اگر ضرورت ہو تو اس کے موافق حکم دے اور ان کے لیے ایسا مقام تجویز کرے جو سب مقامات میں عمدہ اور بہتر ہو اور پانی کی وہاں کثرت ہو اور اگر دشمن کا خوف ہو تو اس کو چاہیے کہ پہرہ مقرر کرے اور کسی بلند جگہ پر کچھ لوگوں کو مقرر کر دے جو دشمن کو دور سے دیکھتے رہیں اور حتی الامکان اپنے حال پوشیدہ رکھیں مگر جو لوگ خیر خواہ و عقلمند ہیں ان سے پوشیدہ نہ رکھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لا یقطع الایدی فی الغزو**۔ جہاد میں ہاتھ نہ قطع کیے جائیں (حد میں) اور اس میں وہی راز ہے جو حضرت عمرؓ نے بیان فرمایا ہے کہ اس میں اس شخص کو غیرت شیطان کے لاحق ہونے اور کفار میں شامل ہو جانے کا اندیشہ ہے اور اسی لیے کہ اس سے بسا اوقات لوگوں میں نزاع واقع ہو جاتا ہے اور اس سے مصلحت میں خلل پڑ جاتا ہے اور امام کو اہل کتاب و مجوس سے مقاتلہ کرنا چاہیے کہ یا تو وہ اسلام لائیں یا دباؤ قبول کر کے سب کے سب جزیہ قبول کریں اور کسی بچے یا عورت یا بہت بوڑھے آدمی کو قتل نہ کریں مگر ضرورت کے وقت مثل شبخون کے اور درخت نہ کاٹیں اور آگ نہ لگائیں اور مواشی کو ہلاک نہ کریں مگر جس وقت کہ مصلحت اس میں مقرر ہے جیسے بنی نضیر کے قریہ بغیرہ میں کیا گیا اور امام کو چاہیے کہ نقض عہد نہ کرے اور سفیر کو قید نہ کرے کیونکہ اس میں باہمی خط و کتابت کا انقطاع کرنا ہے اور چاہیے کہ لڑائی میں دھوکہ دیا کرے کیونکہ لڑائی دھوکہ کا کام ہے اور بے خبری میں ان پر ہجوم کرے اور گوپھن ان کی طرف پھینکے اور ان کا محاصرہ کرے اور ان کو تنگ کرے آنحضرت ﷺ سے یہ سب باتیں ثابت ہیں اس لیے کہ ظاہر ہے ان باتوں کے بغیر قتال نہیں ہوتا اور جس شخص کو اپنی ذات پر اعتماد ہو امام کے حکم سے اس کو لڑنا درست ہے جیسے کہ حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے کیا اور مسلمانوں کو وہاں سے چارہ و اناج جو ہاتھ لگے اس میں تصرف کرنا درست ہے اور اس میں سے خمس نہ لیا جائے گا اس لیے کہ اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو لوگوں کو دقت ہو۔ اور جب کفار قید ہو کر آئیں تو چار باتوں میں سے امام کو ہر بات کا اختیار ہے چاہے قتل کرے، چاہے فدیہ لے، چاہے احسان رکھ کر چھوڑ دے چاہے آزاد کر دے ان میں سے جس بات میں نفع زیادہ دیکھے وہی عمل میں لائے اور امام کو جائز ہے کہ ان میں سے کسی کسی کو امن دے دے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے **وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ**۔ اور اگر مشرکین میں سے کوئی پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے اور یہ اس لیے کہ ان کا اسلام میں داخل ہونا مسلمانوں کے ساتھ اختلاط کرنے اور ان کے دلائل اور ان کی سیرت معلوم کرنے سے ہوتا ہے اور نیز بسا اوقات تجارو غیرہ کی آمد و رفت کی حاجت ہوتی ہے اور امام کو جائز ہے کہ اگر ضرورت ہو تو ان سے صلح کر لے خواہ مال لے کر خواہ بغیر مال کے کیونکہ مسلمانوں کو بسا اوقات کفار کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں ہوتی اور صلح کی حاجت ہوتی ہے اور بسا اوقات قوت حاصل کرنے کے لیے مال کی ضرورت ہے اور بسا اوقات اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک قوم کے شر سے بچ کر دوسری قوم سے لڑنے کی حاجت ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ **لا الفین احدکم یجیٔ یوم القیامة علی رقبته لبیرله رغاء یقول یا رسول الله اغثنی فاقول لا املك لك شیئا قد بلغتك**۔ میں تم میں سے کسی کو ہرگز ایسا نہ پاؤں کہ قیامت کے دن آئے کہ اس کی گردن پر اونٹ ہو اور وہ اونٹ چلاتا ہو اور وہ شخص کہتا ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری خبر لیجیے تو میں اس سے کہوں مجھے تیرے لیے کسی بات کا اختیار نہیں ہے میں

تجھ پر تبلیغ کر چکا' اور اسی کے مثل حدیث شریف میں آیا ہے علی رقبته فرس له حمحمه وشاة لها ثغاء و نفس لها صیاح ورقاء تخفق .کہ اس کی گردن پر گھوڑا ہنہناتا ہوا ہوگا اور بکری ممیاتی ہوئی اور کوئی شخص چلاتا ہوا ہوگا اور کپڑوں کے پارچے اڑتے ہوئے ہوں گے' میں کہتا ہوں اس کی اصل یہ ہے کہ جس چیز میں گناہ واقع ہوا ہے اسی کی صورت میں وہ متمثل ہوگا اور اس کا اٹھانا اس کا بار اور اس کے ساتھ تکلیف پانا ہے اور اس کا آواز دینا لوگوں پر اس گناہ کو مشہور کر کے اس کو سزا دینا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اذا وجدتم الرجل قد غل فاحرقوا متاعه كله فاضربوه .جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس نے خیانت کی تو اس کا سب اسباب جلا دو اور مارو' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اس پر عمل کیا' میں کہتا ہوں اس میں اس خائن کو زجر کرنا اور لوگوں کو ایسے فعل سے باز رکھنا ہے اور معلوم کرو کہ کفار سے جو مال لیے جاتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ مال ہے جو گھوڑوں اور اونٹوں کے دوڑانے اور قتال کے صدمات اٹھانے سے حاصل ہوتا ہے اس کا نام غنیمت ہے اور ایک وہ مال جو بغیر قتال کے ان سے حاصل ہوتا ہے مثلاً جزیہ وخراج وعشور جو ان کے تجار سے لیے جاتے ہیں اور وہ مال جو صلح کرنے میں وہ خرچ کرتے ہیں یا وہ پریشان ہو کر اس کو چھوڑ بھاگتے ہیں' غنیمت میں خمس نکالا جاتا ہے اور وہ خمس ان مواضع میں صرف کرنا چاہیے جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے:وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ .اور اس بات کو جان لو کہ تم نے جو کچھ مال غنیمت حاصل کیا ہے پس اللہ تعالیٰ اور رسولؐ اور اقارب اور یتیموں اور مساکین اور مسافر کے لیے ہے' پس آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کا حصہ مسلمانوں کے مصالح میں بہ ترتیب خرچ کرنا چاہیے اور ذوی القربیٰ کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب پر خواہ محتاج ہوں یا غنی مرد ہوں یا عورت' خرچ کرنا چاہیے اور میرے نزدیک مقادیر کے تعین کرنے میں امام کو اختیار ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آل رسولؐ کے لیے بیت المال سے زیادہ حصہ دیا کرتے تھے اور ان میں سے جو لوگ قرضدار اور فاکح اور حاجتمند ہوا کرتے ہیں ان کی اعانت کیا کرتے تھے اور یتیموں کا حصہ چھوٹے بچوں کو جن کا باپ نہ ہو دینا چاہیے اور فقراء ومساکین کا حصہ فقراء ومساکین کو دینا چاہیے مگر امام کو اس کا اختیار ہے کہ اپنے اجتہاد و رائے کے موافق اس کی تعیین کرے اور اہم فالاہم کو مقدم کرے اور اپنے اجتہاد کے موافق عمل کرے اور پانچ حصوں میں سے باقی چار حصے غانمین میں تقسیم کرے اور اولاً لشکر کے حال میں اس کو اجتہاد کرنا چاہیے پس جس کو زیادہ دینا مسلمانوں کی مصلحت کے مناسب ہو اس کو زیادہ دے اور اس کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ مثلاً امام دارالحرب میں داخل ہوا اور اس نے کسی قریہ کے لوٹنے کو کچھ فوج روانہ کی تو خمس کے بعد ربع یا ثلث اس کو مقرر کر دے پس وہ فوج جس قدر مال لے کر آئے اس کا خمس تو علیحدہ کر لے اور باقی کا ربع یا ثلث اس کو فوج کو دے کر اس سے جو باقی رہے وہ غنیمت میں شامل کر دے' دوسری صورت یہ ہے کہ امام اس شخص کے لیے ایسے کام کے بدلہ جس میں مسلمانوں کا نفع ہو کچھ مقرر کر دے مثلاً امام کہہ دے کہ جو شخص اس قلعہ پر چڑھ جائے تو اس کے لیے اس قدر مال دیا جائے گا یا جو کسی کو قید کر لائے تو اس کو اس قدر مال دیا جائے گا یا جو کسی کو قتل کرے تو اس کا اسباب اس کو دیا جائے گا پس اگر مسلمانوں کے مال میں سے یہ مقرر کیا ہے تب تو اس میں سے دے اور اگر غنیمت میں شرط کیا ہے تو خمس نکالنے کے بعد جو باقی رہا ہے تو اس میں دے اور تیسری صورت یہ ہے کہ امام خاص کر بعد غانمین کو کچھ مال دے دے اس لیے کہ دشمنوں کو اس سے خوف

زیادہ ہو اور مسلمانوں کا اس سے نفع زیادہ ہو جس طرح آنحضرت ﷺ نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو جنگ ذی قرد میں سوار و پیدل کا حصہ عطا فرمایا اس لیے کہ ان کی ذات سے مسلمانوں کو بہت نفع پہنچا تھا اور میرے نزدیک اصح یہ بات ہے کہ مقتول کے اسباب کا قاتل مستحق ہوتا ہے خواہ قبل از قتل امام کے مقرر کرنے سے خواہ بعد کو نفل کے طور پر دینے سے اور امام کو چاہیے کہ حصہ سے کم کسی قدر مال ان عورتوں کے لیے جو مریضوں کی دوا دارو کرتی ہیں اور کھانا پکاتی ہیں اور مجاہدین کا کام کرتی ہیں اور غلاموں اور بچوں اور اہل ذمہ کے لیے جن کو امام نے اجازت دے دی ہے جدا کر دیں اگر مجاہدین کو ان سے نفع پہنچا ہو اگر امام کو معلوم ہو کہ مال غنیمت میں کچھ مال کسی مسلمان کا ہے جس کو کفار ظفریاب ہو کر لے گئے تھے بغیر کچھ لیے وہ مال اس کو دے دے اور باقی مال کو تمام ان لوگوں پر تقسیم کر دے جو لڑائی میں موجود تھے اس طرح کہ سوار کو تین حصے اور پیدل کو ایک حصہ اور میرے نزدیک اگر مناسب سمجھے اور شتر سوار اور تیرا نداز کو کچھ زیادہ حصہ دے یا گھوڑے کے سوار کو بیل وغیرہ کے سوار پر ترجیح دے تو اس کو یہ اختیار حاصل ہے مگر اہل رائے سے اس کو ایسے امر میں مشورہ کر لینا چاہیے تا کہ اس کی وجہ سے لوگ اس کی امامت میں مختلف نہ ہو جائیں اور حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت میں اس باب کے اندر جو کچھ اختلاف ہے اس میں تطبیق کی وجہ یہی ہے اور جس شخص کو امام لشکر کی کسی مصلحت سے روانہ کرے اس کو بھی حصہ دے اگر چہ وہ لڑائی میں موجود نہ ہو مثلاً قاصد طلیعہ یا جاسوس جس طرح جنگ بدر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو غنیمت میں حصہ دیا گیا اور جو مال بطور فے کے حاصل ہو اس کو ان مواضع میں صرف کرنا چاہیے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے: **مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِلٰى قَوْلِهٖ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ** ۔اور جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا فرمایا کہ اس نے تمام مسلمانوں کا احاطہ کر لیا اسے اہم فالاہم کی طرف صرف کرتے تھے اور فے صرف کرنے کے اندر مسلمانوں کی مصلحتوں کی طرف غور فرماتے تھے نہ اپنی کسی خاص مصلحت کی طرف اور فے کی تقسیم کرنے کی کیفیت یہی مختلف طریقے ہیں آنحضرت ﷺ تو جس روز فے آتی اسی روز اس کو تقسیم کر دیتے تھے بیوی والے کو دو حصے اور غیر اہل والے کو ایک حصہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حر اور غلام دونوں میں تقسیم کرتے تھے اور ان کو کفایت حاجت کا لحاظ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوابق اور حاجتوں پر دیوان مقرر کیا تھا۔

اور اصل اس میں یہ ہے کہ باہمی ان کے یہ اختلافات جو واقع ہوئے وہ اس بات پر محمول ہیں کہ ہر ایک نے اپنے اجتہاد کے موافق ایسا کیا تو موافق اپنی مصلحت وقت کے ہر ایک نے کوشش کی اور جن اراضیات پر مسلمان غالب آگئے ان میں امام کو اختیار ہے چاہے باہم غانمین کے ان کو تقسیم کر دے چاہے مجاہدین پر ان کو وقف کر دے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر میں کیا کہ نصف اس میں کی تقسیم کر کے نصف کو وقف کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارض سواد کو وقف کیا تھا اور اگر امام چاہے تو اراضیات کو ہمارے کفار ذمیوں کے لیے روک رکھے اور رسول اللہ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ہر بالغ سے دینار یا اس کے برابر یمنی کپڑا اخذ کریں اور حضرت عمرؓ نے متمولین پر اڑتالیس درہم اور متوسطین پر چوبیس درہم اور غریب پر جو مزدوری کرتا ہو بارہ درہم مقرر کیے اور اسی جگہ سے معلوم کرنا چاہیے کہ اس کا اندازہ امام کی رائے پر ہے جو اس کی مصلحت کا مقتضی ہو عمل میں لائے اور اسی لیے سیرتوں اور عادتوں میں اختلاف ہے اور میرے نزدیک خراج کے مقادیر میں بھی یہی حکم ہے اور تمام ان امور میں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تمام

خلفاء کی عادات مختلف ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسے ہم پر غنیمت اور فے کے مباح کرنے کی یہی وجہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہم سے پہلے کسی کے لیے غنیمت حلال نہیں کی گئی' کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر ضعف اور عجز دیکھا تو غنائم کو ہمارے لیے حلال کیا' اور آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کو سب امتوں پر فضیلت عطا فرمائی اور ہمارے لیے غنیمتوں کو حلال گردانا اور قسم اوّل میں ہم نے اس کی تشریح کر دی ہے پس یہاں اس کے اعادہ کی حاجت نہیں اور مصارف کی اصل یہ ہے کہ بلاشبہ اصول مقاصد کے چند امور ہیں' از انجملہ ان آدمیوں کا باقی رکھنا جو کسی چیز پر قادر نہیں ہیں خواہ اپاہج ہونے کی وجہ سے خواہ تنگدست ہونے کی وجہ سے خواہ اس سبب سے کہ ان کو اپنے مال سے بعد ہو گیا ہے اور از اں جملہ شہر کی سرحدیں قائم کر کے اور لشکر اور ہتھیاروں اور گھوڑوں کا خرچ اٹھا کر کفار سے محفوظ رکھنا اور از انجملہ شہر کا انتظام اور بندوبست کرنا اور پاسبانوں اور قضاہ اور محتسبوں کا مقرر کرنا اور حدود کا قائم کرنا اور از انجملہ دین کی حفاظت کے لیے خطبا اور واعظین اور ائمہ اور مدرسین کا مقرر کرنا اور از انجملہ منافع مشترکہ میں مثلاً نہروں کا نکالنا اور پل بنانا وغیرہ' دوسرے یہ کہ شہر دو قسم کے ہیں ایک تو وہ شہر ہیں جن کے باشندے صرف مسلمان ہیں مانند ملک حجاز کے یا مسلمان ان میں اور قوموں کی نسبت زیادہ رہتے ہیں' دوسرے وہ شہر ہیں جن کے اکثر باشندے کفار لوگ ہیں اور بزور تلوار یا صلح کر کے مسلمانوں نے ان شہروں پر قبضہ کیا ہے' دوسری قسم کے شہروں کے لیے فوج اور ہتھیاروں اور پاسبانوں کی اور قضاہ اور عمال کی ضرورت ہے اور پہلی قسم کے شہروں میں ان چیزوں کی زیادہ حاجت نہیں ہے اور شرع کو یہ منظور ہے کہ بیت المال میں جو مال مجتمع ہے وہ ان شہروں پر مناسب طریقہ سے تقسیم کیا جائے پس زکوٰۃ اور عشر کا مصرف وہ مقرر کیا گیا جس میں اوروں کی نسبت محتاجوں کی زیادہ تر رفع ضرورت ہے اور غنیمت کا مصرف وہ لوگ مقرر کیے گئے جن سے لڑائی کا انتظام اور دین کی حفاظت اور شہر کا انتظام زیادہ تر ہے لہٰذا غنیمت میں سے یتیم اور مسکین اور فقیر کا حصہ بہ نسبت صدقات کے حصہ کے کم مقرر کیا گیا اور مجاہدین کا حصہ بہ نسبت صدقات کے غنیمت میں سے زیادہ مقرر کیا گیا اور چونکہ غنیمت گھوڑے اور اونٹ اور لشکر کی مشقت سے حاصل ہوتی ہے' پس جب تک لوگوں کو غنیمت سے حصہ نہ دیا جائے وہ راضی نہیں ہو سکتے اور شرائع کلیہ میں جو لوگوں پر مقرر کی گئی ہیں ان کے اندر اکثر خلقت کے حال کا ملحوظ رکھنا اور رغبت عقلی کے ساتھ رغبت طبعی کا جمع کرنا ضروریات سے ہے اور ان کی رغبت طبعی اسی طریقہ سے حاصل ہو سکتی ہے کہ قتال کے عوض میں ان کو کچھ مال دیا جائے لہٰذا پانچ حصوں میں چار حصے مال غنیمت میں غانمین کے لیے مقرر کیے گئے اور فے یعنی وہ غنیمت جو بلا مشقت قتال کے صرف رعب کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ وہ بلا مشقت حاصل ہوئی ہے لہٰذا اس کا خاص قسم کے لوگوں میں تقسیم کرنا ضروری نہ ہوا اور اہم فالاہم کی تقدیم کی گئی اور خمس کی اصل یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں ربع کا قدیمی دستور تھا جو شخص قوم کا رئیس اور ان کا پشت پناہ ہوتا تھا وہ اس ربع کو لے لیا کرتا تھا' یہ بات ان کے دلوں میں قرار پا چکی تھی اور یہ احتمال نہ تھا کہ اس کے نکالنے سے ان کے دل میں ناگواری پیدا ہو اسی کے بیان میں ایک شاعر کہتا ہے:

وان لنا المرباع من کل غارۃ تکون نجدا او بارض التھائم

ہر لوٹ میں ہمارا چہارم حصہ ہے خواہ وہ نجد میں ہو خواہ تہائم کے ملک میں پس اللہ تعالیٰ نے خمس کو ان کے قدیمی دستور کے قریب قریب شہر اور دین کی ضروریات کے لیے مقرر فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء پر ان کے دستور کے موافق آیات نازل فرمائی ہیں اور وہ

ربع اس شخص کو ملا کرتا تھا جو ان کا سردار اور پشت پناہ ہوتا تھا تاکہ اس میں اس کی عظمت اور عزت ثابت ہو اور علاوہ بریں وہ شخص سب کے کام میں مصروف ہوتا ہے اور اس کو بہت خرچ کی حاجت رہتی ہے' پس اللہ تعالیٰ نے وہ خمس آنحضرت ﷺ کے لیے مقرر فرمائی اس واسطے کہ آنحضرت ﷺ لوگوں کے کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے اتنی کہاں فرصت تھی جو اپنے اہل وعیال کے لیے کسب کرتے لہٰذا ضروری ہوا کہ آپ کا نفقہ مسلمانوں کے مال میں مقرر ہوا اور علاوہ بریں نصرت اور مدد الٰہی آنحضرت ﷺ کی برکت اور آپؐ کے رعب کی وجہ سے جو آپ کو اللہ پاک نے عنایت فرمایا تھا' حاصل ہوئی ہے' پس آپ کا حال ایسا ہوا کہ گویا آپ ہر جنگ کے اندر موجود رہے' اور دوسری یہ خمس ذوی القربیٰ کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی' کیونکہ سب لوگوں سے زیادہ آنحضرت ﷺ کے ذوی القربیٰ کو حمایت اسلامی ہے اس واسطے کہ ان میں حمایت دینی اور حمایت نسبی دونوں موجود ہیں کیونکہ ان کا سارا فخر دین محمدیؐ کے بلند ہونے میں ہے اور نیز اس میں اہلبیت نبی ﷺ کی تعظیم پائی جاتی ہے اور اس مصلحت کا نتیجہ دین کی طرف راجع ہوتا ہے اور جب کہ علماء اور قراء کی تعظیم میں دین کی تعظیم ہے تو ذوی القربیٰ کی تعظیم میں بطریق اولیٰ دین کی تعظیم ہوگی' اور ایک محتاجوں کے لیے مقرر کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے محتاجوں کا انضباط مساکین اور فقراء اور یتامیٰ کے ساتھ فرمایا اور حدیث شریف سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ خمس میں سے مؤلفۃ القلوب وغیرہم کو بھی عطا فرماتے تھے۔

اس تقدیر پر آیت کے اندر پانچ مصارف خاص کا ذکر کرنا ان مصارف کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے اور اس بات کی تاکید کرنے کے لیے ہے کہ خمس اور فے کو یکے بعد دیگرے اغنیاء لوگ محتاجوں کی پرواہ نہ کر کے نہ لے لیا کریں اور تاکہ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے اقارب کی طرف کسی کو بدگمانی کرنے کا موقع نہ مل سکے اور انفال اور انعامات اس واسطے مقرر کیے گئے کہ بسا اوقات انسان بغیر طمع کے جان جوکھوں کی جگہ میں اپنے آپ کو نہیں ڈالتا ہے اور یہ ایسی خصلت اور پیدائشی بات ہے جس کی رعایت ضروریات سے ہے اور گھوڑے کے سوار کو پیدل کے حصہ سے سہ چند اس واسطے مقرر کیا گیا کہ سوار سے مسلمانوں کو زیادہ تر قوت اور نفع پہنچتا ہے اور اس کو زیادہ تر مشقت کرنی پڑتی ہے' اگر تم لشکروں کا حال دیکھو تو اس بات کا تم کو یقین ہو سکتا ہے کہ اگر سوار کو پیدل کے حصے سے سہ چند نہ دیا جائے اور کچھ کمی کی جائے تو وہ راضی نہیں ہو سکتا اور اس کی محنت کے اعتبار سے وہ ناکافی ہوتا ہے' تمام عرب وعجم باوجود اختلاف احوال وعادات کے اس بات پر متفق ہیں' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لئن عشت ان شاء اللہ لاخرجن الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب و اوصی باخراج المشرکین منھا** اگر ان شاء اللہ تعالیٰ میں زندہ رہا تو بلاشبہ یہود ونصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا اور مشرکوں کو وہاں سے نکال دینے کی وصیت کرتا ہوں' میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم تھی کہ زمانہ کا حال ایک سا نہیں رہتا پس ایک وقت ایسا ہوگا کہ اسلام میں ضعف آ جائے گا اور اس کی جمعیت منتشر ہو جائے گی پس اگر ایسے وقت میں دشمنان دین کا جزیرہ عرب میں جو اسلام کا اصل اصول ہے قیام رہا تو ضرور حرمات الٰہی کا ہتک اور قطع ہوگا لہٰذا آپ نے دار العلم کے حوالی اور محل بیت اللہ سے نکالنے کا حکم دیا اور نیز کفار کے ساتھ اختلاط کرنے میں دین کے بگڑنے اور قلوب کے بدلنے کا اندیشہ ہے اور چونکہ یہ بات محال تھی کہ تمام ملکوں سے بخوف مخالطت ان کو نکال دیا جاتا لہٰذا صرف حرمین شریفین کو ان سے پاک کرنے کا حکم فرمایا' اور نیز آخر زمانہ میں جو دین کا حال ہونے والا تھا آپؐ پر وہ ظاہر کر دیا چنانچہ

آپؐ نے فرمایا ہے ان الدین لیازر الی المدینة .الخ' اور پوری حفاظت کی یہی صورت ہے کہ وہاں مسلمانوں کے سوا کوئی قوم نہ رہے۔ واللہ اعلم

معیشت کا بیان ❶

معلوم کرو کہ تمام اقالیم صالحہ کے باشندوں کا کھانے وپینے اور پہننے اور قیام اور نشست اور تمام ہیأت اور احوال میں آداب کے ملحوظ رکھنے پر اتفاق ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ بشرط سلامت مزاج اور ظہور مقتضاء نوعی کے باہمی اجتماع اور دیکھا دیکھی کے لحاظ سے گویا ہر ایک جبلت میں داخل ہے اور ان کے آداب کی رعایت میں لوگوں کے طریقے مختلف ہیں' بعض فرقے حکمتِ طبع کے قواعد کے موافق ان کے آداب کی رعایت کرتے ہیں اور تمام احوال وافعال میں ان آداب کا بیان کرتے ہیں کہ طب اور تجربہ کے اعتبار سے ان میں نفع ہی کی امید ہوتی ہے اور ضرر کا خوف نہیں ہوتا۔ اور بعض فرقے قوانین احسان کے موافق یعنی جس طرح ان کا دین ان کو حکم کرتا ہے ان آداب کو عمل میں لاتے ہیں اور بعض فرقوں کو اپنے بادشاہوں اور حکماء اور درویشوں کے سے آداب عمل میں لانے مقصود ہوتے ہیں اور بعض لوگ اور طریقوں کے موافق ان کا برتاؤ کرتے ہیں' چونکہ ان میں سے بعض آداب میں منافع مترتب ہوتے ہیں لہٰذا ان پر آگاہ کرنا اور ان منافع کے لحاظ سے ان کا حکم دینا ضروری ہوا' اور بعض آداب میں مفاسد پیدا ہوتے ہیں لہٰذا ضروری ہوا کہ ان سے نہی کی جائے اور لوگوں کو ان آداب پر آگاہ کیا جائے اور بعض آداب میں دونوں باتوں سے ایک بات بھی نہیں پائی جاتی لہٰذا ضروری ہوا کہ ان کو مباح چھوڑا جائے اور ان کی اجازت دی جائے پس آداب کی تنقیح وتفتیش بھی منجملہ ان مصالح کے ٹھہری جن کے پورا کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ کو مبعوث کیا ہے اور اصل اس کے اندر چند باتیں ہیں ایک تو یہ کہ ان اشغال میں مصروف ہونے سے ذکر الٰہی سے نسیان ہوتا ہے اور قلب کی صفائی میں کدورت پیدا ہوتی ہے پس ضروری ہوا کہ اس سم کا تریاق سے علاج کیا جائے اور وہ تریاق یہ ہے کہ ان اشغال میں مشغول ہونے سے قبل اور بعد اور حالت اشتغال میں کچھ اذکار مقرر کیے جائیں تاکہ قلب کو ان اشغال کے اندر پورا پورا انہماک نہ ہو جائے اور ان اذکار میں منعم حقیقی کا ذکر اور جانب قدس کی طرف میلانِ فکر نہ پایا جائے اور ایک یہ ہے کہ بعض افعال وہیأت کو مزاج شیطانی سے مناسبت ہوتی ہے اس طور پر کہ اگر کسی کے خواب یا بیداری میں شیطان متمثل ہو کر نظر آئیں لامحالہ ان افعال میں کسی نہ کسی فعل کے ساتھ وہ متلبس ہوتے ہیں' پس انسان کو ایسے افعال کے ساتھ متلبس ہونا شیاطین کے ساتھ نفرت اور شیاطین کے اوصاف قبیحہ کے اس شخص کے دل میں منقش ہونے کا سبب ہیں پس ضرور ہوا کہ ان افعال سے خواہ کراہتہً خواہ تحریماً مقتضائے مصلحت کے موافق نہی کی جائے اور وہ افعال یہ ہیں مثلاً ایک جوتا پہن کر چلنا اور بائیں ہاتھ سے وغیرہ ذالک' اور بعض افعال وصفات انسان کو شیاطین سے دور اور ملائکہ سے قریب ہونے کا سبب ہوتے ہیں' مثلاً گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اس قسم کے افعال پر رغبت دلانا ضروری ہوا' اور ایک ان ہیأت سے

---

❶ زندگانی وہ چیز جس سے زندگی بسر کی جائے۔

اجتناب کرنا جن سے بحکم تجربہ لوگوں کی ایذا رسانی ہوتی ہے' مثلاً مکان کی چھت پر بغیر پردہ کے سونا اور سوتے وقت چراغ کا گل نہ کرنا' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ چوہا گھر کو جلا دیتا ہے اور از انجملہ عجمیوں کے ساتھ ان عادات میں مخالفت کرنا جن کے وہ لوگ عادی ہیں' مثلاً ہر چیز میں نہایت درجہ کا تکلف کرنا اور نہایت بے فکری سے دنیا کے اندر منہمک ہونا کیونکہ یہ امور یاد الٰہی سے بھلاتے ہیں اور کثرت سے دنیا کے طلب کرنے اور قلوب کے اندر دنیا کے لذائذ متمثل ہونے کا سبب ہے پس ضروری ہوا کہ ان سب میں سے ان امور کو خاص کر حرام کیا جائے جو سب تکلفات میں بڑھ کر ہے مثلاً حریر اور قسی اور میاثر اور ارجوان اور وہ کپڑے جن میں حیوانات کی صورتیں بنی ہوئی ہوں اور سونے چاندی کے برتن اور معصفر یعنی کسم کے رنگ ہوئے کپڑے اور خلوق وغیرہ اور باقی اور عادات کو عام طور پر مکروہ کیا ہے اور عیش کی اکثر چیزوں کا ترک کرنا مستحب ہے اور از انجملہ ان ہیئات سے اجتناب چاہیے جو منافی وقار کے ہیں اور نیز ان ہیئات سے جو انسان کو دیہاتیوں میں لاحق کر دیتی ہے ان لوگوں میں سے جو احکام نوع کے لیے ہیں تا کہ افراط و تفریط میں میانہ روی حاصل ہو۔

کھانے اور پینے کی چیزوں کا بیان

معلوم کرو جبکہ انسان کی سعادت انہیں اخلاق اربعہ کے اندر ہے جن کو ہم ذکر کر چکے ہیں اور اس کی شقاوت ان کے اضداد کے اندر ہے' لہٰذا حفظ صحت انسانیہ اور دفع ہونے امراض نفسانیہ کے لیے واجب ہوا کہ ان اسباب سے جو مزاج انسانی کی دو جانبوں میں سے کسی ایک کی طرف بدل دیتے ہیں بیان کیے ہیں' از انجملہ وہ افعال ہیں جن کے ساتھ نفس متصف ہو جاتا ہے اور اس کے نفس ذات میں داخل ہو جاتے ہیں ان افعال کا ہم کافی بیان کر چکے ہیں اور ایک وہ امور ہیں جن سے نفس میں صفات دنیہ جو شیاطین کے ساتھ مشابہت اور ملائکہ سے بعد پیدا ہونے کا سبب ہوتے ہیں اور اخلاق صالحہ کے خلاف صفات کو پیدا کرتے ہیں خواہ اس شخص کو اس بات کی حس ہو یا نہ ہو' پس جو نفوس ملحق بملاء اعلیٰ اور الواث بہیمیہ سے جدا ہیں خطیرۃ القدس سے ان امور کی بدمزگی کا ادراک اس طرح سے ہوتا ہے' جس طرح طبیعت کو تلخی اور بدمزگی ناگوار ہونے کا ادراک ہوتا ہے' ایسے امور کی نسبت اللہ تعالیٰ کے الطاف اور اس کی رحمت کا مقتضی ہوتا ہے کہ ان امور کے اصول اور چیزوں کے ساتھ جن سے وہ امور منضبط ہیں اور ان کا اثر ظاہر ہے کسی پر کشیدہ نہیں لوگوں کو مکلف کیا جائے اور چونکہ تغیر بدن اور اخلاق کے تغیر کے اسباب میں سے زیادہ تر قوی سبب غذا ہے' لہٰذا ضروری ہوا کہ وہ اصول غذا کے لحاظ سے ہوں' پس ان سب سے زیادہ تر قوی الاثر ایسے جانور کا کھانا ہے جس کی صورت میں کوئی قوم مسخ کی گئی ہے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کا غضب کسی انسان کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے سبب سے انسان کے اندر ایک ایسا مزاج پیدا ہو جاتا ہے جو صحت انسانی سے اس قدر بعید ہوتا ہے کہ وہ شخص انسان کی صورت نوعیہ سے بالکل خارج ہو جاتا ہے بدن انسانی کے عذاب دینے کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے اور ایسے وقت میں اس کا مزاج انسانی صورت سے نکل کر کسی خبیث جانور کی صورت پکڑ جاتا ہے' جس سے طبیعت سلیمہ کو نفرت ہوتی ہے' ایسے وقت میں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو مسخ کر کے بندر یا خنزیر بنا دیا۔ پس خطیرۃ القدس میں اس کے متعلق یہ علم متمثل ہو جاتا ہے کہ اس کے جانور اور انسان کے مغضوب علیہ اور رحمت

الٰہی سے بعید ہوتے ہیں ایک مناسبت خفیہ ہے اس میں اور اس طبیعتِ سلیمہ میں جو اپنی فطرت پر باقی ہے نہایت درجہ کا بعد ہے پس لامحالہ ایسے جانور کا کھانا اور اس کو اپنے بدن کا جزو گردانا نجاست کے ساتھ اختلاط کرنے اور ان افعال کے عمل میں لانے سے جو غضب کو ہیجان میں لاتے ہیں زیادہ تر برا ٹھہرے گا۔

لہٰذا ہمیشہ سے خطیرۃ القدس کے ترجمان یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے تمام انبیاء علیہم السلام خنزیر کو حرام کرتے اور لوگوں کو اس سے بعید رہنے کا حکم کرتے چلے آئے ہیں' حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کو نازل ہو کر قتل ہی کر ڈالیں گے اور غالباً خنزیر کو کوئی فرقہ کھایا کرتا تھا لہٰذا شرائع میں نہایت شدت کے ساتھ نہی کی گئی اور اس کے ترک کرنے کا حکم دیا گیا' اور بندر و چوہا ایسے جانور ہیں کہ ان کو ہرگز کوئی قوم نہیں کھاتی اس لیے ان سے نہی کرنے میں تاکید شدید کی ضرورت نہ ہوئی' جناب رسول اللہ ﷺ نے گوہ کی نسبت فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے کسی قبیلہ پر جب غصہ ہو گیا تو ان کو چہار پایوں کی صورت میں جو زمین پر چلتے ہیں مسخ کر دیا' نہیں معلوم کہ شاید گوہ بھی انہیں میں سے ہو' اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَجَعَلَ مِنۡهُمُ الۡقِرَدَةَ وَالۡخَنَازِيۡرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوۡت** . کر دیا ان میں سے بندر اور خنزیر اور پرستش کرنے والے شیطان کی اور اسی کی مثل یہ ہے کہ جس زمین میں خسف یا عذاب نازل ہوا ہے اس زمین میں ٹھہرنا مکروہ ہے اور مغضوب علیہم کے ہیأت بنانا مکروہ ہے کیونکہ ان اشیاء کے ساتھ اختلاط کرنا نجاسات کے ساتھ اختلاط کرنے سے کم نہیں ہے اور اشیاء کے ساتھ ملتبس ہونے کا اثر ان ہیأت کے ساتھ ملتبس ہونے کے اثر سے کم نہیں ہے جو مزاج شیطانی کا مقتضا ہے اور ان کے بعد اس جانور کا کھانا ہے جس کی سرشت میں ایسے افعال داخل ہیں جو ان اخلاق کے متضاد ہیں جو انسان سے مطلوب ہیں' حتیٰ کہ وہ ضرورت کی وجہ سے ان کی طرف طبیعت بڑھتی ہے اور وہ ضرب المثل ہو گیا ہے اور طبائع سلیمہ اس کو خبیث جانتی ہیں اور اس کے کھانے سے اعراض کرتی ہیں' مگر بار خدایا وہ گروہ جو قابل اعتبار کے نہیں ہیں اور وہ جانور جس میں اس معنی کا کمال ہو گیا اور اس کا ظہور بین ہو گیا اور تمام عرب و عجم نے اس کو مان لیا وہ چند ہیں' از انجملہ ایک وہ حیوان سبعی ہیں جن کی خلقت میں خدش یعنی چھیلنا پنجوں وغیرہ سے اور زخم اور دبدبہ اور قساوت قلبی ہے' اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے بھیڑیئے کے باب میں فرمایا ہے **اویا کلہ احد** . کیا اس کو کوئی کھاتا ہے' اور از انجملہ وہ حیوانات ہیں جن کی خلقت میں آدمیوں کو تکلیف پہنچانا اور ان سے کسی چیز کا اچک لے جانا اور ان پر لوٹ کرنے کی غرض سے فرصت کے منتظر رہتے ہیں اور اس میں الہام شیطانی کا قبول کرنا ہے' جیسے کوا اور چیل اور چھپکلی اور مکھی اور سانپ اور بچھو وغیرہ اور از انجملہ وہ حیوانات ہیں جن کی خلقت اور گڑھوں میں چھپا رہنا ہے مثل چوہے اور حشرات الارض کے' اور از انجملہ وہ حیوانات ہیں جو نجاستوں اور پاکیوں میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور اس میں رہتے ہیں اور وہی کھاتے پیتے ہیں یہاں تک کہ ان کے بدن اس میں بھرے رہتے ہیں۔

اور از انجملہ گدھا ہے اور وہ بلاشبہ ذلت اور حماقت میں ضرب المثل ہے اور اکثر اہل عرب جن کی طبائع سلیمہ تھیں اس کو حرام سمجھتے تھے اور شیاطین کے ساتھ اس کو مشابہت دیتے تھے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **اذا سمعتم نیق الحمار فتعوذوا باللہ من الشیطان فانہ رای شیطانا** . جبکہ تم گدھے کا رینگنا سنو تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے شیطان سے پناہ مانگو اس لیے کہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے اور تمام اطباء نے اتفاق کر لیا ہے کہ یہ سب جانور بلاشبہ مزاج نوع انسان کے مخالف ہیں لہٰذا طب

کے اعتبار سے بھی ان کا کھانا نہ چاہیے اور معلوم کرو کہ اس جگہ چند امور پوشیدہ ہیں ان کے حدود کے ضبط کرنے اور شکل کی تمیز کرنے کی حاجت پڑی' از انجملہ یہ ہے کہ مشرکین بلاشبہ اپنے معبودوں اور ٹھاکروں کے لیے ان کو ذبح کر کے ان کی طرف اس کا تقرب کیا کرتے تھے اور اس میں ایک نوع کا شرک تھا لہذا حکمت الہیہ کا مقتضی ہوا کہ اس اشراک سے نہی کی جائے پھر اس تحریم کی اس طرح پر تاکید کی جائے کہ طواغیت کے لیے جو جانور ذبح کیا جائے اس کے کھانے سے لوگوں کو ممانعت کر دی جائے تاکہ اس فعل سے باز رہیں اور نیز ذبح کرنے کی قباحت اس مذبوح میں بھی سرایت کر جاتی ہے' اس کی وجہ ہم صدقہ میں بیان کر چکے ہیں پھر ذبیحہ للطواغیت چونکہ ایک امر مبہم تھا اس لیے شارع نے ما اہل لغیر اللہ بہ اور ماذبح علی النصب اور اس جانور کے ساتھ جس کو مسلمان اور اہل کتاب کے سوا کسی ملت کا کوئی شخص جس کے دین میں اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا ذبح کرنے کی حرمت نہیں ہے ذبح کرے' انضباط فرمایا اس لیے لازم ہوا کہ ذبح کے وقت اللہ کے نام کا ذکر کرنا واجب ہو کیونکہ حلال و حرام میں بظاہر تمیز کی یہی صورت ہے' اور نیز جب حکمت الہیہ نے انسان کے لیے ان حیوانات کو جو حیات میں اسی کے مثل ہیں مباح کر دیا اور ان حیوانات پر اس کو قدرت عطا فرمائی لہذا واجب ہوا کہ ان حیوانات کی جان نکالتے وقت اس نعمت سے غافل نہ ہوں اور غافل نہ ہونے کی یہی صورت ہے کہ اللہ کا نام ان پر ذکر کریں' زبان سے اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے ان پر عطا فرمائی ہے' بہیمیہ چار پایوں سے' اور از انجملہ یہ ہے کہ تمام ملل حقہ و باطلہ میں مردار جانور حرام ہیں' ملل حقہ کا اس بات پر اس واسطے اتفاق ہے کہ حظیرۃ القدس سے ان ملت والوں کو اس بات پر تلقی ہوئی ہے کہ وہ چیزیں خبیث ہیں اور مذاہب باطلہ کا اس واسطے اتفاق ہے کہ ان کے علم میں اکثر مردار چیزوں میں اثر سمی ہوتا ہے' مردار جانور کے بدن میں مرتے وقت اخلاط سمیہ پھیل جاتے ہیں' جن کو انسانی مزاج سے منافات ہوتی ہے' پھر اس بات کی ضرورت ہوئی کہ مراد کو غیر مردار سے جدا کیا جائے پس اس کا انضباط کیا گیا کہ غیر مردار وہ ہے جس کی جان کھانے کی غرض سے نہ نکالی جائے اس باعث سے اس جانور کا کھانا حرام ہو گیا جو سینگ لگ کر یا کہیں سے گر کر مر جائے یا کوئی درندہ اس کو کھالے کیونکہ یہ سب خبائث اور موذی چیزیں ہیں اور از انجملہ یہ ہے کہ عرب اور یہود تو ذبح اور نحر کیا کرتے تھے اور مجوس گلا مروڑ کر یا پیٹ پھاڑ کر کھا جایا کرتے تھے اور ذبح اور نحر انبیاء علیہم السلام کا ہمیشہ سے طریقہ چلا آتا تھا اور اس کے اندر بہت سی مصلحتیں تھیں ایک تو یہ کہ اس میں ذبیحہ کو زیادہ تر تکلیف نہیں ہوتی کیونکہ جان نکالنے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **فلیرح ذبیحتہ** پس چاہیے کہ اپنے ذبیحہ کو آرام دے اور شریطۃ الشیطان یعنی نیم بسمل کر کے چھوڑ دینے سے جو آپ نے نہی فرمائی اس میں یہی راز ہے' اور ایک یہ ہے کہ خون منجملہ نجاسات کے ہے جن کے لگ جانے سے کپڑے کو دھو ڈالتے ہیں' اور ان سے بچتے رہتے ہیں اور ذبح کرنے میں ذبیحہ کا اس نجاست سے پاک کرنا ہوتا ہے بخلاف گلا مروڑنے اور پیٹ چاک کرنے کے کہ اس میں وہ جانور متلطخ بالنجاست ہو جاتا ہے اور ایک یہ بات ہے کہ ذبح کرنا ملت ابراہیمی کے شعائر میں سے ہے جس کی وجہ سے اس دین کا آدمی اور دین والوں سے متمیز ہو سکتا ہے' پس ذبح کرنا ختنہ اور خصال فطرت کے مانند ٹھہرا' اور آنحضرت ﷺ کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمی کے قائم کرنے کے لیے مبعوث فرمایا ہے اس واسطے آپ کے اوپر اس کا محفوظ رکھنا ضرور ہوا' پھر گلا مروڑنے اور پیٹ چاک کرنے سے تمیز ضروری ہوئی اور اس کی یہی صورت ہے کہ کسی تیز چیز سے کاٹنا اور وہ بھی حلق اور گردن کی جڑ میں' یہ دو چیزیں ہیں جن سے صحت نفسانی

کے محفوظ رکھنے اور مصلحت دینی کے قائم کرنے کے لیے منع کیا اور وہ چیزیں جن سے صحت بدنی کو نقصان پہنچتا ہے مثل سموم اور مضطرات ان سے ممانعت کرنے کا حال ظاہر ہے' اور یہ اصول ممتد ہو چکے تو اب ہم مفصل طور پر بیان کرتے ہیں' پس ہم کہتے ہیں کہ جس چیز کو ماکولات سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس کی دو قسمیں ہیں' ایک تو وہ قسم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قسم کے جانور کو کسی صفت کی وجہ سے جو اس قسم میں پائی جاتی ہے حرام فرمایا ہے اور دوسری وہ قسم ہے جس کو ذبح کی شرط نہ پائے جانے سے حرام کیا ہے' اب حیوانات کی کئی قسمیں ہیں ایک تو گھریلو جانوروں میں سے اونٹ وگائے بیل بھیڑ بکری مباح کیے گئے ہیں چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے: **اُحِلَّتۡ لَكُمۡ بَهِيۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ** اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ جانور پاک اور معتدل المزاج اور مزاج انسانی کے موافق ہوتے ہیں اور خیبر کے دن گھوڑے کے کھانے کی اجازت دی گئی اور گدھے کے کھانے سے نہی کی گئی اس لیے کہ تمام عرب وعجم گھوڑے کو پسند کرتے ہیں اور تمام حیوانات میں گھوڑے کو فضیلت دیتے ہیں اور انسان کے ساتھ اس کو مشابہت ہے اور گدھا اپنی حماقت اور لذت میں ضرب المثل ہے اور اس کی خاصیت ہے کہ شیطان کو دیکھ کر رینگتا ہے اور عرب کے پاکیزہ اور ذکی الفطرت لوگ اس کو حرام جانتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے مرغی کا گوشت تناول فرمایا ہے اور مرغابی اور بط بھی مرغی کے مثل ہے اس لیے کہ یہ بھی پاک چیزیں ہیں اور مرغ کی خاصیت ہے کہ فرشتہ کو دیکھ کر بانگ کہتا ہے اور کتا اور بلی حرام کیے گئے ہیں اس لیے کہ یہ دونوں درندوں میں داخل ہیں اور حرام چیزوں کو کھاتے ہیں اور کتا شیطان ہوتا ہے اور دوسری قسم وحشی یعنی جنگلی جانور ہیں' ان جانوروں میں سے جو جانور نام وصفت میں بہیمۃ الانعام کے مشابہ ہیں مثلاً ہرن اور نیل گائے اور شتر مرغ' اور ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو کسی نے بطور ہدیہ کے گورخر کا گوشت بھیجا تو آپؐ نے اس کو تناول فرمایا اور کسی شخص نے خرگوش کا گوشت آپ کو بھیجا تب بھی آپ نے اس کو قبول فرمایا اور ایک مرتبہ آپؐ کے دستر خوان پر لوگوں نے گوہ کا گوشت کھایا اس لیے کہ عرب لوگ ان چیزوں کو طیب جانتے تھے۔ اور ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے گوہ نہ کھانے کی نسبت یہ عذر کیا کہ میری قوم کے ملک میں یہ نہیں تھی اس لیے مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی' اور ایک مرتبہ احتمال مسخ کے ساتھ معذرت فرمائی اور ایک مرتبہ اس سے نہی فرمائی اور میرے نزدیک ان میں کچھ تناقض نہیں ہے کیونکہ اس میں دونوں وجہ پائی جاتی ہیں کہ غذا کے لیے ہر ایک کافی ہے مگر مشتبہ چیز کا ترک کرنا تبرع[1] میں داخل ہے پر وہ چیز حرام نہیں ہوتی اور نہی سے آپ کی مراد کراہت تنزیہیہ ہے اور آپ نے تمام درندوں کے کھانے سے نہی فرمائی ہے اس لیے کہ ان کی طبیعت اعتدال سے خارج اور ان کی عادات بد اور ان کے دل میں رحمت نہیں ہوتی اور پرندوں میں کبوتر اور چڑیا کو مباح کیا اس لیے کہ یہ پاک جانور ہیں اور ہر شکاری پرند کے کھانے سے نہی فرمائی اور بعض جانوروں کو آپ نے فاسق سے تعبیر فرمائی لہٰذا ان کا کھانا بھی ناجائز ہے اور جو جانور مردار اور نجاست کھاتا ہے یا عرب کے لوگ اس کو خبیث جانتے ہیں اس کا کھانا مکروہ ہے اللہ پاک فرماتا ہے **وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ** اور حرام کیں ان پر خبیث چیزیں اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ٹڈی کو کھایا کرتے تھے' کیونکہ عرب اس کو پاک جانتے تھے' اور ایک قسم دریائی جانور ہیں ان میں سے جن کو عرب پاک جانتے ہیں ان کا کھانا مباح کیا گیا مثلاً مچھلی اور عنبر اور جس کو وہ ناپاک سمجھتے ہیں اور حرام جانور سے اس کا نام لیتے ہیں مثلاً خنزیر تو اس میں ادلہ متعارض ہیں مگر اجتناب اولیٰ ہے۔

---

[1] ایک کام کو تطوع کے طور پر کرنا نفل عبادت پر بھی بولا جاتا ہے۔

اور ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے کسی نے گھی کی نسبت جس میں چوہا مر گیا تھا' سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس چوہے اور اس کے آس پاس کے گھی کو نکال ڈالو اور باقی کو کھالو اور ایک روایت میں آیا ہے کہ اگر گھی میں چوہا گر پڑے اگر وہ گھی جما ہوا ہے تو اس چوہے اور اس کے آس پاس کے گھی کو نکال ڈالیں اور اگر پگھلا ہوا ہو تو اس کے گرد نہ پھٹکو میں کہتا ہوں مردار اور وہ چیز جس میں مردار کا اثر ہو جائے تمام ملتوں اور امتوں میں خبیث ہو جاتی ہے پس اگر وہ خبیث دوسری پاک چیز سے متمیز ہو تو اس پاک کا کو کھالیا جائے گا اور ناپاک کو پھینک دیا جائے گا' اور اگر متمیز نہ ہو تو وہ سب حرام ہو جاتی ہے اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نجاست اور ہر وہ چیز جس میں نجاست پڑی ہو حرام ہو جاتی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس جانور کے کھانے اور اس کے دودھ پینے سے منع فرمایا ہے جو نجاست کھاتا ہے' میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے جبکہ اس کے اعضاء نے نجاست کو جذب کر لیا اور اس کے اجزاء میں پھیل گئی تو ان کا حکم مثل نجاست یا اس جانور کے ہو گیا جو نجاست میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **احلت لنا میتتان ودمان اما المیتتان الحوت والجراد والدمان الکبد والطحال** .ہمارے لیے دو میت اور دو خون حلال کیے گئے ہیں' لیکن دو میت تو مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون جگر اور تلی ہیں' میں کہتا ہوں کبد اور طحال دو عضو ہیں اعضاء و بدن بہیمیہ سے مگر یہ دونوں خون کے مشابہ نہیں تو آپ نے ان کے اندر جو شبہ تھا اس کو دور کر دیا اور مچھلی وٹڈی میں دم مسفوح یعنی بہتا ہوا خون ہی نہیں لہٰذا ان کے اندر ذبح مشروع نہیں کیا گیا' اور آنحضرت ﷺ نے گرگٹ کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا اور آپ نے اس کا نام فاسق رکھا اور فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر یہ پھونک مارتا تھا اور آپ نے فرمایا ہے **من قتل وذغا فی اول ضربة کتب له کذا و کذا و فی الثانیة دون ذلک و فی الثالثة دون ذلک** .جو شخص گرگٹ کو پہلے ہی حربہ میں مار دے تو اس کے لیے ایسا اور ایسا لکھا جائے گا یعنی سو نیکیاں لکھی جائیں گے اور دوسری مرتبہ میں اس سے کم اور تیسری مرتبہ میں اس سے کم' میں کہتا ہوں بعض حیوان کی خلقت میں یہ بات داخل ہوتی ہے کہ ان سے افعال اور ہیئات شیطانیہ صادر ہوتی ہیں اور وہ حیوانات میں قریب تر شیطان کے ہوتے ہیں اور وسوسہ کے اعتبار سے وہ اس کے تابع ہوتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے معلوم کر لیا تھا کہ گرگٹ بھی انہیں حیوانات میں سے ہے اور اس بات پر آپ نے تنبیہ فرمائی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو پھونکتا تھا اس کے کرنے کے لیے یہ اس کا مقتضائے طبعی تھا شیطان کے وسوسے کے سبب سے اگرچہ اس کے پھونکنے کا آگ کے اندر کچھ اثر نہ تھا اور اس کے قتل کرنے میں آپ نے دو وجہ سے رغبت دلائی ایک تو یہ کہ اس میں نوع انسانی کی ایذا کا دفع ہے تو اس کا حال ایسا ہو گیا جیسے شہروں سے درختوں کی کو قطع کرتے ہیں اور سوائے اس کے جس میں یہ خصلت پائی جائے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں لشکر انسانی کا توڑنا ہے اور اس کے وسوسہ کا دور کرنا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ اور ملائکہ مقربین کے نزدیک پسندیدہ ہے اس کا مار ڈالنا اول ضربہ میں دوسری مرتبہ مارنے سے اس لیے افضل ہے کہ اس میں حذاقت اور سرعت الی الخیر پائی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

اللہ پاک نے فرمایا ہے ﴿**حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَلِكُمْ فِسْقٌ**﴾ میں کہتا ہوں کہ میتہ یعنی مردار اور خون کے حرام ہونے کی یہ وجہ ہے کہ یہ دونوں

نجس ہیں اور خنزیر کی یہ وجہ ہے کہ یہ ایسا جانور ہے کہ اس کی صورت میں ایک قوم مسخ ہو چکی ہے ﴿وَمَا أُحِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ اور جو اصنام کے نام پر ذبح کیے جاتے ہیں اس میں قطعی شرک ہے اور اس لیے کہ یہ فعل کی بجائے مفعول بہ میں سرایت کرتی ہے اور منخنقہ وہ جانور ہے کہ جس کا گلا مروڑا جائے اور وہ مر جائے اور موقوذہ وہ جانور ہے جو بغیر چھری کے مارا جائے' مثل لکڑی اور پتھر سے اور متردیہ وہ جانور ہے جو اوپر سے نیچے کی طرف گر پڑے اور نطیحہ وہ جانور ہے جو سینگ لگ کر مر جائے **وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ** یعنی درندے کے کھانے سے جو بچ رہے یہ سب حرام ہیں اس واسطے کہ ذبیحہ طیبہ کا انضباط شارع نے اس صفت کے ساتھ فرمایا ہے کہ جس کے خلق یا گردن پر کسی تیز چیز کا جان نکالنے کے قصد سے استعمال کیا جائے پس اس سے لازم ہوا کہ ان سب صورتوں میں جو اس کے سوا ہیں وہ جانور حرام ہو اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان صورتوں میں اس جانور کا بہتا ہوا خون اس کے تمام بدن میں پھیل جاتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کا تمام گوشت ناپاک ہو جاتا ہے **إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ** یعنی مگر وہ جانور کہ جس کو اس طرح چوٹ لگے یا زخم پہنچ جائے اور ہنوز وہ زندہ ہو اور پھر تم اس کو ذبح کر لو اور جان کا نکلنا ذبح کرنے کی وجہ سے ہو تو وہ حلال ہے **وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ**. یعنی تمہاری قسمت میں جو برائی یا بھلائی ہے' جوئے کے تیروں سے تم اس کا معلوم کرنا چاہو' جاہلیت میں ایسا کیا کرتے تھے کہ کسی بات کے معلوم کرنے کو وہ تیر پھینکا کرتے تھے ایک تیر میں **افعل** یعنی کر اور ایک میں **لا تفعل** یعنی مت کر اور ایک میں غفل یعنی خالی لکھا ہوتا تھا اور اس کے اندر اللہ تعالیٰ پر افترا اور اپنے جہل پر اعتماد پایا جاتا تھا' اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اس سے نہی فرمائی اور آنحضرت ﷺ نے اس بات سے نہی فرمائی ہے کہ نشانہ بازی کے لیے کسی جانور کو زندہ باندھ دیا جائے اور پھر نشانے لگا کر اس کو مار ڈالیں اور اس کا گوشت کھانے سے بھی منع فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں اہل جاہلیت جانوروں کو باندھ کر اس سے نشانہ بازی کیا کرتے تھے۔ اور اس میں بلاضرورت اس جانور کو ستانا تھا اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی یا کسی نعمت کا شکریہ ہوتا تھا اس واسطے اس سے نہی کی گئی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر لکھا ہے' پس جب تم قتل کرو تو اچھے طور پر قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھے طور پر ذبح کرو اور تم میں سے کوئی ہو اس کو چاہیے کہ اپنی چھری کو تیز کر لیا کرو اور اپنے ذبیحہ کو آرام لینے دیا کرو' میں کہتا ہوں قریب تر طریقہ جان کے نکالنے کے اختیار کرنے میں داعیہ رحمت کا اتباع ہے اور یہ وہ خلت ہے جس سے پروردگار عالم راضی ہوتا ہے اور اس پر اکثر مصالح منزلیہ اور مدنیہ موقوف ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کسی جانور کا عضو کاٹا جائے اور حالانکہ وہ زندہ ہو تو اس کو مردہ کا حکم ہے' میں کہتا ہوں وہ لوگ اونٹوں کے کوہان اور اونٹنیوں کی چکدیاں کاٹ لیا کرتے تھے' اور اس میں عذاب دینا تھا اور جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے ذبح کا مشروع کیا تھا اس کے خلاف تھا تو آپ نے اس سے نہی فرمائی' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص چڑیا یا اس سے بڑے جانور کو ناحق مار ڈالے تو اللہ عزوجل اس کے قتل سے استفسار فرمائے گا' آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اور اس کا حق کیا ہے آپ نے فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ اس کو ذبح کرلے اور اس کو کھائے اور یہ نہ کرے کہ اس کے سر کو قطع کر دے پھر اس کو پھینک دے' میں کہتا ہوں کہ اس جگہ دو چیزیں مشتبہ ہیں پس باہم ان کی تمیز ضروری ہے' ایک تو یہ ہے کہ ذبح کرنا حاجت کی وجہ سے ہو اور مصلحت نوع انسانی کے داعیہ کا اتباع ہو اور دوسرا یہ ہے کہ ملک میں نوع حیوانی کے فاسد کرنے میں سعی ہو اور قساوت قلبی یعنی بے رحمی کے داعیہ کا اتباع ہو'

اور معلوم کرو کہ شکار بازی عرب کی عادت اور ان کی عورت فاشیہ تھی کہ شکار بازی منجملہ ان کے ان پیشوں کے جن پر ان کی معاش موقوف ہے ایک پیشہ تھا پس آنحضرت ﷺ نے اس کو مباح کر دیا اور اس کی کثرت میں جو برائی تھی اس کو اپنے اس قول کے ساتھ ظاہر کر دیا۔ **من اتبع الصید لھی** .جس شخص نے شکار کا پیچھا کیا اس نے لہو کام کیا اور شکار کے احکام اس بات پر مبنی ہیں کہ تمام شروط میں شکار کرنا ذبح کرنے پر محمول ہے بجز اس شرط کے کہ جس کا نبھانا دشوار ہے اور اس کے لگانے میں اکثر کوشش شکار کرنے میں بیکار جاتی ہے لہٰذا شکاری جانور کے چھوڑتے یا تیر پھینکتے وقت اللہ کا نام لینا شرط کیا گیا اور شکار کرنے والے کی اہلیت شرط کی گئی اور ذبح کرنا اور حلق یا گردن شرط نہ کیا گیا اور ایک اس بات پر مبنی ہے کہ شکار کرنے کی ذاتیات اس میں پائی جائیں مثلاً سکھائے ہوئے جانور کا قصداً شکار پر چھوڑنا اور اگر یہ بات نہ ہوئی تو اتفاق سے اس شکار کو دبا لینا ہوگا' اور شکار کرنا نہ ہوگا' اور ایک یہ کہ اس شکاری جانور نے اس شکار کو کھا نہ لیا ہو' اور کچھ کھا لیا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ زندہ مل گیا ہو اور اس نے اس کو ذبح کر لیا ہو تب تو وہ حلال ہے ورنہ حرام ہے تا کہ معلم کے معنی پائے جائیں اور **ما اکل السبع** .سے تمیز ہو جائے اور آنحضرت ﷺ سے جب شکار اور ذبائح کے احکام دریافت کیے گئے تو آپؐ نے انہیں اصول کے موافق جواب ارشاد فرمائے' کسی نے عرض کیا کہ ہم اہل کتاب کے ملک کے باشندے ہیں کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا لیا کریں اور ہم شکار کے ملک میں رہتے ہیں اپنی کمان اور اپنے کتے معلم و غیر معلم سے شکار کرتے ہیں تو ہم کو کیا بات مناسب ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب کے برتنوں کا جو تو نے حال بیان کیا پس اگر تم کو اور برتن میسر ہوں تب تو ان برتنوں میں کھاؤ اور اگر میسر نہ ہوں تو انہیں کو دھو کر کھا لیا کرو۔

اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اپنی کمان سے جو تو شکار کرلے اسے کھا لیا کر اور اللہ کا نام لے کر اپنے سدھائے ہوئے کتے سے جو تو شکار کرے اس کو کھا لیا کر اور جو بغیر سدھائے کتے سے شکار کرے اور اس شکار کو زندہ پائے اس کو ذبح کر کے کھالے رسول اللہ ﷺ نے یہ جو فرمایا ہے کہ اگر تم کو اور برتن بہم پہنچیں تو ان میں مت کھایا کرو۔ میں کہتا ہوں اس میں پسندیدہ بات کا قصد کرنا اور وساوس سے دل کا مطمئن کرنا ہے اور کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم سدھے ہوئے کتوں کو چھوڑا کرتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے تو اللہ کا نام لے لیا کر پس اگر وہ کتا شکار کو تیرے لیے پکڑ رکھے اور تو پہنچ کر اس شکار کو زندہ پائے تب تو اس کو ذبح کرلے اور اگر تو اس کو جا کر مرا ہوا پائے اور کتے نے اس کو نہ کھایا ہو تو اس کو کھالے اور اگر کتے نے اس کو کھا لیا ہو تو مت کھا' کیونکہ تجھ کو اس بات کی خبر نہیں کہ ان دونوں میں سے کس نے اس کو مارا ہے' اور کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں شکار کی طرف تیر پھینکتا ہوں اور پھر کل کو وہ تیر اس شکار میں گھسا ہوا مجھ کو ملتا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تجھ کو یقین ہو کہ تیرے تیر سے وہ مرا ہے اور کسی درندہ کا اثر تجھے اس میں نہ معلوم ہو تو اس کو کھالے اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ جب تو اپنے تیر کو پھینکے تو اللہ کا نام لے لیا کر پھر اگر ایک دن تک وہ شکار تجھ کو نہ ملے اور پھر اس کے بعد ملے اور صرف تو اپنے ہی تیر کا اثر دیکھے تو اگر تو چاہے تو اس کو کھالے' اور اگر شکار کو پانی میں ڈوبا ہوا دیکھے تو اس کو مت کھا' اور کسی نے عرض کیا کہ ہم معراض (وہ تیر ہے جس میں بھال اور پر ہوں) مارتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ جو جانور زخمی ہو جائے اس کو کھالے اور جو جانور تیر کی چوڑائی سے چوٹ لگ کے مر جائے تو وہ جانور موقوذہ ہے اس کو مت کھا' اور کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہاں چند قومیں نو مسلم ہیں اور ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں اور

ہم کو نہیں معلوم کہ آیا وہ اس پر اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں' تو آپؐ نے فرمایا تم خود اللہ کا نام لے کر کھا لیا کرو۔

میں کہتا ہوں اس کی اصل یہ ہے کہ حکم ظاہر پر ہوتا ہے' اور کسی نے آپؐ سے عرض کیا کہ ہم کل دشمن سے مقابلہ کرنے والے ہیں اور ہمارے پاس چھری نہیں ہے کیا ہم بانس سے ذبح کریں فرمایا جو چیز خون کو بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اس کو کھا لے بجز دانت و ناخون کے اور ان کا حال میں ابھی تجھ سے بیان کرتا ہوں دانت تو ایک ہڈی ہے اور ناخون جشہ کی چھری ہے' اور ایک مرتبہ ایک اونٹ بھاگ گیا اور ایک شخص نے تیر مار کر اس کو روک لیا تو آپ نے فرمایا اس اونٹ کو وحشی جانوروں کی طرح آدمیوں سے نفرت ہوتی ہے۔ پس اگر ان کی کوئی بات تم کو مجبور کرے تو اس کے ساتھ ایسا ہی کرو' میں کہتا ہوں چونکہ وہ وحشی ہو گیا تو اس کا حکم مثل حکم شکار کے ہو گیا' اور ایک اس بکری کے باب میں آپ سے سوال کیا گیا کہ جس کو ایک چھوکرے نے دیکھا کہ اس پر آثار موت کے طاری ہو رہے ہیں تو اس نے ایک پتھر کو توڑ کر اس کو ذبح کیا' آپ نے اس کے کھانے کا حکم فرمایا' کہا گیا ہے کہ کھانوں میں سے بعض کھانے ایسے ہوتے ہیں کہ جس سے آپ حرج سمجھتے ہیں' فرمایا کہ اپنے دل میں کسی بات کا اختلاج نہ کر اس میں نصرانیت کی مشابہت ہے' عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ اونٹ کو نحر اور گاؤ بکری کو ذبح کرتے ہیں ہم اور ان کے پیٹوں میں ہم بچہ پاتے ہیں اس کو پھینک دیں یا کھا لیں' آپ نے فرمایا اگر تمہارا دل چاہے تو اس کو کھا لو اس کا ذبح وہی ہے جو اس کی ماں کا ذبح ہے۔

کھانے کے آداب

معلوم کرو کہ آنحضرت ﷺ نے کھانے کے اندر آداب سکھائے ہیں جن کو امت کے لوگ عمل میں لایا کریں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **برکة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده** .کھانے کی برکت کھانے سے پہلے کلی کرنے اور اس کے بعد کلی کرنے میں ہے' اور نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **کیلوا طعامکم یبارک لکم** .اپنے غلہ کو ماپ لیا کرو تمہارے لیے برکت دی جائے گی اور فرمایا ہے **اذا اکل احدکم طعامًا فلا یاکل من اعلٰی لصفحة ولکن لیا کل من اسفلها فان البرکة تنزل من اعلاها** .تم میں سے جب کوئی کھانا کھائے تو رکابی کے اوپر سے نہ کھائے بلکہ اس کے نیچے سے کھائے کیونکہ برکت اس کے اوپر سے نازل ہوتی ہے' میں کہتا ہوں کہ برکت کے یہ معنی ہیں کہ نفس سیر ہو جائے اور آنکھوں کو سرور ہو اور دل کو تسلی ہو اور زیادہ حریص نہ ہو جیسے کوئی کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا' اس کا مفصل بیان یہ ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوا کرتا ہے کہ دو شخص ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے پاس سو درہم ہیں مگر ان میں سے ایک کو تو اپنے تنگدست ہو جانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے اور لوگوں کے مال میں اس کو طمع رہتی ہے اور اپنے مال کے خرچ کرنے میں موقع محل نہیں دیکھتا تا کہ اس کو دین یا دنیا کا کچھ نفع ہو' اور دوسرا ایک محتاط آدمی ہے اور جاہل لوگ جانتے ہیں یہ دولت مند آدمی ہے اور میانہ روی سے زندگی بسر کرتا ہے اور اس کا دل مطمئن رہتا ہے' پس دوسرے شخص کے مال میں برکت دی گئی اور پہلے کے مال میں برکت نہ دی گئی اور برکت کے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص اپنی کسی چیز کو اپنی ضرورت میں صرف کرے تو وہ شے اس کے لیے بہ نسبت اپنے مثل کے زیادہ تر کافی ہو گی' اس کی تفصیل ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دو شخص ہیں اور ہر ایک ان میں سے ایک رطل کھانا کھاتا ہے مگر ایک کی طبیعت غذا کو جزو بدن کر لیتی ہے اور دوسرے کے معدہ

میں کچھ آفت ہوتی ہے اور اس کا کھانا اس کے لیے مفید نہیں ہوتا بلکہ مضر ہوتا ہے اور بسا اوقات دو شخصوں کے پاس مال ہوتا ہے' مگر ایک شخص اس مال کو ایسے اسباب کے خریدنے میں صرف کرتا ہے جس میں اس کا زیادہ تر نفع ہے اور تدبیر زندگانی میں موقع محل کا لحاظ رکھتا ہے اور دوسرا شخص اپنے مال کو فضول صرف کرتا ہے اور اس کی ضرورت میں وہ مال کچھ کام نہیں آتا اور ہیات نفسانیہ اور عقائد نفسانیہ کو برکت کے ظاہر ہونے میں ایک قسم کا اثر ہوتا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **فمن اخذها باشراف نفس لم يبارك له فيه و كان كالذى ياكل ولا يشبع**. پس جس شخص نے اس کو حرص نفسانی کے ساتھ لیا اس میں اس کو برکت نہ دی جائے گی اور وہ ایسا ہوگا کہ جیسے کوئی کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ اگر ہوا میں کسی لکڑی کو ٹیک لگا کر رکھ دیا جائے تو اس پر سے چلنے والے کا پیر پھچڑ جاتا ہے اور اگر اسی لکڑی کو زمین پر رکھ دیا جائے تو اس پر سے چلنے والے کا پیر نہیں پھچڑتا' پس جب ایک شخص کسی چیز کی طرف قصد کرتا ہے اور اس کو یہ مقصود ہوتا ہے کہ وہ چیز اس کے لیے کافی ہو جائے اور اس بات پر اپنے نفس کو مطمئن کر دیتا ہے تو یہ اس کی خوشی اور اطمینان خاطر اور قناعت کا سبب ہو جاتا ہے' اور بسا اوقات یہ امر طبیعت کے اندر سرایت کرتا ہے اور وہ طبیعت ضروریات میں اس کو صرف کرتی ہے' پس جب ایک شخص نے کھانے سے پہلے اپنے ہاتھ دھوئے اور جوتا پیروں سے اتار کر علیحدہ کر دیا اور با اطمینان خاطر بیٹھ گیا تو ان باتوں کا اس نے خوب لحاظ کیا اور اللہ کا زبان سے نام لیا تو اس پر برکت کا فیضان ہو جاتا ہے۔ اور جب کوئی شخص غلہ ماپ کر اس کی مقدار اس کو معلوم ہوتی ہے اور میانہ روی کے ساتھ اس کو اپنی ذات پر صرف کرتا ہے تو کم از کم اس کو اس قدر غلہ کافی ہو سکتا ہے' جو دوسروں کے لیے کافی نہیں ہو سکتا' اور جب غلہ کو بے احتیاطی کے ساتھ ڈال دیتا ہے اس سے دل میں اس کی بے قدری ہو جاتی ہے اور اس کے سبب سے وہ ایک بے قدر چیز ہو جاتا ہے اور کم از کم غلہ جو اس کے لیے کافی ہو سکتا ہے' وہ اس غلہ سے جو اوروں کے لیے کافی ہو سکتا ہے زیادہ ہونا چاہیے اور میرے گمان میں یہ بات ضروری ہے کہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ انسان بسا اوقات ایک روٹی حاجت سے زیادہ کھا جاتا ہے یا چلتے پھرتے یا باتیں کرتے اس کو کھا لیتا ہے اور اس کے کھانے پر کچھ اثر نہیں ہوتا اور نہ وہ اس کے بدن میں جزو بدن ہوتا معلوم ہوتا ہے اور نہ اس سے اس کی نیت سیر ہوتی ہے اگرچہ معدہ بھر جائے اور بسا اوقات ایک رطل کے قدر اندازہ سے لیا جاتا ہے' پس حقیقت میں جو ایک رطل سے زیادہ ہے ان کے وجود و عدم یکساں ہوا اور وہ کسی کام میں نہ آیا مگر کچھ مدت کے بعد جب اس غلہ کو دیکھا تو اس کو معلوم ہوا الحاصل برکت کے پائے جانے اور نہ پائے جانے کے اندر اسباب طبعی ہیں جن کے ضمن میں کوئی فرشتہ بزرگ یا شیطان مردود مدد کرتا رہتا ہے اور ان اسباب کی صورت میں روح ملکی یا شیطانی پھونک دی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

اور کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی یہ وجہ ہے کہ اس میں میل دور ہو جاتا ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے کھانے کی بو اور وسومت زائل ہو جاتی ہے اور اس بات کا اندیشہ جاتا رہتا ہے کہ ہاتھوں سے اس کے کپڑے خراب ہوں یا کوئی درندہ اس کے ہاتھ کو چاب ڈالے یا سانپ بچھو وغیرہ کاٹ لے' چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے **من بات و فى يده غمر لم يغسله فاصابه شيى فلا يلومن الا نفسه**. جس کا ہاتھ کھانے میں سنا ہوا اور اس کو بغیر دھوئے ہوئے سو جائے اور پھر اس کو کچھ تکلیف پہنچے تو اس کو چاہیے کہ اپنی ہی ذات کو ملامت کرے اور حدیث شریف میں آیا ہے **اذا اكل احدكم فليا كل بيمينه**

و اذا شرب فلیشرب بیمینہ تم میں سے جب کوئی کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب پیے تو داہنے ہاتھ سے پیئے اور حدیث شریف میں آیا ہے **لا یاکل احدکم بشمالہ فلا یشرب بشمالہ فان الشیطان یاکل بشمالہ ویشرب بشمالہ** تم میں سے کوئی شخص بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور بائیں ہاتھ سے نہ پیئے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور پیتا ہے' اور حدیث شریف میں آیا ہے **ان الشیطان تستحیل الطعام ان یذکر اسم اللہ علیہ** .کھانے پر اللہ کا نام لینے سے شیطان اس کو حلال کر لیتا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم میں سے جب کوئی کھانے پر اللہ کا نام لینا بھول جائے اور کھالے تو اس کو یہ کہنا چاہیے بسم اللہ اولہ وآخرہ اور آنحضرت ﷺ نے ایسے شخص کے لیے فرمایا ہے کہ شیطان برابر اس کے ساتھ کھاتا رہتا ہے اور جب یہ اللہ کا نام لیتا ہے تو جو کچھ اس کے پیٹ میں ہوتا ہے قے کر دیتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے تمام حالات میں شیطان ساتھ رہتا ہے حتیٰ کھانے کے وقت بھی اس کے پاس آ کر موجود ہوتا ہے' پس جب تم میں سے کسی کے پاس لقمہ گر پڑے تو شیطان کے لیے اس کو نہ چھوڑے اور اس لقمہ کو خاک سے صاف کر کے کھالے' میں کہتا ہوں منجملہ ان علوم کے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو عطا فرمائے ہیں' ملائکہ اور شیاطین اور ان کے زمین کے اوپر منتشر رہنے کا علم بھی ان میں سے ہے' ان کا کام ہے کہ ملاء اعلیٰ سے عمدہ باتوں کا فیضان الہام کے طور پر حاصل کر لیتے ہیں اور پھر بنی آدم سے ان الہامات کو بیان کر دیتے ہیں' اور شیاطین کے مزاج میں آراء فاسدہ پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کا میلان انتظاماتِ فاضلہ کے بگاڑنے اور حکم وقار اور طبیعت سلیمہ کے مقتضی کی مخالفت کرنے پر ہوتا ہے' وہ ان الہامات کو حاصل کر کے بنی آدم کی طرف جو ان کے پیرو ہیں بیان کر دیتے ہیں منجملہ شیاطین کے حالات کے یہ بھی ہے کہ خواب یا بیداری میں جب وہ کسی کو متمثل ہوتے ہیں تو ایسی ہیئت میں ان کا ظہور ہوتا ہے جس سے طبیعت سلیمہ کو نفرت ہوتی ہے مثلاً بائیں ہاتھ سے کھانے لنگنے وغیرہ کی صورت میں' اور منجملہ ان احوال کے یہ ہے کہ کبھی شیاطین کے نفس میں ان صفاتِ دنیہ کا انتقاش ہوتا ہے جو بنی آدم کے اندر قوت بہیمیہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں' مثلاً بھوک اور شہوت' جماع وغیرہ' جب یہ صفات ان کے اندر پیدا ہوتے ہیں' پھر ان صفات کے پیدا ہونے کے بعد ان کو ان حوائج کے ساتھ اختلاط اور تلبس اور انسان کو ان حوائج کے وقت جو کام کرنا پڑتا ہے اسی کام کے نقل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور اپنے خیال میں ان افعال کے ساتھ وہ شیاطین اپنی قضائے حاجت کرتے ہیں اس اعتبار سے جو اولاد ایسے جماع سے پیدا ہوتی ہے جس میں شیاطین کی شرکت ہوتی ہے اور اس میں وہ شیاطین اپنی بھی قضائے شہوت کرتے ہیں قلیل البرکت ہوتی ہے اور شیطنت کی طرف اس کو میلان ہوتا ہے اور اسی طرح جس کھانے میں شیاطین کا اشتراک اور ان کی ضرورت کا پورا ہونا ہوتا ہے اس کھانے میں بھی برکت کم ہوتی ہے اس کھانے سے لوگوں کو نفع نہیں حاصل ہوتا بلکہ بسا اوقات وہ مضر ہو جاتا ہے اور اللہ کا نام لینا اور پناہ مانگنا بالطبع ان کی مخالفت کرتا ہے' یہی سبب ہے کہ جو شخص اللہ کو یاد کرے اور اس کی پناہ مانگے شیاطین اس سے ہٹ جاتے ہیں۔

اور ہم کو ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ ہمارا ایک دوست ملاقات کے لیے آیا اور کچھ کھانا اس کے سامنے پیش کیا اس کے کھانے کا ایک ٹکڑا اس کے ہاتھ میں سے گر پڑا اور زمین میں لڑھک گیا وہ شخص اٹھ کر اس کے اٹھانے کو چلا جتنا وہ چلتا تھا اتنا ہی وہ اس سے دور ہوتا جاتا تھا' یہاں تک کہ حاضرین کو کسی قدر تعجب ہوا اور اس کو بھی اس کے پکڑنے میں کسی قدر محنت کرنی پڑی مگر وہ اس کو اٹھا کر

کھا گیا' پھر چند روز کے بعد ایک شخص پر شیطان یعنی جن آ گیا اور وہ جن اس شخص کی زبان سے کلام کرنے لگا' اثناء کلام میں اس نے یہ بھی بیان کیا کہ فلاں شخص پر میرا گذر ہوا وہ کھانا کھا رہا تھا تو مجھ کو وہ کھانا اچھا معلوم ہوا اور اس نے مجھ کو کچھ نہیں کھلایا تو اس کے ہاتھ میں سے میں نے اس کو اچک لیا تو اس نے مجھ سے اس قدر جھگڑا کیا کہ اخیر کو وہ مجھ سے چھین لے گیا' اور ایک مرتبہ ہمارے گھر کے آدمی گاجریں کھا رہے تھے ناگاہ کوئی گاجر اس میں سے گر کر لڑھک گئی جھٹ پٹ ایک شخص اس کو اٹھا کر کھا گیا پھر اس کے سینہ و پیٹ میں درد شروع ہوا اور اس پر جن آ کر بولنے لگا اور اس نے بیان کیا کہ میں نے وہ گری ہوئی گاجر لی تھی' اور اس قسم کی بہت سی باتیں ہمارے کان میں پڑی ہیں جن سے ہم کو یقین ہو گیا کہ یہ احادیث اپنے حقیقی معنی پر محمول ہیں' ان احادیث کے قبیلہ سے نہیں جن میں معنی مجازی مراد ہیں۔ واللہ اعلم

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اذا وقع الذباب فی اناء احدکم فلیغمسه کله ثم لیطرحه فان فی احد جناحیه شفاء و فی الاخر داء و فی روایة انه یتقی بجناحه الذی فیه الداء** جبکہ تمہارے کسی برتن میں مکھی گر پڑے تو سب مکھی کو ڈبا کر پھر اس کو پھینک دے کیونکہ اس کے ایک پر میں شفا اور دوسرے میں بیماری ہے اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ مکھی اس پر سے بچتی ہے جس میں بیماری ہے' معلوم کرو کہ اللہ تعالیٰ نے حیوان کے اندر اس کی طبیعت کو تدبیر بدن کے لیے پیدا کیا ہے' وہ طبیعت بسا اوقات مواد موذیہ کو جو جزو بدن ہونے کی قابلیت نہیں رکھتے اعماق بدن سے اطراف بدن کی طرف دور کر دیتے ہیں' یہی سبب ہے کہ اطباء جانوروں کی دم کھانے سے منع کرتے ہیں اور مکھی بسا اوقات خراب غذا جو جزو بدن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی کھاتی رہتی ہے اور اس کی طبیعت اس مادہ فاسد کو اس کے عضو خسیس کے یعنی پر کی طرف پھینکتی ہے' پھر وہ عضو جس میں مادہ سمیہ ہوتا ہے تالو کی طرف دفع ہوتا ہے اور یہی عضو وقت ہجوم تنگیوں سے مقدم ترین اعضا کا ہوتا ہے اور اللہ کی یہ حکمت ہے کہ جس چیز میں سم رکھا ہے تو اس میں مادہ تریاقیہ بھی رکھا ہے تا کہ اس کے سبب سے وجود انسان کا ہلاکت سے محفوظ رہے اور اگر ہم اس مبحث طبعی کو بیان کریں تو کلام دراز ہو جائے گا' اور حاصل کلام کا یہ ہے کہ مکھی کے کاٹنے کا زہر بعض کھانوں اور بعض غذاؤں کے کھاتے وقت محسوس اور معلوم ہوتا ہے اور جس عضو کی طرف یہ مادہ لذاعہ دفع ہوتا ہے اس کا حرکت کرنا معلوم ہوتا ہے اور طبیعت جن کے اندر وہ چیز جو ان مواد موذیہ کی مقاومت و مقابلہ کرے پوشیدہ ہوتی ہے معلوم ہوتی ہے' پس کون سی چیز ہے جو اس بحث سے مستبعد ہے اور آنحضرت ﷺ نے خوان پر تناول نہیں فرمایا اور نہ پیالے کے اندر اور نہ کبھی باریک و پتلی چپاتی آپ کے لیے پکائی گئی اور نہ کبھی سالم بکری بھنی ہوئی کو دیکھا اور نہ کبھی تکیہ لگا کر آپؐ نے کھایا اور نہ کبھی چھلنی دیکھی بلا بھوسی اور بغیر چھنے ہوئے جو نوش فرماتے تھے' معلوم کرو کہ رسول اللہ ﷺ عرب میں مبعوث کیے گئے اور ان کی عادات درمیانی عادات تھیں اور عجمیوں کے سے تکلفات نہیں کرتے تھے اور ان کا اختیار کرنا عمدہ بات ہے اور ادنیٰ اس کا یہ ہے کہ دنیا میں نہ تعمق کریں اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے نہ اعراض کریں اور نیز صاحبان ملت کے لیے یہ بات پسندیدہ نہیں کہ اپنے امام کے کم اور زیادہ میں پیروی کریں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **ان المؤمن یاکل فی معا واحد و الکافر یاکل فی سبعة امعاء** . بلاشک مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں' میں کہتا ہوں اس کے یہ معنی ہیں کہ کافر کا قصد تو پیٹ کا بھر لینا ہے اور مومن کا قصد اپنی آخرت ہے تو مومن

کو یہی سزاوار ہے کہ کھانے میں کمی کرے اور اس کا کھانے میں کمی کرنا منجملہ خصال ایمان کے ایک خصلت ہے اور کھانے میں شدید الحرص ہونا منجملہ خصال کفر کے ایک خصلت ہے' اور آنحضرت ﷺ نے نہی فرمائی ہے کہ ایک شخص دو چھواروں کو کھانے میں جمع نہ کرے۔ میں کہتا ہوں نہی دو چھواروں کو جمع کرنے کی کئی معنی کی متحمل ہے' از انجملہ ایک یہ ہے کہ دو چھواروں کو جمع کرنے میں مضغ یعنی چابنا اچھی طرح نہ ہوگا اور یہ صورت سب سے کم ہے کہ خوب ضبط نہ ہونے کی وجہ سے دو گٹھلیاں اس کو تکلیف دیں گی بخلاف اس کے جب ایک ہی گٹھلی ہو' اور ایک یہ ہے کہ یہ ہیئت منجملہ ہیئت شدت وحرص کے ہے اور ایک یہ ہے کہ اس میں اپنے آپ کو دوستوں پر اختیار کر لینا ہے اور اس بات کا احتمال ہے کہ اس کے مصاحب اس بات کو برا سمجھیں مگر ہاں جبکہ وہ اپنے مصاحبوں سے اس بات میں اجازت لے لے تو کچھ مضائقہ نہیں' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لایجوع اهل بیت عندهم التمر**. جن کے ہاں چھوارے ہیں ان کے گھر کے لوگ بھوکے نہ مریں گے اور نیز فرمایا ہے **بیت لاتمر جیاع اهله**. جس گھر میں چھوارے نہیں اس کے گھر والے بھوکے مریں گے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **نعم الادام الخل**. کہ بہتر سالنوں کا سرکہ ہے' میں کہتا ہوں کہ تدبیر منزل اس میں ہے کہ اپنے گھر میں کچھ چیز جمع کرلے جو بازار میں ارزاں ہو جیسے مدینہ میں چھوہارے اور ہمارے ملک کے دیہات میں گاجروں کی جڑیں وغیرہ' پس اگر کھانا جس کی طرف طبیعت رغبت کرتی ہے پائے فبہا' ورنہ جو چیز اس کے پاس ہو وہی اس کی روزی اور ستر ہو جائے گا' پھر اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو بھوک کے وقت تکلیف اٹھائیں گے اور یہی حال سالنوں کا ہے' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من اکل ثوما اوبصلا فلیعتزلنا**. جو شخص لہسن یا پیاز کھائے تو وہ ہم سے جدا رہے اور ایک ہانڈی آپ کے سامنے پیش کی گئی جس میں وہ ترکاریاں تھیں جن میں بو آتی ہے تو آپ نے ایک صحابیؓ سے فرمایا کہ تم کھاؤ میں اس کو نجات دیتا ہوں جس کو تو نہیں دیتا' میں کہتا ہوں ملائکہ لطافت اور پاکیزگی کو محبوب جانتے ہیں اور ہر ایک اس چیز کو جو عادت پاکیزہ کو برانگیختہ کرے اور اس کے خلاف سے نفرت کرتے ہیں' اور آنحضرت ﷺ نے درمیان شریعت محسنین کے جن میں انوار ملکیت کے چمکتے رہتے ہیں اور مابین ان کے غیر کے فرق کر دیا ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ سے جو ایک لقمہ کھائے اور اس پر اللہ کا شکر کرے اور ایک گھونٹ پانی پیئے اور اس پر اللہ کا شکر کرے راضی ہوتا ہے' اس کا راز سابقاً گذر چکا ہے اور حمد کے باب میں چند طریقہ مروی ہیں جونسا بجالایا اس نے سنت کو ادا کر دیا' از انجملہ یہ ہے' **الحمدلله حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه غیر کفی ولا مودع ولا مستغناً عنه ربنا** اور از انجملہ یہ ہے **الحمدلله الذی اطعم وسقی وسوغه وجعله مخرجاً**. اور ہر ماہ مہمانی کرنا منجملہ اسباب جوانمردی کے ایک باب ہے اور عادت مدنیہ وملیہ کے جمع کرنے کے لیے ایک سبب ہے اس کی وجہ سے مابین آدمیوں کے دوستی ہوتی ہے اور مسافر لوگ کچھ ضرر نہیں پاتے تو اس کا باب زکوٰۃ میں شمار کرنا ضروری ہوا' اور ضروری ہے کہ اس میں رغبت اور حرص دلائی جائے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من کان یومن بالله والیوم الاخر فلیکرم ضیفه**. جو شخص اللہ تعالیٰ اور دن آخرت پر ایمان لائے تو چاہیے کہ اپنے مہمان کی خاطر کرے۔ اب یہ حالت لاحق ہوئی کہ مہمان نوازی کی مدت معین کی جائے تا کہ مہمان کے سبب سے میزبان کو دقت نہ واقع ہو یا مہمان تھوڑے کو بہت نہ شمار کرے لہٰذا ایک رات دن اس کی خاطر داری کی مدت مقرر کی گئی اور وہ بمنزلہ صلہ کے ہے اور منتہا مدت تین روز مقرر کیے گئے۔

مسکرات کا بیان

معلوم کرو کہ نشہ آور چیز کے کھانے سے عقل کا زائل کرنا لامحالہ عند العقل ایک قبیح فعل ہے اس لیے کہ اس میں نفس کو ورطہ بہمیت میں ڈال دینا اور ملکیت سے نہایت درجہ بعید ہو جانا ہے اور نیز اس میں خلق الٰہی کی تغییر ہے اس لیے کہ اس شخص نے اپنی عقل کو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کو مخصوص وممنون کیا ہے بگاڑ دیا اور نیز اس میں مصلحت منزلیہ اور مدنیہ کا بگاڑنا اور مال کا ضائع کرنا اور ہیئات قبیحہ کا اپنے اوپر طاری کرنا اور مضحکہ اطفال بننا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان سب باتوں کو صراحتاً اور اشارتاً اس آیت کریمہ میں جمع فرمایا ہے: **اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ** الآیۃ' یہی سبب ہے کہ تمام ملل ونحل کا یقیناً اس کی قباحت پر اتفاق ہے اور بعض فاقد البصیرت لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ حکمت عملیہ کے اعتبار سے وہ ایک عمدہ چیز ہے کیونکہ طبیعت کی تقویت ہوتی ہے' ان کا یہ گمان حکمت طبیہ کی حکمت عملیہ کے ساتھ اشتباہ کے قبیلہ سے ہے اور تحقیق یہ ہے کہ وہ دونوں متغائر ہیں اور اکثر اوقات ان دونوں میں کشاکشی اور تنازع پیدا ہو جاتا ہے' مثلاً قتال ایسی چیز ہے کہ طب کے اعتبار سے منع ہے کیونکہ اس میں بدن انسانی کا قطع کرنا ہے' طب کے اعتبار سے جس کی حفاظت واجب اور ضروری ہے اور اصلاح ملک یا عار شدید کے دور کرنے کی غرض سے حکمت عملیہ بسا اوقات اس کو ضروری جانتی ہے' اسی طرح جماع ایک ایسی چیز ہے کہ غلبہ شہوت اور اس کے چھوڑنے سے ضرر کے اندیشہ کی صورت میں حکمت طبیہ اس کو واجب کرتی ہے۔ اور بسا اوقات عار کے لاحق ہونے یا سنت راشدہ کی مخالفت پائے جانے سے حکمت عملیہ اس کو حرام سمجھتی ہے اور ہر فرقہ اور ہر قرن کے دانشمند لوگوں کے نزدیک مصلحت کو طب پر ترجیح ہے اور یہ عقلاء لوگ اس شخص کو جو مصلحت سے نفع نہ حاصل کرے اور صحت جسمانی حاصل کرنے کے لیے اس کی پابندی چھوڑ دے بالاتفاق فاسق وفاجر اور بدکردار جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس آیت میں اس بات کی تعلیم فرمائی ہے **فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا** ان دونوں میں گناہ عظیم ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے' البتہ نشہ آور چیز کے استعمال کرنے میں جس صورت کے اندر حد سکر کو نہ پہنچے اور اس پر مفاسد مترتب نہ ہوں عقلاء کا اختلاف ہے اور شریعت مستحکمہ محمدیہ جو سیاست اُمت وفساد کے اسباب بند کرنے اور احتمال تحریف کے قطع کرنے میں درجہ کمال کا رکھتی ہے اس نے اس بات کا لحاظ فرمایا کہ تھوڑی شراب بہت سی کی طرف پہنچاتی ہے اور جب تک نفس کو شراب سے نہی نہ کی جائے مفاسد سے نہی کرنا کچھ مؤثر نہیں ہے' اس کے لیے مجوس وغیرہ کا پورا حال شاہد ہے اور نیز اگر بعض شراب کی اجازت کا دروازہ مفتوح کر دیا جائے تو سیاست ملیہ کا انتظام ہرگز نہیں ہو سکتا لہٰذا مطلق شراب کے ساتھ حرمت متعلق کی گئی خواہ قلیل ہو یا کثیر حدیث شریف میں آیا ہے **لعن اللّٰہ الخمر وشاربها وساقيها وبايعها ومتباعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها ومحموله اليه** شراب پر اور اس کے پینے

والے اور پلانے والے اور بیچنے والے اور خریدنے والے اور نچوڑنے والے اور نچڑوانے والے اور منگوانے اور لانے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے' میں کہتا ہوں جب ایک چیز کے حرام کرنے اور اس کے نیست و نابود کرنے میں مصلحت قرار پائی اور اس کی بابت حکم الٰہی نازل ہو گیا تو ضرور ہوا کہ تمام ان چیزوں سے نہی کی جائے جن سے اس کی قدر اور لوگوں میں دستور اور رغبت پائی جائے' کیونکہ اس میں اس مصلحت کی مخالفت اور شرع کے ساتھ عداوت ہے اور آنحضرت ﷺ اور آپ ؐ کے صحابہؓ سے بہت سی احادیث بے شمار طریقوں اور مختلف عبارتوں سے منقول ہیں چنانچہ آپ ؐ نے فرمایا: **الخمر من هاتين الشجرتين النخله و العنبة.** شراب ان دو درختوں سے بنتی ہے چھوارے کا درخت اور انگور کا درخت۔

اور ایک شخص نے اپنے تبع اور مرز وغیرہ کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا جو نشہ لائے وہ حرام ہے اور آپ ؐ نے فرمایا ہر نشہ آور شراب حرام ہے اور نشہ آور حرام ہے اور جو چیز بہت ساری نشہ لائے وہ تھوڑی سی بھی حرام ہے اور جس کا ایک پیالہ نشہ لائے اس کا ایک چلو بھی حرام ہے اور جن لوگوں نے نزول آیت کا مشاہدہ کیا ان کا قول ہے کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی اس وقت میں شراب پانچ چیزوں سے بنا کرتی تھی انگور چھوارہ گیہوں' جو' شہد' اور خمر یعنی شراب اس چیز کا نام ہے جو عقل کو مخمور کر دے اور انہیں کا قول ہے کہ جب شراب حرام کی گئی تو شراب انگوری بہت کم میسر ہوتی تھی اور اکثر شراب گدر چھوہاروں یا خشک چھوہاروں کی ہوا کرتی تھی۔ اور جب آیت کا نزول ہوا ہے تو لوگوں نے شراب کے مٹکے جو گدر چھوہاروں کے بنے ہوئے تھے پھوڑ ڈالے اور قوانین شرع کا یہی مقتضیٰ ہے کہ مطلق شراب حرام ہو اس لیے کہ شراب انگوری کے خاص ہونے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں' حرام ہونے کی وجہ صرف عقل کا زائل کرنا اور قلیل کا کثیر کی طرف داعی ہونا' لہٰذا مطلق شراب کی حرمت کا قائل ہونا ضروری ہوا' اور اس زمانہ میں کسی شخص کو جائز نہیں کہ جو شراب انگور سے نہ بنائی جائے یا حد اسکار (نشہ لانا) سے کم استعمال کی جائے اس کی حلت کا قائل ہو۔ البتہ چند صحابہؓ اور تابعین کو شروع شروع میں یہ حدیث نہ پہنچی تھی اس لیے وہ معذور تھے۔ اور جب یہ حدیث تمام میں پہنچ گئی اور نصف النہار کے مانند یہ بات ظاہر اور عیاں ہو گئی اور یہ حدیث صحت کے درجہ کو پہنچ گئی **ليشربن ناس من امتى بخمر يسمونها بغيرا سمها.** بلاشبہ میری امت کے لوگ شراب پیا کریں گے اور شراب کے سوا اور کچھ اس کا نام رکھیں گے' تو اب کوئی عذر باقی نہیں ہے۔ **اعاذنا الله منها والمسلمين من ذالك.**

اور آنحضرت ﷺ سے کسی شخص نے شراب سے سرکہ بنانے کی نسبت سوال کیا تو آپ نے اس کو منع فرمایا' اس سائل نے کہا میں دوا کے لیے اس کو بناتا ہوں تو آپ نے فرمایا وہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے' میں کہتا ہوں چونکہ لوگ شراب کے حریص تھے اور اس کے پینے کے لیے حیلے کیا کرتے تھے اس لیے مصلحت تامہ اس میں ٹھہری کہ بہر حال اس سے نہی کی جائے تاکہ کسی کو کوئی حیلہ اور عذر باقی نہ رہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے نبیذ تمر اور لبر یعنی گدر چھوارے اور نبیذ کشمش اور چھوارے اور نبیذ زہو اور رطب سے منع فرمایا اور زہو ان گدر چھواروں کو کہتے ہیں جن میں سرخی نمودار ہو جائے اور رطب تازہ پکے ہوئے چھواروں کو کہتے ہیں' میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ ملانے کے سبب سے مزہ بدلنے سے پہلے ہی ان چیزوں میں نشاط پیدا ہو جاتا ہے جس کے سبب سے پینے والے کو گمان ہوتا ہے کہ وہ مسکر نہیں ہے حالانکہ وہ مسکر ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ جب کسی چیز کو پیا کرتے تھے تو تین سانسوں سے پیا کرتے اور فرماتے

تھے کہ اس سے سیرابی خوب ہوتی ہے اور کچھ تکلیف نہیں ہوتی اور طبیعت کو خوب گوارا ہوتا ہے' میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ معدہ میں جب تھوڑا تھوڑا پانی پہنچتا ہے تو طبیعت جہاں اس کو ضروری سمجھتی ہے اچھی طرح صرف کرتی ہے اور جب دفعتاً بہت سا پانی اس پر غلبہ کرتا ہے تو اس کے اندر صرف کرنے میں متحیر ہو جاتی ہے' بارد المزاج آدمی کے معدہ میں جب بہت سا پانی دفعتاً پہنچتا ہے تو مقدار کثیر کی مزاحمت واقع ہونے سے اس کی قوت ضعیف ہو جاتی ہے بخلاف اس صورت کے کہ بتدریج اس قدر پانی پہنچے اور حار المزاج آدمی کے معدہ میں جب دفعتہً پانی پہنچتا ہے تو ان دونوں میں مدافعت ہوتی ہے اور برودت پورے طور پر حاصل نہیں ہوتی تا کہ عمدہ طور پر اس کی سیرابی ہو اور جبکہ بتدریج پانی پیتا ہے تو اولاً مزاحمت ہوتی ہے اور بعد کو پھر برودت کو غلبہ ہو جاتا ہے' اور آنحضرت ﷺ پانی کے برتن سے منہ لگا کر پانی پینے سے اور مشک وغیرہ کے دہانے اور لوٹے کے پانی پینے سے منع فرمایا ہے' میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ جب مشک کا منہ دہرا کر کے کوئی شخص اس سے پانی پیئے تو پانی اس میں سے اچھل کر دفعتاً اس کی حلق میں پہنچے گا اور اس سے درد جگر پیدا ہو جاتا ہے اور معدہ کو ضرر پہنچتا ہے اور نیز پانی کے دفعتہً منہ میں آنے سے تنکا وغیرہ متمیز نہیں ہوتا' اور منقول ہے کہ ایک شخص نے مشک کو منہ لگا کر پانی پیا تھا تو ایک سانپ اس کے حلق میں پانی کے ساتھ ساتھ چلا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پانی پیا' میں کہتا ہوں کہ یہ نہی تادیب اور ارشاد کے لیے ہے' کیونکہ بہترین صورت بیٹھ کر پینا ہے اور سیرابی اور نفس کو سیری اس سے عمدہ طرح حاصل ہوتی ہے اور طبیعت کی اس پانی کو محل پر صرف کرنے کی بہترین صورت یہی ہے اور آنحضرت ﷺ کا فعل بیان جواز کے لیے' اور آپؐ نے فرمایا **الایمن فلایمن** . داہنی طرف کا پس داہنی طرف کا ہے' میں کہتا ہوں اس سے آپ کی مراد قطع منازعت ہے اس لیے کہ اگر افضل کا مقدم کرنا مقرر کیا جاتا تو اکثر ایسا ہوتا کہ ایک شخص کی فضیلت کو سب لوگ نہ مانتے اور بسا اوقات ایک کے مقدم کرنے سے دوسرے کو ملال پہنچتا اور آنحضرت ﷺ نے برتن میں سانس لینے یا اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے' میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ پھونکنے یا سانس لینے سے منہ یا ناک سے کسی ناگوار چیز کے گرنے کا خیال ہوتا ہے جس کے سبب سے ایک ہیئت قبیحہ پیدا ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **سمعوا اذا انتم شربتم واحمدوا اذا انتم رفعتم** . جب کوئی چیز پیو تو بسم اللہ پڑھا کرو اور جبکہ تم کھانا اٹھایا کرو تو اللہ تعالیٰ کا شکر کیا کرو' اس کا راز ہم بیان کر چکے ہیں۔

لباس اور زینت اور ظروف وغیرہ کا بیان

معلوم کرو کہ رسول اللہ ﷺ نے عجم کی عادات اور لذائذ دنیاوی کے اندر منہمک ہونے میں ان کے تکلفات پر نظر ڈالی تو ان میں سے جو سب کی جڑ اور سب کی اصل ہیں ان کو حرام کیا اور جو ان سے کم درجہ کے تکلفات ہیں ان کو مکروہ کیا اس لیے کہ آپ جانتے تھے کہ یہ چیزیں دار آخرت بھلانے والی اور طلب دنیا کی کثرت سے مستلزم ہیں منجملہ ان اصول کے لباس فاخرہ ہے کیونکہ سب سے زیادہ ان کو اسی کا اہتمام ہوتا ہے اور اسی سے ان کو بڑا فخر ہوتا ہے اور اس نے کئی طرح پر بحث کی گئی ہے از انجملہ کرتے اور ازار کا بہت نیچا کرنا ہے کیونکہ اس سے ستر اور زیبائش جو لباس سے مقصود ہوتی ہے ان کو مقصود نہیں ہوتی بلکہ صرف فخر اور اپنی تو نگری وغیرہ دکھانا

مقصود ہوتا ہے اور زیبائش صرف اسی قدر میں ہے جو بدن کے برابر ہو' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لاینظر الیه یوم القیامة الی من جرازاره بطرا**. جو شخص اترانے کی غرض سے اپنی ازار کو کھینچتا چلے تو قیامت کے دن اللہ پاک اس کی طرف نظر نہ کرے گا' اور نیز فرمایا ہے **ازار المومن الی انصاف ساقیه لاجناح علیه فیما بینه و بین الکعبین وما اسفل من ذالك ففی النار**. مومن کی ازار اس کی پنڈلیوں کے نصف نصف تک ہوتی ہے' نصف اور ٹخنوں کے مابین جو کچھ ہو اس پر مضائقہ نہیں اور جو اس سے نیچی ہے تو وہ آگ میں ہے اور از انجملہ نہایت نادر اور نازک قسم کے کپڑے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبس یوم القیامة**. جس نے دنیا میں حریر پہن لیا تو وہ قیامت کے دن اس کو نہ پہنے گا' اس کی وجہ وہی ہے جو ہم شراب میں بیان کر چکے۔ حریر اور دیبا کے پہننے اور قسی اور میاثر اور ارجوان کے پہننے سے منع فرمایا ہے اور بقدر دو انگشت یا تین کے اجازت دی ہے کیونکہ اس قدر استعمال کرنا پہننے میں داخل نہیں ہے قسی وہ کپڑا ہے جو کتان وحریر سے بنا جاتا ہے میاثر مثیرہ کی جمع ہے' مثیر ایک چھوٹا تکیہ ہوتا ہے جس کو سوار اپنے نیچے رکھ لیتا ہے شاید اس سے یہاں وہ تکیہ مراد ہے جو حریر سے بنا ہوا ہو یا نہی تکلف سے ہے' ارجوان ایک سرخ رنگ ہے اور یہاں سرخ کپڑا مراد ہے' اور آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو حریر کے پہننے کی اجازت فرمائی اس لیے کہ ان کے بدن میں خارش ہو گئی تھی اور اس کے پہننے سے ترفع مقصود نہ تھا بلکہ خارش کا جاتا رہنا مقصود تھا' اور از انجملہ وہ کپڑا ہے جو کسی ایسے رنگ سے رنگا ہو جس سے سرور وفخر پیدا ہوتا ہے اور اس میں دکھاوا پایا جاتا ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے کسم کے رنگے ہوئے اور زعفرانی کپڑے سے نہی فرمائی اور فرمایا کہ یہ درختوں کے لباس میں سے ہے اور نیز آپؐ نے فرمایا **الاطیب الرجال ریح الالون له وطیب النساء لون لاریح له**' خبردار ہو جاؤ کہ مردوں کی خوشبو وہ ہے جس میں رنگ نہ ہو اور عورتوں کی خوشبو وہ رنگ ہے جس میں خوشبو نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات میں **البذاذة من الایمان**. زینت کا ترک کرنا ایمان سے ہے اور **من لبس ثوب شهرة فی الدنیا البسه الله ثوب مذلة یوم القیامة**. جس نے شہرت کے لیے دنیا میں کپڑا پہنا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ذلت کا کپڑا پہنائے گا' اور ان ارشادات میں کچھ مخالفت نہیں ہے کہ **ان الله یحب ان یری اثر نعمته علی عبده**. اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسندیدہ ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندہ پر نظر آئے' اور آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کے سر کو منتشر دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے بالوں کو درست کر لے' اور ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے کپڑے کو دھولے اور آپ نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تجھ کو مال دے تو مناسب ہے کہ اس کا انعام واکرام تیرے اوپر نظر آئے' ان احادیث میں اختلاف نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں دو امر ہیں اور وہ فی الحقیقت مختلف ہیں مگر بظاہر ان میں اشتباہ ہوتا ہے' ان میں سے ایک تو صفت مذمومہ ہے۔ اور ایک شارع کو مطلوب ومقصود ہے' مطلوب تو بخل کا ترک کرنا ہے' اور لوگوں کے درجات مختلف ہونے سے اس میں بھی اختلاف ہوتا ہے' مثلاً جو چیز ملوک کے اعتبار سے بخل میں داخل ہوتی ہے فقراء کے اعتبار سے وہ اسراف میں داخل ہوتی ہے اور نیز شارع کو جنگلی اور ملحق بالبہائم (بہائم' جانور) کی عادات کا ترک کرنا اور پاکیزگی اور پسندیدہ اخلاق کا اختیار کرنا مطلوب ہے اور مذموم تکلفات اور دکھاوے کے لیے کپڑا پہننا اور کپڑوں سے باہم فخر کرنا اور فقراء کی دل شکنی کرنا

وغیرہ امور ہیں اور الفاظ حدیث میں ان معانی کی طرف اشارے واقع ہوئے ہیں جیسا کہ متامل پر واضح ہے اور جزا کا مدار داعیہ تکبر اور فخر کے اتباع سے نفس کے باز رکھنے پر ہے اور آنحضرت ﷺ جب کوئی جدید لباس پہنتے تھے اس کا نام عمامہ یا کرتہ یا چادر لے کر فرماتے تھے **اللھم لک الحمد کما کسوتنیہ اسئلک خیرہ وخیر ما سمع لہ واعوذبک من شرہ و شرما سمع لہ** .اس کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے اور منجملہ ان اصول کے اعلیٰ درجہ کا زیور ہے اور یہاں دو اصل ہیں ایک تو یہ ہے کہ سونا ایک ایسی چیز ہے جس پر عجمی لوگ فخر کرتے ہیں اور اگر سونے کے زیور پہننے کا دستور جاری ہو تو کثرت سے طلب دنیا کی ضرورت پڑے بخلاف چاندی کے اس لیے آنحضرت ﷺ نے سونے کی بابت تشدد فرمایا۔

اور فرمایا **ولکن علیکم بالفضہ فالعبوا بھا** .مگر تم چاندی کو اختیار کرو پس اس سے کھیلا کرو دوسری اصل یہ ہے کہ عورتوں کو آراستگی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تا کہ ان کے خاوندوں کو رغبت ہو یہی سبب ہے کہ تمام عرب و عجم میں بہ نسبت مردوں کے عورتوں کی آراستگی کا زیادہ تر دستور ہے اس لیے ضروری ہوا کہ بہ نسبت مردوں کے عورتوں کو زیادہ تر زینت کی اجازت دی جائے لہٰذا حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا **اصل الذھب والحریر لاناث من امتی وحرم علی ذکورھا** سونا اور حریر میری امت کی عورتوں کو حلال اور مردوں کو حرام کیا گیا ایک شخص کے ہاتھ میں آنحضرت ﷺ نے سونے کی انگوٹھی دیکھ کر فرمایا تم میں سے کوئی شخص آگ کے انگارہ کا ارادہ کر کے اس کو اپنے ہاتھ میں کر لیتا ہے چاندی کی انگوٹھی کو مردوں کے لیے بھی آپ نے اجازت عطا فرمائی ہے خاص کر صاحب حکومت کے لیے اور فرمایا کہ برابر ایک مثقال کے اس کو مت پورا کر۔ اور آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو سونے غیر مقطع سے منع فرمایا اور غیر مقطع وہ ہے جو ایک ہی ٹکڑے سے بنی ہو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا اور جو کوئی اپنے دوست کو آگ کا حلقہ پہنانا چاہے تو وہ اس کو سونے کا حلقہ پہنائے **من احب ان یحلق حبیبہ حلقۃ من النار فلیحلقہ حلقۃ من ذھب** .اور اسی قاعدہ پر ہنسلی اور کنگن کو ذکر کیا اور اسی طرح سونے کے ہار اور نیز سونے کی کان کی بالیوں اور سونے کے توڑے کے بارے میں تصریح آئی ہے اور آنحضرت ﷺ نے اس حکم کی وجہ بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ آگاہ ہو جاؤ تم میں سے کوئی عورت دکھانے کے لیے زیور نہیں پہنتی مگر اسی زیور سے وہ عذاب دی جائے گی حضرت ام سلمہؓ کے پاس سونے کی ایک ہیکل تھی اور ظاہر یہ ہے کہ وہ مقطع کے قبیلہ سے تھی اور آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا ہے کہ عورتوں کے لیے سونا حلال ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ فی الجملہ حلال ہے یہ جو کچھ کہ ہم نے بیان کیا ان احادیث کا مفہوم ہے اور مجھ کو ان احادیث کا کوئی معارض نہیں ملا اور فقہاء کا جو اس میں مذہب وہ معلوم و مشہور ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

از انجملہ بالوں کی زینت ہے اس کے اندر لوگوں کے مختلف طریقے تھے مجوس تو اپنی داڑھیوں کو ترشواتے اور مونچھوں کو بڑھاتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کا طریقہ اس کے خلاف تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا **خالفوا المشرکین او فروا اللحی واحفوا الشوارب** .مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو خوب ترشواؤ اور کچھ لوگ پراگندہ حال رہنے اور ذلت اور ہیکت رہنے کو پسند کرتے تھے اور آرائش و زینت سے ان کو نفرت تھی اور کچھ لوگ آرائش میں نہایت تکلف کرتے تھے اور اس کو ایک فخر کی بات سمجھتے تھے اور دوسرے لوگوں کو ذلیل سمجھتے تھے پس ان سب کے طریقوں کا نیست و نابود کرنا منجملہ مقاصد

شرعیہ کے ٹھہرا' کیونکہ شرائع کا مبنیٰ افراط اور تفریط کے مابین حالت پر اور ان دونوں مصلحتوں کے جمع کرنے پر ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **الفطرة خمس الختان والاستحداد وقص الشارب وتقليم الاظفار وقنت الابط فطرة** . پانچ چیزیں فطرت ہیں ختنہ کرنا اور موئے زیر ناف لینا اور مونچھ کا ترشوانا اور ناخنوں کا ترشوانا اور بغل کے بالوں کا اکھاڑنا' پھر اس کے معین کرنے کی ضرورت پڑی تا کہ اس طریقے کے مخالف انکار متوجہ ہو سکے اور ایسا نہ ہو کہ متورع لوگ ہر روز بال مونڈا کریں اور اکھیڑا کریں اور متہاون لوگ سال بھر تک خبر نہ ہوا کریں' لہٰذا موچھوں کے اور ناخنوں کے ترشوانے اور بغل کے بال اکھاڑنے اور زیر ناف بال مونڈنے کی یہ مدت مقرر کی گئی کہ چالیس روز سے زیادہ دیر نہ کرے' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: **ان اليهود والنصارىٰ لايصبغون فخالفوهم** . یہود و نصاریٰ نہیں رنگتے ہیں پس تم ان کو مخالفت کرو۔ یعنی تم حنا سے رنگا کرو' اور اہل کتاب سدل کیا کرتے تھے اور مشرک لوگ فرق کیا کرتے تھے پس آنحضرت ﷺ نے اوّل سدل کیا اور بعد کو فرق کیا' سدل کے معنی پیشانی کے بالوں کا منہ پر چھتار کھنا اور یہ ایک بیکتی کی صورت ہے اور فرق بالوں کے دو حصے کر کے ہر حصہ کو کنپٹی کی طرف پہنچا دینے کو کہتے ہیں' اور آنحضرت ﷺ نے پٹھے رکھنے سے منع فرمایا کیونکہ یہ ہیئت شیطانی اور ایک قسم کا مثلہ ہے جس کو تمام نفوس بجز ان کے جو اس کے عادی ہو کر ماؤف ہو گئے ہیں مکروہ جانتے ہیں' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من كان له شعر فليكرمه** . جس کسی کے بال ہوں تو ان کی عزت کرنی چاہیے' اور آنحضرت ﷺ نے کنگھی کرنے سے بجز تیسرے روز کے منع فرمایا ہے' اس سے آپ کی مراد افراط و تفریط میں توسط ہے اور نیز آپ نے فرمایا ہے **لعن الله الواشحات والمتوشحات والمتنحصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله** . گودنے والیوں اور گدوانے والیوں اور منہ کے بال اکھڑوانے والیوں اور خوبصورتی کے لیے دانتوں کو رتوانے والیوں پر جو خلق الٰہی کو بدلتی ہیں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے' اسی طرح آنحضرت ﷺ نے زنانے مردوں اور مردانی عورتوں پر لعنت کی ہے' میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نوع اور ہر صنف کو اس کے بدن میں ظہور احکام کا مقتضی بنایا ہے مثلاً مردوں کے اندر داڑھی وغیرہ کا شوق اور عورتوں کے اندر خوشی اور سرور کی باتیں سننے کی رغبت پیدا کی ہے پس اپنی استعداد کے اعتبار سے جو اس کے مادہ میں پائی جاتی ہے کچھ احکام کا مقتضی ہونا بعینہ ان احکام کی اضداد سے نفرت کرنا ہوتا ہے لہٰذا ہر نوع اور ہر صنف کا اس کے مقتضائے فطرت کے موافق باقی رہنا پسندیدہ ہوا' اور تغییر خلق اللہ لعنت کا سبب ٹھہرا' یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خچر پیدا ہونے کے لیے گھوڑی کو گدھے سے گابھن کرانے سے نہی فرمائی ہے' مگر بعض قسم کی آرائش تو ایسی جس میں طبیعت کے فعل کی تقویت اور اس کی تائید اور اس کی پیروی ہوتی ہے مثلاً سرمہ لگانا اور کنگھی کرنا اور یہ آرائش پسندیدہ چیز ہے اور بعض قسم کی آرائش فعل طبیعت کے مخالف ہوتی ہے جیسے انسان کو حیوانات کی ہیئت بنانا اور بعض قسم کی وہ زینت ہے جس میں تکلف کر کے نئی نئی چیزوں کا ایجاد پایا جائے طبیعت جن کی مقتضی نہیں ہے' اس قسم کی آرائش بھی ناپسندیدہ ہے' اگر انسان کو اس کی فطرت کے ساتھ چھوڑ دیا جائے تو انسان ضرور اس کو مثلہ خیال کرے' اور از اں جملہ کپڑوں اور دیواروں اور فروش میں تصاویر کا بنانا ہے آنحضرت ﷺ نے اس سے نہی فرمائی ہے اور اس نہی کا مدار دو باتوں پر ہے ایک تو یہ کہ اس میں ترفہ اور آرائش کی صورت ہے اس واسطے کہ وہ لوگ تصاویر سے فخر کیا کرتے تھے اور مال کثیر اس میں صرف کیا کرتے تھے۔

پس اس کا حال بھی حریر کے مانند ہوا' اور یہ امر درخت وغیرہ کی تصویر میں بھی موجود ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تصاویر میں مشغول رہنا اور ان کا بنانا اور ان کی طرف رغبت کرنے کا دستور جاری ہونا یا سا امر ہے کہ اس سے بت پرستی کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے اور اس میں بتوں کی عظمت اور بت پرستوں کے لیے ان کی یاد دہانی اور اکثر امتوں میں بت پرستی کے جاری ہونے کا منشا یہی واقع ہوا ہے اور یہ بات صرف حیوانات کی تصویر میں پائی جاتی ہے' اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے مورتوں کے سر کاٹنے کا حکم دیا ہے تا کہ وہ درخت کی صورت پر ہو جائیں اور درختوں کی تصویر میں اس قدر قباحت نہیں لازم آتی اور فرمایا ہے **ان بیت الذی فیہ الصورة لاتدخلہ الملائکۃ** جس گھر میں تصویر ہوتی ہے اس میں فرشتے نہیں آتے اور فرمایا ہے **کل مصور فی النار یجعل لہ بکل صورۃ صورھا نفسا فیعذبہ فی جھنم** ہر مصور آگ میں ہے جو جو تصویر اس نے بنائی ہے ہر ایک کے بدلہ میں اس کے لیے ایک نفس مقرر کیا جائے گا' وہ نفس اس کو جہنم کے اندر عذاب دے گا' اور فرمایا ہے **من صور صورۃ عذب وکلف ان ینفخ فیہ ولیس بنافخ** جس نے کوئی مورت بنائی ہے اس کو عذاب دیئے جائیں گے اور کہتے جائیں گے کہ اس میں جان ڈال اور وہ جان نہ ڈال سکے گا' میں کہتا ہوں چونکہ تصاویر کے اندر بتوں کے معنی پائے جاتے ہیں اور ملاء اعلیٰ میں بتوں اور بت پرستوں پر لعنت اور غضب کا اقتضا پایا جاتا ہے تو ضرور ہے کہ ملائکہ کو ان سے نفرت ہو اور جب تمام لوگ قیامت کے روز اپنے اپنے اعمال کے ساتھ اٹھائے جائیں گے تو اس روز مصور کا عمل ان نفوس کی صورت میں متمثل ہو جائے گا' تصویر بناتے وقت جن کا اس نے تصور کیا تھا' اور اس نے نقل بنانی چاہی تھی اس واسطے کہ انہیں نفوس کی صورت میں ظاہر ہونا نہایت مناسب ہے اور اس مصور نے ان حیوانات کی نقل بنانے پر جو اقدام کیا ہے اور اس بات میں کوشش کی ہے کہ نقل بنانے میں کمال کے مرتبے کو پہنچا دے قیامت کے روز اس کا ظہور اس طرح پر ہوگا کہ اس سے کہا جائے گا اس تصویر میں جان ڈال اور وہ نہ ڈال سکے گا اور از انجملہ غم غلط کرنے والی چیزوں میں مشغول رہنا ہے' یہ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے نفس کو دنیا و آخرت سے بے غمی ہو جاتی ہے اور اوقات ضائع ہوتی ہے' مثلاً معزف اور شطرنج اور کبوتر بازی اور جانوروں کا لڑانا' وعلیٰ ہذا القیاس' کیونکہ انسان جب ان چیزوں میں مشغول ہوتا ہے تو پھر اس کو کھانے اور پینے اور ضروریات کی خبر نہیں رہتی بلکہ بسا اوقات پیشاب پاخانہ روکے بیٹھا رہتا ہے اور وہاں سے نہیں ٹلتا' پھر اگر ایسی چیزوں میں مشغول رہنے کا دستور عام ہو جائے تو تمام شہر والے شہر پر بھاری ہو جائیں اور اپنی جان کی درستی کی ان کو خبر نہ رہے' معلوم کرو کہ راگ اور دف ولیمہ وغیرہ کے اندر تمام عرب و عجم کی عادات اور خصلت میں داخل ہے اس واسطے کہ یہ سرور اور خوشی کے حال کا مقتضی ہے اور ان چیزوں میں سے نہیں ہے جس سے دنیا و دین خراب ہو جائے اور ان چیزوں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ جو چیزیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تمام ملک حجاز اور تمام آبادبستیوں میں فرح اور سرور سے جو ایک مطلوب چیز ہیں زائد ہوں وہ چیزیں ممنوع اور دنیا و عاقبت کی خراب کرنے والی ہیں' مثلاً مزامیر' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من لعب بالنرد فکانما صبغ یدہ فی لحم خنزیر ودمہ** جس نے شطرنج کھیلا گویا اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور اس کے خون میں رنگا' اور حدیث شریف میں آیا ہے **لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف** میری امت میں بلاشبہ کچھ گروہ ایسے ہوں گے جو فرج اور حریر اور شراب کھیل کی چیزوں کو حلال سمجھیں گے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اعلنوا**

النکاح واضربو علیه بالدف نکاح کا اعلان کرو اور اس پر دف بجاؤ' پس ملاہی دو قسم کی ہیں ایک حرام یہ وہ کھیل کی چیزیں ہیں جو طرب اور سرور پیدا کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں مثلاً مزامیر اور ایک مباح وہ ولیمہ وغیرہ میں اظہار سرور کی غرض سے دف بجانا اور گانا ہے' اور حدی اصل میں تو وہ ہوتی ہے جو اونٹوں کے اندر جولانی کرنے کی غرض سے پڑھی جاتی ہے مگر یہاں مطلق خوش الحانی اور گھٹاؤ بڑھاؤ کے ساتھ کسی چیز کا پڑھنا مراد ہے وہ بھی مباح ہے اس واسطے کہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے دنیا و آخرت سے بے فکری ہو جائے بلکہ وہ ملال دور کرنے والی چیز ہے اور آلات جنگ سے بازی کرنا مثلاً تیر بازی کرنا یا گھوڑے کا پلٹانا یا نیزہ بازی کرنا فی الحقیقت یہ چیزیں کھیل میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان سے مقصود شرعی حاصل ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ کے روبرو آپ کے ہی مسجد شریف میں ایک مرتبہ حبشیوں نے پٹا کھیلا ہے اور ایک مرتبہ حضور ﷺ نے کسی شخص کو کبوتر کے پیچھے پیچھے جاتا دیکھا' تو آپ نے فرمایا ایک شیطان ہے جو اپنے شیطان کے پیچھے جا رہا ہے' اور آنحضرت ﷺ نے جانوروں کے لڑانے سے نہی فرمائی ہے اور از انجملہ حاجت سے زیادہ صرف دکھانے اور فخر کرنے کے لیے سواریوں اور فرش فروش کا اکٹھا کرنا ہے' چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **فراش للرجل و فراش لامراته وثالث للضیف والرابع للشیطان** ایک بستر تو مرد کے لیے ہوتا ہے اور ایک اس کی بیوی کے لیے اور تیسرا مہمان کے لیے اور چوتھا شیطان کے لیے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **یکون ابل للشیاطین وبیوت للشیاطین** یعنی اونٹ شیاطین کے لیے اور بعضے گھر شیاطین کے لیے ہوتے' ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں شیاطین کے لیے اونٹ تو میں نے دیکھے ہیں' تم میں سے کوئی شخص عمدہ عمدہ اونٹنیوں کو فربہ کر کے اپنے ساتھ لے کر نکلتا ہے اور ان میں سے کسی پر سوار نہیں ہوتا اور راستہ میں بھائی مسلمان ملتا ہے جس کے پاس سواری وغیرہ نہیں ہوتی تو وہ اس کو بھی نہیں سوار کرتا' اور اہل جاہلیت کو کتے پالنے کا بھی بڑا شوق تھا اور کتا ایک ملعون جانور ہے جس سے ملائکہ مقربین کو تکلیف پہنچتی ہے' کیونکہ اس کو شیاطین کے ساتھ مشابہت ہے جیسا کہ چھپکلی کے اندر ہم نے بیان کیا ہے' لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس کے گھر میں رکھنے سے منع فرمایا: **من اتخذ کلبا ماشیة او صیدد فارع انتقص من اجره کل یوم قیراط وفی روایة قیراطان** جو شخص کتا رکھے بجز اس کتے کے جو مواشی یا شکار یا کھیتی کے لیے ہو ہر روز اس کے اجر میں سے ایک قیراط گھٹتا رہتا ہے اور ایک روایت میں دو قیراط آیا ہے اور بندر اور خنزیر کے پالنے کا بھی حکم کتے کے پالنے کے مانند ہے' میں کہتا ہوں اجر کے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے قوت بہیمی کو مدد پہنچتی ہے اور ملکیت مغلوب ہوتی رہتی ہے اور قیراط کی مقدار کو تمثیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے اور اس سے جزء قلیل مراد ہے' لہٰذا آنحضرت ﷺ کے ایک قیراط اور دو قیراط کے ساتھ بیان کرنے میں کچھ منافات نہ ہوئی اور از انجملہ سونے چاندی کے ظروف کا استعمال کرنا ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **الذی یشرب فی اناء الفضة انما یجرجر فی بطنه نار جهنم** جو شخص چاندی کے برتن سے پیتا ہے بلاشبہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **لاتشربوا فی انیة الذهب والفضة ولا تاکلوا فی صحافها فانها لهم فی الدنیا ولکم فی الاخرة** سونے اور چاندی کے برتن میں مت پیو اور نہ اس کی رکابیوں میں کھاؤ کیونکہ ان کے لیے تو وہ دنیا میں ہیں اور تمہارے لیے وہ آخرت میں ہیں' اور سابقاً ہم بیان کر چکے ہیں اس سے اس کی وجہ صاف صاف معلوم ہو سکتی ہے' اور آنحضرت

ﷺ نے فرمایا ہے: خمروا الانية و اوقو الاسقية واجيفوا لابواب واكتفوا صبيانكم عند المساء فان للجن انتشارا وخطفة واطفئوا المصابيح عند الرقادفان الفويسقه ربما اجترت الفتيلة فاحرقت اهل البيت. شام کے ہوتے ہی برتنوں کو ڈھانک دیا کرو اور مشکیزوں کے دھانے باندھ دیا کرو اور دروازوں کو بند کر دیا کرو اور اپنے بچوں کو اکٹھا کر لیا کرو کیونکہ جن پھیلے رہتے ہیں اور اچکتے پھرتے ہیں اور سونے وقت چراغوں کو گل کر دیا کرو اس واسطے کہ فویسقہ یعنی چوہا اکثر فتیلے کو کھینچ لیتا ہے اور گھر والوں کو پھونک دیتا ہے اور ایک روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی آیا ہے فان الشيطان لايحل شفاء ولايفتح بابا ولايكشف اناء. کیونکہ شیطان مشک کو نہیں کھولتا اور نہ دروازہ کو کھولتا ہے اور نہ برتن کو کھولتا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے فاما فى السنة ينزل فيها وباء لايمر باناء ليس عليه غطاء اوسقاء ليس عليه وكاء الانزال فيه من ذلك وباء. کیونکہ سال بھر میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جس میں وبا نازل ہوتی ہے' پھر اس وبا کا جس کسی برتن بغیر ڈھکے پر یا بغیر بندھی ہوئی مشک پر گزر ہوتا ہے ضرور اس میں اس وبا میں سے کچھ نازل ہوتا ہے' میں کہتا ہوں کہ شام کے وقت جنات کے پھیل جانے کا سبب یہ ہے کہ وہ اصل فطرت کے اعتبار سے ظلمانی ہیں پس جہان میں تاریکی پھیلنے سے ان کو بہجت اور سرور حاصل ہوتا ہے اور وہ جہان میں منتشر ہو جاتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ شیطان بند چیز کو نہیں کھولتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر ہم نے دیکھا ہے کہ شیاطین کا اثر افعال طبیعہ کے ضمن میں ہوا کرتا ہے' مثلاً کسی گھر میں ہوا کا گزر ہوتا ہے تو جنات اکثر اس کے ساتھ گھر میں گھس جاتے ہیں یا کسی پتھر کو اوپر سے دھکیلا جائے اور اس کے لڑھکانے میں کوشش کی جائے تو مقتضائے عادت سے زیادہ وہ جنات کے اثر سے لڑھک جاتا ہے' وعلیٰ ہذا القیاس' اور آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا ہے کہ سال بھر میں ایک شب ایسی ہوتی ہے جس میں بلا کا نزول ہوتا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ مدت دراز کے بعد ایک ایسا وقت پیدا ہو جاتا ہے جس میں ہوا بگڑ جاتی ہے اور میں نے ایک مرتبہ اس کا مشاہدہ کیا ہے اس کی یہ صورت ہوئی کہ مجھے ایک خراب ہوا چلتی ہوئی معلوم ہوئی جس سے اسی وقت میرے سر میں درد پیدا ہو گیا اور از انجملہ بلند بلند مکان بنانا اور ان کی زیب و زینت کرنا ہے اس بات میں بھی لوگ نہایت تکلف کرتے تھے اور مال کثیر اس میں صرف کر ڈالتے تھے' پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان لكل بناء و بال على صاحبها الا مالا الا مالا يعنى الا مالا بدمنه. ہر عمارت اپنے بنانے والے پر وبال ہے مگر مالا مالا یعنی جس کے بغیر چارہ نہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ليس لى اوليس لنبى ان يدخل بيتا مزوقا. میرے لیے جائز نہیں یا کسی نبی کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی آراستہ گھر میں داخل ہو۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ان الله لم يا مرنا ان نكسو الحجارة والطين. اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس بات کا حکم نہیں دیا ہے کہ پتھروں اور مٹی کو کپڑے پہنائیں اور آنحضرت ﷺ سے پیشتر لوگوں کا دستور تھا کہ اپنے امراض اور مصائب میں طب اور منتر سے کام لیا کرتے تھے اور کسی آئندہ چیز کے معلوم کرنے میں فال اور شگون اور خطوط سے کام لیا کرتے تھے اس کا نام رمل ہے اور نیز کہانت اور نجوم اور تعبیر خواب سے کام لیا کرتے تھے' اور ان کے اندر بعض ناسزا وار امور تھے لہٰذا ان سے تو آنحضرت ﷺ نے منع فرما دیا اور باقی کو مباح کہا' پس طب کی حقیقت ادویہ حیوانیہ یا نباتیہ یا معدنیہ کے طبائع کے موافق عمل کرنا اور اخلاط کے اندر

تصرف کر کے ان میں کمی بیشی کرنا اور قواعد شرعیہ سے ان کا ثبوت ہوتا ہے اس واسطے کہ ان میں شرک کی آمیزش نہیں اور نہ ان میں دین و دنیا کا کچھ نقصان ہے بلکہ اس میں بہت منفعت اور لوگوں کی جماعت کا مجتمع کرنا ہے' مگر شراب سے علاج کرنا ممنوع کیا گیا اس واسطے کہ شراب کی جس کو چاٹ لگ جاتی ہے پھر اس کا جانا دشوار ہوتا ہے' اسی طرح خبیث ادویہ یعنی سمیات سے حتی الامکان علاج کرنا منع ہے کیونکہ بسا اوقات ان سے جان جاتی رہتی ہے اور حتی الامکان داغ دینا بھی منع ہے کیونکہ آگ سے جلانا ایسی چیز ہے جس سے ملائکہ کو نفرت ہے اور آنحضرت ﷺ سے جو معالجات مروی ہیں ان کی اصل وہی تجربات ہیں جو عرب کے نزدیک تھے' اور منتر کی حقیقت ان کلمات کا استعمال کرنا ہے عالم مثال میں جن کے لیے تحقق اور اثر نکلتا ہے' اگر وہ کلمات شرک سے خالی ہوں تو قواعد شرعیہ ان کو رد نہیں کرتی خصوصاً جبکہ وہ کلمات قرآن و حدیث سے ہوں جن میں تضرع الی اللہ تعالیٰ کے معنی پائے جاتے ہیں اور نظر حق ہے' اور نظر حقیقت میں اس اثر اور صدمہ کا نام ہے جو دیکھنے والے کی تاثیر نفس سے اس کو صدمہ پہنچتا ہے جس کو نظر لگائی جائے کسی چیز کے اندر پیدا ہوتا ہے اور یہی خباثت کے نظر کا حال ہے' اور جن احادیث میں منتر اور تعویذ اور حب کے عمل وغیرہ سے نہی وارد ہوئی ہے وہ انہی صورتوں کے ساتھ متعلق ہے جن میں شرک یا سبب کے اندر اس قدر انہماک کے معنی پائے جاتے ہوں جس کی وجہ سے باری تعالیٰ سے غفلت ہو جائے اور شگون نیک کی حقیقت یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ میں جب کسی امر کا حکم دے دیا جاتا ہے تو بسا اوقات وہ واقعات جو اپنی جبلت کے اعتبار سے ہر چیز کا عکس سرعت کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں اس امر کا رنگ پکڑ لیتے ہیں' وہ واقعات ایک تو دلوں کے خواطر و خیالات ہیں اور ایک الفاظ ہیں جو مقصود الیہ بالذات ہوتے ہیں۔ اور ایک وقائع جو یہ یعنی وہ واقعات جو زمین و آسمان کے مابین فضا میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں' کیونکہ طبیعت کے اعتبار سے ان واقعات کے اسباب بہت ضعیف ہوا کرتے ہیں اور ان کا ایک صورت کے ساتھ خاص ہونا اور دوسری کے ساتھ نہ ہونا اسباب فلکیہ یا ملاء اعلیٰ میں کسی امر کے ثابت ہو جانے کی وجہ سے ہوتا ہے اور عرب کے لوگ ان باتوں سے واقعات آئندہ پر استدلال کیا کرتے تھے چونکہ اس بات میں صرف تخمین کو دخل ہوتا ہے اور وہم کا اس میں آمیختہ کرنا' بلکہ بسا اوقات کفر اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سے ان کی توجہ ہٹ جائے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے بدشگونی سے بالکل منع فرما دیا کہ **خیرھا الفال** بہتر ان میں فال ہے یعنی کوئی کلمہ جو نیک آدمی کی زبان سے نکلے' کیونکہ وہ ان قباحات سے پاک ہے' اور آنحضرت ﷺ نے عدویٰ یعنی ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جانے سے انکار فرمایا ہے نہ بایں معنی کہ وہ بالکل بے اصل چیز ہے بلکہ عرب کے لوگ اس کو ایک سبب مستقل خیال کرتے تھے' اور توکل کو بالکل بھول جاتے تھے' اور حق بات یہ ہے کہ ان اسباب کی سببیت وقت ثابت رہتی ہے جب تک ان کے خلاف اللہ تعالیٰ کا حکم ثابت نہ ہو اس واسطے کہ حکم الٰہی کے منعقد ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دیتا ہے اور نظام بھی بدستور قائم رہتا ہے' زبان شرع سے اس نکتہ کو اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ یہ اسباب عقلیہ نہیں ہیں بلکہ اسباب عادیہ ہیں' اور ہامہ (جانور جو قبر میں پیدا ہوتا ہے زمانہ جاہلیت کے اوہام کے موافق ہے) اور غول سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے اس واسطے ان امور کے اندر مشغول ہونے سے ان کو منع کیا گیا نہ اس واسطے کہ یہ بے حقیقت چیزیں ہیں' یہ نہیں ہو سکتا' اس واسطے کہ احادیث متظاہرہ سے جنات اور جہان میں ان کے منتشر رہنے اور عدوی کا ثبوت ہوتا ہے۔

اور نیز احادیث سے عورت اور گھوڑے اور مکان کے اندر نحوست کی اصل کا ثبوت ہوتا ہے پس لامحالہ ان کی نفی بایں معنی ہوگی

کہ ان کے اندر کا خون رہنا منع ہے اور اس میں مخاصمت نہیں ہو سکتی پس اگر کوئی شخص کسی پر دعویٰ کرے کہ اس نے اپنا بیمار اونٹ میرے اونٹ کے پاس کر کے اس کو بیمار کر دیا یا مار ڈالا' وعلیٰ ہذا القیاس اس کا دعویٰ مسموع نہ ہوگا' اور یہ چیزیں بالکل بے اصل ہو بھی نہیں سکتیں تم جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ نے کہانت یعنی جنات کی خبر بیان کرنے سے نہایت سختی سے نہی فرمائی ہے اور جو شخص کاہن کے پاس جائے اس سے آپؐ نے بری الذمہ ہونا بیان فرمایا ہے۔ پھر جب آنحضرت ﷺ سے کاہنوں کا حال دریافت کیا گیا تو آپ نے بیان فرمایا کہ ہوا کے جو میں ملائکہ کا نزول ہوتا ہے اور وہ اس امر کا باہم ذکر کرتے ہیں آسمان میں جس کا حکم دے دیا جاتا ہے تو شیاطین خفیہ طور پر وہاں سننے کے لیے جا پہنچتے ہیں اور اس کو سن آتے ہیں اور کاہنوں کو آ کر کہہ دیتے ہیں اور وہ اس کے ساتھ ایک میں سو جھوٹ ملا لیتے ہیں' یعنی ملاء اعلیٰ میں جب کوئی امر ثابت ہو جاتا ہے تو ملائکہ سافلہ پر جو الہام کی قابلیت رکھتے ہیں اس کا القا ہوتا ہے' پھر بعض بعض جنات جو ہوشیار اور زکی ہوتے ہیں ملائکہ سے اس کو معلوم کر لیتے ہیں' پس اس بات کا یقین کر لو کہ ان امور کے ساتھ جو نہی متعلق ہے اس کا مدار اس بات پر نہیں ہے کہ نفس الامر میں وہ چیزیں نہیں پائی جاتیں بلکہ اس واسطے ان سے نہی کی گئی ہے کہ ان سب میں خطا اور شرک اور فساد کا اندیشہ ہے۔

چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے **قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا** .کہہ دے کہ ان دونوں میں گناہ عظیم ہے اور لوگوں کے لیے منفعتیں ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے' باقی رہے ستارے تو یہ بات بعید نہیں ہے کہ ان کی بھی کچھ اصل ہو کیونکہ شرع نے صرف ان کے اندر مشغول رہنے سے نہی فرمائی ہے ان کی حقیقت کی نفی بالکلیہ نہیں کی ہے' اور اسی طرح سلف صالح سے ان چیزوں میں مشغول نہ ہونا اور مشتغلین کی مذمت اور ان تاثیرات کا قبول نہ کرنا تو برابر چلا آیا ہے مگر ان سے ان چیزوں کا معدوم ہونا ثابت نہیں ہوتا' علاوہ بریں ان میں سے بعض اشیاء ایسی ہیں جو یقین کے درجہ میں بدیہات اولیٰ کے درجے کو پہنچ چکی ہیں' مثلاً شمس وقمر کے حالات مختلف ہونے سے فصول کا مختلف ہونا' وعلیٰ ہذا القیاس' اور بعض باتیں فکر یا تجربہ یا رصد سے ثابت ہوتی ہیں' جس طرح تجربہ وغیرہ سے مثلاً سونٹھ کی حرارت اور کافور کی برودت ثابت ہوتی ہے اور غالباً ان کی تاثیر دو طریقہ سے ہوتی ہے' ایک طریقہ تو طبیعت کے قریب قریب ہے یعنی جس طرح ہر نوع کے لیے طبائع مختلف ہوتی ہیں جو اسی نوع کے ساتھ مختص ہوا کرتی ہیں یعنی حرارت و برودت اور رطوبت و یبوست اور امراض کے دفع کرنے میں انہی طبائع سے کام لیا جاتا ہے اسی طرح افلاک اور کواکب کے لیے بھی طبائع خاص اور جدا جدا خواص ہیں' مثلاً آفتاب کے لیے حرارت اور چاند کے لیے رطوبت' اور جب ان کواکب کا اپنے اپنے محل میں گزر ہوتا ہے زمین پر ان کی قوت کا ظہور ہوتا ہے' دیکھو کہ عورتوں کے لیے جو عادات اور اخلاق مخصوص ہیں ان کا منشاء عورتوں کی طبیعت ہی ہوا کرتی ہے' اگرچہ اس کا ادراک ظاہر طور پر نہ ہو سکے اور مرد کے ساتھ جو اوصاف مختص ہیں مثلاً جرأت آواز کا بھاری ہونا اس کا منشاء بھی اس کی کیفیت مزاجی ہوا کرتی ہے۔ پس تم اس بات سے انکار مت کرو کہ جس طرح ان طبائع خفیہ کا اثر ہوتا ہے اسی طرح زہرہ اور مریخ وغیرہ کے قویٰ زمین میں حلول کر کے اپنا اثر ظاہر کریں' اور دوسرا طریقہ قوت روحانیہ اور طبیعت کے باہم ترکیب کے قریب قریب ہے' اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح جنین کے اندر ماں اور باپ کی طرف سے قوت نفسانی حاصل ہوتی ہے اور آسمان و زمین کے ساتھ ان عناصر ثلثہ کا حال ایسا ہی ہے جو ماں باپ کے ساتھ جنین کا

حال ہوا کرتا ہے' پس یہی قوت جہان کو اوّلاً صورتِ حیوانیہ اور بعد ازاں صورتِ انسانیہ کے قبول کرنے کے قابل بناتی ہے' اور اتصالات فلکی کے اعتبار سے ان قویٰ کا حلول کئی طرح ہوتا ہے اور ہر قسم کے خواص مختلف ہوتے ہیں' جب کچھ لوگوں نے اس کے اندر غور کرنا شروع کیا تو ان کو ستاروں کا علم یعنی علم نجوم حاصل ہو گیا۔ اور اس کے ذریعہ سے آئندہ واقعات ان کو معلوم ہونے لگے' مگر جب مقتضائے الٰہی اس کے خلاف مقرر ہو جاتی ہے تو ستاروں کی قوت ایک دوسری صورت میں جو اسی صورت کے قریب ہوتی ہے متصور ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے اور کواکب کے خواص کا نظام بھی قائم رہتا ہے اور شرع میں اس نکتہ کو اس طرح پر تعبیر کیا جاتا ہے کہ کواکب کے خواص میں لزوم عقلی نہیں ہے بلکہ عادتِ الٰہی اس طرح جاری ہے اور یہ خواص بمنزلہ امارات اور علامت کے ہیں مگر جب کثرت سے لوگوں کو اس علم میں توغل ہو گیا اور بہمہ تن اس میں مشغول ہو گئے تو اس واسطے اس میں کفر اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کے قائم نہ رہنے کا احتمال پیدا ہوا' کیونکہ جو شخص اس علم میں مشغول ہو رہا ہے وہ تہ دل سے کیونکر یہ بات کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے یہ مینہ برسا ہے' بلکہ وہ تو خواہ مخواہ یہی کہے گا کہ فلاں فلاں تارے کی وجہ سے برسا ہے لہٰذا یہ امر اس کو اس ایمان سے جو نجات کا دار مدار ہے ضرور مانع ہوگا اور اگر کسی شخص کو اس علم سے ناواقفیت ہو تو اس کی یہ ناواقفیت کچھ مضر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ خود تمام عالم کا مقتضائے حکمت کے موافق انتظام کرتا ہے خواہ کوئی اس سے واقف ہو یا نہ ہو' پس ضرور ہوا کہ شرع میں ایسا علم نیست و نابود کر دیا جائے اور لوگوں کو اس کے سیکھنے سے ممانعت کر دی جائے اور یہ بات ظاہر کر دی جائے کہ جس نے نجوم سیکھا اس نے جادو کا ایک شعبہ حاصل کیا جس قدر زیادہ سیکھے اسی قدر اس کا وبال زیادہ ہوگا' اس کا حال توریت و انجیل کا سا حال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے ساتھ نہایت تشدد کیا ہے جو ان کے دیکھنے کا قصد کرے کیونکہ ان دونوں میں تحریف ہو گئی ہے اور ان کے دیکھنے میں احتمال ہے کہ آدمی ان کو دیکھ کر قرآن عظیم کی فرمانبرداری ترک کر دے اس واسطے آنحضرت ﷺ نے اس سے نہی فرما دی' یہ جو کچھ بیان کیا ہماری رائے ہے اور ہمارے تفحص کا نتیجہ ہے' پس اگر سنت سے اس کے خلاف کچھ ثابت ہو تو جو کچھ سنت سے ثابت ہو وہی بات ٹھیک ہے۔

خواب کا بیان

خواب کی پانچ قسم ہیں' ایک خواب بشارتِ الٰہی ہوتی ہے اور ایک ان حمائد اور رذائل کے متمثل ہونے سے عبارت ہے جو ملکی طریقہ پر نفس کے اندر مندرج ہوتے ہیں اور ایک صرف تخویف شیطانی ہوتی ہے اور ایک صرف تخیلات نفسانی ہوتے ہیں حالتِ بیداری میں جن کا نفس عادی ہوتا ہے قوت متخیلہ میں وہ خیالات محفوظ رہتے ہیں اور وہ خیالات مجتمعہ حس مشترک میں ظاہر ہو جاتے ہیں' اور ایک خیالات طبیعیہ جو غلبہ اخلاط اور نفس کو ان اخلاط سے ایذا پہنچنے پر تنبیہ حاصل ہونے سے پیدا ہوتے ہیں' پہلی قسم کی خواب یعنی بشارتِ الٰہی کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ کو حجابات بدنی سے بذریعہ اسبابِ خفیہ کے جو بلا تامل معلوم نہیں ہو سکتے جب فرصت حاصل ہوتی ہے تو ان میں اس بات کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے جس قسم کے علوم اس کے پاس مخزون اور مجتمع ہوتے ہیں اور یہ خواب تعلیم الٰہی ہوا کرتی ہے جس طرح آنحضرت ﷺ کو خواب میں معراج ہوئی اور اللہ تعالیٰ کو ایک بہت عمدہ صورت میں آپ نے دیکھا

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفارات اور درجات کی تعلیم فرمائی' اور ایک مرتبہ اور آپ کو خواب میں معراج ہوئی اور دنیاوی زندگی سے علیحدہ ہونے کے بعد مردوں کا جو جو حال ہوتا ہے وہ آپ پر ظاہر ہوا' چنانچہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے یا آنحضرت ﷺ کو دنیا کے واقعاتِ آئندہ کا جو کچھ علم ہوا وہ بھی اسی قبیلہ سے تھا اور خواب ملکی کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے اندر دو قسم کے ملکات ہیں حسنہ اور قبیحہ' مگر ان ملکات کے حسن وقبیح سے وہی شخص واقف ہوتا ہے جس کو صورتِ ملکی کی طرف تجرد حاصل ہوتا ہے پس تجرد حاصل ہونے کے بعد اس کو اپنے حسنات اور سیئات صورتِ مثالیہ میں ظاہر ہو جاتے ہیں ایسا شخص کبھی اللہ کے دیدار سے مشرف ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوتا ہے اور کبھی آنحضرت ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوتا ہے اور اس کی وجہ آنحضرت ﷺ کا اتباع اور فرمانبرداری ہوتی ہے اور وہ فرمانبرداری اس کے دل میں مرکوز ہوتی ہے اور کبھی وہ شخص خواب میں انوار کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کی اصل وہ عبادات مکتسبہ ہوتی ہیں جو اس کے سینہ اور اعضاء میں مرکوز ہو رہی ہیں یہی عبادات انوار اور پاکیزہ چیزوں کی صورت میں مثلاً شہد اور گھی اور دودھ کے ظاہر ہوتی ہیں پس جو شخص خواب کے اندر اللہ تعالیٰ یا آنحضرت ﷺ یا ملائکہ علیہم السلام کو بری صورت یا غضب کی حالت میں دیکھے تو اس کو سمجھنا چاہیے کہ اس کا عقیدہ ناقص اور ضعیف ہے اور اس کا نفس کامل نہیں ہوا' اسی طرح طہارت کی وجہ سے جو انوار حاصل ہوتے ہیں کبھی وہ شمس وقمر کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں' اور جو خواب تخویف شیطانی ہوتی ہے اس کی اصل حیواناتِ ملعونہ سے اس شخص کا ڈرانا ہوتا ہے' مثلاً بندر اور ہاتھی اور کتے یا کالے کالے آدمیوں کا خواب میں دیکھنا' انسان کو چاہیے کہ جب خواب میں ایسی چیزیں دیکھے تو اللہ کی پناہ مانگے یعنی اعوذ باللہ پڑھے اور اپنی بائیں طرف تین مرتبہ تھوک دے اور جس کروٹ وہ لیٹا ہے وہ کروٹ بدل دے' اور جو خواب بشارتِ الٰہی کے قبیلہ سے ہوتی ہے اس کے لیے تعبیر ہوا کرتی ہے اور تعبیر کا بہتر طریقہ خیالات کا معلوم کرنا ہے کہ کس چیز میں کس چیز کا مظنہ ہوتا ہے اور اس سے کیا مقصود ہوا کرتا ہے پس کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ مسمی سے اسم کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے جس طرح ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے خواب میں اپنے آپ کو عقبہ بن رافع کے گھر میں دیکھا' اور اسی خواب میں آپ کے پاس کوئی ابن طاب کے تازہ تازہ چھوارے لایا۔ (ابن طاب ایک قسم کے خاص چھوارے ہوتے ہیں) پس آنحضرت نے فرمایا میں نے اس خواب کی یہ تعبیر لی ہے کہ ہم دنیا میں رفعت یعنی سرفرازی اور آخرت میں عافیت کے ساتھ رہیں گے اور ہمارا دین طیب یعنی پاکیزہ ہو گیا اور کبھی دو چیزوں میں التزام ہوتا ہے اور ملزوم سے لازم کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے' مثلاً کوئی شخص خواب میں تلوار کو دیکھے تو اس کی تعبیر قتال ہو گی اور کبھی ایک وصف سے ایک ذات کی طرف جو اس وصف کے مناسب ہوتی ہے ذہن منتقل ہوتا ہے جس طرح آنحضرت ﷺ نے دو شخصوں کو جن پر مال کی محبت غالب تھی' خواب میں سونے کے دو کنگن کی صورت میں دیکھا' الحاصل ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف ذہن منتقل ہونے کی مختلف صورتیں ہیں۔

اور یہ خواب نبوت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے اس واسطے کہ وہ ایک قسم کا فیضان غیبی اور اللہ تعالیٰ کی خلق کے ساتھ ایک خاص تقرب کا اثر ہے اور نبوت کی اصل یہی ہے اور خواب کے اقسام باقیہ کی کچھ تعبیر نہیں ہوا کرتی۔

آدابِ صحبت کا بیان

معلوم کرو کہ منجملہ ان اُمور کے جن کو فطرت سلیمہ اور اشخاص انسانی میں باہم حاجات کا واقع ہونا اور ارتفاقات واجب کرتے ہیں' ایک آداب ہیں جن کا بنی آدم کے افراد باہم برتاؤ کریں' اکثر یہ آداب تو ایسے ہیں کہ تمام عرب وعجم کے مختلف گروہ ان کے اصول پر متفق ہیں اگرچہ صرف عورتوں اور اشباح میں ان کے اندر اختلاف ہے لہٰذا ان آداب سے بحث کرنا اور ان آداب میں سے آدابِ صالحہ اور آدابِ فاسدہ کو متمیز کرنا ان مصلحتوں میں داخل ہوا جن کو پورا کرنے کو آنحضرت ﷺ خلق کی طرف مبعوث ہوئے ہیں' از انجملہ ایک تحیہ ہے کہ بعض بعض کے لیے اس کو عمل میں لایا کریں' کیونکہ لوگوں کو باہم خوشی اور بشاست کے اظہار اور اس بات کی ضرورت ہوا کرتی ہے کہ بعض بعض کے ساتھ ملاطفت اور موانست کریں اور چھوٹے بڑوں کو اپنا بزرگ سمجھیں اور بڑے چھوٹوں پر شفقت کریں اور آپس میں بھائی بھائی اور دوست ہو کر رہیں اس واسطے کہ اگر یہ بات نہیں تو صحبت اور دوستی کا فائدہ اور نتیجہ حاصل نہ ہوا اور اگر خوشی کے اظہار کے لیے کوئی لفظ مقرر نہ کیا جائے تو وہ ایک اندرونی چیز رہے جو بدون قرائن سے استنباط کیے معلوم نہ ہو سکے لہٰذا ہمیشہ سے ہر گروہ کے سلف کا طریقہ اپنی اپنی رائے کے موافق باہم تحیہ کے برتاؤ کا چلا آتا ہے پھر ہوتے ہوتے ان کی ملت کا شعار اور اپنی ملت کے آدمیوں کو پہنچاننے کا طریقہ ہو گیا تھا' مشرک تو عند الملاقات ایک دوسرے سے یہ کہا کرتے تھے' **انعم الله بك عينا** اور **انعم الله بك صباحا**. اور مجوس کہا کرتے تھے ہزار سال نبری' اور قانون شرعی کا مقتضی تھا کہ اس میں اس طریقہ کو اختیار کیا جائے جو انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور انہوں نے ملائکہ سے اس طریقہ کو سیکھا ہے اور وہ طریقہ دعا اور ذکر الٰہی کے قبیلہ سے ہے' دنیاوی زندگانی میں دل لگانے کے قبیلہ سے نہیں ہے' مثلاً درازی عمر اور دولت کی تمنا کرنا اور نہ اس میں کثرت سے تعظیم ہے جو آدمی کو شرک کے قریب کر دے جس طرح سجدہ کرنے اور زمین بوسی میں اور وہ سلام ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا **لما خلق الله ادم قال اذهب فسلم على اولئك النفروهم نفر من الملائكة**. الحدیث' اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا فرمایا جا تو پس سلام کر اوپر اس گروہ کے اور وہ ملائکہ کا گروہ بیٹھا ہوا تھا پس تو سن کہ کس چیز سے تیرا تحیہ کرتے ہیں پس آدم علیہ السلام نے جا کر کہا السلام علیکم' پس فرشتوں نے کہا السلام علیک ورحمۃ اللہ' فرمایا آپ نے پس زیادہ کیا فرشتوں نے ورحمۃ اللہ' اللہ پاک نے جو یہ فرمایا کہ ان پر سلام کرو۔ واللہ اعلم

اس کے یہ معنی ہیں کہ تحیہ کر تو ان کے ساتھ اپنی رائے کے موافق پس اس میں ان کی رائے صواب ہوئی اور انہوں نے کہا السلام علیکم' اور اللہ پاک نے جو یہ فرمایا کہ یہ تحیہ تیرا ہے یعنی وجوباً اس واسطے کہ انہوں نے معلوم کیا کہ خطیرۃ القدس سے اس کا القا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جنت کے بیان میں فرمایا ہے **سلام عليكم طبتم فادخلوها خلدين**. سلام تمہارے اوپر خوش ہو تم اور ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **لاتدخلون الجنة**. الحدیث' نہ داخل ہو گے تم ج:

میں جب تک ایمان نہ لاؤ گے اور ایمان نہ لاؤ گے جب تک باہم محبت نہ کرو' کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلادوں کہ جب تم اس کو عمل میں لاؤ تو آپس میں دوست ہو جاؤ' باہم سلام کا رواج ڈالو۔ میں کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے سلام کا فائدہ اور اس کی مشروعیت کا سبب بیان فرمایا کیونکہ باہم محبت پیدا ہونا ایسی خصلت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے پس سلام کا افشاء محبت پیدا کرنے کو کافی ذریعہ ہے اور اسی طرح مصافحہ اور دست بوسی وغیرہ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **یسلم الصغیر علی الکبیر** .چھوٹا بڑے کو سلام کرے اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے لوگ بہت سے لوگوں کو سلام کریں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ سوار پیادہ چلنے والے کو سلام کرے میں کہتا ہوں کہ لوگوں کا دستور ہے کہ جو کوئی کسی کے گھر آتا ہے تو وہ گھر والے کو سلام کرتا ہے اور ادنیٰ درجہ کا اعلیٰ درجہ والے کو سلام کرتا ہے' پس آنحضرت ﷺ کا ایک مرتبہ لڑکوں پر گذر ہوا اور ان کو سلام کیا اور عورتوں پر آپ کا گزر ہوا تو آپ نے ان کو سلام کیا' اس واسطے کہ آپ نے معلوم کیا کہ انسان کا اس شخص کو بزرگ سمجھنا جو اس سے بڑا اور اشرف ہو جماعات ملک کا جمع کرنا ہے اور اس میں ایک طرف کی خود پسندی ہے لہٰذا آپ نے بڑوں کا طریقہ تواضع اور خوردوں کا طریقہ یہ مقرر کیا کہ بزرگوں کی توقیر کریں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من لم یرحم صغیرنا... الخ** .جو شخص خوردوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی عظمت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور سوار کے لیے یہ طریقہ کہ پیادہ پا کو سلام کرے اس واسطے مقرر فرمایا کہ سوار عند الناس باہلیت اور اپنی ذات کے اعتبار سے بڑا ہے اس واسطے اس کے لیے تواضع کا طریقہ مقرر فرمایا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا **لاتبدؤا الیھود والنصاری بالسلام... الخ** .ابتداءً تم یہود نصاریٰ کو سلام مت کرو اور جب ان میں سے تم کو کوئی راستہ میں مل جائے تو اس کو تنگ راستہ کی طرف مجبور کرو' میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ منجملہ مصلحتوں کے جن کے اہتمام کے لیے حضور نبوی ﷺ کی بعثت ہوئی ہے ملت اسلامیہ کی عظمت اور تمام ملل سے اس کو اعلیٰ اور اعظم گردانا ہے اور یہ بات اچھی طرح پائی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کو تمام ملت والوں پر قدرت اور فضیلت ہو' اور آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے السلام علیکم عشر انخ السلام علیکم کی دس نیکیاں ہیں اور جو شخص ورحمۃ اللہ کہے بیس نیکیاں اور جو شخص وبرکاتہ' بھی کہے تیس نیکیاں ہیں اور جو شخص مغفرتہ بھی زیادہ کرے تو چالیس درجہ ثواب ہے اور فرمایا اسی طرح فضیلتیں ہوا کرتی ہیں یعنی جس قدر الفاظ زیادہ ہوتے ہیں اسی قدر ثواب زیادہ ہوتا ہے' میں کہتا ہوں زیادتی ثواب کی وجہ اور اس کا مدار یہ ہے کہ اس میں اس چیز کا تمام کرنا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا ہے اور وہ بشاشت والفت اور دوستی اور دعا اور ذکر اور اللہ تعالیٰ پر کام کا حوالہ کرنا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **یجزی عن الجماعۃ... الخ** .جماعت کے لیے جب وہ ہو کر گزریں اس قدر کافی ہے کہ ان میں ایک شخص سلام کرے اور بیٹھے ہوئے لوگوں کو اس قدر کافی ہے کہ ان میں سے ایک شخص سلام کا جواب دے' میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ جماعت حقیقت کے اعتبار سے ایک چیز ہے اور اس میں ایک کا سلام کرنا باہمی نفرت کو دور کر دیتا ہے اور باہم اُلفت پیدا کر دیتا ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **اذا انتھی احدکم الی مجلس... الخ** تم میں سے جب کوئی شخص کسی جلسہ کی طرف پہنچے تو اگر اس کے دل میں بیٹھنے کا قصد ہے تو بیٹھ جائے اور جب کھڑا ہو تو اس کو چاہیے کہ سلام کرے پس پہلا سلام کرنا دوسری سلام کر [illegible] زاوار اور اولیٰ نہیں ہے' میں کہتا ہوں رخصت کے وقت سلام کرنے میں چند فوائد ہیں منجملہ ان کے

ایک یہ ہے کہ اس کی وجہ سے کراہت اور ملال سے کھڑے ہونے نہ ہونے میں تمیز ہو جاتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ ضرورت کی وجہ سے قیام کیا ہے اور پھر جو کوئی بات کہنے کو باقی رہ جاتی ہے اس کو پورا کرے اور منجملہ ان فوائد کے یہ ہے کہ اس کا جانا خفیہ طور پر نہ ہو اور مصافحہ کرنے اور مرحبا کہنے اور معانقہ وغیرہ کرنے میں یہ راز ہے کہ مصافحہ وغیرہ سے محبت بڑھتی ہے اور خوشی پیدا ہوتی ہے اور باہمی وحشت اور نفرت دور ہوتی ہے' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **اذا التقی المسلمان... الخ** .جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں تو ان دونوں کی مغفرت ہو جاتی ہے' میں کہتا ہوں یہ اس واسطے ہے کہ مسلمانوں میں خوشی پیدا ہونا اور ان میں محبت و مہربانی کا پایا جانا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کا ان میں جاری ہونا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سبب ہے' اور قیام میں احادیث مختلف ہیں' پس آپ نے فرمایا **من سره ان یتمثل له الرجل قیاما فلیتبؤا مقعده من النار** .جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کی خدمت میں کوئی شخص کھڑا رہے تو اس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنانا چاہیے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لا تقوموا کما یقوم الاعاجم یعظم بعضهم بعضا** .مت کھڑے ہو تم جس طرح کھڑے ہوتے ہیں عجمی بعض بعض کی تعظیم کے لیے' اور فرمایا آنحضرت ﷺ نے حضرت سعدؓ کے قصہ میں: **قوموا الی سیدکم** .کھڑے ہو تم طرف سردار اپنے کے' اور حضرت فاطمہؓ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتیں تھیں تو آپ ان کے لیے کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتے تھے اور اپنی جگہ ان کو بٹھاتے تھے اور آنحضرت ﷺ حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے تھے تو حضرت فاطمہ ؓ کھڑی ہو جایا کرتی تھیں اور آپ کا دست مبارک پکڑ کر چومتی تھیں اور اپنی جگہ آپ کو بٹھلاتی تھیں۔ میں کہتا ہوں اس میں فی الحقیقت اختلاف نہیں ہے اور جس معنی پر امر و نہی کا مدار ہے وہ مختلف ہے اس واسطے کہ عجمی لوگوں کا قاعدہ تھا کہ ان کے خدمت گار ان کے سامنے کھڑے رہا کرتے تھے اور رعایا بادشاہوں کے روبرو کھڑی رہا کرتی تھی اور وہ ان کی تعظیم میں افراط تھی یہاں تک کہ شرک میں واقع ہونے کا احتمال تھا' لہٰذا اس سے ممانعت کی گئی اور اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ واقع ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا **کما یقوم الاعاجم** .اور **من سره ان یتمثل** .کہا کرتے ہیں مثل میں **یدیه مثولا** . جب خدمت کے لیے سیدھا کھڑا ہوتا ہے اور جو کھڑا ہونا واسطے خوشی مومن کے ہو اور اس کا اکرام اور اس کے دل کی خوشنودی منظور ہو' نہ یہ بات کہ اس کے سامنے خدمت کے لیے کھڑا ہو تو اس میں مضائقہ نہیں اس لیے کہ اس میں شرک کی آمیزش نہیں ہے' اور کسی نے عرض کیا اے رسول اللہ ﷺ جب کوئی شخص ہم میں سے اپنے بھائی سے ملنے آیا اس کے واسطے جھک جائے فرمایا نہیں' اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہ جھکنا رکوع نماز کے مشابہ ہے پس وہ بمنزلہ سجدہ تحیہ کے ہے۔

اللہ پاک فرماتا ہے **یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ... الخ** .اے ایمان والو! گھروں میں بجز اپنے گھروں کے داخل مت ہو یہاں تک کہ اجازت لو اور سلام کرو ان گھر والوں پر' اور اللہ پاک فرماتا ہے **یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ.. الخ** .اے ایمان والو! چاہیے کہ وہ لوگ جو تمہارے ہاتھوں کے مملوک ہوئے ہیں تم سے اجازت لیں اور وہ لوگ جو تم میں سے بلوغ کو نہیں پہنچے **الی قوله كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** .پس اللہ تعالیٰ کا **تستانسوا تستاذنوا** .کے معنی میں ہے' میں کہتا ہوں استیذان اسی واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ یہ بات تم کو ناپسندیدہ ہے کہ لوگ

آدمیوں کی شرمگاہوں پر مجتمع ہوں اور وہ چیز جوان کو گوارہ نہ ہو دیکھیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ استیذان بینائی کے لیے مقرر کیا گیا ہے' پس مناسب ہے کہ لوگوں کے مختلف ہونے سے وہ بھی مختلف ہو' پس بعض ان میں سے اجنبی ہیں کہ اس سے اور ان سے میل جول نہیں ہے اور اس کے لیے مناسب ہے کہ جب تک آواز دے کر اجازت نہ مانگے اور آواز سے اس کو اجازت نہ مل جائے داخل نہ ہو' اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے کلدہ بن حنبل اور بنی عامر کے ایک شخص کو تعلیم فرمایا کہ یہ کہے السلام علیکم ادخل' اور فرمایا کہ استیذان تین مرتبہ ہے پس اگر تجھ کو اذن دیا جائے فبہا' ورنہ لوٹ آ اور بعض ان میں حرم ہیں اگر چہ محارم نہیں ہیں مگر آپس میں میل جول اور دوستی ہے پس ان کا اجازت لینا ان کے استیذان سے کم تر ہے' اسی واسطے آپ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا تیرا اذن میرے اوپر یہ ہے کہ تو پردہ کو اٹھا دے اور یہ کہ سنے تو میرے کلام کی آواز یہاں تک کہ میں تجھ کو منع کروں' اور بعض ان میں سے لڑکے اور غلام ہیں کہ ان سے پردہ فرض نہیں ہے لہٰذا ان کے لیے استیذان کی ضرورت نہیں ہے مگر ان اوقات میں کہ عادتاً کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان تین اوقات کو اس واسطے خاص کیا ہے کہ وہ اوقات لڑکوں اور غلاموں کے آنے کے ہیں' بخلاف آدھی رات کے مثلاً' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **رسول الرجل الی الرجل اذنہ**. آدمی کی طرف آدمی کا قاصد اس کا اذن ہے اس واسطے کہ اس نے معلوم کر لیا اس چیز کو جس کی طرف وہ بھیجا گیا' اور آنحضرت ﷺ کا دستور تھا کہ جب کسی قوم کے دروازے پر تشریف لاتے تھے تو دروازے کے سامنے سے نہ آتے تھے پس فرماتے تھے السلام علیکم اور یہ اس واسطے تھا کہ ان لوگوں کے گھروں کے سامنے پردے نہ تھے' اور منجملہ آداب کے بیٹھنے اور سونے اور سفر کرنے کے آداب ہیں' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **لایقیم الرجل الرجل من مجلسہ.. الخ**. کوئی شخص کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر نہ بیٹھے بلکہ کہے کشادہ ہو کر اور کھل کر بیٹھو' میں کہتا ہوں یہ اس واسطے ہے کہ کسی کو اٹھا کر بیٹھنا غرور اور خود پسندی کی بات ہے اور دوسرے کے دل میں اس سے رنج اور کینہ پیدا ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من قام من مجلسہ' الخ**. جو شخص اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور پھر وہیں آیا تو اس کا وہ سزاوار زیادہ ہے' میں کہتا ہوں جو شخص پہلے بیٹھ گیا اور وہ جگہ اس کے لیے مباح تھی خواہ مسجد ہو یا خانقاہ یا گھر پس اس کا حق اس سے متعلق ہو گیا' پس جب تک اس کو اس جگہ کی حاجت ہو اس وقت تک اس کو برگشتہ نہ کیا جائے اور اس کا حال بنجر زمین کا سا ہے کہ جو کوئی بنجر زمین کو توڑ کر کھیتی کرلے وہی اس کا مستحق ہے اور پہلے اس کا حال گزر چکا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لایحل الرجل ان یفرق بین اثنین الا باذنہما**. کسی شخص کو روا نہیں کہ دو شخصوں کے بیچ میں ان کو علیحدہ کر کے بیٹھے مگر ان کی اجازت سے۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ دو شخص اکثر اوقات باہم خوشنودی اور مسرت کی باتیں کرنے کے لیے پاس پاس بیٹھ جاتے ہیں پس ان دونوں کے بیچ میں بیٹھ جانا ان کے دل کو مکدر کرنا' اور کبھی وہ باہم محبت کرنے کی باتیں کرتے ہیں پس ان کے درمیان میں بیٹھنا ان کو متنفر کرنا ہے' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لایستلقین احدکم.. الخ**. تم میں سے چت لیٹ کر ایک پیر کو دوسرے پیر پر نہ رکھے' اور آنحضرت ﷺ کو لوگوں نے چت لیٹے ہوئے اور ایک قدم کو دوسرے پر رکھے ہوئے دیکھا ہے' میں کہتا ہوں لوگ لنگی باندھا کرتے تھے اور لنگی باندھنے والا جب ایک پیر کو دوسرے پر رکھتا ہے تو وہ شرمگاہ کے کھلنے سے مامون نہیں ہوتا پس اگر پاجامہ پہنے ہوئے ہو یا شرمگاہ کے کھلنے سے مامون ہو تو اس طرح لیٹنے میں مضائقہ نہیں ہے' اور آنحضرت ﷺ نے ایک شخص سے جو الٹا پڑا

تھا' فرمایا یہ ایسا لیٹنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناگوار ہے' میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ لیٹنا ایک منکر اور قبیح ہیئت ہے' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **من بات علٰی ظهر بيت الخ** .جو شخص گھر کی چھت پر رات کو سوئے اور اس چھت پر کوئی آڑ نہ ہو تو اس سے ذمہ بری ہے میں کہتا ہوں اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ اس نے اپنی جان کے ہلاک کرنے کا سامان کیا اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **لَاتُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ** .اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں مت ڈالو' اور آنحضرت نے فرمایا ہے **ملعون علی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم الخ** .محمد ﷺ کی زبان پر جو شخص حلقہ کے بیچ میں بیٹھے ملعون ہے' بعض کے نزدیک اس سے ماجن مراد ہے جو اپنے آپ کو مسخراپن میں ڈالتا ہے تاکہ اس سے مسخراپن کریں' اور یہ شیطانی کام ہے اور ممکن ہے کہ یہ معنی ہوں کہ ایک گروہ کی طرف پشت اور ایک کی طرف منہ کرے اور اس سے لوگوں کے دل کو ناگوار گزرے' اور ایک مرتبہ مرد و عورت ملے بیٹھے تھے' تو آنحضرت ﷺ نے عورتوں سے فرمایا **استاخرون الخ** .پیچھے کو بیٹھو' تم کو روا نہیں ہے کہ راستہ کے درمیان میں بیٹھو بلکہ تم کو لازم ہے کہ راستے سے اِدھر اُدھر بیٹھو پس عورتیں دیواروں کو چمٹنے لگیں اور آنحضرت ﷺ نے اس بات سے بھی منع فرمایا کہ کوئی مرد عورتوں کے بیچ میں ہو کر گذرے' میں کہتا ہوں اس میں اندیشہ ہوتا ہے کہ مرد عورت سے مل جائے اور وہ عورت غیر محرم ہے یا اس کی طرف دیکھے' اور فرمایا ہے: **اذا عطس احدکم الخ** تم میں سے جب کوئی چھینکے تو اس کو الحمد للہ کہنا چاہیے اور اس کے بھائی کو یا اس کے صاحب کو یرحمک اللہ کہنا چاہیے اور پھر اس کو **یھدیکم اللہ و یصلح بالکم** .کہنا چاہیے اور ایک روایت میں ہے اور وہ اگر الحمد للہ نہ کہے تو اس کو جواب مت دو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **شمت اخاك ثلاثا الخ** .اپنے بھائی کی چھینک کا تین مرتبہ جواب دو اور جو زیادہ ہو تو وہ زکام ہے' میں کہتا ہوں چھینکتے وقت حمد اس واسطے مقرر کی گئی ہے کہ ایک تو وہ دلیل شفا ہے اور اس سے دماغ کے انجرہ غلیظہ نکل جاتے ہیں دوسرے یہ کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے اور حمد کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ شخص تابع سنن انبیاء علیہم السلام ہے اور ملل انبیاء پر وہ جما ہوا ہے اور اسی واسطے جواب دینا لازم ہوا اور وہ حقوق اسلام سے ہوا اور جواب دینے والے کے لیے جواب دینا اس واسطے مقرر کیا گیا کہ اس میں مبادلۃ الاحسان بالاحسان ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **انما التثاؤب من الشیطان الخ** .جماہی لینا تو شیطان ہی کی طرف سے ہے' پس تم میں سے جب کوئی جماہی لے تو جہاں تک اس سے ہو سکے اس کو روکے اور تم میں سے جب کوئی جماہی لیتا ہے تو اس سے شیطان ہنستا ہے' میں کہتا ہوں جماہی سستی طبع اور غلبہ ملال سے پیدا ہوتی ہے اور شیطان کو اس میں موقع ملتا ہے' اور منہ کھولنے اور آہ آہ کی آواز سے شیطان ہنستا ہے اس واسطے کہ وہ ایک قبیح ہیئت ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **اذا تثاؤب احدکم الخ** تم میں سے جب کوئی جماہی لے تو اس کو چاہیے کہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے اس واسطے کہ شیطان بڑھ جاتا ہے' میں کہتا ہوں شیطان مکھیوں اور مچھروں کو اڑا کر اس کے منہ میں گھسا دیتا ہے اور اکثر اوقات منہ کے عضلات سکڑ جاتے ہیں اور ہم نے ایسا دیکھا ہے' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لو یعلم الناس مافی الوحدۃ الخ** .اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ وحدت میں کیا بات ہے جو میں جانتا ہوں تو سوار رات کو تنہا نہ چلے' میں کہتا ہوں اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ مہلکات میں پڑ جانا اور ان کی دلیری کرنا بلا ضرورت ایک ناپسندیدہ امر ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے جو حضرت زبیر کو مقدمۃ الجیش کر کے تنہا بھیجا تھا تو اس کی ضرورت تھی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لا**

تصحب الملائکہ الخ نہیں ساتھ ہوتے فرشتے ان رفیقوں کے جن میں کتا اور گھنٹہ ہو اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے الجرس مزامیر الشیطان گھنٹہ شیطان کے مزامیر ہیں میں کہتا ہوں جو آواز تیز اور سخت ہو شیطان اور اس کی ذریات کے موافق ہے اور ملائکہ کو اس سے نفرت ہے اور ان دونوں کے جبلی مزاج کا مقتضیٰ ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے سافرتم فی الخصب الخ ۔جب تم ارزانی میں سفر کیا کرو تو اونٹ کو اس کا حق ادا کیا کرو جو زمین میں ہے اور جب تم قحط میں سفر کرو تو اس کو جلد جلد چلاؤ اور جب اخیر رات میں آؤ تو راستہ سے بچو کیونکہ وہ رات کے وقت دواب کا رہ گزر ہے اور حشرات کا ماؤا ہیں میں کہتا ہوں یہ سب ظاہر ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے السفر قطعة من العذاب ۔سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے تم میں سے ایک کو نیند و کھانے پینے سے باز رکھتا ہے پس جبکہ پورا کر چکے اپنی حاجت کو جو اس کے سامنے ہے تو اس کو چاہیے کہ اپنے اہل کو جلدی سے چلا آئے میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے اس بات کو مکروہ سمجھا کہ آدمی حقیر چیزوں کے پیچھے پڑا رہے اور ان کی وجہ سے اس کو زیادہ روز تک سفر کرنا پڑے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اذا طال احدکم الغیبة الخ ۔جب تم میں سے کوئی غیبت کو دراز کرے تو اس کو چاہیے کہ رات کو اپنے گھر نہ آئے میں کہتا ہوں بسا اوقات انسان کو بسبب پراگندہ ہونے بالوں وغیرہ کے نفرت ہو جاتی ہے اور وہ ان دونوں کے تکدر حال کا باعث ہوتی ہے۔

ازانجملہ کلام کرنے کے آداب ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اختی الاسماء یوم القیامة عندالله رجل الخ ۔یعنی بدترین ناموں کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے روز وہ شخص ہے جس کا نام ملک الاملاک ہو اور فرمایا آپ نے کہ نہیں بادشاہ مگر اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ نے ابوالحکم کنیت رکھنے سے منع فرمایا ہے ان اللہ ھو الحکم ۔کہ حکم اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی کی طرف حکم ہے میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ نے اس کنیت سے اس واسطے منع فرمایا کہ اس میں تعظیم بکثرت پائی جاتی ہے اور وہ شرک کے قریب آتی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے لاتسمین غلامك یسارا الخ ۔اپنے لڑکے کا نام یسار ہرگز مت رکھو اور نہ رباح اور نہ نجیح اور نہ افلح پس تو کہتا کہ یسار اس جگہ ہے پس نہیں ہوتا پس کہا جاتا ہے نہیں اور جابرؓ نے فرمایا ہے آنحضرت ﷺ کا مقصود اس بات سے منع کرنا تھا کہ نام رکھا جائے ساتھ یعلیٰ اور برکت اور نافع وغیرہ کے پھر میں نے آپ کو دیکھا کہ اس منع کرنے سے خاموش ہو رہے پھر آپ کی وفات ہو گئی اور اس سے منع نہیں کیا میں کہتا ہوں ان ناموں کا مکروہ ہونا اس واسطے ہے کہ وہ ایک ہیئت منکرہ کی طرف پہنچاتے ہیں کہ وہ ہیئت اقوال میں ایسی ہے جیسے اجدع وغیرہ افعال میں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے الاجدع شیطان ۔اجدع شیطان ہے اور احادیث میں تطبیق بایں طور ہے کہ آپ نے نہی میں تاکید نہیں کی مگر ارشاد کے طور پر بمنزلہ مشورہ کے اس سے منع فرمایا یا نہی کے علامات آپ کو ظاہر ہوئے پس راوی نے کہا یہ از روئے اجتہاد کے منع کیا جس نے اس کو محفوظ کیا حجت ہے اس شخص پر جس نے محفوظ نہیں کیا اور میرے نزدیک یہ وجہ صحابہؓ کے فعل کے موافق ہے اس واسطے کہ وہ ہمیشہ اس قسم کے نام رکھا کرتے تھے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سموا باسمی میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت پر کنیت مت رکھو اور فرمایا آپ نے نہیں گردانا گیا میں قاسم مگر اس وجہ سے کہ تم میں تقسیم کرتا ہوں میں کہتا ہوں اگر کسی کا نام نبی کے نام پر ہوتا تو اس گمان کا موقع تھا کہ احکام میں اشتباہ واقع ہو اور ان احکام کی نسبت اور رفع کرنے میں تلبس واقع ہوتی اور جب کہا جاتا کہا ابوالقاسم نے یہ گمان

ہوتا کہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم ہے' اور بسا اوقات مراد کوئی اور ہوتا' اور بسا اوقات آدمی کو نام لے کر کوئی گالی دیتا ہے اور لڑائی جھگڑوں میں اس کے لقب سے ذم کی جاتی ہے' پس اگر نبی کے نام پر نام ہوتو اس میں ایک ہیئت منکرہ پائی جاتی ہے' پھر یہ بات کنیت کے اعتبار سے اکثر پائی جاتی ہے بہ نسبت علم کے بدووجہ' ایک تو یہ وجہ ہے کہ لوگوں کو شرعاً اس بات سے ممانعت تھی اور عادت کے اعتبار سے اس بات سے باز رہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو نام لے کر ندا کریں اور مسلمان یارسول اللہ ﷺ کہہ کر ندا کرتے تھے اور ذمی لوگ کہتے تھے یا ابا القاسم' دوسرے یہ کہ عرب نام لے کر بزرگی یا حقارت کا قصد نہ کیا کرتے تھے بلکہ کنیت سے بزرگی یا حقارت کا قصد کیا کرتے تھے جیسے ابوالحکم اور ابوالجہل کہ اوّل میں تشریف اور دوسری میں تحقیر مقصود ہے وعلیٰ ہذا القیاس اور آپ کی کنیت ابوالقاسم اس واسطے ہوئی کہ آپ قاسم تھے' پس دوسرے کی یہ کنیت رکھنا ایسا ہوا جیسے آپ سے برابری کرنا' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کی رخصت کہ آپ کے بعد آپ نے لڑکے کا نام آپ کے نام پر رکھیں اور آپ کی کنیت پر اس کی کنیت کریں' اس واسطے دی کہ التباس رفع ہوگیا کیونکہ آپ کا زمانہ گزر گیا' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لایقولن احدکم عبدی وامتی الخ**. چاہیے کہ تم میں سے کوئی نہ کہے عبد میرا اور امۃ میری بلکہ تم سب اللہ ہی کے بندے ہو اور تمہاری سب عورتیں اللہ تعالیٰ کی بندیاں ہیں بلکہ اس کو یہ کہنا چاہیے کہ میرا غلام اور لونڈی میری اور جوان میرا اور جوان میری' اور غلام کو چاہیے کہ یہ نہ کہے رب میرا بلکہ اس کو یہ کہنا چاہیے کہ میرا آقا' میں کہتا ہوں کلام میں درازی کرنی اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا سبب کبر اور خود پسندی ہے اور اس میں لوگوں کی دل شکنی ہے' اور نیز چونکہ کتب آسمانی میں اس نسبت کو جو خالق اور مخلوق کے اندر پائی جاتی ہے عبدیت اور ربوبیت کے ساتھ ساتھ تعبیر فرمایا ہے' لہٰذا لوگوں کو باہم اس کا استعمال کرنا بے ادبی ہے اور آنحضرت ﷺ نے انگور کی نسبت فرمایا ہے کہ کرم مت کہا کرو بلکہ عنب اور حبلہ کہا کرو اور یہ مت کہو اخیبۃ الدھر یعنی اے زمانہ کی بے نصیبی کیونکہ اللہ تعالیٰ تو دہر ہے اور اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ دہر کو برا کہہ کر ابن آدم مجھ کو ایذا دیتا ہے دہر تو میں ہی ہوں میرے ہاتھ میں ہے امر' میں ہی رات و دن کو لوٹتا پوٹتا رہتا ہوں' میں کہتا ہوں جب اللہ پاک نے شراب سے نہی فرمادی اور وہ ایک اتری ہوئی چیز ہوگئی تو مناسب ہوا کہ جس بات میں اس کی عظمت پائی جائے اور جس بات سے اس کی عمدگی کا خیال ہو سکے اس سے بھی ممانعت فرمائی جائے اور انگور شراب کی اصل اور مادہ ہے اور عرب کا دستور تھا کہ اکثر اوقات شراب کو بنت کرم کہہ کر تعبیر کیا کرتے تھے اور اسی نام سے اس کو مشہور کرتے تھے' اور اہل جاہلیت کا قاعدہ تھا کہ وہ واقعات کو دہر یعنی زمانہ کی طرف منسوب کیا کرتے تھے اور یہ ایک قسم کا شرک تھا اور نیز اکثر دہر سے مقلب دہران کو مراد ہوا کرتا تھا' بہرحال دہر کے برا کہنے کا مآل اللہ تعالیٰ سے ناخوشی کی طرف تھا' اگرچہ اس کے عنوان میں وہ خطا کرتے تھے غلط تھا اور حدیث شریف میں آیا ہے تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہوگیا بلکہ اس کو یہ کہنا چاہیے کہ میرا نفس بگڑ گیا' میں کہتا ہوں کہ اکثر خباثت کا استعمال کتب آسمانی میں خباثت باطنی اور بدطینی پر آیا ہے لہٰذا یہ کلمہ بمنزلہ ہیئات شیطانیہ کے ٹھہرا' اور اگر کوئی شخص کسی بات کو اس طرح پر بیان کرے کہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ بات اس طرح ہے تو اس کی نسبت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: **بئس مطیۃ الرجل** برا ذریعہ آدمی ہے' یعنی صرف لوگوں کے گمان کرنے سے کسی بات کا بیان کردینا برا ہے' میں کہتا ہوں اس سے حضور ﷺ کی یہ مراد ہے کہ آپ کو یہ بات ناگوار ہے کہ کوئی شخص بلا ثبوت کسی بات کو ذکر کرے' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے **لا تقولوا**

ماشاء الله وشاء فلان الخ. یہ بات مت کہو کہ اللہ نے چاہا اور فلاں نے چاہا' اور یہ کہو کہ جو اللہ نے چاہا پھر فلاں نے چاہا' میں کہتا ہوں برابر برابر ذکر کرنے سے رتبہ کے اندر برابری کا وہم ہوتا ہے لہٰذا اس قسم کے لفظ کا زبان سے نکالنا سوء ادبی ٹھہرا اور معلوم کرو کہ بے فائدہ باتوں میں غور کرنا اور کلہ درازی اور فصاحت و بلاغت میں انہماک اور اشعار اور مزاح کی کثرت اور قصہ کہانیوں میں وقت کا گزارنا یہ سب امور منجملہ ان امور کے ہیں جو انسان کو دنیا و دین سے بے خبر کرتے ہیں اور جن کا مدار باہمی تفاخر اور نمود پر ہوتا ہے لہٰذا ان کا حال عادت اہل عجم کا سا ہے اس واسطے حضور ﷺ نے ان کو ناپسند فرمایا اور ان کے نقصانات بیان فرمائے' مگر جس قدر میں کراہت کے معنی نہیں پائے جاتے اس قدر کی اجازت عطا فرمائی' اگر چہ بادی الرائے میں ان کے اندر اشتباہ پایا جائے' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے هلك المتنطعون. فضول باتوں میں غور کرنے والے برباد ہو گئے تین مرتبہ اس کلمہ کو ارشاد فرمایا' اور فرمایا ہے' الحیاء و العی شعبتان من الایمان والبذاء والبیان شعبتان من النفاق. حیا اور رُک رُک کر باتیں کرنا ایمان کے دو شعبے ہیں اور بے حیائی اور بیان بیدھڑک تقریر کرنا چاہے زبان سے کچھ نکل جائے نفاق کے دو شعبے ہیں' میں کہتا ہوں اس سے آپ کی مراد بے حیائی اور تعمق اور تطاول کلام کا ترک کرنا ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ان احبکم الی واقربکم منی یوم القیامة احاسنکم اخلاقا. الحدیث' تم میں سے مجھ کو زیادہ تر پسندیدہ اور بروز قیامت تم میں سے مجھ سے زیادہ تر قریب وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق عمدہ ہیں' اور تم میں سے مجھ کو زیادہ تر مبغوض اور مجھ سے زیادہ تر دور تم میں سے وہ لوگ ہیں جو بد اخلاق اور بڑے باتون اور کلہ دراز اور متکبر ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں نے جانا یا حکم دیا کہ گفتگو میں اعتدال اور اختصار بقدر کفایت کرنا بہتر ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر تمہارا شکم ریم سے پر ہو جس کو تم دیکھتے ہو اس سے بہتر ہے کہ وہ شعروں سے بھرا ہوا ہو' حضرت حسانؓ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تو مشرکین کے مقابلہ میں اللہ اور رسول کی جانب سے مخاصمت کرے گا (کفار کا مقابلہ) تو روح القدس ہمیشہ تیری مدد کرے گا' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمان اپنی تلوار اور زبان سے جہاد کیا کرتا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تمہارے اشعار مشرکین کی ہجو میں تیر مارنے کا حکم رکھتے ہیں' احسان کے باب میں جہاں ہم نے آفات ربانی کے اصول و قواعد بیان کیے ہیں وہاں وہ حدیثیں ظاہر کر دی ہیں جن سے حفظ لسان ثابت ہوتا ہے' جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس کو اللہ اور آفات پر ایمان ہے اس کو چاہیے کہ نیک بات کہے' ورنہ خاموش رہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا مسلمانوں کو برا کہنا فسق ہے اور ان سے لڑنا فسق ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم جانتے ہو۔ غیبت کیا چیز ہے' غیبت اس بات کا بیان کرنا ہے جو تیرے بھائی کو ناگوار ہو' اس پر آپ سے عرض کیا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں کہتا ہوں کیا یہ بھی غیبت ہے' فرمایا وہ بات کہنا جو اس میں ہے یہی تو غیبت ہے اور اگر تو نے وہ بات کہی جو اس میں نہیں ہے تو تو نے اس پر بہتان کیا۔

علماء کا قول ہے کہ حرام غیبت سے چھ امور مستثنیٰ ہیں' اول اپنا ظلم ظاہر کرنا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا مگر جو شخص مظلوم ہے' دوسرے کسی ایسی حالت میں کہ برائی ظاہر کرنے سے کسی امر منکر کا بدل دینا منظور ہو اور عاصی کو بہتری کی طرف لوٹانے کا قصد کیا جائے' جیسے زید بن ارقم نے عبداللہ بن ابی کا قول آنحضرت ﷺ سے نقل کر دیا تھا' اور عبداللہ بن

مسعودؓ نے حنین کی غنیمتوں کے متعلق انصار کا قول بیان کر دیا تھا' تیسری فتویٰ لینے میں جیسے ہند نے کہا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہے' چوتھی مسلمانوں کو کسی شر سے محفوظ کرنا جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس خاندان کا بھائی برا ہے یا جیسے حدیث میں زخمیوں کا زخمی کرنا آیا ہے اور جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا معاویہ رضی اللہ عنہ تنگدست ہیں اور ابوجہم اپنے کندھے سے عصا کو نہیں اتارتا' پانچویں فاسق کے شر سے متنفر کرنا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں فلاں فلاں شخصوں کو نہیں جانتا ہوں کہ ہمارے حال سے کچھ بھی واقف ہیں' چھٹی کسی کی حالت بیان کرنا جیسے فلاں شخص اعمیٰ ہے یا لنگڑا ہے۔

اور علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ کوئی مقصود شے بغیر کذب کے حاصل ہی نہ ہو سکتی ہو تو وہاں کذب جائز ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ شخص کذاب نہیں جو لوگوں میں اصلاح کرنے کے لیے کسی نیک کو ظاہر کرے یا کوئی نیک بات کہہ دے۔

اسی مبحث کے متعلق نذروں اور قسموں کے احکام ہیں

اس میں مختصر امر یہ ہے کہ نذریں مقرر کرنا اور قسمیں کھانا لوگوں کی عادات میں سے ہے' عرب ہوں یا عجم کسی فرقہ اور اُمت کو تم نہ پاؤ گے کہ اپنے موقعوں پر ان کا استعمال نہ کرتے ہوں اس واسطے ان کے مباحث کی ضرورت ہوئی یہ نذریں اور قسمیں نیکی کے اصول سے نہیں ہیں' لیکن جب کسی نے اپنے اوپر ایک شے لازم قرار دے لی اور اللہ کا نام اس کے لیے ذکر کیا تو یہ ضروری ہوا کہ اللہ کی عظمت میں اور اس شے میں جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہے کوتاہی نہ کی جائے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نذریں مت مقرر کیا کرو اس لیے کہ نذر سے کوئی امر مقدر نہیں دور ہو سکتا ہے' ان کے سبب سے بخیل کی جانب سے کوئی شے نکل جایا کرتی ہے' یعنی انسان جب کسی حالت میں گھر جاتا ہے تو اس وقت اس کو کسی قدر خرچ کرنا آسان معلوم ہوا کرتا ہے' جب اللہ اس کو تہلکہ سے نجات دے دیتا ہے تو گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی تکلیف نے اس کو کبھی چھوا بھی نہ تھا' اس لیے ضرور ہے کہ جس شے کو اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا اس کو دل سے باہر کر دے اس سے قصد اور عزیمت میں پختگی اور استحکام ہوتا ہے۔

قسم کی چار قسمیں ہیں' اوّل یمین منعقدہ' یہ اس قسم کا نام ہے جو کسی آئندہ شے کے لیے کھائی جائے وہ شے ممکن بھی ہو اور دل میں اس کے متعلق فیصلہ کر لیا ہو' اس کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تم سے ان قسموں کا مؤاخذہ کرے گا جو تم نے منعقد کی ہوں گی' دوسرے لغو الیمین جیسے کہ لوگ بلا قصد کہہ دیا کرتے ہیں واللہ باللہ بلیٰ' واللہ یا ایسی شے پر قسم کھا بیٹھیں جس کے ہونے کا گمان ہو اور بعد کو اس کے خلاف ثابت ہو' اس میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اللہ لغو قسموں میں مؤاخذہ نہیں کرتا' تیسری یمین غموس کہ قصداً جھوٹی قسم اس لیے کھائی جائے کہ اس سے ناحق کسی مسلمان کا مال ہضم کر لیا جائے یہ قسم کبائر میں سے ہے' چوتھی وہ قسم جو کسی محال عقلی سے کھائی جائے' جیسے یہ کہنا کہ گذشتہ کل کا روزہ رکھوں گا' یا دو ضدوں کا جمع کرنا یا کسی محال عادی پر قسم کھائی جائے مثلاً مردہ کو زندہ کرنا یا اشیاء کی حقیقت بالکل بدل دینا اور ان دونوں قسموں میں جن میں نفی وارد نہیں ہے یہ اختلاف ہے کہ ان میں قسم کا کھانا آتا ہے یا نہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جس نے اللہ کے سوا دوسرے کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

میں کہتا ہوں کہ کسی کے نام کی قسم جب ہی کھائی جاتی کہ اس میں عظمت اور بزرگی کا اعتقاد ہو اس کے نام میں برکت خیال کی

جائے اس میں کوتاہی اور جس امر کے لیے وہ نام ذکر کیا گیا ہے اس کو فروگذاشت کرنا گناہ تصور کیا جائے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص قسم کھائے اور قسم میں **بالات والعزی** کہے تو اس کو چاہیے کہ اس کے بعد **لا الہ الا اللہ** کہے اور جو اپنے رفیق سے کہے آؤ قمار بازی کریں تو اس کو چاہیے کہ صدقہ کرے' میں کہتا ہوں کہ زبان دل کی ترجمان ہوا کرتی ہے اور اس کی مقدمہ ہوتی ہے' دلی تہذیب جب تک حاصل نہیں ہو سکتی کہ زبان کی محافظت کا لحاظ کیا جائے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص قسم کھائے اس کے بعد دوسرے سے اس کو بہتر معلوم ہو تو قسم کا کفارہ دے کر اسی بہتر شے کو عمل میں لانا چاہیے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے تم قسم کھا کر اپنے اہل میں اس کے امضا کا اصرار کیا کرتے ہو اس میں اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ گناہ ہے کہ اس کا کفارہ جو اللہ نے اس پر فرض کیا ہے ادا کیا جائے' میں کہتا ہوں اکثر لوگ کسی بات پر قسم کھا بیٹھتے ہیں پھر اپنے نفس پر اور لوگوں پر سختی اور تنگی سے اس کو پورا کرتے ہیں اور یہ امر مصلحت کے خلاف ہے اور کفارہ صرف اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ مکلف کی نفسانی حالت کو روک دے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ تیری قسم اسی حالت پر رہے گی کہ تیرا مقابل یعنی مدعی اس کی تصدیق کرے' میں کہتا ہوں کہ کسی مسلمان کے مال ہضم کرنے کے لیے حیلہ کیا جاتا ہے اور قسم میں تاویل کی جاتی ہے' مثلاً یوں قسم کھاتا ہے کہ واللہ میرے ہاتھ میں تیرے مال کا کوئی حصہ نہیں ہے اس سے قصد یہ ہوتا ہے کہ خاص میرے ہاتھ میں نہیں ہے اگرچہ میرے قبض و تصرف میں ہو' ظلم اس پر آمادہ کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص قسم کھائے اور ان شاء اللہ کہہ دے وہ حانث نہیں ہے' میں کہتا ہوں کہ اس وقت میں دل کا قطعی فیصلہ اور قصد مصمم نہیں ہوا کرتا اور کفارہ کے لیے اسی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ لغو قسموں میں تم سے مؤاخذہ نہیں کرتا لیکن جن قسموں کا تم نے مصمم قصد کر لیا ہے ان کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلا دیا جائے جو تم اپنے اہل کو کھلاتے ہو یا ان کا لباس یا ایک بردہ آزاد کرنا' اور جس کو اس کی قدرت نہ ہو وہ تین روزے رکھ لے' تمہاری قسموں کا یہ کفارہ ہے' جب تم قسم کھاؤ' کفارہ واجب ہونے کا راز پہلے گذر چکا ہے۔ **فراجع**

نذر کی چند قسمیں ہیں:

1. نذر مبہم' اس میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر نذر معین نہ ہو تو اس کا کفارہ اور قسم کا کفارہ ایک ہی ہے۔
2. نذر مباح اس کے متعلق آپؐ نے فرمایا نذر کو پورا کر' لیکن پورا کرنا واجب نہیں ہے ابو اسرائیل کا قصہ اس کے متعلق آگے آنے والا ہے۔
3. کسی خاص جگہ اور خاص صورت میں کسی طاعت کے ادا کرنے کے لیے نذر کی جائے' اس کے متعلق ابو اسرائیل کا قصہ ہے انہوں نے نذر کی تھی کہ میں کھڑا رہوں گا نہ بیٹھوں گا نہ سایہ کی آڑ لوں گا نہ بولوں گا اور روزہ رکھوں گا' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو حکم کرو کہ باتیں کرے اور سایہ میں رہے اور اپنا روزہ پورا کر لے' اور ایک شخص نے نذر کی تھی کہ مقام بوانہ میں جہاں نہ کوئی بت تھا نہ اہل جاہلیت کا میلہ وغیرہ' ایک اونٹ ذبح کروں گا تو آپؐ نے فرمایا اپنی نذر پوری کر لے۔
4. نذر معصیت آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص کسی معصیت کی نذر کرے گا اس کا کفارہ وہی ہے جو یمین کا ہے۔
5. نذر محال' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص ایسی چیز کی نذر کرے جس کو ادا نہ کر سکے اس کا کفارہ بھی یمین کا سا ہے' نذر کے

باب میں قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ کفارہ اس لیے مشروع ہوا ہے کہ گناہ کا لوث اس سے جاتا رہے اس کے سینہ میں جو چیز اڑ رہی ہے وہ دور ہو جائے' اس لیے جو شخص کسی طاعت کی نذر کرے وہ پورا کرے اور جو غیر طاعت کی نذر کرے اور دل میں تنگی دیکھے تو کفارہ واجب ہے۔ واللہ اعلم

مختلف ابواب

جن اُمور کے بیان کرنے کا ہم نے اس کتاب میں قصد کیا تھا اس سے ہم فارغ ہو گئے۔ والحمدللہ رب العالمین۔ جو اس میں ذکر کیا گیا ہے اس سے ان تمام اسرار شریعت کا استیعاب نہیں ہوا ہے جو ہمارے سینوں میں مخفی ہیں اس لیے کہ دل میں ہر وقت یہ فیاضی نہیں ہوتی کہ اسرار کا انکشاف کر دیا کرے' زبان ہمیشہ دلی رازوں کا اظہار نہیں کرتی ہے اور عوام اس قابل ہی نہیں ہوتے کہ ہر ایک نکتہ کا ان کو مخاطب کریں اور ہر شے اس قابل نہیں ہوتی کہ بغیر تمہید اور مقامات کے اس کو معرض بیان میں لائیں اور یہ امر بھی نہیں ہے کہ جو راز ہمارے دلوں میں ہیں وہ ان علوم کے برابر ہو سکیں جو رسول اللہ ﷺ کے دل پر نازل کیے گئے ہیں' اس درجہ والے کو جس پر وحی اور قرآن نازل ہوتا تھا' اپنی امت کے ایک شخص سے کیا نسبت ہو سکتی ہے' ہیہات ذالک' ان دونوں کی حالت میں بڑا فرق ہے اور یہ امر بھی نہیں ہے کہ جن علوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے دل میں مکمل طور پر جمع کیا تھا وہ ان حکمتوں اور مصلحتوں کا پورا مجموعہ ہوں جو احکام الٰہی میں ملحوظ رکھے گئے ہیں' اس نسبت کو خضر علیہ السلام نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ میرے اور تیرے (حضرت موسیٰ علیہ السلام) علم کو اللہ کے علم سے ایسی نسبت ہے جیسے اس سمندر کے ساتھ اس نمی کو جو چڑیا کی چونچ میں ہے۔

ان مرتبوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان مصلحتوں کا کتنا پایہ بلند ہے جن کا احکام شریعت میں لحاظ کیا گیا ہے' یقیناً ان کی کوئی نہایت نہیں ہے' جتنا ان کا ذکر کیا جائے ان مصلحتوں کا حق پورا ادا نہیں ہو سکتا ہے اور نہ ان کی پوری واقفیت کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ **لکن مالا یدرك کله لا یترك کله.**

اب ہم کسی قدر اجمالی طور پر ایک حصہ سیرت اور فتنوں اور مناقب کا بیان کرتے ہیں' استیعاب سے بیان کرنا ہم کو مقصود نہیں ہے۔ **واللہ الموفق والمعین والیه المرجع والمآب.**



رسالت مآب محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا بیان

ہمارے نبی ﷺ کا سلسلہ نسب یہ ہے محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی آپ تمام عرب میں بزرگ خاندان اور نسب سے پیدا ہوئے شجاعت اور پردلی میں سب سے زیادہ توانا' سب سے زیادہ فیاض' سب سے زیادہ خوش بیان' سب سے زیادہ آپ کا دل صاف اور پاک تھا ایسے ہی تمام انبیاء اپنے خاندان میں عالی نسب ہوا کرتے ہیں اس لیے کہ آدمی ایسے ہوتے ہیں جیسے کانیں سونے اور چاندی کی اور اخلاق کی خوبی آدمی کو اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملا کرتی ہے اور نبوت کا استحقاق انہیں لوگوں کو حاصل ہوا کرتا ہے جن کے اخلاق کامل ہوں انبیاء کی بعثت سے اللہ کی مراد یہ ہوتی ہے کہ سچائی اور حق ظاہر ہو جائے اور کوئی فرقہ کجرو درست ہو جائے' اللہ ان کو لوگوں کا پیشوا بناتا ہے اور ان مناصب کے لیے زیادہ موزون وہی ہوا کرتے ہیں جو مفتخر خاندان سے ہوں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اللہ خوب جانتا ہے جہاں رسالت کو رکھتا ہے **اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ** . آپؐ کے خلق اور خلق میں اعتدال تھا' میانہ قد تھے نہ زیادہ دراز قد نہ کوتاہ' موئے مبارک نہ بالکل گھونگروال تھے نہ چھوٹے ہوئے بلکہ بین بین چہرہ مبارک میں گولائی تھی' سر بڑا' ریش مبارک دراز شانے اور قدم پر گوشت' چہرہ کا رنگ سرخی مائل تھا' اعضا میں فربہی تھی' سب سے زیادہ طبیعت میں نرم دلی تھی' لب ولہجہ میں سب سے زیادہ پر صداقت جو شخص فوراً آپ کو دیکھتا آپ کی عزت کرتا اور جان کر جو آپؐ سے ملتا جلتا تو آپؐ پر فدا ہو جاتا' بزرگ نفسی کے ساتھ نہایت خاکسار' اپنے اہل بیت پر نہایت نرم دل تھے حضرت انسؓ نے دس سال تک آپ کی خدمت کی لیکن کبھی ان کو اُف تک نہ کہا اور کبھی نہیں کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا یا کیوں نہیں کیا' اہل مدینہ کی کوئی کنیزک خدمت میں حاضر ہوتی اور جہاں چاہتی لے جاتی' اپنے اہل کی خدمت خود کر دیا کرتے تھے' فحش امر یا لعنت کرنا یا بدگوئی کرنا آپ کی عادت نہ تھی' اپنی کفش کو خود سی لیا کرتے تھے کپڑا خود سی لیتے' بکری کو خود دوھ لیا کرتے حالانکہ بڑے اولوالعزم تھے کوئی شے آپ کو مغلوب نہ کر سکتی تھی اور کوئی مصلحت آپؐ سے فوت نہ ہوتی تھی سب سے زیادہ فراخ دل تھے' تکلیف برداشت کرنے میں سب سے زیادہ مستقل اور ثابت قدم لوگوں پر نہایت ہی مہربان' کسی کو آپ کی ذات سے برائی نہیں پہنچتی تھی' نہ ہاتھ سے نہ زبان سے' مگر جب اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے' تدبیر منزلی کی درستی کا اہتمام کرنے والے اپنے اصحاب کا بڑا لحاظ کرتے' سیاست مدن کے بڑے نگران کہ جس سے زیادہ متصور نہیں ہو سکتا ہے' ہر شے کے اندازہ سے واقف عالم ملکوت کی جانب ہمیشہ متوجہ' ذکر الٰہی کے فریفتہ آپ کی گفتگو اور تمام حالات سے ذکر الٰہی کے آثار نمایاں رہتے تھے' ہمیشہ غیب سے آپ کی اعانت اور تائید ہوتی' دعا آپ کی قبول ہوتی' حظیرۃ القدس سے علوم کا فیضان ہوتا رہتا تھا' معجزات ظاہر ہوتے رہتے' مثلاً دعاؤں کی قبولیت آئندہ واقعات کی پیشین گوئی' جس شے میں برکت کی درخواست کرتے اس میں برکت ہوتی ایسے ہی تمام انبیاء علیہم السلام کی سرشت میں یہ اوصاف ہوا کرتے ہیں ان کی فطرت ہی اُن امور کی جانب ان کو جھکا دیا کرتی ہے' اپنی دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کا ذکر کیا تھا اور آپ کے حالات

رتبہ کی بشارت دی تھی۔

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے آپ کے وجود باوجود کی پیشین گوئی کی تھی اور باقی انبیاء کرام صلوٰت اللہ علیہم نے آپ کی اطلاع دی تھی' آپ کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے اندر سے روشنی نکلی اور تمام زمین اس سے نورانی ہوگئی اس کی تعبیر دی گئی کہ ایک پر برکت لڑکا پیدا ہوگا جس کا دین مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گا' جنوں نے آپ کی پیدائش کی خبریں دیں' کاہنوں اور نجومیوں نے آپ کی پیدائش اور ترقیات کی خبر دی اور واقعات جو نے آپ کی اعزاز و سربلندی کی جانب رہنمائی کی' جیسے ایوان کسروی کے کنگرے ریزہ ریزہ ہوگئے نبوت کی دلیلیں آپ کے اندر جمع ہوگئیں' جیسے کہ ہرقل قیصر روم نے ان کی خبر دی' آپ کی پیدائش اور شیر خوارگی کے زمانے میں لوگوں نے برکت کے آثار مشاہدہ کیے۔ فرشتوں نے ظاہر ہوکر آپ کے قلب میں چیرہ دیا اور ایمان وحکمت سے اس کو بھر دیا' عالم مثال اور عالم شہود کے بین بین یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا اس لیے چیرہ دینے سے ہلاکی کا خطرہ پیش نہیں آیا اور رشتہ کا اثر باقی رہا۔ جو واقعات عالم مثال اور عالم شہادت کی آمیزش سے پیش آیا کرتے ہیں ان کی حالت ایسی ہی ہوا کرتی ہے جب ابوطالب سفر شام میں آپ کو اپنے ہمراہ لے گئے تو راہب نے آپ کے اندر نبوت کی علامتیں دیکھ کر نبوت کا اقرار کیا' جب شباب شروع ہوا تو فرشتوں سے تناسب اور تعلق ظاہر ہونے لگا کبھی غیبی آواز کے ذریعہ سے کبھی فرشتے بدنی صورت میں ظاہر ہوتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ظاہری حوائج کی بندش اس طرح فرمادی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو آپؐ کے ساتھ ہمدردی کا خیال پیدا ہوگیا' یہ قریش کی عورات میں سے باثروت تھیں' جب اللہ کسی کو دوست رکھتا ہے تو اپنے بندوں ہی میں سے کسی کو اس کا کارساز بنا دیتا ہے جب دوسروں کے ساتھ تعمیر میں شریک تھے اور عادات عرب کے موافق اپنے ازار کو دوش مبارک پر ڈال لیا تھا اس سے آپؐ بے ستر ہوگئے اور بے ستر ہوتے ہی بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑے اور غشی کی حالت میں ہی منع فرمایا کہ کہیں شرمگاہ ظاہر نہ ہو جائے' یہ نبوت کی ایک طاقت تھی' نفس کے مؤاخذہ کرنے کی یہ بھی ایک قسم ہے۔

اس کے بعد آپ خلوت کو پسند فرمانے لگے' مقام حرا میں چند راتوں تک خلوت گزیں رہتے' پھر دولت خانہ کو تشریف لاکر ویسے ہی چند روز کی غذا ہمراہ لیتے اور وہیں قیام فرماتے غلبہ روحانیت نے دنیا سے آپ کی توجہ کو ہٹا دیا تھا اور ہمہ تن آپ کا رُخ اس فطرت کی جانب پھیر دیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے' اوّل آغاز رؤیائے صالحہ سے ہوا' آپ کوئی خواب نہ دیکھتے مگر اس کا ایسا ظہور ہوتا جیسے صبح کا سپیدہ' یہ بھی نبوت کی طاقت کا ظہور تھا اس کے بعد مقام حرا میں صداقت یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام اور وحی کا نزول شروع ہوا اور غلبہ ملکیت کے وقت طبیعت کا قانون ہے کہ اس میں حیرت اور پریشانی پیدا ہوتی ہے اس لیے اس وقت آپؐ میں بھی گھبراہٹ پیدا ہوگئی' اس واسطے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو ورقہ بن نوفلؓ کے پاس لے گئیں اور یہ حالت بیان کی انہوں نے کہا: **هوالناموس الذی نزل علی موسٰی.** یہ وہی ناموس ہے (فرشتہ) ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا' اس کے بعد چند روز تک وحی منقطع ہوگئی' اس کی وجہ یہ تھی کہ انسان میں دو مختلف طاقتیں جمع ہوتی ہیں ایک بشری دوسری ملکی' جب تاریکیوں سے نور کی جانب خروج ہوتا ہے' تو مختلف مزاحمتیں اور الجھاؤ پیش آتے ہیں یہاں تک کہ جو اللہ کی مرضی ہے وہ پوری ہو جاتی ہے' آپ فرشتہ کو کبھی آسمان وزمین میں بیٹھا ہوا دیکھتے تھے' کبھی حرم میں کھڑے ہوئے کہ اس کے ازار باندھنے کی جگہ کعبہ تک ممتد ہوتی تھی: **ونحو**

ذالك. اس کا راز یہ ہے کہ جن نفوس میں نبوت کی استعداد ہوتی ہے تو ملکیت اس کی روح کے سامنے متحضر ہو جاتی ہے بدنی مشاغل سے آزادی ہوتی ہے اس کے سامنے ملکی بجلی درخشاں ہونے لگتی ہے جیسا وقت کا اقتضا ہوتا ہے ویسے ہی یہ حالت پیدا ہوتی ہے جیسے عوام لوگوں کو آزادی کی حالت میں خواب کے ذریعہ بعض امور کا انکشاف ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا آپ پر نزول وحی کس طرح ہوتا ہے آپ نے فرمایا کبھی گھنٹہ کی چھنکار کی طرح اس کی مجھ پر گرانی ہوتی ہے اس آواز کے جدا ہوتے ہی میں اس بات کو محفوظ کر لیتا ہوں اور کبھی مجھ کو فرشتہ کی صورت نظر آتی ہے وہ کہتا جاتا ہے میں یاد کرتا جاتا ہوں میں کہتا ہوں اس آواز کی حقیقت یہ تھی کہ جب کوئی پر زور تاثیر حواس سے ٹکراتی ہے تو ان میں ایک تشویش اور شورش پیدا ہو جایا کرتی ہے بینائی میں تشویش اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ مختلف رنگ کی چیزیں سرخ، زرد، سبز وغیرہ نظر آتی ہیں اور شنوائی میں اس طرح اس کا ظہور ہوتا ہے کہ بے معنی آوازیں جیسے بھنبھناہٹ جھنکار وغیرہ محسوس ہوتی ہے جب یہ اثر ختم ہو جایا کرتے ہیں تو علم حاصل ہو جایا کرتا ہے اور فرشتہ کا صورت میں نظر آنا ایسے موقع پر ہوا کرتا ہے جہاں عالم مثال اور عالم شہود دونوں کے احکام اور اثر یکجا جمع ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ فرشتوں کو بعض لوگ دیکھتے تھے بعض نہیں دیکھتے تھے۔

ان حالات کے بعد آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ دعوتِ اسلام کریں اور مخفی طور پر آپ نے اسلام کی تعلیم شروع کی اس کا یہ اثر ہوا کہ حضرت خدیجہ ؓ اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اسلام قبول کیا۔

پھر ارشاد ہوا: **فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ** . جو حکم تم کو دیا جاتا ہے اس کی آشکار اتعمیل کرو اور فرمایا گیا: **وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ** . اپنے قریب رشتہ داروں کو ڈراؤ اب آپ نے اعلانیہ دعوت اور شرک کی رسموں کو باطل کرنا شروع کر دیا اس وجہ سے تمام لوگ بگڑ گئے نہایت سختی سے پیش آنے لگے زبان اور ہاتھ سے برابر تکلیفیں دینے لگے مذبوحہ جانوروں کی جھلی آپ پر ڈالتے تھے آپ کا گلا گھونٹ دیتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نہایت استقلال کے ساتھ ان شدتوں کو جھیلتے تھے اور برابر مسلمانوں کو فتح کا مژدہ سناتے تھے اور کافروں کو شکست اور بربادی کا خوف دلاتے رہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **قَوۡمٌ مَّا هُنَالِكَ مَهۡزُوۡمٌ مِّنَ الۡاَحۡزَابِ** . یہاں کے لوگ جماعتوں سے بھاگ جائیں گے اب انہوں نے اور بھی زیادہ تنگ کرنا شروع کیا اور قسمیں کھا کھا کر باہم معاہدہ کرایا مسلمانوں کو اور ہاشمی اور مطلبیوں کو جو مسلمانوں کے ہمدرد ہیں خوب توبیخ کریں اس وقت مسلمانوں کو رہبری ہوئی کہ حبشہ کی جانب ہجرت کر جائیں اس سے وسعت کبریٰ سے پہلے کسی قدر وسعت اور کشادگی ہوگئی جب حضرت خدیجہ ؓ اور ابو طالب آپ کے چچا کا انتقال ہو گیا اور ہاشمیوں کی جماعت اور قوت منتشر ہوئی تو اس کی وجہ سے آپ کو بے اطمینانی پیش آئی اور یہ امر اجمالی طور پر آپ کے قلب میں القا کیا گیا تھا کہ ہجرت سے کامیابی حاصل ہوگی اس لیے اپنے خیال وفکر سے ہجرت کا آپ نے قصد فرمایا اولاً طائف ہجر یمامہ کی جانب توجہ اور میلان ہوا اور مختلف طریقے سوچے لیکن عجلت کر کے طائف تشریف لے گئے وہاں آپ کو نہایت سخت تکلیف ہوئی اس کے بعد بنی کنانہ کی طرف تشریف فرما ہوئے یہاں بھی کوئی خوشکن امر پیش نہ آیا اس لیے زمعہ کے زمانہ میں مکہ کو مراجعت کی اور آیت نازل ہوئی **وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلۡقَى الشَّيۡطٰنُ فِىۡۤ اُمۡنِيَّتِهٖ** . جب ہم نے کوئی رسول بھیجا ہے تو اس کی یہ حالت ہوئی کہ جب اس نے کسی امر کی تمنا کی تو شیطان نے اس کی آرزو میں کوئی شے ملا دی ہے آپ کی تمنا

یہ تھی کہ جن امور کو اپنے دل میں غور کرتے تھے ان سے اللہ کے وعدوں کے پورا ہونے کی خواہش رکھتے تھے۔ اور شیطان کا اس میں ملا دینا یہ ہوا کہ ارادۂ الٰہی کے خلاف اُمور پیش آئے اور اصلی حالت پر ایک نقاب حائل ہو گیا۔

اسی اثنا میں مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی گئی اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ اور جو جو اللہ کی مرضی تھی وہاں تک سیر واقع ہوئی' یہ تمام اُمور بدن کے ذریعہ سے ہوئے بیداری کی حالت میں لیکن ایسے موقع میں جو عالم مثال وشہود میں برزخ کی طرح واقع ہے سب کے احکام اس میں جمع تھے' بدن پر تمام روح کے احکام طاری ہوئے رُوح اور روحانی امور بدنوں کی صورت میں پیش آئے اس واسطے ان واقعات میں ہر ایک واقع کی ایک تعبیر ہے' حضرت حزقیل اور حضرت موسیٰ وغیرہ انبیاء علیہم السلام کو بھی ایسے ہی واقعات پیش رہے تھے' اولیائے امت کو ایسے امور پیش آتے ہیں تا کہ ان کے برتر مقامات کی حالت ایسی ہو جیسے خواب میں دوسروں کے حالات ہوا کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

شق صدر اور ایمان سے اس کے بھر دینے کے معنی یہ ہیں کہ ملکی طاقت کے انوار آنحضرت ﷺ پر غالب ہو گئے اور طبیعت کی آگ فرو ہو گئی اور طبیعت اس قابل ہو گئی کہ جن علوم کا خطیرۃ القدس سے افاضہ کیا جائے ان کو مطیعانہ اخذ کر سکے' اور براق پر سوار ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ آپ کے نسمہ پر جس میں کمال حیوانی ہوتا ہے نفس ناطقہ کا استیلاء اور غلبہ ہو گیا براق پر مضبوط ہو کر سوار ہوئے یعنی بہمیت پر نفس ناطقہ کے احکام مسلط ہو گئے اور مسجد اقصیٰ کی طرف سیر کرنا اس طرح ہوا کہ وہ مسجد شعائر اللہ کے ظاہر ہونے کا موقع ہے' ملاء اعلیٰ کی ہمتیں اس سے متعلق رہتی ہیں انبیاء علیہم السلام کی توجہ کا وہ اماجگاہ ہے یا وہ ملکوت کے لیے ایک روشن دان ہے۔

انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرنا اور ان سے مفاخرت کرنا اس کی حقیقت یہ ہے کہ خطیرۃ القدس کے ارتباط اور تعلق سے سب کا اجماع ہوا اور ان سب میں کمالات نبوت کے اوصاف میں آپ کی خصوصیت اور فضیلت ظاہر ہوئی۔

اور آسمان پر ترتیب ایک شے کے دوسرے پر صعود کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خاص قرارگاہ جلالت اور الوہیت تک منزل بہ منزل آپ نے ترقی کی' ملائکہ سے تعارف ہوا جو وہاں مقرر ہیں ان بزرگ روحانیوں سے لقا ہوا جو آدمیوں میں سے فرشتوں میں منسلک ہو گئے ہیں' ان تدابیر کا اب علم حاصل ہوا جن کی وہاں وحی کی گئی' اس خصومت کو دریافت کیا جو ان منازل میں حاصل ہوتی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لقاء کرنا بدن سے نہ تھا بلکہ وہ اس حالت کی مثال تھی جو دعوتِ عامہ کے جاتے رہنے سے ان کو پیش آئی اور جس کمال کے وہ خواستگار تھے اس کے پورا ہونے میں ایک حصہ کی کمی رہ گئی۔

سدرۃ المنتہیٰ سے وجود کا درخت مراد ہے جس کے حصوں میں ترتیب ہوتی ہے اور اس کی تمام طاقتیں ایک ہی تدبیر میں جمع ہوتی ہیں جیسے قوتِ غاذیہ نامیہ وغیرہما کی سب قوتیں صورتِ شجری میں جمع ہوا کرتی ہیں اور اس حالت کو جس میں مجموعی اور اجمالی تدبیر کی طرف اشارہ ہو اور اس کے تمام افراد میں عموم اور کلیت ہو زیادہ تر مشابہت درخت سے ہے نہ حیوان سے' حیوان میں تفصیلی طاقتیں ہوتی ہیں اور ارادہ حیوانی طبیعت کے قوانین کو مصرح اور ظاہر حالت میں کر دیا کرتا ہے اس درخت کی جڑ میں نہروں سے مراد وہ عالم ملکوت کی رحمت ہے جس کا وہاں سے فیضان مسلسل رہتا ہے' عالم شہادت کی جانب وہ جاری اور ساری رہتی ہے اس کا اثر ہے زندہ رکھنا اور زندگی کو بالیدہ کرنا ہے اسی لیے وہاں بعض نافع امور کی تعیین کی گئی جیسے نیل وفرات اور جو انوار اس درخت کو تغشیہ کیے

ہوئے ہیں وہ الٰہی انتظامات اور رحمانی تدبیر ہیں جن کی عالم شہادت میں ہر شے کی استعداد کے موافق چمک دمک رہتی ہے اور بیت المعمور تجلی الٰہی کا نام ہے' اسی کی جانب آدمیوں کے سجدہ اور سجدے کی عاجزانہ حالتیں رہتی ہیں' اس کی تشبیہ بیت کے ساتھ کعبہ اور بیت المقدس کی مثال پر دی گئی ہے۔

ان امور کے بعد معراج میں آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک طرف دودھ کا اور ایک طرف شراب کا پیالہ پیش کیا گیا' آپؐ نے دودھ والا پسند فرمایا تب حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا آپ فطرت کی جانب راہنمائی کیے گئے' اگر شراب کا پسند کرتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی اس لیے کہ دودھ میں اشارہ تھا کہ آپ کی اُمت فطرت کو پسند کرے گی اور شراب میں اشارہ تھا کہ دنیوی لذتوں کو پسند کرے گی اور معراج ہی میں پنجگانہ نمازیں فرض کی گئیں اور ثواب کے لحاظ سے وہ پچاس ہیں' آہستہ آہستہ خداوند کریم نے اس پچاس کی تعداد کو ظاہر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ نعمت بھی کامل ہو گئی اور تنگی بھی رفع ہو گئی اور اس معنی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب اس واسطے منسوب کیا کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں وہ امت کی اصلاح اور سیاست سے زیادہ واقف تھے۔ معراج کے بعد رسول اللہ ﷺ قبائل عرب سے تقویت اور امداد طلب کرتے رہے لیکن انصار کو اللہ نے اسلام کی توفیق دی اور انہوں نے دوبار بیعت کی' ایک عقبیٰ اولیٰ میں دوسری عقبہ ثانیہ میں' اور اس کے بعد اسلام مدینہ شریف کے ہر ایک گھر میں داخل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ پر صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ دین کی ترقی جب ہی ہو گی کہ مدینہ کی طرف ہجرت کی جائے اس لیے ہجرت کا پورا قصد فرمالیا اب قریش میں غصہ کی آگ اور زیادہ جوشزن ہوئی اور مختلف منصوبے کرنے لگے کہ آپ کو قتل کر دیں یا ٹھہرائے رکھیں یا کہیں کو نکال دیں لیکن آپ اللہ کے محبوب برکت والے تھے اللہ نے آپ کے غالب ہونے کا فیصلہ کر دیا تھا اس لیے چند معجزات کا ظہور ہوا' جب آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں سانپ نے کاٹا اور آنحضرت نے برکت کی دعا کی اور فوراً ان کو آرام ہو گیا' کفار جب غار کے منہ پر آ کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور ان کے خیالات کو آنحضرت ﷺ کی جانب سے ہٹالیا' جب سراقہ بن مالک نے دونوں حضرات کا تعاقب کیا تو آپ نے اس پر بددعا کی جس کے اثر سے اس کا گھوڑا شکم تک سنگلاخ زمین میں دھنس گیا زمین اللہ کی قدرت سے پھٹ گئی' سراقہ نے اس پر یہ کفالت کی کہ میں آپ دونوں سے دشمن کو روکتا رہوں گا اس کے بعد وہ رہا ہو گیا۔

جب ام معبد کے خیمہ پر آپ کا گزر ہوا تو اس بکری نے دودھ دیا جس کا دودھ بالکل خشک تھا اور دودھ کے قابل نہ تھی' جب مدینہ شریف میں تشریف فرما ہوئے تو عبداللہ بن سلام نے آ کر تین مسئلے دریافت کیے جس کا جواب سوائے نبی کے اور کوئی نہیں جانتا ہے' اول یہ کہ قیامت کی پہلی علامت کیا ہو گی' دوسری جنت کا پہلا کھانا کیا ہو گا' تیسری کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے کبھی ماں کے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا اوّل علامت قیامت کی آگ ہے جو شرق سے غرب تک لوگوں پر پھیل جائے گی اور پہلا کھانا اہل جنت کا مچھلی کے جگر کا ٹکڑا ہو گا' اور جب مرد کا نطفہ رحم میں پہلے پہنچتا ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر ماں کا نطفہ پہلے پہنچتا ہے تو ماں کے مشابہ ہوتا ہے' اس پر عبداللہ بن سلام نے اسلام قبول کر لیا اور تمام علمائے یہود میں خاموشی پیدا ہو گئی' اس کے بعد آپؐ نے یہودیوں سے صلح کر لی اور ان کے شر سے نجات مل گئی' مسجد کی تعمیر شروع کی اور لوگوں کو نماز اور اوقات نماز کی تعلیم دینے لگے اور اس

میں مشورہ کیا کہ نماز کی اطلاع کس چیز سے دی جائے عبداللہ بن زیدؓ نے اپنی خواب میں اذان کے کلمات سیکھے (فرشتہ سے) فیضان غیبی کا انتظار آنحضرت ﷺ کو تھا عبداللہ سفیر اور واسطہ ہو گئے لوگوں کو جماعت جمعہ روزہ پر آمادہ کیا زکوٰۃ کا حکم دیا اور زکوٰۃ کے حدود کی تعلیم دی لوگوں کو علانیہ دعوتِ اسلام دینی شروع کی اور ان کو راغب کیا کہ اپنے اپنے وطنوں سے ہجرت کریں اس لیے کہ ان کے وطن دار الکفر تھے وہاں حدود اسلام کا قائم کرنا ممکن نہ تھا اور تمام مسلمانوں کی جمعیت کو مؤاخاۃ سے نہایت مستحکم کر دیا اس مؤاخاتِ نے مسلمانوں میں صلہ اور مصارف میں ایک دوسرے کی امداد اور باہم ایک دوسرے کا وارث ہونا لازم کر دیا تا کہ اس سے ان میں وحدت پیدا ہو جائے اور اس قابل ہو جائیں کہ مجموعی طاقت سے جہاد کر سکیں اور اپنے دشمنوں کے حملوں کو روک سکیں پہلے اہل عرب میں دستور تھا کہ ایک خاندان دوسرے خاندان سے مدد لیا کرتے تھے جب اللہ نے دیکھا کہ مسلمانوں میں وحدت اور قوت جمع ہو گئی ہے تو اپنے نبی کو جہاد کی وحی بھیجی کہ کفار کی خوب ہوشیاری سے دیدبانی کریں۔

جب جنگ بدر واقع ہوئی تو مسلمانوں کے پاس پانی نہ تھا اللہ نے وہاں خوب مینہ برسایا لوگوں سے آنحضرت ﷺ نے مشورہ کیا کہ قافلہ کا قصد کرتے ہو یا لشکر سے مقابلہ کا تو آنحضرت ﷺ کی رائے سے صحابہ ؓ کی رایوں میں مدد دی گئی اور سب نے مقابلہ کا اہتمام کیا پہلے ایسے مقابلے کا گمان بھی نہ تھا جب آپؐ نے دشمن کی کثرت کو ملاحظہ کیا تو اللہ کے حضور میں نہایت عاجزی کی اور آپ کو فتح کا مژدہ دیا گیا اور وحی سے ان مواقع کی اطلاع دی گئی جہاں مخالف مقتول ہو کر گریں گے آپؐ نے فرمادیا فلاں جگہ میں فلاں شخص مرا پڑا ہو گا اور فلاں جگہ میں وہ شخص آپ اپنا ید مبارک رکھ کر فرماتے جاتے تھے کہ یہاں وہ ہو گا اور یہاں وہ ہو گا پس کوئی ایسا نہ تھا کہ سرمو ئے اس جگہ سے ہٹا ہو جو آپ نے اپنے ہاتھ سے تعیین کر دی تھی فرشتے اس روز لوگوں کی آنکھوں کے سامنے نظر آتے تھے تا کہ موحدین کے دل پختہ ہو جائیں اور مشرکوں کے دل تھرا جائیں اس لڑائی میں مسلمانوں کی عظیم الشان فتح ہوئی اس جنگ نے ان کو غنی بنا دیا اور شرک کی طاقت کو پسپا کر دیا قریش کے منتخب لوگ اور جگر گوشے ہلاک ہو گئے اسی واسطے اس جنگ کا نام فرقان ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی کہ شرک کی بیخ کنی ہو جائے اور صحابہؓ نے اپنی رائے سے فدیہ لینے کی طرف میلان کیا اس سے مورد عتاب ہو گئے لیکن اخیر میں ان کو معافی دی گئی اس کے بعد یہود کے جلائے وطن کرنے کی تقریب پیش آئی یہودی جب تک مدینہ کے جوار میں رہتے دین الٰہی کے خالص اور مطمئن ہونے کی کوئی صورت نہ تھی انہوں نے عہد شکنی کی اس لیے آنحضرت ﷺ نے بنی نضیر اور بنی قینقاع کو جلاوطن کر دیا اور کعب بن اشرف کو قتل کروا دیا اور ان کے دلوں پر ایسا رعب چھایا کہ انہوں نے ان لوگوں کی جانب رُخ نہ کیا جنہوں نے مدد دینے کے وعدے کیے تھے اور خوب ان کے دلوں کو بڑھایا تھا ان کے مالوں کو اللہ نے اپنے نبی کی طرف پھیر دیا اور اوّل دولت میں فراخی مسلمانوں کو اسی سے حاصل ہوئی اور ابو رافع حجاز کا تاجر مسلمانوں کو بہت تکلیفیں پہنچایا کرتا تھا اس کی طرف آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن عتیک کو روانہ فرمایا انہوں نے آسانی سے اسے قتل کر دیا جب عبداللہ اس کے گھر سے باہر آرہے تھے تو ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنا پاؤں پھیلا دو آپؐ نے اس پر ہاتھ پھیر دیا وہ ایسا صحیح سالم ہو گیا گویا کبھی کوئی شکایت ہی نہ ہوئی تھی۔

جب اسبابِ سماوی کا اقتضا ہوا کہ جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہو تو اس موقع پر چند طریقوں میں رحمتِ الٰہی کا ظہور ہوا

کہ اس واقعہ سے بڑی مذہبی بصیرت اور بیداری پیدا ہوئی اس لیے کہ شکست کی وجہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی مخالفت ہوئی' آپ نے فرمادیا تھا کہ درہ پر جمے رہیں اور لوگوں کا وہاں سے ہٹنا تھا کہ حملہ آوروں کا کام پورا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر اپنے نبی کو شکست پر آگاہ کر دیا تھا' آپ کو خواب میں شکستہ تلوار اور ذبح کی ہوئی گائے دکھادی گئی تھی' شکست اور صحابہ ؓ کا شہید ہونا اسی کی تعبیر تھی۔ یہ جنگ نہر طالوت کی نظیر ہوگئی جس میں بااخلاص لوگ غیروں سے متمیز ہو گئے' اس میں رہبری ہوگئی' کہ حد مناسب سے زیادہ کسی پر اعتماد نہ کیا جائے اور جب حضرت عاصم ؓ اور ان کے رفقاء شہید ہوئے تو بروں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور دشمن اپنے ارادہ کو پورا نہ کر سکے۔

جب قراء صحابہؓ بیر معونہ میں شہید ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نماز میں قاتلوں پر بددعا کرنے لگے اور اس میں ایک قسم کی عجلت تھی جو بشریت کے اقتضا سے ہوا کرتی ہے' اللہ نے اس پر تنبیہ فرمادی کہ رسالت کے تمام امور فی اللہ اور محض خالصۃً للہ ہونے چاہئیں ان میں کوئی لوث بشری نہ ہو۔

جب عرب کے بڑے قبائل نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا اور خندق کھودی گئی تو بھی مختلف عنوانوں سے رحمت الٰہیہ کا ظہور ہوا' اللہ نے کفار کے مکروں کو کامیاب نہ ہونے دیا اور مسلمانوں کو کسی قسم کی مضرت نہ پہنچی اور حضرت جابرؓ کے کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ ایک صاع جو اور ایک بزغالہ سے قریب ایک ہزار آدمیوں کے خوب سیر ہو گئے' کسریٰ اور قیصر کے ایوانات پتھر کی ضرب سے جو شرارہ اُڑا تھا اس میں نظر آئے اور ان کے فتح ہونے کی آپ نے بشارت دی اور شب تاریک میں ایسی سخت ہوا کو جنبش ہوئی کہ کفار کے دل مرعوب ہو گئے اور وہ بھاگ نکلے' بنی قریظہ کا محاصرہ کیا گیا اور حضرت سعدؓ کے فیصلہ کے موافق وہ اپنے قلعوں سے نیچے اتر آئے تو حضرت سعدؓ نے حکم دیا کہ ان میں سے جو لڑنے کی طاقت رکھتے ہیں قتل کر دیئے جائیں اور ان کے بال بچے قید کر لیے جائیں اس میں ان کی رائے حق بجانب تھی' آنحضرت ﷺ کو حضرت زینب ؓ کی جانب طبعی میلان تھا' اور اس میں ایک مذہبی مصلحت تھی کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ لے پالک کی بیوی بریوں کے لیے درست ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا انجام یوں کیا کہ ان کے خاوند نے ان کو طلاق دے دی۔ اور اللہ نے ان کا نکاح آنحضرت ﷺ سے کروا دیا' ایک دفعہ جمعہ کے روز آپ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر کہا **یارسول اللہ هلك المال وجاع العيال فاستسق** ۔اے اللہ کے رسولؐ! مویشی ہلاک ہو گئے اور کنبہ بھوکا مرتا ہے آپ بارش کی دعا فرمایئے' اس وقت آسمان پر ابر کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا' ہاتھ اٹھا کر آپ دعا مانگنے لگے' ابھی آپ نے ہاتھوں کو نیچے نہ کیا تھا کہ بادلوں کے دل پر دل پہاڑوں کی طرح گھر گئے اور سات روز تک بارش کی جھڑی لگ گئی' اتنا پانی پڑا کہ لوگوں کو نقصان کا اندیشہ ہونے لگا' تب آپؐ نے فرمایا **حوالینا ولا علینا** ۔ہماری اطراف میں پڑے نہ ہم پر' کوئی سمت نہ تھی کہ اس طرف بادل ہٹنے کا اشارہ فرماتے ہوں اور بادل نہ ہٹ جاتا ہے۔

جس شے میں آپ نے برکت کی خواستگاری فرمائی ہے بارہا اس میں برکت ہوئی' جیسے حضرت جابر ؓ کا انبار خرما اور ام سلیم ؓ کی روٹیاں۔ **ونحو ذالك**۔

بنی مصطلق کی لڑائی میں ملائکہ ظاہراً نمودار ہوئے اور دشمن پر خوف طاری ہو گیا' اسی جنگ میں حضرت عائشہ صدیقہ ؓ پر

تہمت لگائی گئی اور اللہ کی رحمت سے آپ کی برأت ثابت ہوئی اور جس نے ایسی شناعت کو آپ کی جانب سے شائع کیا تھا اس پر حد قذف قائم کی گئی' ایک بار سورج گرہن ہوا تو آپ نے اس کے لیے بارگاہ خداوندی میں عجز و نیاز کیا کہ ایسا انقلاب اللہ کے نشانات میں سے ایک نشان تھا' ایسے وقت میں برگزیدہ لوگوں کے دل میں خوف طاری ہوا کرتا ہے' اسی نماز میں آپ نے اپنے اور دیوار قبلہ کے مابین جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کیا یہ مشاہدہ اسی طرح تھا کہ عالم مثال کے احکام کسی موقع خاص پر ظاہر ہوا کرتے ہیں' اور خواب میں جناب الٰہی نے آپ کو مطلع کیا کہ فتح کے ساتھ مکہ میں حلق اور قصر کے بعد داخل ہوں گے بلا خوف و ہراس' اس لیے لوگوں نے عمرہ کا قصد کیا اور ابھی تک عمرہ کا وقت نہیں آیا تھا اور یہی تقریب صلح کی ہوگئی جو بڑے بڑے فتوحات کا مقدمہ تھی' لوگوں کے وہم و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی۔

اس موقع پر نبوت کے چند نشانات ظاہر ہوگئے' لوگ پیاسے تھے اور پانی صرف ایک برتن میں موجود تھا رسول اللہ ﷺ نے اپنا ید مبارک اس ظرف میں رکھ دیا اور آپ کی انگلیوں میں سے پانی کی دھار نکلنے لگی' حدیبیہ کا تمام پانی صحابہؓ نے کھینچ لیا تھا' اس میں ایک قطرہ باقی نہ رہا' آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی تب تمام لوگ سیراب ہوئے۔

اور مخلصین کے اخلاص کی جانچ کے لیے بیعۃ الرضوان واقع ہوئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خیبر کو فتح کیا اس سے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو اتنا مال غنیمت ملا جس سے جہاد کی طاقت بڑھا سکیں اس سے خلافت کے منظم ہونے کی بنیاد پڑ گئی اور آنحضرت ﷺ زمین پر خلیفۃ اللہ ہوگئے اور یہاں بہت سے معجزات ظاہر ہوئے آپؐ کے کھانے میں یہودیوں نے زہر ملا دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر آگاہ کر دیا' اور اسی جنگ میں سلمہ بن اکوع کے چوٹ لگ گئی تھی آپؐ نے کئی بار اس ضرب پر دم کر دیا کہ پھر کبھی انہوں نے درد کی شکایت نہ کی' آپ نے قضائے حاجت کا ارادہ فرمایا کوئی شے ستر کی نہ تھی' اس وقت آپ نے دو درختوں کو بلایا وہ اس اونٹ کی طرح جس کے ناک میں نکیل ہو مطیعانہ کھنچے چلے آئے' جب آپ فارغ ہوگئے تو ان کو اپنی جگہ واپس کر دیا' جب محاربی نے ارادہ کیا کہ آنحضرت ﷺ پر غالب ہو جائے تو اللہ نے اس کے دل پر رعب بٹھا دیا' آپؐ نے اس کے ہاتھ باندھ دیئے۔

اور جس امر کا ملاء اعلیٰ میں فیصلہ ہوگیا تھا آنحضرت ﷺ کے دل میں اس کا القاء ہوا کہ تمام بڑے بڑے سرکش ملعون ہوں ان کی صورت زائل ہو جائے' ان کی رسمیں نابود ہو جائیں اس لیے اس میں سعی فرما کر اللہ کی بارگاہ میں تقرب حاصل کیا' قیصر اور کسریٰ اور تمام معاند سرکشوں کو نامے تحریر فرمائے' کسریٰ نے نامے سے سوء ادبی کی' اس لیے آپؐ نے اس پر بددعا کی اور اس کو اللہ نے ریزہ ریزہ کر دیا' آنحضرت ﷺ نے حضرت زید اور حضرت جعفر اور حضرت انس بن رواحہ رضی اللہ عنہم کو موتہ (مقام ملک شام) کو روانہ فرمایا اور ان پر وہاں جو حالت گزری وہ آنحضرت ﷺ پر ظاہر ہوگئی' آپ نے اس سے پیشتر کہ کوئی خبر وہاں سے پہنچی ہو ان کی وفات کی خبر دی' آنحضرت ﷺ جب تمام قبائل عرب کے جہاد سے فارغ ہوگئے اور قریش نے عہد شکنی کی اور کورانہ روش اختیار کی تو آپ نے فتح مکہ کا اہتمام فرمایا اور حاطب بن بلتعہ صحابی نے اہل مکہ کو آپؐ کے ارادہ پر مطلع کرنا چاہا تو اللہ نے اپنے رسول کو اس پر آگاہ کر دیا اور آپ نے مکہ کو فتح کیا۔ **ولو کرہ الکفرون** (اور پڑے برا مانیں نہ ماننے والے) اہل مکہ میں اس طریقہ سے اسلام پھیل گیا کہ اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔

جنگ حنین میں جب مسلمانوں اور کافروں کی مڈبھیڑ ہوئی اور کفار نے جولانی کی تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل خاندان نے نہایت ہی استقلال ظاہر فرمایا آپؐ نے ان کی جانب گرد پھینکی اس میں یہ اعجاز تھا کہ کوئی شخص نہیں بچا' جس کی آنکھ میں وہ گرد نہ پہنچی ہو اسی وجہ سے وہ لوٹ گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دل میں جمعیت اور اطمینان پیدا کیا اور سب نے سمٹ کر نہایت سخت کوشش کی اور فتح کر لیا آپ نے ایک شخص کی نسبت جو مدعی اسلام تھا اور اس نے بہت ہی سخت مقابلہ کیا تھا' فرمایا کہ وہ دوزخی ہے قریب تھا کہ بعض لوگوں کو آپ کے ارشاد میں شک پیدا ہو لیکن بعد میں ظاہر ہو گیا کہ اس نے خودکشی کر لی ہے۔

اور آپؐ پر جادو کیا گیا آپؐ نے اللہ سے دُعا مانگی کہ اصلی حالت ظاہر ہو جائے تو خواب میں دو شخصوں نے آپ کو جادو اور جادو کرنے والے کی کیفیت ظاہر کر دی' اور ذوالخویصرہ نے آ کر کہا یا رسول اللہؐ انصاف سے تقسیم فرمایئے اس پر آنحضرت ﷺ کو اس شخص کا اور اس کی قوم کا انجام منکشف ہو گیا کہ یہ لوگوں میں سے ایک بہترین فرقہ سے جنگ کریں گے ان کی شناخت آدمی سے کی جائے گی جس کا رنگ سیاہ ہو گا اور اس کا ایک بازو ایسا ہو گا جیسے عورت کا پستان' حضرت علیؓ نے ان سے مقاتلہ کیا اور جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا ویسے ہی اس کی صفت آپؐ نے پائی' حضرت ابو ہریرہؓ کے لیے آپ نے دعا فرمائی اور وہ اسی روز ایمان لے آئے' ایک روز آپؐ نے فرمایا کہ جب تک میں اپنی اس تقریر کو ختم کروں جو نسا شخص اپنا کپڑا پھیلا کر اپنے سینہ سے لگا لے گا' کبھی اپنی بات نہ بھولے گا' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا کپڑا بچھا کر سینہ سے لگا لیا' پھر کبھی ان کو اپنے قول میں نسیان نہ ہوا۔

آنحضرت ﷺ نے ایک روز اپنا ید مبارک جریر کے سینہ پر مار کر فرمایا بار خدایا اس کو جمانے رکھ' اس کے بعد پھر کبھی وہ گھوڑے سے نہیں گرے اور پہلے وہ گھوڑے پر خوب نہیں جم سکتے تھے' ایک شخص مرتد ہو گیا تھا تو اس کو زمین نے قبول نہیں کیا' آنحضرت ﷺ ایک شاخ پر سہارا دے کر خطبہ پڑھا کرتے تھے' جب ممبر بن گیا اور اس پر قیام فرمایا تو اس شاخ میں گریہ و گداز پیدا ہو گیا یہاں تک کہ آپ نے اس کو پکڑ کر چمٹا لیا۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ایک ست گھوڑے پر سوار ہو کر فرمانے لگے ہم نے تمہارے گھوڑے کو رفتار میں بحر کی طرح پایا۔ اس کے بعد سے کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کرتا تھا۔

ان امور کے بعد اللہ نے اپنے دین کو خوب مستحکم کر دیا اور ایلچیوں کی پیاپے آمد و رفت شروع ہو گئی اور متواتر فتوحات ہونے لگیں' تمام قبائل عرب پر حکام و عمال کا تقرر فرمایا' شہروں میں قاضی مقرر کر دیئے گئے اور خلافت مکمل حالت میں ہو گئی' اس اطمینان کے بعد آپ کے قلب مبارک میں القا کیا گیا کہ مقام تبوک کی طرف نہضت فرمائی جائے تا کہ رومیوں پر آپ کی شوکت و جلالت ظاہر ہو اور ان اطراف کی طاقتیں مطیع ہو جائیں' یہ جنگ نہایت گرمی اور تنگی کے زمانہ میں واقع ہوئی تھی اس کی وجہ سے اللہ نے خالص اور منافق میں تمیز کروا دی' آنحضرت ﷺ ایک عورت کے باغیچہ پر گزرے جو وادی القریٰ میں تھا' اس باغیچہ کا اندازہ آپؐ نے بھی فرمایا اور دیگر صحابہؓ نے بھی فرمایا' لیکن جیسے آپ نے ارشاد کیا تھا اسی کے موافق برآمد ہوا' جب دیار حجر کے قریب پہنچے تو لوگوں کو اس کے پانیوں سے ممانعت فرما دی تا کہ موقع لعنت سے لوگ متنفر رہیں' ایک دفعہ شب کو آپؐ نے ممانعت فرما دی کہ کوئی شخص باہر نہ جائے' اتفاقاً ایک شخص باہر چلا گیا تو اس کو ہوا نے طے کی پہاڑیوں میں پھینک دیا' ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کا اونٹ گم ہو گیا تو ایک

منافق کہنے لگا کہ اگر آپ نبی ہوتے تو اپنے اونٹ کا حال معلوم کر لیتے کہ کہاں ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس منافق کے قول اور مقام اونٹ سے آگاہ کر دیا' اور بعض مخلصین نے زلہ اور غلطی کی وجہ سے رفاقتِ نبوی سے تخلف کیا تھا' لیکن بعد میں زمین ان پر تنگ ہوگئی' وہ نہایت ہی نادم ہوئے اس لیے ان کا قصور معاف کر دیا گیا' اور شاہ ایلہ کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے قید کر لیا جس کا پہلے سے گمان بھی نہ تھا' جب اسلام میں پوری طاقت آ گئی اور اللہ کے دین میں گروہ کے گروہ داخل ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی سے آپ کو حکم فرمایا کہ مشرکین سے جو معاہدے ہیں ان کو خیر باد کہہ دینا چاہیے اور سورت برأت کا نزول ہوا' نجران کے عیسائیوں سے آپ نے مباہلہ کا ارادہ کیا لیکن انہوں نے عاجز ہو کر جزیہ قبول کر لیا۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے گئے آپ کی معیت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ تھے' مناسک حج ان کو بتائے اور زمانہ شرک کی تحریفات کو دور کر دیا' جب تمام احکام اسلام کی تکمیل ہو چکی اور وفات کا زمانہ قریب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو آدمی شکل میں بھیجا' سب لوگ ان کو دیکھتے تھے' حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے دریافت کیا کہ ایمان و اسلام واحسان کی کیا حقیقت ہے اور قیامت کا حال دریافت کیا' آپؐ بیان فرماتے رہے اور حضرت جبریل علیہ السلام اس کی تصدیق کرتے گئے یہ گویا دین کا تتمہ اور تکملہ تھا۔

جب آپؐ مریض ہوئے تو برابر رفیق اعلیٰ کو یاد کرتے رہے اور ملاء اعلیٰ کی جانب اظہار شوق اور کشش فرماتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو وفات دی اور آپ کی حفاظتِ دین کا متکفل ہو گیا' ایسے لوگوں کو اس نے قائم کیا جو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہیں کرتے تھے' انہوں نے مدعیانِ نبوت اور روم و عجم سے جنگ آزمائیاں کیں کہ اس کے حکم کی تکمیل ہو گئی اور اس کا وعدہ پورا ہو گیا۔

صلی اللہ علیہ وعلی الہ وعلی اصحابہ وبارک وسلم.

الفتن، فتنوں کے بیان میں

معلوم کرنا چاہیے کہ فتنوں کے مختلف اقسام ہیں: ① ذاتی فتنہ اس طرح پر کہ آدمی کے دل میں قساوت اور سختی آ جائے اس کو طاعت میں کچھ حلاوت اور مناجات میں کوئی لذت محسوس نہ ہو' انسانی زندگی کے تین معنی ہیں' اول دل وہ تمام حالات انسانی غصہ دلیری' حیا' بیم و رجا' انقباض وانبساط وغیرہ کا مبداء ہے دوسرے عقل جو ان تمام علوم کا مبداء ہے جن پر حواس کی انتہا ہوتی ہے مثلاً وہ بدیہی احکام جو تجربہ وحدس (تیزی فہم) وغیرہ سے معلوم ہوں' یا علوم نظری جو دلیل خطابیات وغیرہ سے مستفاد ہوں' تیزی طبیعت جو کہ تمام نفسانی رغبتوں کا مبداء ہے خواہ وہ رغبتیں قیام بدن کے لیے خود ضروری ہوں یا ان کو جنس کی ضرورت ہو' مثلاً وہ خواہشیں جو کھانے پینے خواب ہم بستری کی وجہ سے پیدا ہوا کرتی ہیں جب عقل پر بہیمی خصلتیں غالب ہو جاتی ہیں تو اس کے تمام ارادے انقباض اور انبساط کے متعلق ایسے ہی ہوں گے جیسے بہائم کے جو طبیعت اور اوہام کی تحریک سے پیدا ہوتے ہیں ایسے دل کو بہیمی کہتے ہیں اور جب دل شیطانیت سے بیداری اور خواب میں شیطانی وسوسوں کو قبول کرنے لگے تو ایسے انسان کو شیطان الانس کہتے ہیں اور

جب دل پر فرشتوں کے سے صفات غالب ہوں تو اس کو قلبِ انسانی کہتے ہیں اس وقت اس کے تمام جذبات خوف و رغبت وغیرہ اعتقاداتِ حقہ کی جانب مائل ہوا کرتے ہیں جن کو اس نے حاصل کیا تھا' جب قلب کی حالت نہایت صاف اور اس کی نورانیت اور لمعان کامل ہو جاتی ہے تو قلب روح ہو جاتا ہے تب اس میں بغیر انقباض کے ہمیشہ انبساط رہتا ہے اور بغیر اضطراب اور بے چینی کے اطمینان اور سکون ہوتا ہے تمام ملکی خاصیتیں اس کی عادت اور طبیعت ہو جاتے ہیں اور وہ ایسی نہیں ہوتیں جیسے مکتسب چیزیں ہوتی ہیں اور جب بہیمی عادات عقل پر غالب ہوتے ہیں تو وہ سبک ہو جاتا ہے نفسانی جنبشوں میں مبتلا رہتا ہے' طبیعت کے دواعی کی طرف اس کی کشش رہتی ہے اگر خواہش نفس کی جنبش پیدا ہوتی ہے تو مجامعت کے خیال میں رہتا ہے' بھوک معلوم ہونے لگے تو کھانے کے خیال میں پڑا رہتا ہے' وعلیٰ ہذا' اور شیطانی وسوسوں سے جب وہ مغلوب ہوتا ہے تو اعلیٰ قسم کے جو انتظامات ہیں ان کے ابطال اور تنسیخ میں بسر کرتا ہے سچے اعتقادات میں شبہات پیدا کرتا ہے اور ان بدنما افعال کی جانب اس کو کشش رہتی ہے جس سے نفوس سلیمہ متنفر رہتے ہیں' اگر ملکی خصائل کا فی الجملہ یہی قوی اثر ہوتا ہے تو عقل کے لوازم سے ہوتا ہے کہ جن علوم کی تصدیق ضروری ہے اس کی تصدیق کی جاتی ہے' جن کا تعلق تدابیر نافع اور ان تدابیر سے ہوتا ہے جو درجہ احسان سے متعلق ہیں ان کا ثبوت بدیہی ہو یا نظری طور پر۔

اور جب اس کی نورانیت اور انجلا میں اور ترقی ہوتی ہے تو نفس کی حالت کو سر کہتے ہیں اس وقت میں وہ مختلف طریقوں سے خواب' فراست' کشف' آوازِ غیبی وغیرہ کے ذریعہ سے ان علوم کا ادراک کرتا ہے جن کا فیضان عالم غیب سے ہوتا ہے اور جب اس کا میلان ان موجودات کی طرف ہوتا ہے جو زمانہ اور مکان سے برتر ہیں تو نفس کو خفی کہتے ہیں۔

اور نفس کی کشش جب طبعی عادت میں محصور ہو جاتی ہے تو اس وقت اس کا نفس امارہ نام ہوتا ہے اور قوائے بہیمی اور ملکی میں جب اس کی مذبذب حالت ہو اور میلانوں کا فیصلہ کبھی اس جانب ہو کبھی اس جانب تو اس کو نفس لوامہ کہتے ہیں۔

اور جب نفس شریعت کا پورا پابند ہو اس کی حکومت سے بغاوت نہ کرے اس کی ہر ایک جنبش شریعت کے موافق ہی ہو اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں **هذا ما عندی من معرفة لطائف الانسان والله اعلم.**

ایک انسانی فتنہ وہ ہے جس کا تعلق اس کے اہل سے ہوتا ہے یعنی تدابیر منزلی کا ابتر ہو جانا آنحضرت ﷺ کے قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا کہ ایک شیطان اس کے پاس آکر کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو نہیں چھوڑا جب تک کہ اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی نہ کر دی' اس شیطان کو ابلیس اپنے نزدیک بلا کر کہتا ہے تو بہت ہی اچھا ہے۔

اور ایک فتنہ وہ ہے جو دریائے مواج کی طرف موجزن اور متلاطم ہوتا ہے وہ تمدن کی تدابیر کا برباد ہونا ہے اور لوگوں کا خلاف حق خلافت میں طمع کرنا' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شیطان مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرۂ عرب میں نماز پڑھنے والے اس کی پرستش کریں لیکن وہ ان میں فساد ڈلواتا رہے گا۔

ایک فتنہ مذہبی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ میں سے حواری فنا ہو جائیں اور نا اہل لوگ مذہب کے معتمد علیہ بنیں' علماء اور درویش مذہبی امور میں زیادہ تعمق کریں اور سلاطین و جاہل دین میں تہاون اور کسل ظاہر کریں کوئی نیکی کا راہنما اور بدی سے

روکنے والا نہ رہے اور زمانہ جاہلیت کے زمانہ کے ہمرنگ ہو جائے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے' ہر نبی کے لیے حواری ہوتے رہے۔الیٰ آخرالحدیث

اور ایک فتنہ وہ ہے جو آفاق میں پھیل جاتا ہے کہ لوگ انسانیت کے اصلی نظام اور مقتضائے انسانی سے بالکل بدل جائیں' سب میں از کی اور اعلیٰ درجہ کے زاہد تو طبیعت کے جذبات کو بالکل ترک کر دیں' ان کی اصلاح اور منتظم کرنے کی پرواہ نہ کریں' اپنے آپ کو مجردات کے مشابہ کسی نہ کسی طرح سے کرلیں اور عوام خالص بہمیت میں جذب ہو جائیں' کچھ لوگ دونوں کی درمیانی حالت میں ہوں۔ لَا اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَا اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ.

اور ایک فتنہ واقعاتِ جو سے متعلق ہے جن میں عام تباہی اور بربادی کی تہدید اور تخویف ہوا کرتی ہے۔مثلاً ہولناک قانون کا ظاہر ہونا' وبا کا پھیلنا' زمین کا دھنس جانا دور تک اطرافِ عالم میں آتشزدگی کا ہونا۔مثل ذالک

آنحضرت ﷺ نے اکثر فتنوں کی تفصیل اور تشریح بیان فرمائی ہے' آپ نے فرمایا ہے کہ تم اگلے لوگوں کے تمام طریقوں میں ایسی ہی پیروی کرو گے جیسے بالشت بالشت کے ساتھ اور گز گز کے برابری کرتا ہے۔حتیٰ کہ ان میں سے اگر کوئی موسمار کے سوراخ میں داخل ہوا ہو تو تم بھی اس کی پیروی کرو گے اور آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نیک لوگ درجہ بدرجہ فنا ہوتے جائیں گے اور بے قدر سبک طبع ایسے باقی رہتے جائیں گے جیسے جو کی بھوسی' اللہ تعالیٰ کو ان کی کچھ پرواہ نہ ہوگی' میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا کہ جب نبوت کا زمانہ منقرض اور ختم ہو جائے گا اور آپ کے صحابہؓ میں حواریوں کے درجہ کے لوگ باقی نہ رہیں گے اور نا اہل لوگ معتمد علیہ بنائے جائیں گے تو ضرور ہے کہ نفسانی اور شیطانی تحریکات اور دواعی کے موافق رسمیں پھیل جائیں گی' اور وہ الا ماشاء اللہ سب میں سرایت کر جائیں گے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اسلام کی ہدایت نبوت اور رحمت سے ہوئی ہے اس کے بعد خلافت اور رحمت کا زمانہ آئے گا' پھر اس کے بعد گزندہ حکومت ہوگی' اس حکومت کے بعد ظلم سرکشی اور زمین پر فساد ہوگا' ریشم' شرمگاہوں اور شراب کو لوگ جائز اور درست سمجھیں گے اسی حالت پر ان کو رزق دیا جائے گا' ان کی مدد کی جائے گی جب تک کہ وہ اللہ سے ملیں۔

میں کہتا ہوں آنحضرت ﷺ کی ذات سے نبوت کا اختتام ہو گیا اور وہ خلافت جس میں باہم مسلمانوں میں تلوار نہ تھی' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ختم ہوئی اور اصل خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی معزولی سے ختم ہوگئی اور ملک عضوض یعنی گزندہ کا وہ زمانہ ہے جس میں بنی امیہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی لڑائیاں رہیں اور بنی امیہ سختیاں کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت قائم ہوگئی اور جبر و سرکشی کا زمانہ عباسیوں کا ہے اس لیے کہ انہوں نے کسریٰ اور قیصر کی رسم و آئین کے موافق خلافت کی بنیاد ڈالی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فتنے دلوں پر پیش ہوں گے وہ دلوں کو گھیر لیں گے جیسے چٹائی کی بناوٹ میں ایک جزو دوسری جزو میں گھا ہوا ہوتا ہے جن دلوں میں وہ فتنہ سرایت کر جائیں گے ان میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جائے گا' اور جو قلوب ان سے بیگانہ رہیں گے ان میں سپید نقطہ پیدا ہوگا' اس طرح دو قسم کے دل ہو جائیں گے ایک سپید چٹان کی طرح صاف و بے داغ اس کو کوئی فتنہ

مضرت نہ پہنچا سکے گا جب تک زمین آسمان قائم ہیں' دوسرے سیاہ گرد آلود جیسے میز ھا کوزہ نہ نیکی کی شناخت کرتا ہے نہ بدی کی' بجز اپنی خواہش کے جو دل میں سرایت کر گئی ہے۔

میں کہتا ہوں' جب فتنے برپا ہوتے ہیں تو نفسانی اور شیطانی ولولوں کی دل میں جنبش ہوتی ہے بداعمالیاں دلوں کو گھیر لیتی ہیں کوئی ہادی نہیں ہوتا جو حق پر آمادہ کرے اس واسطے ان ہی دلوں کو ان فتنوں سے علیحدگی اور بیگانگی ہوا کرتی ہے جو ان کی مخالف اور بدنمائیت سے نا آشنائے محض ہوتے ہیں' باقی اور سبھوں پر ان کا عام اثر ہوا کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ امانت اصل طبیعت میں پیدا ہوا کرتی ہے پھر اس کا علم قرآن وحدیث کے ذریعہ سے ہو جاتا ہے' اور امانت کے جاتے رہنے کو آنحضرت ﷺ نے یوں بیان فرمایا کہ آہستہ آہستہ امانت کا اثر دل سے زائل ہوتا ہے اول اول اس کا نور زائل ہو کر کسی قدر تیزگی رہ جاتی ہے پھر اثر ظلمت کا دیرپا ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اسلام کو غلبہ ہو تو ایک قوم کو اس نے پسند کیا اور اطاعت وجان نثاری کا ان کو مرتاض ومشتاق بنایا' حکم الٰہی کے موافق ان کی ہمت اور عزم کو جمع کیا پھر اسی اجمالی فرمان پذیری کے احکام کی قرآن وحدیث میں پوری تفصیل کر دی گئی' اس کے بعد رفتہ رفتہ غفلت وبے پرواہی بڑھتی جاتی ہے اس وقت نہایت ہوشمندی اور فراست میں دیکھا جاتا ہے کہ اس کے دل میں دین الٰہی اور لوگوں کے باہمی تعلقات اور معاملات میں ادنیٰ حصہ تدین اور امانت کا نہیں ہوا کرتا ہے' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ جیسے اسلام سے پیشتر تاریکی پھیل گئی تھی کیا بعد کو بھی ہو جائے گی آپؐ نے فرمایا ہاں ایسی ہی ہو جائے گی' میں نے کہا اس سے نجات کیسے حاصل ہو گی' آپؐ نے فرمایا تلوار نجات دے سکے گی' میں نے کہا بعد تلوار کے بھی کیا کچھ تاریکی باقی رہے گی؟ آپ نے فرمایا ہاں' ناخوشی اور ناگواری سے حکومت قائم ہو گی اور مکر وفساد سے صلح ہو گی' میں نے عرض کیا پھر کیا ہو گا' فرمایا گمراہی کی طرف لوگ بلائیں گے اگر اس وقت میں کوئی خلیفہ موجود ہو جو امور باطل پر تیرے پیٹ پر درے لگائے اور تجھ سے مال وصول کرے تو اس کی اطاعت کرنا ورنہ افسوس وغم کی حالت میں مر جانا۔

میں کہتا ہوں وہ زمانہ جس میں نجات تلوار سے حاصل ہوئی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت تھا جس میں اہل عرب مرتد ہو گئے تھے اور ناخوشی کی حکومت وہ باہمی نزاع تھی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیش آئے اور مکر وفساد کی وہ صلح تھی جو حضرت معاویہ اور حضرت امام حسنؓ کے زمانہ میں واقع ہوئی اور گمراہی کی طرف بلانا' ان میں سے ملک شام میں یزید تھا اور عراق میں مختار وغیرہ ذالک' یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان کی حکومت مستقل ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے فتنۂ احلاس کا ذکر فرمایا' آپؐ سے عرض کیا گیا کہ اس میں کیا ہو گا آپؐ نے فرمایا بھاگنا اور جنگ کرنا' پھر آپؐ نے فرمایا کہ اس کے بعد فتنہ سراء ہو گا' اس کا ظہور ایسے شخص کے قدموں کے نیچے سے ہو گا جو کہے گا کہ مجھ میں سے ہے حالانکہ مجھ میں سے نہ ہو گا' یقیناً مجھ میں سے قریب متقی لوگ اس کے بعد تمام لوگ ایک شخص سے صلح کر لیں گے' لیکن اس کی حالت کچھ منتظم نہ ہو گی' اور اس کے بعد فتنہ دہماء ہو گا' کوئی شخص اس امت کا اس کے طمانچے سے محفوظ نہ رہے گا' جب لوگ کہیں گے کہ اب اس کی انتہا ہو گئی اس میں اور امتداد ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ فتنہ اخلاس واللہ اعلم وہ ہوا جس میں اہل شام نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سے جنگ کی تھی' وہ جب مدینہ سے بھاگ کر مکہ میں آ گئے تھے' اور فتنہ سراء سے مراد یا تو مختار کا غالب آ کر اس دعوئ سے کہ میں اہل بیت کا قصاص لیتا ہوں قتل و غارت کرنا ہے' آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ وہ کہے گا کہ مجھ میں ہوگا اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ اہل بیت کے ایک گروہ اور انصار میں سے ہوگا' اس کے بعد مروان اور اولاد مروان پر صلح ہوگئی تھی' یا اس فتنہ سے ابومسلم خراسانی کا عباسیوں کے مقابلہ کے لیے خروج کرنا مراد ہے اس کا بھی یہی قول تھا کہ میں اہل بیت کی خلافت کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد سفاح پر صلح ہوگئی اور فتنہ دہیماء سے چنگیزیوں کا مسلمانوں پر غالب آ جانا مراد ہے انہوں نے ممالک اسلام میں خوب غارت گری کی۔

اور رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے علامات بیان فرمائے ہیں' ان علامات کی انتہا بھی انہیں مختلف فتنوں پر ہوتی ہے جن کا اوپر ذکر ہو چکا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے' قیامت کے علامات سے ہے کہ علم اٹھ جائے گا جہل کی کثرت ہوگی' زنا اور شراب کی زیادتی ہو جائے گی' مرد کم ہو جائیں گے' عورتیں زیادہ ہو جائیں گی' پچاس پچاس عورتوں پر ایک شخص کی حکومت ہوگی۔

زبان شریعت میں حشر کے دو معنی ہوتے ہیں ایک لوگوں کا ملک شام میں جمع ہونا قیامت سے پیشتر یہ واقع اس وقت ہوگا جب زمین پر لوگوں کی قلت ہو جائے گی تو بعض لوگ مختلف تقریبوں کی وجہ سے اور بعض لوگ آگ کی وجہ سے وہاں جمع ہوں گے' دوسرے حشر کے معنی ہیں بعد موت کے زندہ ہونا' اس سے پیشتر ہم معاد کے اسرار بیان کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم

جن بڑے بڑے فتنوں کی رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے وہ چار ہیں:

اوّل فتنہ ناگوار حکومت کا یہ فتنہ اس حالت پر صادق آتا ہے جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم میں شورشیں پیدا ہوئیں یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ کی خلافت قائم ہوگئی: **بدنة علی وقن** .اسی خلافت کی طرف اشارہ ہے' حضرت معاویہؓ کے ہی متعلق ہے **یعرف امرہ وینکر** .کہ ان کے حکم کی تعمیل بھی کی جائے گی اور اس سے انکار بھی کیا جائے گا' اس لیے کہ ان کی سیرت سلاطین کی طرز پر تھی نہ خلفاء کے روش پر۔

دوسرا فتنہ اخلاس ہے جس میں لوگ جہنم کے دروازوں کی طرف بلائیں گے یہ اس زمانہ پر صادق ہے کہ حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد لوگوں میں اختلاف ہوا اور خلافت کی تمنا میں انہوں نے جنگ آزمائیاں کیں یہاں تک کہ عبدالملک کی حکومت جم گئی۔

تیسرا فتنہ سراء ہے جبر و سرکشی کا زمانہ ہے جس میں عباسیوں نے بنی امیہ پر خروج کیا یہاں تک کہ خلافت عباسیہ کی بنیاد قائم ہو گئی' عباسیوں نے سلاطین عجم کی سی ٹھاٹ قائم کی اور زبردستی حاکم بن بیٹھے۔

چوتھے جو عام طور پر سب کو طمانچہ لگائے گا جب کہیں گے اب ختم ہوگیا ہے وہ اور ممتد ہو جائے گا۔ اور لوگ دو حصوں میں منقسم ہو جائیں گے وہ چنگیزی ترکوں کا بلاخیز حملہ تھا جنہوں نے عباسی خلافت کو پاش پاش کر دیا۔ اور جو حدیثیں فتنوں کے بارے میں وارد ہیں ان میں سے دس پہلے بیان ہو چکی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اسلام کی آسیا تینتیس یا چھتیس سال تک گردش کرتی رہے گی' پس اگر لوگ ہلاک ہو جائیں تو

ان کی ہلا کی ایسی ہی ہوگی جیسی اگلوں کی ہوئی' اور اگر ان کا دین ثابت اور مستقیم رہا تو ستر برس باقی رہے گا' راوی نے کہا یہ مدت ستر سال کی آئندہ سے ہے یا گذشتہ سالوں کو ملا کر' اس قول کے کہ اسلام کی آسیا گردش کرتی رہے گی معنی یہ ہیں کہ اسلام کی پوری قوت ان سالوں میں ہوگی حدود قائم ہوں گے جہاد تمام امت میں ہوگا اور یہ حالت جہاد کی ابتداء اور اوائل ہجرت سے جب تک باقی رہے' کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے' اور مدت میں تعداد کے لحاظ سے جو شبہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے متعلق اجمالی وحی کی گئی ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ اگر سب ہلاک ہو جائیں اس کے معنی یہ ہیں کہ اس قدر دشواریاں اور دقتیں پیش آئیں گی کہ دیکھنے والے کو شک ہوگا کہ مبادا تمام امت تباہ ہو جائے اور تمام ان کے امور نابود نہ ہو جائیں اور ستر برس سے ابتدائے بعثت سے حضرت معاویہؓ کے انتقال تک کا زمانہ مراد ہے اس کے بعد فتنہ و عاۃ الضلال کا قائم ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے وہ لوگ لڑیں گے جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوں گی ان سے ترک مراد ہیں وہ تم کو تین مرتبہ ہٹائیں گے یہاں تک کہ جزیرۂ عرب سے تم ہل جاؤ گے پہلی دفعہ جو بھاگے گا وہ بچ جائے گا' دوسری مرتبہ کچھ بچیں گے کچھ ہلاک ہوں گے' تیسری مرتبہ وہ بالکل استیصال کر دیں گے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اہل عرب ان سے لڑیں گے اور غالب آ جائیں گے اس کی وجہ سے باہم ان میں عداوتیں اور رنجشیں پیدا ہوں گی جن کا انجام یہ ہوگا کہ وہ اپنے شہروں سے عرب کو دور کر دیں گے اور اس پر ہی قناعت نہ کریں گے بلکہ خود بلاد عرب کے اندر آ جائیں گے۔ **حتی تلقوهم بجزيرة العرب** ۔سے یہی مراد ہے' ان کے اوّل بار کی جنبش میں بھاگنے والے کو نجات مل جائے گی یعنی جو مقابلہ نہ کرے گا وہ بچ جائے گا اور یہ پیشین گوئی چنگیزیوں کے جنگ پر صادق ہوئی جو عباسی بغداد میں تھے ہلاک ہو گئے اور جو مصر کو بھاگ گئے تھے محفوظ رہے' دوسری مرتبہ فرمایا گیا کہ بعض بچیں گے بعض ہلاک ہوں گے' یہ امر تیمور کے حملے پر صادق ہے جس نے ملک شام کو پامال کر دیا اور عباسیوں کو تہ و بالا کر دیا اور تیسری بار سب کا استحصال کر دیں گے یہ عثمانیہ حکومت پر صادق ہے یہ تمام دائرہ حکومت پر غالب آ گئے۔ واللہ اعلم



المناقب

صحابہ رضی اللہ عنہم کے مناقب چند اُمور پر مبنی ہیں' اوّل یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وہ نفسانی ہیئت اور حالت معلوم ہوئی جس کی وجہ سے آدمی جنت میں داخل ہو جانے کے قابل ہو جایا کرتا ہے' جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت آپ کو معلوم ہوا کہ ان میں نمائش نہیں ہے اور انہوں نے ان اوصاف کو مکمل کر لیا ہے جن کی صورتِ مثالی جنت کے دروازے ہوتے ہیں' تب آپ نے فرمایا مجھ کو امید ہے کہ تو ان لوگوں میں سے ہے' یعنی ان لوگوں میں سے جو جنت کے تمام دروازوں سے بلائے جائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم کو کبھی راستہ میں چلتا ہوا شیطان نہیں ملا مگر وہ تمہارا راستہ چھوڑ کر دوسرے سو ہو لیتا ہے' اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت سے اگر کوئی محدث یا ملہم بالغیب ہے تو وہ عمرؓ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خواب کے ذریعہ سے کسی کا راسخ فی الدین ہونا آپ کو معلوم ہو جائے جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپؐ نے خواب میں دیکھا کہ جنت ان کا استقبال کرتی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت آپؐ نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں ان کا ایک محل ہے اور بڑی لمبی چوڑی قمیص پہنے ہوئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے دودھ سے بقیہ عطیہ فرمایا ہے جس کی تعبیر یہ ہوئی کہ علم اور دین سے ان کو کافی حصہ ملے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اپنی محبت ظاہر فرمائیں ان کی توقیر کریں ان کے ساتھ مواسات اور ہمدردی کریں' اسلام کے پہلے خدمات اور ابتدائی اوصاف ان میں پائے جاتے ہوں' ان سب امور سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب امور اسی لیے متحقق ہوئے کہ ان کے دل نور ایمانی سے منور تھے۔

معلوم کرنا چاہیے کہ بعض زمانوں کی بعض پر فضیلت اور فوقیت مشکل الوجوہ نہیں ہو سکتی ہے اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کی صفت بارش کی سی ہے' میں نہیں جانتا کہ پہلا اچھا ہے یا اخیر **مثل امتی کمثل المطر لادری اولہ خیر ام اخرہ**. اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میرے صحابہؓ ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے **انتم اصحابی واخوانی الذین یاتون بعدی**. اس کی وجہ یہی ہے کہ مختلف اعتبارات اور مختلف وجہیں ہر زمانہ میں موجود ہوا کرتی ہیں۔

اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ عمدہ اور بزرگ زمانے کے ہر شخص کو دوسرے مفضول زمانہ پر فوقیت اور فضیلت ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے جو قرون بالاتفاق عمدہ اور بزرگ تھے ان میں بعض لوگ فاسق اور منافق بھی تھے' انہیں زمانوں میں حجاج' یزید بن معاویہ مختار ہیں' اور قریش کے نوجوان جو لوگوں کو ہلاک کرنے والے تھے اور ان کے علاوہ اور جن کی بداعمالیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے' لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ قرنِ اوّل کے جمہور لوگ قرنِ دوم کے جمہور لوگوں سے افضل اور بہتر تھے اور مذہب کا ثبوت اور وجود

نقل سے ہوا کرتا ہے کہ ایک دوسرے کا وارث ہوتا چلا جاتا ہے اور توارث جب ہی ممکن ہے کہ ان لوگوں کی تعظیم وتوقیر کی جائے۔ جنہوں نے وحی کے موقعوں کا معائنہ کیا تھا ان کی تفسیر اور تاویل ان کو معلوم تھی' رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو آنکھ سے دیکھا تھا اس میں تعمق اور سستی کو مخلوط نہیں کیا تھا' دوسرے مذہب کی آمیزش سے اس کو پاک صاف رکھا تھا۔

اور تمام اُن لوگوں کا جو اُمت محمدیہ میں شمار اور اعتبار کے قابل ہیں اس پر اتفاق ہے کہ تمام امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں' ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس لیے کہ نبوت میں دو حصے ہوا کرتے ہیں' علوم کو اللہ کی جانب سے حاصل کرنا اور لوگوں میں ان کی اشاعت کرنا' پہلے حصہ میں نبی کا کوئی ہمسر اور شریک نہیں ہوا کرتا اور ان علوم کا شائع کرنا انتظام اور تالیف قلوب سے حاصل ہوا کرتا ہے اور اس میں کچھ شک وشبہ نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں اور آپ کے بعد کوئی شخص اس اُمت محمدیہ علی صاحبها التحية والسلام. میں ایسا نہیں ہے کہ اس حصہ میں شیخین رضی اللہ عنہما سے اس کو سبقت اور فوقیت حاصل ہو۔ واللہ اعلم

ولیکن هذا اخر ما اردنا ایراده فی کتاب حجة الله البالغة والحمدلله تعالی اولا واخرا و ظاهرا وباطنا وصلی الله تعالی علی خیر خلقه محمد واله واصحابه اجمعین.















ہماری چند دیگر
خوبصورت اور معیاری مطبوعات



مکتبہ رحمانیہ

اقراء سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار لاہور

Tel: +92-42-37224228 , 37355743

E-mail: maktabarehmania@gmail.com